

انھوں نے ایڈیشن

صدیہ بانو

لکھنے سنسنی خیز آپ بیتی

چھلاوا

اردو
میں
سب
سے
زیادہ
شائع
ہونے
والی
سرگزشت



انتہا

اب بھلا وہ کیا پیکر مکمل ہی آپ کے سامنے ہے لیکن میں نہیں سمجھتی کہ یہ پیکر مکمل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میری زندگی کا ایک باب مکمل ہو گیا۔ وہ گئی میری زندگی تو اس کے ان گنت ایوان ابھی آپ کی نظر سے نہیں گزرے۔ اہل لیل والوں کو تو امراتھا کہ میں بھی کچھ لکھوں لیکن اب میں آگیا گئی تھی، بلکہ پچھلے دنوں سے تو طبیعت بھی کچھ منکدر رہ گئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں زندگی کو برتنے کا لہجہ جاری ہوں میں نے اپنی زندگی کے ہر کلمہ کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھا ہے لیکن اب ایسا ہو گیا ہے کہ ہر کلمہ مجھے شکست دیتا رہتا ہے۔ میں سوچتی رہتی ہوں، چاہتی کچھ ہوں، اور کچھ جاتا ہے، شاید اب میرے اعصاب جواب دینے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں وہ فکشن بھی نہیں لکھ سکتی ہوں کہ اس کا عنوان اہل لیل میں مساجد کے نام سے ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو میں اسے لکھ کر مٹا لی گئی تھی کہ چکی ہوں۔ وہ اہل میری خواہش ہے کہ میں اتنا یادگار بنا دوں جیسے میری آپ اپنی آپ لوگوں کے ذہن پر نقش ہو گئی ہے۔

ان گنت محبت نامے اور شہ گرام مجھے موصول ہوتے رہتے ہیں کہ میں اپنی آپ اپنی پھر شروع کروں۔ مجھے یاد کر لے والے ان محفل میں ادا و اہل ادب کیوں کی ہے اور یہ قول ارباب اہل لیل، ایسا ہونا بھی چاہیے۔ بہر حال میں اس بحث میں نہیں چڑوں گی کہ ایسا ہونا چاہیے یا نہیں۔ مجھے تو وہ سبھی عزیز ہیں جنہوں نے میری سرگزشت کو بے لطف حسین دیکھا۔ سرگزشتوں کے ذیل میں یہ غالباً تاریخ ساز واقعہ ہے کہ کوئی محفل بہت کم عرصے میں اتنی مرتبہ شائع ہوئی۔ یہ اس کتاب کا آٹھواں ایڈیشن ہے اور اب بھی نہیں ہے کہ یہ کم تعداد میں شائع ہو رہا ہو۔ اس میں اتنی خاصی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کی تمام کاپیاں اشاعت سے قبل ہی بیک ہو چکی ہیں۔ بہر حال

صبرِ باق

• واحد قسم کار: کتابیات پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی۔ ۲

یوں تو میرے پاس ایک ایرکٹریٹنڈ کا ہے لیکن میں اکثر میلوں میں سفر کرتی ہوں بس میں سفر کرنا مجھے کیوں پسند ہے۔۔۔ اس کا انداز ہر ایک نہیں دیکھ سکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ جس کے دیکھ کر کھار کی میرا کھانا مقصود ہوتا ہو اور یوں بھی نہیں ہے کہ جس کو ڈانٹو رک مختلفات اور گندھڑ کی بدعتیں یاں میری سماعت پر محبوب کے دل نواز فقروں کا سامنا کرنا تشریح ہوتی ہوں بلکہ اس کا تعلق کچھ دل سے ہے۔ ایک ناوک سامعہ ایک اچوتی بات کو سمجھاتی نہیں جاسکتی، صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور محسوس کرنے والے میں وہ نہیں ہو سکتے صرف عورت ہی محسوس کر سکیں گی اور وہ بھی شاید ساری دنیا میں معدودے چند ہوں گی۔ یونان کی مشہور و عظیم شاعرہ میٹو میرے جذبات کو کچھ ہی سمجھتی تھی۔

اگر اس جذبات کی تفسیر بیان کرنا شروع کروں تو غالباً درجنوں صفحات کا ہے جو حواس کے اور شایعات بھر پوری واضح نہ ہو سکے لہذا بہتر ہو گا جو کچھ میری پیر گزشتہ بڑھیں وہ بڑے سکون و صبر سے میری حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہیں۔ بات انخرو واضح ہو جائے گی میرے جذبات کی تفسیر میری حرکات و سکنات میں مضمر ہے۔

میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ ان سوالوں کا جواب آپ کو آئے گی حل کر لے گا ابھی تو آپ صرف اس واقعہ کا مشاہدہ کیجئے جو میں بیان کرنے والی ہوں۔

اس روز موسم بہار اور اسٹیک تھا۔ مسرتی بادلوں کے ننھے ننھے ٹکڑے، دھلکی ہوئی روئی کی طرح آسمان پر چھبے ہوئے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی لیکن چپکے چپکے دھبے دھبے اس طرح چل رہی تھی جیسے اپنا کونے جان میں پہنچ کر کعبہ کو چوکا دینا چاہتی ہو۔ جب ایسی نفسا ہو تو مرادل نے اختیار چلی اٹھتا ہے اور میں بھی فراز کے در بھی ناصر کا کئی شعر لگاتی ہوں در جان کی تلاش میں لنگھتی ہوں ہوں۔ اب اگرچہ سانی کا موقع مل گیا تو تھیک در تھیک میرا دوسرا اور آخری سہارا شراب ہی ہوتی ہے۔ میں اس وقت تک پی رہی ہوں جب تک میرے جسم و دماغ پر شراب کا بھر پور لطف نہیں ہو جاتا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ اس روز جب موسم خوشگوار اور میرادل کی یہ حالات بھی سازگار ہی تھے۔ لیکن کالج و ڈیو واپس ہوتے ہیں چاروں در پلٹے تھے۔ دراصل یہ واقعوں دن کا ہے جب صدف کی

کی شکست کھا کر عین اور ڈونگ ہنگاموں کے بعد صورت حال تابو یا جاکھ کا کھانا اسکول خاصے صوفے تک بند ہونے کے بعد چپکے تھے۔ اندر ایک لاداسا تو اب بھی پاک باقا کیکن نظر صورت حال مولد پر چینی تھی۔

میں گھسے تو ابی کار میں روانہ ہوئی لیکن صدف پر کچھ میں نے کاروائی پر پھر اور شاپی ہوئی دیکھ کر اس غلاب پر پھینک دی سیکیاں گم گم نگاہیں لپٹ لپٹ جسم میں مقبوت ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ودا ایک لپے دے سے فخر سے سنی سانی تھے اور ایک ادھڑکی بھی لیکن میں اس سب باتوں کو متانت سے نظر انداز کرتی تھی ایک ایسے روٹ کی بسبب میں سواری سے ڈرنا کی گزرا کیوں کے سامنے سے گزرنا تھا۔ اور کچھ لمبوں کی طرح وہ میں جی سا زون سے کچھ بھری ہوئی تھی میکس فورڈ سے تھنے میں کوئی طوفان برپا نہ رہتا تھا۔ مجھے پہلے دیاں صرف دو عورتیں بھی ہوئی تھیں ایک دو اور عمر کی عین عورت تھی جس نے ماہان کی جہانی اپنے پیروں کے پاس رکھ دیا تھی اور دوسری نے ایک غلام تراش کاہرتے اوپر رکھا تھا سنا ہے ملے ہی پر تھنے پر چند کچھ عورت کو اپنی راہ میں دیکھ کر کمرانی کھرا گاڑی دھنسنے لے ساختہ کہا ہوتا۔

»اڑے ہوئی راستے سے، کیا پیرا غول کا مائل ادھر ادھر گھومتا ہے«

میں جب بھی اس قسم کا برق دھکتی ہوں میرے ذہن میں یہ جبرست فخر کھینکانے لگتا ہے اور میرے بول پر سکر اٹھ کا تب جاتی ہے لگا بس، شاپ سے زمانے تھنے میں دو افراد کا اعجاز ہوا وہ غانا مانا ملی تھیں۔ ماں باپ وہ تھی لیکن بیٹی کو ابھی رہتے نہیں اڑھا عاتقا ابھی اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی بس بارہ تیرو سال کی ہوئی۔ اس کا منہ دیکھ کر میری زبان کی نوک پر کچھ اردو دن کا ڈانڈ چلنے لگا۔ اردو جو مجھے محنت پسند نہیں مجھے تو ناگیاں پسند ہیں گول گول، نگاری کی، ترو تازہ نہ لگیاں!۔۔۔ مجھے تو وہ نوک بھی نہیں بھانستے جو چڑچڑ کر کے اردو دکھاتے ہوں۔ بروی غیر مشاعرہ کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔

اس شاپ گورد کر بس نے برق رفتاری کے رکھا ڈ کا تم کرنا شروع کر دیے۔ غالب اس کی بھر کی اور اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ لگا شاپ ایک گز کا کچھ کا تھا۔ مجھے ہر گز ڈر نہ ہوا اب میں شاپ پر ایک نگاہ غلام انداز لے رہے تھے گز جا میں لیکن صدف نے گریمر اڑائے غلام تھا۔ بس کی رفتار ناگہم سست پڑی چلی گئی۔ بس شاپ پر اڑا کیوں کے غول کے غول تو جوتھے میرا اندازہ چلیک ہی اٹھا تھا کچھ چپک چپک ہوئی ہوگی۔

بس کے کتے ہی وہ تیلیاں اپنی کتابیں سمجھاتی ہوئی جھپٹ

میں گھسے تو ابی کار میں روانہ ہوئی لیکن صدف پر کچھ میں نے کاروائی پر پھر اور شاپی ہوئی دیکھ کر اس غلاب پر پھینک دی سیکیاں گم گم نگاہیں لپٹ لپٹ جسم میں مقبوت ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ودا ایک لپے دے سے فخر سے سنی سانی تھے اور ایک ادھڑکی بھی لیکن میں اس سب باتوں کو متانت سے نظر انداز کرتی تھی ایک ایسے روٹ کی بسبب میں سواری سے ڈرنا کی گزرا کیوں کے سامنے سے گزرنا تھا۔ اور کچھ لمبوں کی طرح وہ میں جی سا زون سے کچھ بھری ہوئی تھی میکس فورڈ سے تھنے میں کوئی طوفان برپا نہ رہتا تھا۔ مجھے پہلے دیاں صرف دو عورتیں بھی ہوئی تھیں ایک دو اور عمر کی عین عورت تھی جس نے ماہان کی جہانی اپنے پیروں کے پاس رکھ دیا تھی اور دوسری نے ایک غلام تراش کاہرتے اوپر رکھا تھا سنا ہے ملے ہی پر تھنے پر چند کچھ عورت کو اپنی راہ میں دیکھ کر کمرانی کھرا گاڑی دھنسنے لے ساختہ کہا ہوتا۔

»اڑے ہوئی راستے سے، کیا پیرا غول کا مائل ادھر ادھر گھومتا ہے«

میں جب بھی اس قسم کا برق دھکتی ہوں میرے ذہن میں یہ جبرست فخر کھینکانے لگتا ہے اور میرے بول پر سکر اٹھ کا تب جاتی ہے لگا بس، شاپ سے زمانے تھنے میں دو افراد کا اعجاز ہوا وہ غانا مانا ملی تھیں۔ ماں باپ وہ تھی لیکن بیٹی کو ابھی رہتے نہیں اڑھا عاتقا ابھی اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی بس بارہ تیرو سال کی ہوئی۔ اس کا منہ دیکھ کر میری زبان کی نوک پر کچھ اردو دن کا ڈانڈ چلنے لگا۔ اردو جو مجھے محنت پسند نہیں مجھے تو ناگیاں پسند ہیں گول گول، نگاری کی، ترو تازہ نہ لگیاں!۔۔۔ مجھے تو وہ نوک بھی نہیں بھانستے جو چڑچڑ کر کے اردو دکھاتے ہوں۔ بروی غیر مشاعرہ کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔

اس شاپ گورد کر بس نے برق رفتاری کے رکھا ڈ کا تم کرنا شروع کر دیے۔ غالب اس کی بھر کی اور اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ لگا شاپ ایک گز کا کچھ کا تھا۔ مجھے ہر گز ڈر نہ ہوا اب میں شاپ پر ایک نگاہ غلام انداز لے رہے تھے گز جا میں لیکن صدف نے گریمر اڑائے غلام تھا۔ بس کی رفتار ناگہم سست پڑی چلی گئی۔ بس شاپ پر اڑا کیوں کے غول کے غول تو جوتھے میرا اندازہ چلیک ہی اٹھا تھا کچھ چپک چپک ہوئی ہوگی۔

یوں تو میرے پاس ایک ایرکٹریٹنڈ کا ہے لیکن میں اکثر میلوں میں سفر کرتی ہوں بس میں سفر کرنا مجھے کیوں پسند ہے۔۔۔ اس کا انداز ہر ایک نہیں دیکھ سکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ جس کے دیکھ کر کھار کی میرا کھانا مقصود ہوتا ہو اور یوں بھی نہیں ہے کہ جس کو ڈانٹو رک مختلفات اور گندھڑ کی بدعتیں یاں میری سماعت پر محبوب کے دل نواز فقروں کا سامنا کرنا تشریح ہوتی ہوں بلکہ اس کا تعلق کچھ دل سے ہے۔ ایک ناوک سامعہ ایک اچوتی بات کو سمجھاتی نہیں جاسکتی، صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور محسوس کرنے والے میں وہ نہیں ہو سکتے صرف عورت ہی محسوس کر سکیں گی اور وہ بھی شاید ساری دنیا میں معدودے چند ہوں گی۔ یونان کی مشہور و عظیم شاعرہ میٹو میرے جذبات کو کچھ ہی سمجھتی تھی۔

اگر اس جذبات کی تفسیر بیان کرنا شروع کروں تو غالباً درجنوں صفحات کا ہے جو حواس کے اور شایعات بھر پوری واضح نہ ہو سکے لہذا بہتر ہو گا جو کچھ میری پیر گزشتہ بڑھیں وہ بڑے سکون و صبر سے میری حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہیں۔ بات انخرو واضح ہو جائے گی میرے جذبات کی تفسیر میری حرکات و سکنات میں مضمر ہے۔

میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ ان سوالوں کا جواب آپ کو آئے گی حل کر لے گا ابھی تو آپ صرف اس واقعہ کا مشاہدہ کیجئے جو میں بیان کرنے والی ہوں۔

اس روز موسم بہار اور اسٹیک تھا۔ مسرتی بادلوں کے ننھے ننھے ٹکڑے، دھلکی ہوئی روئی کی طرح آسمان پر چھبے ہوئے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی لیکن چپکے چپکے دھبے دھبے اس طرح چل رہی تھی جیسے اپنا کونے جان میں پہنچ کر کعبہ کو چوکا دینا چاہتی ہو۔ جب ایسی نفسا ہو تو مرادل نے اختیار چلی اٹھتا ہے اور میں بھی فراز کے در بھی ناصر کا کئی شعر لگاتی ہوں در جان کی تلاش میں لنگھتی ہوں ہوں۔ اب اگرچہ سانی کا موقع مل گیا تو تھیک در تھیک میرا دوسرا اور آخری سہارا شراب ہی ہوتی ہے۔ میں اس وقت تک پی رہی ہوں جب تک میرے جسم و دماغ پر شراب کا بھر پور لطف نہیں ہو جاتا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ اس روز جب موسم خوشگوار اور میرادل کی یہ حالات بھی سازگار ہی تھے۔ لیکن کالج و ڈیو واپس ہوتے ہیں چاروں در پلٹے تھے۔ دراصل یہ واقعوں دن کا ہے جب صدف کی

میں گھسے تو ابی کار میں روانہ ہوئی لیکن صدف پر کچھ میں نے کاروائی پر پھر اور شاپی ہوئی دیکھ کر اس غلاب پر پھینک دی سیکیاں گم گم نگاہیں لپٹ لپٹ جسم میں مقبوت ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ودا ایک لپے دے سے فخر سے سنی سانی تھے اور ایک ادھڑکی بھی لیکن میں اس سب باتوں کو متانت سے نظر انداز کرتی تھی ایک ایسے روٹ کی بسبب میں سواری سے ڈرنا کی گزرا کیوں کے سامنے سے گزرنا تھا۔ اور کچھ لمبوں کی طرح وہ میں جی سا زون سے کچھ بھری ہوئی تھی میکس فورڈ سے تھنے میں کوئی طوفان برپا نہ رہتا تھا۔ مجھے پہلے دیاں صرف دو عورتیں بھی ہوئی تھیں ایک دو اور عمر کی عین عورت تھی جس نے ماہان کی جہانی اپنے پیروں کے پاس رکھ دیا تھی اور دوسری نے ایک غلام تراش کاہرتے اوپر رکھا تھا سنا ہے ملے ہی پر تھنے پر چند کچھ عورت کو اپنی راہ میں دیکھ کر کمرانی کھرا گاڑی دھنسنے لے ساختہ کہا ہوتا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے بالو کو اب کو راہ راست پر لا کر رہوں گا۔"
 "کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے بلک نہیں کرنے کے لئے مواد حاصل کرنا چاہتے ہو؟"
 "تو یہ ہے، رضوان! سامنے بیٹھ دگا۔"
 "میں نہیں خوب جانتی ہوں رضوان!... اجابری لات میں تم سے بڑا بلک میروں گی نہیں ہے۔"
 "میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا بالو کہ اس شہر کی کسی معزز ہتھیالیری میں بھی میں جتنی آپ کو میں اپنی صفی میں نہیں بلکہ دل میں..."
 "تھو ڈیٹ شاعری مجھے سخت نا پسند ہے، میں نے اس کی بات کاتے ہوئے ناک پکڑ کر لیا۔"
 "مرٹ تو خیال رکھو! کیوں کا قرب پسند آتا ہے! رضوان کے لیے میں کئی لگا۔"
 "تم سے مطلب ہے؟ میں نے تیرے لیے میں کہا۔"
 "وہ سب کچھ غلطی ہے۔"
 "فطرت بالیقین میں کتا بول سے بھی لے سکتی ہوں۔ تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"
 "میں تو کمرس چکا ہوں۔ فیصلہ ہونے تک کوشش جاری رہے گی۔"
 "جس دن بھی موقع مل گیا میں تمہارے ہاتھ پر نوکر نوکر دوں گی۔"
 "اس لئے میں تمہاری میں آپ کے قریب نہیں پھٹتا۔ مجھے خود بھی یہ نا پسند ہے کہ آپ مجھے پروردگار کے داؤد آرائیں۔ ویسے یہ بڑا ہی مخمفر لگتا ہے انور۔ جو دروازہ کرائے سے کسی عورت کی والدہ کیس میں معلوم ہوتی ہے جیسے عورت کے دائرے کو مجھ نکل ہی ہو۔"
 "میں کچھ نہیں بولی۔ سو دوست آت ہو چکا تھا۔ قریح کے بدن کا گلاز مجھے ردہ رکھنا یاد تھا۔ آج وہ جھلملائی ہوئی ٹوکی میری آنکھ میں چل رہی ہوئی کہ رضوان نے بلا غلبہ بیجا دکر لیا۔"
 "سبیل والی مسجد کسے خفا شوکت سے ہوتا رہا۔ میں قریح کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں اس سے کچھ پیچھے ہٹنے کا پروگرام بننا ہی تھی۔"
 "میں نہ آج شام چچ کو گوری میں گزاری جائے۔ رضوان نے سکوت کا لطف توڑا۔"
 "اگر مجھے گزاری ہوئی تو جا کر گزار لوں گی۔"
 "مطلب یہ کہ میرے ساتھ۔ رضوان نے جلدی سے کہا۔"
 "موت و حور کو۔"
 "آج دوپہر کو بھی دھوا تھا۔"
 "تو پھر آئینہ نہیں دیکھا ہوگا۔"
 "دو مرتبہ دیکھا تھا۔"
 "پھر بھی اپنے باسے میں اتنی غلط نہیں ہے؟" میرا بوجھ لگیا تھا۔

"میں کس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں انور! رضوان نے غصہ نہ کیا۔
 "لیکر کہا: درویشاں میری آنکھ میں پتے ہوئے پھیل کر گر گئی ہیں لیکن کبوت دل نہ ہوتے۔ والدین کا ہاتھ ہے۔ اس لئے آپ کے بچے بگڑا کر لکھیں تو آپ کا پتھر دل جھٹکنے لگا۔"
 "جڈ کس شروٹ کر دہے۔ میں نے تمہو نہ بھیجے میں کہا۔"
 "جڈ کس کا مذاق ڈال دیتے انور۔ اگر کسی دن کوئی بچہ بڑا ہو تو سب کچھ پرانا ہے۔ کچھ دھلے سے بندھی ہیں گمراہی میں۔"
 "کوشش کرو دیکھو۔ خیار دل میں اتنے دن اشتہار آتے رہتے محبوب آپ کے قدموں میں۔"
 "وہ قطعی محسوس تدم ہوں گے جو ان کی بدولت آئیں۔ رضوان بنا کر بولا۔
 "مجھے اس فقرے پر بالکل انہی نہیں آئی۔ میرا موڈ اس ٹھیک نہیں تھا۔"
 "مدد پہنچ کر ٹیکس چھوڑ دی گئی۔ رضوان نے کراہ کر دادا کر کے میں لکھ کر طرف چل پڑی جہاں میں نے اپنی مزید پڑھ کر ہی کی کھد رشتہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اردو کم کی خوشنوا کی پھر سے کمر لیا۔ جب میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر کی کوہ بولا۔
 "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ یہ ملاقات ہو گی۔"
 "میرے ساتھ گھر میں چلو گے؟" میں نے اپنے بچے میں بجا کر کی کوشش کی۔
 "تو میری رضوان اپنے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری شام آئی ہے جو آپ کے گھر عازن۔ میں جاتا ہوں کہ آپ تمہاری میری کیا کرنا بنائیں گی۔"
 "میں بے ساختہ کھلکھلا کر منس پڑی اور نیستی ہوئی بولی۔ "پتھر میرے قریب کی خواہش کیوں ہے؟"
 "جس دن آپ کے لیے میں پیار یا ہو گا میری جی میں تھا۔ جتنا میں نے ایک بلکا سا قہقہہ لگا کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈر سیٹ سنبھال لی۔
 "ٹاٹا، رضوان نے ہاتھ ملا کر کہا اور بچے پر ہٹ گیا۔
 "میں نے گاڑی بیک کے کارڈ کی تقاریر نکالی اور پھر اسے فرسٹ گریڈ میں ڈال کر گئے پڑھا دیا۔
 "رضوان سا جو کم تو قریب چار سال سے جاتی تھی اور تقریباً دو سے وہ میرے بچے پڑا ہوا تھا۔ اس نے سچے سچے کا دھوکا لگایا کہ میں اسے سلیس میں مشغول تھی میرے خیال کے مطابق وہ محض اس لئے میرے پڑا ہوا تھا کہ میری جنسی کردہی کے بارے میں کوئی ثبوت حاصل کر کے اس بات کا مضبوط بلکہ یقین ہو چکا تھا کہ میں مجھیں پرست ہوں۔ وہ اس بات کا ثبوت حاصل کر کے بیک میں لکرنا چاہتا تھا۔ یقیناً اس کے ایک سو فیصدی ثبات ہوئی تھی۔ ابھی وہ بچے تھے کہ میں کر دیتی ہوں۔"

"میں کس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں انور! رضوان نے غصہ نہ کیا۔
 "لیکر کہا: درویشاں میری آنکھ میں پتے ہوئے پھیل کر گر گئی ہیں لیکن کبوت دل نہ ہوتے۔ والدین کا ہاتھ ہے۔ اس لئے آپ کے بچے بگڑا کر لکھیں تو آپ کا پتھر دل جھٹکنے لگا۔"
 "جڈ کس شروٹ کر دہے۔ میں نے تمہو نہ بھیجے میں کہا۔"
 "جڈ کس کا مذاق ڈال دیتے انور۔ اگر کسی دن کوئی بچہ بڑا ہو تو سب کچھ پرانا ہے۔ کچھ دھلے سے بندھی ہیں گمراہی میں۔"
 "کوشش کرو دیکھو۔ خیار دل میں اتنے دن اشتہار آتے رہتے محبوب آپ کے قدموں میں۔"
 "وہ قطعی محسوس تدم ہوں گے جو ان کی بدولت آئیں۔ رضوان بنا کر بولا۔
 "مجھے اس فقرے پر بالکل انہی نہیں آئی۔ میرا موڈ اس ٹھیک نہیں تھا۔"
 "مدد پہنچ کر ٹیکس چھوڑ دی گئی۔ رضوان نے کراہ کر دادا کر کے میں لکھ کر طرف چل پڑی جہاں میں نے اپنی مزید پڑھ کر ہی کی کھد رشتہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اردو کم کی خوشنوا کی پھر سے کمر لیا۔ جب میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر کی کوہ بولا۔
 "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ یہ ملاقات ہو گی۔"
 "میرے ساتھ گھر میں چلو گے؟" میں نے اپنے بچے میں بجا کر کی کوشش کی۔
 "تو میری رضوان اپنے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری شام آئی ہے جو آپ کے گھر عازن۔ میں جاتا ہوں کہ آپ تمہاری میری کیا کرنا بنائیں گی۔"
 "میں بے ساختہ کھلکھلا کر منس پڑی اور نیستی ہوئی بولی۔ "پتھر میرے قریب کی خواہش کیوں ہے؟"
 "جس دن آپ کے لیے میں پیار یا ہو گا میری جی میں تھا۔ جتنا میں نے ایک بلکا سا قہقہہ لگا کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈر سیٹ سنبھال لی۔
 "ٹاٹا، رضوان نے ہاتھ ملا کر کہا اور بچے پر ہٹ گیا۔
 "میں نے گاڑی بیک کے کارڈ کی تقاریر نکالی اور پھر اسے فرسٹ گریڈ میں ڈال کر گئے پڑھا دیا۔
 "رضوان سا جو کم تو قریب چار سال سے جاتی تھی اور تقریباً دو سے وہ میرے بچے پڑا ہوا تھا۔ اس نے سچے سچے کا دھوکا لگایا کہ میں اسے سلیس میں مشغول تھی میرے خیال کے مطابق وہ محض اس لئے میرے پڑا ہوا تھا کہ میری جنسی کردہی کے بارے میں کوئی ثبوت حاصل کر کے اس بات کا مضبوط بلکہ یقین ہو چکا تھا کہ میں مجھیں پرست ہوں۔ وہ اس بات کا ثبوت حاصل کر کے بیک میں لکرنا چاہتا تھا۔ یقیناً اس کے ایک سو فیصدی ثبات ہوئی تھی۔ ابھی وہ بچے تھے کہ میں کر دیتی ہوں۔"

"میں کس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں انور! رضوان نے غصہ نہ کیا۔
 "لیکر کہا: درویشاں میری آنکھ میں پتے ہوئے پھیل کر گر گئی ہیں لیکن کبوت دل نہ ہوتے۔ والدین کا ہاتھ ہے۔ اس لئے آپ کے بچے بگڑا کر لکھیں تو آپ کا پتھر دل جھٹکنے لگا۔"
 "جڈ کس شروٹ کر دہے۔ میں نے تمہو نہ بھیجے میں کہا۔"
 "جڈ کس کا مذاق ڈال دیتے انور۔ اگر کسی دن کوئی بچہ بڑا ہو تو سب کچھ پرانا ہے۔ کچھ دھلے سے بندھی ہیں گمراہی میں۔"
 "کوشش کرو دیکھو۔ خیار دل میں اتنے دن اشتہار آتے رہتے محبوب آپ کے قدموں میں۔"
 "وہ قطعی محسوس تدم ہوں گے جو ان کی بدولت آئیں۔ رضوان بنا کر بولا۔
 "مجھے اس فقرے پر بالکل انہی نہیں آئی۔ میرا موڈ اس ٹھیک نہیں تھا۔"
 "مدد پہنچ کر ٹیکس چھوڑ دی گئی۔ رضوان نے کراہ کر دادا کر کے میں لکھ کر طرف چل پڑی جہاں میں نے اپنی مزید پڑھ کر ہی کی کھد رشتہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اردو کم کی خوشنوا کی پھر سے کمر لیا۔ جب میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر کی کوہ بولا۔
 "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ یہ ملاقات ہو گی۔"
 "میرے ساتھ گھر میں چلو گے؟" میں نے اپنے بچے میں بجا کر کی کوشش کی۔
 "تو میری رضوان اپنے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری شام آئی ہے جو آپ کے گھر عازن۔ میں جاتا ہوں کہ آپ تمہاری میری کیا کرنا بنائیں گی۔"
 "میں بے ساختہ کھلکھلا کر منس پڑی اور نیستی ہوئی بولی۔ "پتھر میرے قریب کی خواہش کیوں ہے؟"
 "جس دن آپ کے لیے میں پیار یا ہو گا میری جی میں تھا۔ جتنا میں نے ایک بلکا سا قہقہہ لگا کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈر سیٹ سنبھال لی۔
 "ٹاٹا، رضوان نے ہاتھ ملا کر کہا اور بچے پر ہٹ گیا۔
 "میں نے گاڑی بیک کے کارڈ کی تقاریر نکالی اور پھر اسے فرسٹ گریڈ میں ڈال کر گئے پڑھا دیا۔
 "رضوان سا جو کم تو قریب چار سال سے جاتی تھی اور تقریباً دو سے وہ میرے بچے پڑا ہوا تھا۔ اس نے سچے سچے کا دھوکا لگایا کہ میں اسے سلیس میں مشغول تھی میرے خیال کے مطابق وہ محض اس لئے میرے پڑا ہوا تھا کہ میری جنسی کردہی کے بارے میں کوئی ثبوت حاصل کر کے اس بات کا مضبوط بلکہ یقین ہو چکا تھا کہ میں مجھیں پرست ہوں۔ وہ اس بات کا ثبوت حاصل کر کے بیک میں لکرنا چاہتا تھا۔ یقیناً اس کے ایک سو فیصدی ثبات ہوئی تھی۔ ابھی وہ بچے تھے کہ میں کر دیتی ہوں۔"

اخلاق کا مظاہرہ پسند نہیں آیا تھا اور اظہارِ پناہ پسندیدگی کے لئے وہ لڑاؤ کا
نہاں ناپا بھٹا تھا لیکن میرے اصولِ مینائی کے خلاف ہے کہ مہمانوں کو راکھی
دایاتہ حرمتیں رکھ دینے کا معنی دہل پانی جگے اس طرح چھل کر
میرے ماحضولِ مہمان کی آنکھوں میں بجلی کی گونجی میری دہل دہل لائیں
اس کے چہرے پر بڑی سی ادوس و داس کے ماحضی مری جو کہ رہتا ہوا اپنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ دوسرے بچے دس دس طرح کر رہا جس کے چہرے پر میں
نے اقول سے شش زنگار بنائے تھے وہ کسی جگہ کی طرح نہ رہتا ہوا جوت
گر رہتا تھا اس کا چہرہ اور لب و لہجہ کا تھا اور غالباً ایک آنکھ بھی مٹا رہی ہو تھی
تھی نہ کہ میری فریادیں سن رہی ہوں۔

لے آئی، عام طور پر میں گاڑی کو پورے چھ بجے کے جا کر روکتی ہوں اور ڈرائیو سائے گریٹ میں بے جا آتا ہے لیکن اس روز میں خودی گھبراہٹ میں گاڑی سے نکل پڑی۔ ان گھبراہٹ میں بڑھ کر آگے کرتی تو مجھے براآمدے غور کرکھڑی میں داخل ہوا بلکہ اوپر میں ملازمین کی نظر میں آجائے۔ اس وقت یہ مناسب نہیں تھا۔ میری سادھی ایک جگہ سے کھٹ کی تھی۔ وہ جی کی پہل میں خون بھر ہوا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ملازمین کی نظر میں نہیں آتی چاہئے تھیں۔

میں نے گاڑی گرتے میں بے جا کرکھڑی کی اور گھبراہٹ میں متصل دروازے کا قفل کھول کرکھڑی میں داخل ہوئی۔

کے لیے احساسی نہیں ہو رہا کہ میں نے کب کھانا ختم کیا اور کب
سلاں سے اٹھ کر میز سے اسٹوری کا سب کا تھا۔ دوسری بیچ کر سنے
اور کب سلاں کا آرام کر لی کی جگہ کے ایک رنگائی میں غام طور پر
میں میں لیگ لیگ کمانے کے بولیدیاں گریغز ہوتی ہوں پھر مسلسل
چوٹی کو توڑتی تھے اس وقت ہوتی ہے جب میں ڈک کر نکلتی ہوں۔
میں گریگ پتلی کی اور دینو اور فرخ میں بھجوا رہی ہوں محسوس کر رہی
ہوہم خالہ خیرت پر کسی حال میں پہننے والی ہے اور میں نے آخرت
سلاں سے غصہ کر لیا تھا اب اس کی تھی۔

جیپ میں بیٹھے ہوئے آدمیوں سے گریں ہلکے رہے تھے ایک کو کرشمہ والا پی کرشمہ ہلکے ہانک رہا تھا اور کراؤں، اس کے قوت میں درخشاں گزار رہے تھے۔ کرشمہ والا بڑی سے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھا ناچار وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس طرف آدمی کی درخواست قبول کرے۔

دور سے بچے فریخت آتی ہوئی دکھائی دی قریب میں سبز کرشمہ کرکٹ میں لے آئی۔ اس سے پہلے کہ اس آسمان پر پہنچے ہیں خود ہی اس کے قریب پہنچ جانا چاہتی تھی میں نے سرسبز پر کو باطلت، نیچے میں آدھو میں نے بچھا کر زمیں کی نظر بھی اس طرف ڈھکی تھیں اور وہ بیٹھے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ درمیان فاصلہ اچھا خاصا تھا مجھے بھی فرخ کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی میں نے اسے محض اس کے چلنے کے انداز سے پہچاننا تھا۔

ہوئی تصویر بھی دکھائی گئی۔ تھیں اسٹ سے کچھ لگاؤ ہے؟
 "ہائے اللہ! آپ اسٹ بھی ہیں؟ فرخ خوشی سے جھنجھکی ہوئی بولی۔
 "میں فیہی اسٹ سیدت رنگ پت لکھی ہوں۔
 "آپ اسٹ ہونا ہی چاہیے تھا۔
 "کیوں؟
 "جتنی خوبصورت جو ہیں۔ یہ کہتے کہ فرخ کی رنگت شہابی ہوگی۔
 "میں اسے نہیں توڑتا میں نہیں چاہی۔
 "واہ!۔۔۔ آپ تو مجھے بہت ترس گئی ہیں۔ فرخ نے جلدی جلدی
 پلٹیں چھپکاتے ہوئے دلی زبانی ایسا بھی بہت خوبصورت ہیں میں ان
 سے بہت محبت کرتی ہوں۔
 "چھوڑو فرخ سے محبت نہیں کرو گی؟
 "واہ! کیوں؟
 "اپنی سے جو محبت کرتی ہو۔
 "اس سے کیا بولتے ہیں وہ تو خوبصورت عورت سے محبت کرنے لگتی
 ہوں۔
 "میں نہیں چاہتی۔ فرخ بھی مصومانہ انداز گفتگو میرے ہی کجا ہوا
 تھا۔ اس کے سنجی میری یہ نیکو بھی سوا ہو چکی تھی کہ وہ کبھی محبت لوگ نہیں
 جو اس مصدقہ لڑکی کے گرد کوئی پراسرار جمال بننا چاہتے ہیں۔
 اس وقت مجھے بات میرے غم سے بھی گرتا ہوا جاری تھا۔ قہقہہ کر کے
 دالی دھجپ تھی جسے میں نصیر آباد کے ملازمین کھڑا دیکھتی تھی۔ اس پرچار
 آدمی نظر آ رہے تھے۔ دریا بنی حاصل آج بھی اتنا تھا کہ مجھے ان کی شکل نظر
 نہیں آ رہی تھیں۔ اگر فرخ میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں ان چاروں سے پھٹنے
 کے بارے میں کچھ سوچ لیتی لیکن موجودہ حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔
 فرخ مصومانہ انداز میں گفتگو کرتی رہی اور میں نے بھی جواب
 دینے میں کوئی توقف نہیں کیا۔ دراصل میں اس کے دل میں یہ سب بھی پیدا
 نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں کوئی خطو محسوس کر رہی ہوں۔
 بہت جلد میں اس فیصلے پر پہنچی کہ اگر کام کوئی کے ساتھ، حالات کے
 دھماکے پر نظر رکھی جائے تو خود کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔
 جب میرے سر کو کھٹی کے احاطے میں داخل ہوئی تو فرخ نے بری
 پُرسش نظر میں سے عبارت کے بیرون سے جا گزرتا لینا شروع کیا۔ میں نے
 گاڑی پر فرخ میں سے جا کر روک دی اور کہا: "اپنی کتابیں کار میں ہی چھوڑ دو۔
 بہتر۔"
 میں اسے لگاڑی سے اتار آئی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال
 کر مراد سے کیڑا ہوا چڑھنے لگی۔ میری رفتار خاموشی تیز تھی لیکن شاید فرخ
 کو میرے اس شوقی فریاد کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔
 راہ لاری کے دیر تک لین چلتی ہوئی فرخ بھاری ہوئی آواز میں
 بولی: "آپ تو بہت امیر معلوم ہوتی ہیں؟"

"میں کی زیادہ تو نہیں۔ دیکھو یہ سب کچھ تم اپنا ہی سمجھو۔
 دیواروں پر لگی ہوئی قیمتی پینٹنگز اور جھٹ سے لگے ہوئے
 فانوس دیکھ کر فرخ متعجب ہوئی جاگتی تھی میں نے اسے کوئی
 حصول کی سرگزشتی، ایک محترمہ پر فرخ نے بڑے پیکانہ انداز میں
 "اسی چیز میں میں نے پہلے بھی دیکھی ہیں تو صرف فلموں
 آخر میں میں نے اپنے بچپن کے خانے میں سے بھی دیکھی اس کے
 داخل ہونے سے پہلے میں نے اپنی خصوصی ملازمت کو آواز دے کر
 کر دی تھی کہ آپ مجھے اٹھائیں اور دیکھا جائے۔ جب میں اپنے کتے کا
 جاتی ہوں تو میرا صدمہ میری ہیبت سے کہ آپ کی دھل انداز میں
 دوران میں مجھے کافی یاد دوسرے کسی مشروب کی ضرورت پڑتی ہے تو
 میں خود ہی تیار کر لیتی ہوں۔ نگار حائل نے ایک گڑھے میں ایک چار
 بورڈ لگا ہوا ہے اور اس میں ہر روز چیز موجود رہتی ہے جس کی ضرورت
 خلیے میں محسوس کر سکتی ہوں۔
 میری تصویر میں دیکھ کر فرخ مسرت سے چہچہاتی پڑی تو میں
 کر کے اس کی زبان نہیں تنگ رہی تھی اوراد ہر صراہ عالم تنگ
 سے خود پر تالو پانے ہوئے تھی۔ جی تو سی جاہر ہاتھ کر اسے اسے فرخ
 بھینچ کر دیکھ کر وہاں پہنچا۔ فرخ نے اسے نہ شہنا۔
 "کیا خیال ہے؟" فرخ اسکو اشارت ہو کر: "میں نے اس سے
 "چاہیے؟" اس کے انداز میں اب قدر سے بے تکلفی سے
 میں اسے ایک بڑی تصویر پر دیکھنا چھوڑ کر بپ بپ کی طرف
 آگس باکس میں ہوت ہو جوتی میں نے آج اسکو اشارت کے دو گھنٹوں
 ایک گلاس میں میں نے تھنڈی سی برانڈی بھی ڈال دی تھی۔ اپنے گلاس
 پر ایک پیکنگ ڈالا تھا کہ کام مجھے اپنے ہی جسم کی آگس کرنے پڑے
 میں دونوں گلاس کے فرخ کے قریب تھی اور کم برانڈی ملا ہوا
 اسے نہ دیا۔
 "آپ تو بہت اچھی تصویریں بناتی ہیں باجی! وہ بولے۔
 "باجی نہیں۔ باجی! کیا میرا نام بھول گئیں؟"
 "واہ! تو کیا میں آپ کا نام ایسا کروں؟"
 "میں نے نہیں اپنی دوست بنایا ہے۔"
 "تو کیا سوا آپ مجھ سے بڑی تو ہیں؟"
 "اس صورت میں بھی تم مجھے باؤنگر کو مخاطب کر سکتی ہو میر
 ہی نہیں بلکہ عزت و احترام کا انداز میں مخاطب بھی ہے۔"
 "اچھا چھوڑو اسے بھٹ کر آپ مجھے اس تصویر کے بارے میں
 "پوچھو، کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"
 ان باتوں کے دوران میں آج اسکو اشارت کے گلاس خالی
 نے اسکو اشارت کی گلاس میں برانڈی کی خفیف سی تلخی محسوس نہیں
 میں دونوں خالی گلاس کے بپ بپ کی طرف میں اور میرا اشارت
 لگی۔ اس مرتبہ میں نے فرخ کے گلاس میں قدر سے زیادہ برانڈی ڈالی

میں اس گلاس کے کراس کے قریب پہنچی تو وہ مجھ سے بولی۔
 "کیا؟"
 "ایک گلاس سے ہی نہیں بھرنا تھا۔"
 فرخ نے ہنس کر اپنا گلاس میرے ہاتھ سے لیا اور چھوٹے چھوٹے
 گلاس لپٹنے لگی۔ سات آٹھ منٹ میں وہ دوسرا دیکھی مکمل ہو گیا۔ اس مرتبہ فرخ
 گلاس ختم کر کے اپنی گردن ملتے ہوئے نہ بنایا تھا۔
 "کیا بوجاں؟" میں نے بڑے پیارت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
 "اسکو اشارت میں کچھ بھی سی تھی۔
 "ارے نہیں۔ وہم تمہارا بھلا اسکو اشارت میں تلخی کیسی؟ ایک گلاس
 باؤں؟"
 "آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں
 بپ ایک سرخ دور سے تیرنے لگے تھے۔ ہلکا سا خامراس کے جو در اپنا
 نام قائم کر چکا تھا۔
 میں خالی گلاس نے جا کر بپ بپ اور کھانسی کا ہاتھ
 لڑی بولی بولی: "چلو اب ہمیں اپنی خواب گاہ دکھاؤ۔"
 "چلیے!۔"
 میری خواہش، نگار حائل سے متصل تھی اور دریا بنی دیواروں دروازہ
 تھا جس میں اس دور سے فرخ کو اپنی خواہش میں نے۔ یہ کہ فرخ کو
 دیکھ کر انداز میں سمجھا محسوس ہو کر وہ مسرت سے بول اٹھی: "وہ ایک
 کھانسی اور کچھ دیکھ رہی تھی اور چھوٹے کا انداز ایسا تھا جسے آجکے دنوں کو نہیں
 پہانے کا اندازہ نہ ہو نہ کر کے فرخ کے گلاس نے خواہش کا در کھجا۔
 "ہائے۔۔۔ کیسے نرم ہیں یہ! اس کے منہ سے نکلا۔
 "مجھے جاؤ! میں نے بڑے پیار سے کہا۔
 وہ دم سے بستر پر چلی اور فرخ کے نرم گدے میں دھنسی چلی گئی۔ اس
 کے لیے ہر ایک سرخی بھیل گئی تھی جیسے اس نے گدگی کی محسوس کی ہو
 لگی اس کے قریب پہنچ گئی اور انداز میں اس کے منہ پر ڈالتی ہوئی بولی۔
 "میں تو اب کچھ تلخ محسوس کر رہی ہوں فرخ؟"
 "تو کچھ دیر کا کام لے لیجئے۔"
 "آؤ تم بھی بیٹ جاؤ! میں نے اپنے بازوؤں میں بیٹی ہوئی بستر چھی
 ہو گئی۔
 فرخ کسمائی تو میں نے اسے دونوں بازوؤں سے بیٹھ کر سینے سے
 لگا لیا اور اس کے پکتے ہوئے شہان مارن کو چوستے ہوئے سرگوشی کی۔ تم مجھے
 ہمارا کی تو فرخ؟"
 "آپ بھی مجھے۔۔۔ بہت اچھی۔۔۔ لگی ہیں بپ۔۔۔ باؤں! فرخ
 میں نہیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔
 میں اپنے گداز سینے پر اس کی اختی ہوئی جانی کو محسوس کر رہی تھی۔
 "اے! اس کی اپنے تہ حرکت کر رہے تھے۔ میرا ہاتھ اس کے بچہ کی
 اسے مجاز کر کے لگا تو فرخ پھر کسمائی۔

"یہ آپ کی گری ہیں باؤں! اس کی آواز بھاری ہوئی تھی۔
 "میں نہیں پار کر رہی ہوں جان!۔۔۔ اچھی چیزوں کو بھی پیار
 کرتے ہیں، تم بھی مجھے یاد کرو کہ کیا میں نہیں اچھی نہیں تھی۔"
 میرے ہاتھ نے اسے گلاب کی خوشبو کے مائل مائل اس کے منہ سے
 ایک سسکار کی سی نکل گئی اس نے اپنی نمونہ گھٹیں بند کر لیں اور جسم کو
 بیکٹ اس طرح دھکیلا چھوڑ دیا جسے بائیں جان دھکی کر پورے وہ حرکت
 مشاق اور پورے کچھ بھی نہیں اس حرکت کے بعد لوگوں کی مداخلت قحطی دم
 توڑتی ہے۔ میں نے اپنے پیارے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھے تھے۔ وہ کچھ لپٹ
 بڑی ناک پر بڑی سیل گھٹیں میں ان کا سرس بہت دیکھتے دیکھتے بہت
 ہونے پورے ہو گئی۔ کچھ بھی نہیں اپنے ہاتھوں کا خفیت سا دلی بھی ڈال دی تھی۔
 ایسے دو گھنٹوں پر فرخ کے منہ سے سسکار عورتوں کی میرا لپٹا ہوا اس کے گلوں
 کے نیچے سے ہوتا ہوا نکلا۔ اس کے مکر اس کے توڑا ہونٹوں سے نکلا یا ہاتھ اس
 نے دانتے ہاتھ سے اس کی بائیں ٹانگ اٹھا کر اپنے کونے پر رکھی۔ اس کے پیر
 میں وجود تھی۔ وہ انارک میں سے ایک طرف اچھال دی اور کچھ آہستہ آہستہ
 اس کی انگلیاں دبائے لگی چلتے ہوئے سہلائے گھاس کے گول گول ٹکڑوں پر
 ہاتھ پھیرا اور اس کے بعد لوہے سے ہاتھ کی آواز کی کانوں ٹھکانا نہیں
 تھا۔ اس کی بندیاں صاف و شفاف اور درمی طرح چٹکی گھٹیں۔
 فرخ نے چھوٹی سی برانڈی لی تھی اس کے برابر کتری کرتوں
 نے دانتے کر دیا۔ وہ شرم سے انکھیں بند کر کے ہوتی تھیں اب اس کا بدن
 بھی ٹھنک رہا تھا۔ اب اس کا ٹانگ ٹانگ کچھ مٹا رہے کر ہاتھ اس کی خوبنا
 خود اس کے گلابی تھی، بائیں تھی لیکن اس کو اب میں شرت آتی جا رہی
 تھی، اس کا رازوں رواں بپار ہاتھ میں بل رہی ہوں۔ میری پیاس بجھاؤ!
 میں دیکھ رہی ہوں، مجھے ٹھنڈا کرو۔
 جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ کسی بھی مرحلے پر مداخلت نہیں کرے
 گی تو میں نے انادیاں ہاتھ کھینچ لیا۔ اب میں شلوار کے اوپر سے اس کی
 پنڈلی دبا رہی تھی میرا ہاتھ اوپر کی طرف حرکت کرتا رہا گھٹنوں کے نیچے پھیلاؤ
 اوپر، اور اوپر۔۔۔ اب میں بندشوں سے نبرد آزما تھی فرخ ساکت پڑی رہی
 لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔ اس کے چہرے کی سرخی جا رہی تھی کہ اس کا مٹا
 اب بہت شدید ہو چکا ہے۔
 اٹھی ہوئی جانی جب نے نیاز میں رہی ہوئی تو میں جسم کا وہ مناسب
 وہ شادابی اور دلچسپ دم دیکھ کر مجھے تڑپ اٹھی، جلدی میں سے خود کو کبھی
 ہزار کی بندش سے آزاد کر لیا۔ میں اس سے لپٹ گئی اور اس شدت سے
 لپٹی جیسے اس میں ہیوست ہو جانا چاہتی ہوں بااے اپنا بونڈ کر لیتا تھا
 ہوں۔ اب اس کے ہاتھ بھی بہت تھکا ہوا انداز میں آہستہ آہستہ حرکت کرنے
 لگے تھے۔ میں ان پیارے پیارے ہاتھوں کو اپنے سینے پر نے آئی اور دروازہ
 سے دبلے تھی۔ میری خواہش تھی کہ فرخ بھی اسی جاہزیت کا ارتکا بکے
 جس کی تڑپ میں ہو رہی تھی لیکن وہ فیصلہ کیا کہ اب اس کے ہاتھ دھکی
 کی کوششوں کی خیال نہیں ہو سکتی تھی میں خود ہی اس کے ہاتھوں سے

ایک فیز جوانی ایک بھر جوانی سے ٹھوہڑی تھی مگر تو شادی
میں اضافہ نہ ہوا۔ ہمارے گرد دکھشاں جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر بھڑکی رہی تھیں
کلی خنجر تھی ادراک کی پھول مست ہوا جا رہا تھا۔ دونوں جہ پینے میں
دوڑے جا رہے تھے لیکن اس پینے کی بجائے ایک مست کن ہک پرچی سی ہوئی
تھی چھٹی ہوئی کئی سے بیتاب ہو کر پھول کو کاٹ لیا۔ اچھول اس کلی کو
جھینٹوڑے رنگا بھول کی آویزش طرہ پر کھڑا سودگی کی منزل کے قریب
ہوئی جاری تھی۔

اب فرخ کی خواہش اس کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی، اب اس کا مطالبہ اس کے لئے انجانا نہیں رہا تھا۔ وہ ادراک کی منزل پر تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ شاید وہی سچ کچھ اسے مل رہا ہے جو وہ چاہتا تھا۔

مگر کے سکوت میں لذت و مشاغلی کی سسکیاں گونج رہیں۔ فرخہ کے بدن کا رنگی حصہ اس ایسٹرن تجسس پر بے نزول کا سجدہ نہ ملا ہو میں اس کے ایک ایک رشتے کو چوم رہی تھی۔ وقت میں اس قدر ہوتا چلا جا رہا تھا کہ وہ دم ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے چوتھے کمرے کے پتھر پر چل رہے تھے۔ تڑپ رہے تھے، کل کا یہ سچے، سچے، موت لے تھے، پھیل رہے تھے اور زندگی کے ہزار ایسا راز ان کا انکارا ہوتے چلے جا رہے تھے۔

آخر کی نئی طرح پیش کر لی تو مدحی کا اعلان کر دیا۔ بھول
اس سے پہلے ہی طغیان نے گئے گزرجکا تھا۔ سائیں کھر کر گئیں۔ ایک انگ
بذحال پر کیا۔ بھول نے انھیں موندیں اور کئی توپیں سے جہاب اند
جہاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

مکہ کے مکرمات میں نفس کی آواز گونج رہی تھی۔ اہستہ اہستہ وہ بھی دھڑکنے لگی تھی۔ آخر میں، بالکل سکون چھا گیا۔ اس وقت ایک دوسری سے لمبی گہری سانس و حرکت پڑی مونی نے یہیں کسی کا جی نہیں پچا رہا تھا۔ اٹھنے کو!

دس منٹ بعد میں نے ہی اس مکت کا فضل لوڑا۔ ”فرح!“
 ”ہوں۔“ فرح آنکھیں بند کئے رہی۔
 ”جاء۔۔۔“

لیکن فرخ نے تو غمی اور نہ اس نے آنکھیں کھولیں جس نے اس کی گردن کو نیچے سے اپنا بازو نکالا اور سر سے اٹھ کر گانہ پہن لیا۔ پھر المدی کی طرف متوجہ ہو کر ایک اور گانہ نکالا۔ وہ گانہ جس نے فرخ پر اچھا لیا اور کہا۔

اور وہ بین ابوابی راہ کو رخسارِ غزل گئے۔ پہلے اس پاستری کو
پڑے گی۔ پھر میں اس کے حجاب کو اختیار کرے بغیر تھوڑے دم میں غزل
میں نہ آئیگیں۔ بلکہ پھر وہ کھلا۔ میری بی بی کچھوں کو تھوڑا دل کا تھکا
میں مسکائی اور پھر دربابِ گلشنائی ہوئی، راس بین میں کھیل کر نہ گئی
زور اور دل و دھڑ میں تھوڑے سے تھکا اور کھاکہ کو رخسار کے جواں بین لایا تھا

اور تائیں بستر سے نیچے لاکھائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بے
تنبہی جھینپی سی نظر آ رہی تھی۔

میں اس کے قریب پہنچی اور ہاتھ بڑھ کر کمر سے اسے اٹھائی پہلی سوسلا
بولی۔ اب کئی دیر تک سڑائی نہ ہو گی۔ ماما! چلو جاؤ یہ یہ کمرے اسٹری
کر کے ہیں۔ اور اسٹری اداس کی میز صاف دھو کر کوئے میں ہے۔ تم جی دیر
اسٹری کوئی آف دیو میں یہ بھی تیار ہو جاؤ گی۔

[illegible][illegible]

”چلو فرات تہاں، سکواں کانت ختم ہوئے میں بیوہ کھنڈ اور
آتی دہریں تم میرے ساتھ کھنڈ گومڑا، پھر میں نہیں بجزوئے کے کہ
تہاں سے گلبرگوں کی آہ میں بھینسا رہی اس میں بھی خنڈ ہے،“
”چلو آؤ فرات نے بہت نصیحتیں کیں، آؤ انا میں کہنا اور کھڑی ہو گئی
میں اس کا ہاتھ تعاقب کر لے کر اپنے خنڈ نے بہت کئی اور چہرہ اس
دوران سے باہر نکلی میں نہیں جانتی تھی کہ سلازمین میں خوار کا
نکلے کھیں۔“

”کیا خیال ہے؟ کچھ فی بیجا جائے؟“ میں کہتی۔
 ”پاپس تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔“

میں سے فریج کھول کر دوپہک ٹینڈی بوتلیں نکالیں اور اس پر
 ٹکڑوں میں اٹھا لیا۔ ایک گلاس فریج کو دیا اور دوسرا اپنے منہ میں سے
 دوپہک کر محمد ورنون نگار خانے سے نکلیں۔

جب سرسبز سپاہ کا کھڑکڑا کرنا کہیں سے نہیں
 سے ارد گرد کا غبار باد کھٹکتا تو غصہ کہ جس جیسے ہوا کا لعلاب کیا تھا
 قرب و حواریں کہیں موجود بھی لیکن ہر طرف غلط فہم تھی ہوا وہ جب کہ
 نہیں دی لیکن اس کے نظریات سے میں مطمئن نہیں ہوئی میرے خیال
 مطابق اس بات کا توئی امکان تھا کہ لعلاب کہنے والوں نے کڑی سہولت
 لی ہو وہ دنیا کی ہستی بڑا آگاہ تھا جو اس وجہ سے فرخ کے بیچ
 گیا تھا میرے خیالات اب کچھ اس قدر تھے کہ ہر وہ فرد و فردوں کا لعلاب

فرخ میسر با برادرانی نشست پیر سر جو کائے مٹھی ہوئی مٹھی۔
 ”کچھ بلو فرخ! تم کو تو جیسے چپ گنگ مٹھی ہے“ میں نے اسے لڑکا۔
 ”کھا... کھا... لڑوں... مانزا“ وہ سکلا کر رو گئی۔

”کوئی کوئی کہتا ہے کہ دنیا کا یہ تجربہ کیسا بڑا ہے۔ لذت و سرشاری کی یہ دنیا
بھاری ہے اجنبی تو ہوگی لیکن تم نہیں کہہ سکتے کہ لطف آمدن نہیں ہوگی
پر سکتے ہو؟“

”جی... جی...“
”کیسا رہا یہ تجربہ؟“

ہم... میں... ہیں... کیا بولیں؟ وہ بڑی طرح جھجپٹ ہی گئی
میں نے خیر اس موضوع پر اہم کر دے مزدور اہم تھا۔ اس کے نکالوں پر
میں نے اپنے حوالے سے ایک اور نمکوں میں ہرگز کوئی نہیں شکر چمک
پھر اپنے اپنے دماغ کا سبب بن رہی تھی۔

[illegible]

”جس پر یہ زندگی اسی طرح گوارا دی جا چاہی ہو کہ فرخ“، میں کہنے لگی۔
 وہ کہہ کر بولی، بدشاہی کے کوئی خیال ہی سے مجھے کہارایت کوئی ہوتی ہے میں
 اس کو روک پائے۔ آخر قریب نہیں کہنا چاہتا۔ میری عزت کے لیے بدعات ہے۔
 میں جس مشرق کی عورت پر ان لوگوں نے کیا اسلوب قائم کر رکھا ہے۔ اس کے
 لیے مجھے جس کیکن میں اس حق کو تسلیم نہیں کرتی۔ آخر ہم یہ ایسی کیا کی
 کہ ہم پر ہیست مخالف کی زندگی قائم ہے؟“

میں اس موضوع پر بات کرنے کے لئے جذباتی ہو جاتی ہوں اور اس
جذباتی ہو گئی تھی میں کافی دیر تک بڑے جوش و خروش سے بولتی
تھی لیکن فرخ نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید یہ میری حماقت ہی
تھی کہ میں اس وقت مجھے تبصرہ حسبِ تفریح و تہذیب کی تصویر بنی

[illegible]

”کہو کھائے بغیر قزبات نہیں بن سکتی میری جان! میں نے کہا اور
ازہنے وال ایک گاڑی کے قریب رک بیٹھی۔ دراصل کہیں رک کر

دو جاگ بارخیزد کریم فرخ کے ساتھ آئے بڑھ گئی میں تعاقب کرنے والوں کو دیکھ کر غمی وہ دوڑتے تھیں نہ ان کی ایک آدھ لٹائی اور بھی ہو لیکن اس لڑکی کو میں تاڑ نہیں سکتی۔

میرے ذہن میں محاطات اچھی نگاہ سے نظر آ رہی تھیں
 بھلا چاہتا تھا کہ ایک صورت جو میری نگاہ میں آ رہی تھی کہ تعاقب
 کرنے والوں کو گرفتار کر دیا جائے پھر پولیس خود ہی ان سے پوچھ لے کر
 وہ کتنے پانی میں ہیں۔ گزشتہ شام میں نے ان کے دو آدمیوں کی حرکت
 کی تھی، انہیں یقیناً ان کے ساتھی اٹھا رہے ہیں۔ اگر یہ پولیس کے
 ہاتھ کے ہوتے تو آگ کے انبار میں ان سے تعلق کوئی خیر نہ ہوتا۔ میرے
 آگ آنا بہت ہی غصہ سے کیا تھا۔ کیا میں نے سبھی سڑکیاں بند کر دی تھیں؟
 ان کے پاس نہیں رہا۔

[illegible]

فروج کے اپنے ہونٹوں پر تالڑا ل رکھا تھا اور یہ چیز مجھے خاصی کھل
 رہی تھی۔ آخر میں نے ایک ایسا موضوع پھیر دیا جس پر بات کرتے ہوئے
 فروج کو ذرا کجی ہو جب تک محسوس نہیں ہو سکتی تھی۔

”تمہارے اپنل سیمیکٹ کیا ہیں فریق؟“
 ”سٹرٹس اور ہوم اکنامکس۔“ فریق نے میری توقع کے مطابق واضح
 جواب دیا۔

”یہ بجیکٹ پڑھانے والی پچھرز کیسی ہیں؟“

”ایک سو بہت ہی پچھڑی ہیں لیکن دوسری اپنی ہیں۔“
اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے اور جاک باریک ٹھنڈک کو انی زبلیں

اور خوشیوں پر منتقل کرتے ہوئے مجھے دھڑکتے دل سے فوج کے مجسمے پہنچیں
 لڑ چکا کہ اس وطن سے کسی طرف کیوں جا رہی ہوں۔ میں نے اس دوران
 میں ایک بار بھی رُک کر نہیں دیکھا مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں جگہ پہنچے ملے
 آ رہے ہوں گے۔

”تعلیمی دور بھی خوب ہوتا ہے“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”زندگی ایک کھیل معلوم ہوتی ہے۔“

میرے اس خیال پر غصے نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ یہ ہم دونوں کی
 کی دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔
 "آؤ کچھ دیر بیٹھیں، تم تھک چکی ہو گی۔" میں نے کہا۔

3

"میں نے اس کی مخالفت کا بند ولایت تو کیا تھا لیکن پوشیدہ طور پر..."
"ابھی جواب دیا ہے پتہ نہیں وہ اس وقت کہاں غائب ہو گیا جب تفریح کا وقت کر کے کسی کو کشش کی تھی جی میں اسے قتل کرنے پر تیار تھا..."
"وہ؟ یعنی جسے تفریح کی مخالفت پر غور کیا تھا؟"
"جی ہاں میں نے کیا کرتا تھا وہ بھی تفریح ہو گیا تھا، وہ ایک اخبار کار پور رہے اور..."

"رضوان صاحب؟" "ہر کسی کے لئے ساخت نکل گیا۔"
"وہ آپ کے جانی ہیں؟" "ابھی میرے تھے تو چھا۔"
"ابھی میری غلطی کا احساس ہوا مجھے اس طرح بھی دماغ اندری نہیں کئی چاہئے تھی میری اس مخالفت سے بالکل کات لٹ گیا تھا۔"
"اب ادھر ادھر کی باتوں میں بلاوجہ کچھ وقت ضائع ہو جاتا۔"
"داخل۔" "میں نے ابھی کوئی کال کی کہ کشش کی۔" "اخباری لائن میں میری واقعیت صرف رضوان صاحب سے ہے اس لئے یہ اختیار اس کا نہیں رہا اب کسی خاص وجہ سے میں اس کا نام نہیں لیا تھا۔"
"جب آپ آئے جاتی تھی تو مجھ پر اس بات سے بھی بے خبر نہیں ہوں گی کہ وہ ایک مشہور ادارے سے ملازمین ہے۔" "وہ اس قدر میرے ذہن پر شکار ہو گئے ہیں کہ اب وہ میری طرف سے اس قدر توجہ دیتے ہیں کہ ایک پرواز پر اس کی جگہ چھوڑنا، رضوان کی طرف سے یہ تعلیم میرے ہی اچھے ہوتی ہے۔"
"ہاں تو آپ یہ بتا رہے تھے کہ تفریح کے سلسلے میں اس قسم کے کسی انفرسٹاک وائس کو تو آپ کو پہلے سے تھی!"

"جی ہاں اور اس کی وجہ سے میں خاصا پریشان تھا۔ اتفاق سے اسی روز میری ملاقات رضوان سے ہوئی۔ اس نے میری پریشانی چھاپ لی اور اس کے بارے میں مسخفا کر کے لگا۔ میں نے اپنے آپ بہت قریب پانا ہوں ہر چند کہ وہ بھی میرے گھر نہیں آیا، مگر حال میں نے اسے نہ صرف حال سے آگاہ کر دیا اور اس نے خاموشی سے ہر شے چھپنے سے آگاہ کر دیا کہ وہ تفریح کی صورت میں مخالفت کرے گا بلکہ اس کی کوکشش بھی ہوگی کہ وہ اس پوشیدہ چہرے کو بھی سلسلے میں آئے جو اس معاملے کے لیے پردہ کار فرما رہے۔"

"آپ نے اس معاملے پر اب تک کوئی نہیں دالی؟ میں بولی پڑی۔"
"اب اس کی طرف باتوں خاتون؟" "ابھی نے کہا وہ یہ سب چلے دوڑ چیلے کی بات ہے میرے پاس پیرنزٹنٹ نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر کچھ سے درخواست کی کہ میں تمام چلے اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھوں۔ مجھے اس وقت یہ حدیث تھی کہ کوئی کہہ کر اس کی پیرنزٹنٹ تھا کہ خود دماغ اور دل قلم کا آدمی ہے، سارا دماغ اس سے لاپس رہتا ہے۔ وہ اس لائق ہی نہیں ہے کہ اس کوئی پرہیز کرے۔ کسی بڑے آدمی کی مخالفت سے وہ اس کی کسی شکایت پہلے۔ آپ کو جانتی ہی ہوں گی کہ آج کل صرف رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے۔ سارا ماحول اس سے تباہ ہو چکا ہے اور..."

"تو کیا آپ نے اسے اس کی وہ وقت قبول کر لی تھی؟" "میں پھر بول رہا تھا اس کے سوا چاہے بھی کیا تھا، مگر حکم مگر مخالفت کے مطابق شام کو اس ریسٹورنٹ میں جانا پڑا تھا اس نے مجھے بلا تھا۔ وہ چلے بڑھے اچھا لڑائی میں آیا اور میری ملٹی پلٹیشنوں کے سلسلے میں اس کا اظہار کیا۔ اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ اس سے زندگی گزارنے کو اس نے غور فرمایا اور پھر آخر میں ہلا کر کر گیا ایک کے لئے آمادہ ہو جاؤں تو مجھے پچاس ہزار روپے مل گئے ہیں۔ آئی پڑا کا ذکر نہ کر مجھے راضی خوش نہیں ہوئی تیرکوں میں سمجھا تھا کہ وہ مجھے غیر قانونی کام لینا چاہتا ہے جس کے لئے میں ہرگز راضی نہیں ہوتا، مگر وہ اس کا کہے بارے میں اسخفا کر لیا تھا اس نے اس کے لئے بتا کر اس کا ایک حربہ شیخ پاکستان آیا، مگر وہ جس کے تیرکوں نے وہاں پہلے کی جگہ تفریح کو دیکھ لیا ہے۔ اس نے چاہتا ہے کہ وہ تفریح کو اپنی ریاست پر مشرک نہ لے بھی بتا کر ملک کی ایک اہم شخصیت، شبیہ کے کو خوش رکھنا چاہتی ہے اس لئے اس شخصیت نے میرے لئے بچا کی منظوری دی ہے۔ وہ شخصیت جانتی ہے کہ تفریح کو ایک سیکرٹری کے پردہ کر دوں اور اس میں دین کا ذکر کسی سے نہ کروں۔ یہ سب کچھ بتاتے ہوئے ابھی کا چہرہ مجھے سے تفریح کو ایک منٹ سے جھگ اٹلے لے گئے تھے ایک باپ اپنی اس تبدیلی پر حیرت مند اور دم بخود ہوئی مونی تھی معاملہ جو کچھ میں نے چاہا تھا ایتنا معاملے میں کوئی بہت ہی اونچی بہت ہی طاقت تھی۔"

"ابھی نے قدمے خاموشی اختیار کی، وہ اپنے اپنے ہونے چلا پڑا بولنے کی کوکشش کر رہا تھا۔ اتنے میں تفریح کی چھٹی میں چلے گئے تھے ہونے کو کسی میں داخل ہوئی، ابھی نے اسی سے پانی منگوا کر پیرا لیں میں چائے کر ایک پیالی چھ دی اور ایک خودی۔ اب اس نے بات پر تیار ہو لیا تھا اس لئے وہ بولنے لگا۔"
"پیرنزٹنٹ کی باتوں نے مجھے جرات پا کر دیا تھا۔ یہ بات ہی نہیں تھی کہ میں اپنی تفریح کو اس طرح بچھڑاؤں۔ میں نے اس کو کوئی مسخرہ نہ کیا، اس پیرنزٹنٹ نے مجھے جانے کی کوکشش کی بالآخر وہ کمپنوں پر تیار آیا اس نے مجھے کہا کہ مجھے ہر حال تفریح سے ہاتھ دھوئے پڑیں گے تو کوئی بے ملک ایک بہت اہم قسم کا فیصلہ ہے جب پیرنزٹنٹ نے یہ فقرہ کہا تو میں نے اسے باہر کو دھکیلا اور چائے پر شیخ کر ریسٹورنٹ سے نکل آیا رات تک میں اگلوں کی طرح ادا کر رہا تھا پھر تیار ہا میری حالت بھڑکنے کی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات میں کیا کروں اور کیا کر دوں۔ پولیس سے رابطہ قائم نہ کرنا معلوم ہو رہا تھا۔ جب ملک کی کوئی اہم شخصیت متبادل ہو کر یہ کہے تھے کہ ہم جیسے معمولی لوگوں کو پولیس کا کھانا مل جائے تو جانتی ہیں کہ آج کل ملک کی حالت یہی ہے۔ سارا ماحول غنڈہ و دھرم کا دور ہے۔ مادیات کی شکست کے بدوڑے لوگ اور کھل چیلے..."

"حکومت غنڈوں کی سرپرستی کر رہی ہے کسی فٹنٹ آؤ کی..."
"نہیں ہے۔ ان حالات میں مجھ پر جین کا دھبہ پڑا ہے۔"
"اسی عالم میں میری ملاقات رضوان سے ہوئی۔ اس کے بعد حالات کا پتہ چلا تو اس نے قسم کھانے کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک تفریح کی مخالفت کرے گا۔"
"ابھی خاموش ہو کر میری صورت نکلے لگا۔"
"آج کی زندگی واقعی بڑی ٹھن جی ہو چکی ہے۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔"

"میری تو خاموش ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ملک سے نکل جاؤں۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟ بڑی خبریاں ملے کہ حاصل کیا تھا لوگ میری زمین پر ہم رنگ ہو گئے ہیں۔"
"وہ خدا کی راضی ہے، واز ہے ابھی صاحب! بظلم و جبر کی ناؤ آخر کار وہ ب کر رہے گی۔"
"جب ہم سب بھی ڈوب چکے ہوں گے۔" "ابھی کے لیے میں خبردار۔"
"ان دو چار دنوں میں آپ کے پیرنزٹنٹ کا رویہ کیا رہا؟"
"بہت سخت۔ اس نے مجھ پر کام کا بڑا بڑا دیا ہے اور عموماً مجھے بڑی سختت سے دیکھتا ہے۔"

"میں نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر پیالی رکھ دی اور پھر میری بولی ہوئی بولی۔" "اچھا اب مجھے اجازت دیکھئے ابھی صاحب!..."
"میں بھی اس سلسلے میں آپ کے کام آنے کی کوکشش کروں گی کہ پڑوینٹ میرا بھی ہے۔ میں تفریح کی مخالفت کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہوں۔"
"اگر اس کھی عزت باقی رہے تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔" "ابھی نے جذبات سے غلوب ہو کر کہا۔"
"میں نے ہنس کر اس کی تسکین کے لئے دو چار محنت کیے اور پھر بولی۔" "اب فلاں ہی بیگم اور تفریح کو طواہر تاکر اس سے بھی جانے کی اجازت سے لوں غالباً تفریح کو ان تمام باتوں کا علم نہیں ہے۔"
"رضوان کے کا وہ اب صرف آپ واقف ہیں۔ میں نے مزید کو کھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ورنہ وہ خود کو جان لے دیتی۔"

"یہ آپ نے بہت سمجھا کیا۔"
"ارے مجھے مزید!۔۔۔ تفریح... دیکھو یہ تباہی ہمارا جاری ہیں۔"
"ابھی نے بلند آواز میں پکار کر کہا۔"
"چند لمبے بعد میں اس کمرے میں داخل ہوئی۔ بچوں کو شاید اندر والی کمرے میں روک دیا گیا تھا ورنہ وہ بھی پیچھے چلے آتے۔" "اب رشوت نہیں رہی تھی لیکن اس کا چہرہ سنسنی والا اور ڈھکیں جوجی بولی تھیں۔ میں نے تفریح کی ماس سے اجازت لی اور تفریح کو سینے سے لگا کر اس کی پیٹائی چڑی۔ تفریح کا چہرہ ایک مہر ہو گیا۔ شاید اسے کچھ یاد آیا تھا۔"
"ابھی تفریح اب میں ملتی ہوں صبح وہ نہیں لے آؤں گی۔ تم

ایکلی اسکل مت جانا۔"
"بہت اچھا! تفریح نے آہستہ سے کہا۔"
"ماں باپ اور میں مجھے چھوڑنے کے لئے دروازے تک آئے۔ جب میری مہربانیزاں سے روانہ ہوا تو اندر لاپس چکا تھا۔" "میں نے فطرت کا شہید و باخدا تھا میں بھی طرح غمگین ہو گئی تھی۔"
"اس معاملے کو بڑی مرموز انداز میں بیان کیا گیا کہ بہت مختلا وہ کر پلا ننگ کے ساتھ اقدامات کرنے کی ضرورت تھی لیکن کوئی بھی قدم اٹھانے سے میٹھا بات کا علم انداز ضروری تھا کہ قتلے پر کون جے؟ ملک کی اس مہمبہنی کا چہرہ سامنے آجائے کہ بعد کی کوئی پلاننگ کی جاسکتی تھی۔"
"گھر پر نہیں میری اپنی خوب کامیں ملتی تھیں جنہوں کا ہر ایک خصوص طور پر تھی ابھی اس لئے میں نے تازہ سے کہہ دیا تھا کہ آج رات رات دو دو کا ایک گول بیوی۔"
"خواب گاہ میں پہنچ کر میں ڈانٹنگ ٹیل پر جا بیٹھی۔ رات بیکار نکالا اور اس پر ایک پیغام لکھنے لگی۔ زیادہ تر مل پیغام نہیں تھا۔ اس سطر پر۔ ان سطروں کے نیچے میں نے ایک کسٹھوں خبر کار اور پھر وہ کسٹھوں۔" "کہہ کر ایک لفظ نہیں لکھ رہا۔"
"چند دن بعد جب میری خاص ملازمہ دو دو گلاس کے کوئی میں نے آتے تھا ایک کبک۔" "سنو!۔۔۔ اس بات کا قیاس کیا ہے۔" "نیکل میں کچھ سبب و وجہ سے سوئے حال سے دوپہر ہوا۔" "یہ سبب و وجہ سے کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں۔"
"خدا کرے کہ... یہ دو جلدی سے بولی۔"
"لیکن میں نے اس کی بات کاتے ہوئے کہا۔" "اس صورت میں نہیں صرف ایک دم کرنا ہو گیا بلکہ وہ بکھری ہو۔" "اس میں ایک کاتہ پر ایک پیغام بھی ہوا ہے۔ اس پیغام کے نیچے ایک سیٹیلن مہر بھی ہے۔ تم وہ مہر دیکھ کر کہہ دو پیغام پڑھ دینا، غاف میں پیچھے والی دروازہ ڈالنے سے رہی ہوں۔"
"میں نے تازہ سے سامنے ہی وہ لفظ میز کی ٹیبل دراز میں ڈال دیا اور بولی۔" "بس اب جاؤ!"
"ملازمہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے تھے۔ وہ دھجھ سے استفسار کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی بہت تذکر کی اور چلی گئی۔"
"دو دو گلاس کی طرف سے ایک سرگرمی لگائی۔ جب میں نکلنے چوتی ہوں تو بھی سرگرمی بننے لگی ہوں۔ ابھی سے بندنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہا تو ابھی اس لئے میں نے بستر پر ایک گاہ غلام اندر بھی نہیں ڈالی جس کمرے میں تھی اور سرگرمی ہو گئی تھی۔ ابھی میں سر زور دیکھنے لئے کرسی پر بھی بیٹھ جاتی تھی۔ صرف ایک سوال مجھے پریشان کر کے ہوئے تھا کہ ان حالات کو پہنچنے تاویس کر کے کے لئے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔"

زیادہ برداشتی تھی اس لئے بڑے اعلیٰ ان سے میں اوپر چڑھتی ہوئی تھی۔
 میں نے جس آستان خیال رکھا تھا کہ قدموں کی آواز کم سے کم ہو۔ ایک دوسرے
 میں نے مگر کچھ بھی دیکھا اور چونکہ رگستر و سوتا جو پاکر مٹھتی ہوئی۔
 پہلی منزل پر چار فلٹیوں کے دروازے نظر آئے ان پر تجربی بڑے
 ہوئے تھے۔ ان نمبروں کو دیکھ کر میرے خیال کو تقویت پہنچی کہ اساتذہ
 کا فلٹ دوسری منزل پر بننا چاہئے۔
 دوسری منزل پر پہنچی چار فلٹ تھیں اور ان میں سے ایک پر سات نمبر پڑا
 برا تھا۔ اب مجھے اس انجین نے ٹھیک کیا کہ ان فلٹیوں کے مکین ہرے ہیں؟
 آخراں لوگوں نے نازک آواز کیوں نہیں سنی؟ یہاں کے حالات تو ایسے
 پرسکون تھے جیسے کبھی فلٹ میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو جن کی
 ایک فلٹ سے مدغم مدغم آواز نہ بھی آتی تھی۔ گویا یہ بات متنی طور پر یہی
 جاسکتی تھی کہ اس فلٹ کے مکین جاگ رہے تھے۔ دیئے گئی چٹنی کا آواز
 تو روتوں کو بھی جگا سکتی ہے۔
 میں سات نمبر فلٹ کے سامنے رگ گئی اور دروازے سے کان لگا
 دیئے۔ مجھے یہ نظر آیا کہ وہاں ایک اگر قریب کے فلٹ سے کوئی باہر
 نکل پڑا تو کیا ہوگا؟ جواب دی شکل ہو جاتی۔
 رضوان کے فلٹ میں بالکل سا معلوم ہو رہا تھا میں ایک منٹ
 تک دروازے سے کان لگا کھڑی رہی لیکن کوئی آواز نہیں مٹی تھی۔ میں
 نے آہستہ سے دروازے پر ہاتھ رکھا کھڑا سا باا اور جب ایک دم رگ گئی تو
 دروازہ تو کھلنے لگا تھا۔ اب کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کچھ سوچنے
 کی ضرورت تھی لیکن اس سے پہلے کہ کسی فیصلے پر پہنچتی قریب کے ایک
 فلٹ کے دروازے کا بولٹ غرنے کی آواز سنانی دی۔ غالباً کوئی دروازہ
 کھول کر باہر نکلے دی والا تھا۔ مجھے ایسی مشتہ حالت میں کھڑا دیکھ کر وہ
 میری طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس لمحے میرے ذہن نے بڑی تیزی سے
 کام کیا اور میں اس فیصلے پر پہنچ گئی کہ مجھے رضوان کے فلٹ میں داخل ہو
 جانا چاہیے۔ اگر اندازاً معلوم و مشق کی موجودگی کے باعث کوئی سنگناہ
 کھڑا ہو تا ہے تو ہوا کرے۔ ویسے بھی صورت حال اب بگڑتی ہی کوئی۔
 پلک جھپکتے ہیں یہ فیصلہ ہوا اور دوسری مرتبہ پلک جھپکتے سے پہلے
 میں رضوان کے فلٹ میں داخل ہو چکی تھی۔ میں نے تیزی سے دروازہ بھی بند
 کر لیا کہ میں برداشتی تھی۔ میں دروازے سے پشت نہا کر کھڑی ہو گئی یہی
 نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ میری ان حرکات و سکنات سے کوئی آواز
 نہ ہونے پائے اور میں اپنی اس کوشش میں بڑی مدد کا مایہ دہی تھی۔
 فرخچرخ وغیرہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کہے کو ڈرانگ دوم کلاؤ
 استعمال کیا جاتا ہوگا۔ انراش کی جیسا قیمت جزیں دیاں موجود تھیں مگر ان
 کی بے ترتیبی سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ ان چیزوں کے استعمال میں بھی
 کسی سلیقہ کو دخل نہیں رہا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا تھا کہ
 اس گھر میں کوئی حرکت نہیں ہوگی جو ان چیزوں کی دیکھ کر کچھ نہ کہتی۔

میں دروازے سے ٹیک لگائے تجسٹ نظر دل اطراف کا جائزہ
 لے رہی تھی۔ ان لمحات میں میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی تھی اور اندازاً
 اسی وقت ہو گیا تھا جب میں فلٹ میں داخل ہوئی تھی۔
 اندر دو کمرے کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ ایک سامنے والی دیوار
 میں تھا اور دوسرا بائیں جانب کی دیوار میں۔ سامنے والا دروازہ کھلا ہوا
 تھا اور اس پر لٹھی ہوئے بڑے بڑے تھے۔ بائیں طرف کا دروازہ بند
 تھا اور اس پر بڑے بڑے بڑے ایک فلٹ سر کے ہوئے تھے۔
 ان دونوں کمرے میں بھی سکوت کی بکھری معلوم ہوئی تھی۔ میں
 دبے قدموں سامنے والے دروازے کی طرف بڑھی۔
 وہ کمرہ خواب کا تھا ثابت ہوا لیکن کوئی متفقہ دیاں بھی نظر
 نہیں آیا۔ اس کمرے کی بائیں طرف کی دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا تھا
 میں اس کمرے میں داخل ہونے والا دروازہ ملتوی کر کے مڑی اور بائیں دیوار کے
 دروازے کی طرف بڑھی۔ میں نے ابھی تک اپنے پر سے لیٹوں کالنے کی
 ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں عموماً اس کے استعمال سے بچنے کی کوشش
 کرتی ہوں اور میرا کام اس کے بغیر ہی چل جاتا ہے۔
 بند دروازے پر رک کر میں نے آہستہ لینے کی کوشش کی اور پھر
 مینٹل پر ہاتھ رکھ دیا۔ مینٹل کو کھانے ہوئے میں نے دروازے پر دباؤ
 ڈالا اور دھککا لگایا۔ میں نے محسوس کیا کہ دروازہ غیر معمولی طور پر دھکی
 تھا۔ اس کمرے میں بھی روشنی موجود تھی۔ میں اندر داخل ہوئی اس وقت
 میرے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھیں۔ شاید ذہن کے کسی اندھیرے
 گھٹنے میں یہ خیال کلیلا رہا تھا کہ اس کمرے میں رضوان ساجد کی لاش سے بھی
 سابقہ پڑ سکتا ہے۔
 کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کمرے کو سات نمبر پڑ
 بنایا گیا تھا۔ کمرے کے ساڑھ سا ان کی روشنی میں یہ بھی خواب گاہ تھی جس نے
 لیٹر کی ساڈ ٹیبل پر ٹیلیفون رکھا ہوا دیکھا لیکن کمرے پر رسیور دکھائی نہیں
 دے رہا تھا۔ رسیور کے ٹیبل پر فرش پر کچھ سے ہوئے گویا یہ اندازہ ٹیک
 ہی ثابت ہوا تھا کہ کوئی نے رضوان ساجد کے ہاتھ میں دبے ہوئے رسیور رکھ دیا
 بنایا تھا۔
 فرش پر خون کے چند قطرے بھی پڑے ہوئے نظر آئے لیکن رضوان ساجد
 یا اس کی لاش کا کچھ نہیں تھا۔ کوئی اور شخص بھی وہاں نظر نہیں آیا۔
 یہ بات طے تھی کہ سنگناہ مرنے والے دیاں سے جاچکے تھے۔ مجھے دہاں آنے پر
 دیر بھی نہ لگی تھی۔ اس وقت میں پوری تباہی میں غائب ہو سکتی ہے۔
 مگر رضوان ساجد اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔
 ممکن ہے وہ لوگ اسے اغوا کر کے گئے ہوں اور یہی ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں
 سے بچ گیا ہو اور انزل جہان کے تعاقب میں لگ گیا ہو۔
 میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لیٹر کی ساڈ ٹیبل کے قریب پہنچی اور ساتھ
 نظروں سے اوجھڑا دیکھنے لگی۔ دراصل اب میں اس انداز میں سوچ رہی تھی

تھی کہ اگر رضوان ساجد کو اغوا نہیں کیا گیا اور وہ اپنی مرضی سے کہیں لگا ہے
 کو وہ یہ لے کوئی بیاض خنزیر جو پڑی ہوگا کچھ اسی خیال کی تلاش تھی
 اور جب وہ بیاض مجھے نہیں ملا تو میری کوششوں کو دین ہوگی۔ اب اس بات پر
 یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ رضوان ساجد کو اغوا کیا جاسکا ہے۔
 میں تیزی سے واپس کے لئے نکل کر ایک زون رکنی بیکار تھا۔
 صرف بیکار بلکہ خدشات بھی تھے کہ میں کسی انجین میں پڑ جاتی یا کوئی بڑا خطرہ
 سر پر آجاتا۔
 فلٹ کا بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے میں نے بڑی احتیاط سے کام
 لیا تھا۔ بجلی کی آواز بھی نہیں ہونے دی تھی اور اس بات کا یقین بھی کیا تھا
 کہ رہا داری دیوان تھی۔ جب میں باہر نکلی تو میرا دل بہت دور دوسرے دھڑک
 رہا تھا۔ میں تیزی سے لیٹوں کے دبے قدموں اپنے کی طرف بڑھی گئی۔ میں
 اور دو کمرے کے ماحول سے پوری طرح باخبر تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا
 داغ رضوان ساجد میں بھی اچھا ہوا تھا۔ اس پر کیا گزری ہوگی؟ ہاں اسے
 ان لوگوں نے اغوا کیا تھا؟ اغوا کی وجہ کیا تھی؟ اس قسم کے سوالات میرے
 دماغ پر گردش کرتے ہوئے تھے۔
 جب میں آخری زینے پر کھڑی تھی تو چکریدار کا پلنگ سامنے ہی
 نظر آ رہا تھا۔ اپنا تک میری نظر اس ایک چیز پر پڑی کہ اس میں ٹھیک کر رک
 گئی۔ میرا مزاج حیرت سے کھل گیا اور آنکھیں پھیل گئیں چکریدار کی چار پائی کے
 سامنے سے خون کی لہریں ٹپک رہی تھیں اور وہ لہریں برون جمع ہو کر ایک
 دھبہ بنا رہا تھا۔ اگر سہا نہ ہوتا تو شاید اب بھی میری نظر اس پر پڑتی۔
 میرا تمام جسم سسٹا اٹھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ ایک بلڈنگ کا چکریدار
 اتنا غیر متعارف دار کیسے ہوگا؟ وہ بیچارہ تو احساسات کی دنیا سے بیکار ہو چکا
 تھا۔ غالباً اس نے رضوان ساجد کو اغوا کرنے والوں کی راہ میں مزاحم ہونے کی
 کوشش کی ہوگی اور ان لوگوں نے اسے تھکانے لگا دیا ہوگا۔
 باقی زینے میں نے بڑی بھرتی سے طے کر ڈالے۔ چار پائی کے قریب
 پہنچ کر کی اور پھر سرانے کی طرف سے چار الٹ دی۔ وہ اوپر اٹھ کر پھان
 شہ اور غالباً خون کی لہریں اس کے پچھتے ہوئے سرے ٹپک رہی تھیں۔ وہ
 اس میں نہیں تھا صرف بے ہوش ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے چار پائی پر ڈال کر باہر
 ان نے اڑھا کئے ہوں گے کہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ دم تک لوگوں
 کی نظر سے چھپا ہے۔ اگر وہ اسے لہریں چھوڑ دیتے تو کسی وقت بھی کسی کی
 نظر اس پر پڑ سکتی تھیں۔
 (دش ایک لمبی کی آواز سنانی دی۔ میں چونک کر گھومی اور زینے کے
 ہر کی طرف دیکھنے لگی۔
 میں کی وجہ سے آواز ہوئی تھی وہ بڑے معصومانہ انداز میں بولیں
 "سہاؤں"
 "ہی ہاں آئیے" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر زیر لب کہا۔ "میں تو
 ہاں ہی رہی تھی"

میں تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں نے چکریدار کی چار و دو بارہ اس کے
 سر پر نہیں دھکا تھا۔ میں ہاں تھی کہ جلد از جلد کوئی اس حالت میں
 دیکھنے کے آگے مکرر حرکت سے ملتی امداد مل سکے۔
 گئی میں بدستور رہا تھا لیکن اورنگ زیب پارک کی طرف لوگوں کی
 پلٹ بھرت جاری تھی۔ میں جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی بڑبڑاتی رہی
 تھی کی طرف مڑ گئی۔ ان گھڑیوں میں مکمل سا نہیں ہوا لیکن یہ میری غیر خوش
 قسمتی تھی کہ کسی سے یہ یہی مدد نہیں ہوتی۔
 رضوان ساجد کو اس طرح غائب کیا گیا تھا کہ اس فوری طور پر اس کا
 سراغ نہیں دیا جاسکتا تھی اس نے اب میرا پرہیز و کلام پر بھکا کر سیدی پولیس ریڈ
 کو آڑ جاکر اور اپنے اوپر عائد ہونے والے قتل کے الزام سے بے نیاز۔ اس
 معاملے کو سمجھانے کے بعد ہی میں شہر میں بلاروک ٹوک نقل و حرکت کر
 سکتی تھی۔
 جیسے ہی میں اپنی کار کے قریب پہنچی دو آدمی بڑی سرعت کیساتھ
 میرے دائیں بائیں آگئے۔ وہ میری ہی کار کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے اور اتنی
 تیزی سے میرے قریب آئے تھے جیسے انہیں اندھیرے اگل دیا ہو۔ مجھے
 کوئی "کارگیری" دکھانے کی ہمت نہیں سکا اور دواؤں کی ٹائپس
 دواؤں پہلوؤں سے اٹکیں۔
 "ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی اور ماری گھیس؟"
 ایک غزایا۔
 "تمہارا پیٹ گولیوں سے چھلنی ہو جائے گا۔" دوسرا ہلا۔
 اسی وقت کار کی آڑ سے دو آدمی قریب آگئے۔
 "ارے!" میں ہنس پڑی۔ "ایک عورت کے لئے پوری کار ڈالی؟"
 "تم صرف عورت نہیں ہو۔ شیطان کی فال بھی ہو۔ جلدی سے
 اپنی گاڑی کا دروازہ کھولو۔"
 "دروازہ کھولنے سے پہلے مجھے اپنا پرس کھول کر لے کر آجانی پرس
 ہی میں ہے۔"
 فورا ایک آدمی نے میرے ہاتھ سے پرس چھین لیا اور اسے کھول کر
 ٹھوٹے لنگا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا "ادبو!۔۔۔ اس میں تو بٹلر بھی ہے۔"
 "یکھنا میرے پرس میں ہر وقت پڑا رہتا ہے لیکن میں نے استعمال
 نہیں کرتی ہوں۔"
 میری اس بات کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہاں ٹھوٹے والا
 چابی نکال چکا تھا۔ اس نے پرس مجھے واپس کر دیا لیکن میں دیکھ چکی تھی کہ
 میرا پتول اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔
 کار کا مقفل دروازہ کھول لیا گیا اور پھر سب کے سب اندر بیٹھ گئے۔
 مجھے دو کامیوں کے درمیان کچھلی سیٹ پر بیٹھا پڑا تھا۔ دو آدمی آگے
 بیٹھ تھے اور ان ہی میں سے ایک نے ڈرائیونگ سنبھال لی تھی۔
 ضبط کرنے میں مجھے بڑی قدرت حاصل ہے۔ میں نے بالکل ظاہر

نہیں ہونے دیا کہ میں ان سے خوفزدہ یا پریشان ہوں۔ زیادہ غافل تو میں
 لیکن نہیں تھی لیکن پریشانی سے انکار محال ہے۔ مجھے انکار کیا جا رہا تھا
 اس لئے میں پریشان کیسے نہ ہوتی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دوسرے قسم کے
 لوگ ہیں اور مجھ سے کیا سلوک کریں گے تاہم مجھے یہ امید ضرور ہو گئی تھی
 کہ شاید میں دس بیس یا نوں جہاں رضوان ساجد کو پہنچاؤں گا۔ ہونگا ایک
 قدر سے خوشگوار بات تھی۔
 مرس پڑی حرکت میں آگئی۔
 اسی وقت میں صرف اپنی لاپرواہی ظاہر کرنے کے لئے بول پڑی۔
 ”ذرا احتیاط سے چلا۔ میری کارڈی بہت نازک ہے۔“
 ”چلائیں گے تو ہم تم کو کبھی احتیاط سے۔“ میرے ہاتھ پائیٹھے
 شخص نے ایک لمبے ہودہ ساتھ لٹکا لئے ہوئے کہا۔
 ”تم؟ مجھے چلاؤ گے؟“ میں بڑی عقارت سے بولی ”کیسے تم
 لوگوں کی مردانگی شہت نہیں ہے؟ مجھ کیسے کیسے کے چار کی ضرورت محسوس
 کی گئی۔ میرے خیال میں تم لوگوں کا تعلق اسی قبیل سے ہے جیسے ایران کا
 علی اصغر۔ وہ جڑی بہت پسند کرتا تھا۔“
 ”کیوں بند کر دو؟“ میری دائیں طرف بیٹھا ہوا شخص میری بات
 پر اس ہری طرح تھملا رہا تھا کہ اس نے دیواروں کا دست بڑی زور سے میری کھٹی
 پر مضبوط کیا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے آگے تھارے سے اڑنے محسوس ہونے اور
 کچھ زخمی سے کارنگ ٹھہرنا چاہا۔ ایک میرے دھڑکنے والے ہوئے۔
 کچھ مجھے ہوش آیا تو اس نے نفسوں کی کمر باندھ کر توجہ زمین پر
 پڑا ہوا ہے لیکن سر کے نیچے کوئی گزرا چیز موجود ہے۔ ہر شور و جہاں
 طرح بیان ہوا تو مجھے پتہ چلا کہ ایک ایک کمرے کے نیچے فرش پر بڑی ہونٹو
 اور میرا سر رضوان ساجد کے زانو پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی نظروں میرے
 جبر سے پریشان اور دیکھنے کا انداز بڑا ایسا رکھتا تھا۔
 ”صد شکر کہ آپ کو ہوش آگیا۔“ وہ بڑی اہمیت سے بولا۔
 میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھی۔ اتنی تیز حرکت سے مجھے اپنے پیسے
 میں بڑی شدید دھمک محسوس ہوتی تھی اور چند لمحوں کے لئے آنکھوں کے
 آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔
 ”میں بیٹھ رہی، ایسی رہی۔“ رضوان ساجد جلدی سے بولا۔ اگر
 مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے ہوش میں آتے ہی میرے زانوں کی بلندی میں شروع
 ہونے کی کوئی بات کہے ہوئی کی طوالت کے لئے دعا مانگتا۔
 ان لمحات میں میری آنکھوں کے آگے سے اندھیرا جھٹ گیا اور
 میں رضوان ساجد کو گھورتی ہوئی بولی ”یہ کیوں ہو گیا؟“
 ”جہاں آپ میرے ساتھ ہوں وہ جگہ میرے لئے جنت سے کم
 نہیں۔“ رضوان نے لئے بڑے دالہ انداز میں کہا۔
 ”کیا تم مجھے پٹنا چاہتے ہو؟“ میں بھینچلا گئی۔
 ”ہاں کاؤ؟“ رضوان ساجد بڑے ہلکے لہجے سے ہونے انداز میں پچھے

پٹنا چلا گیا یہاں تک کہ دیوار سے جا ٹکرا۔ اس کے اس خوف میں اعلیت
 بہت کم اور بناوٹ بہت زیادہ تھی۔
 میں برسات میں بنا کر درگاہ باز دینے لگی۔ یہ کمرہ زیادہ بڑا تھا
 نہ بالکل چھوٹا۔ ایک کھٹی کھٹی اور ایک دروازہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی
 اور اس میں گرل کی بجائے آبی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ غالباً یہ مکان بہت
 پرانا بنا ہوا تھا۔ نئے رنگوں کی کھڑکیوں میں سلاخیں نہیں لگا کر تھیں۔
 دیواروں کا چونا مگر کچھ جڑا ہوا تھا اور فرش کی حالت بھی کچھ اچھی
 نہیں تھی۔ سامان کے نام سے اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔
 مجھے اور رضوان ساجد کو یہاں لانے والوں نے اس کی بالکل پردہ
 نہیں کی تھی کہ ان کے قیدی کہاں اٹھیں پھیلے گئے کسی تو کسی دیوار کی
 کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔
 میں اٹھ کر کھڑکی کی طرف گئی اور اس کی دوسلاخیں کڑکڑا کر باہر
 چھانکے لگی۔ اس طرف ایک راہداری تھی لیکن سامنے والی دیواریں کوئی
 دروازہ دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ راہداری کسی بلب وغیرہ سے
 بے نیاز تھی لیکن کمرے کی چور دھنی اس طرف جاری تھی وہ اتنی ضرور تھی
 کہ دیوار کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔
 میں کمری اور تجسب نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔
 ”وہ باہر سے بند ہے۔“ رضوان ساجد بول پڑا۔
 ”اتنا میں بھی سمجھ سکتی ہوں۔“ میں نے منہ بنا کر اور کچھ رضوان
 ساجد کی طرف جھنکی ہوئی بولی ”اب تم مجھ پر گے بنا کر کیا معاملہ ہے
 اور تم یہاں کیسے لائے گئے ہو؟“
 رضوان ساجد کے جسے سے خوشی کے تاثرات مٹ گئے اور وہ ایک
 ٹھنڈی سانس لے کر بولا ”کیا تم یقین کر دگی کہ جو لوگ مجھے اور تمہیں
 یہاں لائے ہیں وہ کیپٹن آفاق کے درود بخشنے ہیں؟“
 میں حیرت سے رضوان ساجد کی طرف دیکھنے لگی۔ اب جو کچھ اس
 نے مجھے ”تم“ کہہ کر مخاطب کیا تھا اس لئے میں یقین کر سکتی تھی کہ اب وہ
 سنجیدہ تھا۔ جب اس پر غیر سنجیدگی مسلط ہوتی تھی تو وہ مجھے ”آپ“ کہہ
 کر مخاطب کرتا تھا۔
 ”کیپٹن آفاق؟“ میں زربل بڑبڑائی۔
 کیپٹن آفاق اقتدار والی سے خبر واقف رکھتا تھا۔ یہ بات اب
 شک و شبہ سے بالاتر ہو چکی تھی کہ وہ موجودہ حکومت کی زبردہ مہینہ دوں
 سنبھالنے کے لئے غنڈہ گردوں کے جوہر سے جا بے جا تھے ان میں کیپٹن
 آفاق کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔
 ”تو فرخ کے معاملے میں کیپٹن آفاق کی خفیہ کار فرما ہے۔“
 میں چند لمحوں بعد کچھ بڑبڑائی۔
 ”ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ رضوان ساجد کچھ بول پڑا۔
 ”تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟“
 ”کھٹن پر تم دووں کے نصرت ہو جانے کے بعد میں نے ان غنڈہ

”اب وہ غفلت کہاں ہیں؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔
 ”وہ مجھے سے دائیں پھیل گئے۔“ رضوان ساجد نے بازو سا
 لپکے ہیں کہا اور کچھ کھڑا ہو کر کہے میں چلتا ہوا بولا ”کھٹن سے میں صدر
 ہاتھ تھا اور ایک جنرل اسٹور کے ٹیلیفون پر باہمی صاحب سے بات کرتی
 تھی۔ میں نے جب فرنی کی پینسل کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ تم ہو گی۔
 رضوان ساجد ٹیلیفون سے سب کچھ بتا کر اور اس کی بات ماننے
 کے ساتھ ساتھ میرا دماغ ان حالات کا تجزیہ بھی کرتا رہا جواب تک پیش
 آچکا تھے۔ ”بائی کوس کے آفس پر شیشہ نے جو پیش کش کی تھی وہ خاصی
 فزیمو تھی اور ایک سرکاری افسر سے اس قسم کی پیش کش کرنے والا کوئی
 آفاق جیسا ہی کوئی آدمی ہو سکتا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی بہت حیرت ہوئی
 تھی کہ ایک جرم پیش کردہ کے پاس پہلی کو پڑھائے تھے لیکن اسبیری
 و حیرت بھی ختم ہو چکی تھی جس معاملے میں کیپٹن آفاق جیسی شخصیت کا ہاتھ
 ہوا اس معاملے میں جیل کو بڑھ کر کیا؟ ہوائی جہاز پر بھی حیرت ظاہر نہیں کی
 جا سکتی تھی کیپٹن آفاق بہت کچھ کرنے پر قادر تھا۔“
 ”پھر میں نے اپنے گھر سے تم کو فون کیا۔“ رضوان ساجد کی آواز
 میرے زانوں پر پڑی تھی۔ ”اور صحت مند کسے؟“ اعزاء ہو چکا تھا کہ
 کہ لوگ میرے تعاقب میں لگ چکے ہیں جو کچھ کیپٹن آفاق کا نام میرے علم
 میں آچکا تھا اس لئے مجھ پر ضروری کسی سرسیم کی طاری ہو چکی تھی۔ لیکن
 کیپٹن آفاق کے نام سے بڑے بڑے لوگوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، میں
 نے ہمارے کسی خاص دوست پر نہیں ہوں۔ ہر حال اس سرسیم اور
 اگلا ٹھکانہ مجھے یہ خیال نہیں رہا تھا کہ اپنے ٹیٹ کا دروازہ اندر سے
 کھولوں۔ ”یہ بات بھی میرے سامان دکان میں نہیں تھی کہ وہ لوگ
 کمرہ اتنی تیزی سے جھپٹ پڑیں گے۔ دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے
 انہیں آسانی سے ٹیٹ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ جب اس وقت
 میں سرسیموں پر تم سے گفتگو کر رہا تھا تو وہ لوگ اندرون کمرے میں
 گھس آئے۔ ”وہاں ہوں نے ناز کر دیا۔ راستہ یا غیر راستہ طور پر وہ گولی
 میری پر پڑی تھی اور اس کے ٹوٹے ڈھلے تھے۔“
 ”میں نے وہاں خون کے قطرے بھی پڑے دیکھے تھے۔“
 ”وہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ رضوان ساجد نے اپنا دایاں ہاتھ
 اٹھا کر ہونے کہا۔ میں ایک انگلی میں خراش سی انگلی تھی، اسی سے
 ”یہاں سے ٹپ گئے ہوں گے۔“
 ”پھر تم نے کیا کیا تھا؟“ میں نے عینا سے پوچھا۔
 ”جب مقابلے پر میں آدمی ہوں اور ان میں سے ایک کے ہاتھ
 ہمارے ہاتھوں میں ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے؟“ عقلمندی کا لاف نہیں تھا کہ
 میں اسی کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔
 ”تمہارے کسی پڑوس نے کوئی پلنے کی آواز نہیں نہیں کی اور میں

اس کا سبب جان چکی ہوں۔ تمہارے ٹیٹ کا وہ ساؤنڈ بڑا
 ہے۔ آخر تمہیں کیا ضرورت ہو گئی تھی کہ ایک کمرے کو ساؤنڈ پر زور
 بنواؤ؟“
 ”میرے پاس کچھ خاص قسم کے ٹیپ ہیں کسی کمرہ دیکار ڈیکار
 سننا ہوں اور وہ ٹیپ ایسے نہیں ہیں کہ ان میں بھری ہوئی آواز میں
 آس پاس رہنے والوں کو بھی سنواؤں۔“
 ”بلیک میلنگ اسٹف؟“ ”میلز میں گیا۔“
 ”ہاں۔“ رضوان ساجد نے جواب دیا لیکن اس وقت میں یہ
 مسئلہ زبردستی نہیں لانا چاہتا اور میرا خیال ہے تمہیں اس جہت میں سمجھنا
 مناسب نہیں سمجھوں گی۔“
 ”یہ لوگ تمہیں یہاں کیسے لائے؟“
 ”ریلواد کی ٹالی میری کمرے کا گھر کے لوگ مجھے بلڈنگ سے
 نکال لائے تھے۔ بلڈنگ کے چوکیدار کی شامت آئی تو اسے کچھ ہوا
 گیا۔ وہ ان لوگوں کو ٹوک بٹھا اور تھیں میں سے اپنے سر پر ایک شدید
 ضرب کھائی پڑی۔ اسے جارانی پر ڈال کر وہ لوگ مجھے باہر لے گئے
 جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے اس کار کی کھلی سیٹ پر بٹھایا گیا
 اور کچھ اچانک ان میں سے ایک نے میرے زبیر اور کورڈار سے آواز
 دیا۔ ”مگر یہ کچھ ہوش آیا تو اس میں کمرے میں تھا۔“
 ”تمہارے ہوش میں آئے کے بعد سے اب تک یہاں کوئی نہیں
 آیا۔“
 ”میں ایک مرتبہ دو آدمی آئے تھے اور وہ اس لئے آئے تھے کہ تمہیں
 تم کو بھی اس کمرے میں بٹھانا تھا۔“
 ”ان سے تمہاری کوئی بات چیت نہیں ہوئی؟“
 ”قطعی نہیں۔“
 ”آخر تمہارے اخوا کا قصدا کہ ہو سکتا ہے؟“
 ”یہی سوچ سوچ کر میں بھی تھک چکا ہوں۔ اگر وہیں آکر کرنا
 مقصود ہوتا تو انہوں کوئی ضرورت نہیں تھی اور اگر انہیں ہم سے
 کچھ معلوم کرنا ہوتا تو اب تک وہ کچھ بھی شرع کی جا چکی ہوتی۔“
 ”تو پھر ایک کی بات ممکن ہے۔“ میں نے پرتشوش لہجے میں
 کہا۔ ”وہ لوگ کیونکر فرخ کو اغوا کرنا چاہتے ہیں اور ہم دونوں میں
 رکھا دیتے ہونے تھے بلکہ انہوں نے اس طرح ہمارا بندوبست کر دیا۔“
 اب وہ بڑی آسانی سے فرخ کو اغوا کر لیں گے۔“
 ”اوہ! کھٹن رضوان ساجد کے جسے کی سرخی پر حسی جلی گئی
 اور وہ بڑی سی جین سے کمرے میں بیٹھنے لگا۔ وہ بار بار اپنے ہاتھ
 کاٹکے، دائیں پھیل پر مار رہا تھا۔ غالباً میری بات بہت زیادہ قرین
 قیاس معلوم ہوئی تھی اور وہ اندرون طور پر بے حد متوجہ ہو گیا تھا۔ اس
 کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو گا کہ اس نے بیسی کے عالم میں وہ فرخ کے لئے
 کیا کرے؟“

” زیادہ پر جوش ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے میں سجدی سے بولی کہ میں بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں سے پچھنے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں۔“

”خوان اس سجادہ پر آہستہ معمول پر آ چلا گیا۔ میں نہیں ہر کسی کی طرح میری بات کا انتہائی اس کی فطرت بخشنی کہ وہ بہت جلد مشتعل ہو کر بہت جلد ٹھنڈا بھی ہو جاتا تھا۔“

”کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم اس وقت کس علاقے میں ہیں؟“

”میں بولی۔“

”نہا ہرے کہ کسی ماڈرن ہسپتال کا مکان نہیں ہو سکتا۔“ عنوان ساجد نے چاروں طرف نظر سے گھماتے ہوئے کہا۔ ”اور مٹول درجے سے لوگوں کی مسمیات کو اگرچہ میں دوایک نہیں، ان گنت ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی مکان جس ہو سکتا ہے۔ اور گھوڑے کا بھی۔ یہ اگر تاج کا بیوی بھی ہو سکتی ہے اور تین تلواریں۔“

”تم نے سب سے پہلے کیا بات آوار اور گولیاں کا نام کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں علاقوں کے حال ہی میں خاصی شہرت حاصل کر لی ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ مکان ان دونوں علاقوں میں ہرگز نہیں ہو گا۔ ان دونوں علاقوں سے اس قدر متعلق ہیں کہ کپڑا آفاق کے آذی ان علاقوں کو یہ ہرگز میوں کا مرکز نہیں بنا سکتے۔“

”عنوان ساجد نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔“ یہ واقعی عجیب آئینہ ہے۔ مجھے ان غلطی کا اعتراف ہے۔“

”وہ اصل میں علاقے کا تعین کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتی ہوں کہ اگر اس مکان میں کوئی جنگل ہو تو اس باس کے لوگ متوجہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے یہ ساری سستی تو کپڑا آفاق کے میوں کی نہیں ہوگی۔“

”جنگل کیسا؟“

”ہیں کچھ نہ کچھ تو گناہی بڑے گا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ دھکر دھکے رہے تو وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں فرخ کو اس غیر تنگ انجام تک پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔“

”کاش کوئی نہیں۔ ایک غیر تنگ انجام سے بچاؤ۔“ عنوان ساجد نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

”میں اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی اس لئے رضوان ساجد کے لہجے کی شوخی کو محسوس نہیں کر سکی اور جھوٹے پوچھ بیٹھی۔ کیا مطلب؟ تمہارا غیر تنگ انجام کیسا؟“

”اگر کسی کی نظر کرم حاصل نہ ہو سکے تو انجام کی غیر تنگ میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔“

”ہوں۔ میں اس کی مشرکت کو سمجھ کر اسے گھورنے لگا۔“

”خبر کیا ہو کر میوں سے کیا منہ ہے بناؤ۔۔۔ ان کی سر ری دو

”انہیں آپ کی بھی دو آہستیں، آپ ہی ایک ناک، ان کی بھی ایک ناک، ان کے بھی دو پوٹ، آپ کے بھی دو پوٹ۔۔۔“

”وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے ان کے بھی دو۔۔۔“

”ہوں۔ میں ہر اسامہ بنا کر بولی کہ کیا مردوں کے بھی دو آنکھیں دو پوٹ، ایک ناک اور دو کان نہیں ہوتے؟“

”یہ سب نام تو برسیں تذکرہ آگئے تھے۔ میں جس نکتے کی طرف الجھ رہی تھی آپ کا تھا، انہیں آپ نظر انداز کر رہی ہیں۔ رضوان ساجد کے نکتے مشرکت سے بھر کر رہے تھے۔ آخر آپ تبدیل کیوں نہیں جانتیں؟“

”جس کی طرف تمہارا اشارہ ہے، میں اس تبدیلی سے نفرت کرتی ہوں۔“

”بہت ختم۔ نے نے بن نہیں۔“

”جب بھی بینے کی کوشش کی، تم سے جو ملے گی۔“

”آزمائش شرط ہے۔ یہی میری خدمات حاصل کر کے دیکھئے۔“

”رضوان بڑے ڈرامائی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکا بولا۔

”تم۔۔۔ میں بڑی بڑی۔“ سناہت تو تم میں بھی اچھی خاصی ہے۔“

”کیا؟“ رضوان نے معصومی انداز میں بڑے ہوئے کہا۔ میں۔۔۔

”جنگل رواست نہیں کر سکتا۔ آزمائش سے پہلے آپ بات ہرگز نہیں کر سکتیں۔“

”میرا خیال ہے ہر فعلوں باتوں میں لکھ کر وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں اچانک تنیدہ ہو گئی۔ وہ وقت ایسا نہیں ہے کہ ہم فرخ کے علاوہ کچھ سوچیں۔ اس پر نہ جہلے کیا کر رہی ہوگی۔“

”اس وقت تو کچھ بھی نہیں گزری ہوگی۔ جو کچھ بھی ہوگا، کل صبح ہوگا۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو۔ لیکن یہ وہ اسے رات ہی میں اغوا کر لینا چاہتے ہوں۔“

”اگر وہ اسے رات میں اغوا کر لیتے تو پھر ہمیں تیرہ کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا۔ ہم رات کو اس کے مکان کی حفاظت کرتے نہیں تھے۔ انہیں ہماری وجہ سے صرف دن میں ہی پریشانی تھی۔“

”میں ثابت میں مڑا نہ لگی۔ رضوان کا استدلال فاساد زنی تھا۔ ”تم تمہارے کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا اور پھر اپنی رشتہ داری پر غور فرمائی۔ تین بچے تھے۔ ”بچے گھٹے۔“ میں بڑبڑائی۔ ”گناہ تو ابھی پانچ گھنٹے تک تھا۔“

”سمجھا۔ اپنی پانچ گھنٹوں میں کچھ کرنا ہوگا۔“

”سیدہ وہ مانع تھیں، بحث و مباحثہ اور سوچ بچار میں ہی گزر گئے۔ کوئی تدبیر ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اب دن کا اجالا گھر سے بھر گیا تھا اور لمب کی روشنی، چڑا بن کر رہ گئی تھی۔ رات جاگنے کے باوجود بھی میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ نہ تھا۔

”انہیں براہ راست ہوئی تو ہم جو تک کہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس آواز غائبانہ آواز کے لئے بیٹے کے کمرے میں داخل آئی۔ دروازے پر ہاتھ رکھے رہے۔ ان کے ریلو اور ریلو کے پھوٹے سے خوفناک دبانے، موت کی آنکھوں کی مانند، بہت تھے۔“

”ہاں! اپنے پیٹ کا جھنجھوٹ کر لیں۔“ ناشتہ لانے والے ہیں۔ یہ کہا وہ اس کے بعد تریل خانہ کو اس مکان کے کمرے میں چلا ہو گا۔“

”کیوں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”اوپر بہت چلے گا، وہ ایک بے شمار مقصد لگا کر بولا۔

”وہ اسے کی طرف مڑ گیا۔“

”لوگوں نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ پھر بند کر دیا تھا۔ یہ محض قسم کا تھا۔ میں فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن عنوان کی طرف دیکھنے لگی جس نے ناشتے کی طرف ہاتھ اٹھا۔“

”اگر تم ناشتہ نہیں کرو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”لوگ تمہیں دوسرے کمرے میں کیوں لیٹا چاہتے ہیں؟“

”بہت زیادہ پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔“

”میں ہنس بڑی بڑی۔“ آخر تم کیا سمجھ رہے ہو؟“

”اگر ہم پر دشمنوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے، تم ان لوگوں کو اس قسم کے لوگ دیکھنے کے ایک خوبصورت اور نازک ڈراما کر دینا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہے ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہو تو گزرنے والی نہیں جاتی۔ چلو ناشتہ کرو۔ تمہیں اس سلسلے میں ہونا چاہیے۔“

”ناشتے میں شریک ہو گیا لیکن اس کے چہرے سے فکر کا اظہار کرنے کے بعد اس نے جب سے سرگٹ نکال کر کھانا کھا لیا۔“

”میں نے پوچھا۔“

”میں نے پکٹ میری طرف بڑھا دیا جس میں اب ایک ہی ٹکڑا تھا۔ وہ نکال کر سگٹائی اور بیکے بیکے کھا لینے لگی۔“

”وال میں اٹھیا ہوا تھا کہ وہ لوگ مجھے کسی دوسرے کمرے میں لے جائیں۔“

”میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس بات کا تھا کہ اس کی جانی لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ وہ اس کی جانی لی۔“

”وہ منٹ بعد وہ لوگ آئے اور مجھے اس کمرے سے لے کر باہر لے گئے۔ وہ مجھے جارہے تھے تو میں نے دیکھا کہ عنوان ساجد کے کمرے میں تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ شخص وہی

”مجھے سخت گرتا ہے لیکن میری فطرت کے خلاف ہے کہ میں کسی مرد کی محبت کا جواب دے سکوں۔“

”مجھے دوسرے کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ وہ لوگ میرے ساتھ اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ میں دروازے کے قریب میری ٹانگہ کر اس آواز کو گھورنے لگی خورائے دانی کو لوگ کے قریب گھڑا تھا۔ میری طرف اس کی پشت تھی۔ وہ بے کلی سٹوٹ میں لمبی تھا اور دلو سے لگی ہوئی ایک میز پر دووں ہاتھ لگائے گئے تھے۔ ہوا تھا۔

”بہت خوب۔“ اس کی بھاری آواز گونج رہی تھی۔ ”تم واقعی خوبصورت ہو۔ یقیناً تمہارا گیس وکس عورت، آفت کی پرکاشہ بھی ہوگی۔“

”اس نے فرخ کو میری طرف نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کے ان فقرات نے مجھے انہیں میں ڈال دیا لیکن میری۔۔۔ لیکن زیادہ دیر قائم نہیں رہی۔ جلد ہی میری نظر اس آئینے پر پڑی جو میرے کچھ ایسے راز سے لکھا ہوا تھا کہ اس میں میری شکل صاف نظر آ رہی ہوگی لیکن میں اپنی فاسلے کے باعث اس جھوٹے سے آئینے میں اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔“

”مجھ کو تو خوبصورت عورت! اس نے قدرے توقف سے کہا۔

”میں جانا چاہتا ہوں کہ تمہاری آواز بھی اتنی ہی خوبصورت ہے یا نہیں؟“

”میری آواز خوبصورت بھی ہے اور نرم بھی۔“

”بہت اچھے۔ اس نے ہلکا سا ہنسنے لگا۔ ”خاص جراثیم ہو کر ایک قیدی ہو کر اسے دینگ۔“

”کیسی قیدی؟“

”جو تو اس جہاد و لاری سے باہر نکل کر میرے سامنے آؤ۔“

”ہیر۔۔۔ ہیر۔۔۔ ہیر۔۔۔“ اس نے میرے کھڑے ہو کر تین مرتبہ تالی بجائی لیکن اس کا رخ اب بھی دوا کی طرف تھا۔ مقصد یہی ہو گا کہ اس کی شکل نہ دیکھ سکوں۔ غالباً اس نے اپنی آواز بدینے کی بھی کوشش کی ہوگی لیکن میں اسے پہچان چکی تھی۔ وہ اپنے قدم و قامت کے اعتبار سے کپڑا آفاق ہی معلوم ہو رہا تھا۔

”مجھے اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ میرے اغوا کا مقصد کیا ہے۔“

”میں بولی۔“

”کیا واقعی تم نہیں سمجھ سکتیں؟“

”میں اندازہ ہی نہ لگا سکی ہوں کہ اس کا تعلق فرخ سے ہے۔“

”تمہارے ہی اندازہ لگانا ہے تم نے۔ تم اور رضوان ساجد میرے راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اب آج بڑے اطمینان سے فرخ کو اغوا کر لیا جائے گا۔“

”آخر تم لوگ اس معصوم لڑکی کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟“

”میں سوچ کر گرا ہوں وہ اس کے حق میں بھی بہتر ہو گا۔ وہ زندگی کی لڑائی میں اس آسائش سے بہرہ ور ہو سکے گی۔ ایک میڈیکل کی جی کو

وہ سب کچھ نہیں بلکہ جیسے اسے دلوانا چاہتا ہوں
 "دلت کی کو سب کچھ نہیں ہوتی"
 "آج کے دور میں وہ اس کی شے ہے لیکن میں نے تمہیں اس کے
 میں اس نے نہیں بلکہ اٹھا کر ان مسائل پر گفتگو کروں"
 "کس لئے بلایا تھا؟"
 "مرت دیکھنا چاہتا تھا تم کو۔ تمہارے بارے میں اتنی حیرت انگیز
 رپورٹیں مل چکی ہیں کہ میں تمہیں دیکھنے کے لئے جیچیں ہو گیا تھا۔ آج
 سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت کو دیکھنے کے لئے اتنا جیچیں
 ہو۔۔۔ اب تمہیں دیکھا ہے تو کچھ خوشامد بھی انگریزیاں لینے لگی
 ہیں لیکن تیرے بچے کی بھی ہے"
 "یہ انجام کیا ہو گا؟"
 "زندگی۔ خوبصورت زندگی ہے"

"کیا مطلب ہے؟"
 "آج رات کو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا میرے لئے یہ بھی ممکن
 ہے کہ تم دونوں کو لڑکھی دہانے میں دفن کر دیا جائے لیکن میں بلاؤں
 خون خرابہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ دیکھو جیسی خوبصورت عورت کو قتل کر دیا
 دنیا ایک غیر شاعرانہ بات بھی ہوگی۔ رہ گیا رضوان ساجد تو مجھے اس کی زندگی
 بچنے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آج اس دن میں فرش کے معاملے کو بغیر دو خونی ہاتھوں
 کے پہنچانے کے بعد میں رات کو ذرا سی دیر کے لئے رضوان ساجد سے ملوں
 گا میں اس سے چند ایسی چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہوں جن کے سہارے
 سے وہ میرے بعض دوستوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ میں اس سے معلوم
 کروں گا کہ اس نے وہ چیزیں کہاں چھپائی ہیں۔ وہ جہیز میں حاصل کرنے
 کے بعد میں اسے اور کہیں، دونوں کو چھوڑ دوں گا، اس نے خاموش
 ہو کر میرے روبرو کھڑی ہوئی خوش پر ہاتھ مارا۔ فوراً ہی میں نے اپنے عقب
 میں دروازہ کھینچ کر آواز سنائی اور وہ پھر بولا "میری داد انکی کامیابی
 کرو ہے"

"بہت بہتر جواب والا! اندر آنے والوں سے اسے ایک نئے
 کہا اور رکھو اس کے رپورٹوں کی نالی میرے پہلو سے آگئی۔ وہ ٹھکانہ انداز
 میں بولا "چلو!"
 میں ان دونوں کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئی۔ وہ میری
 دائیں ہاتھ تھے۔
 "یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" میں بڑے ایوارس انداز میں بولی۔
 "کیا مطلب؟"
 "میں بھی تم لوگوں نے میرے ساتھ کچھ جھگڑا کرتا رہنے
 کا اہتمام کیا ہو گا۔ ایک رات بھی بے رنگ دبو ہو جائے تو مجھے زندگی
 سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ میرا سنی رضوان ساجد تو ان معاملات
 میں بالکل خشک اندر کو رہا ہے"

میری بے باکی میں ایک طرح کا سہرا اٹھ رہا تھا۔ ان دونوں
 معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں
 بولا "تو تم ہمارے ساتھ کچھ اچھا وقت گزارنا چاہتی ہو؟"
 "میں رات سے بھوکھی ہوں۔ ایسی خوش لائیں میری زبان
 بہت کم آتی ہیں۔" میرا انداز بالکل فاشاؤں کا سا تھا۔
 لگ رہا ہے جیسے میرے وجود میں کوئی گلی لکڑی سلگ رہی ہے۔
 "اگر ایسا ہے تو تم ہمارا انتظار کرنا۔ ہم کچھ دیر بے تمہیں
 گے۔"
 "یہ تم کیا کر رہے ہو؟" دوسرا دمی بڑی تیزی سے
 جانو کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں کچھ چاہنے لگا۔
 "استاد جانو تو کچھ دیر میں چلنے ہی والا ہے۔ پھر یہاں
 کے علاوہ ہو گا یہی کون۔ یہ کیسے ہوئے یوں معلوم ہو رہا ہے
 اس کی دلالت کی جا رہی ہو۔ وہ بڑی بھوکھی نظروں سے میری
 جان بڑھ رہا تھا۔
 "لیکن۔۔۔"
 "بھوڑو بھی پارا تم خواہ خواہ بڑی بے جا رہے ہو
 کو پتہ کیسے چلے گا؟ یہ تو تانے سے رہیں۔"
 "میں کسی کو کیوں بتانے لگی۔ میں تو میسور ہوں۔ مجھے
 "وہ غذا تمہیں ضرور ملے گی۔ اس نے بڑے چہرے
 بناتے ہوئے کہا۔
 وہ دونوں مجھے اس کمرے میں واپس پہنچا کر باہر
 بند کر گئے۔ رضوان ساجد بڑی بیانی سے میری طرف آیا
 سر اٹھا جائزہ لینے لگا۔
 "میں بالکل خشک ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے
 خیال غلط ثابت ہو چکا ہے۔
 "تو۔۔۔ تو۔۔۔ کچھ۔۔۔"
 "کیپٹن آقا کیجئے دیکھنا چاہتا تھا۔"
 "اوہ! وہ بھی ہے اس مکان میں؟" رضوان
 چونک کر کہا۔

"ہاں ابھی تو ہے لیکن درجاء منٹ میں چلا ہوا
 "کیا بایں ہو میں اس سے؟"
 اس سوال کے جواب میں مجھے سب کچھ دھڑلانا
 "سو کر کچھ صحت نہیں دیکھنے آیا تھا؟" رضوان
 غراہٹ تھی۔
 "پچھا ہی ہوا کہ وہ دیکھنے آگیا اور مجھے اس کے
 کرنے تک جانا پڑا۔"
 "اس میں اچھا ناک کیا پہلو ہے؟"

"اس طرح مجھے ایک سال بچھینکے کا موقع مل گیا۔ اب دیکھنا یہ
 ہر اس کس کو ٹھکانہ ہے۔"
 رضوان نے میرے نظروں کی تشریح کر دینا چاہی لیکن میں
 سال دیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا، اس کی عمل پذیری
 واقعی نہیں تھی۔ میں بڑی جیچیں سے ان دونوں آدمیوں
 مل کر کڑی رہی۔ میں نے انہیں اپنے جسم کی دعوت دی تھی اور
 ان میں سے ایک کی رال کو بڑی شدت سے ہوتا ہوا تھوکر
 "اگر ان تو یہی تھا کہ وہ میرے دام میں آجائے لیکن مستقبل کے
 میں کسی طور پر کچھ کتنا مشکل رہا تھا۔
 میں خطبہ خطبہ فرنگ کے لئے پریشان ہوئی جا رہی تھی۔ ہرگز نہ
 کی کیا ہی کو اس کے قریب لجا رہا تھا۔ میں ان سفک لمحات
 سے پہلے ہی فرخنگ تک پہنچ کر اپنے بازوؤں کی اسان میں
 کی تھی۔ اندازاً یہ کچھ جانتا تھا کہ فرخ کو اس وقت، انوکھا
 ہر وہ سکون کے لئے گھر سے روانہ ہوگا۔ ابھی اس وقت
 حال کھینچے باقی تھے اس لئے میں جا ہی تھی کہ یہ وقت گزرتے
 کچھ بیاں سے جھٹکا رہا مل چلتے اور اس کی صورت یہی تھی
 "ہائے، خواہش کے عین مطابق گئے۔
 "میں گزرتی لیکن وہ دونوں محسوس نہیں کرتے۔
 ہر اوٹھنا اور گزرتا لیکن دروازے پر آمٹ نہیں ہوئی۔
 میرے اضطراب کا عالم وید کی تھا۔ رضوان نے صحت سے
 کہا اور بولا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہیں کسی کا متعلق ہے
 میں بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی ہوں۔"
 "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس عالی خالی نظروں سے
 بلکہ کر رہ گئی۔ رضوان میرے اس گم گم انداز سے کچھ پریشان
 تھا۔
 "میں گھنٹہ بھر گزرتا۔ اب میرے ضبط و صبر کی حد ہو چکی تھی۔
 "میں گھنٹہ بھر جیچے کران دونوں آدمیوں کو گائیاں دینا شروع
 کر رہی تھی۔
 "میں نے بڑی بیانی سے پوچھا۔
 "اوہ! وہ بولا جس کے ہاتھ میں رپورٹ نہیں تھا اور اس
 "ہم ہی تھی۔
 "اب! رضوان کچھ بولھلا گیا تھا۔ کہاں جا رہی ہو؟"
 "میں گھنٹے میں آ جاؤں گی۔" میں نے بڑی لاہر دہائی سے

"کیا مطلب ہے؟"
 "آج رات کو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا میرے لئے یہ بھی ممکن
 ہے کہ تم دونوں کو لڑکھی دہانے میں دفن کر دیا جائے لیکن میں بلاؤں
 خون خرابہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ دیکھو جیسی خوبصورت عورت کو قتل کر دیا
 دنیا ایک غیر شاعرانہ بات بھی ہوگی۔ رہ گیا رضوان ساجد تو مجھے اس کی زندگی
 بچنے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آج اس دن میں فرش کے معاملے کو بغیر دو خونی ہاتھوں
 کے پہنچانے کے بعد میں رات کو ذرا سی دیر کے لئے رضوان ساجد سے ملوں
 گا میں اس سے چند ایسی چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہوں جن کے سہارے
 سے وہ میرے بعض دوستوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ میں اس سے معلوم
 کروں گا کہ اس نے وہ چیزیں کہاں چھپائی ہیں۔ وہ جہیز میں حاصل کرنے
 کے بعد میں اسے اور کہیں، دونوں کو چھوڑ دوں گا، اس نے خاموش
 ہو کر میرے روبرو کھڑی ہوئی خوش پر ہاتھ مارا۔ فوراً ہی میں نے اپنے عقب
 میں دروازہ کھینچ کر آواز سنائی اور وہ پھر بولا "میری داد انکی کامیابی
 کرو ہے"

"بے دروزہ زبانی کی طرف ہر طرح۔
 "لیکن۔۔۔ سو۔۔۔" اس نے اس انداز میں ہاتھ اٹھایا
 جیسے مجھے روکنا تھا لیکن میرے دہانے کی سر ڈھری کو دیکھ کر وہ
 بانٹنے لگا۔ "کرسکا۔" اس کا ہاتھ ڈھیل ہو کر گر پڑا۔
 ان دونوں نے مجھے با۔۔۔ نکلتے کئے راستہ دیدیا تھا۔ میرے
 پیچھے وہ بھی باہر کے اوڑھانہ بند کرنا پڑا اور والا بہت چوکتا تھا۔ غالباً
 اس کو ہوا دھبے سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور وہ محض اپنے نامتی
 کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔
 "کیا اب وہ مکان میں نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔ وہ۔۔۔
 "میرا مطلب ہے۔۔۔ شاید تم نے استاد جانو کا نام یاد کیا تھا!"
 "ہاں اب اس مکان پر صرف تہاڑی حکمرانی ہے جان بگرا،" میرا
 عاشق بڑے خوشگوار موڈ میں بولا۔
 "منور فن خاں! رپورٹ اور والے نے اس سے کہا۔" بہتر ہوگا
 کہ تم اپنے اس پروگرام کو ملتوی کر دو۔"
 "یار اب رنگ میں کھنگلے کر دو!" فن خاں نے بڑا سامنے
 بنا کر کہا۔
 رپورٹ والے نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر سختی سے ہونٹ
 چھینچنے لئے، جیسے اب کچھ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔
 وہ دونوں مجھے ایک ایسے کمرے میں لے گئے جہاں ایک بستر،
 ایک معمولی سی میز اور چند کرسیوں کے سوا کوئی سامان نہیں تھا۔ میز پر
 شراب کی بوتل اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ گویا میرے عاشق فن خاں
 نے تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں
 "میرا جیم ٹوٹ رہا ہے۔" میں نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر
 اٹھائے اور ایک توپ شکن انگڑائی کی۔ ایسی انگڑائی کہ میرے شباب کی
 سرکشی دچھن چو گئی۔ فن خاں ان غنائیوں میں کھو گیا۔
 "کیا دیکھنے لگے؟" میں نے ہنس کر ہاتھ پیچھے کر دیئے۔
 "بلند یوں میں کھو گیا تھا۔"
 "پس میں ڈوب کر سب کچھ بھول جاؤں گے۔" میں نے غمی خیز
 بچھینے کہا۔
 فن خاں نے لکڑی کے ہتھکڑے پر ہاتھ رکھا اور میری طرف
 بڑھا۔ "تو کھوتے ہوئے اس نے کمرے کی طرف دیکھا اور بولا کہ تم
 بھی بھوکے ہو نا؟"
 "ہاں ہاں، کیوں نہیں؟"
 فن خاں جب میرے گلاس میں بھی اندھینے دگا تو رپورٹ اور
 والا بول پڑا "میں نہیں پیوں گا۔"
 "کیوں!۔۔۔ ایک دھبہ بیگ میں کیا حرج ہے یا را!"
 "تم بھول رہے ہو کہ میں اس عورت کی طرف سے پوری

طرح ہر شاعر نے جس کی مدح کی ہے۔
”اے تو کیا تم ایک ہی عینک میں ہک جاؤ گے؟“
”ان کی صورت سے تو میں معلوم ہوتا ہے۔“ میں نے نہیں کر لیا۔
”میں اب بھروسہ نہیں کرتا ہوں نہ ہر کی بڑیا!“ رولورڈ نے
نے مجھے گھونٹتے ہوئے کہا۔
میں باطنی طور پر ہنس کر کہہ گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ فقروں سے
اسے جوش دلانے ہی کے لیے کاغذ اور توڑوں کے لیے قہروں سے
مرد عموماً بے وقوف کی حالت ہے لیکن رولورڈ لکچر زیادہ ہی سرتخت۔
اس کے اس طرح کٹ کر کل جانے سے میں کچھ پریشان ہوئی۔ ضروری
تھا کہ وہ ضرور بہت نشہ اسے بھی ہوتا یا میری کامیابی کے لیے ایسا ہونا
سوفیہ دنیا کو رقصین تھا، تاہم اس سے میرے کام میں قلعے آسانی
ضرور ہو جاتی تھی ان دونوں کو سن کر شراب سے اس طرح بدست
کرنا چاہتی تھی کہ کچھ عرصے کے بعد میں اسے کوئی روک کر لیں۔
رقن خاں نے دو گلاسوں میں شراب بنا کر لیکر مجھے دیا اور
دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا میں بڑے اطمینان سے چلتی ہوئی بستر
پر جا بیگی۔ ایک گھونٹ میں نے بھی لے لیا تھا جب میں نے فکڑ کر دیکھا
تو رن خاں کا گلاس اڑا دھاغالی ہو چکا تھا۔ باقی اڑا دھاغی بہت جلد گالی
ہو گیا اور وہ اپنے لیے دوسرا لیکر بنانے لگا میں بہت دھیرے
دھیرے لی رہی تھی۔ جتنی دیریں میرا ایک پیگ ختم ہوا اتنی دیریں
رقن خاں اپنے لیے جو تھا گلاس بنا رہا تھا میں اپنا خالی گلاس لیے
ہوئے اس کے قریب گئی۔
”میرے لیے بھی بناؤ!“
”ہاں ہاں۔۔۔ جان من۔۔۔ کیوں نہیں؟“
اس سے ایک پیگ بڑا کر میں پھر بستر پر جا بیگی۔ اس دوران
میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہا دھاغیوں وہ سب تھوڑے ہی قسم کی باتیں
تھیں۔ رن خاں نہایت محسن قسم کے فقرے اڑا رہا تھا اور میں اس کی
تسکرتی باتیں کر کے اس کے مود کو خوشگوار کرتی اپنی چل جاری تھی۔ رولورڈ
والا آئینہ بنائے کچھ دور کھڑا ہوا تھا اور یہی صورت حال میرے خلاف
جاری تھی۔ یہ فاصلہ مجھے اس کے دیوار کی ہلاکت آفرینی کے قریب
کے ہوئے تھا۔ اگر وہ میرے قریب ہوتا تو اس کی وقت بھی موقوف
دیکھ کر اس کے رولورڈ پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اب اسے قریب لانے
کا صرف یہ ایک ذریعہ تھا کہ اسے اپنے بدن کے قبال دھند سے
روشناس کر دوں۔ پھر روشنیادہ وہ مناب ہو کر قریب آسکے یا جانا۔
رقن خاں نے چوتھا پیگ ختم کر کے چھوٹے ہوئے کہا: اتنی
دور کیوں بھیجی ہو جہاں۔۔۔ اب یہ فاصلہ ختم ہو جائے چاہیے!“
میں مسکراتی ہوئی اپنی اڑا اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس
کے قریب کی کرکری پڑھنا چاہتی تھی لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر لیک

جھٹکے سے مجھے اپنی گود میں چھلایا۔
”یہاں میچر شادی!“
میں دھیرے سے ہنس پڑی۔ اب رن خاں کا دایاں
آوارہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کی طرح
چلے آئے تھے۔ اس کے منہ سے بھٹی ہوئی بوسے مجھے اپنا
پھٹکا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بوضوح شراب کی نہیں تھی۔ ایک
ذہنی جو مجھے انتہائی ناگوار کر رہی تھی لیکن اس وقت مجھے اس
گوارہ کرنا ہی تھا۔ رن خاں کے ہونٹ میرے ہونٹوں پر
دیر تک مجھے لپٹے اور مجھے دیر تک اپنی ماسن روٹی بڑی
سے نجات کا واحد راستہ ہی تھا۔
”قیامت ہو، قیامت۔“ رن خاں بڑبڑایا۔
”رن خاں!“ میں ٹٹکتائی ہوئی اس کی آواز میں بولی۔
”ہاں جانی!“
”اگر اس وقت تمھاری آغوش میں میری کیا ہے
ہوتی تو؟“
”وہ تو اب کسی اور کی آغوش کو سجانے کی؟“
”نہیں کرنا۔ اب ایک لمبے سے اڑا لیا جا چکا ہو گا۔ اس
دہائیش پر ہو گی؟“
”دائیش پر کیوں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
”بذریعہ ریل لاہور اور دیر۔“ وہ ایک دم غا
اور مجھ بھٹکائے ہوئے انداز میں میں بولا: ”یہ تم نے کیا
چھوڑ دی!“
میں نے نہیں کر لینے ہونٹ اس کے مکروہ گالوں
ڈے تاکر اس کا ذہن کسی خاص لالچی پر نہ سوجنا شروع
اس بات نے میرے جسم میں سستی پیدا کی تھی کہ فرخ کو
ہو گا اور وہ لوگ اسے کسی دھیرے سے لاہور کے قریب
اس کے بعد مجھے ایسے گزرتے جب مجھے اپنے
سے کام لینا پڑا۔ رن خاں کے ہاتھ کی گستاخیاں بڑھیں
وہ مجھے دیکھ کر دھاغیوں اس طرح دیکھنا چاہتا تھا
بے نقاب ہو جائے، جسے دیکھتے ہوئے چاند پرست
جائیں، جیسے آئینے کی گرد صاف ہو جائے۔
میں صبر ضبط کے ساتھ بے نقاب ہوتی ملی
کچھ میری نظرت سے تنہا دکھتا تھا لیکن میں مجبور تھی۔
کو قریب لانے کا راستہ یہ تھا۔ میں ہنسنے پر مجبور تھی۔
دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کی رنگت بدل
کی۔ جسے ابانہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بھی
وہ لگ گیا۔ میں اتنی آسانی سے شکست ماتے کے لیے

اب میں نے رن خاں کی آغوش میں تڑپنا اور دل کھانا شروع
کی اپنے خال و خدر کو بڑے طوفانی انداز میں محسوس کرنا چاہتا
اور رن خاں میری ان حرکات و سکنات سے بالکل ہوا جا رہا
اس کے بد کو دار ہونٹ میرے ایک ایک رن سے آشنا ہو
تے۔ اب وہ آخری سفر میں طے کر لینا چاہتا تھا لیکن میں اس
جھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔
رولورڈ والا چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کا چہرہ سرخ
تھا۔ لیتنا اب اسے اپنے اوپر قابو رکھنے میں دشواری پیش
کی ہوئی۔
”بس وہ قدم اور آگے بڑھا ستر کے پتے!“ میں نے
ایک دل میں اسے بکا رہا۔
اب میں ایسی حرکتیں کر رہی تھی جیسے بالکل مدہوش ہو چکی ہوں۔
”کھیں بند کر لی تھیں مگر کپوں کے درمیان اتنی ہلکی سی درز
درز کی تھی کہ سب کچھ دیکھ سکوں۔“
”چلو۔۔۔ ادھر۔۔۔ چلیں۔۔۔“ رن نے کلفت آمیز
کی کہتے ہوئے گوشہ استراحت کی طرف اشارہ کیا۔
”پلو!“ میں نے جھوٹے ہوئے کہا۔
رن خاں کھڑا ہوا تو اس کی گردن میں جھول گئی میں یوں
گردی تھی جیسے مجھے سہانے کی ضرورت ہو۔ رن خاں کا نقشہ
میں اس کا گرا ہوا چہرہ تھا۔ اس نے صحت شراب کی نہیں لی تھی بلکہ
منازیوں کے جبر سے ہی ہے تھے۔ اس نے مجھے سہارا دینے
کوشش کی اور میں نے اسے سنبھالا۔ ہم دونوں کے قدم بڑی طرح
اچھے تھے۔ رن خاں تو واقعی نے نہیں تھا لیکن میری ڈنگلٹ
کی تھی میں اس آڑ میں اس فاصلے کو ختم کر دینا چاہتی
میرے اور رولورڈ کے درمیان تھا۔
رولورڈ نے اپنے تنھ کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ آخر وہ
تھا۔ کہاں تک ضبط کرتا ہے اس کی جھولنے نظر میں میرے جن
کے لیے سخت سخت کے ڈال رہی تھیں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ
وہ پاب اس کی گرفت میں مضبوط نہیں تھی۔ نال کاؤٹج بھی
کی طرف نہیں تھا۔ وہ قلعے سے جھک گئی تھی۔
ایک بار میں اس طرح ڈنگلانی جیسے گری بڑوں کی صاف
میں رہا تھا کہ رن خاں نے نہیں سنبھال سکے گا۔ رولورڈ والا
کھٹکارتے جھک آیا۔ وہ مجھے سنبھالنا چاہتا تھا اور اسے بٹانے
میں ہوں کو بھی لینا چاہتا تھا جن کو صرف دیکھ کر ہی اس کی
پھر ہو چکی تھی۔
مجھے تو بے صبریوں کے بعد وہ سنہری موقع ہاتھ آیا تھا۔
میں پل، گوشت کے ٹوٹے پر بیٹھتی ہے۔ اس کی طرح میں

نے اس کے رولورڈ پر چھٹا مارا۔ وہ کھینٹ چونک پڑا۔ چونک کر
اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی، اپنا ہاتھ تیزی سے پیچھے کرنا چاہا
لیکن نہ تو وہ اپنے مقدم میں کامیاب ہوا نہ ہی ہوئی۔ وہ رولورڈ
بجائیں سکا اور میں رولورڈ چھین نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ رولورڈ
اس کے ہاتھ سے نکل کر دیوار سے جا ٹکرایا اور پھر کھٹ سے
فرخ پر گر پڑا۔
اب وہ غیر متعلقہ تھا نہ امیر لکچر نہ بھوکا ہو گیا۔ اگر درمیان
میں آتشیں ہتھیار کا معاملہ نہ ہوتا تو رن خاں کی تعداد سے کبھی
مجبور نہیں ہوتی۔ وہاں تو بے چارہ وہ تھا ہی ایک!۔۔۔
رن خاں کی حالت ایسی نہیں کی کہ وہ اپنے ساتھی کی مدد کر سکتا۔
وہ مجھے ایک گندی سی گالی دے کر رولورڈ کی طرف چھٹا لیکر
میں نے اس کی ٹانگ پر ٹپکی۔ وہ ایک جھٹکے سے گرا اور اگر لاشانی
جھلت نے اسے اس کی کھینچوں کا سہارا نہ دیا ہوتا تو یقیناً اس کا
منہ ٹوٹ جاتا۔
”ہائیں ہائیں، یہ کیا شروع کر دیا۔۔۔ تم لوگوں نے؟“
رن خاں آنکھیں پھاڑتا ہوا پوچھا۔
میں اچھل کر رولورڈ کے اوپر جا گری۔ وہ اٹھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ وہ پھر فرخ سے چائے لگا۔
بلاتا غیر میں نے ایک تھکا ہوا ہاتھ اس کی کھوپڑی پر جھڑپ کر کے
کسی بھی ماہر کی یہ ضرب اتنی تیز تھوڑے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ ضرب
کھا کر وہ ذرا ہوتے ہوئے بیل کی طرح ڈگرایا اور غالباً وہ اس کی
زندگی کی آخری سانس تھی۔
رن خاں آگے پیچھے جھومتا ہوا، آنکھیں پھاڑتا ہوا کر رہا
کچھ دیکھتا رہا۔ صحت چارنگ اسے اس کی کھوپڑی سے باہر نکال
لائے تھے۔ غالباً اسے زیادہ دینے کی عادت نہیں تھی۔ اب ایسا
معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے لے ہو لیکن اگر اسے سب
کچھ دکھائی دے جاتا تو بھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے
ساتھی کا ٹھکانا بن سکتا۔
”یہ تم۔۔۔ کیا کر رہی ہو۔۔۔ جان جاننا ان آرتن خاں
ڈنگلکے ہوئے قہروں سے میری طرف بڑھا۔
”میں تمھارے ساتھی کی خاطر ملازمت کر رہی تھی۔ آؤ اب
تمھاری میزبانی کا شکر یہ بھی ادا کر دوں!“
”اس میں۔۔۔ بشکرے کی۔۔۔ کیا بات ہے جانی!
۔۔۔ بجزوں کی سی باتیں۔۔۔ نہ کرو۔۔۔ اے۔۔۔ اے۔۔۔
۔۔۔ ہائیں۔۔۔“
منہ پر کھولتے بڑھتے ہی وہ بولکھایا تھا۔ پھر جب میں نے اس
کے جوتے پر دوسرا شکر یہ بھی ادا کر دیا تو وہ علامت سے فرخ پر

”اے اے... جانی... جانی! وہ چٹا۔“
 ”تیرا استیلا ناں!“ میں نے دانت پیٹتے ہوئے اس کی کھڑکی پر غصہ کر دیا۔ یہ تو برا بدلتے عشق تھی۔ تیرتی تو میرے کمر میں نے بیزبان شناسی کا حق دار کر دیا۔ انتہائے عشق تک پہنچتے پہنچتے نہ تو مجھے بھڑکوں کی تعداد یاد رہی اور نہ ہی حال یہ صبح معزز میں اختر شکاری کر سکا۔

جب وہ بے ہوش ہو گیا تو میں ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنی بھولی ہوئی ماسوں پر تالو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس پکڑ میں خاصا وقت ضائع ہو چکا تھا اور اب مجھے امید نہیں تھی کہ فرخ کو کیا سکون ملے گا۔ ممکن ہے وہ اب تک ان بختوں کے سستے چڑھ چکی ہو۔
 میں نے اپنی بے نقابی کو پھر نقاب آشنائیا اور وہاں سے نکلی کر تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں رضوان، انتہائے غصہ میں، ایک ایک پل کو ایک ایک صدی پر محیط پار تھا۔ تب مجھے یاد آئی کہ اس کے منہ سے کیا جانتا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟“
 ”بس اب نکل چوہیاں سے مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔“
 اچانک رضوان مہاجر کی پشانی پر لپٹنے لگا۔ شاید میرے بھڑکے ہوئے بالوں اور ہونٹوں پر چھل پڑی ہوئی لپ اسٹیک نے اسے وہ کامیابی سادی تھی جو انعام تک نہیں پہنچی تھی۔ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا کہ کامیابی اپنے کھانکس سے ہٹنا نہ ہوئی تھی۔
 ”تو تم اس رشتہ کے بدلے چھوٹ رہے ہیں؟ وہ بڑے تلخ لہجے میں بولا۔

اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے حشر اگیا۔
 ”آخر تم مجھے ایسی بری کہیں سمجھ رہے ہو؟“ میں نے مشتعل لہجے میں کہا اور جھجھکتے ہوئے انداز میں مڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ جنہی قدم چل کر مجھے اپنے عقب میں رضوان سا جگہ قدموں کی آہٹ کی شنائی تھی۔

وہ مکان بہت پرانا ہوا تھا لیکن تھا خاصا برا۔ اس کا بیرونی دروازہ تلاش کرنے میں تین چار منٹ لگ گئے۔ جب ہم باہر نکلے تو ذرا دور پر اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ کون سا علاقہ تھا۔
 ہاں جب ایک کشادہ سڑک پر پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ بی۔ آئی۔ بی۔ کالونی تھی۔

ہر انسان رات بھر اپنے گھر میں رہنے کے بعد دوسرے روز گھر سے باہر نکلتا ہے تو اسے کوئی خاص احساس نہیں ہوتا لیکن مجھے رات بھر کی تیر کے بعد خود کو نکھری ہوئی دھوپ میں پا کر کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی۔

اسے صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو تیر کے بعد لٹی ہو۔
 سڑک پر پہنچتے ہی ایک ٹیکسی نظر آئی اور میں نے اسے اشارے سے روک لیا۔ رضوان بدستور میرے ساتھ اس کے چہرے پر کچھ تیرا چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اس کے اندر رہ کر عقدہ آرہا تھا۔
 ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا: ”ہیڈ کوارٹر“

”کیا مطلب؟“ رضوان چونک پڑا۔
 ”پولیس میری تلاش میں ہو گی؟“ میں نے انگریزی میں اس معاملے کو بتانے سے پہلے آزادانہ نقل و حرکت کر سکتی اس لیے ایسے ہی سے بیٹھا جا رہی ہوں۔
 ”کیا فرخ کی خبر نہیں لو گی؟“
 ”اس کے اسکول کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر اسے یاد کیا جاسکا ہوگا تو وہ اب تک اسکول پہنچ چکی ہوگی اور اس کی عمارت سے اٹھائیں کیا جاسکتا؟“

”اور اگر اسے اتھان کیا جا چکا ہو تو؟“
 ”تو میں فی الحال اس مسئلے میں کچھ نہیں کر سکتی گی۔“
 کہنا کہ آزادانہ نقل و حرکت سے پہلے مجھے پولیس سے پشیمان ہو کر کیسے؟
 ”تم اس فکر میں مت پڑو۔ بہتر ہوگا کہ فرخ کے مسئلے

کے کھ کو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا کہ اسے اغوا کیا جا چکا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اغوا ہو چکی ہو تو پھر اسٹیشن کا رخ کرنا۔ غائب لوگ اسے لاہور لے جانے کے لیے کسی میل ٹرین کا انتخاب کر لیں۔“
 ”ہاں، وہ لوگ اسے لاہور لے جائیں گے۔“
 ”تمہیں کیسے معلوم ہے؟“

”راہی دو دنوں میں سے ایک نے بتایا تھا۔“ میں نے دیا اور پھر کہا کہ فرخ کے اغوا کا صحیح وقت معلوم کرنے کے اس کا پتہ چلا نہ اس وقت سے اب تک کے وقفے میں میل ٹرین کینٹ یا سٹی اسٹیشن سے روانہ ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی میل روانہ ہو چکی ہے اور فرخ کو اغوا بھی کیا جا چکا ہے تو پھر اب فرخ کسی میل میں سفر کر رہی ہوگی۔“

رضوان کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی دھول رہی تھی اور آنکھوں میں پریشانی کی دھندلاہٹ چھائی ہوئی۔ وہ قد سے نصف سے بولا کہ تو پھر مجھے فرخ کے اسکول کے پاس ہی آکر دو۔“

”میں جو کچھ یہ معلوم ہو چکا ہے اس سے آگاہ کر دیتا ہوں۔“ پولیس ہیڈ کوارٹر آکر پہنچا۔
 ”خیر، میرے گھر فون کر دینا جو بھی ٹیلیفون اٹھائے اسے دے دینا۔“ میں نے کہا اور پھر ایک دم بولی زبانوں کا کام اور ذہنی طور پر بخاری شکر گزار ہوں گی اگر تم میرا یہ کام کر دو۔ گھر فون کر کے لاہور کو یہ مقام دے دینا کہ اس وقت ہیڈ کوارٹر میں ہوں۔ یہ کام تم کو پہلی فرصت میں کرنا ہوگا۔“

”ہو جائے گا۔ اور کچھ؟“
 ”اے میں اپنے ہونٹوں کی بجلی ہوئی لپ اسٹیک کو مات دے گی۔“
 ”میرے بعد میری ٹیکسی، رضوان کو فرخ کے اسکول کے سامنے لے کر بڑھتی میرا ذہن بہت شدید طور پر فرخ میں الجھا ہوا اس کے حالات سے آگاہی چاہتی تھی۔ ٹیکسی میرے حالات کو پھر کیا تھا کہ مجھے سب سے پہلے اپنی فکر کو باہر ہی نکالنی تھی۔ مجھے

اپنی کا شدید بخار تھا اور اس لیے میں سب سے پہلے اسے لے کر نکلتی تھی۔ اس کے بعد میں فرخ کے لیے آزادانہ نقل و حرکت کرنے میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر فرخ کی زندگی برباد ہوگئی تو آفاق کی زندگی کو بھی جہنم بنا دوں گی۔ بیشک وہ بڑے سڑک کا مالک تھا اور اتنا قدرتی اعلیٰ سے اس کو خاص قدرت تھی۔

... صبیحہ بانو سے ٹکرا جاؤ گی کوئی بھی نہیں تھا۔ جب ٹیکسی صبح سویرے میں نے اسے ایک میوزیم پر ارسال کر دیا اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ایک نوٹ لے کر وہی کو وہ اغوا کر لیا۔
 یہ واضح کر دوں کہ میرا پر کل رات سے اب تک میرے ہونٹوں پر ان لوگوں نے صرف اتنی رحمت کی تھی کہ پرکس

میں نے انکار کیا تھا۔
 ڈرائیور نے اخبار لا کر آیا اور ٹیکسی چل پھر پڑی۔
 میں اخبار کو الٹ پلٹ کر دیکھتی تھی۔ میں سڑکوں پر نظر ڈالتی تھی۔ مجھے کتنی ہی ہونے والے قتل کی

حالی سے تھی اور اس خبر کو بڑھ کر میں نے بے اختیار ایک احساس لی۔ اب مجھے پتہ چلا تھا کہ کسی قتل کے الزام میں میرا معافی کی کیا گیا تھا۔ میرے فرار کی خبریں موجود تھیں لیکن میرا نام ابھی تک اخبار پر شائع نہیں ہوا تھا۔ ایپورٹ کرنا ایک بڑی نرم

پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔
 میں اپنے گھر پہنچے ہوئے اس حال کے سامنے بٹانے سے ابھی اس وقت چوٹی جب ٹیکسی ہیڈ کوارٹر کے معاملے میں مل گئی تھی۔ میں نے کرایہ دار کے ٹیکسی کو رخصت کر دیا۔ ادھر

ادھر لڑائے والے پولیس والوں نے مجھے دیکھا جس کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ان کے خواب و خیال میں نہیں آ سکتا تھا کہ میں دہی صبیحہ بانو ہوں۔ آج پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔ اس معاملے کا علم تو اعلیٰ ضرور ہوگا لیکن اس بات کا شاید وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ صبیحہ بانو خود ہی پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ جائے گی۔

جب میں نے مرکزی دفتر میں پہنچ کر اپنے نام کا اعلان کیا تو وہاں موجود سب کے سب پولیس والے ایک دم کھڑے ہو گئے اور مجھ سے اس طرح گھولنے لگے جیسے میرے سر پر ناختہ بیٹھی ہوئی ہو۔

”میں متعلقہ آفیسر سے ملنا چاہتی ہوں“ میں نے بڑے دہلبے سے کہا۔

ماحول میں سنسنی کی پھل پھل تھی۔ کوئی ادھر بھاگا، کوئی اُدھر بھاگا اور ذرا سی دیر بعد میں ایک ڈی، ایس، پی کے سامنے بیٹھی ہوئی اس کے سوالوں کا نشانہ بن رہی تھی۔

”آپ کی صبیحہ بانو ہیں؟“

”جی ہاں“

”دہی صبیحہ بانو جس کی پس تلاش ہے؟“

”آپ یہ تو آپ کی بتا سکیں گے کہ آپ کو میری تلاش ہے یا نہیں؟“

میرے جواب کا یہ انداز دیکھ کر ڈی، ایس، پی کی پشیمانی بل پڑ گئی اور پھر وہ بڑے کرخت لہجے میں بولا کہ آپ ڈیفنس میں رہتی ہیں؟

”جی ہاں“

”کل پولیس آپ کو گرفتار کرنے آپ کے گھر پہنچی تھی؟“

”یقیناً“

”اور آپ ایک کانسٹیبل کو زخمی کر کے جاگ گئی تھیں؟“

”بہرحقیقت ہے“

”خوب“ ڈی، ایس، پی نے سپلو بلا کر گویا اب آپ خود ہی گرفتاری کے لیے سبیلیں ہو گئی ہیں؟

”میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔“

”کلفٹن بروڈ قتل آپ کی ہے کیا ہے؟“

”مجھے اس بات سے انکار ہے۔“

ڈی، ایس، پی نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردنی اندازاً ڈی، ڈی، ایس، پی نے اس سے کسی سپلٹ کو بلوایا اور یہ بات بھی کہ وہ جھوٹا بیان لیتا آئے۔

”اگر یہ جھوٹا بیان آپ میرے لیے منگو لے ہیں تو ذرا سرف

مجھ بھیجے گا۔ میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“ ڈی، ایس، پی غریبا۔

”مطلب یہ کہ اگر مجھے قاتل ثابت نہ کیا جاسکا تو میری کلایوں میں سے کوئی بھی ہتھیار یا، پولیس ہیڈ کوارٹر میں زلزلے آئیں گی۔ یہ سب کچھ کہتے ہوئے میرے لیے میں بلا کا احترام۔ اعتماد کی اس شدت کو ڈی، ایس، پی نے بھی محسوس کیا۔

اور اس کے چہرے پر انھیں کے تاثرات چھل گئے۔ وہ تو نے دلی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اور اس میں انھیں کا شکرا کرتی کہ وہ صاف سادہ میرے گھر فون کرنا چاہتا تھا۔ دراصل میں اس طرح کی کوئی فون نہیں سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ کل رات میں نے ایک خاص پیغام لکھ کر اپنی ملازمہ خاص فریدہ کو دے دیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ اگر میرے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آجائے تو وہ میرے گھر پہنچے لیفٹیننٹ فریدہ کو پیغام دے دے۔ اس کے بعد ہی پولیس میرے گھر پر چڑھ آئی تھی اور مجھے ہاں سے جھگڑا پڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدہ نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی ہوگی اور میرا پیغام میرے بتائے ہوئے فون نمبر پر دے دیا ہوگا۔

نہجہ یقین تھا کہ وہ شخص فریدہ سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے ہوگا اور اب جیسے ہی اسے یہ بات معلوم ہوگی کہ میں پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہوں وہ اس صورت حال کو ملک کی ایک بہت اہم ہستی تک پہنچا دے گا۔ پھر یہ کام اس اہم ہستی کا تھا کہ وہ مجھے پولیس کے کھینچنے سے کس طرح نکالتا ہے۔ بس شرط یہ تھی کہ وہ صاف نے تسلیابی نہ بنی ہو۔

دو دن جو توں کی دھمک سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک پولیس افسرانہ داخل ہو رہا تھا اور یہی تھا جو گریختہ رات مجھے گرفتار کرنے کے لیے میرے گھر پہنچا تھا۔ اسے غالباً میرے باسے میں اطلاع ملی کہ میں اس لیے وہ مجھے دہاں دیکھ کر بائیں نہیں ہونگا۔ وہ تو بڑی رعوت سے مجھے گھورتا ہوا اندر آیا تھا۔ ہتھیاروں اس کے ہاتھ میں تھے۔

”اگر منٹ انسپکٹر حامد“ ڈی، ایس، پی نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے یا کوئی قدم اٹھانے سے روکا اور مجھے گھورتا ہوا بولا۔ ”ایک پولیس ہیڈ کوارٹر میں زلزلہ کیسے لگا سکتا ہے؟“ ”ہتھیاروں لگا دیکھ لیجئے۔“ میں نے لاہوا سے کہا۔ ”بہتر ہوگا کہ آپ یہ دوامانی انداز اختیار کرنے کی بجائے صاف صاف ہتھیار کریں۔“

”صاف صاف ہتھیار ہے کہ مجھے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔“ ”پھر آپ فرادہ ہوتی ہیں؟“ ”مجھے ایک اشتہار ضروری کام تھا جو میں گرفتار ہونے کے

بعد میں کرسی تھی۔

”اس طرح آپ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی

”میں نے صرف قانون کی زیادتی سے بچنے کی کوشش کی تھی۔“

”کیا یہ عورت؟“ انسپکٹر حامد نے اپنے افسر سے پوچھا۔

”وہ ایکوں پر تو آئی ہے۔“

”دور تھیں سیکھو انسپکٹر؟“ میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

”تہذیب کی بات نہیں معلوم ہے؟“

”امانت کے احساس سے انسپکٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”بھل بادلوں کی طرح پھٹ پڑا لیکن ڈی، ایس، پی نے ایک

”اس لیے کہ آپ کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔“

”یہ تو کہہ رہی ہیں۔“

”یہ تو کہہ رہی ہیں۔“

”اب کا ضامن۔۔۔“

”بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔ میں اس کی بات کا

”لیٹی الزام موجود ہیں۔ آپ کسی شخصیت کو چاہیں جو جس

”ہاں آسکتے ہیں۔ تجارتیں سیکھنا اچھا قادی کا نام لے سکتی

”تک کے کسی بھی شے کی شہرت و شہرت کا نام لے لیں۔ وہ

”صوبہ بانو کی خاطر یہاں آسکتی ہے۔ میں اتنے دھواں دھواں

”میں بولی تھی کہ ڈی، ایس، پی کے چہرے کے عضلات ڈھیلے

”گئے لیکن انسپکٹر شاید غمازی خود مارا۔۔۔ اس نے بڑی

”ٹپ اپ۔“

”ٹپ اپ۔“ میں اس سے زیادہ زور سے جھپٹی۔

”اب اسی وقت وہاں داری میں کچھ عکس دس ہوئی اور پھر

”اپنی کارڈی لے کر تھانہ میرے پاس جھٹکا آیا۔ اس کے کنارے

”ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اپنے افسر کو کوئی خاص اطلاع دینا

”کہہ فندوس کی آواز میں تیزی سے قریب آتی پہلی جا رہی

”میں بلند آواز میں کچھ کہہ رہی رہا تھا اور اس کو آواز کو سن

”اطمینان کی ایک گہری سانس لی تھی۔ ڈی، ایس، پی کے

”کھلا منکر اس کی آواز نکلنے سے پہلے ہی ایک شخص جتن

”میں محسوس کیا۔ اس پر نظر پڑے ہی ڈی، ایس، پی اور

”ی طرح بکھلا گئے۔ ڈی، ایس، پی اپنی کرسی سے اٹھ

”اٹھا۔ وزارت داخلہ کی اپنی اہم ہستی کو اپنے کمرے میں

”نے دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے تھے۔

”وارد کے پیچھے وزارت داخلہ کے سیکریٹری اور دو ایک

”کی تھے۔

”ہیلو باؤ؟“ نواد نے میری طرف ہاتھ بڑھایا

”ہیلو! میں نے مسکرا کر نواد سے ہاتھ ملایا۔

”مجھے اپنے آپ کو ایک تک کہہ رہے ہیں۔“ نواد نے ذہنی اپنی

”میں صرف محنت حال جاننے کے لیے پلا۔ آج ہیں۔“

”یہ تو حیرت انگیز تھی کہ آج مجھے ہالو جی منتر ہی اس

”اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ذرا ستر مرنڈی کا ممبر ملا ہے۔“

”ڈی ایس، پی جٹ سے ریسور انچا کر خبر ڈال کر نے لگا۔ اس

”کی انگلی واضح طور پر کاپ دہی تھی۔

”یہ نہیں جانتی۔“ اچھی ان ٹوکوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے بس

”اخبارات سے سنا ہے جلا ہے کہیں کلشن پر ہونے والے کسی قتل کے

”سلسلے میں پولیس کو مطلوب ہوں۔“

”انہیں ڈی ایس، پی لیفٹیننٹ پر اہم مرنڈی سے رابطہ قائم

”کر چکا تھا۔ اس نے مرنڈی کو بتایا کہ اس سے کون بات کرنا چاہتا ہے اور

”پھر اس نے سیورنو وارڈ کو دے دیا۔

”مرحہ ترمذی!“ نواد نے مادہ جت میں کہا۔ ”اگر دو آدمی

”کھڑے ہو کر کسی جوت کے گنر پھو پھو کوئی سنگین الزام لگا دیں تو کیا آپ

”میری گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دے گئے؟“ ”ہیں۔۔۔“ ”تو پھر آپ نے

”صوبہ بانو کا وارنٹ کیے جاری کر دیا کیا یہ قانون پولیس کی بیک بسٹ

”پر ہیں۔۔۔“ ”کی پولیس کو ماضی میں یہ شہر رہا ہے کہ یہ قانون جڑا ہوا

”ہے۔۔۔“ ”تو پھر آپ نے یہ قدم کیسے اٹھایا۔۔۔“ ”شرن اور جہاں چنے افراد

”سے ایک ہی قسم کا کرنا دیا کیا جلتا ہے۔۔۔“ ”ٹھیک ٹھیک جواب دیجئے۔

”آخر کس نے آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا؟“ ”میں۔۔۔“ ”بات نہیں مان

”سکتا۔ آپ کو اس کا جواب تحریریں طور پر دینا ہوگا۔“ ”تو وہ دے گئے ہیں

”سیور منیر پھو پھو کیا اور پھر ڈی ایس، پی نے بولا۔ ”ذرا ایک نمبر

”اور ملا ہے!“

”غیر قانونی کام“، نوادے بڑی اور سے میرے پھولے مارا۔
 ”جی نہیں میں دھاندلیوں کی اجازت نہیں دے سکتا“ نوادے کا چہرہ غصے
 سلال جھجھوکا ہو گیا تھا، اس نے گرجتے ہوئے کہا ”آپ نے وارنٹ
 حاصل کیا ہے تو گرفتاری کیجئے، جیسے جیسے ڈاکٹر عدلیتی یہاں پہنچے والے ہیں
 وہ ان کی ضمانت لیں گے۔ آپ ان کا پس علاقہ میں لائے گا اس کے
 بعد یہ آپ پر تک عزت کا دعویٰ کریں گی اور اس کے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ
 آپ کے کندھوں پر یا سارے مناسبتیں یا نہیں۔“
 ڈی ایس ای کی کا مٹہر لٹک گیا۔ میں بڑی بے تعلق سی بی بی بی کی
 تھی۔ ”آپ ضمانت کی کاغذی کارروائی مکمل کریں“ نوادے بھر رولایا اور
 اس بات کا جواب تو آپ کو تحریری طور پر دینا ہوگا کہ آپ نے وارنٹ کس
 کے شے پر حاصل کیا تھا۔
 اب تو ڈی ایس ای کی اور اس کے چہروں پر ہنسا رہی
 برستے ہی تھی۔
 میری سرگزشت پر غصے والے شاید اس بات پر حیران ہو رہے
 ہوں کہ آخر یہ عجیب ہاتھ کیا ملا؟ میں واقعی بل ہوں لیکن فی الحال
 اس کا جواب نہیں دوں گی کہ کس قسم کی بلا ہیں؟ آہستہ آہستہ آپ کو خود
 ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔
 آدھے گھنٹے کے اندر سارا معاملہ منٹ گیا۔ میں ڈاکٹر عدلیتی
 کی ضمانت پر رہا ہو گئی اس کے بعد پولیس ہینڈ کوآرٹس میری روانگی اس
 شان سے ہوئی کہ میں نوادے کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھی کوئی بھی اور
 کار پر وزاری فلنگ ہمارا تھا۔
 ڈاکٹر عدلیتی اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے لیکن انہوں نے مجھ
 سے وعدہ کیا تھا کہ میں جلدی ان سے ملاقات کروں گی۔
 ”اب آپ بتائیے کہ کیا معاملہ ہے؟“ نوادے نے مجھ سے
 اس وقت کہا جب کار حرکت میں آئی تھی۔
 ”سب کچھ کہیں آفاق کے اشارے پر ہوا تھا۔ میں نے جواب دیا۔
 ”اوہ!“ نوادے چونک کر پڑا پھر قدرے سوچ میں ڈوبا ہوا
 بولا۔ ”میں نے مجھے یہ خیال تو تھا کہ اس معاملے کے پس پردہ کوئی خاص
 ہاتھ ہوگا۔“
 ”مجھے آپ میرے گھر پر اتار دے تو ہونے چلے جائیں تو شکر گزار
 ہوں گی۔“
 ”ہاں ہاں کہیں نہیں۔“
 ڈاکٹر کے برابر کی نشست پر بیٹھتے ہوئے نوادے کے کیرٹری
 نے ڈاکٹر کو ڈیفنس چلنے کی ہدایت کی۔
 میں بار بار اس سستی کا ذکر نوادے کے نام سے کر رہی ہوں۔
 کیونکہ اصل نام کھنڈن سب نہیں ہے اور فرضی نام لکھتے ہوئے اچھا نہیں
 لگتا رہا ہے۔

ساتے بھر غفلت جاری رہی لیکن میں نے نوادے کو حال اس
 سے بے خبری رکھی۔
 جب میں اپنے گھر پہنچا تو میری تردید تھی تو نوادے نے
 آواز میں کہا کہ میں اس معاملے کو عدلیتی سطح تک لے جاؤں گا۔
 ”میں درخواست کروں گی کہ آپ ایسا نہ کریں۔ میں کیوں
 سے خود ہی بیٹوں گی۔ بس آپ اتنا خیال رکھئے گا کہ مرگاہی کوئی اور
 غلط کوئی غیر قانونی قدم نہ اٹھایا جائے۔“
 ”محشر ترقیدی اور پولیس کے متعلقہ افسروں سے نوادے
 سے باز پرس کروں گا۔“
 ”اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے“ میں نے مسکرا کر کہا
 ”کیا آپ غریب خانے پر چڑھنا نہیں گئے تھے؟“
 ”میں بہت جلدی میں ہوں بالو!... ایک مزدوری کام میں
 ہینڈ کوآرٹس پہنچا تھا۔“
 ”میں اس تکلیف دی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔“
 نوادے کو دھت کر کے میں اپنے گھر میں داخل ہوئی۔
 ملازمین سخت پریشان تھے مجھ کو کمران کے چہرے کیل
 فریڈ کی آنکھوں میں تو خوف و حیرت تھی۔ ”سناؤ گئے تھے۔ میں نے
 کئے تھے کہ اس کا نشانہ تھا۔ وہ سب مجھ سے اس منگاہی کی
 کرنا چاہتی تھیں لیکن میں نے انہیں دوچارہ فرے کر کے دیا
 فرخ میں اٹھا ہوا تھا میں ملازمین اس سے متعلقہ صورت حال
 واقف ہونا چاہتی تھی۔
 ”وضو ساجد کا ڈوکی فون منبت...“ سنا دیکھ
 ”فون تو آیا تھا۔ ان ہی سے مجھ کو اطلاع ملی تھی کہ آپ پولیس
 پینڈو کوآرٹس میں ہیں اور...“
 ”اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا؟“ میں اس کی بات کاٹ کر
 ”جی نہیں۔“
 میں نے اپنے کمرے کے کاندھ پر کیا اور میں ہاتھ دھو رہی تھی
 میں اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد یہ گھر سے نکل سکتی تھی۔ جلدی
 غسل کر کے میں نے کمرے پر تبدیل کئے۔ میک اپ کیا اور جوتے پہنے
 پہنے ہی والی تھی کہ فریڈ کھلنے کی ٹرائی دیکھتی ہوئی کمرے میں داخل
 ”آپ نے بھی کھانا تو کھا ہوا تھا۔“
 ”اوہ... تھک رہی ہوں۔“ میں واقعی ہموک عموں کر رہی تھی۔
 میں نے جلدی جلدی ”اچھے میرے دوچارہ لے لے اور
 دوران میں فریڈ بے لونی تم ایک کام کرنا فریڈ... پولیس منبت
 سرسبز پری کی گشتی کی رپورٹ کر دینا۔ رپورٹ کی عبارت کیا ہوگی؟
 تم کو کھوٹے دیتی ہوں۔“
 رات کو وہ لوگ مجھے میری سرسبز پری میں انوار کے لئے

میں وضو اس کے ساتھ ہی آئی۔ بالو کی اس مکان سے نکلی
 اس میں کا کا نام وضو نشان نہیں تھا۔ وہ گلی آتی چوڑی تھی
 میں داخل ہو سکتی میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ
 کا کاڑی کی گشتی کو پولیس کے علم میں لے لوں۔
 میں نے ایک کاغذ پر رپورٹ کی عبارت لکھ کر فریڈ کو دی اور پھر
 گلی گئی کہ ایک ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی اس کے اچھیل ایک
 آپ کا ٹیلی گرام آیا ہے بالو!“ وہ بولی۔
 میں نے جلدی سے نواس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے جاک
 نام نکالا۔ وہ ٹیلی گرام ساجد کا تھا اس سے مجھے صورت حال
 کا پیغام گول مول غفلت میں لکھا ہوا تھا لیکن میں اسے بے اسانی
 میں اس پیغام کے مطابق فرخ کو اغوا کیا جاتا تھا، وہ اپنے گھر
 لا کر تھیں لیکن اسکو نہیں پہنچتی تھی۔ معلوم کرنے کے بعد
 میں نے دوپہر کے بعد پانچ بجے کی گھنٹہ تک اس وقت ایک
 ”وہاں ہونے والی تھی۔ وضو اس ٹرین کے ایک ایک ڈیڑھ
 ہر ایک فرخ کو کھانی پہنچا دی۔ پھر ایک وضو کو پلیٹ فارم
 لایا اور ڈوکی فون دیا جس کو وہ سنا تھا۔ وہ ان ڈوکی فون
 ہر وضو کو اس کے گھر سے اغوا کر لے گئے تھے۔ وضو تیزی سے
 ہر ایک کا آدمی ہر وضو کے لیکن وہ ہر وضو گم ہو گیا۔ وضو اسے
 اس کے باوجود اس میں نہیں کر سکا لیکن اب اسے اس بات کا یقین ہو
 گیا کہ کوئی ڈوکی سے لا کر لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے فوراً سب
 کو روک دیا اور وہاں سے اور اسے میں فرخ کی تلاش جاری رکھے
 کے لئے کے بعد اس نے اپنی پیش ہی سے مجھے یہ ٹیلی گرام دیا تھا۔
 ٹیلی گرام پڑھتے ہوئے میرے ذہن نے تیزی سے سوچنا شروع
 کیا کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے ٹیلی گرام کا آخری لفظ بڑا
 نہیں میں ایک خیال آیا اور چند لمحوں سوچ کر میں نے اس پر عمل
 پیرا کر ڈالا۔
 ملازمہ ٹیلی گرام کے کارپس تھی اور فریڈ کھانے کی ٹرائی دیکھتی
 کہ وہ سے نصحت ہونے والی تھی کہ میں نے اسے آواز دے کر
 ”فریڈ! ہم جلدی سے میرے چند چوڑی کپڑے اور ضروری چیزیں
 لے کر اس میں ہر دو۔“
 اس سے پہلے کہ فریڈ کو کوئی استفسار کرتی، میں تیزی سے باہر
 کر کے لیکن کا کا کا لے لیا تھا۔ وہاں سے میں نے اپنی دوسری گاڑی
 میں اپنی تمام چیزیں لے لیں۔ وہ ایک حادثے میں تباہ
 ہو چکی تھی۔ تھیں ہی اچھی تھی جیسے نکلی۔
 اپنی گاڑی کے نکال کر میں برآمدے میں لے آئی۔ دراصل میں

نے ٹرین کے کتاب خانہ کے کچھ کتبے لے لئے اس زمانے میں حیدر آباد کا
 ہے میں نے چکا بڑا تو میں بہت کم وقت میں یہ ناسلے لے کر ٹرین سے
 بہت پہلے حیدر آباد پہنچ جاتی لیکن اس زمانے میں حیدر آباد پر
 صرف طویل بلکہ بہت خراب تھا۔ یہ حال مجھے توقع تھی۔
 نہیں تو اس سے اچھے کسی اسٹیشن پر ٹرین کو پکڑ لی ہوگی۔
 کمرے میں فریڈ نے ابھی تک اپنی بی بی تیار نہیں کیا تھا۔ میں
 اس کی مدد کرنے لگی کیونکہ ایک ایک ہفتی تھا۔
 ”میں دو چارہ وزن کے لئے کراچی سے جا رہی ہوں۔“ میں نے
 فریڈ کو بتایا۔ لیکن اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو اطمینان کا اظہار نہ
 ہو گا کسی کھت بتانا کہ میں کراچی میں نہیں ہوں۔
 فریڈ میری ہدایت پر سر ہلائی کہی خود سے سنا اس کی فطرت ہے
 کہ وہ کسی بات کو روک دے نہیں چھوڑتی۔
 کچھ ہی منٹ بعد میں اپنی اوپل میں گھر سے روانہ ہو گئی۔ سب سے پہلے
 میں نے بیرونی کی ٹنگی بھاری اور اس کے بعد حیدر آباد کے رستے پر ہوئی۔
 اگر کسی زمانے میں اپنی بے میں گیا ہوتا تو مجھے وہ تکلیف برداشت نہ
 کرنا پڑتی۔ اس سڑک پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کا مطلب میں تھا کہ ادنیٰ
 اپنے اپنے سفر پر چلے کر لے لے مجھے نہیں معلوم کہ اب ہر سڑک بغیر حیات
 ہے یا اسے زندہ کیا جا چکا ہے... مگر مجھے نہیں کیا گیا تو میں کوئی پائل ہی
 اس سڑک کا رخ کرنا ہوگا۔
 میں جتنی تیز رفتاری سے سفر کرنا چاہتی تھی، نہیں کر سکی۔ جب
 پہلے پہلے گئے گئے تھے تو مجھے تو کھلا کر دھماکہ کرا پڑی تھی اور اس
 وقت کی ذہنی جھلٹ میں کیا پوچھنا؟
 لیکن اس جھلٹ کے باوجود وہی میرے خیالات کی آواز فرخ
 کی کی طرف تھی۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ لوگ
 آئے ٹرین میں کس طرح سے جا رہے ہوں گے۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ
 اپنی خوشی سے پہلے جاتی۔ غالباً انہوں نے اسے بہت زیادہ روک دیا
 ہوگا۔ دیوار اور چاروں طرف کھانے ہوں گے کہ اگر اس نے غور کیا تو اس
 سے کمرے کو لے جائیں گے۔ وہ معصوم ہم کردہ گئی ہوگی، اس کی حالت
 کا تصور کر کے میرا دل کھٹکتے لگا۔ اس کا ادھا حق تو اب تک خشک ہو
 چکا ہوگا۔
 ایک گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک کی حالت قدرے بہتر ہو گئی اور
 میں نے اوپل کو قدرے تیز رفتاری سے بھگا کر اتر کر دیا۔
 جب میں حیدر آباد پہنچی تو روت دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ زمین
 کو حیدر آباد سے نکلے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہوگا۔ میں نے گاڑی ایک
 پٹرول پمپ پر روک دی اور زمین کیلن بھرنے کی ہدایت کر کے پٹرول پمپ
 کے ڈیڑھ ٹھکر کے کہیں میں جا گئی۔ وہاں سے میں نے دوپہر کے پیش
 فون کیا اور معلومات حاصل کیں تو بت چلا کہ اس ٹرین کو گزر رہے ہوئے

”آپ کو کون سا چل بسند ہے؟“ اس نے مجھ سے پوچھا۔
 ”نازلیاں۔“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا اور میری نظر اس کے
 چہرے پر پڑی۔ ہوتی ہوئی اس کی تھوڑی سی جھنجھلاہٹ
 غزالہ نے میری غزروں کی تیزی محسوس کی تو اس کا چہرہ سرخ
 ہو گیا۔ وہ ہلکی سی چلنے والی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”دور درجی کیلے
 ہے دو!“

”کیوں سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔“ میرا البیغ بیت تھا۔
 ”ایک درجن جو سبیاں مجھے دیئے۔“ غزالہ پھل دانے سے لولی۔
 ”ہاں یہ کچھ معقول بات ہے۔ اگر۔۔۔“ دوسرے نعرے کا دہرائف
 میرے من میں ایک کردہ گیا کہ میری نظر رمضان صاحب سے جا ملتی
 تھی۔ جو کچھ فاصلے پر کھڑا میری ہی طرف دیکھ رہا تھا جیسے ابھی ہم دونوں
 کی غزروں میں۔ وہ ایک طرف تھا اور دیکھ دیکھ کر ایک ڈبے میں سوار
 ہو گیا۔ غالباً وہ مجھ سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ کس ڈبے میں ہے۔ اس نے
 غزالہ کی وجہ سے میرے قریب آئے اور مجھ سے مخاطب ہونے کی
 کوشش نہیں کی تھی۔
 ”گارتھ نے بیٹل سے دی۔“ ٹرین کو تھیرا اور ایشین پر زیادہ دیر نہیں
 لگنا تھا۔ غزالہ نے جلدی سے پہلے والے کو پیسے دیئے اور بولی۔
 ”آئیے جلدی۔“

پھلوں کے دھنچلوں میں سے ایک میں نے اٹھایا تھا ہم تیزی
 سے چلتے ڈبے میں پہنچ گئے۔ اسی وقت گارتھ نے دوسری سیٹی دی اور
 ٹرین نے ایک جھکے سے دھچکے کے ساتھ اپنی جگہ سے سرکنا شروع کر دیا۔
 رمضان صاحب کو دیکھنے کے بعد اب مجھ پر از دین صرف فرخ سے
 منتقل خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں اس سوال کی
 جھنجھلاہٹ تھی کہ رمضان نے فرخ کا پتہ چلا دیا تھا یا نہیں؟
 ”آپ اپنا کس کیا توں کر گئیں؟“ میرا صاحب نے۔ ”غزالہ نے مجھے
 لٹا کا اور جس کو چاہا پڑی کہیں اس سے پہلے کہ میں جواب میں کہہ سکتی ہوں
 پھر لوں پڑی۔“ میرا صاحب بڑا عجیب سا لگا ہے۔ وہ دونوں لفظ ایک ہی
 کیلے کے لگتے ہیں۔ کیوں نہیں آپ کو باؤ صاحب کا کروں۔“
 ”صاحب کی ضرورت ہی نہیں۔ تم مجھے صرف بالو کہہ سکتی ہو۔“
 ”خیر تو بہت ہی غیر مناسب بات ہوگی۔“
 ”وقلے غیر مناسب نہیں معلوم ہوگی۔ تم لڑائی تو کرو۔“
 غزالہ میرے اس انداز کو فکد پر نہیں پڑی اور پھر بولی۔ ”اچھا یہ
 پہل لیجئے۔“

”میں صرف تو سی لوں گی۔ کیلے سے تو مجھے چڑ ہے۔“
 غزالہ نے چند کیلے اپنے باپ کو دیتے۔
 اگلا ایشین روڑ پر کاٹتا اور وہاں گاڑی زیادہ دیر تک رکتی

”اگلے میں سوچ رہی تھی کہ رمضان سے بڑے ایشیاں
 گفتگو ہو سکے گی۔ لیکن تو یہ بھی تھا کہ میں چلی گادی کی سرحد
 تک پہنچ جاؤں کہ وہ تمام ڈبوں میں رابطہ کا راستہ موجود تھا لیکن
 خطرے کی بات یہ تھی کہ میں اس ڈبے میں پہنچ جاؤں جہاں
 ہو۔ ہر چیز پر فرخ ہی کی تلافی میں تھی لیکن یہ ضروری تھا کہ
 لوگوں کو غزروں سے بچانے کی حتی الامکان کوشش ضروری
 فرخ کو انکار کر کے جا رہے تھے۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو
 جلتے ہیں فرخ کو ان لوگوں سے اتنے چکے سے جھین لینا چاہیے
 کوئی بڑا گمان نہ ہو سکے اگر ہنگامہ ہو جاتا تو بات اخبارات تک
 اس میں فرخ کی بدنامی تھی معاشرے میں اسے ایسی غزروں
 جلتے لگتا کہ وہ اپنی حالت پر انداز ہی انداز جھلکتی گئی اور میں اپنے
 من پسند غنچے کو اس طرح چمکاتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی
 روڑ پر کا ایشین قریب آیا تو گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی
 ”روڑ پر کا گاڑی ڈکے کی قیل کچھ دیر کے لئے ایک
 میں جاؤں گی۔“ میں نے غزالہ سے کہا۔
 ”کس ڈبے میں؟“ وہ انتہائی عجیب لہجے میں بولی۔
 ”میرے کچھ جلتے والے ہیں اس گاڑی میں سفر کر رہے ہیں
 ایشین پر مجھے ان میں سے ایک کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہاں اس
 کی جا کر۔“

”کتنی دیر میں داپس نہیں گی؟“
 ”گاڑی کی رفتار سے پہلے ہی لوٹ آؤں گی۔“
 ”غزروں کو آئیے گا۔ کتاب وہاں دیکھیں تو مجھے
 ہوگی۔ ڈیڑی تو میں اب سوچاں گے لیکن مجھے سفر کے دوران میں
 دیر سے یقین تھا ہے۔ آپ ہوں گی تو کچھ کتب شب پہنچیں
 ”میں ضرور داپس آؤں گی۔ خود میری جگہ پر خوش ہے
 رات بھر کتب شب کرتی ہوں۔“ میں نے اسے بڑی گہری نظر
 سے دیکھا۔

”غزالہ!“ اس کے باپ نے پکارا۔
 ”جی ڈیٹی!“
 ”بھئی میرا بستر کرو تو وہاں میں سو جاؤں۔“
 ”اچھا ڈیٹی! ابھی کئے دیتی ہوں۔“
 گاڑی روڑ پر کے پلیٹ فام کو کھینچتی تھی۔ ایشین کی گھبراہٹ
 آواز میں کانوں سے گمانے کی تھی۔ میں گھڑی ہو گئی۔

”تم میں بندہ منٹ میں جاؤں گی۔“ میں نے غزالہ کی طرف
 پکار کر گاڑی اوردہ ہنس پڑی۔ ہنس کا تو اس کے پاس آنا ہوتا تھا
 تھا کہ وہ اسے بلاتے بات لاتی رہتی تھی۔ مٹولی مٹولی فقرہ
 پر فغان چھوٹ جاتا تھا۔

میں ایشین پر اتر کر اور ادھر ادھر دیکھ کر تیزی سے فلوں
 کی طرف بڑھی۔ ڈبے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ رمضان
 آیا اس نے فوراً میرا کندھا پکڑا اور اس ٹیک کی آڑ میں
 کیا جس پر ”پینے کا ٹھنڈا پانی“ لکھا ہوا تھا۔
 ”ہاں ہم ایشیاں سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“ ادھر اسے اس لئے
 داری ٹیکس نہیں رکھائی دیں گی۔ رمضان نے کہا۔ میں
 میں نہیں سنا تھا کہ تم بھی اس گاڑی سے سفر کر رہی ہوگی۔
 ”راہیں کروا ایشین سے ٹیک لگ رہا تھا۔“
 ”وہ مجھ لگ گیا تھا۔“

”اس کی کیا تھا؟“ وہ حیرت سے لولا۔ ”کہاں ملا تھا؟“
 ”گاہرے کو وہ تم نے میرے گھر کے پتے پر بھیجا تھا تو وہیں ملا
 زیادہ اجھوت۔“ میں اس گاڑی میں کراپی سے نہیں بھیجی ہوں۔
 ”تو میں تمہارا تار ملنے کے بعد اپنی گاڑی میں روانہ ہوئی تھی۔“
 ”میں نے خواب شاہ پہنچ کر پکڑا تھا۔“
 ”اوہ!“ رمضان نے خاصی طویل سانس لی۔ ”اب یہ تو میں سوچ
 میں سنا تھا۔ میرے ذہن میں تو صرف یہ بات آسکتی تھی کہ تم بائی
 پہنچ کر ایشین پر گاڑی کا انظار کرو گی۔“
 ”فرخ کا پتہ کچھ چلا۔“ میں نے بتائی سے پوچھا۔
 ”تم نے تو شاید ایک اور فرخ دھونڈ لی ہے؟“ رمضان نے
 ہونے پہچان کیا۔

”فعلوں بائیں کرنے کی بجائے میرے سوال کا جواب دو تو تمہارے“
 ”میں میں ایک اس کا سرخ نہیں لگا سکا ہوں۔“ رمضان نے
 ”ابھی میں کہا۔ اس آدمی کی شکل بھی مجھے نہیں دکھائی دی۔“
 ”اوہ!“ میرے لیے میں بھی خوش پیدا ہو گئی۔ ”یہ تو بڑا اہمباب
 کل صبح ہی تان کر میں گئے۔ رات میں تو میں نہیں۔“
 ”میرا پر کرم ہے کہ وہ جب کے بعد چلتی گاڑی میں مختلف ڈبوں
 پر گاڑا گا۔“

”ان لوگوں کی سفر پر نہیں پڑنا چاہیے۔“
 ”میری کوشش تو یہی ہوگی۔ آجے اندر ملک ہے۔“
 ”اڈو میں ایک ٹیکسٹام دینا چاہتی ہوں۔“
 ”ان لوگوں میں سے کسی کی نظر پڑ جائے تو پر۔“ کے ٹیکسٹام

”اب شاہ میں اپنے ایک واقف کار کو۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”میں روڑ پر ایشین پر کھڑی ہوتی ہے۔ میں نے جانی بھی اس میں
 اس میں۔ میں ٹیکسٹام میں کھوں گی کہ وہ ایشین جا کر گاڑی اپنے
 میں کرے۔“
 ”مجھ اپنے اس واقف کار کا پتہ دے دو۔ میں اسے ٹیکسٹام کر

”دو گا۔ تمہارا اس طرح پلیٹ فام پر نکل کر نامناسب ہے۔“
 عورت نسبتاً جلدی غزروں میں آتی ہے لیکن اسے استیلا بھی ہرگز نہ
 میں نے رضوان کو اپنے واقف کار کا پتہ بتا دیا۔
 ”کوئی اور خاص بات تو نہیں کرنا؟“ رضوان نے مجھ سے پوچھا۔
 ”ابھی فرخ کا پتہ ہی نہیں چلا ہے تو کوئی خاص بات کیا
 ہوگی۔“

”یہ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ زیادہ دیر تک یہاں کھڑا
 رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔“
 ”بس اب میں جاتی ہوں۔ تم ٹیکسٹام ضرور دے دینا۔ اب کل صبح
 ملاقات ہوگی۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 ”میں نے ادھر ادھر غزروں میں دوڑا میں اور پھر تیزی سے اپنے ڈبے
 کی طرف بڑھی۔

غزالہ مجھے دیکھ کر حیرت سے لولی۔ ”وہی جلدی لوٹ آئیں آپ؟“
 ”وہ لوگ مجھے ملے ہی نہیں۔ شاید مجھے دھوکا ہوا تھا۔“ میں نے
 غزالہ کے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو رفتہ رفتہ نکلیں بندے لیا
 ہوا تھا۔ میں نے کیا پانٹ کا دروازہ بند کر کے لوٹ لگا دیا۔
 ”اب تک کسی کی ٹانے ہائے ڈبے کا رخ ہی نہیں کیا۔ میں
 بہت پر غزالہ کے قریب بیٹھی ہوئی بولی۔ ”ابھی تک میں بغیر ٹکٹ سفر کر
 رہی ہوں۔“
 ”اور کوئی تو جتنا مسافر بھی نہیں آیا۔“ غزالہ نے مسرت کا اظہار

کیا۔
 ”چلو اچھا ہی ہوا۔ رات بڑی خوبصورت گزرے گی۔ کیوں ا!“
 میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”شاید۔“ وہ پھر سرخ ہونے لگی۔ ”لیکن میں سمجھنے سے
 قاصر ہوں۔“
 ”کیا سمجھنے سے قاصر ہو؟“
 ”جی کہ رات کس طرح خوبصورت گزرے گی۔“ وہ حسب عادت
 ہنس پڑی۔

”لحظات کتنی خوبصورت یا بدصورت نہیں ہوتے۔ کوئی نصف تو نہیں
 انسان ہی بنتا ہے۔ ہم دونوں مل کر اس رات کو خوبصورت بنا دیں گے۔“
 ”تھکر کیے!“ وہ فکے جھنجھپ رہی تھی۔
 ”دونوں مل کر۔“

”میں پھر کہوں گی کہ میں ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں
 سنان باتوں کے بارے میں سنا تو بہت کچھ ہے مگر۔۔۔۔۔“
 ”ان سے دور رہی ہو۔“ میں نے اس کی بات دی۔
 ”ہاں۔“
 ”آج رات کے بعد تم پر یہ کدھ سکر گی۔“ میں نے ہنستے ہوئے

کہا اور چٹکی سے اس کے ہونٹ پر کڑکھل ڈالے۔ وہ سسکائی سی لے کر وہ جی ادب سے ساتھ بیٹھنے لگا۔

جی دونوں کی یہ گفتگو انگریزی ہی میں ہو رہی تھی، اس طرح ہم کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ غزالہ کا باپ اگر جاگ بھی رہا ہو تو کچھ سمجھ نہ سکے۔ غزالہ کا معاملہ درج سے بہت مختلف تھا، غزالہ خاصی کھلی ہوئی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے تجربات خاصے وسیع ہوں گے۔

جب ٹرین رورہڑی سے چل پڑی تو میں نے ہنجر کر نام کھڑکیوں کے شکر گرا دیئے۔ اس کے بعد میں پھر غزالہ کے پاس جا بیٹھی اور ملا گفتگو سے اپنی آغوش میں گھسٹ لیا۔ غزالہ میرے غلابوں کو کچھ پکڑی تھی اور اس کا اختیار بھی بڑھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شوق کی فزوانی صاف غموں کی جاسکتی تھی۔ اس نے میری حرکات و سکنات کا استقبال بڑی گرجبوشی سے کیا۔

غزالہ کا باپ پتھور اسائنمنٹ کھولے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اب یہ بات شہادت سے بالاتر تھی کہ وہ سوچا تھا۔ ٹرین نے سب غصہ خفا بھی دفنا کر پھینک دی تھی۔ ڈبے کے ہنگوڑے بڑے پچھلے معلوم ہو رہے تھے۔ میرے اور غزالہ کے جذبات کا رنگ بدلتا رہا، ہم دونوں پر جوش ہونے چلے گئے۔ غزالہ بڑی بیٹھن ثابت ہوئی۔ اس نے بعض ایسی حرکتیں کیں کہ میں نے نہیں سوچا کہ اسے جھنجھوڑ ڈال۔ میں نعل سے نعل اتر کر پانی چلی جا رہی تھی، ڈنڈی کے پاس اس کا غزالہ پر اسٹار ہارن ہوتے چلے گئے۔ بیٹا بیاں پڑھیں! دولے سوا ہوئے اور طوفان نے شدت اختیار کر لی۔ جھاگ اڑنے لگے اور آٹھ منسا اٹھی۔ میں غزالہ کے ساتھ اس آدھی کے گہروں میں چلتی ہوئی بالآخر ایک پرسکون راوی میں پہنچ گئی۔ اب وہ تلام تھا۔ دشتیں نہ وہ خوبہ سری تھیں نہ وہ دولے۔ ہاں لیڈہ دماغ میں ان سب باتوں کی ایک گونج سی باقی رہ گئی تھی۔ اس با گذشتہ کا تاثر کچھ ایسا تھا کہ میں خود کو ایک خواب دیکھتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ شاید یہی عالم غزالہ کا بھی تھا۔ وہ میرے بازو پر سر رکھے، انکھیں بند کئے، سہ ہونٹ بڑی ہوئی تھی۔

وہ رات بڑی گرگڑی۔ ایک خوبصورت ایک دلکش رات! صبح میں جلدی جاگ ہی گئیں غزالہ سوئی رہی۔ میں نے کھڑکیوں کے شکر ٹھاپ دیئے۔ صبح کی خوشخوار ہوا آدھوڑنی کا پھانٹ میں درانی ٹرین اب پنجاب کی سرزمین پر فزائے چھو رہی تھی۔

غزالہ کا باپ بھی ابھی سو رہا تھا۔

میں ہاتھ دھو کر جاگسی۔ غسل کر کے میں نے بٹون اور بنیان پہن لی۔ اس لباس کا انتخاب میں نے بڑا کیا تھا کہ کوئی نہ گمانہ آزائی ہوئی جائے تو میں اس سے بچنے کے لئے خود کو باقی دوچیز بند پاؤں ان حالات میں نسوانی لباس ٹیک نہیں رہتے بلکہ شادی کا سبب بنتے ہیں جب میں وہ لباس پہن کر ہاتھ دھو کر نکلی تو غزالہ جاگ چکی تھی۔

"اوہ..... سوٹ! وہ مجھے اس لباس میں دیکھ کر کھڑکیوں سے چھوٹ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"سوچیں تم! میں سوچ رہی ہوں۔"

"ہاں، بہت گہری نیند آئی۔"

"تھک چکی تھیں۔" میں نے معنی خیز ہنس میں کہا۔

وہ سوٹ پہنی اعلیٰ اور ہاتھ دھو کر چلی گئی۔

ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ غالباً کوئی اسٹیشن قریب اب میں پھر تمام باتوں کو ذہن سے جھٹک کر صرف فرنگ میں سوچنے لگی۔ نہ ملنے دشمن کو کامیابی ہوئی ہوگی یا نہیں؟ اگر اس نے تمام ڈبے دیکھ ڈالے ہوں تو ممکن ہے کہ وہ فرنگ کو ٹرین میں کا لیبل بھی پڑ گیا ہو۔ میں جا رہی تھی کہ ان لوگوں کو ہونٹوں کے بعد خوشی سے ان کی عزائم کی جانے اور جب وہ اپنے غلوں پہنچ جائیں تو ان پر اس طرح پھینکا جائے کہ وہ اپنے دماغ میں قدم نہ اٹھا سکیں۔

جب گاڑی اسٹیشن پر رکی تو میں کیا رنٹ سے نکل گئی۔ اب تک ہاتھ دھو کر چلی تھی میں ڈبے سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے دشمن کے ڈبے کی طرف توجہ دیتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بھی ڈبے سے نکلے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے ڈبے کے دروازے پر رک نے چند لمحوں کے وقفہ کا اور پھر آدھوڑا چڑھ گئی۔ یہ ڈبہ بھی فرسٹ کلاس تھا اور اس میں چار کا رنٹ تھے۔ جس نے وہ چاروں کا رنٹ ڈالے لیکن دشمن نہیں بھی رکھائی نہیں دیا۔ اب میں پریشانی میں چونک کر گاڑی رکنے کی طرف نظر آئی تھی اس لئے اس کا ایک امکان نہیں تھا کہ دشمن ڈبے سے اتر کر کسی اور طرف یعنی تلاش میں نکل گیا ہو۔

میں اس ڈبے سے اتر کر واپس اپنے ڈبے کی طرف گئی۔ اب صرف اسی امکان پر نظر کر رہی تھی کہ دشمن خود ہی میرے ٹرین میں میرے ڈبے کی طرف نکل آئے گا۔

غزالہ اس تبدیلی کر چکی تھی اور اب اس کا باپ بھی بیدار غزالہ ڈانٹنے لگا کہ ایک میرے کو ناشتے کی ہدایت ہے رہی۔ جب میرا گلا گیا تو غزالہ مجھ سے کہی۔

"ڈانٹنے کا کوئی ناشتہ اچھا تو نہیں ہوتا لیکن کیا کیا جائے مجبور ہو رہے ہیں۔"

"ہوں۔" میں سر ہلا کر کہہ گئی۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں! غزالہ مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پریشان؟" میں منہ پر ہوی۔ وہ نہیں تو میں یونہی طبیعت کچھ بوجھل سی ہو چکی ہے۔"

غزالہ کے چہرے سے صاف معلوم ہوا کہ وہ میرے چہرے

کو دیکھ رہی تھی اس نے مجھے زیادہ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک کچھ کے قریب پہنچ گئی اور چہرے کو ہاتھ کی آڑ سے جوئے پریت نام پر نظر کر دیا تو وہی سیریز ہنس میں غرا کر اچھا گیا تھا میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ کون سا

کہا: "یرجہ گاڑی چل پڑی اور میری سانسوں میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے اگلے اسٹیشن پہنچ کر پھر دشمن کے ڈبے کی طرف گئی لیکن وہی ہونٹا پڑا۔ دشمن پر اس طرح پڑا کہ وہ چھوٹا تھا۔ اب میرے ہاتھ کی بات مجھے گھبرانے لگے۔ کہیں یہاں تو نہیں کہ ان لوگوں نے ہاتھ ہلا کر کہا کہ رکنے والے اس کی واحد صورت یہ تھی کہ میں ٹرین کے کھٹے ہی چھوٹ کر ان سلاطین والے دواڑوں تک پہنچ جاؤں جہاں سے مسافروں کی آمدورفت ہوتی ہے۔ وہاں تک کہ میں ان لوگوں کا انتظار کرتی اور جب وہ نظر آجائے تو ان کی طرف چلی کر لیتی۔

ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تو میں نے اپنا آدھوڑا کھینچا اور پھر غزالہ سے کسی قسم کی لڑائی لگنے کو نہ رہی والی تھی کہ وہ آدھوڑی کسی چھوٹے پال کی طرح کپڑے میں گھس گئی۔ اندر تھے وہاں میں سے ایک نے اپنی جب سے لپٹ کر نکال لیا تھا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے جھپٹ نہ کرے۔" چکا رنٹ میں اس کی تیز سرگوشی گونج گئی۔

اس کا سامنے ایک کمرہ تھا کہ میں نے شکر کرنے لگا۔ غزالہ کا چہرہ بدھت بالکل بغیر ہو گیا تھا اور اس کے ناپیٹا ہونے کی باتوں سے اگلے کی کوشش کرتے ہوئے بولھا کر کہا تھا۔

"کون ہے؟"

"بچے بیٹھے تو جڑے ہے! لپٹو! وال غزالہ۔"

اتنی دیر میں کھڑکیوں کے تمام شکر بند ہو گئے اور دروازہ توڑ پھوٹنے لگا۔

میں خاموش بیٹھی ان دونوں کو گھورتی رہی۔ یہ دونوں چہرے میرے لئے اجنبی ہی تھے۔

"غزالہ! بڑا بچہ کھنٹی ہوئی آواز میں پکارا۔

"خاموش! جھجھکا! لپٹو! والا غزالہ۔" اب گھر کے نام آواز نکالی تو ہمارا سر بھاڑا ڈیا جانے لگا۔

غزالہ میرے بازو سے لپٹ گئی خوف سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

گاڑی ایک جگہ سے رچکے کے ساتھ لاہور اسٹیشن پر رکنے لگی۔ آخر ہم لوگ چاہتے ہو کہ "میری آواز بالکل پرسکون تھی۔

"خاموشی! صرف خاموشی! لپٹو! والے نے کہا۔

"لیکن ہم لوگوں کو یہیں اتار لے۔"

"ارے نہیں بے بی! تو میں غلابی ہوئی ہے! میری طبیعت کے بدلنے میں کوئی پریشانی کیوں ہو رہی ہے؟"

غزالہ نے ایک لمحہ ہی سانس لیا اور گھبراہٹ سے سامان درست کرنے لگی۔

اور میں بڑی تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان حالات میں مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ اگر فرنگ کا تیل چل جاتا تو دوسری بات تھی لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں کسی قسم کی ہنگامہ کرائی سے خوفزدہ ہوئے بغیر کھل کر ان لوگوں کی تلاش شروع کر دوں۔ دشمن کی گمشدگی کے بعد تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ ان لوگوں پر حملہ ازجلہ ہاتھ ڈال دیا جائے۔ اس کی واحد صورت یہ تھی کہ میں ٹرین کے کھٹے ہی چھوٹ کر ان سلاطین والے دواڑوں تک پہنچ جاؤں جہاں سے مسافروں کی آمدورفت ہوتی ہے۔ وہاں تک کہ میں ان لوگوں کا انتظار کرتی اور جب وہ نظر آجائے تو ان کی طرف چلی کر لیتی۔

ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تو میں نے اپنا آدھوڑا کھینچا اور پھر غزالہ سے کسی قسم کی لڑائی لگنے کو نہ رہی والی تھی کہ وہ آدھوڑی کسی چھوٹے پال کی طرح کپڑے میں گھس گئی۔ اندر تھے وہاں میں سے ایک نے اپنی جب سے لپٹ کر نکال لیا تھا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے جھپٹ نہ کرے۔" چکا رنٹ میں اس کی تیز سرگوشی گونج گئی۔

اس کا سامنے ایک کمرہ تھا کہ میں نے شکر کرنے لگا۔ غزالہ کا چہرہ بدھت بالکل بغیر ہو گیا تھا اور اس کے ناپیٹا ہونے کی باتوں سے اگلے کی کوشش کرتے ہوئے بولھا کر کہا تھا۔

"کون ہے؟"

"بچے بیٹھے تو جڑے ہے! لپٹو! وال غزالہ۔"

اتنی دیر میں کھڑکیوں کے تمام شکر بند ہو گئے اور دروازہ توڑ پھوٹنے لگا۔

میں خاموش بیٹھی ان دونوں کو گھورتی رہی۔ یہ دونوں چہرے میرے لئے اجنبی ہی تھے۔

"غزالہ! بڑا بچہ کھنٹی ہوئی آواز میں پکارا۔

"خاموش! جھجھکا! لپٹو! والا غزالہ۔" اب گھر کے نام آواز نکالی تو ہمارا سر بھاڑا ڈیا جانے لگا۔

غزالہ میرے بازو سے لپٹ گئی خوف سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

گاڑی ایک جگہ سے رچکے کے ساتھ لاہور اسٹیشن پر رکنے لگی۔ آخر ہم لوگ چاہتے ہو کہ "میری آواز بالکل پرسکون تھی۔

"خاموشی! صرف خاموشی! لپٹو! والے نے کہا۔

"لیکن ہم لوگوں کو یہیں اتار لے۔"

”کسی کو یہاں نہیں اتارنا غرض بھی ہو، جو اگر وہاں تک اس کی ڈنٹ کا دروازہ بند ہے گا۔ گویا ڈنٹ پر اس ڈنٹ سے اتر جائیں گئے۔ اس کے بعد تو گھر میں جانا یا نہیں اور۔“

پستول والے کے سامنے سے بھاگتا ہی جیسے ایک لڑکھو نکال لیا۔ دیواروں کی مال پر سائیکسٹ تھا۔ وہ بچے ٹھوٹا ہوا ہوا۔

”اب اگر کسی نے ڈنٹ نکالی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔“

میں نے سختی سے ہوت بھینچنے لئے میری کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے فرخ کو اغوا کیا تھا؟ کیا ڈنٹ میں خاموشی بھائی دی؟ غزالہ مجھے سے لپٹی ہوئی خوف سے کلپ رہی تھی اور اس کا نامنا باب اپنی بے بسی پر وہ ہنسنا نظر آ رہا تھا۔

پلیٹ خادم کے ہنگاموں کی آوازیں اب بہت مدھم دھم ہو کر میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں، جیسا کہ ڈنٹ کے دروازے پر آہٹ ہوئی، وہ کی آواز معلوم ہوتے تھے۔ ان آہٹوں کو سننے ہی وہ بہت چرکنا نظر آنے لگے۔ میں نے اسی آوازیں سنیں جیسے کہ ڈنٹ کے دروازے پر دھک کر وہ کسی بات پر ہمت کر رہے ہوں۔ یہ بہت مشکل ایک منٹ ہوئی اور اس کے بعد فٹوں کی آہٹیں دور ہوتی چلی گئیں۔

میلوئی ایسا ہی اور صرف میلوئی ایسا ہوس موزنا تھا جیسے کوئی بھی ہاری درویش اسے گامیں اس وقت بڑی بے بسی ہوس کر رہی تھی۔ وہ دونوں مجھ سے آتی دور تھے کہ اگر میں ان پر جھپٹنے کی کوشش کرتی تو کوئی اس سے پہلے ہی مجھ پر جھپٹ پڑتی۔

پانچ منٹ..... دس منٹ..... پندرہ منٹ.....

وقت گذر رہا۔

اب اس فرخ کی طرف سے بھی میلوس ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ لوگ اتنی دیر میں اسے اسٹیشن سے باہر لے جا چکے ہوں گے شاید یہ غرضی ڈرامہ کھیل رہی اس لئے جا رہا تھا کہ میں فرخ کے حصول کے لئے ان لوگوں پر نہ جھپٹ سکوں۔

سکیم ڈنٹ میں ہر گز آسا خاموشی بھائی ہوئی تھی، کچھ دست اور گورڈ پر دیکھو سب طرح کی سیٹی سنائی دی۔ غالباً گاڑی روانہ ہونے والی تھی۔ میں نے عالم اضطراب میں اپنی سیٹ پر پہلو دلا تو دیواروں والے نے اپنے دیواروں کو جھٹکا دیا اور مجھے بڑے کھانچے والے انداز میں گھورا۔ غالباً وہ خاموشی کی زبان سے مجھے بددھکی دے رہا تھا کہ میں اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کروں۔

انہیں نے مجھ پر ایک سیٹی دی اور گاڑی نے ایک دھچکے کے ساتھ لاہور کا پلیٹ فام چھوڑ دیا۔

سائیکسٹ لگے ہوئے دیواروں کی وجہ سے ان دونوں کی پوزیشن بھی سمجھ نہ سکتی تھی۔ اگر میں سے کوئی بھی ضرورت سے زیادہ سرکش ہو جاتا تو ان کو فائرنگ کر کے میں قتل ہو جاتا۔



تھیں ہوتی۔ وہ ہم تھنوں کو ہلاک کر کے بھی محفوظ رہتے ہوئے کی وجہ سے گویاں چلنے کی آوازیں برابر کے کپار ڈنٹ تک بھی پاتیں۔

غزالہ بھی کبھی کبھی چوڑی کی طرح میرے بازو سے تھمے اس کا یہ فعل میری ذات پر اس کے اعتماد کا پتہ دیتا تھا۔

کر کے اپنے نامنا باب کی بے بسی کا مکمل احساس ہو گا اور اس میں وہ میرے علاوہ کسی پر اعتماد کو کسکتی تھی؟

میں تسلی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ پکیتی رہی اور نظروں ان دونوں پر بھی رہیں جو شکایتوں کی طرح چونکنا نظر آ رہے تھے۔

میں میرے ذہن میں صرف شکوک کے جنبا پاتھی۔

اب میرے اس خیال نے نظروں کی صورت اختیار کر لی تھی کہ یہ وہ کیوں اتنی ہی کے گڑھے تھے۔ انھوں نے نہ تو لوٹ مار کی کوشش تھی، نہ کوئی اور نقصان پہنچا تھا۔ وہ صاف صاف کہہ تھے کہ گڑھے کے اسٹیشن پر آ کر جائیں گے۔ اس طرح ان کا یہ مقصد واضح ہو گیا تھا۔ بس میں لاہور کے اسٹیشن پر نہیں اترنے دینا چاہتے تھے۔ غزالہ اور کپا کو یہ قسم میری وجہ سے اٹھانا پڑ رہے تھے۔ وہ میری تھی جس کا لاہور دیوئے اسٹیشن پر اترتا، ان لوگوں کے لئے پریشانی ثابت ہو سکتا تھا مجھے اس طرح روک کر ان لوگوں نے فرخ کو لے جانے میں اپنے لئے سہولت ہم پہنچائی تھی۔

اس بات کا یقین کر لینے کے بعد اب مجھے یہ سوچنا تھا کہ ان کے قول پر کس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟..... انھوں نے ایسا کیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی خاص رویہ اختیار کرنے لگے کہ اگر وہ اسٹیشن پر اتر جائیں گے لیکن کیا اس بات پر یقین کیا جاسکتا تھا؟ ان دونوں کو یہ حدیث نہیں ہو گا کہ ڈنٹ سے ان کے باہر نکلے ہی نہ شورو مچا کر انھیں پکڑا سکتے ہیں؟ یقیناً وہ اس پہلو کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس کا کوئی نہ کوئی حل فرما کر سوچ لیا ہو گا۔

جب میں نے اس پر غور کیا کہ وہ حل کیا ہو سکتا ہے تو کوئی کام مبینہ ذہن میں نہیں لیکن ہرگز میں جتنی غور پر نہیں کر سکتی تھی کہ انھوں نے کیا سوچ رکھا ہو گا۔

ٹرین چھٹی چٹھائی، پلوی رفتار سے اپنی منزل کی طرف دوایں تھی۔ لاہور بہت پیچھے رہ گیا تھا اب نہ فرخ کو اسٹیشن نکل کر لے جا یا جا چکا ہو گا لہذا اس سلسلے میں پریشان ہونے سے کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ دوسری پریشان کن بات میرے یہ بھی ہو سکتی تھی کہ رضوان سابعہ پر کیا مبنی لیکن میں نے اس پریشانی کو بھی لینے ذہن سے جھٹکے۔ فی الوقت دماغی کاوش کے لئے یہ صورت حال کے سوا کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔ مجھے یہ سوچنا کہ اس شخص امتحان سے کیونکر عمدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔

”فمن کے پاس دیواروں تھے اور دیوانی جاسوسی زیادہ تھلا کر ہمیں نہ تو میں بل تک ان دونوں کو ان کی ہڈیوں کا کتاب سمجھا سکتی ہوتی۔“

گاڑی کی رفتار میں کمی اور گڑھے ہوئے وقت سے میں نے اندازہ کر کے غزالہ کے آگے تھا اب میں اضطراب سے دوچار ہو گئی تھی۔

معلوم تھا کہ اسٹیشن پر گاڑی رکنے کے بعد ان دونوں آدمیوں کا یہ ہو گا۔

”سنو! ایک دیواروں والے نے مجھ گھورتے ہوئے کہا کہ ہمیں یہ کہہ دیتے کہ ہمیں اسٹیشن پر گاڑی رکنے کے لئے کسی جال کی کاغذ پر کرنا چاہا تو اس بڑے کی موت کی اس کی طرف نرمی پر غافل ہو گئی۔“

اشارہ واضح طور پر غزالہ کے باپ کی طرف تھا۔

”آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ظالمو! غزالہ کے باپ نے کہا یہی سکا۔“

”جیسا کہ تم نے ہمارا کیا نہیں لگاؤ اور اسی لئے ہر شخص مازما میں جانے لگتا کہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی تو پھر تم نے ہمارا کیا نہیں لگاؤ؟“

”یہ مطلب؟“ میں جیسے چونک کر لپٹ پڑی۔

”مطلب بالکل صاف ہے۔ ہم دونوں اس بڑے کو اپنے ساتھ لے کر اس کا ڈنٹ سے آئیں گے۔ ہمارے دیواروں والے ہاتھ میں ہوں گے اور دیواروں کی نالیں بڑے کے پہلوؤں سے بچی دیں گی۔“

”میں نے پہلوؤں کے بڑے کو کسی ایسی جگہ پر پھونڈ دیا کہ یہ ہاتھیں سے نظر آجائے لیکن نہ توں کے لئے لازم ہے کہ یہ پانچ منٹ تک اس سے باہر نہ نکلے۔“

”لاہور کو ہونا چاہیے۔“

”یہ بات دینے کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو غزالہ میرے ٹھوٹے لپٹ لگی اس صورت حال نے اس کی ساری شوخی کا نور کڑی تھی۔

”اسی طرف اس کے باپ کا چہرہ بھی خوف سے سفید ہو گیا تھا اور ڈنٹ پر اس کا باپ نے مجھے جیسے وہ کچھ کناجا ہوتا جو۔“

”بہتر ہو گا کہ وہی کہا جائے جو کہا جا رہا ہے۔“ میں آہستہ سے بولی۔

”گاڑی کی رفتار اب بہت کم ہو چکی تھی۔“

”جس کے ہاتھ میں بغیر سائیکسٹ کا دیواروں تھا، اس نے ایک کھڑکی سے غزالہ کا سر پر جھٹکا اور ٹھوڑا وہ بند کے غزالہ کے باپ کی طرف لپٹا ہوا ہوا لڑکھو ہو جاؤ بڑے اجدلی کر گاڑی رکنے والی ہے۔“ اس کا کھڑکی آئینہ جو اتنا خوفناک تھا کہ غزالہ کا باپ میکا کی طرف سے ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

”ڈیڑی! غزالہ! اعتبار! یہاں تک کہ بڑے کے سینے سے جا

لگی اور وہ اس کے سر پر پھونڈ پھونڈتا ہوا اجدلی جلدی پکس جھپکاتے لگا۔ اس کی آنکھیں کچھ اور زیادہ دیران نظر آنے لگی تھیں۔

”اگ ہٹو لگی!“ ان میں سے ایک غزالہ، دوسرا کپا ڈنٹ کا دروازہ کھولنے لگا تھا گاڑی ایک بکے سے جھٹکے کے ساتھ روک پکڑی۔

”دوسرا غزالہ! میں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہستی سے اپنی طرف کھینچ لیا۔“

”خدا حافظ! یہی! پلوی کے آواز پکڑی رہی تھی۔“

ان دونوں نے ٹھوٹے کو اپنے درمیان میں لے لیا اور اسے اس طرح کپا ڈنٹ سے نکال دے گئے جیسے کو سہارا دینے ہوئے ہوں۔

غزالہ کے شواہد اپنا ایک دھک گئے تھے اور وہ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے کپا ڈنٹ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کا گال کھینچ لیا۔

”غزالہ! اگر حکومت میری جان اسب ٹھیک ہو جائے تو میری جان سے اپنا سارا سمیٹ لو۔ لیکن چہ کوئی مسافر اس کپا ڈنٹ میں آیا ہی چاہتا ہو۔“

”یہ غزالہ! کہہ کر نے کی بجائے وہم سے روتھ پڑ گئی اور پلوی سانس لینے لگی۔ یہ اس معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ پر سوز میں جان ہی نہ ہو گئی ہو اس کی جسمانی شکل میری توجہ پر تھی لیکن وقت کاغذ یہ تھا کہ اس سامان کی طرف توجہ میں کوئی گاڑی یہاں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رکتی۔“

”میں نے کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک قلمی کتا سے سے لایا اور اس سے سامان اٹھانے کے لئے کہا کچھ غوی میں غزالہ کو سنبھالنے لگی جس کے ہاتھ پر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ میں نے اسے جلدی سے تھمراس کھول کر پانی پلایا تو اس کے نفس کی رفتار میں کچھ توازن پیدا ہو۔“

”سامان زیادہ نہیں تھا۔ ایک ہی قلمی سے سب کچھ سنبھال لیا۔“

”اس کے پیچھے مجھے بھی غزالہ کو سنبھالنے سے ہونے لگا ڈنٹ سے نکلی۔ تین منٹ کا کاغذ روتھ کر چکا تھا جس کی نالیوں دونوں بدناؤں نے کی تھی۔“

”خود کو سنبھالو غزالہ! میں پھر لپٹی۔“

”ڈیڑی! غزالہ! سب کی سی۔“

”وہ بجز ت ہوں گے مجھے نہیں ہے، اگر وہ لوگ قتل وغارتگری کے ٹوٹوں میں تو ہم سبوں کو اس کپا ڈنٹ میں بھی ختم کیا جاسکتا تھا۔“

”میں نے غرضی کر کے ہوئے کہا۔“ جب ایسا نہیں ہوا تو پھر میں یقین کر لینا چاہتا تھا کہ ڈیڑی اسٹیشن کے باہر کیسے قریب ہی گھر سے ہونے ل جائیں گے۔“

اس کے چہرے کی درمیانہ کی مینٹور تاہم میری عمر کے نفسی اور فیزیکی ترقی کے
 کے دل و دماغ پر اتارنا نہیں ہو سکے تھے۔ وہ بہت سوا اس خطبات میں
 مسئلہ تھی کہ اپنے فیزیکی کو دوبارہ دیکھ سکے گی یا نہیں۔

لاہلہ کی سے نوازی تھی۔
 "واہلہ" میں نے
 جس کی وجہ سے ہم لاہلہ میں

۴۰۰ دیکھو! میں نے پُرستِ ازل میں ایک طرف اشارہ کیا۔
غزلہ کی نظر کی انگلی اُس طرف اٹھیں اور پھر اپنے باپ کو
دیکھ کر اس کا چہرہ خوش تر سرخ ہو گیا۔

وہ ٹیڈی! وہ چرخ کراس کی طرف دوڑی۔
 نانیابوڑھا جو کھڑا ہوا بڑی پریشانی کے عالم میں پہلو پہلو رہا
 تھا چونکہ گھاس نے ستانے لائے تھے اس طرح بھادریہ حصہ

میں نے اپنے پر سر دیا اور بھر کہا کہ دوسرا لٹا لٹا کر

وہاں سے آساں رفو جگر ہو سکے ہیں۔

کوہستان میں گیا تھا۔ ارد گرد کو نظر آنے والے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر
سے دیکھا بخیر دلچاسپن تھے وہ مناظر بھی نظر آنے لگے۔ ان لوگوں نے

یہ ہیں کیا یاد رہے یہ بہت سے گھبراہٹ کے لمحے تھے
 میں اس واقعہ کو کسی کے سامنے اور گمان میں بھی نہیں سکا تھا۔
 ایک نئے والا ہمارے قریب گیا اور پنجابی میں پوچھنے لگا کہ
 اس کے سوا چاند میں کیا ہے

اب توہیں بچاوی بھی بڑی دوائی اندیزی سے لایا جاسکتی ہیں مگر اس زمانے میں نہیں بول باقی تھی۔ ہاں، مجھ کو ضرورت تھی میں نے بھی دیکھا تھا۔ اس نے مجھ سے

پانے والے کو کہہ کر مل دیا، یہیں کسی کا انتظار ہے۔ دراصل مجھے
 نیکی کی تلاش تھی تاکہ جو جلالہ میں ایک منٹ بھی ضائع نہ کر لوں اور
 کاؤچ کر سکوں۔ میری نظریں ہر طرف گھوم رہی تھیں لیکن کوئی ٹھیکسی لگال
 چاہتی تھی۔ جب دیکھنے لگا تو میں نے قریب تر
 بڑھ کر تو میں نے قریب تر
 سے لوئی۔

نہیں ہے رہی تھی شاید اس زمانے میں گوجرانوالہ میکینس سے بے نیاز
 کی تھی۔ انکو کشتہ بھی چند ہی ہوں گے، مازے سے گوجرانوالہ پر ناگوں کی
 حکمرانی تھی۔ آج کل کوہاں غاصی میکسکس ہیں اندر کرائے پر مٹنے والی

پڑھویت کا طریقہ بھی کہی نہیں لیکن اس زمانے میں یہ سہولتیں حاصل نہیں تھیں۔ اسے خوش قسمتی کی کہا جائے کہ کافاق سے ایک پڑا لڑکھٹا ملا کی کہ اس نے پڑھویت سمجھ کر اس کو فوجدار ڈراگورسکیا کو اس کے قریب

آگیا تھا۔
”کدھر ملنا اے میم صاحبی!“

یہ کمر تھا اس لئے یہ امرکان خاصا قوی تھا کہ وہ مجھے
 کے لئے ایس کوئی معمولی یا غیر معمولی بات نہ کہے بلکہ اس کا
 ہر حرف دیکھنے لگا۔

پہلی سے کہا کہ ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے

پہلے اس کے لئے ایک اور لڑکا "فریحی مہم صاب" لایا گیا۔

ہمیں اس کا کراس نے ان دونوں آدمیوں کو دیکھا تھا جو
باب کو اسٹیشن سے باہر لائے تھا اور اسے وہاں چھوڑ

وہ زمین صرف کرنے کے بعد میں آتا اور معلوم کر سکتی
 کہ ایک گاڑی جیلہی سے کھڑی ہوئی تھی اور وہ زمین

ہاں سے کہے گئے تھے۔ بڑا دھوکا کھایا۔ یہاں سے کہے گئے تھے۔

ایک ایک نامے والے سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت پیش

اس وقت اس وقت کے لئے کہ جب بھی عین ہو گیا
اس سے مزید معلومات حاصل نہیں کر سکتی تو میں نے اسے
ایک نوٹ اور فقہاء پھر کار کی طرف بھاگ گئی۔

[illegible]

ہے اب کو سہا لائے ہر سنے کلا کی طرف
نہ ناسخے کلا رخ کیا اور لڑے کو حرا

ہال کے ہیں، میں نے یہ جواب لیاں دیا کہ اگر وہاں تو
لوں اور میں کو دیکھا ہے تو اس سے بھی کچھ معلومات

میں نے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہا۔
 اگر تم رتبہ سب سے نڈر کوئی بات نہیں لیکن
 اس لیے لاؤں گی۔

ایں کہ ایک نیاں میں یہ اسانہ بھی کیا تھا کہ وہ دونوں
 ایک اور غزال کے سے ایک لاکھ آٹھ لاکھ

...

”اچھا! ان دونوں کو تو میں نے بھی دیکھا تھا۔“ ڈرائیو پر پھر جوش اُڑا رہا تھا۔

”کیا تم بھی تاسکتے ہو کہ وہ کار اس شہر کے حصے میں محفوظ رہی جاسکتی ہے؟“

یہ بات معلوم تو ہونا چاہئے۔ اس شہر میں زیادہ کاریں تو ہوں گی کہ نہیں ہے۔
”مجھے تو لگتا ہے یہ میہاب کہ وہ لاہور کی گاڑی میں بیٹھی ہے۔“ ڈرائیور نے
مُخنیلا انا نام ہر مار تہے۔ مُک کہا۔

اس کا یہ جواب سنتے ہی میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح چمکا کہ شاید اس وقت وہ دونوں بھی لاہور ہی کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

مگر یہاں پر اس کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔

”کوئی فائدہ نہ ہوتا۔“ میں نے غم نہ بنا کر کہا ”وہ دوست ہے کہ
چھوٹ جاتے۔“ اٹھ ہم سب لوگوں کو پریشانیوں اٹھانا پڑیں۔“

”یہ لوگ بھیک نہیں کریں یہ جہاد!..... رملہ کی ہر ہر بی بی بھڑکی ہوئی ہے اس حکومت نے توحید حرام کر دیا ہے۔ جسے دیکھو لوٹ مار میں لگا ہوا ہے۔ اب تو کوئی بڑا ہی انقلاب آئے گا تو اس ملک

کے حالات سدھری گئے وہ کوہِ مادِ ملت ہار گئی جیسے باجی ہم نے
کہہ دیا تھا کہ اب اس ملک کا اندھی بلی ہے
کاٹھی کی روڑ پر فرار ہے مجھ کی تھی اور دُعا مورو کی زبان نے سب

کی فضا میں اڑنا شروع کر دیا تھا لیکن میں اس کی سیاسی بصیرت کا بغور
 کرنے کی بجائے یہ سوچ رہی تھی کہ اگر ان دونوں کو لاہور کے راستے
 پر ایک جگہ سے مل جائے تو انھیں جھک کر آگے بڑھ کر ایک معلوم مقام پر
 مل جائیں گے۔

کی جانتی تھیں۔
غزالہ اور اس کا باپ بھئی نشت بہ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے

میری اور ڈراموں کی مائیں سن رہے تھے۔
 ”تھرا نام کیا ہے؟“ میں نے ڈراموں سے لپوچا۔
 ”جان محمد“

”وہ کیا تم اپنی ہماری مدد کرنے کے لئے کوئی خطرہ مول لے سکتے ہو؟“

سکتی ہیں کیا تم اس سلسلے میں ہماری مدد نہیں کر سکتے ہو؟
 "ہم تو اپنی ماں بہنوں کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکتے ہیں
 مہم دارانہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ مگر یہ کہ ہمیں یہ بھی پتہ ہو کہ ہماری بازی کون سا ہے؟"

49

آپ کی بھی ہوئی مجھ پر کیسے مل سکتی ہیں؟
 "بس ایک مکان ہے کہ وہ ہمیں لاہور کے راستے میں مل جائیں
 تم ہی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید وہ لاہور کی گاڑی تھی۔ اگرچہ ہمیں
 پکڑنے کو ان سے اپنا مال دالیں لے سکتے ہیں؟
 "ہاں تو یہ ہے لیکن انھوں نے فرستے ہوئے کہا میں ان مالوں
 کا پکڑنا نکال دوں گا۔ ان کے باجی بھی مل دالیں کریں گے؟
 "بس تو پھر گاڑی تیز کرو۔ انھیں پکڑنے کے لئے ہمیں بہت تیز
 رفتار سے چلنا ہوگا؟
 "جان محمد! ایکسپریز پر پاؤں کا داؤ بڑا حدایا۔
 "شکلاں جان محمد! اے ہی جیسے نیک نیت جیلے اب
 اس دہس کو قائم رکھ سکتے ہیں؟
 میرے اس فقرے نے جان محمد کے جوش و خروش میں خاصا
 اضافہ کر دیا اور یہی میرا مقصد بھی تھا کسی گاڑی کے اس سیدھے سادے
 شریف و نریمان کو بے وقوف بنانے ہوئے تھے تو اس کو نہ تو زمین
 اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا میں اسے اصل واقعتاً تو بتا نہیں
 سکتی تھی ان باتوں کا علم تو غزال اور اس کے باجی کو بھی نہیں تھا۔
 "گاڑی سنسنی سے ہونے لگی طرح آڑی چلی جا رہی تھی۔ جی، جی،
 لوڈ پر لچھا خاصہ ٹریفک والں وہاں تھا۔ گو جو راولپنڈی کے علاوہ بھی کئی
 چھوٹے چھوٹے شہر لاہور کے قریب ہیں وہاں سب کا ٹریفک جو
 لاہور سے ملتا ہوا اسی طرح سے گزرتا ہے اس کاروں کو دیکھ کر
 مجھے یہ پریشان لاق ہوئی تھی کہ اگر محمد نے ان دونوں ہڈیوں کو وہاں
 جا بھی لیا تو کیا اس بھری ہڈی کو رک پڑاں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا
 جا سکتا ہے؟
 "میں صلب جی، جان محمد کچھ سوچ کر لولا۔ آپ نے تباہی
 کو ان کے پاس پستول وغیرہ بھی ایک بے میرے بازو گولیں وغیرہ کا متناظر
 تو نہیں کر سکتے؟ اسے اس کی کوئی ترکیب سوجھتی ہے؟
 "اس کی حکومت کو پستول میرے پاس بھی ہے؟ میں نے
 اپنا پس چھپا کر کہا جس میں واقعی پستول موجود تھا۔
 "آپ پستول چلانا جانتی ہیں؟ وہ جو تک کر لولا۔
 "ہاں، میرا حق فوج ہے جان محمد!"
 "پاک تان فوج ہے؟"
 "نہیں تو کیا ہندوستانی فوج ہے ہوگا؟" میں نے ہنس کر کہا۔
 "ابھی تو تم ان دونوں کی ایسی ہی کر رہی تھیں؟ جان محمد تو
 ہو کر لولا۔ آپ فوج میں ادیں پڑنا... نہ آپ کو موت کا ڈر
 نہ مجھے؟
 "موت سے کسی بھی مسلمان کو نہیں ڈرنا چاہیے؟
 "ہاں جی یہ تو ہے، مگر لوگ ڈرتے ہیں؟ جان محمد نے جابے
 اور پھر پاکستانی فوج کے بارے میں تبصرہ شروع کر دینے سے اس کی باتوں

اور مجھ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے پاکستانی فوج سے بڑا
 بڑی محبت ہے۔
 میں نے شکر کر کے تیر غزال اور اس کے باجی کی
 لیکن کچھ کہنے پر صرف ہنس کر گزر گیا۔
 "وہ؟" اچانک جان محمد نے پوچھ کر جوش انداز میں
 کوئی نام نہاد ڈرو۔ "گگ" کے فاصلے پر ایک میسر
 ت س ب۔ جی تھی جان محمد کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔
 خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے
 امید تھی۔
 "سنو جان محمد! میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "یہ نیکو
 کو پولیس تک نہیں لے جانا چاہتی اس لئے کامل طرح
 کو گاڑی کا خبر ہو؟
 "جان محمد! جی بہت سی سیدھا سادہ فوجوں تھا اس
 نہیں سوچا کہ ایک فوج کے معاملے میں پولیس کی خبر دے
 کا ظاہر نہیں کر سکتی، تو پھر پولیس کو اس معاملے سے
 رکھنا چاہی ہوں۔
 "اگے پیچھے ٹریفک والں وہاں تھا اس لئے جان
 میں نہیں اسکا کہ یہ کام انھوں نے نہ کر سکا تھا۔
 فیات سے درمیان فاصلہ کچھ اور کم ہوا تو جان محمد
 تو مجھے یقین ہے ہم صلب کر۔ جی گاڑی ہے۔ اس میں
 نظر آئے ہیں۔ میں سانسے جا کر تھیں پچان لوں گا۔
 "محمد! کام اس وقت ہوا کہ گاڑی کی گاڑی کو فیات
 لے کر اس طرح روک کر وہ بھی کھینچ کر رہا۔
 اس حرکت پر نہیں غصہ آ سکتا تھا وہ اپنی گاڑی سے
 نکلے وہ تھیں گا لیاں دے ہوئے قریب بھی آجائیں
 آگے تو میرا کام بہت آسان ہو جائے گا۔
 میں اسے سمجھانے لگی کہ میں کیا کرنا ہوگا۔ جان
 تو مجھ سے میری ہدایت سن کر اس نے گاڑی کی رفتار
 دی تا کہ فیات سے ہٹے نکل سکے۔
 "یہ آپ کیا کر رہی ہیں بانو صاحبہ؟ غزال انگریزی
 اس کی آواز بھڑائی ہوئی تھی۔
 "ان دونوں کو زرا ضرورت ہی ہے غزال! میں معاف
 عادی نہیں ہوں صلب تم اس طرح ہم دلا کر ہوا کہ باہر سے
 یہی درخواست میں آپ کبھی کوئی حشر ہوا؟
 نے لہو دیاں کہا تھا۔
 "کبھی درخواست ہی؟"
 میں نے اس سے بھی وہی بات کی جو غزال کے

میں لوٹے تھے۔ سبجنا ان شروع کر دیا کہ ایک قسم کے
 حکم کے تحت غزوات کو تو زمین کو مارا جائے لیکن میں نے اس
 میں اس کی رائے سے کچھ کرنا پر مجبور کر دیا ضرورتی تھا۔
 گاڑی جب فیات کے برابر سے آگے نکلی تو میں بھی درواز
 اب باہر سے دیکھنے والوں کو گاڑی میں جان محمد کے سوا کچھ
 آنا۔ جان محمد نے فٹ سے نکلے ہوئے اپنی گاڑی کو
 کہہ کر فاصلے پر رکھا تھا۔
 "یہ دونوں ہیں۔ میں پچان گیا۔ جان محمد پر جوش انداز میں
 میں اس طرح روک کر باقی ٹریفک متاثر نہ ہو۔ میں نے
 ان کی ہدایت کی۔
 "اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں؟"
 ہر مشکل سے وہاں غزال کو گاڑی میں لے گاڑی کو بائیں
 ٹائرس کیا اور دفعتاً ایک جھٹکے سے ڈک بھی گئی عقب
 کہیں کی چیخیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی کوئی چیخ
 "ایر پزل"
 کہ گاڑی سے اتر کر اپنا ہونٹ کھولا، جیسے اس میں کوئی خرابی
 "میں نے سر کوڑھی کرنے والے انداز میں کہا۔ "وہ دونوں
 رہتے ہوئے خود ہی قریب آجائیں گے اور میں انھیں
 اس کی؟
 "جان محمد! میری ہدایت پر عمل کیا۔
 "بانو صاحبہ؟" غزال میری سی آواز میں بولی۔
 "ماحول دو! میرے لیے میں خاموشی تھی۔
 "جان محمد کھول کر آجائیں پر جبکہ چکا تھا کہ مجھے تیزی سے
 لے ہوئے تھیں کی آواز میں سنائی دیں۔
 "ہاں بالکل جھگی ہو؟ گاڑی روکنے کا سلیقہ بھی نہیں جانتے؟"
 "میں آواز بھڑائی دی جس نے "ڈیفرل" کا فوہ لگایا تھا۔
 لگنے جیسے ہی یہ محسوس کیا کہ اب وہ کار کے بالکل قریب
 پہنچ چکی ہے سیدھی ہو کر چھوٹی ہوئی میرے ہاتھ میں دے ہوئے
 "اٹھ کر کی پر رکھی ہوئی تھی اور دیا لوڈ پر میں نے اپنا
 لہو اٹھا کر وہ نظر نہ آ سکے۔
 "ان دونوں کی نظریں مجھ پر پڑیں اور وہ چونک گئے، لیکن
 "یہ کئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کرنے میں نے مسکرا
 کہ اب لوگوں کے ہاتھ میں جس کی طرف گئے تو مجھے پتہ نہ دیا اور
 "الوس ہو گا؟"
 "ان دونوں سے حکما ہوا تھا لیکن اس کی نال تو ان دونوں
 کی سی تھی۔ ان دونوں نے گھر کا ہاتھ اوپر اٹھا دینا چاہے
 "یہ بولی۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ لوگ تو میرے
 جو سر راہ مل گئے ہیں؟

ان دونوں کے جھڑپوں کی رنگت بدل گئی تھی اور وہ بالکل
 ہونٹ نظر آنے لگے تھے۔ ان دونوں ہاتھ بھی ہوتے تو یہ کام مشکل
 ہو جاتا لیکن وہاں صرف ٹریفک تھا جس کی قطار ہماری دایں جانب
 سے لڑتی چلی جا رہی تھی۔
 "غزال! تم آگے آ جاؤ؟" میں نے اس کی طرف دیکھ کر پھر کہا۔
 "بانو صاحبہ..."
 "یہ باتوں کا وقت نہیں ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
 غزال کو میری بات ماننی ہی پڑی۔ وہ ڈرائنگ سیٹ کے
 دروازے کی طرف سے میرے برابر میں آ بیٹھی۔ اس کے بعد جان محمد
 نے بھی اشارہ ملتے ہی اپنی سیٹ سمٹھال لی اور اس نے ان دونوں سے
 کہا۔ "بلو کر آپ دونوں حضرت! چھٹی سیٹ پر آ جاؤ۔"
 ان دونوں نے تذبذب کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف
 دیکھا تو میں سر دیکھ کر بولی۔ مجھے اس بات کی فضا پڑا وہ نہیں کہ
 میرے راولپنڈی نال پر اسٹیشن فٹ نہیں ہے۔
 غزال کا لہو حباب دایں جانب، دروازے کے قریب کھسک
 گیا تھا۔ وہ دونوں اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔ اب میں نے اپنی پچھلی
 بدل لی تھی اور رومال سے دھکے ہوئے راولپنڈی کا رخ انہی کی طرف
 رکھا تھا۔ جان محمد نے میرا اشارہ ملتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔
 "اب ان دونوں کو کہاں چلنا ہے؟" میں صابہ! جان محمد بولا۔
 "دکس دیں سی جگہ پر چلو جہاں ان سے بہت جیت کی جا سکے؟"
 "دیلن سی جگہ...؟" جان محمد کچھ سوچنے لگا اور پھر دفعتاً بولا
 "میں صاب! کوئی پتہ نہ ملے گا میرے بھائی کے کھیت ہیں۔ ان
 کھیتوں کی دوسری طرف اس کا مکان ہے۔ وہیں چلیں؟"
 "گاڑی میں؟"
 "نہیں میں صاب! وہاں پولیس کھیت ہی کھیت ہیں۔ میرے
 بھائی نے وہیں اپنا مکان بنوایا ہے؟"
 "مگر کیا ان معاملات کو تمہارا بھائی پسند کرے گا؟"
 "جی وہ تو بالکل دیوانی ہے میں صاب! جان محمد نے ہنس
 کر کہا۔ "میں جب جانتا ہوں اسے بے وقوف بنا دیتا ہوں؟"
 "بس تو میری چلے چلو وہ جگہ بالکل ٹھیک رہے گی ان
 دونوں کو کچھ پتہ نہ تو ہو چاہیے کہ سے کم دو گھنٹے کے لئے غرا بنایا
 جائے گا ان کو؟"
 "یہ ٹھیک ہے میں صاب! جان محمد، مرغانے کی تجویز
 پر سمجھوتہ تھا۔
 غزال میرے برابر میں بیٹھ ہوئی پہلو بدل رہی تھی اور پچھلی سیٹ
 پر اس کا لہو حباب، سپاٹ چرو لئے خاموش بیٹھا ہوا تھا اس
 کے برابر میں وہ دونوں کچھ پریشان پریشان سے بیٹھ ہوئے تھے اب
 تک ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا اور میں خود بھی یہی

لیکن میں نے تیرا اس سے ایک ہاتھ اور در سید کرنا۔

”تم فیک فٹو بھی منہ سے نکالتو ہو توں کا تیرے بنا دوں گی۔ میں اسے گھوٹی ہوئی بولی۔

خان مارید کی ناخوش سے ہوتے ہوئے خون میں تیزی آگئی اور وہ مجھے ایسی نظروں سے گھورتے تھا جن میں نفرت اور سختی کی چنگاریاں ڈرکی تھیں۔ ”ہاں“ میں پھر سیدرٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”تم غلط آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تو ان قدر دو دنوں کی کوشش پر کوئی بڑی بات کیونکر غلط ہو رہی ہے جو ہوا کا رخ پھران کر توجہ اذیت سے بچ جائے۔“

سیدرٹ نے اپنے خشک ہنرٹوں کو زبان سے تر کیا اور پھر جڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”لاہور میں ایک علاقہ ہے کوشش نہ کر۔“

”میں لاہور کے چتے چتے سے اتنے ہوں لہذا تم اصل بات کی طرف آ جاؤ۔“

”فرخ کو کہنے کے لیے کوشش نہ کریں کے ایک مکان کا بندہ دست کیا گیا تھا۔ اگر اسی لاہور سے کہیں سے منقول تھیں کیا تو وہ وہیں ہو گئی۔“

”کیا اسے کسی اور منقول کیا جاتا ہے؟“

”ہاں“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”میں نے اسے گھوڑ کر بچھا اور آؤ کی دھار پر اٹھی پھیرنے لگی۔“

”میں بھی کہہ رہی ہوں۔“ وہ گھوڑ کو دالے انداز میں بولا۔ ”بات ہم لوگوں سے پیشہ رکھی گئی تھی کہ اس لڑکی کو لاہور سے کہا گیا جاتا ہے۔“

”کوشش نہ کریں اس مکان کا تیرا بڑا۔“ میں سپاٹ لے لیں۔

سیدرٹ نے تہہ بتایا جو میں نے اپنے پاس لکھ لیا۔

”اب میں لاہور جا رہی ہوں۔“ میں نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”اگر فرخ وہاں نہ ملے تو میں یہ مزدور معلوم کروں گی کہ اسے اس مکان میں لایا گیا تھا یا نہیں۔“

”میرے پاس وہ اب سے سیدرٹ کی طرف منظر آنے لگا اور اسی بات سے مجھے یقین آیا کہ اس کا بیان غلط نہیں تھا۔“

”میرا غرض پاکستان کی آئی ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”اب ان کے وہ دونوں گروہ ہیں کہ اس کا نام فرخ ہے۔“

”بہت جلد تم سے بچے ہوں گی۔ تو ابھی پھر تو میں کہہ سانی سے جھلائی جا سکے۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

”خدا حافظ! وہ زندگی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سننے لگی۔“

دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے گھل گیا۔ رکنہ ڈراہوڑا ڈاؤن کر کے کھانسی
 ڈھولانے لگا۔ اس کی ہڑاہ کیے لہر کر رہے تھے جس کا لہریں چلنے میں وہ
 کھد کا دروازہ کھول چکا تھا۔ جلدی سے اندر بیٹھ کر اس نے دھڑک سے
 دروازہ بند کر دیا۔

”میری سیدھی لکھی جی چلو۔ تم نے دوسرے ایک نیکی کا ذکر کیا ہے
 دیکھا ہوگا، یہی اسے کہتا ہے۔“

”میں نے گاڑی کو حرکت دینے لگا دو فٹا دینے لگا۔ یہی تیری سے اضافہ کیا۔
 رضوان نے مجھ سے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور اس سے یہ بات
 ظاہر ہوئی تھی کہ وہ اس وقت کسی بہت ہی اچھی ہوئی صورت حال سے
 دوچار ہے۔ اسے نیکی کا ذکر تین سالوں کی دورہ ملاش اتنی اچھی لگاں
 نے میرے بارے میں تمام سوالات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔“

”وہ کاروبار اسی جی سے لکھی جس سے یہی نکلا تھا۔“ رضوان نے
 مضطربانہ انداز میں ہاتھ دھوئے ہوئے کہا۔

”میں نہیں دیکھ کر تم کسی لکھی سے نکلتے تھے کیوں تیرا توجہ دیکھ کر
 کیا ہے۔ وہ نیکی کا۔۔۔“

”اس میں فرق کو لے جایا جا رہا ہے۔“ رضوان نے میری بات
 کاٹتے ہوئے کہا۔

”اس جیسے نے میرے ہم سننا ہٹ چلا دی اور ایک سیڑ پر
 میرے پاؤں کا ڈاڑھ بڑھ گیا۔“

”وہ ملے کہاں لکھا ہے؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”یہ مجھے نہیں معلوم،“ رضوان نے صحتی سے پہلو دے کر لکھا۔

”میں نے گاڑی کو سب سے زیادہ تیزی سے دوڑا یا تھا لیکن وہ نیکی
 دکھائی نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اس سر کی پرسیدھا چلنا ضروری نہیں
 تھا۔ وہ کسی طرف بھی مڑ سکتی تھی۔“

”یہ کہہ رہے۔“ رضوان نے بڑے بالوں سے لکھی کہا۔ ”اس کی رفتار
 اتنی تیز نہیں تھی کہ اتنی جلدی غائب ہو جاتی۔“

”وہ کسی طرف مڑ سکتی ہوگی۔“

”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا
 اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

”دوسری بھی منتظر ہوگی مگر کیونکہ رضوان اس نیکی کا ذکر ساتھ فرق
 کا حوالہ دے چکا تھا۔ گویا فرق میری دوسری میں آتے آتے ایک بار نظر
 سے اٹھ گیا ہوگی۔“

”مزید کچھ پتہ چلنے کے بعد اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔
 ”اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔“ رضوان بڑبڑایا۔

”کیا مطلب؟“

”کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گھنٹہ کریں گے۔“

”تو کسی پتہ میں چلتے ہیں مجھے دیکھ کر کھانا اب تک نصیب نہیں
 ہوا ہے۔“

”یہاں تو عالم ہے جسے کدات سے اب تک ایک مہل میں
 میں نہیں گئی۔“

”آخر غائب کہاں ہو گئے تھے؟ میں تو یہ سوچنے لگی تھی
 لوگوں نے تمہاری گزرت دلی۔“

”وہ یقیناً ایسا کرتے، اگرچہ ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا۔“

”وہ کیسے؟“

”میں فرق کو دھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس
 ہی ان لوگوں کی نظروں میں مجھ پر مڑ گئی تھیں۔ فرق ہفتے میں اسی اور اس
 کا عالم طاری تھا۔ غالباً وہ لوگ اسے کوئی نشانہ دے رہے تھے، لیکن
 ہیں۔ ایسے اپنے کو بدل کا ہونے نہیں تھا اور ان کی آوی اس کے ساتھ
 میں نے لارڈ کے سامنے گاڑی روک دی اور رضوان کا
 دیر کیلئے منتظر ہو گیا۔ ہوتی میں داخل ہو کر ہم نے ایک ایسی مین فرم
 اس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ میرے کھانے کا آرڈر دینے کے بعد
 سے بولی۔“

”اچھا تو میرے۔“

”وہ صورت حال ایسی تھی کہ وہ لوگ مجھے غمزدگی سے روک
 ہی نہیں سکتے تھے۔ انہیں بہت قریب پر فرق کو لایا ہوا دیکھا تھا میں
 طور پر فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً درپوش ہو جانا چاہیے۔ ٹرین میں درپوش
 نہیں تھا لیکن میں نے اس کی تہ پر سوچ لی۔ اس جادو سے کہ فرق کو اس
 ڈبے میں کھسکا جائے۔ لوگوں کو کھینچ نہیں لیں وہ ڈبے کے فرش
 سے گرتے تھے۔ میں بھی اسی میں شامل ہو گیا اور پورا دروازہ لے لیا۔

”اسی طرح اپنے بونے گزارا اور وہاں، اسے اس کے سے پہلے میں
 کام نہیں ہوا تھا میں نے کیا۔ اسٹیشن سے اپنے ایک دوست کو لے
 تھا۔ یہی یہاں لائبریری میں سے پتھر کا ٹانہ ہے۔ ہم لوگ جیسے
 کے مسئلے میں ایک دوسرے کو ٹھیک کر رہے تھے۔ میں وہ کو دور ڈھکی
 ہیں۔ میں نے جو بیٹھ کر اس میں اس میں کو دور ڈھکی استعمال کیے
 میں نے ان تینوں کے علاوہ فرق کا علیحدہ بیٹھ کر اس میں کھڑا تھا۔
 سے درخواست کی تھی کہ وہ اسٹیشن پر آکر گاڑی کا انتظار کرنے والوں
 کے چاروں افراد کی تفتیش کر لیں۔“

”دیکھ بانی رکھنے کے لیے آیا تھا رضوان کو ایک بار پھر خاموش ہوا
 ”کھانا ڈال دیا جلدی لانا دیکھا میں نے کہا۔“

”بس پانچ منٹ لگیں گے میڈم،“ دیکھتے تو دیکھتے
 اس کے جانے کے بعد رضوان نے میرے لپٹا کر شروع کیا۔
 لاہور کے اسٹیشن پر کوئی بھی فوری طور پر نہ سے نہیں نکلا۔
 کوئی دس منٹ گزار دیے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ میری ان کے
 نگہ ہائے گا۔ وہ بہت جالاک ہے اور عقلمانی نہیں رکھتا ہے۔
 تھا کہ میری کمری کمری کمری کے پڑھان ہوئی ہوگی لیکن میرے
 اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔“

”کدات اور دھوکہ پر جاؤ۔ میں جانتا تھا کہ اس نے میری بات دوسری
 رضوان کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے میری بات دوسری
 چند لمحوں بعد بولا۔ جب اسٹیشن پر آتا تو مجھے وہ لوگ دکھائی
 نہ نظر آتے۔ میری بھی نہیں تھا اس کی عدم موجودگی نے مجھے
 اور بارہ ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا ہوگا کہ وہ وہیں ہوتا۔
 بارے میں، میں کوئی اندازہ نہیں لگا تھا۔ اسٹیشن سے میں سیدھا
 کے گھر پہنچا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کوئی آدھے گھنٹے بعد
 اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ
 میں نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ کون سے ایک مکان میں تھے۔
 ”کیا یہ پتہ ہے اس مکان کا؟“ میں نے اپنے پرس سے کاغذ
 اس کے سامنے رکھ دیا۔

”ہاں،“ رضوان نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”کیا تم بھی اسٹیشن سے
 اس کے پیچھے لگ گئی تھیں؟“

”میں تو ابھی کوئی کچھ ڈالنے سے لاپرواہی ہوں۔“

”یہ کہہ کر رضوان حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 میں نے بھی اپنی چٹانسا ڈالی۔ رضوان نے میری کمانی کو بڑی
 ہنس سے سنا۔ جب میں خاموش ہو گئی تو اس نے پرخیاں انداز
 لاہور کا یہ لوگ بہت تیز آدمی ہیں۔“

”اگر نہ ہوتے تو فرق کو اسٹیشن سے کہتے؟... یہ بھڑکے داس
 کو پہلے تو اپنی کمانی مکمل کر دے۔“

”شاید میں اس کی حیرت ہوگی کہ وہ مکان ایک ہی ڈی ممبر کا
 ”میں بالکل حیرت نہیں ہوتی کیونکہ یہ سارا معاملہ کیسی کم فانی
 ہے۔ میٹری۔“ ڈی ممبر اس کے اشاروں پر تانتے نہیں گئے۔
 ”ہوں؟“ رضوان نے سر ہلایا۔ ”میں نے اس مکان کی نگہ لائی
 میں اس کی تفتیش دیر پہلے ہی ایک کارڈ کی تو اس دور اندھے
 کی جلاسا اور کان لگا کر اندر ہوئے ان کے گھنٹے سننے کی کوشش کر
 میں نے ایک جیسے لفظ میں سنا نہیں دیا مگر وہی منٹ بعد
 میں اس کے اشاروں میں اس سے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ مکان سے
 دھوکہ دے کر اس کی طرف آئے تھے۔ میں نے ایک بھاری بھر کم
 دھوکہ دے گا۔ غالباً وہی۔“ ڈی ممبر نے ہوا کا اس نے کسی سے کہا تھا
 اس لڑکی کو مکان میں واپس بھی لایا ہے۔ اگرچہ اس سے
 گھنٹے کی کوشش کرنا تو کھانا اس لیے جلدی سے
 اس کے بارے میں اس میں اس طرح بیٹھ گیا ہے۔۔۔
 اس سے میں نے اس کی دروازے پر نظر رکھنا تھا۔
 اس میں کوئی دیکھا تو فرق کو کھانا لے کر باہر لے گئے۔ وہ
 میں اس کی نشاندہی دوا کے ذریعہ کرتی تھی۔ وہ دونوں اسے
 لایا۔ اس سے اندازہ ہو گئے۔ میں فرما گئی تھی کہ کوئی نیکی کر
 اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔“

”کدات کا اتفاق کروں لیکن مجھے اس کے بجائے ایک کٹر نشانہ لگانا۔ یہ صحت سہرا
 ہوئی اور تم دونوں میں پہنچ گئیں لیکن قسمت کی یہ سہرا کی کام نہ لگے۔“

”اسی لیے تم نے کہا تھا کہ اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔“

”میں سوچتی ہوئی بولی۔“

”ہاں۔“ ڈی ممبر نے ان لوگوں کو یہ بات کی تھی کہ صبح چار بجے
 تک لڑکی کو اس لانا ہے۔“ رضوان نے جواب دیا۔

”وہ کھانا ہے کہ آتا تو اب صبح چار بجے تک لڑکی کے لیے لکھی
 جب دیکھا کہ اس نے سانس کی ایک ڈھکی اٹھانے کے لیے کہا۔“

”کوئی چار بجے تک کے لیے کہاں بیٹھا ہے؟“

”طاقت ہو گئی تو میں ان لوگوں سے یہ سوال ضرور کروں گا۔“ رضوان
 نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”میں نے اس کے کپڑے دیکھے ہیں۔“ اور میرا کھانا خاموشی سے کھانا
 کھانے لگی۔ میرا دماغ فرق ہی میں اٹھا ہوا تھا۔

”اگر پولیس اس معاملے سے آگاہ کیا جائے تو؟“ کچھ دیر بعد رضوان
 بولا۔ ”کیا خیال ہے؟“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جب تک بی۔ ڈی ممبر کی شخصیت
 مقابل نظر آ رہی ہے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں لگائی تو تیرا پتہ پھر
 کیا جائے۔“

”کیا اندازہ لگائی ہے؟“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لی۔

”میں اس کے پتہ پر غور کر رہی ہوں کہ فرق کو لاہور میں لایا گیا ہے۔
 اگر عرب شیخ کا سیکرٹری، فرق کو چاہتا ہے تو اسے لاہور لانے کی کیا صورت
 تھی۔“

”یہ نکتہ دھکی قابل غور ہے۔“

”اور اسی لیے۔“ میں نے ٹوک کر کہا۔ ”ابھی ابھی میرے ذہن میں
 یہ بات آئی ہے کہ عرب شیخ کے سیکرٹری کو خواہ مخواہ فرم میں لایا گیا ہے۔
 وہ نہیں معلوم ہوتے تو ظاہر ہے کہ یہ ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”شاید عرب شیخ کے سیکرٹری کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔
 رضوان چند لمحوں میری طرف دیکھا۔ ”اب دیکھو سر ہلایا۔“

”ہے۔“

”خیر جو کچھ ہوگا، سامنے آجائے گا۔ فی الحال ابھی صحت اس بات
 پر زور دیتا ہے کہ فرق کو ان لوگوں سے چھڑ کر لائی دیا جائے۔“

”جس چار بجے سے پہلے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”میں نے اپنی رست واپس دیکھ کر لائی اور پھر کہا۔“ مجھے اب واپس
 جانا ہے۔ میں جان سمجھتا ہوں کہ کدات کی تھی کہ کدات سے پہلے لوٹ آؤں
 گی۔ ہاں۔ یہ میری موجودگی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہاں خانہ جادیدار
 حیدر بٹ موجود ہیں لیکن اسانہ ہو کر وہاں کوئی گڑبڑ ہو جائے۔“

”ان دونوں کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟“

”ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہوں۔ تم مجھے اپنے دوست زبیری کا گھر دکھا دو میں صبح چار بجے سے پہلے تم سے اٹھوں گی میں نے ویر کو اشارہ سے بلایا اور اس سے بل لانے کے لیے کہا۔“

جب تک بل آیا، ہم کھانے سے ناراض ہو چکے تھے۔ بل کی ڈانچ کر کے مہر خواں آٹھ گئے اور دونوں نے مجھ سے کہا کہیں کار کو چرچری کی طرف سے چلوں اس کے دوست زبیری کا گھر دیکھ لیتے۔“

وہ دھڑکیے کر دوڑ دوڑ کر دوں کوں پہنچ کر میں ہائی کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں برابر فریغ ہی کے بارے میں سوچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی جمع چار بجے تک کی منتظر تھی مجھے تشریف میں مبتلا کر رکھا تھا میں بیسویں بج رہی تھی کہ اسے کسی دروازے پر روکا پہنچ کر ملنے کیلئے تو نہیں بھیجا گیا۔۔۔ اگر اس کی دھڑکیوں میں جانی تو مجھے زندگی بھر اس کا قاتل رہنا۔ ویسے تو میری زندگی میں ان کثرت لڑکیاں آئیں اہل چکر کھینک سکیں نے بھی مجھے فریغ کی طرف متاثر نہیں کیا تھا اس کی مصیبت میرے دل میں اس طرح جھکی تھی کہ باقی خوشبوئیں مٹ کر وہ گرم توڑ چکی تھیں مڑخ کے بعد میں نے غزال کی شوخ و چمیل جوانی کے بھول بھی چھتے تھے لیکن فریغ کی بھولاری کا حال کچھ اور ہی تھا۔

غزال کا خیال زمین میں آیا تو میں سوچنے لگی کہ اس وقت وہ کیا کر رہی ہوگی۔ اس نے اپنے جانی اور معاذ حق کو تاخیر سے لاہور پہنچنے کے بارے میں کیا بتایا ہوگا؟ کیا وہ کوئی ڈھنگ کا جھوٹ بول رہی ہو گی۔۔۔ اس کا امکان کم ہی تھا لیکن میں اس کے ناپا بپ کی وجہ سے مطمئن تھی۔ اس نے ضرور کوئی معقول کہانی تو بھڑی ہوگی۔ وہ ایک نچر کا روٹھا تھا اس عمر میں نے کئے داب آجالتے ہیں۔ زندگی گزارنے کا ایک سلیقہ آجاتا ہے۔

جب میں جان محمد کے گھر پہنچی تو رات کی تاریکی کھیتوں میں قدم رکھ رہی تھی۔ جان محمد بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ چھوٹے بھولا۔

”آپ نے تو بڑی دیر کر دی میرا صاب!“

”ہاں جان محمد! میں نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔ ان دونوں کہیں نے اپنے جس وقت کا پتہ بتایا تھا اسے ڈھونڈنے میں بڑا وقت لگا اور پھر معلوم ہوا کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔“

”داؤد! تو ان دونوں نے دھوکہ دیا؟“ جان محمد غصیل آواز میں لہلہ۔

”ہاں جان محمد! اب میں ہمت نہ کھنک گئی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آج کی رات میں گزاروں۔۔۔ مجھے اس امکان پر بخیر کوئی پڑے گا کہ ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دوں؟“

”یہ تو آپ کو پہلے ہی کرنا چاہیے تھا میرا صاب!“

”جان محمد! میں سونا چاہتی ہوں۔ بہت تھک گئی ہوں۔“

”جو کہ آپ نے واپس آنے کے لئے کہا تھا اس لئے آپ بستر تیار کر دیا گیا ہے۔ مگر اگر تم کھانا بھی تیار کر لیتے مجھے اب اجازت دیجئے صبح صاب۔۔۔ مجھے واپس جو گزارنا چاہا ہے۔ یہ کار میری نہیں ہے صبح صاب۔۔۔ اگر یہ وقت پڑے مالک کے پاس نہ جاتی تو وہ پریشان ہو کر پولیس میں رپورٹ کر دے گا۔“

”اگر ایسی بات ہے تو تم ضرور جاؤ لیکن واپس تو آؤ گے؟“

”مجھے جو گزارنا اس دیکھ کام ہیں۔ وہ کہہ کرے گا جاؤں گا“

”تھک ہے۔“

جان محمد مجھے مکان کے اس کمرے میں لے گیا جہاں میرے لیے بستر لگا گیا تھا۔ میرا اس نئی چھتیا سڑک کا ڈھنگ کا کمرہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ زبیری بھی چلی آئی۔ وہ زبیری جس کو میں نے مرتبہ مکان کے دروازے پر کڑھایا تھا تو اس کی جوانی کے شیشا لپک اپنے دل ایک محسوس کی تھی۔

جان محمد صغیر کو ہدایت کرنے لگا کہ وہ ہر طرح میں خیال نہ کرے چہ وہ جلنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ واپس کیسے گا، گاڑی تو اس کے پاس ہوگی نہیں!

”میں اس سے آؤں گا میرا صاب!“ اس نے جواب دیا۔

”اور سڑک سے مہاں تک۔“

”پیدل۔“ جان محمد نے ہنس کر کہا۔ ہم لوگ شہر میں جیہاں اسیلوں تک پیدل چلیں گے تو اس طرح جیسے آپ باغوں میں گھومتے ہیں۔“

صغیر اپنے چپ کس چپ پر ہنسنے لگی لیکن زبیری صوف دی سال کے انداز میں ایک کھڑکھا ڈھنگ سے وہ کوئی دیہاتی نہیں معلوم ہوئی تھی۔

جان محمد کے جانے کے بعد صغیر نے مجھ سے کھانے کیلئے ”نہیں صغیر!“ میں نے جواب دیا۔ ابھی بھوک نہیں ہے جب بھوک لگے گی تو کھیں پکاروں گی۔“

”تو صغیر تم جیسے بی بی صاب!“

صغیر کے منہ سے ”بی بی صاب“ بہت اچھا لگا اور میں ”جاؤ!“

وہ دونوں دروازے کی طرف مڑ گئیں میری نظریں زبیری کے کمرے ہال پر پھرنے لگیں۔ اس کے کمرے بڑے متناسب تھے۔

میرے دل میں گدگد سی کر کے چلی گئی۔ میں نے ایک ٹھنڈی ساٹھ کر خود کو بستر پر گر دیا۔ میں واقعی بہت تھک گئی تھی مگر سوئے گا کہ راحت ہی ہوگی۔ مجھے چار بجے سے پہلے لاہور پہنچنا تھا۔ اگر تو یہاں ہی تھا کہ بوقت آگے کھول جلے۔

میرا ستر اس کمرے میں لگا ہوا تھا جس سے متصل کمرے

”درویش قید تھے۔ اس کمرے کا دروازہ بھی اسی کمرے کی نظریں اس کے کھل پر پڑیں تو میں ان دونوں کے بارے میں۔۔۔ وہ دونوں اس کمرے میں اس طرح بندھے پڑے تھے کہ حرکت کرنا بھی محال تھا۔ کمرہ میں پڑا تھا کھانا جو کھانے کی وجہ سے نہیں کھاتے تھے۔ لیکن وہ اس طرح پڑے پڑے ادھڑک رہے تھے لیکن مجھے اس کی پروا نہ تھی۔ مجھے ان سے کہہ کر وہی نہیں تھی۔ اگر وہ مڑی جلتے تو مجھے کوئی خسوس نہیں چاہی۔“

میں چراغ جل رہا تھا اور اس کی کمانچی ہوئی تو دونوں سامنے باری تھی میری نظریں اس کمانچی ہوئی نو پر فریغ کے بارے میں سوچنے لگی جس کو میں ہر قیمت پر بہت دلانا چاہتی تھی۔

”لاٹا نے مڑ لیا تو اس کی ہنسی میں کھنک کھنک کی آواز آئی کہ اس نے مڑ لیا کہ وہ کس سے مڑے رہا ہے۔ ابھی اس نے نہیں کہا تھا ہے یہ کھنک ہے کمرے سے صاف میں دروازے اظہار کی کے ذیل انداز ہونے سے وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے گا جو کہ میرا تعلق پاکستان کی انٹیلی جنس یا ایسی قسم کے کسی ایسی کی یہ غلط فہمی دفع ہی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن فریغ نے اپنی شخصیت کو اس پر آشکارا نہیں ہونے دیتی۔ اسی کی آواز کی کہ میں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو ابھی ان اور اپنی ذاتی طاقت استعمال کی تھی لیکن جب میں ان کے ہاتھوں کو میدان میں لائی تو یہی آواز آئی کہ وہ ان کی گرفتار آگے سے اپنی کمری واپس لے کر باوجود جی اسے ہاتھ میں لے کر لڑنا پڑتا۔

”الال تو فریغ کی ذات میرے لیے ایک مشعل ہی ہوئی تھی۔“

”کار کا مسئلہ کیا تھا میں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک بستر پر جھکتی رہی اور پھر اندھ کر کمرے کی اس کھڑکی میں جا کھڑی ہو کر کھیتوں کی طرف نکلتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھوکے سے کھلنے لگے میری نظریں جانک کی طرف اٹھ گئیں اور کھڑکی کی روشنی کو اپنی آنکھوں کے راستے سے اپنی دل کر رہی۔ جب میری آنکھیں کھلنے لگیں تو میں پھر

”ات کا سکوت ٹھنڈے ٹھنڈے ٹھنڈے ٹھنڈے ٹھنڈے ٹھنڈے۔“

”وہ اپنے بڑی ہوئی بیٹھیں بائبل کے ڈگرانے کی لہجہ سے فضا میں بھرتی ہو جاتی تھی لیکن شاید اس کی لہجہ میں گہم بھی تھیں۔“

”وہ میں دھل ہوئی تو میں نے اپنے خیالات سے ہونکی۔“

”بی بی صاب! کتنا لاؤں۔۔۔ صغیر نے ہنچا۔“

”نہیں بی بی! ابھی بھوک نہیں ہے۔ میں نے ہنس کر کہا۔“

صغیر سڑا کر چلی گئی۔

میرے خیالات کی زبردستی سے جا کھلائی اور اس دیہاتی لڑکی کے گٹھے بوند کا تصور میرے غصے جذبات کو اس طرح چھوڑنے لگا جیسے کوئی آہستہ آہستہ غصہ سے ان تاروں کو کھینچتا ہے جو بہت دیر سے تار ہلا پھر کھڑکی پر دیر ہوئی تھی مجھے غصا ہی نہیں کا کڑم بکھڑا محسوس ہوا۔

میں نے ہونک کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ آواز نہ رہی تھی۔ میں جلدی سے اندھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ میں نے صغیر اور زبیری کو دیکھا تو مجھے توں میں کئی تھیں اور ایک دوسری سے پہلیں کر رہی تھیں۔ چاند باریک ایک دھاب سے چمک رہا تھا اس کی کرنیں کھیتوں میں دوپہلی حیرت بخار رہی تھیں۔ سب کچھ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ زبیری اس وقت بھی سبز رنگی لاپا باندھے ہوئے تھی اور اس کی قمیص ایسی ہی تھی کہ اس کی ہوائی لنگی دھانی کا احساس ہو رہا تھا۔

”کدو کدو کدو۔۔۔“ وہ دونوں ایک دوسری کو چھو رہی ہوئی ایک دوسری کے پیچھے بھاگتی رہیں اور پھر انھوں نے کھیتوں میں جھنگڑانا چنا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر بٹھکی تاکہ ان دونوں میں سے کسی کی نظر مجھ پر پڑ سکے۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتی تو یقیناً قص بند کر دیتیں۔

چاندنی میں دونوں انہوں کی مٹی اٹھتی رہی۔ بقول شاعر، اصفہا شاعری کو کہے تھے اور میری نظریں صوف زبیری کی شاعری کو پھر کر رہی تھیں۔ زبیری کے اصفہا اس شاعری سے خوب واقف معلوم ہوتے تھے۔

”ایک ایسی شاعری تھی جو جذبات میں جھلک جاتی ہے۔ جو زبیری بھی بخود بڑی جا رہی تھی۔ مگر شاعر ہوئی جا رہی تھی۔ ابھی اس کا لاجا سکر جاتا تھا تو میری نگاہیں اس کی گوری گوری ساق میں کوہم لیتی تھیں۔ اس وقت مجھے ایک ٹپ کے لیے یوں لگا تھا جیسے کوئی دل میں گدگد کر رہا ہو۔“

”خیتوں کی رات کے ساتھ کھلیا محسوس ہونے لگا جیسے میرا وجود بھی جھٹکا جلا جا رہا ہو۔ جذبات کی اس بڑی شدت سے گزرنے لگی تھی میری نظریں، جھنگڑانا چھتی ہوئی زبیری کے گرد گھومتی رہیں، میری خواہشات کے ساتھ زبیری کے بدن پر پھرتے بھونے اور میری نگاہوں کا پیالہ اس کی ہوائی پر نثار ہوتا رہا۔

”جب جذبات برا بھلا ہو جائیں تو بعض اوقات سوچنے کا انداز بڑا عجیب ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں نے سوچا کہ کاش میں چاندنی کی ان کھیتوں میں بھر جاتی جہاں زبیری ناچ رہی تھی، جہاں زبیری کے گونے گونے پاؤں ڈھٹ ہو رہے تھے۔ وہ جی کتنی خوش قسمت تھی جسے ان سدا دل بیروں کا کس حاصل ہو رہا تھا۔

”زندگی میں پہلی مرتبہ کسی گاؤں کی ایک انگوٹھیانے میرے دل کو برمایا تھا۔ اس کے دینے شباب کا سرافرازی نے ایک مڑاب کی طرف تیز

”میں بحث کرنے کو ڈرتا ہوں۔ میں نے بڑا کہا۔
 - رضوان ساجد اچھی ہوئی نظر دلوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 ”واقعی، تم بحث میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہو رضوان؟“
 زہری بول پڑا، ”میں جلد از جلد واپس پہنچنا ہے۔“
 تو زہری صحت پر کرا کر مڑے گا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ رضوان ساجد نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے
 شلے جھلے ”تو بھر اٹھا جائے ان دونوں کو؟“
 ”بالکل۔“ زہری نے کہا۔

اس دوران میں مجھے کمرے کے باہر سے تھم مگر گوشیاں
 سنائی دیتی رہی تھیں۔ غالباً زہیدہ، صفرا اور جان محمد کا برا کھائی
 اس صورت حال پر غصہ کر رہے تھے۔ سناہوں نے چھپ کر ہماری
 باتیں سننے کی کوشش کی ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ باتیں سن رہی ہوں گی
 لیکن مجھے اطمینان تھا کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکتے ہوں گے۔ ہماری تمام گفتگو
 انگریزی کی ہی ہوتی رہی تھی۔

رضوان اور زہری نے دونوں قیدیوں کو اٹھا کر اپنے اپنے
 کمرے میں بٹالیا تو میں دروازے کی طرف ٹوٹ گئی۔ میرے پیچھے
 وہ دونوں بھی جا رہے تھے۔ جب ہم سمن سے گزر رہے تھے تو صفرا اور
 زہیدہ بھی گلاس کے پو دوں کی آڑ میں کھڑی ہوئی ہماری طرف
 دیکھ رہی تھیں۔ میں نے غصوں سے لکڑی رضوان نے بھی ان دونوں
 کو دیکھ لیا تھا۔ میرے اس شبہ کی تصدیق اس وقت ہوئی جب
 قیدیوں کو کاز میں ڈالنے کے بعد رضوان سکرٹا ہوا میری طرف متوجہ
 ہوا اور باتیں آنکھ دبا کر بولا۔

”گوا۔۔۔۔۔ چپڑی اور دو در۔۔۔۔۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ آپ
 آج کی رات یہاں کیوں گزارنا چاہتی ہیں؟“
 رضوان نے میری دھمکی ہوئی رنگ پرانگی رکھ دی تھی
 لیکن میں نے اپنی تلاوٹ کو جبر سے نہیں ظاہر ہونے دیا۔
 ”میں چار بجے سے پہلے تھم سے پاس پہنچ جاؤں گی۔“ میں نے
 اس سے کہا۔ لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ لوگ کہاں
 ”اپنے نئے مکان پر، رضوان نے مسکرا کر کہا۔

”اس کی پہچان کیسے ہے؟“
 ”سفید رنگ کا دروازہ ہے، رضوان نے جواب دیا۔ پورے
 کرشن عمارت میں تو کیا، پورے لاہور میں کوئی اور ایسا مکان نہیں ملنا
 جائے جس کا دروازہ سفید ہو۔ اگر کم میں نے اپنی زندگی میں
 پہلے کبھی سفید دروازہ نہیں دیکھا۔“
 ”خیر ایسا بھی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو سفید چیزوں سے
 خبط کی حد تک رگڑ ہوتا ہے۔“
 زہری نے ڈرامائیگ سیٹ سنبھال کر انہیں اسٹارٹ
 کر دیا تھا۔

”آؤ سمجھیں!“ اس نے رضوان کو پکارا۔
 ”اچھا۔۔۔۔۔ میں نے ایک قدم بھیجے تھے ہو
 انداز میں ہاتھ دیا۔
 ”وقت پر پہنچ جانا۔“ رضوان نے کار کا دروازہ
 بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”نہیں ہے کہ میں خودی طور پر کچھ کر
 مل جائے۔“
 ”میں زیادہ سے زیادہ چار بجے میں ایک منٹ پر
 پاس ہوں گا۔“

”میں دعا گو ہوں کہ آپ کی رات خوشگوار گزرے۔“
 کاز میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے، باتیں آنکھ دھا
 میں ایک بار بچھڑا گئی۔ دراصل مجھے غصہ
 تھا کہ رضوان زہری کے سامنے اس قسم کی باتیں کہ
 زہری نے گاڑی کو روک دیا۔ اس میں ڈال کر
 اور پھر اتنی تیزی سے واپس کے راستے پر موڑا کہ وہ
 طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر اس تیزی سے پیچھے نہ ہوتی
 سے اٹ جاتی۔

کار تیزی سے دور ہوئی چلی گئی اور میری
 سرخ شیل لاسٹ پر رہی کہیں جب وہ سرخ نقطہ
 اندھیرے میں گم ہو گئے تو میں مکان کی طرف مڑ
 جان محمد کے بھائی کو دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔
 کچھ پریشان معلوم ہو رہا تھا۔ جب میں اس کے قریب
 تو وہ بچھڑائی ہوئی آوازیں بولا۔

”میں صاحبہ جی۔۔۔۔۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں
 ”کیسی گڑبڑ؟“ میں نے اسے تسلی دینے کے
 سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دینا چاہا تو وہ جھجک
 گیا۔ میں بھل کر سو کر رہ گئی۔ مجھے اس بات کا خیال
 یہ ایک سادہ لوح دیہاتی ہے جس کے لیے کسی غیر
 کالسن گناہ سے کم درجہ نہیں رکھتا۔

”میں صاحبہ جی! ہم بہت گریب لوگ ہیں
 جھجکے میں بڑھ کر ہماری سامت نہ آجائے۔“
 ”اس کی طرف سے اطمینان رکھو۔ تمہارا کپڑا
 میں نے نرم پیچھے میں کہا۔ اس بات کا خیال
 ان باتوں کا اندازہ نہ آئے پائے۔“
 ”میری زبان تو مرنے دم تک نہیں کھلے
 ”تو بچھڑا میرے لیے خطرے کی گھنٹی کوئی
 میں نے ہنس کر کہا، ”بھول۔“ نہیں اس بات پر
 ہے کہ میں آج کی رات تمہارے گھر پر گزارنا چاہتا
 ”نہیں میں صاحب! آپ شوق سے رہیں۔“

در اصل میں جان محمد کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ وہ
 ہانے سے پہلے آجائے تو اچھا ہے۔“
 اس کا کوئی پھر دوسرے نہیں ہے میں صاحبہ!
 ”میں اس کا انتظار تو کر دوں گی۔“ یہ کہتی ہوئی میں مکان
 ال ہوئی اور اس کمرے کا رخ کیا جہاں میرے بے سترنگا ہوا
 میں رات بھر وہاں گزارنے پر کوئی ٹھہر تھی، رضوان نے
 اس کے اندازہ لگایا تھا لیکن ”چپڑی اور دو در“ والی بات
 مجھے مغلطہ نہیں، صرف زہیدہ نے سنا کر کیا تھا۔ مجھے
 رات بھر جانی میں، گوری مڑا جی کی کسی سونڈھی سونڈھی
 دس ہوئی تھی۔ اسے دھن کرتے دیکھ کر تو میرا دل در
 تھا۔ وہ گورے گورے پیر، چلتی ہوئی پنڈریاں، وہ بل
 ”کرا۔“

لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ آج کی رات
 نہیں کی پکارا سنے گی۔ بس ایک امید ہو جو ہم پر
 ”میں سمجھتی۔“
 صفرا نے کمرے میں آکر مجھ سے ایک بار کھانے کے لیے

پوچھا۔ ”اب اس بات تم جا کر سو جاؤ!“ میں نے اس سے کہا
 ”اب کھا کھا آتی در سے کھانا تھا کہ اب رات کی ضرورت
 ہی نہیں آئے گی۔“
 ”میں اس طرح شرمائی ہوئی آئی تھی، اس طرح شرمائی ہوئی
 میں بستر پر لیٹ کر زہیدہ کے تصور میں ڈوب گئی۔ میں
 ”میں سمجھتی کہ اگرچہ اس صورت ہو تو شکاری اسے اپنے
 ”میں نے اسے کس قدر بے چین ہو جانا ہے۔

میں نے جان محمد کے بھائی سے تو پوچھا تھا کہ میں جان محمد
 اول لیکن شہادت کی چوکھٹ پر میری عداوت تھی کہ جان محمد
 ”میں نے کوئی ایسی آہٹ نہیں ہوئی چاہئے تھی کہ بڑیا
 ”میں نے اسے۔ جان محمد کا بھائی تو باہر مرن میں سو رہا تھا
 ”میں کوں میں صرف شکاری اور جڑیاں تھیں۔

”میں اور زہری کی آمد سے میرے جذبات کی توجہ جانی
 ”میں لیکن اب جبکہ وہ جا چکے تھے، وہ دباؤ بھی ختم
 ”میں بھان، او میری شہادت کی بھڑک کر آئی تھی۔ یہ میری
 ”میں اگر جذبات میں طغیانی آجائے تو بھروسہ حاصل ہوگی
 ”میں نے غیبت نہیں بنی۔ درمیانی وقفہ طویل ہوا۔
 ”میں نے غیبت کی گڑبڑ سننے لگی ہے اور میں عام نے کی
 ”میں نے اسے لگتی ہوں لیکن یہاں مجھے تیار تو فرموشی کے
 ”میں نے۔ زہیدہ، صرف زہیدہ ہی میرے جذبات

کی دشت کو سکون آفرین کر سکتی تھی۔
 میں بستر پر لیٹے لیٹے وقت گزارتی رہی حال کی ڈوری کھینچنے سے
 پہلے میں اس بات کا یقین کر لیتا تھا جتنی بھی کہ جان محمد کا بھائی تو پکا ہے۔
 اس کے بعد مجھے اپنا کام کچھ ایسا زیادہ مشکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ زہیدہ
 مجھے جس انداز میں جانتی تھی اس پر پھیل کر لی نظر آتی تھی اس سے
 مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ انجانی خاتونیں اس کے جسم میں اندری لڑوٹ
 ٹوٹ کر کھڑی ہیں اور وہ لا شعوری طور پر ایک ایسے ساتھی کی تلاش
 ہے جو ان بچھڑی ہوئی خواہشوں کو پوری کرے۔ دھندلے جالوں میں رنگ
 بھر کے سکتے ہوئے رنگ بولتے ہوئے رنگ!

ایک گھنٹہ میں نے اس طرح گزارا کہ اپنی ہی باتوں سے اپنے
 مینلے شباب کی کارفرمائی سے کھینچتی رہی اور میرے جذباتوں میں آگ
 بھری ہوئی تھی۔ ایک گھنٹہ بعد میں اپنے بستر سے اٹھی اور بے وقوفی اس
 دروازے کی طرف بڑھی جو مجھے ان دونوں کے کمرے میں لے جاتا تھا۔
 ہی دل میں دعا کرتی تھی کہ صفرا نہیں سو رہی ہو۔
 دروازے پر پڑی ہوئی تھیں تو بٹالیا کر بے میں نے دوسرے کمرے
 میں قدم رکھا تو مجھے اپنے اعصاب پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔

کمرے میں دو چار بیٹیاں تھیں کرائی میں سے ایک اس دشت
 خالی تھی۔ دوسری چار بیٹیاں پر زہدی کے گھر پر آئے تھیں لیکن ایک دوسرے
 چادر کیے تھے۔ ”اگر میں جاتی ہوں لیکن بہت مدھم کر دیتی تھی
 اور اس کی دھندلاہٹ میں سحر چادر کے جھلنے دیوار پر رہے
 تھے، ان کو دیکھ کر مجھے غصت چھائی کا افسانہ۔“ ”خات“ ”یا“ ”کی۔“
 چادر چھوٹنے کے لیے تو میں دروازے پر ٹھکری رہی تھی لیکن
 پھر میرے قدم تیزی سے اٹھے۔ میں نے کچھ ہی سیکنڈوں میں آہٹ بالکل
 نہیں ہوئی۔ میں چار بیٹیاں کے نزدیک پہنچ گئی لیکن چادر کی حرکت میں
 کوئی وقفہ نہ آیا۔ جہاں زہدی کے کمرے میں اسرار مختلف ہو رہے ہوں وہاں خود
 فراووشی کا آخری درجہ ہو چکی بات تھی۔

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ چادر کے نیچے
 صفرا اور زہیدہ موجود تھیں۔ ایک بل کے لیے تو میرے ہی میں آیا کہ چادر
 کا کوئی ٹکڑا رکھ لیں لیکن بچھڑا خیال آیا کہ میں وہ دشت سے چنچ
 نہ پڑیں۔

”صفرا!“ میں نے تھم سمی آوازیں پکارا۔
 ”نہت ہی مدھم آواز تھی کراؤں دونوں کو شاید ہم کا دھماکا
 محسوس ہوا۔ چادر اس طرح میٹھی طرح لگی جیسے غبارے میں سے ہوا اعلیٰ
 گئی ہو۔ میں چار بیٹیاں کے بالکل نزدیک تھی اس لیے ہماری تنفس مجھے پھیر
 کیا نیاں مل گئی۔ اب میں نے کسی بھی کام کے بغیر چادر کا ایک کونہ پکڑ لیا اور
 ایک جھٹکے سے سب کچھ بے نقاب کر دیا۔
 صفرا اور زہیدہ نے بے اختیار ایک لمبی سانس کھینچی اور پھر جڑیاں

کی سانسیں جیسے اندر پھینچ رہی ہیں کہیں ایک کرہ نکلیں۔ دم نہ بخورد
ہر اسان نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں لیکن میری نگاہوں کا مرکز
ان کے چہرے نہیں تھے۔ سامنے رنگ سے مل کر گورا رنگ کچھ دور کی بات
ٹھہرا رہا تھا۔

میں نے سر اٹھا کر کہا "ڈرگٹیں!" میری آواز میں لرزش تھی۔
میری مگر مارٹ دیکھ کر ان کے پیچھے چلنے لگی ان کی مقتدر سانسوں
کو آواز دیا اور پھر ان دونوں ہی کے ہاتھ ادا دھڑکھڑے ہوئے لاجوں
اور نیتوں کی طرف گئے تھے لیکن میں نے ایک دقت دونوں بائیں کو
پکڑ لیا۔ دونوں کی نظریں میرے چہرے کی طرف اٹھیں اور مجھے بدتر سہارا
دیکھ کر ان کے چہروں سے خوف و ہراس زائل ہونے لگا۔ اب اس کیفیت کی
جگہ شرم نے لے لی۔ زبیدہ کا چہرہ سرخ اور سرخ ہوتا چلا گیا۔

نیسے سان و رکمان میں بھی نہیں تھا کہ جڑیاں اس حد تک بے قابو
ہو چکی ہیں لیکن بہر حال یہ بات میرے حق میں بہتر ہی ثابت ہو گئی تھی۔
چار باقی اتنی کشادہ تھی کہ اس نے ایک اور دو جو کو بھی قبول کر لیا۔
میں نے ان دونوں کے بیچ میں جگہ بنا لی تھی۔ ان دونوں کے میرے
بازوؤں پر رکھے اور میرے ہاتھ ۹.... ۱۰.... ہندوؤں کا گلداز میری
دسترس میں تھا۔ جہاں سے آگ سارے جسم میں پھیلتی ہے میں نے ناسی
مقام کو دھن بنایا تھا۔ ابتدائی توہن ہوئی کہ وہ دونوں بیچ جسم میں
چڑھنے کی طرح میرے بازوؤں میں تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ بندھ گیا
مجھ کے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پچھلے اور بل کھانے کا سال بندھ گیا۔
مضبوطیت نے رنگ بگڑا اختیار کرنا شروع کیا۔ وہ مجھے یوں پرست
ہو رہی کہ خود کو ہر کی ہر کی کی لپیٹ میں محسوس کرنے لگی۔ رست و نذاہ
کی حرکتیں جوں خیز ہوئی جلی گئیں کبھی بے سب ملنے اور کبھی مینائے
شباب سے جھلکتی ہوئی سے لٹکتی کا انداز لگتی تین زائین اڑاؤ کے
معنی تلاش کر رہی تھیں صفوں ان معاملات میں زبیدہ سے زیادہ تجربہ کار
تھی۔ اس کے تجربات نے مجھے اتنا ہلکا کر دیا کہ میں بے خبر ڈانے کی منزل
میں آ گئی۔ اس کی زبان اور لب میرے بدن کے ایک ایک درجہ میں
سائی کر رہے تھے۔ اس نے اس گڑھے تک رسائی حاصل کی جس کے
مٹکوس ساخون میں خون بھی شرب معلوم ہونے لگتا ہے۔ میں کی باری
تربط لگئی۔ مجھے اپنے پیسے وجود میں ایک زائناٹا محسوس ہوا اور دیکھ کر
جیسے آدمی کا لڑوٹا ہے اسی طرح میں بھی نہ تھا ہوں گئی۔ زبیدہ کی
تلاطم آتشانی کی تپتا تپتا ہے پہلے ہی اسودہ ہو چکی تھی لیکن صفرا نے اپنی
منزل پانے میں مجھے بھی گر دیا۔

گھائیوں اور اوڑھنیوں دھتوں اور لپٹیوں سے گزر کر جب یہ تین
نفری تا فلذ اپنی منزل پر پہنچا تو رات کو اپنے لطف پہرے گئے وہ گھٹتے
ہو چکے تھے۔
گو کہ صرف صفویاں پھر گھٹا گھٹا کی طرح برسی تھی لیکن پیار
مجھے زبیدہ ہی پر ہوا تھا۔ میں نے صفرا سے کہا کہ اب مجھے جھوک لگے تھی

ہے جب وہ باورچی خانے میں چلی گئی تو میں نے زبیدہ کو ایک
کیا اور گھر کی بی بی بولی۔
"بی بی گڑا! تم مجھے کافی دن تک یاد رہو گی!"
زبیدہ نے شرم کر کے بازوؤں میں مڑچھ لیا۔
"میں نے تمہیں دھت کر کے ہونے دیکھا تھا اور اسی
فدا ہو گئی تھی" میں نے نہیں کر کہا "لا چاہا ہٹنے دھت کر لی
بہت خوبصورت ہوئی ہے!"

مہیم صاحب جی "زبیدہ بھری ہوئی آواز میں
پہنچ آپ کو بہت اچھی لگی ہوں؟"
میں نے سوال اس نے کچھ اتنے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا کہ اس
سکتی رہی تھی۔
"دو جواب دیجئے مہیم صاحب جی! زبیدہ کی آنکھوں
نہی آ گئی۔
"ہاں مہیم صاحب کی ماں! تم مجھے پیاری لگی ہو گی"
اسے اپنے سینے سے پیچھ لیا لیکن تم اتنی سنجیدہ کیوں ہو گئی
"میں بہت ڈر گئی ہوں مہیم صاحب جی! مجھے اپنے ساتھ
میں آپ کی خدمت کر دلی آپ کو مجھے کبھی کوئی شناخت
زبیدہ کے ہونٹ اس طرح لرز رہے تھے جیسے وہ دوڑنے والی
تھیں کیا دیکھ ہے؟ اب تمہیں صفرا کا یہاں رہنا پسند نہیں آتا ہے
پاس والیں چلی جاؤ!"

"بس... وہیں تو نہیں جانا چاہتی!"
"کیوں؟"
دروازے پر صفرا کے قدموں کی آہٹ ہوئی تو زبیدہ
لہجے میں مدلی سے کہا "صفرا کے سامنے کوئی بات نہ کہنے کا
صفرا اتالی میں کھانا لے کر سے میں داخل ہوئی تو
سکر کر کہا "تکڑے صفرا! آج رات میں نے تمہیں بہت تکلیف
"نہیں تو مہیم صاحب! کھانا آپ سے کیا تکلیف ہو گی!
"تم مجھے ٹھیک ہی کر رہی ہو" میں نے ہنس کر کہا
جگہ کوئی مرد ہو تو نہیں ضرور تکلیف ہوئی ہر مرد بڑے پیڑھے
اگر رات کو جاگ لیں تو درد و بار کھانا ڈکھو گئے ہیں!"
سوزانہ کھانے کی تھالی میرے سامنے رکھ دی۔ ہونٹوں
روٹیوں کے ساتھ کسی قسم کا ساگ تھا۔
"آؤ! تم دونوں بھی کھاؤ نا!" میں نے صفرا اور زبیدہ
پر کمر کھینے اور ان کے لاکھ انکار کے باوجود وہی انہیں کھانے
مشرک کر لیا۔
کرے میں صفرا کے آتے ہی زبیدہ نے اپنی درگروں حالت

میں میرے ذہن میں ایک غلط پہلو ہو گئی تھی۔ آخر زبیدہ
راہیں اس کیوں نہیں جاتی؟ کیا ایک بی بی کو اپنے باپ
کی نگاہ ہو سکتا ہے؟... اگر اسے اس کا بی بی تھا تو
میں نے اس پر اس سے زیادہ درد ناک بی بی نہیں

دل میں دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن طور پر زبیدہ کی
کیونکہ معلوم تھا کہ وہ بھی مقدم تھا کہ اسے اپنے باپ کے گھر
اور وہ فراہم حاصل کرنا چاہتی ہے؟
میں نے اس کے سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے محذور تھی
اب زیادہ دقت نہیں رہا تھا۔ دھاتی بیج چلے گئے اور
میں یہاں سے روانہ ہوا تھا۔
کہا کہ جب صفرا رات آٹھ بجے گئی تو میں نے زبیدہ
میں پندرہ منٹ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور
تم کوئی بات کرنا نہیں چاہتیں کیا یہ ممکن ہے کل تم
میں مل لو؟"
زبیدہ نے مینا بی سے پوچھا۔
"میں نہیں جانتی ہوں؟"
"اور میرا دیکھا ہوا ہے مہیم صاحب جی!"
میں وہ پہلو ٹھیک دو بجے دوبارہ کیٹ پرل جانا
کی گیت پر کس جگہ؟
میں گیت کے سامنے کیوں کی جو دو دن بے دہش گھڑی
میں اصل میں دقت پر گھڑی کے کچھ چاؤں کی؟
میں وہ آؤں کی مہیم صاحب جی! زبیدہ کی آنکھوں میں

ایک بھر اسے سینے سے لگا کر اس کے ہونٹ چوم لیے
میں گفٹ سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہو
راہیں آ گئی تھی۔
کہا اہا با تو اب تک کو تو رات سے نہیں لوٹا! "میں اس سے
کہ مجھے یہاں سے لا کر روانہ ہونا ہے۔ جان محمد گئے تو
وہ نے فوجی اسٹریٹجی کے جوان قیدیوں کو اپنے ساتھ لے
میں کچھ کل صبح ہی صبح وہاں حاضر رہی ہے۔
میں ہونے کو ابھی بہت دیر ہے" صفرا بولی۔
میں نے کہا کہ لاہور پہنچ کر نہانے دھونے اور کپڑے
میں تو کچھ دقت لگے گا" میں گھڑی ہو گئی۔ مجھے اب
میں کہ یہاں سے روانہ ہونا چاہیے۔
میں نے اسے اپنا سامان پیش کیا "تمہیں درمیں صفرا میرے
ال اور اپنے باپ کو بھی جگا دیا۔

خان جاوید اور حیدر بی بی کی سفید فانیٹ دستر مکان کے سامنے
موجود تھی اور مجھے لاہور جانے کے لیے اس کو کام میں لانا تھا۔ میں نے اپنا
مختصر سامان اس کی پچھلی نشست پر ڈال دیا اور رخصت ہوئے گئے
یہ ان تینوں کی طرف تھی۔

"تم لوگ بہت اچھے ہو" میں نے سکر کر کہا "تم لوگوں کو بھی
نہیں بھول سکتی۔ اگر موقع ملا تو میں پھر کبھی تم لوگوں سے ملنے ضرور
آؤں گی۔ جاں محمد سے میرا سلام کہ دینا۔
میں نے باری باری سے زبیدہ اور صفرا کو اپنے سینے سے لگا دیا
ان کی پیشانی چومی۔ میرے اس اہل بیت سے جاں محمد کا بھائی بہت
ساتر ہوا اور اس کی آنکھوں میں اس طرح آئینہ گئے جیسے کوئی اپنے
عزیز کو رخصت کر رہا ہو۔

میں نے گاڑیں بھٹ کر انجن اسٹارٹ کیا گاڑی گڑ گڑی دالی
اور الوداعی اغلاز میں ہاتھ دلاتے ہوئے پچھلے پراپے پیر کا باؤڈ کر گئی
چلی گئی۔ گاڑی کے پیٹیل نے بہت آہستگی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
رفتار میں تدریج اضافہ ہوا اور میں عقب نما آئینے میں ان تینوں
کی طرف دیکھنے لگی جو اذہر کے درجے سے زیادہ دیر تک نظر آئے۔
کچھ دیر پہلے اپنی رفتار گھٹا کر رکھا پڑی تھی لیکن بی بی روڈ
پر پہنچ کر میں نے ایکسرٹ سے اس طرح ٹھیک شرف کر دیا جیسے وہ کوئی
کھلنا ہو گا گاڑی بولے باتیں کر لگی تیز رفتار ڈرائیونگ کا شوق مجھے
خط کی حد تک ہے۔ ایک ماہ میں کم از کم ایک مالان ٹولاز میجھے!
آج میں ایک بی بی کے لیے بھی نہیں سوئی تھی لیکن دقت کچھ ایسے
خوشگوار انداز میں گزرا تھا کہ میں ذرا بھی کھلتی نہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔
رضوان بی بی کا یہ قول کہ میں ہوا تھا کہ چڑی اور دو دولہے میری
زندگی کا پہلا تجربہ تھا گویا فراوانی میسر آ گئی تھی۔

لیکن اس تجربے کے حصے میں ایک انجمن بھی مقدر بنی تھی۔ زبیدہ
کا ساملا فراوانی گرا میرے بسے باہر تھا۔ ایسی پیاری پیاری
لوگیوں کو میں کبھی قیامت پر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اب ڈر صرف یہ تھا
کہ فرخ کے معاملے میں میری ٹانگ اس طرح اٹھ جائے کہ میں دقت پر
زبیدہ سے ملنے کے لیے دوبارہ گٹ پیسج ہی نہ سکوں!
جی ٹی روڈ کے دو ال دو ال ٹریفک میں سفید فانیٹ کسی
تیر کی طرح سنسنائی مچا رہی تھی۔ سبز یوں کے جھکڑے سڑک
کے کنارے چل رہے تھے۔ تا کو فانیٹوں اور سامان بردار ٹرکوں کی
سنگین شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ کبھی کبھی میں سفید فانیٹ کو
جی ٹی روڈ پر تہنا بھی پائی۔ یعنی قرب و جوار میں تو کیا دور در تک
کوئی بس ٹرک یا چھٹا نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر ایک
تیز رفتار کار فانیٹ کے پیلوں میں آگئی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے
وہ مجھ سے آگے نکل جانا چاہتی ہو لیکن جب میں نے ڈرامہ

گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑنے لگی کوشش کرنے لگے کیونکہ اس کا رنگ ایک کھڑکی سے دیوار میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

”کھاڑی روک دو دروازہ تمھاری کھاڑی میں سوراخ ہو جائیگا۔“

دیوار والے نے خنجر کر لیا۔
”بے اختیار میرا یہ ایکسپرٹ سے ہٹ کر بیک پر بھی گیا۔
فیاض کی رفتار تیزی سے کم ہوئی اور اتنی جتنی تیزی سے اس نے نیکی کار کی رفتار میں بھی کمی لگئی جس میں آدی سوار تھے۔
بلواس اس کا کارڈرائیو بہت چالاک اور ڈرائیو نگ میں ماہر تھا۔
اس نے میری یہ کوشش ناکام بنادی تھی کہ میں تیزی سے رنٹار کم کر کے دیوار کو دس سے نکل جاؤں۔“

جب فیاض کی کوئی تائیدی کار بھی پہلو میں نہ تھی اور وہ دیوار

مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔
میں دل ہی دل میں اس وقت کو کہنے لگی جب میں نے اپنے دوسرے سامان کے ساتھ اپنا پر بھی پھیلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔
اگر وہ میری گود میں ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ اس میں رکھا ہوا دیوار کسی طرح میرے کام آجائے۔

وہ تیزوں اپنی کار سے آخر تیزی سے فیاض کی طرف آئے۔
”نیچے اتراؤ!“ دیوار والے نے حکم دیا۔
”گرتے! اتم فیاض سنبھالو!“ دوسرے آدی نے اپنے

ساتھ ہی کہا۔
فیاض کی ڈرائیو نگ سیٹ کا دروازہ کھول دیا گیا تھا لیکن کھولنے والا وہ نہیں تھا جس نے دیوار کو سنبھال رکھا تھا۔ وہ

کچھ دیر رہا تھا۔
میں فیاض سے اتارنے پر مجبور ہو گئی لیکن اس عالم جہ میں بھی میں موقع کی تلاش میں تھی۔ اگر دیوار والا ایک بل کے لیے بھی غافل ہو جاتا تو میں فیاض ایک طوفان برقی کی طرح اڑتی تین آدمیوں کو تباہ دکھا دیتا میرے لیے کوئی ایسا خاص منہ نہیں ہے لیکن ایسے

کھیلوں میں آتش جھپٹا دیں کا عدم وجود بنیادی شرط ہے۔
دیوار میری کی طاقت نے مجھے فیاض سے نیکی کار کی پھیلی سیٹ پر منتقل کر دیا۔ دیوار والا بھی پھیلی سیٹ پر بیٹھا تھا لیکن بالکل دروازے سے لگ کر! مجھے دوسری طرف کے دروازے سے ملنا کر بیٹھا گیا تھا کہ درمیان میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہے۔ وہ لوگ

میری طرف سے کچھ غیر معمولی طور پر چونکے۔
اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا بس قریب آجائی کھیل ختم ہو گیا۔ نیکی کار مجھے گمراہ کر دیا ہو گئی۔ تیسرا آدمی فیاض لیے ہوئے پیچھے

کے سوا کوئی بھی خنجر اخذ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ محض اس فیاض سے میری شامت آتی تھی۔ یہ لوگ فیاض کی بیٹھانے کے لیے تھے۔
جاوید اور حیدر سیٹ کی پراسرار کشش نے ان کو گول کر پراشا ہو گیا اور ان دونوں ہی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے۔
کہ انہیں سفید فیاض نظر آگئی۔ ظاہر ہے کہ انہیں خان جاوید حیدر کی کار کا غیر معلوم ہی ہو گا لہذا وہ لوگ مجھے پیچھے رہنے دینا چاہتے تھے۔
”مہتابا نام صوبہ بالو ہے!“ دیوار والے نے مجھے

ہوئے پوچھا۔
”دہشت۔“ میں بلاوجہ جھوٹ بول گئی میرے ذہن میں خاص ایک نہیں تھی۔
دیوار والا مجھے گھورتا رہا۔ اس کے چہرے سے

ہو رہا تھا کہ اس نے میرے جواب پر یقین نہیں کیا ہے۔
”یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ ڈرائیو نگ کرنے والا دیوار“
”حیدر سیٹ اور خان جاوید کے غائب ہونے کے بعد اگر کوئی ان کی گاڑی میں نظر آئے تو وہ صحیح بالو کے علاوہ کوئی نہیں۔“
”سنو!“ دیوار والے نے مجھے گھورتے ہوئے سخت کہا۔
”ہم نے دوسرے ایک اپنے ہاتھوں کی تلاش میں اور آخر انزال کو ایک کر ڈالا ہے اور اب تم ہمارے ہاتھ لگی ہو۔
بنانے کی کوشش کر رہی ہو لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔
بنانا ہی پڑے گا کہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں۔“
”جوہتم میں۔“ میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
”تو مجھ بہت جلد تم بھی میں پہنچ جاؤ گی۔“

”یہ دم ختم ہیں!“ میں مستحضر انداز میں بولی۔
”کہ درمیان میں میلوں کا فاصلہ قائم کر رکھا ہے!“
”تم عورت نہیں چھلاو ہو۔“ دیوار والے نے
”ہم کو تمہارے بارے میں ساری تفصیلات بتائی جا چکی ہیں۔
ہیں تمہاری طرف سے ہوشیار تو رہنا ہی پڑے گا۔“

”بے خبری کی حد ہو گئی۔“ میں نے مضحکہ اڑاتے والے
میں کہہ کر خود مرد ہوا میں تمہارا عورت ذات۔“
”مجھے قطعی ہوش نہیں آئے گا۔“ وہ مزید بگاڑ کر بولا۔
”قرب طرزی کی معلوم ہوئی ہے۔“ میں اسے تازہ

تلی ہوئی تھی۔
”کچھ دیر بعد میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیل بتانے کی کوشش کروں گا۔“ اس نے دانت پیس کر کہا۔
”اپنے دماغ پر قابو رکھو!“ ڈرائیو نگ کرنے والے
”بڑا۔“ یہ جالاک عورت نہیں غصہ دلا کر تمہاری چان و چو بند کر توڑنا چاہتی ہے۔“

گہرے ہوں! دیوار والے نے مزید ہٹا کر کہا۔
”حققت یہ ہے کہ وہ بالکل نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس نے والے نے دخل اندازی نہ کی ہوتی تو شاید میں
میں کامیاب ہو جاتی۔ اب اس نے سنبھالا لینے کی
اور جلدی اپنے دماغ کو خنجر کرنے میں کامیاب بھی
کے کے تاثرات سے ہر آدمی کی دماغ کی کیفیت کا اندازہ
ہے چنانچہ میں نے بھی اس کے دماغ کی خنجر کو
پہنچنے ہوئے محسوس کر لیا۔

”مزید تیزی سے آؤی جا رہی تھی اور میرا ذہن بھی تیزی سے
ڈرائیو تھا میں کسی ایسی تدبیر پر چھبھی جا رہی تھی جس
میں ہٹ کر لیا جاسکے اور جس کی کامیابی بھی بڑی حد تک

مجھے اپنی پشت میں کوئی چیز گڑی ہوئی محسوس ہوئی۔
”شرط یہ ہے کہ اگر یہ بھی ملے گا اس کا احساس مجھے اب ہوا تھا۔
”اگر اسے الگ ہو کر پیچھے سرگھما گیا تو یہ جلا کر دروازے

الگ سے پیچھے رہو۔“ دیوار والا جیغ کر بولا۔
”اصل دروازے سے الگ ہونے کے باعث میرا دروازہ
میں لگے کہ وہ کیا تھا۔ یہ چیز اس کے لئے مخدوش ثابت
تھی۔ اس نے وہ خنجر ہٹا تھا۔ میں جلدی سے پھر دروازے
میں اس کی اس اخطائی حرکت پر غصہ بھی آیا تھا اور میں
لیکن مجھے اس کے خوف سے لطف اندوز ہونے کا لہذا
میں کوئی چالاک بھی میرے ذہن میں تدبیر کی ایک کرن

میں دربار مجھے میری سہولت سے اس کا جائزہ لینا تھا۔
”میں میرے سونے کی، مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا چلا گیا۔
میں ہٹ کر اس کے ذہن میں بھی دیر نہیں لگائی اور اپنی
میں تبدیل کر کے دروازے کے ہینڈل پر رہی کا دباؤ
میں انداز کے مطابق دباؤ اس طرف بڑھا تھا جس
میں لیکن میری اس حرکت میں اتنی تدبیر اور تباہی تھی کہ
میں نے ذہن میں شک و شبہ کی برچھائی بھی نہیں

میں۔
”میں حیدر سیٹ اور خان جاوید کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ
میں دیوار والا بھی اس موقع پر ٹوٹ آیا۔
”میں دھمکیاں دے رہی ہوں۔“ میں نے بڑے اطمینان سے
”حققت سے تو مجھ نہیں بھی دفن ہونا پڑے گا۔“
”میں کو ذہن کرنے والا کوئی مرد تو ہرگز نہیں ہو گا میں اسے
میں نہیں کر سکتی۔“

میں اتنی بے جا دیوار والے سے گفتگو کر رہی تھی کہ دیوار
والے کے چہرے پر بار بار جھٹکے کے تاثرات ابھرتے تھے لیکن اس نے
میری اس صفت کو تحسین کی نظروں سے نہیں دیکھا۔ اس کے بظاہر
وہ مستفاد اور شغل نظر آ رہا تھا۔

”دھمکیاں اس منزل کی بھی کو میں نے ہینڈل پر مزید دباؤ ڈالا
میں دیکھا تھا۔ میرے انداز کے مطابق اب بہت سی خفیت سے
راڈ کی گئی ہو گئی تھی۔ وہ کی پوری ہوتے ہی دروازہ ایک جھٹکے سے
کھل جاتا کیونکہ میرے ہر ہاتھ دباؤ اس پر بھی بڑھ رہا تھا۔
سفید فیاض بدستور پیچھے چلے جاتی تھی لیکن نہ جانے
کیوں اس نے درمیان فاصلہ بہت بڑھا دیا تھا۔ میں اس کی وجہ
سمجھنے سے قاصر تھی لیکن میں نے جو ایک خطر لاکھ لاکھ عمل مرتب کیا تھا
اس کے لیے یہ فاصلہ سودمند ثابت ہوتا۔

دیوار والا پوری طرح جھٹکا اور اس کی نظر ایک بل کے
لیے بھی میری طرف سے نہیں ہٹ رہی تھی مجھے اب اس بات کا
انتظار تھا کہ وہ ایک۔ میں جو پیچھے چلے جاتی تھی، وہ آگے نکل جائی۔
یہ مرحلہ آئے میں کوئی دس منٹ لگے اور پھر میں نے دھمکتے دل کے
ساتھ، ہینڈل پر اپنی ہٹ کا دباؤ مکمل کر دیا۔

”لاؤ تیز رفتاری سے آؤی چلی جا رہی تھی۔ اس حالت میں
شاید یہ کوئی شخص وہ قدم اٹھا یا تو میں نے اٹھا یا تھا۔ ہینڈل
پر دباؤ کی مکمل ہوتے ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اس کے
ساتھ ہی میرا ذہن بھی کار سے باہر نکل گیا اور ایک ذہنی دہی خنجر وہ
چینج میرے حلق سے نکل گئی۔ دیوار والے کو یہ محسوس ہوا ہو گا کہ
میں باہر جا کر رول گی کیونکہ اس کی نظر میں میرے اس پیر کی طرف نہیں
تھیں جس نے ان کی نشستوں کے پیچھے چھپنا دیا تھا۔ میری دہشت

چینج اس طے سے حقیقت کا رنگ ہو گئی تھی۔ دیوار والے نے یہ حتمی حقیقت
نکیر لاکھ تمام اور اپنے تئیں مجھے گرتے پھرنے کی کوشش کی دھم
مجھے انتظار ہی اس کو تھکا۔ ساری دوسری امی لے گئی تھی۔
دیوار والے نے ہٹا دیا یاں ہاتھ پڑا تھا پانچ میرے داینے ہاتھ نے اس کے
دیوار والے ہاتھ پھٹا مارا جس طرح ہٹل کا پیچھے کیے ہاتھ سے گشت
کی بولی چھین لیتے۔ وہی طرح میں سناس کے ہاتھ سے۔ دیوار جھٹک لیا
میں کوئی شک نہ ہوئے۔ میری تیز رفتاری سے ہی ایک گائیڈ تھے لیکن
تیز رفتار گاڑی کو گرتے ہیں چھوڑ دو تو جی ہی چاہیے تھی۔ اس نے قطعہ میں
میں نے سارا کھیل ختم کر دیا۔ میری لگاتار دیوار والے کے سینے پر لگی اور وہ
ڈکڑا ہوا مردانے سے ہٹا گیا لیکن وہ اس طرح کا تھا کہ اس کے پیر کی
میں کو میرے اس ہاتھ پر تھی جس میں دیوار تھا۔ میں اس پر اپنی گرفت
مضبوط نہیں کر سکتی تھی اس لیے اسے مٹا کر دیوار کو میرے ہاتھ سے
اچھال دیا میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش تو کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو

سکتی تھی۔ دیواروں پر کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا کر لیکن بدقت ایسا
 نہیں تھا کہ میں اس کا سامنے کیلئے ایک لمحہ بھی متوجہ نہ کرتی۔ میں اس پر
 ٹوٹ پڑی اور میرا سر کے ایک ہی دوسرے اس کے ہوش و حواس نہ اٹھ
 کر سکتے۔

لاٹ ایک جھٹکے سے ٹکرائی لیکن حسرت ڈراؤننگ کرنے والے کے
 دل میں نہ کہ کوئی میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتا میرے دل پہ اتنے
 کی گھڑی ٹوٹ اس کے سر پر پڑی اور وہ گرا کر بنی سیٹ پر جا لٹکا گیا
 میں نے تڑپ کر سے مراد بچا۔ سفید فیاٹ اب بہت قریب پہنچی
 تھی اصلے ڈراؤننگ کے لئے کا پھر غالب ایک پرچہ پھینک دیا تھا۔

میں اگلے نشست کی پشت کا گہرا ہونگ کر ڈراؤننگ کرنے
 والے کو رہائی نہ دے رہا تھا۔ میری سیٹ پر پہنچ گئی۔ یہی
 تیسرے ڈراؤننگ کے لئے میرے ہونگ کا فیاٹ اب بالکل قریب پہنچ گئی۔ میں
 فوراً گاڑی کو حرکت دے دینی۔ دوسرے، تیسرے اور پھر چار گزشت
 پہنچنے میں مجھے بہت ہی کم وقت لگا۔ اس کے باوجود بھی فیاٹ سے
 اتنی جلدی تو چھٹکارا نہیں مل سکتا تھا۔ وہ بھی برق رفتاری سے ہڑی
 چلی آ رہی تھی اور میرے انداز سے کے مطابق اس کا آگن بہت طاقتور تھا۔
 میں جس گاڑی میں تھی اس کا آگن بہت پراستا اور فیاٹ سے اس کا مقابلہ
 ناکامی کی بات معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بالکل میرے سر پہ پہنچ گئی۔ صاف
 ظاہر ہوا تھا کہ وہ مجھے آگے نکل کر راستہ سدھو کرنا چاہتی ہے لیکن میں
 اسے آگے نکلنے کیوں دیتی؟ مجھے یہ خطہ بھی تھا کہ برابر ہی اگر شاید وہ شخص
 مجھ پر گزرا یا براہ راست غرض کرے۔ اسی خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں
 نے اسے آگے نکلنے کا موقع نہیں دیا۔ یہی نظریں عقب نماٹنے پر تھیں
 اور اس کی جا بجا کھڑے کے ساتھ اسٹینڈنگ سے کھیل ہی تھی۔
 فیاٹ کو بریک لگا کر ٹکرائے سے بننا پڑا تھا۔ عقب نماٹنے میں اس کے
 ڈرائیور کو روت پیتے ہوئے دیکھ رہی تھی مجھے اس خطرناک کھیل میں
 مزہ نہ نہ لگا۔

کیپٹن آغا کے گزروں میں سے ایک بھلی سیٹ پر اور دوسرا
 میرے برابر کی نشست پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ میں نے انہیں جو پیچے تلے
 ہاتھ ملاتے تھے وہ ابھیں آئے کھٹے سے پہلے ہوش میں نہ آتے۔
 لاہور اب قریب چکا تھا اس لئے میں اس خطرناک کھیل سے زیادہ
 دیر تک لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھی مجھ اب سے سوچنا چاہیے تھا کہ چھٹکارے
 کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

ایسا کیا فیاٹ کی رفتار کم ہوئی تھی اور یہ دیکھ کر میری پیشانی
 پر ایک سلوٹ پڑ گئی۔ ایسا کیا دنیا کا کم کرنا سمجھ میں آئے والی بات نہیں
 تھی کیا وہ مجھے ڈر گیا تھا؟ نہیں یہ میں ہو سکتا۔ تو پھر؟ چاکلے مجھے
 خیال آئے گا کہ میری حدود قریب پہنچ گئیں۔ شاید اس کے دل میں یہ دھڑکا پیدا
 ہو گیا ہو گا کہ میں اس خطرناک فوری طور پر تاقون کی مدد حاصل کر لوں گی۔
 میں ابھی اپنے اس خیال کو تقویت پہنچانے کی کوشش نہیں کر رہی تھی کہ

فیاٹ کی رفتار میں کچھ اضافہ ہوا۔ وہ برق رفتاری سے برقی سیٹ
 میں سے نکل گیا۔ میں نے اسے ڈال دیا کہ دیکھتے ہوئے اسے ایک ٹکڑے
 بننے کے ساتھ ساتھ چاروں طرف گھما کر نظر کیا۔ فیاٹ کی رفتار میں کوئی
 بلکہ شاید کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فیاٹ کو
 ڈالنا چاہیے تھا اور اسے حائلے کا کوئی ڈر نہ کیا ہو۔ بجلی کی
 میرے ذہن میں گونج رہی تھی کہ وہ میرے دل میں اسکا خیال تھا کہ وہ
 چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ میں اس حائلے سے بدستور
 کے لئے راستہ چھوڑ دوں۔ اس کی یہ سوچ میرے ذہن کی گرفت
 میں شاید ہیڑی سکا کی سے سحرانی تھی۔ فیاٹ نے اب کو بریک
 کر کے دوند سے کی طرح غنا شروع کر دیا تھا لیکن میں نے اس
 نہیں کی اور دانت پر دانت جاکر ہڑی بے دردی سے اس پر
 ٹھوڑا مارا۔ اب فیاٹ کا آگے نکالنا حال تھا کہ کوئی
 پر سرک بھی نہ تھا لیکن سامنے سے ایک بلی گاڑی چلی آ رہی تھی
 تھا کہ اب فیاٹ کے بریک چمک اٹھیں گے۔ پلک بھینکے میں نے
 بھی گھبرا گیا۔ بریک تو چمکے لیکن فیاٹ اب ڈرائیور کے قابو سے
 میری گاڑی تو ایک نہ تھانے کے ساتھ جھٹکے کے برابر سے نکل گئی

فیاٹ کسی جیکے ہوئے تھری کی طرح چھوڑ دے سے جان بھری
 میل پر بریک پر پہنچ گیا لیکن اتنی تیز رفتاری میں رک جانا
 نہیں تھا گاڑی میں خاصہ سے نکل گئی لیکن میں نے عقب نماٹنے
 حائلے کو واضح طور پر دیکھا۔ یہی گاڑی کے کوشا پھر کے آگے
 فیاٹ کسی کھلنے کی طرح قلابا بنا دی گئی تھی ایک بدستور
 تھی۔ اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ اس کا ڈرائیور
 گیا ہو۔ اس کے بجائے باؤنچے سے مجھے کوئی دلچسپ منظر
 غریب بلی گاڑی والے کا خیال تھا کہ اس بیچارے کا
 حشر ہوا ہو۔

اس حادثے کو دیکھ کر میرے اعصاب جھنجھکا
 میں نے دیکھا کہ ایک گڈز ٹرک، حادثے کے
 ٹرک چکا ہے۔ میں نے بریک سے ہر شاہکار کھینچ لیا
 میرا دل اس کی حماقت ہی ہوئی۔ میں جس گاڑی میں تھی
 نہیں تھی اور اس میں دوبارے ہوش آدھی بھی بڑے
 اگر اس ٹرک جاتی تو ان دونوں کو دیکھا جاتا تھا
 سے مجھے لسنے کے لئے چاہئے۔ میں تیز رفتاری سے
 اور حادثے کا خوفناک منظر کسی نہرہیلے کی طرح
 ذہن میں کھلنا آتا رہا۔

شہر پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے اس گاڑی
 حاصل کی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کی طرف
 ان دونوں کو میں نے بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ
 میرے انداز سے کے مطابق انہیں باؤنچے دس منٹ پر
 تھا۔
 میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ چار بجے میں دردمند
 اس وقت ٹیکسی، ٹکڑی ٹکڑی کے میں بازار کی طرف
 ایک لمحے ایک ایسا خیال آیا کہ مجھے اپنی جان نکالنی ہوئی
 کی ٹیکسی کا گرا لیا۔ اور کرنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں
 بہت میری تمام چیزیں فیاٹ میں ہی رہ گئیں تھیں۔
 صورت تھی کہ رضوان سے بیٹھے لکڑی لکڑی کو اس مکان کے دروازے
 ہلے جو رضوان نے کرتے پر حاصل کیا تھا میں رضوان
 اس سوچ کر حلقوں ہو گئی لیکن پھر میرے ذہن میں ایک
 کا سا پناہ دینا چاہئے تھا۔ اگر رضوان وہاں نہ ہوا
 لیکن بے فرخ کے معاملے کوئی ایسی کوٹ ل ہو کر
 میں جانا پڑ گیا ہو۔ فوراً ہی مجھے زہری کا خیال آیا۔
 میں بھی تو چاہتا تھا کہ تھی۔ لیکن اگر وہ بھی رضوان کے
 ہو تو کیا ہو گا؟

”پھر؟“ ہاتھ باندھے کیوں کھڑے ہو؟“
 ”آپ نے کیا سوچا؟“ میں آپ کے حضور کوئی اعتراض تو نہیں
 کھڑا ہوا ہوں۔ اس نے ہر امان جلتے والے انداز میں کہا۔
 ”پھر کیا بات ہے؟“

”میرے پیٹ میں درد ہے اور اس مکان کا فلیش سسٹم خراب ہے۔“
 رضوان نے اتنی بے جا جگہ سے کہا کہ مجھے ہنسی آئی۔
 ”محض آپ کا انتظار کرنے کی وجہ سے یہ کہیں اور بھی جاسکتا؟“
 رضوان پھر بولا۔ ”اب مجھے کچھ دیر کے لئے اجازت دیجئے لیکن جانے سے پہلے
 میں آپ کو اندرونی کمرے میں لے جانا چاہتا ہوں۔“
 ”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”کچھ چڑھا لے جاؤ آپ کے۔“
 ”رضوان! میں پوری طرح کھڑکی ہو گئی۔“

”ارے ارے! اس میں اتنا بڑا ماسٹ کیا بات ہے؟“ رضوان
 جلدی سے وہیں سے وہیں بھاگتا ہوا بولا۔ ”میری ذمہ داری تو میں ہوں۔ ہاں ایسے
 موانع آئے ہیں کہ میں نے لوگوں کے سر پر ہیڈ فون چڑھا دیے مگر ان
 میں سے کسی نے بھی پرواہ نہیں مانا۔“

میں اسے گھورتی دیکھ رہی تھی کہ وہ دوسرے کمرے کی ایک دیوار
 میں سوراخ ہے جسے غالباً چھوٹے آمد و رفت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ
 دیوار اب ڈیڑھ ممبر کے مکان اور اس مکان کی مشرق دیوار ہے اس لیے اسے
 دیکھ کر مجھے خیال آیا تھا کہ اگر کوئی ڈیڑھ ممبر کے مکان میں ایک ڈکٹ فون
 چھپا دیا جائے اور اس کے اندر اس سوراخ کے ذریعے سے اپنے اس مکان میں
 لے آئے جائیں تو ہیڈ فون لگا کر اس مکان میں ہونے والی گفتگو سن سکتے
 ہیں۔ ذہنی طور سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے ایسا ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔
 ڈکٹ فون دیکھ کر بدستور زہری کے گریڈ میں وہ دیوار کی طرح سخن
 کی دیوار چلا گیا۔ ڈیڑھ ممبر کے مکان میں جا کھڑی ڈیڑھ ممبر کے بال
 بچے شاید کہیں گئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ شخص یہاں سے بھی بچا ہی اس
 لیے گیا ہو کہ فرخ کو یہاں لاکر رکھنا تھا۔ یہ حال میں اس کہنے میں پہنچ
 گیا جہاں میرے انداز سے کے مطابق دیوار کا وہ سوراخ ہونا چاہئے تھا
 اسے خوش قسمتی سمجھنا چاہئے کہ وہ اس مکان کا سب سے اہم کمرہ ثابت
 ہوا۔ بی ڈی ممبر صاحب کی خواب کا جس میں سیلفیٹ بھی لگا ہوا ہے۔
 موصوف نے اپنے بستر پر لیٹے خواب خوش کرنے کے لئے رہے اور میں ہیز
 کے نیچے ڈکٹ فون فٹ کر کے اور اس کے تاڈ سوراخ کے ذریعے اس مکان
 میں گھس کر وہاں سے واپس آیا۔ اب اس دونوں میں میرے دل کی دھڑکنیں
 تھری نام نہاد زیادہ دہن اور میرے جسم سے ہونے والے خارج مواد آہا حیرت
 کم نہیں ہو گا۔
 ”تم سمجھو کہ گفتگو کرتے کرتے ہمک کیوں جاتے ہو؟“ میں نے جھجکا۔
 ”مشیت میں تو کسی کو بھی دم مانتے کی اجازت نہیں میرے ہاتھ پائوں ڈکٹ فون
 ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ یہ خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ واپس یہاں آ کر

ہم بارگزرنا ہے۔ سامان میں نے کل رات ہی کولا کر رکھ

پُر فکر اندامیں سر ہلایا اور کہا۔
”تم واقعی بہت خطرناک عورت ہو۔ ان بے جا ارادوں

پاسکوں کی پائیں لیکن اب میرے ادا فرج کے درمیان میں صرف ایک رپہ راجا حال عقی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ فرج کی آزادی میری کس قسم کی کوششوں سے عبارت ہز سکتی ہے؟... فیضون سے گفتگو کرنے کے بعد جہ میں اہل مسئلہ

”رحیدربط اور خان جاوید کی تلاش میں سجاد، رحیم اور مود کی

کہ انہیں راستے میں حیدر پٹ کی کار نظر آئی جسے ایک عورت چلا رہی تھی۔ احمد یار خاں نے وہ ساری تفصیلات وہاں ہی جن کا غلط فہمی سے ہی سے تھا، بلکہ وہ سب میرے منشاہد کی باتیں تھیں۔ سب کچھ بیان کرنے کے بعد احمد یار خاں نے کہا ہے وہ واقعی تھیلا وہ ہے کسی سے تاویس اگر نہیں دیتی۔

”استاد! کبھی وہ ہمارے ساتھ جڑھوئی تو۔۔۔“

”لات و لوات کی ضرورت نہیں، احمد یار خاں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے خشک لہجے میں کہا یہ تم خان جاوید سے تیر نہیں ہوئے۔“

”استاد خان جاوید! در حیدر پٹ کو تو یہ بات معلوم تھی نا کہ اس لڑکی کو یہاں لایا جائے گا؟“

”ہاں۔“

”بہیں انہوں نے بتا دیا ہو۔“

”اگر انہوں نے بتا دیا ہوتا تو ہم اب تک کسی خطرے سے دوچار ہو چکے ہوتے۔“

”یہ بلا آخر تک تک ہمارے گلے میں پڑی رہے گی؟“

”یس آج میں اپنے تک۔ ابھی مجھے اس کے بارے میں ہدایت ملی ہے۔“

”اب اس کہاں پہنچانا ہو گا؟“

”کبھی بیچنے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی گئی ہے۔ غالباً اس کا سوا اور کیا ہو گا ہے اس لیے حسب سابق ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ اسے کہاں لایا جائے۔ ٹھیک ہیں مجھے سفید رنگ کی ایک بیوک ہمارے دروازے پر ہرگز رکھنے کی اور اس میں ڈرائیو کوئی عورت ہوگی۔ تم لوگ اس لڑکی کو سنبھالے ہوئے، دروازے پر نہ کے رہنا اور جب میں اشارہ کروں تو لڑکی کو لیجا کر بیوک کی پچھلی سیٹ پر ڈال دینا۔“

”اچھا احمد یار خاں، جعفر کو ہدایات دے رہا تھا اور ادھر میرے دماغ نے برقی سرعت سے کام شروع کر دیا تھا میرے ذہن میں اس سوال کی کوئی پھیل رہی تھی کہ کیا میں اس عورت کی جگہ لے سکتی ہوں؟“

”اتنے میں رضوان ناشتے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ رضوان کا کھلا ہوا منہ فوراً بند ہو گیا اور میں پوری توجہ سے احمد یار خاں کی آواز سنتی رہی۔“

”تم لوگوں کو اس عورت سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکی کو بیوک کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر دروازہ بند کر دینا۔ کار فوراً حرکت میں آ جائے گی۔“

”کیا ہم اس عورت کو پہلے کبھی دیکھ چکے ہیں؟ مطلب یہ کہ

کہ قیوت کر دیں اور پھر جب وہ بیوک اس کھلی کے قریب پہنچے اسے چار پانچ منٹ کے لیے روک لیا جائے۔ اس وقتے کام کر گزرو۔“

”ہاں آؤ! اس بیوک کو یہی نہیں کہہ کیے؟“

”سہانہ کاری ہے کہ اسے کوئی عورت چلا رہی ہوگی۔“

”گرا دینا کی کوئی دوسری عورت بیوک نہیں چلا سکتی؟“

”ہلا کر سکتی ہے لیکن یہ اتفاق لاکھوں میں سے ایک ہو سکتا ہے۔“

”دقت پر کوئی عورت بیوک چلائی ہوئی اور حیرت کرے۔“

”رضوان کی دلیل میں خاصا وزن تھا میں نے سر ہلا دیا۔ لڑکی کا کیسے جائے گا؟“

”اگر کوئی اسکو ٹر گاڑی کے منڈ کاڑے سے لکھا جائے تو یہ معمولی عورت کو پانچ دس منٹ کے لیے روک دے ہی سکتا ہے۔“

”اگر یہ سوال ہے کہ میرے پاس سفید بیوک کہاں سے آئے گی؟“

”کرپے پر حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔“

”اور سارے اختیارات زیریں کے توسط سے ہو سکتے ہیں؟“

”ہاں۔“

”رضوان نے جواب دیا۔“

”میں تو پھر تم ناشتہ کر کے فوراً روانہ ہو جاؤ۔“

”میرا اپنے حصے کے لٹریے اڑا چکا تھا۔ اس نے ایک کلاس بجائے کی پیالی اٹھائی اور دھتے دھتے سے چھوٹے چھوٹے ہوا کسی سوچ میں ڈوبا رہا۔“

”اس دوران میں مجھے میڈیٹون پر آواز سنائی دیتی رہی۔ میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں سمجھ کر ان کا ذکر کیا جائے۔“

”اٹنے کے بعد جب رضوان جانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔“

”اب میں کوئی کمیشن تو ہو گا؟“

”اں۔ کیوں؟“

”مجھے ایک اخبار خرید کر دیتے جاؤ نا کہ مجھے وقت گزاری کا لہ جائے۔“ میں نے کہا۔“

”رضوان پانچ منٹ میں اخبار لے کر آ گیا اور مجھے دیتا ہوا ہلا۔“

”میں نے پرے سے تم خاص طور پر چھٹا چاہتی ہو؟“

”میں وہ دیکھ لوں گی، تم جاؤ۔“

”رضوان کو رخصت کر کے میں نے دروازہ بند کر لیا اور میڈیٹون سے میں آئی۔ میڈیٹون میرے چڑھایا اور اخبار کا آخری صفحہ تھا جس پر خبر کے ساتھ جی ٹی روڈ کے حادثے کی دو تین صفحہ پرچیں تھیں۔ جھکڑے کے قریب ٹکرائے ہوئے تھے۔“

”میں نے مطابق اسے چلائے والا اپنی دوڑوں ٹانگوں سے لیا تھا یہ پڑھ کر مجھے بہت اذیت پہنچی۔ مجھے اس کے

فیدل کیا کہ ان پرفیسوں کی کچھ کچھ مدد ضرور کروں گی۔ کچھ دن بعد میں نے اپنے فیصلے پر عمل کیا۔ بل کاٹھڑی والے اور میں کی گزری ایک بہت بڑی درکان کھل جاتا تھا۔ میں نے وہ مکان سے کی مدد سے چلا دیا۔“

”اس حادثے میں مودی ہلاک ہو گیا تھا۔ پولیس رپورٹ کے مطابق اس کا شاعر نے پندہ سے عناصر میں کیا جاتا تھا۔“

”میں نے دوسری خبروں پر سرسری سی نظر ڈالی اور اخبار پڑھ کر ڈال دیا۔ میڈیٹون پر اب مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ غالباً احمد یار خاں اب کمرے میں نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ مکان سے ہی چلا گیا ہو۔“

”مجھے زبیدہ کا خیال آیا جس سے مجھے آج دو بجے کو باوری گریٹ پر ملنا تھا۔ دو بجے وہاں اور میں کچھ یہاں۔۔۔۔۔ ڈرامی انجمن پیدا ہو گئی تھی۔ کام کوئی خاص نہیں تھا اور میں کچھ تک یہاں لوٹ سکتی تھی لیکن اگر غیر متوقع طور پر کوئی چھوٹی سی سبھی گروپڑ ہو جاتی تو کسی طرحی انجمن کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔“

”میں اوجھڑے کا شکار رہی اور کافی وقت گزر گیا۔“

”ساتھ ساتھ مجھے قریب دروازے پر رضوان کی مخصوص دستک سنائی دی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ رضوان جب اندر آیا تو بے حد مطمئن نظر آ رہا تھا۔“

”سب بندوبست ہو چکا ہے، اس نے جھوٹے ہنسی کہا۔“

”بیوک بھی کر لے کر چل کر لے گئی ہے اور لیوے آؤں ہی مل گئے ہیں۔ جو اس بیوک کو ہر قیمت پر روکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر کچھ ایک سیڈنٹ سے بات نہیں بنی تو وہ کوئی دوسرا سربہ استعمال کریں گے۔“

”لیکن اس کام میں انھیں ناکامی نہیں ہوگی۔ اس کام کے عوض انھوں نے تین ہزار روپے کا مطالبہ کیا تھا۔ دفعی طور پر تو۔۔۔۔۔ اس کی زیریں کر لے گا لیکن بعد میں اسے یہ روپے فرخ کے والد سے دلوائے جائیں گے۔“

”افراعات کی باطل پرواز کر۔ فرخ کے والد سے بھی اس کا تذکرہ مت کرنا۔ ایک ایک باتی میں خود ادا کر دیں گی۔“

”ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اندر لے کرے میں آگئے اور رضوان بستر پر ڈھیر جوتا ہوا ہوا۔“

”میڈیٹون پر کوئی اور خاص بات تو نہیں سن؟“

”نہیں۔ میرا خیال ہے کہ احمد یار خاں کسی کام سے کہیں چلا گیا ہے۔“

”میں نے جواب دیا اور پھر پوچھا۔“

”بیوک لے لی؟“

”وہ تو لے لی گئی ہے۔ میں اسے یہاں بھی لاسکتا تھا لیکن خدشہ یہ تھا کہ اگر احمد یار خاں کے آدمیوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ خواہ مخواہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائے جس میں اسے شک ہو کہ بیوک پر کھڑا کر آیا ہوں۔ ہم یہاں سے دھاتی بجے ٹیکسی میں روانہ

جولہ گئے۔ چلی کے ایک مہرے پر ہیں اور دوسرے مہرے پر زہری
 کھڑا ہوگا۔ تم کہہ دو کہ جی آؤ، تمہیں لائی گئے کا اشارہ مل جائے گا۔
 ہاں اگر کچھ گڑبڑ ہوئی جس کا امکان بہت کم ہے تو ہم تمہیں خطرے کا
 اشارہ دیں گے۔
 رضوان نے مجھے لائن کاٹ کر "اور خطرے کے اشارے بھی بتائے۔
 "بڑی تیزی سے منصوبہ بندی کی ہے تمہارے" میں ایک ٹیل
 سائنس کے گروٹی۔
 "اگر آپ بھی موقع دیں تو جی منصوبہ بندی کو نظر انداز نہیں
 کروں گا۔"
 "کیسا موقع؟" میں بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
 "منصوبہ بندی کا موقع؟" وہ بڑی معصومیت سے بولا
 لیکن اس کے چہرے پر ناہنجی ہوئی شرارت مجھ سے چھپی نہ رہی تھی
 بڑی طرح جھلکائی وہ اتنا ایک، بلکہ اتنا کہ وہ کو اپنے خالص جھٹکی
 کیفیت پر اشد کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میری جھلکا ہٹ
 کرش الفاظ کا جامہ پہنے، اس نے جلدی سے اپنے چہرے پر پھر بخند کی
 طاری کر لی اور کہا: "ٹھیک ڈھائی بجے یہاں سے روانہ ہو جائیے،
 "میری روایتی دو سو بجے ہوئی۔"
 "اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"
 "مجھے ایک کام سے لواری جا رہا ہے۔"
 "یہ غیر متوقع طور پر کیا کام نکل پڑا۔؟"
 "غیر متوقع تھانے لئے تو ہوسکتا ہے لیکن میرے لئے یہاں
 "آخر کام کیا ہے؟"
 "یہ میرا اپنی معاملہ ہے۔ تم اس میں نہ پڑو۔"
 رضوان نے بہت جا بجا کہ مجھ سے کام کی ذہنیت معلوم کر لے
 لیکن میں نے اس مسئلے میں اپنی زبان بند ہی رکھی معاملہ چونکہ ایک
 روٹی کا تھا اس لئے رضوان کو فخر کرنے کا موقع مل جاتا۔
 لیکن میری اس راز داری نے رضوان کو تشویش میں مبتلا
 کر دیا۔ اس کا یہ سوچنا بجا بھی تھا کہ میرے نامعلوم کام کی وجہ سے
 فخر کے معاملے میں کوئی غلط نہ ہو جائے۔
 "تمہیں اتنا کھنڈ نہیں ہو چاہیے، میں نے سمجھا نہ والے
 انداز میں کہا: "تم فخر کے معاملے میں اتنے حساس نہیں ہو سکتے تھے
 ساس میں ہوں۔"
 رضوان نے غور سے میری طرف دیکھا لیکن میری باتیں اس کے
 چہرے سے تفرک کے نشانات نہیں مل سکیں۔
 "میرا خیال ہے کہ اب ذرا پھر میڈیڈن کو آکر مایا جائے۔"
 میں کھڑی ہوئی۔

دوسرے مہرے میں کسی پر بیٹھ کر وہ لہجے باکس کو
 اور میں نے میڈیڈن میں سر پر چڑھا لیا خورا ہی مجھے اندازہ نہ
 سنائی دی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا کہ اسے ہوش آ گیا ہے
 کھانا دے دو۔ کھانے کے بعد پھر دہوشی کی روائے دینا
 یہ دیکھ کر میری فحش ہی کا ہونٹ تھا۔
 جواب میں کہا: "دیکھی ہو ش میں اتنے پر وہ کچھ کہ
 کی بہانے روانہ اور گڑا اشارہ کر رہی تھی کہ اسے پھر دیا
 "اوہ اتنی بھڑکی ہوئی کہ اس کے آنسو بہنے لگے
 وہ گڑگڑا سکے "جادو" احمد بار خاں کا پھر خوش ہو گیا۔
 پھر قذول کی چاب سنائی دی۔
 ادھر میں فخر کی حالت زار کا تصور کر کے اپنے دل
 میں غم کوٹھکھٹائی۔ میرا جی چاہا کہ ریا اور لے کر اس مکان
 اور احمد بار خاں پر اتنی گولیاں برساؤں کہ اس کے سہم میں
 سولخ ہو جائیں۔
 میرے چہرے کے تاثرات بھی شاید میرے دل کے
 گئے تھے کیونکہ رضوان ایک سوال کو پیش کیا: "کوئی نئی بات،
 "فخر کو ہوش آ گیا ہے اور وہ شوک پیاس سے
 رہی ہے،" میں نے بھراؤنی آواز میں کہا۔
 رضوان کے چہرے کی بھی زحمت متغیر ہو گئی لیکن وہ
 ہی رہا۔ ایک ایسا عجیبی طرح کا تھا کہ نہ تو میں ٹھیک
 کھاسی اور نہ رضوان نے کھایا۔ ہم دونوں ہی نے دو چار لے
 کر کے ہاتھ روک لیا۔
 ایک بجکر دس منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے جلدی
 علیہ درست کیا اور روایتی کے لئے تیار ہو گئی۔
 رضوان نے مجھ سے دوبارہ میرے کام کے بارے میں
 استفسار نہیں کیا اور جب میں مکان سے باہر نکل کر میری
 بند کر کے وقت بھی اس کے چہرے پر نفیور تشویش اندازہ

گئی تھی میرے حوالے کرتے ہوئے بھی اس نے مجھے رفعت
 کی تانک نہیں کی تھی۔
 میں رووے میں نے ایک ٹیکسی پر دی اور کبھی چوک کی طرف
 رضوان نے مجھے کار کا نمبر اور وہ جگہ بتادی تھی جہاں اس
 کی فحش کی تھی۔ وہ میری بات تو یہ ہے کہ وہ کھانے کے بعد
 بات بعد از قیاس نہیں تھی کسی کھانے کے معاملے میں اٹھنے
 میں کمرش غریب تھی میں دیر ہو جاتی۔ زہید نے مجھ سے جس
 مدد کی درخواست کی تھی وہ انداز کسی چیدگی کی نشاندہی کر رہا تھا
 کسی بات سے خائف تھی اور وہی خوف اسے فرار پر ابھار رہا
 یہ میری بات بھی قابل غور تھی کہ اسے اپنے ساتھ لے جانا
 میں کسی قسم کی پریشانیوں کو کھڑی کر سکتا ہے؟
 میں کسی چیز کو پہنچنے سے پہلے کبھی ہوش نہیں گئی تھی
 کو بار بار کے دھت کر دیا۔ ہوش کو کبھی نہ تھی میں مجھے
 میں بھی نہیں لگتا تھا۔ وہ اسی عمارت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی جہاں
 میں نے پھر زکا دفتر ہے۔ نہ جانے اس زمانے میں بھی وہ دفرواں
 میں دیے مجھے کیو پر پڑا ہے کہ تھا۔
 ایک میں بیٹھ کر میں لواری کی طرف روانہ ہوئی اور جب ہاں
 میں سست رہا تو ایک گئی ہوئی بجٹ ٹال کے سامنے
 کی تو ادھر لوہر نظر دلائے کے باوجود بھی مجھے زہیدہ نظر
 میں اور وہ بازو تک پہنچی گئی اور پھر ہاں سے کوئی۔ اسی طرح
 میں نے پھر گئے اور میرا اضطراب و غلط اشارہ بڑھتا رہا۔ زہید نے
 کرتے ہوئے ہوا جو اختیار کیا تھا اس میں کوئی جگہ نہیں تھی مجھے
 کہ وہ ضرور اسے دیکھیں وہ نہیں آتی تھی۔
 دھانی بجے تک میں اس علاقے میں پھرتی رہی اور جب میری
 تھی کہ وہ کبھی لیا تھا تو وہ ایک مہرے کی گاڑی کے سامنے آئی
 نے دیکھا تھا اور ہاتھ جاکر کھٹے کا اشارہ کر رہی تھی میں نے
 میرے گاڑی روک دی اور اپنی راہ کی سیٹ کا دروازہ کھولی
 وال "آؤ بیٹو! جلدی کرو! تم کہاں رہ گئی تھیں؟" میری آواز
 ہٹ کا کچھ کچھ اتر تھا۔
 ابھی اس سے یہاں پہنچے۔ "وہ میرے برابر میں
 لی ہوئی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر گاڑی کو
 ہائی اور اس کی رفتاریں اضافہ کرتی چل گئی۔
 "میرا صاحب جی؟" وہ سسے ہوئے انداز میں بولی "میرا ایک
 کاٹھ بولیں؟" اس کی آواز بھراؤنی تھی اور جب میں نے
 ان دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تیرتے ہوئے
 ایک دم میرا دل جیسے جھلک کر رہ گیا اور میں نے جلدی سے

خفتہ لگنے لگا تھا۔ تیرے دیر سے آنے پر کبھی میں ایک انتہائی غمزدگی
 کام پھر کر گئی ہوں۔
 "مجھے معاف کر دیجئے مہر صاحب جی!... اگر راستے میں بس
 خراب نہ ہو جاتی تو میں وہ بجے سے کبھی پہلے یہاں پہنچ جاتی۔"
 "دیکھو پھر وہاں باتوں کو یہ بازو کہ تم اپنا ہر چیز کو کبھی بھانگا
 چاہتی ہو؟"
 "مجھے اپنے باپ سے ڈرتا ہے مہر صاحب جی!... اس کی فحش
 ابھی نہیں ہیں۔ وہ جہنگ بھی پیار ہے۔ کبھی اسے زیادہ نشہ ہو گیا تو وہ میرے
 ساتھ نہ جانے کیا کر بیٹھے۔"
 "زہیدہ نے بڑی صاف صاف بات کی تھی لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں
 آیا میں حیرت سے بولی۔ "یہ تمہارے باپ کے بارے میں کہہ رہی ہو؟"
 "وہ میرا سوتیلا باپ ہے؟" زہیدہ نے بتایا۔
 "اوہ!" میں نے ایک طویل سانس لی۔
 "دو جب میرا باپ مر گیا تھا تو میری ماں نے اس سے شادی
 کر لی تھی۔ اب میری ماں بھی زندہ نہیں ہے۔ میں گھر میں اس کے ساتھ
 اکیلی رہتی ہوں۔ مجھے اس کی فحش سے ڈرتا تھا اور اسی بہت سے
 میں کسی کئی دن کے لئے صفا کے پاس چلی جاتی ہوں۔ اب اگر آپ
 مجھے سہارا دے دیا تو اس سے میری جان بچوٹ چلے گی؟"
 "اگر تمہاری گمشدگی پر اس نے پولیس میں رپورٹ کر دی تو
 کیا ہوگا؟"
 "پولیس آپ کا کیا کچھ کر سکتی ہے مہر صاحب جی!... میں
 ڈنکے کی چوٹ پر کمرہ دوں گی کہ آپ کے قذول میں نہ کہ زہیدہ کو مارا
 چاہتی ہوں۔"
 میں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا اور اس معاملے کی چیدگی پر
 غور کرتی ہوئی ذرا یونٹ کرتی رہی۔ زہیدہ باغ تھی اداس کیا بیان تھی
 میرے خلاف نہیں جوتا انداز مجھ پر اغوا کا مقدمہ قائم نہیں ہوسکتا تھا میں
 نے فیصلہ کر لیا کہ زہیدہ کو اس کیفیت سے غور نہ جاتا دلا چلے پتہ
 ورنہ سوتیلے باپ کسی قسمی دوزخ جگہ کے لئے میں اس کی زندگی
 برباد کر دے گا۔
 اب اسے میری حماقت کا معاملہ لے لیا اور کہیں زہیدہ کی بھولی
 بھائی معصوم صورت سے دھوکا کھائی اور مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ
 وہ کتنی بڑی سزا ہے۔ اس کا علم تو مجھے بعد میں ہوا تھا اور میں جکا بکا
 رہ گئی تھی لیکن اس وقت تو مجھے اس پر ترس ہی آیا تھا۔
 اس کی مدد کا فیصلہ کرنے کے بعد میرے سامنے یہ اچھی آٹری
 کرنی لال اسے کہاں پھر ڈروں۔ احمد بار خاں کے گھر پر مجھے نہ ہنا جانا
 چاہئے تھا اور مجھے اپنی مملکت حاصل نہیں تھی کہ اسے کسی ہوش میں لے
 جا کر ایک کمرہ دلا دیتی۔

تین بجے کے بعد غایا، ڈیڑھ منٹ اور گڑا ہوا گھونچے ڈھیری کی طرف سے لائن کلینر کا شمار دھلا میرا دل خوشی سے اچھل پڑا میں خود ایک کو حرکت میں لے آئی اور اسے برق رفتاری سے گلی کی طرف لے گئی، پورے مجمعہ میں ان کے گناہ کی یادیں ہو گئیں جیسے ڈھیری کے قریب سے گزری، ڈھیری نے ایک لٹافہ کھدکی ہے میری گونڈیں مثال دیا۔ اس نے حرکت بڑی چھتری اور دھواں کے بغیر لیکن اتفاق سے قرب و جوار میں کوئی تھا

ان دونوں کے فخر کو اندر ڈال کر جیسے ہی مہاراجہ بند کیا
ٹٹی کو حرکت میں لے آئی۔ میں نے اتنی تیزی سے گیتری پر گھر بدلے
تہ شیطان میرے تعاقب میں دوڑ رہے ہوں۔ حالانکہ گلے کے اختلا

میں نے خط کو توڑ مروڑ کر اپنے بلاؤں میں ٹھونس لیا اور ٹھیک اسی

زید سے میرا ہاتھ ملایا۔ فرخ کو گاڑی سے نکال کر سڑک پر
 کیڑے چل پڑے۔ فرخ کو تقریباً اسی طرح ہاتھ اور اس کی جڑ سے
 لوگوں کی توجہ ہادی طفسر میں مل ہو رہی تھی۔ اسی سونا جالے حق
 میں بستر کو نہیں تھا کہ اس کے سوا کوئی راہ عمل بھی نہیں تھی!
 مجھے تھے کچھ کیشنر، مگر داخل ہوئے دوسرے نے دعوے

پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اسی شریف آدمی نے طے شدہ ایک ہمسایہ
 رہنما کی بھی کی اور اس وقت بھی یہ جلا کر وہ ایک ایرکٹ لائٹ سنڈ
 کوپا تھا جس میں صرف دو برقی نصاب نظر آ رہے تھے۔
 میں نے فرخ کو ایک برقعہ پر لٹا دیا اور دھڑکے کو دروازہ کھلا
 سے بند کر لیا۔ زبیدہ کے پاس میں نے سوچا تھا کہ اس کا کھٹ
 راستے جہاں میں بیٹا بیٹا سے بخلائی۔
 ٹرین کی روانگی میں شاید پانچ منٹ رہ گئے تھے کہ کوئی کے
 دروازے پر دستک ہوئی۔ میں بھی کہ شاید بیٹا بیٹا میں نے اٹھ کر
 دروازہ کھولا اور پھر جھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے لینے اسی
 پر زمانہ سامعوس چڑھا۔ یہ بات تو میرے سامان دکان میں بھی
 تھی کہیں ایک پولیس انسپکٹر اور دو سپاہیوں کو اپنے سامنے کھڑا ہوا
 پاؤں کی۔

جب تک سانس کا آہر چڑھا وہ جاری ہے، زندگی کے نشیب و فراز
 سے فرا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نشیب و فراز کم یا زیادہ ہر شخص کا مقدر
 ہے۔ میری زندگی نشیب و فراز ہی سے عبارت رہی ہے لیکن غیر متوقع صورت
 حال سے ذہن کو جھٹکا لگنا فطرت کے عین مطابق ہے۔ ان پولیس والوں کو
 دیکھ کر اگر کوئی لکھنا لکھنا میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی تو اس میں مخالفت یا عا
 کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

میرے اس انتظار پر عمل سے پولیس والوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ وہ
 بالکل غلطی سے چلے گئے۔ زبیدہ جو بھیجی ہوئی تھی، گھر گھر گھڑی
 ہو گئی۔ جہاں ان چند لوگوں میں نہجی لالے لیا تھا۔

میں کا مطلب ہے اس دخل لازمی کا؟ میں تیز لے بیٹھی۔
 ”میں ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہیں جسے کراچی سے اغوا کیا گیا ہے۔
 سب انسپکٹر نے تجسّس نظروں سے زبیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر
 اس کی نظر فرخ پر لگ گئی جو بدستور غشی کے عالم میں تھی۔
 ”اوپر اس لڑکی کو ایک ایسی ٹرین میں کاش کر رہے ہیں جو کراچی
 جا رہی ہے۔“ میں نے طنز سے لہجے میں کہا۔

”کراچی اور لاہور کے درمیان میں متعدد اسٹیشن ہیں اور ان میں سے
 کسی بھی اسٹیشن پر لڑکی کوئی غریبی کوئی خصل نہیں۔“ سب انسپکٹر چند قدم اور آگے
 بڑھ کر فرخ کے پاس قریب پہنچ گیا اور بولا ”کیا یہ لڑکی کوری ہے؟“
 ”بے ہوش ہے۔“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ بعض نشیری
 رشتہ داروں سے مجھے پھرنے کے غم میں بہت دیر لگی تھی اور اس کا نتیجہ یہ بھی
 ہی کہ موت میں نہ لگنا چاہیے تھا۔

”بہت خوب!“ سب انسپکٹر کے لہجے کی جھنجھ میں نے اپنے دماغ
 پر محسوس کی۔
 میں بہت تیزی سے سوچ رہی تھی۔ مجھے شہنشاہ کی اصل پولیس

تھا اور یہ بھی کوئی غرضانی بات نہیں تھی کہ میرے ملک کی پولیس
 بارے میں ہوشیار کر دیا گیا ہو لیکن یہ بات ہی کہیں لگتی تھی کہ پولیس
 اپنا کام ہی دیکھیں پہنچ سکے جس میں میں شریک موجود ہو تو مجھے
 ٹرین کا جس کا سفر سے کراچی سے دو دنوں بلکہ کراچی کے قریب کے بار
 پولیس والوں کے نقلی ہونے کا صریح مطلب ہے تھا کہ وہ کہیں
 کے گئے تھے۔ انہیں اسٹیشن اس نے بھیجا تھا کہ اگر انہیں فرخ
 تو وہ قانون کی آڑ کے دروازہ اپنے قبضے میں کر لیں۔
 لوگوں کی نظر میں بھی ہوگا کہ فرخ کو واپس کراچی لے جانے کی کوشش
 لہذا وہ سب سے پہلے اسٹیشن کی طرف ہی دوڑنا سکے تھے۔
 ”لوگوں کو ہے؟“ سب انسپکٹر نے زبیدہ کی طرف اشارہ
 بہت گھبراہٹ ہوئی تو آہری تھی۔

”میری ملازمت ہے۔“
 ”ہوں۔“ سب انسپکٹر نے چند لمحے کچھ سوچا پھر
 دیکھتا ہوا بولا ”آپ لوگوں کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن بلا
 دی بات سامنے لگتی تھی جس کا مجھے دھڑکا تھا۔
 دیکھو انہیں نے سیٹی دی۔
 ”جلدی کیجئے۔“ پولیس انسپکٹر بولا اور پھر اس نے پیاس
 کو فرخ کو کھارادے رکھا تھا۔

میں ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔
 اہم قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس پہل کرنے میں کسی تاخیر کو کرنا
 ان نقلی پولیس والوں کو شاید اس میں کسی حرکت کا پتہ
 لہذا جب تک وہ جیسے میں اپنا کام کر رہی تھی۔ میں نے پھر فرخ سے
 دروازہ بند کر لیا تھا بلکہ اپنا پیٹول بھی نکال لیا تھا۔

”تم تینوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ میری تیز سرگوشی
 اس طرح گونجی جیسے ساب کی پھینک رہی۔
 ایک بل میں ان تینوں کے پیروں نے اپنی رنگت کھدی
 انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے۔ ایسے وقتوں پر اگر ایک
 ضائع ہو جائے تو انجام کار کچھ جتنا خطرناک ہے لہذا میں ایسے حالات
 تیزی سے اقدامات کرتی ہوں۔ میں برقی شمعوت سے آگے بڑھ کر
 انسپکٹر کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس کی کپڑی پر پڑنے والی میر
 ہاتھ کی کھڑی چوڑے لمبے ہوش و حواس کی دینا سے رینگا کر
 ہوئے شہریت کی طرح گرا اور اسی وقت انجن نے دوسری منزل
 دوڑی کہ کاشیوں نے مجھ پر ایک دقت ڈٹ پڑا ہوا

کو لڑنے چل پڑا میرے گھٹنے کی غریب کو خود کھد کھد کر اور
 نکال پڑا۔ اٹھ کا اتنا مرقعہ پڑا کہ اس نے سوچی کہ کاش
 میں گھٹس محسوس کیا ہو گا۔ وہ جاکر کھڑکی سے جا کھڑا اور دوسرا

ہمارے اس کی پیشانی پر میری تھی وہ الٹ رجحان۔
 ہاتھ لگا کر اس میں ایک ہاتھ پڑھو گئی تھی۔ ٹرین کے بلکے
 وہ لڑکھائی اور کرتے کرتے گئی۔
 کسی کھڑکی سے لٹکا ہوا سر جھٹک کر میرے ہاتھ کی
 ت کو سر رہا تھا کہ میں نے اس کے قریب پہنچ کر دواور کے
 کے سر کی نوازش کی۔ قواض اس کی اوقات سے کچھ زیادہ
 لے لیا پھر کچھ ایسا ہی تھا لہذا وہ کم از کم دس منٹ تک
 کے لئے کھیر ہو گیا۔ اس کا سامنے اپنی پیشانی سے ہوتے
 اتھ سے دے دے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس بڑی
 سر پر تک گئی۔ اس کا سر میری ٹھوکروں کا ٹھکران بن گیا۔
 ایک چپٹیں بھلیں اوپر دھڑکے ہوئے کھڑکی کے احساس سے

لہذا میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔
 لہذا میں رکھ لیا اور سر کو زبیدہ کی طرف دیکھا۔
 کیا ہے یہ تم صاب جی! زبیدہ کا پتہ پتہ ہوئی اور اس نے بولی۔
 ”ہاں۔“ میں اس کے قریب پہنچ کر اس کا گال جھٹکانے لگی۔
 ”کی تو یہ تماشا آئے دن دیکھنا پڑیں گے ایسی باتوں سے
 ہو رہا ہے۔“

”صاف جی۔۔۔۔۔ تو پولیس والے۔۔۔۔۔“
 ”پولیس والے نہیں ہیں۔“ میں نے گال کاٹے ہوئے
 ”بائیں اطمینان سے کرنے کی ہیں۔“ پچھلے دو دنوں کا
 ”ہاں۔“

”کی مجھ سے نہ سکا ہوگا کہ بندہ بہت سے میری لڑکیا ہے؟“
 ”جی تو ان تینوں کی تلاش میں لاہور اس تلاش میں میرا
 وہ تینوں پولیس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی
 خفی کارڈ تھے۔ ان کو دوسرا لیا کا غلط تھا جو پولیس کے
 کے کو روک دینا میں اس کا نشانہوں میں سب کا کی جیسے
 میں اس میں بہت سے پہنچے اور تینوں نے بڑی تھکے۔ یہ
 فٹ میں سے کام سکتی تھی اس نے نہ میں نے اپنے پرس میں
 میں نے ان کی جیبوں میں ہی رہنے والے نوٹ کے نوٹ کے نوٹ کے
 جی میں۔ ان کے پاس کچھ ڈیڑھ لاکھ روپے اس طرح
 ل۔ اس دس سے میں نے تینوں کے ہاتھ پیرا ڈھونڈ دیے۔
 میں میری حرکتوں کو دیکھتی رہی۔ انھیں ہاتھ کے کھد
 میں ہوئی ایک ایک کر کے ہاتھ روٹ میں لگی۔ ہاتھ دوڑا زیادہ
 کسی دیکھ کر میں نے ان کو کھٹوس دی اور دروازہ بند
 ہاتھ جھاڑے جیسے ٹوٹا ہوا پھینک کر آئی ہلے۔

میں زبیدہ کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے گھٹے میں بائیں دال
 بولی۔ ”آخر تم اپنی کھراکیوں کی وجہ سے!۔۔۔۔۔ دیکھو دیکھو! اب
 کچھ کرنے کے لئے مجھے کتنی مصلحتیں ہوں۔“
 ”وہ لوگ پولیس والے نہیں ہیں تو کون ہیں؟“
 ”بدعاش۔“ میں نے جواب دیا۔ ان لوگوں نے فرخ کو کراچی سے
 اغوا کیا تھا۔ فرخ اس لڑکی کا نام ہے۔ اسی کو ان لوگوں نے جھٹلنے کے
 نے میں لاہور آئی تھی۔ بیشکل تمام میں اسے ان لوگوں سے چھپنے میں کامیا
 ہو گئی۔ ان لوگوں کو لہذا وہ ہوگا کہ فرخ کو جلا دھڑک کر لے جانے کی
 کوشش کروں گی لہذا انہوں نے اپنے تین آدمیوں کو اسٹیشن کی طرف
 دوڑا دیا۔ انہوں نے پولیس کی دھڑی پہن کر اپنے کام کو سامان کرنے کی
 کوشش کی تھی لیکن میں انہیں مار گئی۔

”اب آپ ان کا کیا کریں گی؟“
 ”دوبلے ہاتھ دوں میں بند رہیں گے۔ کراچی پہنچ کر بھی میں ان کو
 نہیں لکھاؤں گی۔ بعد میں ڈبے کی صفائی کرنے والوں کو ان کا پتہ پتہ کا اور
 اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔“
 ”یہ بے ہوش ہیں؟“ زبیدہ نے فرخ کی طرف اشارہ کیا۔
 ”ہاں۔“

”تو آپ انہیں موش میں کیوں نہیں لاتی؟“
 ”اسے خود ہی ہوش آئے گا۔ وہ اصل سے غشی کی روادی گئی ہے۔“
 اس کا تو دواور ہی سے کیا جاسکتا ہے اور دواور سے پاس نہیں ہے۔“
 زبیدہ متفکر نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتی رہی۔
 چیختی چیختی ہوئی ٹرین اپنی منزل کی طرف داں دواں

تھی لیکن اگر کنڈکٹرنڈ کو بے کف افسا اس شہر سے خالی تھی۔
 فرخ کو حاصل کرنے کے بعد وہاب میں اپنے ذہن کو ایک بہت بڑے
 بوجھ سے آزاد پار ہی تھی۔ ڈبے میں جو کچھ ہو چکا تھا، اسے اپنے ذہن
 سے جھٹکنے کے لیے میں نے زبیدہ کو اپنی آغوش میں جھپٹ لیا اور اس کے
 سپر کے ہوئے ہونٹوں میں اپنی دلی لاشکی کا سامان ڈھونڈنے لگی۔
 رضوان لاہور میں رہ گیا تھا لیکن مجھے تو کبھی کبھی جلد ہی
 کسی ٹرین سے کراچی کے لیے روانہ ہوجانے کا۔

میرے پاس خود روش کا سامان نہیں تھا اس لیے اب اس کے
 سرا کوئی صورت نہیں تھی کہ کراچی پہنچے۔ تک صرف باقی پر گزارا کیا جاتے۔
 کھانے کی کوئی چیز خریدنے کے لیے ڈبے سے اترا خطا ناک ثابت ہو سکتا
 مقابہ میرے انداز سے کے مطابق اپنے تین ساتھیوں کے لاتے ہوئے ان
 لوگوں نے مجھ لیا ہوگا کہ انہیں پھر شکست ہوئی ہے، نیز یہ کہیں اس ٹرین
 میں سفر کر رہی ہوں۔
 مجھے یقین تھا کہ اپنی اس شکست پر کبھی ان فاقی دانت میں رہا ہوگا۔

میں ایک میرا داغ تھا اس کو دھڑھڑاتی میں لگا رہا فرتے اور زبیدہ کوئی
 رہیں۔ سگریٹ پی پی کر مر رہا تھا کر لگا ہوا تھا۔ میں اٹھ کر ہاتھ دھو کر گئی۔
 وہ تیزی لے نکلیں بند کئے جس میں حرکت پڑے ہوئے تھے۔ میں نے برہانے
 کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ گھٹس سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اپنے سینہ میں زندہ لگی تھی۔
 میں نے دانش بینا میں تین بار کیا کیا کہیں اور گھومتی پانی پیسا اور
 ہاتھ دھو کر سے نکل آئی۔ سوئی ہوئی زبیدہ اور فرتے کے چہروں پر میں نے
 بڑے پیار سے ہاتھ بھیرے ان کے چہروں پر کھیرے ہوئے بال سے میل کر
 میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

”یہاں سے میں نہیں اٹھتا ہوں دیکھ سکتی ہوں کہ لوگ
جمع ہو رہے ہیں اور جھجک جھجک کر ان کے سچے کچھ دیکھ
لوئی جانوڑی ہلاک ہوا ہے۔ اس کی لاش ان کے قریب ہے۔“

[illegible]

پیش آئی۔
 ”ہنگامی صورت حال تو اب پیش آئے گی کیپٹن اناٹا خاں نہیں
 بیٹھ سکتا اس خوف نے گروں کا حال ہیسا دیا ہوا ہے۔“
 ”اب ہرگز نہ کرو میں اس کے حال کے متعلق شے اڑاؤں گی۔ سائیکس

کئی کئی لاکھ روپے کی رقم تھی۔
 پھر میں سیدھی اپنی خواہ گاہ میں پہنچی اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر
 خبر پوچھنے لگی۔ دوسری طرف گفتگو کی اور پھر کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔
 ”ہیلو! ایک مردانہ آواز سنائی دی۔“
 ”کاشف تھا؟“ میں نے اٹھتے ہی میں اس کا غلط فہم سمجھا اور۔۔۔“
 ”یوریا سن! دوسری طرف سے جو تک کر کہا گیا۔“
 ”ایک پتہ نوٹ کرنا“ میں نے اپنا فہرہ مکمل کیا۔
 ”آپ۔۔۔۔۔“
 ”میں جو کچھ کہی ہوں، وہ کرو!“ میں نے ڈیٹ کر کہا۔
 ”ہیں۔۔۔۔۔ میں یوریا سن! آواز سے تو کھلا ہٹ گیا تھا۔“
 میں نے اسے فرخ کے گھر کا پتہ نوٹ کر دیا اور پھر بولی، ”اس گھر
 میں ایک لڑکی رہتی ہے جس کا نام فرخ ہے۔ کچھ لوگ اسے اٹھارہ بجاتے
 ہیں اور وہ بڑے باروشہ لوگ ہیں لیکن ہمیں ان کے اثر و رسوخ کی ذرہ
 برابر برا نہیں کرنا چاہیے۔ معاملہ بڑے گاؤں میں خود چمکتی دوں گی۔ نہیں
 بس اٹھارہ بجے کہ وہ لڑکی کو خود اڑ کر لیں۔ اگر شرک پر لاشیں گرنے کی قیمت
 آجالتے تو بھی نہ بھڑکا بھیجئے؟“
 ”میں یوریا سن!“
 ”بڑے گھٹنے کے اختتام سے پہلے اس کی حفاظت کی ذمے داریاں نبھال
 لو۔ اگر کچھ ہو گیا تو بہت بڑی طرح پیش آؤں گی۔“
 ”آپ اطمینان رکھیں یوریا سن!۔۔۔۔۔ اگر باز پرس کی فوج آپ ہی جی
 تو وہ باز پرس آپ کا مقصد قتل نہیں بلکہ اس کی لاش سے کرے گی۔“
 میں نے مزید کچھ کہنے پر غصہ منقطع کر دیا اور کسی بزرگ اطمینان کی
 سانس لی۔ میں فرخ کی طرف سے بے فکر رہ سکتی تھی۔ لیکن آفاق نے مجھے اس
 بات پر مجبور کر دیا تھا کہ میں اسے وسائل کو کام میں لاؤں۔ اب کیبن آفاق کو
 احساس دلا کہ اس نے ایک چیلنج سے ٹکر لیا ہے۔
 ممکن ہے کہ میری اس سرگزشت کو پڑھنے والے ٹیلیفون پر
 ہونے والی اس گفتگو سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اس لئے
 میں یہ بات صاف کر دینا چاہتی ہوں کہ میں انویسٹی گیشن کے کسی سرکاری
 محکمے کی سربراہ نہیں ہوں۔ پہلے بھی میں یہ بات کہہ چکی ہوں کہ
 میں حکومت پاکستان کے کسی بھی شعبے کی ملازم نہیں ہوں۔ مکالمہ فرخ
 نے مجھے ”یوریا سن“ کہا تھا لیکن اس کا بھی مطلب نہیں کہ میں کسی
 ملک کی شہزادی ہوں۔ بات کچھ اور ہے لیکن میں اس کی تفصیل
 میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے اپنی سرگزشت کے آغاز میں ہی کہہ دیا تھا
 کہ میری ذات سے وابستہ سراسر رنر رنر خود ہی پر وہ اٹھنا ہے
 گلیں خاص طور سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔
 میں کر سکتی ہوں سہارا ہی تھی کہ ایک ملازمہ بننے کی شرط

حد نگاہ تک درپردہ چھلکا ہوا تھا۔ چائے کے ساتھ جو کچھ
 میں چٹ کر گئی۔ پھر چلنے کی دو باتیاں لی کر تو میں مکمل طور
 دم ہو گئی۔ اب سنے میرے سے کسی کام میں جھٹ جانا میرے
 مسئلہ نہیں تھا لیکن فی الحال میں کچھ کرنے کے بجائے صرف
 ہی رہ سکتی تھی۔ مجھے رضوان ساجد کا انتظار تھا۔ جب وہ
 یہ اطلاع دیدیتا کہ وہ آئے گھنٹے تک فرخ کے گھر میں تک کر رہا
 اس دوران میں فرخ محفوظ رہی ہے تو پھر مجھے مکمل اطمینان ہو
 تھا ایک ایسی ہی جیسے جس میں مکمل اعتماد کر سکتی ہوں۔ پھر
 تو اس نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ میں دم بخود رہ گئی
 میں اُسی کرکری بیٹھی ہوں کہ میں آفاق کے آگے رضوان
 لاؤں گا اور میں فوراً ڈرائنگ روم میں پہنچتی ہوں۔ اس کے
 صورت حال کو دیکھ لینا چاہتی تھی لیکن مجھے اس میں سانس نہ لانا
 ”کیا رہا؟“ میں سوال کرنے پر مجبور ہو گئی۔
 ”میں فرخ کے گھر سے آ رہا ہوں۔“
 ”وہ محفوظ ہے نا؟“
 ”جب میں وہاں سے چلا تھا، اس وقت تک محفوظ۔“
 ”تم وہاں آدھے گھنٹے ٹوٹے تھے؟“
 ”ہاں۔۔۔“
 ”بس تو پھر اب نہ کرنے کا کوئی عمل نہیں رہا۔“ میں
 میکس بولی۔
 ”تمہارے اطمینان کا سبب میری کچھ نہیں نہیں آ رہا ہے۔“
 ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔
 ”سبب ہیں اتنا ہی ہے کہ اب میں اپنے وسائل کو
 لاچکی ہوں۔ عموماً تو میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے کسی
 صرت اپنے دماغ سے کام لوں لیکن فرخ کے معاملے نے مجھے اس
 کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔“
 ”وہ وسائل کیا ہیں؟“
 ”یہ ہیں نہیں بتا سکتی میرے وسائل جب تک ملازم
 ہیں، میں انہیں ملازمین رکھوں گی۔ اگر کسی اور شخص کو اسے
 گیا تو اور بات ہے۔“
 ”تم خواہ مخواہ زیادہ بڑا کر رہنے کی کوشش کر رہی
 نے مزہ نہ کر رہا۔“
 میں ہنس کر رہ گئی، پھر بولی، ”مظہور! میں نہیں
 اور تماشہ دکھائی ہوں؟ میں نے ملازمہ کو آواز دیکر بلایا
 میں رکھے ہوئے ٹیلیفون کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی،
 جب ملازمہ ٹیلیفون اٹھا رہی تھی تو میں نے اس سے
 ”الو۔۔۔۔۔ اب اگر تم نے مجھے پڑنے کی کوشش کی تو خون کی تہیاں

بہرہ جایش لی۔“
 مجھے فوری طور پر کوئی جواب نہ ملا۔ میرا جلیخ سن کر آفاق
 متلے میں آ گیا ہو گا۔ وہ بدستوری نہیں کر سکتا تھا کہ اس ملک میں اسے
 چلیخ کرنے والا بھی کوئی موجود ہے۔
 میں قدرے وقت سے پھر بولی، ”کیا تمہیں ساپ سوکھ گیا
 کیبن آفاق!“
 ”تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کسے چلیخ کر رہی ہو؟ کیبن آفاق
 کی آواز قدرے بھڑکی تھی۔
 ”میں جانتی ہوں کہ تم پریسڈنٹ سے کتنے قریب ہو لیکن تم کو ابھی یہ نہیں
 معلوم کہ صوبہ بانو کیا پڑے۔“ میں نے جواب دیا اور پھر شروع کیجے میں
 کہا ہے کہ تم کو تو میں نہیں پریسڈنٹ ہی سے فرمائندہ اؤں۔“
 ”شٹ اپ!“ آفاق اٹھ گیا۔
 ”بہت اچھا۔“ میں نے شٹ اٹھانے سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
 رضوان کے چہرے پر ہوا آسٹیاں اڑنے لگی تھیں۔
 ”یہ تم نے کیا کیا؟“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔
 ”اب ایک تماشہ ہو گا۔ تم تمام باتیاں بچانا۔“ میں نے خوشدلی سے کہا۔
 ”یہ تم بھولو کہ اس جگہ ملک میں پریسڈنٹ کے بعد کیبن آفاق ہی
 کا سکہ چلتا ہے۔“
 ”میں اس سے کون کونسا کردار لے کر تم دیکھتے تو رہو!“
 رضوان پر تھوڑی نظروں سے میری طرف دیکھا رہا۔ دراصل
 اس کی بینائی اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی تھی جہاں میرے وسائل کا کمال
 پھیلا ہوا تھا۔
 ”اب تم جا کر آرام کرو!“ میں نے اس سے کہا۔ لاہور میں تمہارے
 دوست زہری نے یہ خواہشات کئے ہیں ان کی مجبوری نیکر مجھے بتا دینا میں
 زہری کو جیک بھیج دوں گی۔ فرخ کے والد کو ان خواہشات کے بارے
 میں کچھ نہ بتانا۔“
 ”کیا واقعی نہیں فرخ کی طرف سے ممکن اطمینان ہے؟“
 ”قطعی۔“
 رضوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رکھڑا ہو گیا۔ ابھی بات ہے۔
 تو پھر میں چلتا ہوں۔“
 میں اسے مجھڑنے کے لئے برآمدے تک گئی اور پھر پٹی خواہ گاہ
 کی طرف چل پڑی۔ اب کچھ دروازہ کڑھا جاتا تھا۔ راہداری میں میری
 ٹیبلٹ پر ملازمہ صوفی سے ہوئی جو زہریہ کو ساتھ لے آئی تھی۔ زہریہ
 نے اپنا لاجور اور آٹا کرنا رکھ دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اس لباس میں اتنی
 جگہ نہیں ملے گی، تاہم میں نے کوکڑ سے مل کر لاجورہ لیا اور پھر اپنی لاجورہ
 سے کہا۔
 ”تم جاؤ!“
 ”آپ کی دونوں لاجورہاں گروہ میں موجود ہیں۔“ ملازمہ نے بتایا۔

جب کھاڑی لمبات آباد سے گزرنے لگی تو نذرہ دلالان لاٹو کھیت سے
 پیچھے مکی دیت سے رستہ کو کرنا پڑا۔
 ٹھاکر خانے سے علیحدہ کرنا ایک پہنچنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔
 جب سید بیڑ فرخ کے گھر کے سامنے رکنی سڑک سے راستے سے جگ چکے تھے۔
 آس پاس کا ماحول ناکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن یہی تیرہ ناکہ بولنے والے
 تارکی میں بھیجی گئے۔ اسرار سائیں کو موجودگی محسوس کر لی۔ یقیناً کھاڑی
 حق کے آدمی پوری طرح جو جس تھے۔

[illegible]

میں نے پہلے سے۔
 میری زندگی آہستہ آہستہ جلتی ہوئی گلی سے نکلی اور سڑک پر پہنچ کر
 اُس کے لیے تھی۔
 "وہ کہاں ملیں فرخ؟" میں نے اس سے پوچھا۔
 "جہاں آپ کا بھی جا ہے"
 "میرا دل اس وقت بڑا چاہ رہا ہے کہ میں کار میٹھو یہ بھراؤ"
 "میں تو کبھی کوئی رہنے والا" فرخ نے ہنس کر کہا۔

”کلی کسی وقت میں پھر اؤں گی اور کہیں اپنے گھر لے چلوں گی“
 ”اسی وقت لے جلیں“
 ”پھر قربت دیر ہو جاتی وہ اپسی میں“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”تہہ ہا“
 والدین پریشان ہو جاتے،
 قرعہ خجواب سے پہلے ہی مکان کا دروازہ کھل گیا۔ دھڑکی ہی
 باہر نکلا تھا۔
 ”وہ کھڑکھڑا کر، اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ، دروازہ کھل گیا۔“

کو دنگڑائی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب ان شکستہ انگڑائیوں کی لاج رکھنے کا فرض زبیدہ ہی ادا کر سکتی تھی۔

تھر تھرچ کر سنے گاڑی گرج میں بند کی اور پھر لنگرائی ہوئی برآمدہ کی طرف تھسی۔ برآمدہ میں میری کوئی ملازمہ نہیں رہی تھی۔ قریب جا کر میں نے اسے پہچانا۔

”مالکن!“ اس نے سر کو تکی کی ”ذرا اس کمرے میں آکر میری ایک بات سن لیں۔“

”خیر؟“ میں نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

”پہلے اس کمرے میں آجیے!“

میں ابھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے جلد سے دروازہ بند کر لیا اور پھر سر کو تکی میں لی۔

”ابھی میں نے کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

”اب تک جھوٹ جلدی سے میں جھنجھلا گئی۔“

”مالکن! یہ لڑکی جو آپ کے ساتھ آتی ہے بالکل دیہاتی لگتی ہے نا؟“

”لگتی نہیں ہے بلکہ واقعی دیہات کی ہے۔“

”کیا کچھ بڑی کبھی بھی ہے؟“

”تم اصل بات کو نہیں بتا رہی ہو۔“ میرا پارہ چڑھنے لگا۔

”مالکن! اس کا لہجہ اور رویہ بالکل ہی عجیب لگتی ہے۔“

میں آپ کے سر کے صفائی کے خیال سے دوسری کمرے میں چلی گئی۔ پھر مجھے کسی اور صفائی دی کہ وہ دروازہ ہی پر دھک لگا اور میرا کاندھا زبردستی دھکیلے۔ وہ لڑکی ٹیلیفون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

”ٹیلیفون پر؟“ میں چونک کر پڑی۔

”ہاں مالکن!“ اس کا لہجہ اور چہرہ جوش ہو گیا۔ ”وہ کسی کو آپ کے بارے میں بتا رہی تھی کہ آپ کا تعلق فوج سے ہے۔“

غلط فہمی ہوئی تھی۔

مجھے اپنے اعصاب پر تڑپنا سا محسوس ہوا۔ میں زبیدہ کی طرف سے کسی ایسی بات نہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

ملازمہ نے اپنا پانی جاری رکھا۔ پھر اس نے میری کاتھنا مالکن کو وہ دو ایک روز میں آپ کے بارے میں تفصیلات موصول کر کے فون پر بتا دیگی۔ اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ آپ کے سامان کی تلاشی کے قربت ہی بائیں جان لگی۔ اب بتائیے مالکن! کیا وہ لڑکی دیہات کی ہو سکتی ہے؟“

”تفصیل سے بتاؤ! اس نے فون پر اور کیا کیا کہا تھا؟“ میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

”کوئی اور خاص بات نہیں تھی مالکن! درنہ مجھے دریا پار دیکھنا“

”ہوں“ اچھا! فی الحال کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہ کرنا چاہیے۔

چاہے کہ یہ بات پھیلے۔

”ہاں مالکن! مجھے بھی یہ بڑا خطرناک لگا تھا۔“

”آپ کے سوا کسی سے مجھے نہیں کہا۔“

میں سر ہٹا کر اس کے لیے نکلی اور اپنی خواب گاہ کی طرف میرے دماغ کی حالت سمجھتی جیسے سمندر میں طوفان آیا ہو۔ مختلف النوع خیالات طوفانی لہروں کی طرح امنڈ رہے تھے۔ میں سب سے زیادہ بے چہری ہوئی لڑکی تھی کہ آخر زبیدہ کو لگانے والا کون ہو سکتا ہے؟ کیا زبیدہ کیپٹن آفاق کی بیٹی ہے؟ اس سوال کا اثباتی جواب بحال تھا۔ یہ بات منطق کے دائرہ میں آ سکتی تھی کہ میں نے جو برائیاں اور اذیتیں وہ درمیان میں الفا جگہ قیام کیا وہاں کیپٹن آفاق کی بیٹی ہو سکتی ہے۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ زبیدہ کیپٹن آفاق کی بیٹی ہے۔ یہاں پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے کہ اس نے ان تینوں کو آزاد کرنا کوشش کیوں نہیں کی جنہیں میں نے صفائی کے مکان میں قید کر دیا تھا۔ اگر وہ کیپٹن آفاق کی بیٹی ہوئی تو اس کا فرض اولیٰ یہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہی طوفانی لہر...! میرا دماغ اس فکر شدت سے ہلچل رہا تھا جس جہاں اپنی خواب گاہ کے دروازے میرے قدم خود بخود دھک لگتے۔ دفعتاً میری یاد آگیا کہ ایک فیصلے میں آئے تھیں وہاں لڑکی اور دروازے کے درمیان کھینچ کر لگا کر ڈاکل کرنے لگی۔

دوسری طرف گھنٹی بجی، پھر کسی نے سیور اٹھا لیا۔ میں نے وہ کام پڑھتی تھی کہ اس کے خاص سخت فرماؤں میں نے اسے ملکہ دیا کہ وہ اپنے ساتھ کسی آدمی کو لے کر ٹھیک دوسرے کمرے پر چلے جائے۔

”برآمدہ میں میری ملازمہ موجود ہوگی“ میں نے فون پر اسے اپنا کارڈ دکھا دیا۔ وہ تبھی میری خواب گاہ کے دروازے کے گلی کے دروازے پر کمرے کے اندر آ گیا۔ جب اندر مرتبہ تالی بجنے کی آواز آئی تو بے چہجک اندر داخل ہو گیا۔

”بہت بہتر لڑکی ہے نا؟“ فرماؤں لگا۔

میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنی ایک ملازمہ کو بکار اورا بات دے کر برآمدہ میں بھیج دیا۔ اس کے بعد میری اپنی طرف تھسی۔ اب میرے ہونٹوں پر سکاراٹھ کھیل رہی تھی لیکن اسکاٹھ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔

میں زبیدہ کے بارے میں ایک اہم فیصلہ کر چکی تھی۔ گو کہ اس خولصہ رت لڑکی کو بے غنا شاہیسنہ کرنا تھا اور اس کی تفریح و حال کچھ لحاظ کا حاصل بھی نہ ہو سکتی تھی۔ میں نے اسے فوجی طور پر دیکھا۔ اس کی لڑکی مجھے نے وقوف بنانے کی کوشش کرے۔

میں سر ہٹا کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور اس کو زبیدہ کر رہی پڑھی، ہانگ پڑا ہنگ رکھے کسی سوپ میں فروغ

”نہیں... نہیں... میں آپ کی بات کیسے مائل کر سکتی ہوں۔“

”بس تو بھری جاؤ! شائش! امیر! ابھی جان!“

زبیدہ نے بچکانے کی جھانکی سے نکلاں کے ہونٹوں سے نکالیا۔ انھیں بند کیں اور پھر شاید سانس بھی روک لی۔ دوسرے لمحے وہ غٹ غٹ کر کے پورا نکلاں پڑھا گئی۔ آخری گھونٹ کے لاس نکلاں بھینک کر دونوں ہاتھوں سے پانی سے مقام لیا اور زبیدی طرے کاٹنے لگی۔

نکلاں تالیں پر اس طرح گر گئیں کہ نہ بھینک پاتا۔

”کیا ہوا؟ کیا سینے میں جلن ہو رہی ہے؟“ میں نے کہتے ہوئے زبیدہ کو اپنے قریب کھینچ لیا۔

”ہاں! زبیدہ! مشکل ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سبز آنسوؤں سے۔“

”لاؤ میں سہارا دوں۔“ میں نے اس کے ہاتھ جڑا دیے۔ وہ اس کے سینے کو مسلتے ہوئے۔ بس ابھی ایک منٹ میں ساری جان ختم ہو چکی تھی۔

”میرے سینے میں آگ لگ گئی ہے۔“

”ابھی مجھ ملنے کی گھبراہٹ نہیں۔“ میرا ہاتھ تھب و فرائزے ہلچتا رہا۔ زبیدہ نے اپنے سر پر سے شامیہ نکال دیا۔

ایک دھنک میں اس نے اسے سنبھال لیا۔ تو اس کو سب سے پہلے اس کے ہونٹ نکال لائی۔ تالیں پر پڑا، نکلاں اس کا سانس روک رہا اور اس کو کھولنے لگی۔ میں نے پہلا نکلاں بنایا تو زبیدہ کچھ بولی لیکن سبب میں نے دوسرے نکلاں میں بھی شراب اٹھا کر شراب کے لٹاس میں میاؤں تکبہ۔

”نہیں میں صاب جی! اب بالکل نہیں بیوٹی گی۔“

”ذرا دیر کر لیتا۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”میرا سبب نہیں جانے گا۔“

میں نے ہنسنے کے بعد نکلاں اٹھا لیا اور پھر بڑے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ وہ نکلاں میں نے دس منٹ میں ختم کر کے اپنے لیے ایک نکلاں اور نیلے پھیریں دونوں نکلاں اٹھا کر زبیدہ کے قریب جا بیٹھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ زبیدہ کے آنکھوں میں ایک باریک سونہ لکیر کھینچ گئی تھی۔ شراب کا پہلا نکلاں اس پر تھکا جب میں مندر اٹھا نکلاں اپنے ہاتھ سے اس کے ہونٹوں سے نکالنا اس نے قدرے تذبذب کے بعد ایک گھونٹ لے لیا۔

”بس یہی طرے ایک ایک گھونٹ پی رہو۔“ میں نے نکلاں اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

”یہ تو... بہت کڑوی ہوتی ہے۔“

”اس کا اثر بہت سہجھا ہوتا ہے۔“

زبیدہ نے ایک گھونٹ اور لیا۔ میں نے بھی اپنا نکلاں منہ سے نکال لیا۔ زبیدہ نے وہ نکلاں ختم کر کے۔ نہ اٹھا نکلاں اس میں اس دوران میں اپنے لیے پھر ایک نکلاں لے کر بیٹھ گئی تھی۔

ایک گھنٹے میں میں نے پانچ نکلاں ختم کیے اور زبیدہ میرے خدیہ اصرار پر بڑی مشکل سے تین نکلاں ختم کر کے۔ اب میں نے اسے اپنی ہانپ

میں نے قید آدمیوں میں اپنا نانا دار جائزہ لیا اور اس وقت
فوت کی گھنٹی بجے مگر اس وقت مجھے نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ فون
نہیں دلا اور میں نہ ہوا لیکن جب میں نے ریسور اٹھا تو کوئی نہ تھا

اور تو نے مجھے خوب پسند کیا تھا اس لیے غزل اس کے بعد مزید

ادارہ کارنی کو چھوڑ کے دھواڑے کی طرف
ہمارا صاحب کے ساتھ جاری ہوا اور اب
مک ڈیسز آؤں۔ اگر کوئی ٹون کرے یا ہمال
میں نے تو اعلیٰ کا اظہار کرتا کہ کوئی نہیں

جو وہ کہتا رہا، میں گمراہی میں ہو رہا اس طرح بلند ٹھکانے کی دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں پہنچ گئی۔

”شریف لائے!“ وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔
 ”شکریہ، میں بڑے اطمینان سے اندر داخل ہو کر لیکن
 پھر محسوس مغزوں سے اوروں اور دھڑکتی ہوئی بولی“ اور وہ اس
 اس کمرے کو خاصا تبدیل پارٹی ہوئی تھی یہ میرا اندازہ ہے کہ تھا کہ اٹھا
 لارنس ایسا سامان اپنے ساتھ لے کر ہو گیا۔

”وہ بہت ہی سخت جان ثابت ہو رہی ہے لیور ہائی ٹس!.... ویکٹر

دبے پتلے چینی کا خاکہ ابھرایا تھا جس کی ٹوچیں لٹکی ہوئی تھیں۔
میں کسی سانپ کی سی جھک تھی۔

اسپورس کو زیر نگین رکھنا ہی ہے ورنہ جس کی مرگ بجے ہے

102

تہ علی سید لگا رہا کہ اب کو کونسا واسطہ تو قریح کو کھجائیے گا مجھے یقین ہے
 کہ بک بات نہیں ملنے کی لیکن اگر بک بات کو روکا جائے نہ پس آیا تو یہ میر
 رشتہ ہرگز نہیں ہونے دے گا، خود کہ میں جس خصوصے کا سامنا کرنا پڑے
 میں نے بیگم باقی کو خود سے دیکھا ان کی باتوں سے ظاہر ہونے
 ولے غلوں کی بربادان کے جسے ہر کسی کو جو وقتیں اس آٹے وقت
 میں بھی ان کی متا خاص پر خوش قسمتیوں میں کا مردان کے دلائل کیا
 ہوا تھا، اب صاحب عزت کے خوف سے میری کے مستقبل کو خطرے میں ڈال
 سکتے تھے کیونکہ باپ کو ابی عزت میں کی خوشیوں سے زیادہ پیاری ہوتی
 ہے لیکن مل کا دل تو دوسلے جہاں سے غفلت ہوتا ہے۔ وہ ہزار قربانیوں
 کے بعد کس امداد کی خوشیوں پر رنج نہیں لاتے دیکھا۔
 میں خود کسی وقت قریح کے مستقبل کے بارے میں متفکر تھی میر
 دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ قریح اس طرح اپنا جگہ مجھے جلا ہو کر تکی دور
 چل جائے لیکن اس حقیقت سے انحراف نہ کیا میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ
 قریح میری طرح آزاد زندگی نہیں لے سکتا ایک دن اسے شادی کرنا ہی
 پڑتی اور جب وہ ہوتا کی تھا تو ان حالات میں بیت و دلائل سے کوئی فائدہ نہ ہوتا
 اگر اس کا مناسب ہو اور قریح کو مجھ سے ملنے کے بعد وہ میری عزتوں کی تجویز بری
 نہیں تھی لیکن طرح لڑائی میں مجھ بنیادی تبدیلیاں ناگزیر تھیں۔
 میں نے بڑے کوسے میں جا کر تنہا اس کو دیکھا اس سے باتیں کیں
 اور ملدی یہ موس کر لیا کہ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ وہ اس دنیا میں تھا تھا
 اور تنہائی سے عاجز آیا ہوا تھا کیں ہر یک کے ساحل میں رہتے ہوئے
 بھی اس نے دہان کے حالات سے سمجھتے نہیں کیا تھا، اپنی تنہائی کا اعراضی
 ملا تھا نہیں کیا تھا بلکہ اسے متعلی علاج کی فکر تھی۔
 میں نے جیسے کہ میرے میں جا رہی تھی کو بتا کر دلا مجھے نہ ہے
 بیگم باقی اس لئے کہ شہر کا چہرہ کھل کھلا میرے فضاں کو بھی سکرانے
 ہوئے دیکھا اور اصل اب میں حاکم میری کی طرف سے امداد نہ ہوا تھا
 حد سے یہ ٹھہری ہوتی تھی کیں کوئی کوئی بوجھ کر دیکھ لے۔
 میں پھر قریح کے پاس چلی گئی بیگم باقی دہان آئیں اور کسی پہلے
 سے لڑکوں کو اس سے اٹھائے گئیں۔ دراصل وہ جاہلی تھیں لیکن تنہائی
 میں قریح کو بھی طرح کھجائی دلا۔
 "دیکھ جان! میں نے قریح کے جسے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں
 نیچے ہونے کہا ہے ایک ایک دیکھ رہی ہیں میرے سے گرد تا ہاں ہے گا تو
 پھر کیوں اتنی ہی منزل نہ کر لیں جائے۔ میں نے تنہا کو دیکھ لیا ہے۔
 بہت اچھا لڑکا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ قریح کے پاس سے ملے گا کہ تمام اس کو
 دیکھ کر اور وہ قریح سے اپنے آقا میں اطمینان دلاتی ہوں کہ کوئی بھی نہیں ملے گی
 پھر میری کسکتے میں کسی کی کوئی بات نہیں سنوں گی۔
 قریح نے ڈنڈا ہائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پھر پھر ہوئی
 آواز میں بولی "ہاں میں نے۔ سے جلا ہوا نہیں جانتی۔"

میں نے لڑتی ہوئی کی آواز میں کہا اور کو سمجھا ہمارا اس میں
 ہاں کو روک لیا۔ وہ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر قریح کی ملاپ
 لینے لگیں، قریح نے چوں کہ میری آواز کی دو دونوں سیلاں بار بار کو ٹھٹھ
 اٹھا کر قریح کو دیکھنے اور اسے جھپٹنے سے قریح ساتھ کیا ساتھ دیر کی بھی
 تعزیت کرتی جاں تھیں۔
 کچھ دیر بعد ہم سب اس کمرے سے نکل آئے اور تنہا اس کو لے لیج
 دیا گیا۔
 مکان میں جگہ کی کئی کا اس میں مجھے شدت سے تھلا۔ اگر ممکن ہوتا
 تو میں یہ شادی اپنے تھیں بڑی صدمہ و دھما سے کرتی لیکن مصورتہ ال
 نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔
 میرے سمجھنے کا بندوبست بیگم باقی نے اپنے کوسے میں کیا۔ قریح
 کی چھوٹی بہن کے تھیں وہیں انہیں شادی نہ لگائی تھی۔ ابھی صاحب و رضوان
 قریح کے چھوٹے بھائی اور صاحب کے عجب کے لئے بڑا کڑو وقت ہو گیا۔ ان
 سب سے قریح پر بھی ہوئے تھیں بڑا روت لگنے کی جگہ جانا تھا۔ سبھی
 تھکے ہوئے تھے بڑے جلدی بندھ گیا آئی تھیں میری آنکھوں میں بھی نہیں نہ لگا
 تھے تو بہت کچھ کرنا تھا جس رضوان کی طرز ملنے نہایت تھی یہ صور تھا کہ کیں
 آفاق اتنی سانس سے ہار ملنے والوں میں سے تھیں جسے اس کی گریز و فرط
 کوئی پوشیدہ بات نہیں تھی۔ وہ قریح کا تین سال سے ہرگز نہ دیکھ لے
 یقین تھا کہ اپنی پوت اور نوے بیٹھوں میں اس نے اپنے لارے سے چھوڑ
 رکھے تھیں سے لڑتے کو اس سے سے لڑنے کا سامنا بندوبست کر لیا ہو گا۔
 مجھے اس کی باتیں اور قریح کا تنہا اس کی ناک مارا تو اس کے برعکس
 اڑنے پھرنے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس نندہ کے پہلے تھی ابلی میں ڈوب کر اس
 نازک اور کسری وقت کو مٹانے کر دیتی۔
 جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے تو میں غشی میں نے ہاشی
 صاحب اور لاک کی بیوی کو جگا کر اس سے رخصت کی اجازت چاہی۔
 "دعا چاہا آپ کو کیا یاد آگیا یا زبا بیگم باقی نے حیرت سے کہا۔
 "ایک ہی صوفی صوفی کا نام میں نے سنا کر کہا تاکہ وہ لوگ درخشاں
 نہ ہو جائیں میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ایک ایک بڑھ چلے میں روٹ آؤں گی۔
 دونوں میاں بیوی کے چہروں سے اب الجھن مٹ کر تھی مگر
 انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی جب ہاشی صاحب کو گایا
 گیا تھا تو رضوان کی آنکھ میں کھل کی تھی اور وہ اس وقت ہمارے قریب
 ہی کھڑا ہوا تھا میں نے اسے اشارہ کیا تو وہ مجھے چھوڑنے کے پہلے باہر
 لا کر گیا۔
 "میرا خیال ہے کہ آج رات کیلپن آفاق منہ میں سے لگا لے گا۔ میں
 نے سہرگوشی کی۔
 "وہ کیوں؟
 "کیا تم نے قریح کی سیٹ کسی زمینی نام سے بلکرائی ہے؟"

اس خبر سے سوک تھے اور بے لطف ہو کر اب اپنے
 ہر کسی میں شریح کی بھلائی تھی اور کسی میری خوشی نہیں تھی
 کا ہر میں میرے ہاتھوں کے لئے قریح کو بے حال مارنا
 کی بات نہ کر لے تھے لہذا کس ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط حرکت
 لے کر قریح کی بہن سے کہل۔
 باقی کی کوئی خوشی تھی نہ لارہ اگر بہت ہو تو شریح
 کی بات سے ابھی صاحب و رضوان کی طرف سے دھما سے ہلر
 لڑا کہ دونوں بیٹوں کو کس اس کی مدد کے لئے دوڑا لیا
 کیں ہوں لیکن اس طرح مجھے خداسی دیکھنے کے لئے نہ تھا بلکہ
 میں نے نہ تو خوشیوں میں شریح سے کہلے خود کو سنبھالنا تھا
 کہ ساتھ لڑنے ہے اور وہ بیٹھیں یہ ملاقات میں یوں
 ہوا کہ میں نے کہلے اپنے جذبات کو قابو میں کر لیا تھا لیکن
 میں نے یہ اختیار اسے لگا کر کر لیا۔
 تنہا کے ساتھ اس کے وعدہ دوست کی تھی نہ تھا
 سے بول تھا یہاں سے اس کو کوئی نام نہیں تھی۔ ہاشی
 خوش نظر سے تھے اور رضوان کی مہریت کا تو ٹھکانہ نہ
 کھیل ہی اس نے دیا تھا لیکن اس کی سرت میں
 کی جھلک ابھی نظر آتی تھی۔ اسے لڑکوں سے میری
 تھی اس لئے وہ قریح کو مجھ سے جلا کر کے اس طرح سرشار تھا
 رقیب کو شکست لگا کر کھل اٹھا تھا۔ میں نے سوچا اس کا
 کی سزا ضرور دے دوں گی۔
 کہلنے کے بعد جب قریح کو دس منٹ بلانے کا وقت
 بیگم باقی سے کہل۔
 "قریح کو اس خود اپنے ہاتھوں سے دہان بناؤں گی
 بیگم باقی کو کھلا اس امر اس میں سوک تھا لیکن
 ہو گیا۔ یہ امداد سے کہلے کی کہلے بہت نہیں ہو سکتی
 اسے یہ عرض تھا کہ اگر مجھے تنہائی مل گئی تو میں قریح سے کھل کر
 چھوٹی بہن اور بیٹیوں نے قریح کو کس طرح جوتا
 میں نے سے کہلے کے آئینے کے سامنے بھاڑا کیا
 لے آئیں گیں بندگی میں دس دن قریح کے کے خود صاحب اس
 تھی تب میرے ہاتھ اس کے جسم کے کسی جیسے سے ٹکراتے تھے
 منہ سے لگا تھا بہت آہستہ اس کے ساتھ فریاد ہو رہی
 میرے سامنے کس کس سننا نہ اس اس سے لگا۔ اگر
 دوسری کو جو لگا اس سے ہوتا تو میں بلکہ اب اس کا
 کر قریح سے لڑتے لڑتے اندر ہم دونوں لذت کے مجر کر لیں
 لیکن آج سب کچھ ممکن نہیں تھا اس کا میں اپنی محبوب کو کس
 مجھے بوجھ کر میری کوشش تھی کہ قریح کا شوہر جیسے

نہیں، یہ کیسے ممکن تھا؟ چاہلوں اور دوسرے کا غارت
اصل نام سے ہی تیار ہو سکتے تھے؟
"پھر کچھ تم سمجھ رہے ہو کہ رات کیسے آفاق سو سکے گا؟
رضوان کچھ نہ لایا میری بات تو اس کی سمجھ میں آگئی ہوئی لیکن
وہ اب بھی غلطی کرتا ہی شدت سے غصہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا
خدت سے میں غصہ کر رہی تھی، میں نے دراصل یوں سوچا تھا کہ فرخ
کے سلسلے میں میرے بیٹے کیسے آفاق کی آواز کے لیے ایک ضرب کاری تھا
اور کیسے آفاق کو اپنی آنکس حد تک بڑھتی تھی؟ اسکا اندازہ مگرچی کی
تاریخ سے برآسی لگایا جاسکتا ہے، انتخابات میں جن علاقوں نے مادر
ملت کو زیادہ سپورٹ کیا تھا، ان علاقوں پر آفاق نے چونگاریاں برسا
دی تھیں۔

بہر حال میں نے رضوان کو پورے تیار رہنے کی تاکید کی اور کایں
بچھ کر روانہ ہو گئی۔ کار چلتے ہوئے میں اطراف کا جائزہ بھی لیتی جا رہی
تھی۔ رات کے سلسلے میں یہ جان لینا میرے لئے کچھ مشکل نہیں تھا کہ
دباں کمانڈر تھے، آڈیوں کے سوا کوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہیں
تھا، البتہ عائشہ منزل پہنچ کر کچھ شبہ ہوا کہ دباں کچھ ایسے لوگ جو جو ہیں جو
آنے جانے والی کاروں پر نظر کرے ہوئے ہیں، شاید کسی طرح دوسرے
راستوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ یہ رائے عمل میں شاید اس کے قریب
کیا گیا تھا کہ نصیر آباد جیسی جگہ پر ایک چھوٹے سے مکان کی نگرانی کرنے
والے، نظروں میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، یہ سنا محفوظ طریقہ تھا
کہ آمد و رفت کے راستوں پر نظر رکھی جائے، یہ طریقہ اتنا ہی موثر تھا
جتنا مکان کی نگرانی کرنا، خصوصاً اس صورت میں جب کہ جن مخصوص لوگوں
کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا مقصود ہو، میرا نام اس سلسلے میں سر نہرست
رہا ہوگا۔ اور میں ممکن ہے کہ اس وقت جبکہ میں عائشہ منزل سے تیز رفتاری
کے ساتھ دوڑ رہی جا رہی تھی، ان نگرانی کرنے والوں میں سے کوئی شخص
قوی ٹیلیفون کی طرف دوڑ رہا ہوگا تاکہ آفاق کو میرے بارے میں اطلاع
دی جاسکے۔

میں تیز رفتاری کے دیاؤز قائم کرتی ہوئی اپنے بیٹے پر پہنچی، خوارگ
میں داخل ہوتے ہی میں نے ٹیلیفون کا رخ کیا اور کمانڈر تھے کے منبر پر اس
کے ہمیری آواز سنتے ہی کمانڈر تھے نے بولنا شروع کر دیا۔
"آج فرخ کے مکان میں خاصی چہل پہل رہ رہی ہو رہی ہے!
خود آپ بھی وہاں موجود تھیں لہذا غالباً اس سلسلے میں کسی پورٹ کی
ضرورت تو نہ ہوگی؟
"زیریدہ کے بارے میں جانتا جا رہی ہوں؟
"وہ بہت سخت جان لڑکی ہے اور اپنی نس کوئی حیرت کام نہیں
کر رہا ہے، اب صرف آخری ڈگری استعمال کرنے کی کسر رہ گئی ہے۔
اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔"

وہ نہیں اس کی ضرورت نہیں، میں نے بات
اسے کرتے کرتے کم بادل کے درپے پر چڑھ کر دواؤں کے ز
چاہئے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ کار میں اس کی موجودگی
چل سکے۔
"بہتر ہے۔"
"میں نہیں اس کام کے لیے تین منٹ سے زیادہ نہیں
کریم آباد میں اپنی کانچھوڑ کر تہاڑی گاڑی منتقل ہو جاؤ
کو کار نہ بدلا پڑے۔"
"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور جب میں اپنی ملازمہ
کی ہدایت دے رہی تھی تو مجھے یاد آیا کہ آج میری ایک ملازمہ
پر لاپتہ ہو چکی ہے، شاید کوئی شخص کوئی تھی تو مجھے اس کے
دیا گیا تھا لیکن فرخ کے خط سے میں اتنی بدحواس ہوئی تھی
بھول کر نصیر آباد دوڑی گئی تھی۔
پانچ منٹ بعد میں مسٹر ایک بلیک کافی چکیا
اپنے دماغ کو بہت بگھا ہوا پارک کی مسائل وحوالات
کر رہا تھا، ملازمہ کی گفتگو لیکن نہیں تھی جسے میں آسانی سے
میرے شبہات کے مطابق یہ افواہی کا کس ہو سکتا تھا اور یہ
آفاق کی بھی ہو سکتی تھی، میں ممکن تھا کہ میرے بارے میں منہ
کرنے کے لیے اس نے میری ملازمہ کی ہدف بنایا ہو۔
میری ملازمہ میں اپنی سامتی کی پراسرار روشنی
اور اس شخص، آڈی کی رات گور جانے کے باوجود وہ سب
میں نے ان سب کو سلی دی اور کہا کہ کل صبح میں اس سلسلہ
قدم اٹھاؤں گی۔

فی الحال میرے سامنے سب سے اہم مسئلہ فرخ کا تھا
میں ایک بار پھر اپنی سرینڈر میں بیٹھی نصیر آباد کی طرف رانا
اور میں نے خود کو بڑی حد تک پرسکون کر لیا تھا۔ جذباتیت
نقصان دہ ثابت ہوئی تیرہ برس پہلے تھا کہ سب کام اطمینان
مجھے مضبوطی کے تحت اذیت پہنچ رہی تھی۔
مجھے کریم آباد کے چارے پر پہنچی تو
سے میں نے گاڑی رخصت قائم کر لی تھی میرا یہ اندازہ اتنا ٹھیک
میں کریم آباد کے چارے پر پہنچی تو
کار کو دباں رکے ہی تھی، میں اس کے برابر میں جا رہی تھی
انجین بند نہیں کیا اور تھرکمانڈر تھے کے قریب پہنچ گئی تھی جو مجھ
سے اتر آیا تھا۔
رات کے سانسے میں کمانڈر تھے کی ایڑیاں ٹکرائی
تک پھیل گئی، اس نے روانی انداز میں قوی سیلوٹ کیا تھا
کے اشارے سے جواب دیا اور کار کے کھلے ہوئے دروازے سے

ان کی رات آرام کے لیے نہیں ہے۔ میں نے کمانڈر تھے سے کہا۔
بڑا صبر ہے۔
میں اور میرے آدمی ہر صوبہ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار
ہیں۔
میں اندرونی قہی جھلکاپلی سیٹ پر نظر ڈالی، زیرہ کو اس حال
میں افسوس ہوا، اس کا چہرہ کھلایا ہوا تھا اندھے بارے میں سب سے بڑی
کڑی کی جگہ سے کھلے ہوئے ہوئے تھے، ایسے مقامات پر خون کی
لشائیات سے اذیت رسانی کا پتہ چل رہا تھا۔

میں نے کار اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے نصیر آباد کی طرف روانہ
کی اندرونی قہی اب بھی روشن تھی لیکن بارے میں کسی کی نظر میں
میں کچھ نہ تھا، وہ کشادہ سیٹ پر اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ
گاڑی کی جگہ سے کھلے ہوئے ہوئے تھے، ایسے مقامات پر خون کی
لشائیات سے اذیت رسانی کا پتہ چل رہا تھا۔
میں زیرہ کو خطرے میں ڈال کر فرخ کی حفاظت کا سامان کرنا چاہتی
تھی کہ کار بولارڈ میں چلے گا کہ زیرہ پر ہونے پر رضوان کے ساتھ
اس کا رے اور اگر کیسٹن آفاق کے آدمی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے
ہوں اور زیرہ سے اچھے حاشیوں، ان کی اس سطحی سے فائدہ
کے ان کے حال سے صاف نکالے جاتے۔
ان لحظے میں دو دھانی گھٹنے باقی تھے جب میں فرخ کے گھر پہنچی
تھی کہ روانی میں ابھی اتنی ہی دور تھی بلکہ بائیں جاگ رہی تھی
ہر کے ساتھ آخری تیاروں میں مصروف تھیں، سامان سوٹ
میں لگایا جا چکا تھا اور دانش کی تیاری ہو رہی تھی۔

میں ان بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا، اسے لے کر اپنی
لگا، وہ زیرہ کو دیکھ کر نرس طرح چوٹ کھانگیا تھا کچھ بولا نہیں
اسے مجھے کچھ نہ لگا وہ چاہتا تھا کہ میں خود ہی کچھ بتاؤں۔
"آج کو کمانڈر تھے سے جگے کے تداریک کر رہی ہوں، میں نے
افراد کے سوال کا جواب دیا، ہمیں اور اس بڑی کوسراخ
ہو رہا ہے۔
کمانڈر تھے ملنے پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن تم نے اس لڑ
میں ہانسی ہے؟"
"ہم اس کی پرہیزگار سے کرو، یہ لڑکی اتنی مضمون نہیں ہے جتنی
کمانڈر تھے سے رتی برابر بددی نہیں رہی۔"
"الطاف ہے، بھونرے کو کچھوں کے دس سے غرض، رضوان نے
مجھ میں کہا۔ دس سے چلنے کے بعد کچھوں کا رنگ تو پھیکا پڑ
ہو رہا ہے۔
میں اس کی غلط باتوں پر دھیان نہیں دیا اور اسے اپنا ڈگر
پر لگا کر یہ تھا کہ روانی کے مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے

رضوان، زیرہ کو کچھ پینا کر کمانڈر تھے کی گاڑی میں لے کر پورٹ کی طرف روانہ
ہو چکے۔ ان سے تین چار منٹ پہلے بائیں صاحب، منہاس اور اس کے دوست
روانہ ہو چکے ہوں گے، غلطی کرنے والے، رضوان کے ساتھ ایک بہت بوش
لڑکی کو دیکھ کر بھی خیال کرے گی کہ انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی
ہے، انہیں جو کچھ کرنا ہے، وہ کر گزریں گے اور میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔
رضوان کی روانی کے دس منٹ بعد میں، بلکہ ابھی، فرخ اور اس کے
بہن بھائی کو لے کر پورٹ کی طرف چل پڑیں گی۔
یہ پروگرام طے کرنے کے بعد میں اور رضوان کار سے اتر کر کچھ نکال
میں بیٹھے، دو گھنٹوں کو "بگایا سچا کھاتا۔"

دانش کے چند منٹ بعد پروگرام کے تحت روانی عمل میں آئی۔
دو گھنٹوں کے بعد دوستوں اور شریک کے ساتھ روانہ ہوئے، گاڑی
ان کے دوستوں ہی کی تھی اور خاصی بڑی تھی، سامان بھی اس گاڑی
میں رکھا گیا تھا، اس گاڑی کی روانی کے ٹھیک تین منٹ بعد رضوان
اور زیرہ روانہ ہوئے، یہ کمانڈر تھے کی گاڑی تھی، سامان تو اس میں نہیں
تھا، کمانڈر تھے نے پہلی کیا ایک گاڑی سامان سے ہمیں پہنچنے والی
کو تھوڑا سا مکھڑا کھانگیا تھا، وہ ایک بار تاسا سوٹ کس تھوڑا سا بگایا
ہو تھا، یہ سانس تیار یاں بیٹھے اندھ سے میں ملے ہوئے تھیں بعد میں
صاحب دیکھ کر اس کا دس زیرہ کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

ٹھیک دس منٹ بعد میں فرخ کو رضوان کی بیٹیاں بی بی لالہ کی
میں بچا، میرا بچہ اس کے دھن بچہ کو بھوکھا تھا، اور ڈر ہے کہ سیٹ
سبھال لی۔
دانتے یا تھیں پہلی گریو تھا تو میں نے دیدہ و نشست کی
راہ میں منتخب کی تھیں جو یہ طور پر مسان رہے ہیں، میں چاہتی تھی کہ
تین آفاق کے آؤں کچھ ترسہ نہ چاہیں تو انہی راستوں سے گزرتے ہیں
میں وہ کیا کرتے؟ اس کا اندازہ لگا، ہسٹل کی خد
میں چاہیں میں رقت سے ڈر کر ٹوک کر رہی تھی، ذہن میں
حرر اٹھا ہوا تھا، میں اپنی تھیں پڑھنے سے مجھے ترسہ نہیں، دکن
میں تھیں بے وقت، روانی کی قاتل نہیں تھی، اس مکان کو نظر انداز
نہیں کیا ہو سکتا تھا کہ دشمن میری چال سے بھرپور بھی ہو سکتے، دست
بردار راست بھی کو اس کے اقدام کی زد میں آئے تاکہ نہ فرخ میرے
ساتھ تھی۔
میں میرے سامنے غارتے بنیاد بنا رہے ہوئے اور مجھے ہوئے
خدا و رضوان ہی پر گڑھا، ایسا جانے والے طرح کی اجازت جو خوش تھی
دے رہے رضوان کی ہر گھڑی تخریب، آؤ، خدا و رضوان کی کاروں کے
وٹے سے نہ بچتی تھی، ان دونوں سے ڈر، ایک میری کار میں
خوئی ہوئی تھی، تینے دل کی دھڑکن سے تیز ہو کر میں اور میرا زیرہ
سے بہت قریب پہنچی، میرا بچہ بڑا بڑا کاؤز اب تینوں کی صحبت چہ

یہ تو رضوان بھائی والی فرستے : کہ تم بھی بہن ہوئی۔
 میں نے انہیں بند کر کے بکسے جی پوری سے اپنی حرفت اور اذیت
 کھولا ہی دیکھو کہ رضوان کی کار کا دروازہ ملتا ہوا تھا اور کسی کھٹے
 ہوا بعد دروازے پر مٹوں سی چڑھ چکا ہوا تھا۔ کھٹے سے دونوں کا ریس
 شہرچہ میں دو دو کی آیت دوسرے کھٹے کھٹے سے روانہ کے لئے نہ
 اندازہ نہ ہوا کہ کتنے صوفیوں کے ساتھ ہوا کہ جس میں قتل کیا۔ وہ دوسرے
 کو بک کر رڈ لے گا۔
 اب وہ کافری سے : آخر میں یہ میرے پیارے بیٹے یہ سارا
 تقریباً دو تہائی ہوئی رضوان کی طرف ہوئی۔
 اسی کا جس میں جی میں کسی سڈ کی احساس ہوئے لکھا تھا
 یہ ہے۔ یہی رضوان رضوان کو زندہ لے گئے جس وقت کہ ہر جگہ ہوا
 دیکھا۔ مجھے قریب بارہ سو سیدھا ہوا ہو گیا۔
 وہ کہنے لگا تھا تھا بارہ سو عزرائی ہوئی آواز میں روایتوں
 ہا اسی حالت میں تھے۔ انہوں نے زہرہ کو قریب کچھ کر لیا مادی ؟
 لیکن یہ کہیے ؟ میں نے منظر باز انداز میں پوچھتے ہوئے اس
 :۔ لفظ آواز میں یہی نظر آ رہا تھا کہ دوسرے سے لے کر ہوتے تھے
 اب ان میں سے ایک دوسرے پر غالب ہوا تھا کہ اس نے اپنے زبان
 کی زبردست شبانی خورشید کی طرح کی گئی تھی کہ میرے لئے خاصا ایمان بخش
 تھا کہ کہیں شبانی کرنے والے کو بھیجا جی بھی۔ وہ کما کر اس کے انجمن
 میں سے ایک تھا۔
 میرے سوال کے جواب میں رضوان نے جلدی جلدی بتانا شروع
 کیا کہ باقیات کس طرح پیش آئے تھے جو ابلی تھا کہ اب رضوان کی
 گلاب اس جگہ پر پہنچی وہ وقت اس کے لئے اس کے اس کا راستہ
 رہا۔ بعد رضوان نے قریب لگے لیکن کراؤ سے پہنچ سکا اس کا
 کو پانے والا کراؤ سے ذرا پہنچ ہی اپنی کار سے اُٹھ آیا تھا۔ وہ تیزی سے
 :۔ ذات کی کار کے قریب آیا اور یہ ہے، بڑا اور نکال کر کمرے پر کمرے
 ہو گئی دلخیزی۔ رضوان خود کو بچانے کے لئے دروازہ کھول کر کچھ کو گھسی
 اور گاڑی کی آٹھ، چار بار اسی وقت اس نے ایک آدمی کو دیکھا جو باہر
 میں تھا۔ وہ دبا تھا۔ دروازہ پر آ رہا تھا۔ غالباً وہ اسی تھا کہ ایک
 فرودھا اس کے لئے اس کے مسئلے کے لئے ہوا۔ اسے کچھ کہتا ہوا کہ
 آج والی کاری یہ مطلوب ہو گئی ہے۔
 رضوان بھی اچھا دلا، اس نے کہا کہ اگرچہ مجھے یہ پتا چلا
 کہ تیز رفتاری کا قریب آئی اور کچھ دیکھ کر ایک کھٹے سے لڑ گئی۔
 اس میں سے جو آدمی مرادو سے کھٹا تھا۔ ہمارے ہی ان جراثیم پر گرا
 بیٹا شروع دیکھنے میں کہ قاتل نے بھی چھوٹی کر کے لپٹا اس کی

گولیاں منانے ہوئے یہاں دوڑتی ہو کر گر پڑا۔
 وہ کہتا ہے؟ "میں نے جو تک کر لیا
 وہ کار کی دوسری طرف پڑا ہوا ہے۔ وہ
 جس نے جھک کر کار کے پیچھے سے دوسرے
 جسم کو دیکھا، اسے موت میں سات دھماکے پڑا نظر
 ہو چکا تھا۔
 لیکن طاریح والے کو نوادار سے کچھ
 تھا۔ یہ ضوآن کسٹار آیا، لیکن اب شاہوہ بھی
 میں کھڑی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ک
 جواب جاری طوت آ رہا تھا۔
 وہ جہاں کے ہیں پھر سکا ہوں یہ تھا
 میرے جواب دینے سے پہلے ہی کا نظر
 آیا۔ جس نے مجھے ساؤشیکا اور اسی وقت اس
 وہ لو لکھا گیا۔
 "..... تو۔۔۔ کیا یہ مر گئی ہے؟
 "ہاں۔۔۔ میں نے پاٹ لیجے ہیں کہا۔
 "ہیما..... میں سحانی.... چاہتا ہوں
 پہنچ جاتا ہے
 "تم حکمران کرو۔" میں نے شک لیجے
 حسی کی حفاظت کئے تم سے کہا گیا تھا۔
 "ادوہ!" کا کھنکھناتی نے لیٹان اس
 زبیرہ پر جھک گیا۔
 "بیجاری سے رضوان نے تہمت بھجے
 قربان ہوئے۔
 "اس کے خیر کیا ہے؟ بہتر تھا۔۔۔ میں نے قہر
 رو پانے سے بچے جو کھڑو دیکھا اور پھر سر
 نال پھر کہے ہو!"
 میں نے اس انمول بات پر دھیان نہیں و
 سے بولی۔ "سنو! ایسی دیر بھری ہے جو بھاری ک
 واسے سے ہمارا کوئی شفق ثابت نہیں ہونا چاہئے۔
 "بہت بہتر ہے اس نے جواب دیا۔ "تر
 یہ گاڑی ایک ایسی غصے کی ہے کہ اس سے ہمارا کوئی
 میں جس اپنی گاڑی کے کہیں سے چلتا ہوں گا۔ بعد
 یہاں پہنچتی تو یہ دھنن آئی خود ہی اپنی منان پتہ
 "اگر ایسا ہے تو تم رضوان مانہ کے کہ کر
 آؤ!"
 "آئے خباب،" کا کھنکھناتی نے رضوان

وہاں نے مجھ سے کچھ کہنا جانا تھا لیکن میں تیزی سے نکل گیا۔
 اسی اندر فرخ کا روم بھی جہاں بڑی بی بی سے یہاں سے نکلتا تھا۔
 فرخ بی بی بیگم پریشانی سے بڑھ چکا تھا۔ کیا بات تھی؟
 وہاں کی گاڑی کا ایکسٹرنٹ بج گیا تھا۔ میں نے سرسری انداز
 پر ایک چوک سیٹ کا دھارا دھول کر بیٹھ گیا۔
 ٹیک زبیر نے کہا: "قرنہ نے پوچھا۔"
 "اے وہ دوسری گاڑی ہمارے پیچھے چلے آئے گا۔" میں نے
 کہہ کر بڑے جواب دیے۔
 لیکن وہ دونوں آدمی رانگوں رہ گئے؟
 وہ فرخ بی بی کو صبح سے گھر دیا تھا۔ حادثہ دھواں لگا گیا۔
 یہ ظلم دوسری گاڑی میں ہوا کی تھی۔ وہ ان دنوں پھر
 فرخ بی بی کی بیوی کی طرف سے بل بلاتا تو بت دیا تھا پانی
 کی پٹی۔
 "میں نے آگیا ہے۔" بیگم پریشانی نے ٹھنڈی سانس لی۔
 "میں نے ان کے اس تہہ سے پرکھ کر بتا دیا تھا کہ وہ کونسا
 آدمی۔"
 فرخ بی بی اس اندر بھی صاحب بی بی جیاتی سے ہمارے
 پیچھے تھی ہماری گاڑی کی وہ دوسری قریب آگئے نہیں اس
 سلسلہ میں صاحب بی بی صاحب مجھے کہہ رہے۔
 "طریقہ تو ہے، یہ وضو ان کہاں رہ گیا؟"
 اس کی گاڑی کو حادثہ پیش آگیا تھا۔ وہ ایکسٹرنٹ کی لٹ
 میں بھی اس سے پوچھ گئی۔
 حادثہ کے نام سے بی بی صاحب پریشان ہو کر گئے تھے کہ میں
 کہہ کر کئی دہائی کا حادثہ معلوم کرنا تھا۔
 ہفت میں رضوان بھی وہاں پہنچ گیا۔ کیا کائنات میں گاڑی ہے
 کیا حتمی ہے اس کام سے کہ کئی لٹریں نہ ہو نہیں اور رضوان
 صاحب کے ساتھ مسلمان کو کنگ کا دوسرا نمبر ہے اس کے ہائی کینو
 دل کے حملے کر گئے۔ مسلمان بہت زیادہ عقیدہ
 فرخ بی بی پر فرخ نظر آ رہی تھی۔ اس نے نہیں کو قیامت کیا تھا
 میں دیرینہ طرف سے تھی اس کی آنکھوں میں لڑائی کا نشانہ
 لگا تھا۔ میں اور دوسری باتوں سے اس کا دل بھلنے لگی تاکہ
 عوام نہ پوچھتا ہے۔
 اچھے وقت ہے۔ کیا بیگم پریشانی اور فرخ کو سب رخصت ہو کر
 کہہ گاؤں میں جانا تھا۔ بیگم پریشانی اندر بھی صاحب بی بی کے
 اپنے ہاتھ میں لکھی تھی۔ وہ رضوان کو لائٹ میں جانے کا نشانہ
 ادا کر رہے تھے۔ ہونا کام آیا تھا اور پولیس والوں نے ہمیں دیکھ کر
 ان سے کہا۔

وہاں میں جہنم تک پہنچنے کے لیے خرچ ہوا۔ ایسے وقت میں ہم بظفر
رہے ہوئے ہوں۔ اس میں سے ایک کا تعلق: بیانی فری شاپ سے تھا اور دوسرے
کے جسم پر کسی برائے کمپنی کے کارخانے کی دودی نظر آرہی تھی۔
ایک ایک رضوان نے مجھے اشارے سے الگ - بلایا اور سرگوشی میں
بولایا: ہماری نگاہ کی جارہی ہے۔
”مجھے بھی خبر ہو رہا تھا کہ اکیلے میں ختم نہیں ہوا۔“
”کیا یہ کہیں آفاق کے گھر کے ہیں؟“
”میں ممکن نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ میں خود دیکھ ہی سے کہ
رہی ہیں کہ کپٹن آفاق آسانی سے - اپنے دواؤں میں سے نہیں۔
”تین یہاں وہ کیا کر سکتے ہیں؟“
”وشن کو کر دوسری صحت سمجھو۔ ہاں یہ بیشک کہا جا سکتا ہے کہ یہاں
اسے کچھ مشکل مزید پیش آئے گی۔“
رضوان کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہونے لگا۔ ذہن تویر ابھی
”مجھ تک تھا کہ میں میری فکر کی نوعیت دوسری تھی۔ رضوان صرف فستخ
کی سلامتی کی طرف سے نگہ بند ہو گا لیکن یہ یہ بھی سوچ سکتی کہ یہاں کپٹن
آفاق کس قسم کی شیطنت بکھر سکتا ہے۔
میں اسی ادھیڑ میں ہی تھی کہ لاؤنج میں ایک ایسا شخص داخل
ہوا جسے دیکھ کر میں چونک کر زہر زدہ ہو گئی۔ وہ کاغذ دق تھا۔ وہ تیر کی
طرف میری طرف آیا۔
”خیر ہے؟“ میں اسے گھورنے لگی۔
”میرے بس آدمی کو آپ نے باہر چھوڑا تھا اس نے کپٹن آفاق کو
دی آئی پی روم (V.I.P. Room) میں دیکھا ہے۔“
”اوہ!“ میرے جسم میں سنسنی پھیل گئی۔ گویا آخری مرحلے
پر خود کپٹن آفاق میدان میں آ رہا تھا۔
”کاغذ دق نے مزید کہا کہ چونکہ میرا وہ آدمی لاؤنج میں نہیں آ سکتا
تھا اس لئے اس نے فون پر مجھے اطلاع دی۔ میں فوراً دھڑ دھڑ پڑا
تاکہ آپ کو کپٹن آفاق کی موجودگی سے باخبر کر سکوں۔“
”تھیک ہے۔ اب آگے سو تو یہیں بٹھو! شاید یہاں ہی ضرورت
پڑ جائے کیونکہ آفاق کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ فریٹ پر بھیجے
شکست دینا چاہتا ہے۔“
”وہ کیا دوا ایک آدمیوں کو اور کبواؤں؟“
”نہیں! زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ میں نے کاغذ
حق کو ابھیں مٹا کر کہنے کی ہدایت کی اور فرخ کی طرف واپس لوٹی۔ وہ
منہاس کے ساتھ ایک طرف بیٹھی، اچھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ
رہی تھی۔ وہ ادراں کا خوش مزاج اور رضوان کی پراسرار لعل و حرکت سے
کچھ نشان ہو گئے تھے۔ جب میں ان کے قریب بیٹھی تو انہوں نے ناامتنار
نہم کرنا کہ میں ٹال گئی اور ادھر ادھر کی بات کر کے فنی نظار میں آنے

ماحول سے طبعی غافل ہو کر بھی لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ میں پوری طرح چوکنا تھی اور اطراف میں حرکت کرنے والے سبھی لوگ میری نظر میں گھومنے والے ایک لٹکھڑے ہوئے آدمی کو لاؤنچ میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ایک انسداد کی بھی تھا جو اسے سہارا دیتے ہوئے تھا۔ سہارا دیتے والے کے ہاتھ میں ایک رینگ بھی تھا۔

میں انہیں کوئی اہمیت نہ دیتی لیکن اس وقت مجھے چونکا کر اظہار ہمارے نگاہی کرنے والوں میں سے ایک شخص ان دونوں کی طرف بڑھا۔ یہ ڈیوٹی فری شاپ والا آدمی تھا۔ اس کے قدم ان دونوں کی طرف اٹھے تھے لیکن پھر اپنا ایک دوسرا طرح رک گیا تھا جیسے جالی ختم ہونے پر کوئی کھٹکنا حرکت کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ غالباً اسے اشارہ کر دیا کہ وہ اس کے بعد ڈیوٹی فری شاپ والا ایسا بنگار بن گیا جیسے اس۔

والوں کو دیکھ کر تک۔ سو۔

لاؤنچ میں والا شاید نے اپنے وقت تھا اس نے سلاٹ میں پہن رکھا تھا اور اسے بال لانے والے کے ہم چیکٹ اور بیٹون تھی اس نے نیلے سوٹ والے کو لے جا کر ایک کونے کے صوفے پر بیٹھا اور ایک اس کے کندھے سے لٹکا کر تیز تیز دیکھ رہی تھی اسے چلا ہوا اسی رات سے واپس لوٹ گیا بعد صبح سے آگیا تھا۔

میں نے اپنے وقت اس شخص کو نظر میں رکھ لیا مجھے شبہ تھا کہ وہ ہر بار اپنے اپنے وقت میں ہرگز نہیں ہے لیکن اس کی ادکاری یا شہریت جاندار سے اس کا رینگ مجھے بہت بڑی طرح ٹھکانا تھا میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس میں کوئی آفتی ہو۔ لیکن وہ بندوبست یا فوٹو گرافنگ ریفز وغیرہ... اس کی بھی مناسب موقع پر وہ ادکاری چھوڑ کر ڈیوٹی فری شاپ میں جاتے گا۔ بیک کھول کر سہارا لگائے گا۔

میں نے کانڈرین کی طرف دیکھا۔ وہ بظاہر تو ماحول سے لا بارہا نظر آ رہا تھا لیکن میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ ہر طرح چوکنا ہو گا۔ وہ نیلے سوٹ والے اس شان سے زیادہ ڈر نہیں تھا۔

”آج موسم خوشگوار ہے اور مطلع بالکل صاف ہے۔ سلاٹ صبح وقت پر ہو گیا۔“ میں نے منہاس سے کہا اور پھر سکراب کر لی۔ ”ایک بیک کر تم میری لاؤنچ کو منوم بالکل ہوئے۔“ اگر مجھے کوئی ایسی اطلاع ملی تو وہیں پہنچ کر میں تمہارے دروازے کا کھول دوں گی۔“

میرا بھائی انا تھا کہ قرع جھلکا کھلا کر منہس بڑی اور منہاس بھی جھینپے ہوئے انداز میں سکرایا۔ پھر اس نے کہا ”یقین کیجئے! فری شاپ مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی آپ کو۔“

”اسی میں تمہاری بہتری بھی ہے لڑکے! میں نے کہا اور مسترخ رضوان لاؤنچ کے درون چکر لگا کر ہمارے قریب آکر کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی کچھ گہری ہو گئی تھی۔ اس کی کھچھ میں آ رہا ہو گا کہ کیا کرے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے غصے آئے۔ لگا۔ اسے اپنے اوپر قابو کی ہنسی جاری رہی۔

لکھنا چاہیے تھا کہ ایک کلاس کے چہرے پر برقی ہوئی جھلکا رہا۔ کو بھی پریشان کر سکتی تھی۔

جلدی وہ وقت آیا جب ہمارا ڈرائیون کے لئے تیار تھا۔ نے لاؤنچ پر اس کے اسٹارٹ کیا۔

ایک ایسے پوسٹ مسافروں کی رہائی کے لئے لاؤنچ کے آگے آگڑی ہوئی جو ان دے کی طرف ٹھکانا تھا۔ تمام سارا ڈرائیون اور ہت است اس دروازے سے باہر نکلے۔ منہاس اور اس طرف چلے۔ میں اور رضوان ان کے ساتھ تھے۔ مجھے یقین کے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئی ہوں گی کیونکہ میری کورور کے کی آخری کوشش کی جا سکتی تھی۔

گندہا ہوا ہر طرح ہراسنی خیر تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی والا ہے لیکن۔ اندازہ لگانا محال تھا کہ ایک چوگا۔

میں نے نیلے سوٹ والے کو کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا۔ کی طرف بڑھنے کی بجائے ایک مسافر کے اچھے گیا تھا۔ ہمارا بنکر ایک طرف اشارہ کر دیا اور نیلے سوٹ والا اسی طرف چلا۔ اس کا گھٹنے ٹیک کر اس کی طرف تھا۔

اب میرا ذہن اور انچیز گیا۔ آخر فوٹو انیسٹ میں ہانے کیا واقعی بیک میں فوٹو گرافنگ ریفز موجود تھے جسے فٹ وہ فوٹو انیسٹ کا رخ کر رہا ہے؟

بات میرے کوئی گنگ سکی اب اس کام کا وقت جب تک وہ فوٹو انیسٹ سے باہر آتا، ہم فریخ اور منہاس کو سوار کر کے چلے۔ نیلے سوٹ والے کو ناکارے کا موقع ہی نہ ملا۔

ابنا مجھے ایک اور خیال آیا کہیں ایسا تو نہیں اس کی جہاز کا مسافر ہو؟ اگر اسے فریخ کے ساتھ ہی سفر تو... تب تو وہ کہیں بھی موقع ملے۔ فریخ کو ٹھکانے کا

اس خیال نے مجھے بھی مضطرب کر دیا کیونکہ میں کیوں عیاشی کا کوئی تو نہیں کر سکتی تھی۔ چند لمحوں میں اس کا رخ اس چول کر اکر اکر محال نظر آ رہا تھا۔ یہ ناممکن سی بات تھی کہ میں کوئی سیٹ مل جائی اور میں فریخ کے ساتھ سفر کر سکتی۔

اوہ! وقتاً ایک ایک خیال میرے ذہن میں آیا کہ مجھے خطہ بے مینا نظر آئے گا۔ اگر اتفاق کوئی نہ تھا تو پھر اسے وہ کی کیا ضرورت تھی جس کا شکار بنیہ ہوئی تھی؟۔ وہ سب پر مطلب ہی ہے تھا کہ کوئی دوسری تجربہ نہیں ہوئی تھی اور میں تدبیر کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں تھا۔ ایک کسک کا فٹاں میں پھر تھیں اور وہاں دوا میں بنگ کے لیے ریٹ میں ملتی تھی۔ اس کے

رسمی کارروائیوں میں تھیں کیلن آفاق لاکھ بار سوخ اور توڑ توڑ وہ آدھے گھنٹے میں بے سار سے ان تعلقات ہرگز نہیں کر سکتا تھا یہ سب کچھ سوچنے کے بعد میں نے طینان کی سانس

اس پہنچ گئے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ قرع کی نظر میں اب مجھ کی دیکھ رہی تھیں اور بار بار ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کی کوشش کر رہی ہو جہاز کی سرچشماں چڑھنے سے پہلے کہ وہ پٹ گئی اور سکیاں لینے لگی۔

اسے ایک یاگل بن ہے۔ میں نے اسے پیار بھرے انداز میں اکر لیا۔ یوں لگ رہا ہے جیسے باری۔ آخری ملاقات ہے؟

میں نے اس کی باتیں کر دیں تو اس نے قرع کے دھڑکاؤں کی۔ میں اور انچیز نے اسے روک سکی۔

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

میں نے اس کی باتیں سمجھنے کے لئے اس کے دل میں تو سارا جاز کی

کیونکہ آج جو ہے اور قرع اتنی آسانی سے جہاز میں سوار ہو گئی۔ مجھے یقین نہیں۔ یہاں ہے۔

بڑا علاج تو رضوان کے پاس ہی نہیں۔ رضوان نے مزہ ناکر کہا۔

نہ۔ نہ۔ نہ۔ اپنے کسی قانونی کا کہنے کو روٹ لیا ہو۔

ہو سکتا ہے۔ میں بڑبڑاتی لیکن جب تک جہاز اڑائیں جتنا مجھے اطمینان نہیں ہو گا۔

”اطمینان تو خدا خدا ہے میں کسی بھی نہیں ہو گا۔ رضوان نے طنز پر ہے میں کہا۔ قرع کی جہاز کا گھاؤ جو کھلیا ہے دل پر ہے۔

”اوہ! ہرگز نہیں۔ بھول سکتی کر گھاؤ تو تمہارے گلاب سے نہیں

اس کی سزا ضرور دوں گی رضوان! یاد رکھنا۔“

”خیر تو مستحق سزا جتنے کے تیار ہیں خاتون! آپ ذرا گھاس ڈال کر رو دیکھئے۔“

”اپنا یہ فوٹو اندازہ تو چھوڑ دو۔ کس نہ بہت بڑی طرح لگے۔“

”چھری خرگوش سے کہہ کر چھوڑ دے۔“

میں ہنسا کر لاؤنچ کی طرف واپس چلنے لگی اور رضوان نے منہس کر اپنا فقرہ نامکمل ہی چھوڑ دیا۔

لاؤنچ میں میری نظر دل سے نیلے سوٹ والے کو ہر طرف تلاش کیا لیکن وہ کس نہ کھاتی نہیں رہا۔ کانڈرین ایک طرف چلا ہوا اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ شاید اس کی دلالت میں باہر میں تھی لیکن لہجہ عالم تھا کہ ایسے لوٹ پر آفاق کی موجودگی۔ ذہن میں کسی کہنے کے سرسرا چھ رہی تھی۔

میں اس حالت سے ثابت بھی کر دیا کہ میرے فضا تے بے بنار نہیں تھے۔ آفاق کی موجودگی سے نکرستہ تھی تو یہ خطہ نہیں خطہ میں یوں ہی ڈیوٹی فری شاپ بزرگ کر رہاں بھی ہوتے تھیں۔

ماہر۔ لینے لگی اور رضوان باہر منہاس سے کی طرف نظر ہی دوڑنے لگا۔ جہاز ابھی تک اپنی جگہ سے نہیں ہلکا اور سارا فوٹو کو اوپر پھینانے والی سرچشماں بھی اس سے بدل نہیں کی گئی تھیں۔

میں نے رضوان کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”آخرب کس بہا سے کا انتقاد ہے؟“

اور مجھے شائد میرے سوال کے جواب میں ہی لاؤنچ پر لیٹا تھا۔

مسافروں کے لئے آخری کال کی جاری تھی۔

”نکوی سارا دیکھ گئے۔ شائد یہ رضوان لا بارہا نہ ہو۔“

مسافر دے گئے۔ آخری کال میں اس سارا فرما۔ میں کیا باریجو ابھی لگے۔ خیانت نہیں۔ بیٹیا قتل۔ اس سارا کا چہرہ پر سیدھا درد چوں کہ وہ کوئی بڑا بہا نہ مسلمان میں کر لیا تھا اس لئے اس کا انتقال سارا ضروری تھا۔

لیکن جب بعد میں عدلیہ طاہر سید جہاز پر سوار ہوئے نہیں آیا تو قتل آخری کال کی گئی۔

”اے! ہونقراؤ ان کے منہ سے نکلا۔ اس جہان سے کوئی احمق
شخصیت ہمارے ہے۔“
میں ادھر ادھر دیکھتے تھی لیکن ان رضوان کا یہ فقرہ سنتے ہی میں نے
جنگ کرن کے لیے طرف دیکھ لیا۔ وہیں آدمی بڑے بڑا لاناڑا میں پلٹے
ہے، لیسا کے ساتھ جتنے کی طرف بڑھ رہے تھے وہی لوگوں انفران کی
تسویں لاناڑے کی غول تھے۔
جہان سے دروازے پر پہنچ کر ان آدمیوں سے ایک نے پتہ پوچھا
انہوں نے ہاتھ لایا۔
”اوہ!“ میرے منہ سے سارے نکل گیا۔

میں نے اس غور سے دیکھا ہی نہیں۔

میں انہی اپنی کار میں بیٹھا ہے۔

وضوٰں کا کامیاب ہونا یقینی تھا۔ مسئلہٴ افران اس کی اطلاع کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس قسم کی اطلاعات اگر فون پر موصول ہوں گی نہیں ضرورت بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن جب اطلاع دینے والا سامنے ہوا دوسرے ہاتھ آجیج سبک کے ایک بڑے اجلاس سے ہوا تو اسے نظر انداز کرنے کی حاجت نہیں کی جا سکتی تھی لیکن یہ اذن اس اطلاع کے رد عمل سے بھی آگے نکل سوجھ دیا تھا۔ میں ان حالات پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتی تھی جو بعد میں پیش آئے اور اس کے لئے قبل از وقت کچھ بندوبست کرنا میرے لئے ناگزیر تھا۔ میں نے ایک ٹیلیفون کال کرنے کا فیصلہ کیا۔

قریب ترین ٹیلیفون بی۔ آئی۔ اے کی خلافت افکار میں سن کے کاؤنٹر برہتا چنا پڑے میں دہیں پہنچی۔ کاؤنٹر ملک کے فون کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دینا بلکہ اس نے اس سے کچھ کہے بغیر فون کا ردیو اٹھایا اور تیزی سے ہواؤں کرنے لگی۔ کاؤنٹر ملک کی جرئت سے منہ جھانک کر میری صورت دیکھتا رہ گیا۔

117

اہمیت کو کم کر رہے ہو یہ تو ماضی حیات ہے کیا تم فرزند کے اس
سے اختلاف رکھتے ہو کہ زندگی کے ہر مقصد کا محرک جنس اور مہر

میں نے کہا کہ یہ سب کچھ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہی نہیں تھا۔ جس کی میں نے پہچان لی تھی۔
وہ میری رات بھر کے لیے آرامی اور بھاگ دوڑنے مجھے خاصا
آتا تھا۔

اس بولوں و خبروں سے بندہ اعلیٰ و بولیں کی اسباب سے سرگرم ہوا۔
 بے تکلفی کے دورے آنکھیں کھولیں اور جب لذت و انبساط کی انگلیاں
 لڑنے لگیں تو مرنے سے محسوس کر کے آخری خبروں کے لئے سرگرم رہا اور

میرا خواہید سازین مادہ تکامل جسم مادی کسندی کو قبول کر
ایک مکتبی حرفی باہولہ کو لکھنے لگا لیکن قاری بہت کجوائی اس مقصود

سکرٹری میجر ریاس جس کا رٹن آیا تھا وہ ایڑنی حکام نے اس

”اگر آپ انکار کر دیں تو میں چپ ہو جاؤں گا“

121

ہوا اور سکرادی۔
 ”تیسے باؤ! اب کچھ دیر آرام کر لیجئے،“ مہربانوں نے کہا اور کروٹ
 لیکر اور صحن لٹائی کروٹ لینے سے ٹھانک کر پناؤل جھڑ وائیں ٹانگ پر
 ت۔ طرے شاہراہ سیدیں گھٹنے تک بٹکرا رہو گئی۔ غلاباہرے سیدو
 معلوم ہوا کہ انھیں سن کر خوب جاتی تھی کہ یہ ارادی دعوت تظارہ ہے۔ اس
 رخسار سے اس بیکار کی استعدا دل بدجہ، اہم جو کوسھی۔ میں نے دلہانہ انداز
 میں اس بیکار پر لبیک کہا اور مہربانوں میں جا کر جیسے کوئی تشریف دین
 میں اپنا کس شخصہ بنے ہوئے کچھ کر س پر جا کر کھڑے۔ میں مہربانوں کی
 سٹوں سامنے سیں کی ایک ہی جھک دیکھ کر ہر توجہ کی سٹیکرہ گئی تھی۔ میرے
 لبوں کی سیتیاں مہربانوں کی گردن پر آشکارا ہوئیں تو وہ جیسے تڑپ کر
 سیدھی ہو گئی اور دو دو کوڑھوں کی مانند ایک دوسرے سے پٹ گئے۔
 بوں کے خفا اتصال پر شاوشوں کا الازار دیکھنے کے علاوہ کے بگھوٹ
 پائس کو کچھ اور بوجھ کرانے لگے۔

مہربانوں کے ہاتھ میری گردن سے پھسل گئے۔ دھیمی دھولے
کلاؤں کا گریان، انہیں روکنے سے قاصر تھا۔ میرے شباب کی رفتوں پر
ان کا لاس آراہی جنوں خیر ہوتا چلا گیا۔ جن سوز نے میرے ہاتھوں کو
بھیسے تے تابو کر دیا۔ مہربانوں کے گہکے شباب پر میرے بھوڑے منڈائے
گئے۔ راکھیں دیلی ہوئی پٹنگاروں کو ہوا مٹی کو شعلے بھرنے لگے۔ شعلے
کا ڈون کی قیود کو انوار محسوس کر رہے تھے۔ مہربانوں نے اس بے موتی رکاوٹ
کو گھجے سے چھو بس کیا اور اس کی انگلیوں کی ایک جنبش نے مجھے ہر قید
سے آزاد کر دیا۔ اب میری باری تھی۔ میں نے مہربانوں کو ابدت سے آتش
کی طرٹ لوٹا دیا اور اس کے جلوہ بے حجاب سے میری آنکھیں جل اٹھیں۔
مہربانوں کی آنکھیں سرخ ہوئی جارہی تھیں۔ شراب میرے سرخ دوروں
میں دھنک جا رہی تھی۔ جہنم غزالاں میں اترتے ہوئے سیمانے مجھے مدھوش
کئے دے رہے تھے۔

124

[illegible]

”پورٹ اور شہر میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، تو میرے
ساتھ کیوں نہ درد میں اپنے جیسے جوئے شہر کی کوئل میں رہا کرو
اور باقی کوئیں واپس دروازے میں رکھے گا۔“

”نہیں نہیں، میں پورٹ بیویوں کی مہربانی میں پھلو بدل کر
اُس کا اعصاب خچے پر عجیب معلوم ہوا لیکن میں نے اس پر
تو یہ نہیں دیکھا اور پورٹ کی کوئل نکال کر شہر کی کوئل رکھ دی

آپ نے میرے چہرے پر نظر فرمایا ہے
 اس بات نہیں کہ میں نے سکر کہا کہ بس وہ بچی مجھے اپنا
 راقی کہیں مرد بالکل پسند نہیں ہیں؟
 نظر ہے۔ یہ دھنی تو عورتوں کو بیس کر رکھ دیتے ہیں؟
 نہیں۔
 اس لیے اس کے قریب نہیں ہوئیں؟
 اذکار مستحکم رہ گئی۔ میری نظر میں اس کا یہ بیان مشتبه
 ہے۔ بات محسوس کر لی تھی کہ اس کی دوشیزگی کی گورڈ۔

۱۔ اس سے زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ تم ہی کہہ دو گے کہ "اے اہل ہی ہیں لیکن مجھے کہیں پسند نہیں آتی"۔ مہربانو! (خیر)

رفیقان ہو سکتے ہیں۔ میں نے سوچا اور یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کے لئے جاسے کا انتظام نہیں کیا ہے۔ اگر یہ فریق ان جاسے کے وہ اہل نہیں تھے تو سوچا جاسے کے اس لئے اپنے ساتھی سے رفیقان کو بھی زہر دلوں کے کوشش کی ہوگا۔ میں نے سوچا کہ میں وہ دوائی سے ہر دنگ دینے والا ہوں۔ ان کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔

دنگ چھوڑ دیا۔ اس سبب دنگ دینے کے انداز میں مضطرب نہ ہوا۔ یہی میرے لئے ہر خانے کے چھوٹے چھوٹے گھر کے اس خفیہ نوکس قسم کے معنی میں ہنسنا کی لگا لگا اس میں بڑھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھولتے وقت میں ہر قسم کے کوشش سے دروازہ

میں نے قدرے تو وقت کے بعد اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا وہ
آہستہ آہستہ نیچے قدم اٹھاتا ہوا اگرے میں داخل ہوا اور میرا حواس
طرف بڑھ گیا جہاں ہر بات اور جسم کی بنا کلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تھی
لیکن اب وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

”گویا میں عین وقت پر پہنچا ہوں“، ہمیں نے قدرے تیز آواز میں کہا اور کمری کی طرف دیکھا۔ اس کی شانگل برقعہ بھی اس کی شخصیت کا کوئی کچھ ایسا ضرور تھا جس نے میرے ذہن میں ایک کشش پیدا کر دی تھی۔ اس نے تک اپنا تعارف نہیں کر لیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس بات کو میرے ناشور نے کچھ گوارا نہیں کیا ہو۔ اس کی حرکات و سکنات اور انداز تعارف کا یہ بناہ اختیار بھی میری طبیعت پر گراں گزر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی نکتہ زدگن تھی جیسے وہ کسی کو خاطر میں لائے گا۔ غافلانہ نہ ہو اور اس وقت میرا وجود بھی اس کی نظروں میں ایک حقیقہ نقطے سے زیادہ اہم نہ رہا ہو۔

میری خاموشی غالباً اسے پسند نہیں آئی کیونکہ اب وہ بولا تو اس کے لہجے کی شانگل کچھ آڑی آڑی سی تھی یہ شاید آپ کو اندازہ نہیں کریں گے بروقت پہنچ کر آپ کی جان بچائی ہے۔ اگر مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو آپ یہاں خون کشو تھی ہوتی نظر آتیں“

”یقیناً ذات سے بے خبری کو میں ناخوش تھی ہوں“ میں نے بڑے طعنے سے کہا۔

”تو کیا آپ کو علم تھا؟“ ہمیں نے حیرت کا اظہار کیا۔

”میرا نام عیسویا ہے اور میں اپنی حفاظت کو اتنا خوب جانتی ہوں“

”اورہ؟“ ہمیں کو جب کچھ خیال آگیا۔ ”میرا نام مرتضیٰ ہے۔ یہاں کے لوگ مجھے آٹائے مرتضیٰ کے نام سے پکارتے ہیں“ اس نے غور سے میری طرف دیکھا یہ تہن میں شاید کب کوئی ایسا ہو جو میرے نام سے واقف نہ ہو۔ میں ایک ستارہ ہوں لیکن تجارت سے میری دلچسپی براہ راست ہے۔ یہ انداز دینے والا کام میرے کارندے انجام دیتے ہیں۔ میں تو محض آپ جیسی ذہین اور تازہ کہنیوں کی خدمت کے لئے وقف ہوں۔ یہ شانگل کا مبلغ آتے رہے لگا اور اس کی جگہ عامیازہ انداز نے لیل۔ ”شکریہ“ میں نے خشک لہجے میں کہا یہ مجھے آپ کی خدمت کی قضا ضرورت نہیں ہے۔

”آپ بہت ناگوار لگتے ہیں!“ آٹائے مرتضیٰ کے لہجے میں شکایت کا عنصر غور کیا گیا مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ میں شکایت کو گزروں کی علامت سمجھتی ہوں۔ اس شکایت کا مطلب یہ تھا کہ آٹائے مرتضیٰ کی شانگل کے بعد ان کی خود اعتمادی کا ستون بھی لرزے لگا تھا۔ اس گفتگو کے دوران میں مہر بانو نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی تھی لیکن اس کا چہرہ بار بار رنگ بدل رہا تھا۔ وہ خود کو ٹھیلنے پر ہنسنے لگی۔ ایک ثانے کے لئے کامیاب ہوئی تھی تو دوسرے ثانے میں پھر ٹھٹھٹ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

”میں آپ کا شکریہ کس سلسلے میں ادا کروں!“ میں نے آٹائے مرتضیٰ کی بات سے جواب میں کہا میرے لہجے میں کچھ تھوڑا سا ہنس مچھل تھی۔ میں نے تو آپ کو خدمت دہری کا کوئی ٹوٹے نہیں دیا اور نہ دینا چاہتی ہوں“

”آپ شاید اس کمرے میں ہونے والے ڈرامے سے آگاہ تھے مرتضیٰ نے مسکرا کر کہا۔ چلتے چلتے میں نے لپٹا ہوا ہون میں آپ کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کی طرح باخبر ہرگز نہیں۔“

”اورہ! تو کیا رضوان... میں ایک لمحے کے لئے بولدا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی بولکھلا ہٹ پر تاپا پاتے ہوئے بولدا۔

”دیا۔ مجھے خبر ہے کہ کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر رضوان کو کہ تو آٹائے مرتضیٰ اس طرح اس کا تذکرہ نہ کرتا۔

”آپ بے فکر ہیں۔“ اس نے میرے اطمینان کو تقویت دے دیا۔

”آپ کو دعائیں کی گزرتی ہیں اس وقت اس کے ہاتھ سے لے کر وہ اس کا ہاتھ لٹھوٹ لینے ہی والا تھا۔

”شکریہ“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ دینے سے توقع کرتی ہوں کہ وہ اپنے بہترین محافظ ثابت ہوں۔

جائیں تو یہ ان کی اپنی غلطی ہوئی جس کی سزا بھی انہیں خود ہر کرنی چاہیے۔

”دوست! لیکن آپ کے بیان کی ایک مثال ہے کہ گھر میں بھی ہیں جا تا ہے اور میں جاتے ہیں جس سے چارہ نہ نہیں ہوتی۔ وہ تو گویوں کے انتفاع میں مارا جا رہا ہے۔

مجھے ہنسی آئی۔ آٹائے مرتضیٰ ذہین اور دلچسپ تھے۔

”بہتے ہوئے آپ بہت اچھی لگتی ہیں“ وہ بولدا۔

اس تبصرے پر میں نے ہنسی کی۔ یہ عامیازہ اندازہ میرے سے باہر تھا لیکن میں بھی جانتا چاہتی تھی کہ شخص میرے آدھ لہجے کا مجھ میں اس کی دلچسپی کی نوعیت کیا ہے؟ رضوان اس کی باخبری کسی خلاف میں ڈیٹ ہوئی ہے اور اسے مہر بانو کی کا علم کیسے ہوا؟

آٹائے مرتضیٰ نے شاید میرے چہرے سے میری جھنجھٹ لگایا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مضررات آمیز مسکراہٹ چھینے پھر تنیدہ ہو گیا اور مہر بانو کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”ان جان سے امان کی کوشش کی تھی لہذا اب انہیں اس کی سزا میں چپ رہے۔ مجھے دیکھا تھا کہ آخر یہ شخص جانتا تھا۔

آٹائے مرتضیٰ اپنے آدھوں کی طرف مڑا جو دروازہ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کا اشارہ باقریب کیے۔ آٹائے مرتضیٰ سے شہری کا گلاس اٹھ گیا۔ یہاں پر اب لرزہ برپا تھا۔ اس سے خون جھانکے لگا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنا کر چلی تھی۔

آٹائے مرتضیٰ نے اپنے آدھوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”چلنا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اس کام میں ہمارے ساتھ کریں گی“

ان دونوں آدمیوں نے اشارہ کیا اور مہر بانو

”کی رومی میں رضوان کے چہرے کے لئے لپک گیا تھا۔

میں نے مہر بانو کی آنکھوں میں دیکھے ہوئے ٹوچھا۔ ”اگر میں زہر آلود شراب پی لیتی تو کیا تمہیں کس کو اس طرح اس اطلاع دیتی تھی؟“

مہر بانو نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیسے؟“ میں نے پوچھا۔

”اُمی! شہر کو مہر بانو نے نظریں جھک کر جواب دیا۔ ”نون کرنا پڑا۔“

”اس کے بزم تہا۔“

مہر بانو نے خبر بتایا جو میں نے ذہنی طور پر گزرتا تھا۔

پھر بولی یہ کی تم نے مہر بانو کی بول میں نہ مہر بانو لپکھا؟“

”نہیں! مہر بانو نے جواب دیا۔ پورٹ کے علاوہ ساری بوتلیں زہر آلود ہیں۔“

”اگر میں پورٹ ہی کا انتخاب کرتی؟“

”ایک چائس تو لیتا ہی تھا۔ مہر بانو نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہوں؟“ میں ایک طویل سانس لپک کر سوچنے لگی۔

آٹائے مرتضیٰ بولا۔ ”آپ کو کچھ معلوم کرنا تھا وہ غالباً آپ معلوم کر چکی ہیں!“

”ہاں!“ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”لیکن اب آپ مہر بانو کو زہر نہیں دیں گے میں نے اس کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا اور میں اپنے وعدے کی پابند رہتی ہوں۔“

”لیکن میں آپ کے وعدے کا پابند نہیں ہوں!“ آٹائے مرتضیٰ نے ترش روئی سے جواب دیا۔ ”میں نے اس کی لئے موت کی سزا تجویز کی ہے اور میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔“

آٹائے مرتضیٰ اب بڑے بھیانک روپ میں سامنے آ رہا تھا۔ کچھ ایسی بات محسوس ہو رہی تھی جیسے مہر بانو کو زہر ملا۔ مرتضیٰ کی زندگی کا کوئی اہم فیصلہ ہو۔ اس کے چہرے کے اثرات بڑے خوفناک ہو گئے تھے۔ وہ غمزا ہوا بولا۔

”آپ اب مجھے ہٹ جائیے!“

میں اس پوزیشن میں نہیں تھیں کہ فوری طور پر کوئی راست اقدام کر سکتی۔

آٹائے مرتضیٰ دیوانگی کی حد تک سفاک معلوم ہو رہا تھا۔ ایسے لوگ ذرا ذرا سی بات پر خون بہاؤ لے لیں میں نے زہر بادر کرنے پر آمادہ نہیں تھی کہ وہ محض میری وجہ سے مہر بانو کا خون بہانا چاہتا تھا اور صرف میری جان بچانے کے لئے کمرے میں آیا تھا۔ بات یقیناً کچھ اور تھی۔

میں پیچھے ہٹ گئی۔

”بانو!“ مہر بانو گڑا گڑائی اور اس وقت آٹائے مرتضیٰ کی لڑائی بردہوں آدی پھر چھپے۔ انہوں نے مہر بانو کو بے اس کر دیا۔ آٹائے مرتضیٰ زہریلے شراب کا گلاس لئے ہوئے اس کی طرف بڑھدا۔

میں اس وقت میز کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ آٹائے مرتضیٰ میری طرف متوجہ نہیں تھا اور اس کے دونوں آدھیں مہر بانو میں لپکے ہوئے تھے۔ میں نے بڑے اطمینان سے زہریلے شراب کی بوتلی اٹھائی اور اسے

آٹکے مرتضیٰ کے پاس دوسے ہاتھ لگا کر اٹھا دیا۔

لوگوں نے شامہ پر بھی نگاہیں مرتضیٰ کے ہاتھ میں ڈالنا اور کوس پیچھے لڑکھائی۔ اٹکے نے ہونٹوں کے پاس کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں بھی لگ گیا کیونکہ جب اس نے میری طرف مڑنے سے پہلے ہاتھ اُپر اٹھا یا تو اس نے خون کی بو میری ٹپک پر محسوس کی تھی۔ شراب کے تھپتھپانے سے اس کا لباس داغدار ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دیرپا تھکی ہوئی آنکھیں اور چہرہ خوفناک ہو گیا تھا۔

میری جگہ کوئی نام نہاد کی ہوتی تو آٹکے مرتضیٰ کی یہ حالت دیکھ کر خوف سے لاپتہ گئی۔ لیکن میں، اطمینان سے کھڑی، اس کی اگلی حرکت کا انتظار کرتی رہا۔

”تم بہت تیز ہو۔“ وہ غصا سے کہنے لگا۔ ”تم نے شراب کی بوتلی بھی توڑ دی اور گلاس بھی لیکن تم اس بوتلی کی بات بھول گئیں کہ بات بوتلیں بھی نہ توڑا تو ہر دین میں نہیں ہیں استعمال کر سکتا ہوں۔“

”اگر تم اس بوتلی کو پھینک دو تو اس کمرے سے نچلے گئے تو میں فون کر کے پولیس کو بلا دوں گی۔“

”پولیس؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ایک ہڈیانی ساتھ ہتھ لگایا اور پھر شیشی فون کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”مزدوروں کو فرما دینے!“

میرا خیال تھا کہ جب میں فون کی طرف بڑھوں گی تو وہ جھپٹ کر میرا ہاتھ روک لے گا لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا تو میں خود ہی لڑ گئی۔ آٹکے نے مرتضیٰ کے اطمینان کا مطلب سمجھا کہ اس نے شیشی فون کے تار کاٹ دیے ہوں گے۔

اجاک میں مڑی اور آہستہ آہستہ ملتی ہوئی بستر تک گئی۔ اس پر بیٹھ کر میں نے بڑے اطمینان سے کہا ”مستر مرتضیٰ! آپ خاصی تیار ہوں گے ساتھ یہاں آئے ہیں لیکن یہ تیار یا نہیں میری جان چلنے کے لئے ہر بات پر متوجہ رہیں۔ بہت بے جا کہ آپ بے ہوش ہو جائیں۔“

ہر آپ کی خدمات میرے کسی دشمن ہی نے حاصل کی ہوں گی۔ آٹکے نے مرتضیٰ بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر ہانک مسکرایا۔ اس شخص کا چہرہ عجیب تھا، بلبل میں رنگ بدل لیتا تھا۔ اس نے اپنے آؤں سے کہا کہ وہ ہر بات کو دیاں سے سمجھا لیں، پھر وہ مجھ سے بولا ”تمہاری میں ذرا انداز میں سے لنگھ چکے ہو گے۔“

میرا بالائی فریاد کرتی ہوئی آنکھیں میری جیب پر ہوتی تھیں لیکن میں نے اسے وہی طور پر نظر انداز کر دیا کیونکہ مناسب سمجھا۔ میں جھپٹ کر کونسلر نہیں جاتی تھی کیونکہ اس صورت میں مجھے آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔

دونوں آدمی ہر بات کو لگھیتے ہوئے کمرے سے نکالے گئے۔ جب دروازہ کھولا گیا تو باہر میں کچھ گاڑی کھڑے نظر آئے۔ گویا آٹکے نے مرتضیٰ کے دروازے پر بھی ہتھ لگا رکھا تھا۔

آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے دو ملال نکال کر اپنے زخمی ہاتھ پر رکھ

دیا اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ کر سنبھل گیا۔

”ہاں! تم جیسے نڈر، ذہین اور تیز خوریت میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے۔“ میں نے جھپٹے ہونے سے پہلے کہا۔ ”وہ مجھ کی طرف سے میرے سر کا ہاتھ مارا۔“

”یہ تو بدشعنوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ہے۔ میں اپنا کام بڑی خوش اور بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا ہوں۔“

”کیسا کام؟“ میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”تمہیں زیر کرنے کا کام۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی مجھے لگایا ہے۔“

”کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟“

”رقم؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ہتھ لگایا۔ ”میرے نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خریدتے، شاید میرا میں تو اس چیز کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پا کر تو اس

اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے مہربان ہو گیا۔ آٹکے کی ایک نئی بات ہو چکی تھی اس کا کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ

سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ لائیو ایکٹو اس نے بڑی خوشی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال دیا۔

مرتضیٰ نے سنجیدگی سے واقف ہو گیا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اور اس کی نظر میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات بھی ثابت ہوئی

میرا تعاقب کرتا ہوا اگر آپ سے یہاں نہیں آیا تھا۔ کاعمر متعجب تھا۔ اسی صورت میں اس کو آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں

تھیں۔ لائیو ایکٹو کاعمر دروازے سے تھراں میں قیام، اس کی ”جین الا قوامیت“ پر بھی متعجبی ثابت کر رہا تھا۔

”بتاؤ! وہ آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

زیر نہیں کر سکتا؟

”اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا کرتے مجھے زیر کر دیا؟“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے۔“ میں نے جھپٹے ہونے سے پہلے کہا۔ ”وہ مجھ کی طرف سے میرے سر کا ہاتھ مارا۔“

”یہ تو بدشعنوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ہے۔ میں اپنا کام بڑی خوش اور بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا ہوں۔“

”کیسا کام؟“ میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”تمہیں زیر کرنے کا کام۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی مجھے لگایا ہے۔“

”کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟“

”رقم؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ہتھ لگایا۔ ”میرے نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خریدتے، شاید میرا میں تو اس چیز کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم

تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پا کر تو اس اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے مہربان ہو گیا۔ آٹکے کی ایک نئی بات ہو چکی تھی اس کا کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ

سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ لائیو ایکٹو اس نے بڑی خوشی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال دیا۔

مرتضیٰ نے سنجیدگی سے واقف ہو گیا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اور اس کی نظر میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات بھی ثابت ہوئی

میرا تعاقب کرتا ہوا اگر آپ سے یہاں نہیں آیا تھا۔ کاعمر متعجب تھا۔ اسی صورت میں اس کو آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں

تھیں۔ لائیو ایکٹو کاعمر دروازے سے تھراں میں قیام، اس کی ”جین الا قوامیت“ پر بھی متعجبی ثابت کر رہا تھا۔

”بتاؤ! وہ آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

زیر نہیں کر سکتا؟

”اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا کرتے مجھے زیر کر دیا؟“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے۔“ میں نے جھپٹے ہونے سے پہلے کہا۔ ”وہ مجھ کی طرف سے میرے سر کا ہاتھ مارا۔“

”یہ تو بدشعنوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ہے۔ میں اپنا کام بڑی خوش اور بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا ہوں۔“

”کیسا کام؟“ میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”تمہیں زیر کرنے کا کام۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی مجھے لگایا ہے۔“

”کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟“

”رقم؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ہتھ لگایا۔ ”میرے نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خریدتے، شاید میرا میں تو اس چیز کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم

تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پا کر تو اس اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے مہربان ہو گیا۔ آٹکے کی ایک نئی بات ہو چکی تھی اس کا کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ

سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ لائیو ایکٹو اس نے بڑی خوشی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال دیا۔

مرتضیٰ نے سنجیدگی سے واقف ہو گیا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اور اس کی نظر میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات بھی ثابت ہوئی

میرا تعاقب کرتا ہوا اگر آپ سے یہاں نہیں آیا تھا۔ کاعمر متعجب تھا۔ اسی صورت میں اس کو آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں

تھیں۔ لائیو ایکٹو کاعمر دروازے سے تھراں میں قیام، اس کی ”جین الا قوامیت“ پر بھی متعجبی ثابت کر رہا تھا۔

”بتاؤ! وہ آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

زیر نہیں کر سکتا؟

”اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا کرتے مجھے زیر کر دیا؟“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے۔“ میں نے جھپٹے ہونے سے پہلے کہا۔ ”وہ مجھ کی طرف سے میرے سر کا ہاتھ مارا۔“

”یہ تو بدشعنوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ہے۔ میں اپنا کام بڑی خوش اور بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا ہوں۔“

”کیسا کام؟“ میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”تمہیں زیر کرنے کا کام۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی مجھے لگایا ہے۔“

”کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟“

”رقم؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ہتھ لگایا۔ ”میرے نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خریدتے، شاید میرا میں تو اس چیز کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم

تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پا کر تو اس اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے مہربان ہو گیا۔ آٹکے کی ایک نئی بات ہو چکی تھی اس کا کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ

سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ لائیو ایکٹو اس نے بڑی خوشی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال دیا۔

مرتضیٰ نے سنجیدگی سے واقف ہو گیا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اور اس کی نظر میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات بھی ثابت ہوئی

میرا تعاقب کرتا ہوا اگر آپ سے یہاں نہیں آیا تھا۔ کاعمر متعجب تھا۔ اسی صورت میں اس کو آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں

تھیں۔ لائیو ایکٹو کاعمر دروازے سے تھراں میں قیام، اس کی ”جین الا قوامیت“ پر بھی متعجبی ثابت کر رہا تھا۔

”بتاؤ! وہ آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

زیر نہیں کر سکتا؟

”اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا کرتے مجھے زیر کر دیا؟“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

”لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے۔“ میں نے جھپٹے ہونے سے پہلے کہا۔ ”وہ مجھ کی طرف سے میرے سر کا ہاتھ مارا۔“

”یہ تو بدشعنوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ہے۔ میں اپنا کام بڑی خوش اور بڑی خوش اسلوبی سے کر سکتا ہوں۔“

”کیسا کام؟“ میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”تمہیں زیر کرنے کا کام۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی مجھے لگایا ہے۔“

”کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟“

”رقم؟“ آٹکے نے مرتضیٰ کے ہتھ لگایا۔ ”میرے نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خریدتے، شاید میرا میں تو اس چیز کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم

تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پا کر تو اس اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے مہربان ہو گیا۔ آٹکے کی ایک نئی بات ہو چکی تھی اس کا کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ

سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ لائیو ایکٹو اس نے بڑی خوشی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال دیا۔

مرتضیٰ نے سنجیدگی سے واقف ہو گیا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اور اس کی نظر میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر لیا تھا۔ اس سے بات بھی ثابت ہوئی

میرا تعاقب کرتا ہوا اگر آپ سے یہاں نہیں آیا تھا۔ کاعمر متعجب تھا۔ اسی صورت میں اس کو آٹکے نے مرتضیٰ کے بارے میں

تھیں۔ لائیو ایکٹو کاعمر دروازے سے تھراں میں قیام، اس کی ”جین الا قوامیت“ پر بھی متعجبی ثابت کر رہا تھا۔

”بتاؤ! وہ آٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

زیر نہیں کر سکتا؟

”اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا کرتے مجھے زیر کر دیا؟“

”اٹکے نے مرتضیٰ کے جیب سے لے لیں۔“

دھوکہ دینا گوارہ نہیں؛^۸

اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جو کس گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

بہت خوب!، رفوان زہریلے لہجے میں بولا یہ کیا ہمیں اس

”میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔“ میں نے ایک طویل سانس لے

اس قسم کی کوشش کی گئی تھی۔ ؟

ہاں! ال لی ہے، آپ اس بات کا خیال رکھئے گا کہ اس شخص کو ایک مسئلہ
 جی ہلکتا نہ ملے۔

”میک ہے آپ جائے ادا کر گئے کہا“ لیکن اپنے کھر سے
 کے نکالات کے سلسلے میں کسی وقت بھی آپ سے رابطہ

میں نے ذرا سا غور کیا اور پھر ایک گہرا سانس لیکر بولی "ٹھیک ہے، میں اسے صبح دیکھوں گی۔ اس وقت تو میرا جسم ٹوٹا جا رہا ہے۔"

مجھے کمانڈر جنرل فون گنا چاہیے تھا، اس سے سلطان کی بابت سب معلوم ہو سکتا تھا اور سلطان میرے بارے میں بھی رپورٹ مل جاتی جس کے سامان میں ہم دیکھ کر فرسے طباتے میں بیچھا یا گیا تھا لیکن میں نے یہ جتنی عقلیں محسوس کر لی تھیں کہ بستر کے سوا کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اپنی خواب گاہ کو کھڑے رکھی ہوئی تھی۔

”خیال رکھنا میرے آرام میں کوئی غلطی نہ پڑے مگر مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی تو نہیں اس نظام پر بلا لائیں گی۔“

”اس نظام سے میری مڑاؤں میں کوئی نظام سے بھی جو میں نے اپنی رہائش گاہ کے مختلف حصوں میں پھیلا رکھا ہے۔ جو کمرے خاص طور سے میرے استعمال میں رہتے ہیں دال بٹھ کر میں بیٹے حملے گھر سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔ بس مجھے خود کا نظام کا پیش دانا پڑتا ہے اور میری آواز گھر کے مختلف حصوں میں سنا دینے لگتی ہے۔ خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر فساد مجھ سے رخصت ہو جی۔ بستر کے نقشہ پر کسے میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ دروازہ کھولا بھی مجھے دیکھ کر معلوم ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کرنے ہونے دوسرے ہاتھ سے بجلی کا کٹن دیا۔ پھر میں غصے میں ایک ہی قدم اٹھا کر ٹھٹھک گئی۔

کھڑکی کے پاس میری آنکھیں کھلی تھیں جس کی کرسی پر میں نے ایک چپری تھیں کھینچے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں درلے ہوئے سیاہ ریڈیو اور لیڈی کی طرف مٹھی ہوئی تھی۔ نل میں ساخنر فٹ تھا۔“

”بلٹ کر بھاگنے کی کوشش ہلاکت کا باعث ہو گی۔ وہ ہستہ سے بولا لیکن اتنا ہمت بھی نہیں کہ میں اس کی آواز نہ سن سکتی۔“

”میرے جی پر جو نشان لگ چکے ہیں اس سب سے لگ بھگ میں ایسا نہ جانے کیا تاثر تھا کہ مجھ کو جیسے مقامات میرے نقشوں میں گھبرنے لگے۔ وہ پھر سے بہت ذہن اور مضبوط اور ای کی اکانگ محسوس ہوا تھا۔ نقشوں میں ایسی گھبراہٹ پڑی ہوئی تھی کہ اس کے چہرے پر سلاہٹ بڑی متحکم خیر معلوم ہوئی۔ آنکھوں کی دیرانی میں شفاک فطرت کی پرجا میں محسوس کی جا سکتی تھی اور جوڑے جبر سے اس کے درندہ صفت ہونے کی عکاسی کر رہے تھے۔“

”مجھے امید ہے۔۔۔ کہ تمہیں۔۔۔ ڈاکٹر فونگ کو۔۔۔“

اپنے کمرے میں دیکھ کر۔۔۔ خوش ہوئی ہو گی کہ وہ اس طرح ڈگ ڈگ کر بولا جیسے میرے چہرے پر اپنے ایک ایک لفظ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

ادہ ! تو یہ ڈاکٹر فونگ ہے ! میں نے سوچا۔

”خوب ! میں مسکائی۔“ تو اب تم نے خودی زحمت کر ڈالی۔۔۔“

خیر ! تم کو یہاں دیکھ کر مجھے یقیناً خوش ہوئی ہے۔“

”جس نے میری آمد کا مقصد نہیں پوچھا !“

”نوری طہر پر اس قسم کا سوال اصول میر جانی کے خلاف ہے۔“

میں نے کہا اور مسکائی ہوئی، بڑے اطمینان سے بڑے فونگ کی آنکھیں میرے ساتھ ساتھ حرکت کرتی تھیں۔

”کانی چیک کے تمہیں تا ہی دیا ہو گا کہ میرا مسئلہ سرورس سے نہیں ہے۔ میں نے بستر بیٹھے ہوئے کانچی چیک کے آواز سے یہ بھی نہیں چھپایا تھا کہ میں کوس طرح جانا ہے لہذا اب تہذیبی آدمی سے ملنے۔“

”میں تمہیں صرف ایک بات سے باخبر کرنے آیا۔“

”کس بات سے؟“

”یہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہیں۔“

”یقیناً میرے لئے ایک دلچسپ افلاک مسکائی۔ گو کہ میرے پیچھے میں کچھ تھا لیکن ڈاکٹر فونگ پر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قسم کی کسی چیز سے واقف ہی نہ ہو۔

وہ بدستور بھی آواز میں بولا۔ یہ بات تو ماں لقمہ اٹھائی جیسا سے تعلق نہیں رکھتیں لیکن میں نے ہنسنے تم زبیدہ کے ذریعہ چھ تک سہجی تھیں۔ وہ میری اتنی نکتہ سے میرا نام بھی نہیں معلوم تھا۔

ڈاکٹر فونگ کی بات غلط نہیں تھی۔ زبیدہ دیکھ کر چلتا تھا اور درکڑے ذریعے سے میں ڈاکٹر فونگ سے ہو سکتا ہے کہ زبیدہ کو تہا راجہ چل گیا ہو۔

لا علم ہو۔ میں نے جواب دیا۔

”ایسی باتوں سے لاعلم رہنا ڈاکٹر فونگ کے ہو گا کہ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم نہیں آتے ہو۔“

”لیکن تم نے کیسے ہو؟“ میں نے استہزاء انداز میں کہا۔

”تم کو یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا؟“ میں نے باتوں میں دقت گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں نے اس نظام کا کٹن دیا دیا تھا اور اب یہ بات طے کر سے ہیں ہونے والی ساری باتیں دوسرے کڑوں میں جاری ہوں گی۔ گو یا میری ملازماؤں کو اس بات کا علم کہ میں کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔“

”میں دیوار بھرا لنگر کچن میں وارد ہوا تھا۔“

”جواب دیا۔ وہ بڑی مشقت اُردو ہو کر رہا تھا۔“ اس کے کھڑکی کچن کی طرف کھلی ہوئی تھی اس لئے مجھے یہاں دقت نہیں ہوئی۔ مجھے طے پانے کی آمد کا وقت معلوم تھا اب دیر تک انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔

”اگر میرے ساتھ کمانڈر جنرل کو یہاں پر تہہ باری ہو جائے تو تم پر کچن میں نہیں جا سکو گے۔“

”یہ تو نہیں خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔“

”بھارت ہے۔“

”خدا ہے۔“

”پاک چین تعلقات کو خراب کر کے انجانوں کو کیا فائدہ ہو گا؟“

”اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف بے وقوف غاد کے لئے کام کر رہا ہوں۔ جب وہیں جیسے افلاک جلا تم مجھ کی کھپتی نہیں ہیں ڈاکٹر فونگ نے جواب دیا اور پھر ہانک بولا۔ مجھے اعتراض ہے کہ میں نے تم جیسی عورت کو نہیں دیکھی۔ تم اس طرح پر کون نظر ا رہی ہو جیسے میں یہاں خیر سگال کے دوسرے پر آیا ہوں۔“

”میں نے اپنی تربیت کچھ ایسی ہی اعلیٰ میں کی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں پر کون راہ ستاروں۔ اضطراب و انتشار سے کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں۔“

”خیر۔“ فونگ نے شلے جھٹکے۔ ”میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔ اب تم بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟“

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ پاک چین تعلقات خراب کرنے میں تمہارا کیا مقاد ہے۔“

”بس۔“ ڈاکٹر فونگ نے لکڑی کا کھڑا ہو گیا۔ ”تم میرا خاصا وقت ضائع کر رہی ہو۔ اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اب بھی اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں اس کے کھیلنے کا انتظار بھی نہیں کروں گا۔“

”یہ بڑا نازک موقع تھا لیکن اس خواہش کے باوجود کہ مجھے کچھ کرنا چاہیے، میں کچھ کہہ نہ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ڈاکٹر فونگ کے پھر جانے سے میں بول کھلائی تھی لیکن میں نے اپنی بول کھلاہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ میں نے اپنی رائی ادا ہستہ سے بولی۔ میں ایک سڑیل پر جاسکتی ہوں۔“

”میں اب تہذیب کوئی شرط سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر فونگ کے لہجے میں ہلکی سی غلغلہ پیدا ہو گئی۔

”تب پھر میرا ہے۔“ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ”کیونکہ اس صورت میں میں موت ہی میرا مقصد ہے۔“

”موت؟“

”ہاں، موت، اگر میں نے تمہیں حقیقت بتادی تو مجھے اٹھانا چاہیے گا۔“

اب ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں سے الجھن مٹنے لگی۔

”کون سا رنگ ہے تمہیں؟“

”وہی جس کا نام لون گی۔“ میں نے جواب دیا۔ میں خوش تھی کہ میں نے دقت گزارنے کے لئے ڈاکٹر فونگ کو پھر ایک نئے پرانے لکھا دیا تھا۔

اس کے لئے ڈاکٹر فونگ نے کہا، دروازے پر دستک ہوئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر فونگ کو تو جگہ ہی چاہیے تھا لیکن میں بھی چونکے بغیر ذرا کھڑکھڑایا۔ اندازے کے مطابق کمانڈر جنرل کے آگے میں بھی کچھ دقت اور لگاؤ تھا۔

اس ملاقات کے دوران میں یہی جرحہ ڈاکٹر فونگ کے چہرے پر اضطراب کی جھلک نظر آئی اور وہ دو قدم میرے بستر کی طرف بڑھ آیا۔

”یہ کون ہو سکتا ہے؟“ ڈاکٹر فونگ نے رگوشی کی۔

”میں کیا بتا سکتی ہوں۔ شاید کوئی ملازم ہوگی“

”جدا سے“ یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر فونگ کسی ایسے درندے کی طرح وحشت زدہ تھا جیسے اپنے ارد گرد شکاریوں کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہو۔

”اندازاً آواز میں قہر سے بلند آواز میں بولی۔

دروازہ کھول کر شخص اندر آیا وہ جو کھڑکھڑایا ڈاکٹر فونگ کے روبرو روبرو نظر پڑے یہی وہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

”کھڑکھڑایا نہیں جو کھڑکھڑایا آگے آؤ کیا بات ہے؟“ میں بولی۔

جو کھڑکھڑایا نے تو آگے نہیں بڑھا بلکہ ہلکا سا ہلکا ہوا۔

”بیگم صاحبہ“ وہ تقریباً ہلکا ہوا بولا۔ ”آپ... آپ جو بیگم اپنے ساتھ... لائی تھیں... وہ کہاں رکھنا ہے؟“

”اسی بات پر مجھے کچھ پریشان کیا ہے مجھے اپنی مالگو؟“

ڈاکٹر فونگ نے جو کھڑکھڑایا کو شلوک نظر دے دیکھتے ہوئے۔

”کیا واقعی تمہارا آواز زور کا تھا؟ میں نے جو کھڑکھڑایا کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا، اس بیگم کا لفظی لہجہ ختم ہوا تھا۔ اسی کو فونگ کے پوچھ لیتے؟“

”انہوں نے فونگ پر کچھ نہیں بتایا۔ کھنگلنے کے میں خود آ رہا ہوں لیکن وہ اب تک نہیں آئے۔ دقت نکلا جا رہا تھا اس لئے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک سوچا۔ میں نے شاباشی دینے والے انداز میں اس کو کہا، لیکن تمہارا آواز میرے دوست ڈاکٹر فونگ کو بہت ناگوار کر رہا ہے۔“

ڈاکٹر فونگ کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اب اس کے شلوک اتنا کو بیچنے میں اسے گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ لیکن یہ بات مجھے نہیں کہنی تھی کہ کیا لڑ رہا ہے؟ یہ سمجھ میں نہ آئے کی وجہ سے وہ گولی چلانے سے گریز کر رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں ابھی نہیں آئی تھی کہ جو کھڑکھڑایا نے خود کو خطرے میں ڈال کر میرے لئے چند انتہائی قیمتی مٹ حاصل کرنے تھے۔

میرے اعصاب میں ہلکا سا ڈوبیدار ہو گیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر اب بھی کمانڈر جنرل نہ پہنچ سکا تو کیا ہوگا؟

مہارے ساتھ اب اس کو کھڑکھڑایا کے ساتھ فونگ غیار اور اس کے روبرو دلے ہاتھ نے خفیہ میں جلدی سے بولی۔ ”ابنا ہوا کھڑکھڑایا کے ساتھ۔“

”مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک کمانڈر جنرل اور اس کے ساتھ ہزاروں ہاتھوں میں اس کے ساتھ کھڑکھڑایا کے ساتھ ہونے کے لئے میرے لئے کی صورت میں تو تم زور ہو سکتے ہو لیکن یہ میرے لئے۔“

”تم میں کوئی ایسا کیا؟“ وہ کھڑکھڑایا کے ساتھ ڈاکٹر فونگ کی نگاہوں سے شدید الجھن میں تھا۔

”دھیرے سے ساموں سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ میں اپنا ایک انتہائی خطرناک اور بڑھاپا ہوئی تھی۔ موت اور زور ناسلے کو اس قدر لگا ہوا دیکھنا کوئی انسان بات نہ۔“

غیر زور کی تھا کہ فونگ کو میری بات کا یقین آ جانا اور کھڑکھڑایا میں اسے اپنی غایت نظر آئی۔

ڈاکٹر فونگ بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دروازے سے تھوڑے تھوڑے کی آواز سنائی دیں۔ چشم زور نے دروازے کی طرف جھٹ لگائی اور اسے اندر سے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

کی دروازے میں راستوں کو وجود ہونا چاہیے تھا۔ میں راستوں کو نکالنا چاہتی تھی لیکن مجھے محبت نہیں مل سکی۔ دروازہ بول کر کے اتنی تیزی سے پلٹ آیا تھا کہ میری گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی آدمی کو اس طرح اس کی حرکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے ہاتھ سے کمانے دروازہ پیٹ ڈالا اور چرخ کر رہا تھا۔ غلط حرکت نہ کرنا۔ عملات مکمل طور سے ہمارے زرخیز میں۔

”اب کیا خیال ہے ڈاکٹر فونگ؟“ میں جھنجھکی ہوئی ڈاکٹر فونگ کو جواب دینے کے بجائے،

”کوئی اور کمانڈر نہ بنائے ہوئے پیچھے چشم زور نے وہ کمانڈر تھا۔ اس نے کھڑکھڑایا سے باہر کمانڈر کیا۔ قابو کیا جاتا تھا اس طرف کوئی آدمی موجود ہے یا اسے ڈاکٹر فونگ کی گئی ہے۔“

جس وقت ڈاکٹر فونگ باہر کا جائزہ لے رہا تھا، میں آہستہ سے بستر کے کنارے کی طرف سرک گئی تھی۔ یہاں غیر محنت میں اپنی زندگی کی طرف سے غافل ہو کر ڈاکٹر فونگ، شکاریوں کے زرخیز میں چھپنے ہوئے دروازے میں مشغول ہو چکا تھا اور اب اس کی زندگی کسی رنگ میں ہو سکتی تھی۔

میرا جو کھڑکھڑایا جان سے لانا پ رہا تھا۔ غیار

”مہارے ساتھ اب اس کو کھڑکھڑایا کے ساتھ فونگ غیار اور اس کے روبرو دلے ہاتھ نے خفیہ میں جلدی سے بولی۔“

”مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک کمانڈر جنرل اور اس کے ساتھ ہزاروں ہاتھوں میں اس کے ساتھ کھڑکھڑایا کے ساتھ ہونے کے لئے میرے لئے کی صورت میں تو تم زور ہو سکتے ہو لیکن یہ میرے لئے۔“

”تم میں کوئی ایسا کیا؟“ وہ کھڑکھڑایا کے ساتھ ڈاکٹر فونگ کی نگاہوں سے شدید الجھن میں تھا۔

”دھیرے سے ساموں سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ میں اپنا ایک انتہائی خطرناک اور بڑھاپا ہوئی تھی۔ موت اور زور ناسلے کو اس قدر لگا ہوا دیکھنا کوئی انسان بات نہ۔“

غیر زور کی تھا کہ فونگ کو میری بات کا یقین آ جانا اور کھڑکھڑایا میں اسے اپنی غایت نظر آئی۔

ڈاکٹر فونگ بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دروازے سے تھوڑے تھوڑے کی آواز سنائی دیں۔ چشم زور نے دروازے کی طرف جھٹ لگائی اور اسے اندر سے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

کی دروازے میں راستوں کو وجود ہونا چاہیے تھا۔ میں راستوں کو نکالنا چاہتی تھی لیکن مجھے محبت نہیں مل سکی۔ دروازہ بول کر کے اتنی تیزی سے پلٹ آیا تھا کہ میری گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی آدمی کو اس طرح اس کی حرکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے ہاتھ سے کمانے دروازہ پیٹ ڈالا اور چرخ کر رہا تھا۔ غلط حرکت نہ کرنا۔ عملات مکمل طور سے ہمارے زرخیز میں۔

”اب کیا خیال ہے ڈاکٹر فونگ؟“ میں جھنجھکی ہوئی ڈاکٹر فونگ کو جواب دینے کے بجائے،

”کوئی اور کمانڈر نہ بنائے ہوئے پیچھے چشم زور نے وہ کمانڈر تھا۔ اس نے کھڑکھڑایا سے باہر کمانڈر کیا۔ قابو کیا جاتا تھا اس طرف کوئی آدمی موجود ہے یا اسے ڈاکٹر فونگ کی گئی ہے۔“

جس وقت ڈاکٹر فونگ باہر کا جائزہ لے رہا تھا، میں آہستہ سے بستر کے کنارے کی طرف سرک گئی تھی۔ یہاں غیر محنت میں اپنی زندگی کی طرف سے غافل ہو کر ڈاکٹر فونگ، شکاریوں کے زرخیز میں چھپنے ہوئے دروازے میں مشغول ہو چکا تھا اور اب اس کی زندگی کسی رنگ میں ہو سکتی تھی۔

میرا جو کھڑکھڑایا جان سے لانا پ رہا تھا۔ غیار

”مہارے ساتھ اب اس کو کھڑکھڑایا کے ساتھ فونگ غیار اور اس کے روبرو دلے ہاتھ نے خفیہ میں جلدی سے بولی۔“

”مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک کمانڈر جنرل اور اس کے ساتھ ہزاروں ہاتھوں میں اس کے ساتھ کھڑکھڑایا کے ساتھ ہونے کے لئے میرے لئے کی صورت میں تو تم زور ہو سکتے ہو لیکن یہ میرے لئے۔“

”تم میں کوئی ایسا کیا؟“ وہ کھڑکھڑایا کے ساتھ ڈاکٹر فونگ کی نگاہوں سے شدید الجھن میں تھا۔

”دھیرے سے ساموں سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ میں اپنا ایک انتہائی خطرناک اور بڑھاپا ہوئی تھی۔ موت اور زور ناسلے کو اس قدر لگا ہوا دیکھنا کوئی انسان بات نہ۔“

غیر زور کی تھا کہ فونگ کو میری بات کا یقین آ جانا اور کھڑکھڑایا میں اسے اپنی غایت نظر آئی۔

ڈاکٹر فونگ بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دروازے سے تھوڑے تھوڑے کی آواز سنائی دیں۔ چشم زور نے دروازے کی طرف جھٹ لگائی اور اسے اندر سے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

کی دروازے میں راستوں کو وجود ہونا چاہیے تھا۔ میں راستوں کو نکالنا چاہتی تھی لیکن مجھے محبت نہیں مل سکی۔ دروازہ بول کر کے اتنی تیزی سے پلٹ آیا تھا کہ میری گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی آدمی کو اس طرح اس کی حرکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے ہاتھ سے کمانے دروازہ پیٹ ڈالا اور چرخ کر رہا تھا۔ غلط حرکت نہ کرنا۔ عملات مکمل طور سے ہمارے زرخیز میں۔

”اب کیا خیال ہے ڈاکٹر فونگ؟“ میں جھنجھکی ہوئی ڈاکٹر فونگ کو جواب دینے کے بجائے،

”کوئی اور کمانڈر نہ بنائے ہوئے پیچھے چشم زور نے وہ کمانڈر تھا۔ اس نے کھڑکھڑایا سے باہر کمانڈر کیا۔ قابو کیا جاتا تھا اس طرف کوئی آدمی موجود ہے یا اسے ڈاکٹر فونگ کی گئی ہے۔“

جس وقت ڈاکٹر فونگ باہر کا جائزہ لے رہا تھا، میں آہستہ سے بستر کے کنارے کی طرف سرک گئی تھی۔ یہاں غیر محنت میں اپنی زندگی کی طرف سے غافل ہو کر ڈاکٹر فونگ، شکاریوں کے زرخیز میں چھپنے ہوئے دروازے میں مشغول ہو چکا تھا اور اب اس کی زندگی کسی رنگ میں ہو سکتی تھی۔

میرا جو کھڑکھڑایا جان سے لانا پ رہا تھا۔ غیار

بھلا۔ اس طرح خوراک بانٹنے سے اپنی ٹانگ کاٹ کر فوٹنگ سے
 اس شخص سے رہائی پائی گئی اور اس کا ساق بھی اسے اپنے کندھے پر
 اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلتا تھا۔

یہ بربریت اور فحاشی کی انتہا تھی کہ اسی خود ہی اپنے سہم
 کا کوئی عضو کاٹ کر کھینچ دے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ تھا۔
 لیکن اگر میں نے کسی سے کہا تو شاید یہ یقین نہ کرتی۔
 کمانڈر جنرل جلد ہی اسے ساتھ دو تین ہیڈوں کو لاسا تھا۔
 وہ کسی بے لاکھ مضامین کی طرح ہر گھیر کر فزکس کی راہیں سرد
 کر دیتی تھی۔ وہ اپنے اپنے انداز میں اس کے ساتھ ڈاکٹر فوٹنگ کے
 تعاقب میں دوڑا تھا لیکن اس کی دایس چند منٹ بعد ہی ہونگ گئی تھی۔
 وہ ناکام لوٹا تھا۔

دراصل ڈاکٹر فوٹنگ کی لڑائی کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔
 اگر وہ کچھ دیر ہو تو وہ لڑائی کمانڈر جنرل کی دسترس سے نہیں نکل پاتے۔
 میرے بھگنے کے لیے اس کی پوزیشن میں ہونے لگے تھے۔ ان کے
 ڈھنوں میں جو کچھ ہونے لڑائی میں سواولوں کی اسودگی کے لئے
 میرا ایک ناکام ڈسک انٹرین گھوم رہا تھا۔ خدا جانے اس
 دستکنت سے ان کی تسلی ہوئی یا نہیں لیکن ہم حال وہ آہستہ آہستہ
 منتشر ہونے لگے۔ وہ بے گھر تھیں جو پولیس کے محمولوں سے بچنے کی کوشش
 خواہشمند رہتا ہے۔ اس میں اپنی تباہی بھی کر رہی تھی کہ وہ کون کون کیا کیا
 پولیس کی کمانڈ سے دور رہی تھیں اور اس میں جیسا ہوا ڈاکٹر
 فوٹنگ کا جو تباہی سے ہلاک ہوا تھا۔

کمانڈر جنرل اپنے زخمی ساتھی کے بارے میں بھی پولیس کو اطلاع
 دیدی اس لئے پولیس کے ساتھ ڈاکٹر فوٹنگ موجود تھا۔
 بیگم برتاب گڑھ کو جوڑنے کے باعث، پولیس امر دیے دیے
 سے رہے۔ پولیس بھی کسی قسم کا شہرہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان
 دنوں شہر میں اس قسم کی لڑائیوں کا خاصا زور تھا اور میں ہر طرح
 سے ایک مناسب شمارہ معلوم ہوتی تھی۔

جب تمام کارروائیوں کی تکمیل کے بعد پولیس رخصت ہو گئی تو
 اعلیٰ تانہ نصیب مول میں بیگم برتاب گڑھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں
 جا بیٹھی اور ملازم سے لالچ لے کر رہا۔

”یہ نہیں آہنی شے کا خیال کیسے آگیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ڈھنوں کی کمی کے باعث وہ بیگم برتاب گڑھ سے نکل کر جواب
 دیا۔“ اتنی کم تعداد پورے شے کو نہیں گھیر سکتی تھی۔ ملازم نے باہر
 دیا تھا کہ ڈاکٹر فوٹنگ کچن کی کھڑکی سے کمرے میں پہنچا ہے۔ اس کا ہتھ
 کردہ اڈھر میں سے بھاگنے کا لہذا وہاں شہر کا ملازمین کی کمی کا اثر
 کیا جاسکتا تھا۔

”لیکن اس شخص نے شے میں جیسن کر کسی خود کو دبے پس نہیں
 سمجھا۔ میں نے کہا اور اس وقت کمانڈر جنرل کے میرا ڈال روٹاں کھڑا

ہو گیا۔

”تمہارا یہ دشمن دو دنوں سے بھرپور ہمارے
 کا جو پڑتو نہیں تھا۔ بہت سخت طریقہ سنا ہے گا کہ جس
 تم نے ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔
 میں نے ڈاکٹر فوٹنگ کے سلسلے میں وہ ساری
 میرے علم میں آچکی تھیں۔ پھر ہمارے کچن آگیا تو
 کو آؤرو۔ وہ اندر آکر موبہ کھا رہا تھا۔

”لیکن... نہیں تو کوئی کام نہیں ہے کمانڈر
 استغناء یہ نظروں سے بیگم برتاب گڑھ کی طرف دیکھا
 کئے بغیر خود ہی فیصلہ کن انداز میں بولی۔ ”اگر وہ بھی
 ابھی چند دن تک کمانڈر جنرل کو جی نہیں دے سکتی۔
 ”تمہاری مرضی ہے بی۔“ بیگم برتاب گڑھ نے
 وہ عرض تھا کہ دس سال بڑی ہے۔ اور شاید
 کمانڈر جنرل کو بھڑکانا ہو جاتا ہے لیکن ہماری بے
 کی بے لگتی ہے سخت نہیں ہوتی۔
 کمانڈر جنرل کے ذاتی فائلوں کا انچارج تھا
 میں اس لئے استعمال کر رہی ہوں کہ اس لائن سے اس کا
 بیگم برتاب گڑھ نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ
 مجھے یہی وجہ تھی کہ میرا حکم کمانڈر جنرل کے لئے
 کے حکم سے زیادہ ذہنی ہوتا ہے۔ وہ لوگ مجھے معاملہ
 تھے جیسے بیگم برتاب گڑھ سے ہمکا ہوں۔ ضرورت
 ”یہ باتیں“ کہنا مجھے ناخویش سا لگتا تھا لیکن اس
 عادت ہو گئی تھی۔

میں نے کمانڈر جنرل کو مخاطب کر کے کہ ”تم کو
 جاری رکھو۔ اس کا ایک ٹھکانہ کم معلوم ہے۔ یہ
 والی دکان کی طرف ہے۔ اس کا نہیں کر اب وہ
 کرے لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت اپنی
 کے لئے وہاں جائے۔“

”بہتر ہے۔“ کمانڈر جنرل کی اڑیاں بچ اٹھیں
 فوراً رخصت ہو گیا۔

ان شے گاہوں میں میری ٹھکان کا نوٹ ہو گئی تھی
 پر مسلط ہونے لگی۔ بیگم برتاب گڑھ نے میرے چہرے پر
 کیے کہ کمانڈر جنرل کے کمرے میں آگیا جاتا ہے۔ پھر
 ہیں۔ لیٹ کر اطمینان سے گفتگو کرتی رہ گئی۔

یہ گویا میرے دل کی بات تھی۔ میں بیگم برتاب
 میں آگئی کہ شاید میری ہم ایک دوسرے کے قریب بیٹ
 بیگم برتاب گڑھ عمر میں مجھ سے دس سال زیادہ

تھی۔ یہاں طور پر بہت مری بھی تھی۔ بہت سے مرد اس کی
 لڑائی کرتے تھے لیکن اس کی شخصیت میں ایک ایسا دارو درو
 کر لوگ اس سے بے تکلف ہونے کی ہمت کر پاتے تھے۔ اگر وہ خود
 اس کی طبیعت کو کبھی بھی نہیں اس کا انتخاب بہت سخت ہوتا تھا۔
 ایک سہارا تو فزیت سے لڑائی تھی۔

اس میں اسی طبقے سے ملتی تھی جو میں نے متول طبقہ کہا تھا ہے
 بھگنے کے طور پر میرے دل کو کسی نہیں بچاتا۔ خاص طور سے
 لوگوں کی زندگی سے تو مجھے وحشت ہوتی ہے اپنی ذات کی
 شادی کی تامل ہی نہیں لیکن دوسروں کو چاہئے کہ جب شادی
 ہمارے کچھ پابند یاں بھی ملا کر ہیں۔ میرے طبقے نے توان یاں
 میں کیا ہے۔ بیویوں کو اس بات کی پروا نہیں کہ ان کے شوہر
 مجھے ملے یا نہ ملے۔ پھر یہ ہیں۔ اور شوہروں کو بیویوں کی ہمہ
 کوئی نہ کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی حال بیگم برتاب گڑھ کا تھا۔ اب
 پہلے سے اس کے گوشہ نشینی بھی اختیار کر لی ہے مگر اس
 وہ اپنی طبیعت سے شہر کی شوہروں کو اشرار نما نہیں ہونے دیتی
 کچھ چاہتیں لگتا تھا لیکن میں نے اس کا اظہار کسی نہیں
 کی دوست تھی اور مجھے اس کے افعال سے کوئی سروکار
 ہوتا تھا۔ اس نے بھی تو کسی اس بات پر اعتراض نہیں
 لڑا اور جان چمن قسم کی لڑکیاں میری کمری میں ہیں۔

یہ بات گڑھ سے میری دوستی اس وقت سے ہے جب
 مجھے کہ رعب دو برس کی بات تھی کچھ اور تھی لیکن پاکستان
 میں یہاں کے کارکنوں کی لفظیں اس کا اور اس کے شوہر
 تھا۔ ان کی شخصیتیں نظار نما نہیں کی جاسکتی تھیں۔ یہ
 وہ دیر سے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ ایک محل کا گھوٹ
 ملازمین کی فوج کی فوج دست بستر حاضر رہتی تھی۔
 آوی کا لڑتا رہتا تھا کہ ان میں انگلیوں پر نہیں گنا جاسکتا تھا۔

اور کل تو میں نے یہی بتا تھی۔ بیگم برتاب گڑھ کو بستر چھوڑ
 اور ہو چکی ہو گی کہ دن آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا۔
 لیکن یہ ایک بکر اپنی ساری ٹھکان اٹار ڈالی تھی۔
 اور بل پر رکھا ہوا اخبار دکھائیں اسے اس پر ایک اچٹ
 اور ہمارا کام کا سوچنا اس کے کچن میں ملازم خاص کو بلا دیا۔
 اس کا لڑائی دھکیلتی ہوئی کمرے میں آئی۔ لڑائی کو بستر
 کہ کردہ میرے لئے چائے بنائے گئی۔ میں اخبار پر نظر
 لے لی۔

”یہ کب تک گڑھ کب گئی تھیں؟“
 ”میں صبح چلی گئی تھیں۔“ ملازم نے جواب دیا اور پھر بولی

کا مٹر صاحب آپ کو کئی بار فون کر چکے ہیں۔
 میں نے چائے کی پیالی ملازم کے ہاتھ سے لے کر اسے کمانڈر
 کاغذ ملائے کے لئے کہا۔ میں چائے کی چکیاں لے رہی تھی اور ملازم فون
 پر زور ڈال کر رہی تھی جب رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ٹیلیفون سیڈٹ سامنے بلی پر
 لے آئی میں نے ریسورس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”یہ لڑائی کس؟“ کمانڈر جنرل کی آواز سنائی دی۔ وہ میں صبح
 سے کئی مرتبہ فون کر چکا ہوں۔ معلوم ہوتا رہا تھا کہ آپ آرام کر رہی ہیں۔
 ”اور اصرار کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے رپورٹ دو۔“
 ”رات کو مجھے ڈاکٹر فوٹنگ کے ٹھکانے پر پہنچنے میں ڈراما دہر
 گئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچی تو ڈاکٹر فوٹنگ اپنے ساتھی کے سہارے بیٹھی
 کار میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح میری رسائی
 ایک اور عمارت تک ہو گئی۔ رات کا وقت ہوئے کے کچھ دس اس پاس
 کوئی دکان کھلی ہوئی نہیں تھی جس کے فون پر میں اپنے ساتھیوں سے
 رابطہ قائم کر سکتا۔ مجبوراً مجھے اپنے ساتھیوں کو لینے خود جا پڑا۔ پھر جب
 میں نے اس عمارت پر چھاپا۔ مارا تو وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی نہیں مل
 سکا۔ ساری عمارت خالی ہو چکی تھی۔“

”اوہ!“ میں نے ایک طویل سانس لی۔ ”گویا ڈاکٹر فوٹنگ
 ہاتھ سے نکل گیا۔“

”جی نہیں۔ شاید میں نے اس کا پتہ چلا لیا ہے۔“ کمانڈر جنرل کے لیے
 سوچے دیے خوش کا اظہار دہر ہوا تھا۔

”شاید کا کیا مطلب ہو؟“

”دراصل میں نے آج صبح اس عمارت کے بارے میں چھان بین
 کی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ ایک چیرائی سوداگر کی ہے۔ اس شخص کی تجارت کے
 سلسلے میں ہماری پولیس خاصی مشکوک ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس
 کی ایک اور گھوٹ بھی ۲۴ سی۔ایچ۔ ایس میں بھی ہے جس نے اپنا ایک
 آدمی کو وہاں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا اور اس آدمی نے ابھی دس منٹ
 قبل مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ اسے کو گھوٹ کی ایک کھڑکی میں کسی عورتی کا
 چہرہ نظر آیا تھا۔“

”ڈاکٹر فوٹنگ کا چہرہ؟“ میں نے تباہی سے پوچھا۔

”میرا آدمی اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”عمارت کا پتہ بتاؤ!“ میں نے کہا اور ملازم کا اشارہ کیا۔

وہ میز پر سے کلم ادھر لٹا اٹھا لائی۔ میں نے پتہ نوٹ کرنے کے بعد
 کمانڈر جنرل سے کہا۔

”تم وہاں پہنچو، میں بھی جلد از طلبہ پہنچنے کی کوشش کروں گی۔“

میں نے سلسلہ متعلق کردیا لیکن ریسورس کیسے تھی مجھے خیال آیا تھا کہ اس دو
 تین باتیں پوچھنا سمجھوں گئی ہوں۔ رات کے بنگلے میں بھی مجھے سلطان
 کا خیال نہیں آیا تھا جس کا کمانڈر جنرل نے ہسپتال پہنچا دیا تھا اس کے سلطان
 مجھے نامریدیکہ کے بارے میں پوچھنا تھا کہ اس سے کوئی بات معلوم ہو گی یا

نہیں؟ ویسے مکان کو نہ بولے کے برابر تھا اور میری سب سے اہم بات یہ معلوم کرنا تھی کہ کوڑھ کیا ہوا روہ فرماؤنگ کیا تھا ایک اہم ایجنٹ معلوم ہوتا تھا اس کی اچانک لاہور کی طرف روانگی خاصی غیر عادی تھی۔ لکناؤ میں کے ایک مساجد کو میں نے اس کے تقابض میں بھیج دیا تھا۔ لیکن ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی۔

”دو ماہ تیار ہوئے میں صرف دس منٹ گئیں گے بے ملازمہ نے مجھے بتایا۔“

”ٹھیک ہے، میں اسے تیار کر دیتی ہوں“ میں نے کہا اور ستر سے اُٹھ کر ملحقہ غسل خانہ میں جا گیا۔

تقریباً دو بجے ہو کر میں نے ناشتہ کیا اور گریج سے مرسلہ خرید کر نکال کر کوسٹا کی طرف روانہ ہو گیا۔ کمانڈر جی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے میں مجھے کس منٹ گئے گاگو میں اس کچھ فاصلے پر چھوڑ دی تھی اور پھر راستی ہوئی اس عمارت کے قریب پہنچی تھی۔

کمانڈر جی پان کی دکان پر کچھ اٹا بندھ کر بیٹھ لے رہا تھا۔

”جیلہ...“ کے قریب میں کہا۔ ”راج مکرانی جیلے چانک کوئی شاسا لگا رہا۔“

”سبیلہ!“ کا مائنڈ میں بھی بڑی گڑبگڑ کا اظہار کیا اور پھر سہم
 ورنوں موسم کی باتیں کرتے ہوئے دوکان سے کھڑے گئے جڑھ کھڑے۔
 دو گونی خاص بات ہے؟“ میں نے سرگوشی کی۔
 ”کیونکہ ایک ایسی کچھ بکری میں داخل ہوئے ہیں مگر ان کی کوئی
 بھی چیز نہیں تھا۔“
 ”تمہارے آدمی کہاں ہیں؟“
 ”کمانڈر جن نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ آدمی کچھ دور لپکے خست
 کتے سے ٹک رکتے یوں کھڑا تھا جسے کسی کا منتظر نہ ہو اس سے ذرا
 دور کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔ غالباً انہیں اس کا منتظر تھا۔ اس طرف
 ایک بچہ بڑھ گیا جس نے آئی جی اور اس پر غور مار کر رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھوں
 ضرورت سے غامض کی تھی۔

وہ تھا میں ایک شخص کو دیکھ کر جو تک پڑی۔ وہ بھی اس کے منتظر
 ہو کر اس کے انتظار میں رہ کر ہی غرضتوں کی داری میں رہی نظر میں
 تو میں نے اسے نہیں پہچانا تھا لیکن دوسری نظر نے اس کی ساری
 پردہ چاک کر دیئے۔
 ”رضوان“ میرے منہ سے اے اختیار نکلا۔
 کہاں تو اس کی نظر اس طرف اٹھ کر گئی وہ دیکھ کر جتنی رضوان
 بھی لیتا مجھے دیکھ کر اٹھ گیا لیکن وہ اس طرف نہ دیکھ کر اٹھ گیا جیسے
 مجھے پہچانا ہی نہ ہو۔

اس کا کیا مطلب ہوا؟ میں بڑبڑائی۔
اس بہرہ پسندِ رضوان کی یہاں موجود کی میری سمجھ میں نہیں آ سکی
معتنی لگا، ملاحظہ کرنے پر مجھے کچھ بھی نہیں لگا اظہارِ ہونے لگا تھا اور میں اس

”کہاں پہلے؟ خاتون! ڈرائیور کو یہ بہت غصہ معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرح سے مہولے روزگاری کے اس زمانے میں اگر طے لکھے لوگ نیکی سی ڈرائیور تک نہ لگتے تھے تو کوئی عیب کی بات نہیں تھی۔

سوسن نے ٹیکسی میں بھی اپنا راکاری نہیں کیا۔

ڈرائیور کو سس نے اپنے کپڑے بتایا تھا۔ وہاں پیچھے میں دس منٹ لگے۔ بھلا کہاں پر میں ٹیکسی چھوڑ دی؟ اس کے جاتے ہی سوسن کی راکاری بھی ختم ہو گئی۔ وہ راکاری میں اس کا ہاتھ کپڑے جوئے احاطے میں داخل ہوئی تو اس نے کہا: ”اب کاپ سلاٹ شروٹ کوڑن کی کین میں جا پتی ہو یا

اکوٹیلان سے میچر کٹنگ ہو، میرا مطلب شک ہے۔“

وہ مجھ سے اتنی بھڑی ہوئی جلد ہی کہ ڈرائیور نے کہہ دیا کہ کچھ

”سینے“ اس کے گرد ہوتے بدن نے مجھے خاصا محو کر دیا۔

”وفا کرنا تو آسان ہے... میں اس کے بارے میں یقین سے نہیں کر سکتا۔
 بڑا اچھی جا رہی ہے۔ اگر وہ اس عمارت میں ہوگا تو یقیناً بکرا جائے گا۔“
 ”تم گمانی جا رہی رکھو اور مجھے یہی اس کے بارے میں کوئی حقیقت
 معلوم ہو جائیجئے اطمینان۔“
 ”بہتر ہے۔“

رہسور رکھتے وقت میں نے محسوس کیا کہ عجلت کا بوجھ میرے ذہن سے ہٹ چکا ہے۔ پہلے تو میں یہی چاہتی تھی کہ سون سے بوجھ گچھ کرنے کے بعد جلد از جلد پھر اس عمارت تک پہنچ جاؤں لیکن اب اس کی ضرورت باقی

”تو تم وہ پر نکال شراب پینا جانتے ہو“ میں سسکن کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائی۔

”ہاں“

”تو پھر اٹھو... میں ڈرامنگ روم میں بیٹھ کر تو خود جیتی ہوں اور نہ کسی کو پانی ہوں“

سسکن نے اٹھنے میں اتنی عجلت کی تھی کہ کچھ مہینے لگئی۔

اسے نہ کمر خراب گا کہ آپ کو پورے پرتگالی شرب کی بوتل نکال کر دو جام بنائے۔ ایک سے دیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

سسکن پہلا جام تو ایک ہی سانس میں خالی کر گئی اور پھر دوسرا جام اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس کی ایک سے بھی نہ کر اس نے مخمور بن گیا ہوں سے میری طرف دیکھا اور سر اٹھ کر بولی۔

”اب میرے ذہن میں برائی ہاں بیکانے لگی ہیں“

”پہلے تو اپنے ذہن میں مخمور ڈیوٹر کیل ہاں تازہ کر دو تمہارے رتبے سے میں اتنا تو سمجھ ہی چکی ہوں کہ درجن اداکاری بھی اور تمہیں سپاؤن واپ کچھ نظر نہیں آتا تھا“

”آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ سسکن نے عقیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ یہ حرکت کرنے کے لئے سمجھ کر اپنے پر حاصل کی گیا تھا“

”دیکھا مطلب“

”اس واقعے سے میں کچھ سٹ پیبلہ وادی میرے گھر آئے تھے اور بظاہر ایک عجیب سے کام کے لئے ایک ہزار روپے کی پیشکش کی تھی کام وہی تھا جو آپ دیکھ چکی ہیں۔ یعنی میں جاکسی ہیں، ہاں پیسج کو اتروں طبقہ ہوتی کسی کچی میں داخل ہو جاؤں وہاں ایک زوردار چیخ ماروں اور جب لوگ میری پیشکش کے لئے وہاں پہنچیں تو اس ایک سانپ کا ذکر کر کے حاملہ ختم کر دوں۔ اتنے سے کام کے لئے ایک ہزار روپے بڑے بہنیں تھیں اس لئے میں نے ان لوگوں کی بات فوراً مان لی تھی“

میرزا نے تیزی سے کام کرنے لگا۔ فوری طور پر اس کے سوا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی کہ لڑکا کٹر فرنگ کی حرکت تھی۔ غالباً اسے عمارت کی نگرانی کا اندازہ ہو گیا ہو گا لہذا اس نے فون پر اپنے آدروں کو براہ راست کرنے کی ہدایت دیدی ہوگی۔ یہ بات ذہن پر تھی۔ سسکن نے سچ سچ سمجھا کر نگرانی کرنے والے ایک مہینے لڑکی کو دیکھ کر خیر نہیں رہ سکیں گے اور پھر جب وہ لڑکی ایک گھنٹی میں داخل ہو کر خیر کی تو وہ لڑکا اس کی کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ اس کی افراتفری میں ڈاکٹر فرنگ وہاں سے نکل جا اجاتا تھا لیکن شاید وہ کسی وجہ سے نکل نہیں سکا۔ اگر وہ عمارت سے نکلنا تو یقیناً لڑکی کی نظر میں آ جاتا کیونکہ جن نے اس افراتفری میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ ممکن ہے کہ اسے کچھ اور دیکھ کر بھی لوگ باہر نکلاں۔

اور اب وہاں پولیس کا تہیہ ہو چکا تھا۔ اگر کیا کوئی فرنگ کی گرفتاری

تعلیق تھی۔

تعلیق تھی۔

تعلیق تھی۔

تعلیق تھی۔

تعلیق تھی۔

تعلیق تھی۔

جا بھی ختم کرنے والی تھی۔

”لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کر لیا تھا؟“

”اگر نظر انداز نہ کرتی تو اپنا کام کرنے کے لئے...“

”ہوئے کہا“ میں تو ڈر رہی تھی کہ آپ مجھے روک نہیں اب وہ لینے سے تیار عام تیار نہ تھی۔

”کیا ساری بوتل میں جاؤ گی؟“ میں بول پڑی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ کو کبھی نہیں پینے میں نے“

”کریں ہنس پڑی۔“

”تیسرے جام کے بعد جلد ہی جیتھے جام کی بھی فریضہ سانس دیکھ کر سوسن الپی بل جیتی جیتے جیتے“

”آئی ویرس دوسرا جام بھی نصف سے زیادہ نہیں پیا تھا“

”اب اس رات کو نہ کا دو ہاں“ سسکن مجھ کو فریضہ سے بولی اور اٹھ کر بستر پر بے قریب آ بیٹھی۔

”میں نے بیارے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا“

”جہیں رات کہاں دکھائی دے گی؟“

”کیا رات نہیں ہے؟“ اس نے انھیں ہلکا طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر رات نہیں ہے... تو کیسے ہوئے رہی ہیں... وہاں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

”شراب اس کے ذہن پر اپنا تسلط غامض کر چکی تھی۔“

”میں نے ہنس کر اپنے جام کا آخری گھونٹ لیا۔“

”جامہ نے کمر بٹھیل پر رکھ دیا۔ اس نے کسی قسم میں کیا معاملے میں توجہ نہ کرنے کے بعد وہیں بیٹھی تھی۔ اس نے ایک اپنی گود میں گر لیا اور اس کے شراب سے بھیجے ہوئے ہونٹوں میں جذب کرنے لگی۔“

”سوسن کے ہاتھ میرے بدن کا طواف کر رہے تھے“

”کی طرح وہ آج بھی بہت مڑھو جاتی تھی۔ میرے سر پر جھونپڑی اس نے سمجھو کر مڑھ کر لیا۔“

”ہاں... اس نے میرے ہونٹوں میں کہا۔“

”لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کر لیا تھا؟“

”اگر نظر انداز نہ کرتی تو اپنا کام کرنے کے لئے...“

”ہوئے کہا“ میں تو ڈر رہی تھی کہ آپ مجھے روک نہیں اب وہ لینے سے تیار عام تیار نہ تھی۔

”کیا ساری بوتل میں جاؤ گی؟“ میں بول پڑی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ کو کبھی نہیں پینے میں نے“

”کریں ہنس پڑی۔“

”تیسرے جام کے بعد جلد ہی جیتھے جام کی بھی فریضہ سانس دیکھ کر سوسن الپی بل جیتی جیتے جیتے“

”آئی ویرس دوسرا جام بھی نصف سے زیادہ نہیں پیا تھا“

”اب اس رات کو نہ کا دو ہاں“ سسکن مجھ کو فریضہ سے بولی اور اٹھ کر بستر پر بے قریب آ بیٹھی۔

”میں نے بیارے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا“

”جہیں رات کہاں دکھائی دے گی؟“

”کیا رات نہیں ہے؟“ اس نے انھیں ہلکا طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر رات نہیں ہے... تو کیسے ہوئے رہی ہیں... وہاں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

”شراب اس کے ذہن پر اپنا تسلط غامض کر چکی تھی۔“

”میں نے ہنس کر اپنے جام کا آخری گھونٹ لیا۔“

”جامہ نے کمر بٹھیل پر رکھ دیا۔ اس نے کسی قسم میں کیا معاملے میں توجہ نہ کرنے کے بعد وہیں بیٹھی تھی۔ اس نے ایک اپنی گود میں گر لیا اور اس کے شراب سے بھیجے ہوئے ہونٹوں میں جذب کرنے لگی۔“

”سوسن کے ہاتھ میرے بدن کا طواف کر رہے تھے“

”کی طرح وہ آج بھی بہت مڑھو جاتی تھی۔ میرے سر پر جھونپڑی اس نے سمجھو کر مڑھ کر لیا۔“

”ہاں... اس نے میرے ہونٹوں میں کہا۔“

”لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کر لیا تھا؟“

”لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کر لیا تھا؟“

”اگر نظر انداز نہ کرتی تو اپنا کام کرنے کے لئے...“

”ہوئے کہا“ میں تو ڈر رہی تھی کہ آپ مجھے روک نہیں اب وہ لینے سے تیار عام تیار نہ تھی۔

”کیا ساری بوتل میں جاؤ گی؟“ میں بول پڑی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ کو کبھی نہیں پینے میں نے“

”کریں ہنس پڑی۔“

”تیسرے جام کے بعد جلد ہی جیتھے جام کی بھی فریضہ سانس دیکھ کر سوسن الپی بل جیتی جیتے جیتے“

”آئی ویرس دوسرا جام بھی نصف سے زیادہ نہیں پیا تھا“

”اب اس رات کو نہ کا دو ہاں“ سسکن مجھ کو فریضہ سے بولی اور اٹھ کر بستر پر بے قریب آ بیٹھی۔

”میں نے بیارے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا“

”جہیں رات کہاں دکھائی دے گی؟“

”کیا رات نہیں ہے؟“ اس نے انھیں ہلکا طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر رات نہیں ہے... تو کیسے ہوئے رہی ہیں... وہاں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

”شراب اس کے ذہن پر اپنا تسلط غامض کر چکی تھی۔“

”میں نے ہنس کر اپنے جام کا آخری گھونٹ لیا۔“

”جامہ نے کمر بٹھیل پر رکھ دیا۔ اس نے کسی قسم میں کیا معاملے میں توجہ نہ کرنے کے بعد وہیں بیٹھی تھی۔ اس نے ایک اپنی گود میں گر لیا اور اس کے شراب سے بھیجے ہوئے ہونٹوں میں جذب کرنے لگی۔“

”سوسن کے ہاتھ میرے بدن کا طواف کر رہے تھے“

”کی طرح وہ آج بھی بہت مڑھو جاتی تھی۔ میرے سر پر جھونپڑی اس نے سمجھو کر مڑھ کر لیا۔“

”ہاں... اس نے میرے ہونٹوں میں کہا۔“

”لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کر لیا تھا؟“

آج شاہ اس عمارت میں اس مگر دوں کی کوئی خاص ننگ تھی جب میں
وہاں پہنچا اور بنی شاہ اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔ رفت شاہ جہانک
بنا آئین اس مگر ہے اور پولیس والے گزشتہ دو ماہ سے اس کا وارنٹ
جب میں ڈالے گم ہوتے ہے۔ کچھ ہی دن بعد کچھ وہاں پہنچ گئی تھیں
لیکن یہ میری سمجھ میں اب تک نہیں اسکا ہے کہ تم لوگ اس عمارت کے
گرد کیوں منڈلا رہے تھے۔“ وہ ضواں نے ایک لمحے کے لئے سوا لفظوں
سے میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ سے بولا۔ شاہ جہانک نے اور بنی شاہ کے
گرد ہوں میں کچھ اختلاف ہو گیا ہے۔ کیوں؟“

میں سے ان کے لیے ایک ریل گاڑی بنائی گئی تھی اور ہر سون
 بجکر رضوان کی ذہنی کیفیت کو جاننے کی کوشش کر رہی تھی جب اس
 نے دوسری مرتبہ سوالیہ انداز میں پری طرٹ دیکھا تو میں آہستہ سے بولی۔
 "کیا میں تمہیں ششدر سے پانی کا ایک گلاس پیش کروں؟"
 "اس سنجیدہ سنے کو مذاق میں اڑانے کی کوشش ہے سو ہوگی
 بانو، رضوان نے بڑے گھبر لیے میں کہا "میں سمجھ لو کہ رضوان اب
 تمہارے پیچھے لگ چکا ہے اور دہرائی شخصیت کے جو گوشے دھکے چھپے
 رہ گئے ہیں وہ اب ہم جلد ہی سامنے آجائیں گے۔ میں تمہیں چاہتا ہوں کہ
 لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ میرے ضمیر کے تقاضے اس چات کے بوجھ
 سے دب جائیں۔ بتاؤ یہ ہمیں پرستی کا جرم تو میں نظر انداز کر سکتا
 ہوں۔ لیکن ملک دشمنی کسی حیثیت پر بھی براہ راست نہیں کر جا سکتی۔"
 ایک طویل سانس لے کر میں چند قلم اگے بڑھ کر اسی موڑ پر
 بیٹھ گئی اب اس کوئی نئی خشک و شہینہ منہ بات تھ کہ رضوان کو کچھ کہنے

میں چھوڑ دیا۔ یہاں پر وہی تھیں۔
 "دکاش تمام ایسی نہ تھیں! ہر وضو ان کے پیچ میں بڑا کرب تھا۔
 "اس عمارت پر پولیس کے ریڈ کا سبب کیا تھا؟ میں نے ایک
 شبے کے سخت پرچھا۔
 "رتن شاہ کو بچپانے کے بعد میں نے ہی اس کی اطلاع پولیس
 کو دی تھی، وضو ان نے میرے شبے کی تصدیق کی۔
 "چھٹک ہے۔ میں نے سہرا لایا۔ پھر لہا ہوا کہ پورے گرام ہے۔
 وضو ان کے کچھ کہنے کے لئے مڑے مڑا کر اور دیکھ کر لہا دھاس
 وقت بجد جنڈیا لائی ہوا جام تھا۔ اس نے دان سے دان پر دانت جمایا اور
 آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹوئس کے قریب پہنچا۔ وہیں ایک گھوڑا اسٹول پڑا
 ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اب اس کی پیٹھ میری طرف تھی اور وہ بھاری
 جوتی پہن کر رہا تھا۔
 "میں شہری طرف نہیں دیکھ رہا ہوں۔ تم جہاں تو مجھے گولی مار
 کر رہے ہو۔ میں کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

میرا دل تیار آنا سنا ہوا ہو گا تو میں تمہیں اس کا موقع ہرگز نہیں دوں گا۔“

آج شام اس عمارت میں نہ چوٹا تھا نہ واپسی پر اس معاملے کو دیکھوں گی۔ وہاں پہنچا تو رخصت صرف اسلام آباد جانے کی تھوڑی سی۔

وہاں ایک ٹیکسی نظر آئی تو اس نے اپنی گاڑی کو اس کے برابر سے آگے نکالے ہوئے دو تیر تیر کر کے کا اشارہ کیا۔

ٹیکسی میری گاڑی کے پیچھے گئی تو اس نے سرن کا کٹ دیا۔ پھر گاڑی باوجود اس نے جو تکسٹر بھی نہیں کھولیں تو اس نے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جانتی تھی کہ میں رات کو یہی سلا آؤں گا"۔

وہاں آجھاؤں کی گھم گئی کسی وقت مجھے سے ملنا۔

"آجھا" کہتے ہوئے سرن نے جہاں لی اور گاڑی سے اتر کر شاہ فتنہ کی جھونک میں پڑی نہ دے دروازہ بند کیا۔

میں ہنس کر کچھ کورسز کو حرکت دینے لگی۔

جب میں یہ پورٹ پہنچی تو اس منٹ لیٹ تھی لیکن طیارہ کی روانگی میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔

انیس جینس ڈائریکٹر اکیلا میرا منتظر تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر طیارے کی طرف بڑھتا ہوا بولا: "آپ خوش قسمت ہیں کسی عام آدمی کو اتنی جلدی پریسیڈنٹ تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔"

شاید آپ مجھے عام آدمیوں میں شمار کر کے غلطی کر رہے ہیں میں نے مسکرا کر کہا۔

انیس جینس ڈائریکٹر تھوڑی سانس لے کر چپ ہو گیا۔ میری خود اعتمادی اسے خاصا بو کر رکھتی تھی۔

ہمارے شمار ہونے کے باوجود منٹ بعد ہی طیارے نے زمین چھو دی۔ یہ دیکھ کر میرا جی بہت خوش ہوا تھا کہ میرے اس پاس دو تین خوبصورت اور سڈول لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسے چہرے نظر کے سامنے ہوں تو سفر تو جیل نہیں ہونے پاتا میں نے ان میں سے ایک لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور سارا سفر اسے باتیں کرتے ہوئے گزار دیا۔ انیسی جینس ڈائریکٹر نے جینی سے پہلو بدلتا رہا تھا۔ اسے میری اس حرکت سے خاصی پوریت ہوئی تھی لیکن وہ دخل درغولت کر کے اپنے بے تہذیب ہونے کا ثبوت نہیں دینا چاہتا تھا۔

جب طیارے نے لینڈ کیا تو اس بادل یا خواہ اس لڑکی سے جدا ہوئی جس کے ہونٹوں کو گلاب کی گلیاں لگ رہی تھیں اور ناپاہ سستی تھیں۔

پریسیڈنٹ ہاؤس کے دافتر ہمارے استقبال کے لیے چکلا کے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ان کے ساتھ ایک کامرس سفر شروع ہوا۔ یہ ایک تھکا دینے والا سفر تھا۔ اسلام آباد پہنچے پہنچتے میری طبیعت تیری پوچھ لگائی لیکن پریسیڈنٹ سے ملاقات کی گفتگو اس مشکل کو خاصی

حد تک دبا دیا۔

ایوان صدر میں قدم رکھتے وقت میرے دل تیز ہو گئے اور صرف یہ سوال میرے ذہن میں گونگ مقصد میں کامیاب ہو سکو گی یا نہیں؟

رسمی کارروائیوں میں زیادہ وقت ضائع کیا اور جلد ہی اس کے عین داخل ہوئی جہاں ملاقات ہونا تھی میرے انداز کے مطابق یہاں تنہا چونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میں شام میں کے قریب کیپٹن آفاق بھی سمجھا ہوا تھا۔

صدر مملکت کے ساتھ کیپٹن آفاق کی تعجب خیز تھی میرے ذہن میں تو یہ تئانی میں ملاقات کروں گی، انیسی جینس ڈائریکٹر کے بعد میرے اس فیصلے کو تقویت دیتی تھی کہ میرے ہونے کے بعد وہاں کیپٹن آفاق بھی موجود تھا۔

آخر کیوں؟

کیا اسے علم ہو گیا تھا کہ مجھے ایران میں کوئی یہ اسی وقت ملن تھا جب اس نے اپنے کام دے کر تھے ہوئے خود بھی اس معاملے میں دلچسپی ہو گیا تھا۔ ہونے والے دن کے بعد ان کی تعداد آتی ہے۔

کیپٹن آفاق کو صدر سے میری متوقع ملاقات اور شاید یہاں اس کی موجودگی کی وجہ بھی یہ تھی۔ صدر مملکت کو انیسی سیدی جی پر بھرا کر اپنی طرف میری طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔

میرے ذہن میں ان خیالات کی گردش کی نہیں تھی کیونکہ کیپٹن آفاق نے مجھے یہی جیت کے آثار پیدا ہوئے۔ چند لمحوں کے لئے چھیل گئیں اور کھل کر کھلا دیا گیا۔ اس کی کیپٹن دلائے کے لئے اتنی تھی کہ میرے ذہن میں کھجرت تھے۔ آفاق کی موجودگی میری برافق تھی وہ وہاں اب میں ملنے ہوگی۔ اور میں نے مسکرا کر صدر کی شخصیت تھی۔ وہ میرے آتش کو بجھانے لگا۔

مجھے اس روز ہوا یوں تو اس میں پہلے ہی کسی کے ساتھ کچھ ملنے کی اور ان میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں اتنے قریب سے میں نہیں پہل سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے اور ان کے مسکراہٹ تبدیل رہی تھی۔



رمیات میں وقت بالکل ضائع نہیں ہوا۔ صدر نے کیپٹن آفاق سے تعارف کرایا اور پھر چلے گئے۔ میں جا رہے تھے۔ آپ تفریق یہاں میرے قریب آجائیں۔

میں صدر کے پاس بیٹھ گئی۔ صوفیانا بڑا تھا کہ ہمارے درمیان میں کیپٹن آفاق نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور پھر جھپٹے ہوئے مخاطب ہوا۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں بھی یہاں موجود رہوں گی۔

صدر نے گھور کر کیپٹن آفاق کو دیکھا اور ان کی پیشانی پر ناگواری کی بھی جھلکیں مل گئیں کہ کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول چلی تھی۔

کیپٹن آفاق مجھے یہاں دیکھ کر یقیناً ہلکا ہوا تھا اور اس کی کہنے کی صلاح میں کسی کیسے صدر تک مغلوب ہو کر ہو گئی تھیں بلکہ سے یہ خوف تہذیب درخواست نہ کرتا۔

اس درخواست کے پس منظر جو نا شعوری حرکات تھے، میں اب جانتی تھی لیکن صدر مملکت مکمل تاریکی میں تھے۔ انہیں تو معلوم تھا کہ ان کی کیپٹن آفاق ایک دوسرے کے لئے عجیب ہیں۔ آفاق کی موجودگی سے میرے لئے کسی نقصان کا احتمال اس کے برخلاف کام میں کچھ آسانی ہوتی نظر آتی تھی۔

اب میں نے کیپٹن آفاق کو موجود رہنے کی اجازت دے دی۔ جیت سے میری طرف دیکھا اور بولے: "مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ یہاں میں ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

کیپٹن آفاق کی جگہ کوئی اور نہ تھا تو میں یقیناً ترائی کی تھی ہوتی۔ میں نے انھوں سے انھیں جھانکے تھے مگر اس سے پہلے کہ انھیں میں چل رہی ہوں۔ میں نے ہوا احتیاط برتنا چاہتی تھی، اس حال کی موجودگی قطعاً اثر انداز نہیں ہوگی کیونکہ میں کچھ کہنا نہ چاہتی تھی۔

کیپٹن آفاق کی پہلے ہی سے معلوم ہے۔

آفاق نے ایک بار پھر مجھ سے پہلو بدلا۔ ظاہر ہے کہ ان کی نزاکت کا مکمل احساس ہو گیا ہوگا۔

مجھے جیت سے میری طرف دیکھ کر کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا مجھے ایک ایک بڑے بڑے شہسب کے جھک نظر آتی تھی۔

اس معاملے سے کیپٹن آفاق کا کیا تعلق؟ وہ "معتویں سیکٹر" کہتے ہوئے تھے۔

میرے کہنا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیپٹن مسکرا کر بولے: "میں نے تیرے لیے یہ کیپٹن آفاق سے سوال کیا۔"

کیپٹن آفاق فری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا اب اسے بھی یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ وہ بہت ہی بے تاملی کیلے ہیں اس کی تعجب اس سے بڑی طرح کھٹکھٹ انداز ہو رہی تھی۔

"دراصل یہ کیپٹن آفاق قدرے تعجب سے بولا: میں نے آپ کو ایئر پورٹ پر دیکھا تھا اور میں نے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔"

"میں نے کہا کہ یہ تھے؟" صدر نے آگے بڑھ کر مجھے سے سوال کیا۔

وہ ایک دوست کو کہہ کر کہہ گیا تھا۔ کیپٹن آفاق نے ہلکے سے کہا اور پھر اس طرح مطمئن نظر آئے لگا جیسے یہ جھوٹ اس کی۔ انست کی جیت پر محض ہو گئیں یہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ جال سے کس طرح نکلے؟

"ایئر پورٹ پر آپ نے جب مجھے دیکھا تھا اس وقت کوئی فلائٹ ڈیو نہیں تھی اور میرا خیال ہے کہ آپ کسی فلائٹ کے ڈیو ہرے سے پہلے ہی وہاں سے چلتے تھے۔"

"معاف کیجئے گا، میرے ساتھ ایک غلط لفظ نکل گیا۔ میں رسیو کرنے نہیں بلکہ اسے آنے کی گئی تھی۔ کیپٹن آفاق نے بات سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کسے ہونے اس کی پیشانی پر پسینے کی نمی پڑی۔ جبکہ انیسی جینس۔"

"خوب!" میں مسکرائی۔ کیا آپ اپنے اس دوست کا نام بتائیں گے جسے آپ اذکار کہتے تھے؟"

کیپٹن آفاق کوئی جواب نہیں دے سکا لیکن صدر مملکت کی تیز نگاہیں اسے کچھ نہ بچھوڑنے پر مجبور کر دی تھیں۔ اس موقع پر اس عیار نے جھلک کا لبادہ اڑھ کر اپنی دروغ بیانی کو چھپانے کی کوشش کی۔

"آج آپ کا مطلب کیا ہے؟" وہ بولا۔ کیا آپ میرے باندے میں گفتگو کرنے کے لئے یہاں آئی ہیں؟"

میں نے مذکی طرف دیکھا جس کے چہرے سے اب تشویش کا بھی اظہار ہونے لگا تھا۔ جب میں نے ان کی نظروں میں استفاد محسوس کیا تو آہستہ سے بولی۔

"کیپٹن آفاق کا یہ عرض غلط نہیں ہے جب والدہ امی ان ہی سے متعلق بات کرنے آئی ہوں اور ان کی وجہ سے میں نے اپنی زبان دھکی تھی۔ میرے پاس اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وزیر خارجہ کے جہاز میں میری موجودگی کیپٹن آفاق ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ گوکہ یہ کام ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نہیں کیا ہوگا لیکن کام کی نگرانی کے لئے یہ ایر پورٹ پر موجود ضرور تھے۔"

"یہ غلط ہے۔ کیپٹن آفاق کا چہرہ سرخ ہو گیا۔"

میں نے اس کے اس جلیقہ سے متوجہ نہیں کیا اور صدر کے چہرے پر نظروں جمائے ان کے قلبی جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی۔

"لوکی!" وہ بہت سخت لہجے میں بولے۔ "میں نے کیپٹن آفاق پر"

پ پ پ پ
نگر حل پڑا۔
پ ٹ پ ٹ پ ٹ
ت بھیگتی رہی۔
پ ٹ پ ٹ پ ٹ

”اگر ان تیزیوں کو قریب سے گزر گیا لیکن وہ کسی
توتیجر رہے ان میں سے ایک شخص مقامی لباس میں تھا
قریب اور واسطہ، دوسرا آدمی بھی مقامی ہی تھا لیکن اس
کا لباس ہین رنگ کا تھا جو ہمارے ”شرٹا“ کا لباس بن چکا
تھا اس کا ہار کوہم نے شاید کسی لئے پہنے سینے سے لگا
کرے وقت کو چھوٹ نہ لیں۔

جناب روڈو، بانی ملک کی شہرک تفریبا اندھیر
 تھی۔ میں نمازیں کی دلیاروں کے سامنے سامنے خلق
 پنج گنجی جہاں میں نے ان تینوں کو دیکھا تھا۔ اب وہ فیلڈ
 نہیں دیئے کہ میں نے مایہ سارہ انداز میں ایک طویل سال
 وہاں سے چل پڑنے کا ارادہ کر لی رہی تھی کہ مجھ اس گلی

خس میں وہ بیٹوں بھانک رہے تھے کچھ سوچ کر میں
داخل ہوئی اور اُسے بڑھتی علی گئی۔ گلی زیادہ لمبی نہیں
کے دوسرے سرے پر ایک ٹاٹر کھانا بازار تھا۔
گلی میں دامن بامیں دو چار گلیاں اور پھر خیر

دفعاً مجھے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سنائی دی۔
 پڑھیں جو تھے وہیں جم کر رہ گئے۔ یہاں سے مجھے کچھ ایسا
 میسے جینفے والے کا مٹہہ دھا دیا گیا ہو۔

چند قدم آگے بڑھ کر دیں ہوتی کی بجلی کی ٹنگی میں جھانک کر دیکھتے ہیں میرے سارے لئے کی تصدیق ہوئی۔ کچھ دور ایک مکان کے پورے عین سامنے جا کر رہا اور اس کی دھڑکی دہائی میں آگے آؤں گا کچھ کچھ تھکی۔ یہ دینی تھے جس میں سے ایک ایک لڑکی کو کہنے لے چلے آہے تھانہ کارخانہ کی طرف کی گزری ہوئی تھی۔ لڑکی کا لباس اس کے دیوانی ہونے کی علامت لہجہ اور گڑنے میں ملیرس تھی۔

دوسرے دیکھ کر میرے خون کی حدت بڑھ گئی لیکن میں نے آگے
 ہاتھوں کو لٹکا دینے کی بجائے وہیں ٹوک کر ان کا بخار
 بجھا۔ علی کے سر پر بھر پور طے ہوئے خالی ہاتھ کا مقصد میری
 انتقام۔ وہ تینوں اس لڑائی کو کسی ہاتھ میں وہاں سے

ادھر نے والی کا چہرہ تو میں نہیں دیکھ سکی تھی لیکن اس کے
طرزہ فکروں پر ہوا تھا کہ وہ اٹھارہ بیس سال سے زیادہ کی
ہو گئی ہے۔

حق کی طرح ہر آدمی کسی کے تجربے کو بھونچتا ہے اور کسی کے
ایمان اور کسی کے تجربے کا خاکہ کی ضرب سے اپنی فکر کو دہرا
لیا۔ یہ عمل بھونچنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لئے غیر
مفید ہے وہ بالکل غور اور تجربے ان کی محنت کرنے کا خلا
محنت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اگر ان کی محنت

[illegible]

میں نے تقریباً چھتے ہوئے کہا: ان
چاقو نکالا ہے۔
روس جی! میں نے لڑکی کا جو بڑا قاتل تو میں نہیں تھا۔
وہی لڑکی کے پاس گزری دار چاقو کی موجودگی کا
سکھ

تو بیرون بھاگ نکلے خدا جلے نہ چاہو سے ڈر گئے تھے
 سے جلے نہ خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ بعض علماء توں کی
 کی نفس رکھی میں ہوئے والی دھچک کوئی کی آوازیں مینوں
 نہجی تھیں۔

لڑکی ان میںوں کو لڑائی ہوئی ان کی طرف جھپٹتی تھی لیکن نہ ہاتھ
 جس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”جاملے دو اخیل۔ تمہاری مامی نے تجھے
 خوش کیا ہے لیکن اخیل کا قاتل مامی ہے کہ جاملے کو کولن نے دیا جاملے
 اخیل ان لوگوں کے پاس بھی رہ سکتے ہیں۔ انہیں ان ہتھیاروں کے
 استعمال پر مجبور نہ کرنا ہی بہتر ہے۔“

وہ تینوں ملکہ پر جا چڑھے تھے اور تاکہ حرکت میں آگیا تھا۔
 ان میں سے کسی ٹھکڑے کی ناپسندیدہ بیڑیوں کی چرچا ہٹ گئی تھی۔
 "بھال نکلتے بھتہ" میری اس جہی ساقی کے لیے میں تانت کی لہریں
 نکلتی۔

”پرواہ مت کرو۔ تم پہ نگینیں ایسی کافی ہے“ میں نے اس کا ہاتھ
تھام کر تھکے ہوئے کہا۔

مزدور نہیں بڑتی: وہ غرائی ہوئی لڑکی، ہاتھ میں گرکاری آجائے تو ان جیسے ہر مومجی ہر ابدن میں چھو سکتے، لڑکی کے لیے میں تنہا فرما گیا۔

اس کے ہاتھ میں زندگی کا پھر پور حرات تھی اور وہ قدرے سخت چوڑے کے باوجود بھی گزرتا محسوس ہو رہا تھا۔ بے بسی میں بھی خاصی گرمی اور اس کی سن ترانی کا لینا زور میرے جی کو بھاگاتا تھا۔

گلی میں گھسنے والے کئی دروازے چرچرائے اور کچھ لوگ باہر نکلتے
کھانا دیئے۔

”اب کھسک لو یہاں سے“ میں لڑکی کا ہاتھ و باقی ہوا بولی۔
 ”مہرزدوں کا طرفان آئے والد ہے“

”تھیک ہے مین جی! وہ نہیں پڑی۔
ایسے تو میں پر لڑگوں کے استغفار سے جان چڑانا مشکل ہو جاتا
ہے۔ اس لئے میں جلد از جلد میاں سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن ہمارے نکلتے
سے پہلے ایک صاحب قریب آئی گئی۔ میں نے انھیں تسلی سے دیکر
غندمزدوں نے میں چھڑا تھا لیکن شور سے گھر آکر ہجرت کیلے۔

اس جواب کے بعد میری کسی مستفسراں کو جواب نہیں تھی۔
چند افرانوں میں پیش کر کہ وہ ہمیں ہمارے گھر تک پہنچا
نہیں گئے لیکن میں نے زہی سے ان کی درخواستوں کو رد کر دیا۔
کہ وہ کہاں اور دروازے کھلنے سے گلی میں خاصی روشنی ہو گئی تھی
اس روشنی میں انہیں سامنے کو دیکھ کر کہہ دیا، اجنبی گھر کے چھتر

میں نے اس کی ساری موجودگی کو اپنی پچھلی عقل کی عقل سے
 خاصہ غرض سے دیکھا لیکن پھر اس کا جسم کا کتاب بگڑ جاتا کر
 ہی کرنے کے وجہ سے وہ عید جس کی کشش کی حامل بن گئی تھی۔ جس سے
 کوئی بھی مرنے کی راہ ہموار کرنے پر قادر تھے اور نکلتی ہوئی رنگت کی تھی۔
 نہ جس کے سوا وہ کسی بھی تھی۔

میں اس کا ہاتھ تھامے جوئے اس گلی سے نکل آئی اور مکانوں کے
درازے بند ہونے لگے۔

میں روڈ پر پہنچ کر میں نے اس سے کہا : تم تو خاصی خوبصورت ہو!

”کراچی ہے“
 ”ہائے! اہل نے میا خٹہ کہا“ میں نے کراچی کے بہت قصبے سنے
 ہیں۔ نچے تو لوں لگتا ہے جیسے دوہریوں کا ولس ہو۔“
 لیکن تم جیسی دلچسپ بیاں والی بہت کم کہتی ہیں۔ میں نے بس

قرن مل جانا چاہئے تہیٰ تکین جاگیر داروں کو شکر بر ملا نہیں ہے۔
 ملنے ہانی۔ کہیں وہی رون سنے سے پھر کیا۔ بہت
 ہی رت کی دانیوں کا لقیں لرایا تھا۔ اس لئے آبانے کو گھڑا
 وہ دوسرا کاہر کھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جاگیر داروں سے
 کے سولے کر دی۔
 "اور بڑا معاذب وہ دور کھائے گا"
 ریشاں نے آخری وار لڑکر میں کہا اور اسے قتل

۱۸ مہرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
 اچھا چمکنے کی اگر لاشیں اگلے باپ نے اپنی جائداد
 میں کر لیا تھا تو پھر دنیاں پر کیا عیب ٹوٹ پڑی
 اچھا چمکنے کی پڑی آنا پڑا تھا کیا جاگیر وارث کے
 کے اداں تھی؟
 اچھا چمکنے کی تھیں تالین کو تھی رہی۔

جس تک شکر کو نصیب نہ ہو جائے کہ تمہارے بھائی کی زندگی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اُسے زندہ رکھ کر کے گاٹنے یعنی ہے کہ تمہارا بھائی اس کی تیشیں ہوگا۔ یہ سب کچھ میں نے کہہ تو دیا لیکن تجھے

خود بھی جان باتوں پر پلٹیں نہیں تھا۔

”اُسے... میرے بھائی کی زندگی... زندگی سے... کیا فائدہ...“

پہنچ سکتا ہے؟
”شکوت کی نظر میں تمہاری زمینوں پر ہیں ادب صرف تم ہی اس کی راہ کا کام ہو سکتی وقت بھی وہ تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمہارے بھائی کو استعمال کر سکتا ہے“

”وہ کیسے؟“
”پہلے بھائی کی تکلیفوں کا حال سن کر کیا تم تڑپ نہیں اٹھو گی؟ یہ دباؤ ڈال کر وہ کم گوشت کی باتوں پر مجبور کر سکتا ہے“

میرزا طرغیہ بہت لڑا لڑا تھا کہ بات ریشیاں کی سمجھ میں آگئی اور آہستہ آہستہ وہ میرزا کے پاس پہنچ گیا۔ اسی دوران میں میرزا اپنے لئے آیا۔ گرم گرم چائے کے گھڑے کے گرد ریشیاں کی حالت مزید بہتر ہو گئی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ تیسرے وقت کے بعد وہ دانت پھینکی ہوئی ہوئی۔

”اگر اس لئے میرے بھائی پر تشدد کیا تو میں چاقو اس کے پیٹ میں آ مار دوں گی!“

”کچھ...“ میں نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ یہ دیکھ کر کچھ واقعی میت کا احساس ہوا تھا کہ ریشیاں اس کچھ دیر پہلے والی جیلا کی ادنیٰ و طراری واپس لوٹ رہی تھی۔

”تم بڑا بہت خلعت میں گھری ہوئی ہو۔ میں نے ذرا دیر بعد سجدہ سے کہا۔ تم نے نہیں جان لی کہ اس نے کونسی وہ بچا نہیں چھو سکتا۔ تم کسی وقت بھی اس کے لئے خطرناک کھڑا کر سکتی ہو اس لئے وہ دونوں کو ختم کر دینا چاہیے۔ ہاں ایک مروت ہے بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ان سے تہاؤ میں لینے کی کوشش کرے یا کسی طرح نہیں مجبور کرے کہ تم اس کے ساتھ بھاؤ“

”وہ مجھے کسی طرح بھی اس کا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ریشیاں بڑے جوش سے بولی۔ میں اس کے منہ پر پتھر کی دوں گی۔“

”میرزا...“ میرزا میری جان... جوش میں آنے کی بجائے غصے ذل و دماغ کے ساتھ حالات و حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ میں نے اس کا کمال چھپتیا ہے میرے کام۔ اگر شکوت ویرا ہی ہے جیسا میں اس کے بارے میں فیکس کر سکتی ہوں تو اس کی نظر تمہاری زمینوں ہی پر نہیں بلکہ میری ہوگی۔ تم اپنی تو مصیبت ہو کر کوئی نہ تمہاری خواہش کے بغیر نہیں دے سکتا۔ شکوت تو یقیناً میت میں اس آدمی کو دھوکہ دے تم شادی کی خواہش کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ریشیاں نے آہستہ سے کہا۔ اس نے کسی کے ذمے غصے تک یہ تجویز پہنچانی بھی تھی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اس طرح سادے جگر سے مٹ جائیں گے۔“

”پھر تم نے کیا جواب دیا تھا؟“
”پیغام لانے والے کو بھانسنے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ وہ تباہی و تاراج

اور کمینہ آدمی ہے لگاؤں والے اپنی ہونٹوں کو گھڑوں میں رکھتے ہیں شادی تو زندگی بھر کا سوا ہے جبکہ میں اس کے تجربے نہیں کر سکتی۔“

”تمہاری بات سو فائدہ دہشت ہے۔ شادی ایک ایسا ہے جس میں عورت ہمیشہ گھائے میں رہتی ہے۔“
”لیکن یہ پانچویں زندگی تمہاری تو نہیں کٹ سکتی؟“
”کون کتاب ہے کہ تمہارا جو صرف مرد ہی سنانا دور کرنے کا

نہیں ہیں؟“
”میں اب کا مطلب نہیں سمجھتی۔ ریشیاں نے فیکس کر کے میری طرف دیکھا لیکن میری تیز فزوں کو محسوس کر کے چنچل گئی۔

وہ مجھ سے اتنی قریب بھی ہوئی تھی کہ اس کے بدن کی مساموں کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی گردن میں دلی دھار سے اپنا قریب کر لیا کہ میرے ہونٹ اس کے عارضہ سکین۔ لب و لہجہ اس کی ہانگوں سے ریشیاں کے ہونٹ پر پڑنے لگی۔

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

”میرزا...“ میں نے اسے گھڑی کی۔
”جی...“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”مڑوں کے پیار پر مجبور کر کے تھی عورتوں نے تو...“

”صرف دھوکہ پہنے والی مڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔“
”جی...“ ریشیاں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج اٹھنے لگا۔ میرے ہاتھ اس اٹھنے سے ہونے لگے۔

”ریشیاں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی کو کو آہستہ سے کانٹوں میں سے نکال دیا۔“

دوبارے سے یہ نمائندہ طلب دیکھ رہا تھا۔
”تمہارے گھر میں کونسا کچھ خوراک اور وہ آپس میں لب و لہجہ کی باتوں کا جوش و خروش بڑھتا رہا اور وہ آپس میں جذبات کی حکمرانی کا زوال شروع ہوتا ہے۔“

”عروج و زوال کا یہ نمائندہ جب اپنی ابتدا سے ابتدا کر رہا تھا تو بھیگی ہوئی رات مڈھاٹھ محسوس ہونے لگی اور مسالوں کی ناہوار تیز بڑھنے میں مدغم ہوئی جاتی تھی۔“

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”رشتہ...“ میں نے اسے دیکھنے سے ہٹا دیا۔
”جی...“ وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ اس کی روشنی کے باعث اس کے عجب کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔

”مجھے بھی چکا لیں!“
جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ریشماں صرٹ مٹکا کر رہ گئی۔
میں نے نون اٹھا کر دم سروں کو ناشتے کی ہدیت کی اور بہتر

جس میں سے ہم نے دھرم کا تذکرہ کیا ہے وہ اس کی جڑوں سے نکلی ہوئی ہے۔
 ایک بڑی جاہلیاؤں کو ڈیڑھ سو سال پہلے کی جو ساری
 برابر کے مشرک معلوم ہوتے تھے۔“

”لاؤے ریشیاں کے لیے مل نفرت اور فتنے کی لہریں تھیں۔
رکت کا خاص غنڈہ مہ بانو! لاؤے تیکھی نظروں سے ریشیاں کی طرف اور مجھے دیکھا لیکن بی

زود سے حبشہ کاویا۔ ریتماں کے منہ سے پھر ایک پیچ لکھی اور وہ لا
دھرم تو لکھی۔ فرما ہی لا لکھنے اپنے دونوں ہاتھوں کی قوت سے اس

آجانی تو وہ یقیناً مجھے گرا کر دے گا۔
 سے ایک طرف ہٹ کر اس کی زد سے نکل گئی۔

۱۰۰ روئے پر جمع ہونے جا رہے تھے۔

جواب میں ریشماں نے جیسے رنج اکر لیا کہ پھر تم ہی بناؤ مانی

دکھائی دے رہا ہے؟
 "دکھائی تو کوئی نہیں دے رہا مگر لڑکا یہ حال دیکھ کر کبھی بھی
 تھی کہ شاید یہ لڑکائی لڑا تھا۔
 "بھائی کی دلچسپی کی مجھے کوئی امید نہیں۔
 "اے بیٹی! ایسی نال سنہ سہت نکال! یہ تو بھی جانتے ہیں کہ
 جاگیر دار بدشاہ ہے لیکن اب ایسا بھی کیا کہ وہ تیرے بھائی کو مار ڈالے۔
 ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے تیرے بھائی کو پتھر مار کر دوسرے گاؤں
 میں بھجوا دیا ہو۔ آج میں نہیں توکل، تیرا بھائی ضرور کئے گا۔ میری اس
 بات کو گناہ میں باندھ دے۔ ماسی نے یہ سب کچھ جسے سخت آئینہ بنے
 اور ہمدردانہ انداز میں لکھا تھا۔
 "تیرے منہ میں بھی شکر ماسی! ریشماں نے ایک لمبی سانس
 لے کر کہا اور پھر مجھ سے بولی۔ لیکن آپ نے لڑکائی یہ حرکت نہ کرنا چاہی
 نہیں کیا بالو!... اب جاگیر دار کے غصے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ وہ
 بہت کینہ ہے۔ جو کہ مجھے بھی گرزے، وہ کہہ ہے۔
 "میں اس کی حرکت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی لیکن
 تمہارے شلے کو زخمی ہوتے دیکھ کر میں آپ سے باہر ہو گئی۔ سب وہ
 گیا جاگیر دار کا غصہ تو اس آگے بھی دیکھ لوں گی۔ تم حکومت کرو میں
 ایسے لوگوں سے پشیمان خوب ایسے طرح جانتی ہوں۔
 "لیکن بیٹی! ماسی نے تیرے پیشانی پر ہاتھ رکھا یہ جاگیر دار کیا غصہ کر رہی
 آئے گا! اس کے ساتھ اس کے غصے سے بھی ہوں گے۔
 "ایک لڑکائی ریشماں پر جب غصہ پڑا وہ ڈولنے لگی تو کیا گاؤں والے
 خاموش رہیں گے؟ میں نے پوچھا۔
 "موتہ! ریشماں نے بڑا سامنا بنا کر مجھ سے کہا۔ گاؤں والوں
 کو جب یہ پتہ چلا کہ شوکت اپنے غصہ کو کبھی نہ کراہی تو جلی سے نکلا
 ہے تو وہ سب کے سب اپنے گھر میں بند ہو جائیں گے۔
 "چاہئے ان کی کسی بہن کی عزت لیتی رہے!"
 "اے بیٹی! ماسی بول پڑی! ایسی بات نہ کہو۔ اللہ سب کی
 عزتیں محفوظ رکھنے والا ہے۔
 "گاؤں والوں کو متھو کہ شوکت کا ہاتھ بڑا چلے گا۔ میں نے
 کہا۔ جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے انہیں بدعا منوں کی چیز وہ
 دوستوں کا شکار بنوا رہا ہے۔ آج جو کہ ریشماں پر بیت رہی ہے
 کلی وہ ان کی بوجھوں پر بھی بیت سکتی ہے۔
 "اللہ سب کی حالت پر رحم کرے۔ ماسی نے غصہ کی سانس لے
 اتنے میں ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا۔ صورت سے تو وہ کوئی کیا ڈنڈہ
 ہی معلوم تھا۔ تاہم لیکن اس وقت اس کی موجودگی قیمت محسوس ہو
 رہی تھی۔ اس کے ساتھ گاؤں کے دو ایک آدمی بھی آئے۔
 وہ ریشماں کے چہرہ تو تھے لیکن شوکت سے اتنے خائف تھے کہ ریشماں

"بہن بیٹی! میں اس سے ایک نئے بڑے کرشمہ
 سے کما دیتے ہیں۔ لڑکائی عزت کر کے اچھا نہیں کیا۔ ایک
 ساتھی آگے سے نیلی جو جلی کی طرف لے گئے ہیں جاگیر دار
 خراب ہے۔ میری مائتو آج کی رات سے جلی چھوڑ کر کسی
 "کہاں؟ ریشماں بڑے نیکے انداز میں بولی۔
 گھر چلیں۔
 جو بڑے پیش کرنے والے کا چہرہ قہقہہ پر ملا۔ وہ
 میں انک انک کر لولا۔ میری... میری گلیاں تو نیلی جلی
 ہے۔ اگر جاگیر دار کے آدمیوں نے دیکھ لیا تو؟... میری
 ہو گئی ہے اور میں اس کی ماں کے لئے بھی پریشان رہتا ہوں۔
 "اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔ ماسی چہرہ پر
 بیٹی! اگر تو جلی چھوڑتی ہے تو میرے ساتھ چلو۔
 گھر کی طرف آگے اٹھنا کہ میں دیکھ سکاں میں اس گاؤں میں
 تھی جب جاگیر دار کی ماسی میں ہوتی تھی۔ ماسی کے
 اعتماد اور خلوص تھا۔ اسے محسوس کیے مجھے اس پر جان
 "نہیں ماسی! ریشماں نے بہت سے کہا۔ بہن بیٹی
 شریک نہیں کرنا چاہتے۔
 "اے بیٹی! کمال نہیں جو میرے گھر کی طرف
 میں نے اس کی ماں کی بڑی خدمت کی ہے۔ اب کیا
 ہی مفید ہو گیا ہے؟
 میں ہنس پڑی۔ ماسی بہت بھولی تھی، اس
 نئی دنیا کے رنگ نہیں دیکھے تھے۔
 "سنو ماسی! میں بول پڑی۔ ریشماں
 کتنے دن گزارے گی؟ آج ہمیں توکل، اسے شوکت کا
 ہی بڑے گا، پھر اس پر جلی کو کل پر کیوں ٹالا جائے۔
 کہ زخم میں تو اس کے ساتھ ہوں۔ جلد ہی مجھے یہاں
 جس کا ہونا ہوگا۔
 "مگر تم دو دل کر جاگیر دار کا کیا لگاؤ سکتی ہو
 "اس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا
 مت کرو! میں نے مسکرایا۔
 اس دوران میں ڈاکٹر خاموشی سے ریشماں
 کر رہی تھی۔ ہاتھ اپنے کام سے خارج ہو کر
 ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جاگیر دار صاحب کا غصہ بہت
 اگر آپ آج رات اس جلی میں قیام نہ کریں تو بہتر
 میں نے اس کے مشورے پر ردھیاں دیئے۔
 پوچھا۔ تمہارے گھر میں کوئی ہتھیار ہے؟ یعنی
 "آج ہی کی رات ہے۔"

کہا۔ وہ جلی میں آپ کو لوری جو مل دھکائے دیتی ہوں؟
 "تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟"
 "ابھی تو کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہے۔ تازہ تازہ زخم کا
 میں نے سوچا۔ ریشماں کو ہندسی لہجہ اگر کسی اچھے ڈاکٹر سے
 اس کے زخم کا علاج کرا یا نہ پڑے گا۔
 ریشماں نے مجھے لوری جو مل کا پتھر لگا دیا۔ بڑی مضبوط
 عمارت تھی۔ دلہلوں میں نقب لگانا آسان نہیں تھا۔ دلہلوں نے
 کو توڑنے کے لئے بھی کئی آدمیوں کو ہتھک کر پیش کرنا پڑی۔
 آخر میں ریشماں مجھے چھت پر لے گئی اور میں نے ہر دونی
 دلہلوں پر رہنے ہوئے کنگروں کو ریشماں لیش لندوں سے دیکھا۔
 ان کنگروں پر بڑی آسانی سے کندھ والے کراؤں پر چڑھا جاسکتا تھا
 گویا خطرہ اٹھنا نہ تھا تو اس طرف سے!۔ انہیں نے فیصلہ کیا
 کہ رات چھت پر ہی گزارنا چاہئے تاکہ خطرے کی قربت کو لوری طور
 پر محسوس کیا جاسکے۔
 "بہن! آج کی رات چھت پر ہی گزاروں گے۔ میں نے ریشماں
 سے کہا۔ ہوا میں خفی تو ہے مگر قابل برداشت حد تک! فوراً دیر
 میں جاگیر دار جہاں سے گاؤں سماں بہت خوشگوار ہو جائے گا۔
 موسم واقعی بہت خوشگوار تھا اور ریشماں میرے پاس تھی۔
 خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ کچھ پگھلا کر چھا
 لیکن پھر بھی وہ کسی آسمانی حور کی طرح نظر آتی تھی۔ مجھے بڑے سا
 چھانے کا ذرا جسم میں سنسنی کا میز لیس و ڈر ہے لیکن جلد ہی
 میں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ آج کی رات خوشبوؤں کی غضا
 میں اڑنے کے لئے ہمیں بھی میرا خیال تھا کہ آج رات بہت کچھ ہوگا
 میری جیسی جس مجھے یقین دلایا تھی کہ جاگیر دار شوکت کا وہ زخمی
 جہان ڈاکٹر نوٹنگ ہی ہے۔
 میں اور ریشماں مجھے جاگیر دار وغیرہ اٹھا لائیں۔ ریشماں
 نے اپنے باپ کی رات لعل بھی لے لی تھی چھت پر ستر بچھا کر کم ڈول
 اپنا کچھ سامان بھی اوپر لے آئے۔ اس سامان میں رات کا کھانا
 بھی تھا جو میں ہندسی سے چیلنے دنت ہوٹل سے لے آئی تھی۔
 کھانا کھا کر ہم نے صبح کا ہنہ پانی پیلا اور ستر پر قریب
 قریب لیٹ گئے۔ یہ قربت میرے جذبات کو چھینٹنے والی لیکن
 میں نے خود پر قابو پائے رکھا۔ اگر ہم دونوں جذبات میں بہہ
 جائیں تو ہمیں ماحول کا ادراک نہ رہتا جب کہ جاگیر دار شوکت
 کے غصے سے کس دنت بھی جہاں آؤں ہو سکتے تھے۔
 میں خاص طور پر ڈاکٹر نوٹنگ کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتی
 تھی۔ اگر شوکت کا وہ زخمی جہان ڈاکٹر نوٹنگ ہی تھا تو یہ بات یقین

واقف ہو گیا۔ لالو کی پیشانی پر اپنا نام گود کر میں نے خود ہی اپنے
 آپ کو آتش کار گود یا تھا لیکن اس وقت میں یہ کہاں جانتی تھی کہ
 ڈاکٹر فونگ بھی گناہ میں موجود ہے۔ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو
 میں وہ حاققت پر گزند نہ کرتی۔

رات بھگتی تری اور میری آنکھوں میں بسا ہوا انتظار
 نڈھال ہوئے لگا۔ جاگدار شوکت کے اذہوں کا کہیں یہ نہیں
 تھا۔ مجھے گاؤں کے ان لوگوں پر غصہ آنے لگا جو جاگدار شوکت کے
 غصے کو میرے سامنے ہوتا کر پیش کرتے رہے تھے آخر یہ کیسا
 غصہ تھا کہ ابھی تک یہ صورت میں سلسلے نہیں آیا تھا۔

جاگدار شوکت کی طرف سے اس شخص کا ایک سبب بہت
 دیر بعد میری سمجھ میں آیا کہ اس بات پر یقین کر لیا جا کر ڈاکٹر
 فونگ کو میرے سامنے میں علم ہو چکا تھا تو شوکت کی خاموشی
 منطقی ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ نے مجھے کسی کسی حد تک توقیفاً
 سمجھ لیا ہو گا اور اب اس نے اپنے تجربے ہی کی روشنی میں شوکت
 کو یہ بات سمجھائی ہوگی کہ اس وقت شخص اور خاموشی ہی سبب
 ہے ڈاکٹر فونگ سمجھ سکتا تھا کہ میں اس رات بوری طرح جو کتا
 لوہوں کی اس لئے وہ لوگ کوئی قدم اٹھا کر فائدے میں نہیں
 رہ سکتے تھے البتہ بعد میں کسی وقت مجھے دھوکے میں دیکھ کر زرد
 میں لینے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

ڈاکٹر فونگ کی اس سوچ کو سمجھ کر میں اس خود زبردست لکڑی
 اور میں نے جو جاگدار گودہ لوگ کو کچھ کی رات چپکے ہو کر پکڑ لیتے ہیں
 تو پھر میں ہی سمجھ کر گزروں۔

”آپ اب بھی تک سوئیں نہیں بانو!“ ریشماں میرے بولی۔
 ”اوہو! تم بھی جاگ رہی ہو!“ میں نے چونک کر کہا۔
 ”آج کی رات نیند کیسے آسکتی ہے؟“
 ”زخم تو تکلیف نہیں دے رہا ہے؟“
 ”تکلیف تو کچھ بڑھ گئی ہے مگر نیند نہ لے کے کا سبب صرف
 زخم نہیں ہے۔“
 ”ایک بات تو بتاؤ۔ تم مجھے خیل جوہلی کے اندر روئی نقشے کے
 بارے میں کچھ بتا سکتی ہو؟“
 ”کیوں؟“ وہ استعجابی لہجے میں بولی۔
 ”پہلے تم میری بات کا جواب دو“
 ”جب میں چھوٹی تھی تو میں خیل میں جایا کرتی تھی۔
 شوکت کی ماں مجھے بہت پیچھے بھی لیتی تھی یہ کئی سال پرانی بات ہے
 لیکن پھر بھی یہ خیال ہے کہ میں خیل جوہلی کو بھڑکی نہیں بولی
 میں کھڑکے بیٹھ گئی اور بولی ”تو پھر مجھے اس نقشہ کھجا
 ”آخر آپ کا ارادہ کیا ہے بانو!“

”کیا مطلب؟“
 ”تم نقشہ تو کھجاؤ!“
 ریشماں نے ایک طویل سانس لی اور پھر
 بیٹھ گئی۔ اس نے مجھے خیل جوہلی کے اندر خیل
 میں بتانا شروع کیا۔ میں بڑی توجہ سے سنتی رہی
 پیش آنی تھی تو میں سوال کر بیٹھتی تھی لیکن اسے
 آئے خود ریشماں ہی بڑی تفصیل سے ایک ایک
 کھجی آخر جب وہ چپ ہو گئی تو میں نے طے کر لیا
 ”مجھکے بے اختیار دماغ میں دھل ہوئے اور
 گھومتے میں کوئی دکھاواری نہیں ہوگی۔“
 ”آپ وہاں جاتیں؟“ ریشماں حیرت
 ”ہاں ریشی!... اگر وہ لوگ جوڑیاں ہیں
 تو پھر میں ہی کچھ کر دوں۔ اگر تھکا رہا تھا تو زخم
 ہے تو میں اسے ضرور دھو بیڑوں گی۔“
 ”بانو!“ ریشماں کی آواز سے خود غمت تھا
 ”میں خیل میں نقب لگانا کچھ ایسا مشکل
 آج کی رات تو اس کام کے لئے بے حد نادم ہے اور
 گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ انہیں میں ان کی کھجی
 ہے وہ بیڑوں کا چھتر ہے بانو! سب کے
 لیٹ کر بیٹھ گئے۔“
 میں دھیرے سے ہنس پڑی اور پھر ریشماں
 چپکی لیتی ہوئی بولی ”دشو جان! ابھی مجھے نہیں
 بانو کیا چیز ہے۔“
 ”لیکن.....“
 ”لیکن دیکھ کچھ نہیں۔ بس میرا انتظار
 میں تمھارے بھائی کو لے کر ہی لو لوں گی۔“
 ”اور اگر آپ کے جاتے ہی وہ لوگ.....“
 ”نہیں! میں نے پھر اس کی بات کاٹ
 ہے کہ آج رات ان میں سے کوئی بھی اُدھر کاٹ نہیں
 ریشماں سوچ میں پڑ گئی۔
 ”جہاں اب مجھے دروازے تک زحمت کرنا
 کھڑے ہوتے ہوئے کھد پھر پڑے المیہ ان سے
 ہی رات تمھارے لئے خطرے کی رات نہیں
 وہ کسی وقت بھی دھوکے میں رکھ کر چمک کر کہے
 ”کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں
 ”اگر تم زخمی نہ ہو تو یہ ممکن تھا لیکن
 میرے لئے بھی دشواریوں کا باعث بن سکتی ہو۔“

”نہیں کی۔“
 ”تم مجھے خیل جوہلی کے اندر خیل
 میں بتانا شروع کیا۔ میں بڑی توجہ سے سنتی رہی
 پیش آنی تھی تو میں سوال کر بیٹھتی تھی لیکن اسے
 آئے خود ریشماں ہی بڑی تفصیل سے ایک ایک
 کھجی آخر جب وہ چپ ہو گئی تو میں نے طے کر لیا
 ”مجھکے بے اختیار دماغ میں دھل ہوئے اور
 گھومتے میں کوئی دکھاواری نہیں ہوگی۔“
 ”آپ وہاں جاتیں؟“ ریشماں حیرت
 ”ہاں ریشی!... اگر وہ لوگ جوڑیاں ہیں
 تو پھر میں ہی کچھ کر دوں۔ اگر تھکا رہا تھا تو زخم
 ہے تو میں اسے ضرور دھو بیڑوں گی۔“
 ”بانو!“ ریشماں کی آواز سے خود غمت تھا
 ”میں خیل میں نقب لگانا کچھ ایسا مشکل
 آج کی رات تو اس کام کے لئے بے حد نادم ہے اور
 گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ انہیں میں ان کی کھجی
 ہے وہ بیڑوں کا چھتر ہے بانو! سب کے
 لیٹ کر بیٹھ گئے۔“
 میں دھیرے سے ہنس پڑی اور پھر ریشماں
 چپکی لیتی ہوئی بولی ”دشو جان! ابھی مجھے نہیں
 بانو کیا چیز ہے۔“
 ”لیکن.....“
 ”لیکن دیکھ کچھ نہیں۔ بس میرا انتظار
 میں تمھارے بھائی کو لے کر ہی لو لوں گی۔“
 ”اور اگر آپ کے جاتے ہی وہ لوگ.....“
 ”نہیں! میں نے پھر اس کی بات کاٹ
 ہے کہ آج رات ان میں سے کوئی بھی اُدھر کاٹ نہیں
 ریشماں سوچ میں پڑ گئی۔
 ”جہاں اب مجھے دروازے تک زحمت کرنا
 کھڑے ہوتے ہوئے کھد پھر پڑے المیہ ان سے
 ہی رات تمھارے لئے خطرے کی رات نہیں
 وہ کسی وقت بھی دھوکے میں رکھ کر چمک کر کہے
 ”کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں
 ”اگر تم زخمی نہ ہو تو یہ ممکن تھا لیکن
 میرے لئے بھی دشواریوں کا باعث بن سکتی ہو۔“

سی چرچا بہت کے ساتھ دوسری طرف کھٹکا چلا گیا۔ اگر وہ باہر سے بند
 ہوتا تو مجھے ایک اور نقب لگانا پڑتی۔ میں بڑی احتیاط سے دروازے کو ایک
 ایک انچ سرکائی ہی اور جب وہ آٹنا کشادہ ہو گیا کہ اس میں سے گزر
 سکوں تو میں نے قدم بڑھایا۔

باہر نکل کر میں نے خود کو ایک دالان میں پایا۔ اس میں کدوں کے
 دروازے نظر آ رہے تھے۔ کچھ آگے جا کر دالان بائیں جانب محوم گیا تھا۔
 کدوں کی قطاروں میں بھی کئی کئی کھد دالان ایک مرتبہ اور بائیں جانب کھوا تھا۔
 کدوں کی قطاروں میں بھی کئی۔

دالان کے نیچے کیاریاں بنی ہوئی تھیں پھر میں باہر دروازہ تھا۔
 دروازے کے قریب ہی شاید ڈاکٹر فونگ وغیرہ بنے ہوئے تھے ایک کھلنے
 پر باہر جانے لگا۔ اس کے بارے میں میں سوچ رہی تھی اور شاید
 وہ خاصا بڑا کھد تھا۔ وہاں سے بلند آواز بنگ بنگ بنگ بنگ دے رہے تھے اور
 کبھی کبھی سخت کی سسکیاں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔
 میرا خون کھولنے لگا۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ اس
 کمرے میں کیا کھیل کھیلایا جا رہا تھا۔

دشت دروازہ کھلا اور ایک عورت مٹھائی اڈاڑیں جھنجھتی ہوئی باہر
 نکل کر اس کے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی نہیں تھا اس کے پیچھے دو تین مرد
 بھی لپکتے ہوئے باہر آئے۔ وہ برونڈی دروازے کا رخ کر رہی تھی۔ دروازہ
 کھول کر وہ باہر بھاگ جاتی لیکن اسے دروازے کے قریب بیٹھنا بھی نصیب
 نہیں ہو سکا۔ ایک بدعاش نے جنت نکال کر اسے دھجیاں لگا دیں۔ بدعاش
 اور بدعاش عورت نے کچھ کہا اس کے ہاتھ میں دانت آ رہے۔ بدعاش
 کے کمرے سے راستہ چھتھ نکل گئی اور اس نے فیش میں اس عورت کے منہ پر
 بڑی زور سے ہاتھ مارا مظلوم عورت جھنجھتی ہوئی زمین پر پڑ پڑ رہی تھی۔
 بدعاش کے سامنے جھپٹے دکھانے لگے۔ وہ شراب کے نشے میں جوڑ نظر
 آ رہے تھے۔

”کیا یہ ہو رہا ہے بدعاش!“ ایک بھاری آواز دالان میں گونجی۔
 ”کیا تم کو میرے مہاؤں کے آرام کا بھی خیال نہیں؟“
 میں نے ایک مجسم خیمہ آ کر دیکھا جو ایک کھلے ہوئے دروازے
 میں کھڑا تھا اور نظروں سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 بدعاشوں کو جیسے ہوش آ گیا۔ ان کے قبضے ایک دم کم گئے۔
 انہوں نے زمین پر پڑی ہوئی عورت کو جلدی سے اٹھایا اور واپس کمرے
 میں چلے گئے۔ دروازہ بند کر لیا اور احوال پر ایک بار پھر کی سلسلہ ہو گئی۔
 میں اپنی جگہ پر پوشیدہ کھڑی ہوئی داتوں سے اپنا بیلا مونٹ
 کاٹ رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے خود پر تالیاں دے رکھا تھا اور خواہش
 تو یہ تھی کہ ان بدعاشوں پر ٹوٹ پڑوں اور اس ظلم کا بدلہ لوں جو اس
 عورت پر کر رہا تھا۔

قریب ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں بھیہر جس درخت پر تکیا اور جس
 نظر میں سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ بائیں ہاتھ پر دو تین ستون اٹکے کوئی
 آدمی کھڑا تھا۔ صحن کی طرف سے چھپنے والی درختیں میں سے ایک سائے کی
 مانند نظر آ رہا تھا لیکن یہ بات مجھ سے چھٹی زبرہ کی کہ اس نے یہ کیا کیا
 سنہال رکھی تھیں۔ جیسا اس نے حرکت کی تو میرے خیال کی تصدیق بھی
 ہو گئی۔ والاں میں دیکھ کر ان کی کھٹ کھٹ گونج ابھی سنی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اندھیرے میں اس آدمی کی شکل تو مجھے دکھائی نہیں دے سکتی لیکن مجھے خود کو دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ ڈاکٹر فوجی ہی تھا۔

بدمعاشوں کے شور و غل میں ہی کونکر نوٹنگ نے اپنے کمرے سے نکلنے کی ضرورت محسوس کی ہو گی۔ اب وہ واپس اپنے کمرے میں داخل ہو ہوا تھا۔ اندھا جا کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور میں نے بتائی یہی جگہ پرکھ کر رہی میرے ذہن میں اب خیالات کا ایک مجموعہ نمایاں ہو گیا تھا۔
شکوہ مند وارڈ کونکر نوٹنگ کے کٹھ جوڑ پر غور کر رہی تھی۔ آخر ان دونوں میں ایسا کون سا جگہ تعلق تھا کہ وارڈ کونکر نوٹنگ نے پناہ لینے کے لئے کراچی سے اتنی دور لاکر اس کی جگہ اپنا انتخاب کیا تھا۔

ڈاکٹر فونک کو کچھ دیکھ کر مجھے اس بات کا بھی خیال آگیا تھا کہ اگر بڑا
فونک بھی گاؤں میں میری موجودگی سے واقف ہو چکا ہو گا مجھے اس بات
کا خیال آیا اور جو جلی میں اپنی موجودگی خطرے سے بر نظر آنے لگی، امکان تو
یہی تھا کہ اگر کم از کم اس وقت جلی میں میری موجودگی ڈاکٹر فونک کے علم
میں نہیں ہو سکتی تھی لیکن پھر میری اداس کچھ غیب پر طعینیں سنا ہو گی۔
مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری ایک ایک حرکت اس خطرناک
آدمی کے علم میں تھی اور اس وقت بھی دہردوانے کی جھری سے انکھ لگائے
مجھ پر نظر رکھ رہے تھے۔

اس خطے کو محسوس کرنے کے بعد میری بہتری اسی میں تھی کہ
یہیں سے واپس لوٹ جاؤں لیکن میری فطرت کے منافی تھا کہ اس کسی
کام میں ہاتھ ڈال کر اسے اوصاف ہی چھوڑ دوں۔ میں کہاں جرمِ دین کی کارش
میں آئی تھی اور اب میری واپسی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ جرمِ دہائے
ساختہ ہو۔ دوسری شکل یہ ممکن تھی کہ مجھے جو طبلِ دہم دین کی علمِ تجربہ
کا یقین ہو جائے۔

میں بے آواز جیتی ہوئی آگے بڑھی اور میں نے دالان میں
کھلنے والے دروازوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ مجھے ایک ایسے کمرے
کی تلاش تھی جو باہر سے بند ہو۔ علاوہ ازیں وہ کوئی بڑا کمرہ بھی
نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی کو تید کر کے کے لیے یہاں کوئی کوٹھڑی ہی
ہو سکتی تھی۔

میں نے ابھی تین ہمارے دروازے دیکھے تھے کہ مجھے والان کے
برسر پر گڑھا سنائی دیا۔ میں بڑی تیزی سے گھوم کر اس سمت میں

۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱

اسے میں تھوڑی سی جھری تانم کر کے باہر جھانکا
 تھا کہ کون سے کون سے رشتہ میں ہو رہی تھی اور بڑے

ماہر انداز میں سر ملادیا اور میں بھر باہر نکلتے
ماہر جا رہے تھے۔ میں اگلے کچن میں پڑ گئی۔ آخر
عملی کو صوبہ ڈر کر کہاں جا رہے تھے؟

”بلدی کیجیے، وہ لوگ یقیناً ریشمال کی طرف

اے لکڑیوں کے گھر! میں نے تم کو دیکھا ہے۔
 اے لکڑیوں کے گھر! میں نے تم کو دیکھا ہے۔
 اے لکڑیوں کے گھر! میں نے تم کو دیکھا ہے۔

۱۔ کہا کہ اللہ کی دوسری طرف کوئی وجود ہے، مگر کون
کس سے؟ اور کہا تھا جیسے میرے غور کیا، ڈاکٹر
اس میں مانع ہوئے ہیں۔ لہذا اس کو کسی نہ کسی

وقت دھونے کی سے مالا جا سکتا ہے۔ ہاگر وار شوکت ہے آدمیوں کو لکھ
اس طرح رخصت ہوا تھا جیسے ریشاں کی طرف جا رہا ہے لیکن دراصل وہ
نفس کی دوسری طرف پہنچا ہوا تھا۔ سوچا یہ گیا ہوا کہ اسے یوں رخصت ہوتے
دیکھ کر میں جلد از جلد ریشاں تک پہنچنے کے لئے تفت تک پہنچوں گی اور پھر
جسے ہی دوسری طرف نکلوں گی مجھے کوئی مار دی جائے گی۔

نفس: میری نگاہ کو یہ انجانہ زنجی حاصل نہیں تھا کہ اس پر کوہِ سراں کی پست
کے نقش و نگار کو تجلیں کی لکیروں کی طرح پڑھ لیتی۔ مجھے صرف قوتِ
تخیل ہی کے سہارے اس پہرے کے نقش و نگار کا ادراک حاصل
کرنا تھا اور میرے دماغ کے خلیے اس کو کش میں مصروف تھے۔

لقب کی دوسری جانب دشمن موجود کہہ کر مالوہ کی گھوڑی سوار ہو کر
رائف کی گھوڑی کا مسکن بن جاتی۔ اس کے بعد گولی چلانے والا، تانوں کی
گرفت سے بچنے کے لئے بڑے اطمینان سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے جو دیکھو

کھڑا دیکھ کر گویہ بول پڑتا۔ اس کے بولنے کے بعد مجھے سوچنے کی درا بھی
 مہلت نہیں ملتی اور مجھے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا پڑتا۔
 مجھے سوچنا ہی تھا کہ میرے خدشے کی کوئی بنیاد ہے یا نہیں؟ یہ

ڈاکٹر فرنگ کی ہانگ بھی ابھی ہوئی ہے تو مجھ سے اپنا دارمستشف کرتے
کی یہ حماقت ہرگز مسرور نہ ہوتی۔
بہر فرغ یہ بات طے کی کہ ڈاکٹر فرنگ کو میری موجودگی کا علم ہو چکا

حوالی میں داخل ہوئی تھی تو دراصل نوٹنگ کر بھی سود و مل سن کر اپنے کمرے سے نکلتا ہوا تھا۔ یہ بات بعد ازاں قیاس نہیں تھی کہ اس وقت اس نے بھی غصہ کھنکھایا ہو۔



ہو کر فرنگ اپنے تجربات کی روشنی میں بیوج سنگنا تھا کہ مجھے صرف سو کے
 ہی سے ملک کیا جاسکتا ہے۔
 اس کی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی کو میری طاقت
 ڈاکٹر فرنگ کی تفتیش کی ہو کہ اسے زندگی بھر ایک جسمانی نقص
 پانا تھا اس کی ذمہ داری ہی تھی میری ہی وجہ سے وہ لنگڑا ہوا تھا
 اور یہ کوئی دسی بات نہیں تھی جو فراموش ہو سکتی۔
 میں سوچ رہی تھی کہ اگر میرے شہادت درست ہیں تو میرا اس بات
 کا یقین ناگزیر ہے کہ لقب کی دوسری جانب ڈاکٹر فرنگ بھی موجود ہوگا۔
 وہ اپنی آنکھوں سے ہی مجھے بتا رہا ہوگا کہ کوہنہ ہو سکتا تھا سابقہ تجربات
 ایسے تھے کہ میری موت کے بارے میں دوسروں کے بیانات پر اسے
 یقین نہیں آتا۔
 میری سوچ کی بہرہ جب مختلف نتائج کو چھوٹی ہوئی، ڈاکٹر
 فرنگ کے یقین اور عدم یقین کی کیفیت کے تحت سے نکلا میں تو میرے
 دماغ میں ایک خیال کا جھکا ہوا حالت کے چہرے پر جو گہر چھائی ہوئی
 تھی اسے جلد سے ایک طریقہ کو گویا سامنے کی بات تھی مجھے کسی معلوم
 کرنا تھا کہ ڈاکٹر فرنگ اپنے کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنے
 کمرے میں ہوتا تو میرے شوک بے بنیاد ثابت ہو جاتے اور اگر وہ کہے
 میں نہ ہوتا تو اس یقین کی منزل آجاتی کہ وہ لقب کی دوسری طرف موجود ہے۔
 میں نے غور کیا کہ پانچ گھنٹہ اور دس دسے قدوں چلتی ہوئی، کوٹھری کے
 دروازے پر گئی، پھر کھینچنے کے بعد خارجی طرف جھک کر اس کے کان میں
 سرگوشی کی۔ میں اس کی آواز سن کر کہیں نہ کہیں۔
 غور کے ذمہ میں اس وقت سوالات کا ایک جال بنتا جا رہا ہو
 لایکن وہ آدمی خاصا کھار تھا۔ کچھ جان لینے کی، بیٹالی کو اس نے اپنی زبان
 پر نہیں آنے دیا اور اسے کوٹھری کے دروازے پر چھوڑ کر گئے۔
 ڈاکٹر فرنگ کا کمرہ میں سے دیکھ ہی لیا تھا میں بے قیودوں اس
 کی طرف بڑھی۔ دوسرے کمرے سے عورت کی سسکاراں اور دوسری
 مردوں کے دھم دھم کرتے جھگڑا بھی سنائی دے رہے تھے۔ تفتے میں
 دھندلتا ان مردوں نے اپنا گفتار ابھیر لیا، مجھ تک نہیں کیا تھا
 وہ ہاضیب عورت بدستور عذاب میں گرفتار تھی۔ اس کے پاس میں
 قہقہہ کی سرکے مجھے اپنے دواں خون میں چنگاریاں کی چھٹی محسوس ہونے
 لگی تھیں۔ مجھے یہ خاطر خفہ اور ندامت ان درندوں کو لگا رہا تھا
 چاہیے تھا کہ ان موجود صورت حال کے تقاضے مجھے مضبوط یقین کر
 سہ تھے یہاں حالات میں میری کو تو کمرہ تقسیم نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ
 حاصل تقسیم کچھ درپیش نیال ہوئی جو میری صورت میں آگزیں۔
 میں نے اپنی سماعت پر دم کو بھی کا پیرہ بٹھایا اور اس کمرے
 سے آنے والی آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی ڈاکٹر فرنگ کے کمرے
 تک جا پہنچی۔ میں نے اسے پہنچنے سے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دیا ڈالا۔ نہ

بائے میں سے کسی سے میرے کمرے کے دروازے پر
 میرے اس یقین کے گز سے بھر گئے۔ دروازہ
 انڈول اور قیاسات کی علامت ابھی ایک گہرے
 تھی کہ میرے ڈاکٹر فرنگ کی موجودگی نے اس بات کا
 مجھے لقب کے باہر روشنی نظر آتی تھی اور دوسرے
 اس میں تیزی سے چڑی کا درد بتور دے قدوں
 والی کوٹھری کے دروازے پر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچنے کی
 پر زور تھا اس محسوس ہوا اور میں جھٹک گئی۔ وہاں کچھ
 گرد و گداز کا اندازہ ان سرگوشیوں ہی سے کیا جاسکتا تھا کہ
 تھیں۔ میں نے کان لگا کر کھینچنے کی کوشش کی لیکن سرگوشیاں
 تھیں کہ الفاظ کے واسطے کے ساتھ میری سماعت کی گز
 میں وہاں ہونے والی گفتگو کو سمجھنے سے قاصر تھی۔
 ایک ابھیر میری سوچ کا طوفانی سفر شروع ہو گیا
 کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی میری دونوں کی طرف
 کی کل کچل گیا تھا وہ سرگوشیاں، درمیان اور غور کیا
 تھیں درمیان اس قابل نہیں تھا کہ کسی گفتگو میں مبتلا نہ ہو
 یہ بات ممکن نظر آتی تھی کہ وہ دونوں جاگیر دار شوکت
 ہوں میں نے لقب کی دوسری طرف جو روشنی دیکھی تھی
 تھا۔ جاگیر دار شوکت اور اس کے آدمی وہاں موجود تھے اور
 میں انہوں نے اندھکس کمرے کے دونوں دروازوں کو کھلا
 میرے منتظر ہوں لیکن میں اس کے لئے لوٹ گیا۔
 سرگوشیوں میں گفتگو کرنے کی طاقت میری پھر نہ
 خاموشی سے میرا اندھکرا چاہا ہے تھا۔
 "مجھے خود جا کر دیکھنا چاہیے آخر اتنی دیر کیوں ہو
 صاف سنائی دے گی اور بے اختیار میرے منہ سے ایک طویل
 میں نے آواز سنانی کی تھی لیکن اس سوال نے مجھے حیران
 یہاں کیسے پہنچ گیا؟
 قدوں کی آہٹ دروازے کی طرف بڑھی تھی
 گھنٹی بج گئی۔ دروازے کی طرف لاہتا ہوا رضوان جھٹک
 درنگ اندھکس میں دھنکے کے بلوٹاب میری آنکھیں
 دیکھنے پر تھکا ہوا تھیں۔ میں نے ایک اور ایک کا یہ بھی
 درمیان کو کوٹھری کے کچے فرش پر پڑا دیا تھا۔
 "بھئیال! میں نے لڑائی کی طرف دیکھتے ہوئے
 "جی ہاں،" جواب ملا۔
 اس قیاس درست ہوئے پر سر ہلا کر وہ گئی
 "خدا کرو کبھی کار پڑے،" رضوان لنگھایا۔
 "تھیں توں، کچھ طرح کا درد کی لیکن پہلے بنا
 فکر کرنا چاہیے بہت سے سوالات میرے ذہن میں

وقت ضائع نہیں کیا جاسکتا۔
 اس وقت کوئی بے گناہ نہ تھی نہ کھینچنے کی نظر نہ ہو
 ایک وقت وہاں نہیں گزر سکتے تھے اس لئے پہلے
 ہر گز نہیں اسے بیمار درمیان کو لقب سے باہر نکالنے کی
 رضوان نے درمیان کی گناہی طرف کھینچنا پھر خواجہ
 کے کمرے کے کمرے سے نکل گئے۔ غور کرنے ایک
 شائے پر ڈال لیا اور ہم سب کے ساتھ جلدی جلدی
 اس کی کار پڑھاں کے منہ سے کچھ کچھ حیرت کی لڑائی نکال جاتی
 لڑا اور غم کی ہو سکتا تھا اگر وہ ایک باہت لڑائی
 ہوا جیسے سنائی دے تھیں اسے چاقو کا زخم کھائے
 ہو گئی تھی اس لئے تکلیف میں شدت آتا ہی
 ایک ایک جیب کھڑی ہوئی نظر آتی توں جھٹک گئی۔
 تھاب اور بڑھ گیا جب رضوان نے خواجہ سے کہا۔
 "ہاں پرنا دیکھو؟"
 "میں بولنے پر غور نہ کیا۔ کیا یہ جیب...؟"
 میں توں میں ملے رضوان نے میری بات کاتے ہوئے
 وقت میری ہی ہے؟
 آدمی کے مجھے خاموشی آتھو تھی بھی جیب میں بدمعوم دین
 لڑائی کے جاگزیں ہاں میں اس کی جا جاسکتا تھا میں
 تھیں توں اس کا قہقہہ میرے تھا کہ اسے جاگیر دار جلد
 اٹھائے۔ اس کے ساتھ ہی رضوان کے زخمی بازو کی
 گھاس تھی گاؤں کے دھڑکی کی ہوئی ڈیرنگ
 نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت کوئی اور صورت ممکن
 کا زخم کن لڑائیوں میں ناگزیر تھا کہ اس وقت رضوان
 لڑا نہیں تھی۔ جاگیر دار شوکت اپنے غنڈوں کو لے کر
 تھا۔
 کو پہلے سیٹ پر لڑنے کے لئے خواجہ اگلی سیٹ پر
 اس نے پہنچی ہی سیٹ بٹھائی تھی اور بیمار دروازہ
 کی آہٹ سے اپنی کوٹھریں لکھ لیا تھا۔
 لڑائیوں کے ساتھ سیٹ بٹھائی اور پھر مجھے بدستور کھڑکھ
 اٹھ گیا اور کیا ارادہ ہے؟
 وقت انجمن میں مبتلا تھی۔ فیصلہ کن ناشکل مورہا تھا کہ
 ایک اتفاق کے تحت ڈاکٹر فرنگ میری نظر میں
 نہ تھیں انہیں جانتی تھی اب مجھے جو سامنے یہ
 میں ناگزیر فرنگ کے سلسلے میں کیا کر سکوں گی۔ فوری طور

پڑھیں میرے لئے سرچھپنے کی جگہ نہیں تھی۔ بہتر یہ معلوم ہوا
 تھا کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بندی چلی جاؤں اور اسی دوران میں
 یہ سوچ لوں کہ ڈاکٹر فرنگ کے سلسلے میں کیا قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔
 "چلو! میں کتنی ہوں جیب پر چڑھ گئی۔
 "ابھی تک اس انتظار میں تھیں دام،" رضوان نے انجمن اشارت
 کرتے ہوئے پوچھا۔
 "تم غرضت سے زیادہ ہی سرگرم تھے جاہلے ہو! میں نے
 ناگزیر سے کہا۔
 "کاش میرا چڑھنا آپ کو لگا رہتا،" رضوان ٹھنڈی سانس
 لے کر بولا۔
 "بیکورم!"
 "آپ نے مجھ تک نہیں پوچھا کہ میں کیا ہوں کیا ہے؟"
 "یہ کچھ ہی زیادہ تعجب خیز بات نہیں ہے،" میں نے منہ نہ مار کر
 کہا۔ "فوری طور پر تو میں واقعی حیران ہو گئی تھی لیکن اب میں سوچ سکتی
 ہوں کہ ایسا کب ہو سکتا ہوگا۔"
 "خدا میں بھی تو آپ کے تخیل کی پروا نہ دیکھوں!"
 "ہاں میری ہی بات ہے،" میں نے کہا۔ "میں تو کبھی فوری طور پر اپنی
 فائز نہیں ہوں تھی اس لئے تمہارے پہلے میں درخشا ہوئیں بندی اٹھا
 لیا۔ وہاں ان کے انجلی جیسے ڈاکٹر میرے رابطہ قائم کیا ہوگا اس سے نہیں
 اس ٹہل کا نام معلوم ہو گیا جہاں میں ٹھہری تھی۔ وہاں سے یہاں تک کہ کھلا
 اس نیکی کو اور سے معلوم ہو سکتا ہے جو مجھے یہاں لایا تھا۔ اس نیکی
 خود یورنگ تھری رسانی ہوٹل کے دربان کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔ وہ
 دو لوگوں کے دوسرے کے انفاکس معلوم ہوئے ہیں کیونکہ جب میں نیکی
 میں بھی تھی تو ان دونوں نے اٹھا تھا ایک دوسرے سے سلام دعا
 کی تھی اب بتاؤ! میں نے کوئی غلامتہ بیان کیا ہے؟"
 رضوان حیرت سے سن پڑا اور گہرا سہم ایک طویل سانس لے
 کر زور بڑھایا۔ "خبرک ہمز کی مادہ کو نہ جانے کیا کہتے ہیں!"
 "لیکن ایک بات میری کچھ ناگہمی تک نہیں آئی،" میں نے کہا۔
 "جاگیر دار شوکت کی حویلی کے بارے میں تم کو رشتیاں ہی سے معلوم ہوا
 ہوگا اور وہی تم کو وہاں لے گئی ہوگی لیکن انجمن ہے کہ اس نے تم
 پر اعتبار کیسے کر لیا؟"
 "ہاں... یہ بھی ایک دلچسپ لطیفہ ہے۔"
 "میں بتاؤں گا ہاں،" پیچھے سے رشتیاں بول پڑی "میں نے چاقو
 کی لوگ ان کی ہیلیوں سے لگا رکھی تھی۔"
 "اور اس کی شیکس بھی میں نے ہی کی تھی،" رضوان نے تفریہ
 "ظاہر ہے کہ اس کے بغیر رشتیاں کو جاگیر دار کی حویلی تک نہیں
 لے جاسکتے تھے۔ میں نے کہا اور پھر مرکز کیجئے کہ میں نے بولی "جیب
 کی نہ بازو دایہ کر دو!"

میں کہ یہ کام سن کر وہ سائلے میں آجاتا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اس سے وہ
بھی متوجہ انداز میں اس اتفاق ہی رہنمائی اور جائیداد کے فیض سے غلوٹ
ہو گئی ہوں اور یہ کہ مجھ اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔۔۔۔۔ اگر
معلوم ہوتا تو میں اسے اس طرح نظر انداز کر کے وہاں سے نہ نکل جاتی۔
یہ سوچ کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو گا۔
میری بے خبری کا اندازہ ہو جائے کہ لہذا اسے جاگیردار کی حوصلی
سے غلام ہونے کا کوئی حجاز نظر نہ آتا اور یہ میرے حق میں بدتر تھا۔
موجودہ ابھن سے نکل جانے کے بعد میں پھر اس تک پہنچ سکتی تھی۔
سوچ بچار اور دھرم دھڑک باتوں میں آٹھ بج گئے۔ کاشٹون
سے کہہ کر بائیس کی گھنٹین سے ناشتہ منگوا لیا گیا۔ ناشتے کے بعد میں
ٹیلیفون ڈائریکٹری کا شمار کر کے کیل کالمر ڈھونڈنے لگی۔ خواہ اس نے اندازہ
کر لیا کہ مجھے کسی چیز کی تلاش ہے۔ وہ ہل پڑا۔
"کیا تم کو کسی ڈکبیل کی تلاش ہے؟"
"ہاں۔"

”اس کی ضرورت نہیں تھی! میں ایک بہت اچھے وکیل سے
 واقف ہوں۔ وہ میرے دادا ایک مقدمے لڑ چکا ہے۔“
 ”فرخ کب اس سے رابطہ قائم کر لیئے؟“ سارا نے آٹھ سوچ کر
 نہیں رہا۔ وکیل اس وقت تک دفتر پہنچ جاتے ہیں۔“
 خواجہ سرکار کا کالیفرنیا کے قریب ایک اعلیٰ درجہ ریورائٹنگ کونسل
 کرنے لگا۔ وکیل سے اس کی گفتگو توڑیں منٹ تک پہنچا اور اس نے
 سلسلہ منقطع کر کے بجے بنایا کہ وکیل پندرہویں منٹ میں یہاں پہنچ
 جائے گا۔

نہیں میں یا نہ منہ رہ گئے تھے جب دیکل وہاں پہنچا۔
اس نے مجھے خود سے سارے واقعات سننے اور کچھ دیکھ کر سوچنے
کے بعد جلائے آپ لوگ تھاقوں کو جوں کا توں بیان کر دیں، اس میں کسی
تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔“
”بلیس! ہم کچھ کر میں نہ چاہاں دوسے۔“ خواجہ نے خود
مخاطب کیا۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا“
 ”جاگیر دار کے وسائل بہت ہیں“
 ”آپ نکل کر کہیں سب دیکھوں گا“
 مجھے دلیل کا یہ طریقہ کار کچھ عجیب نہیں لیکن میں خانواری معاملات
 میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے خاموش رہی۔
 سب افسوس کرتے تھے کہ ان لوگوں کو باری باری ایک کمرے میں ہلا کر
 بیانات قلمبند کئے۔ میں نے اس دوران میں ٹیلیفون پر ایسا کی جہول سے
 رابطہ قائم کیا جہاں قیام کر رہی تھی۔ اتفاق سے برابر روبرو دفاتر کے جوڑ
 تھے۔ میں نے سب کو بلالے۔
 بیانات کے بعد سب اسپیکر نے مجھ سے کہا، ”فی الحال آپ لوگ

میں ہنسنے کے گھٹن میں گر پڑے اور چوڑے سے کرباری کرنا
 زبان بات ہے ۱۰ عنوان ہے بڑی ضخیم ضخیم جغیر کے
 زبان باتوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اس سے انیونی
 لہ ہے
 دلوں کے کندے سے ایسی باتیں سن کر خود کوشی کر لینے کو جی
 میں تھوکتی کہ کس طرح ۱۰ بس باتیں ہی بناتے رہتے ہو
 ۱۰ ہوں لیکن جس پر ہمارا ہونا وہ بڑا مسک محبوب ہے
 اور تم کو تو کوئی خاصا مہمت ہی نہیں کرتا
 کوئی سنت بلکہ کہنے والی تھی کہ لڑکیوں اور خواہر واپس کاتے
 کہ کچھ خوشی ہوئی کہ لڑکیاں نے اپنے نئے غم کی ڈریسنگ
 میں بنائے ہیں مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا

میں نے کانفرنس سے کراہ لیا تھا۔ میں نے کانفرنس سے کراہ لیا تھا۔ میں نے کانفرنس سے کراہ لیا تھا۔

"ہاں۔"
 "چلتے!" میں ایک لمبی سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ سیدھنا اب شکل
 میں رہا تھا کہ خواجہ مجھ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں نے خضروا
 سے کہا کہ تم پیشان کے ساتھ میں کو کو آؤ! آجی آئی ہوں!"
 (خضروا نے تمہیں خبردار کر دیا اور میں خواجہ کے ساتھ کمرے سے
 نکل آئی۔)
 "آپ مجھ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں نا؟" میں نے چند
 لمحہ چل کر پوچھا۔
 "ہاں۔"
 "تو اس کے لئے نیچے جانا کیا ضروری ہے؟"
 "بالکل ضروری نہیں ہے بشرطیکہ میرا تنہائی سیر کر سکے"
 "بس تو مجھ کو اس کمرے کی پیٹھ جاتے ہیں" میں نے بالبرو لے
 کر کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے کہا میں نے اس کی چابی ابھی خضروا

کے کہیں کہیں پر ایک ملازم بھی رکھا ہوں۔ مجھے تم سے ایک سو روپے درجہ
ہے میں نے نوپیس سے ایک بات چھپائی تھی اور بات تم ہی مجھے بتاؤ
گی کہ میں نے غلط کر نہیں کیا۔
”وہ کہ بات ہے؟“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔
”کل میں نے رات کے ابتدائی حصے میں جا کر وار شوٹ کے
آرمیوں کی کچھ انگلیوں کی جی بجی سے مجھے نیر چڑا تھا کہ وہ لوگ تم کی

یہ کہنا چاہی کہ میں پرانی طرز کا آدمی ہوں۔ یہ نئی دنیا کی اچھلی
 مجھے پریشان کر رہی ہیں اور میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا کروں
 میں ڈر رہا تھا کہ کرنا بھگتا رہا تھا کہ ہر بات میں نہ جملنے نہ کس پتھر میں
 پھنس جاؤں۔ پولیس سے خدشہ ہی نہ تھا۔ میرے پاس اس بات کا کوئی
 ثبوت تو ہے نہیں کسی لڑکی کو اغوا کیا جانے والا ہے اور اس میں ہائیڈرو
 شوک ٹھٹھٹ ہے۔
 "آپ نے ٹھیک کیا خواہر صاحب! باتوہ خواہ ایک نئے معاملے
 میں کچھ نہ کہنے پھرنا پڑتا ہے۔
 "لیکن میرا دل بڑا افسردہ ہو گیا ہے۔ میں! اہ! معصوم بچہ پر درجن
 کیا قیامت گزر جائے! خواہر ایک رشتہ اعلیٰ شخص تھا۔
 "اس کی فکر نہ کیجئے! میں نے کہا میں پولیس کو اس بات سے
 باخبر کروں گی لیکن خود سامنے نہیں جاؤں گی۔
 "ہاں بیٹی! یہ ٹھیک ہے۔ خواہر نے خوش ہو کر کہہ "اسی لئے
 تو میں نے صرف تمہیں بتایا ہے اس کے بارے میں!۔۔۔ مجھے یہ تدبیر
 نہیں سوچ سکتی تھی۔
 "اب آپ اپنے گھر ہی جائیں گے نا؟" میں کھڑی ہو گئی۔
 "ہاں! تھوڑی دیر کے لئے جاؤں گا۔ پھر مجھے وکیل صاحب کے
 پاس جانا ہے۔ انہوں نے بلایا تھا نا؟"
 "ٹھیک ہے۔ شام تک کسی وقت مجھ سے مل لیجئے گا۔"
 میں غور سے سوچنے کے لئے تھوڑے سے دروازے تک گئی اور
 اسے زحمت کر کے تیزی سے واپس لوٹا۔ رضوان سلیٹ ڈوشی میں
 مصروف تھا اور دیشال بھی کسی خیال میں کھوئی ہوئی چپ چاپ تھی۔
 "خواہر چاچا چائے؟" وہ مجھے دیکھنے کی سوال کر رہی تھی۔
 "ہاں" میں نے کہا پھر رضوان سے بولی "تم فلا میرے ساتھ آؤ۔"
 "آپ کہاں جا رہی ہیں بانو؟" دیشال نے ملدی سے پوچھا۔
 "بس براہ کرم کمرے میں جا کر سو بندہ منٹ اور نوٹ ڈال دوں گی
 مجھے ان سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔ میں نے رضوان کی طرف اشارہ کیا جو کھڑا
 ہو چکا تھا۔
 دیشال کو اطمینان ہو گیا اور میں اسے دروازہ بند کرنے کی تاکید کر
 کے رضوان کے ساتھ کمرے سے نکل پائی۔ براہ کرم کے کمرے کا دروازہ کھولتے
 ہوئے میں نے رضوان سے کہا: اب وقت آ گیا ہے کہ میں نہیں بہت
 کچھ بتا دوں۔
 "کوئی خاص پتھر؟"
 "بہت اچھا پتھر۔"
 کمرے میں ہم دونوں آئے۔ سامنے بیٹھے تھے تو میں نے اسے تفصیل
 سے ڈاکٹر فنگ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ واقعات کا ابتدائی حصہ
 ہی ایسا تھا کہ رضوان کے چہرے سے ہنسنا دیکھی کا اظہار ہونے لگا۔

ملاسے واقعات دہرائے میں مجھے منٹ لگا اور
 ہونی تو رضوان کے چہرے سے تفکر و تشویش کا اظہار ہو
 "اب مجھے اس سلسلے میں تمہاری مدد ضرورت
 "یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق ملک و قوم ہے۔
 بھی شخص یا دان یا پچانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔
 "میں چاہتی ہوں کہ تم ڈاکٹر فنگ پر نظر رکھو۔
 "آخر جاہل و دانشور کے اس کا کیا تعلق ہو سکتا
 "ہی تو ہیں دیکھنا ہے۔
 "ان معاملات کی اطلاع انٹیلی جنس کو کون دے
 "کیا ضروری ہے کہ اس معاملے کو اپنے طور پر
 نے کہہ گھومتے ہوئے کہا۔
 "گو یا بات ذاتی لیکن کی بھی ہے!"
 "یقیناً" میں نے کہا "مجھے بعد خوشی ہو گی اگر
 اپنے طور پر پیشہ سوں کیا۔ ایک کارنامہ نہیں۔ دکان
 ہو تو میں نہیں تعاون پر مجبور نہیں کروں گی۔
 "میں نے غور فرما دیا تھا کہ رضوان غرا
 "یہی سوچ کر تو میں نے تمہیں یہ ساری باتیں
 مسکرا دی۔
 "کیا تم نے کاڈر رتق وغیرہ کو بھی بلایا ہے؟"
 "وقت پڑا تو انہیں بھی طلب کروں گی لیکن فی
 ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر فنگ اور اس کے آدمیوں نے
 نہیں دیکھا اس لئے اب وہ تمہیں اس گاؤں میں رکھ
 زیادہ شبہ نہیں کریں گے۔ اس کے لئے میں ڈاکٹر فنگ پر
 تمہارے بیرو کرنا چاہتی ہوں۔ اس گاؤں میں دو افراد
 تم اپنا آڈیو کار بھی بنا سکتے ہو۔
 "وہ کہہ دیں؟"
 میں نے رضوان کو امی اور اس دیہاتی ڈاکٹر کے
 بتایا جو ڈاکٹر فنگ کی بریدہ ٹانگ کا علاج کر رہا تھا۔
 "میں تمہاری آنکھوں میں سرنی دیکھ رہی ہوں رات بھر
 تم مدد حال ہو گے اس لئے دو تین گھنٹے سو کر اس گاؤں
 ہو جاؤ! "
 "ایک رات جا گئے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں
 سکتا ہوں۔
 "اگر تم جنت کر سکو تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔
 "تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
 "میں یہیں بیٹھتی ہوں۔ اگر تم کوئی خاص
 تو واپس آکر مجھے بتانا۔
 "ٹھیک ہے۔ رضوان کھڑا ہو گیا۔

صحت کر کے میں پھر اپنے کمرے میں پہنچی اور اس پریشان
 دل ہاتھوں میں سے کر لولی "اب تم اپنی نگین کیوں تو
 تو نہیں تمہارا بھائی بھی مل چکا ہے۔"
 بات کا افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ بھی ان
 میں گھر گئی ہیں۔
 "مرگت کر دو۔ مجھے تم سے اتنی جنت ہو گئی ہے کہ میں
 بہت دلائے بغیر بیٹھی سے جا ہی نہیں سکتی۔ میں
 کے ہونٹ چوم لئے۔ وہ شرماسی گئی۔ میں نے اس کے
 اہانت پوچھا تو وہ بولی۔
 "میں ان لوگوں نے جو دو لگا لگا ہے اس سے کافی
 کی ہے۔
 "ان ڈاکٹر مجھے بھی اعتبار نہیں تھا لیکن اس وقت کوئی
 کی نہیں۔ میں نے کہا اور پھر شیفرون کی طرف بڑھ گئی۔
 "میں نے بول کے سنجے سے رابطہ قائم کیا اور اسے کمرے کی
 "میں نے کہا پھر سلسلہ منتقل کر کے اپنی گھڑی پر
 سے پاس آنا وقت تو در تھا کہ میں غسل کر سکوں۔ اس
 کی کارنگ کر سکتی تھی جس کی کسی لڑکی کو آج انوا کیا
 نہیں اس سوال سے پریشان تھی کہ اس لڑکی کو شناخت
 کی گئی۔
 "میں نے دی پڑے پہن لئے جو میں غسل سے پہلے
 میرا سامان؟ دیشال کی بولی میں رہ گیا تھا۔
 "میں نے بعد مجھے سنجے سے اطلاع ملی کر لائی کا ڈی
 کی ہے۔
 "میں اب تم رلام کرو! میں نے دیشال سے کہا۔ تم
 "نا! اتنی ہی جلدی تمہارا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"
 "میں جا رہی ہوں؟" دیشال پریشان ہو گئی۔
 "ایک ضروری کام ہے لیکن تمہارے لئے اب پریشانی کی
 "میں یہاں نہیں کوئی خطہ پیش نہیں آ سکتا۔ جاگیر دار
 "میں کو بھی نہیں معلوم ہو گا کہ تم یہاں ہو۔"
 "کا کوئی ڈر نہیں ہے بانو!۔۔۔ میں اپنی حفاظت کرنا
 "میں نے تو تجھے تھکانے سے گناہ ہے۔
 "میں نے تھکانے سے۔ اس سے تھکانا کا احساس دہ جائے
 "اگر تم کو کوئی آئے تو کہہ دینا کہ میں اور رضوان کچھ خریدنے
 "میں نے تمہیں بھی بیٹھنے پر کسی سے بات کی ہے؟"
 "میں نے تمہیں میں سنا۔"
 "میں نے اس سے کہا میں تمہیں بتاتی ہوں کہ فون
 کی جاتی ہے۔ جب غصہ ہی تھے تو اسے تھکانا اسے سیو
 اس طرح کان سے گایا جاتا ہے کہ اس کا دماغ رات بھر

کی طرف ہے اس طرح "میں نے سیو رات بھر اس کے کان سے لگا دیا۔
 "پھر جب تم کو کوئی دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز
 سنانا دینے لگے گی۔ تم اس طرح باتیں شروع کر دینا جیسے سامنے بیٹھے ہوئے
 کسی شخص سے گفتگو کر رہی ہو۔"
 دیشال نے بڑی توجہ سے میری باتیں سنیں اور انہماکی انداز
 میں اپنے منہ پر غصہ دیا۔ اس وقت فون کی گھنٹی بجے گی۔ میں اندازہ
 نہیں کر سکتی تھی کہ کال کرنے والا کون ہو گا۔ میرا حال میں نے دیشال ہی
 سے سیو رات بھر کے لئے کہا۔
 "سیو رات بھر" دیشال نے مجھے دیشال کے ہاتھ میں خفیہ کی لڑش
 تھی اور جب اس نے سیو رات بھر کے کان سے لگا دیا تو اس کے چہرے
 پر ایسی سرنی تھی جیسے وہ اپنی زندگی کا کوئی مسکنی خیر تجربہ کر رہی ہو۔
 اس کی بر کیفیت دیکھ کر مجھے اس پر سیو رات بھر لگا اور میں نے ساتھ مسکا
 دی۔ دیشال نے میری مسکرات کو دیکھا بھی نہیں۔ اس کی ساری توجہ
 شیفرون کی طرف تھی۔ اس نے بڑے بڑے سے ہاتھ سے اس کے ہاتھ اور
 پھر ملدی ملدی پکلیں چپکانی ہوئی، اس آواز کو سننے کی جو دوسری
 طرف سے آ رہی تھی۔
 "میں جی ہاں کال ہے؟" دیشال کی آواز میں بھی لڑش تھی۔
 اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور پھر میری طرف دیکھتی ہوئی بولی
 سے بولی "پتہ نہیں کون ہے۔ کہہ رہا ہے، کراچی سے کال ہے۔"
 "میں سمجھتی کہ بولنے کا آپریشن بول رہا تھا میں نے دیشال کے
 ہاتھ سے سیو رات بھر لیا اور وہ پکلیں میں بولی "ہیلو! جیسا پکلیں
 "کراچی سے بیگم زہرا ب گڑھی کال ہے مادام! آپریشن کے بتایا۔
 "ہلاؤ!" میں نے کہتے ہوئے سو جا کر بیگم کال بولنے کا علم
 انٹیلی جنس ڈاکٹر سرنی سے ہو سکتا ہے۔
 "بات کیجئے!" چند لمحے بعد پھر سرنی نے کہا۔
 "ہیلو!" میں بولی۔
 "ہلاؤ!" دوسری طرف سے جانی پہچانی ہوئی آواز سنائی دی۔
 "تم اب تک بیٹھتی ہیں کیا کر رہی ہو؟"
 "ایک مظلوم لڑکی کی حمایت میں کمر لڑ رہا ہے مجھے۔"
 "لڑکیوں سے کسی تمہارا پیچھا چھوٹے گا بھی یا نہیں؟"
 "اگر کسی ایسا ہو تو وہ میری زندگی کا بدترین دن ہو گا۔ میں
 نے نہیں کر کہا۔
 "مجھے تمہارے بارے میں خاصی تشویش ہو گئی تھی اس لئے
 میں نے انٹیلی جنس ڈاکٹر کے ساتھ بارے میں مل پوچھا۔"
 "یہ تو میں سمجھتی تھی کہ میں اس کے بولنے کا نام معلوم ہوا ہو گا۔"
 "تم کس تک واپس آ کر رہی ہو؟"
 "فوری طور پر تو ممکن نہیں۔ دو تین روز تک جاؤں گے۔ میں
 آج ہی کسی وقت کاڈر رتق کو کال کرنے والی تھی۔ تم اسے پہلی فٹ

176

بانت صاف ہو چکی کہ نادہ کا بیٹا گھر تھا۔

تو کیا خارجی کا اطلاع غلط تھی؟ میں نے سوچا، یا میں ہی کسی اور لڑکی کے پیچھے لگ گئی تھی؟

ذہن میں تسلی نہال یہی اہم تر تھا کہ شاید جاگیر دار شوکت نے دھرم دین اور خواجہ کے بھگتے کی دھیر سے نادہ کے خواجہ کا پروگرام

ایک آدھ روز کے لئے ملتوی کر دیا ہو۔
کچھ سوچ کر مجھے اس لئے گاڑی کو چند گز آگے بڑھا کر دوکارا دین بند کر کے اتاری۔ چھانک میں داخل ہو کر میں کسی جھجک کے بغیر پورے گولی کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ آیا نے مجھے دیکھا تو ذرا دیر کے لئے بچوں کی طرف سے غافل ہو گئی۔

”مجھے نادہ سے ملنے ہے۔“ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہہ دیا۔
”نادہ لی نا ابھی ابھی آئی ہیں کالے سے؟ آیا نے بتایا۔“
”ابھی اطلاع دوڑ کوئی ان سے ملے آیا ہے۔“

”آپ کا نام؟“
”نام میں آپ کو بتاؤں گی۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”آیا کو میرا جواب مجھے عجیب تو لگا ہو گا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔“

اس نے مجھ سے کہنے کا یہی کوئی دلیل تھا اور دروازے کی آغوش پر کھڑے اس کے طرف سے ملنے لگی۔ میں پوچھ کر اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کے سامنے دوڑا اور کھڑا ہوا تو اسے یہ اپنے کان صاف کر رہا تھا۔

کوئی دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور نادہ کی شکل نظر آئی۔ اس نے ابھی لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ دروازے سے نکلتے ہی، تنہا کی طرح دیکھنے لگی۔ اس کے پیچھے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے پہچان نہیں سکی ہے۔

”سیٹھوں میں اس کی نظرسمجھ پر پڑیں تو ضرور مومن گی لیکن وہ اس وقت اپنے ”محبوب“ میں کچھ اس طرح گم تھی کہ اسے اور دروازے کا کچھ ہوش ہی نہ ہو گا۔“

اس وقت وہ مجھے کچھ اور ابھی نہ تھا۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ اب میرے ذہن میں کوئی ناہن، کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں نے دیکھ کر اس طرح مسکرائی جیسے اجنبیت کا کوئی پردہ رخ میں حاصل نہ ہو میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا تو وہ بھی ہچکچاتی ہوئی آگے بڑھی۔ جب میں نے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی ہاتھ بڑھا دیا اور اس گلاز کا پس پاتے ہی میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ میرا ایک ایک نفس اس کے جبر کو کھانے لگا۔

”نادہ بہت پیاری ہوئی ہے۔“ میں نے بڑی بیباکی سے کہیں آہستہ سے کہا۔

”کیا مطلب؟... آپ مجھ کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں؟“
وہ مجھے ابھی ہوتی نظروں سے دیکھنے لگی۔
”میں تمہیں دنیاوی نشیب و فراز سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ“

مرد بڑے کھنکھرتے ہوئے ہیں کیوں کو تو یہ کم کلاس طرح اور اور ہی گھٹان میں نظر آتے ہیں؟

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی۔“ نادہ کے سامنے میں اس کو جان کا ذکر کر رہی ہوں جس کے ساتھ وقت گزارا ہے۔

”اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق؟“ وہ تیز ہو کر کے بھی معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

”رہائیوں پر اپنے حق کو میں تسلیم کرتی ہوں۔“
”آپ یہاں سے جاسکتی ہیں؟“ نادہ کے چہرے پر پھیل گئی۔

”میں جاتی تو کم تر اس موضوع پر تنقید کر رہی ہوں۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس نہیں کرنا چاہی تو میں تمہاری حق سے ملے لی۔“

دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔
”ٹھ... بھڑ...“ اس نے جلدی اور میں نے سر کھٹک کر اشاری کی نظروں سے اس کی طرف سے برغصے کی جو شرفی پیدا ہوئی تھی، اس کا اب نام دوش

”کہو!...“ میرے چہرے پر کھڑی تھی۔
”آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟“ نادہ کے چہرے میں

”بس یہ چاہتی ہوں کہ میں اس کو جان سے ملے۔“
”کیا یہ آپ کا کوئی عزیز ہے؟“
”مجھے عزیز تو صرف تم ہی ہو سکتی ہو۔“ میں نے

پیارا سر بڑھا کر دیا۔
”آپ...“ وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی۔
ہوٹا ہوا منہ میں دبا لیا۔ اس کے چہرے سے اس کے

مشرقی سر اور آنکھوں میں الجھن تھی۔
”پروردگار کو! جھانکنا نہیں ہے۔“ میں نے

”اچھا ہے۔ اس کا خاندان؟“
”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟“ نادہ بولی۔
”میں ایک اہم عہدے پر فائز نہیں۔“

”شرافت کی کوئی شے نہیں ہوتی۔“
”آپ... آپ...“
”ایسے معاملات میں تو خدا کی فوجدار ہی کار

میں نے مسکرا کر کہا۔ اس کی دیر کی نظر کھٹکتے ہوئے اور میں نے ایک غیر عورت کو باہر نکلتے دیکھا۔ شکل پیش نظر میں اسے نادہ کی کمال کی سمجھتی تھی۔ میں نے

اس کے سامنے پروردگار کی گفتگو نہیں کرنا چاہی اس لئے وقت ملوں گی۔ وہ میرے بارے میں پوچھیں تو کوئی

”ہا، خدا حافظ۔“
”اپنے کرنے والی عورت سے اس طرح نظر چرائی نہیں

لگائی نہ پورا نادہ سے ہاتھ ملا کر پھانک کی طرف بڑھتی

ہاتھ سے نکال کر میں تجس نظروں سے اطراف کا جائزہ

کے سر پہنچی اور دروازہ کھول کر ڈرامہ تنگ سیٹ پر

”کیا اس لڑکی تھی کہ اس سے برسرِ ہی ملاقات بھی مجھے

”ہاں تھا کہ میں اسے“ راہ راست“ پر لانے میں کامیاب

”اب دیکھنا تھا کہ جاگ رہا تھا نہ یہی ہے یا میں

”میں نے مسکرا کر کہا۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس

”میں نے مسکرا کر کہا۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس

”میں نے مسکرا کر کہا۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس

”میں نے مسکرا کر کہا۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس

”میں نے مسکرا کر کہا۔“ لیکن... خیر!... آخر تم کو اس

سرد کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ غالباً دشمن ہی نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک

خیال اب بھی چل رہا تھا کہ دشمن نے اسے ہال کرنے کی کوشش

لیکن ریشا اس تاریک غار کی قہرانی میں اُتر چکی تھی کہ اس کے قتل کے
 آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکے اس کے شرابی بے سادگت تھے
 اور تنگی جوتوں، ڈھیلے بڑے جوتے تھے لیکن چہرے کے گلاب کی زرداگی
 ابھی باقی تھی۔ میرے ہاتھ ٹھنڈے بڑے تھے اور میں ان پر اس کے چہرے
 کی گڑی محسوس ہو رہی تھی۔ میری ذہنیاتی ہوئی انھیں اسے تنگی رہیں
 اور میرا لٹاؤ لٹاؤ اسے بکا رہا۔ اس وقت میری جذباتی کیفیت کسی
 منظم سمندر کی تھی لیکن اس کی سطح عکاسی کرنے سے میں قلم ہوں
 میرے دماغ میں ان گنت رنگ سے بکھرے ہوئے تھے اور ان رنگوں
 میں کہیں چنگاریاں ملگ رہی تھیں، کہیں شعلہ بھڑک رہے تھے۔ دل
 کی گہرائی میں کہیں کوئی ناؤ ڈوبتی جارہی تھی۔
 ایک ہل کے لئے مجھ یوں لگا جیسے ریشاں کہہ رہی ہو۔ دیکھ لیا
 بانو! میں آپ کے جلنے سے بے سبب تو نہیں گھبرا رہی تھی۔
 "ہاں ریشا! میں بڑا رونا۔" لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ مستقبل
 میں تھما کیسے ہے۔ میری زبان سے انسانوں کے سے الفاظ ادا ہونے
 لگے۔ "میری جان! میری ریشا! میں تیری جواں مرگ کی قسم کھاتی ہوں،
 تیرے اس خون کی مرگ سے میں تیرے قاتلوں کا بیوس رنگوں کی۔"
 میں آہستہ آہستہ سیدھی کھڑی ہو چکی تھی۔ اب میری ہتھیلیاں
 کھینچنے لگی تھیں اور دانت بے دانت بڑی سختی سے جے ہوئے تھے۔ انہیں
 اس وقت آئینہ دیکھتی تو شاید مجھے اپنے چہرے پر برستی ہوئی دھشت سے
 خوف آنے لگتا۔
 دفعتاً مجھے دھمک سنائی دینے لگی۔ کوئی میرے دماغ کو جیسے
 کوڑے ڈال رہا تھا۔ میں فوری طور پر تو کچھ نہ کہہ کر وہ دھمک دزنی
 جو توں کی تھی۔ پھر دواڑہ کھٹکنے کی آواز بھی گئے زوردار دھماکے کی طرح
 محسوس ہوئی اور میری نظر اس طرف اٹھ گئیں۔
 دروازے میں پولیس کھڑی ہوئی تھی۔
 میں خالی خالی فائلوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگی۔ میری
 سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں اور کیا ہو رہا ہے۔
 دزنی جو توں کی دھمک آگے بڑھی، اور جب پولیس آفیسر میرے
 بالکل سامنے کھڑا ہوا تو ایک سسکتی ہوئی طویل سانس میرے پیچھے پڑا
 سے آزاد ہو گئی۔ میں پلٹیں جھجکاؤں میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ میری
 ذہنی حالت پوری طرح نہیں منبھل سکی تھی، تاہم میں نے اتنا مزہ کچھ
 لیا کہ ایک قتل ہو گیا ہے اور اس قتل کے سلسلے میں پولیس وہاں پہنچ
 چکی ہے۔
 "آپ خود کو زبردست سمجھیں؟ پولیس آفیسر کا لہجہ کسی کمزور کی چٹان
 کی طرح محسوس ہوا۔
 مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ صورت حال بڑی گھبرے لیکن میں
 یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ میں اس سے کس طرح برآورد ہوں۔
 مجھے اپنی اس وقت کی حالت پر تعجب ہوتا ہے۔ نہ جلنے لگے کیا ہو گیا تھا۔

آخر میں کیا بات تھی ریشاں میں اس کے قتل کے
 کو بڑی طرح بھگت رہا کہ وہ دیا تھا میں دھمکا لے
 پڑی ہوئی ایک کرسی کی طرف بڑھی اور اس پر
 دو جگہ کے اندر سے جھپک کر کہہ رہا تھا۔ اپنے
 اپنے آپ کو سمجھنا
 میں اپنی پیشانی ملنے لگی۔ شاید اس طرح
 بھونچال برپا ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ
 اسی طرف گزار دیا اور دو پر تالو پائے میں بڑی
 بھی ہو گئی۔ اب میں نے سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ
 سے میں نے دانستہ نظر پڑاؤ نہیں لیکن یہ
 کہ پولیس والے لاش کے قریب موجود ہیں۔ میرے
 کی طرف دیکھا جو میرے قریب ہی کھڑا، بہت
 کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں اس حد تک سوچ
 غمی تھی کہ سارے کمرے پر سوچنے لگی۔ پولیس کا
 پہنچنا، سارے کمرے کی طرف اشارہ اس لئے
 لئے اس کمرے سے دور کھینچنے کی کوشش کی تھی
 تو پہلے ہی کیا جا چکا ہو گا لیکن پولیس کو اس وقت
 ہو گی جب میں نادرہ کے کمرے سے سیدھی ہوئی
 گوداں پہنچے میں کچھ وقت لگا لگا قاتلوں
 مجھے فرضی اسٹیڈنٹ کا ڈرامہ دکھا کر ڈرامہ
 دور کر دیا۔
 "خاتون!" پولیس آفیسر نے مجھے گھر
 آپ تیار ہیں کہ آپ نے اپنی ساتھی کی بیک
 کون تھی؟"
 "یہ ایک مفہوم رکھتی تھی۔ میں نے کچھ
 "اور میں اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"
 "قتل کر کے؟" وہ طنز بہ لہجے میں بولا
 "اسے میں نے قتل نہیں کیا۔"
 "خوب؟ تو پھر کس نے کیا ہے؟"
 "یہ معلوم کرنا پولیس کا کام ہے۔"
 چکی تھی جس کے باعث میرا انداز رفتار خاصا
 میرا یہ جواب سن کر پولیس آفیسر کی پیشانی پر ہل
 تھکے انداز میں دیکھنے لگا۔
 میں اٹھی اور نظر اس طرف ہٹا کر ہوا
 بڑھ گئی۔ ہاتھ دردم میں جا کر میں نے مڑ کر
 مارے، کھلی کی اور دو گھونٹ پانی پی لیا
 کچھ اور منبھل گئی۔ اب میرے ذہن نے تیری
 تھا۔ میں اس سارے کمرے کے سامنے باندھے
 کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ فی الحال میرے سامنے
 میں تھکے کپڑے، آٹاف، ڈاکٹر فونگ اور جاگہ دار شوکت۔
 اور دو ایک میز پر رکھا جا سکتا تھا لیکن آٹاف کی حیثیت
 تھی۔ اس کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ پولیس ڈسٹرکٹ کی طرف
 وہ اپنی جلدی کچھ پرکونی مار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن
 اور جاگہ دار شوکت کا معاملہ بھی اٹھا ہوا نظر آیا تھا۔
 اس بات کا علم کیسے ہو گا کہ میں اور ریشاں اس ہونٹ میں
 میں سوچتی ہوں غصے سے نکل اور قتل گاہ۔ میں ارے
 ل کر کے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ پولیس آفیسر تیری
 سے روکنے کی کوشش کی تو میں نے غمی سے کہا۔ "میں
 رہی ہوں آفیسر!۔۔۔ گفتگو کے لئے بیرون کمرہ مناسب
 بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آئی اور وہ میرے ساتھ
 کمرے میں آیا۔
 اس لاک کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔"
 سامنے میں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اور
 سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات چھپانے کی
 نہیں تھی کہ اس شہر کے ایک اور علاقے کی پولیس
 ٹیم بھی جا چکا تھا۔
 یہاں نے پولیس آفیسر کے چہرے پر تعجب کی جھلکیاں
 میں نے جب ہوئی تو وہ اٹھ کر اس صوفے پر جا بیٹھا
 لیکن پولیس آفیسر نے رکھا ہوا تھا۔ اس نے لیسور اٹھا یا اور
 کا۔ آفیسر نے رابطہ قائم کر کے اس نے اس پولیس
 ٹیم کا جس کے دفتر میں ہاسپٹل کے ایک کمرے
 تھا۔
 گرنے کے ساتھ جیسے جیسے میری حالت ٹھیک ہوتی
 مجھے اپنے لئے سوچ رہے تھے۔ اب مجھے رقم دین اور
 میں پریشان لائق ہو گئی تھی۔ اگر یہ رقم لیا جاتا
 میں جاگہ دار شوکت کا ہاتھ تھا تو پھر رقم دین اور
 اس ٹھکرے سے درجا ہو سکتی تھی۔
 یہ حالات سے اس وقت جو بھی جب پولیس آفیسر نے
 سامنے سب اس کے ساتھ کو نہیں بلوایا ہے۔
 اس طرح سر لایا جیسے اس معاملے سے میری کوئی تعلق
 نہ تھا۔ لیکن پولیس آفیسر نے قریب پہنچنے کی درجہ میں نے
 اس آفیسر بولا۔ "آپ کسے فون کر رہی ہیں؟"
 میں نے جواب دیا اور ہونٹ کے آفیسر سے رابطہ

قائم کرنے کے لئے "ایک" ٹائل کیا۔
 چار بجے میں پندرہ منٹ باقی تھے اس لئے اسکان کی تھک
 دیکھ اپنے دفتر میں موجود ہو گا۔ میں نے اس کا نمبر پوئل کے آپریٹر
 کو بتایا۔ جلدی رابطہ قائم ہو گیا اور ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
 "میں سمیو بانو بول رہی ہوں اور سیدہ برکی صاحبہ بات
 کرنا چاہتی ہوں۔"
 "میں برکی بول رہی ہوں بانو! کہنے؟ خیریت؟"
 "آپ سنائیں، معاملات کس حد تک آگے بڑھے؟"
 "میں نے جاگہ دار شوکت کے خلاف سوٹ فائل کر دیا ہے۔"
 جلد ہی اسے عدالت میں حاضر ہونے کے لئے سمن قید ہو جائے گا۔
 ایڈوکیٹ کی تیزی کیسے لئے تعجب خیر ثابت ہوئی لیکن
 میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بولی۔ پولیس نے اس سلسلے
 میں کیا کیا؟"
 "وہ لوگ جاگہ دار کے پاس آئے تو تھے لیکن اس نے اپنی صفات
 میں ایک ایسی شہادت پیش کر دی ہے جو مقدمے کی بازی میں کسی گتے
 پر مجھے بھی خاصا پریشان کرے گی۔" ایڈوکیٹ برکی نے کہا۔ "جاگہ دار
 نے بیان دیا ہے کہ رات شفیق زبیر کی صاحب اس کے مہمان تھے
 اور۔۔۔۔۔"
 "شفیق زبیر کی کون؟" میں پچ میں بول پڑی۔
 "یہ عکرمہ خارجی ایک اہم شخصیت ہیں۔" ایڈوکیٹ نے
 جواب دیا اور پھر بولا۔ "جاگہ دار کا بیان ہے کہ وہ کل رات اس کے
 گھر پر مدعو تھے اور کھانے کے بعد انہوں نے ساری جملہ دیکھی تھی
 وہ دہشت کا طرز تعمیر دیکھا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ایک
 ایک گوشہ دیکھا تھا اور اب وہ پولیس کو بتا سکتے تھے کہ وہاں دو آدمی
 تو کجا بل کا ایک کچھ بھی قید نہیں تھا۔"
 "خوب!" میں نے جلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ عکرمہ خارجی
 کے حوالے سے مجھے نادرہ کے خوب پروردگی کا دلاوی تھی۔ اس کا
 باپ بھی عکرمہ خارجی کے کسی اہم عہدے پر فائز تھا۔ کم از کم نادرہ سے
 مجھے یہی بات معلوم ہوئی تھی۔
 "آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟" ایڈوکیٹ برکی نے مجھے
 جوں کا توں دیا۔
 "میں اپنے ہوٹل ہی سے بول رہی ہوں مسٹر برکی!۔۔۔ خواہ
 صاحب کہاں ہیں؟"
 "وہ اپنے گھر گئے ہیں۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے تو نہیں گئے۔"
 "برکی صاحب! آپ فوڈان کے پاس پہنچے۔ مجھے خبر ہے کہ ان
 کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"
 "وہ کیسے؟" ایڈوکیٹ نے چونک کر پوچھا۔
 "یہاں کسی نے ریشاں کو قتل کر دیا ہے۔"

میں نے دروازہ بند کیا اور اپنی نشت پر واپس آ کر جو کچھ لپک بنانے لگی۔ میں آتھنا بیٹا جیسی تھی کہ ہوش مجھ نے نہ دیا میں نے اپنی چوڑیاں

”رو پئے لائے ہو؟“ میں نے اس کی بات کا

کی طرف سے ہونے والا شاید کوئی ملازم تھا۔ اس نے

متر سہیں۔
”یہ کیا جکڑ ہے؟“ وہ اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔

”ان حالات میں کوئی اور سامنہ دین میں نہیں آتا۔“
 رفوان نے سرنگٹ سلگائی اور اس پر کہہ کر سے میں ٹٹٹ لگا۔ میں
 بھی اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھرب پڑی۔ جو کہ رفوان اپنے سے
 قریب کرک کر لولا۔ درحمہ کی کہ نہت کا ملبہ ابھی تہنہ معلوم ہو سکا،
 ”لو بس دالوں سے امانت کرلو کہ جو تہنہ بیڑے دلے مجھے نصیب سے

میں رکھ دیں تھیں۔ تہاں پر رکھی ہوئی بونٹ اور گلاس ہا
نفرت ہماری نظر ڈالیں تھی اور ہمیں اس طرف سے نہ ہیرا
غصیلہ سا انداز سے مڑا بھلا معلوم ہوا۔ وہ کسی روٹھی

ایک دو چار روز سے لیاؤ نہیں رکوں گی میں چاہتی
ہم کے لیے بس دو ایک بار مل جانا میں نے کتے بولے
انہوں میں کھینٹ لیا میری اس حرکت پر وہ فریادیں

کمرے کے سکھت میں سرسراہٹوں کا اعادہ ہوا اور نادرہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ جو سب سے پہلے اس کی گرداس کے جہرے پر جھکی ہوئی تھی۔

میں نے سکر کر اس کی طرف دیکھا اور غور چال مچاتی ہوئی تپائی کے قریب گئی۔ ایک پیگ بنایا اور نادرہ کے سامنے جا بیٹھی۔
 ”میں جاؤں؟“ نادرہ کی آواز ایسی سختی جیسے آگ کے ٹکستے عمل کی آہری دیوار بھی گرجی ہو۔
 ”تو تمہیں یقین ہے کہ پروردگار ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے؟“
 ”اب تمہیں اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں تمہارا مطالعہ پورے کر چکی ہوں۔“
 ”کیوں تمہیں باخبر تو کر دوں کہ وہ جلالِ توقیر نامی ایک سنگھ کا لڑکا ہے۔“
 ”غلطی نہ نادرہ نے جڑے اعتماد سے کہا۔“ اس کے والد مکمل غلطی میں مازم ہیں اور ان کا نام جلالِ توقیر نہیں بلکہ ارمیا ہی ہے۔ یہ ہم سر میں نے اختیار ایک طویل سائنس کی نادرہ کو عبدالمجید سے کرنا چاہی تھا۔ میں نے یہ بات ثابت ہو کر ہی مقرر کر لیا۔ شہر غلط تھا، جاگوار اور شوکت کے حق میں گواہی دینے والی شخصیت پر دینے کے باب کی نہیں تھی۔
 ”میں نے شہزاد کے دو لیے غھونٹ لئے اور سوچنے لگی کہ میرا شہر غلط ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں نے نادرہ کے پیچھے لگ کر دولتِ شاہ کیا ہے۔ ایسی خوش چہرہ اور خوش بدن لڑکیوں کے لئے تو کوئی دن بھی مرت کے جانے کا سکتے ہیں۔
 ”تو اب یہی جاؤں؟“ نادرہ پھر بولی۔
 ”تمہیں ایسی ہی جلدی ہے تو جلی جاؤ، مگر یہ کہنے کے لئے بڑا دل نہیں چاہ سکتا۔ میں نے سوچ سکتے ہوئے کہا۔ نہ بابا، نہ کچی جاؤ گی۔“

نادرہ کوئی جواب دے بغیر تانی کی طرف بڑھی اور اپنی کمانیں اٹھا کر دروازے کی طرف چلنے لگی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔ جب وہ دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی تو میں بے ساختہ بول پڑی۔

”وہ بیٹی۔“

”بھول مت جانا“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ”میں ابھی بیٹری میں دو چار روز اور مہل اور نہیں بچے سے ایک مرتبہ بچر مٹنے آتا ہے۔“

”ہوں۔“ نادرہ مہربان بھینچ کر غزاقی اور ایک بھٹکے سے دو کر راہ لاری میں تیزی سے اگلے دوپہر پہنچی گئی۔

میں نے دروازہ نیم کھولا۔ ایک گھونٹ لیا اور لنگٹانی ہوئی واپس لوٹ۔ ریشم کی موت مجھے متعلقہ کر گئی تھی لیکن نادرہ کی رفاقت نے اس کا اتنا زکریا۔

کچھ ہی روز بعد روضان کو بسے میں آگیا۔ اس نے نادرہ کو ہوسلے لے لے کر ہوسلے دیکھ لیا تو ہوا انداز تھی وہ مجھے بڑی خشک نظر سے دیکھنے لگی۔

ایک اتفاق ہی تھا کہ یہیں وقت پرکا نڈر حق میرے
 پہل پہن گشت میں تبدیل ہوا بس کے قریب سے
 اہمیت میں شرکت سے نئے نیا لباس پہنا کوئی
 دین میں اس پر بھی مجھو حق۔

♦ ♦

اے اور رمضان! ریشیاں کے گھاؤں کی طرت کو نہ
 طوفان ہی ٹوڑا، پیکر ہاتھ اور دیکھ اس کے
 دھن رتبہ تھی کراچی کی رات فیصلہ کو بھی ثابت

لاکھ صاحب کو سنا تو نہیں آیا؟ "رمضان بولا۔
 کراہیں ہیڑیجھاڑنا سب نہیں رتبہ۔ میں نے

"یہیں مرکز کی ہو؟"
 سے آؤ تم مارا مطلب کیا ہے؟

"میران سے غنڈی سائل سے کرکڑا۔ آخر ہاتھ
 دل سے عشق کی فائل تو ہیں توں کچھ دھو پتا
 ہے جو بگڑتی ہوں مگر نہایت کچھ بدل جاتی
 وقت میں جاگیر دار شوکت سے عشق کرنے

"نہ پچھیں ایک بھی مجھو بہتیرا جاتی تو آج
 کا ہوں کی بجائے مجھو لو کے اٹھا دے میں

"نہ پچھیں ایک بھی مجھو بہتیرا جاتی تو آج
 کا ہوں کی بجائے مجھو لو کے اٹھا دے میں

”ہمیں اس کے پیچھے چلنا چاہیے“
”چلو!“

چاند پر بھول گئی تھی اور اندھا جا گیا تھا۔ ہم اس کی طرف چل پڑے جہاں گاؤں دار شوکت کو جلتے ہوئے دیکھا تھا کچھ دور چلنے کے بعد رنوناں بڑھوایا، یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ بنوں کی لڑائی کی طرف جارہا ہے۔

”جنوں کی لڑائی؟“ میرے لیے میں سوال تھا۔

”ہاں وہ ایک جوڑا شاکستہ نلد ہے۔ گھاؤں والوں کے خیال میں ان ٹکڈاروں پر جنوں کی مکرانی ہے۔“

”کیا یوں اس ہے؟“

”جی ہاں، وہ اب بھی سوئکن گھاؤں والوں میں ایسا ہی شدہ ہو۔“

میں سوچ میں پڑ گئی۔ کیا گاؤں دار شوکت اس شکستہ لڑائی کے لیے کسی مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے؛ جنوں والی بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔

رنوناں کا خیال ٹھیک سی ثابت ہوا۔ جاگیردار شوکت کے نائب میں ہم اس شکستہ لڑائی تک پہنچ گئے تھے جب ہم نے اس لڑائی میں قدم نہ رکھا تو قیاد ہمارے اعصاب پر مسلط تھی۔ جاگیردار شوکت ہلری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ ہم اس کی تلاش میں ادھر سے ادھر سٹپتے پھرتے ہیں۔ گھاؤں کی بو سے میری ناک پیش جاری تھی اور اندھا میرے ہر بل پر خوشہ موجود تھا کہ کوئی گھاؤں ہمارے پاس سے نہ ٹکرا جائے۔

دفعاً ایک رنوناں پیچھے لڑائی میں اور رنوناں لڑا کرتے نظر آئے۔ تھے۔ جو ٹکڑی سے اس طرف لنگر دوڑے

اب میں رضوان کے ساتھ اس کمرے کی طرف کوئی جھانکنا نہ ہو۔
 شوکت کے دونوں آدمی شرب نوشی میں مصروف تھے۔ یہ اطمینان کرنے
 کے بعد کہ اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے میں نے سوچا کہ ابھی تو صرف
 دو آدمیوں سے چپا تو کوئی مشکل بات نہیں۔ انہیں بڑی آسانی سے
 ہاندھ کر ایک طرف ڈالا جاسکتا ہے۔ لہذا اس آدمی کو بھی قید سے
 نجات دلائی جاسکتی ہے لیکن وہ تشنگی تو پھر بھی رہ جائے گا کیونکہ
 شوکت اس بڑی سے کیا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہی دیر تک کوٹا ہل ہل
 کر اس بڑی کو نپا تا رہا تھا تو یقیناً اس کا کوئی مقصد ہوگا میں وہ
 مقصد فرود جاننا چاہتی تھی اور اس کمرے کی طرف لڑتے ہوئے میرے
 ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ میں وہ مقصد کیونکر جان سکتی ہوں۔
 اچانک مجھے احساس ہوا کہ رضوان بہت دیر سے غائب ہے۔
 اسے میں اپنا خیال ہی نہیں کر سکتی کہ اس کے لوٹنے سے مجھے جھجکا ہوا
 ہونے لگی تھی لیکن اس کی خاموشی کو برداشت کرنا میرے لیے نہیں تھا۔
 دیکھا بات ہے؟ اسے چپ کیوں ہو؟
 "کچن سے کوئی سانس مجھے نہ لگ رہا ہے۔ اندھیرے میں کچھ
 پتہ تو چل نہیں سکتا۔ رضوان نے مجھے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور میں
 دھیرے سے ہنس بڑی۔ بعض اوقات وہ سچ بچا ہوا ہنسنا تھا۔
 حال میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ وہ بولا۔
 "گوئی بات نہیں؟
 "مجھ کو تو نہیں تھیں؟"
 "پاکل پن تھا میرا اس میں نے مسکرا کر کہا۔
 رضوان نے فوراً کوئی فقرہ نہیں کہا۔ وہ میرے شانہ بہ شانہ
 چل رہا تھا۔
 اچانک میں لرک گئی اور میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم جھگڑ
 گئے ہیں۔ آخری دیر میں تو میں اس کمرے تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔"
 "میرا بھی یہ خیال ہے؟" رضوان نے سر ہلا کر تائید کی۔
 میں نے پینسل نامی کی روشنی ادھر ادھر دیکھی۔
 "اب ہمیں ادھر چلنا چاہیے۔ رضوان نے ایک طرف اشارہ کیا۔
 "جلو! وہ میں نے کہنے سمجھے کہ اس طرف دم بڑھا دینے بوجھ
 رضوان نے اشارہ کیا تھا۔
 "پتہ نہیں کیا بات ہے؟ رضوان بڑبڑایا۔ "اندھیرے میں میری
 جایا تھی جس عرصہ بوجھ کی ہے جگر زنیاس میں اس کے خلاف ہوتا ہے؟"
 "بالا آخری آگے اپنی خرافات پر اس نے منہ بنا کر کہا۔
 اچانک وہ اس طرح میری طرف جھکا جیسے کوئی جاہلیانہ حرکت
 کر کرنا چاہتا ہو۔ میں نے خود کو اس سے دور کرنے کی قطعاً کوشش
 نہیں کی لیکن اپنے دایس ہاتھ کو پوری طرح تیار کر لیا۔ میں نے فوری طور
 پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس کے ہونٹ میرے داؤں سے مس بھی ہو گئے
 تو میں اس کے گالوں پر اپنی انگلیوں کی یادگار روضہ چھوڑ دیتی لیکن یہ

کے ہونٹوں سے میرے عارضہ تک میرے سر سے
 یعنی میرے کان کے پاس ڈک گئے۔
 "میں دوسرے سے کہہ سکتا ہوں کوئی بھاری
 نے بہت ہی مدد کر گئی کی۔
 میں چونک کر تیرہ ذہن کی اور رضوان میرا ہاتھ
 رہا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔
 ادھر اس کے فقرے سے میرے جسم میں
 چلی گئی تھی۔ رضوان کا یہ انکشاف کسی معمولی بہتیت
 ذہن میں خطرات کا نشانہ نہ لگتا تھا۔ اگر رضوان
 بات نہیں کہتی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی وقت
 کھڑی ہو سکتی تھی۔ ناسا دھار ملتا، کوئی بھی
 یہ بات میری ذہنی دوسرے سے دور تھی کہ رضوان
 سکتا ہے۔ یہ خیال تو میرے ذہن کے کسی حصے
 نہیں بن سکتا تھا کہ اس کو بھی یہ واقعی جانتا ہے
 میں سے کوئی ہلکے پھلکے لگ گیا ہے۔ اگر ہلکی
 یقیناً وہ کوئی آدمی ہی کر سکتا تھا مگر کوئی آدمی
 کا کھڑا؟... نہیں نہیں۔ یہ ناگہان ہے۔ جاگیا
 کیا یہی تھی کہ وہ بھاری نگاہ کرتا؟ وہ تو میں
 کوئی بھی اس سے باز پرس نہ کرتا۔ جاگیا اور
 سے نوازنا کہ اس نے دوایم دشمنوں کو کھٹکا
 اس سوچ بچار کے دوران میں میرے
 دل کی دھڑکنیں بھاری ہو چکی تھیں۔ دنیا کا کوئی
 خطرات میں گھرا ہوا شخص کسی کو تو خور ثابت کر
 میری کیفیت میری بھی گارڈ میں سانسے ہو تا تو
 انتہائی عروج سے بھی مرعوب نہیں ہوتی لیکن یہ
 میرے اعصاب کو تار کے تاروں کی طرح کھینچ
 اچانک میرے ذہن میں دنیا کا ایک قسم
 میں دوسرے افکار میں کو پھنسی۔ شاید میں اس
 پر سکون کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں اس
 اجازت دی تھی کہ رضوان کا یہ فیصلہ غلط بھی ہو
 ہونے کا دعویٰ کسی بنیاد پر کیا تھا؟ اگر اس نے
 مجھے کیوں نہیں سنائی دی؟ اور اگر اس نے کسی کا
 کیوں نہیں نظر کیا؟
 پینسل نامی کی روشنی میں میرے قدم
 نصف ترین آواز کی بھی منتظر رہی۔ میں خود کو
 باور کرنے کی کوشش کے باوجود اپنے آپ
 کرنے کے لئے تیار تھا کہ ہونے لگی۔ اچانک
 بالکل ہی عجیب و غریب خیال کھلانے لگا۔

میں نے فی الحال اس طرف سے سوجھ بوجھ نہیں کرنا کیا چاہیے کیا
 تم اس آدمی کو آزاد کرانا چاہتی ہو؟
 میرے جسم میں ایک بار غیر معمولی بھاری
 کیونکہ اب مجھے یقین آچکا تھا کہ رضوان نے شہادت نہیں کی تھی۔ اس
 کے بدلے میرے اندر یہ مطلب کی روشنی میں مجھے صورت حال کی گہرا
 کا احساس ہو گیا تھا۔ رضوان کے ساتھ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ
 مجھے "مکہ" کہہ کر تھی وقت مطلب کرتا تھا جب مجھے ہو۔ اگر اس نے
 مجھے شہادت کی ہوئی تو بہر طور "آپ" کے مودوں میں رہتا۔
 "بولو کیا ارادہ ہے؟" اس نے میری خاموشی کو برداشت نہیں کیا۔
 "میرا خیال ہے؟ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں آخری
 بنی چکے ہیں کہ دروازہ بند نہیں کیا بات کا ہوش نہیں رہے گا۔ میں ان
 سے پہلے ہی ضرورت نہیں پیش آئے گی اور ہم اندر داخل ہو کر اس آدمی
 تک پہنچ جائیں گے۔"
 "اس کے بعد؟"
 "ادری سے ملاقات کرنے کے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکوں گی کہ
 کیا کرنا چاہئے؟"
 "تو پھر آؤ؟"
 میں اور وہ دوبارہ اس کمرے کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے
 موکلے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے کمرے پر اوپر سے
 رہتے تھے۔ تباہی پر دیکھی ہوئی تو بل خالی نظر آ رہی تھی اور ایک گلاس
 لڑھکا ہوا تھا۔
 "راستہ صاف ہے؟" رضوان نے سرگوشی کی۔
 میں نے اشارت میں سر ہلایا اور ہم دونوں کمرے کے
 دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ انہوں نے بند
 کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی ہوگی۔ ان کے خیال کے مطابق کوئی بھی
 اس گھر کی کارخ نہیں کر سکتا تھا۔
 میں نے دروازہ کھولا اور میرے ساتھ رضوان بھی اندر داخل ہو گیا
 میں دروازے کی چڑھٹاٹھ کو دیکھنے سے خاموش رہی لیکن وہ دونوں
 پر متوجہ نہ رہے۔ ان کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نظر
 نہیں آتا تھا، تاہم احتیاط کرنے کی بھی کوئی حرج نہیں تھا میں صمت
 دے بہت دور اس دروازے کی طرف بڑھی جس کی کڑی گئی ہوئی تھی۔
 آہستہ سے کڑی کھول کر میں نے دروازے پر باؤ ڈالا اور وہ پہلی
 سی چڑھاٹھ کے ساتھ کھٹکا چلا گیا۔ دروازے آٹنے سے تم قہر
 انتہائی کوشش سے بھی ان کی آواز کو نہیں روکا جاسکتا تھا۔
 اس کمرے میں بھی ایک چھوٹے سے لمب کی نند و رفتی
 دروازہ پر زور سے چبٹی ہوئی تھی اس میں روشنی کی وجہ سے قیدی
 لڑکی کا چہرہ کچھ اور نڈر نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک رنگ جاگ دی تھی اور
 مجھے اس پر قطعاً حیرت نہیں ہوئی۔ وہ جن حالت سے وہ چل رہی تھی ان میں

اب اس وقت کیا ارادہ ہے؟

اب میں پڑھی چلیں گے۔

بہار گیارہ شصت کی صبح میں گئے ارادہ ترک کر دیا؟

میں نے اس کی وجہ میں سے مناسب نہیں ہوگا۔

ہم دونوں باہر کرتے ہوئے جب کے قریب پہنچ گئے اور قریب

پہنچے ہی میں چوکن پر چڑھ کر کھانے کا سبب دیا تھا جو چاکلہ جیب کی آڑ

سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا تھا۔ وضو نہ کیا تھا۔ قیام کیا کر دیا

اسی وقت ہلال کی نقاب چاند کے چہرے سے مٹ گئی۔ بکھوت ہوئے

والی چاندنی کی تابانی میں نے ایک خوش شکل انجی کو اپنے سامنے دیکھا

جس کے پاس ایک بکرہ بکری تھی اور وہاں میں سے ادا تھا۔

معاذ اللہ! یہ گارہ وہ جیسے منسوب ہے میں بولا۔ میں اپنے نکل

ہوئے پر جو خرمندہ ہوں لیکن صحت حال یہی ہے کہ میں آپ لوگوں کی

مدد حاصل کرنے بغیر یہ نہیں ہی رہوں گا۔

فریاد کیا؟ میں اسے جس نظر سے دیکھ رہی تھی۔

وضو نہ کیا تھا۔ جب میں نے حاکم میں اس بات سے واقف

تھی کہ اس کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔

دراصل؟ انجی نے کہا۔ میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل

پر آیا تھا لیکن وہ ایک خراب ہو گئی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک اسے ٹھیک

کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے وہ سب کے یہ جیب کی کھٹی

دی۔ میں فوراً اس طرف دوڑا کہ ایک کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں وہاں

پہنچا تو آپ لوگ جگہ چھوڑ کر گئے تھے۔ جیسے اب تک

میں نہیں کھڑا ہوا آپ لوگوں کا انتظار کیا ہوں۔ میرا خیال ہے دو

گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

بڑی زحمت ہوئی آپ کو؟ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

بچے ہیں کہا۔

وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

آپ اس کے گھر پر بارش آجائے۔

میں بہتر ہے۔ انجی نے کہا۔

میں سمجھتی کہ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

اس طرح میں انجی کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتی تھی

حالات میں وہ ہمیں ملا تھا۔ وہ خاصے پارسل تھے۔

ہونا۔ طاقت ہی کا ایک درجہ ہوتا ہے۔ بات چیت تو سہی کر

ہو لیکن شوق کے بغیر اس کی بات نہیں کیا جاسکتا تھا

جیسے شہر کی طرف فرار تے بھڑا خرچ کر دیا

زور دے کر کہاجو دار شوق کے معاملے میں تو شوق

دیکھ ہے۔ دیکھ لیا جاتے تو یہ ایک ہی معاملے کے وہ پیر

اب بھی باہر دار شوق کی جہلی میں قیام تھا اور کسی وقت

کے امکانات روشن تھے۔

آپ ان اطراف میں کس لئے آئے تھے؟

سے پوچھا۔

میں آج کل ایک فلم شری کہنے کے لئے رہا ہوں

کا جائزہ دے رہا ہوں۔

خوب! تو آپ انٹرویو دے رہی ہیں؟

ہوں تو نہیں لیکن ہوجاؤں گا۔ انجی نے

میری میری پہلی فلم پر۔

وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

بڑی بے تعلقی سے ادنیائت کر لیا۔ انٹرویو میں گفتگو

یہ انداز اس کی شخصیت سے اشتباہ کے نقاب کو اٹانے

فدا وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

کو پرکھ سکے۔

نکلت کر سانس لے لیتی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ

لوٹ نہ پاس انجی کی طرف ضرور راغب ہوتے

ان کرانا نام روف احمد بتایا تھا۔ مجھے یہ نام اس

میں پہلے نہیں محسوس ہوا۔ وہ اپنے بیان کے مطابق

اگر اتحاد میں ایک بڑی شہر میں تھا۔ پورٹریٹ کیل

کی دوست سے عارتانے کی تھی۔

کو بڑی کے سامنے لے گئی تو اس نے وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

کھٹے ہوئے مسکرا کر اپنے مرکوزیت کی جنبش کی

اس نے کہا اور جیسے اتر گیا۔

میں میں سننا بٹ کی بڑھتی چلی گئی۔ جب وہ

اس کی باتیں میری میری نظر میں آئی تھیں اس کے

دل کے کٹھن میں ایک ہی طرح نہیں تھا۔ مگر کئی

قلمیہ میرے ذہن نے فوراً ہی اس خیال پر صحت

کامیابی میں شخص ہادی مگر ان کے ادا تھا۔ وہی ایک

میں میں کڑی کا جالاس کے کٹ پر لگ گیا

میں میں ہو سکتی تھی۔

اب جب کہ حرکت میں لے آیا تھا اور اس انتظار

میں میں نے ایک مرتبہ چپ کر دیکھا بھی تھا۔ اس

میں میں ہوا اور ادا تھا۔

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

انجی بڑھ کر کہتا تھا کہ میری دنیا میں بولی۔

کیوں؟ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

صبح قریب ہے۔ میں اب سو گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اٹھ کر

دوڑنے ہو جاؤں گی۔

نہاں؟ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

جنوں کی طرح؟ میں نے جواب دیا۔ ہم وہاں سے چلے کوئے

میں لیکن نہاں کو ان لوگوں کے درمیان میں کچھ دیر بوجھنا کوئی خاص

بات نہیں ہوگی۔ جواب جیسے تھا کہ وہاں؟ یہ کہتے ہوئے میں جیب سے تھر

گئی تھی۔

وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

ریشیاں کے قتل کی وجہ سے پورس ایک کمرے کو کھینچ کر چلی گئی

لے اب مجھے اور وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

میں جیسے تھیں اس نے ایک آرام کرسی میں جو میرے ہونے پر کھڑا تھا۔ اس کو

میں کیا ضروری ہے کہ آپ وہاں تنہا جائیں؟ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

میں تم نہیں، جو مجھے میرے گھر پر کھڑا تھا۔ اس کوئی طاقت نہ ہو گی؟

میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ وضو نہ کیا تھا۔ جیسے ہونے سے

نہ نہ بنا کر کہا۔

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

میں میں کہتے ہوئے کہ گھر پر انداز میں کہا تھا

”مجھ کو بھی تو کوئی پرہیز ہے؟“
”کیا مطلب؟“
”اگر وہ شہر کیسے آتا؟“
”اگر وہ ہماری بھاری بھاری کربا تھا تو میں اس کی موٹر سائیکل والی کمائی کو جھوٹ کا پلندہ قرار دوں گی۔“
”نصوان جسے خود سے میری طرف دیکھنے لگا۔ شاید وہ میرے ذہن میں چلتے ہوئے خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے مگر کٹ ایک ہمارا کس لیا اور کسی کے کچھلے ہتھ سے ٹیک لگا کر انھیں منکر لیں۔ اس سال کے میرے ذہن میں یہ جھپٹ ہی پیدا کر دی تھی کہ مفت بے ہار سے قرب ہو کر ہمیں ضروری کیا تھا۔ کچھ دیر بعد میری طرف میں ہٹاؤ ہو گیا۔ پتوں میں زمین کے تار پیدا ہو گئے تھے۔ اکا دکا فٹوں کی آہیں سنائی دینے لگی تھیں۔ میں نے ٹیلیفون پر روم سروس سے رابطہ قائم کسے وہاں کے لئے ناشتے کی اجازت کی۔ پندرہ منٹ میں ناشتہ آگیا۔ ناشتے کے دوران میں خاموشی ہی رضوان اپنی سوچ میں اور میں اپنے خیالات میں گم تھی۔
”مجھے یقین تھا کہ گمانزدہ حق اپنے کسی میں ہم کوگا میں روانہ تھی سے قبل اس کے بعد ہدایات سے دینا چاہتی تھی اس لئے میں نے رضوان سے کہا کہ تم مجھ کو ایسے ہی باجی کھینچو میں آتی ہوں، پھر ہم دونوں ہوا پیلٹہ رضوان نے ہر بلا کر دیا اور میں رضوان کی طرف بڑھی۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ میں دروازہ کھول کر گولی کی بند کا منہ کھول دوں گی۔ ایک دھڑلا سا اندر گھسٹا چلا آیا اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ آئی اور میرے اوڑھنے میں سے کوئی بھی ٹیکر سے نہیں تھا۔ یقین دروازہ کھول کر دیکھا اور رضوان کو نوٹوں سے لئے ہوئے تھیں۔ انہی میں سے ایک نے اندر آتے ہی بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ”خبردار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دواہ کرے میں ایک وقت دواہ پر ہونا کی سرگوشیاں کو بھی نہیں۔“
”رضوان نے ہر انہیں دیکھنے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا! اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔“
”کیا تم نے نہیں سنا؟“ ایک دروازہ والا مجھے گھونٹا ہوا سخت بچے میں بولا۔
”میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں ساڈی ہانڈ سے ہوتے ہوں اور ساڈی میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔“
”تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ گڑبڑ!“
”میں نے بڑا سانس بنا کر ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں ابھی یہ نہیں سمجھ کی تھی کہ وہ کس قبل کے لوگ تھے۔ صورت شکل سے تو مجھے ساڈی میں معلوم ہوتے تھے یقین۔ ابھی ہر حال کوئی شہر قذبات میں تھی کہ کسی کمرے میں جبراً اٹھسا جائے اور ہاتھوں میں دروازہ پر موجود ہوں۔
ان میں سے ایک نے پتہ پتہ اور پتہ پتہ میں نکلا اور رضوان کی طرف

بڑھا۔ اس نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ رضوان کے میں حاضر نہ ہونے کے باوجود وہ فحاشا گھر کے رضوان کے تلاش کرنے لگا۔
میں سوچ رہی تھی کہ اگر یہ لوگ کسی سے ہیں تو گینڈو کی طرح سے اور رضوان کے پاس کوئی بڑی رقم ہوتی ہے۔ ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ کب سے ہیں۔ بلکہ انتہائی عجیب و غریب لاشیں تھیں سے قاتل تھی۔
ایک دروازہ والا کھڑے میری طرف اور دوسرا ہاتھ وہ دونوں پوری طرح کس فخر اور کسے تھے۔ آٹھ فٹ کے نہیں تھا۔ ان کا ساتھی رضوان کی طرف بڑھا تو میں پشیمان ہوئی۔
”کیا مطلب؟“ میرے منہ سے یہ عبارت نکلا۔
”تمہاری بھی تلاش ہی جانی ہے؟“ جواب میں دروازہ والا میری طرف اشارہ کرتی ہوئی تھی۔
”تیسرا آدمی میرے عقب میں پیچھے چلا تھا اور ہوتی جا رہی تھی کہ وہ میرے جسم کا ہاتھ لگائے۔ اب میں کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ کب سے مجھے کچھ کہہ رہے تھے۔ دالا اس بات سے خوب واقف تھا کہ وہ میرے ہیں لیکن جب میرے پاس کوئی ہتھیار تھا ہی نہیں۔ دونوں ٹیکر سے ہیں۔ اس لئے میں نے قاتل کو ”کمرے کی تلاش ہی مجھے دلاؤ!“ وہ نہ سنا۔
”کے دروازہ والا مجھے زخمی لئے ہوئے تھی۔“
”تینوں اور ساتھی میں تھا۔ تلاش کرنے والے میں کمرے کی تلاش میں بھی آئے کچھ ہاتھ نہ لگا۔“
”سے تپائی پر رکھا ہوا میرا پر اسٹا ہوا تو میں ایک مجبور ہو گئی۔“
”اس میں ہے ہسپتال؟“ تلاش کرنے والے نے مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کے پاس ہتھیار والے نہ ہو سکتا۔
”میں اس الجھن کا شکار تھی کہ آخر یہ لوگ کسی زور سے رہتے تھے۔ میری دانست میں تو انہوں نے وہ اپنے دروازوں کے زور پر ویسے ہی بہت کہ ”اب اندرونی کمرہ بھی دیکھو!“ ”سوٹ والا اس کی کیا ضرورت ہے؟“ جیٹ شرٹ والے اندرونی کمرے میں جانے ہی نہیں دیں گے۔
”یہ بھی ٹیک ہے؟“ سوٹ والے نے سر ہاتھ ”آخر تو وہ گاہے ہی ہوتے“ رضوان بولی۔
”صرف ایک من کا قیام لاشیں شرٹ والے نے

”کون سا پڑے گا؟“
میں نے دروازے کی طرف تدم بڑھا یا اور وہ بیٹھ کر اپنے والے کی فخر سے بچے کی سبیل کرنے لگے۔ سوٹ والا تو اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ ساتھی والے نے ایک صوفے کے آگے بیٹھ کر خود کو چھپا دیا اور میں جیٹ شرٹ والا ایک پردے کے پیچھے چھپ گیا۔
”میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کون سے والا کھڑے ہیں؟“ سوٹ والا دروازے کے آگے میری جواب تک مجھے سے منعقل گفتگو کر کے اپنی رپورٹ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ پس آفسیروں میں اپنے دلیں گھما کر قرار دے کی تھی اور مجھے اس سے کوئی فرق نہیں تھی لیکن اگر کمانڈر جنرل آجائے تو میں یہ امید باندھ سکتی تھی کہ آج وہ فحاشا کا رنگ پہچان لے۔ میں اسے کوئی اشارہ تو نہیں سکتی تھی، مگر وہ خود ہی صورت حال کو سمجھا لیتا تو بات بن سکتی تھی۔
لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو پس آفسیروں کی شکل نظر آئی، نہ کہ جیٹ شرٹ کی۔ وہ تو دروازہ کھول کر جیٹ شرٹ کے لیے آہٹا تھا۔ میں ایک ٹیڈی بے سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی لیکن وہ بیٹھ کر اس میں رہے، تاہم ان کے دروازہ اب بھی مجھے اور رضوان کو کشادہ نہ کئے ہوئے تھے۔ جب دروازے کے برتن کھینچ کر لے گیا تو وہ تینوں آٹھ سے نکل آئے۔ جیٹ شرٹ والے نے خود ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔
میں رضوان کے قریب جا بیٹھی۔
”میرے لباس میں اب بھی ایک دروازہ پر مشید ہے۔“ رضوان نے سندھی زبان میں سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا لیکن وہ سرگوشی اتنی تدم نہیں تھی کہ وہ تینوں اسے سمجھنے سے قاصر رہتے۔
میں نے جیٹ سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی بات ٹری لے گئی۔
”میں معلوم ہوئی تھی۔ وہ اب کتاھیں سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سرگوشی کر کے دیکھا اور سندھی میں ہی بولا۔ ”انہیں یہ زبان نہیں آتی۔ اگر یہ میری بات سمجھ جائے تو دروازہ کی تلاش میں میری طرف جھپٹ پڑے۔“
”ادہ!“ میں نے رضوان کا مقصد سمجھ کر ایک گہری سانس کھینچی اور پھر سرگوشی کر کے ”بعض اوقات تم بہت ذہانت کی حرکتیں کر جاتے ہو!“
”وہ تھیں لگ جاتی ہے کبھی کبھی۔“ رضوان نے معذرت بخیزگی سے کہا پھر بولا اب آپ کا کیا پروگرام ہے باوجود؟“
”میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔
”ہیں سندھی میں باتیں کرتے دیکھ کر ان تینوں نے معنی خیز نظر دوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی نہیں لگنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ شاید انہیں یہ اطمینان تھا کہ اگر ہم ان کے خلاف کوئی سازش کریں گے تو اس میں کیا سبب نہیں ہو سکتی گے۔ ان تینوں میں سے ایک تو تو کس پر چڑھ کر بیٹھ گیا

تھا اور دوسرے سے ایک مونس پر نشست جاتی تھی۔ تیسرا بیٹل
 پیس سے لڑکا کھڑا تھا۔
 ”میں اس کی کھیلنے بھر مند ہوں۔ میں نے رضوان سے
 کہا: آج دن میں اس پر نہ جانے کیا کر جائے۔ میں نے دانستہ الماس
 کا نام نہیں لیا تھا اور نام کی بجائے ”اس کی“ کے الفاظ استعمال
 کئے تھے۔“
 ”وہیں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اب ہم پر کیا کرے گی؟
 ”اسی تیز لہجے میں رضوان نے کسی خطرات کا رائے پایہ نہیں چلایا۔
 ”کچھ اندازہ لگایا کہ بارے میں؟“
 ”کوئی جتنی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ایک امکان بھی ہے کہ اس جہز
 کی کوئی ایک سہیل سے روکنے کے لیے اس یوں کو مارا گیا ہو۔“
 ”انہیں مامور کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“
 ”یہ سوال اور زیادہ پیچیدہ ہے۔“
 ”اس نئی بات کی بارے میں کیا خیال ہے جس نے شہر کرنے
 کے لیے ہم سے گفتگو کی تھی؟ رضوان نے روف احمد کا نام لینے سے
 احتراز کیا تھا۔
 ”اس کی شخصیت بہت زیادہ پراسرار ہے۔“
 ”کیا یہ ممکن نہیں کہ اس نے ان میٹروں کو کھینچا ہو؟“
 ”ممکنات کی بات چھوڑ دو۔ ہمیں تو حتمی طور پر معلوم ہونا چاہیے
 کہ ہم کس مرحلے سے گزر رہے ہیں۔“
 ”حتمی طور پر تو اب یہ معلوم کر رہے ہیں؟ رضوان نے جاہی
 لیے ہوئے کہا: ”میں تو اب سوچتا ہوں بڑا کھر۔“
 رضوان نے جوتے اُتارے اور بڑے مونس پر لیٹ کر آنکھیں
 بند کر لیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اتنا مطمئن ہوگا کہ جتنا
 ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
 وقت دھیرے دھیرے گزرا رہا۔ صبح کی روشنی اب پوری
 طرح پھیل چکی تھی۔ ان دونوں کے روبرو ان کے اپنے اپنے لٹائے
 فوٹا بھی نہیں بٹھے تھے۔ اب اس بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ درجائی
 فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اب کوئی بھی حرکت کوئی بھی راؤ کار نہیں
 ہو سکتا تھا لیکن میں اپنے ذہن پر بازو ڈھکی جلی جا رہی تھی۔ کوئی نہ
 کوئی خبر سوچنا بچھڑ رہی تھی۔
 دس بج گئے لیکن میرے ذہن نے ابوری نہیں کی۔ رضوان
 اب بچ بچ سوچتا تھا لیکن میری آنکھوں کی نیند کا فائدہ ہو چکی تھی۔
 کرنے میں سنا سنا چھایا ہوا تھا۔ وہ میٹروں کا پس میں بھی مخاطب نہیں
 ہو رہے تھے۔
 ”کیا یہ سچ ہے؟ کوئی خبر میری کچھ نہیں آ سکتی تھی۔ کہے پر
 چھایا ہوا سنا سنا مجھے بہت بوجھ محسوس ہونے لگا۔ میں ساڑھے تین
 میں کھس بیٹھ لیا۔ کوئی نہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی رہی تھی کہ

تھیں۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کر دیا تو ہمارے روبرو
 وہ میٹروں کی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔
 ”تھیں؟“ میں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔
 ”تھیں بات کرنے کی اجازت ہے۔“
 ”دیکھتے ہوئے گویا فیصلہ نہ کیا۔ لیکن خیال
 ہونے والے کو تو کسی معمولی سا اشارہ بھی نہیں
 میں کوئی جواب دیتے بغیر ٹیلیفون کے
 گھنٹی پر بروج رہی تھی لیکن رضوان اتنی گہری
 گھنٹی بھی اسے نہیں چٹکا سکی تھی۔
 ”ہیلو! میں نے ریسورٹ کا کمرہ ڈال
 مارا۔ صبح باؤ؟“ ہونٹ کے آدھے
 ”ہاں میں ابھی ہوں۔“
 ”بات کیجئے۔“ آدھے ٹرن کے بعد اس نے
 ”ہیلو! گماندہی کی جان بچاؤ آواز
 بڑی مشکل سے اپنی خوشی کے ساتھ کواپنے چہرے
 ”ہاں کیا بات ہے؟“ میں نے بولی۔
 ”زمت دینے کی دعا کی جا رہا ہوں۔
 میں اپنے کمرے میں بڑے بڑے ٹھیکہ کلاں
 کی طرف سے کوئی ہدایت نہ دینے کی وجہ سے
 ”ٹھیکہ سے تم آ سکتے ہو۔“
 ”جی!۔“
 ”میں تمہاری منتظر ہوں۔“ میں نے کہا۔
 ”منقطع کر دیا۔“
 ”اس کا کیا مطلب ہوا؟ سوٹ ڈالالے
 اسے یہاں کیوں بلایا؟“
 ”اس نے خود ہی پوچھا تھا کہ اس کے
 جواب دیا۔ اگر اس سے منہ کرتی تو اسے میرا
 ہوتی ہوگی۔ پچھلے کسی ایسا نہیں ہوا۔ آخر
 میں کوئی کزن کی کہ وہ جلد از جلد رخصت
 ”وہ ہے کون؟“
 ”میرا ایک دوست ہے۔“ میں نے
 لیا تھا کہ اندر ترقی سے دوستانہ انداز میں گھر
 تھا کہ وہ میرے اس بدلے ہوئے انداز سے
 طرف سے کوئی ہدایت نہ دینے کے باعث وہ
 ”یہ کال کہاں سے کی گئی تھی؟“ سوٹ
 ”یہ تو میں نے اس سے معلوم ہی نہیں کیا
 ”ہوں۔“ سوٹ والے نے کچھ سوچنے

سفرہ ہیں۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کر دیا تو ہمارے
 جب ڈر پھوٹے دروازے پر دستک ہوئی تو میں اس طرح
 چونک گئی تھیں کہ میں اس کی طرف اشارہ کر دیا تو
 مجھے گماندہی تھی کہ اس کی آمد ہی نہیں رہی تھی۔ میں اس کی
 کھڑی ہوئی اور سوالیہ نظروں سے ان تینوں کی طرف دیکھا۔
 سوٹ والے نے سر ہلا کر مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت دے کر
 پھر تینوں خود کو پوشیدہ کرنے کے لیے تیزی سے حرکت میں آ گئے۔
 ایک اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے کمرے کی آڑے کی اور
 تیسرا ”مونس“ کے کچھ چھپ گیا۔
 میں دروازے کی طرف بڑھی اور اس کی تیزی سے ان خطوط
 پر کام کرتا رہا کہ مجھے گماندہی تھی کہ اس انداز میں گفتگو شروع کر لی جائے۔
 میں نے دروازہ کھولا۔ اور جیت سے منہ پھاڑ کر رہ گئی۔
 دروازے کے باہر تانہ کھڑی تھی۔ دیواروں کے ایک دوسرے
 میری آغوش کو اپنے بدن کی خوشبو سے ہلکا چکی تھی۔ اس میرے
 دواؤں کے کمرے کے جہزوں کا ہدف بن گیا تھا اور رخصت ہوتے وقت وہ
 ناراض ناراض سی تھی۔ اس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ وہ خود بھی اندر
 میرے پاس آئے گی لیکن میری آنکھیں اسے اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔
 ”تم...“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس کے ساتھ
 ہی مجھے ان میٹروں کی ہدایت یاد آئی۔ میں جلدی سے دو تین دھیرے بڑھ
 گئی۔ دروازہ پر بھی گھر میں اسے اندر آنے کے لیے مامور دیا ہے۔
 وہ اندر آئی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی کی سی مسکراہٹ تھی۔ ہاتھ میں اس میں
 دلی کوئی نہیں اور اس اسے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کلاں سے سیدھی
 ”میں آئی ہے۔“
 ”مجھے دیکھ کر آپ حیران ہوئی ہیں نا؟“ وہ بڑی مصورت
 سے بولی۔
 میں آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کرنے لگی تھی۔ بڑھ کر میں نے
 مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ”کیا مجھے یہاں نہیں ہونا چاہیے
 دینے میں کہیں دیکھ کر خوش بھی ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محنت سے
 اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے ہوئے، مونس کی طرف
 بڑھی۔ ”یہاں تو کھڑا؟“ میں نے کہتے ہوئے کہیں اس کے ہاتھ سے لے
 میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔
 ”نادرہ کچھ عجیبی چینی سی تھی۔“ میں نے اسے آغوش کر کے چھایا
 تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ وہی ممانی
 پہنائی سی خوشبو، وہی شناسا مہل، جو گزشتہ روز مجھے ہلائی تھی، ہنسا
 پہن تھی۔ آج میرے سامنے ہی آئی تھی۔ اگر کوئی مجھے یہ پوچھتا کہ جوا کی
 راز کیا ہے تو میں جواب میں نادرا کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
 لڑکی تھی۔

”آپ کی ایک بات سے میرے حوصلے خراب ہوئے اور اسی لئے آج یہاں پہنچ گئی ہوں“۔ نادوہ نے بہت دیر سے لیجے میں اور بہت جلدیہ ہو کر کہا۔

”ادھر!“ میں ہنس پڑی۔ ”آخر ایسی کیا بات ہو گئی؟“

”میں نے ایک شخص کو کھائی ہے۔“ نادوہ نے کچھ دیر جھجھکی نظر آنے لگی۔ ”اور آپ نے اس کی چٹوڑی بھی کھائی تھی۔“

”وہ کیا؟“ میں نے قد سے حیرت سے پوچھا۔ ”میں نے کسی چٹوڑی کی تھی؟“

”آپ نے کہا تھا کہ ان مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔“

”ادھر!“ میں اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ ”کچھ کچھ اعزاء ہونے لگا تھا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔“

”یہ میری زندگی کا المیہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا اودہ دوسرے دن ہی پورا ہو گیا۔“ نادوہ کی بیٹوں پر دیکھائی دینے لگی تھی۔ ”قد سے توقف کر کے اس نے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی اور دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ ”جیسا کہ آپ نے کہا تھا، وہ ایک بھڑا جی ثابت ہوا کہ ایک کھل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کی خوش میں رہتا ہے۔ آپ کی چٹوڑی کے ایک دن بعد ہی یہ بات ثابت ہوئی۔ میں نے اسے ایک اور لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ میں مشتعل ہوئی اور اسے نظر انداز نہیں کر سکی۔ میں دندنا تو ہوئی اس کے قریب گئی اور لڑکی کے سامنے ہی اس پر برس پڑی جو بھی میرے منہ میں آیا۔ کبھی کبھی گئی۔ میرا انداز اتنا جاہلانہ اور آناشاندہ تھا کہ وہ بھی بے مروتی نہ کر سکا۔ اس نے میرے منہ پر طعنے مار دیا اور اس کے ساتھ ہی الفاظ میرے منہ میں ایک گئے۔ مجھے ڈر اور کسے طے نہ کر سکا۔ بوجہ یہ کیفیت ختم ہوئی تو مجھے اس پر ہلکا ہوجایا۔ مجھے طعنے مارنے والا وہ شخص تھا جو میرے حواس کی قیاسی کھانیا کرتا تھا۔ جب مجھے یہ احساس ہوا تو میں رو پڑی، میرا دل دوڑ پڑا، میرا پورا وجود رونے لگا اور میں رونے ہوئی وہاں سے چلی آئی۔“

”میں نے دیکھا کہ نادوہ اس وقت بھی رو رہی تھی اس کی کھانا

”انکھوں سے بہتے ہوئے اٹک اس کے حاضروں پر اپنی بیابان و قمر کر رہے تھے اس کے دل کا نود مہر نکلا تھا۔ وہ دیکھ کر ایک جھوٹ پڑی تھی اس کی چمکانی بندھ گئیں اور میں نے اسے اپنے سینے میں چھپانے کی کوشش کی۔ میں اس کی جگہ چپک رہی تھی اور اپنے بونٹوں سے اس کے آنسو پڑ رہی تھی۔ میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی۔ دل کا درد بہہ جاتا تو وہ پھر سکون ہو جاتی۔

”ڈرادیہ کے لئے میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ خوفناک اور اجنبی سال دیوالہ مجھے نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔“

کچھ دیر تک رونے کے بعد نادوہ کی آنسو بھر گئیں۔

”زندہ رہنا بھی ایک فن ہے نادوہ۔“

پہلی بار زبان کھولی۔ ”جب تک درد کے پھولوں کو اٹا تاں کچھ لوگوں سے جان کر نہیں لیتی اس فن پر دسترس فن نہیں سیکھنا چاہیے۔“

”یہ تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی ناکامی پر روئی؟“

”ہر آدمی کو افسوس ہوتا ہے۔ یہ افسوس تو میں نے اپنے دل میں اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھتی تھی لیکن اس واقعہ نے پاش پاش کر دیا ہے۔ یہ تم اس طرح فرما رہے کہ زندگی اس کی تھی کہ کاشکار ہوں گی۔“

”اس میں اس کا کئی کاشکار ہوتا ہے۔“

حوادث کا مجموعہ ہے ہمارے زندگی۔ یہ حقائق ہیں۔ میں میں تو حادثوں کو مسلم سمجھتی ہوں۔ ان سے بڑا یہ یقین جو کچھ کہتا ہے اس کے گرد میں باندھ لو اور اس کے خاتمہ کے لئے میں مل بیڑی۔“

”کیا میں مجھ سونگتی ہوں؟“ نادوہ نے

”ہاں ہاں بیکر نہیں۔۔۔۔۔ وہ سے کرے سے مشکب ہاتھ درم کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ کچھ کہتا ہے کہ ہم کی طرف چلی آئی اور جیسے ہی وہ دروازہ بند کیا کہ اس نے اس میں جیسے ہی اس لڑکی کو جلد از جلد دن کے میں جیسے چوک پڑی بیٹوں کی کس

لوٹ آئی۔

یہ سب کچھ تو ہوا تھا مگر رضوان کی زندگی ”میں یا تم نے؟“ غزالیٹ بھرنا

مجھے انبات میں سر ہلانا پڑا اس وقت میں کر رہی تھی۔ اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو نادوہ کے لٹکے تھا لیکن مجھے پھر خیال آیا کہ انکھوں نہ ہوتے یہاں نہ ہوتی۔ پروگرام کے مطابق تو مجھے اس وقت قریب دروازہ میں ہونا چاہیے تھا۔ یہ خیال آیا تو مجھے الماس کے ساتھ جا کر دروازہ کھولا، ٹھکانہ ڈنگ

مجھ آیا۔ ایک جال سما گیا ہوا تھا اور میں اس کے ہوئی نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ آواز میں کیٹن آواز میں کیٹن کی شخصیت بھی ٹوٹ گئی۔

میرے ذہن میں ابھرتی ہوئی یہ ساری اندھیرے میں ڈوب گئیں جب نادوہ ہاتھ درم اس کا دھلا ہوا چہرہ پیش کی طرح تر داناہ نظر

لہری پڑا ڈال کر بولی۔ ”ایجاب اجازت دیجئے۔“

”کل سوزنا۔“ میں نے اس کی نگاہیں اسے ہٹاتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ میں نے ناکی اور بری کئی تھی اور دل ہی دل میں خدا سے دعا کر رہی تھی کہ نادوہ کو جلد ہی کسی دوسرے خالق کو ہلاک کر دے۔

میں اسے ہٹاتے ہوئے دے کر دھانسنے کی طرف گئی۔

”اس وقت میں مزاحیہ سامعین کر رہی ہوں۔“

”اس وقت میں سوزنا کہ نادوہ نے جھپٹے جھپٹے سے اعزاز میں کہا اوز میں کچھ ٹی کر کے کیا یاد کیا تھا۔ میں جس پڑی۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ خدا حافظ!“ نادوہ نے باہر نکلے ہوئے کہا۔

”خدا حافظ!“ میں نے جواباً ہاتھ لایا اور جب میں دروازہ

بلاٹ کر کے مڑی تو وہ تینوں اپنی اپنی پناہ گاہوں سے باہر آچکے تھے۔ ان کے چہروں پر انکھوں کے تاثرات تھے مگر وہ اس لئے پرچہ سے نہیں اٹھے کہ میں نے نادوہ کو اتنی دیر کوں ٹھانے رکھا تھا۔

میں بھی خاموشی سے سونے پر بیٹھ گئی اور تینوں سے ایک میگزین اٹھا کر اس طرح درم کر دینی تھی جیسے اگر وہ ناچوں جیو ٹوٹو گار ہو لیکن میرا ذہن نادوہ کی خالی میں اچھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کونسا وہ خالی کب کھولے گی، شاید وہ کھرا کھرا کھانے کے بعد اسٹڈی کر سکتے تھے۔ اسی صورت میں اس کی نظریہ کی تحریر پر دھنکی تھی۔

تین بجے کے قریب رضوان کے ساتھ جسم میں کھلا بیٹھ گئی ہوئی پھر اس نے انکھیں کھولیں اور ایک انٹوائی کے کھانے لگا۔

”بہت کم کھائے؟“ یہ اچھا نظر نہ تھا۔

”رضوان نے اپنی کھڑی پر نظر ڈالی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ”اگر تین بج گئے۔“

”اور اس دوران میں وہ کچھ ہوجا ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ میں نے سندی زبان میں کہا۔

”یعنی؟“ رضوان نے پلٹ کر دیکھا کہ کتے ہوئے پوچھا اور سگریٹ کا بیٹھ کھولنے لگا۔

میں نے اسے تعقیب سے سارے واقعات بتا دیے اور رضوان نے وہ سب کچھ بڑے انہماک سے سنا جب میں خاموش ہو گئی تو وہ بولا۔ ”گو یا نادوہ ہادی نجات دہندہ بن گئی ہے؟“

”ایک امکان تو ہے۔“

رضوان نے سگریٹ نکالی تھی وہ کچھ سوتا ہوا کھٹکے کش لیتا ہوا پھر اچانک اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اردو میں بولا۔

”معدے میں بڑا بڑا کولر مشا جھپا ہوا ہے۔“

”سنو!“ سگریٹ والا بول پڑا۔ ”ننگ کچا جو تو دم سروں کو کر دے کر اپنے لئے کھانا بھی کھاتے ہو۔“

”اور تو کس؟“ رضوان نے پوچھا۔

”ہم کھا کھا کر لے کر کئی روز تک زندہ رہ گئے ہیں! سگریٹ

"یہ جلد سے بازی ہیں نہیں آتی۔" رضوان نے بڑھانے والے انداز میں کہا۔

میں کچھ بھی سمجھتی تھی کہ ان تیزوں کو جو کاربنا کیوں گوارہ ہے۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لیتا جانتے تھے۔ اگر وہ کی بجائے پانچ افراد کا کھانا منگا جایا تو وہ دم سروس اور ان کو اس پر تعجب ہو سکتا تھا۔

رضوان نے فون کا ریسپونڈر اٹھا کر دم سروس سے رابطہ قائم کیا اور دو آدمیوں کے لئے کھانے کی ہدایت دی۔

جب ویرٹکا کھانے کے آیا تو وہ بیٹوں پر چڑھی اپنی پناہ کاہل میں چھپ چکے۔

کھانے کے دوران میں رضوان پر ایک بار بھی کسی سوچ کا دورہ نہ کیا اور وہ مجھ سے بالکل غائب نہیں ہوا۔ ادھر میں بھی صوفی کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ شاید اس نادانہ نے اپنی خالی کھول کر دیکھ لی ہو۔

کھانا کھانے کے بعد رضوان کے ساتھ میں نے بھی سگریٹ پکائی۔ رضوان کے چہرے پر سکون ہی سکون کھل اٹھا تھا لیکن میں اندازہ کر سکتی تھی کہ یہ دلیر ہی سکون ہے جیسا میرے چہرے پر نظر آ رہا ہو گا۔ وہ حقیقت میں جتنی بھی نشان تھی، اس سے زیادہ پریشانی رضوان کو ہو گی۔ میں نہ صرف اپنے لئے بلکہ انہی کے لئے بھی تشویش محسوس کرتی تھی کہ اسے اس پر کیا گزری ہو گی؟ میں اندازہ لگانے سے تاثر تھی۔

کچھ دیر بعد ویرٹکا آیا اور کھانے کے بیٹن لے کر چلا گیا۔ اس وقت میں ان دونوں نے خود کو پوشیدہ رکھا۔

"آج تمہارا جوڑو اور دیر لگت سب جھڑا رہ گیا۔" رضوان نے بڑا سارے بنا کر منہ میں کہا۔

"دنیا میں جوڑو اور گزرت کا جو سب سے بڑا ہے وہ بھی اس پھریش میں ہے جس ہوسا نے کہا جب دور الہ اند سانسے ہوں اور دیرمائی کا سوسو میں آٹھ فٹ سے کم نہ ہوں گی کیا جا سکتا ہے؟"

"یہ تو میں اس وقت جانتا جب اس فن کا ماہر ہوتا۔"

"نہ صرف ان باتیں کہوں کہ رہا ہوں میں جھجھکی۔"

"وقت گزری کے لئے کچھ تو ہونا چاہیے۔" رضوان نے بڑی سادگی سے کہا۔ "اگر آپ اجابت دیں تو حقیقت باتیں شروع ہوں گی۔"

"لیکن اب خاموش ہو جاؤ۔" میری جھجھک بٹ بڑھ گئی۔

"اچھا! رضوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چپ ہو گیا۔

پھر شام ہو گئے وہ خاموش ہی رہا تھا۔

بٹن شرٹ والے نے مین دیباہ کر کے کی چادر اور بٹیاں روشن کر دیں اور رات کی تاریکی پھیلنے سے کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔

سات بج چکے تھے جب رضوان نے دم سروس سے رابطہ

قائم کر کے چائے کے لئے کہا۔ ان تیزوں نے اتفاقاً بھی ملک ان کے رویتے میں کوئی ایسا ہلکا معاندانہ کہا جا سکتا جب دیر چائے کے کمرے اور جب دیر چائے کا تودہ چہرے سے اٹکے۔ کیا چائے میں بھی حرکت نہیں کی تھی۔ سارا دن انہی کمرے میں رہا تھا۔

آدمی نے غصے سے بڑا کر دیا اور چائے کے کمرے کو دس منٹ بعد جب دروازے پر دستک ہوئی پڑا۔ ویرٹکا نے کمرے کا چائے کھاسا اس لئے اب اس گھن نہیں تھی جب تک اسے بلایا نہ جاتا۔

میں نے کمرے پر چلنے سے روک دیا۔

کیا اور سوال یہ تھوڑے سے ان تیزوں کی طرف دیکھ دو وارے کھانے کا اشارہ کیا اور دیر چائے کی بڑی میں پہنچے۔

میں دروازے کی طرف بڑھی۔ رضوان اپنے کی نظر دو خانے کی طرف تھی۔

میں نے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی چکر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دستک دینے والا نہ سوت اس میں اس وقت بھی فضا اساتھ نظر آ رہا۔

پر دستک ہٹ کھین لی تھی۔ دباؤں ہاتھ کوٹ کی کر ایک قدم پیچھے ہٹتی تھی کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی ہیرا یہ خضرہ علاقہ ثابت ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ میں اس کے ہاتھ میں ایک بے ضرر کی چیز دھیں۔

"احتفاظ فرمائیے!" اس نے کارڈ میری طرف کرکھا اور کمرے میں آ گیا۔

غیر شعوری طور پر میرے ہاتھ نے تیش کا ہاتھ سے میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ کارڈ پر کھیا پر پریزنٹ ڈفٹ احمد فرام۔ سی۔ آئی۔ اے

میں نے حیرت سے منہ کھول کر اس کی طرف پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ پلٹ گانے کے کمرے پر ایک خانہ نے نظر ڈالی۔

"اب تجھے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے تیزی سے گھوم کر کچھ دیکھ دیا۔

میں نکل رہے تھے ادب ان میں سے کسی کے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

رضوان کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار۔

جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

دن بھر آپ کو میری دوجہ سے نصرت ہوئی؟

"میرا خیال ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں؟ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں خود بھی ان تکلفات میں نہیں پڑنا چاہتا کیونکہ وقت بہت کم ہے؟" رؤف احمد نے پوچھنا شروع کیا تو میں نے ہنس کر کہا اور پھر ننگے جھک کر بہت ہی تدریس کرکشی میں بولا۔ ہر پریزیڈنٹ کی وقت آپ سے ملنا چاہیے میں۔

"پریزیڈنٹ؟" میں نے حیرت سے کہا۔ کون پریزیڈنٹ؟

"آہستہ پریزیڈنٹ رؤف احمد نے پہلے ہی کے سے انداز میں سرگوشی کی۔

"پریزیڈنٹ سے میری مراد صدر ملک سے ہے؟"

میں سنبھلتے ہی اس کی یہ تصور رکھی تھی کہ کسی وقت خود پریزیڈنٹ مجھ سے ملنے کے خواہشمند ہوں گے۔

رؤف احمد پھر بولا۔ آپ کو اس وقت میرے ساتھ پریزیڈنٹ ہاؤس چلنا ہے اور میرے والی اس حالات کا طرہ بھی ملک کی تھی جو فرزند کو نہیں ہے۔ پریزیڈنٹ کی خواہش ہے کہ وہ جو تھا تو مجھے ہیلا نہ ہو۔

میں رؤف احمد کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ وقت بہت کم ہے۔" رؤف احمد اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر عرض کیا۔ انداز میں بولا۔

"یہ سارا آنا اہم ہے کہ میں سوچنے کے لئے وقت چاہوں گی۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"اودہ! رؤف احمد کی آنکھوں سے پاشانی جھلکتی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا۔ "اچھا بات ہے۔ آپ ہاؤس پریزیڈنٹ سوچ لیں۔ دراصل وقت کی کمی اس لئے ہے کہ پریزیڈنٹ رات ہی کو کسی وقت کتنی جلدی ہے۔ میں اور روایتی سے مل آپ سے ملنا چاہتے ہیں؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا میں اس معاملے میں اسوچے کچھ بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ اپنی خفیہ ملاقات کا سبب میری فکر میں نہیں کہ ہاتھ اور نہ چلنے کیوں ہیں یہ محسوس کرنے کی تھی جیسے غریب میں کسی سیاسی اسکینڈل میں بھی ملوث ہو جاؤں گی۔

ان دنوں ملک کے حالات بڑے نازک و ترسوس ہوسے تھے۔ پریزیڈنٹ کی شخصیت لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہو چکی تھی سیاسی فضا میں جس ساتھ احمد ادا کی وقت بھی برس سکتے تھے۔ ان حالات میں پریزیڈنٹ سے یہ خفیہ ملاقات کرتے ہوئے میرا دل دور رہا تھا۔ گو کہ اس سے پہلے خود میں نے پریزیڈنٹ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا احمد ان سے مل بھی چکی تھی لیکن یہ صورت حال بہت مختلف تھی کہ خود پریزیڈنٹ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔

"پانچ منٹ ہو گئے؟" رؤف احمد تو اس لئے خیالات سے بڑھ گیا۔

"اچھا... چلئے!" میں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے فیصلہ کیا۔

"آپ مشر رضوان کو بھی یہ نہیں بتائیں گی کہ آپ میسر ساتھ کب

”بہتر ہے؟ میں نے کہا۔“

میں دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ پریسڈنٹ سے ملنے کے بعد اگر میں نے اس ملاقات کے لیے منظر میں کسی کا اشتباہ محسوس کیا تو پھر میں اپنی پہلی فرصت میں وزیر خارجہ سے بھی اپنے طور پر ایک خفیہ ملاقات ضرور کروں گی۔ سیاسی افق پر وہی ایک ایسا چہرہ تھا جس پر اعتبار کر لینے کو جی چاہتا تھا۔

تہران ایئر پورٹ کے دی، آئی، پی روم میں ان سے میری ایک ملاقات ہو چکی تھی اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگر مجھ پر کسی معاملے میں مجھے ان کی مدد درکار ہو تو ان سے فوراً مل لوں۔ اب شاید وہ وقت قریب آگیا تھا جب مجھے ان سے ملنا پڑتا۔

پرنسٹن ڈیپارٹمنٹ آف امریکن اسٹڈیز کا رہا تھا اور میں اس کے برابریں بیٹھی ہوئی تھی۔ ملک کی سیاسی فضا کے دائرہ پر میرے ذہن میں پھیل کر دو بجائے ہوئے تھے۔ ان سب باتوں کو اس منظر میں دیکھ کر میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ صدر مملکت میری یہ ملاقات کس نوعیت کی ہوگی؟ میرا احساس بڑا عجیب تھا کہ کسی سیاسی گورکھ دھندے میں پھنسنے والی ہوں۔ ایسے لیے بنیاد خیالات کو عموماً احقاقق قرار دیا جاتا ہے لیکن صدفیدو مقبول پر ایسا نہیں ہوا۔ بعض اوقات اس قسم کے خیالات چھٹی حس کا کرشمہ ہوتے ہیں اور حیات انسانی کا یہ عجوبہ کہ لکینی یہ پراسرار بھیجی جس ’مردوں کی برائست عورتوں میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔ بعد میں یہ ثابت بھی ہو گیا کہ میرا خیال احقاقق نہیں بلکہ چھٹی حس کا کرشمہ تھا۔

میری قوت فکر کی روشنی مستقبل کے دھندلے میں داخل ہونے کی کوشش کرتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ زمانہ حال و ماضی کی الجھی ہوئی وڈیو بھی میرا استخوان پتی رہی۔ روف احمد نے مجھے سارا دن ہونے کے لیے میں مجس رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ مجھے یہ جاننے کا بھی اضطراب تھا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔ میں خاص طور سے الماس کے لئے فکرمند تھی۔ جس کے وجود کی ہنسا کرسی ’غوش کی زینت بننے کی بجائے جاگیردار شوکت کے زناں میں مجس تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا اثری ہوگی لیکن میرے خیال کے مطابق روف احمد کو اس کے بارے میں مکمل معلومات ہوں گی۔

راہ میں مجھے روف احمد سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ قنصل صدارت تک کا فاصلہ طے ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

پھر رسمی کارروائی میں بھی زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور مجھے اس کے لیے پہنچا دیا گیا جہاں صدر کی پُر وقت شخصیت میری منتظر تھی۔

ان کے چہرے سے تشکر کا اظہار ہوا تھا۔ پیشانی پر بڑی ہونٹیں لیکن مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے تاثرات لانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں سلام کیا اور جواب دیا اور بولے۔

”تم حیران تو ہو گئی کس نے تمہیں کیوں بلایا؟ میں نے اُن کی کے اندازہ مطابق اس میں نمایاں ملاقاتیں نہیں تھیں۔“ ”مگر کہ مخاطب نہیں؟“ ”یہ تعلقی کچھ نہیں گزری۔ میں نے اس سے پہلے کتنی کتنی کڑوہ بہر حال عین مجھ سے طے تھے۔“

”میری حیرت ایک قدرتی امر ہے جناب والا۔“ ”کیا آپ کے خیال میں مجھے حیران نہیں ہونا چاہیے؟“ ”صدر اہم سے پہلے لیکن فوراً ہی پھر۔“ ”آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں جناب۔“

”پریشان؟ ہاں میں پریشان تو ہوں لیکن مطابق بہت پریشان نہیں ہوں۔“ صدر مسکرائے۔ ”زادہ جانا انہیں بھی، واصل میں تم سے اُن کی کہنا چاہتا تھا۔ وہ دوبارہ تو تمہارے لیے پریشان رہے۔“ ”جی نہیں۔“ ”مجھے ان سے کچھ کڑی شکایت نہیں۔“ ”آج مجھے ان دو دیاروں سے بڑی گھٹن۔“ ”چاہے صدر کھڑے ہوئے۔“ ”آؤ ذرا برابریں۔“ ”ہاں،“ ”میرا متوجہ ہونا فطری تھا۔“

”ہاں میری مراد باتیں باغ سے ہے۔“ میں اپنے ذہن میں الجھ کر رہی تھی۔ صدر کا سے بالاتر تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے ہوئے کہ باغ تک چلے آئے۔ سیکورٹی کے آدمیوں کو اب دایت کر دی تھی۔

باتیں باغ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھیں۔ ایک جگہ راستان سا بنایا ہوا تھا جس میں تھیں۔ اس جگہ بیٹھ کر اس پاس کے احوال سمجھنے کے لیے اس جگہ کا انتخاب کر کے مجھے یہ سوچا کہ وہ مجھ سے کوئی اہم ترین گفتگو کرنے والے ہیں، اگر لفظ بھی کسی اور کے کا توں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ میں سنا سنا کر کچھ بھولتی ہوئی محسوس کرنے لگی اور میں ناہمواری لگتی۔ مختصر میں کسی اہم معاملے بننے والی تھی۔

”بیٹھو!“ صدر نے سنا سنا کر کہہ کر

”مگر یہ جتناب والا!“ میں نے چونک کر کہا اور ان کے لڑکھائی سے بہت پریشان نظر آ رہی ہو!“ ”صدر ایک

”میں تو نہیں لیکن میں بہت بُری طرح الجھ کر رہ گئی ہوں۔“ ”بے پیسے آپ کو کئی ایسی گفتگو چھپانے والے ہیں جس کی گنجشک۔“

”احساس بالکل درست ہے۔ میں ایک ایسی گفتگو کو کہتا ہوں جسے بہت عجیب و غریب ہوگی،“ ”صدر کے اُپروں نے میرے اعصابی تناؤ میں اضافہ کر دیا۔“ ”سنا کر کایک گہرا کش لیا اور کچھ سوچنے لگے۔ ایسا ظلم تھا کہ وہ کاغذ کرنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔“ ”میں نے بولنا شروع کیا تو ان کا انداز ایسا تھا

”میری احتیاط سے چن چن کر لفظ در لفظ ہوں۔“ ”بات سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں پھر جانو میں عورت ہوں، اس لئے مجھے یقین ہے کہ میں کچھ کہنے سے اپنے دل کے مدفن میں چھپا دوں گی، اگر مجھ کو اس وقت میرے سامنے نہ ہوں،“ ”صدر نے قدرے کے دو ایک کلمے کے بعد دوبارہ بولنے لگے۔“ ”ہر طرح تم بھی یہ جانتی ہوگی کہ آج کا امریکہ خود کو ساری دنیا کا ہے۔ صرف مجھے لگا ہے کہ وہ دوسروں کو یہ نام کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی ایکسی اتھانی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ساری دنیا میں ہر طرف بعض چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے سربراہ ہوتے جاتے ہیں جن ملکوں کی فضا میں امریکہ کی طاقت دالیں بجتی ہیں بہت زیادہ متحرک ہو جاتی ہے۔“

”امریکا پاکستان میں بھی ہو گئی ہے۔“ ”میں متیاط سے پہلو بدلا جیسے مجھے خدشہ ہو کہ عدم امن صدر کی اس دواں دواں تقریر کو کوشش پہنچا کر میں دے۔“ ”میری دے ہوئے سنا کہ سب پر داکھ جمع ہوئی۔“ ”میں جگہ جگہ سلٹنے لگیں۔ جب کوئی سربراہ مملکت کے کاڈر کر رہا ہو تو مجھ کو لینا چاہیے کہ کس

”میں کس سربراہ بولنا شروع کیا۔“ ”میری زاد افواجی لہجی اور اس امر کی طبع ناک پر گراں گزری ہے۔“ ”صدر امریکہ کی خواہش ہے کہ کہیں کو دھتکار دیں جبکہ

چون ہمارا سب سے بڑا غلط دوست ہے۔ ہم اس کو ہر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اس موقف کو محسوس کر کے امریکہ نے پچھلے دنوں عوام کو بغاوت پر اکسانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی یہ سازش کامیاب نہیں ہو سکی۔ قبل از وقت، میں انقباض تھا۔ غالباً اسی کے نتیجے میں امریکہ مغربی جہان کے غم کو داپس امریکہ بلایا۔ اسے ان کی جگہ دسوں کو بھیجا جائے گا خیال اغلب ہے کہ یہ سٹرل ایٹمی جیسے ایٹمی کیا تربیت یافتہ عملہ پاکستان کو کوئی ناگہان کھلانے کی کوشش کرے گا۔“

میں دھیرے سے سر ہل کر رہی۔ میرا اعصابی تناؤ بڑھتا ہی جا رہا تھا کیونکہ صدر نے ابھی تک یہ بات نہیں بتائی تھی کہ میرے سامنے کون سا باتوں کے اظہار سے ان کا مقصد کیا ہے۔

”وہ مسلسل بولتے رہے۔“ اس وقت ہمارا ملک اپنی تاریخ کے بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہندوستان کی ہمسائیگی میں نہ تو ماضی میں اس کی ہے اور نہ مستقبل میں اس کے اس آئے کا کوئی امکان ہے۔ گوکہ عائدہ دن کچھ کے بعد ہمارے تعلقات بظاہر کچھ خوشگوار ہو چکے ہیں لیکن حقیقی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کل یہ ادھت کس کرڈ بھیے گا۔“ ”آئی اسے ان حالات کو اپنی مقصد راری کے لئے استعمال کر سکتی ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو کسی نقصان کا سامنا ہے۔“

”اب میری قوت برداشت جواب دے گئی اور میں بول پڑی۔“ ”لیکن جناب والا اس سے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ مجھے سب کچھ کیوں بتا رہے ہیں۔ میں نہ تو اپنے ملک کی سرکاری مشینری کا کوئی بندہ ہوں نہ پولیٹیشن ہوں۔“

”میں نہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم بہت وطن ہو۔“ ”محب وطن تو ہر ملک کی ہے جناب والا! غداروں کی تعداد تو گنتی جتنی ہوگی۔“

”جنگ ہر پاکستانی محب وطن ہے لیکن ہر پاکستانی میں وہ صلاحیت نہیں ہوگی جو تم میں ہے۔“

”میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھتی جناب والا! ہر پاکستانی تو ہوگی لیکن مجھے عرض کر کے دیجئے کہ میں آپ سے صاف صاف گفتگو کی منتھی ہوں۔“

”میں اب صاف صاف ہی گفتگو کر دیا گا۔“ ”صدر نے کہا لیکن اس گفتگو سے پہلے یہ سب کچھ تناؤ زد تھی۔“ ”صدر نے سنا کر کاش لینا چاہا مگر ناکام ہوئے کیونکہ سنا کر کاش چکا تھا۔ انہوں نے لائبرٹ کے بانی جیمس ڈیولیس اور جب لائبرٹ میں لاکھ ہوں نے سنا کر کاش کیا۔ ایک شخص کی سائنس کی اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ میں وقت میری ذات امریکی سی آئی، اسے کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کلکٹ رہی ہے اور خدشہ ہے کہ وہ لوگ اس کانٹے کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوششیں کریں گے۔“

ہی انتخاب ہوں کیا ہے ؟
 ”جی، حجاب!“ میں نے مسک کر کہے تو کہا
 ”اگر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہوتا تو یہ غالباً
 ہٹی ہوتی۔“
 میرے اس جلیقہ پر صدر بڑی خوشدلی سے مسکائے
 سی ہنسی کے ساتھ بولے ”دعا میں اس درد ان میں
 خاصی تھیں کہ چکا ہوں۔ شائد اس ملک میں بیگم پر تباہ گلاہ کے
 شخص ہوں جو تمہارے ماضی کا علم ہو چکا ہے۔“
 دواگ۔ کیا: ”میں بولہا کر کھڑی ہوئی۔
 ”وہ بیٹھو، بیٹھو!“ صدر نے ہاتھ اٹھا کر تسلی کی۔
 کہانی میں دھندہ کرتا ہوں کہ تمہارے ماضی پر پڑے ہوئے
 ایک پردہ بھی میری وجہ سے نہیں اٹھے گا۔ میں
 اٹھا کر جو کچھ دیکھا ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھول
 کروں گا۔ تمہارا ہر لڑکپن کے سینے میں دفن رہے گا۔ بغیر حق
 کو۔۔ ہاں کوئی نہ کہہا تھا کہ میں تمہارے پاس نہ
 چکا ہوں تمہاری شخصیت کا وہ پہلو جو میری طرح میری ارد
 ہے خلائی فوجدار کہتے ہیں کوئی جرح نہیں۔ تم معاشرت
 سامنے جس طرح سینہ سپر ہو جاتی ہو اس طرح کوئی
 کر سکتا ہے۔ میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ تم بڑی منقسم
 اور انہی شخصیتوں میں سے تھا۔ ایک سو پ معاشرت کی
 اعتراض بھی ہے لیکن میں اس موضوع پر تم سے کوئی
 کرنا چاہتا۔“
 میں سمجھ گئی کہ صدر کا اشارہ میری ہم جنس
 گو کہ میں اس سلسلے میں اپنے نظریات اور دلائل کئی دلوں
 اس موضوع پر گفتگو کرنے کے مؤید نہیں تھے لہذا میں
 بحث کرنے کی ضرورت تو اس وقت ہوئی جب میں عقل
 بر کوئی جارواں چلا کرتا۔
 صدر کہتے رہے ”تمہاری شخصیت کا وہ پہلا
 خلائی فوجدار رکھا ہے اس کے پاس میں تازہ ترین
 سے حاصل ہوئی تفصیل اور وہ آخری باتیں تھیں جو مجھ
 کے بعد ہی میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تم سے یہ کام لوں گا
 فیصلہ دیا ہے کہ تم یہ کام کرنا چاہو گی یا نہیں۔ میں تم پر
 ڈانٹا چاہتا۔ تم سوچ سمجھ کر بڑی آزادی سے کوئی فیصلہ
 ضرور چاہو گے گا کہ تم میری خواہش کے خلاف فیصلہ
 کا ذکر نہ ہی سے نہ کرنا جو اس وقت تمہارے مابین ہوگی
 بھی فیصلہ کرے اس سے روٹ کر گاہ کر دینا۔ وہی ایک
 جس پر میں مکمل اعتماد کر سکتا ہوں۔ وہ میرے

۵۶
 مسما تھو روف کا جو رویہ۔۔۔“
 کہ اسے میں تھو روف ہی سے بات کرنا، صدر نے اپنی
 لکھری بات کاٹنے ہوئے کہا، ”مجھ ان سب باتوں کا علم
 ان کی ہی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے
 اب مجھے اسید سے تم روف سے گفتگو کو تو کسی ملحق
 تم اسے اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کر دینا۔ وہ مجھے اس کے
 بارے دیگا۔“ آخری جملہ کہ مرید کھڑے ہو گئے۔
 بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
 کا راجت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ اس کی چپ رہ
 تھا کہ ایک سربراہی حکومت کے وقت کا ایک ایک لمحہ تھا اور
 یہ۔۔۔
 کہ جو کام سوچنا پاتے تھے میں اس کے بارے میں ایک
 فی لیکن جب صدر نے خود ہی مجھ ایک دن کی ہمت
 نہ بھی نہی مناسب سمجھا کہ انظار میں کوئی جملت نہ کر
 پہلے میں وزیر خارجہ سے ضرور ملنا چاہتی تھی۔ اور میرا
 جان سے اس گفتگو کو چھاپا۔ وہ ایک ایسی شخصیت
 کرنے کو میرا دل چاہتا تھا۔ ان سیاسی جھگڑوں میں
 ان کی امور کے حالات سے باخبر نہ تھی۔
 رت سے وابستہ نہیں نے روف احمد کو ان سوالات کا
 نہ وہ سن کر اچھا سے ہوتے تھے سوالات کی اس بوجھ اور
 ملی سکر ایٹ کی ڈھال پر رد کا اور چرکا یہ آپ کے
 کی اری جواب دینا اور ذرا مشکل ہے لہذا بہتر ہو گا کہ میں
 سے اتفاق دہرا چلا جاؤں میری اس کہانی میں آپ کو
 جواب مل جائے گا۔“
 میں نے سر اٹھ کر کہا۔
 وقت بھی ڈاکٹر کو ایک سیٹ روف نے ہی سمجھا لیکن کچھ
 مگر نہ ہی رہی اور اس نے ہون شروع کیا۔ غالباً یہ
 میں ان کے عمل کا ایسے پورس کے ہاتھوں سے نکل کر
 ہیں کہ اس آگیا ہے۔ اس میں سے پہلے ہی میں
 میں قیامت شروع کر چکا تھا۔ میرا یہ عمل ان میں بہتر
 وہ تھا۔ پھر جب ریشمال کے قتل کا معاملہ میرے غم
 کو شش کر کے اسے اپنے ہاتھ میں لیا۔ کل جب کہ
 کے گاؤں کی طرف روانہ ہوئی تھیں تو میں اپنی داڑھی کو
 میں کل پر آپ کے تعاقب میں تھا۔ جنوں کی گڑھی میں
 لڑکھی اور جب آپ اس قیدی رشتی کے کمرے میں پہنچے
 میں سے نکل کر آپ کی جیب کے پاس پہنچا جس پر آپ کی اد

[illegible]

اور کڑی پرہیزگاری ہوئی تھی پر بظرفانی ہے اور اس کے منہ سے نکلا اور کھجور اٹھنے لیا تاکہ رفتار میں خاصا اضافہ کر دے۔
 ”کیا آپ کو نہیں پہنچنے کی جلدی ہے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”جی ہاں۔“ روف احمد نے جواب دیا۔ میں آپ کو ہسپتال کے دروازے ہی پر پہنچ کر رخصت ہو جاؤں گا۔“
 ہسپتال قریب آچکا تھا اور میرے خیال کے مطابق اتنے کم وقت میں روف احمد باقی اوقات نہیں سانس کا تقاضا کرنے میں مضطرب ہوگی۔ میں الماس اور جاگیر دار شوکت کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے لیے جی پی ٹی ران دروفوں کے علاوہ مجھے ڈاکٹر فرنگ کا خیال بھی تھا کہ اس کا کیا ہوا۔
 ”میرا خیال ہے کہ آپ ہسپتال پہنچنے ہی کو جا سکیں گی کیونکہ آپ نے ساری رات جاگ کر گزار دی ہے۔“
 ”شاید مجھے فوری طور پر پینڈنڈ اسکے۔“
 ”دیکھیں؟“
 ”میں الماس اور جاگیر دار شوکت کے بارے میں جاننے کے لیے جی میں ہوں۔“

کوبہ بتا رہا تھا کہ شفیق زبیری کو عین اس وقت گرفتار کیا
 گیا۔ مگر حکمرانوں نے اس واقعہ کو نگہ بردار دیا۔ جاگیر داروں کے
 اس لئے شفیق زبیری کے ساتھ ہی جاگیر داروں کو
 بھی گرفتار کیا گیا۔

"جی نہیں۔ دیکھئے یہ حضور معلوم ہوا ہے کہ کل شہ"

[illegible]

”اخبارات میں اس کی کوئی خبر تو آئی نہیں! ما
”شخص زہری کی زحمت سے معاملے کو دھار مارا گیا

”الماس اب کہاں ہے؟“
 اُسے اس نئے والدین کے پاس پہنچایا جا چکا
 میرے تصور میں الماس کا وہ سراپا ابھر آیا جو
 سترات کو دکھاتا تھا وہ گدا رانہ ہی نہ تھا کہ

یہ میری بہت کچھ بوجھ ہو سکتی تھی۔
 رون اس گھٹکے کے دوران میں اپنے باپ پر
 ذرا قابو ہوئی جو اس نے باپ سے ملنا اور زمین کو
 بولا "میرے خیال ہے کہ اب آپ کی ساری انجینس دور
 قطعی میں نہ رہا کر رہا۔
 " تو اب آپ میری انجینس دور کر دیجئے "۔
 " اب آپ کو کون انجینس ہے "۔
 " جی ان مجھے عزت مآب محمد کو بیٹہ محمد بنیاب
 وقت میں ملتا ہوں جو محمد بنیاب ہو چکا ہے۔

”اوہ! ابھاجا! آپ کا اشارہ اس معاملے کی طرف ہے
 کوئی غلام بھیج دیجئے کہ جس اس کام کے لئے آمادہ ہو۔
 ”گنگوڑی نے رونے پر مسترت لہجے میں کہا: ”
 ”یاقین تھا“
 ”یقین تھا“
 ”جی ہاں“
 ”گنگوڑی“

”آبِ اکِ مِ دِ طِ نِ مِ رِ نِے کِے سِ اِ تِ هِ سِ اِ تِ هِ مِ رِ

نمبر بھی موجود ہے۔ آپ جب جاہل تھے سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ دیئے
آغزات کو پس بھر آپ نے انوں کو گمانا کہ اگر آپ نے لئے حدیث مجرم کا کوئی
بیضام ہو تو آپ کو پتہ چلا دوں گا وہ کھڑا ہو گیا۔

میں اسے چھوڑنے کے لئے دروازے کی طرف گئی اور جب وہ
رضعت ہو گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا جو میں کبھی اس سے پوچھنا
نہیں کرتی تھی۔

جسوں کی کسی بھی مادہ کے بارے میں شکوک کرنا خاصا عجیب و غریب ہے۔
سے ملتے جلتے کچھ تو میں نے اس کی کالے نائل پر ایک پیغام لکھ دیا تھا کہ۔
اس کا کوئی ردِ عمل نہ ہو نا اس بات پر حال تھا کہ رؤف احمد نے اس معاملے
کو کبھی سنبھال لیا ہو گا لیکن میں یہ جانتا تھا کہ حقیر اگر اس نے اس مسئلے میں

کیا کیا تھا؟
میں نے ہوجا، کیوں نہ اسی بہانے نادرہ سے مل آؤں مسلم
میں ہوجا سے گارڈ رات بھی ہوجا سے گئے مجھے یقین تھا کہ اُس نے
مجھے یاد رکھوں کہ فراموش نہیں کیا ہو گا۔ اس کو وہ بعد خوشی میری خوش بین
تہنیکوں کی نفی لیکن رون کے آدمیوں کی موجودگی کے باعث اپنے نفس
مقدس سے (معاذ اللہ)۔

میں نے فوٹو پر ہونٹوں کی انتفا میں سے کہا کہ وہ میرے لئے کار
کا نڈوبست کروں، پھر میں کچھ دواؤں کے کرنے کے ارادے سے بستر پر
گئی۔ ایک گھنٹہ تک میں تمام حالات کا جائزہ لیت رہی اور اس دوران
میں کچھ خودی کا عالم بھی رہا۔ اگلے گھنٹے بعد میں بستر سے اٹھی اور مریضوں
کو نوٹ پر کھانے کی ہدایات دیں اور اب باقیہ روم میں چلی گئی۔ میری مہارت

کی استری خراب ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے دوسری سازئی باندھی۔
منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو چکی تھی جب دیر کھا گئے آیا۔ کھانا کھا کر
ہوٹل سے روانہ ہو گئی جب معمول اس وقت بھی میرا دماغ غیالات سے

حالی میں صلہ حاصل ہوئے اور اکثر فوٹنگ کی سعیت بار بار دھڑکے
پر جسے بار بھر بھی تھمتی چونک دے ایک بار بھی میری نظر اس سے اوجھل ہو
چکا تھا اس لئے مجھے خاصی تشویش تھی۔ میں بار بار کہہ نہ چلتے بلکہ کچھ
کر کرتا۔ اس کی وجہ سے میں ناراض کہ کھڑکی طرف چلے جوتے اپنے اوڑھ
کے معاملے سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں کوشش
میں سختی میں اچھی ثابت ہوئی بہت جلد مجھے محسوس ہوئی کہ ایک کار
میں العاقبت کر رہی تھی۔ دو تین سڑکوں پر ٹرنے کے بعد اس کی تصدیق
مجھے ہو گئی۔

تعاقب کرنے والی کار اسے فاصلے پر کھڑی کر ڈرائیونگ کرنے والے
کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں آنکھ سے لگانے سے تاحسہ کر
دہ کوئی عینیت سے یا مقامی سے میں نے دیکھ مرتے زندگی کے درمیان

خالص کوٹھنا چاہا لیکن تعاقب کرنے والے نے بھی اپنی رفتار کم کر کے ہوشیاری کا ثبوت دیا۔

”لغت ہو تو مبرا“ میں نے دل ہی دل میں تعاقب کرنے والے سے

2

بہر گلاڑی کو اس طرف مڑا ہوا چہرہ نادرہ کا گھر تھا۔ وقتی طور پر اس نے اپنے نقاب کو کھینچ لیا تھا۔ لیکن نظری طور پر اس نے نہیں تھا۔ لہذا اس سے بہت نظر انداز کر گئی۔ نادرہ کے ہنگامے کھلے کھلا ہوا نظر آیا تھا اس لئے اس کا لڑکی کو پورے نگ لئے چلی گئی۔ کاڑی کی آواز سن کر ایک ملازم باہر نکلا آیا تھا۔ اس نے اس کے کلاڑی سے اتاری اور ملازم سے کہا: "مجھے نادرہ سے ملتا ہے۔"

"میں آپ کے بارے میں انہیں کیا بتاؤں؟" ملازم نے بڑے مہذب انداز میں پوچھا۔

"میرا نام مبینہ یافو ہے۔"

"آپ شریف کھیں میں انہیں اطلاع دیا ہوں۔" ملازم نے برآمدے میں بڑی اونچی آواز پر چہرہ کی طرف اشارہ کیا۔

میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی لیکن مجھے درمست سے زیادہ نہیں بیٹھا۔ بڑا ایک متر حیرت کو باہر نکلتے دیکھ کر گھڑی ہو گئی تھی۔ نادرہ کی مال تھیں۔ میں جب لپک کر قریب آیاں اگر نادرہ ہے لیکن تو مجھے ان کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔

"آداب" میرا ہاتھ پشیمان پرستہ گیا۔

"مجھے رہو بیٹی! معذرت ہے، غلطی ہے میرے کہا۔ شاید میں تمہیں پہلے کسی دیکھ چکی ہوں۔" غائب خانوں کی یادداشت اچھی نادرہ کے ساتھ ہی دیکھی ہو گی۔ میں نے خفیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ اس وقت نادرہ گھر پر نہیں ہیں۔

"وہ گھر تو ہے لیکن.... معذرت خانوں نے پہچانے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں اس سے کوئی خاص کام ہے؟"

"ایک معمولی سا کام ہے۔ میں نے جواب دیتے ہوئے بڑے غور سے معذرت خانوں کی طرف دیکھا کیونکہ ان کے اس سوال کا سبب میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

"دراصل یہ معذرت خانوں نے منعم یہی کہا ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ نادرہ کو زیادہ سے زیادہ آرام کا موقع دیا جائے۔"

"ادہ! میں جو تک بیٹی کا کیا جاتا ہے کو؟"

"یوں لگتا ہے جیسے کسی کی نظر دکھائی ہے میری بچی کو یہ معذرت خانوں نے تھوڑی سی سانس لیکر کہا کہ لا کاٹے سے آتے ہی بستر پر اس طرح گر کر اس کے صدمہ ہوتا رہا ہے۔ سخت بیمار تھا کہ ہر صبح ہی جلا گیا تھا۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر تہہ بہ تہہ لیکن بیمار کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ آج کل کے ڈاکٹر بھی بس یونہی ہوتے ہیں۔ ایک تو کہنے لگا کہ دیکھ کو کسی قسم کا صدمہ پہنچا ہے اب بھلا بتاؤ بیٹی میری تازوں کی پانی کو کیا صدمہ پہنچ سکتا ہے؟"

"آپ کھٹکے کہہ رہی ہیں۔ آج کل کے ڈاکٹر ایسی ہی فتنوں باتیں کرتے رہتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا لیکن مجھے یقین آ گیا تھا کہ ڈاکٹر نے بالکل صحیح گھنٹیں کاٹی۔ نادرہ سے میرے ملنے پہنچے کے خلاف

مجھے کاغذ لکھا تھا اس کے دل میں عصر کی شدت وہ جس کو اس نے زبان پر نہ لکھا تھا۔ حقیقت یہ کہ اس نے اپنے اتفاق سے اس صدمہ پہنچا گئی تھی جس کا رولنگ بجار کی صورت اس صورت حال کے سامنے آنے سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کا لڑکی کو جو تجربہ کبھی وہ اس سے بڑھ کر ہی نہیں ہو تو وہ بیمار ہو گئی تھی۔ اب میرے بہت ضروری ہو گیا تھا کہ فائل میں درہنے دوں ورنہ اس صدمہ چند روز کی وقت میں اس پر ہر کسی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اب وہ اس شخص کو کہیں نہ دیکھ "تو کیا ڈاکٹر نے ملنے پر بھی پابندی کا عمل کیے ہو چھل۔

"ہاں، وہ چاہتے ہیں کہ نادرہ زیادہ سے زیادہ آرام ملنے لائے میں تو بے آسائی کا کوئی پہلو نہیں لکھتا۔

لیکن درست ہے کہ آج کل کے ڈاکٹر بس یونہی سے ہوتے ہیں۔ قرض نہ لادیتے ہیں۔ آپ خود ہی سوچئے ملنے لائے سے تو نادرہ ہے اور وہ کچھ دیر کے لئے اپنے مرض کو کھینچ لیا ہے جس کا نادرہ اس پر چھا اثر ملے۔

میرا ترشک شکستہ پر بیٹھا۔ نادرہ کی ماں نے میرا "تم کھٹکے کہہ رہی ہو بیٹی!۔۔۔ میری عقل پر بھی بھروسہ نہیں کرتی۔" اپنی لپک کر میرے سر سے لگنے کے تہا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ان کی پابندی نہ تو میرے ساتھ۔ میں نہیں اس سے ملتی۔ میں سلائی ہوئی ان کے ساتھ ہوئی۔

"نادرہ مجھے خامی بے تکلف ہے۔" میں نے کہا۔

دیر کے لئے تہا چھوڑ دیکے گا۔ اس طرح مجھے اس کا دل بلبلا رہا ہو جائے گی۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں میں تمہیں اس کے کمرے میں جاؤں گی۔"

میرا مسکڑی آسانی سے طے ہوتا جا رہا تھا اور کوئی نادرہ کی کاٹے ناک سے اپنی دھڑکنے میں اس کا سامنا اس کے علاوہ یونہی چلتے چلتے مجھے اپنے نقاب کرنے والے اور ذہن میں بات آئی تھی کہ گریں میں اس سے ٹپکی فون اس بات سے آگاہ کر دوں تو وہ میرا نقاب کرنے والے کا ضرور کردے گا۔ امکان یہی تھا کہ نقاب کرنے والا، نادرہ اس پاس ہی مبتلا رہا ہو گا۔

"یونہی! دیکھو کون آیا ہے؟" نادرہ کی والدہ ایک داخل ہوتے ہوئے پر آواز بلند ہوئیں۔

میں ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

پڑی ہوئی نظروں نے مجھے دیکھتے ہی اس نے تعجب اظہار کیا۔

میں نے اطمینان کی سانس لی اور ماٹھ پیس میں کہا کہ میں صبحی بول رہی ہوں۔ ذرا ایک پتہ ٹوٹ بیٹھے۔ میں نے اسے نادرہ کا پتہ بتایا اور پھر یونہی "میں نہیں سے بول رہی ہوں۔ ایک شخص ہوئے میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے۔"

"ادہ!" روت کا انداز چونکا ہوا تھا۔ اس تعاقب سے آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟"

"آپ خود ہی چیک کیجئے۔"

"یہ تو اسی وقت ہوئے کہ جب آپ وہاں سے روانہ ہوں اور میں دیکھوں کہ تعاقب کرنے والا کون ہے؟"

"میں آدھے گھنٹے بعد یہاں سے الماس کے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔"

"الماس کے گھر کی طرف؟ کیوں؟"

"میں بس ملنا چاہتی ہوں اس سے؟"

"اچھا بات ہے۔ میں فوراً اپنے دفتر سے روانہ ہو رہا ہوں۔"

روت کی آسانی کے لئے میں نے اسے تعاقب کرنے والی گاڑی کا رنگ اور نام بھی بتا دیا۔ پھر یہ سپور کھ کر میں نادرہ کی طرف مڑی جو مجھے بہت محنت سے دیکھ رہی تھی۔ میں سلائی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے اس کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

بعض اوقات اس قسم کے دلچسپ مردوں سے بھی سابقہ چھٹا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تعاقب کر کے عورت کو گھبرا یا جاسکتا ہے۔ میں نے اپنے ایک جاننے والے کو فون کر دیا ہے جو پولیس میں ہے۔ وہ خود ہی اس شہد سے سنبھلے گا۔"

"ایسے موقعوں پر نظر انداز کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔" نادرہ نے کہا۔

"میں اس کی قائل نہیں۔" میں نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔

لوگوں کو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ کبھی کبھی تو میں خود ہی دو چار ہاتھ بھڑا دیتی ہوں۔"

"یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ نہ جانے کب کسی بہت ہی غلطی آدھی سے بڑھ کر ہو جائے۔"

"ہوں۔" میں مسکرا کر اس موضوع کو ٹال گئی۔ نادرہ کو یہ بتانا مناسب نہیں تھا کہ غلط آدمیوں سے ٹکر لیتا میری بالی ہے۔

لئے میں ایک ملازمین اسکو آٹل ایک گلاس آئی آر بیٹے ادب سے مجھے پیش کر کے واپس چل گئی۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔"

نادرہ نے کہا: "مجھے اس وقت بھی حیرت ہے۔"

"لیکن اگر شک نہ کرتے اس حرارت کو رخصت نہیں کر دیا تو میرا اور تمہاری رشتہ ہو جائے گی۔"

"ارے! نادرہ ہنس پڑی۔" بھلا یہاری برائیاں کا کیا اختیار؟

”کیا فرق پڑتا ہے؟“ میں نے اس کی بات کا تہہ نہ
 کہا۔ ”بہت دن سے میری کچھ وندش بھی نہیں ہوئی تھی۔
 میں نے جو تحقیق کر لی ہے اس کے لیے موقع نہیں۔
 رُوت کی گھوٹی ہوئی نظریں اب حملہ آور ہو جان پر محرم
 اہل ان قانون کو کوئی قتل کرنا چاہتے تھے۔ یہ کہ اس نے
 ہے۔“
 ”میری دشمنی تو قدر سے ہے۔“ نوجوان نے کہا۔

کہہ کر کہا۔
 "فلسفہ"؟ رُوف متحیرانہ انداز میں پوچھا۔
 نوجوان نے کوئی جواب دینے کی بجائے مسکراتے ہوئے
 نیت چمکائی۔
 پولیس کو وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ رُوف نے
 ناکارہ دھڑکھانے کے بعد کہا: "میں شخص نے ان خاتونوں
 کا یہاں پہنچایا دیا اور اسے قابو کرنے کے لیے مجھے پتہ چلا
 چلا۔"
 رُوف نے ان باتوں سے متنبہ نہ ہو کر وہ پولیس کو حوالہ
 دیا۔ تاہم اسے ظاہر ہے کہ اس شخص کی روٹی میں سبب

نہ تو ان کے پھرتلوں کی نگاہیں اس دورہ جا قومی پریس
 لیا جو فرس پر چڑھا تھا۔ رٹوں کے غیر اور کاڈ نوکری
 بنایا اور کلاڈیاؤں کے بعد رٹوں سے ڈاکٹی
 نچ کر جو ان کو کولاتیں بند کرنا لگا اور پھر میان طلب
 میان میں کہا کہ حملہ آور میرے لیے آئی ہے اور میں نہیں
 مجھے کھوں مل کر ناسا تھا۔
 رٹ کی موجودگی کے باعث پولیس نے مجھے ڈاکٹر
 اور مجھے جانے کی اجازت کی مگر متعلق پولیس آفیسر نے
 کہا کہ اس تک وہ اس نوجوان کی زبان کھولنے میں کامیاب
 ڈاکٹر کے لیے متعلق مجھے میں نے رٹ کی طرف

لکھو گی میرے ساتھ وہاں سے نکلے گا کچھ تو میرے ہاں ہے
 راستے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ دیں گانا چاہتا ہے۔ ناپا
 تو جوان سے یہ کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ محسوس کرنے کے
 مناسبتیں بھلا اور پسینے میں نکل گئی۔
 وہی طریقہ میں اس بات کی پریقین بھی کر وہ جوان
 بھلا لاکھ بھلا کچھ سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی؟ ہاں اگر اس
 شش کی جوتی تو دوسری بات بھی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا
 کہ ملے کا مقصد صرف شش ہی ہوتا ہے۔
 اب سوال یہ تھا کہ وہ کاکڑ کا ربا ہوگا یا میرے
 ساتھ ہم نمپن آگاہی اور مٹاؤ فوج ایک کینڈو ہو سکتا

۱۰۱
 اُن کی طرف تقدیر سے ہے، جو ان کا یہ فقر میں بھول
 تو نہ جو ان کی اس بات کا مذاق اڑاتا تھا لیکن مجھے جو ان
 کی کیا کج چوٹی کی جو رنج محسوس ہوتی تھی: وہ کد کچر قمار
 اُن کا اہل تھا اور ایسے لوگ بعض اوقات مجرمانہ ذہنیوں کا
 اُن ہی جرائم کے کاغذوں کی پرورش ناسا سود کی کھجور

۱۰۲
 تھے مجھے میں ذہنی طور پر ان خیالات سے نہ روڑا نہ اٹھی کہ ایک
 شخص میرے ذہن کو مجھ پر کھڑکھائیں ایسا تو نہیں کہ

است زیادہ عطا ہو کر اپنا بھائی میری زندگی بڑے شدید
 پہنچی۔ میری اسی رائے سے نکل کر ان کی ہر کھیل نہیں ہے۔
 ان دنوں سے اٹھانے کی خوشگام ملاحتیں کرتی ہوا اس
 انسان خوشگوار اور نیا رنگ کھیل سے بعض اوقات
 اسی نکل کر دیکھ کر کہہ سکتے ہیں اس نکل کو حشاہ

میرا ایک بڑی خیالات میں کھوئی ہوئی ہیں اس علاقے
 میں ایک ملا اس کا کھڑا ہو کر میں اس سے ملنے ہی کے
 کے کھڑے ہوئے ہیں اس لیے میری شادی طور پر کار کا
 میں پر گھومتا رہا تھا اب میں نے نیک لگتے ہوئے

کال ایل کے جواب میں جب دروازہ کھلا تو مجھے ایک لوجوان کی نظر آئی جو الماس سے خاصا مشابہ تھا۔

”آپ الماس کے بھائی ہیں؟“ میں نے پوچھتے ہی کہا۔

”جی ہاں“ اس کے منہ سے بھی فوراً نکلا اور وہ مجھے ابھی کسی فنڈوں سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں پر ایک خاص کم کی جھک پیدا ہو گئی تھی میرے تجربہ بار مشاہدے کے مطابق ایسی جھک ان کی آنکھوں کی پیدا ہوتی ہے جنھیں عورت کی شدید خواہش دیتی ہو کسی وجہ سے عورت کا قرب نصیب نہ ہوتا ہو۔

”مجھے الماس سے ملنا تھا“ میں نے کہا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کون ہیں؟“ یہ سوال کرتے ہی اس کے فنڈوں کو میرے چہرے کی طرف ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے

میں ایک حوصلے پر بیٹھ گئی اور وقت گزرا رہی کے لئے دلوں میں
 بڑے ڈاکٹر نہیں دیکھنے کی اس جوان کو گئے ہوئے دوست کرنے
 کو کراؤ دی ورنہ اس کے طرف آرہی ہوئی میں نے اس طرف کھاتو
 کر کمر دی اندر آتا ہوا نظر آئے وہ جاس عین سال کا ایک نئی سا آدمی تھا۔
 دھڑکیٹے! اچھے! مجھے کھڑا ہر زمانہ کچھ کر وہ جلدی سے بولا۔
 اس میری بیٹی ہے میں آپ کو اس سے ملتا ہوں گا لیکن آپ لوگوں
 میری درخواست ہے کہ اسے اب وہ پریشان نہ کیا جائے۔ ان
 نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور وہ میری سادہ
 کر وہ اس طرح اچھل پڑتی ہے جیسے اس کے قریب پہنچ گیا ہو۔

”آپ! وہ مجھے کچھ کر چوکی ہوئی۔“
 ”آؤ... مجھو! میں نے تم کو اگر کہا۔“
 ”آپ دونوں واقف نہیں؟“ الماس کا باب حیرت بولا۔
 ”مجب الماس قیدی نہیں تو سب پہلے میں ہی ان سے ملتی۔“
 میں نے جواب دیا۔
 الماس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چوٹی قریب آئی اور باب
 کے پہلوں میں بیٹھی۔
 ”تیرے کی بات ہے؟“ الماس کے ادرنے پوچھا۔

الماس کے والد نے اس سلسلے میں میرا بھی ذکر
 جب میں وہاں سے واپس ہوا تو میری طبیعت
 خفی میرے اس استعمال کے بنیادی سبب کے علاوہ
 غماز کے کافے سے بڑا ہونے کے خالص ذکر کے تھے
 ہے۔ وہ جتنی کیوں کا کھانا ہے جہاں ایک قدم پر اس
 ہم پر بارفروڈیٹ سے طبعی ہوا جاتی ہے شام کو کافی پر
 اس کتاب سے بھی پر قدم رکھنا ہو۔

میں سیدی ہولڈی اور دو کوثر میں ڈوب رہا
 کوثر پر طبعی ہوئی جب میری آنکھ کھلی تو اس
 یہ اچھا ہوا تھا میں ہر سہ ماہی کے انداز سے

اس کے باوجود میں نے واپسی کا قصد نہیں کیا
 اور کچھ سالوں سے پوری طرح باخبر تھی۔ وہ پھر
 ہلے پر کتاب بننے کی ضرورت تھی۔
 محمد علی آباد ملوی کوئی دہائی اور پھر مجھے ایک
 اور سیٹھ لٹلٹاؤں کا فن کویا۔ رؤف
 عام تھے۔ بچے تھے اور جن میں سے دو افراد کا
 ایک سے ایک شخص یعنی رانا محمد علی رانا لٹلٹاؤں کا
 فانی اس کی آغوش میں۔ انہیں رانا لٹلٹاؤں

وہ شخص وکٹر تھا۔
وہی وکٹر جس کا نام اور پتہ مجھے زیدہ پرستہ ذکر کر کے معلوم
ہوا تھا اور جس کی وجہ سے ڈاکٹر نوٹ کی شخصیت سامنے آئی تھی۔
میں نے ایگلو ایڈن عزت کا روبرو ہار کر وکٹر سے دوستی بھی کر لی

جانا چاہتے ہیں؟ مگر کہیں؟... مانا حیدر سے
بات قسط قطعی کہ کوکڑ کا تعلق علی کٹر فوج سے نہیں
خود کو تائبیوں سے تعلق ثابت کیا تھا۔ تائبیوں
حاصل تھی اور اس طرح ان معاملات
سی آئی تھیں سے ملے نظر آ رہے تھے جیسے یہ

کرڈا کٹر فوگ کے آدمی رانا حمید کے گھر میں
 وہاں کوئی خفیہ میٹنگ تھی، کیا رانا حمید بھی اس
 ہے اور صدر ملک کو قتل کر اس کو روکا ہے؟
 جلد ہی میں نے محسوس کر لیا کہ خیالوں
 نتیجہ کی منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ شاہد
 بن سکتی تھی مجھے جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا
 جب میں نے ریفرنس کر لیا تو گاڑی سے ستر

کچھ دور کسی جگہ میں کتے بھونک رہے تھے۔
 کے ماحول میں کسی قسم کی پہلی نہیں تھی۔ دیرانی
 میں رانا حمید کے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔

تھا لیکن پہلے خاصا بلند تھا۔ مجھے اس پر چڑھنا پڑا۔ ساڑھی کی وجہ سے دشواری ہو سکتی تھی مگر دیکھنے والا نہیں تھا۔ اس لئے میں نے پیچھے گھومنے سے اوپر کر لی تھی۔

دوسری طرف انٹرکمر میں کچھ دیر تک اہل حشرات الاذنہ کی کشتیوں کے حوالہ کئے جاتے تھے۔ یہاں پر بھی مکان کے اندر ورنے میں مجھے ہینے کا سامنا کرنا پڑا۔ تو موجود خدیں مگر ان میں گرل بھی آتی تھیں ہی نہیں کر کوئی دوازوہ کھلے ہوا ملتا۔

براہ کرم میں سنوٹن تھے اور ان پر پریس

ان میں سے ایک بیل کی مضبوطی کا اعزاز دیا کر
دو پر چڑھتی چلی گئی۔ پس یہی ایک امان بخشا
مل جانا۔

چھت پر خاصی کشادہ ٹیس بنی ہوئی تھی
برآمدے کی چھت سے صرف چار فٹ اوپر تھا
وٹواری نہیں ہوئی تھیں اس سے ہٹ کر صرف
جس کی حالت کچھ بہتر نہیں تھی لیکن ہے کہ وہ
میں رہتا ہو۔

اس کو سے میں تار کی پمپلی ہوئی تھی سناٹا

گرگوہاں کوئی ہے مجی تو سدا ہا ہے لیکن میں نے اس
 نہیں کیا میں رشتہ کوئی ایک طرف بڑھنے لگا
 بعد اس جگہ پہنچ گئی جہاں پیچھے جانے کے لئے
 میں نے ملتا خیر نہیں اتنا شروع کر دیا۔

آپ کیلئے خود کو ایک گناہوار مکرید و مری پایا۔
 وہ روزانہ نظر آ رہے تھے اور کوئی دور کے
 روزہ تھا جو غالباً خارجی رخ پر ہو گا۔
 بل کی سیریلینس آنا کر کھانے میں لیں اور
 دل کی دھڑکنیں غیر ملر ہو سکی تھیں۔
 سڑے چار ہو سکتی تھی۔ ایک روزانہ
 اور وہ روزانہ سے کان لگا کر کچھ سننے کی
 دلی چاہی ہوئی تھی۔ اب میں نے اس
 لئے روزانے کی طرف قدم بڑھا دیا۔ میں
 گھاسی مکان میں آئے تھیں تو مجھے سے پہلے
 لگتا اور اس صولت میں انہیں کسی کرے
 کان لگا کر بھی مجھے سناتے گا احساس
 یہ سڑے روزانے کے سامنے پہنچ کر میں لکی
 ہی میں مدھم مدھنی روشنی پر روشنی جلد
 روزانہ روزانہ کے کہ بولنے سے باہر
 پہنچتی ہی مجھے مدھم مدھم آوازوں کا
 اس کرے میں نہ صرف بہ کر روشنی بلکہ
 ایک آنکھ کی بولنے سے جا ہی۔ ضروری نہیں
 ہاں لیکن روزانے کا وہ بھی قفل بہت
 کا سوئے نسبتاً بڑا تھا۔ اس کے علاوہ اس
 کا ہر سے تعاون کیا۔ وہ ایک ہال ناخوابگاہ
 نصف دیوار کے قریب ایک خوبصورت ڈل
 کی بہت سے بٹ کر کوئی چیز نہ تھیں
 وہ ایسا ہی تھا کہ میری جگہ کوئی عام عورت
 کی بولنے سے شاید تھی۔
 اس بہتہ نظر آتا تھا اور ساتھ میں جو لڑکی
 ہیں تھا۔
 کا کجا بجا۔ اور جب ایک مدھمی مردانہ
 الے اب دوسرے روزانہ سلیا ہ
 ان کے سامنے نہیں تھا۔
 الے اب اس میں جانب گھمایا۔
 ہٹ کر وہ
 ہٹ کر وہ ایک آدمی میری نظروں آ
 پہنچ کر لڑکی کو بتانا شروع کیا تھا کہ اب
 اسے خاص کر لڑکا اور مدھمی سلیا محمد

کو بھی ایک خاص زاویے سے دیکھا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میرے ہونٹ
 سمجھنے لگے کہ انا عجب باتوں پر چکا ہے لیکن ہوش بے اس کے سرم کی
 حرکات و سکنات اس لڑکی اور اس سرور کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔
 وہ خود کوئی حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

”بس اب ٹھیک ہے حسین!“ وہی مروانہ آواز چہرہ سناؤی۔
اس کا چہرہ ابھی تک میری نظر میں نہیں آیا تھا۔

جس آدمی نے لڑکی اور دلانا حمید کو "سیٹ" کیا تھا وہ پیچھے ہٹ گیا اور چند لمبے لمبے ایک بار پھر روشنی کا جھماکہ ہوا۔

”بس سنبویا! بساٹھ جاؤ!“ آواز پھر سنائی دی۔
لڑکی اٹھی اور بستر کی دوسری طرف پڑے ہوئے اپنے کپڑے

اٹھائے گی۔ ساڑھی، بلاؤز اور چچی کوٹ!... اس وقت میں نے لڑکی کا سراپا دیکھا اور جھبر بھری سی نے کر رہ گئی۔ وہ بدن میرے مہیار کے عین مطابق تھا۔

کمرے میں کھیل جانے والے کھیل کی تمام جزئیات میری سمجھ میں
 آچکی تھیں اور اسی لئے مجھے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ رانا جعفر وہ نہیں
 بلکہ صرف بے ہوش ہے۔ بلیک ماسک اسٹاف سرووں کے خلاف
 استعمال کرنے کے لئے نہیں تیار کیا جاتا۔ رانا جعفر کی جو تصویریں ان کا
 ملٹی میڈیا واہ ہے، یہ کسی وار کے خلاف استعمال نہیں کی جاسکتی تھیں۔
 لڑکی کوئی کڑی مہینہ رہی تھی جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے

فوری طور پر اس مکان سے نکل کر کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہئے جہاں سے وکٹری گاڑی پر لٹو کر سکوں۔ ان لوگوں کی واپسی اسی گاڑی میں ہوئی اور اس کا تعاقب کر کے ان لوگوں کے ٹھکانے سے واقف ہو سکتی تھی۔

میں تیزی سے بڑھی اور بچوں کے لیل دوڑتی ہوئی زینے کے
 قریب پہنچ گئی تیزی سے زینے کے لے اور پھر بیگ کے زینے کو عبور
 کیا۔ براہِ دم کے کھیت پر اترتی اور وہاں سے نیچے بڑھی۔ یہاں تک
 کہ ایک بار میرے ہاتھ لگا پڑا۔ سید نہیں ابھی میرے آگے میں تھیں۔
 اب میں نے انہیں پہنا اور بسے لیے قدم اٹھائی ہوئی اپنی کار کی
 طرف بڑھی۔

جو واقعت میرے مشاہدے میں آئے تھے انہوں نے مجھے
خاصاً پر حوش کر دیا تھا۔ ٹرانسفرنگ تک پہنچنے کے راہ ہمارا ہوتی نظر
آ رہی تھی۔

میں نے کام میں پہلے کر انہیں اشارت کیا اور گورنر نے کمروڑ تک آگئی یہاں پہنچ کر میں نے انہیں پھر نندیا اور گاڑی سے اتار کر عمارت کے احاطہ کی دیوار سے بھی جھونکی آگے بڑھنے بھی۔ کونے پر پہنچ کر کس دہکی اور صفا تک کر دوسری طرف دیکھنے بھی۔

موس و میں موجود تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔
کوئی دو منٹ بعد مجھے گلی میں سے تین سائے نکلے نظر آئے۔

وہی لڑکی اور اس کے دونوں ساتھی... کچھ کاغذاتہ لکھوا اور دونوں
 آدمی اس میں بیٹھ گئے۔ میری توقع کے مطابق ان آدمیوں کے بعد
 اس لڑکی کو بھی بیٹھ جانا چاہئے تھا لیکن کار کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس کی
 عینی سرخ چٹیاں مل نہیں اور پھر وہ حرکت میں نہ آئی۔ لڑکی پیدل ہی اس
 طرف چلی پڑی اور کار جا رہی تھی، میں الجھن میں پڑ گئی۔ آخر اس کا کیا
 مطلب ہوا؟ فوری طور پر میں نے ایک بات ذہن میں آئی تھی کہ لڑکی کا
 گھر کہیں قریب ہی ہو گا۔
 اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کار کا تعاقب کروں یا لڑکی کا؟۔۔۔
 مجھے زیادہ تر یہ معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعاقب کروں۔ کار کا پیچھا کرنے میں
 یہ قیامت تھی کہ اگر ان لوگوں کو تعاقب کا شبہ بھی ہو گیا تو مجھ کو جیل میں
 گئے میں اس مرتبہ انہیں بخیر نہ کہے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی، مجھے کوئی
 ایسا طریقہ کار سوجھنا تھا کہ انہیں بے خبری میں چھاپ لوں۔
 کار کا تعاقب کرنا اس لئے بھی زیادہ ضروری نہیں تھا کہ اس بعد
 میں بھی اس کا پتہ ہو سکتی تھی۔ میں نے اس کا تیر ذہن نشین کر لیا تھا۔
 اس سوچ بچار میں کار کے تعاقب کا موقع بھی ہاتھ سے نکل
 گیا۔ وہ اتنی ود چا چکی تھی کہ اب مجھے اس کی عینی سرخ و روشنی بھی
 نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ لڑکی مجھے اب بھی جاتی ہوئی دکھائی دے
 رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی لڑکی کی طرف لپکی اور اس میں بیچ کر ان
 اشارت کر دیا۔ گاڑی کو حرکت میں لائی اور اسے بائیں جانب موڑا،
 یعنی کسی طرف چھوڑ دے گاڑی جاری تھی۔ رانا جی کی خواب گاڑی میں دوسرے
 کے کسی آدمی نے اسے سولہا کے نام سے مخاطب کیا تھا اور اس سے یہ
 بات ثابت ہوئی تھی کہ وہ ایک بھلا آدمی ہے۔
 کار پر ہی اسے دیکھ رہی تھی کہ سولہا بیڈ لائٹس کی زوئیں آگئی۔ ان
 نے مڑ کر دیکھا اور تیز رفتاری میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ جلدی
 سے سرک کے بالکل کنارے پر گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے کار کو نکلنے کیلئے
 پورا راستہ سے دیا جا رہی ہو لیکن میں نے نکل جانے کی بجائے بریک
 لگائے اور کار کو اس کے بائیں برابر میں لے جا کر روک دیا۔
 "آپنی رات کو پیدل کہاں جا رہی ہو میرے لیے؟ کیا میں تم کو تھامے
 گھر تک چھوڑ دوں؟" میں نے گویا زار و اخلاق پوچھ لیا۔
 "جی۔۔۔ جی نہیں، سولہا کچھ گھر آئی تھی، میرا گھر زیادہ دور
 نہیں ہے۔ میں پیدل جا سکتی ہوں۔"
 "آپنی رات کو لے لیے دیان مقام پر کسی لڑکی کا پیدل چلنا اس
 کے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے، آؤ بیٹھ جاؤ، میں نے
 اپنی برابری سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا، تمہارا گھر قریب ہی
 ہے تو کیا فرق پڑے؟ میں تمہیں وہاں تک چھوڑ دوں گی؟"
 سولہا نے لکھنؤ میں سے گاڑی کی پہلی سیٹ کی طرف دیکھا اور
 غالباً اس وجہ سے اس کا طیان ہو گیا کہ میں تنہا تھی۔ قدرے
 ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

دروازہ بند کر لو!۔۔۔ جتنیں کہاں کہاں
 بتائی رہو۔ میں نے کہا۔
 سولہا نے دروازہ بند کر لیا اور لڑکی
 باڈیٹ سے بائیں جانب گھومنا ہے۔
 میں گاڑی کو حرکت میں لے آئی
 اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں تھا
 مگر اس نے وہ دوسرا رخ لے لے کر گویا
 گردہ سے ہی متعلق ہوئی تو وہ لوگ اسے
 لیکن گردہ سے متعلق نہ ہونے کے باوجود وہ
 کچھ نہ کچھ جاتی ضرور ہوگی۔ انجنیوں کے لئے
 ہرگز آمادہ نہ ہوئی۔ اسے ان لوگوں کے لئے
 تھا آدمی میں اس سے معلوم کر لینا چاہتی تھی
 اور سرکلے طے ہو جانے میں میں بھی کوئی
 سزا یا کوئی کیسے بھول جاتی؟
 راؤنڈ باڈیٹ سے میں نے گاڑی
 کچھ دور چلنے کے بعد مجھے سولہا کے کہنے سے
 گناہ پڑا یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔
 "کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو؟" میں
 "جی نہیں میری ماں بھی رہتی ہیں
 کھولنے کے لئے بیڈل پہنچ چکا تھا۔
 "اس وقت تم رانا جی کے گھر کس
 سوال کیا۔
 "لا عجب! سولہا صرف چونکی بلکہ
 بھی متحیر ہو گیا، "یوں رانا جی؟"
 "جہاں سے تمہاری آ رہی ہو وہ
 انداز میں دانیوں کا گھر دیکھ کر لڑکی نے کہا کوئی گناہ
 مت کرنا۔ اس سے کوئی نامہ نہیں۔ اگر آپ
 لڑکی کسی واقعی گھر سے نکلتی دکھائی دے تو اس
 ہو سکتا ہے۔
 سولہا آئی گھر گئی تھی کہ اس کے منہ
 دروازے کے بیڈل پر اس کا تھا اس طرح
 بالکل ماں نہ رہی ہو۔
 "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"
 "میں کیا جانتی تھی کہ یہ سب
 بھی یہی بات ہے لیکن میں ذرا اونچے بیڈل
 ہے کہ میرے پاس ایک خوبصورت گاڑی تھی
 اونچے بیڈل پر اس طرح کام کیا جاتا ہے۔
 میری انا بالوں سے سولہا کے چہرے

کہا کہ اب ایک کمرہ ہے اس کے پاس سے اس کی
 کمرہ میں گھر رہی ہے اور یہاں بھی لگ رہی ہے۔
 "ابا! یہ کونسی کمرہ؟"
 "میں نہیں جانتی۔"
 "میں میں سے کمرہ کتنی تھی۔ اب میں نے انکیشن کی
 اور دروازہ کھول کر نکل گئی اور اپنے مکان کے دروازے
 میں کمرے کے اندر اس کے قریب پہنچی تو دروازہ
 دروازہ کھولنے والی ایک دھڑکنے والی تھی جس نے
 تھا اس کے چہرے پر کچھ کاروں کی سی تھی اور یہ وہاں
 کا گھر سولہا جیسی خوبصورت لڑکی کی ماں ہوئی لیکن سولہا
 کو غائب کیا تھا۔
 اس کے مطابق اس کے مکان میں تین ہی کمرے تھے۔
 ایک روم میں بھائی اور ماں سے کہا کہ وہ فوج میں
 مال لائے۔
 جاتے ہی میں نے نکلے تھکے سے انداز میں ایک کمرہ لڑائی
 "گھر میں سولہا کی طرف دیکھی ہوئی ہوئی۔ اتنی تھکا
 رہا ہے، یہیں سو جاؤں۔"
 "میں نے انہیں کا انہار ہونے کا لیکن مجھے یقین تھا
 کہ میں کر کے گی۔ اس کے دل میں ایک چور تھا۔
 اور میرا باوجود محسوس کر رہی ہوگی۔
 یہاں سونے سے جتنیں کچھ حیران ہو گا؟" میں نے
 "جی ہاں۔"
 "جلدی سے بولی۔ بھلا مجھے کیا اعتراض
 تھی سے کوئیں۔"
 "جہاں میں؟" میں نے مسک کر کہا۔ "تمہاری خواب گاہ
 اور والے کمرے میں سوئی ہوں۔"
 "میں نے تمہارے ساتھ ہی سوؤں گی۔ کوئی اور
 کی ضرورت نہیں۔"
 "گھر میں سے انجنین بہت دور تھی۔
 اس کی کمرے میں سوئی ہوں۔ اب میں نے اس کی کمرے
 والی کمرے میں سوئی ہوئی اور اس کے لئے جات کا تصور
 سے جاتے لگا تھا۔ میں دو گلاس پی گئی۔
 اپنی ماں کو بتایا کہ میں اس کی دوست ہوں اور آج
 گھر جانے پہنچ لے میں مختصر آگیا اور اپنی کی بوتل
 کے ساتھ ساتھ انداز تھا اور شاید شکرانہ کا وہ جاتی
 ہو گئی۔

کمرہ بولی۔ "اس پر تو وہ انداز پڑی آسانی سے ہو سکتے ہیں۔"
 سولہا نے میرے خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ بدستور اچھی
 ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے اچھا دیکھنا انداز کر کے سولہا کے کمرے پر
 جا گری اور پڑی بھر پور آواز کی۔ میرے وجود میں ایک تشہیرا نے
 لگا تھا۔ میں دو تین روز سے تشہیرا تھی اور اب ایک ہلہلا ہوا خوشحال
 مجھے اپنی دسترس میں نظر آ رہا تھا۔
 "میں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں، سولہا نے الماری کھولتے ہوئے
 کہا اور اس میں اپنی شب خواں کا لباس نکال کر منسلک ہاتھ دھو میں
 چلی گئی۔
 میرے بڑوں پر سکواٹ لپک رہی تھی اور لنگانے کو جی چاہ
 رہا تھا۔ حمایت علی شاعر کی نظم ان کی فکے دو مصرعے میرے ذہن میں
 گونج رہے تھے۔
 "خمسہ عارض، تری آنکھیں خنجر سے گہرے ترے بڑ
 ایک انجانی تھی معصوم خطہ کر سننے، جس!
 میں نے لپٹے لپٹے اپنی سیدھے آواز چھپکیں اور دیکھنے کو بڑوں
 میں جھک کر اندھی لپٹ گئی۔ کوئی چار یا پانچ منٹ بعد ہاتھ دھو کر دروازہ
 کھلنے کی آواز سنائی دی تو میں کوٹ سے کر سیدی ہوئی اور صرف ایک آنکھ
 کھول کر لڑکی کی طرف دیکھنے کی جواب ایک دھبلا ڈھالا سا کاڈون پہنے
 ہوئے تھی۔
 سولہا کا رنگ رخ، سفید تو تھیں تھا لیکن وہ عام انگوٹھ اندر
 لڑکیوں کی طرح سناٹا بھی نہیں تھی۔ خاصا کھٹا ہوا رنگ تھا لیکن جہاں تو اس
 خراش ایسی تھی کہ سرخ و سفید رنگ کی کی طرف حیران بھی زیادہ نہیں
 جاتا تھا۔
 "آپ کو بھی کچھ دن پہننے کے لئے؟" سولہا نے میرے پیچھے کچھ پوچھا۔
 "ضرورت نہیں۔ میں نے اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
 "آپ بیٹھ رہیں نا؟" سولہا بولی۔
 "نہیں، بیٹے تم لیٹ جاؤ۔" میں نے خود ہی اس کے شانے پر
 دو ڈال کر اسے لیٹا دیا اور پھر کمرے سے نکلے ہوئے اس کے پیچھے اٹھا
 کر کمرے پر لے آئی۔ عجب کے نادار خانے میں لطف و مذاط کی ایک ناقابل
 بیان کیفیت ہوتی ہے۔
 میری نظروں میں اس کے بیڈل پر پڑیں تو میں نے ایک جھجھکی سی کی۔
 اتنے خوبصورت چہرے شاد و نادر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ بے اختیار میں نے اس
 کا ایک ہاتھ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کی نازک نازک انگلیوں
 کا ستارہ بن کر رہ گئی۔
 "آپ لیٹ جائیں نا؟" سولہا کسائی۔
 "لیٹ جاؤں گی، لیکن کیا گھر میں ہے؟" میں نے خیرت بھری

[illegible]

231

کھانا مناسب نہ تھا۔ اس بات کے امکانات، ایک نہیں تھے کہ اس نے دوسرے کی نگراں شروع کر دے کہ نام کی بات معلوم کر لی ہو۔
میں نے جانتے ہو کر اس کی بات مٹا رہے تھے کہ اس سے بددیت کا ازالہ ممکن نہیں تھا۔ بددیت بڑھتی ہی رہی۔
سات بجے دھلتے ہوئے پرے سے دوسرے دنگ ہوئی۔ میں چوٹی سی نہیں بکرا پھیل چلی تھی دنگ دینے والی کی بڑی بڑی پوجھتہ آگئی۔
"کون ہے؟" "میرے پیٹے میں شدید جھجھاہٹ تھی۔"
"دُف" جواب ملا۔
میں دور وادنے کی طرف بڑھی لیکن اب میری جھجھاہٹ کی جگہ تھقب نے لے لی تھی۔ دُف انتہائی مہذب اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس سے میں اپنی وحشت نازدنگ کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔
جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، دُف نے مضطربانہ انداز میں کہا جلدی سے تیار ہو جائیے۔
"غیرت؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔
"آنا دقت نہیں ہے کہیں یہیں کھڑے کھڑے سب بچھڑاؤں۔"
دُف اندر آیا، ہوا بولا۔ "آپ تیار ہوئے ہیں جتنا کہ وقت صرف کریں گی، اتنا ہی بہتر ہوگا۔"
دُف کے چہرے پر اضطراب و پریشانی کی ایک بڑھی جانے والی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اس کہانی کو بڑھنے کی کوشش میں دقت صرف نہیں کیا اور ساری سے ہاتھ دھو کر طرف بڑھ گئی۔ دُف کو اس کے مطابق میں نے تیار ہونے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں کئے اور اس کے ساتھ کمر سے نکل آئی۔
کمرے کو ایک کمرے کی جانب پہنچ کر، وہی ادوریتی مت دینے کی لڑت قدم بڑھاتی ہوئی ہوئی۔ "ہاں اب بتائیں کیا بات ہے؟"
"کام میں چھڑ کر گھٹو ہوئی۔ دُف نے جواب دیا۔
میں چپ ہو گئی۔ زیادہ سب کلام کا مبالغہ نہ بھی مجھے ٹھیک نہیں تھا۔
دینے کے اختتام پر کا دقت سے آسان سا ہو گیا۔ وہ اوپر آ رہا تھا میں ان چیزوں کی طرح اس کے برابر سے گزرتی اور اس نے بھی ششماؤں کا سا کوئی انداز ظاہر نہیں کیا۔ وہ بدستور اسی ہوئی میں مقیم تھا کہ کمرے میں اسے ہدایت کی گئی کہ وہ دھواؤں سے میرے آئندہ امکانات کا اشتہار کرے۔
دُف خود کام میں آگیا اس نے مجھے اپنے کمرے کی گاڑی لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر بیٹھی اور دُف نے سٹرائیونگ بنگھال کر آئینہ اندیش کر دیا۔ میں بڑی بے چینی سے اس کے ہونے کی منتظر تھی لیکن یہیں نے طے کر لیا تھا کہ بات حقیقت کی ابتداء خود نہیں کر دے گی۔
دُف نے میرے سر پر گرا دیا کہ میں آڑیا اور بولا۔ "میں نے فوری طور پر دکن کی گراں شروع کرادی تھی اور اب مجھے جس کا نتیجہ بھی نکل آتا ہے۔"

میں نے اسے سمجھنے کے لئے اس کو اپنی اسفرا کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی کہ وہ دُف کو خوش آج شام کو خوش ہوئی ہوگی ایک آدمی کے لئے ان کی بات سننے کی کوشش کی تھی لیکن صرف ایک جملہ اور دُف نے وقت کے بعد ایک لفظ یہ تھا کہ۔۔۔۔۔ وہ مجھ کو الہا کہنے پر آمادہ لفظ تھا۔۔۔۔۔ "تقریب۔"
"تقریب۔" میں نے فوراً دُف کو یاد دلایا۔
یہ بات ادا کی کہ ان رات پر لیڈنگ ایک خیر سہ کریں گے۔
"ہاں دُف نے کہا۔ میں ہی ایک لفظ دالے کی کھجی میں آیا تھا۔"
"آپ نے اس سے کیا پتہ لیا کہ وہ ہے؟"
"یقینی طور پر کہ میں کیا جانتا لیکن اس کی طرف بھی بروکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی عمر ان تمام کرائیوں کے ایک سال کے کسی خاص کام پر مقرر ہو گیا ہے۔ لفظ سے یہ اندازہ ان اسی تقریب کی طرف لیا ہے جس کا ہونے والے ہیں۔"
میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سات بج چکی تھیں۔
دُف بکھار ہوا۔ "ہاں رات وہاں ساڑھے سات آٹھ بجے آئیں گے۔ بروگرام کے مطابق ان کو رات یہ ایک کھڑا ٹرام ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ یہ آٹھ نوگ کی بھی امکان کو نظر انداز کرنے کی خطرناک غلطی رہی تھی کہ وہ کیا کیا ہے؟" میں نے سوال دیا۔
"کیا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟" میں نے اپنے سر کو اشاریاتی جمنٹ دی اٹھانے والے ہیں۔"
"میں اس مسئلے میں جو احتیاطی اقدامات کر رہا ہوں، آپ کو تقریب میں ضرور شرم کرے گی یہ کہ میں نے کیا کیا ہے؟"
"انسان نہیں ہے۔ ہم وہاں ساڑھے سات دقت بارگاہ ہے۔ سیزان یہ بھیجیں گے کہ آپ ہمارے طرح آپ کو تقریب میں شرکت کا موقع مل جائے گا۔ رانا حمید پر نظر رکھیں گے۔"
"کیا رانا حمید کی والدہ موجودگی کے بارے میں؟"
"ہاں۔ دُف نے جواب دیا۔ "اور لیڈنگ"

بولا۔ "آپ؟" وہ بھی مجھے دیکھنے کی سونگ بڑا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ "میں چونکہ سیزانوں میں سے ہوں اس لئے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ادھر تقریب دلیئے۔"
میں خاموشی اور حیرت کے ساتھ اس طرف چل پڑی جدھر وہ مجھے لے جا رہا تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر وہ مڑا۔
"یہاں تقریب دیکھیے؟" اس کے کپڑے زہرا بڑا رہا تھا۔
"کیونکہ آفاق؟" میں نے اپنی پیشانی پر لمبی سی ٹنگن ڈال کر کہا۔ میں پتہ نہیں ہوں۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتا۔ آفاق؟" کپٹن آفاق نے قدرے جھجک کر کہا۔
"تمہارے استقبال کرنے کے انداز میں جو کٹا ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بہتر ہوگا کہ تم ماضی کے واقعات کو بھول جاتے ہو۔" بھی اچھے ملا دیتے۔
"کیا آخر کوئی مسئلہ یا جاسکتا ہے صبحر بانو؟"
"میں نے تمہیں کوئی دھم نہیں لگائی ماضی اس دھم کو دھکا ہے جو تم کسی کو لکھنے والے تھے۔"
"یہ تو مختلف انداز فکر کی بات ہے صبحر بانو!۔۔۔ اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ میں دُف کے بھائی کا دوست ہوں اس لئے مجھے آئے دالوں کا استقبال کرنا ہے۔"
میں نے جواب دینے کی بجائے ہونٹ بھینچنے لے اور کپٹن آفاق کو کدور جانے دے دیتی رہی۔ اس سے سزاؤں طبعیت کو خواہ مخواہ رکھ کر یہ بات میں کوشش کرنے کی کہ اس ٹنڈ کو سدا از جلد ختم کر دوں لیکن میں یہاں ایک اہم مشن برآئی ہوں۔ مجھے ذہنی و جسمانی طور پر پوری طرح جانا چاہیے جو بند رہنے کی ضرورت تھی۔
باددی ملازمین، ٹرائیوں پر مختلف مشروبات لے کر ہمارے کمرے درمیان میں گھومتے پھرتے تھے۔ میں نے ایک زانی سے ایک گلاس اٹھا لیا۔ اور بیٹی بچیوں کی ہوائی اور دگر دکانز لے لیتے گئے۔
وہاں اس وقت چاروسے کمرے آباد تھے اور آمد کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ چندہ چندہ تھیں ان کی بیٹیں۔ سبھی ابھی اور دیر سی ابھی تھیں۔ اور بڑے بڑے سرکاری ملازمین بھی۔ ملک کا ایک مشہور معروف ٹیلی ویژن بھی وہاں موجود تھا۔
مجھے کئی ششما چہرے بھی نظر آئے لیکن مجھے اب تک ان میں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھا تو نہیں تھا لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ تقریب کے اختتام تک مجھے کوئی نہ دیکھتا۔ اختتام کی بات تو بہت دور کی تھی۔ دُف منٹ بعد ہی میں اپنے ششماؤں میں گھڑی دم بدمجھے اسے ایک ایک طاقت بڑے حدتوں نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے تین افراد نے بہت عرصہ تک کراچی چھوڑ کر پڑی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ایک صاحب خاص طور سے اس تقریب میں شرکت

ایسی شخصیات کی تقریب میں تنہا نہیں رہ سکتیں لیکن وہ ان لوگوں کی رفاقت

چھپے پر ہوں گے، البتہ ان کا زور و عمارت



اس کا بکس اس میں زیادہ دیر بھی نہیں سی اور

235

لے کیا؟ یہ تو میں نہیں دیکھ سکتا کہ کوئی نہ لے کر آئے گا یا نہ لے کر آئے گا۔ میری بھارت کو بھی تاحیر کر رکھا تھا لیکن جب میں لان میں پہنچ کر ان دونوں کے قریب سے گزری تو میں نے یہ ضرور دیکھا کہ رانا حمید کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ اس میرے کے بارے میں میرے بھارت درست ثابت ہوئے اور میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ وہی تھا، اسی کزن فرنگ کے گروہ کا ایک سرگرم لوگ، موجودہ حالات تو یہ بتا رہے تھے کہ شاید وہ تو یقیناً فرنگ کا درست راستہ تھا۔ میں نے اسے اپنے کھانک کی طرف دھتے دیکھا۔ غالباً وہ وہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا تھا۔

اس اثناء میں جھانک سے وہ بھجڑ چھٹ چلی جتنی جو غمزدار کی آمد کے باعث مہرئی تھی۔ رانا حمید نے بھجڑ چھٹ سے "پلیس لوٹ رہا تھا۔ اُسے جو کچھ کھانے جا رہی تھی مجھے اس کا مکمل ادراک تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ رانا حمید بلیک میل کے ہفتوں کا غلام نہیں بننا چاہتا لیکن خود کو بھجڑ غصہ بارہا ہے۔ اس کا علم اب آتی ہے کہ کون کون سے پرانہ رونا ہوتا ہے لیکن اگر اس کی یہ آوازیں صدر حاکم کے قتل کے سلسلے میں تھیں تو یقیناً میں اسے کامیاب نہ ہونے دیتی۔ اب مجھے سوچنا یہ تھا کہ اسے کامیاب بنانے کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا۔

میں ملنے کی طرح رانا حمید کے پیچھے چلی رہی۔ اسے مسکر رہی ایک خیال ذہن میں جوتا رہا تھا کہ میں اس کے قریب تو رہنے کی کوشش کروں اور جب بھی وہ گول چلانے کے ارادے سے سوتلی ٹیپا میں اسے چھاپ بیٹھوں۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ انیشلی جینس دانوں کو رانا حمید کی جیب میں موجود تھیں تو اسے باہر کر دیا جاتا لیکن میں اس ایک خیالی ہی تھی کہ رانا حمید کا سوتلی چمن جانے کی صورت یہی دیکھ کر کوئی اور جہر استعمال کر دیتا جس سے میں قطعی بنے خیر تھی۔ یہ بنے خیر دشمن کی کامیابی کا سبب بن جاتی۔

میں خیالات سے الجھتی ہوئی اس کے بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ ایک شخص سے ٹکرانے لگے۔ میں اس وقت بالغ کے اس حصے میں پہنچنے ہی والی تھی جہاں تمام مردان جیتے تھے۔ چاکا کہ وہ شخص سامنے آیا تو میرے ماتھے پر لڑ پڑنے لگا۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر میرا راستہ روکا ہے۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" میں غرائی۔
"کیا آپ کا نام صبیحہ اڑ ہے؟" اس انہنی شخص نے جواب دینے کی بجائے سوال داغ دیا۔

میں نے ایک جھجھکی سی لی میا مل کر پکڑ کر معلوم ہو رہا تھا لیکن میں نے اپنی پریشانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور گڑھے ہوئے لیے میں بولی۔
"اگر مجھے تو ترسے مطلب ہے؟"

"مجھ سے اس مطلب ہے کہ میں اس تقریب میں شرکت کرنے والے ہر شخص کا دعوت نامہ چیک کر سکتا ہوں کیا آپ اپنا دعوت نامہ دکھائیں گی؟"

"میرے پاس کوئی دعوت نامہ نہیں۔ میں گھر تو میرے اطلاع درست ہی معلوم ہوئی ہے۔" ساتھ آئی میں اور دونوں دلوں کی ممان میں کہ یہ تاکید کر رہا ہے کہ اس کے بغیر تقریب میں شرکت آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ لے چلیں۔ میرے ایک ساتھی آپ کے پیچھے سوالات کو میں ایک ہتھ پڑش ان بن کر چھوٹیں سمجھا شکل نہیں تھا کہ انہی باتوں کی توجہ کر رہی تھی یا انیشلی جینس دانوں سے متعلق تھا۔ دونوں ہی اسے جان میں چھوڑ سکتی تھی۔ دوسری طرف رانا اور جلی ہو کر ممانوں میں شامل ہو چکا تھا۔ اس طرف سے وہ حرکت متوقع تھی جسے روکنے کے لئے انہی سے جان پھرنے کی کوئی تدبیر تھی اور اس لیے ہی اس کی وجہ سے مجھے غصہ آئے۔ اشتعال کو زبان نہیں لے سکی۔ انہیں یہ جانتا لوگ میری طرف متوجہ ہو جاتے۔

"کیا آپ نے سن نہیں خاتون؟" انہی کا "میں آپ کو اپنے اصرار کے پاس سے جاتا ہوں۔" "تو اصرار کیا ہے کہاں؟" میں اپنے بولی بولی۔

"زیادہ دور نہیں ہیں، جواب ملا۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔" اور جلد اور جلد اس کے اصرار کی طرف رخ کرنا پہنچ جاؤں۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور ان کے ناجای مفید ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ انہی سے ٹکرانے لگا کہ ایک تھوڑی اس گھر سے یہ قدم ہر کتنے ہی گز بڑکی مادی دم کرے میں کیٹش آفاق موجود تھا اور اس مسکراہٹ کیل نہ تھی۔ اس کے ساتھ گھر کی عمیق جاس ساتھ کے گنگ جھگ معلوم ہو رہی میرے سر پر لگا جازہ رہے رہی تھیں۔

"ان کے پاس رحمت نامہ نہیں ہے۔" لے اور میرے شخص کو بتایا۔

"کیوں؟" ادھر میرے شخص کی نظر میری "اگر میں کارڈ لاں اچھل گئی ہوں تو اس ساتھ ایسا اہانت آمیز سلوک کیا جائے۔"

"اس مینڈرے دیکھی سے تمہیں کوئی فائدہ شخص غرانا جو اب لو لہا اگر تمہارا نام صبیحہ اڑ ہے۔"

لو لہا، ہاں ہو۔ ہاں ہے پاس ممانوں کی جو رحمت حاصل نہیں ہے۔" لے دلوں کی غلطی ہے۔" میرے لیے میں مزید تیزی سے آفاق کو گھومتے ہوئے میں اب بھی طرح کچھ کر کے لے کر فرزند تری نے ادا کیا ہے لیکن تقریب کچھ نہیں نکلیں گے۔" وہ یقین آفاق نے کھلے ہونے کے لئے کہا۔ کوئی دیکھا کہ سبب بن سکتا ہے اور اسی لئے میں نے کے لئے میں کزن فرزند کی گاہ کو روک دیا۔ میں نے اور میرے شخص کو گھومنے دے دیے۔ ایک خزانہ کا غیر فزے داری کا ثبوت دے

لو لہا کے لئے میں مجھے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ میں نے کہا کہ آپ کی برکت اس وقت ممکن ہے کہ اپنی شرکت کا منقول جزا پیش کر دیں گی۔ میں نے میں ویسا ہی احتیاط اور سختی تھی جو ایک فوجی اس کے نام کے ساتھ "کزن" کا اہانت اس بات کی طرف کر رہی ہے۔ اس کے پیور دیکھ کر میں اور میرے شخص نے اسے کام چلنے کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔ انارک پور میں میں جیسے تھی بھلے ایک بات سے کہ اب اس تقریب میں کڑا گیا تھا جانا ظاہر ہے کہ ابھی صورت میں میکرولی کے رہا ہونے تھے۔ میں لفظ بہ لفظ درست بیان نے اس وقت تک جان نہیں چھوڑ سکتی تھی جب کہ میرے بیان کی تصدیق نہ کر لیا لیکن یہی کہ میرے نہیں سکتی تھی۔

وقت پر غصہ نہ کرے۔ اسے چاہئے تھا کہ حاصل کئے بغیر مجھے اس تقریب میں شرکت نہ دے۔ وہ فاب بھی ہو گیا تھا جیسے کہ گھر سے لے کر کوئی کسی معلومت سے بھی اس لیے میری زبان لگنا تھا۔ تب تو یہ کہ یہ اس کے احساس کی شدت سے مجھے ملے گی۔ میری پریشانی کا سبب پر لپٹ پڑنے لگا اور میں تھا۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ زیادہ فکر نہیں کی۔ میں نے دلوں سے بچھا پھرا ہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا، وہ جراتی حق پرانہ نہ تھا۔

لے لے کر گزرتا۔ میں نے کہا کہ میں اس کوئی اور کزن فرزند کے لئے میری جان باری تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر

برسی پڑتا، میں اسے سے لہلہا تھی۔ "اگر آپ کا غصہ سے بات کر لی تو میں صاف صاف ٹھکرا کر کے لے لے کر تیار ہو سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ میں کسی جیسے پر پہنچنے لگیں اس لیے بولی پڑی تھی۔ کزن فرزند نے مجھے تو میرے چھوٹے کے اثرات کا جائزہ لینا رہا اور چھوڑتا رہا۔ میں لو لہا کے میر خیال ہے کہ ابھی تک میری طرف سے کوئی بے تامل نہیں ہوئی۔

"آپ کا اچھا لیا رہا ہے جیسے آپ کی جرح سے مخاطب ہوں؟" "آپ مجھ کی بجائے ملام کا لفظ استعمال کریں تو مناسب ہوگا۔" کزن فرزند پہلی مرتبہ مسکرایا اور میرے لہجے میں ایک جرحی لہجہ اور خاصی سوچ بوجھ کی خاتون معلوم ہوئی۔ میں نے اسے آپ کو تو یہ اثر نہ کرنا چاہیے کہ آپ کو شک شبہ کی غلط فہمی کے لیے میرے پاس غلط معقول جواب ہے۔

"تاہم قاعدہ کی بات یہ ہوتی کہ آپ پہلے اپنا تعارف کاتے اور پھر یہ بتاتے کہ یہاں ان صاحب کی موجودگی کیوں ضروری ہے؟ میں نے کیٹش آفاق کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا نام تو آپ کو معلوم ہی چکا ہے اب بار بار بتانے دیتا ہوں کہ میں یہاں پر لپٹ کی سلامتی کا ذمہ دار ہوں۔ کیٹش آفاق کی موجودگی کا سبب یہ ہے کہ انہی کی شادی پر میں نے آپ کو پوچھ گچھ کیے لیے یہاں بلایا ہے۔ ورنہ ابھی آپ کی صرف غرائی ہی جاری رہتی۔" "غرائی؟" میں جرحک پڑی۔

"جی ہاں، کزن فرزند بچکر سگرایا۔" "آپ کا کیا خیال ہے؟" کہا ہم یہاں دعوت میں شرکت کے لئے آئے ہیں؟ میں آپ کو بتاؤں کہ جب آپ نے اس عمارت کے احاطے میں قدم رکھا تھا تو میرے دو آدمی آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

"تھوڑے ہی گز میں خیال ہے کہ یہاں میں سے کسی کا بھی کارڈ نہیں چیک کیا گیا۔"

"کارڈ کی چیکنگ قطعی غیر ضروری ہوتی کیونکہ متوقع بہانوں کی فہمیت ہمیں کسی دن پہلے ہی سے دہی تھی۔ ہم نے تمام لوگوں کے بارے میں جان چھان بین کی تھی اور ان کی طرف سے ایشیانا ہو گیا تھا۔ صرف انہی کو کارڈ لایو کرانے گئے تھے۔ اس احاطے میں موجود میرے تمام آدمیوں نے جہازوں کے چہرے بھی ذہن نشین کر لیے تھے لہذا جیسے ہی ایک انہی مایر مطلب ہے آپ نے یہاں قدم رکھا۔ میرے آدمیوں کی نظریں انہیں۔"

"پھر تو مجھے فوراً ہی کڑ لپٹا چلے تھا۔"

"ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ کون ہیں اور اس طرح بن جائے کیوں دھمک پڑی ہیں۔ میں یہ اعتماد تھا کہ آپ کو کوئی غلط حرکت کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ کی وجہ سے ان لوگوں کی بھی غرائی

کے برابر میں بیٹھی مہر کی مٹھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ دنیا و مافیہا

240

نے دلوں اس نے اپنی ایک ملازمہ کو جھینڈھوڑا

۱۔ اس میں جو سے پہلے میں ہو گا اور
۲۔ جو سے پہلے میں ہو گا اور

اب بڑا نازک وقت آچکا ہے۔ کھانے کے بعد صدرِ مملکت کو فوجی

روانہ ہو مانتا اور ان کی روائی میں اس زیادہ درجہ میں بھی گویا راجہ
کو جو کچھ بھی کرتا تھا بہت جلد کرنا تھا وہ نہ بھرتے تھے نہ مٹا اور یہ لکائی
اس کی سیاسی و اخلاقی ہمت کا راستہ کھول دی۔ دیکھتے بہت کھل کر کہہ
دیتا تھا اگر نہ امید نہ کام ہو گیا تو اس کی نصیحتوں میں پھیلا دی جائیں گے۔
اس خوفناک مصیبت حال سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت رانا امجد کے
سلئے تھی اور اس سے مستند ہونے کے لئے اب رانا امجد کے پاس چلے
جہاں منت رہ گئے تھے۔

یہ چند تھ میرے لئے بھی بڑے اہم تھے اس لئے میں اپنے
زہن کو رادھر آ کر چٹکنے سے روک کر اپنی تامل توجہ رانا امجد پر مرکوز کرنا
چاہتی تھی۔

ایسی نادوق اپنی پیٹ سے اٹھائے ہوئے دوسری تیر کی طرف جرتی
چلی گئی اسناد امجد نے اپنی لمبیٹ میز پر لکھ دی۔ شاید وہ لکھنے سے
فارغ ہو چکا تھا اس کے چہرے سے بے چینی ہو رہی تھی اور وہ خاصا
نرس دکھائی دے رہا تھا یہ حالت تھی کہ اتنے نرسوں کو کراہتے پھولا
کے اعصاب جواب دینے لگیں۔ خود میں بھی اپنے دل و دماغ میں بڑا شدید
تناؤ محسوس کرنے لگی تھی۔

رانا امجد نے ایک ہر مزہ صدر مملکت کی طرف دیکھا اور پھر مکرر عدت
کی طرف چل دیا۔ اس نے دو ہفتہ دھوئے کی زحمت گوارا کی تھی اور نہ میز
پر لکھے ہوئے نیچر استعمال کیے تھے اس کی بجائے اس نے اپنی جیب
سے دھال نکال کر ہاتھ بچھو ڈالے تھے۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی
انتشار کا پتہ دے رہی تھی اور عدت کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم
ڈھکے بھی رہتے تھے۔

میں نے اپنی لمبیٹ میز پر بھی اور نیچر سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی
رانا امجد کے پیچھے چل پڑی۔ اب ایک اور نیا سوال میرے ذہن کو لچھا رہا
تھا۔ اور رانا امجد عدت کی طرف کیوں جا رہا ہے؟
یوں تو ہمارا دل کی نشست و برخاست کا انتظام باہر ہی میں تھا
لیکن تو انیس کے لئے عدت کی کارٹرنگ کرنا ضروری تھا۔ کھن بے اس
وقت رانا امجد نے فائیلٹری کی ضرورت محسوس کی ہو۔

اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید رانا امجد نے اپنا پستول
بھی عدت میں ہی کسی جگہ چھپا دیا ہو۔ تو فائلٹ کے پہلنے سے وہ عدت
میں بے آسانی کا جانتا تھا شاید وہ پستول پہننے کے لئے اٹھ جا رہا تھا۔
میری توقع کے عین مطابق اس نے تو انیس کا ڈرنگ کیا اور اس کچھ دور
قد سے تارک کی اور اس پر زک کراس کا اشتراک کرنے لگی۔ یہاں تک اس میں
پر پھیلا ہوا تھا۔ رانا امجد کی دایہ فوری تھی اور میں نے اس کی جیب
کو دامن طور پر بھاری محسوس کیا تھا۔

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جس سے پسینہ چھٹ
پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ناختم ہو چکا ہوگا
اور صدر مملکت واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ نہیں اسی دروازے کے

دروازہ انھیں اٹھاؤ گے وہ تقریباً چار بج رہا تھا۔
اس کو اس کے میرے صبا میں سے اٹھا
اب اس عدت کے احاطے میں داخل ہوئی
میں بھی وہی تھیں اور میرا اندازہ تھا کہ صدر
اس کے سلئے ہی کھڑی کی گئی ہوگی۔ امکان تھا کہ
عدت ہو رہے ہوں۔ کار میں بیٹھے سے تپان وہ
میں نظر ملانے اور اس وقت پر بانگونی میں کھڑا
میں کے دل پر بانگونی چلا سکتا تھا۔ رانا امجد نے
کے کات اس بانگونی کا ڈرنگ کیا تھا لیکن اسے شاید
اس میں بیکورس کے کسی آدمی سے نہ بھرتے ہو سکتے تھے۔

میں نے وہ بیکورس والے کو دھکے مار کر اس کو
اس کا نشانہ اس کے کسی کوئی نہ کوئی کھڑکی وال
میں صدر مملکت کی کارٹرنگ کرنا چاہئے تھا۔ گویا
میں اس کا نشانہ بن سکتے تھے۔
یہاں تک کہ میں اس اپنی عدت میں داخل ہو گئی
اس کی اس دروازے کے قریب پہنچی جے توڑنے
میں اپنے شانے سے ٹکرائے جا رہا تھا۔

وڑتے ہوئے قدموں کی آواز بدستور سنائی دے
اس کی غمزدگی میں خیال کیا تھا۔ دراصل مجھے
اس کی کارٹرنگ آدمی ہوگا۔
اس کے قریب پہنچی تھی وہی ہی بیکورس والے
کا اندازہ ٹوٹ کر چلا گیا تھا۔ دروازہ ایک
اور بیکورس والا اندازہ میرے چہرے میں
میں میں بھی جیسے اڑتی ہوئی کمرے میں پہنچی تھی۔
اس کی اس رخ پر کھلی ہوئی تھی جو میرے
عدت کی کارٹرنگ کرنا چاہئے تھا لیکن میرا
میں رانا امجد پستول لئے ہوئے اس کھڑکی
پر پہنچا ہوا جلدی جلدی کچھ کھڑکھڑاتا تھا اور
میں رہے تھے۔ میرا پستول اس کے سلئے ہی

اگر میرے ہی اس طرح چمکا کر تھم اس
اس نے میرے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
میں نے اس کے کوشش کو روکا تھا۔ غالباً اسے
میں بھی نہیں اس کے وہ فوری طور پر اٹھنے سے انکار
اگر میرے ہی اس طرح چمکا کر تھم اس
اس نے میرے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
میں نے اس کے کوشش کو روکا تھا۔ غالباً اسے
میں بھی نہیں اس کے وہ فوری طور پر اٹھنے سے انکار

کرتے ولا ہے اس کی اشک آلود آنکھوں اور کچھ لکھے کی کوشش نے
مجھے ساری کافانی سنائی تھی۔
غالباً رانا امجد اس تقریب کے دوران میں خوشی پہنچ کا شکار رہا
تھا لیکن آخر وقت میں وہ اس فیصلے پر پہنچ گیا کہ صدر مملکت کو ہلاک نہیں
کرتے گا۔ پھر اس فیصلے کے بعد یہ فیصلہ بھی ناگزیر تھا کہ خود کوشش کرے۔
اسے اپنے ایک میلوں سے کسی رات کی توقع ہو نہیں رہی ہوگی اور
وہ میرے اس ہتھے میں پہنچ چکا تھا جہاں آدمی کو موت سے زیادہ بڑائی ہے
ڈر گیا ہے۔ اسی بڑائی سے بچنے کے لئے رانا امجد خود کوشی کا فیصلہ کرنے
پر مجبور ہو رہا تھا۔

ایک لمحے میں رانا امجد کی شخصیت ایک عظیم الشان کا رُپ دھار
کر میرے ذہنی افق پر چھائی جی جی۔ رانا امجد نے یہ دیکھا کہ اس اچھے انسان
کو موت نہیں چاہئے۔
میں نے ایک ہی لمحے میں اس کی شخصیت نگاہ دی اور اس سے پہلے
کہ رانا امجد اپنے پستول کی نال اپنی پکٹی پر رکھا۔ میں نفس میں تیرتی ہوئی
اس پر جا پڑی۔ یہ میری زندگی کی طویل ترین جہت تھی۔ میرے جھانکے
سے رانا امجد اس کی بیعت لڑکھ گیا جس پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دایر
میں بھی گری اور اس جھٹکے میں رانا امجد کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل
کر فرش پر چلا گیا۔

مجھے مر جانے دو خدا کے لئے مر جانے دو! رانا امجد گڑ گڑایا۔
"نہیں رانا امجد! میں سننے اس کے ہاتھوں کو بھرنے سے کڑھتے
ہوئے کہا کہ آپ کو اپنے دشمنوں کے پاس پر مونگ گئے۔ اٹھنے کے لئے
زندہ رہنا ہوگا۔"
رانا امجد اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑنا پڑا
آ رہا ہو۔

میں نے لکھنؤ سے بیکورس والوں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھوں
میں رونا دلواتے تھے۔ جہاں تک ظاہر ہو رہی تھی۔ اس موقع پر
سننے آئی کی قوت فیصلہ کو سلب کر دیا تھا۔ دوسرے بیکورس والے کی شکل
میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہ وہی تھا جو مجھے چوک کر لیں سر فراز کے
پاس لے گیا تھا۔

میں نے فرش سے اٹھتے ہوئے رانا امجد کو بھی اٹھانے کی
کوشش کی اور اسی وقت جیسے کسی موٹر سائیکل کے سٹارٹ
ہوئے کی آواز سنائی دی۔ ان کے ساتھ ہی کوئی کابھی اشارت
ہوئی اور اس کے ساتھ ہی بیٹیاں بھی سنائی دینے لگیں۔ اس کا صاف
مطلب یہ تھا کہ صدر مملکت رخصت ہو رہے تھے۔ اور اس میں اس ہنگامے
کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی جو پہلی منزل پر ہوا تھا۔

میں نے اٹھانے کی سانس لی اور رانا امجد کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے بیکورس والوں سے کہا۔ انہیں سنبھالو۔ اگر یہ خود کوشی کرنے
میں کامیاب ہو گئے تو تم لوگوں کو شاید صدر مملکت کے عتاب کا نشانہ بننا

فلاسبرہے کہ مجھ پر جان رہا جانا چاہئے تھا۔ سلویا کی اندھ لڑکی نے فریاد کرتے
 بلت تھی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا، میں نے اسے اپنا پتہ بھی نہیں بتایا
 تھا پھر وہ کہاں کیسے پہنچی، اور کیسے؟
 میں نے دروازہ کھل دیا اور سلویا کو اپنے سامنے کھڑا ہوا یا روہ

ہو گئے تو بالآخر ایک جگہ ساکھ اور خیابان ہو گیا،
 ہو گئے انعام خرم ہو گیا اور خرمی سرکش ہو شدہ ہو گئے،
 ہو گیا جہاں سے داستانِ طرب کا آغاز ہوا تھا۔
 اب کچھ مثالیں اس طرح گزرتے کہ ہم لہجہ
 ایک دوسرے کے نفس کا انتشار محسوس کرتے ہیں ہمارا
 ہمارو ہم نے باس کے تقاضوں کو جاننا اور گونا
 مارش کے نفاذ میں کھان اور مرط

۱۲۷۰ء کے کریم آبادی چاہئے تھی۔
 ان چھ ناموں کے سوا کسی اور نام پر مشتمل جواب دیا۔ ایک پرنسٹن
 کے مشرقی کنگڈم میں سے ہے۔
 ان چھ ناموں کے بارے میں شدید کچھ اور بھی بتایا تھا لیکن
 ایک پرہیز ہی پر ایک کریم آبادی تھی۔ میں اتنی مضطرب
 نہیں ہوں مگر اس کے علاوہ اس کے علاوہ کسی اور زبان پر

ہنول کے بارنگ شہد میں میری گاڑی موجود رہی تھی۔ ہم اس را
ہ پر سفر کرتے اور جب میں نے اپنی اشارت کر دی تو سولہ ایک تیار کیا کرینڈ
چوہاں کا گھر اس کے گھر سے دو پندرہ لاکھ کے واسطے رہا ہے۔
میں لاڈ کو رکھتے ہیں۔ فی اور نیچے ایک بار پھر اس بات کو
ایک اور ہنول میں سولہ ایک لاکھ پر میرے ذہن میں رہا تو آج صبح ہی میرے سولہ ایک

کرنا جھولی ہی جی تھی اور گنگر کے دروازے میں بھی کوئی ایسا نہ سامنے نہیں آیا تھا جو میری اس طرح کو قہر کر دیتا۔

اب میں نے واضح الفاظ میں سولہا سے اس کے بلے میں لپچا۔

تو وہ بولی: "آپ نے تو بتایا تھا۔"

"میں نے بتایا تھا؟" میں جڑن دہ گئی۔

"جی ہاں۔"

"مجھے تو بارہا نہیں آ رہا؟ میں بڑا بڑا۔"

"حیثیت ہے؟ سولہا نے بڑی مصہویت سے کہا: "صبح جب آپ مجھے باپ کی جوتھوں سے ہادی تھیں تو آپ نے اس بڑل کا نام بتایا تھا۔"

میری پیشانی پر سولہا کی تو پرکھیں لیکن میں کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے سولہا کو اپنا پتہ بتایا تھا لیکن اس کے بلے میں ایسا اعتماد اور ایسی مصہویت تھی کہ میں انہیں میں رو گئی۔ یعنی فوراً کہہ دے کہ اس کا نام کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے شکر و شبت کا انگوٹھا؟ کیا ایک فطری ہمت ہے یہ سوچنے پر مجبور ہو کر کسی کی جال میں تو پھنسنے میں جا رہی ہوں؟ اس مکان پر خود کار سڑی ہو گیا کہ وہ لوگ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے سولہا کو اپنا ڈاکٹر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ سولہا میں ان کا آکر کاربہ کرتی ہے یا نہیں؟

تاہم تو کچھ نہیں ہوتا لہذا میں نے سوچا کہ مجھے ہر قسم کی مصہوت حال کا متاثر نہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر یہ مجھے سب سے پہلے ہی میں ہو گیا ہوں تو میں کا مڑتی کا اشارہ دے دوں گی کہ میری گولائی کسے اور کوئی خیر نہیں آئے پر یاد دہان کر جانے لیکن ہوش میں میرا ذہن صرف پر شکر پر بس سے اٹھارہ دیا تھا اور وہ بولیا: "ہاں میں اس کی درود خیریت ہو کر رہی۔"

"آؤ بہ رقیق چوہاں سے کیوں منا چاہتی ہیں؟ سولہا بولی۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میں اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔"

"یہ تو کھل کر اس سے معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گی۔"

"کالنگ! انتظار نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ سولہا کے ان سوالوں میں مصہویت ہے یا دیکھنا؟

کا جواب کاٹنی میں داخل ہوئی تو سولہا نے ایک کی طرف اشارہ کیا اور اس کی میں کچھ دیر چلنے کے بعد ایک جگہ کے سامنے کھٹکے لے گئے۔

بلکہ تارک پڑا تھا خامی کشادہ اور حیرت طرزی عادت تھی۔

احاطہ میں اصل عادت سے علی ہوئی ایک ایسی تھی جو شاید ملازموں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی ہوگی۔ اس کی بناوٹ ایسی نہیں تھی جو ہمارا نو کو شہر لانے کے لائق قرار دی جا سکتی۔ اس ایسی کسی کے ایک کمرے میں روشنی کا بلب روشن تھا اس کے علاوہ عمارت کے کسی بھی حصے میں روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ تو قلعہ میں کوئی بھی موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو اپنے کمرے میں پڑا ہوا سو رہا ہے۔ اگر جیون ملاقات کے لئے آیا تھا تو شاید لائینا سامنے کے کسی بڑے کمرے

میں روکھی ہوئی۔

قد سے تو قلعہ کے بعد میں نے چھاکر کے

کال ہل کے میں پرانگی رکھ دی۔ وقفے وقفے سے کن

لیکن بے سود!

"معلوم ہوتا ہے کہ گنگا دودست گھر نہیں ہے

سے کہا۔ کیا وہ تیار تیار ہے؟"

"صرف ایک بڑا حال دار ہے جو اپنا مسئلہ

بلب آسی کے کمرے میں روکھ ہے۔"

"غالباً وہ اس وقت اپنے پریش میں ہوگا؟"

"کوئی؟" رقیق؟ وہ آتی رات کو پریش میں ہوگا؟

پریش اتنا بڑا نہیں ہے کہ وہ ان اخبارات و دیگر

میں صرف دن میں کلام ہو کر ہے۔"

"کیا قہیں اس کا پتہ معلوم ہے؟"

"میں وہاں بھی نہیں گئی۔"

"تو اس کا پتہ کیسے معلوم کیا جائے؟" میں

"پتہ تو گھر میں ضرور موجود ہوگا لیکن مشکل

گا کہ؟"

میں سوچنے لگی۔ کیا سولہا مجھے عمارت میں

دیسے سولہا کا بہت خیال غلط نہیں تھا کہ گھر میں پریش

کسی نیم میں ڈھونڈ لگا کر مجھے ہارے مل سکتے

تھا کہ رات کو جو اس کے پریش میں چھپی ہوئی کوئی چیز

میں نے اندازہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

آئی گنجائش نہیں تھی جتنی غریبا کی آبادیوں میں ہوتی ہے۔

ہر تھا کہ کبھی کبھی کہیں دور سے کسی کتے کے بھونکنے کی

جاتی تھی۔

آخر میں نے غلط میں داخل ہونے کا فیصلہ کر

تو تھا کہ اس عمارت میں میرے لئے جال بچھا ہوا ہو

میرے شکر غلط ہوں۔

"میں اندہ داخل ہونا چاہتی ہوں سولہا! میں

"مگر کیسے؟"

"مجھے کوئی چوہہ؟"

"لیکن..."

"مجھے بہترین پرفیق چوہاں کے پریش کا پتہ

نطوٹس بلے میں کہا اور پھر سولہا کے احتجاج کی پروا

پڑھنا شروع کر دیا۔

بھلا کہ زیادہ گونچا نہیں تھا اور غالباً کسی

کے لئے نہیں بلکہ چار دیواری کی خوبصورتی کے لئے

طرف تکرار میں نے اس کی کٹری کھول دی تاکہ سولہا

لے گئے تو؟" سولہا رونڈی ہوئی آزاد ہو گئی۔

قد سے دے تانوں کے محافظ ہوئے تو قہر کچھ ہی کتنی

کال پریشانی نہیں ہو سکتی لیکن اگر وہ کچھ دوسرے

ان سے پشیمانی ایسی طرح جاتی ہوں؟ میں نے

کہا۔

میں اتنا اس لئے میں سولہا کے چہرے کے تاثرات

کہ قہر پہنچ کر مجھے کسی ایسی کھوئی کی تلاش ہوئی

ان کے پتہ۔

میں کوئی نہ صرف یہ کہ مل گیا مجھے اس کی اندویش چینی

کیسے تھی نہیں تو زیادہ کھوئی کھلی ہوئی ملی تھی اور

اس پر وہ کچھ اٹھا تھا کیا واقعی مجھے جال تک لانے

اتھ کے لئے تھے؟

اب جب اس عمارت میں داخل تو ہونا ہی تھا۔ ہاں

کے لئے تھی۔

کے لئے کسی کوئی ایسا فقرہ نکل جاتا تھا جس سے

کے قہر میں اس کی کسی کوئی رہی۔ میں نے اسے

کہا تھا اور پھر خود ہی چڑھ گئی۔

میں کوئے تھے، وہ خاصا کشادہ تھا۔ وہاں فرخیر کی

میں سے قہر تہہ دیا گیا تھا اس کمرے میں روشنی

میں نے کوئی پڑا ہوا ہوا پتہ دیا کہ وہاں کوئی تھا۔

ان ایسی چیز نہیں مل سکی جو قہر میں چوہاں کے پریش کا

میں ایک کیڑا تو تھا لیکن وہ باہر کا چھپا ہوا تھا۔

وہاں سے تھے اور دونوں ہی کھٹکے ہارے تھے۔

ایک کے رونا دہنے کی طرف ڈھکی۔ میں نے سوچ رکھا

ایک یا تو میں سولہا کو کھال بناؤں گی۔

مگر میں بھی کوئی طرح چینی نہیں آیا۔ یہاں رہنے

میں نے یہ کمرے ہی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی

میں اس کی نیز کی دراز پر دیکھنے لگی لیکن اس تلاش کے

اتھ کا خیال رکھا تھا کہ میری پشت و دائروں کی

...

کامیابی حاصل ہو گئی۔ میری دوسری دراز میں مجھے

کے لئے مل گیا تھا جس پر اس کے پریش کا پتہ بھی

کے لئے پتہ ملاؤں رکھ لیا۔

"میں نے سولہا کا کاٹھ پھینٹ دیا ہے۔" میری سرگوشی کی

میں گھر میں بیٹھ گئے اور میں انہیں اشارت کے

انہیں کہہ دیا تھا کہ وہاں حساب میں نے غلطیوں کی

ہے شاید ثابت ہو چکے تھے۔ اگر دشمن نے سولہا

کو آزاد کا دہانہ کر کے جانے کی کوشش کی ہوئی تو اب تک معاملہ مکمل کر

سامنے آچکا ہوتا۔ چونکہ کچھ نہیں کہا تھا اس لئے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو

گئی کہ میں بھی نو لسان ہی ہوں۔ میری یادداشت بھی دھوکا کھا سکتی ہے۔

میں نے واقعی سولہا کو اپنے بڑل کا پتہ بتا دیا ہوگا اور وہ جہاں سے سفوف

ہو کر میری طرف دھڑی پھلی آئی ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیون سے

دونوں کی خاموشی ہزاروں کیوں سے زیادہ خوفناک ہوئی ہے۔

دلت آدمی سے زیادہ گڑبگڑ تھی لیکن میرے پاؤں کا چکر ابھی ختم

نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے بدلے جانے کی توقع تھی۔

رقیق چوہاں کے پریش تک پہنچنے میں دس منٹ لگے۔ وہ ایک

مٹی میں تھا اس لئے میں نے کمرے کی دروازہ پر ہر چوڑی تھی۔

پریش دھونڈنے میں مجھے کوئی خوشامی نہیں ہوئی تھی۔ پریش

کا دھڑا بند تھا لیکن عقیقے سے ایک روشندان سے اندویش

باہر آ رہی تھی اور دشمن چلنے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

دو اور وہاں کھٹکے کے انداز میں میں نے کچھ دیکھا کہ پریش میں

اس وقت رانا تھیک تصویریں چھپ رہی تھیں۔

میں نے غصہ کیا کہ یہاں پر کمرے کا کلام ختم ہو چکا ہے اب یہاں

سے روٹ کا کلام شروع ہوگا۔ دسی سرخ دانٹ حاصل کر کے پریش پر

چھاپہ مار سکتا ہے۔

میں تیزی سے اپنے بڑل کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہاں سے میں لا

کوفن کرنے کے بعد میری الذہن ہو جاتی۔ سولہا ہر سترے ساتھ تھی۔

کیونکہ مجھے ابھی اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

بڑل میں کا انداز تھی میرے کمرے میں بیٹھا جاگ رہا تھا۔ میں نے اسے

دھت کیا اور سیلفون پر دھونے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگی

میری ہم کو جلدی میں کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا۔ دھن کا مڑتی خود

ہی بتا دیتا۔

میں دھڑی تھی کوفن پر دھونے سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا تو کیا

ہوگا؟ لیکن میرا یہ خوف جلد ہی ایمان میں بدل گیا۔ جب میں نے دھڑی

طرف سے روٹ کا دھونے۔

"بھلا روٹ اپسنگ؟"

"میں بازو بول رہی ہوں۔"

"خیریت؟"

"آپ نے اب تک کہا پڑ گئی کی ہے؟"

"میں چھوٹے چھوٹے پڑیوں کے بارے میں معلومات جمع کر چکا

ہوں۔ انڈیا۔ لیٹین انڈیا۔ کھانگرا۔ آریوں کو ان پڑیوں کی بخانی کے

بارے میں دہلیت دینے ہی والا تھا۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں نے اس پریش کا پتہ بتا لیا ہے

جہاں اس وقت وہ تھوڑی چھپ رہی ہیں۔"

دو تھی؟" روٹ شاید اپنی جگہ پر چھل پڑا ہو گا۔

میں نے اسے ختم الفاطمیں پر ایک رسالہ کی کتابی شاہی اور چھ کتبہ اب یہ آپ کا کام ہے کہ سرچ و لکھت حاصل کر کے اس پر پھانچا ہوں لیکن یہ کام بڑی محنت میں ہونا چاہئے کیوں ایسا نہ ہو کہ یہ صرف کثیر شاہی پڑے ؟

”اب آپ انہیں سے سوچا میں انشاء اللہ کل صبح ملاقات ہوگی“

ذہنی جو زبان کے پرکاش کا پتہ چلنے کے بعد مجھے اطمینان تو دلائیں ہو گیا تھا لہذا میں فیہیون بندر کے انڈون لیتی ہوئی بستر کی طرف پہنچی۔

سلووا کو کہہ میں آتی ہوں بستر پر جو میری جی اداس کی آنکھوں سے غبار جھلک رہا تھا۔

”میرے لئے آپ نے کیا سوچا ہے ؟“ وہ پُر تشویش لہجے میں بولی۔

”میرج کی رات تو فریسیس گزراؤ کل دیکھا جائے گا۔ مگر بالآخر تمہارا رسالہ رات غائب ہو رہا تھا میری جی کے لئے تو گھبراہٹ کا سبب نہیں بنے گا؟“

”نہیں تاہم اس کی عادی ہیں۔ ہفتے میں دو ایک مرتبہ تو میری باتیں دوسروں کی سے گھڑیں پوسر ہو جاتی ہیں۔“

”بس تو پھر سوچ جاؤ۔“

میں نے اپنی ساڑی اتار کر ایک کرسی پر بیٹھ کر دی اور صرف بلاؤڑا ہر پٹی کٹھ پینے ہوئے بستر پر لیٹ گئی۔

میں نے اپنی دانست میں دانا جید کو مینا سے یہ بجا دیا تھا۔ اس لئے یہ حد پر نہ ہونے تھی۔ جلد ہی میں بندے کے ساتھ اسے سلوونے لگوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ سلووا نے جھانک کر دیکھ کر سوئی رہی۔

مجھے بڑی گہری نیند آئی۔ سلووا نے مجھے مقل اسووی کی بخشی تھی اس لئے میں نے کوئی دیکھ کر خواب بھی نہیں دیکھا۔

صبح مجھے فیہیون کی گھنٹی نے اس وقت جھلایا جب دیوار گیر کلک سلت بجنے کا اعلان کر رہا تھا میں نے بوجھل دماغ کے ساتھ سیور اٹھا یا اور عسوس کیا کہ گھنٹی نے سلووا کی نیند میں جی خلل ڈالا تھا لیکن اس نے کسرا کو دوسری طرف کوٹ لے لی تھی۔

مجھے فون کرنے والا ٹوٹ تھا اس نے کہ ”میں صندت چاہتا ہوں یا تو کہ میں نے آپ کی نیند لوری نہیں ہونے کی لیکن لا کم نوبت ایسی ہے کہ میں آپ سے ملنا نہ ملتا چاہتا ہوں مجھے آپ کے ہوشل پہنچنے میں بس آدھا گھنٹہ لگے گا۔“

”آخر بات کیا ہے؟“

”یہ میں دیکھ کر بتاؤں گا۔“

اس سے پہلے کہ میں پھر کوئی سوال درخ و دیتی اور فون نے مسلسل منقطع کر دیا اور میں سیور کو اس طرح گھورنے لگی جیسے ماٹھو جیس میں سے کسی بچھو کے کھنے کا ادبیت ہو۔ روف کے پتھر پتھر پیچھے میری نیند بالکل آڑا دی تھی۔ چند لمبے لمبے میں سیور رکھا اور بستر سے

اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اپنی ساڑی اٹھا کر ہاتھ دھو کر لیکن پھر مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے ہاتھ دھو کر کاش کر کے کی روم سرور کو نشتے کی ہدایت دے دی۔

آدھا گھنٹہ میری تیار کی گئے کا کافی تھا۔ جب پہنچا تو رات تھک چکی تھی۔ آج کا تھا میں نشتے کے سبھی تھی تاکہ اندوہی کر کے میں سوئی ہوئی سلووا بھاری جاگ نہ جائے۔

روٹ کے بال نشتے سے تھے اور انکھیں مٹھ رہی ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ مسلسل جاگتا رہا ہو۔

”صندت حال بڑی عجیب ہو گئی ہے ہاتھ پاؤں اس نے ہر کیا کر پھر پھر چاہا پھر ناکام ہوئی؟“ میں نے بولی۔

”خدا ہاں اسے ناکام ہی نہیں گئے کو اس سے مانا“

”تو پھر شین پر کیا عجیب رہا تھا؟“

”کسی جھوٹی ادارے کا ایک نینڈل۔“

میں روف کی صورت دیکھ کر وہ گوی اس اطلاع نے رکھ دیا تھا۔

”ہیں بڑی گہری چوٹ ہوئی ہے باؤ، روف میں تباہ ہو چکے ہیں۔“

”وٹن کو اڑانہ ہو گئی تھا کہ ہم طاعت دو کئے گئے پھر پوسر پر نظر رکھیں گے لہذا اس چلی کہ ہادی تو پھر پوسر سے ہٹ کر روف چوٹ چان کر پوسر اور وہ اپنی اس چال میں کالیب بھی کر گیا۔“

”اسی دوران میں اور پوسر میں جی چوٹ چانچا بھی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میرا شہر درست ہی تھا۔“

”کوئی سادہ؟“

”یہی کہ سلووا جانے دشمن کی سامتی ہے۔“

”یہ بھی تو کہیں ہے کہ وہ داناشلی میں ان لوگوں کی ہو۔“

”روف نے خیال ظاہر کیا بیہوش نے سلووا سے دینے اسی لئے پوچھا ہو گا کہ یہ بات آپ تک پہنچ جائے۔ اب ہر گز کہہ نہ ہے کہ شملر ایک فلاٹ سے چوٹوں وہ تصویر دونوں ہوا جائے۔“

”کراہی میں ان لوگوں نے کچھ ایسا بندوبست وہ تصویریں ایک ہی وقت میں ہزاروں لوگوں تک پہنچے۔“

”آپ کو یہ معلوم ہوا کہیں؟“

”میں نے دیکھ کر کرائی کے علاوہ بندوبست ہو گا کے کہہ میں ہونے والی گفتگو کو سب کا جا سکے۔ اس کی وہاں دو تین نامک چھپا دیے گئے تھے۔ اس کے کہ میں قہار میں دیکھا کہ میں اسی اور ان میں سے جو آدمی ہے اس سے مجھے یہ ساری باتیں معلوم ہوئی ہیں۔“

ال رپوٹ دیتا رہا ہے۔ وسائل اس وقت میں رانا جید آبادہ وادی معاملے سے متوثر نہیں ہوں۔

”ماٹھ ہے؟“

”ناتالہ جھلک کرنے والے نورخان علاقے تو ہیں جن میں اپنا کیا تھا بینک اب وہ کٹے کے معاملے آئے فلسفہ کو کٹر ان خبریں رپوٹ دیتا رہا ہے۔ ویسے یہ رپوٹ میں ہوتی تھی کہ کم ہونے کا پھر شیران باتوں سے میں کرکتا تھا۔“

”اب کچھ اب ایک ذرا ماسا۔“ ہے۔“ میں بڑبڑائی

”ان کو دوسری طرف سے جواب دیا تھا یا اس نے میں نے نہ متعلق کر دیا تھا۔“

”جواب دیا تھا کہ بڑی بات میں نے اپنا کام بھی بتا دیا تھا۔ اب اور میں بھی دیکھ لیجئے۔ رانا جید کو دیا جانے والا پتہ لہذا اس کے گھر سے رپٹ ثابت ہو گئی ہے کہ وہ پہنچی جہاں سے پاس سفارت خانوں کے عملے کے قتلہ اور دیکھا جاتا ہے جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔“

”میں بھی۔“ یہ معاملہ تو واقعی بہت عجیب تھا۔

”نہ اپنا ہاتھ جلا کر دو دین گھر کے کٹھ لے لے اور پھر بولا۔“

”اب کچھ شہنشاہ ہوا جا رہا ہے۔“

”کے ابتدائی مرحلے میں ایک سلاش کا کچھ جی اور اب میں پانچ سلاش تھا۔ میں نے دو پالیوں میں چائے بنا کر دی۔“

”انہیں نے پالی لیتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔“ اب بہت اس معاملے کو کوئی نہ کھلا کھلا جائے لیکن سرکاری کی کہہ گئے اس کا طرہ یعنی سفارت خانے کو ضرور ہے حکومت نے سفارت خانے کے ایک سرکردہ غیر ملکی قوتیات کو چھ فی نظر سے نہیں دیکھے اس لئے وہ قاتل کا ذرا غیر ملکی طرح پر کھلا جائے۔ آپ کی کیا رائے؟“

”میں اس معاملے کی چھان بین صرف میں کروں؟“

”کہہ گا کوئی صورت نہیں۔“

”میں اس کی اس مسئلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ آپ نے اس مسئلے میں کیا سوچا؟“

”میں یادہ مارشیل میں رہا۔ شام کو رپوٹ پر چوٹ لکھ دیا ہے اس کی اور اس کی گرفتاری کے لئے ان افسروں کے کہہ گا؟“

”اب کچھ اب کالیب نہیں ہو سکتا ہے۔“

”یہ معلوم نہیں معلوم ہوتا ہو دکھاؤ دے رہا ہے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”میرا ذہن خود ہی آٹا لکھا ہوا ہے کہ میں اس کوئی سبھی ہوئی بات کہنے سے تھک چکا ہوں مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے لیکن بے کشم تک میں کچھ واضح گفتگو کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ اب آپ کمال جانیں گے۔“

”میرے لئے اب چند گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔ میرا دماغ پھوٹے کی طرح ڈھل رہا ہے۔“

”اب کچھ اب چائے اہلوان میں وقت گزرنے سے کیا حال؟“

”میں اس کے کہ میں ان حالات میں کیا کر سکتی ہوں۔“

”ان باتوں کے دوران میں روف نے چائے کی آدھی پیالی ختم کر لی تھی۔ اسے ختم کرنے کے لئے دو بڑے بڑے گھونٹ لے کر دھو گیا۔“

”میں جتنی اچھی ہوئی تھی کہ اسے رخت کرنے کے لئے دو واٹس تک بھی نہیں میں نے گھریٹ سلائی کیونکہ اس وقت مجھے اس کی حضرت مسوس ہو رہی تھی۔“

”جب سے اس معاملات میں بھی سفارت خانہ قوت ہوا تھا، مجھے وہ سب کچھ ایک ذرا مذہم ہونے لگا تھا لیکن اب تک اس کی ذہنیت پوری طرح تھیں نہیں آتی تھی۔ پاک چین تعلقات میں اس قسم کی گڑبڑ سے بہت بعد ایک تاج مرتب ہو سکتے تھے۔“

”میں نے تباہی پر سے انہما تھا لہذا روف کے درجہ سے مجھے کچھ پڑنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اب میں نے فریون پر نغز ڈالی اور اس کے بعد غرضی غرضیوں کو غور سے پڑھا لیا۔“

”ان خبروں کے مطابق ملک کے حالات کسی بھی لمحے نازک ہو سکتے تھے کشمیر میں شہر جو ہونے والی جنگ آڑی پاکستان کو بھی گولہ باندی دھک سے نہ اٹھنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ کشمیر میں آزادی کے مسئلے پر قدم پر کامیابی سے ممکن نہ ہو سکتے تھے۔ نوکیلیوں پر کشمیری جیواں کے جلنے تباہ کن ثابت ہو رہے تھے اور جھلکی فون کو ذرا درست لقمہ اٹھانا پڑا تھا پاکستان میں علوم انسانی کی ریسرچ کے حق پر پاکستان کو ان علوم شہر یوں کی مدد کرنا چاہئے اور پھر جھلکی رہا خاؤں نے یہ الزام تراشی شروع کر دی تھی کہ کشمیر میں پاکستانی فوجی ٹرپس ہیں۔“

”وزیر خارجہ دھاک سے واپس آ چکے تھے اور انہوں نے متے کی مٹھا صاف بیان سے دیا تھا کہ کشمیر میں چین آئے واقعت میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں اور پاکستان تمام فیضوں کو چھوٹا طور پر مل کر چاہتا ہے وزیر خارجہ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے سفارت خانوں کے کارکن ہو سکتا تھا؟“

”چھوڑے بغیر ملے کیے جانیں گے۔“

”ان حالات میں دشمن کے ایجنٹوں کی اندرون ملک سازشوں میں تیزی آ رہی جانا چاہئے تھی اور ان کی سازشوں کا نشانہ ہونے کے علاوہ وہ خاؤں یا اس کے سفیرت خانوں کے کارکن ہو سکتا تھا؟“

میں نے انہیں ایک طرف ڈال دیا اور انہیں ایک کونے میں بچنے
 دیا۔ وہ ایک سچا عجب و قس ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے
 اپنے جذبات ہیں۔ حدیث ملکوت کو قتل کروانے کے لئے اس کا انتخاب کرنا
 امر بڑی سچی آئی ہے۔ اس نے ذرا بھی عقلندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے
 اس پر جتنا غور کیا، اتنا ہی مجھے صدمہ ہوتا تھا کہ اس کے سلسلے میں امریکی
 سی آئی کے ایک شخص نے اس کی طرف نظر ڈالا۔ اس شخص کو اس سے
 جس کا ذکر اس کی زندگی میں کیا گیا تھا، میں نے یہی بیان منسوب کر دیا کہ
 توقع نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یہ باتیں بھی تھیں کہ امریکی سی آئی کے
 کے مقامی ایجنٹ اس کے لئے کام کرنے والے ادارے کو مزید اپنا کارہ
 میں لے کر نظر فرمگے۔ تو رہنما کے دوا تھا کہ وہ جسے دوسرے ذہن کا
 مالک ہے۔ اس کا نام دوسرے کچھ کچھ جالاک نظر نہیں آتا تھا۔ یہ اس کی
 صلاحیت تھی کہ وہ جہاں جاتا تھا، وہاں کے بدماخون اور خیر پند
 عناصر کو متفق کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیتا تھا۔
 تو پھر آخر ان لوگوں کی طرف سے ایسی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا؟
 اس سوال پر جواب دے کر کہنے لگا کہ میرے ذہن نے کچھ غصوں کی خطوط
 پر کام کرنا شروع کر دیا اور میری ہمت جلد میرے دل سے یہ فیصلہ صادر کیا
 کریں یا نکل دھرت سوچ رہی ہوں۔
 سلوا کے بارے میں میں بھی غصے نہیں تھا کہ وہ ناواقفیت میں
 دیکھ کر اس کا نام نہیں لے سکتی تھی بلکہ سچ اس کی ایجنٹ تھی۔ اس نے بد
 ہی کی ہدایت کے مطابق مجھے بے وقت بنا دیا تھا۔
 لیکن ان لوگوں میں سلوا کو یہ بات نہیں کہنا چاہی تھی کہ میں اس
 کی حقیقت سے واقف ہو چکی ہوں۔ یہ امکان میرے پیش نظر تھا کہ میں
 کسی وقت اس کے ذریعے دشمن کو کوئی کارروائی کر سکتی ہوں۔ مگر اس
 سلسلے میں ابھی تو میرے ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی لیکن کسی وقت
 بھی مجھے کوئی نکتہ سوچ سکتا تھا۔
 میں اپنے کارروائی کر رہے تھی۔ سلوا میری ہمت میں کٹا
 دے رہی تھی۔ میں نے سزاوارتہ مسکوٹ کے ساتھ اس کے چہرے کی
 طرف دیکھا اور پھر کہنے کی ہیز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ہیز کی دروازے
 کی طرف گئے۔ کاپڈنگ کا اور تمام کھول کر اس پر گھسنے لگی۔
 سلوا بارنگ لگا، ڈیوٹر ٹر پیا۔
 مجھے ایک اندازہ ضروری کام سے جانا پڑا وہاں سے نہیں
 جگنا نہیں اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ شاید یہ نیند
 سے اٹھنے کے باعث تمہاری طبیعت خوب ہو جائے میری
 عدم موجودگی سے کچھ غمناک تھا، درجہ تک میں نہ جاؤں کہ میں
 کرنا۔ ہسپتال سے ایک دن کی چھٹی کر کے میں کوئی حرج
 نہیں ہے۔ اگر ضروری سمجھو کہ ہسپتال کو فون کر کے اپنی
 غیر ماضی کی اطلاع دے دینا۔ کھانے اور ناشتہ وغیرہ
 کے لئے تم بڑوں کی آدمی سروں سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔

میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کر رہا تھا۔
 تمہاری
 صبر و باز
 یہ خطا کھڑی کرنے سے صلیب کا کھڑکے کا اور جب
 نکل آئی ایک منٹ بعد ہی میں کا ذکر ہے کہ میرے ہر
 فوراً ہی دروازہ کھولا گیا اور کھڑکے پر مجھے دیکھ کر کہ
 "ادعا ہے!۔۔۔ تشریف لے لیتے! وہ ایک حالت
 "میں میں جا رہی ہوں۔ میں نہیں ایک کام کرتا ہے
 تم نے رات میں لڑکی کو میرے ساتھ دیکھا تھا، اس
 سو رہی ہے۔ اگر وہ ہمارے لئے اس کی نقل و حرکت پر کام
 "سمت بہتر
 "میں میں جا رہی ہوں۔ میں نہیں ایک کام کرتا ہے
 آگے بڑھتی چلی گئی۔
 یہ لڑکی کو میرے ہتھکڑی پر میں اپنی سے ملاقات
 میں اسے خود نے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا قتل
 پر میں اپنی طرف سے اس کے ہرگز نہیں ہے۔ اس کا
 چاہتی تھی کہ کوئی اس کے سلسلے میں نہ ہو کہ اس کی
 میں اپنی کہنے کی گاڑی میں بیٹھ کر میں اپنی
 گئی اس وقت میں نے یہی مجھے راز کھلا کھال آگیا۔ وہ
 میں اور کام ہو گا میں وقت سے اس کے بارے میں
 وہ بدستور سیکورٹی قانون کی حرمت میں ہے۔ اس کے
 حوالہ میں نے دیا ہے۔ اس کی فوری ہائی فونکس
 میں سوچتی ہوں کہ کارروائی کوئی دہریہ اور جب
 جہاں مجھے پر میں اپنی سے ملاقات کرنا تھی تو میرے
 خیالات ایک مرکز پر جمع ہونے لگے۔ مجھے یہ پتہ چلا
 کہ قتل کی کوشش کی طرح، میں نے اس کی طرف سے
 نہیں تھا۔
 وقت میری نظر سلسلے سے آئی ہوئی ایک
 گئی۔ اس کا کہ میں دیکھتی تھی۔ ان میں سے ایک کو تو میں
 دوسرے کے چہرے میں بھی مجھے شہادت کی جھلک
 میرا یہ خبر لاری خود دیکھ کر میرے ہرگز نہیں
 فونکس کی کارروائی سے نکل گئی۔ میں نے بڑی تیزی سے
 جو سے ہوتے تھے۔ میرے پیچھے کچھ نہ تھا۔ میری
 جو سے تو میری گاڑی کے کسی حصے سے ٹکرا جاتی تھی
 یقیناً اس کا ڈرائیور مجھے یہ نشانہ دیا کہ اس کے گناہ
 ڈاکٹر فونکس کے علاوہ کسی بات کی فکر نہیں تھی
 ڈاکٹر فونکس مجھے لوں اور میری حالت میں تھی
 شہید سا ہو رہا تھا کہ اس کی کاسمی عمارت کے

کہ وہ نہایت ہی بہت تیزی سے جان کر رہی تھی
 کہ میں نہیں سوچتی۔ پانچ سات منٹ بعد مجھے یقین
 اصرار ہو رہی ہے۔ مگر فونکس کی کارروائی
 ہلے کسی طرف مڑی تھی اور میں نے اسے
 نہ تھا۔
 میں باہر سانس لینے کی ادائیگی کر رہا تھا
 کہ اس کے ساتھ کوئی مصرت نہیں ہو سکتی تھی کہ
 کہ وہ تو میرے ہاؤس میں کھلے لئے پھلے ہوئے
 اس کا کوئی کوشش کر رہی تھی اس کے ساتھ نہیں
 وہاں تک کہ وہاں اس کے ٹھکانے کا پتہ
 میں اس کو اس پر ہاتھ ڈال سکتی اور اس کا اختیار
 ان میں نہیں تھا۔ ابھی تک اس کا اختیار نہیں
 نہ تھا۔
 اس کی گاڑی کا رخ مڑا لیکن اس میں تیز فونکس
 میں اس کی تھی۔ یہ کوئی کوئی میرے ہتھوں پر
 اس کا وہی کس کوئی اور اب بھی وہی ہی دل میں
 میں اس کی نسبت ہوا تھا کہ وہ غصے اور جھلٹ
 نہ تھا۔
 میں اپنی گاڑی کی ریش کاٹھ کے احاطے میں
 سے تھے۔ اندر سے کھڑکے پر ہاتھ ڈالنے سے
 میں نے ایک فونکس کو اپنے ہاتھ میں
 کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنی
 اور گیا۔ میں اپنی ہتھیں چالیں ساتھ
 میں نے اس کے ساتھ مناسب الفاظ میں اس
 نہ تھا۔
 کو فونکس بھی کیا تھا۔ میں اس کے چہرے
 اس نے بچھا۔
 اس ایک بجے کے بعد بلکہ ساڑھے گیارہ
 میں اس کے پاس میرے ہمت سے کرم فرما رہی
 میں سمجھتا تھا۔ میں ساڑھے گیارہ بجے اپنی
 یقیناً اس کا ڈرائیور مجھے یہ نشانہ دیا کہ اس کے گناہ
 ڈاکٹر فونکس کے علاوہ کسی بات کی فکر نہیں تھی
 ڈاکٹر فونکس مجھے لوں اور میری حالت میں تھی
 شہید سا ہو رہا تھا کہ اس کی کاسمی عمارت کے

کہ وہ نہایت ہی بہت تیزی سے جان کر رہی تھی
 کہ میں نہیں سوچتی۔ پانچ سات منٹ بعد مجھے یقین
 اصرار ہو رہی ہے۔ مگر فونکس کی کارروائی
 ہلے کسی طرف مڑی تھی اور میں نے اسے
 نہ تھا۔
 میں باہر سانس لینے کی ادائیگی کر رہا تھا
 کہ اس کے ساتھ کوئی مصرت نہیں ہو سکتی تھی کہ
 کہ وہ تو میرے ہاؤس میں کھلے لئے پھلے ہوئے
 اس کا کوئی کوشش کر رہی تھی اس کے ساتھ نہیں
 وہاں تک کہ وہاں اس کے ٹھکانے کا پتہ
 میں اس کو اس پر ہاتھ ڈال سکتی اور اس کا اختیار
 ان میں نہیں تھا۔ ابھی تک اس کا اختیار نہیں
 نہ تھا۔
 میں اپنی گاڑی کی ریش کاٹھ کے احاطے میں
 سے تھے۔ اندر سے کھڑکے پر ہاتھ ڈالنے سے
 میں نے ایک فونکس کو اپنے ہاتھ میں
 کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنی
 اور گیا۔ میں اپنی ہتھیں چالیں ساتھ
 میں نے اس کے ساتھ مناسب الفاظ میں اس
 نہ تھا۔
 کو فونکس بھی کیا تھا۔ میں اس کے چہرے
 اس نے بچھا۔
 اس ایک بجے کے بعد بلکہ ساڑھے گیارہ
 میں اس کے پاس میرے ہمت سے کرم فرما رہی
 میں سمجھتا تھا۔ میں ساڑھے گیارہ بجے اپنی
 یقیناً اس کا ڈرائیور مجھے یہ نشانہ دیا کہ اس کے گناہ
 ڈاکٹر فونکس کے علاوہ کسی بات کی فکر نہیں تھی
 ڈاکٹر فونکس مجھے لوں اور میری حالت میں تھی
 شہید سا ہو رہا تھا کہ اس کی کاسمی عمارت کے

ہوا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

254

”جی ہاں وہ ہرگز“

میں نے انگریزی دیکھ لی دیکھ لی دیکھ لی

لئے ہیکپارہا تھا کہ کسی ثبوت کے بغیر وہ معزز مہمانوں پر الزام تراشی مناسب

255

”اگر آپ؟“ روف نے جبرت سے کہہ
 میں نے تعفیل سے سدا کی باتیں بیان کر ڈالیں۔ روف بڑی
 قہر سے سنا رہا۔ بیچ میں کبھی کبھی دو کوئی سوال بھی کر چکا تھا۔ جب میں
 خاموش ہوئی تو روف کا چہرہ دھڑکتے سے شرع ہو رہا تھا۔
 ”آپ نے تو کمال کر دیا۔“ وہ بولا۔ اس معاملے کی نفی کا اس
 سے بہتر ہارتز کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے صدمہ غم سے انخاب کی راد
 دینا پڑتی ہے۔ انہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو خوب پہچانا۔“
 ”لیکن اب سب سے بڑھ کر یہی سفیر کو جب ان باتوں کا علم ہوا
 ہوگا۔ تو اس نے کیا قدم اٹھایا ہوگا؟“
 ”مجھاب پتا چاہئے۔“ روف کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”میں سفیر
 نے یقیناً ہمارے حکم سے رابطہ قائم کر دیا ہوگا۔ آپ نے پرس، انامی
 کو اپنا پتہ بتا کر ان کی اب گھوڑے سے جاکر اس معاملے کو سنبھال دیا تو
 میرے حکم سے دے آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔“

دیا گیا تھا۔ پیغام کے مطابق ڈوٹ نے صورت حال
میں اپنے کسی بھی گزیر سیر تو نہیں کی تھی
وہ جسے کچھ تک غلطی تھی۔ انھیں بڑی کمزوری تھی
سوی جی میں گھومنا آسان نہیں تھا۔ میں لیکن ان دنوں
حالات بہت سے کر رہے اور کم کر رہے تھے کہ کوئی حالت
جسب میری کمر کھل کر میری آنکھوں میں آنکھیں آجایا ہوا
تو میری ذرا دیر سے ہر دن کئی کئی دنوں کے لیے
انکھیں کھلی رہیں تھیں۔ میں نے جلدی سے کر کے
میرا دل دلا دیا۔

۱۔ اہل ایمان کا خیال آیا اہل کفر کے اس کے پاس
 ۲۔ افسانے اس کے جواب میں کہا "جینی میسر نے
 ۳۔ عالم کر یا تھا خانہ پر میں نے کوشش کر کے فوراً
 ۴۔ میں لے لیا تاکہ آپ روشنی میں نہ کہنے پائیں۔
 ۵۔ ایک صحت بڑا فائدہ ہوا ہے "

"میرٹ ہے یہ لڑ خیل تو بہ تھا کہ تہرب میں لائی ہی فاروق کھل کر لانا ہر
 کے سلتے ان کی تہی۔"
 "آپ کا خیال غلط ہے ورنہ نانا عید اس کے بارے میں بتا دیتا۔"
 "بہتر دیکھا کہ آپ ایک کام کا بندوبست کر دیں۔"
 "کس کام کا؟"

میں نے وہاں کی بدولت دینی پر غصہ کرنا تھا لیکن اس کے جہلوں کی تمام خواہش سوچ کر منہ پر رکھ کر بھائی نے بھی تھی۔
گفتگو کی خوش منہیں ہو سکی تھی تاہم مجھے تھا کہ رضوان اس وقت اپریلوں کی طرف دوڑ لگنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ وہ میری کسی بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔
ایک خستہ بدن میں نے پھر ریسور اٹھایا اور اپنی آئی۔ اسے رابطہ قائم کرنے لگی۔ میں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کبھی کوئی کئے کوئی غلط ہے یا نہیں؟ جواب مثبت ملا تو میں نے فوراً گناہ رتی کو اپنے کمرے میں بلوایا اور اس کے ساتھ کمرے میں دو سیلنگ بک کر آئے۔ وہاں میں کماؤ کو کوئی اپنے ساتھ ہی واپس لے جانا چاہتی تھی۔ رات پڑنے ہی میں اس کے تن تباہ ہونے کے لئے کوئی چور نہیں تھا۔ گناہ کرنے کے بعد میں نے ہاتھ دم کاڑھ کیا اور اپنا حلیہ کمرے کے اندر کمرے سے نکال آئی۔ میں عدالت کا گناہ ڈانٹک بال میں کھانا چاہتی تھی۔
میں نے نہ صرف کھانا کھایا بلکہ کافی بھی پی اور اس کے بعد سرگرت ملائی۔ ان دنوں میں کچھ زیادہ ہی سرگرت پہننے لگی تھی۔
کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد کماؤ رتی کے مجھے بیٹھن پر بتایا کہ وہ کنگ کر لایا ہے۔ اس نے مجھے غلط کا وقت بتایا اور میں اس خیال سے مطمئن ہو گئی کہ مجھے جیل میں اپریلوں نہیں جانا پڑے گا۔ تیاری کے لئے تمام وقت تھا ویسے کوئی بھی خاص تیاری نہیں کرنا تھی۔
میں آج دن میں دو مرتبہ سوچی تھی اس سبب میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ یہی دن تھی ایک اور بھی دوسرے مسئلے کی طرف متوجہ رہی تھی۔ فی الحال بنیادی مسئلہ رانا حمید کی تصویروں کا خلد ایک ہفتہ میں تو انہیں چھوٹے کی کوشش کی نہیں گئی تھی اس لئے اسکا نئی خبر کچھ شاید یہ کام وہ لوگ کراچی ہی میں کرنا چاہتے ہیں۔
گیارہ بجے میں نے وقت کا فون وصول کیا۔
"کراچی سے رپورٹ وصول ہو چکی ہے۔ اس نے بتایا۔
"کیا رہا؟" میں نے بے تاملی سے پوچھا۔
"دشمن کے سامان میں کوئی بھی قابل گرفت چیز نہیں تھی۔
اس جواب سے مجھے ایک گونہ سکون حاصل ہوا اور پھر میں بولی۔
"خیر اب یہ معاملہ مجھے کراچی ہی جا کر دیکھنا پڑے گا۔
"آپ کب جا رہی ہیں؟" وہ فون سے ملنے سے پوچھا۔
"میں نے کل صبح کی فلاح میں میٹ بک کر لی ہے۔
"اوہ! اتنی جلدی پروگرام کر گیا۔
"ہاں! مجھے یہ ایسا احساس ہونے لگا ہے جیسے میرا کراچی جانا ضروری ہو۔ ویسے میں بیٹھن کو آپ سے رابطہ قائم کرتی رہوں گی۔
"دوسری طرف خاموشی رہی۔

پہلا ۱۵ مئی کو بولی۔
"جی۔" وہ فون سے جیسے چونک کر کہا۔ میں
"آپ کا کوئی جانا مناسب ہے مجی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کماؤ رتی کے لئے اپریلوں کا آگیا۔
"اچھی بات ہے۔ کوئی اور اضافہ بات؟"
"جی نہیں۔ اچھا! شب بخیر۔
"شب بخیر! میں نے کبھی کبھی سوچا تھا کہ اس رات میں دیکھ جاتی رہی اس لئے کہیں کل دیر تک نہ سوئی رہوں۔ میں نے فون پر کماؤ وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے رات بھر کے لگے دوڑ میں طیارے میں بیٹھنے لگی کراچی تھی اچھ پٹری کی بہت سی یادیں اس طرح میرے ذہن میں جیسے اب مجھے کبھی پڑی نہ آتا ہو۔
ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی جنگلات کی کھیتی ہوئی تو کیا اس بھی میرے ذہنی آفت پر حرکت کر رہی تھی؟ مجھے اُسے حاصل کرنے کی شایہ ذہنی دیر سے اس کے رنگ کچھ چمکے چمکے شایہ بلاشبہ ایک ایسی لڑکی تھی جو کچھ نہیں ہی کی بے باقی تھی۔ گناہ ڈانٹک رتی میں اس کے خیالوں میں گھسنے لگے۔
کراچی اپریلوں پر رضوان نے مشرق تھا۔
میں نے گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر

کراچی میں بیٹھ کر گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر
"جی۔" وہ فون سے جیسے چونک کر کہا۔ میں
"آپ کا کوئی جانا مناسب ہے مجی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کماؤ رتی کے لئے اپریلوں کا آگیا۔
"اچھی بات ہے۔ کوئی اور اضافہ بات؟"
"جی نہیں۔ اچھا! شب بخیر۔
"شب بخیر! میں نے کبھی کبھی سوچا تھا کہ اس رات میں دیکھ جاتی رہی اس لئے کہیں کل دیر تک نہ سوئی رہوں۔ میں نے فون پر کماؤ وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے رات بھر کے لگے دوڑ میں طیارے میں بیٹھنے لگی کراچی تھی اچھ پٹری کی بہت سی یادیں اس طرح میرے ذہن میں جیسے اب مجھے کبھی پڑی نہ آتا ہو۔
ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی جنگلات کی کھیتی ہوئی تو کیا اس بھی میرے ذہنی آفت پر حرکت کر رہی تھی؟ مجھے اُسے حاصل کرنے کی شایہ ذہنی دیر سے اس کے رنگ کچھ چمکے چمکے شایہ بلاشبہ ایک ایسی لڑکی تھی جو کچھ نہیں ہی کی بے باقی تھی۔ گناہ ڈانٹک رتی میں اس کے خیالوں میں گھسنے لگے۔
کراچی اپریلوں پر رضوان نے مشرق تھا۔
میں نے گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر

کراچی میں بیٹھ کر گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر
"جی۔" وہ فون سے جیسے چونک کر کہا۔ میں
"آپ کا کوئی جانا مناسب ہے مجی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کماؤ رتی کے لئے اپریلوں کا آگیا۔
"اچھی بات ہے۔ کوئی اور اضافہ بات؟"
"جی نہیں۔ اچھا! شب بخیر۔
"شب بخیر! میں نے کبھی کبھی سوچا تھا کہ اس رات میں دیکھ جاتی رہی اس لئے کہیں کل دیر تک نہ سوئی رہوں۔ میں نے فون پر کماؤ وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے رات بھر کے لگے دوڑ میں طیارے میں بیٹھنے لگی کراچی تھی اچھ پٹری کی بہت سی یادیں اس طرح میرے ذہن میں جیسے اب مجھے کبھی پڑی نہ آتا ہو۔
ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی جنگلات کی کھیتی ہوئی تو کیا اس بھی میرے ذہنی آفت پر حرکت کر رہی تھی؟ مجھے اُسے حاصل کرنے کی شایہ ذہنی دیر سے اس کے رنگ کچھ چمکے چمکے شایہ بلاشبہ ایک ایسی لڑکی تھی جو کچھ نہیں ہی کی بے باقی تھی۔ گناہ ڈانٹک رتی میں اس کے خیالوں میں گھسنے لگے۔
کراچی اپریلوں پر رضوان نے مشرق تھا۔
میں نے گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر
"جی۔" وہ فون سے جیسے چونک کر کہا۔ میں
"آپ کا کوئی جانا مناسب ہے مجی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کماؤ رتی کے لئے اپریلوں کا آگیا۔
"اچھی بات ہے۔ کوئی اور اضافہ بات؟"
"جی نہیں۔ اچھا! شب بخیر۔
"شب بخیر! میں نے کبھی کبھی سوچا تھا کہ اس رات میں دیکھ جاتی رہی اس لئے کہیں کل دیر تک نہ سوئی رہوں۔ میں نے فون پر کماؤ وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے رات بھر کے لگے دوڑ میں طیارے میں بیٹھنے لگی کراچی تھی اچھ پٹری کی بہت سی یادیں اس طرح میرے ذہن میں جیسے اب مجھے کبھی پڑی نہ آتا ہو۔
ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی جنگلات کی کھیتی ہوئی تو کیا اس بھی میرے ذہنی آفت پر حرکت کر رہی تھی؟ مجھے اُسے حاصل کرنے کی شایہ ذہنی دیر سے اس کے رنگ کچھ چمکے چمکے شایہ بلاشبہ ایک ایسی لڑکی تھی جو کچھ نہیں ہی کی بے باقی تھی۔ گناہ ڈانٹک رتی میں اس کے خیالوں میں گھسنے لگے۔
کراچی اپریلوں پر رضوان نے مشرق تھا۔
میں نے گناہ ڈانٹک سے کبکہ وہ دیکھ کر کے اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ شادی ہوئی اور میکا رہا؟" میں نے جیمن وائس پوچھا۔
"یہ معاملہ تو رانا مجھے معلوم ہو رہا ہے۔
"مجھے خبر ہوتا تو میں تمہاری دیکھوں لیکن مگر اس احساس کو نہ کر سکتا۔
"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہیں میں رضوان کے گھر سے رانا حمید کی تصویریں پر ڈی۔ تم نے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے پوچھا۔
"دھیرج... دھیرج؟" رضوان نے سر ہکا کر کہا۔
"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔
"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی تو آج کراچی میں ہی رات میں بہت ہو رہی ہیں۔
"تمہیں نیکی ہی میں آج چاہئے تھا؟ میں نے پوچھا۔
"نیکی تو ضرور ہو کر آگیا، مگر آج نہ دیکھ کر مجھے ہے۔
رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کبک لگا کر

جہاد میں جس کے خیال کا تقدس ہو گا، کم کنزری ملک روڑ سے
جسٹ روڈ کی طرف مڑے ہیں جب میں نے جیل گزری کہ میرے کو واپس
لوٹے ہوئے دیکھ کر دھڑک اٹھا اور غوطہ کھانے کا ایک ٹھہر
نفا میں اچھا لایا۔

” بانو! ” رضوان چہکایا، ایک اشتہار تو بڑی ملیں۔ کیا چیز ہے !
آپ دیکھیں گی تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔“

اس شوخی پر اس نے ہنسنے لگا، میں نے ان نعروں کو رضوان کی بڑبڑی
پر محو نہیں کیا تھا بلکہ میری بھی تھی کہ وہ میری شکست کا سحر اڑا رہے۔
میں جانتی ہوں کہ عورت کو نیا دکھانے کی خواہش مرد کی فطرت ہے لیکن
مجھے رضوان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کسی نازک وقت میں اس طرح میرے
خوشیوں پر تنک پاش کرے گا۔

میں نے جواباً کہہ سونے لگا تھا اور رضوان نے میرے جواب کا انتقا
کرنے کی زحمت کئے بغیر موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی تھی۔ ہم جسد روڈ
کے موٹر پر رُکے۔ لہرے ہوئے پمفلٹ ہمارے جادوں طرف گر رہے تھے۔
رضوان کو موٹر سائیکل سے اتارنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ایک ہینڈل
ہمارے سر پر لپٹا ہوا رضوان نے اچک کر اسے دلوچ لیا۔ اس پر ایک نظر
ڈال کر دیکھ کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بازاری سے انداز میں بولا۔
” دیکھیے! اگر دیکھ کر طبیعت خوش ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دیجئے پر پیسے
واپس! بعض حالات میں کتنی حیران کن چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں۔“

” اس وقت تمہاری بیاہیں نہیں زبردست ہمارے ہیں؟ میں نے دانت پر
دانت جھکا کر کہا اور اس کے ہاتھ سے پمفلٹ بھی نہیں لیا۔

رضوان نے میری تلخ لہائی کا ردیو میں فوش نہیں لیا اور بولا: ” اچھا
میں خود ہی پڑھ کر سنا ہوں۔ آپ کو دیکھ ہی محسوس ہو تو تصویر بھی دیکھ
لیجیے گا۔“

میں پھر اسے کچھ سخت سخت کہتی لیکن اس نے مجھے مہلت دیے بغیر
پڑھا شروع کر دیا۔ وہ ایک مشہور ماہین کا اشتہار تھا اس کی عبارت سنکر
مجھے ایک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوتا ہوا گونج رہی تھی میری توقع سے بہت دور
تھا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ ساری عبارت آواز نا مانے کے بارے میں ہوگی
میں پمفلٹ کی طرف سے اپنے تعلق کو برقرار رکھ سکی اور میں نے
رضوان کے شلے کے اوپر سے پمفلٹ پر نظر ڈالی۔ وہ واقعی ماہین کا اشتہار
تھا۔ اس پر نظر پڑنے ہی میری دل کی تپک لگا کیونکہ یہ وہی تھی جس نے
گوایا ہے آپ سے سوال کیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ رانا حمید کی تصویر دونوں کی جگہ
اس اشتہار نے لی ہو؟

رضوان نے پورا اشتہار پڑھ ڈالا تھا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔
” یہ ان اشتہار میں سے ایک ہے جو رانا حمید کی تصویر کے بدلے میں
اوپر نیچے لگائے گئے تھے۔ تصدیق یہ تھا کہ بادی انتظامی اصل چرکوز دیکھا
جائے۔ دیکھیں بدلنے کو اس طرح بانڈھا تھا کہ ڈوری آسانی سے کھول

جہاد سے باہر بھیج دئے۔“

” اوہ! ” میرے منہ سے نکلا اور اس کا
کا اشتہار دیکھ کر مجھے جو حواس بند ہو گئے وہ
رضوان بڑی جلدی سے بولتا رہا۔

اس سوٹ میں کونسا حمید کی تصویر سے بھرا
میں نے کسی کی طرح لوگ کو رشوت دے کر اس
سوٹ میں اس آدمی کے حوالے کر کے جس کے
نفلت کر رہی تھی ایک برس تک گیا۔ وہاں میں نے
کاغذ کوٹے اور ماہین کی طرح اس میں شیشہ پھیل کر ایک
ہر طرح تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا بلکہ
کی جگہ اخباری کاغذوں کو دیدی اور اس کے
کے حوالے کر دیا گیا جو بیٹی لیکر آیا تھا۔

میں سر ہچکاتے ہوئے، بیٹھ کر اس کی
انکشاف کسی جھگڑے سے گزریں تھا۔

” چنانچہ رضوان کہا کہ ” موت
کیساتھ وہی اخباری کاغذ آتے ہوئے ہیں
تو میں نے فوراً ہی ایک محفوظ مقام پر بیچ دیا
کو بیٹھنے کے لئے ہوا ڈسے کا راج کیا تھا۔“

” مانی گاڈ! ” میرے منہ سے ایک طویل
چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے رضوان کی بیٹی پر
مجھے بے وقوف بنانے کے لئے اتنا لبا ڈر کر گیا
میں میرا ادھا خون خشک ہو گیا ہوگا۔

” کیا میں اخباری کاغذوں میں سے
رضوان نے بڑی مصہویت سے پوچھا۔

” شکست مجھے اس پر ڈھیر دل پیار گیا
جھکتی چلی گی۔“

” بانو! بانو! ” وہ لو کھلا کر بولا۔ لوگ
” تم نے اتنی دیر میں میرا سارا خون جلا
مڑا ضرور دے دی! ” میرے پیسے میں بیاہ رہی
” آپ نے تو خود ہی اپنا خون جلا لیا ہے۔“
اس پر چڑھ کر گیا مجھ کو کہہ رہے، آپ کلک میں اور میں
دکھ سکوں؟ میری صلاحتیں آتی ہے آپ کا اعتبار تو
” اگر مجھے تمہاری صلاحیتوں پر اعتقاد نہ

کرتی۔“

” آپ کو میری صلاحیتوں پر اعتقاد نہ
جنیں ہو سکتی تھی۔“

” اس کا سبب یہ ہے کہ میرا ذہن بے حد

” ان پر نفیس پریشانی کے لیے۔۔۔۔۔“
” میں عزائی اور پھر اسے ٹھوکا دیتی ہوئی تھی۔“

” اب میری بڑی طرح نہیں سنی۔“ وہ شاک میں
” کیا کہہ رہے تھے۔“

” وہ ان کے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ ” یہ کبھی
” ان پر لا جڑیوں۔ اپنے کھلوٹے کے لئے مدتوں
” ایک روز آپ کو۔۔۔۔۔“
” ہوا دیتے ہوئے پھر عزائی۔“
” ان پر اسٹارٹ کیا اور موٹر سائیکل کو حرکت

” ان کے لئے نہ صرف یہ کہ ایک بیک بندہ
” میں نے رُف کو رانا حمید کی تصویروں کی بائیل

” ایک طویل سانس لے کر خدا کا شکر ہے۔“
” جس کی رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” رانا حمید کو میری طرف۔ مبارکباد ضرور
” ہندی سے نجات مل گئی ہوگی۔“
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں
” میں نے رُف پر بول پڑا۔ میں نے بھی یہاں

چوٹی میں تھیں جن میں سے ایک چوٹ داہنی تھی۔ کئی ہونٹا ٹانگو
اسے اٹھتے بیٹھے میری یاد دلانی لگتی ہوگی۔ حالیہ چوٹوں نے اسے مہبت
زیادہ مشتعل کر دیا ہوگا اور اب اسے یہ نگر ہوگی کہ جلد جلد کام تمام
کر دے۔

میرے لئے ناگزیر تھا کہ اس کی طرف سے چوکتا رہوں۔
میں اب فزیر خارجہ سے کسی ملاقات نہ کرنا چاہتی تھی لیکن ایک بچے
کی خبروں سے بہت چلا تھا کہ وہ بہتر انداز کی کسی تقریب میں شرکت کرنے
لئے آمدن سندھ جانے والے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھے امید نہیں تھی کہ ان
سے چند لمحوں کا بھی وقت لے سکوں لیکن کوشش کر لینے میں بہر حال کوئی حرج
نہیں تھا۔ میں نے ٹیلیفون کر کے کہا اسے کہ ٹیکسٹ کیا اور میری توقع کے
مطابق اس نے فزیر خارجہ کی ضرورتوں کا اندازہ کر لیا۔
” اچھا! ” میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ ” انہیں تاخیر نہ دیجئے
گا کہ میں نے فن کیا تھا۔“

” بہتر ہے۔“
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے

مجھے شہزادہ ادا کی جواہر اس کے ساتھ لائی آ چکی تھی۔ اس کا سلیا میرے
تقدیر میں پھر ان میں اپنے دل میں ایک مٹھی مٹھا سا درد محسوس کرنے لگی۔
پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ اس شہزادے کے بارے میں سوچنی رہی تو مجھے پر
دست ملانی ہوتے لگے۔ میں نے اپنا دھیان ہٹانے کے لئے اپنی نرمی کی
جنرل منیجر کو اس کے گھر پر فون کیا۔

” ہیلو! ” دوسری طرف سے جانی پہچانی آواز سنائی دی۔
” صبریں سینگ! ” میں نے کہا۔
” اوہ! ایلو! ” بانو! ” آپ کب تشریف لائیں؟“

” یونگ! ” میں نے اس کے سلام کا جواب دے کر کہا۔ ” میں آج ہی
کراچی پہنچی ہوں۔ آپ ضرور ہی فائلیں لیکر گھر آجائے۔ میں جانتی ہوں کہ
پینٹنگ کیسز پر راج ہی گفتگو کر جائے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ کئی کراچی
میں ہوں گی یا نہیں۔“

” بہتر ہے، میں حاضر ہو جاتی ہوں لیکن پہلے تو دفتر جانا پڑے گا کیونکہ
فائلیں۔۔۔۔۔“

” کوئی حرج نہیں۔ آپ دفتر سے فائلیں لیکر گھر آجائے۔“ میں نے اس
کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

جنرل منیجر کی آمد تک میں نے گھر میں دو تین روزہ کے اجراء پر تفصیل
نظر ڈالی اور اس دوران میں اپنی خدمتوں کا مزہ فریاد کیا۔ ہدایت نہیں کر سکی
رات کے کھانے پر میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہو گیا۔

جنرل منیجر ایک گھنٹے میں آگئی۔ جاتے ہی اسے دوران میں ادھر ادھر
کی کسی باتیں ہوئیں اور پھر کا بعد باری فائلیں کھول لی گئیں۔ پینٹنگ میں پڑا
ہوا کام میری توقع سے کہیں زیادہ حلت داشت لاکھا نام لوگوں نے دیکھے کے
قریب کھایا اس کے بعد پھر کام میں جھٹ گئے میں ہر نہایت پراچ ہی سال کام

اس طرف پائس باغ تھا جہاں چھائی ہوئی تاریکی میں جھینگروں
کی آواز برہیل ہوئی تھیں۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا تو میں برقی مرعے سے
کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر بجلی کی کڑی کے سامنے چلا جا میری حماقت
جو کبھی لوہان نہ تھی کہ چھاپا ہو تو تو بڑی آسانی سے گولے کا نشانہ
بنادیتا ہے بات تو یہ تھی کہ وہ میرا کوئی دشمن ہی ہوگا۔ وہ یہاں چھاپا ہو لیکن اسٹار
کو کا تھا لیکن اتفاق سے میری بجلے فریدہ یہاں پہنچی۔ وہ فوری کیلئے کی
زینہ لگتی لیکن جلد ہی حملہ آور غنڈے کا احساس ہو گیا اور وہ یہاں سے
بھاگ نکلا۔

و غیرہ کو گھر میں قلم رکھنے کی اجازت

میں نے جلدی سے پرس اٹھایا اور چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کرتی

ہوئی! الماس کی طرف مڑ کر۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ میں۔۔۔ ادا! میں جیسے جو کچھ پڑی اور میرے منہ سے نکلا۔۔۔ تم بہ۔۔۔ الماس!

الماس بڑے پیچھے سے انداز میں سرکاری اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا لیکن میرے لیے بڑی مبالغہ سہی بات تھی کہ اس نے نوکس کو جوئی کا اعلان کیا نہ سرت کا کچھ بھی نہ سرت کی مٹی اور اس کے نیچے سیاہ حلقہ پڑنے لگے۔

گورے ہونے حادثے کا افسانہ ہو گیا لیکن موجود تھا۔ اس کی بڑی مڑ کر دیکھ کر مجھے قلبی دھچکا ہوا اور میری چاکر اس کا نام بانٹ لوں۔

"کیا تم نے مجھے پہچان نہیں الماس! میں بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"میں آپ کو کیسے پہچان سکتی ہوں! وہ دلی گرفتاری آواز میں بولی۔ آپ کی شخصیت تو میری زندگی کے اس حادثے کا ایک حصہ ہے جسے میں نے ذہن سے گھسی نہیں کھینچ سکتی گئی۔

مجھے بڑے محسوس ہوا جیسے اس کی آواز دور کے جھلنے ہوئے صحرے گزر کر میرے کانوں تک پہنچی ہو۔

"لیکن آپ یہاں کیسے؟" الماس نے پوچھا۔

"میں میسرور تھی ہوں مجھے ایک کیس کے سلسلے میں بندھی جانا پڑا تھا" میں یہاں اپنی خال کے گھر آئی ہوں۔ کبھی تشریف لائے۔

"مزور! میں نے مسکرا کر کہا یہ تم دعوت دے رہی ہو تو میں سر کے بل آؤں گی۔"

"شکر ہے"

اسی وقت میری آنکھوں میں روشنیوں کے چھماکے ہونے لگے۔ کسی طرف سے شبانہ اچانک قریب آگئی تھی اور گلابی ساڑی میں اس کا بدن کسی گلاب کی طرح مہکا ہوا تھا۔ اس نے قریب آتے ہی بڑی آہستگی سے الماس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا اب گھر چلیں الماس!" وہ بولی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں! الماس نے چونک کر کہا۔ "آپ اس کے ساتھ؟"

"ہاں! شبانہ نے کہا اور مجھے ہر ایک اچھی سی نظر ڈالی۔

میں شرط لگا کر کہتی ہوں کہ اس نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن اپنے انداز سے اجنبیت ظاہر کر رہی تھی لیکن ہے اس کی دھڑکی ہوئی جو تو گونے مجھے بتاتی تھی۔ یعنی یہ کہ شبانہ حدود پر مغزور لڑکی ہے۔

"میری کیا بہت اچھی دوست شبانہ ہے! الماس نے تعارف کروایا اور پھر شبانہ سے بولی یہ یہی خاتون ہیں جن کا میں تم سے ذکر کر چکی ہوں!"

"کھپڑ ٹوپیٹ پوٹ! میں نے مسکرا کر شبانہ کی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں تو!" شبانہ نے بڑے ساٹ پیچھے میں کہا اور مٹھائے کا ٹائڈ تو "بیرودار! کہہ" کی کہن تھی۔

میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ وہ گولڈ ہاتھ، وہ پھول ہاتھ ایسا تھا کہ لطف و انبساط کی اچھوتی کہنیاں رگ رگ کر سکتا تھا اس کے پس نے میرے سامنے ہم میں مستانہٹ پھیلا دی اور میرا جی

چاکر اس کا ہاتھ پراتے ہوئے ہنسی کی بے قرار مڑ پڑی سرکشی پر نہ مانگن تھا۔ اس کے علاوہ ملاقات میں میرا یہ بیان کا آزادانہ شہاد کو میری بہت سرکش، بہت مزور تھی۔ اسے رام کی ضرورت تھی۔

"کیوں نہ ایک کپ چلے پی لی جائے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جائے" الماس آہستہ سے بولی اور "بہیں ذرا جلدی ہے یہ شبانہ نے انداز سے صاف ظاہر ہو کر ہاتھ کا اسے سے رہی بس۔

"منہیں مٹی!" الماس بولی پڑی۔ "اگر گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے اس وقت ہے میں ایک اسپرین بھی آؤں گی۔ میرے سر سے ان باتوں نے مجھے سہارا ملا گیا اور میری ریوٹوں میں نے کئی شبانہ طوعاً و کرہاً ایک گوشے کی میز منتخب کی کہ میں لوازمات کے ساتھ اسپرین بھی لائے گی۔

الماس نے دونوں کہنیاں میز پر رکھ باعقوب سے اجنا سر ہم لیا تھا۔

"اس طرح کیسے کام چلا گا الماس!" اسے بھول جاؤ اور زندگی میں دیکھ لیا وہ کینت تھما رہے لائق تھا بھی نہیں۔

الماس نے کوئی جواب نہیں دیا کیسے میری سوجا کو ایک دستہ دے دیا۔

"کیا جگر ہے؟" میں نے بغیر نہیں۔

نے بے رونائی کی ہے؟

"مردوں کو بے رونائی کرنے کے سوا انہیں اور نفرت کے ذہن میں بھی ہوتی تھی۔

"مجھے اس بات سے کل اتفاق ہے۔

شبانہ نے مجھے ہر ایک گہری نظر ڈالی اس نے آئی تھی کہ اس کا منظر اس کی بہت نے الماس سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"کیوں؟"

"محض اس لیے کہ الماس چند روز قبل شبانہ نے جواب دیا اور پھر میری نفرت سے سمجھا ہے کہ الماس اب صحت ماب نہیں رہی لیکن لاسران مرزا کو ان باتوں کا علم

ہے کہ الماس کے نام کی پردہ پوشی کر دے لاسران مرزا گھر پر موجود تھا لیکن اس نے المازم کے ذریعہ اپنے ایک دوست کا نام اس تفصیل سے لکھا ہوا تھا کچھ دنوں لاسران کا وہ دوست الماس کے پڑوس میں موجود ملاقات کی سُن گئی مگر اس کی پہچان نہیں ہوئی تھی۔

"جائیں! میں نے الماس کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے فون پر بتا دینا"

"یہ مناسب ہو گا"

"تم مجھے اپنی خال کے گھر کا پتہ دیدو"

الماس نے یہ بتایا جو میرے نوٹ کر لیا۔

ہم ریوٹوں سے نکلے اور یہ ایک عموماً اتفاق تھا کہ شیشی فوراً مل گئی میں نے پیش کش کی تھی کہ انہیں اپنی کار میں چھوڑ آؤں لیکن شبانہ ٹال گئی تھی اور میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

انہیں رخصت کر کے میں جیسا گھر پارک کی طرف دیکھ رہی تھی وہاں میں نے اپنی گاڑی پارک کی تھی شبانہ اور الماس کے ساتھ اس خوشگوار نشست کا اقرار میری رنگ میں تیر رہا تھا شبانہ کو وہ دوسری لیکن الماس کی تپتی ہوئی تھی کبھی میرے لئے کسی میرے سے کم نہیں تھی۔ میں نے جس کی گڑھی میں اس کا جو سر ہا دیکھا تھا، وہ کوئی کھوٹنے والی چیز نہیں تھی میں اس سر ہا کو اپنے پہلو میں چلا کر ہوا مزور دیکھنا چاہتی تھی اور شبانہ کے ہاتھ میں میرا خیال بٹھا کر وہ پہلے تفصیل ثابت نہیں ہوئی۔

میں ان مٹی ہوئی جوانیوں کے فتنے میں سرشار اپنی کارنگ بھی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ انجن شارت کیا اور چل پڑی۔ اب اندر پہل چلا تھا اس نے ہیڈ لائٹس میں چلا لیں۔

میرے ہنگامے چلا گیا کھلا ہوا تھا میں نے گاڑی کو پورے میں لیا ہر نوکا۔ انجن بند کر کے آگے اور جب دروازہ بند کر کے چلنے لگی تو مجھے ان چھوٹی کا خیال آیا جو میرے اچھے سے خریدیں تھیں۔ وہ اٹھانے کے لئے میں نے پچھل نشست کا دروازہ کھولا اور پھر کھڑے کھڑے اس طرح ساکت ہوئی جیسے افریبا نے مجھ کو ہارے پتھر کا بنادیا ہو۔

صاف تھکے، جدید تلاش کے سوٹ میں ملبوس ایک جوان ، ناگئیں کیڑے ہوئے سیٹ پر بٹھار ہوا تھا۔ میں چونکا ہوئی کیونکہ میری نہیں تھا کہ ہر بے ضرر نظر آنے والا شخص واقعی بے ضرر ثابت ہوتا۔

میری کار میں اس کی موجودگی خاصی پراسرار اور سنسنی خیز تھی۔ آخر وہ کون تھا؟ میری کار میں کہاں سے آگیا تھا؟ اسی قسم کے آن گت سوال میرے ذہن میں چکرانے لگے تھے۔

"اے!" میں نے اسے لکھار دیا۔ اٹھو! یہ تمہارے بلا جی کی کار نہیں ہے؟

نوجوان ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ مڈ بٹھایا اور اس نے انکھیں کھولے بغیر اس طرح ناگئیں پھیلا نا چاہی جیسے میرے خواب پر ایڈ ہا ہو۔

وہ فوجوں اب اس آٹھویں بار کے ہوئے صفوں پر ہم دروازہ کھلا اور
لبی لبی سانس لے رہا تھا۔
"کامران!،" الماس نے دیکھتے ہی سسکی بھری۔
اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ فوجوں کے بارے میں
میں میرے شبہات قائل نہیں تھے۔ وہ الماس کا منیجر ہی تھا۔
"یہ کہاں کیسے پہنچا؟" الماس کے خانوے پہنچا۔ اور اس کی حالت
کیا ہو رہی ہے؟

کو آجرات ایسی جھٹ کے نیچے گزار سکے ہیں۔
 میں الماس ہر شاہانہ قرینت کے اس پہانہ
 نہیں دینا چاہتی تھی۔
 "میں تو نہیں رک سکتا، الماس کے خالوں سے
 الماس کی طرٹ نکچتا ہوا ہولنا، اور تھلا ہوا ہوا رکنا
 لولا نہیں ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم ان شریف خانوں
 ہر ان کو نہیں پھر ذکر ہم لوگ چلے جاتے ہیں۔ کل
 "میں یہیں لوگوں کی الماس نے فیصلہ کر
 "تمہاری خیال....
 "آپ انہیں کھجا دیجیے گا۔ الماس تنک کر
 تو وہ بھی یہاں آجائیں۔
 "ڈر؟" میں بڑی معصومیت سے بولی
 "کوئی خاص بات نہیں، الماس کے خالوں
 پڑانے وقتوں کی عورت ہیں۔ بچی کو انہی لوگوں
 میں ہے۔"

ہاں۔ دراز چلے تو ہمارا سر سرسرا گیا ہے۔ اور اس
کے دل کی قینچی گر پڑے گا۔
ہو تو ہم کیا نہیں سمجھتے تھے ہیں۔ میرے کہا بد بصر
وہ کہا ناثر لبر لکھ کر بھوجا ہے۔
انظروں سے کامران کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دیکھنے
کو اسے تھے اور قربان ہو جانے کا جذبہ فرماواں
اور وہی تھی اور مجھے عورت کے اس روپ سے سخت چڑ
س مروت کے یہ جذبات میری طاقت میں اس بات
مروت ساکت ہے۔ ساکت ہو اس قسم کا
اں کو اس قسم کے مرض میں گرفتار دیکھ کر تپتا چلا تھا۔
وہ نہیں سمجھتا جس نے اس کو ٹھکرا کر اس کی تنذیل کی
کے لئے مضر ہوئی تھی کہ الماس بھی اسے ٹھوکروں
کے مرفعات الماس کا نثار دیا تھا جیسے وہ کامران
کی بدوہات معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کامران کے لئے
رو رہی ہے۔

میرے دل کی بات یہ ہے کہ میں نے اپنے لیے اس سب سے پہلے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے میری زندگی بدل جائے۔ میں نے اپنے لیے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے میری زندگی بدل جائے۔ میں نے اپنے لیے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے میری زندگی بدل جائے۔

سازگار و مصلحتی سے سنا رہا تھا۔ اس کی پہلی جوں زبانی
مجھے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ میرا بال ابا اب بڑی ہی ہوشیاری سے شہزادہ کے کھٹنے
پر پہنچ گیا تھا۔ اس سے میرے ہم عمر بھائی بھائی روٹیں دوڑنے لگیں۔ میرے
اندک اندک غصے نے قابو ہوا۔ ابا ابا کا اصرار بڑی مشکل سے اس کی
مذہوری کو قابو کرنے میں ہوا۔ میرے ہاتھ نے بہت تخفیف کی حرکت
کی اور میری ہوشیاری نے وہاں پہنچ کر فریاد نہ کیا۔ یہ سفر بڑا دل کوڑا
بڑا کھٹا تھا۔ اس کی کھٹکوتہ میں سفر کچھ تیز ہو گیا اور اس کے نتیجے میں
شہزادہ کی کھٹکوتہ میں اس کا ہاتھ میرے ہاتھ پر پہنچ گیا اور میرے غصے نے لڑکا
ہوا اور لڑکا بڑی ہوشیاری سے میری حرکت کی۔ میری آنکھیں بدستور بند تھیں
لیکن میں کھٹکوتہ کی کھٹکوتہ میں شہزادہ کی بہت غور سے میری طرف دیکھا تھا۔
پھر شہزادہ نے کچھ غصے میں ہو کر میں کو بھی دیکھا۔ اس کے غصے میں کھٹکوتہ
مجھے اس بات سے ملا تھا کہ اس کی غصے میں کھٹکوتہ میرے ہاتھ پر پہنچ گیا۔
اس نے جب سابق ابا ابا میرے غصے سے لڑکا دیکھا تو اس کی کھٹکوتہ
ہاتھ پر سے نہیں ہٹا۔

دلیم کا لڑکا بدستور میرا مقدم بنا ہوا تھا لیکن میرے ہاتھ کی شوقی
آواز کی کوٹاہ دہائی تھی میرے ہاتھ کی ایک کڑی سے اٹھانے سے وہ چلنے لگا۔
میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں
دوسرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں
ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں میرے ہاتھ کی کھٹکوتہ میں
میں شہزادہ کے اندر سے اس کی شوقی جذبے کو جگایا دینا چاہتی تھی جو جوانی میں
میں ہلکی سی غصے کا لڑکا ہو جاتا ہے۔

شہزادہ کی حرکت پر میری آواز میں اس نے اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔
میں اس طرح جو کچھ کر سیدی ہوئی جیسے کچھ کسی خواب سے جوقی ہوں۔
شہزادہ سرک کر مجھ سے کچھ دور ہو گئی۔

”اوہ! میں بھائی ہوئی آواز میں بولی؟ شہزادہ ہنس مٹے ہوئے تھے۔
”شہزادہ شہزادہ نے بڑے خشک لبہ میں کہا اور لڑکائی کی طرف دیکھنے لگی۔
مجھے بڑی عجیب سی حالت کا احساس ہوا اور میں شہزادہ کے
پتھر کے پتھر پر چھٹا ہوا تھی۔ اس وقت میرا سرا ہنس مٹے ہوئے تھا جابا تھا۔
میرے گھر میں اس کی دوسری طرف شہزادہ نے فریاد نہ کیا اور اس سے
مجھ کو کھٹکوتہ میں دونوں کا ہاتھ ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی تھی شہزادہ
جیتنا چاہتا تھا اس کو جیتنے میں نہ صرف کامران اور الماس جاگ
جاتے بلکہ میری کاروائی بھی ڈرائنگ روم میں جمع ہو جاتیں۔ میں جو بدتر
رہ جاتی۔

”میرا خیال ہے کہ الماس کو کسی کمرے میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ شہزادہ
میری طرف دیکھ کر فریاد نہ کیا۔

”لیکن یہ آمادہ کوہو۔“ میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
”بہت گہری نیند سو رہی ہے۔ جب تک اسے صبح نہ گھر کر نہ چکا گیا
جائے۔ اس کی آنکھیں نہیں کھلتی۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو ہم اسے اٹھا کر

میں نے غور سے شہزادہ کی طرف دیکھا۔ میں
سمجھنا چاہتی تھی۔ دراصل میرے دل میں یہ خیال
نے میری خواہش کی زبان بکھلی ہے اور اب ہمارے
قرب کوئی تفریق نہ ہو۔
میں اس بات سے سو کوئی حتمی اندازہ نہ
اس کی جو زبیر کرنے کے سلسلے میں آمداد کی
الماس کو بڑی ہی ہوشیاری سے اٹھا رہا تھا۔ وہ ہونٹوں کی
تھوڑا سا غلغلہ اور کچھ دم دوڑنے کے ہاتھوں پر
اٹھنے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکلے۔ میں الماس
پہنچا دینا چاہتی تھی۔

جب الماس کو گھٹکوتہ میں کمرے میں
بولی۔ ”بہت بہت شکریہ۔ اب آپ بھی جا کر آنا
مجھے ساتھ سواؤں گی۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بہت
مدد دیا ہو۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب کسی
ثبات دی تھی اور میرے لئے اس کے سوا کوئی
کو خندہ پیشانی سے قبول کر لوں۔

”ابھی میں نے آہستہ سے کہا۔ اگر تم الماس
ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“
”شکریہ۔“ شہزادہ ہنس مٹے ہوئے تھا۔

میں کمرے سے نکل کر کچھ پر وحشت طاری تھی
کپڑے بھڑاؤں اور دلوں کو کھٹکوتہ میں
اور کھٹکوتہ میں نکل کر بہت دور تک دوڑنے لگی۔
اس ناامردہ وقت میں صرف ایک ہی
تھی، شہزادہ! میں اپنے کمرے میں پہنچ کر آواز میں
ٹوٹ پڑی۔ ایک پیگ، دوسرا پیگ، تیسرا پیگ
چھٹا اور اس کے بعد کسی بات کی خبر نہ رہی۔
”مصلحتی ہوئی رات“ خوابوں میں ڈھل گئی
اپنی ناامردگی کا علاج کیا گیا۔ بھولی بھولی
میں نہ آئیں اور وہ کھٹکوتہ کے سارے رنگ پر
کر میرے بعد اضطراب کو سکون آنا شروع ہو گیا۔

میں بہت دور سے سوئی تھی اس نے قبل
نہ کھٹکوتہ میں فریاد نہ کی تھی جیسا کہ۔ جگنے کی
پڑی تھی کھٹکوتہ میں گھر لگنے کے بعد ضرور آئے
بیلا ہوئے ہیں اس نے فریاد نہ کیا۔ کامران
پوچھا معلوم ہوا کہ وہ جاگ چکا ہے اور اب اس
شام کی نہیں ہے۔

میں نے غور سے شہزادہ کی طرف دیکھا۔ میں
سمجھنا چاہتی تھی۔ دراصل میرے دل میں یہ خیال
نے میری خواہش کی زبان بکھلی ہے اور اب ہمارے
قرب کوئی تفریق نہ ہو۔
میں اس بات سے سو کوئی حتمی اندازہ نہ
اس کی جو زبیر کرنے کے سلسلے میں آمداد کی
الماس کو بڑی ہی ہوشیاری سے اٹھا رہا تھا۔ وہ ہونٹوں کی
تھوڑا سا غلغلہ اور کچھ دم دوڑنے کے ہاتھوں پر
اٹھنے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکلے۔ میں الماس
پہنچا دینا چاہتی تھی۔

جب الماس کو گھٹکوتہ میں کمرے میں
بولی۔ ”بہت بہت شکریہ۔ اب آپ بھی جا کر آنا
مجھے ساتھ سواؤں گی۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بہت
مدد دیا ہو۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب کسی
ثبات دی تھی اور میرے لئے اس کے سوا کوئی
کو خندہ پیشانی سے قبول کر لوں۔

”ابھی میں نے آہستہ سے کہا۔ اگر تم الماس
ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“
”شکریہ۔“ شہزادہ ہنس مٹے ہوئے تھا۔

میں کمرے سے نکل کر کچھ پر وحشت طاری تھی
کپڑے بھڑاؤں اور دلوں کو کھٹکوتہ میں
اور کھٹکوتہ میں نکل کر بہت دور تک دوڑنے لگی۔
اس ناامردہ وقت میں صرف ایک ہی
تھی، شہزادہ! میں اپنے کمرے میں پہنچ کر آواز میں
ٹوٹ پڑی۔ ایک پیگ، دوسرا پیگ، تیسرا پیگ
چھٹا اور اس کے بعد کسی بات کی خبر نہ رہی۔
”مصلحتی ہوئی رات“ خوابوں میں ڈھل گئی
اپنی ناامردگی کا علاج کیا گیا۔ بھولی بھولی
میں نہ آئیں اور وہ کھٹکوتہ کے سارے رنگ پر
کر میرے بعد اضطراب کو سکون آنا شروع ہو گیا۔

میں بہت دور سے سوئی تھی اس نے قبل
نہ کھٹکوتہ میں فریاد نہ کی تھی جیسا کہ۔ جگنے کی
پڑی تھی کھٹکوتہ میں گھر لگنے کے بعد ضرور آئے
بیلا ہوئے ہیں اس نے فریاد نہ کیا۔ کامران
پوچھا معلوم ہوا کہ وہ جاگ چکا ہے اور اب اس
شام کی نہیں ہے۔

اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شہزادہ کی آنکھوں سے سفر چھٹا کر رہا تھا۔
دراصل وہ شروع ہی سے کامران کو ایک ناہندانہ شخص قرار دے
چکی تھی۔

”میں اپنی اس حماقت پر شرمندہ ہوں کہ کامران نے آہستہ
سے کہا۔ میں ان کا پس میری جھوٹی آواز کا ہاتھ تھا۔ میں خوب جانت
ہوں کہ الماس جیسی بڑی بڑی شخصیت کو دھونڈنے سے کبھی نہیں ملے گی۔“
مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کامران مجھ کو راجہ جو اس کا چہرہ اس
بات کی جھٹکی کھا رہا تھا کہ اکل بات کچھ اور ہے۔

”لیکن الماس اب بہت بڑی ہوئی ہیں مل جائے گی۔ میں نے تیر
لبے میں کہا۔ ”میں خور کو الماس کے لائق بنا کر دے گا۔“
الماس میرا دیکھنے لگی۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی
مگر کامران مزاحیہ اندازہ کچھ کی تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل
گئی۔ اس نے ملتی جلتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ”اگر
خور کو الماس کے لائق نہیں بناسکا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی
نہیں کروں گا۔“

الماس اٹھ کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میری ایک ملازمہ لڑائی
اور اس نے خوبصورت کاغذ میں لپٹا ہوا ایک ڈبہ میری طرف بڑھایا۔
”یہ ایک آوی آپ کے لئے ابھی ابھی لایا ہے۔“
میں نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے
لگی۔ اس پر میرا نام تو تحریر تھا لیکن مجھے والے کا نام نہ ثابت تھا۔
”وہ آوی کون ہے؟“ میں نے ملازمہ سے پوچھا۔
”وہ نہیں ہے۔ وہ بے چارہ نے اسے رک رک رکھا ہے۔“
میں نے ڈبہ تباہی پر رکھ دیا۔

”ایکس بڑی۔“ میں نے الماس وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا
اور باہر کی طرف نکلی۔

مجھے ڈر تھا کہ وہ آوی قتل نہ کرے۔ میرا یہ خدشہ درست ہی
ثابت ہوا۔ جب میں پھانک پر پہنچی تو وہ بال چوکیدار کھڑا تھا اور اپنا
چوڑا ہسلار ہاتھ تھا۔

”کیا ہوا چوکیدار؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔
”وہ کچھت کا بچہ ہے بغیر ہی اس کا مار مارا گیا۔ باغیچہ
نے سفر مندہ سے پہلے میں جواب دیا اور میں ایک غلطی سانس لے
کر رہ گئی۔

”زیادہ چڑھ تو نہیں آئی؟“ میں نے چوکیدار کا شانہ چھپک
کر پوچھا۔

”نہیں، بالکل نہیں، مگر ام کو اس کا صدمہ لے کر رہا گیا۔“
”کوئی بات نہیں اب ذرا ہوشیار رہنا۔“ میں نے چوکیدار سے
کہا اور تیزی سے واپس کمرے کی طرف۔
جب میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو الماس شہزادہ

کاروان مجھے سوائے نظروں سے دیکھنے لگے۔ دراصل میرا دل بھگا اٹھتا تھا کہ کتنے خوب خیرات ہوا تھا۔

میں نے مسکوا کر کہا: "میں اپنے اس کرم فرما کا شکر یاد کرنے لگی تھی جو میرے لئے یہ خدایا تھا لیکن اسے اتنی محنت تھی کہ وہ چوکیدار کو مار بیٹ کر بھاگ نکلا۔"

"مار بیٹ کر کیا مطلب؟" کامران نے تیزی سے پوچھا۔

"مار بیٹ کا مطلب پیار ہو کر نہیں ہو سکتا کامران صاحب!" میں نے سونے پر گرتے ہوئے کہا۔

"اے کاش تو وہ شہزاد اچھل پڑی ہو پھر تو اس ڈبے میں ہم بھی ہو سکتے۔"

"یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھے ہیں۔" میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم اتنے مشہور انداز میں نہیں بھیجے جاتے بے بی!"

"تو پھر اس ڈبے میں کیا ہے؟" الماس نے پرتو نشیں لہجے میں پوچھا۔

"یہ ابھی معلوم ہوا ہے۔" میں نے ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں گھبراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ خالو! انہوں نے ہم کے کھانے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نے ڈبے کو اپنے کان کے قریب لے جا کر پلایا اور پھر اس کا گند بھانٹنے لگی۔

"احتیاط ضروری ہے بانو!" الماس مضطربانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

اس موقع پر میرا دل بھی کیبارگی دھڑک اٹھا اور میں نے سوچا کہ احتیاط برتنے میں کوئی حرج تو ہر حال نہیں ہوگا۔

میں ڈبہ سنبھالے ہوئے کھڑی ہو گئی اور بولی: "محلے میں چل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ تینوں میرے ساتھ چل پڑے مگر یہ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا ہو گا کہ محلے کا رخ کرنے میں مجھے احتیاط کا کون سا پہلو نظر آیا ہے۔

میں برآمدے میں ہی رگ گئی اور میں نے پوری قوت سے اس ڈبے کو محلے کی دیوار کی طرف بھینکا۔ الماس، شاہزادہ کامران نے جلدی سے اپنے کالوں پر ہاتھ رکھے۔ انہیں ہم کے دھکے کا اندازہ تھا لیکن کوئی دھکا نہیں ہوا۔

وہ ڈبے گئے کاٹھا اس لئے دیوار سے ٹکرا کہ اس کے جڑ پھٹ گئے اور اس میں سے کوئی چیز نکل کر زمین پر اڑھکی چلی گئی۔

"ہم؟" شاہزادے نے نکلا۔

"نہیں وہ ہم نہیں ہے۔" میں برآمدے سے اتر کر تیزی سے اس طرف بڑھی۔

میرا خیال درست ہی ثابت ہوا۔ وہ ہم نہیں بلکہ ایک مری ہوئی

بلی تھی جس کی ایک ٹانگ کی ہڈی تھکی۔

"میرے خدا! میں نے اپنی ہڈی آواز سنی۔"

میں نے سڑک دکھایا۔ وہ تینوں میرے ساتھ چلے گئے۔

"... یہ... یہ... اس کا کیا حال ہونے لگی تھی۔"

"میرے کسی دشمن نے موت کی مہر لا کر رکھی ہے کہا۔"

"دشمن؟" کامران بولا۔

"ہاں! میں مسکرائی۔" میرے کسی ایسا بھی ہے جس کی ٹانگ اسی محلے میں خدایا کی پناہ! الماس بہت غصہ "تمہارے اغوا میں میرے کون" اس سے کہا کہ اس محلے میں اسے بڑی گہری علاوہ بھی بہت سی چوڑیں ہوتی ہیں جن کا بار نہ سکتا ہے۔"

"تب... تو... تب تو... آپ..." الماس کے لہجے میں لگنت آ گئی۔

"اور یہ خطر آپ کو ہماری ہی رہتویش آئیں لہجہ میں کہا۔"

"نہیں! یہ تو میرا بڑا جھگڑا ہے۔"

مگر منہ میں ہونا چاہیے۔ میں اپنے دشمنوں جانتی ہوں۔"

تفصلاً کہ یہ موضوع آگے نہیں بڑھ سکتا۔

میں نے ایک کسی محلے میں داخل ہوئی تھی اور خالو کا چہرہ نظر آیا تھا۔

"ادوہ! یہ تو خالو ہیں! کامران کے مجھے لپٹے آئے ہیں۔" الماس نے ہم چاروں کو دایں برآمدے کی طرف لے آئے خالو سے اس کی بلی کا تذکرہ خواہ خواہ وہ لوگ میرے لئے پریشان تھا۔

الماس نے سر ہلاتے پر اسکا کیا۔

جب ہم برآمدے کے قریب پہنچے اور اتر آئے تھے۔

"مجھ بھرا! میں نے مسکرا کر کہا۔"

الماس کے خالو کی نظریں کامران کی طرف سے نظریں چڑا رہا تھا۔

"اندھ قشر لینے پلے!" میں نے

نے معاشرہ کرتے ہوئے شاہزادہ کا ہاتھ آہستہ سے دبا دیا۔ رد عمل یہ ہوا کہ شاہزادہ کی پیشانی پر ٹینس پر ٹینس لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

"جلدی تم سے پھر ملاقات ہوگی! میں نے مسکرا کر کہا۔"

وہ اب بھی کچھ نہیں بولی اور ہاتھ چھڑا کر ٹینس میں بیٹھ گئی۔

ان لوگوں کے جلتے ہی میرے قدم تیزی سے اس طرف اٹھنے لگے جہاں بلی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں سے باتوں کے دوران میں بھی میرا ذہن اس طرف اٹھ رہا تھا۔ وہ کوئی ایسی بات ہرگز نہیں تھی جسے میں سرسری انداز میں نل دیتی۔

میں نے بہت قریب سے بلی کی لاش کا جائزہ لیا اور ہونٹ بھینچے تھے۔

بلی کے جسم کو جگہ جگہ سے بہت بڑی طرح نوجا کھڑا لگا تھا۔ لاش خون میں ڈوبی ہوئی تھی جس سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ فوج نے کھسٹنے کا عمل بلی کی زندگی ہی میں کیا لیا تھا۔ بلی انتہائی اذیت ناک موت سے دوچار ہوئی ہوگی۔ میں اس کا تقویر ہی کر کے کلاب گئی۔

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ اب ہاتھ دھو کر میرے پیچھے چل گیا ہے۔ اس نے میرے لئے جو موت تجویز کی تھی، اس کا ایک نمونہ بھی مجھے دیا تھا۔

میں سوچے بغیر نہ کہی کہ پلے رہے تاکا میوں نے شاہزادہ کو فونگ کا دماغ اٹھ دیا ہے۔ بلی کی لاش بیچ کر اس نے ایک بیکاز حرکت کی تھی۔ اس قسم کی باتیں ابن سنی کے جاسوسی ناولوں میں تو مل سکتی ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔

یہ بخود نہ حرکت ڈاکٹر فونگ کے سینے میں بھڑکتی ہوئی آتش افغا کی بھر پور نشاندہی کر رہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس حرکت نے مجھے یہ اطمینان بھی دلا دیا تھا کہ مجھے کسی کشش اسلئے حملہ نہیں ہو گا۔ مجھے زعمہ بڑھنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ انتہائی اذیتیں دے کر موت کی نیند سلا یا جاسکے۔

پریوں رات کا واقعہ اب اپنی اصل شکل میں میرے سامنے آ گیا تھا۔ میری خواہش میں گھس کر جن لوگوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی، وہ ڈاکٹر فونگ ہی کے آدمی ہو سکتے تھے۔

"ابھی بات ہے فونگ!" میں زیر لب بڑبڑاتی۔ "گو یا ہم دونوں کی لڑائی کا آخری دور شروع ہو گیا ہے۔"

میں نے فریاد کو ہلکا کر دیا کہ کی کہ وہ بھیگے ہوئے بلی کی لاش دہاں سے پھینک دو۔ یہ ہدایت کرنے کے بعد میں گھبرا گئی۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر میں ٹیلیفون پر موصوفی کے نمبر ڈائل کرتے لگی۔

آج یوم آزادی تھا اور اس سلسلے میں ہونے والی کسی تقریرات کے دعوت نامے میری میز پر پڑے ہوئے تھے لیکن میں ان میں سے کسی بھی تقریر میں شرکت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس قسم کے نقشہ اس صورت میں ایمپڈ کئے جاسکتے ہیں جب آدمی ذہنی طور پر آسودہ ہو

اور میں انتہائی انتشار میں مبتلا تھی۔

اسی انتشار کی وجہ سے مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یوم آزادی کی وجہ سے آج اخبارات کے ذرائع بند ہوں گے۔ اس بات کا خیال مجھے اس وقت تک آجایا جب دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن ریسورٹس اٹھنا یا گیا۔ میں نے ٹیلی فون کر ڈیوٹن کے گھر کے نمبر تک گئے لیکن وہاں سے بھی گھنٹی بجی کی آواز آتی رہی۔ غالباً روضان گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹیلی فون سانس پیکر میسرور رکھ دیا اور پھر میں گھر سے نکلی ہی تھی کہ فریڈ سے ملنے پھڑپھڑی۔

”روضان صاحبہ کتنے ہیں؟ اس نے اطلاع دی۔“
”ڈیوٹن آؤ پر۔“ میں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

روضان مجھے دیکھتے ہی صوفے سے اٹھا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکا ہوا بولا۔ ”خام آداب بچا آتا ہے۔“
”اس دن کے بعد مصروفیت ہی نہیں دکھائی۔“

”آپ کون سا میری صورت دیکھنے کے لئے تشریف لے رہی ہیں؟“
روضان نے ایک دلزدہ آنکھ بھر کر کہا۔ ”جب بھی ایسا ہو گا میں شرمیلی مزید باٹھونگا۔“

”تمہاری جھڑکا جرتی ہوئی صورت دیکھنے کے لئے میں بھی نہیں تشریف لے سکتی؟ میں نے شوخ لہجے میں کہا۔“
”مجھے بھی اس کا احساس ہے؟“ روضان نے مزہ بنا کر کہا۔ ”اگر اس لئے میں نے آپ کو اپنی صورت دکھانا بھرنی کا فعل سمجھا تھا۔ میرے یہ دو دن قلم قلم صورت کرنے کی مستقل ایڈیشن کی تیاری کر رہی تھی۔“

”رانا محمد کی تصویریں کمال ہوا؟“
”وہ پھٹل؟“ روضان بولا۔ ”وہ تو میں نے برسوں ہی کی ٹریڈیجیکر سمندر پر در کردیے تھے۔ پھر میں نے پوچھا۔“ یہ کھوکھو کا چہرہ کیسے ہو کر رہا؟“

”گھر کیوں میں گرل گلواری ہیں؟“
”چودہ اگست ہی کا دن دیکھا تھا اس کام کے۔“

”میں تو کل ہی ٹوٹاؤ تھا لیکن انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ میں اس کام میں دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ گھر کیلیر میرے لئے پرخطر ہو چکی ہیں؟“
”وہ کیسے؟“ روضان مجھے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”برسوں رات مجھے خواب آئے کہ کوشش کی گئی تھی۔“
”نہیں؟“ روضان کسی قدر اچھل پڑا تھا۔

”میں نے اسے برسوں رات کا واقعہ سنایا تو اس کے چہرے سے تشویش جھلکی۔ مگر اور وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔ ”یہ حرکت کس طرف سے ہوتی ہے؟“
”ڈاکٹر فونگ۔“

”یقینی طور سے تو نہیں کہا جا سکتا۔“
”آج کے واقعے کے بعد کہا جا سکتا ہے۔“

”آج کا واقعہ؟“

”ہاں، ڈاکٹر فونگ نے مجھے ایک دہائی دی ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا اور پھر اسے بھی سنا دیا۔“

”ماں کا؟“ وہ روضان نے ایک طرف لپکا۔
”کاپڑا اگل ہو گیا ہے۔“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے کے لئے کیا کرنا پڑے گی؟“ روضان نے صوفہ میں اٹھ کر دفعتاً اس طرح مسکرا دیا جسے وہیں کون کر

”کیوں؟“ میں اسے گھوڑنے لگی۔
”مجھے اپنے ہی فکروں پر دھمپا ہوا منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کرنا پڑا۔“

”کیونکہ یہ مفروضہ طریقہ اختیار کرنے پر آپ کی افلاحت میں خود ہی انجام حاصل کر رہی ہیں۔“
”سہری بڑیاں ہی میرا انجام ہیں۔ یہ مجھے علم ہے۔“

”جڑوں کے پاس کیا دھڑلہ کر رہا ہے؟“
”دشمنی چڑھے؟“ میں نے نفرت سے کہا۔
”فلسفہ بہت شاندار قسم کا چڑھا دلا ہے۔“

”مہربان؟“ روضان نے بڑے پیکڑ انداز میں ”تم مزدور کی وحشت و بربریت کو دیکھا ہے؟“

”کیا کبھی آپ کو اس سلسلے میں کمی ملی؟“
”اگر میں نے شروع ہی میں اپنے لیے ایک قویہ رخ تجربہ بھی ہو جاتا۔“

”یہ نامی آپ نے فک منتخب کی تھی۔“
”ہوا بولا۔“

”جب میں پندرہ سال کی تھی۔“
”ماں کا؟“ روضان اپنی گھڑی کی گویا انتہائی جتن ہو چکی ہے۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“
”میں تو اسے چھڑا بہت دشوار ہو گا۔“
”نہیں اس دشواری سے مجھ نے کی

انداز میں بولی۔
”ماشینی کو برقرار رکھنے سے گزرنے والا“
”اچھا ماشینی صاحب! دماغ مت

”نہیں مجھ میں آلام کون کی اور یہ سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“
”نہیں ہی کی ضرورت بھی ہو سکتی ہے۔“ روضان نے بخیر ہو گیا۔
”نہیں ہی نہیں فون کر رہی تھی۔“

”نہیں ہی اپنا بریا بستر نہیں اٹھا لائے؟“
”ماں نے خشکی نظروں سے دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔“
”وہ منہ پھینکا ہوا بولا۔ ”میری نیت میں کوئی قصور

”ہم نے پورا کرنے کا کوئی ہاتھ دکھاؤں؟“
”نہیں؟“ روضان نے منہ پر کھڑا ہو گیا۔ ”سہان فواری“
”ہم نے۔“

”نہیں ہی نہیں نے سکی ہوں اس لئے مجھے اس کا شکر ہے۔“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”میں نے کچھ سوچتے ہیں کہ کیا اور پھر کیا؟“ اچھا میرے لیے ہکا سنا نشتہ تیار کرو دو۔ مجھے بہت فوری کچھ کھانا گب رہی ہے۔ لیکن میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔“

”فریڈ نے جی تو میں نے ہاتھ تھم کاڑھ کیا اور دس منٹ تک ہاتھ بند میں بیٹھی رہی۔ کلارن اور سوسن نے کچھ سے میرے تصور میں چکر لگائے۔ میں نے سوسن کے ہاتھ میں سوچتی رہی۔ کلارن کے بارے میں تو مجھے اندازہ تھا کہ وہ جلد جلد مجھے ملنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن سوسن کی؟ اس کی آمد میں کوئی غیر متعلقہ۔ ویسے اگر وہ ذاتی تو میں خود ہی اس کی تلاش میں کل کچھ ہی ہوئی تھیں۔ بہت اچھا ہوا تھا کہ خود ہی کوئی تھی۔ اگر میں اس تک پہنچتی تو اس کے ذہن میں غمگینا جاگ سکتے تھے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ڈاکٹر فونگ کی ایجنٹ ہے اور اس کی آمد اس بات کی دلیل تھی کہ ڈاکٹر فونگ کوئی نیا چکر چلائے گا پر وہ کام بنا چکا ہے۔“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

”نہیں ہی کیا؟“
”نہیں ہی کیا؟“

"تو کیا مجھے پریشان ہونا چاہیے تھا؟ میں ہنس پڑی۔
 "میرے خیالی کے مطابق تو بڑا ہی چاہیے تھا؟
 "کیوں؟"
 "اس لیے کہ اگر آپ کو ایک پکٹ مل ہوگا۔ جس میں ایک مردہ
 کی لاش ہوگی۔"
 "ہاں ایک ایسی چیز تو تھی؟ میں نے لا پر ہاڑی سے کہا۔
 "تو پھر کیا آپ تبصیر نہیں کر اس کا کیا مطلب ہوا؟ ہوسن حیرت
 سے بولی۔
 "مطلب تو یہ ہے میں آگیا تھا؟ میں نے بڑی خوش مزاجی سے کہا۔
 "لیکن جس کتب میں ایسی دیکھیں سے مرعوب ہونا مکالمہ جانا ہے؟
 وہاں میں سے کبھی قدم نہیں دھکا؟
 "ہوسن نے ایک ٹیبل سائنس کی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔
 "اس کو کچھ اور سکرولنگ اور میرے ہم چینیٹیاں سی رینگنے لگیں۔
 "وہ پکٹ میرے سامنے ہی بنا گیا تھا؟ ہوسن نے نشوونما
 سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ اور اس پر آپ کا نام میرے سامنے ہی لکھا گیا تھا؟
 "خوب؟" میں سنجیدہ ہو گئی۔ دراصل میرا سب سے بڑا اندازہ کچھ ہوسن
 خاموش بھی ہو سکتی تھی اور یہاں تو نامناسب نہیں تھا۔
 "میرے سنجیدہ ہونے ہی ہوسن پر حیرت ہو گئی بولی۔ مجھے یہ
 سمجھانے کے لئے بولا گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟
 "گو یا کوئی نیا کام سونا گیا ہے تمہیں؟"
 "نی انحال مجھے یہ بات مل ہی ہے کسی طرح مستقل آپ کے ساتھ
 رہنے لگوں۔ آپ کے ساتھ رہنے والے رہنے کی قیمت مجھے سونے پڑے
 گی۔ بعد میں کسی وقت مجھے بتایا جائے گا کہ میں کوئی بہانہ بنا کر آپ کو کسی
 خاص جگہ پر لے جاؤں۔ اگر میں نے یہ کام بھی انجام دے ڈالا تو کچھ دن
 گزار دے گا انعام دیا جائے گا۔
 "بہاگ براہ میں خوش ہو گئی؟ یہ ڈیوٹی تو بہت آسان اور
 معاوضہ گزار قدر ہے۔ پر تنگی کی شریب میرے ساتھ چڑا جاتی ہے ماز پر
 جذبات کی گھنچ اور ہزاروں روپے کا انعام بھی پاؤ؟"
 "ہوسن نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہ میری بات سے
 دکھ پہنچا ہو۔ پھر وہ دیکھ لے جسے بولی یا بناؤ؟ میں نے بھی نہیں ہوسن نے
 اس عرصے دیا دیکھ ڈالی ہے۔ مردہ تو جیسے کہ مطلب تو میں بھی جانتی
 ہوں اور سب کچھ جانتے ہو جتھے ہوئے آپ کو کسی حال میں پسند نہ آئے
 میں تصور نہیں کر سکتی۔ یہ ناگھن ہے کہ آپ کے دشمنوں کے اہل
 میں کھولنا نہ کر آپ کو موت کی دھمک دینا دیا ہو لیکن یہ بھی ناگزیر تھا
 کہ میں آپ کے پاس آؤں۔ اگر میں انکار کرتی تو وہ لوگ میری جان کے
 دشمن ہو جاتے لیکن آپ آپ ایسا کیسے کر گئے دیکھنے کے لئے لکھا
 دیکھے میں ان لوگوں کے پاس جا کر اپنی ناکامی کا اعتراف کروں گی۔ اس
 طرح میری جان بھی بچھڑ جائے گی اور آپ بھی محفوظ رہیں گی؟

میں نے ہنس کر کہا۔ بھلا یہ نازک جسم ملازم
 کے لیے ہے؟
 "ہوسن نے بڑا مان جانے والے انداز میں کہا
 مذاق میں میری بات ٹال رہی ہیں۔ سنجیدگی سے معاملہ
 سمجھئے؟"
 "سنجیدگی کی بات کرتی ہو تو سنو! جو کچھ میرے
 ہاں وہی کھل ہی ہوگی کھل سکتی ہوں۔ یہ تمہاری محبت
 دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلنا نہیں بننا چاہتا تھا۔ لیکن
 کہ جو وہ لوگ چاہتے ہیں؟
 "کیا مطلب؟ اس سے آپ کیا فائدہ اٹھا
 فائدہ نہ ہوتا تو میں تم سے سب کچھ کر
 کوئی کاری دار کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں
 بنایا ہے۔ اب اگر تم نے خود کو اس معاملے سے
 کیا ہوگا؟"
 "کیا ہوگا؟"
 "وہ لوگ تمہاری جگہ لگی اور کو کام میں لائیں گے
 دیا یہ اور پھر مجھے چربی نہیں ملے گا کہ دشمن کو
 کرنا چاہتا ہے؟
 "ہوسن کی چند لمبے سوچی رہی پھر ہاراکر
 سمجھ میں تو آتی ہے؟"
 "سمجھ میں آتی ہے تو پھر اب تمہیں اس
 کی تفصیل ضرورت نہیں۔ تم میرے ساتھ رہو اور
 ہدایت میں تو مجھے بتا دو۔ میں وقت ضرور رہتا
 چلوں گی۔ لیکن دو دن سے پہلے تمام احتیاطات
 آپ بلو کی زمین میں؟ ہوسن کی اس طرح
 بارے کچھ اطمینان نصیب ہوا ہو۔
 "وہ ہانت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
 "یہ باتنا پڑے کہ آپ بڑے دل گوسل
 اس طرح موت کی دھمکی ملتی تو میں خوف سے
 "اب چھوڑ دو؟" میں نے خیر خیر ہاتھوں پر
 پھولوں کے قلعے سا ڈھکی ہوئی کیوں کی؟
 "ہوسن کی سر سے کچھ ہوسکتی ہوئی
 اس طرح گری جیسے کسی جرم کے پات سے
 دھکتے میں ہوسر پر چٹ گئی اور وہ پھر
 ہونٹوں کی بے تابوں پر پڑے ہوئے کلام
 تک تاہم وہ میرے سامنے جسمیں شعلوں
 ہوسن کی یہ جذباتی ٹیٹا آتی شدید اور اتنی
 ہو گیا اساری ہوسر پر کچھ گئی اور ہوسن کے ہاتھ

280

اسی اسی لئے کے مقابل کام کرنے والی سڑکی میٹرو

281

دورانگہ آدم میں بیٹھا ہوا کارن مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔
”آداب“

”آداب“ میں نے جواب دیا: ”بھٹو“
”شکر ہے“ وہ بیٹھا ہوا بولا: ”میں نے کل ہی آپ سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن“

”ہاں بھٹو، حکیم بڑھتا ہے میں نے اس کی بات کاٹنے سے روک لیا۔
”میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے الماس اور اس کے گھر والوں کو میری بری عادت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔
”اس مسئلے میں تم کو شکر گزار ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں نے روک لیا جس کی بنا پر بات میں نے محض اس لئے چھپائی تھی کہ الماس کو شرف کی گرفت اور تکلیف سے بچاؤں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات الماس سے زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔“

کارن مرزا نے عالم خجالت میں نظریں ڈھکالیں اور بھرپور آئینہ سے عین میں بولا: ”میری حالت کی بنا پر میں نے الماس سے منگنی توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے لائق نہیں سمجھتا۔ اس پر جو کچھ جتنی بھی اسے توں سے منگنی توڑنے کا بہانہ بنا لیا تھا۔“

”لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارا یہ سفاک جواب اس کے کسی اذیت سے دوچار کرے گا۔“

”اس پہلو پر میں نے واقعی نہیں سوچا تھا۔ کچھ بچے تو اس بری عادت سے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ میرا ذہن مجھے دھوکہ دینے لگے۔ میں کسی بھی کام کو صحیح طور پر کرنے کے قابل نہیں رہ گیا ہوں۔ میرا سپورٹ ایک سپورٹ کا خاصا اچھا چلنا تھا لیکن وہ بھی تدریج ٹھپھ ہوتا جا رہا ہے۔“

”تھیں یہ بری عادت پڑی کیسے؟“ میں نے اپنے لیے کو کھنڈر کرتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ ایک دوست کی صحبت کا نتیجہ ہے۔“
”یعنی؟“ اور تفصیل سے بتاؤ۔“

”آپ کو شاید یہ معلوم ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ الماس کی والدہ میری مگلی کا خال میں ہیں۔ والدہ راز کا شتر ہے والدین میرے لئے جو کچھ چھوڑ کر گئے تھے اس سے میں نے ایک چھوٹا سا کام شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران میں میرا ایک دوست افضل، پنجاب سے کراچی آیا تو ہم دونوں ساتھ ہی رہنے لگے۔ کچھ دن بعد افضل بیٹے میں دو تین مرتبہ ایک گھنٹے سے ریٹائرمنٹ میں جالے لگا۔ پہلے تو اس نے مجھ سے یہ بات چھپائی تھی لیکن پھر ایک روز وہ مجھے بھی وہیں سے گیا۔ وہ ریٹائرمنٹ نشہ بازوں کا آدم تھا۔ وہاں مجھے جس کی گھٹلیں پٹنے کو ملیں اور پھر تھوڑی دیر میں ہی گریں مارنے کے انجکشن لینے لگا۔
میں بڑے غور سے کارن مرزا کی داستان سن رہی تھی اور

سوچ رہی تھی کہ اس شہر میں اور بھی بہت سے سادہ لوح کے عادی ہو کر اپنی زندگی تیار کر چکے ہوں گے۔ ان میں سے ایک چھوٹا سا آدم تھا اور اس باجاڑ کا رہا۔ اس کی طرح پھلتی جا رہی تھیں۔
کارن خاموش ہوا تو میں بولی: ”میں نے نہیں پہلے ڈاکٹر سے تمہارے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس نے بھی تمہیں اس ایجنٹ پر نہیں پہنچے جہاں سے واپسی کا ارادہ کر لو تو یہ بد عادت چھوٹ گئی ہے۔“

کارن نے متذنب نظروں سے میری طرف انکار میں سر ہٹا ہوا دیکھ کر بے چارہ ساٹ سے بولا: ”اس ریٹائرمنٹ میں جانا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”کیوں؟“ میں نے اسے تین منٹیں غور سے دیکھا۔ ”کارن کی نظروں میں دوبارہ فرش پر گر چکے ہیں اور کہا: ”میں اس ریٹائرمنٹ میں جانے پر مجبور ہوں۔“

”بات سب سمجھ گئی ہے میں نے اس کی؟“ میں نے غصے سے دیکھا۔ ”میں نے آپ کو بتا دیا کہ میں نے کارن سے پھرتے ہوئے کہا: ”انجکشن لینا میں نے کسی حال میں اس میں میری مرضی کو دخل نہیں ہے۔ مجھے اس کے تمہاری بات اب بھی سے روکا معلوم ہو۔“

کارن کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا غصے کو محسوس ہی کیا۔ وہ غصے میں جھکنے لگا۔ اس کی بات ہے۔ میں ایک روز جس کے سخت لڑکے تھے کچھ خبر نہ دی۔ پھر جب مجھے پتہ چلا تو میں ہاتھ خون میں لٹ پٹ تھے افضل نے مجھے میں لڑا تھا اور میرے ہاتھوں سے ایک بوڑھے

مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا لیکن میں نے یہاں تک فرما دیا کہ اس کی کوئی نشہ نہیں کرو گا لیکن توڑنا پڑی۔ ہمارے اس ریٹائرمنٹ کا ایک ملازم

اس نے مجھے ایک تصویر دی جس میں مجھے ایک بوڑھے دکھایا گیا تھا اس تصویر کو دیکھ کر میرے دل کا جی ریٹائرمنٹ کے ملازم نے مجھے بتا دیا کہ

میں کی تو یہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی گئی تھی۔ میں نے پھر ریٹائرمنٹ میں جانا شروع کر دیا۔ میرے قدم تباہی کی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ محض جس کے سرخروں پر اکٹھا نہیں کر سکا۔
مجھے لینے پر مجبور کر دیا۔“
”عجیب واقعہ ہے۔“ میں بڑبڑایا۔

”وہ نہیں ہے آپ کو بتا دی۔ نہ جانے کیوں میرا ہاتھ کر لیا۔ میں اس اور کے سامنے یہ اعتراف نہیں کرتا ہوں۔“

”ابھی کسی آدمی کو منشیات کا عادی بنانے کے لیے سو بہت سی نساہری میری سمجھ سے باہر تھی لیکن اب اس آدم کوئی اور بھی مقصد رہا ہو گا۔“

”اگر آدمی کتنی ہے؟“ میں نے ایک خیال کے

”ہم نہیں۔“ کارن نے جواب دیا۔ ”میرے بزنس میں ہے میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے۔ اب مجھے کسی میں یقینی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہوا۔ میں الماس کو جاننے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کارن نے

”کے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی: ”میری

”میں نے اس کی باتیں سنی ہیں۔ ابھی نہیں۔“
”اگر بات ہادی سے محض ایک تصور پر دیکھ کر صرف ہے۔ محض تصویر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔“
”اچھا، کوئی قتل کیا ہے؟“

”اگر باتیں ہیں؟“ کارن کی آنکھوں سے آنکھیں

”اگر کوئی ہے اس قسم کی تصویریں بنالینا آج کل کام نہیں۔“

”میں نے آج ہی نکلا اور اس کی آنکھوں میں

”اگر کوئی ہے اس قسم کی تصویریں بنالینا آج کل کام نہیں۔“

”اگر کوئی ہے اس قسم کی تصویریں بنالینا آج کل کام نہیں۔“

”اگر کوئی ہے اس قسم کی تصویریں بنالینا آج کل کام نہیں۔“

”کیا آپ اپنے ذہن میں کوئی خاص نام رکھ رہے ہیں؟“
”خاص تو نہیں۔ بس ایک خیال ذہن میں ابھی ہے۔ نہ جانے تمہیں پتہ چلے گا یا نہیں۔“

”میں کبھی چاکلہ کر مراد لیا سب کچھ آپ پر چھوڑ دیتے کے لیے آمادہ ہو گیا ہے۔“

”تھیں انہی نوٹنے کی تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔“

”میں بڑی سے بڑی قیامت جھیلنے کے لیے تیار ہوں۔ الماس کو پالنے کی امید مجھے تمام انا گشتوں سے گزرنے میں مدد دے گی۔“
”تو پھر کچھ ہی سے تم یہاں جاؤ۔ خود کو کھٹے سے دھو دیکھو کہ کی کوئی تہائی میں تو قیامت خیز بن جاتی ہے۔ تکلیف کے وہ دن تم یہاں گزار سکتے ہو۔ میں تم کو میری عدم موجودگی میں کتنی تباہی کا احساس نہ ہو گا۔ میری زندگی تمہارا خیال دیکھیں گی۔ میرا فاسٹ تھراپی دیکھ بھال کرنا ہے گا اور یہ وقت ضرورت نہیں جتنی لمبا دیکھیں گے۔“

”آپ کو میری وجہ سے زحمت تو نہ ہوگی؟“
”اگر زحمت ہوتی بھی تو میں الماس کے مستقبل کو خوشگوار بنانے کے لیے اسے برداشت کر لیتی۔“

”شکر ہے۔“ وہ مجھے ممنون نظروں سے دیکھنے لگا۔

”تم مجھے اس ریٹائرمنٹ کا پتہ بتا دو جو اس فساد کی وجہ ہے۔“

”اس کا پتہ لے کر آپ کیا کریں گی؟“

”ان لوگوں سے تمہاری وہ تصویر تو حاصل کرنا ہی ہے۔“

”آپ؟“ وہ ہجرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بڑے حراک

لوگ ہیں یا نا؟“

”میں اس کی بروہ نہ کرو۔ میں ان لوگوں کے مقابلے پر ان سے بھی زیادہ حراک لوگوں کو کھڑا کر دوں گی۔“

”کارن مرزا کے چہرے سے انجمن اور پریشانی کا اظہار ہوتا رہا۔
”تاہم اس نے ریٹائرمنٹ کا پتہ بتا دیا۔ یہ پتہ صدر کے اس علاقے کا تھا جہاں دینی جمادیوں کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ مغربی مالک کی اندھی تقلید میں سب سے آگے ہیں۔ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی ان کا لباس اور طرز معاشرت پاکستانی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے کے لیے زیادہ جلد جہد کی ضرورت نہیں۔ پیش آتی کیونکہ مغربی مالک کی منشیات کا استعمال عام ہو چکا تھا جس کی سبب میں بطور فیشن بی جلتے تھے تھیں اور انگریزی فلموں کے توسط سے یہ فیشن ان لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔“

”کارن مرزا دوسرے دن کھانے کا وعدہ کر کے چلا گیا لیکن میں اس کی نصیحت کے بعد بھی ڈرانگ آدم میں بیٹھی خیالات میں ڈوبی رہی۔“
”ٹیلیفون پر میرے ڈاکٹر نے کارن مرزا کے بارے میں جو رپورٹ دی تھی اس میں ایک نکتہ مجھے خاصا مضمی فیہ معلوم ہوا تھا۔ رپورٹ کے

طرز و عمل لینے کی صورت میں تو یہ ممکن ہے کہ یہ مابین ان دو
کے کو خط و کاغذ کا مستقل خاتمہ کر سکیں ؟
سوچن جواب میں کچھ نہیں آئی لیکن اس کے بارے
میں نہیں پڑا۔
”پتلی“ تجھے میرے لیے اتنا پریشان نہیں ہونا
پڑا یا بھرے انداز میں اس کا کمال تحسین کرنا اور
”خزانہ“ کے توں اسی طرح نہیں کی، ذرا سادہ

دوبہر کا کانا ہم دونوں نے ساتھ ہی کھایا۔
چونکہ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ سوسن
ایجنٹ ہے اس لئے میں نے دل ہی دل میں حتمی

پاک بزرگوں کی کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ اگر وہاں واقعہ
میں سے اس کے بارے میں ہرگز نہیں بتاتی اور
تباہ کر کے وہاں سے باقی بچے باخبر کرنے کا سہا
ہے کہ یہ مکمل تیاریاں کر لوں اور دوسرے فرنگ بچے
نہیں دے سکتا تھا۔

تو پھر مجھے مل یا رک لے جانے کا مقصد؟
لے کے کر ہی ایک بات دین میں ان تیری کرنا
کا کراہ سو سن مجھے بل پا کر سے جاری ہے تو کل منکر
تے میں ہے جا سکتی۔ پرسوں مضائقہ سرگ کہانہ پر
بد کوئی چوتھی جگہ... ہرگز تجھے مایوسی کا شکار نہ بنا
بائٹ بڑھتی جلی جاتی اند پھر کسی نوز عالم ہے تیری
میں آتا۔

کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد میں سو سن لے کے
 گئی۔ سو سن بے بسی تنگ و پریشانی کی اداکاری میں لے
 تیں۔ بچے میں پانچ منٹ پر ہم سو سن اٹھے۔
 تھے۔ صبح کے بارگاہِ اقدس پر وقتِ صبح وارانہ

وہ وقت تو وہاں آکا دیا اور وہ اس کے لیے

ہاں پارک ایک ایسی جگہ ہے جہاں چھینے
 کوئی بھی شخص دوسروں کی نظر میں آئے اور
 سکتا۔ پارک کا مشرقی حصہ انتہائی بلندی پر ہے۔

اور کے نظارے کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے بارے
میں سو سنا سنی کے اندر تک جی جی ہے۔ اس میں
کے میں نے سوچا کہ اس صحت سے کوئی بھی ہے
منازہ سنا سنا ہے مگر چونکہ مجھے بی بی کی لاش لہجی
بی بی لاکت کا غلطہ نہیں تھا۔ غلطے کی بات صرف
نے کی کہ کشش کی جاسکتی تھی تاہم یہ معاملہ

اس کی طرف توجہ دینا ہی شاید میری غلطی تھی۔

اور اگر کرنے والے نیچے تھے اس لیے میں نہیں

وہی دونوں اپنی جگہ پر خود ایڑ پر قتل ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں بے ہوشے۔
آگ لگ رہی تھیں۔ نالوں کی لہائی کا سبب بن گئے۔

یہ تیزی سے گویاں برساکر اپنے ریلوے
کے جوئے بارک سے نکل گئے۔ انہوں نے
مہاشاکرانی کی گویوں میں سے کوئی نشانے

اے سو سن کی جمع سے انہیں کم از کم ایک
 انہیں ہو گیا ہوگا، البتہ وہ یہ نہیں جان
 کہ کتنا نقصان پہنچا ہے اور کتنا نقصان پہنچا ہے
 اور اوروں کو دیتے، وہ سو سن کی جمع سے کم

کے ساتھ کہ انہوں نے فاکر کی آواز نہیں

ہمارا زمانہ نکال کر سوسن کے زخم پر رکھ دیا
 زمانہ باندھنے لگی یہ عمل کرتے ہوئے مجھے
 ایک ہی ضرب نہیں لگائی تھی اور صرف گوشت

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

ہم ان کے بڑے بیٹے ان کا پڑوس ہیں۔

سوسن میزا اشارہ سمجھ گئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر لڑائی مٹا دیتی تھی۔ اس کے منہ سے کراہیں اور سسکائیاں اب بھی نکل رہی تھیں۔ ہمارا پُرسش کرنے والے جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے تھیں۔

طرف دیکھتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اگر میں انہیں حقیقت حال سے باخبر کر دیتی تو پولیس اٹھانے کی نوبت آ جانا ایک نفسی امراض بہر حال اس واقعے نے میری عقل خطا کر دی تھی اور مجھے یہ سوجھنا

پڑھا تھا کہ شاید میں نے سوسن کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے
اس لئے کہ مزاج مطلب یہ تھا کہ سوسن میرے معاملے میں پر غلوں مٹی
اور ڈاکٹر فونگ کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

لیکن میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ حملہ بڑے مشکل کنیز انداز میں
کیا گیا تھا۔ اس طرح مارنے کی نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنے کی کوشش
کی جاتی ہے اور میں یہ سمجھنے سے فاسر تھی کہ ڈاکٹر فونگ مجھے دہشت
کے کام مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

میں سوسن کو کاڑ تک لے گئی۔ میں نے اسے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بٹھایا اور جب میں نے پیچھے کرناجین اشارت کیا تو سوسن بولی۔

”میں اپنے گھر جاؤں گی۔“
 ”کیوں؟“ میں نے تجب سے پوچھا۔
 ”موسوں نے ایک سسکاری سی لی اور مرا سٹنے ناکر کہا: ”آب

کی مدد کرنے کرتے ہیں تو ختم ہی ہوگئی تھی۔ میں نے آپ سے کیا تھا کہ
مقابلہ خطرناک لوگوں سے ہے اس لیے آپ پولیس کی مدد حاصل کر
لیں مگر آپ نہیں مانیں۔ اب آپ کا جود چلے کر لیکن مجھے تو

معاذ ہی رکھیں میں اب آپ کے دور ہی رہنا پسند کروں گی !
میں کوئی جواب دیے بغیر کار کو حرکت میں لے آئی میری
مادھوشی اس لیے مناسب تھی کہ سوس کا ہجڑا تلخ تھا۔ اس تلخی کی

جبر جمعی میں سمجھ ہی سکتی تھی۔ ہر عورت میری طرح آہنی اعصاب کی
 لاک نہیں ہو سکتی۔ گولیوں کی بوچھاڑ کے مقابل آنا معمولی دل گڑے
 لٹاؤں کے بس کی بات نہیں۔ وہ بچے بھی سو سن کے لیے زندگی کا

ملا موقع ہوگا اور یہ پہلا ہی تجربہ اسے ملنا پڑا تھا۔ اس کا عقد ایک طریبات تھی۔

سون اپنے گھر کا راستہ تیلنے لگی کیونکہ میں اس سے ناواقف

”نہیں پہلے کسی ہاں کے گھر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا میں نے گاڑی کو
س کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا لیکن راستے میں بلی۔
”مناسب ہوتا کہ میرے ہی گھر چلتیں۔ میں خون کہہ کے اپنے ڈاکٹر

285

”میں بھی توں کر کے ڈاکٹر کو اپنے گھر پر بلا سکتی ہوں“ سوس نے میری بات کٹتے ہوئے کہا۔

میں نے بحث کرنا تو خلیا تھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

سوس نے پشت کا ہاتھ سے سر کاٹا کہیں بند کر لیں، زخم کی تکلیف نے اسے سسکا لیا لیکن پرچہ پور کر رکھا تھا کبھی بھی اس کے خیر سے کہہ بھی نہ جاتی تھی۔

کچھ دیر بعد میں نے اس کا تمام پر گاڑی وہی جہاں سوس جا رہی تھی۔ ہاتھ آئی لیڈر کی ابتدا میں وہ ایک سہ منزل عمارت تھی۔

”ہیرا فلٹ پہلی ہی منزل پر ہے“ سوس نے آہستہ سے اس وقت کہا جب میں اسے سارا سر کے گاڑی سے اتار رہی تھی۔

پہلی منزل پر پہنچ کر سوس نے چابی نکالی اور قفل کھولا۔ میں اسے سارا دیے ہوئے آندے لگئی۔

خالی مکان میں سناٹا ہی ہوتا ہے لیکن سوس کے فلٹ پر چھایا ہوا ستارہ جیسے مولا سے کچھ زیادہ ہی گرمی محسوس ہوا۔ اگر یہ احساس مجھے فلٹ میں داخل ہونے سے قبل ہو جاتا تو سو دشمن ثابت ہو سکتا تھا لیکن فلٹ میں داخل ہونے کے بعد مجھے کوئی ناغہ نہیں پہنچا سکا۔ وہ جگہ ہی میری طرح پر فوٹ پڑے۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن پیسہ دوا چکر کوئی تیز آواز قریب آکر میرے غم سے بڑے ہاتھ بچا کر کوٹھیلوں کا غصہ تو دوسرے بکھڑے لگا۔

”یہ کس کھنٹ کی تجویز تھی کہ مجھے زخمی کیا جائے؟“ سوس آن لوگوں پر ہنس پڑی۔

”اگر تم زخمی نہ ہوتیں تو یہ ہوسر تھی آسانی سے ہمارے ہاتھ تھام لیا چوتھا آدمی بولا اس کا بوجھ جینی تھا اور آواز نالوس! میں نے گون میری کر کے آواز کی سخت دیکھا۔

”یہ وہی جینی تھا جس سے میں پہلی مرتبہ تھان ابر لوٹ بر ملی تھی اور جو دوسری مرتبہ پنڈت میں ڈاکٹر فرنگ کے ساتھ کاریں نکھائی دیا تھا۔ اسے ڈاکٹر فرنگ سے بڑی عقیدت تھی اس لیے وہ اسے عظیم فرنگ کے نام سے یاد کرتا تھا۔

”کاٹی چیک!“ میرے منہ سے یہاں سے نکل گیا۔

”تخت گرنے کا بعد شکر ہے باؤ!“ کاٹی چیک متھو کر بولا۔

”مجھے افسوس ہے کہ یہ دوسری ملاقات کسی خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئی اور میری ملاقات کا تو حال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

”کیوں!“ میں نے دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

”آپ کا ایمان قابل شک ہے“ کاٹی چیک نے لہجہ کی انداز میں کہا۔

”میں ہر حال میں ملٹن دہنا پسند کرتی ہوں“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

”لیکن جلد ہی آپ کا ایمان ٹھیک ہو جائے گا“

تمہارے ہی میں آپ کو بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر فرنگ کے پاس اس سے گزریں مگر آپ نہیں جانتے تھے کہ آپ کے لیے سزا جو جزی کی جاتی ہے؟

”خوب!“

”کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ سزا کیا ہے؟“

”شاید میں نے بہت سارا ایمان کا انکار کر لیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ سارا ایمان سزا کی تیز ہو چکی تھی۔ میں اس ہی طرح جزی کی تھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب شاید موت ہی مجھے چھوڑا دے گا۔

”چھوڑا دے گا؟“ سوس نے غصے سے کہا کہ اس کا قصہ سارے مساحوں سے پسینہ بہنے لگے۔

”نہ نہ“ برواٹ کرنا ابھی کھیل نہیں ہو سکتا میں نہیں ہر کس طرح لڑنا چاہتا تھا؟ جی کے جسم پر جو زخم دانتوں کے مزبور ہوتے تھے لیکن میں یہ دانت کس چیز کے تھے۔

”کاٹی چیک“ دوسرے توقف سے بولا۔

”کی دانتوں کا ہونے اور مجھے اوقات ہے کہ آپ آپ کی عورت میں اس لیے ان دھات کی آٹھ آپ جی عورت کو ایک اذیت، ایک سختی مجھے افسوس ہوگا میں کب تک فرنگ سے آپ کی دانتوں میں کہ وہ میری بات نہیں سمجھتے۔

”چوڑا بنا دیکھ سکتے ہو کہ کسی کی جی نہیں گزرتے ہیں۔ جی والی مثال آپ کے سامنے غلط فرنگ سے اس بیکار حرکت کی توقع نہیں دماغ کی اترل ہوئی ہیں۔

”کاٹی چیک کے لیے سے مجھے ایسا میرے لئے واقعی دکھنا ہو۔

”اجانک سوس نے پھر چیخا فریاد کیا۔

”بلا دو تکلیف سے میری جان نکلی جا رہی ہے مجھے اس کے اوپر کرنے کے انداز چھتے ہوئے لیے میں کہا کہ اگر تم جی ہی ہو کیوں نہیں؟“

”میری بات کے جواب میں سوس کی اسے تباہ کیا جا کر اسے زخمی بھی بننا پڑے گا اگر بیساختہ زخمی نہ رہتے پانی۔ ڈاکٹر فرنگ اپنے غم واقف ہے اور انہیں استعمال کرنا خوب ہا انا کا لیا تھا کہ ہر پاک پر کچھ وقت گزار کر دے

”میں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے کہ آپ کس طرح کار تک لے جاتے ہوئے دیکھ دیا جائے گا۔ کار چر دی کی ہے اور یہ فلٹ بھی صرف اسی مقصد کے لیے کر لے گیا گیا تھا۔ ہر ساج ہی چھوڑ دیں گے۔ اگر کسی نے اسے کس حالت میں دیکھ لیا تو زیادہ سے زیادہ پیر کے کار پولیس کو فون کرے لیکن جینی دیر میں پولیس میاں آئے گی آتی دیر میں ہم یہاں سے ہمت دور جا چکے ہوں گے۔ دیکھنے والوں میں آتی ہمت تو ہوگی نہیں کہ ہیں روکنے کی کوشش کریں۔ ہاں اگر کسی سر پھرے کی شامت دھکا دے ہی گئی تو ہمارے دیواروں اس کا علاج کر دیں گے۔

خلیف سے نکل کر اب وہ لوگ نیٹے ملے کہ وہ تھے اور مجھے شاید ان کی دیدہ دیری پر عیش کرنا چاہیے تھا وہ دن ہاڑے ایک عورت کو اس طرح اٹھا کر ڈانگ لے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

”جیسے شاید کسی نے ہیں دیکھا ہو تو نوکر کار بالکل نیٹے کے سامنے لا کر کھڑی کی گئی تھی۔ اس دوران میں ہلانگ کا کوئی ٹکین بھی نہیں آیا گیا تھا۔ مجھے کار کی پچھلی نشست پر ڈال کر دواڑہ بند کر دیا گیا۔ کار بڑے سائز کی تھی اور کچھ یوں پر پڑے پڑے ہوئے تھے اس کا اسٹار نہیں تھا کہ مجھے باہر سے دیکھ لیا جاتا۔

ان احتیاطی تدابیر نے میری ہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے میرا آخری وقت آچکا ہوا اور اس ”آخری“ وقت میں مجھے خیال آیا بھی تو کس کا شہناز! کار چل پڑی اور اس کی رفتار میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

شہنشاہ کا سحرانچہ چہرہ میری نظروں میں معلوم رہا تھا اور مجھے اس کے جسم کی جھین جھین تک محسوس ہونے لگی تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں اسے واقعی بڑی سخت سے چلبھنے لگی تھی۔ یہ میرے لیے بہت بڑا کرب تھا کہ شاید میں اسے حاصل کرنے کے لیے ہر جان و مال غروریت کے احساسات جلتے تو میں نے انہیں بند کر لیں۔ اب شہنشاہ میرے تصور میں ہی ہوئی تھی مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا جیتا جاگتا وجود میرے پہلو میں ہو۔ یہ تصور واقعی احساس قرب میرے لیے حدود حرمت کی بخش تھا اگر وہ ننگا ایک دھماکا ہوا۔ شہنشاہ کا وجود جیسے پھٹ کر کھیر گیا اور میرے ارد گرد جو پچاں سا لگا۔

وہ دھماکا خیالی نہیں تھا اور میری پچاں کی کیفیت بھی حقیقی تھی۔ تیز چلتی ہوئی گاڑی کے گاڑی نے سارا ہڈی بھی ادا کر ڈیوار کے قاتلوں سے کل کر کسی پتھر سے ٹکرائی ہوئی کڑی محسوس ہوئی۔ وہ شہنشاہ ٹوٹ کر کھیر گیا تھا۔

دوڑنے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آگئیں۔

”خیر ادا کوئی حرکت نہ کرے!“ ایک جانی اور بھی آواز سنائی دی۔

اور میرا دل بغیر اچھلنے لگا۔

”لیکن جلد ہی آپ کا ایمان ٹھیک ہو جائے گا“

تمہارے ہی میں آپ کو بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر فرنگ کے پاس اس سے گزریں مگر آپ نہیں جانتے تھے کہ آپ کے لیے سزا جو جزی کی جاتی ہے؟

”خوب!“

”کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ سزا کیا ہے؟“

”شاید میں نے بہت سارا ایمان کا انکار کر لیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ سارا ایمان سزا کی تیز ہو چکی تھی۔ میں اس ہی طرح جزی کی تھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب شاید موت ہی مجھے چھوڑا دے گا۔

”چھوڑا دے گا؟“ سوس نے غصے سے کہا کہ اس کا قصہ سارے مساحوں سے پسینہ بہنے لگے۔

”نہ نہ“ برواٹ کرنا ابھی کھیل نہیں ہو سکتا میں نہیں ہر کس طرح لڑنا چاہتا تھا؟ جی کے جسم پر جو زخم دانتوں کے مزبور ہوتے تھے لیکن میں یہ دانت کس چیز کے تھے۔

”کاٹی چیک“ دوسرے توقف سے بولا۔

”کی دانتوں کا ہونے اور مجھے اوقات ہے کہ آپ آپ کی عورت میں اس لیے ان دھات کی آٹھ آپ جی عورت کو ایک اذیت، ایک سختی مجھے افسوس ہوگا میں کب تک فرنگ سے آپ کی دانتوں میں کہ وہ میری بات نہیں سمجھتے۔

”چوڑا بنا دیکھ سکتے ہو کہ کسی کی جی نہیں گزرتے ہیں۔ جی والی مثال آپ کے سامنے غلط فرنگ سے اس بیکار حرکت کی توقع نہیں دماغ کی اترل ہوئی ہیں۔

”کاٹی چیک کے لیے سے مجھے ایسا میرے لئے واقعی دکھنا ہو۔

”اجانک سوس نے پھر چیخا فریاد کیا۔

”بلا دو تکلیف سے میری جان نکلی جا رہی ہے مجھے اس کے اوپر کرنے کے انداز چھتے ہوئے لیے میں کہا کہ اگر تم جی ہی ہو کیوں نہیں؟“

”میری بات کے جواب میں سوس کی اسے تباہ کیا جا کر اسے زخمی بھی بننا پڑے گا اگر بیساختہ زخمی نہ رہتے پانی۔ ڈاکٹر فرنگ اپنے غم واقف ہے اور انہیں استعمال کرنا خوب ہا انا کا لیا تھا کہ ہر پاک پر کچھ وقت گزار کر دے

رضوان نے ایک ہاتھ سے کارکا ٹیڑھ لگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھوں کی بندھیں وصلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کارکا کے اس پڑ ویز کی سہلی ٹپکاس کے ہنڈے پر متحرک ہی تھی میں نے عقب نہ آنے میں دیکھا کہ گرم مائے حادثہ کو برت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دو چوبی وہاں بھی حالت میں بڑے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت کٹار لٹا پڑے رہتے جب کارکا نہیں دیکھ کر پولیس کو اطلاع دے گئے رہتا۔ انہیں اسی حالت میں پھر کر رضوان نے بہت عرصہ نہ کارکا بھرت دیا تھا۔ میں بھی اگر اس کی جگہ نہ تویں کہتی۔ پولیس کے جمیلوں سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔ رضوان کو ہنڈ پیچھے ہوئے ڈرائیونگ کرنا تھا۔ آخر مجھے ہی مسکوت کا نفل کوڑنا پڑا۔

”تو یہ شوق بھی کہا ہے؟“ میں نے۔
 ”میں مرد ہوں۔“ رضوان نے کہا۔
 ”ابھی تو تم اس میں جنڈل مضافہ؟“
 لڑکی کے ساتھ دیکھ کر کم سے کم عجیب۔
 معقول قسم کی انگلیوں سے بھٹ۔
 ”سوسن بڑی جی ہوئی لڑکی
 اصطلاح استعمال کی۔
 رضوان ابراہمان بنا کر۔
 ”ابن تو تم کیا کہہ سکتے تھے؟
 ”جب میں سوسن کی انگلیوں پر
 ”اس کے علاوہ کیا تھا؟“

شے دے دے ایک بخار کا سرکولیشن منجر ہے ہم
 میں سے جانتے ہیں اس لیے میں اس پر
 ملاحظہ فیصل سے جواب دیا اور پھر کہا : جب
 شے بڑا مال ہے تو تو میں نے محسوس
 کی ہو کہ اب میں اس کوئی شے نہیں رہا تھا کہ
 میں کوئی طور پر کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر
 رہے کہ روانہ ہو گئی۔ اب اس کے سوا کوئی
 اس کا شے قناب میں چل پڑوں۔ میں نے
 لی : اس میں یہ چھپ چھپ چھپ کے
 کیا کہ جہاں نہیں ہے جا یا جا جائے وہاں
 بہت سے زیادہ ہموار میں تم کو ان سے نہ بچھڑا
 طاقت ہی میں کچھ کر کے نہ کی کوشش کی
 میں نے اس سے اس سے آسانی بنایا جاتا
 اور کو ماندگی کا شے ہزار میں سے بلکہ اس
 کو ماندہ مکرر دکنے کی کوشش کرے۔ اس
 میں نہ ہی آسانی سے کیا جاسکتا تھا کہ یہ بات
 میں تم کو وہ جینی ایک ناڈی ڈوریاں پر
 اب ہر جہاں ہے

”جو پھر اور اچھا ہی ہوا“ میں بولی ”اگر وہ مجھے سے نہ مل سکی تو
دو دنوں کے ہوش بھی نہ ہوتے اور تمہیں خاص مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا“
”وہ ڈاکٹر فرنگی ہی کے درستی تھے؟“
”ہاں“
”سوسن کا کیا رہا؟“
”وہی تو اس فساد کی جڑ ہے“
”کیا مطلب؟“
”وہ بھی ڈاکٹر فرنگی کے لکھنے سے۔“
”اوہ! رضوان کے منہ سے سنا ہی نکلا۔“
میں بسے تعفیل سے تانے لگی کہ سوسن نے کیا ڈرامہ کھیلنا تھا۔
کاراب بات آنی لینے کے علاوے میں پہنچ چکی تھی۔ رضوان نے اسی
بلڈنگ کے سامنے پہنچ کر ریک لگائے اور لولا یسوسن سے تو پہلے ہی ”ناہ“
”یقیناً“ میں نے عرباب دیا۔ لیکن تمہارے دوست کو اب رخصت
کر دو۔ ہم دونوں برسرِ مسئلے سے خود ہی بے چارے ہیں۔“
”ٹھیک ہے۔ لیکن اسے چلنا کچھ دیتا ہوں۔“ رضوان نے انجن
بند کرتے ہوئے کہا۔
موترسائیکل کار کے برابر میں آڑی تھی۔
میں کار سے اتر کر بلڈنگ کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی
لیکن وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ قریب ہی میری کاراب بھی کھڑی
ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فرنگی کے اینٹوں نے اُسے وہاں سے ہٹانا
منزوری میں سمجھا تھا۔
رضوان نے رات کو رخصت کر دیا۔
”آؤ! میں نے رضوان سے کہا اور بلڈنگ کے دروازے کی
طرف بڑھی۔
”کیا تمہارے پاس رولر لود ہے؟“ رضوان نے اس وقت پوچھا جب
ہم زینے ملے کہہ رہے تھے۔
”نہیں“ میں نے جواب دیا۔ لیکن تم اس کی فکرت کرو۔ اگر فطر
کا احساس مجھے قبل از وقت ہو جائے تو میں سڑک پہنچنے کے باوجود اپنے
دشمنوں کے لیے کلائے بے درمان ثابت ہو سکتی ہوں۔“
”تمہاری خوش فہمی کی حد نہیں تبصر کر سکتا ہے۔“
”اچھا اب مخلص!“ میں نے خوش پر انگلی رکھتے ہوئے کہا کہ بزرگ
ہم تین جو تھائی زینے ملے کر چلے تھے۔
رضوان چپ ہو گیا۔ وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا کہ ممکن
ہے اس کے پاس رولر لود ہو۔
لیکن پہل منزل پر پہنچ کر مجھے باپ کی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ فلیٹ
اب منتقل تھا۔ چڑیاں اڑ رہی تھیں۔ یہ تو مجھے کافی چپکے سے بتا ہی دیا
تھا کہ فلیٹ صرف اسی کام کے لیے حاصل کیا گیا تھا کہیں مجھے یہ
تو فیق نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی غائب ہو جائیں گے۔

کہہ دیا۔
 ”اب کیا ارادہ ہے؟“ وغیران لبرالہ

میں چاہتی تھی کہ مجھے نہیں سے سوسن کا پتہ ملے
میں میرا یہ طریقہ کار بے سود ہی رہا۔ کہیں

میں نے کہا کہ میں نے یہاں سے ہٹا دیا تھا۔ کامرین
 نے کہا کہ میں نے یہاں سے ہٹا دیا تھا۔

”بہت بہتر“
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ افضل سے فوری طور پر رابطہ

گفتگو کرنے کی بجائے میں نے یہ مناسب سمجھا تھا کہ شرعی مسائل میں دو ایک روزہ تک اس پر وقت نظر رکھی جائے۔

وقت گزری کے لیے میں نے یہ انداز چلایا اور مٹی موٹی سرخوں پر نظر دوڑانے لگی، ایک خبر کے مطابق وزیر خارجہ صاحب نے سرحد پہنچ چکے تھے۔ اس خبر کو دیکھتے ہوئے مجھے وہاں کی گفتگو یاد آئی جو وزیر خارجہ سے ہوئی تھی۔ ان کا یہ سوال خاصہ مضمین خیر تھا کہ اگر سرحد سے جبرٹ لپکا کے دودان میں سرحد کا کوئی تذکرہ تو میرے سامنے نہیں آیا؟ آخر انہیں سرحد کے بارے میں ایسی کیا اطلاعات ملی تھیں جن کی وجہ سے وہ فخر و توشیح کا شکار ہو گئے تھے۔ کیا ان دنوں سرحد میں بھی کی آئی اے کے ایک بکثرت مرکز قائم ہے؟

مٹی آئی اے کے ساتھ اب کے جنرل بنی کا نام بھی میرے سامنے آ گیا تھا اور یہ میرے لیے خاصی قابلِ غور بات تھی کہ میں ہی آئی اے سے خبردار بنا ہوں یا کہ آئی اے کی بے غبار توجہ مجھے کھلنا نہ دے ہوئے تھے۔ کامران کے معاملے میں الجھ جانے کی وجہ سے میں ان خبر کا رازین معاملات کی طرف توجہ دینی طرح توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ سر فخر نواز ڈوٹ سے بھی آج کل میری رابطہ قائم نہیں تھا اور میں کراچی میں بیٹھ اُن دونوں افراد کو بھی جب تک نہیں کہ کسی قسم کی جن کے بارے میں مجھے حدیثِ مملکت سے ہدایات ملی تھیں۔

اگر میں شہزادہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو کامران کا معاملہ بڑی تلافی ہی مثبت اختیار کر لیتا اور میری توجہ و دھنوں میں منقسم نہیں ہونے پاتی۔

چوچھا۔
 ”میں یورپائی تھیں! میں کسی کا تعاقب کر
 سکا نہ تھا، نہ بچا تھا۔“
 ”پتہ چلا کہ وہ کون ہے؟“
 ”میں معلوم کر چکا ہوں یورپائی تھیں! وہ
 مالک ہے۔“
 ”اوہ! میں نے چونک کر کہا۔“ ریسٹورنٹ
 کا مڈل مین نے اسی ریسٹورنٹ کا نام بتایا جو کہ
 مطابق فحشیات کا ڈھ تھا۔
 میں نے فحش کا شکار ہو گئی، افضل کا قتل مجھے
 لیے مجھ کو کر رہا تھا۔
 ”میرے لیے اب کیا حکم ہے یورپائی تھیں؟ کیا
 میں اپنے خالات سے جو کم

”فی الحال... کچھ نہیں“ میں نے کہا کہ سلسلہ
آخر افضل کو آج ہی کیوں قتل کیا گیا؟ یہ قات
میں بہت اشارہ کر رہا تھا۔ اگر میں کامیاب ہو جاؤں تو اس
غائب آج بھی قتل کر دیا جاتا۔ گویا ان لوگوں کو معلوم
ہو چکا ہے کہ ان کی ہولناکیوں اور ان کی برائیوں کو

ایک سوال یہ نشان بن کر میری سوچ کے
اس سوال یہ نشان کو شبہات کی گرد میں
نہیں میں دگر بہت صاف نظر آتی تھی۔
میں تھا جو بلند رکھا لی دے رہا تھا۔ اس
کے لیے جسے میرا اعتراف حاصل کر سکے۔ اس
اصل کار شاد میں مجھ کی موجودگی کو محسوس کیا
میں اصل کے پیچھے گلی والی ہوں تو اس نے
طالع دی جنھوں نے نوراً افضل کو محسوس کرا
تے تو ممکن ہے میں اُس کے ذریعے سے کوئی
باب برپا نہی۔
ات کرنا تھا کہ کامران نے یہ ڈرامہ کھیل کر میرا
یوں کیا؟
میں بن مجھ پر تھی کہ کامران کے ذریعے سے مجھے
تعلق بن کرنے کا موقع ملے گا، لیکن اب میں
کا مالک ہوا اور ہے۔
انفرنگ کی طرف تھی عین ممکن تھا کہ اُس نے
۱۰۴۰

میں نے بھی وہی ہو گا جو تم کے لیے سوچا ایک ناکام
 ہو کر لینا ایک بچکانہ سی بات ہوتی۔ یہ بھی تو ممکن
 ہے کہ پھر اور ہو۔ بہر حال اب مجھے کامران کی طرف

❖❖

[illegible]

بگڑ نہیں جاتا، اس جتنی بھی کہ کامران ایک زنگ بوم میں داخل ہے۔
 شہناز بدینور الماس کے ساتھ مقیم تھی اور اس ظالم نے چند منٹ
 بھی بری لکھی کہ تازگی نہیں بخشی تھی، مجھے اور الماس کو بائیں کرتا ہوا چھوڑ
 کر ڈرائنگ روم سے علی گئی تھی۔ اُس کے اس تعاقب کا لڑائی پیر سے
 دل پر آ رہے ہیں جلے تھے۔ اور میں بھلا لڑائی میں یہ تک سوچ بھی تھی
 کہ اس لڑائی کو اس کا غواہ کرنا پڑے گا۔
 میں اپنے شام کے اوقات سون کی کی تلاش میں گزار رہی تھی،
 لیکن مجھے اب تک کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا تھا جو سون کے پتے سے
 واقف رہا ہو۔

چوتھے دن شام کو بھی میں سوسن کی کتلی میں ماری ماری
پھر دہری تھی کہ ایک شاپنگ سنٹر میں مجھے غور نظر آگئی۔ وہی غزالہ
جو لاہور جاتے ہوئے مجھے ٹرین کے ڈبے میں ملی تھی اور جس نے اپنے
ٹائیبا لپ کا موجودہ گاہ میں بھی میری خواہشوں کے سامنے میں پناہ لی تھی۔
میں نے جاگڑ بھیجے سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس
نے چونک کر گھمایا اور مجھے دیکھتے ہی جیسے کھل اُٹھی۔
”اب اُس کے منہ سے فیضانِ مسرت نکلا، ایک بھگدوسرے
ہی کے دہ سنجیدہ اور مضطرب ہو گئی غالباً اُسے وہ سامے خوفناک
واقعات یاد آ رہے تھے جس سے وہ محض میری وجہ سے درجہا ہوئی تھی۔
میں اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ میرے کمرے کا افسانہ
جانے کیوں روکیوں کو لہرا رہا ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور دھیمی
سی آواز میں بولی: ”آد کہیں میٹر کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔“
”ایک منٹ۔“ غزالہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑے لیا اور اپنا
پرس کھول کر اس میں سے نوٹ نکالنے لگی۔ نوٹ گن کر اس نے گنگناہار
کو دیے اور وہ یکے کے شوکیس سے اٹھ لیا جو دوکان دار نے بنا رکھا تھا۔
”چلیے آدہ مجھ سے بولی۔“

چلتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پھیرا مگر اس نے ہاتھ
 لکھ کر مجھے ایک گزری ہوئی کہانی یاد دلایا تھا۔ اس یاد نے میرے فہم
 میں لذت آمیز مسلمانوں کی پھیلا دی تھی۔ ویسے کسی کی باتوں سے میرے
 ہونٹ خشک تھے اور میں پائیس سے تڑپ رہی تھی۔ اب غزالہ کے
 مڑھوے پالوں میں مجھے اپنی تاشکی بھیلے کا سامنا ہوتا ہوگا تھا اور
 اس تیل سے وقیعے میں میری نظر کی مرتبہ اس کے گریبان سے اس اچھا لہجہ
 نکلتی تھی۔

غزالہ کے قدم سے قدم چلتی ہوئی بولی۔ ”آپ سے بہت دن
 بعد ملاقات ہوئی ہے لیکن مجھے وہ واقعات اس طرح یاد میں جیسے
 کل ہی کی بات ہو۔“

”میں بھی ان خوش گوار لمحوں کو نہیں بھول سکی۔“ میں نے غزالہ کا
 ہاتھ دبا کر کہنے لگے ”ہوئے کیا۔“

”عیرا اشارہ دہری طرف ہے۔“ غزالہ جلدی سے بولی۔ ”میں

ان لوگوں کی بات کر دی جو انہوں نے ریو اور دھکا کر میں لاہور کے
 آئین برائے ترے سے روک دیا تھا۔
 ”تمہیں ان ناخوش گوار باتوں کو یاد رکھنے کی بجائے صرف ان
 لمحات کو یاد رکھنا چاہیے تھا جو صرف ہم دونوں کی ذات سے متعلق تھے
 میں نے بدستور سکر لے ہوئے کہا۔
 غزالہ بڑے خوش سے انداز میں ہنس دیا۔
 میری زندگی میں جو لڑکیاں آئیں، ان میں غزالہ اس اعتبار سے
 منفرد رہی ہے کہ وہ ایسی باتوں پر شرم لانے لگنے کی بجائے، کسی تنگ
 گل کر لگنے کو پسند کرتی تھی۔
 میں اسے لڑکیاں ریوڑ میں جا رہی تھی۔
 ”کیا بیوگی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔ ”جائے، کافی یا کوئی
 ٹھنڈا مشروب؟“
 ”جواب کا دل چاہ رہا ہے وہ پانی پیجئے۔“
 ”میں جو کچھ بنا پاتی ہوں وہ اس کھلے ہونے، حائل میں نہیں
 پیا جاسکتا۔“
 ”فی الحال اسی برکتا کیجئے جو یہاں پیا جاسکتا ہو، غزالہ نے
 ہنسنے ہوئے کہا۔ ”دوسری چیزیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔“
 ”وعدہ رہا۔“
 ”پکا وعدہ۔“
 ”بانتھ ملاؤ۔“
 اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور میں نے اس کے گداز کو اپنی جھلی
 میں پھینک کر کوشش کی۔
 دیکھا تو میں نے اسے جانے اور دیگر لوازمات کا آڈوڈ دیا۔
 ”تم نے اس دوران میں کبھی مجھے یاد نہیں کیا ہے غزالہ؟“ میں ویڑ
 کے جاتے ہی پوئی۔
 ”جی ہاں، آپ مجھے بہت یاد آتی رہی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے
 کہ کوئی لڑکی بھی ایک مرتبہ آپ سے نہیں کرنے کے بعد آپ کو بھول ہی
 نہیں سکتی۔“
 ”بعض روکیاں تو مجھے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتی تھیں۔“ میں نے
 ہنس کر کہا۔
 ”ناگھن۔“ غزالہ نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”میں اس
 پر یقین نہیں کر سکتی۔“
 ”یقینیت ہے۔ ایک لڑکی نے تو آج کل مجھ سے ایسا رویہ
 اختیار کیا ہے کہ میں ٹری تو ہیں محسوس کر رہی ہوں۔“
 ”آپ کو تو میں تو نہیں یقین کیے لیتی ہوں ورنہ یہ بات ناقابل
 اعتبار ہے۔“ غزالہ لڑکی ہے کون؟“
 ”شاید اس کا نام ہے اور وہ لیڈی فاروق کی لڑکی ہے۔ تم
 نے لیڈی فاروق کا نام تو سننا ہی ہوگا۔“

”ہاں، وہ تو شام ریڈی میں رہتی
 ”شاید آج کل راجا آئی ہوئی ہے
 ”وہ کبھی کیلے؟“
 ”کچھ کہنے پر بھی آمادہ نہیں۔ اس
 لہٹ کا پور ڈھنگ رکھتا ہے۔“
 ”تو پھر وہ کسی پولیس کا سٹار ہوگا۔“
 ”شاید۔“
 ”آپ اس سے جانتی کیا ہیں؟“
 ”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“
 ”ہوں۔“ غزالہ کچھ سوچتی ہوئی پوئی۔
 ”ارے؟“ میں ہنس پڑی۔ ”تم تو سن
 ”آپ اس کا پتہ بتائیے؟“
 ”کیوں؟“
 ”میں اسے مجبور کر دوں گی کہ وہ آپ
 ”وہ کیسے؟“ میں استعجاب سے کہہ رہی تھی۔
 دیکھنے لگی۔
 ”میں یہ مت پوچھئے۔“ ماں اتنا
 کالج کے بعض لوگ مجھے غنڈی کہتے ہیں۔“
 ”غنڈی؟“ میں ہنس پڑی۔
 ”یقین کہتے، میں غلط نہیں کر رہی۔“
 معاملہ بیچ میں نہ ہو تو میں ہاتھ پائی کے
 ”فائن! میں نے اس کا ہاتھ تھپک
 کیا شاید کوئی غوا کر لاؤ گی؟“
 ”یہ بھی کوئی ناگھن تو نہیں ہے لیکن
 ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“ غزالہ نے بڑے
 اس کا پتہ بتائیے اور گویا میری الزم ہو جائے۔
 کی مڑا پوری نہ کرادی تو اپنا نام بدل دوں گی۔“
 پر تاور دیے گئے۔
 ”ماں! میں ہنس پڑی۔
 اسی وقت دیکھ جائے وغیرہ آبا۔
 کا سلسلہ ترک گیا۔
 جائے کے لوازمات سے انصاف کہتے تھے
 تو آپسے ان لوگوں کے بارے میں نہیں بتایا۔
 ”وہ ایک سرکاری راز ہے۔ اس کے
 جاننا ہی تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔“ میں نے
 ”میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ اگر
 سے تعلق رکھتی ہیں تو میں اپنے مستقبل کے کچھ خدشہ

”ارے تو کیا آپ ذاتی سمجھ رہی ہیں؟“
 ”میں نے مسکرا کر اسے الماس کی خالہ کے گھر کا پتہ بتادیا اور پھر
 سوچنے لگی کہ غزالہ شادی کے مسئلے میں کیا کر سکتی ہے۔
 اسے گھر پر چھڑ کر میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو طبیعت
 میں غملاں پیدا ہو گئیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے غزالہ کو دیکھ کر بہت
 سی توقعات والے تئیں پوچھ دی تھیں۔
 میں شادی کے اس معاملہ میں غزالہ کی شراپہ جی ہوں کہ مجھ سے زبرد
 جاتے مگر ان دنوں ڈاکٹر نوٹنگ کا خطو میری دل لار ہا تھا۔ اس کی وجہ
 سے میری مدد میں کسی طور بھی مناسب نہیں ہوتی۔ تاہم میں نے عادت
 کے مطابق دو تین پیگ پی جی ڈالے اس کے بعد کھا کھایا اور سونے
 کے لیے لیٹ گئی۔
 دوسری صبح میں نے اپنے ڈاکٹر کا فون وصول کیا۔
 ”جاو! ڈاکٹر نے کہا۔“ آج میں کامران صاحب کو نرسنگ ہوم
 سے ڈسچارج کر رہا ہوں۔“
 ”اتنی جلدی؟“ میں نے تعجب سے کہا۔
 ”میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ یہ ابتدائی اسٹیج ہے زیادہ وقت
 نہیں لگے گا۔“
 ”اچھا اچھا۔“ میں نے سر ہلایا۔
 ”کہہ ان صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“
 ”کیا آپ کے قریب ہی موجود ہیں؟“
 ”جی ہاں، میں انھیں ریسپور دے رہا ہوں۔“
 ”پتہ نہ ملوں بعد کامران کی وائز آئی، میلو بانو! ادب عرض۔“
 ”آداب۔“
 ”میں آپ کا مشکر گزار ہوں بانو! ڈاکٹر صاحب کا بھی!....“
 آپ لوگوں نے مجھ پر جو پڑھا تو قہر دی اسے اگر میں بھلا دوں تو یہ میری
 کمزوری ہوگی؟
 ”میں الماس کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، اور اس۔“
 ”اس خوشی کے موقع پر میری طرف سے ایک دعوت قبول کیجئے؟“
 ”کیا مطلب؟“
 ”آج رات کا کھانا آپ میرے گھر پر کھائیے۔ میں
 الماس اور شادی کو بھی بلاؤں گا۔“
 ”اس کی کوئی ضرورت تو۔۔۔“
 ”دیکھئے میرا دل نہ توڑتے۔“ کامران نے جلدی سے بات
 کاٹتے ہوئے کہا۔ ”میں سات بجے آپ کا منتظر ہوں گا۔“
 ”اچھا! میں نے ایک ٹویل سائلٹی میں میں شادی اور الماس
 کو ساتھ لیتی ہوئی پوچھ لی۔“
 ”اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔“ کامران جلدی سے بولا۔
 ”الماس کو لینے تو میں خود جاؤں گا۔ آپ کی آمد پر وہ غریب خانے پر موجود ہوگی۔“

”اچھا، بیساکہ چاہو؟“
”شکر ہے! میں نے سوتیلی سے آپ کا انتظار کر لیا گا۔“
میں نے سلسلہ قطع کیا اور سوچنے لگی کہ اس میں کوئی چال تو نہیں؟
میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ کامران کے گھر پریر سے لیے
کوئی چال بچھا جا سکتا ہے۔
ایک گھنٹے تک میں اسی مسئلے سے الجھتی رہی کہ مجھے کامران کے
گھر پہنچنے سے قبل کیا تیاری کرنا چاہیئے؟ کم سے کم مجھے یہ امکان تھا
قوی نظر آ رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ سے ملنا تو ہو کر رہے گا۔
ایک مرتبہ پھر بیٹھوں گنگنا یا اور میں نے رسیور اٹھایا۔
”ہیلو! احسن! اسپیکنگ؟“
”اوہ! میں آپ کا خادمہ کاٹی چیک بول رہا ہے۔ آواز آئی۔
یوسف میرا اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا اور رسیور ڈھنگل
ہست ہستی سے جھجھکی غوری طور پر میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل
سکا تھا۔
”ہیلو! کاٹی چیک نے گویا کیا۔
”کیا بات ہے؟“ میری آواز تھوڑی ہوتی تھی۔
”میں روز تو آپ کو گولے لگا دی کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ آپ نے مجھ کو گولوں کو اس حفاظت پر نامور کر رکھا ہو گا۔
”ادھر ادھر کی باتوں میں الجھنے کی بجائے اصل مطلب کی
طرف آجائو۔ میں مشک بھی بچھوں بولی۔
”میں آپ کے احسان کا بدلہ نہ کرنا چاہتا ہوں۔“
”کوئی سا احسان؟“
”اُس روز آپ نے مجھے اور میرے ساتھی کو پولیس کے حوالے
نہیں کیا۔“
”اُس سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“
”بہر حال آپ کی اُس رد کی فتح نے میری پوزیشن بہت خواب
کردی ہے مجھے ڈاکٹر کی سخت ترین سرزنش کا سامنا کرنا پڑا۔ اب
مجھے حکم ملا ہے کہ میں واپس تھران چلا جاؤں۔ چنانچہ زار اور بعد میں
یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، میں اس وقت ایئر پورٹ سے بول رہا ہوں۔
”خوب! تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟“ میرے دل سے اگلیٹ
آٹھکا اٹھی۔ وہاں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کاٹی چیک نے میرا
وقت برباد کرنے کے لیے فون کیا ہو۔
”میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔“ کاٹی چیک بلا۔
”کیا آج رات آپ کسی جگہ موجود ہیں؟“
”میں اس مطلب؟“ میں نے چونک کر تیزی سے کہا۔
”مجھے معلوم ہے کہ آج رات آپ کامران کے گھر پریر میں
کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

میرے ہم سن منساٹ پھیل گئی تھی
جوش ہونے نہیں دیا اور جیسی آواز میں بولی
وہ کہتے ہوئے
”اچھا تو سنیے! کاٹی چیک نے بلا
مرزا ڈاکٹر فونگ کا ایڈیٹ ہے۔ اسے ایک سال
کام کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اسے آپ کی
کردہ آپ کی قیمت حاصل کر لے اور پھر اس کے
تلاش کر کے آپ کو بھانپ لیا جائے۔ ڈاکٹر
طرف سے مجھ نے کی کوشش کی تھی یعنی برسوں کی
تھاموں کا ایک بار نے کام نہ ہوا تھا، اس لیے
تو جال بچھا گیا ہے وہ بہت غمو موط ہے۔ آپ کو
کہہ لی مارکٹ کی ایک عمارت میں بیٹھا جا جائے گا،
گاڑیاں بکری بول کی جن میں شیون کن رہا رہے
آپ کے اخوا میں مزاحم ہونے کی کوشش کی
مجھ جائیں گی۔ ڈاکٹر فونگ بہت متعل ہے اس
بے کہ اگر آپ کو خاکوئے میں خون کی بھونکی بھی
بھی دریغ نہ کیا جائے۔“
جیسے جیسے کاٹی چیک بولتا جا رہا تھا،
موتی جاری تھی، لیکن اس کے دل سے سنی کی آواز
کمرتا تھی یہ الجھن بھی تھی کہ کاٹی چیک مجھے
کر رہا ہے۔
وہ بولتا رہا، لی مارکٹ کی عمارت میں ڈاکٹر
اور آپ کی بندرانی کے تمام اختلافات بھی مکمل ہوں
عمارت میں ایسے چوہوں کی برداشت کی گئی ہے تو
سے کھاتے ہیں۔ زندہ گوشت کا مطلب تو آپ کو
لاش بھی آپ کو یاد ہوگی، وہ لاش اگر چوہوں سے
اُس کے گوشت کا ایک ایک ریشہ ناپید ہو جائے
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا وہ ہاتھ
رسیور رہا ہو تھا۔
”آپ کی مرضی میں نا، باؤ! کاٹی چیک
ہاں ہاں، حرکت کرتے رہو۔“
”میں مجھے اور مجھ نہیں کہنا۔“
”بہت خوب! میں نے طنز پر لکھیں کہا۔
چوں کاٹی چیک کہ تم نے مجھے ریب کھینچ لیا تھا؟“
”کیا میں ایسی ہی روٹی بات دہراؤں کہ آپ
ایک ہر صفت جو تری ہیں۔“
”دیکھ مجھ سے زیادہ تو ڈاکٹر فونگ کے
کو عظیم فونگ بھاگتے تھے۔“

میں نے کسی نظریے کے تحت کام کرتے ہوئے
الٹے والٹے عظیم ہونے میں متوجہ آوری ذاتی غماز
ہو جانے تو اس کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے
ہاں اگر وہی راہ سے جا دیتا تو مجھے اس سے کوئی
بہا نمانے سے آپ کی کا بند بٹ کیا ہے،
ادنی کو آتی ہے، ابی ہاں میں نے اس سے اپنی
درا ب کو آنے والے غصے کے آگاہ کر دیا ہوں
تم اس سے بدلتی اختیار کر لو؟“
میں اس عظیم کا تجوہ اور انہیں ہوں۔ میں نے
اپنے ہی دھبے سے اس عظیم کے لیے کام شروع
کی۔ فیصلہ کار نہایت مشکل تھا کہ کاٹی چیک
کی ڈاکٹر فونگ کی کوئی چال ہے؟ کاٹی
کی کو بھی لیکن میرا دل اُس سچائی کو آزاد کاری
لے اعانت دیجیے! کاٹی چیک کی آواز پھر
وقت تریب آتی چکے۔ اس لیے ابی میں
اگر آپ بھی پھر طمان آئیں تو یاد رکھئے گا کہ
وہ خود سے ہیں کا نام کاٹی چیک ہے۔“
ادھر گردی تھی کہ دوسری طرف سے سلسلہ قطع
ہوا، ایک رسیور کان سے لگنے کم سم۔
”میں اس راہ تھا کہ رسیور سے بات نہیں ہے ہیرا
بٹ کا تھا تھا۔“
اطلاعات درست ہیں تو میں کامران کے گھر کا رخ
ملائے کو دعوت دیتی لیکن اگر یہ باتی درست
تھی؟
میں نے رسیور سے رسیور کو ہمت سے کر ٹول پر
میں نے کار بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور دوا انگلیوں
اپنے دھت دھتے ہی کنگ گیا تھا لیکن کاٹی
لہ میں ڈال رہا۔ ابی میں تین سے نہیں کہہ
ہاں! البتہ یہ بات ضرور طے ہو گئی تھی کہ میں کسی
اسلہ والی ہوں۔
اپنے خیال آگیا کہ کاٹی چیک مجھ سے تو میرے
میں نہیں ہے۔ میں نے رسیور اٹھا کر فوراً
کہہ اور اس سے بوجھا۔
ادنی کی طرف گئی ہے؟
میں اس منٹ بعد جانے والی ہے کیوں؟ خیریت؟

”میں اس فائنٹ کے مسافروں کے نام جانا چاہتی ہوں۔ کیا یہ
ممکن ہے؟“
”نہیں تو ہے اگر اس کے لیے آپ کو ادھر سے انتظار کرنا پڑے گا۔“
”ٹھیک ہے، میں آدھے گھنٹے بعد فون کر دوں گی۔“
میرا دھت کار بچہ استفسار کا اس لیے میں نے مددی سے رسیور رکھ
دیا۔
اب مجھے آدھا گھنٹہ گزرنے کا انتظار تھا، لیکن انتظار کرتے ہوئے
میرا ذہن خیالات سے خالی نہیں رہ سکا۔ میں سلسلہ سوچ رہی کہ مجھے ان حالات
میں کیا کرنا چاہیئے۔ ایک ایسا موقع میرے سامنے آ رہا تھا جو بے غصہ پاک تھا۔
لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ سے ایک
فیصلہ کن محاورہ اب بھی جانا چاہیئے تھا۔ وہ اتنے عرصے سے میرے اعصاب
پر ایک بوجھ بنا رہا تھا کہ اب میں اس مزید ایک دن بھی برداشت کرنے کے لیے
آمادہ نہیں تھی میں نے فون کر لیا کہ کاٹی چیک کی اطلاعات درست ہیں اور فون
کرتے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس صورت حال کے لیے کیا
جا سکتا ہے؟
مجھے کاٹی چیک کا خیال آیا وہ اور اس کے آدنی پوشیدہ دوسری
حفاظت کر سکتے تھے۔ کاٹی چیک کی بھونکی اور زبانت پر میں انکھیں بند کر کے
کرتی تھی میں نے رسیور اٹھا کر کاٹی چیک کے فون ڈال کرنے لگی، دوسری
طرف گھنٹی بجی، پھر رسیور اٹھا گیا اور کاٹی چیک کی جانی بچانی کی آواز سنائی
دینے لگی۔
”ہیلو! احسن! اسپیکنگ؟“
”میں ابی ہاں! سس! انڈ!“
”گڈ فون! ہاں! سس!“
مجھے کاٹی چیک کا لہجہ عجیب سا ملا۔ اس کے لہجے میں خشکی اور زاری
کا الجھا تھا۔
”سنو! میں نے کہا۔ تم کو آج بڑی ذمہ داری اور احتیاط سے
ایک کام سر انجام دینا ہے۔“
مجھے محسوس ہوا کہ ابی اس میں آپ کے لیے کوئی کام
نہیں کر سکتی گا۔
”کیا مطلب؟“ مجھے غصہ آ گیا۔ تم اپنے پوش میں ہو؟“
”میں برہوش دھواں بول رہا ہوں بھائی! سن! کاٹی چیک نے
جواب دیا۔ مجھے جواب صاحب نے سستی سے تاکید کی ہے کہ ابی میں آپ
کی کوئی خدمت سر انجام نہ دوں۔“
”ادھر! میرے منہ سے نکلا اور مجھے فوراً گھپٹن آفاق کی بات یاد
آگئی۔ پیڑی کی اس تقریب میں جہاں صدر مملکت نے پتا پتا تہلیل بھانپا تھا، آفاق
نے مجھ سے کہا تھا کہ نگیم رباب گدھ میری روٹی کا دم بھر گئی، لہذا اب وہ
ذو اب رباب گدھ کو اپنی تختی میں لے گا۔ اب حالات کا یہ سواں بات کا
ثبوت تھا کہ آفاق اپنی چال چل گیا تھا۔

ابھی بات ہے۔ میں صبح نوکس بجے کون کون گئے؟
 "فون سے تمہارے گھر پر؟"
 پڑوس کے ایک گھر سے اور میں وہاں غاصی نے تکلف ہوں۔
 میں اٹھی اور اسے جھوٹے کلبے پر دے تک آئی۔
 جب میں دوبارہ اپنا خواب گاہ میں پہنچی اور میں نے ڈور بنگلے کے
 آئینے میں اپنا سراپا دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے پہرے پر زیادہ عید کی کجری
 ہوئی تھی۔

اب مجھے اپنا زندگی کی شاید سب سے زیادہ غلط کام ہم مردانگی کی
 تیار ہوا مکمل کرنا تھیں۔ میں نے اپنے جسم سے چادر اٹھا کر تھکے لباس
 لباس میں جو دروازے کی تختیں شروع کیں۔ اُدھے گھٹنے میں میرے گھٹنے
 میں شربور ہو گیا کچھ رستے کے بعد میں باقہ دوم گئی۔ ایک بار پھر مکمل
 کر کے اپنے جسم اور بالوں کو مکمل طور پر رنگ کرنے کے بعد میں فخر ترین لباس
 میں باقہ دوم سے باہر نکلی آئی۔ میں نے اپنا پرس اٹھا کر اس میں سے وہ
 پڑیاں نکالیں جو میں آج بھی سہرا دوڑا خانے سے خرید کر آئی تھی۔

یہ تین قسم کے سفوف تھے جن کو میں نے بیکار کے کچھ چھی طرح ملا
 دیا۔ اب گویا ایک ہی قسم کا سفوف رہ گیا جو بالکل پاؤڈر کی طرح سفید
 میں اس سفوف کو پاؤڈر کی طرح اپنے جسم پر لٹائی۔ میں نے جسم
 کا کوئی حصہ کبھی ایسا نہ دیکھا تھا جہاں سفوف نہ لگے۔

اس سفوف میں ابھی یا پھر کوئی بو نہیں تھی۔ میں کتاب میں لکھا
 تھا کہ اگر اس سفوف میں پانی ملا جائے تو اس میں ایک عجیب قسم کی بو
 پیدا ہو جائے گی۔ اس بو کے باعث میں لکھا گیا تھا کہ جو سے اسے برداشت
 نہیں کر سکتے اس نے اس سے بہت دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔
 یہ احتیاطی تدبیریں اس نے کرنا چاہتی تھیں کہ اگر کچھ فنگر پر
 برتری حاصل نہ ہو سکے اور کچھ مڑم جو جو ہوں کی زبردستی پڑے تو میں
 اس سفوف کی بو کی وجہ سے محفوظ رہ سکوں۔

میں کامران کے گھر میں داخل ہونے سے قبل وہ دو دکھا لینا
 چاہتی تھی جو مجھے جبے ڈاکٹر سے لینا تھی۔ اس دھا کا اثر ایک
 فتنے بعد ہوتا اور میرا اندازہ تھا کہ اگر مجھے مڑم جو جو ہوں کی زبردستی
 ہی بڑا تو اس میں ایک گھٹنا ضرور لگے گا۔ اس وقت وہ دو مجھے پسینہ
 پسینہ کر رہا تھا اور وہ سفوف پیسے میں بھیکے ہی ڈورے لگتا۔

میں نے کپڑے پیسے اور گھر سے روانہ ہو کر میں نے اپنے پرس
 میں ایک چھوٹا سا پیسٹول اور پوری آئینے کے چمکے کف میں ایک
 بلاٹ چھپا لیا تھا۔

میں ڈاکٹر کے پاس سو اچھ نہ پہنچی جو پابندہ منٹ لیٹ
 لیکن ڈاکٹر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک کیسپول دیتے
 ہوئے کہا۔

میرے جسم میں داخل ہونے کے ایک گھنٹہ بعد تحلیل ہو گیا۔ میں
 نے اسے دو گھنٹے تک ایک خاص محل میں بچھو یا تھا جس کی وجہ سے

میرے جسم کی اندرونی گرمی کو ایک گھنٹے تک برقرار
 رکھتا تھا۔ اس میں کجری ہوئی دو اور
 اور اسے کھانے والا پسینے میں ڈوب جاتا تھا۔
 میں نے کبھی سول اپنے پرس میں اس کی
 دوپل سے روانہ ہوئی۔ اب میرا رخ الماس کے گھر
 آخری مرتبہ بدور کرنا چاہتی تھی کہ کامران کو
 میں بہتر ہو گا۔

الماس گھر پر موجود تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی
 ہو کر لپٹی۔ "ہاں کامران مل گیا۔ اب ایک منزلہ
 تیار کرنا پڑے گا۔ اس نے مجھے خط لکھا کہ اپنی ایک
 والوں کی مدد سے اپنا کارخانہ پر لگایا۔ آج شام سا
 مجھے اور شاہد کو شیراز میں مدعو کیا ہے۔ وہ کہہ رہا
 بلایا ہے۔"

"خوب تو اس نے نہیں سارا۔
 نے پچھلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔
 مدھی بال، کیوں؟ وہ عجیب سے بولی۔
 دیابت ہے؟"

وہ مجھے سات بجے بلایا اور مقام بھی
 "ارے بھائی! اس نے تعجب میں اٹھا
 "اس کے سبب ہی کہ بنا پر میں نہیں کر
 اُسے بھونکنے کی کوشش کر رہا۔"

"آپ میرے کچھ معاملے میں مہمزد
 کر رہی ہیں ہاں الماس کے گھر سے پھر میری سبیلگی
 میں اسے گھورتی تھی۔ مجھے اس بوقت پر
 لگا تھا۔ یہ بڑا اچھا ہوا کہ۔" رنگ دوم میں تردد
 تھا۔ اگر شہناز بھی ہوتی تو براؤن پر بارہا اس کی طرف
 کیوں کے ساتھ الماس سے گفتگو نہ کرتی۔

"سوئیڈن وفاق لڑائی میں نے مجھے بھلا
 کہا۔ یہ اس میں چاہتی تھی کہ تفصیلات بتا کر نہیں
 لیکن تمہارے سر پر اس کی محنت کا بھوت کبھی اس طرح
 تفصیلات میں جانا ہی نہیں گاہ کامران شہناز کا
 اور کوئی ایسا جرم بھی نہ تھا جس کی بنا پر کوئی لوگ
 کر رہے ہیں۔ وہ ان کی انگلیوں کے اشارے پر جانا
 وہی لوگ ہیں جن کے چنگل سے میں نے تمہیں نجات
 "میں اب الماس کے گھر سے کی رنجش بدل کر
 "ستھی۔" جو میں نے خراگرم نہ میں نہیں

گدہ کی لوگ اب میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں
 پر ختم کر دینا چاہتے ہیں اور کامران اس سسٹم میں
 تیار تھے۔ ہوں کہ ننگن مجھے کھڑکی خالی نظر آتی تھی۔ میں نے سوچا، شاید
 وہ ادھر ادھر جیسے ہوئے ہوں گے اور انہیں اس بات کا انتظار ہو گا کہ میں
 کامران کے گھر میں داخل ہوا جاؤں تو وہ اپنی کھڑکیوں میں جا بیٹھیں اور
 اس میں میں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی منظم ہونا ہوتا تو کسی وقت ہوتا
 جب میں کامران کے گھر میں داخل ہوا تھا۔
 میں نے دھڑکنے والے ساتھ کامران کے گھر کے دروازے پر دستک
 دی تو دروازہ اتنی جلدی کھل گیا جیسے کامران دروازے سے ہی برسرِ وجود ہوا۔
 "تشریف لائے! وہ مسکراتا ہوا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ میری
 خوش قسمتی ہے کہ ان دروازوں کی سمت جاگ رہی ہے۔"
 میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ کامران نے جلدی سے
 دروازہ بند کر لیا۔ میری نگاہیں ایک صوف پر پڑیں جہاں جس کا رنگ میری
 مخالف سمت میں تھا۔ صوف کے اوپر اچھی ہوتی، نیگلون دھوئیں کی کیتڑ
 ظاہر کر رہی تھی کہ صوف پر کوئی شخص بیٹھا ہو سکتا ہے یا نہ تھا۔
 کامران نے بیرونی دروازہ بند کیا، کھانا اندر لے کر دروازے سے
 دروازہ کی سمت سامنے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بیرونی دروازے کے اندر
 ان کی ناپس میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 "دنگ۔ یہ کیا مطلب؟ میں اس طرح اچھل پڑی میرے پیسے
 کچھ کیمبرے لئے انتہائی غیر متوقع رہا ہوں۔
 اس وقت کامران نے مجھ پر میرا پرس چھین لیا۔
 "دش بایا کامران! ایک بیرونی دروازہ لولا۔ پرس میں پیسوں کی ضرورت ہو گی۔
 "یہ سب کیا ہے کامران؟ میں غصیلی آواز میں بولی۔
 لیکن کامران نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا۔
 ہر قسم کے جذبات سے بھر نوازی!
 "میرا تم لوگ مجھے دلشادیا جیسے ہو؟ میں خراگ اور کٹھنوں سے اس
 صوف کے طرف بھی دیکھا جس کے اوپر نیگلون دھوئیں کی کیتڑ چھائی تھیں۔
 "یہ بات نہیں ہے اس صوف پر مجھے باؤ صوف کے طرف سے بھڑائی ہوئی
 کسی آواز کی آواز اس کے ساتھ ہی وہ غصے صوف سے کھڑا ہو کر میری طرف
 میں جیسے کہنے میں آئی۔ یہ بات میرے خواب دیکھال میں میں نہیں
 کھی کو ڈاکٹر فونگ میرا خود موجود ہو گا۔ اگر مجھے اس بات کا چل چلا جاتا تو
 میں اس سے کہنے کے دوسری قسم کی تیاریاں کرتی اور بلاشبہ وہ تیاریاں
 ایسی ہوتیں کہ ڈاکٹر فونگ کو میرا اس سے بچھٹنا ہرگز نصیب نہ ہوتا۔
 "غالباً تم نے معاملے کی نوعیت سمجھ لی ہو گی، ڈاکٹر فونگ نے
 آہستہ سے کہا اور مجھے اس کی انگلیوں کی زبردستی سائب کی طرح چھٹی نظر آئی
 اس کے بعد چند لمحوں کے لئے کہے پر ایک دو جھل سکوت طاری ہو گیا۔
 آج ڈاکٹر فونگ کی انگلیوں میں بیٹھ گیا تھا میں نہیں اور وہ معتوی
 ٹانگ کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی دھڑکنے میں سپلاٹ کھلی ہوئی تھی
 اور چہرہ مٹا ہوا تھا۔ وہ پینکلی فیسٹ کچھ کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ لیکن اس کی آنکھوں
 سے ہلکی دھندلی اور دھشت ٹپک رہی تھی۔

تیار تھے۔ ہوں کہ ننگن مجھے کھڑکی خالی نظر آتی تھی۔ میں نے سوچا، شاید
 وہ ادھر ادھر جیسے ہوئے ہوں گے اور انہیں اس بات کا انتظار ہو گا کہ میں
 کامران کے گھر میں داخل ہوا جاؤں تو وہ اپنی کھڑکیوں میں جا بیٹھیں اور
 اس میں میں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی منظم ہونا ہوتا تو کسی وقت ہوتا
 جب میں کامران کے گھر میں داخل ہوا تھا۔
 میں نے دھڑکنے والے ساتھ کامران کے گھر کے دروازے پر دستک
 دی تو دروازہ اتنی جلدی کھل گیا جیسے کامران دروازے سے ہی برسرِ وجود ہوا۔
 "تشریف لائے! وہ مسکراتا ہوا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ میری
 خوش قسمتی ہے کہ ان دروازوں کی سمت جاگ رہی ہے۔"
 میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ کامران نے جلدی سے
 دروازہ بند کر لیا۔ میری نگاہیں ایک صوف پر پڑیں جہاں جس کا رنگ میری
 مخالف سمت میں تھا۔ صوف کے اوپر اچھی ہوتی، نیگلون دھوئیں کی کیتڑ
 ظاہر کر رہی تھی کہ صوف پر کوئی شخص بیٹھا ہو سکتا ہے یا نہ تھا۔
 کامران نے بیرونی دروازہ بند کیا، کھانا اندر لے کر دروازے سے
 دروازہ کی سمت سامنے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں بیرونی دروازے کے اندر
 ان کی ناپس میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 "دنگ۔ یہ کیا مطلب؟ میں اس طرح اچھل پڑی میرے پیسے
 کچھ کیمبرے لئے انتہائی غیر متوقع رہا ہوں۔
 اس وقت کامران نے مجھ پر میرا پرس چھین لیا۔
 "دش بایا کامران! ایک بیرونی دروازہ لولا۔ پرس میں پیسوں کی ضرورت ہو گی۔
 "یہ سب کیا ہے کامران؟ میں غصیلی آواز میں بولی۔
 لیکن کامران نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا۔
 ہر قسم کے جذبات سے بھر نوازی!
 "میرا تم لوگ مجھے دلشادیا جیسے ہو؟ میں خراگ اور کٹھنوں سے اس
 صوف کے طرف بھی دیکھا جس کے اوپر نیگلون دھوئیں کی کیتڑ چھائی تھیں۔
 "یہ بات نہیں ہے اس صوف پر مجھے باؤ صوف کے طرف سے بھڑائی ہوئی
 کسی آواز کی آواز اس کے ساتھ ہی وہ غصے صوف سے کھڑا ہو کر میری طرف
 میں جیسے کہنے میں آئی۔ یہ بات میرے خواب دیکھال میں میں نہیں
 کھی کو ڈاکٹر فونگ میرا خود موجود ہو گا۔ اگر مجھے اس بات کا چل چلا جاتا تو
 میں اس سے کہنے کے دوسری قسم کی تیاریاں کرتی اور بلاشبہ وہ تیاریاں
 ایسی ہوتیں کہ ڈاکٹر فونگ کو میرا اس سے بچھٹنا ہرگز نصیب نہ ہوتا۔
 "غالباً تم نے معاملے کی نوعیت سمجھ لی ہو گی، ڈاکٹر فونگ نے
 آہستہ سے کہا اور مجھے اس کی انگلیوں کی زبردستی سائب کی طرح چھٹی نظر آئی
 اس کے بعد چند لمحوں کے لئے کہے پر ایک دو جھل سکوت طاری ہو گیا۔
 آج ڈاکٹر فونگ کی انگلیوں میں بیٹھ گیا تھا میں نہیں اور وہ معتوی
 ٹانگ کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی دھڑکنے میں سپلاٹ کھلی ہوئی تھی
 اور چہرہ مٹا ہوا تھا۔ وہ پینکلی فیسٹ کچھ کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ لیکن اس کی آنکھوں
 سے ہلکی دھندلی اور دھشت ٹپک رہی تھی۔

304

پنروہ منٹ تک اندر دوسرے چپنے کے بعد جب میرے
 طلق میں خرابی ہوئی تو میں نے آستہ آستہ اپنی چپوں کو دھم کرنا شروع
 کیا۔ اس طرح مزید پندرہ منٹ گزارنے کے بعد میں بالکل خاموش
 ہو گئی۔ اب کو کیا اس اذیت سے بے ہوش ہو چکی تھی اور چہرے پر
 جھلکا گوشت اور حشر نے منہ صوف تھے۔

اپنے ہم کے وقتوں میں ایک وقت آگ لگتی
تھی مہری پڑتی تھی اور دوسرا حصہ میرا کوٹھا
آگ آئے تھے اور ان میں سے دو تین کو میں اپنی
میں ہی تھی۔
اس سے آئے ہوئے زخموں کی تکلیف نے مجھے

کافی تھا۔ وہ اتنی دیر نہیں بھر سکے تھے کہ
میں نے اس طرح بے اختیار فریاد کرنے لگا کہ
"میں یہاں نہیں رہ سکتا" اس واسطے کہ بعد
کچھ دیر کے اسکان پر غور کرنے لگی۔

ان چہ ہوں گے نہ
نہیں گے تھے لیکن
کے نے کی ہستہ تک
اتنے داغ و خراش

میں نے بڑی آہستگی سے اپنی سینڈلیں اتاریں اور انہیں گڑی کے پاس ہی چھوڑ کر ننگے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کے قریب تک کہ مجھے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب کہ میرے دوستی ہوئی اور ڈاکٹر فونگ اندر آتا۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مجھے کب تک انتظار کرنا پڑا لیکن اس کے سوا کوئی صفت ہی نہیں تھی کہ میں انتظار کرتی رہوں، مہوش انتظار کرتی رہی۔ میرے غصوں کی یہیں اب دم بدم پوچھ نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں ان کی عادی ہو گئی ہوں۔ میرے جسم سے وہ ہلکی سی بکری کو بھٹی خارج ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر فونگ نے ماتھا کر وہ دیکھنے تک اس کمرے میں روشنی نہیں کرے گا لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ کچھ دیر تھی کہ وہ گھٹے آدھ گھٹے میں ہی اندر آئے گا۔ میری پی پی ٹی لاش دیکھنے کے لیے جہاں پہنچا جاسیے تھا۔

میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ غالباً ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ میرے دوستی ہو گئی۔ میں نے گڑی سے دروازے تک فرسٹ پر اپنے خون کے دھبے دیکھے جو بھی پوری طرح خشک نہیں ہوئے تھے۔

میں دروازے کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھی لیکن روشنی ہونے کی کڑی ہو گئی۔ میڈلوز تیزی سے دھڑکنے لگا کیونکہ فیصلہ کن لمحات سر پر آچکے تھے۔

روشنی ہونے کے لگ بھگ ایک منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر فونگ کو میری موت کا آنا بچتہ یقین تھا کہ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے خدا بھی احتیاط نہیں رہی۔

فونگ نے کمرے میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ میں نے جھٹ لگائی اور گویا ڈاڑھی ہوئی اس پر جارائی۔ وہ میرے دھکے سکرے کے باہر ہی جا کر ادریں ہل پر ڈھیر ہو گئی۔ حیرت کی انتہا کے باعث ڈاکٹر فونگ کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل گئی تھیں اور چہرے سے وہ پائل ہوتی نظر آنے لگا تھا۔

میں نے اس پر گرتے گرتے اور گود کا جائزہ لے لیا۔ وہاں فونگ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میرے حق میں بڑی شہادت تھی۔ اگر وہ دونوں دیوار دروازہ ہوتے تو مجھ پر بھی تو قہر دینا پڑتی مگر ان کی عدم موجودگی کے باعث اب میں مصیبت قلب سے فونگ کی خاطر وارادت کر سکتی تھی۔ لیکن سب سے پہلے کرنے کے دو ہاتھ فونگ کے شانوں پر مار کر اس کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے کر دیا۔ دونوں ضربیں لگا کر ڈاکٹر فونگ کے منہ سے دوسری چیخ نکلی تھیں۔ اس کے فوراً بعد میں نے اس کے چہرے پر ٹکوں کی بارش کر دی وہ بڑی طرح تڑپنے لگا لیکن میرے پیچھے نہیں نکل سکا۔ اس کا ایک بوب تو یہ تھا کہ میں نے اس کے دونوں ہاتھ اس طرح بیکار کر دیے تھے کہ وہ ان پر زور نہیں دے سکتا تھا اور دوسرے یہ کہ اس کی ایک ٹانگہ مصنوعی

تھی جس کو ہم نہیں دیا جاسکتا تھا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ فونگ کی پی پی ٹی نہیں آ رہا تھا۔ فونگ نے ان دونوں کو کام سے کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں عمارت کے ڈاکٹر انتظار کر رہے ہوں۔

جب ٹکوں کی بارش کرنے کے لئے میرے دوستی ہو کر آگ کچی ہو گئی اور آدھ تین سانس خشک کرتی ہوئی غرائی سے کھڑے ہو جاؤں تو فونگ لیکن فونگ کی حالت اتنی تباہ ہو چکی تھی

اٹھنے سے ناامید ہوا کہ اس کا چہرہ لوہاں ہو گیا تھا بڑا عجبانک نظر آ رہا تھا۔ اس کے پیٹھے ہوئے ہوتے تھے اور انھوں میں نفرت و غصہ کا بخلا

نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے منہ سے ہلکا سا زور ڈالتے ہی اسے شدید زحمت سے دوچار ہوا کہ شادوں پر گرائے کے دبا کر کے اسے کچھ دیا تھا۔

مجھے کی دوسری کوشش میں فونگ کام لیا جو مصنوعی نہیں تھا۔ جب وہ اٹھنے کی اپنی جگہ بدل کر ایک خاص زاویہ سے کھڑی ہو بڑا پیارا سانچا آ رہا تھا اور میری آنکھوں پر جیسے ہی ڈاکٹر فونگ کھڑا ہونے میں اس کا کراس کے سینے پر ٹانگہ لگ گئی۔ یہ میری بکوں میں سے ایک تھی۔ ڈاکٹر فونگ کے قدم وہ اچھل کر اس کمرے میں جا کر جہاں اس نے بیٹھنے کے لیے چھٹ کر کوبے کا دھڑہ بند کرنا ہوگی۔ میں لاش آت کر رہی جا رہی ہوں۔

”نہیں!“ ڈاکٹر فونگ نے شدید لڑائی لڑتے ہوئے میری پہلی حیرت اس کے منہ سے کوئی آواز اس کے منہ سے اور دھڑکنے والی آواز اس کے آگے بڑھ کر آئے آتے کیا تو مجھے ڈاکٹر فونگ کی دینے لگیں اور میں نے فونگ ہی کے انداز میں میرے جسم سے اٹھی ہوئی کو آگاس بہت دیر بھی تھی تو کچھ دیر میں ختم ہو جاتی اور بوسے نکل کر فونگ پر ٹوٹ پڑے۔

میں اس کمرے پر بیٹھ گئی جس پر بیٹھ کر ڈاکٹر فونگ کا انتظار کرتا تھا۔ اب اس کی موت کی وقت تک نہیں ہٹنا چاہتی تھی جیت تک اس

میں اسے گھٹنے لہتی سیلاؤں کی ٹونگ! میں نے مضمر آواز سے انداز میں کہا۔ آہنی دیروڑ جو چوں کو برداشت کر لیا۔

فونگ گالیاں بکتا رہا چیتا چلا رہا اور میں اس سے غلط فہمی رہی۔ اپنے وطن کے ایک دشمن کو اس شہرت تک انہماک سے دوچار کرنے کے باعث میں بے حد خوش تھی۔ ٹیک دشمنوں کا وجود ناپاک کیزوں کی طرح ہوتا ہے جنہیں کسی طرح سنبھالنا چاہیے۔

اس وقت مجھے کافی ٹیک یاد آیا۔ میں ملک کی گزروں سے اس کی غصوں تھی۔ کاش وہ اس وقت جہاں ہوتا اور اپنے سینے فونگ کی حالت دیکھتا جس نے اب گڑا کر دم کی جھیک مانگا شروع کر دی تھی۔

”فونگ فونگ!“ میں نے سر دھجے میں کہا ”وہ صرف ان لوگوں پر کیا جاتا ہے جو خود بھی دم کھانے جانتے ہوں۔ سانپ پر کوئی رحم نہیں کرتا۔“

یہ جوبل حسن کو فونگ چھوڑ لیں اور آج۔

ٹھیک اسی وقت ایک عجیب و غریب بات ہوئی تھی۔ بیزوں کے نیچے فرش ہلکا ہوا محسوس ہوا۔ میں اچھل پڑی اور جھجھکی ایسا لگا جیسے ایک طرف کی دیواریں ٹیک پیدا ہو گئی ہوں۔ میں حیرت سے دم بھڑک رہی اس صوبت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک پشور ڈھانچا ہوا۔ میں نے اس دیوار کو سین پیرج میں سے فٹے ہوئے دیکھا۔ اس کے فٹے ہی پھٹت بڑی تیزی سے پیچھے آنے لگی

میں اچھل کر بھاگی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ پھٹت ایک دھماکے سے میرے آؤپر آ رہی اور پھر مجھے کسی بلیت کا ہوش نہیں رہا۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ شاید پوری عمارت ہی مندم ہو گئی ہے۔

فونگ اور میں کا گیلن قدرت کا ایک عجیب و غریب کیل ہے۔ عجیب و غریب اس لیے کہ کسی کھینے کے تحت نہیں کھینا جاتا۔ جہاز کریش ہوتا ہے تو اس کے بغیر ساؤزندہ بھی بچ جاتے ہیں اور زمین اوقات صرف ٹھوکر کا گار کرنے سے آدمی کی حرکت طلب بند ہو جاتی ہے۔

لی مارکت کی وہ عمارت اس طرح مندم ہوئی تھی کہ بلیک کاؤچر بن گئی تھی لیکن میرے جسم پر بن ہوئی ہی ختمیں آتی تھیں۔ لی مارکت کے علاقے میں دھننے والوں کو اس علت کی تباہی کا بھی طرح باد ہو گئی جن لوگوں نے اس علت کا علیحدہ کیا تھا کیا وہ تصور کر سکتے ہیں کہ اس ذمیر میا سے کوئی زندہ نکلا ہوگا؟

ہاں! وہ میں تھی جو زندہ بچی!

جب مجھے ہوش آیا تو میں سول ہسپتال کے ایک وارڈ میں تھی۔ ایک دس کمرے کے ہسپتال کے قریب شاید اسے متین کیا گیا تھا جب میں ہوش میں آئی تو تنہائی محسوس کر دیا اور اس عمارت کی تباہی کو بلکہ کے خوف سے چیخا چلا مار شروع کر دیں۔

”پولیس؟“ میں چونک پڑی۔ پولیس مجھ
چاہتی ہے؟“
”نیادی مول غالباً: بنگلہ اکاؤنٹ اس نمائندہ
اس عمارت کو خدمت دہی قرار دے کر مالی کراہی کیا تھا اس
موجودگی پولیس کے لیے حیرت انگیز ہے۔“

۱۱۵۰ " میں سبک دہی کیونکر کر سکتا ہوں۔
 " وارڈ کے باہر جا کر پولیس آفیسر آپ کے ہاتھ
 ہے اور آپ کا بیان لینے کے لیے اسے پھر کی اجازت
 کے بتایا اور پھر لولا " میرے خیال میں آپ اصرار نہ
 اس لیے میں پولیس آفیسر کو آپ کے پاس مجھے دیکھنا
 " ایک منٹ " میں جلدی سے اٹھنا چاہتا ہوں
 میں اس وقت ہسپتال کے مخصوص لباس میں تھی۔
 " آپ کی سادھی وغیرہ ہسپتال کی تحویل میں
 یہاں سے رخصت ہوں گی وارڈ آپ کو لے کر دے دی جا
 " میرے ہاتھوں میں کچھ کاغذات بھی تھے۔
 دل کے ساتھ کا کیونکر وہ کاغذات مجھے دے دیا
 ملے تھے۔

کہ کاغذات کو جوچیں کہ جو کچیں میں ہیں۔ وہ اس کاغذات کو لپس نے اس لیے دیکھے ہیں۔ نہ یہ اس پتہ معلوم ہو جائے مگر ان دونوں چیزوں کا پتہ نہ چلتا۔ لپس نے وہ کاغذات ہر سال کو لپس نہیں کیے۔ یہ جہل سن کر میرزا حسن سننا اٹھا۔ وہ کاغذات وجہ سے جوئے پر اصرار معلوم ہوتے تھے اس لیے لپس کو تنگ دیکھنے کی نظر سے وہ یقین جس کے پاس ہوتے، پھر اس کو وہ بھی مستحبہ لپس میں جس کی ہر ایک کے عالم میں ایک ایسی عادت کے بلے سے نکالنا چاہیے کہ اسے کھانی کروانے جا چکی تھی۔

”تو ہمیں پولیس کے دفتر کو بھیجے، تاہم میں
میرے جواب کا انتظار کیے بغیر صوبہ کے کسی طرف
میرے قحبہ کو بھیج دی۔
اس کی ایک پریشان کن صورت حال سے
والی تھی پولیس کو جواب دی ایک ایسا طریقہ تھا جس
میں کیا جاسکتا تھا۔ یہ بہت ہی غلط بات تھی جس کی
کاغذات پولیس کے ساتھ لگ گئے تھے جو کہ میں نے
ذراست خارجہ کے سرکون جاکر تھی۔ میری دانستہ
مستند تھی کہ ان کے سلسلے میں مکمل رازداری برقرار
ہو پولیس کے یہ بھی اعلان سے رازداری کا
ہی رہ گیا تھا۔

اوپر کا سٹبل نے اپنے بھکے کی غصہ من لڑت
ہے۔ نہ سے بھگنے والے الفاظ لڑت کرنا
مہارت میں آپ کیوں گئی تھیں، چلیں فیئر
کا رہا۔

تائیں؟ ہم نے بڑی مصروفیت سے پوچھا۔
 نامادہ دھجی مٹھی۔ اس کے سوا کوئی بھی کیا؟
 نہ نہ نہ کی وجہ سے میں ایک بے نامہ جراب
 بے تکیہ پن کو برقرار رکھنے کے علاوہ کوئی

آفسر آپ سے باہر ہو گیا۔
 آفیسر نے بھی کیا تحقیق کر لیں آفیسر کی تقریر
 آفٹ ہمیں غرائز میں تمہارے کسی سوال
 سمجھا ہوں۔
 حال و حکم تو گھر آگے۔ دوڑو مگر تیزی سے

کے لئے ایک نئی دنیا بنائی گئی ہے۔
 اس کے ساتھ ہی ایک نئی دنیا بنائی گئی ہے۔
 اس کے ساتھ ہی ایک نئی دنیا بنائی گئی ہے۔
 اس کے ساتھ ہی ایک نئی دنیا بنائی گئی ہے۔

”تم ایک ایسے عمارت میں داخل ہوئی تھیں جسے غنڈوں کو قرار
 دے کر خالی کر دیا جا چکا تھا۔“
 ”ماہر دستکاری میں بھی تو ایسا ہو سکتا ہے لہذا دنیا کی کوئی عدالت
 مجھے مجرم ثابت نہیں کر سکتی۔“
 ”تم مجھے تو انوں نے بڑھانے کی کوشش کرتا کر دیا۔“

”اے آپ! ہمیں یہ بدستور حقوق حرامت میں ایسے یمن آپ کو کیا ملے پر
نور چمکے گا اختیار ہو کر مگر میں ہے؟“ ڈاکٹر نے خشک لبہوں میں کہا۔
”ڈاکٹر! ہمیں نے سنا تھا کہ لبہوں میں کیا؟“ ذرا اڑن سے یہ تو بوجھے
کہ یہ کیا اختیارات کے اس کے مجھے حرامت میں ملے کتے ہیں؟“
”میں صرف ایک میٹیفون کے اختیارات بھی حاصل کروں گا۔“
”نہیں نے غلام ڈھنڈا دانتوں میں دبا کر کہا۔

میں نے اس سے کہا کہ تیرے معاملے سے تعلقی ہے خبر معلوم ہو جوت
اوس میں میری باتوں کو نہ سمجھ کر ہے لیکن کراچی پولیس کے جسے اس امر ا
پیپر ہانسنے اس سے بھی طرح واقف ہو چکے ہوں گے۔ جا کر انہیں اطلاع
دے کر تم بھی جا کر کورٹ میں دینے والے ہو۔
پولیس نے کہہ دیا کہ تیرے کسی سے بھی کہہ دو ورنہ کسی طرف جاتا
گا۔ اس کے بعد اس بات کی کوئی غلط فہمی نہ رہی کہ تم کو سزا دیا جا

312

تھے، اُن سے فائدہ اٹھانے کا کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جاتا، بس کوشش شرط تھی۔

اور میرا بھی تو اس بات نے کوئی مسند بھی نہیں پانی تھی کہ وہ
فوجی انفرقٹی ہی تھے ممکن تھا کہ میرے شبہات یکسر غلط ثابت ہوتے۔
میں ان خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا اور غزالہ
کے سر پر بلا نظر ہو کر نہا کر فرما کر کہتے تھے کہ وہ

”نو کیا صدر علی گہی تھیں؟“

”نہیں برنس، دوڑ تک جانا پڑا تھا۔“

”اچھا خیر! اب تو ان لغافروں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ میں نے چھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”کیوں؟“

”کیوں؟“

”ایک صاحب کرم میں کچھ چیزیں پوسٹ کرنا چاہتی تھی لیکن
مفتاح سے وہ صاحب غور ہی آگئے۔“
”کہاں ہیں؟“

”کہاں ہیں؟“

”تمہاری آمد سے بے مشکل و دونٹ چلے گئے ہیں لیکن ہے کہ
ہداری میں تمہارا اور ان کا انسا ماننا بھی ہوا ہو۔“

”اچھا خیر میں اب جاؤں گی۔ کھرے نکلے خاصی دیر ہو چکی ہے
پسے ملنے شام کو پھر آؤں گی۔“

و آئے سے پہلے گھر پر فون کر لینا۔ ممکن ہے کہ میں اس وقت
ملک ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر پہنچ جاؤں۔"

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ہسپتال کی فضا میں تو ایسی کچھ ہوتی ہے کہ میرا دم گھٹنے تخت ہے“

اس بات ہے جاؤ! میں جاؤں سے پہلے بے پیار ہو کر رہے
 نے مسکرا کر کہا۔

عزرا اہنتی ہوئی تعمیر پہنچی اور میرے ہنٹوں پر گلاب کی
 مٹھیاں چھاد کر کے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میرے ذہن کو کچھ
 نو فوجوں کے خیال نے ڈھکی ایم اس بات کی تصدیق کرنے کے
 لیے چین تھی کہ وہ نئی فوج تھی یا اصلی یا معلوم کرنا کچھ زیادہ
 مشکل نہیں تھا۔ لیکن میری ہڈی کو مار کر فوجوں کو رپڑا تو اور اسی وقت
 میں تھا جب میں ہسپتال سے اپنے گھر چل پائی۔

دو پیر تئیر کے لیے لکھا نایا اندر اور بعد میں سلونی بھی کر کے داخل ہوئی۔ وہ خاصی دیر بعد وہاں اس شخص ادراپ بھی اس کا

میرا سر ہلکے کہستے کہاں وہ
ہستے اور میری کچھیں نہیں
پناہوں - میرا خیال ہے فروغ
ہر شوق دہ کا گذر آستے

میں محسوس کر چکی تھی کہ ماطہ خاں صاحب سے اس
دو دن کو بڑی طرح حاضر و غائز کی کوشش کرنا
عقربان فیر دیکھتے ہیں، میں بہتر سے اہل
”بیسکریٹ“ وہاں کسی پریشانی کیا جانے
خفا۔
”فرطیے!“ ہمیں نے کرنل کو تجسس نہ

”میں اسی وقت کسی کے پاس پہنچے، جہاں
 سر پاکستان کے ٹیڑھی کی حفاظت کر رہا تھا۔
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔“
 ”ایک تھاپ کے بعد میں بے خبر ہو گئی
 ”میں اب بھی سوچ رہی تھی کہ میں نے کیا کیا ہے۔“

”آپ کے پاس کچھ ایسے کاغذات ہیں،
 آپ کو ہلاکت سے دوچار کر سکتے ہیں۔“
 ”اودھ گائیں نے اپنے اختیار ایک میل
 کر لیا ہوتا ہے یہ میں نہیں جانتا کہ
 طے ہے یا نہیں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ آپ
 وہ کاغذات آپ کے پاس موجود ہیں۔“

[illegible]

کچھ نکتے معلوم ہو جاتے تو ممکن تھا کہ میں حالات کے کُرخ بدلتے ہوئے
دعاؤں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی۔

خط انگریزی میں تھا اور بظاہر کسی سولہویں صدی کے اسٹاک ایکسچینج
میں معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ایڈیٹر "ذاغرب" نام کے کسی مقام سے بھی
میں تھی جس میں مختلف قسم کے گوشوارے شامل تھے۔ ان میں سے ایک
ایک خاص مختلف قسم کے سالانہ کی قسمی مقدار اسٹاک میں موجود تھی۔
وہ خط یہ تھا کہ وہ ڈیڑھ سو سال قبل کسی کافر کو اسے جیسا کہ
کو کہ بفضل باتوں سے کوئی دیکھی نہیں ہو سکتی تھی۔

میں ان نوڈریڈز کو سمجھنے سے قاصر تھی اس لیے سامان کی نوعیت اور گھنٹوں کی تفصیل سمجھنے سے قاصر رہی۔

یہ بات میرے لیے کافی دلچسپ رہی کہ وہ خط زارغرب نامی کسی شہر سے بھیجا گیا تھا۔ یہ بات کسی سنی سے کہیں تھی۔ میں زارغرب نام کے ایک شہر سے اچھی طرح واقف ہو رہا لیکن وہ شہر پاکستان سے بہت دور اور لب میں واقع ہے اس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ زارغرب نامی کوڑو رکھا۔ پاکستان کی کسی شہر کو ان لوگوں نے زارغرب کا نام دیا تھا اور یہ بات عین ممکن تھی کہ وہ شہر کوہر بدر محلہ اور قریب ہو۔

میں نے ایک بار پھر نقشہ دیکھا لیکن وہ نشان کسی شہر پر نہیں لگا یا گیا تھا۔ میں نے ان شہروں کے نام ذہن نشیں کر لیے جہاں اس نشان کے آس پاس تھے۔

ان کاغذات سے میں مزید معلومات حاصل کرنے سے قاصر
تھی لہذا میں نے انہیں تہہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

غلامی کا جو ایک نہیں لوٹی تھی۔ کہن ہے کہ قرب و جوار میں
ایشیائی کی کوئی دکان نہ ملی جو اس لیے وہیں دوسرا نکل گئی ہو۔
میں اُس کے خانوں میں دوڑی ہوئی تھی کہ اچانک کہے کا
دروازہ کھلا اور بڑی جوتوں کی جھک کے ساتھ دو خوشی نصیب کمرے
میں داخل ہوئے۔ مَن کی در دیوں پر لگے ہوئے نشانات انہیں بیلری
لے کر منتقل تیار کرتے رہے تھے۔

میں انہیں دیکھ کر نہ صرف چونکی بلکہ میرے جسم میں سنسنی بھی
پھیلنے لگی۔

”صاف کیجئے گا! ایک آفیسر لڑا، کیا اسے بیچے بازو ہیں؟“
 ”جی ہاں میں انہیں ٹوٹے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔“
 جس آفیسر نے مجھے مخاطب کیا تھا وہ کرنل کے رینک کا فائدہ

”میں ملیشیا پولیس کے کنزل جعفری یا کپٹن نواز سے بات کر
چاہتی ہوں۔“
”یہ کون بزرگ ہیں؟“
”اس کا جواب ہمیں لینا پہلے فون ملاؤ!“
رضوان مقرر نامے پر ہنسے اٹھ کر لیفون کے قریب گیا اور

کے سلسلے میں ہدایات دیں۔ اسی وقت لکھا
 "باتو ابھی کاڑھی کہاں ہے؟"
 "اوہ! میرے منہ سے بے اختیار
 نکل آیا کیلئے ان کے گھ کے پاس کھڑی کی
 سرگھ کر صندوق کی طرف دیکھا اور بولی:"

دل کے سوا کسی کے دل یا پرواہ ہمیں رہے۔

ساتھ قادیات کا ہر ایک کو بھی معلوم ہوئی ہوئی کہ میں زندہ بچ نکلی ہوں اس

لئے وہ گھبرا کر دوڑ پڑا ہوتا تھا۔

میں تشریف کرتے ہوئے اپنے لئے آج کا لاٹھو عمل کر رہی تھی کہ رضوان اگلا نہ صرف اپنا بلکہ ناشتے میں بھی شریک ہو گیا۔

”کیا مشکل سے ڈائری فلاح مل گئی تھی؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”اب آپ کے رضوان کا کیا حال ہے؟“ رضوان نے میری بات اپنے

دوسرے کان سے اڑا دی۔

”ٹھیک ہے“ میں نے جواب دیا۔

”خدا رکھائے تو!“

میں نے گھوڑ کر رضوان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بڑی معصوم سی شرات پھیلی ہوئی تھی اور وہ سر جھونکے ناشتے میں مصروف تھا۔

جب میں خاموش رہی تو وہ پھر بولا۔ ”آپ نے جواب نہیں دیا“

”بیٹے! تم کسی روز میرے ہاتھ سے بہت بڑی طرح پٹو گئے“

”جب مجھے دن آیا، میں جان بے لوں گا“

”اس وقت کس جگہ کا رخ کرنا ہے؟“

”وہ راز جان گا“

”کیا جاہلیت ضروری ہے؟“

”میں نہیں اپنے ساتھ لوجا چاہتی تھی“

”آپ کی رفاقت میں رہنے کے لئے تو میں دتر بگیا رہ ہزار مرتبہ

نعت بھیج سکتا ہوں“

ناشتہ کرنے کے بعد میں نے ہاتھ نرم میں جا کر کپڑے تبدیل کئے

جب مجھے ہاتھ نرم سے نکلی تو رضوان جلدی جلدی پلکیں چمکانا مہولہ

”آپ تو واقعی بالکل ٹھیک تھا! معلوم ہو رہی ہیں؟“

”آؤ! میں دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے گرج سے سر سریز نکالی اور رضوان کو ساتھ لے کر

روانہ ہو گئی۔

”مینیہ خاتون! رضوان بولا۔ ”یوں تو میں آپ کے ساتھ

جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں لیکن آپ اگر پیسے سے منزن کا بابت نشان

بتا رہی تو جسے آپ کا مستحق محفوظ ہی رہے گا“

”میں اپنی خاموشی کے لئے کوشش میں تھی لیکن بعض اوقات اضافی

جملے بول جاتے ہو“ میں نے منہ بنا کر کہا۔

”فی الحال تو برداشت کر لیجئے، شادی کے بعد محتاط رہوں گا“

”یہ ایک اچھا فائدہ تھا جسے گورہ کیا جاسکتا ہے“

”شکر! اچھا! یہ اب بھی بہت نہیں چلا کر ہم تانے کے پاس جا رہے

ہیں یا کوڑ میں“

اور پھر منہ بنا کر بولا۔ ”دیکھیے خاتون! ڈاکٹر

اب آپ کو ان قوانین سے واقف بنانا چاہئے

ہے اور یہاں تک کہ ترس و ہراس نہ لاش کی ہمارے

”میں ہمارا منہ زرا کوسا نہیں کر سکتی“

”اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے“

”یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟“

”بچوں کی چھوٹی مومن خطائیں معاف کی جا

”میں یہ بھی جانتی ہوں کہ معصوم الماس کی

برباد نہ ہو“

”کچھ معصوم رضوان کا میں خیال کر رہی ہوں

صلیب پر لٹا جا رہا ہے“

”میں خاموش رہی۔ رضوان کی ایک کھج

کی ہمت ہی نہیں ملتی تھا ماسب کی ہتھاکر خا

کا امن مرزا کو میں ایسا سبق دینا چاہتی

یا درکھے اور الماس بھی اس کے ہاتھوں تباہ

کچھ درمیں ہم کامران کے گھر پہنچ گئے۔

تعل نے ہمارا استقبال کیا میں نے اسے اس کے

کی تو پتہ چلا کہ صبح دس بجے تک تو کامران اپنے

میں وہاں سے ناکام لوٹی۔

”اس فرمائیے! راسے میں رضوان بولا

”کافی پیٹے کا موڈ ہو رہا ہے“

”ابھی تو گھر سے ناشتہ کر کے چلے ہیں“

”گھر پر تو جانے کی تھی“

”میں نے صدر کے ایک کیفے کے سامنے“

”میں وہاں تھی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں کہ راکر

کھڑے جا کر حملہ نمونہ میں نے وہاں گاڑی کھڑ

میں ساتھ کیفے کی طرف لوٹی۔

”آئی پیسے کے دوران میں رضوان نے

ان کاغذات کا کیا کیا جو لوگ کے پاس سے آ رہے

”میں نے انہیں وہیں پہنچا دیا جہاں انہیں ہر

”کب پہنچا“

”کافی پیسے، بھڑکی ہو رہی ہے“

”رضوان نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا

”اٹھا کر کافی کا گھونٹ لینے لگا۔

”کافی پیسے کے بعد میں فوراً ہی کیفے سے اٹھ

”کے لئے تھکی ہوئی میری نظر ہسپتال کی زمر

چڑے کا ایک بیگ ہاتھ میں لئے تیزی سے ایک

کا اظہار ہو رہا تھا اور

”بولا یہ۔ شاید سول ہسپتال

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

”ا“

اور پھر سلونی تو اچھی جوانی ہی کی منزل میں تھی۔

میں اور رضوان اس بھڑکے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک

شخص شوخی دردی پہنے ہوئے اس بھڑکے نکلا اور تیزی سے

سرنگ مارنے لگا۔ اس کی طرف میری توجہ اس لئے مبذول

ہوئی تھی کہ سلونی کا بیگ اب اس کے ہاتھ میں نظر آ رہا تھا۔

میں ابھی صدمہ حال کو چھوڑ کر کوشش کر رہی تھی کہ کسی خوش

نے میری پار کر لی۔ وہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کار کا لاٹھو

فوراً نکلا اور ایک ٹکیٹ گاڑی سے کچھ باہر نکلتے ہوئے، شو فر کے

ہاتھ سے وہ بیگ لے لیا۔ پھر کار کا دروازہ بند ہوا اور وہ حرکت

میں آ گئی۔ شو فر واپس لوٹنے لگا۔

”رضوان! تم اس کار کا تعاقب کرو!“ میں نے مضطرب انداز

میں کہا۔

”کیسے کروں؟“ رضوان نے پوچھا کہ کہا۔ ”ہماری گاڑی تو

یہاں سے بہت دور کھڑی ہوئی ہے“

”فیکس کرو!“ میں نے جھنجھلا کر کہا۔

رضوان نے نٹ ہاتھ سے اترتے ہوئے، ہاتھ اٹھا کر ایک

ٹیکس کو روکنے کا اشارہ کیا لیکن کسی فرعون کی طرح اگڑی ہوئی نہیں

ڈٹا تو رکی مگر دن بالکل سیدھی تھیں ہوئی۔ وہ رضوان پر ایک

لگاؤ غلط انداز ڈالے بغیر گزر گیا۔

وہ کار اب بہت دور جا کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

میں نے ایک کھنڈی سانس لی اور رضوان کو واپس آنے

کا اشارہ کیا۔ اب اگر اسے کوئی ٹیکس بھی مل جاتی تو اس سے کوئی

فائدہ نہ ہوتا۔ وہ کار اب اتنی دور نکلی چکی تھی کہ اسے پڑنا محال تھا۔

اس بات کو رضوان نے بھی محسوس کر لیا ہو گا، اس لئے اس نے واپس

آ کر مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے اسے واپس کیوں بلا لیا۔

سلونی کے گرد وہ جھڑپ بھی نظر آ رہی تھی اور اسے دیکھ کر

چوراہے کا ڈیوٹی کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

میں اس بھڑکے داخل نہیں ہو سکتی تھی لیکن رضوان لوگوں

کو چھوڑتا ہوا اندر گھسٹا چلا گیا۔ پھر اس نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ سلونی

کی ٹانگ میں موج آ گئی ہے۔

”اب لوگ ڈیوٹی کانسٹیبل سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ایک ٹیکس

روک دے جس میں سلونی کو باسٹیل بھیج دیا جائے“ رضوان نے بتایا۔

”وہ شو فر کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ بھی اسی کھنڈی میں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

”بھی، پہلے سے سلونی کا واقفکار نہیں ہے۔ ممکن ہے سلونی نے

اسے وہ بیگ لے کر دیا ہو کہ وہ اسے سرنگ بار کھڑی ہوئی گاڑی

تک پہنچا دے۔“

"ہوں" میں سر ملانے لگی۔

ہم دونوں ڈپ ہاتھ پر ایک طرف کھڑے ہوئے بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے لیکن اگلے لمحوں پر آواز کھڑکھڑا کر بھڑکی تو ہمیں کوئی سننے والا نہ ہوتا۔ سب کی توجہ تو صرف اس بھڑکی طرف تھی۔

"آؤ چلیں" میں بدستور دھیمی آواز میں رضوان سے بولی اور واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگی۔

"کچھ تو بتائیے عاتقوں کی یہ معاملہ کیلئے ہے؟" رضوان متنبہ بنا کر بولا۔

"یہ نرس ڈاکٹر فونک کی تنظیم کا ایک پُرزہ ہے۔"

"ارے؟" رضوان اچھل پڑا۔

"نہیں اس نے میرے تنکے کے پیچھے سے وہ کاغذات نکالنے کی کوشش کی تھی۔"

"ماں گاؤ؟" رضوان اپنا سر ملانے لگا یہ فونک کی تنظیم کے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟

"ایسی جگہیں جہاں ہر جگہ اپنا ایک آدمہ مہر فونک کے رکھا ہوا۔"

رضوان سوچ میں پڑ گیا اور پھر ہنسنے والے انداز میں بولا

"میک میں کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"تم اس کار کے مالک کا پتہ نہ لگاؤ۔"

"وہ کس طرح؟"

"میں نے اس کار کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔"

"اوہ؟"

میں نے اسے نمبر بتایا اور پھر بولی یہ کام جلد از جلد کر ڈالو۔

"آپ مجھے کہاں ملیں گی؟"

"میں اب کبھی جا رہی ہوں۔ میرے رشتوں میں تکلیف پہنچ گئی ہے۔"

"قدتی بات ہے۔ اتنی بھاگ دوڑ جو ہو گئی۔ اچھا تو پھر میں وہیں سے ٹیکسی لئے لیتا ہوں۔"

میرا نصف گھنٹہ بھیجی نے بیٹے کے گزارا ارادہ کہی ہی تھی کوئی فون کی گھنٹی بجے گی۔ میں دیکھ کر اٹھا ہوا۔ بڑا۔ میں ماؤتھ پیس میں بولی۔

"میں رضوان بول رہا ہوں۔ یہ تانے کے۔"

کریم اب شام تک معزوف ہوں۔ ہوا یہ کہ کس ایک خیال سے دفتر آ گیا تھا۔ یہاں اگر ایک کام میں آ

شام تک محنت نہیں مل سکے گی۔

"اُس کام کا کیا دبا؟" میں نے بے مہربانی سے بولی۔

"وہ کار بھی بچنے کی ماہ کی شیر بہادری کے ہے یہ مجھے بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔"

"شیر بہادری کا پتہ بھی معلوم کیا؟"

"ہاں، کچھ لیٹے۔"

"ایک منٹ؟" میں نے کہہ کر سائیڈ فیل آکس میں سے بیڈ اور ڈیشیل نکالی، پھر رات کو تھیں

بتاؤ؟

رضوان نے سوسائٹی کا ایک پتہ بتایا جو

"اور کچھ؟" رضوان بولا۔

"تم نے شیر بہادری کے بارے میں کچھ سنا؟"

"کیا میں نے آپ کا سختی دیر لید فون کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"کسی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر ہی وقت لگتا ہے؟"

"یہ بات تم میری طرح نہیں کہہ سکتے۔"

"اچھا، خدا حافظ۔" رضوان نے بھڑکی کر دیا۔

میں دیکھ کر دیکھ کر شیر بہادری کے بارے میں تو خاصا بارگشت تھا۔ شخصیت نہ جانے کی ہو۔ دیکھ کر کی تنظیم سے اس آدمی کا کیا تعلق ہے اور کون سے آدمی کا پتہ پتہ پتہ ہے۔

میرا نصف گھنٹہ بھیجی نے بیٹے کے گزارا ارادہ کہی ہی تھی کوئی فون کی گھنٹی بجے گی۔ میں دیکھ کر اٹھا ہوا۔ بڑا۔ میں ماؤتھ پیس میں بولی۔

"میں رضوان بول رہا ہوں۔ یہ تانے کے۔"

کریم اب شام تک معزوف ہوں۔ ہوا یہ کہ کس ایک خیال سے دفتر آ گیا تھا۔ یہاں اگر ایک کام میں آ

شام تک محنت نہیں مل سکے گی۔

"اُس کام کا کیا دبا؟" میں نے بے مہربانی سے بولی۔

"وہ کار بھی بچنے کی ماہ کی شیر بہادری کے ہے یہ مجھے بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔"

"شیر بہادری کا پتہ بھی معلوم کیا؟"

"ہاں، کچھ لیٹے۔"

"ایک منٹ؟" میں نے کہہ کر سائیڈ فیل آکس میں سے بیڈ اور ڈیشیل نکالی، پھر رات کو تھیں

بتاؤ؟

رضوان نے سوسائٹی کا ایک پتہ بتایا جو

"اور کچھ؟" رضوان بولا۔

"تم نے شیر بہادری کے بارے میں کچھ سنا؟"

"کیا میں نے آپ کا سختی دیر لید فون کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"کسی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر ہی وقت لگتا ہے؟"

"یہ بات تم میری طرح نہیں کہہ سکتے۔"

"اچھا، خدا حافظ۔" رضوان نے بھڑکی کر دیا۔

میں دیکھ کر دیکھ کر شیر بہادری کے بارے میں تو خاصا بارگشت تھا۔ شخصیت نہ جانے کی ہو۔ دیکھ کر کی تنظیم سے اس آدمی کا کیا تعلق ہے اور کون سے آدمی کا پتہ پتہ پتہ ہے۔

میں نے دیکھا کہ وہ نہیں اٹھا تھا کہ گھنٹی بجی۔ میں نے پھر دیکھ کر اٹھا ہوا۔ بڑا۔ میں ماؤتھ پیس میں بولی۔

"میں رضوان بول رہا ہوں۔ یہ تانے کے۔"

کریم اب شام تک معزوف ہوں۔ ہوا یہ کہ کس ایک خیال سے دفتر آ گیا تھا۔ یہاں اگر ایک کام میں آ

شام تک محنت نہیں مل سکے گی۔

"اُس کام کا کیا دبا؟" میں نے بے مہربانی سے بولی۔

"وہ کار بھی بچنے کی ماہ کی شیر بہادری کے ہے یہ مجھے بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔"

"شیر بہادری کا پتہ بھی معلوم کیا؟"

"ہاں، کچھ لیٹے۔"

"ایک منٹ؟" میں نے کہہ کر سائیڈ فیل آکس میں سے بیڈ اور ڈیشیل نکالی، پھر رات کو تھیں

بتاؤ؟

رضوان نے سوسائٹی کا ایک پتہ بتایا جو

"اور کچھ؟" رضوان بولا۔

"تم نے شیر بہادری کے بارے میں کچھ سنا؟"

"کیا میں نے آپ کا سختی دیر لید فون کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"کسی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر ہی وقت لگتا ہے؟"

"یہ بات تم میری طرح نہیں کہہ سکتے۔"

"اچھا، خدا حافظ۔" رضوان نے بھڑکی کر دیا۔

میں دیکھ کر دیکھ کر شیر بہادری کے بارے میں تو خاصا بارگشت تھا۔ شخصیت نہ جانے کی ہو۔ دیکھ کر کی تنظیم سے اس آدمی کا کیا تعلق ہے اور کون سے آدمی کا پتہ پتہ پتہ ہے۔

پھر جس دوا دوائے کی طرف بڑھی۔ میری گاڑی پورچی میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی ڈرائیونگ سیٹ سمجھائی اور اس کی اشارت کر دیا۔

کامران نے اپنے گھر سے فون کیا تھا ہفتا میں تیزی سے اسی طرف اڑی جلی جا رہی تھی۔ میں کامران کو اس صحت میں پہنچا کر دلچسپ آنا چاہتی تھی کہ وہ دس دنوں تک اسپتال میں پڑا رہے۔ میں نے اس کے گھر کے ملنے گاڑی روکی۔ اس وقت دو بج کر سب سے تھے۔ میری بڑی دھڑبھڑاوت طرف پھیلی ہوئی تھی میں نے گاڑی منتقل کی اور کامران کے گھر کی طرف بڑھی۔ دروازہ قفل نہیں تھا۔ میں نے دستک دی اور انتظار کرنے لگی۔ میری ریلوے اندر سے قفل کی آہٹ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھل گیا کامران میرے سامنے کھڑا تھا۔

"ادو! آپ! اہ! اہ! کے بڑوں پر طنز میری مسکراہٹ بکھری۔

"تشریف لائے! چچم! رازدن! دل! انا! اُس نے ایک طرف ہٹ کر بچھے اندر آنے کی دعوت دی۔

میں ہٹ بیٹھے ہوئے اندر داخل ہو گئی اور کامران نے دروازہ بند کر لیا۔

"ادھر اس صحنے پر تشریف لائے! کامران نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"کیا تمہیں کسی نے ملے گا بھی سیکر نہیں آتا؟" میں بولی۔

"کیا مطلب؟"

"ملاقات ہوئے پر معاہدہ کیا جاتا ہے۔" میں نے بڑی زہر تلی می مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ایک لمحے کے لئے کامران کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دکھائی دیے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا پڑا۔ اس نے صاف لمحے لئے میری طرف اٹھ بڑھاتے ہوئے کہا: "میں اپنی بد اخلاقی کی معافی چاہتا ہوں۔"

اب میں نے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں ہاتھ ملے اور یککنت میں نے اس کے ہاتھ کو گلے سے جوڑ دیا۔ ایک ایسا دوا دار کہ اس کے منہ سے سچ نکل گئی۔ اس کا جسم خفا میں آچل کر قہقہہ بازی کا نام لیا۔ بڑی زور سے فون پر گرلا اور اس وقت اس کے منہ سے دوسری سچ نکل گئی۔

"بیکر... بیکر... بیکر... یہی نے ہالی جالتے ہوئے کہا اور میں چونک پڑی۔

اندر دنی کوئے کے دروازے پر ایک ادھر دھڑک رہی کھڑا ہوا تھا اور اس کی جینس آئمرنگاں میں میری ہی طرف تھیں۔

"بلا مشریم! تم ایک حیرت انگیز عورت ہو! وہ انگریزی میں بولا لیکن اس کا لہجہ انگریزوں جیسا نہیں تھا بلکہ امریکیوں کا سا تھا۔

"تم کون ہو؟" میں اسے گھورتی ہوا

"میرا اصل نام تو دو جا رہی آؤ گی جا

میں نے سڑفوس کہا جاتا ہے۔

میں اسے گھورتی رہی۔ اس کی ہنری عیناری جھانک رہی تھی۔ وہ پنج پانچ کی لوسر معلوم ہوتا تھا۔

اس کا حانہ لینے کے بعد میں نے کلمہ دیکھا جو فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوالیے جھٹکے تھے کہ وہ فرش سے اٹھ رہا تھا اور بات اس کے چہرے سے ادا عینار فوس بچھے سے غائب ہوا۔

کو غاصی زہر دست چوٹیں پہنچا دی ہیں۔

"میں اسے کوئی دوا دیکھ کر ہتال میں

میں نے سر دھلیج میں کہا: اس نے ٹیفون

کھنکھائی تھی۔

"اس کا قصور وار تو اصل میں ہوں

ہی اس سے ایسی گفتگو کوئی تھی کہ تم مشتعل چلی آؤ۔

"کیوں؟ میں نے اسے نکلی نظروں

ہو کر نہ تھے دھوکہ دے کر مار دو گئے۔

"تمہیں ماننا پڑا یہ عقیدہ ہو کر نہیں

سینڈی سے کہا۔ "فونگ آئے وقت تھا کہ

کی۔ کامران! ہم ایک طرف بیٹھ جاؤ۔

میں نے دیکھا کہ کامران ایک کمرے

کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ فوس

صحنے پر بیٹھ گیا لیکن اس کی نگاہیں میری

اس کی آنکھوں سے شدید نفرت جھانک رہی

"بیٹھ جاؤ صبر نہیں آؤ اس نے

کی ریڑھ ماستے ہوئے کہہ: میں نے کہا

گھٹو کرنا ہے۔

"پر وہ صحت کر دے۔ میں کھڑے کمرے

کر سکتی ہوں۔

"تباہی مری؟ فوس نے ہاروا

میں اسے کھڑی رہنا جاتی تھی کہ

کمرے کے لئے خود کو تیار رکھ سکوں میں فوس

تھی اس نے کہا تو یہی تھا کہ وہ مجھ سے گستا

یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ وہ بڑے ٹھنڈے

طرح کا ثابت ہوتے ہیں۔

ایک ایک لڑکی کی طرف دیکھا ہوا کسی گہری

میں غامضی سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ فوس کی سڑفوس پہنچا ہوا تھا۔

میں نے اسے توقف سے بولا۔ "سب سے پہلے

مجھے فونگ کی جگہ پر کلام کرنا ہے۔ گویا نہانے

کا سب سے طاقت ور آدمی ہوں۔ نہیں

طاقت کا اندازہ تو میری چکا ہو گا۔

مجھے ہرے انداز میں کہا۔ "میں تمہاری عظیم

سے اچھی طرح پٹ چٹی ہوں۔

دیا ہوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہو لیکن میں

کی طرح پیدا ذہن بھی جھلک رہا تھا۔

انہوں کو کرنا تھا کہ انہوں نے۔ میں نے

ان کے ساتھ پچھلے معاملے میں ہاتھ دالا اور

انہا واقعی بہت بڑی کامیابی ہے۔

میں نے میرا اشارہ ان کا غنات کی طرف سے

ان کے۔ غالباً اب تک تمہیں علم ہو چکا ہو گا کہ

میں نے انہوں کی منزلت نہیں ہے سڑفوس!

بات لے آئے اس وقت مجھے معلوم تھی جب

میں انہوں کے حوالے کر رہی تھی۔

سے دیکھنے لگا۔ پھر تم نے وہ کاغذات کیوں

طاقت کو مجھ نہیں ہی تھی۔ غالباً وہ تم لوگوں کے

ان کے کھنکھنے سے فامری رہتی ہذا ایسے بریکار

اسپتال میں کوئی ہنگامہ مقرر کر کے رہتے ہوں

ہاں تھی۔

میں نے اسے دیکھنے لگا۔ شاید وہ میرے چہرے سے

ہذا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس کے بونٹوں

میں چل گئی اور وہ بولا۔ مجھے تمہاری حیرت انگیز

میں صرف پلور میں کی تھیں، اب تمہاری ذہانت

میں آئی ہے۔ تم واقعی ایسی شخصیت ہو جسے

ان کے لئے وقت تھا جس نے تمہیں ضائع

"وہ کیسے؟"

"معاف کرنا، تمہا لگ اس قابل نہیں ہے کہ میں لوگوں

کی تقریر میں حصہ لیں۔ یہاں ذہین لوگوں کو چاہئے کہ وہ

ابن الوقت قسم کے لوگ نہ رہتے ہیں۔ تعلیم کے فقدان کی وجہ سے

عوام بھی اچھے اور برے لوگوں کی فزیر نہ رہتے۔ خاص کر

اپنے وقت کا صحیح استعمال جانتے ہیں اور نہ اپنے حق کی مخالفت

کر سکتے ہیں۔ ایسی خفایاں ذہین لوگ ہم سے ہوجاتے ہیں۔ لہذا

ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ذہانت کو ان لوگوں کے لئے وقف

کر دیں جو ذہانت کی قدر کرنا جانتے ہیں۔

بات کچھ کچھ میں آئے تھی۔ میری بیٹی پر سڑفوس پر

نگاہیں اور میں نے خشک ہلچے میں کہا۔ "کھل کر بات کرو سڑفوس!"

"میری حکومت، ہر حیرت رتہاری صلاحیتوں سے بہرہ ور

ہونا چاہتی ہے، فوس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"گویا تم لوگ مجھے خریدنا چاہتے ہو؟" میں نے تکی سے کہا۔

"تمہیں نہیں، تمہاری ذہانت کو، فوس نے جواب دیا۔

"اور تو ذہانت خریدنا بڑی بات ہے، اندر ذہانت، چنا کوئی بڑا

فصل۔۔۔ یہ کام دبا دینا کے ہر گوشے میں ہر شخص کا کہنا ہے جس

دن یہ کام دبا رہا ہوگا، اس دن ارتقاء کے عظیم ایوان، دھیر دھیر

گئے، خاک میں مل جائیں گے۔"

"تم لوگ میری ذہانت کی کیا قیمت لگا سکتے ہو؟" میرے دلچسپ

میں تکی پر ہر زاری۔

"لیغ ذہانتیں انمول ہوتی ہیں، صبر نہیں آؤ فوس بولا۔

"تمہاری ذہانت کا شمار بھی ہم انہی ذہنوں میں کرتے ہیں۔"

"لہذا معاف خریدنا چاہتے ہو؟" میں ہنس پڑی۔

"تمہیں؟ فوس نے کہا۔ "اس سلسلے میں تم جو حیرت انگیز کوئی

وہ میں منظور ہوگی۔

"وس ملین ڈالر کے لئے میں کیا خیال ہے؟"

"میں منظور ہے۔" فوس نے بلا تاخیر جواب دیا۔

میں نے تھوڑا سا لٹے ایک بات کی تھی اور مجھے اس

جواب کی توقع نہیں تھی۔ میں حیرت سے انہیں چار فوس کو دیکھنے لگا

"میرے جواب میں کوئی اشتباہ نہیں ہے صبر نہیں آؤ فوس!"

بولا۔ پھر حکومت تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ خرچ کر سکتی ہے۔"

اس وقت میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آجھلا۔

"خوب! میں آہستہ سے بولی۔ یہ رقم میرے اکاؤنٹ میں

کب جمع ہوگی؟"

"جب تم ہم میں شامل ہو جاؤ گی۔"

"اگر میں اسی وقت اپنی شمولیت کا اعلان کر دوں تو کیا تم

استعداد کرو گے؟"

لے اسے برا بھلا کہہ کر خون بند کر دیا اور اس کا سر پر پابندی لگا دی
 کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔
 الماس نے مجھے مزید بتایا کہ کسی وقت راولپنڈی میں اس
 کے والد کو خال کا خط مل جائے گا جس میں لکھا گیا تھا کہ وہ فوراً لڑکی
 اگر لڑکی بچی کو لے جائیں۔
 ابی درودینی سستان کے بعد بھی الماس اپنا سر میری گود
 میں رکھے رہی تھی لیکن اس کی چٹکیاں اب بند ہو چکی تھیں۔ میں
 نے اسے اپنی گود میں سے اٹھا کر تھوڑا سا پانی اور پلایا۔ اس کا چہرہ
 آنسوؤں سے دھنسل گیا تھا۔ میں نے اسے اپنے رومال سے صاف
 کیا۔ الماس کی آنکھیں اب اور زیادہ دیران نظر آنے لگی تھیں۔
 "الماس!" میں نے پیار سے کہا "میں کامران سے تمہاری
 دشمنی کو تو اپس نہیں دلا سکتی لیکن میں اسے تمہارے قدموں میں
 لا کر اس طرح بچوں گی کہ وہ تم سے رحم کی بھیج مانتے لگے۔"
 "اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بانو" وہ کھولتی
 سی آواز میں بولی "جو ہو رہا تھا، وہ ہو گیا۔ یہ میری محنت تھی کہ
 میں نے آپ کی باتوں پر کان نہیں دھرا۔ اب مجھے اس کا تخیانہ
 بھگتنا ہی پڑے گا مجھے تو بس اس بات کی خوشی ہے کہ آپ زندہ ہیں۔"
 "میں نے اس مرتبہ اپنے دیکھ کو بہت بڑی طرح شکست دی، مگر
 الماس نے اس فتح یا شکست میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور میں
 بھی اسے ساری تفصیلات بتانے کے موذوں نہیں تھی۔
 "میں شہاد کہاں ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔
 "وہ خال کے درویش سے عاجز ہو کر برسوں شام ہی کو چل گئی تھی۔"
 "کہاں؟"
 "کراچی میں اس کے بہت دوست ہیں۔ کسی کے یہاں بھی چل
 گئی ہوگی۔ مجھے بتا کر نہیں گئی۔"
 اس وقت تم اپنی خال کے گھر سے نکل کیسے آتیں؟"
 "کیوں؟"
 "تم نے فون پر بتایا تھا کہ انہوں نے تمہیں قید کر رکھا ہے۔"
 "اس سے میری مزاحمت بھی کم انہوں نے مجھے گھر کے باہر نکلنے اور
 کسی کو فون کرنے سے روک دیا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ انہوں نے
 مجھے کسی کمرے میں بند کر کے مقفل کر دیا ہو۔"
 "ہوں" میں نے سر ہلایا اور پھر بولی "تو تم اس وقت چپکے سے
 نکل آتی ہو؟"
 "ہاں" الماس نے جواب دیا "بس ایک چھوٹا سا باجھوڑ
 آتی ہوں خال کے نام! میں نے اس میں لکھ دیا ہے کہ میں پابندی
 جاری ہوں۔"
 "کیا مطلب؟"
 "میں اب واپس خال کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہ اتنا حاصل

نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی عملی کوششیں رہیں۔
 میں غور سے اس کی حرکت دیکھنے لگی۔ اس
 سے کہہ دی تھی لیکن اس کا ہوجوڑا سنبھل گیا تھا۔
 "تو پھر اب میرے ساتھ رہو گی؟" میں نے
 "یہ بھی میرے ممکن نہیں ہے۔ مجھے
 گا۔ آپ مجھ پر بس اتنا رحم کریں کہ مجھے ہوائی جہاز
 دے۔ اس سے پہلے کہ میرے والد پٹنڈی سے کراچی
 میں وہاں پہنچ جانا جا رہی ہوں؟
 میںاں بچیدگی سے سر ہلاتی ہوئی اس کے
 اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الماس کا بندھن جانا
 جو لوگ اسے برا بھلا کہتے، وہ کیا اسے نیچے سے
 "گویا تم صرف آج رات میری جہان رہو گی
 "مہمان کہہ دیجئے یا ایک بے اسراء الماس
 "بھلی" میں نے اس کے چہرے کو دیکھ
 بٹے ہوئے اس کے پوٹ بٹے ہوئے اور بولی
 گھر سے؟
 "شکر ہے"
 "اچھا! پھر اب تم میرے کمرے میں
 میں نے اس کا زور پکڑ کر اٹھا لیا ہے۔
 اس نے کوئی تفرقہ نہیں کیا اور میں
 میں نے اسے بستر پر لٹایا اور خود قریب بٹری
 بیٹھ گئی۔
 "میں کل صبح کی پٹنڈی ملاوٹ میں تمہارا
 گرائے دیتی ہوں" میں نے کہا اور ٹیلیفون
 کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس انجینی کا مالک مجھے
 میں نے اس سے ایک سیٹ کا بندوبست کر
 کر دیا۔
 الماس بہت ڈھال تھی۔ میں اسے
 کمرے سے نکل آئی اور اسٹڈی میں جا بیٹھی
 کے بعد مجھے اس بات پر انوس ہو رہا تھا کہ میں
 نہیں دے سکی تھی۔ گو کہ خود مجھے بھی کامران کی
 لا شکار ہونا پڑا تھا لیکن الماس کی ہمتا کے سامنے
 نہیں رہ گئی تھی۔ اب تو مجھے صرف یہ سوچنا تھا کہ
 لوں۔
 چلے گئے رمضان آیا تو میں اسٹڈی ہی میں
 اس کے لئے بیٹھ جائے ملاوٹ اور پھر صبح
 "تم سیدھے دفتر سے آ رہے ہو؟"
 "ہاں، کیوں؟"

میں اس آتے ہی اس نے ایک کار خرید لی تھی جسے دیکھ کر آفت میں سے آپکے
 بیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ اس کے سارے لازم و ملزوم نامی ہیں
 اور وہ سیاحت کے دوران میں ان سب کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔
 آئندہ دو چار روز میں وہ پہلے ایک گواہ کو اور دیکھنے والے کے لیکن
 یہ بات مجھے نہیں معلوم ہو سکتی کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گا؟
 "ہوں" میں متحیرانہ انداز میں سر ہلاتے لگی۔
 "ہوں کا کیا مطلب ہوا؟"
 "آخر فون کی تنظیم سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟
 "یہ تو اس سے پوچھ کر ہی بتا سکیں گا۔ اگر کہنے تو کل اس کا مشورہ
 لینے چلا جاؤں؟"
 "مشورہ" میں بڑبڑاتی اور پھر مسکرا کر بولی "خیال تو میرا
 نہیں ہے۔"
 "لیکن پیٹ پیٹ پیٹ پیٹ نامی چہرے دیکھ کر مجھے وحشت
 ہونے لگی ہے۔"
 "ایک ظہیر قوم کے لوگوں کا تذکرہ تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔"
 "دیکھتے غارتوں! وضوان نے تیرے بتا کر کیا میں اس وقت غارتوں
 کی کسی لاس میں نہیں بیٹھا ہوں لہذا کوئی کچھ نہیں سنوں گا۔"
 "مہمان تو پھر میرا ایک کار اور دو ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے کما شہر ہمارے
 کا ترانہ تو لے کر گھر سے لے گیا تھا۔ میں جیسے ایک ٹیلیفون نمبر دینا چاہتی
 ہوں معلوم کرو کہ کیسے کا ٹیلیفون نمبر سنا دو کہ کس نام کا شخص ہے۔
 دیکھ نام سے آپ کا برا بھلا ہے۔"
 "یہ ٹیلیفون نمبر آپ کے پاس آیا کیوں ہے؟"
 "کالا چور ہے گیا تھا۔"
 "تو پھر اسی سے آپ دیکھ کر کھٹ بھی معلوم کر دلائیں۔ وضوان نے
 خشک لب میں کہا "آخر آپ مجھے بر ملائے میں نے خبر نہ کھنی کی کوشش کیوں
 کرتی ہیں؟"
 "تو جھگڑا ہے تم سے۔ انہار کی آوی ہونا۔"
 "کیا میں نے کچھ آپ سے ملنے والی معلومات کو خبر نہ کر چاہا ہے؟"
 "میں جانا مجھے اعتراض ہے لیکن ڈور ٹانگنا ہے کہ کسی وقت
 مجھ کی نہ جاؤں میں نے کہا اور پھر میں کوئی "خیر" تم سے معلومات تو
 حاصل کرو چہرے میں تباؤں کی گریٹ ٹیلیفون نمبر مجھے کہاں سے لایا تھا؟
 وضوان نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کہا "میری ٹی وی دیکھو
 میں نے اسے وہ ٹیلیفون نمبر دیا جو مجھے فون سے لایا تھا۔ یہ کوئی بڑا پوٹ ہے۔
 یہ کہہ کر مل گیا کہ وہ آٹھ بجے تک مجھے فون پر دھوٹ دے گا۔
 میں اسٹڈی میں اپنی اپنی چیزیں لے کر دیر لگا رہی۔ آج آئی جاگ
 دوڑ ہو گئی تھی کہ اب اپنے وضوان کو تکلیف دینا مجھے مناسب نہیں معلوم
 ہو رہا تھا۔ میں اٹھ کر کچھ بھی کر اب پھر گھر سے نہیں نکلوں گی۔"

"کہاں گاہ بزم؟" میں نے جیسے کوئی ہنسے انداز میں کہا۔
 "اسی صحبت میں بستی ہوئی ہوں حضرت درج تو ابھی سے گئے
 کا دارین گئے ہیں کسی وقت بیجا ہی نہیں چھوڑتے؟
 "مسی طرح بھی بیجا چھوڑاؤں میں بہت اور بوری ہوں۔"
 "بس کل کسک کھلتا اور دیکھتے۔ آپ کے تھوڑے کا کیا حال؟
 "خاصہ بہتر حال ہے کل کسک میں اس قابل ضرور ہو جاؤں گی کہ
 تم سے وقت کر لوں گی۔"
 دوسری طرف غزالہ سنس بڑی اور میرا اس نے سلسلہ منقطع کر دیا
 اب نہ جیڑا پہننے لگا تھا۔ میں اسٹیڈی سے اٹھ کر اپنی خواجہ
 میں پہنچی۔ جتنی جلدی تو دیکھا کہ الماس نے خبر سوچی تھی۔ میں اس کے
 قریب گئی۔ اس کے چہرے پر کھربے ہونے لگوں کو شاید اور اس کے
 شہابی عارض پر وقت کی جلی کی بہرہ نشینی۔ کسک کا وہ بھی لیکن اس
 کی آنکھ میں کھلی غلابا وہ ان دنوں میں بہت کم سو سکی ہوگی۔ زیادہ
 وقت تو غلام کی جلی کی باتیں سننے میں گزرا ہو گا یا روتے ہوئے!
 میں اس طرح کی پڑھ گئی۔ میری نظرس الماس کے چہرے پر بھی
 ہوئی تھیں اور میں سوچی رہی تھی کہ پتہ نہیں اس لڑکی کے مقدس میں کیا
 کھلے پہلے اسے جاگہ وار شکست سے خواہ کیا اور کوڑوں سے بچایا۔
 وہ اس سے اس کو شکست دلائی تھی تو اب یہ کامزن کی دھنگ کی کاشفانہ
 بن گئی تھانوں سے اس کا حساب چکانا بے حد ضروری تھا۔
 ساڑھے سات بجے میں نے پھر ایک ٹیلیفون کال لے لی۔
 دوسری طرف سے رضوان ایل دہا تھا۔ ہوا تو وہ ٹیلیفون پھر ایک غیر ملکی
 فرسٹ کلاس نے جنرل منیجر کی قید گاہ کے لیے دو سال قبل لیا تھا۔ ان دو
 سالوں کی جنرل منیجر جنرل کے لیے جس نے جنرل منیجر کا نام نوکس ہے بس
 فی الحال میں اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا ہوں۔
 "بس کافی ہے۔ شکریہ رضوان!"
 "اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے؟"
 "کوئی سادہ؟"
 "یہ ٹیلیفون نمبر ایک کس نے دیا تھا؟"
 "خود نوکس نے وہیں نے جواب دیا۔ لیکن وہ مجھ سے اپنی فرم
 کے جنرل منیجر کی حیثیت سے نہیں ملتا تھا۔"
 "پھر؟"
 "جنرل نوکس کے جانیش کی حیثیت سے؟"
 "ملاؤ؟"
 "میں فی الحال اب کوئی اور سال مت کرنا۔ اچھا خدا حافظ! میں
 نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
 ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز اور اس کے بعد کامزن سے میری گفتگو
 بھی الماس کو نہیں بچا سکی تھی۔

"ہیلو! دوسری طرف سے سب سے پہلا
 اور شاید نوکس کی ہی کسی لیکن میں اٹھدین کے لیے
 "سٹر نوکس بناؤ!"
 "نوکس کیا ہوگا؟"
 "میں نے سٹر نوکس کو اس طرح
 "ادہ؟" وہ سٹر نوکس کے لیے
 کو تو قے نہیں تھی کہ اس کی جلدی توں کوں کی
 "ہیلو! میں بولی۔"
 "مجھے یہ پتہ؟" نوکس نے ایک طویل
 "تم کل صبح سے پڑھتے نہیں کر رہی؟"
 "جی ہاں! کوئی فیصلہ کر لوں تو اس پر غلام
 ہو جاتی ہوں۔"
 "کیا فیصلہ کیا؟"
 "میں نے اس دوران میں بہت سوچا۔
 اپنی صلاحیتوں کو غلاموں پر صرف کر دیتی ہوں۔
 "دوسری لڑکا؟"
 "میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔
 "اگر واقعی ایسا ہے تو میں اپنے بڑوں کی
 گارنٹی دیتا ہوں کہ تم کوئی ختم میں شامل نہ کرنا ایک۔
 لیکن تمہیں اس بات کا اثر نہ دینا ہو گا کہ تم نے
 دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"
 "وہ بہت کس طرح دیا جائے گا؟"
 "وہ ایک چھوٹے موٹے کام کرنا ہوں گے۔
 "میں تیار ہوں۔ مجھے کام نہ دے۔"
 "میں ایک کام کہہ اور لوگوں کے بہرہ
 "جی تم مجھے خوب دوا۔"
 "تو لڑکی خاندانی تو جانتی ہوگی! وہ نوکس
 مجھے اپنے خن پر چھڑا کر اس میں ہوا
 میں تاخیر نہیں کی ہوں میں نے تم نام نہاد
 اسے دیکھا بھی تھا کہ اپنی لڑکی خاندانی کی ہمت
 سیاست کی کھلاڑی ہے اور ہندوئی میں رہتی
 "ہاں میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ کل
 پہنچ رہی ہے جتنیں ایک خاص انداز میں اس
 "خاص انداز میں یہ مطلب؟"
 "جی وہ ہوائی جہاز سے اترے گی!
 "پس ہو گا اس سے پہلے کہ وہ ہوائی اڈے
 نہیں اس سے وہ ہوائی جہاز کو غائب کرنا

"پھر میں نے اسے ہوائی جہاز سے اتر کر اس
 "ہیلو! دوسری طرف سے سب سے پہلا
 اور شاید نوکس کی ہی کسی لیکن میں اٹھدین کے لیے
 "سٹر نوکس بناؤ!"
 "نوکس کیا ہوگا؟"
 "میں نے سٹر نوکس کو اس طرح
 "ادہ؟" وہ سٹر نوکس کے لیے
 کو تو قے نہیں تھی کہ اس کی جلدی توں کوں کی
 "ہیلو! میں بولی۔"
 "مجھے یہ پتہ؟" نوکس نے ایک طویل
 "تم کل صبح سے پڑھتے نہیں کر رہی؟"
 "جی ہاں! کوئی فیصلہ کر لوں تو اس پر غلام
 ہو جاتی ہوں۔"
 "کیا فیصلہ کیا؟"
 "میں نے اس دوران میں بہت سوچا۔
 اپنی صلاحیتوں کو غلاموں پر صرف کر دیتی ہوں۔
 "دوسری لڑکا؟"
 "میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔
 "اگر واقعی ایسا ہے تو میں اپنے بڑوں کی
 گارنٹی دیتا ہوں کہ تم کوئی ختم میں شامل نہ کرنا ایک۔
 لیکن تمہیں اس بات کا اثر نہ دینا ہو گا کہ تم نے
 دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"
 "وہ بہت کس طرح دیا جائے گا؟"
 "وہ ایک چھوٹے موٹے کام کرنا ہوں گے۔
 "میں تیار ہوں۔ مجھے کام نہ دے۔"
 "میں ایک کام کہہ اور لوگوں کے بہرہ
 "جی تم مجھے خوب دوا۔"
 "تو لڑکی خاندانی تو جانتی ہوگی! وہ نوکس
 مجھے اپنے خن پر چھڑا کر اس میں ہوا
 میں تاخیر نہیں کی ہوں میں نے تم نام نہاد
 اسے دیکھا بھی تھا کہ اپنی لڑکی خاندانی کی ہمت
 سیاست کی کھلاڑی ہے اور ہندوئی میں رہتی
 "ہاں میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ کل
 پہنچ رہی ہے جتنیں ایک خاص انداز میں اس
 "خاص انداز میں یہ مطلب؟"
 "جی وہ ہوائی جہاز سے اترے گی!
 "پس ہو گا اس سے پہلے کہ وہ ہوائی اڈے
 نہیں اس سے وہ ہوائی جہاز کو غائب کرنا

"پھر میں نے اسے ہوائی جہاز سے اتر کر اس
 "ہیلو! دوسری طرف سے سب سے پہلا
 اور شاید نوکس کی ہی کسی لیکن میں اٹھدین کے لیے
 "سٹر نوکس بناؤ!"
 "نوکس کیا ہوگا؟"
 "میں نے سٹر نوکس کو اس طرح
 "ادہ؟" وہ سٹر نوکس کے لیے
 کو تو قے نہیں تھی کہ اس کی جلدی توں کوں کی
 "ہیلو! میں بولی۔"
 "مجھے یہ پتہ؟" نوکس نے ایک طویل
 "تم کل صبح سے پڑھتے نہیں کر رہی؟"
 "جی ہاں! کوئی فیصلہ کر لوں تو اس پر غلام
 ہو جاتی ہوں۔"
 "کیا فیصلہ کیا؟"
 "میں نے اس دوران میں بہت سوچا۔
 اپنی صلاحیتوں کو غلاموں پر صرف کر دیتی ہوں۔
 "دوسری لڑکا؟"
 "میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔
 "اگر واقعی ایسا ہے تو میں اپنے بڑوں کی
 گارنٹی دیتا ہوں کہ تم کوئی ختم میں شامل نہ کرنا ایک۔
 لیکن تمہیں اس بات کا اثر نہ دینا ہو گا کہ تم نے
 دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"
 "وہ بہت کس طرح دیا جائے گا؟"
 "وہ ایک چھوٹے موٹے کام کرنا ہوں گے۔
 "میں تیار ہوں۔ مجھے کام نہ دے۔"
 "میں ایک کام کہہ اور لوگوں کے بہرہ
 "جی تم مجھے خوب دوا۔"
 "تو لڑکی خاندانی تو جانتی ہوگی! وہ نوکس
 مجھے اپنے خن پر چھڑا کر اس میں ہوا
 میں تاخیر نہیں کی ہوں میں نے تم نام نہاد
 اسے دیکھا بھی تھا کہ اپنی لڑکی خاندانی کی ہمت
 سیاست کی کھلاڑی ہے اور ہندوئی میں رہتی
 "ہاں میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ کل
 پہنچ رہی ہے جتنیں ایک خاص انداز میں اس
 "خاص انداز میں یہ مطلب؟"
 "جی وہ ہوائی جہاز سے اترے گی!
 "پس ہو گا اس سے پہلے کہ وہ ہوائی اڈے
 نہیں اس سے وہ ہوائی جہاز کو غائب کرنا

لکھت کافن آیا اور اس نے مجھے صبح کی پنڈری فلاٹ کا وقت بتایا۔ اسی سے میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صبح پنڈری سے آنے والی نوٹ کا وقت کیا ہے۔

الماس اور دن میں کھول کھول سی رہی۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں نے پنڈری سے آنے والی فلاٹ کا وقت کیوں معلوم کیا تھا۔

کھانے کے کنبہ جانے کا دور چلا اور میں الماس کا دل بھلانے کے لیے دلچسپ قسم کی باتیں کرتی رہی۔ جب ہم بیٹھے بیٹھے تھک گئے تو لکھت کہ باتیں کرنے لگے۔ الماس کافی سوچتی تھی اس لئے اسے بارہ ایک بجے سے پہلے نیندا ہی نہیں سکتی تھی۔

میں نے ناٹم پس میں الام رنگا دیا تاکہ صبح وقت منقرض ہو جیاد ہو جاؤں۔

میری رات وہاں بڑی بے چینی میں گزری۔ الماس کا قریب میرے لئے ایک استخوان بن گیا تھا میں اس استخوان سے گزرواؤں گی لیکن اس طرح کچھ پر قیاضیں گزریں۔

علی الفصح بیدار ہو کر میرے ناشتہ کیا اور پھر میں الماس کو کھڑکیز میں بٹھا کر پلٹی اڑنے کی طرف روانہ ہو گئی۔

پنڈری سے آنے والی فلاٹ کا وقت جانے والی فلاٹ سے خاصا پہلے تھا اور میں اسی وقت کو پیش نظر رکھ کر گھر سے روانہ ہوئی تھی۔

لستے میں الماس سے بالکل گفتگو نہیں ہوئی کیونکہ میں اپنے حالات کی بوجھ میں عاجزی ہوئی تھی۔ ذرا بعد مہائی اڑنے پر جو ہر شکار دھرنے والا تھا اس کے تمام ہلو میرے سامنے تھا اور میں ان کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی میں نے اس سلسلے میں کوئی خاص لاکھ عمل مرتب نہیں کیا تھا حقیقت تو یہ ہے کہ مرتب کر ہی نہیں کی تھی۔ ہوائی اڑنے کے جوہم میں کسی کا پس چھین لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لے کے میرے ذہن میں یہی ایک خیال آ سکا تھا کہ لیڈی فاروق کا پس لپٹے پس سے برتنے کی کوشش کریں۔ اسی خیال سے میں اپنا ایک سفید پکس لے کر گھر سے چلی تھی لیکن یہ فطری ضروری نہیں تھا کہ لیڈی فاروق کے پاس بھی ایسی قسم کا پس ہو۔

ہم ہوائی اڑنے پہنچے تو ڈرلر لکھت جیسی کا ایک نانا تو ہمارا منتظر تھا۔ اس نے راولپنڈی کا کھٹ مجھے دیا اور رخصت ہو گیا۔

میرا ذہن بے پروا ہو کر اور لیڈی فاروق میں الجھا ہوا تھا میرے احاسات اب بھی میرے تھے کہ اس نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے لیکن میں بھی بے وقوف بن کر یہ ثابت کر دینا چاہتی تھی کہ میں ان لوگوں کے لئے کام کرنے پر پوری طرح آمادہ ہوں۔

”اب آپ کبھی پنڈری نہیں گئی باؤ؟“ الماس ہوائی ہوئی آواز میں پوچھی۔

”جس وقت میں ان کے پاس گئی تھی تو وہاں سے آئے۔“

”پنڈری میں کبھی نہیں جاتے ہیں۔“

”اپنے اپنی قوتیں مت طاری کرو۔“

میرے انداز میں ڈانٹا جو ہو چکا اسے یہ سنا۔

”سے زندگی گزارنے کا پروگرام بناؤ۔ زندگی میں رہتے ہیں لیکن ان کی دوسرے زندگی کو کھن نہیں الماس ایک غلطی سانس لے کر وہ گئی۔

”انھوں نے گوتے خشک کرنے لگی۔

ذرا بعد ہم دونوں مسافروں کے لان سے آنے والی فلاٹ میں پہنچے منٹ دہ گئے۔

”جہاز تک روانہ ہو جاؤ؟“ الماس نے پوچھا۔

”ابھی تو خاصی دیر ہے۔“

”تو پھر اتنی جلدی کیوں کر کریں گی؟“

”بس غلط نہیں ہو گئی تھی، وقت کے بارے میں ابھی بتائی ہوں۔“

”الماس نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔“

”میں اونچے سے ہر جگہ۔ پنڈری فلاٹ کے دہان کے ماحول کا جائزہ لے لینا چاہتی تھی۔ میں با آواز گوئی کہ میں ابھی وہاں سے جا رہی ہوں۔

”ہوائی اڑنے پر اتنا پہلے سے تو میں شغلی ہوئی اس مسافر کو آنا تھا۔

”دعا میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی تھی۔“

”خدا میں نے سمجھا کہ وہ بڑی عظمت والا ہے۔“

”مسافروں کے لان سے مجھے باہر نکلا تھا۔ میں اس کی دیکھ کر بیٹھ کر گم ہو گیا۔

”خدا نے بتایا تھا کہ شہر ہمارے سامنے اس لیے ایک دینیاتی کو مہائی اڑنے پر دیکھ کر میرا چاہیے تھا۔ مجھے الماس کا خیال آیا اور میں تیزی طرف بڑھی۔

”الماس وہاں موجود تھی لیکن اس کا ہمارا غیرت تو ہے الماس! میں حیرت میں تھی۔

”جی... جی ہاں... بالکل... میں غصہ میں تھا۔“

”تمہارے چہرے سے تو چامک ایسا ہے۔“

”جیسے تم پر سون کی بیابان ہو۔“

”پتہ نہیں چلے گا کہ کون سی جگہ ہے۔“

”مجھے تو پتا ہے۔“

”ابھی تو کوئی شخص الماس کے قریب نہ ہونے کا کہہ کر اس کی لڑکی کے قریب پہنچ گیا تو وہ

”ادھر میرے ذہن میں مختلف صورت خیالات کے جھلک رہے تھے وہ دیرث نامی یاد آ رہا تھا جس میں نے لاؤنچ سے نکلے ہوئے دیکھا تھا۔ غالباً اسی کی کوئی شرارت تھی۔“

”خجیا کر کئی کئی کالماں نے میرے اوپر پستول نکال لیا تھا۔ مجھے اس طرح لاؤنچ میں دھکے کی کوشش یہ ظاہر کر رہی تھی کہ مجھے لیڈی فاروق تک پہنچنے سے روکا جا رہا ہے۔

”ڈاکٹر فونک کے جاشیں ٹوکس کا کردار اب میری سمجھ میں آئے تھے۔ اس نے واقعی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ہمارا ابھی میری سمجھ سے بالاتر تھا کہ الماس ان لوگوں کی آڑ کا لے رہی تھی؟

”یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری نظریں الماس کے چہرے پر جا رہی تھیں اور میں بھی محسوس کرتی رہی تھی کہ الماس یہ حد تک سہا ہے ہاتھ میں پستول ہونے کے باوجود زہن مونا اس بات پر ڈال تھا کہ الماس ایسے خطرناک حیلوں کی عادی نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے آج زندگی میں پہلی مرتبہ پستول ہاتھ میں لیا ہو۔

”اس افرو تری میں بائچ منٹ اس طرح گزر گئے کہ ان کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو سکا اور پھر جانک الماس نے پستول چھین کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”یہ جیت کا دوسرا حصہ تھا جو میرے اعصاب کو براہ راست کرنا چاہا۔ جس طرح الماس کے ہاتھ میں پستول کی موجودگی ناقابل تیاں تھی، اسی طرح پستول چھین کر دینا بھی حیران کن تھا۔

”باؤ! الماس نے جیسے چیخ ماری اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

”باؤ!..... باؤ! وہ میرے شانے پر سر رکھ رہی تھی۔ مجھے معاف کر دیجئے باؤ!..... اگر میں ایسا نہ کرتی تو وہ لوگ آپ کو مار دیتے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ الماس نے کیا کہنا چاہا تھا۔

”لوگوں کے جوہم نے بڑی تیزی سے ہمیں اپنے رخے میں لے لیا تھا اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ پولیس کو بلا دیا جائے۔

”میں الماس کی پٹیل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خالی المذہبی تھی۔

”اے اے! یہ تو نقلی پستول ہے، کسی طرف سے ایک چمکتی ہوئی حیرت زدہ سی آواز سنائی دی۔

”میں نے چمک کر اس طرف دیکھا جو دوسرے آواز آنی تھی لیکن جوہم کے باعث وہ شخص مجھے دکھائی نہیں دیا جس نے پستول کے نقلی ہونے کا اعلان کیا تھا۔

”الماس میرے کندھے پر سر رکھے، سسکیاں لیتی ہوئی، دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہ مشرقی پسید کا باشندہ تھا باؤ!..... وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں آپ کو لاؤنچ ہی میں روکوں۔ اس نے بڑے خوفناک انداز میں کہا تھا کہ اگر آپ لاؤنچ تک محدود رہیں تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اسی نے مجھے پستول بھی دیا تھا اور یہ بات کی تھی کہ میں آپ کو لاؤنچ میں روکنے کے لیے پستول سے دھمکانے سے

نہایت بڑی۔ چہرہ دراز، بیکسر، پسے چلا گیا اور اس کے بعد آپ انکی تھیں میں اس واقعے سے اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی کہ مجھے سے کچھ سوچا ہی نہیں جا سکا تھا اور جب آپ لاؤنج پہنچے جانے لگی تھیں تو مجھ سے وہی کچھ زبرد ہو گیا تھا جس کی مجھے ہدایت کی گئی تھی میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ لوگ آپ کو لالک کر لیں۔ غالباً یہی وہی لوگ ہوں گے جن کے لئے کامران کام کر رہا تھا۔

میں یونیان انداز میں بہت سے سہرا لے گئی۔ اب تو یہ بات بالکل حادہ ہو چکی تھی کہ فوکس نے مجھے بے وقوف بنانا چاہا تھا۔ وہ دیکھتا ہی رہتا تھا کہ شہر بہادر نامی ایک سید کے ملازم تھے اور شہر بہادر سے فوکس کا تعلق اس طرح ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے فوکس کو قتل کے قتل سے اسے کوئی چیز بھجوائی تھی۔

”اب یہ رونا دھونا بالکل بزدل ملازم!“ میں اس کے کان میں بولی۔ پولیس اب آیا ہی جاتی ہے۔ اگر تم بڑی دشواریوں سے بچنا چاہتی ہو تو اس بیان پر ہم جانا کرتے تھے۔ یہ مذاق کیا تھا۔ آپ تو ظاہر ہو رہی تھی کہ یہ بہت بڑی تھی۔ یہاں پولیس ہمارے خلاف کوئی سخت قدم نہیں اٹھا سکے گی۔

میری بات الماس کی کچھ میں اگئی اور وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

جب پولیس آئی تو الماس بالکل پرسکون تھی۔ لوگ پولیس کو بلانے لگے کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ سب کچھ سننے کے بعد جب پولیس آفیسر میری طرف متوجہ ہوا تو الماس بڑے سکون سے بولی۔

”وہ سب کچھ ایک مذاق تھا۔“

”کیا مطلب؟“ پولیس آفیسر کے لیے میں بددلی ہو گئی۔

”دراصل“ میں ہنسی ہوئی بولی۔ ”ملازم مجھے ڈاکٹر فریڈرک لیسنہا چاہتی تھی۔“

”جیک پولیس اس قسم کے خطرناک مذاق کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“ پولیس آفیسر نے مجھے کی سختی پر برقرار رہی۔ ”آپ لوگوں کو میرے ساتھ پولیس کسٹیشن چلانا ہوگا۔“

”یہ تو ممکن نہیں۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ”ملازم کی فلائٹ میں اب مختصر ذریعہ سادقت ہو گیا ہے۔ یہ پتہ ہی جاری ہے۔“

”قانون کو ملنے کے بغیر میں نہیں جاسکتی۔“

”تافون کو ملنے کرنے کی کوشش تو صرف میں ہی کر سکتی ہوں۔ الماس کو رخصت کر کے میں آپ کے ساتھ پولیس کسٹیشن چلی جاؤں گی۔“

”آپ اس معاملے میں پہلو لست ہو تو موت نہیں ہیں۔“

”کچھ ہی ہو۔“ میں نے شلے جھٹک کر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”الماس کی فلائٹ کسی قیمت پر نہیں ہو سکتی۔“

”کیا آپ تافون سے خبردار ہونا چاہتی ہیں؟“

”تافون؟“ میں نے مسخرانہ لہجے میں کہا۔ ”کیا یہ کوئی قانونی معاملہ

ہے؟ میں تو جیسی کہ لڑی کی مارتہ ہو رہا ہے۔“

”ہوئے لوگوں پر بھیسے گئیں۔“

پولیس آفیسر مایوسانہ کھجکا اور مجھ سے اپنی اپنی نفسوں پر تفریق سے جانیں۔

”جو کہ ہر جہہ ہمدی زیت کا متنازعہ نظر جاننے کی خواہش تھی اس کی بحث کا نتیجہ نکلا۔“

”میں پولیس کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کی ہمت نہ متعزز ہو گئے تو میں پولیس آفیسر سے بولی۔

”میں بہتر ہو گا کہ آپ الماس کو زندہ کریں۔“

”کوئی دیا تو آپ کے بڑے یہ کام کریں گے۔“ اگر اس تو میرا اس بڑوں تک بات سمجھنے کی اور جو گا کہ اگر آپ چاہیں تو میرا کارڈ دیکھ لیں۔ میں اپنا پرس کاڈ نکالنے لگی۔

کئی واقعات کی بنا پر مجھ پر پولیس میں نے ہو گئی تھی اور لوگ میرے صورت آشنا نہیں تھے۔ مقرر جانے لگے تھے۔ اسی نے میرا خیال یہ تھا کہ پولیس آفیسر کچھ جانے گا۔

خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ کارڈ پر نظر ڈالنا ہاتھ لپکا گیا اور جب کپکپاتے ختم ہوئے تو مجھ سے کہنے ہوئے چڑھے ڈھیلے پر گئے تھے اور انھوں پر دھند چھائی گئی۔

”وہ ذرا ابھر تفریق لیتے۔“ وہ ہاتھ کرنا ہوا والا اور ایک قدم اگے بڑھ گیا۔

”مقررہ میں نے ہی ملکر لے ہوئے اس پولیس آفیسر مجھے دوسروں سے الگ کر کے کسی کان تک نہ پہنچ سکے۔“

”کیا یہ کوئی خاص معاملہ ہے؟ وہ بڑے لولاہ اگر میری کوئی ضرورت ہو تو بلا تکلف جانا اگر خوشی ہوگی۔“

”یہ بس اتنا ہی معاملہ ہے جتنا آپ کے علم میں نے مسکرا کر کہا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“

پولیس آفیسر کے جسکے سے مات ظاہر ہوا پر اعتبار نہیں آیا تھا لیکن اس اتنی ہمت نہیں ہوا کا اظہار کر سکتا۔

بات ختم ہوئی اور میں الماس کے پاس جا بیٹھی۔

”کیا رہا؟“ الماس نے مضطرب انداز میں پوچھا۔

”کچھ نہیں، تم پلیٹان سے پتہ ہی جاؤ۔“ میں

”غالبا آپ کو اپنی سرکاری حیثیت ظاہر کرنا

فرمانی سے ملتی رہتی ہوں اور اس کھلے کے رکھتے ہیں۔“

”اگر ان چکروں میں کیوں اٹھائی ہو؟“

”کیا پر وگرم ہے؟“

”لو مندر ہوں گی۔ وہ لوگ تو ہاتھ دھو کر آپ کے ہاتھ خراب آئے۔“

”کہاؤ مجھے کب کیوں محدود رکھنا چاہتے تھے؟“

”میں کوئی کڑی۔“ گول کرنے کے لئے سہرا مجھے اس ملک پر کیا جا رہا تھا، پتہ ہی جانے لگا۔

”اگر کہ وہ طیارے میں پہنچ جائیں۔“

”میں دوسرا دے کر رخصت کیا اور جب اس کا میں آیا تو میں داپس جانے کے ارادے سے ٹھک۔“

”میں کوئی کڑی تھی۔ میں اپنے خیالات میں ایک چھٹی لیکن دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر براجمان تھا!

”میں نے بے اختیار نکل گیا۔“

”میں کب ڈاک کر دیتا ہے؟“ وہ اسٹیج سے لولا۔

”میں اس کی اور دروازہ کھول کر ڈاکٹر ٹینگ سیٹ کرتے ہوئے میں فوکس کی دیدہ دلی پر پڑو۔“

”کیا یہ جانیے خاصا فحاش آدمی ثابت ہو رہا تھا۔“

”میں اس امتحان میں پوری نہیں اتر سکیں۔“

”میں کوئی حرکت میں آگئی۔“

”میں نے فوکس سے ڈاکٹر ٹینگ کی رہی۔ میں نے اپنی کئی کئی اس کی عیالہ چال کو کچھ چکی۔“

”میں اب بھی نہیں پہنچ سکی تھی کہ اس عیالہ لوگ نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کیوں کی۔“

”میں کہہ رہا تھا۔ میں اس کی تمام تر ذرتے داری تم اصل مقصد سے ذہن میں تو یہ خیال ہی نہیں ہوگا۔“

”میں نے ہاتھ صاف کرنے سے پہلے ہی کسی خطرے سے گھبرا کر خود میرے ذہن میں بھی نہیں تھا۔“

”میں کو تلاش کرنا ہو گا جس نے غدار کی ہے۔“

”اس بات کا علم کیے ہو سکتا ہے کہ میں تمھارے دل کے پرس پر ہاتھ صاف کرنے والا ہوں!....“

یقیناً کسی نے تجھ کی ہے۔ میرے صحت درد آؤں کو اس بات کا علم تھا اس لئے میں آسانی سے پتہ چلاؤں گا کہ ان میں سے وہ کالی بھیر کون ہے؟“

”میں اب بھی کچھ نہیں بولی۔ میں فوکس کو زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ کسی نے کارڈ مٹا کر دے دے۔“

”جیک سے ٹیپ ریکارڈ کرنا ریکارڈنگ سوچے ان کر دیا تھا۔ اب جو کچھ ریکارڈ ہوئی وہ میں کس وقت فوکس کے خلاف استعمال کر سکتی تھی۔“

”تم اتنی خاموش کیوں ہو سیدہ بیوا؟“ فوکس مجھے ٹوک بٹھا۔

”خاموشی میں نے ایک طویل سانس لی۔ میں اس نے خاموشی ہوں کر میرے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں ہے؟“

”کیا تم ہمت ہار بیٹھی ہو؟“

”کس معاملے میں؟“

”میں اساتھ دینے کے سلسلے میں۔“

”لیکن میں امتحان میں ناکام ہو چکی ہوں۔“

”دوسرا امتحان بھی؟“

”کیا مطلب؟“

”اگر تم ایک شخص سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس ناکامی کا انزال ہو سکتا ہے۔“

”کس شخص سے؟“

”اس کا نام شہر بہادر ہے۔“

”فوکس کے لئے یہ نام سننے ہی مجھ پر ہر اردو عمل ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اپنے جذبات پر قابو پالے رکھا اور خاموشی سے فوکس کو کڑی رہی۔ فوکس اب شہر بہادر کے بارے میں دیکھ سب باتیں بتا رہا تھا جو مجھے پہلے ہی عنوان سے معلوم ہو چکی تھیں۔“

”آخر میں فوکس نے بوجھا۔“

”میں مقابلوں میں حقہ لینے گئوں تو شاید اپنے ملک کے چیمپین تو بن ہی جاؤں گی۔“

”دوری لگا! پھر تو تم شہر بہادر سے دوستی کرنے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو سکتی ہو۔ وہ جس طرح لکھا لڑی ہے اور ختم کو بلا جمانے کے لئے کلب ضرور جا گیا ہے۔“

”کس کلب میں؟“

”فوکس نے ایک کلب کا نام بتایا۔ میں وہ نام کھنسنے لگی۔“

”میں اس کا نام بتا رہی ہوں۔ میں اتنا اشارہ کالی ہو گا کہ لڑی کا مشہور ترین کلب ہے اور میں اس کا باقاعدہ ممبر ہوں۔ یہ ایربات ہے کہ میں جیسا کہ انکلی سے وہاں نہ جاسکی ہوں۔“

”رات کو نو بجے تک وہ کلب ضرور بند ہے۔“ فوکس نے بتایا۔

”میں آج ہی وہاں اس سے ملاقات کروں گی لیکن اس سے دوستی کرنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

یہ بعدی بات ہے۔ وقت آنے پر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔
 ہاں میں تب ہی اتنا اور بتا دوں کہ رشتہ نازوں جب تک راجی میں
 ہے، خیر بھاری کایا بھاری رہے گی۔
 "اور ہوا وہ دونوں ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہیں؟"
 "یہ تو وہی دونوں بتا سکیں گے۔"
 "لیکن تم بھی مجھے ایک بات ضرور بتا سکتے ہو؟"
 "وہ کیا؟"
 "ڈاکٹر نوٹس سی، آئی اے ایس ایچٹ کیسے بن گیا تھا؟"
 میرے اس سوال پر نوٹس کے ہونٹوں پر بڑی پرہیزگار
 پھیل گئی۔
 "کیوں؟" میں نے پوچھنے سے پہلو ہلایا۔ اس میں اس طرح
 مشکوٰۃ کی کیا بات ہے؟
 "تم نے اب تک بڑا خوش قسمتی سوال کیا ہے۔ کتنی تو دوسرے
 خوش پروری تھی۔"
 یہ حقیقت ہے کہ میرا سوال اس گفتگو سے میل نہیں کھاتا تھا۔
 میں یہ سوال غصے اس لئے کر رہی تھی کہ اس کا جواب دے کر نوٹس کی آنکھوں
 سے اپنے تعلق کا ثبوت دے بیٹھا اور یہ بات دیکھاڑ ہو جاتی۔
 "ہاں" میں نے آہستہ سے کہا۔ میرے سوال واقعی بڑا الگ
 تھلک سا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گفتگو کے دوران میں یہ حال میرے
 ذہن میں موجود تھا۔ میں اس کی بات سے یہ بات سوچتی رہی تھی کہ جب تم سے
 ملاقات ہو گی تو میں یہ سوال ضرور کروں گی۔ ذہن میں جب پہلے ہی سے
 کوئی بات موجود ہو تو گفتگو کے دوران میں وہ بے موقع بھی زبان سے
 نکل جاتی ہے۔
 "تمہاری توجہ قابل قبول ہے۔" نوٹس ہنس رہی تھی۔
 واقعی تمہارا یہ جواز حقیقت پر مبنی ہے؟
 میں نے ایک بار پھر پوچھنے سے پہلو ہلایا۔ "آخر خیر سے
 ایک میلہ سے سادے سوال کو کیسا رنگ دینا چاہتے ہو؟"
 "میں تو سے کوئی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ ہاں اسے اس کے اصل
 رنگ میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔"
 "اصل رنگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"
 "چھوڑو اس بات کے۔ ہم اس موضوع پر کچھ کھینچ کر دیکھیں گے۔"
 اب تک لاٹری لوگ دو تھیں نہیں اترتا ہے۔
 میں نے ایک طویل سانس لی اور میرا دایاں ہیرا ایکلر ٹرسے
 ہٹ کر بریک پر رکھ دیا۔
 جب لاٹری لگ گئی تو نوٹس دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ معاف
 کرنا صبیحہ سینو! میں نے تمہیں ایک چھوٹی سی زحمت فراہم کر دی ہے
 تم نے ٹیپ دیکھا تھا ایک دار کھینچ کر لایا۔ وہ میں نے لاٹری دیا
 تھا۔ اچھا لگتا ہے! اس نے لاٹری سے ترکہ زور دیا اور دیکر

ساتھ دروازہ بند کیا۔
 مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھے پھانسی
 دیا ہو۔ نوٹس کے اس گفتگو سے میرا جوڑو
 دیکھاڑ کا ایک دائرہ چمکا ہے۔
 میں ایک ڈیڑھ منٹ تک اس اوصاف
 کو پیش کرتی رہی اور آخر میں نوٹس کو زور پر
 اشارہ کر کے چل پڑی۔ وہ بھرت بلا کا عیار
 سے پینٹا شاید نوٹس سے بھی زیادہ مشکل ثابت ہو
 نوٹس ایک سفاک آدمی تھا جو ہر کوئی
 تھا، جیسا کہ نوٹس نے غصے سے دماغ سے
 قسم کے نوٹس، نوٹس جیسے آدمیوں سے زیادہ
 یہ اثر ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو تابو میں کرنا
 میں نوٹس کے بارے میں سوچتی ہوں کہ
 جب ایک ایسویٹن میری گاڑی کے برابر سے نکل
 پنڈلی کے زخم کا خیال آیا۔ گو کہ میں تکلیف
 ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ایک مرتبہ ڈرنگ
 گھر جانے سے پہلے ہول ہسپتال پہنچی اور ڈرنگ
 "لا شام کو آپ خود ہی پینٹنگ تار کھینچیں
 بعد زس نہ کیا تھا۔
 "شکر ہے بی بی!" میں نے قبول صورت
 اور باہر نکل آئی۔
 اس روز سو کم پلاؤنگو اور کھانا
 ٹیبلے تیر رہے تھے اور کھینچنے کی مشق
 سادہ ہنگاموں کو کھینچ کر کھینچ کر
 نوٹس تک پہنچیں۔ غلامانہ لگ گیا
 سے ڈرنگ نوٹس کی تھی۔
 میں لاٹری کو لوہے میں کھینچ کر کے
 پکیتی ہوں میرے قریب آئی۔
 "غزالہ بی بی آئی ہر ڈرنگ روٹم
 بولی۔
 "تو اس میں اتنی گجراٹ کی کیا بات
 ہوئے کہا۔
 "ان کے ساتھ شہانہ بی بی بھی ہیں۔"
 "اوہ! میرے جسم میں جیسے شرب
 "شہانہ بی بی کی حالت ایسی ہے جیسے
 فریڈ نے بتایا۔ انہیں ٹیبلے سے انکڑے شکل
 لپٹا تھا۔

اب میں ہوں۔ وہ سوچتے سوچتے اسرار میں تھا اس لئے یہ کہاں آئے گا۔
 ہی مکمل طور پر بے ہوش ہوئی ہے۔ راستے میں تو یہ جانے گیا کیا ارٹ
 پٹانگ پر شہانہ ہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا رہا تھا جیسے یہ شرب کی کئی
 بوتلیں بن گئی ہوں۔
 "غزالہ پتاہ غزالہ!.... آخر تمہیں یہ سب کچھ گزرنے کی ہمت
 کیسے ہوئی؟"
 "میں آپ کی خاطر سے کھنہ باندھ دیا تھا۔"
 "لیکن اس سے فائدہ؟"
 "یعنی اب فائدہ بھی بتانا پڑے گا؟" غزالہ آنکھیں نکال کر بولی۔
 اب یہ آپ کے دم کھم پر نہیں ہے؟"
 "اس سے کیا حاصل؟" میں نے ایک خالی صوفے پر بیٹھ کر پوچھا۔
 کہا۔ یہ خواہیدہ بدن اور مردہ جیوں میں میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے
 اور مردہ جیوں سے کس بدلت لاف تو کہی مجھے کہ بہت اگلیز معلوم ہوتا
 ہے۔"
 "اور رسوا؟" غزالہ دونوں آنکھوں سے سرمہ کھانے پر لڑائی
 بیٹھ گئی۔ یہ تو گویا میری ساری محنت پرانی پھر گیا!
 "خاطر ہے کہ تم نے ایک بے کار راستہ اختیار کیا۔ اگر تم مجھے بات
 کر دیتے تو میں تمہیں اس کا شورہ ہرگز نہ دیتی۔"
 "یہ نہیں ہو سکتا۔" غزالہ جیسے غصے سے غرا کر ایک جیسے سے
 کھڑی ہو کر بے ہوش شہانہ کو کھڑے ہوئی۔
 "کیا نہیں ہو سکتا؟" میں بولی۔
 "میری محنت پرانی نہیں پھرنا چاہئے۔"
 "یہ قیاسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے ہوش آجائے اور میرے
 اظہار محنت پر کوئی احتجاج نہ کرے۔"
 "میری ہو گا؟" غزالہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے اس سے
 اپنی خواہش میں پہنچا دیجئے۔"
 "کیوں؟"
 "بس یہ نہ پوچھیے۔"
 "تمہارے ادا سے تو بہت خطرناک معلوم ہو رہے ہیں نہیں
 نہیں کم کو کسی بے ہوش سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانے دیتی۔"
 "آپ غلط سمجھ رہی ہیں؟" غزالہ ہنس پڑی۔ یہ میرا وعدہ
 ہے کہ جب تک اسے ہوش نہیں آئے گا، میں اس کے قریب نہیں جاؤں
 گی۔"
 "آخر تم چاہتی کیا ہو؟" میں اسے الجھتی ہوئی نظروں سے دیکھنے
 لگی۔
 "میں جو کچھ بھی چاہتی ہوں، وہ از خود آپ کے سامنے آجائے
 گا اور اب اگر آپ نے مجھے سے کوئی سوال کیا تو میں آپ سے رُخ
 جاؤں گی۔"

میرا چہرہ بھی دیکھ دینے لوں میرے دل سے بھی جا رہی تھی گو کوئی سبیل نکلا اُسے لیکن غزال کا رویہ انھیں میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ اگر وہ مجھے قبل از وقت ہی بتا دیتی تو میرا خیال یہ کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس کے سر پر شاید وہ صحن صحن چوٹی تھی کہ مجھے مبتلا نہ کر سکے۔ آخر مجھے اس کی لاج رکھنا پڑی غزال نے شہزاد کو میرے بستر پر اس طرح ڈالا کہ مجھے سوسوں ہوا جیسے بھوہلوں کا ڈھیر بکھر گیا ہو۔ وہ شعلہ بدن سا گرمی میں ملبوس تھی لیکن اس کی ساری کا آہٹل کہیں تھا اور وہ خود کہیں تھی مبینہ اسٹائل میں بندھی ہوئی ساری نے مجھے عجیب و غریب لکھ دیا تھا۔ اس زمانے میں ساری کا یہ اسٹائل عام نہیں ہوا تھا۔ ”اب آپ کمرے سے باہر فرشتہ لے جائیں“ غزال نے مجھ سے کہا ”میرا خیال ہے دس بندرہ منٹ میں اسے ہوش آنے ہی والا ہے۔ جب سے ہوش آجائے گا تو یہاں ایک عجیب و غریب تماشا ہو گا۔ آپ کو عجیب عجیب سی آواز سنائی دے گی لیکن غبر وار جو آپ نے کمرے میں قدم رکھا۔ آپ کی دخل اندازی سے میرا دل مارا بگڑے گا۔ ہاں پانچ سات منٹ کے بعد آپ کو اندر آنے کی اجازت ہے“

”کوئی سوال نہیں!“ غزال اٹھ کھین نکلا کر پوئی۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور کمرے سے نکل آئی غزال کے سر پر جو بھوت سوار ہو گیا تھا، اُسے میں کسی طرح بھی نہیں اتار سکتی تھی۔ کمرے کے دروازے کے قریب ہی میں نے ایک کرسی ڈال لی اور بیٹھ کر سوچنے لگی کہ دیکھئے بدوہ عیب سے کیا ظہور میں آئے۔ وقت گزرتا رہا اور شہزاد میرے حواس پر حکومت کرتی رہی۔ وہ خوش بدن، وہ خوش ادا، بہت عرصے سے میرا امتحان لے رہی تھی اور آج شاید اس امتحان کے خاتمے کا وقت آگیا تھا۔ آنے والے لمحات میں شاید کوئی لمحہ ایسا بھی تھا کہ جسے میں نکتہ آسودگی کہہ سکتی۔ پنجیس منٹ اس طرح گزرے جیسے پنجیس گھنٹے گزرے ہوں اور چھ بیس منٹ پھر کمرے میں ایک جگہ سنائی دی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ جہ غزال کی تھی یا شہزاد کی، لیکن اس پیچ کو سننے ہی میں اچھلی پڑی اور کمرے سے کھڑی ہو گئی۔

اب کمرے میں ایک قہقہہ گونج رہا تھا۔ وہ قہقہہ بقا غزال کا تھا لیکن خدا کی پناہ! اس قہقہے میں ایسی وحشت تھی کہ سنکر رونے لگے کھڑے ہو جائیں۔ میں بے اختیار دروازے کی طرف جھپٹی لیکن اس وقت میرے ذہن میں وہ افکار گونجنے لگے جو غزال نے کہے تھے۔ یہ جیسے ہوش آجائے گا تو یہاں ایک عجیب و غریب تماشا ہو گا۔ آپ کو

عجیب عجیب آواز سنائی دے گی لیکن میں قدم رکھا۔ آپ کی دخل اندازی سے ہاں پانچ سات منٹ کے بعد آپ کو اندر میں ٹھٹھک کر دروازے سے دوہیں اس وقت میں نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی ہوا آواز سنائی دی۔ وہ مدد کے لئے کہا دھنیا دھنیا اس کی آواز پر بکھری پڑ رہی اس ہنگامے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری کمرہ اور نکل آئیں۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اور اشارہ کیا کہ وہ داپس چلی جائیں۔ میرے آواز جاتا ہلا کر ان کی پریشانی اور حسرت، دیدل میری خوب گاہ میں ہنگامہ جاری تھا اٹھا پٹج، مدد کی پکار اور دھنیا دھنیا قہقہہ ایسے پڑ رہا ہو۔

غزال نے مجھے پانچ سات منٹ بعد کمرے میں لیکن میں نے نکتہ ”سات“ کو فراموش کر رکھا اور جھٹٹٹ شروع ہوئے ہی۔ دروازے کے ساتھ کھنٹی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ کمرے کا منظر وقوع کے مطابق ہی تھا کہ میں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ ایک درزی گڈان، کرشم پر لڑھک رہا تھا۔ دوسرا طرف پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور سب سے کوشید کمرے کے ایک کونے میں ڈکی ہوئی۔ کلاب رہی تھی اور خوف سے اس کا چہرہ زرد کھل چکا تھی اور اس کا بہت بھونکا سا حقارتی نتیجہ کہ ساری فرش پر پھینکی تھی اور اس ساری رقص جاری تھا وہ اپنے دائیں ہاتھ میں پھل تھی اور اپنے اس ہاتھ کو بڑے خوفناک انداز میں ہار رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز سننے ہی غزال دیکھا اور مجھ پر نظر پڑنے ہی وہ اچھلی کر میری طرف

”کیوں آئی ہو یہاں؟“ اس نے کہا پھر مجھے آنکھ بھی ماری۔ وہ جو تک میری طرف متوجہ ہوئی تھی اس کے گوشے سے نکلتے کا موقع مل گیا۔ وہ دروازے اس کی ساری غزال کے کمرے کی کیجیے دہلی ہو گئے ہی شہزاد کی کی کوٹ میں اڑا ہوا آخری

کمرے میں اس کا ہاتھ سے بچا ہے۔ ”شہزاد میرے سینے پر وہ بڑی مشکل سے بول سکتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی سانسیں میری پٹنی جا رہی ہو۔ میرے تباہ دل سے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا لیکن کرنے رہا تھا کہ یہ دیکھ کر غرور و نخوت ہے جس نے ایک لمحہ میرا دل تھلا۔ ”اے غزال ایک مرتبہ پھر گرجی اور ساتھ ہی اس نے ”اے غزال“ کہہ کر مجھے بھی گئی کو غزال اس ڈیلے سے کیا نتائج حاصل کرتا ہے؟ اگر میں چھوڑ دوں گی تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اس کو کچھ اور سنیٹے کی کوشش کی میری اس کوشش میں کامیاب نہ رہی غروریت چھٹکارا ہوا تھا۔ میرے تن بدن میں شہزاد کا وہ ایک لمحہ لپک لپکا ہوا وہ بحر شہاب سے اٹھنے کے بعد کچھ نفاس اٹھنے کے بعد سب سے شہزاد کے جسم میں اداں، شراروں اور کیلیوں کا ایک شہر آباد تھا جہاں میں

”ہاں۔۔۔۔۔۔“ میں نے شکر غزال نے ایک دھنیا دھنیا قہقہہ لگایا اور پوئی۔ ”اس سے محبت کرتی ہو؟“ ”جہاں ہی محبت پیدا ہے۔ یہ تو کسی سے بھی محبت نہیں

”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد کے کان کے قریب منہ کر کے سرگوشی کی۔“ ”میری بھی ایسا ہی کامیاب دورہ پڑ سکا ہے اور اگر ایسے میں کوئی بات اس سے ہو جائے تو قیہ خط ان میں بھی ثابت ہو سکتی ہے۔“ ”اے شہزاد، میری سر ہو؟“ ”غزال آنکھیں نکال کر پوئی تو تم

”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“

”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ ”اے شہزاد، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“

شہزاد کا جسم بالکل تھکا ہوا تھا اور وہ سینے میں ڈکی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے اوپر زردی، ناچتی، چمکتی ہوئی، پسینے کی قطرے مٹی بوندوں کو میں امرت سمجھ کر اپنی گلی اندر بڑے ذہنیت سے مٹا رہی تھی۔

غزال کا رہا ہوا کھل سونہری کامیاب ہو چکا تھا۔ اس ڈیلے میں فطری رنگوں کی اندھکتی تھی لیکن شہزاد اس درجہ خفا ہوئی تھی کہ شہزاد کا دماغ کامیابی نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ فطری طور پر سبیل ہوئی ہو تو اس ڈیلے کے کچھ کن کو صاف محسوس کر سکتی۔ جب میرے پیاسے ہونٹ اس کے چشمہ علیوں سے ایک لمبا ٹھوٹ نکلا کہ گاہے گاہے زندگی پھر حرکت میں محسوس ہوئی۔ چند لمحوں میں تو وقت جیسے چند لمحہ گزر رہا تھا۔

”تم نے دیکھا!“ میں غزال سے مخاطب ہوئی تو میری آواز میں ”ہی“ یہ دانی مجھ سے محبت کرتی ہے۔ ”یہ نبوت نالافی ہے“ غزال غمزائی۔

”تم ادھر آؤ شہزاد!“ میں نے کہا اور اس کے پھولوں بدن کو ہاتھ دے ہوتے اپنے بستر کی طرف لے گئی۔ وہ کمرے میں اس کی طرح میرے اشارے پر چل رہی تھی۔ میں نے اسے بستر پر لٹایا تو اس کے پی کی کوٹ نے ادھر ادھر کر کر صباوت و ملاحات کی ایک نشین دستاویز شادابی میری آنکھوں نے اس دستاویز کو پڑھا تو میرے جسم کی گہرائی میں سونیاں سی ٹوٹنے لگیں، آنکھوں میں ٹپکانی گلابی شراب ناچنے لگی اور کانوں میں ایسی سائیں سائیں ہونے لگی جیسے رگ و پھ میں ٹھونک لپٹے گا ہوا، کھولتے لگا ہو۔

میرے منہ کی بندشیں تڑاخ تڑاخ کر کے ٹوٹ گئیں اور میری بے چین درخشندہ آنکھوں نے سارے بند تباہوں ڈالے۔ غور بھی آشکارا ہو گئی اور اسے بھی منکشف کر دیا۔ وہ ٹھٹھک جھٹکے ہوئے کوٹھے، وہ جھل جھل کرتی ہوئی کمرہ اور منکشف ہوئے سارے کوٹھے دھکیل دینے والے شہزاد کی وہ اطمینان ایسی تھی کہ میرے جسم کے اندر دھکیلے ہوئے تھے۔ ایک جواں لکھی، پھٹ پھٹنے کے لئے تھی تو میری آنکھوں میں ان گنت رنگ اتر گئے تھے۔ ہرے، پیلے، لال، گلابی نیلے رنگ۔۔۔۔۔۔ اور میں رنگوں کی اس برسات میں بھیکتی ہوئی ہونٹوں حواس کی دنیا سے دور نکلی جا رہی تھی۔

شہزاد کا جسم ابتدا میں بالکل سرو تھا مگر تاکہ یہ وقت کے آواز سے انحراف ناممکن ہے، غیر فطری ہے۔ ٹھٹھک کہتے آہستہ آہستہ کم ہوئی اور پھر اس کی جگہ، بتدریج بدلتی ہوئی پیش نے لے لیا۔ میں اس کے بدن کی گوشتیں مسکتی تھی اور دھیرے دھیرے ملنے ہوئی پکارا پر لبیک کہنے کے لئے میرے بدن کا ریشہ ریشہ ہٹ رہا تھا۔ ہونٹوں کی سرگوشیاں مولوں گتے میں مدغم ہو گئیں اور

آدری تھی نہ جانے کہاں کہاں لے گئی۔ میں نے ہتھاب کو پکی آکھوش
میں طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور خود کو اس مہتاب کی گھائیوں میں
غم ہوتا ہوا محسوس کیا۔ کاش بدنام دھمال کے وہ لمحات، بچہ کی گیسر
کی طرح دائم و قائم ہو جاتے اور میرے ہوشوں پر جزم ہوتی ہوں سدا کیل
کبھی اسودہ نہ ہوں۔ میری چادر ہاتھ، وقت سے کہوں گے جالام
بھتر جا رہی ہے ثبات چاہتے ہیں، ان لمحوں کو اس حیثیت دکھانے ہے۔ اور
وقت اور صفا وقت! تو سنائیوں کہیں؟ دیکھو تو وہی آج شانہ
کی جوانی بچہ فرزند کر رہا ہے۔ کیا تو نے کبھی شہاد کو نہیں دیکھا؟ نہیں
دیکھا تو آج دیکھو۔ ہاں، یہ شہاد، یہ جو میرے سینے پر بکھری ہوئی ہے؟
یہ جو میرے وجود پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ جو سلمے زمیں ہے۔ یہ جو غیرت
ناہید ہے۔ کیا تو نے اس کی آواز نہیں سنی؟ اس کے گلے میں ساگوں کا
جمن بھکتا ہے۔ اس کی حال دیکھ کر اس رن رسما کا دل دھڑک اٹھتا ہے
اس کی نظر چٹکتی ہے تو پھر کو تو مٹا دیتی ہے اور جب اٹھتا ہے تو بچے
شرما جاتے ہیں۔

میں میں یہ سب کچھ نہ کہہ سکی۔ خواہش کے باوجود مجھے کچھ
کہنے کا جوش نہیں تھا۔

وقت، بہرہ وقت، ظالم وقت گزر گیا۔ میرے پیٹھیں لیتے
ہوئے جسم میں بارے جھٹن نہ رہی۔ ایک دھڑکھلا اور میرے ہوش مٹتا
ہو اسیال آخر ایک نکتے پر اگر لفت و انبساط کے سنگ پر کھج رہا۔

پھر وہ کی منٹ کا دفتر تھا جو کونٹ کی آکھوش میں گولہ اس کے
بعد جب میں نے آکھوش کراد کر کا جائزہ لیا تو مجھے انظر نہیں
آئی وہ نہ جانے کب کسے سے چلی گئی تھی۔ شانہ کا سر میرے دائیں
بانہ پر رکھا ہوا تھا اور میری زلفیں میرے چہرے پر بھی کھجی ہوئی
تھیں۔ وہ آکھیں نہ کہے ہوئے تھی بلکہ سنہری زلفیں اس کے
گندہا ہلی بھٹکا رہے تھے۔ میں نے ایک بھر چھری لی اور کوس
کیا کہ اگر شانہ کچھ دیر تک ای طرح میرے قریب رہی تو میں ایک بار
پھر گرہاں جاں عالم میں، دھتوں کے کھوکھری طرف نکل جاؤں گی۔
"جی! میرے برفٹ اس کے کال پر کھٹکنا ہے۔" اب آکھ
جاؤ چننا۔

مٹھی پکیں اس طرح آکھیں کہ میرے دل کی دنیا زیر و زبر ہوتے
گئی۔ اس نے اپنی ٹوڑا اکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور
پھر نظر اٹھا کر کسے کا جائزہ لینے لگی۔

"ڈرو نہیں؟" میں بولی "وہ پاگل اب کسے میں نہیں ہے؟"
شانہ نے پھر آکھیں بند کر لیں۔ میں نے غصے کا کدہ بتر سے
اٹھتے ہوئے شہاد پر ہے۔ میں نے مناسب ہی سمجھا کہ ہاتھ تو دم میں پکی
جاؤں اپنا طبلہ درست کر لوں اور اسے جو بھی ٹھیک ٹھاک ہونے کا
موقعہ دوں۔

ہاتھ تو دم میں جا کر اپنا طبلہ درست کئے ہوئے
ہاے میں سوچ رہی تھی کہ وہ آفت کی پر کال نہ جانے
برگئی ہے۔

جب میں ہاتھ تو دم سے نکل تو شانہ ساری اندھ
ٹیٹھی ہوئی تھی اور اس کی نظریں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے
میں دیکھا اور دیکھ کر اس سے غلاب ہوئے بغیر کسے کا کما
گئی چٹل کا گولہ ان آکھ کر صبح گھر پر رکھا۔ کبھی شہاد
دوسری تختہ چڑوں کو بھی بھلا۔ ان کا ہوش میں ہے
گئے اور اس دوران میں شانہ چپے چاب بھی رہی
"ہاں! میں ایک بول سانس نہ کر سکی کہ اس کی
"اب بتاؤ کیوں بولے؟ چاہئے یا کوئی ٹھنڈا مشروب
تو ابھی ہوا نہیں ہے۔"
"میں جانا جاتی ہوں۔" شانہ بھڑائی ہوئی
کی نظریں تو نورش پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ متوجہ
کلک کی طرح نظر آ رہی تھی۔

"پہلی جانا اب اپنی جلدی بھی کیا ہے۔"

ہوں۔ چلنے کے لئے کہاؤں۔
وہ شاید مجھے روکنا چاہتی تھی لیکن اس کے
سی لڑش ہو کر رہ گئی۔ میں سکتی ہوئی کسے سے
لے کہنے کے ساتھ ساتھ میں بھی دیکھا جاتی تھی کہ
فریڈ نے مجھے ایک نغافہ یاد دلایا
غزالہ بی بی نے گئی ہیں۔
میں نے نغافہ چاک کیا اس میں میرے

خط تھا۔

بالو!
آؤ نہ دے دھال کی گیل مبارک!
مجھے انعام نہ دیا تو یہ زیادتی ہوئی۔
وقت گھر پہنچنے کی جلدی ہے اور وہ جاں

آپ کو بالکل جلدی نہیں ہوگی لہذا میں
شام کو یاں صبح آؤں گی۔

"فریڈ! میں نے اس خط کو پڑھنے کے
"تم میرے کسے میں چاہئے گا۔ وہ کھانے میں
"جی ہاں! ایک گندہ گئے گا۔"

میں نے کسے میں لوٹ آئی جہاں شانہ
پر ٹپٹی تھی اور اس نے سب اپنا پلٹا ہوش
میں اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور بائیں اس کے

کہا تم مجھے نہ ناراض ہو۔
میں نے اسے ایک بنگ مجھ سے غزالہ کے ہاے
ماں تھا انداس سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ اب اس
کی ہے۔

لی! میں نے کہنا شروع کیا کہ تم میری افتادہ طبع کو تو
گولہ! ہاں! جی! تو فوراً لوٹ کر اس کی سر کردہ رہی ہیں،
میری سب سے بڑی سر کردہ رہی جی! کہ جب میں نے نہیں
ماں! اُمی وقت نے میرے دل کے اس کونے میں جگہ
اور دوسری لوگوں کا گزرتا نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت سے
میں نے دو ماح میں بہکتی رہی جو میری پکوں کی طبع
کا لاکھ بھلا نادر ہاے۔ میری سانسوں میں تھانے
شست کو بختی رہی ہے۔ جی! تم میرے حواس پر چھائی رہی
اس کے کہ تم زندگی بھر میرے حواس پر چھائی رہو گی۔ میں
میں بول سکتی۔
طبع کھری ہوگی۔ میں اب جانا چاہتی ہوں،
چاہئے تو۔۔۔"

ب جاؤں گی۔" شانہ کچھ دھماکی ہو گئی۔
میں نے ایک بول سانس لی۔ "میں تہدی مرضی۔ او۔"
گولہ کر دو اسے کی طرف بھیجی۔

میں نے پیچ کر اس نے اپنا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا "شکریہ
ماں! گی۔"
اس نے کہا میں بھڑکتی ہوں۔
گھر میں کسی کر لیں گی۔
میں نے کسی مناظر میں ہوتا ہے۔

میں نے ایک بول سانس لی۔ "میں تہدی مرضی۔ او۔"
گولہ کر دو اسے کی طرف بھیجی۔
میں نے پیچ کر اس نے اپنا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا "شکریہ
ماں! گی۔"
اس نے کہا میں بھڑکتی ہوں۔
گھر میں کسی کر لیں گی۔
میں نے کسی مناظر میں ہوتا ہے۔

آؤ نہ دے دھال کی گیل مبارک!
مجھے انعام نہ دیا تو یہ زیادتی ہوئی۔
وقت گھر پہنچنے کی جلدی ہے اور وہ جاں

آپ کو بالکل جلدی نہیں ہوگی لہذا میں
شام کو یاں صبح آؤں گی۔

"فریڈ! میں نے اس خط کو پڑھنے کے
"تم میرے کسے میں چاہئے گا۔ وہ کھانے میں
"جی ہاں! ایک گندہ گئے گا۔"

ہاتھ تو دم میں جا گئی۔ میں منٹ میں نے ہاتھ شب میں گولہ دے لاور پھر
بدن خشک کر کے شہاد روٹ بہن لیا۔

کھا کھانے کے بعد مجھ پر غمزدگی مسلط ہونے لگی تھی اس نے میں
پڑ کر سو گئی جب میری آکھ ٹپٹی تو شام پر ہو گئی۔ بداری کے بعد بھی میں
کچھ دیر تک بیٹری رہی رہی۔ مجھے وہ بچتے ہوئے لمحات یاد آنے لگے
جو میں نے شانہ کے ساتھ گزراے تھے۔ ان یادوں نے میرے جسم میں منٹ
بھردی اور میں خود کو بہت جاک و چونڈ غصے کر سکی۔ میں نے آکھ کر
لاٹھ جلائی اور ہاتھ تو دم میں جا کر نہ پانی کے چھیکے ہاے۔ اب مجھے
کب جانے کی تیاری نہ تھی۔ میں نے الماری سے کچے سرنگ کی ٹپٹی
ساری نکال کر ابھی۔ اس شام میں ہی کھلی گئی تھی اس نے الماری
سے سیاہ رنگ کا اسٹول بھی نکالا اور اپنے شانہ پر ڈال دیا۔ اسٹول
میری ایک جگر نے پچھلے سال کے فرانس سے بیجا تھا۔
آکھ مجھے میں اپنے کسے سے نکلے کا لادہ کر رہی تھی کہ بہر کسی
موٹر سائیکل کے کسے کی آواز سنا لی دی۔ غالباً رضوان ہو گا۔ میں نے سوچا
اور ذرا دیر بعد ہی میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ فریڈ نے اگر بتا دیا تو کھنگ
میں رضوان پر اسٹول ہے۔

میں اپنے شانہ کوں پر اسٹول درست کرتی ہوئی ڈانٹ لگ دے دم میں داخل
ہوئی تو رضوان ایک منٹ کھڑا ہو گا اور آکھیں چھوڑنا تو کچھ دیکھا ہوا
بولانہ۔ "کیسے قتل کرنے کی تیاری سے خانوں؟"
"میں جو بھی مل گیا اس کی خبر نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"سب سے پہلے تو یہ ای لاٹھ کرے گا۔"
"نہیں میں انٹھو! تم کو گزشتہ چوری کھلاؤں گی۔"
"یہ والی چوری؟" رضوان نے اپنے کال پر ہنگی لکھ کر بڑے
اشیاق سے پوچھا۔

"یہ والی چوری کھانے کی تو تم میں بہت ہی نہیں ہے۔"
"الیا کیسے! اگر میں کسی روز تقریر کو لیں گا ایک ڈونر لے
بیٹھا تو آپ کی خیریت نہیں۔"
"تھوڑا سا میں چھوڑا اور میرے ساتھ آؤ! میں نے دانے
کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اپنی موٹر سائیکل میں کھڑی رہنے دو۔"
"لیکن چلنا کہاں ہے؟"
"تم آج دلی بھر کہاں غائب ہے؟" میں جواب دینے کے بجائے
سوال کر رہی۔

"آپ ہی کے حکم کی قیاس میں کھا ہوا تھا۔"
"کیا مطلب؟"
"آپ نے فرمایا تھا نا کہ شیر بہاؤ کا اسٹرڈیو لو۔"
"ادہ ہاں! اچھا بھروسہ۔"
"اس نے آج شام کو جا کر مجھے بلایا تھا۔ اس سے کوئی ٹیڑھ
گئے ملک بڑی پرچسپ گفتگو رہی۔"

آؤ نہ دے دھال کی گیل مبارک!
مجھے انعام نہ دیا تو یہ زیادتی ہوئی۔
وقت گھر پہنچنے کی جلدی ہے اور وہ جاں

آپ کو بالکل جلدی نہیں ہوگی لہذا میں
شام کو یاں صبح آؤں گی۔

"فریڈ! میں نے اس خط کو پڑھنے کے
"تم میرے کسے میں چاہئے گا۔ وہ کھانے میں
"جی ہاں! ایک گندہ گئے گا۔"

”یہ ہوا ہے جواب! کلب کا سکرٹری بھی بول بٹا۔“ کیا خیال

”مرگي!“ ميں نے منہ سے نکلا اور میں جیسے منہ
یہ جان کر صدمہ پہنچا تھا کہ نومی جیسی خوش بدن لڑکی

۱۔ اہل سرکار ہی کو ترسیل پر بھیج دیا اور اس
 کے طرف مڑ گئی۔ جب میں دروازہ

”جی ہاں، تیسرے ہمارے کہہ میں اپنے گھر پر ایک جین کا
اہتمام کر رہا ہوں۔ شطرنج کے تمام اچھے اچھے کھلاڑیوں کو اس جین میں

بڑھاؤں۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ میں اس میں مری طرح الجھتی تھی۔
یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کبھی مجھے یوں محسوس

مقیم ہوتا چلا گیا کہ مجھے صوبہ سرحد کے اُس مقام کا رُخ
آدمے ٹھنڈے کے اندام میں نے کراچی

میں نے کہا کہ میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ

دکھائی دیتی کہ اس ایک پہرے پر چھٹتے ہیں۔ یہاں پر اسے کھانے کا پہرہ
تھا جس نے ذرا دیر قبل میرے ذہن میں غلطی پیدا کر دی تھی۔ وہ سر کھانے
اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے کسی گرم کپڑے کا بکس کھٹ اور سفید تیلون

پسین دکن تھیں سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے اور یہی حال گھنی ہو چھل کا تھا اس نے مسند پر فریج کی بینک لگا رکھی تھی جس کے ٹیبلٹ خاصے سولے معلوم ہو رہے تھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سرنگار دیا ہوا تھا جس کے سرے لہجی کوئی ناگہیہ ظاہر کر رہی تھی گردہ چھچھو کا تھا۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ مسافروں سے درخواست کی جا رہی تھی کہ وہ چٹار جانے والے ٹیبلٹ میں پہنچ جائیں۔

بہت سے مسافروں کے ہاتھ میں بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور ان کے گھٹکھوں سے دیکھا کہ وہ بڑا چٹا پیچھے سے نہیں ہلا تھا۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی بیٹھے رہے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کو بعد کی کسی فلاح سے کہیں جانا پڑا۔

میں اندونئی دروازے سے دن دے کی طرف نکل گئی۔ وہاں ایک دین مسافروں کو طیارے تک جانے کے لئے موجود تھی۔ میں اس میں بیٹھ گئی۔ جب ساری ٹیبلٹیں پھر گئیں تو دین کے دروازے بند ہو گئے اور وہ حرکت میں آ گئی۔

میں خواہ مخواہ الجھن میں پڑ گئی ہوں میں نے اس بوڑھے کا خیال کرتے ہوئے سوچا۔ یہ ایک نام نہاد ہے کہ بعض چہروں کو دیکھ کر خواہ مخواہ شہنائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

میں نے سوچنا کہ اس بوڑھے کے خیال کو اپنے ذہن سے نکلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ جب دین کی آمد مسافر آخر آخر کھڑا کر کے طرف ہٹ گئے تو میں دین ٹھٹھنے لگی۔ مجھے دین کا انتظار تھا جو اتنی دکھائی دے رہی تھی۔ دین کی دیر بعد وہاں کی اور اس میں سے مسافر اترنے لگے میں ایک ایک چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ آخر آخر میں مسافر بھی اتر گیا لیکن اس بوڑھے کی شکل نہیں دکھائی دی۔

وہ واقعی کسی اور فلاٹ کا مسافر ہوگا میں نے طیارے کی بیڑیاں ملے کرتے ہوئے سوچا۔

ٹیبلٹ سے باہر میری سیٹ خالی آگے تھی۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے میں نے جاننے لے لیا کہ طیارے میں دو ایر بوسس تھیں گیلان میں سے ایک بھی میرے معیار کے مطابق نہیں تھی۔ مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے اپنی دائیں جانب کی سیٹوں کا جائزہ لیا۔ وہ ٹیبلٹیں پھر چکی تھیں مگر وہاں بھی کوئی ولا دام چہرہ نہیں تھا۔ بھی ہو چھوٹے والے تھے میری سیٹ کھڑکی کے قریب تھی اور میرے برابر کی دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ اب میں اس میں بیٹھ کر ان بیٹوں کے بچاؤ جاگتا ہوں لیکن بہ مشکل دو منٹ بعد میری میری دعا کی نا مقبولیت کا پچاس فیصد ثبوت مل گیا یعنی ٹیبلٹ سے والی سیٹ پر ایک اور مسافر

خان صاحب آئیے۔ اب مسرت بیچ کی سیٹ دل میں گونگنا کر دعا مانگنے لگی کہ کس کے سر اس چہرہ نہ آئے۔

میری یہ دعا قبول ہو گئی ماس سیٹ آ گیا لیکن بے بسی کو کوئی گلازمن بھی نہیں آئی رہی اور جان کے دروازے سے بیڑی بٹائی ہائوس ہو کر ٹیبلٹ گاہ سے ٹیک لگا لی اور اس کو پھر دیکھ جانا ایک آف کر گیا میں اس کی جو بیچے اب سر کر تھی۔ میں نے ٹوکس اور بھی سوچا لیکن اس میں تھا کہ میرے اس طرح وہ دونوں پکار کر رہ جاتے اور میرا راتہ رات ایک کر دیتے۔

ٹیبلٹ کے گرد واز کرتے ہوئے آدھا گڑا مسئلہ ہونے کی مسخریوں اگر کوئی بدی چہرہ کی فضا بھی ہو تو پھر بڑی شدید بودیت میں یہ سوچ کر اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شاید کہیں دو چار سائینس لینے مل جائے۔

میں دیر پاکی لستے پر چل پڑی۔ دو سو چار ہو گا کہیں ہاتھ زدم جاری ہوں۔ کی نشستوں پر پوسٹیں چلی جا رہی تھیں کہ ایک قدم ڈگمگائے۔

چہرہ وہ آسمانی بوڑھے کا تھا۔ اخبار پڑھنے میں مصروف تھا گو کہ اس نے اب اسے دوبارہ ملنے دیکھ کر مسرت دل شہادت کی چیزیں مضبوط ہوئے گئیں۔ پہلے کالا ضرور ہے۔

میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک بڑھنے لگی تھی۔ میں بوڑھے کے برابر کی نظر ان اخبار سے نہیں ہٹی تھیں لیکن حرکت سے باخبر ہو گا۔ میں چھ سات قدم آگے بڑھی مگر جھٹکے سے دو چار ہونا پڑا۔ اس پر تھکے تو میری جہاں تیار تھی لیکن کسے طیارے ایک لازمی امر تھا۔

وہ شاید تھی، شاید ابیری میں نے دیکھا کہ اس کی نظروں ہونٹ جیسے غیر الٹی طور پر کھلا

ہوا تھا کہ شادان کی مذاق کس طرح زلفی کی جلتے۔ کیا تم دایس پنڈی جا رہی ہو؟ وہ میں نے چلے پینے کے بعد پوچھا۔

”ہاں“

”لیکن تمہاری ماں تو کل ہی کراچی پہنچی تھیں!“

”آج کی مصروفیات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تھیں اپنا کچھ پنڈی جلتے کا خیال کیوں آ گیا؟“

”میں وہاں سے سری چلی جاؤں گی۔“

”میری فواد دیلن ہو رہی ہوگی، سینئر ختم ہو چکا ہے۔“

”جب میں نے سنی تو میرے زیادہ کپ سیٹ ہو جاتی ہوں تو میری کے سر و دیلن مجھے بڑا سکون بخشتے ہیں۔“

”وہ کچھ کھانا ہے؟“ میں نے ایک ٹرولر سانس لے کر کہا۔

”دیر لڑوں میں صرف انہی لوگوں کو سکون ملتا ہے جو اپنی ذات کے خوں میں بند رہتے ہیں۔ ان خوں سے باہر نکلتا شہنائی کی گوانا مقسوم نہ ناؤ۔ زندگی کا حسن ذات کے خوں میں بھی نہیں ملتا۔“

”شہنائی کا یہ حد تک کہ یہ شہنائی کے بیچ میں ایک بار پھر تعلق خود کو آئی یہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ میری برادری کے غم میں گویا ہونا چاہو؟“

”جڑا کر کم ہر گا اگر آپ مجھے بھولی جائیں۔“

میں نے ہونٹ بیچنے سے شہنائی کو کھانا کھا لیا۔ وہ کھانا نہ تھی جو شہنائی کے بعد ہی بھول گئی تھی لیکن مجھے ڈر یہ تھا کہ وہ کوئی بڑی شوگر کے سری نہ جانے!

پنڈی تک کا سفر بہت بوجھل ہو گیا شہنائی جب پنڈی ایر پورٹ پہنچے تو شہنائی کو اس نے مجھ سے ایک دمی بدل کر بھی گوارہ نہیں کیا یہ وہ دیکھ کر بڑا غناک تھا لیکن میں اسے برداشت کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

پنڈی ہی میں وہ میرا رولڈ بھی جواز سے اٹھا لیا۔ اب مجھے پھر میری بات ہو جا پڑی کہ اس بوڑھے کے پاس میں خواہ مخواہ انجمن کا شکار ہو گئی تھی۔ اگر وہ میری عزائم کو ہوتا تو پنڈی میں کیوں اترتا؟ پنڈی سے لٹا دینا کہ کی مقرر ہو داؤں میں نے اپنی نشست پر آکھیں بند کیے کیے گزاردی اور ماحول کوئی کی بات میرے ذہن میں گونج رہی۔

تم سے ملنا خوشی کی بات سی

تم سے مل کر داس دیتا ہوں

شہنائی کے ہوائی اڈے پر پہنچنا تو میری کیس لینے کے لئے منڈ منٹ تک آگیا پڑا پھر میں ایک پرائیویٹ جیسی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ جہاں میں کی ہوئی میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھی اس لئے میں نے ٹواریو کو نوکر کا پتہ دیا تھا۔

ناظر خان سال بھر پہلے کے کراچی میں زیر تعلیم رہی تھی اور

35

لگا تھا۔ یہ ناطقہ کہ خون کو میری مطلق برداشت میں بھی اور اب میری ہر طرف کا سفر کس نسبت کی طرف جاری تھا جہاں ایک بیسپ، تشنہ لب تھی۔

میرے ہنٹوں سے سنا ہوا اس وقت بٹا جب میری پوری ایک انڈیکس گرنی میں آٹھوں کے خٹنے، خٹوڑ، پری تھیں۔ ناطقہ نے اپنے دانت میس کے شانے پر گاڑ دیے۔ اس کی سالنوں میں گریں پر پکی تھیں اور میرا عالم بھی ہوا لئے سبحان، کچھ تھکا۔ میس کے کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگی تھیں جیسے مرد کو گیت کی دھماکے سے اپنے پیڑوں میں گنگناہٹ باندھ لیے ہوں اور چمچ مرقہ کی مسالوں میں ترقی ملی جاری ہو۔ تیراب جیسے پتھر گاروں سے جوڑ گیا تھا۔ تھکا، تھکا، اب میری ہی طرح شدید دردناک ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی پلڑوں نے میرے وجود کے تانوں پر ایک ایسا غم چڑھا تھا کہ ہر جگہ کے فلین میں آتے تھے تو آتش نشان بن جاتے اور لوہوں کی رگ رگ میں سمائے تو سارے چین کو دکھا دے۔ ناطقہ کے پلوں کی وجہ حرکت سے اس نغمے کی تین سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔

ادھر بھی اس تشنہ لب بیسپ کے ہونٹ جھگو جھکی تھی اور خود کو آٹھوں کے خٹنے سے ترو ترو باری تھی۔ ہمارے وجود و در رفت کی جاسمیں کی طرح تن گئے، تانے سے کوٹ گئے، کچھ گئے، منتشر ہو گئے اور وہ خٹنے لاہوتی ایک اتفاقاً میں ہی مودنا چلا گیا۔ ہم دم جھم کرتی ہوئی چلیں۔ بیسپ کے چلے گئے اور پھر انھیں کھولنے کو بھی نہیں چاہا۔



دوسری صبح میں ناطقہ کو یہ کہہ کر حیرت پڑی تھی کہ تم قولات بھر جائے گے اور اسے باندھ کر بھیجیں!

”ہاں! اس نے ایک طے لیا سانس لے کر کہا۔ پہلے تو یہی ہی چاہتا ہے لیکن پھر... وہ اپنا جھگڑا کر کے کہنے کی بجائے منہس پڑی۔ ”خیر! آج رات ہی!“

”نہیں! ناٹو! آج شام تو تم یہاں نہیں ہوں گی!“

”اب ہاں! بڑی آئیں۔ ہونے والی!“

”تم میری بات تو سن لو جانہ!..... مجھے ایک خاص کام سے تباہی علاقے کی طرف جانا ہے اور یہ کام مجھے جھگومت کی طرف سے سونا گیا ہے۔ میں ایک خاص پیغام لے کر جا رہی ہوں اور اس سلسلے میں مجھ سے بھی ایک چھوٹی سی مدد درکار ہے!“

ناظر حیرت و ریشان سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس بولتی چلی جا رہی تھی۔ ”میں ایک ماڈرن عورت کے روپ میں ناکس علاقے کا رخ نہیں کر سکتی اس لئے تم مجھے چھٹاؤں کا مخصوص خزانہ لباس پہنا کر دو۔ میں یہ ہر سو پہننے کے بعد کہاں سے روانہ ہو سکتی ہوں!“

”یہی کچھ نہیں نہیں اس کے آپ کیا کہہ رہی ہیں!“ ناطقہ پریشان

”میں نے تو کوئی کچھ نہیں ہونے بات نہیں کہا۔ کیا حکومت کے پاس آدمیوں کی کمی ہے۔“

”کے پھر کر دیا!“

”حکومت اس معاملے میں بہت زیادہ راز دار اور فرقی کس پر بھرتی دے گی کو سنا جاتا تو رازنا فشا ہوا میری طرف تو کسی کو تو جہاں نہیں ہو گی!“

مجھے لہجہ بوجھا جھوٹ اس لیے ہونا پڑا تھا۔ ایسے فضا کا سہارا نہ سکے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھ پر کر دیا ہوا تھا اور اس کے لئے کسی جوڑ کی ضرورت تھی جو اس میں موجود تھا۔ ناطقہ نے مجھ روکنے کے سلسلے میں خود کو یہ کیا تو وہ ہانسی ہو گئی اور اس کے منہ سے ایک لفظ نکل گیا۔ ”تو کچھ؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی گردن دیکھ کر کہا۔

”بھیا کے پڑے لائے دیتی ہوں؟“ ناطقہ

”آپ کب جائیں گی؟“

”مجھے اس وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”اتھارے ناطقہ نے کہا اور دروازے کی طرف آنکھوں میں بڑا سے بچے گئے تھے۔

اس کا یہ رد عمل میرے لئے متوقع ہی تھی۔ ”اوس کر رہی تھی۔“ ناطقہ ہنسا کر آگئی۔

”کہا جاتی تھی اور جب بھی مجھے کسی تھیں تو اس جاتیں۔“ اسی لہجہ کو اس نے دیکھ کر میں بھی ہنسی۔

ناظر نے اپنے بھائی کا لباس لاکر بیسپ ہونے آڈاز میں بولی۔ ”کچھ اور نہیں چاہئے؟“

”ناٹو! میں نے اسے گھورتے ہوئے۔“

”کیا ہو گیا ہے جنہاں! میں کسی منتقلی کی طرف تو نہیں ناطقہ کے ہونٹ لپکانے لگے۔“

”نہیں! اب اس کی تیزی سے بٹ کر گریس سے چلا جا میں نے جھپٹ کر اس کی گلاں کی پلڑی بھی اور کچھ آغوش میں جیتے ہوئے اس کا سر پٹے سینے پر۔“

ناظر کے ضبط کا بدن کوٹا گلا۔

”نہیں! اب اس کی تیزی سے اس برسات کو روک کر جس جانے کے بعد ہی مطلع صاف ہوتا۔“

”میں نے تو کوئی کچھ نہیں ہونے بات نہیں کہا۔ کیا حکومت کے پاس آدمیوں کی کمی ہے۔“

”کے پھر کر دیا!“

”حکومت اس معاملے میں بہت زیادہ راز دار اور فرقی کس پر بھرتی دے گی کو سنا جاتا تو رازنا فشا ہوا میری طرف تو کسی کو تو جہاں نہیں ہو گی!“

مجھے لہجہ بوجھا جھوٹ اس لیے ہونا پڑا تھا۔ ایسے فضا کا سہارا نہ سکے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھ پر کر دیا ہوا تھا اور اس کے لئے کسی جوڑ کی ضرورت تھی جو اس میں موجود تھا۔ ناطقہ نے مجھ روکنے کے سلسلے میں خود کو یہ کیا تو وہ ہانسی ہو گئی اور اس کے منہ سے ایک لفظ نکل گیا۔ ”تو کچھ؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی گردن دیکھ کر کہا۔

”بھیا کے پڑے لائے دیتی ہوں؟“ ناطقہ

”آپ کب جائیں گی؟“

”مجھے اس وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”اتھارے ناطقہ نے کہا اور دروازے کی طرف آنکھوں میں بڑا سے بچے گئے تھے۔

اس کا یہ رد عمل میرے لئے متوقع ہی تھی۔ ”اوس کر رہی تھی۔“ ناطقہ ہنسا کر آگئی۔

”کہا جاتی تھی اور جب بھی مجھے کسی تھیں تو اس جاتیں۔“ اسی لہجہ کو اس نے دیکھ کر میں بھی ہنسی۔

ناظر نے اپنے بھائی کا لباس لاکر بیسپ ہونے آڈاز میں بولی۔ ”کچھ اور نہیں چاہئے؟“

”ناٹو! میں نے اسے گھورتے ہوئے۔“

”کیا ہو گیا ہے جنہاں! میں کسی منتقلی کی طرف تو نہیں ناطقہ کے ہونٹ لپکانے لگے۔“

”نہیں! اب اس کی تیزی سے بٹ کر گریس سے چلا جا میں نے جھپٹ کر اس کی گلاں کی پلڑی بھی اور کچھ آغوش میں جیتے ہوئے اس کا سر پٹے سینے پر۔“

ناظر کے ضبط کا بدن کوٹا گلا۔

”نہیں! اب اس کی تیزی سے اس برسات کو روک کر جس جانے کے بعد ہی مطلع صاف ہوتا۔“

”کچھ دیر میں جب اس کی مسکینا گئیں تو میں نے اس کا سر تھوڑا سا پیچے بٹایا اور اپنے ہونٹ لڑائی ہوئی بولی۔“ میں میں

”خدا تین چار دن بعد ہی پوسٹ کرنا، اگر میں

”اپس نہ آؤں!“

”تین دن میں یا چار دن میں؟“

”میں نے کچھ سوچا اور کچھ بولی۔“ جارہی دن رکھ لو!“

”کچھ کہے۔ میں چار دن بعد اسے پوسٹ کر دوں گی۔“

”اور میرا یہ اپنی کسی بھی سنبھل کر رکھنا!“

”یہ آپ لیکر جس جاتی ہیں؟“

”جہاں۔“ میں نے بھیجی میں سے رہو اور اگر کالوں کی بجٹی نکلتے ہوئے کہا۔ ”خود بہر روپ کچھ کریں۔ سامان اپنے ساتھ کیسے لے جاسکتی ہوں۔“

ناظر نے بڑے پیش نظر سے رہو اور اگر کالوں کی بجٹی نکلتے دیکھا تو میری گردن میں ڈال کر بائیں چلیں۔ ٹھکانا چلی گئی۔

”اب اس کی بھی ضرورت پڑے گی آپ کو؟“ وہ سراپہ لہجے میں بولی۔

”میں ایک خطرناک علاقے میں جا رہی ہوں اس لیے مجھے ہر طرح سے تیار تو رہنا ہی ہو گا۔“ میں نے جواب دیا اور کچھ بولی۔ ”اب کچھ خاموشی کے ساتھ کھڑے نکال دو۔ کوئی عقبن دروازہ تو نہ در ہو گا!“

”میں ابھی آئی۔“ ناطقہ نے کہا اور کچھ بولی۔ ”میں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا۔“

”میں نے ایک بار کچھ کہنے میں اسے سراپا کا جائزہ لیا۔ رہو اور کی وجہ سے میں کسی بڑے قبا میں سرور کا ٹکا معلوم ہونے لگی تھی۔“

ناظر کوئی پانچ منٹ بعد واپس آئی اور اس کے ہاتھوں میں کپڑے کی ایک بٹی تھی دیکھ کر مسکرائی۔ وہ امام مٹام بن کر لائی تھی۔ وہ اس نے میرے بازو پر باندھ دیا۔ اب وہ کچھ کچھ اوس نظر نہ لگتی تھی۔

”چلئے! اس نے آہستہ سے کہا۔“

”چلو!“

”وہ مجھے عقبن دروازے پر لے گئی اور اس کی کٹڑی کھلی کھیرائی ہوئی آڈاز میں بولی۔“ بائیں طرف قلعہ چلتی رہے گا اور کچھ دائیں ہاتھ کی تیسری لگی میں مڑ جائے گا اس گلی کا اختتام ایک بڑی سڑک پر ہو گا۔“

”ابھیا، خدا حافظ۔“ میں نے کہتے ہوئے اسے اپنے آغوش میں بیٹھا، اس کے ہونٹوں سے کچھ کہا اور کچھ اس سے الگ ہو کر دروازہ کھولی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔

”خدا حافظ!“ میں نے اپنی بکٹ پر گلو گزرتی سی آواز سننے میں لگی میں تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی گئی۔ اب میں اپنے اپنے پلنے کا انداز میں بدل دیا تھا میں کسی کو یہ مونتہ نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ میرے چلنے کے انداز سے میرے عورت ہونے کا پتہ چلائے۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر میں نے ایک ٹانگہ روکا اور اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ ٹانگے والے کو میری زبان سے پتہ نہ لگا۔ اندازہ ہرگز نہیں ہو سکا ہو گا کہ میں ابلیزبان نہیں ہوں۔

اسٹیشن پہنچ کر میں نے انکو اسی سے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ دو ٹھٹے سے پہلے ہاں کوئی ٹرین نہیں جائے گی جہاں مجھے جانا تھا۔

355

کرے تو کسی کو سلا دیا کریتے۔

میں ایک تخت پر بیٹھی تھی کہ ایک لاکھ دوڑ کر میرے پاس آگیا میں اس شخص کے کانوں کے باضے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی اس لئے میں نے بڑی بات نکلتی ہے لڑکے کا کھانا پیٹھا کرکھا ہو سکتا تھا دل چاہے وہ لے آؤ۔ بہت زور دیا جھوک لگے ہی ہے یہ حقیقت ہے کہ مجھے بہت نصیحت ہوئی کہ لگے ہی تھی میں نے سوچنا نہ کر کے ساتھ بس ناشہ کیا تھا اور سفر کے دوران میں کچھ بھی نہیں کھا سکی تھی۔

لڑکا میری بات سن کر میری بجائے اس طرف دوڑ گیا۔ جہاں گوشت تھا وہاں جا رہا تھا۔

اور مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ لاتی تھی کہ رات کہاں گواہوں گی۔ یہ انا چھوڑا سلاخ تھا کہ میرا بھول تو بڑا اس لئے کے امکانات بھی غنودہ بن گئے۔

میں اس موقع پر جن میں گرفتار تھی کہ ایک بڑھیا آدمی میرے تخت پر بیٹھا اس نے مجھے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ یہ امر کسی متنبہ شخص کو قریح پذیر ہوتا تو میں اسے ڈانٹ کر بھیجا ہوتا لیکن یہاں میں یہاں نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں کے طور طریق مختلف تھے اور ان پر امتحان کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ شامت کو دعوت دی گئی۔

یہ بوجھ اور دگر دہرا تھا اس نے ایک کھٹے نرسو کی پیکاری لگائی اور اس لڑکے کو گایاں کھینے لگا جس نے فوری طور پر اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

گایاں کھینے ہی لڑکا دوڑا چلا آیا اور مجھے کا اندر سے کھلا گیا۔ اب بڑھنے نے اپنی گندگی انھوں سے مجھے گھوننا شروع کیا اور میں نے اس سے نظریں چرائیں۔ مجھے اس کی طرف دیکھتے ہی کراہت محسوس ہوئی تھی یہ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے مخاطب نہ کرے گا لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کسی گاڑی کے انجن کی کوخت اور آواز سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی چلی جا رہی تھی۔

ایک جیب سائیکل کے قریب آگئی تھیں تیلوں پینے بچھنے ایک آدمی اس کا انجن بند کر کے اڑا اور سائیکل اس کے آگے کی طرف بڑھا جہاں گوشت بھجوا جا رہا تھا۔

اس گاڑی کے چیرے پر نظر پڑنے ہی میرے جسم کے کسی حصے میں ایک سرد لرہاٹھی اور سارے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔

وہ کوٹ تھا ڈاکٹر نوٹنگ کا دست راست!

میں نے دیکھا اس نے گوشت بھجوتے والے کو کچھ ہدایات دیں اور گریٹ سلاگٹا ہوا داس اپنا جیب کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اب غالباً اسے اپنے آؤر کئے ہوئے گوشت کی تیاری کا انتظار تھا۔

سائیکل کے نیچے بہت سی پٹھانیں کھڑے ہو گئیں اور انھوں نے شدید نفرت جھانکے ہی تھی لیکن کھڑے کھڑے انھوں میں ایسی لاپرواہی تھی جیسے وہ ان لوگوں کو کیرڑوں مکھڑوں سے زیادہ

اعلیٰ نہ سمجھ رہا ہو۔

ڈاکٹر نوٹنگ کے معتدلاً مختلف انواع خیالات کا ملکہ

دیکھنے کے بعد اس میں تو کسی تنگ دہسے کی صورت نہ تھی اس مقام کا نشانہ کہ اس میں کچھ بولیں محسوس کرنے کی تھی۔ یہ اس کے جراثیم کی بڑی سی ہوتی ہو کر لیتا وہ دیکھنے کی تیار نہیں میں مصروف تھا اور اسے نہ صرف پتہ چلا تھا بلکہ اس کا شیرازہ بکھیرنے میں نکل پڑا۔

میں نے ماحول پر بھی گہری نظر رکھی تھی۔ یہ تھا کہ وہاں کی فضا کچھ شدید ہی ہو گئی تھی لوگ دھڑکے ہوئے متفزعانہ انداز میں دھڑکے ہوئے انداز سے اس کا رخ کیا تھا کہ غافلین کو دفعہ

میں اتنا زور دیا کہ بڑی سیر پر چوک تھی میں کو نہرے کی طرح لپک جاتی ہوں۔ اس ماحول کو دیکھ کر میرے ذہن

جٹم لیا تھا تو اس میں توجہ کی کوئی بات نہیں ملا کہ تھا جہاں صرف مقامی لوگوں کی ملا

جب یہاں آئے تھے تو ہمیں ابھی ہی یہ کی شخصیت اس کھیلے پرکاری ضرب کی

میں اپنے خیالات اس وقت بھول گیا بھول کر فارسلے کا لڑکا کھڑا

میں دیکھنے سے کراہا۔ سلا اور وہی کھڑا رہا ایک ڈاکٹر نوٹنگ اور اپنے تخت

بولی: "آؤ خان بابا کھانا کھاؤ!"

"بسم اللہ کر دو زونا

"کیون ہے خان بابا!" میں نے اشارہ کیا۔

"نکلی کرتا۔ بڑھ کے آؤ اور میرا کیا مطلب؟"

"تم اس ملائے میں انجمنی ہو؟" میں نے کہا "ہاں! میں آج ہی یہاں آیا ہوں" "جیسی نرمان سلا کی کتوں کو نہیں" "تو کیا اور بھی ہیں؟" "اس سمیت ہیں میں۔ ڈاکٹر نوٹنگ نے تباہی یہ لوگ زمین کی دیکھ جہاں کے یہاں سے ایک کھڑک لگانا چاہتی ہے

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی جیسے مجھے ان میں نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو کجیورٹ میں میرے لئے مقامی توشیش دیا تھا۔

"ہاں! بس ایک چھوٹا سا کھانا کھا لیں گے۔ یہ بہت اچھا ہے۔" "اب تک اس کی تلاش جاری ہے۔" "اسے غائب ہونے کا عرصہ گزر چکا ہے؟" "مجھے کچھ پتہ نہیں۔" "پندرہ دن تو ہو گئے ہوں گے۔" "بڑھنے نے اپنی جیب سے نو لڑکی ڈبیر نکالتے ہوئے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ مجھے ایک کام کی بات معلوم ہو گئی ہے۔ بڑے خان کا چار سلاخوں پر لپٹا ہونا۔ مجھے خان کا اس کی بگڑنا اور دوسرے وغیرہ کی زندگی کا ضمن بنا۔ یہ سب بڑی سرگودھی لڑکیاں معلوم ہو رہی تھیں ان لوگوں کو کچھ بھی طرح میں بہت ضروری تھا۔ اس طرح باقی لڑکیاں بھی سنانے آجائیں اور وہ ذخیرہ کچھ مہاجریں جس کی مجھے تلاش تھی۔

لیکن کیا میں اپنے مفقود میں کامیاب ہو سکتی؟ میں نے یہاں آنے کے سلسلے میں بہت راز و داری ہوتے کی کوشش کی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے ان کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ وہ ان پڑھ سے ہی ایک بڑھنے سے میری حوائج شروع کر رہی تھی۔ دوسری طرف وہ پرامن بڑھتا تھا اس وقت نظر آتا تھا جب میں زمین میں سفر کر رہی تھی اور راہ میں ایک بیٹ

نام پڑا تھا وہ اس وقت دیکھ کر ایک خان نے رتبے سے تر کر اس بڑھنے سے راز و دیا کیے تھے۔ بعد میں وہ تیلی واسٹک والا بھی اس کی سیٹ فلام پر اتر پڑا تھا جہاں میں تیری تھی اور دوسرے خان کے آگے کھمبہ میری رہ گئی تھی کہنے والا میں دی نیلی دا کٹ۔ "لا خان تھا۔" گویا بات طے ہو چکی تھی

کہ راز و داری کے سلسلے میں میرے تمام اقدامات نفل ذات ہوئے تھے اور میرا راز و داری بہت ہی بچے ہوئے۔ یہ دیکھ کر میں ناگوار رہا تھا۔ "کیونکہ" اس بات سے آگاہ تھے کہ میں ایک نوجوان وغیرہ کو چھان لڑکا نہیں بلکہ صحیح باتوں میں۔ میرے راز کے اس انشا نے مجھ کو اس بات کی سند

تھی کہ میں کوشش میں مجھے شدید محنت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے خود کو ان خطرات کا تقابل کرنے کے لئے پوری حوصلہ

تیار پایا اور جانو کے آگے سے وائے ہونے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اب مجھے سب سے پہلے اس ڈاک کھانے کا پتہ چلا تھا جہاں کوٹر وغیرہ قیوم تھے میں اس طرف بڑھی جہاں گوشت بھجوا جا رہا تھا۔ وہیں پر بٹھا ہوا ایک آدمی لوگوں سے پیچھے وصول کر رہا تھا۔ جب میں نے اس کو

بل کی آواز کی تو وہ بولا۔

"تم کہاں سے آئے ہو زور خان!"

"وہاں سے۔ میں نے جواب دیا۔

"سہارن پور کے مہمان ہو؟"

"میں کچھ نہیں۔ میں نے بڑے لطیفانہ سے جواب دیا۔ میں یہاں ایک آدمی کی تلاش میں آیا ہوں جس کا نام وزیر خان ہے۔"

میں نے کہے کہ وہی گمانی مسافر جو جیل واسٹک والے خان کو سنانا تھی۔

انرازمیں بولا کہ تم اس کا حلیہ بناؤ تو کچھ اندازہ ہو۔

میں نے اس ٹپ ایک حلیہ بیان کر ڈالا۔

”اوہ! وہ! ایک آواز سنائی دی۔“ اُسے توہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

میں نے گھبرا کر اپنے برابر میں اٹھ کر سے ہونے والے اس شخص کو دیکھا جس نے جیسے تھک چکا تھا۔ دلیر خان سے سناسانی کا دعویٰ کیا تھا۔ اس شخص کو جبکہ کوئی نہ اس کے ہاتھ میں کوئی چٹھی دلائے قائم نہیں کی۔ وہ شکل ہی سے خنڈہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی دانتیں کچھ کچھ بند بندسی تھیں۔ یہاں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شدید جرح سے اس کی آنکھوں کو ہمیشہ کے لئے ابھار دیا ہو۔

میں نے غریب جانتا ہوں۔ وہ پھر بولا۔ اس کی عادتیں ایسی ہی ہیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا کہ کوئی اس کو جھڑپ کرے۔“

”میرے باپ کے ساتھ دھوکہ کر کے اس نے سنا جانی شامت کو چھٹا دیا۔“ میں غراتی ہوئی بولی۔ ”مجھے حساب کتاب چھکانا خوب آتا ہے۔ کیا تم میں اتنی جھٹ ہے کہ اس کے درد و زحمت پر جا کر اسے دھکا دے؟“

”میں اس کا گریبان پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوں اس کے مکان سے باہر نکال لاتا ہوں۔“

”اگر تم میں اتنی ہمت ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا دوں گا۔“

”تم کون ہو؟“

”میرا نام جانو ہے میں اس اڈے کا مالک ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔

میں انجن میں چڑھی۔ دلیر خان کی کمائی مجھے مصلحتاً پھر پڑنا پڑی تھی۔ لیکن اب میں اس میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ جانو مجھے کسی دلیر خان تک سے جانا اندیشہ ہی نہ پکڑے پھر پڑی کہ وہ دلیر خان نہیں ہے۔ گویا وہ عوامہ وقت ضائع ہوتا، لیکن صورت حال ایسی تھی کہ وقت کا زیاں ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں جانو سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میں کسی دلیر خان کے گھر نہیں جانا۔

”کیا دلیر خان اس وقت اپنے گھر پر ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہنراتو چلیے۔“

”تو پھر چلو!“

”بس ایک منٹ ٹھہرو!“ جانو نے کہا اور پھر اپنے اڈے کے ملازمین کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے صوف ہو گیا۔

میں سامان کے نیچے سے نکل کر ایک طرف کھڑی ہو گئی اور سگریٹ سلگائے ہوئے پیلا کش میں نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے لیا۔

گنگ اسٹارک دینا کوئی غلطی نہیں ہے۔ اس کا ہر کش سینے میں جا کر

اس طرح گنگا ہے جیسے ہر شے کی زمین انرا جانو کوئی باج منت میں خار سے بڑھ کر بنے نکلتی ہے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ چل پڑی ہوں۔ نیچے جیسے بے لگ بڑی معنی خیز مسکراہٹ ہے تھی۔

بستی کے مکانوں میں روشنی ہو رہی ہوئے کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ ہو۔ جدید شہر میں ہونے والوں کی ایسی ریتیں ہو رہے تھے جو رہا تھا۔

”میں نے جانو نے مجھ سے کہہ۔“ تم اپنی کمر سے لیا اور باہر سے ہونے ہو۔ میں روٹو اور کا استعمال میں غریب جانا ہوتا ہے۔“

”اچھا!“ جانو نے منہ کر کے کہہ دیا۔

”اگر نہ ہوتا تو دلیر خان کا بڑھ گئے۔“

”یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ جانو نے تمہیں بتا دوں کہ تیار دوں اور یہاں میں ہو۔

”مجھے کہیں بھی کوئی فریق نہیں ہوگا۔“

”یہاں پر ضرور دوسری ہوگا۔“

”دیکھنا چاہئے گا۔“ میں نے لایا۔

”جو کوئی بندہ منٹ تک چلتے ہو۔“

”کی کوئی شے کرنا یا کر اس علاقے میں نہ کرنا۔“

”جانا ہے۔“

”آخر ہم ایک مکان کے دروازے پر پہنچے۔“

”پر دستک دی۔“

”میں ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔“

”گلیاں تھیں۔“ میں نے غلی کو ایک وقت میں۔

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

”میں نے یہاں۔“

362

مہر میں نے تمہارے لڑنے کے انداز کو دیکھ لیا ہے اور اب شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ تم آدھوں کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے ہو گے!"

"تو گویا لڑنے بھڑکنے کا معاملہ ہے؟"

"ہاں" جانوئے کہا۔ "آج کل کچھ لوگوں سے میری چٹنی ہوئی ہے اور وہ لوگ میرے آدمیوں پر بھاری پڑتے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو یقیناً یہ مقابلہ بڑا مزے دار ہو جائے گا۔"

"جھگڑا اس بات کا ہے؟"

مہر کے بیٹے تو میں تم کو یہ بتاؤں کہ یہ اچھا کس شخص سے ہے مگر تم اس بستی کے رہنے والے ہو جسے تو خان زادہ فرید کا نام تمہارے لئے، جہی نہ ہوتا۔ وہ بڑے خان کا لڑکا اور اس بستی کا موجودہ خان ہے۔ میں اسی کے خلاف ڈٹا ہوا ہوں۔"

میرے جسم میں مسناہٹ سی پھیل گئی یہ تو وہی معاملہ معلوم ہوتا تھا جس میں مجھے یقینی طور پر دلچسپی لینا تھی۔ وکٹر وغیرہ کا سرپرست خان زادہ فرید تھا لہذا میں اس سرپرستی کے لیے بڑے غرکات جاننے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس طرف مرکوز کرنے پر مجبور تھی۔

"میں اپنے لئے خان سے کیا شکایت ہے؟" میں نے جبرست ظاہر کی۔

"وہ حکومت کا پتھو ہے۔ جانوئے بڑی نفرت سے کہا۔

"اس نے حکومت کے بعض آدمیوں کو اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے جبکہ خان زید الباہر گزرتا۔"

"خان زید، یعنی خان زادہ فرید کا باپ؟"

"بالکل!"

"کہا اس کا انتقال ہو گیا؟" میں نے انجان پن کر لیا۔

"نہیں، وہ پرامر اور پیرلا پتہ ہو چکا ہے۔"

جانوئے مجھے وہی سب کچھ بتایا جو میں اس کے اڑے پردوں سے سن چکی تھی۔ آخر میں جانوئے نے کہا۔ "مجھے شہر ہے کہ خان زید کو خان زادہ فرید ہی نے اغوا کر لیا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"مگر بستی پر اپنا اقتدار قائم رکھے۔ ایسا ہوئے بغیر وہ مگر کی پتھروں کی حفاظت کرنے سے بھی قاصر رہتا۔ اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ خان زید کے اغوا میں سرکاری طور پر خان زادہ فرید کی مدد کی گئی ہوگی۔"

مجھے بھی یہ معلوم ہوا تھا کہ دلیہ خان کو یہاں سے کسی بڑے سردار کی سرپرستی حاصل ہے۔ کیا وہ لڑا لڑا خان زادہ فرید ہو سکتا ہے؟ میں نے یہ بہت محض اس لئے بھی کہ خان زادہ فرید کے معاملے میں اپنی دلچسپی پر ذہانت کے رنگ کی ایک تہ جڑھا سکوں۔

جانوئے نے اڑے پردوں کو جواب دیا۔

"یقیناً سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میں کل تک اس خان زادے کے حوالوں میں اس نام کا کوئی نام تک یہ بات مفروضہ معلوم کر رہا ہوں۔"

اگر اس کے حوالوں میں دلیہ خان تھا تو اسے دوں گا تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا ہے مگر نظر انداز کرنے کا حال نہیں ہوں۔

جانوئے بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہے تھے وہ کچھ کہتے کہتے دیک گیا ہو۔

"کیوں؟" میں اسے گھورتی ہوئی زبان پر آئے آئے رہ گئی ہے۔"

"ہاں۔ جانوئے طویل سانس آتے ہوئے ذہنی طور پر لڑنے کے عمل میں مشغول ہو گیا تھا۔

"میں نے جانوئے خان!" میں ہنس رہا تھا۔

تمہارا کدہ کیا ہے؟"

"تکلیف میں مزید کسی واقعہ ہو گیا ہے۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ۔ تم نے جو درد کیا کہاں سے ہے۔"

"میں ایک مرتبہ اپنے باپ کے بہت بڑے باپ کا لڑکا ہوں جانوئے دلیہ خان کا تشریح لگانا میرا ہواں تک نہیں کہ میں ان دو باتوں کے لئے نڈر اس شخص کی ہرے کمرے باپ کو دھما "ٹھیک ہے۔ میں تمہارے بڑا سر لڑتے ہوئے کہا۔ میرا خیال ہے کہ بندوبست کروادوں۔ ایک کدہ میں "وہ تو تم کو یاد دینا لیکن مجھے متیوں ہے کہ مجھے یاد آئے سرکاری چہرہ ہوں کی سرپرستی تمہارے خیال کے مطابق حکومت اس علاقے سے ایک اسی سلسلے میں زمین کی دیکھ بھال کے بھیجا گیا ہے۔ وہ بیٹوں کو ایک جنگ "خاک بنگلہ کہاں ہے؟" وہ سوال کو ڈالا جس کے جواب سے "آبادی سے ذرا بہت کدہ کہہ کر لیکن یہ بات تم کو یوں پوچھ رہے ہو "جب خان زادہ فرید سے پتھو کو اسے بھی پتا چلے گا، اگر

بات طے ہے کہ کمر خرچہ دیکھنے کے لئے ان سرکاری اہل ذوق کو دینا ہوگی۔"

"جانوئے نے جو خیال انداز میں سر ملاتے ہوئے میری طرف دیکھا تھا۔

"میں نے یہ خیال کہاں سے؟" اس کے تمام پہلو میری نظر میں فوراً آ جاتے ہیں۔ جبکہ اسات معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوری بات ہے۔

"وقت سے بولی۔ تم اسی وقت مل کچھ وہ ڈاک لے آ اس کے لیے میں استعجاب تھا۔

"وقت میں نے خود روئے کر کہا۔ میں وقت ضائع نہیں ہوں۔"

جانوئے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اسی وقت سے لے کر پادہ ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے ایک کمرے کی صفائی کی ہدایت دے ڈالی۔"

"میں نے سگرٹ نکال کر اس کا ایک سر پائیک لیا اور اس سگرٹ کو بنوٹوں میں دبا کر اسے ہلانا مانتے ہی میرے ذہن نے گدڑے لپٹے بات مجھے بڑی عجیب سی معلوم ہو رہی تھی کہ میں اس مکان میں قدم رکھا تھا تو شاید دشمن تھے لیکن اب یہاں کی فضا میرے اس مکان کے اخوانانہ میری طاقت کا اس کے ذہن میں یہ بات بھی گئی تھی کہ وہ اس میں استعمال کر سکتا ہے۔

"اسا میرے حق میں بہتری ہوا تھا مجھے اس علاقے کی شدید ضرورت تھی۔ وہ بہت سے ال کر سکتا تھا۔ خیال کے طور پر ڈاک بنگلے کی کچھ کچھ کیے بغیر میں اس ڈاک بنگلے تک بہت سے رسائل کا محل مل جانے کے باوجود میں اس کی بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس فارمیر سے گرد پھیلا ہوا ہوں میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ کچھ نہیں کھتی تھی، ہال اس کے آگے تک پہنچا یا تھا یہ بات

دیر لے کر میں جانو جیسے غصے کی وجہ سے اس کا دل کانٹا لگا۔
 "وہ اس طرف پہاڑی پیالہ ہے۔" جانو نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھاڑی پیالہ!" میں حیرت سے بولی۔

"ہاں۔" جانو نے بتایا۔ وہاں کچھ پہاڑیوں نے ایک دائرہ سا بنا دیا ہے اور ان پہاڑیوں کے بیچ کا حصہ پیالے کی طرح نظر آتا ہے۔ ہماری بستی میں وہ مقام پہاڑی پیالے کی نام سے مشہور ہے۔ اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک دروازہ ہے۔"

"تم مجھے یہ سب کچھ کیوں بتا رہے ہو؟" میری حیرت بڑھ گئی۔
 "اس لئے کہ کل میں وہاں جانا ہے۔ رات کو کسی وقت وہاں ایک محر کرنا ہوگا۔"

"کس سے؟"

"خان زادہ فرید کے آدمیوں سے۔"

"مگر کیوں؟"

"جسکے کہیں نے فحشی بتایا اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک دروازہ ہے اور اس کل خان زادہ فرید کے آدمی اس دروازے پر پھروٹے رہے ہیں۔ کسی کبھی پہاڑی پیالے میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ میں جانا چاہتا ہوں کہ ایک کیوں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ شاید ان لوگوں نے خان زید کو وہیں قید کر رکھا ہو۔
 "تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ خان زید کو قید میں رکھا گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اسے قتل ہی کر دیا گیا ہو!"

"جسکے کہیں نے اپنے خان کی لاش نہ مل جانے ہم اسے زندہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں۔" جانو کچھ جذباتی سا ہو گیا۔

مجھے اس کی بات اتنا اعتماد ہی معلوم ہوئی تھی لیکن میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تاہم پہاڑی پیالے سے شقوق وہ باتیں ایسی نہیں تھیں جنہیں میں نظر انداز کر دیتی۔ یہ معاملہ خاصا بڑا امر تھا کہ خان زادہ فرید کے آدمی اس پہاڑی پیالے کی بھڑائی کر رہے تھے۔ کیا یہ غریبوں کے کس دروازے سے ان کو گزروا دیا گیا ہے؟ میں داخل ہوا جائے؟ میں نے پوچھا۔

"بتایا تو کہ وہی ایک راستہ ہے۔"

"کیا پہاڑیوں پر چڑھ کر دوسری طرف نہیں اتر جاسکتا؟"
 "وہ پہاڑیاں خاردار جھاڑیوں سے چلی ہوئی ہیں۔ اگر ہم انہیں کاٹتے ہوئے اوپر چڑھیں تو شاید چوٹی تک پہنچے۔ پہنچنے کے بعد تو جیسے آدمیوں دن کی روشنی میں دوسری طرف اترنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"جھاڑیاں تو دوسری طرف کے شیب میں بھی ہوں گی جن کی آڑ میں چھپا جاسکتا ہے۔"

"میں! جانو نے جواب دیا۔ یہ ایک بڑے کہ پہاڑیوں کی دوسری طرف کی سطح قطعی سہارا تھا۔ ایک بڑا کھجور کا سہارا تھا۔
 "اوہو!"

"میں اس دروازے ہی سے داخل ہونا چاہتا ہوں۔" جانو نے جواب دیا۔ وہی پھر وہی ہے، میں لیکن مجھے یہاں سے ساتھ ہونے کو ان سب کے پیچھے زیادہ ہے۔
 "یہ تم کل رات کو کس وقت سر کر رہا تھا؟"
 جانو جواب دینے کی بجائے لیکھوت ہو گیا۔

ایک طرف اشارہ کرنا ہوا بولا۔ وہ دیکھو! میں نے اس سمت میں نظر دوڑائی۔
 چھوٹی سی عمارت کا ہیولی سا سفر آ رہا تھا۔

"یہی ڈاک بنگلہ ہے۔" جانو پھر بولا۔

"بالکل اندھیرے میں ڈوب رہا ہے۔"

"قریب جاؤ گے تو روشنی بھی نظر آ جائے۔"

تو بے تہد کر دوسرے سے نظر آ جائے۔

"ہاں۔" میں ڈاک بنگلے کی طرف دیکھ کر بولا۔

وہاں دیکھ کر ہوگا۔ اس کے سامنے ہوں گے اور وہاں کوئی ایکسٹرنل ہے ہوں۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" جانو بولا۔

"چلنا ہے۔"

"نہیں! آج کے لئے بس اتنا ہی کافی دیکھ لیا۔ آؤ اب واپس چلیں۔" میں نے اس کی بات اور واپسی کے لئے نہ گئی۔

بستی کا طرف لوٹتے ہوئے میں جانو کے ساتھ رہا۔

خان زید بھی کے تذکرے کرتا رہا اور میں اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

مستحق رہی کہ شاید کوئی نئی بات معلوم ہو جائے۔

واپس مکان پر پہنچ کر میں نے جانو کے کمرے کے کمران خان زادہ فرید کے حوالوں میں اس کی بات کی۔

"نہیں!"

"ہاں میں پتہ لگا لوں گا۔"

پھر جانو نے مجھے اس کے لیے کہا۔

کرنا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

مگر کیا میرے دل سے بڑی شدت کے ساتھ تو میں نے فوراً اس سے نجات حاصل کر لی۔

کہ بہتر پریٹ گئی۔

رات اپنی انفع زندگی بتا رہی تھی۔

نہیں کہ بگڑ دیاں ابھی تک کوئی بڑی قدر

فریب نے رہا تھا۔ اگر میری آنکھوں کے تجربے نے اس کے چہرے کی چٹکتی نہ چڑھائی ہوئی تو فریب لگا جانے کا قوی احتمال تھا۔
 "میں پر دوسری ہوں۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ لگائے۔
 بعد کے ادا رہا۔ اس کی اس نے اسے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔
 جتنی گری نظر سے وہ میرا جائزہ لے رہی تھی اس کی آنکھوں میں اسٹاپ ہوئی کیفیت کو میں نے صاف پڑھ لیا۔ وہ خود ہی کھجور میں چٹکتی ہوئی ایک تشہیر تھی جس نے مجھے اس کی طرح دیکھا تھا جیسے کوئی پیاسا پانی کو دیکھتا ہے۔

"پر دوسری ہو!" وہ سکاڑی، لیکن یہاں کیا تلاش کرنے کے لئے ہو؟

"مجھے کسی ایسے ٹھکانے کی تلاش ہے۔" جہاں سر چھپا سکوں۔

"اوہ!" عورت کی ہلکی آنکھوں کی گہرائی میں کوئی شے جگ

آٹھی اور پھر اس کے تیزی سے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔

تم لیکھتے ہو؟

"ہاں۔"

"پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ!" اس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور لڑکی کے چہرے کو دھکا دیا۔

جانو در سے بند نہیں تھا۔ وہ مجھے لئے ہوئے اگلے میں داخل ہوئی اور صرف کوئی طرف بڑھنے کی سانس کے دوسرے ہاتھ میں جھانکی تھی۔ وہ بستی سے سودا سلف خرید کر دین تھی۔

سرور کو گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے ایک نظر میں وہاں کا جائزہ لے لیا۔ وہ بنگلوں پر بستر لگے ہوئے تھے اور بنگلوں کے نیچے ٹرک ٹھہر دیے گئے تھے۔ ایک گوشے میں باورچی خانے کا سامان بچھلایا ہوا تھا۔ دیواروں پر چٹکتی ہوئی سیوں کے کپڑے اور فلمی کیلنڈر لٹکے ہوئے تھے۔

"کیا تم یہاں رہ سکتے ہو؟" عورت نے سوال کیا مگر اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ حکم دینا چاہتی ہو کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔

"تم یہاں اکیلی رہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" عورت نے بڑی غمی سے کہا۔ "یہاں ایک ایسا شخص بھی رہتا ہے جسے لوگ میرا شوہر کہتے ہیں۔"

"لوگ... شوہر کہتے ہیں!" میں اس طرح بولی جیسے بات سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔

"ہاں۔" اس کے لہجے کی غمی پر بھر پوری تھی تو وہ کبھی بھی باور نہیں کر سکا کہ وہ میرا شوہر ہے۔

اب مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس نے مجھے ایمانی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا تھا لیکن یہ بات اب بھی مجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس کا شوہر اپنی شخصیت کو اپنی بیوی سے کیوں نہیں مٹا رہا تھا۔

"کیا وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے؟" میں نے پوچھا۔

367

368

میں نے بھانگ کی طرف بڑھتے ہوئے لنگھیں سے بڑھے
 کی طرف دیکھا جو سنان پڑا تھا۔ بڑا کدے کے سامنے اتنی جگہ تھی کہ
 وہاں جیب کھڑی ہو سکتی تھی لیکن وہ تھکے تھکے نہیں آئی۔
 بھانگ سے نکل کر میں تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔ گڑگڑاٹ
 میں دودھ دھوک سنا تھا لیکن میں نے اس دہرائے میں بھی اس بات
 کا خیال نہ کیا کہ میری چال میں مشابہت نہ آنے پائے۔ کیا عجیب کہیں
 کسی آڑے کوئی نیچے دیکھ رہا ہو۔
 جب میں جانو کے گھر کے دروازے پر پہنچی تو کچھ تھک گئی تھی
 مٹی۔
 دستک سن کر جس شخص نے دروازہ کھولا وہ مناظر خان تھا۔
 وہ مجھے دیکھ کر ہلکا سا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی چٹکی سی مگر ہلٹ
 ابھری۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے داخل ہونے کا راستہ دیا۔
 "کیا حال ہے مناظر خان؟" میں نے سپاٹ بچے میں کہا۔
 "ٹھیک ہے" وہ تجنپ رہا تھا۔
 "آدھے گھنٹے میں اُسے واپس آ جانا چاہیے۔ وہ یہی کہہ کر گیا تھا۔"
 مناظر خان میرے ساتھ ساتھ چلا ہوا۔ میچنگ تک آیا لیکن اندر داخل
 ہونے کی بجائے دروازے ہی سے واپس لوٹ گیا۔
 میں ایک بندھے پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ وکیل وغیرہ پرنظر
 رکھنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟
 جانو سے حاصل ہوتی ذاتی معلومات بھی میرے ذہن میں موجود
 تھیں اور میں اس پہاڑی پیالے کے باسے میں سوچ رہی تھی جس
 کے داخلی درے پر خان زادہ فرید نے ہمو لگا رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ
 اس پہرے کا سبب کسی خاص اہمیت کا حامل ہو گا اور میں لیکن یہ کہ
 وہ سب کچھ دیکھنے کے اشلے پر ہوا ہو گا یا کسی آئی نے یہاں کوئی
 غیب وغیرہ کی پھیل رکھ لی تھی۔
 میں نے سوچا، اگر میں رات کو چوری چھپے ڈاک بنگلے میں داخل
 ہو سکوں تو اس بات کا امکان ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو
 جائے۔ یہ کام کل باؤ کے تعاون سے بہ آسانی ہو سکتا تھا لیکن کل
 یہ بھی کہ وہ اور اس کا شوہر میرے باسے میں جذباتی ہو چکے تھے۔
 ان کے جذبات کو ناامودہ رکھنا اس اعتبار سے محال ہی ثابت
 ہو گا کہ میں اپنی شخصیت کو راز میں رکھنا چاہتی تھی۔
 مناظر خان کے بیان کے مطابق جانو آدھے گھنٹے میں لوٹ
 آیا اور منٹے ہوئے سے انداز میں میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھا
 ہوا ہوا خان زادہ فرید کے خواروں میں ولیر خان نامہ کی کوئی
 کاغذ نہیں مل رہا ہے تاہم ابھی یقین سے کہہ نہیں سکتا کہ اس کا کدہ میں
 نہ لپٹے آؤں سے کہ وہ صبح تک مجھے کوئی یقینی

بات بناؤں سے باہر ہے؟
 "یہ ابھی ٹوک بنگلے کی طرف گیا تھا۔"
 "اوہ؟" جانو نے میری طرف دیکھا۔
 میں بہت زیادہ دلچسپی سے رہے ہوا۔
 "ہاں۔" میں نے کہا۔ "موجودہ حکومت
 اس لئے مجھے یہ کہہ رہی تھی ہے کہ حکومت
 کو ناپا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہہ کر ابھی مجھے متا
 لینے سے تو بھراں میری پتھروں پر ہونے لگا۔
 "ہوں؟" جانو نے اس انداز میں سر ہلایا
 "اس ڈاک بنگلے کا رکھوالا صاحب وہ
 "تم کو کیسے معلوم؟" جانو نے چونک کر کہا
 "بتایا تو کہ ابھی ڈاک بنگلے ہی کی طرف
 "صاحب دار ملتا؟"
 "میلے تو اس کی ذی طبعی شکل باؤ نے
 "خوب؟" جانو نے خیر انداز میں مسکرایا
 "مٹی تو تمہاری لیکن بعد میں صاحب دار
 "بھیر کیا رہا؟ وہ تو تم پر کچھ عجیب ہو گی؟"
 "خیر صبرت ہے؟" میں نے باہر آکر
 کی بھینسی یہ کہ اس کا شوہر دو سڑی دو
 ہے کہ ڈاک بنگلے میں رہنے والے کسی وقت
 کر دیں۔"
 "نامکُن سے کل آؤ کچھ بھی سہی لیکن وہ
 سکتی کہ اسے کوئی غیر خیر چنانچہ ہاتھ لگائے۔"
 "ڈاک بنگلے میں رہنے والے کسی کی۔"
 بلے بس ہو جائے گی۔"
 "آن لوگوں کو ایسا کرنے کی ہمت نہیں؟"
 ہنگامہ ہو جائے گا اس کے بعد تو خان زادہ فرید
 دلوں کے خوف کا اختتام سے نہیں بچا سکا۔"
 "میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"
 "کیا مطلب؟"
 "گل باؤ خیر پر فریفتہ ہو گئی ہے؟"
 "تمہاری بات اور ہے۔ تم چنان ہی ہو ا
 چونکہ کر لولا؟ کسی عجیب بات ہے؟ تم نے کچھ
 نہیں بتایا۔"
 "آصفت خلک؟" میں نے گسے وہی
 صاحب دار کو بتایا تھا۔
 اسی وقت مناظر خان کمرے میں داخل
 ہو کر کچھ غصے سے کہیں کہیں گئے۔ جانو نے

روح کو سونگے گا۔
 "یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔"
 اس گفتگو کے بعد جانو کی کام سے ہلا گیا اور میں اس کے پاس
 "کے ٹوکی دس میں مٹی" بیٹھی رہی۔
 شام تک جانو سے ایک ملاقات اور دوسری پھر شام کو جب
 وہ آیا تو اس نے آتے ہی کہا کہ میں ملنے کے لئے تیار ہوا ہوں۔
 رات ہی دو چوبیس میں ہوئی۔ آگے والی جیب کی انگی نشست
 پر صحت میں اور جانو بیٹھے تھے۔ آبادی سے نکل کر جیس ایک سمت
 میں مرکز سفر ہو گئیں۔ اس وقت اندھرا بھیل چکا تھا۔
 "ہم؟" جانو نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ پہاڑی پیالے سے
 ایک ڈیڑھ میل دھڑکی چلی روک لیں گے اور باقی سفر فرید ہی
 ملے کر نا ہو گا۔"
 "تم یہ چاہتے ہو کہ انجنوں کی آواز سن کر وہ ہوشیار نہ ہو جائیں؟"
 "ہاں۔"
 "ایک ڈیڑھ میل کا سفر زیادہ ڈھار گزار تو نہیں ہے؟"
 "زیادہ ڈھار گزار تو ہرگز نہیں ہے لیکن رستے کی زمین پہاڑ اور
 مزد ہے۔ اچھے نیچے سینے بھی ملیں گے اور جازیاں بھی بکثرت
 ہیں جن سے بیچ بچ کر چلنا ہو گا۔"
 میں سر ہلا کر گئی۔
 چپوں کی بیڈ لائیس اندھیرے کا سینہ چری تھیں اور مگر
 جاری تھا۔ دفعتاً جیب کی بیڈ لائیس بند ہو گئیں۔ ڈرائیو بھیل
 جیب نے جس کی اس کا ساتھ دیا اور مجھے یوں گالیجیسے بھول پڑا ہوا
 پڑا ہو۔
 "یہ کیا ہوا؟" میں چونک کر بولی۔ "بیڈ لائیس۔۔۔"
 "خواب نہیں ہوئی، بھائی کتنی ہیں۔" جانو نے میری بات کا تے
 ہوتے کہا۔ اب ہم ایسے رخ پر سفر شروع کر رہے ہیں کہ پہاڑی پیالے
 کے ذمے کی طرف سے بیڈ لائیس دیکھ جا سکتی ہیں۔"
 "ہوں۔"
 اس کے بعد ہم پھر خاموش ہو گئے۔
 جتنی دیر تک سفر جاری رہا اس پہاڑی پیالے کے باسے میں
 سوچتی رہی۔ بات میرے ذہن کی گہرائی میں اترنے کی بجائے ذہن کی
 سطح پر میل رہی تھی کہ اس پہاڑی پیالے کی بستی کے بڑے خان کو
 قید رکھا گیا ہو گا۔ اصل بات یقیناً کچھ اور تھی جس کا اندازہ لگانا مجھے محال
 ہی معلوم ہو رہا تھا۔
 جانو نے جیب کی رفتار کم کرنا شروع کر دی تھی۔ آخر اس نے اسے
 روک ہی دیا۔ پھیل جیب بھی روک گئی۔
 "اب یہاں چلنا ہو گا؟" میں بولی۔
 "ہاں؟" جانو نے انہیں بند کرتے ہوئے کہا۔

سردی سے علاقے کا رخ بدلا۔ مجھ سے اتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ شاید مجھے پھر نشن سمجھنے لگا تھا۔ ادھر مجھے مزدور کے لڑکے تھے کہ اس عمر کے میں مڑھ جڑواں میرے لئے ممکن ہو گیا تھا۔ اگر وہ مقامی لوگوں سے جدا ہو کر ہزاروں میل خود اور کرانے کے بل پر اپنی حیات کو یقینی سمجھ سکتی تھیں لیکن اس معاملے میں آئی اے کا ہاتھ جوئے کی وجہ سے اس امکان کو نقصان دینے میں کیا جاسکتا تھا؟ میری عمر ان لوگوں سے بھی کمزور ہو جاتے۔ ان لوگوں میں جو دوا اور کرانے کا کوئی ماہر بھی ہو سکتا تھا جس کی وجہ سے وہ مناسب چھڑھ لیا جو جان کے ذہن میں تھا۔ اس نے میرے معاملے میں ایک اور اٹھ کا بندہ ذہن نشن کر لیا تھا۔

چندہ مدت چلتے پھرتے کے لید جانے نہ دے سکتے ہوئے کہا۔

”اب میں اوندھے لیٹ کر رہ سکتے ہوں۔ آگے جھٹکا ہو گا۔“

میں نے کچھ کہنے کی بجائے سر ہلانے پر اکتایا۔ جانوریت متعارف ہونا جانتا تھا اور مشہور کی بات بھی یہی تھی۔

سب لوگوں نے اوندھے لیٹ کر چھڑھ کیوں کی طرح آگے بڑھنا شروع کیا۔ گاڑی بیلے کے اوچی اوچی چٹائیں اب اندھیرے میں بھی حالت نظر آ رہی تھیں۔ دریا میں فاصلہ بڑھنے لگا۔ ایک فرائیگ روکی ہوگا۔ دفعتاً ایک آدمی نے مڑھ کی طرف جوتے بانٹ کر پکارا۔ جانور کے ساتھ ہی میں بھی اس آدمی کی طرف توجہ ہو گئی۔ وہ آدمی اٹھ سے بائیں جانب اشارہ کر رہا تھا میری اور جانور کی نگاہیں اس جانب اٹھیں۔

مکمل ہو گا اس کے بعد وہ تینوں ساتے ٹرک کے عقبی حصے
ساتے بری نظریں مقلطیں کی طرح ان کی طرف مڑی ہوئی تھیں
جیسے کہ وجہ سے ہر مینی محسوس کر رہی تھی۔ اگر روشنی
میں بچ رہی ہاں گناہا جو اندھیرے کے وجہ سے دکھائی نہیں
دیتے تھے۔
وہ تینوں ٹرک کے بالکل پیچھے آئے۔ ٹرک کا عقبی حصہ پتھر
پڑا ہے جسے ہماری نظریں تھا۔ ان تینوں میں سے دو ساتے
گراخانے گئے جو ٹرک کے عقبی حصے پر پڑی ہوئی تھی جب
کہ تیسری تو تیسرا مایہ ٹرک پر چڑھ گیا۔ ترپال اٹھانے والے
پہلی کھڑے رہے اور ان میں سے ایک نے بائیں فائتر
کمال کر اس کی روشنی ٹرک میں ڈالی۔
"ہاں ہاں کہہ رہے تھے" بے اختیار نکلا۔
کل نامہ رجبو، "میں سانپ کی طرح پھنکائی۔ ہاں کے
گراخانے پر بچھ پڑ گیا تھا۔
پہلی ٹرک میں موجودہ چیزیں دیکھ کر بری حیرت بھی بقول شخصہ
آئی کہ نہ تھی۔ میرے ذہن کے کسی استہانی ٹکٹے
ات نہیں تھی کہ اس ٹرک میں مورسائیکل ہوں گی۔ تیس مورسائیکل
میں فوری طور پر جو خیال آیا پڑا وہ تھا کہ مورسائیکلوں کی
فہم ہادی ہے۔ لیکن یہ تو حق کیسے کہ ہاں کی حق کہ
ہاں گناہ کے دھندے میں لوٹ ہوگی؟ یقیناً کوئی بہت
حقا جس کے بارے میں فی الحال اندازے بھی نہیں لگائے
تھے۔
میں پر حجاب آدمی ان مورسائیکلوں کی گتیں ٹرک پر تھا۔ کوئی
وہ معین انداز میں ٹرک سے اتر آیا۔ ہاں بھادی
ساتے ترپال گرا لے گئے۔ ترپال گرانے کے بعد وہ
مورسائیکلوں کی گتیں گرا لے سے صاف کر کے ٹرک میں
لن مشات ہوا۔ بیٹ لائیس روشن ہوئی اور پھر ٹرک حرکت
لے لیں۔
ذہن میں ایک سوال گوا تھا جس کا جواب فوراً ہی لگ گیا۔
تھیں داخل ہوا تھا۔ تو دے گا وہ گوا ایک قسم کی چیلنگ
میں ملے تھے۔
میں ملے تھے میں داخل ہو گئے اور ٹرک کے انجن
پڑا رہی اور پڑی ہوئی سناتے میں غم ہو گئی۔
"ہاں ہاں تو مجھے ایسا لگا جیسے وہ ہاں ہاں۔
ہاں ہاں۔" میں نے کہا اور زمین پر لیٹے بیٹے راہی کے
لے لیں۔

تھے تو میں نے اہستہ سے کہا: ”تو سے اتنی دُور ہونے کے بعد ہم قلعہ اہلستان سے گشتِ کار کئے ہیں۔“

میرے مُرتدے پر یہ الفاظ ٹھکانا غصہ برپا کر جانور کے سبب

ساتھیوں نے ایک وقت دِلنا شروع کر دیا۔ وہ جانور یہ پوچھنا

چاہتے تھے کہ ہم کیا معلوم کر کے لوٹے تھے۔

”خاموش رہو!“ میں غزالی نے ایشاور کو نے کی حافِ تِجہن میں بھی

بیٹھا سکتی ہے۔“

میرے اس ذات پر ان سب کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ سب بچھ

پہنیں جاتے تھے مگر انہیں میرے بارے میں معلومات ضرور حاصل ہو چکے

ہوں گی۔

”وہ لوگ.....“ جانو نے ساتھیوں کو حقیقت سے آگاہ کرنا

چاہتا تھا کہ میں نے اس کا ٹھکانہ دیا یا زور پوئی۔

”ان باتوں کو کچھ کسی وقت پراختار کھو مانو!..... میں یہاں

بس اتنی دیر رہ کر کتاب کے رد و فرک واپس چلا جاتا۔ ظاہر ہے کہ وہ واپس

جائے گا۔“

”اس کے بعد؟“

”بس چھ روز تک یہی طرف واپس ٹوٹ ملیں گے۔ بس دیکھنا

ہے کہ اس ٹوک کو یہاں کس دیر تک رہے۔“

”لیکن.....“

”اس رد و فرک کو کھول باز جو ناکر گئے تھے، عورت مال وہ مرگز

پہنیں ہے جو تم سمجھتے تھے۔ یہ کوئی بہت ہی عجیب سا دِل معلوم ہوتا

ہے۔ اب تو بہت ہی متناظرہ رو کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔“

جانو چپ ہو کر مشاہیر کی بات پر غور کرنے لگا۔ اس کے ساتھ

بہت بڑے جن فکّر گئے تھے۔ انہیں یہ بات بہت ہی طرح کھل گئی ہو گی

کہ میں نے بات کو بڑھنے سے روک دیا تھا۔

میں جانتی تھی کہ جانو نے ساتھیوں کو کچھ بھی جاننے کی کوشش نہ کی۔

میں بالمشیر یہ تھا کہ بات پھیل جانے کی اگر وہ کوئی تدبیر تھے، یہ وہ دوسرا

قرآن سے احتیاط اور توقع کی جاسکتی تھی مگر وہ اپنے اندھے کے ان

تقصی مضامین پر بات نہ کر سکتی تھی۔ سستی میں چھلپتا اور اس طرح

لوگوں کے بھی کانوں تک پہنچ جاتی جو یہ سارا پرامر اور کھیل کھیلنے میں

معدوت تھے۔

ٹرک کی دایسی کا انتظار اب میں کب جاگ آؤں گے، ٹھیک ٹھیک کرنا

اس کے انہی کی حرکت آواز سن کر وہ کسی کان کو کھینچتے تھے۔ جل

ہی وہ ہمارے سامنے سے گزر گیا۔ یہ بات تو سامنے کی غصہ کہ وہ مرنے والا

اب اس ٹوک میں ہرگز نہیں ہوں گی۔

ٹرک کے چھتری سرخ دھندلا اندھیرے میں گم ہو گئیں تو میں

جانو سے کہا کہ اب واپس بس کی طرف چلنا چاہیے۔

لو جاکین ایسا نہیں ہوا اگر موعود پر اس کے لئے کوئی کرم نہ ہو۔
 لی۔ جسوں تک پہنچتے ہوئے قطعی خاموش رہی۔ جانو بھی کسی گہری سوچ
 میں غرق نہ تھا۔
 جب جیسے بستی کی طرف روانہ ہو گئیں تو ہماری جیب میں سب
 ہی چپے تھے۔ لیکن میں نے اپنے ڈونٹ سے کہہ کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ والی
 جیب میں نہ بدست کچھ نہ ہوگی۔
 رادھن پر پردہ گرام بنادی تھی کہ جانو کو رادھن سے سے چھپنے
 کے بعد اس کے لئے والی رات کو تو نہیں ہٹا اس بار ڈی پالے کی طرف جاتی
 گی اور حالات کا جائزہ لوگی۔ اپنی ذات پر اعتماد کے باعث مجھے اس
 بات کا یقین تھا کہ میں پہر پڑاؤں کی نظر سے بچ کر رہاؤں پالے میں
 ضرور داخل ہو جاؤں گی اور اس بات کا یہ خیال تو لوگوں کی گردنوں میں
 گاڑ کر رکھنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ کوئی بھی اہم قدم اٹھانے سے قبل
 تمام معلومات کا حصول ضروری تھا۔ جو باجیس معلوم ہوئی چلیے تھیں،
 ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ مرزا سائیکلوں سے بھرا ہوا ٹرک آج
 ہی یہاں پہنچا تھا۔ پہلے سے مرزا سائیکلوں میں کچھ کی جا رہی تھیں، ہاسٹنگ
 کے خیال کو تو میں نے اپنے ذہن سے بالکل ہی جھٹک دیا تھا۔
 جانو کے گھر پہنچ کر سب سے پہلے ہی جیب سے اتاری اور
 مکان میں چل گئی۔ میرے پیچھے پیچھے جانو بھی آ رہا تھا۔ اگر وہ نہ آتا تو
 میں بھی ٹرک جانی کیونکہ میں نے اپنے سامنے تھیں سے لنگھو کرنے کا
 موقع پرگز نہیں دینا چاہتی تھی۔
 جھنگ میں پہنچ کر جب ہم آئے سانسے بیٹھ گئے تو جانو سوالیہ
 لہروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 ”جانو۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر لوٹنا شروع کیا۔ میں نے
 ایک بار پہلے بھی تم کو بتایا تھا کہ میں ایک دنیا دیکھ چکا ہوں۔ میں بہت
 کم عمر ہی لیکن میرا تجربہ بہت زیادہ ہے۔ میں اڑتی چڑیا کے پڑھن سکتا
 ہوں جو حالات آج ہمارے سامنے پیش آئے ہیں وہ کسی بہت ہی
 عجیب و غریب ڈرامے کی تیاری معلوم ہوتے ہیں۔ یقین ممکن ہے کہ
 اس علاقے کے خلاف کوئی بہت بڑی سازش ترتیب دی جا رہی
 ہو اور جب معاملات جو تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پیش آتی
 ہے۔ اس قسم کے معاملات سے جذباتی انداز میں نہیں پیشا جا سکتا۔
 بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے مسئلے ہندوؤں سے
 نہیں بلکہ ذہانت سے حل کئے جاتے ہیں اور اس لئے مرزا مشورہ
 ہے کہ جو میں نے آؤ۔ سب کچھ پر چھڑ دو۔ میں دو ایک دن
 میں ہی رہتا ہوں گا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور جب ساری معلومات حاصل
 ہو جائیں گی تو کوئی بھی فیصلہ نہ کرنا۔ تمام سازشوں کا قصہ تمام کیا جا
 سکتا ہے۔ جب تک وہ معلومات حاصل نہیں ہو جائیں، تم اپنے ساتھیوں
 کو بھی کچھ نہ بتاؤ۔ اس طرح بات پھیل جانے کی اور میں ممکن ہے

کو دیکھنے کے لئے اس میں بیچ جلتے۔ اس لئے
 جاتے گا اور میں پرکاشانی سے وار نہیں کر سکیں گے۔
 میں نے اس طویل تقریر کے دوران میں
 سے اندازہ لگایا کہ وہ رام ہو چکا ہے۔ آخر میں میں نے
 حیرت انگیز استقبال کر ڈالا اور دل سے تمہارے سامنے فیصلہ سے
 ہونے کی وجہ سے ضبط وکل کا جو اثر نہیں دے سکتے
 ہے کہ تم غریب پانے ہونے کے باوجود مجھ پر ہوا
 معاملات میں ضبط و رازداری کا جو اثر دے سکتے ہو۔
 جانو نے ایک طویل سانس لے کر ہاتھ پر تکی کرنا
 چھینکے۔ میں اپنے ساتھیوں کو کہہ نہیں پاتا ہوں۔
 ”اس طرح تم اپنے علاقے کے بہتر مستقبل کی
 تحفظ میں غور ہو کر رہا۔ تم مجھے بس پرسوں تک کی
 میں یقیناً ساری معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔
 ”بس مجھے ذرا دیر ہے کہ کیسے اندازہ کر جاؤں گے۔
 جانو کی آواز پر توجہ نہ کرتے ہوئے تھی۔
 ”میں تم سمجھ دار ہو۔ ضبط کرو گے۔“
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا تم اکیلے کیا کر سکتے
 ”بس دیکھتے ہو۔ میں اکیلا بہت کچھ کر سکتا ہوں
 جانو خاموش رہا اور اس کی خاموشی سے میں نے
 طرح طرح کی تاویں اچھال دی۔
 ”اب مجھے اپنے آج کے پروگرام پر عمل کرنا ہے
 ”مگر ساہوکار؟“
 ”مجھے ڈاک بنگلے کی طرف جانا ہے۔ تم نے اس
 کر دیا تھا کہ صاحب داد آج رات اپنے گھر کا رخ نہ کرے
 ”ہاں میں نے ایک آدمی کو اتنے پیسے
 کہ وہ کسی وقت بھی آؤں گا۔ میں نے سب سے
 ”بس تو بھروسہ میں روانہ ہوتا ہوں۔“
 ”کھانا تو کھاؤ۔“
 ”اوہ! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ابھی کھانا نہیں
 سے نہ لگاؤ۔“
 کھانا کھا کر میں جانو کے گھر سے روانہ ہو گئی۔
 چل کر میں نے سانس لے لیا تھا۔ کبھی کبھی کسی
 مجھے جو کچھ کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔
 راہ میں کسی سے بھی میری مدد نہیں ہوئی۔
 نکل آئی۔ میرے قدم پر کئی تیزی سے ڈاک بنگلے
 کے کابازہ لیا۔ نگاہوں کی خاطر نہیں تھا کہ میں احتیاطاً
 تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر کھانے کا کوئی
 مجھے ڈاک بنگلے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے
 گل بانو کو راہ پر لانے میں کچھ نہ کہ وقت تو ضرور

اس طرف سے یاقوت ہونے کے بعد میں سے اترا آئی۔ میں
 نے ڈاک بنگلے کے گرد ایک چکر لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
 ڈاک بنگلے کی طرف سے دو بار بائیں ساٹھ تکی لیکن دائیں بائیں
 طرف کی دیواروں میں کھوکیاں تھیں۔ کھوکیوں میں کھینچے گئے تھے
 تھے اور وہ اندر سے بند تھیں۔ انہیں کھولنے کی کوشش صرف اس
 صورت میں کی جا سکتی تھی کہ شیشے طبع زانی کی مانی لیکن میرے پاس
 کوئی ایسا آئینہ نہیں تھا جس سے شیشہ کا ٹکڑا ہٹا جا سکتا۔ اگر شیشہ توڑنے کی
 کوشش کرتی تو اس کی آواز سے دشمن پر آشوب ہو سکتا تھا۔
 دائیں طرف کی دیوار میں جو کھوکی تھی، اس کے شیشوں پر روشنی
 کا عکس پڑا تھا۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکتی تھی کہ اس کمرے میں غلو
 کوئی شخص موجود ہے اور اسی سانس نہیں ہے۔ میں اس کھوکی کے قریب
 ہی کھڑی ہوئی اس صورت حال کا جائزہ لے رہی تھی کہ مجھے ایک آواز
 سنائی دی۔
 ”تم نے آج کھانا نہیں کھا یا بڑھے؟“
 میں چونکی اور پھر بڑی تیزی سے کھوکی کے قریب ہو گئی۔ دراصل
 وہ آواز اس کھوکی کی دوسری جانب سے آئی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ وہ
 دوسری آواز تھی۔
 اس کے جواب میں کچھ کہا تو کیا لیکن آواز اتنی مدھم تھی کہ میں
 نہیں سنی۔ کھوکی بند ہونے کی وجہ سے میں آواز کے باہر آئے میں کھوکی
 ہوتی ہوگی۔ ڈاک کی آواز تو مجھے اس لئے سنائی دے گئی تھی کہ وہ گرج
 بولا تھا۔
 ”ابھی بات ہے بڑھے! وہ پھر گرجا۔ ابھی تو میں ایک کام
 سے جا رہا ہوں۔ جمع تہوار داغ درست کروں گا۔“
 یہ آواز سن کر میں نے کام کرنے لگا۔ ”میں نے جس شخص کو مدد سے“
 کہہ کر صاحب کا ہاتھ لیا، وہ خان زید ہو سکتا ہے؟ اس سب کو گشتہ ہوا
 کیا یہ ممکن ہے کہ اسے افکار کے ڈاک بنگلے میں قید کر لیا گیا ہو؟
 غالباً یہ محفوظ ترین جگہ تھی کسی کا دھیان بھی اس طرف نہیں جاسکتا تھا۔
 دروازہ بند ہونے کی پر شور آواز سن کر مجھے چونکا کر اڑا دیں
 مڑ کر تیزی سے چل پڑی۔ بوڑھے سے ڈر کر کھانا کھا کر وہ کسی کام
 سے جا رہا ہے اس لئے میں اسے چلتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔
 دیوار کے موڑ پر پہنچ کر میں ڈاک اور احتیاط سے دوسری طرف
 جھانکنے لگی، پھر مزید احتیاط کے خیال سے زمین پر اندھنی لیٹ گئی۔
 اب میرے کچھ لے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ اندھیرے
 کی چادر بھی مجھے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔
 براؤسے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اندھوں روشنی
 کی چھوٹ چھپ پڑا۔ میں نے تین آؤ۔ یوں کو براؤسے
 سے اترتے دیکھا۔ ان میں سے ایک کوٹھا تھا۔ وہ جیب کی ڈاک بنگلے
 میں پڑ پڑ گیا اور اس کا ایک ساتھی مجھ کے کی طرف جڑھٹا جا

یا کوئی اور اس کمرے میں غنروں سے ملے گا۔

اور کیا لیکن اس کی یہ بڑبڑ بھائی کی جلدی دو بے حس و
 ہوا کی تکیں مجھے یقین تھا کہ وہ مرا نہیں ہوگا صرف بے ہوش ہو کر
 اب نہیں یہاں سے نکال کر نہ جایا جا سکتا ہے خان بابا !
 میں نے زید کے کما اور پھر کو کٹر پھٹک کر اس کی جیبوں کی ناشی
 بات سمجھ میرے بھرتے نے بتائی تھی کہ کو کٹر پھٹک کر لوگا اپنی
 گٹھڑی جاقوموڑ رکھتے ہیں کو کٹر پھٹک کر غصا اس کے منہ سے
 بات نہ تلبے ۔ کو کٹر پھٹکے بلکہ میں بھی میرا انداز دوسرے
 اس کی جیب میں گٹھڑی جاقوموڑ تھا اور اب میں اس کی
 سے خان زید کے چومے سے کاٹ سکتی تھی ۔

حضرت امیر کو روانہ کیا۔ بہت ہی تیزی سے گئے۔ اس کے بعد
 دیوبند میں اس کے ایک ہاتھ کو چرپی لیسے کی تیرہ سے آٹارہ
 کے ممان زید کے اس قبضے کا سبب مسمو کہ آرائی کا کاغذ ملا
 لے کر پھر انتقال کیا تھا۔
 ممان نے ایک تدریس شروع کرنا شروع کرنا شروع کرنا شروع کرنا
 میں اس کا تھا جسے مولانا کا بیٹا کا مہر ہوتا تھا کہ اس کے دورے
 کے آوازوں کو اپنے دوش پر اٹھ لے ہوئے گزریا ہو۔
 مال دیوبند آوازوں کو چکا تھا۔ اسے بہتر سے اٹھا چھوڑ کر
 کتب خانہ کی ادھر سے کھول کر باہر جھانکے تھے بہت دور بہت
 بہت بہت ہی سختی کے دشمنان نظر آئے۔ البتہ معلوم ہوا کہ
 بہت لوگ لائیں اٹھنے ہوئے ہیں نہ وہ ایک بلکے

[illegible]

ہے اسے ہوں۔ میرے دہن سے گھرا اس لیے
 کی کہ ناز و رنگ کی آواز جس میں بھی کسی ہوگی اس لیے
 ان میں سے کے لئے اس طرف دوڑے چلے آ رہے تھے
 میں نے پھر ایک خطرناک صورت حال کو اپنے سامنے پایا
 تھا اور ضروری تھا میں فی الحال خان زید کو ان لوگوں سے
 الٹا ہوتا تھا۔ یہی دراصل مجھے اس بات کا ذرا بخفا کراس بھیج
 وہ فریاد کئی مہینے زید کے خلاف کوئی خطرناک قد
 کے۔ اس مجھے قطعاً نہیں معلوم تھا کراس میں خان
 لکھنے میں اور خان زید کا کاحی کون کون ہے، فی الحال
 ہاؤزی ایسی شخصیت تھی جس کے بارے میں کہا جاسا
 ی کی سب سے بھی خواہ ہے
 اس میں تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن میں فوری ط

اور میں ہستی کی طرف متوجہ کرتی تو اس پرچہ میں
اور مخالف سمت کے دہرانے کی طرف جانے میں
ملان زادہ فرید کے آڈیو میں سے مدد پر تیرا ہوجا
میں نے ہذا خیال کیا یا اس کا کوئی اثر ہلکے چھیننے کے
ات ہو سکتا تھا۔ پس جو چہنی کی بات نہ صرف یہ متقی کرنا

میں ہیں اس کا ہر ایک کھڑا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟

جب گل بانو نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے اس کی نظر مجھ پر پڑی اور میں نے اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیلنے دیکھے۔ شاید دروازہ کھولنے سے قبل اسے یقین نہیں تھا کہ آواز کسی "لڑکھان" آہٹ خفک کی ہے جس کو آج دن میں اس نے پسندیدہ نظر سے دیکھا تھا۔

"اوہ! یہ تم ہی ہو!" اس کے منہ سے نکلا اور پھر اس وقت وہ اچھل پڑی جب اس کی نظر خان زید پر پڑی۔

میں خان زید کا ہاتھ گڑ گڑ کر تیزی سے اندر گھسٹی چلی گئی اور میں نے جی دروازہ بھی بند کیا۔ گل بانو تو بکھلائے ہوئے انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد میں کمرے کی طرف مڑ گئی۔

"گل بانو! میں نے تیری سے کہا تھا کہ تم نے فائرنگ کی آواز سنی تھی نا؟"

گل بانو نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"وہ فائرنگ مجھ پر اور خان پر ہو گئی تھی۔ ہم دونوں کی فنگلی خنجر میں ہے کیا تم میں یہاں پناہ نہیں دو گے؟"

"خان کے لئے تو اس جیسی کوئی گھر بھی اپنے دروازے بند نہیں کر سکتا۔ گل بانو نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور اس گھر کے دروازے تو تیرے لئے بھی بند نہیں ہو سکتے؟"

"صاحب دو کا دل ہے؟"

"دہیں ہوگا! ابھی قبر پر یہ گل بانو نے مجھے انداز میں کہا اور مجھ

خان زید کی طرف دیکھ کر گھومنی نہ مگر خان...."

میں نے اس کی بات کاٹنے سے منع کیا۔ میں جانتا ہوں کہ کس

وقت تمہیں بہت سے سوالات پریشان کر رہے ہوں گے لیکن لی الحال ان باتوں کے لئے یہ کوئی مناسب موقع نہیں۔ میں تم آج جان کو کہ

خان کو کچھ دیکھنے کے اظہار کے قید میں ڈال رکھا تھا اور میں نے ان کو چھوڑا ہے۔ بعض وجوہات کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ آج رات کو

ہم دونوں یہیں چھپے رہیں۔ یہ بہت شور و غل سن رہی ہونا، یعنی کی طرف سے لوگ آئے ہیں، ایک اور میں اس سے پریشیدہ رہتا ہوں۔ تم نے یہ بات

انگل غلط کی تھی کہ اس جیسی کے گھر کا دروازہ خان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ صورت حال بالکل جیسا ہے بعض دروازے ایسے بھی ہیں جہاں

نان کے لئے صحت کا فیصلہ لٹکا ہوا ہے۔ ایسے دروازوں کے مالک

س جو ہم میں سے ہوں گے جس کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ میں ان سے ضرورت پر پہلے۔ تفصیلات تو قریب میں جان لینا، لی الحال میں نہیں جانتا۔ اور مجھ کو رات سے باہر نکل کر ان لوگوں سے گفتگو کر دو۔ تم ظاہر کرتے ہو کہ فائرنگ کی آواز سننے کو بھی خوفزدہ کر دیا تھا اس لئے تم

باہر نہیں نکلی تھیں۔"

گل بانو نے اس طرح ادھر ادھر نظر دوڑائی جس کے لئے جگہ کا انتخاب کر رہی ہو۔ خان زید بہت جلدی سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت ایک ایسی کھٹکتی کی تھی کہ

میرے ہاتھ میں جو پتھر لکڑیوں نے کسے آواز کر رہا تھا

کے لئے ایک ایسی شخصیت جن میں حق پروردگی کا

گل بانو کے ہاتھ میں میرا یہ اندازہ درست ثابت

وہ ہمارا ساتھ دے گی۔ اس نے ہمیں پتھروں کے

سلاسنے کے سہ سے میں شرمک دیکھ کر ہونٹوں سے اس

کسی کی نظر اس وقت تک نہیں پڑ سکتی تھی جب تک

نیچے جھانکنا تھا۔

حجم کا شور اب صاف سنائی دینے لگا تھا۔ خان

کے چہرے تک پہنچ چکے تھے۔

گل بانو ہمیں چھپا کر گوارے سے باہر چلی گئی۔

بہم سے سس پور ہوا تھا۔ مجھے کوئی یاد آ کر

لاسن برتی تو کی حقیقت رکھتا ہے۔ مجھے اس قول کی

شہ نہیں ہوا میرے خیال میں، نفسی طور پر بات

ہے میں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن جب یہ پہل

عورت کا ہے تو یقیناً اس کا کچھ رول ہوتا ہوگا۔ ہم

میں کوئی بات تو محسوس نہیں کی جاسکتی۔

باہر سے شور و غل کی آوازیں اب صاف سنائی

ہونے والوں کی تعداد آتی زیادہ تھی کہ پھر سے ایک

جلدی سے مڑ گئی کہ دروازہ بند کر لو!"

اے نے ہلکے بانو کا یاد کیا کہ اس نے کیا بھول

ہوئے تھے ہم وہ اتنی غفلت اور گھبرائے ہوئے

کی طرف مڑی جیسے ایک شائبہ کی بھی تاخیر ہو

ہٹ جائے گی۔ اس نے کھٹ سے کندی لگا دی

کے کھڑکی پر لیبر سائیں لینے لگی۔ اس کا وہ

بھی بڑا جوان غیر نکاح تھا۔

"اے میں نے ہلکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

میں آواز اٹھی مگر دیکھ کر کھٹ کے

ان میں نہیں سن سکی ہوگی۔ اس نے مرنے لگا

کہ خان زید سے مجھے کہنے لگا تھا۔

پہلے لڑکے کو بچہ تو بتاؤ، تم نے مجھے ابھی ہی

کہ کرشن کیوں کی ہے؟ خان زید کی

کا خان بابا! میں نے بڑے سکون سے

کہنے دو کہ اس کے نتیجے کی یاد آ رہی ہے

آواز کی طرف دیکھنے لگی۔

ہو گئیوں پر زبان کی مٹی منتقل کی اور

میں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر

کہتا ہوں یہاں، ہمارے قریب آ جاؤ!"

میرے ذہن میں یہ سوال ابھڑا کہ کس کو بے ہوشی کی حالت

میں باقر خان زادہ فرید پر کیا گزری ہوگی؟

اس کا ہاتھ ایک دیکھ کر ہوش میں لایا جا چکا ہوگا اور

خان زید کو غائب ہوا اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہوگی۔

خان زید ان لوگوں کے ایک اہم راز سے واقف تھا۔

وہ راز اب بھی جان چکی تھی اور میرے سب سے بڑا مسئلہ

اب بھی تھا کہ جلد از جلد اس علاقے سے نکل جاؤں۔ میں جانتی تھی کہ

میری یہ اطلاع سرکاری سطح پر بھی نہ پھیلے آئے گی لیکن قابل غور

نکتہ یہ تھا کہ میری اس اطلاع پر یقین بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ یقین

ہی کی صورت میں یہ ایسا کشات دھوکہ غیر ثابت ہوگا کہ درون بعد

بھاری تو فیض پاکستان کی سرحدوں پر حملہ آور ہونے والی ہے۔ اتنی

بڑی اطلاع غیبی موت کے بغیر، قابل اعتبار نہ ہوتی اور اس لئے میرے

ذہن میں یہ خیال بھی سے بڑھ چکا تھا کہ مجھے براہ راست صدر مملکت

یا وزیر خارجہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا پڑے گی۔ پھر یہ انجمن ویرا داخل

کا تھا۔ ملک کی کسی تین اہم شخصیتوں کی ہوشی موت کے نتیجے بھی

میری اطلاع پر یقین کر لیتیں۔

اس مسئلے پر غور کرتے ہوئے، موجودہ صورت حال ابھی میرے

ذہن سے غائب نہیں اڑی تھی اور مجھے اور گرد کے ماحول کا بھرپور

ادراک تھا۔ میں اس فائرنگ کو بھی نہیں جانتی تھی اور یہ سوال میرے

ذہن میں اب شور مچا ہوا تھا کہ کس کی ہوشی سے ہوئی تھی؟

نیز یہ کہ اس جھڑپ کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔

حب میں نے گل بانو سے اس فائرنگ کے بارے میں پوچھا تو وہ

بولی "جنگ کی مشق دیوار پر گولیوں کے نشانات ملے ہیں اور

اس طرف کی کھڑکی کا شیشہ بھی ٹوٹا ہوا ہے لیکن کوئی لاش نہیں ملی؟"

"وہاں خون کے دھبے تو ہوں گے!"

"نہیں، خون کے دھبے بھی نہیں ہیں! گل بانو نے بتایا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فائرنگ بے نتیجہ رہی تھی اور

اس شخص کو فائر ہونے کا موقع مل گیا تھا جس پر دھڑکنے لگی

چلائی تھیں۔ میں نے فرائ سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اس نامعلوم شخص نے

کھڑکی کا شیشہ توڑ کر سگایاں داخل ہونا چاہا تھا لیکن وہ کڑی جل لڑائی

کے باعث اس کی یہ کوشش باہر نہیں ہو سکی تھی۔ میری آنکھیں نہیں

آ رہا تھا کہ وہ نامعلوم شخص کون ہو سکتا ہے لیکن اس سوال پر غور کرتے

ہوئے میرے ذہن میں دو شخصیں ضرور ابھری تھیں۔ ایک تو دی

بڑا سار لوڑ تھا جس نے کراچی سے ہندوئی ملک میرے اعقاب کیا تھا اور

پھر شاور سے یہاں تک کا سفر کرتے ہوئے بھی میں نے اس کی ایک

تھک دیکھی تھی۔ دوسرا شخص اس بوڑھے کا ساتھی، لیکن بلی جیکٹ

والا وہ خان تھا جس نے شاور سے یہاں تک میرے بھائی کے

381

خان زید کو زمین کا خطے یہ بھی اور اسے بجائے کے لئے مجھے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی کہ جانو کی مدد حاصل کروں۔ اس کی مدد حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک پیغام ارسال درالکھا کو نیکس میں یا خان زید اس وقت باہر نہیں نکل سکے تھے۔ وہاں کے اندھیرے میں خان زاہد فرید کے کچھ بیٹوں کا غول بھاری بوسوٹھٹا پھر ہوا۔ جو گاڑنے والے کو گولی کو بات بھی بتا دی ہوگی کہ خان زید کو آزاد کرنے والا ایک نوجوان لڑکا ہے۔ اس نے اگزیس انا کچھ بیٹوں کی نظر میں آ جاتی تو وہ ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔

کل باکو سے جو اس پرچہ پہنچا
جب وہ چل گئی تو خان کی زندگی
”کیا اس عورت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟“
”ہاں میں نے بڑے مضبوط پہنچا“
خطرہ مینا چاہتی تو اسی وقت بن جاتی جب
تھے اور وہ باہر ان لوگوں سے باتیں کر رہی
خان نے بڑے انداز فکر و احتیاط سے
میں دے دیں تو دروازے ٹک

ہم نے ان کو بھیج دیا۔ ان کے پاس سے بھی
 کوئی جواب نہ آیا۔ ان کے پاس سے بھی
 کوئی جواب نہ آیا۔ ان کے پاس سے بھی

یاد دینی تو میرا نام بھی یاد ہوتا۔
 جالون خان! ہمیں سرگرمی میں مضرب بھی تھا یہ کسی طرح ات
 کے کوشش کرو!۔
 میرے پاس جاہلوں کا ایک گھنچا ہے تو میں جالون خان پر بڑا
 مدد ان جاہلوں کو زماؤں میں سے بے خبر چش انداز میں کیا محض
 نے چانی لگ جائے۔
 میرے بھائی کو کھڑک سے نہانی رہی جیسے جاہلوں کا گچھا نکالا
 صاحب داد صاحب انداز میں بڑا بلدا تھا کہ الفاظ میں کج
 ہوتے تھے۔

میں کہیں اپنے سے بھی ددواڑے سے کان چھائے اور اس نئے کی
کو شش کرتی ہر بنان نہی میرے قریب کھڑا ہوا تھا اداس کے
چہرے پر ازل سے سوئد کی محسوس تھی اسی اور اس نئے کی جیسے تھے اس ایک
کے بعد ایک چالی ازل جاری ہر جو صاحب اد ایک بار ہر اس ماحول سے
بے نیاز ہو کر بے فکر اور اس لوگ گیت گانے لگا تھا۔

دفعاً ایسا کھانسنی دیا جیسے تار کھل گیا ہو، اور پھر جانو خان نے میری ساعینہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

”اسرائیل گیا آصف خان“ اور جو خوش انداز میں بولا تھا۔
میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور اس وقت خان زید
کے چہرے کا انقرا اس لئے نہیں دیکھ سکی کہ میری تمام تر توجہ روانے
کی طرف تھی۔ جس نے کٹھنی کھٹنے کی آواز سنی اور ایک قدم پیچھے ہٹ
گئی۔ کیونکہ روزا سے کاندری کی جانب ٹھٹھا تھا۔

لیکن دروازہ کھٹنے سے پہلے ہی وہ واقعہ دیکھ گیا جس کے خیال سے میرے ذہن کے تاریک گوشے بھی غیر آباد تھے۔ مکان کے باہر کسی سمت سے گریاں برس رہی تھیں اور میرے پہلے صاحب داد کی چیخ سنائی دی تھی۔ اس کے فوراً بعد جانو خانہ بھر گراہ اٹھا تھا اور میں نے ان دونوں کے رنے کی آوازیں سنی تھیں۔

”اودھوا“ خان زبید کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

(۱) جس طرح خطبے کے احساس نے اس بڑی طرح جھلکا تھا کہ
 میں چند لمحوں کے لئے تجھے بہت کی طرح ساکن رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے
 اس طرح گزرے جیسے میری زندگی میں وہ جس آسمے میں نہول رہا تھا
 کے اعتقاد میں جب زندگی کا ایک بدلاؤ شروع ہوا تو میں نے دھڑکنے
 ہوئے دھڑکنے کی آواز سنیں جو تجھ سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ میرا
 ذہن اب تیرے سے کام کرنے لگا تھا۔ میں نے جگ جھپکنے کے وقفے میں
 صورت حال کا تجھ پر کرنا۔ اگر میں یاخان زید دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی
 کوشش کرتے تو میں گولیوں کی لہجہ کو اپنے سینے پر محسوس کرنا پڑتا۔
 دوسری صورت یہ تھی کہ وہیں رک کر صورت حال سے ہٹنے کی کوئی تدبیر
 سوچتے لیکن کیا بدشگون میں اتنی بہت سے دینا، یقیناً نہیں۔ ہاں اگر
 دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا تو میں سمجھا لایسے کی تقرری بہت مہلت
 ضرور مل جاتی۔

میں نے حیرت کردہ دوازے کی کڑی گنگنا چائی کہ مجھ پر کون
 چکی تھی؟ باہر سے کوئی شخص دوازے پر گویا ڈیٹ مڑا تھا۔ میں اس اچانک
 دھکے کر دواشت نہیں کر سکی اور میرے قدم اکڑ گئے۔ میں پیچھے کی طرف
 مڑی اور دوازے ایک ترشوا دوازے کا ساتھ کھل گیا۔

میرے پر عجب کلمے ہوئے خان زند نے مجھے نکال دیا ہوا تو
شایدیں فرشِ براس طرح گرنی کہ میرا سر چھوٹ جانا لیکن اس چوٹ سے
بچاؤ کے عوض میرا زقربان ہو گیا۔ میرے سر سے گرنی کی اور دقتید
بال آزاد ہوتے ہی بڑی سے تانی سے چاروں طرف کھہر گئے۔

چو چٹ دروازے سے اندر آئے اور
در و کھڑے۔۔۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں
میرے راجا کا افتخار خان زید کے لئے
ہو گا لیکن میں اس وقت اس کے چہرے
پیری تو میرے لئے واردار کی طرف تھی جن
لوگ اس صاحب لہو اور جان و خان کو غالباً
میرے لئے اس کی دوسری سرکٹ بند کر کے

ایسا کہ ہواخان زید! بوڑھا ایسے بھرتے ہوئے
 انی اسل اور کوجیا جاتا ہو۔
 کی لڑائی ہوئی کسی انگلی اس شخص پر جی ہوئی
 تھا اور جس کی لاش اب فرش کو زمین کر رہی تھی۔
 بہت بُری طرح اُٹھایا ہوا تھا میں اس بوڑھے
 سنانہ روئیے کا تعین کرنے سے قاصر تھی۔ اب
 پانچاٹ سمجھا تھا لیکن موجودہ صورت حال
 ثابت بہرہین گاری تھی۔

میں نے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی

یہ مباحث کا وقت نہیں ہے خان
 "میں چاہئے کہ ان دونوں کو فضا
 کی دیں۔"
 "تم تھک رہے ہو دوست ا"
 کہ ساتھ ہی اس کے راپو کوئی مال

و کھ کے دیو اور کاٹنخ میری طرف تھا
میں نے کہا اپنی حفاظت کر سکتی تھی ہمت
نکال سکتی تھی۔

موت کو اتنا یقینی دیکھ کر میں نے
جبست لگا دوں لیکن اس سے پہلے

[illegible]

کے دستے پر ایسی گرفت تھی کہ انہیں
اسٹین گن چلنے کی آواز نہ سنانے
تھیں۔ یہ سب مل کر دروازے

یہاں سیر کی لاش پڑی ہوئی ہے۔
 کہہ کر تھارا بچکا۔

یہ ہے کہ موڈ کو دیکھ کر اسٹین سن کے

لوڑھے نے خالی الذہنی کے سے عالم میں سر بلایا اور میری
 طرف دیکھنے لگا۔
 میں جانو پڑھک گئی تھی۔ "تمہیں کہاں ولی کی ہے جانو خان!"
 اس نے اس سے پوچھا۔
 "شرانے میں ہے۔۔۔۔۔ اس۔۔۔۔۔" جانو بھنے اصف
 بہت کچھ کہنے لگا۔
 "سہرا کمر، زور و دلا کا جائزہ لیا۔ دفتر کو کھا

تھا گوئی اس کی گردن سے آدھار ہو گئی اور غالباً شہر کے گوشہ نشین
ہو گیا۔ پھر اچانک ہمارے یہیں بھی اس کی موت کا بہت افسوس ہوا تھا۔
سب سے افسوس دہش پیر خاں تھا کہ اس کا بانیہ بہن بھی سان دونوں
کے اندواں میں تعلقات خراب ہیں۔ لیکن بہر حال وہ کل بانو کا سہارا تھا۔
جاننے سے وہ دواڑے کی پھٹک پڑی اور اب بہت بڑھ چکا ہے۔
میں اچانک کے علاوہ اندر دوسرے باہر بھی کوئی نظر
نہیں ہوئے تھے کیونکہ خاں زادہ فریاد دے کر کے ساتھیوں کی طرف سے
کسی بھی کوئی نظر اٹھ نہ سکتا۔

جانو تو کھٹ پکڑ کر کھڑا ہوا لو اس کی نظر غالباً پہلی بار جان ری
پر پڑی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ حیرت زدگی کے ساتھ ہی اس کی
آنکھوں میں مسرت کی چمک بھی نظر آئی تھی۔
"خانہ... خانہ... اس کی آواز میں یکساں تھی۔

”ہاں باگم، تمہارا مکان ابھی زندہ ہے۔“ خان زید نے ٹھٹھی بھینس گئے کہا۔ ”کیا تم نے مجھے مراد سمجھ لیا تھا؟... ہاں... شاید سارا ہی سنی ہے مجھ کو کیا کہہا۔ مجھے اس آدمی نے داک بھینس کر لیا۔“ خان زید نے بڑی نفرت سے وکٹر کی لاش کی طرف دیکھا۔

”یہ بڑا نازک وقت ہے جاوہر خان! میں، امستے سے کہتا ہوں۔“

”ہاں، جانو خان کا چہرہ دیکھنے میں ڈوب گیا تھا۔ تکلف مٹ گیا کرتے کرتے کسی کی حالت تباہ ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی جینو موٹی صحت نے اسے سنبھال رکھا تھا۔ دوسرے کو اور آدنی کو اس حد تک خراجِ خون کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہاں اس نسلے میں کوئی مددگار نہ تھا۔ ہوں گے پُر اسرار لوہا، جبریں اور دجائی کی طرف دیکھنا ہوا۔ بالوالہ۔ اگر کسی کے کسی آدنی تک کوئی

اس سے پہلے کہ میرے ابا جان کے مُنہ سے کوئی بات نکلتی، احاطے کے پھاگ کی طرف سے دوڑتے ہوئے قماروں کی آواز سنائی دی۔

آواز نہ بچاں لی۔ وہ جانے کے ساتھ میں سے ایک تھا۔
 جالو تو گرد و آلودگی کی چوٹ پڑے ہوئے کھڑا تھا اور
 اندرونی روشنی اس کے پورے وجود پر پڑ رہی تھی اس لئے اس
 کے ساتھ میں نے چھانک ہی سے اس کو بچاں لیا تھا۔
 وہ تین تھے اور ان کے ہاتھوں میں رافیل پتلیں تھیں۔ ان میں
 سے دو تو بچپانی ہی میں تیرا لہجہ بولنے لگے تھے۔ ان تینوں
 کے پیچھے ایک بالو بھی دنگی چلی آ رہی تھی۔ اسے جانو نہیں ملا تھا اس
 لئے وہ اس کے ساتھ ہی گئے تھے۔
 مجھے ایک باپ صاحب داد کی لاش کا خیال آیا۔ اسے دیکھ کر
 گل باؤ پر نہ جانے کیا رد عمل ہوتا۔
 جانو کے ساتھ میں نے وہاں پہنچ کر ہانک مٹھا لیا اور
 گل باؤ صاحب داد کی لاش پر نظر پڑنے ہی سے ہلک سا ہلکا
 "میرا خیال ہے کہ میں یہاں دو دنوں سے پر نہیں کھڑا ہوا جانتے
 میں بولی۔ یہ میرا غور نہیں ہے۔ اگر کوئی کیا برساتے تو کلاکت
 کا اندیشہ ہے۔"
 گل باؤ نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میں نے چند قدم اگے
 بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا بالو باؤ میں نے آہستہ سے کہا۔
 "میں وہی صوف خان ہوں۔ بعض مسلمانوں نے مجھے مردانہ روپ چھاننے
 پر مجبور کر دیا تھا۔ آؤ اٹھ چلیں۔"
 "گل باؤ صاحب داد کی طرف دیکھا۔
 "مجھے انہوں سے تین آہستہ سے بولی صاحب داد میرا
 ہے۔"
 گل باؤ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ اس کا چہرہ جیسے
 پتھر کر رہ گیا تھا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کو اس کے اندر سے
 آئی۔
 جانو کے ساتھ اس کے ذمہ پر اس کے پیچھے ہٹنے لگے تاکہ ان
 کے ہاتھوں میں آجائے۔
 "تم لوگ بچہ کی طرف جاؤ، جانو آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ اور
 زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہاں سے یہاں لے آؤ۔ جب وہ
 یہاں آجائیں گے تو انہیں بتایا جائے گا کہ یہاں بڑے خان موجود
 ہیں۔ اس کے بعد خان زادہ فرید کے آؤ دیوں میں آئی بہت نہیں
 رہے گی کہ وہ کوئی غلط فہمی اٹھائیں۔ بہت ہو گا کہ تم کسی سے وادائی
 چلے جائیں۔ تیسرا یہی ہے پاس آؤ گے۔"
 جانو کی اس تجویز پر فوراً عمل کیا گیا۔ دونوں آؤ دیوں کے چلنے
 ہی کو اس کا رد و اندازہ انداز سے بند کر لیا گیا۔ اب اگر دشمن یہاں حملہ
 کر بھی دیتا تو ہم اتنی دیر تک مقابلہ ضرور کر سکتے تھے کہ کسی کے لوگ
 آجائیں۔ مجھے سب سے زیادہ اطمینان اس شخص کی وجہ سے
 تھا جو پھر اسرار کو بڑھے کے ہاتھوں میں موجود تھے۔ میرا لڑا لڑا اور جانو

کے ساتھ کی راکٹوں کو بول کر مہل سہارا بنے۔
 خان زید، جانو اور اس کے ساتھ اس کے ساتھ کو اپنے
 گناہ جب اس نے دشمن کے سردار سے بڑھ کر اس کے ساتھ
 چونک پڑا۔ اس نے تیزی سے سرگرم کر رہی تھی
 میں بولا۔
 "یہ ایک اطلاع درست ہے؟"
 "خان کو مجھ سے بولنے کی ضرورت نہ
 پڑھے گی انہوں میں خوشی کے ساتھ
 وہ بڑھ پڑا۔ "مجھے جلد از جلد راولپنڈی میں
 "تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کو
 "مجھے آپ کی حفاظت پر ہانک لگا
 "سرکاری طور پر یہ ہے کہ میں نے چونک کر
 "جی نہیں میں کسی سرکاری جگہ سے
 "تو پھر؟"
 "مجھے انہوں سے" بولنے سے کہا
 "کہا ہے" زبان پر نہیں لاسکتا جس نے مجھے آپ
 میں انہی کوئی نفوذ سے اس کی طرف
 "اور وہ میری سیکٹ والا ہے" میں نے قہر
 "اس کے علاوہ مجھ پر تپا سکا کہ وہ بھی میرا
 کے گرو پیسے ہوئے تھے۔ میں وہ اس وقت کسی
 پھر ہمارا گرام گم لوگ کسی جگہ سے دور
 مدد کر سکتا ہے۔
 ہماری ہنگامہ خیزی میں کوئی بھی اندازہ نہ
 سے کسی نے ہانک کوئی بات نہیں ہوگی۔ ویسے بھی
 تمام تر تو یہ خان زید کی باتوں پر بھی رہ گئی بالو تو
 کسی کی طرف میں نہیں تھا۔ وہ دشمنی طور پر کہیں اور
 رہی تھی شاید وہ اپنے غریبی مستقبل کے خوابوں میں
 ادھر سے ادھر بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
 وہ باقاعدہ اس کی شخصیت پہلے ہی کو کسی کی گرفتار
 اس کی باتوں نے پوری کردی۔ سب مجھے گویا
 اسے میری حفاظت پر ہانک کرنے والا نہ ہو سکا
 واضح طور پر یہ بات کہ وہ کسی کو وہ کوئی سرگرم
 میں یہ سوچ لیں کہ اسے میری حفاظت پر ہانک
 میں اس کو دیکھ کر میں گرفتار تھی کہ خان
 چونکا دیا۔
 "بیٹی! تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم
 میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی

میری جیسے لینا خان زید سے پہلے جانو بول پڑا۔
 وہ شکر کہ درست باتیں اس نے مسکرا کر کہا۔ لیکن اتنا اور باتوں
 راولپنڈی میں تھا کہ کوئی جاننے والا ہے یا نہیں؟"
 "کئی ہیں۔ مگر کون؟"
 "میں جیپ تھمے کسی دوست کے خولے کر دیں گی تاکہ وہ
 نہیں واپس پہنچا دے۔"
 جانو نے کچھ سوچا اور پھر اپنے ایک دوست کا پتہ بتا دیا۔
 کو اس کے بار بار آپس سنائی دیتے گی نہیں اور وہ اکا دکا
 قذوں کی نہیں بلکہ بے شمار قذوں کی آہٹیں تھیں۔ شاید کسی کے لوگ
 وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہم سب کی توقع دو دنوں کے اس طرف مزید ہونگی
 لیکن کسی نے بھی اچھہرہ روزہ نہیں کھولا۔ دروازہ کھولنے سے قبل
 اس بات کی تصدیق ضروری تھی کہ کون سے والے راستی ہی کے لوگ تھے یہ
 تصدیق اس وقت ہوئی جب کسی نے باہر سے جانو کو پکارا اور
 دروازہ پر دستک دی۔
 جانو کے ساتھ میں نے اچھہرہ روزہ کھول دیا اور ایک بھیرے کی بھیر
 اندر گھسی چلی آئی۔ خان زید کو دیکھتے ہی ان کے چہرے سرسبز سے
 رکھلے اٹھے اور خوشی کے نرودوں سے کو اس کو گویا تھا۔
 وہ اس راستی کی ایک یادگار بات تھی۔ ایک تاریخی رات
 تھی۔ راستی کے مختصر لوگ خان زادہ فرید سے خوش نہیں تھے، اس
 لئے خان زید کو دوبارہ یا کو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ وہ
 سب خان زید کو بڑے کر ایک جلوس کی شکل میں راستی کی طرف روانہ
 ہوئے۔ تین لاکھیں بھی اس جلوس کا ایک حصہ تھیں اور گل باؤ کو
 بھی ساتھ لے لیا گیا تھا۔
 میں نے راستے میں خان زید کو مشورہ دیا کہ وہ جلد از جلد
 ہماڑی پائے پر چل کر آئے، وہاں پر نہ تو ڈیڑھ ساٹھوں پر قبضہ
 کر لے اور اس علاقے میں اتنا سخت پیرنگ لگائے کہ اگر ہندوستانی
 چھاتہ پروردہ اس تو انہیں آسانی سے چھوڑ دالا جائے۔
 ہماڑی پائے پر قبضہ کرنا ایک امر آسان نہیں تھا جس میں مجھے
 بھی شامل ہونا چاہئے تھا لیکن ایک اندام مزین کام کی وجہ سے مجھے
 اس قسم کو نظر انداز کرنا پڑا۔ میں جلد از جلد راولپنڈی کی طرف روانہ
 ہو جانا چاہتی تھی چنانچہ میں نے راستی میں پہنچنے ہی جانو سے جب کا
 تقاضہ کر دیا۔ جانو نے فوراً جیپ منگوا دی اور میں نے خان زید سے
 روانگی کی اجازت چاہی۔
 راولپنڈی کے اس سفر پر روانہ ہوتے ہوئے وہ ہمارا
 بوڑھا اور اس کا ساتھی بھی میرے ساتھ تھے۔ بوڑھے کے ساتھ میں
 اس وقت بھی میل جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جب کی ڈرائیونگ سیٹ
 اسی نے مینجھالی۔ میں اور وہ بوڑھا پچھلی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔
 روانگی کے ان آخری لمحات میں خان زید نے بوڑھے سے اس کی

تھیں۔ ایک جیب خوار ہوئی اور بہت تیزی سے ہاتھ تیرہ
 آئے۔ اس جیب میں کھڑے ہوئے ایک آدمی کے ہاتھ میں
 لائن صاف نظر آ رہی تھی۔
 ”اوہ! انا کاٹا“ میرے منہ سے نکلا۔
 یہ کیا ہوا؟، جیکٹ والے نے گھبرا کر پوچھا۔
 دشمن کو لگے پتہ نہیں ہے۔ میں نے دانت پروتھا کہ اگر
 درجیاں یا فائل اچھی آنا کہ نہیں ہو تا تھا کہ میں رہا اور اس مقابل
 کر سکتی لیکن رابطہ کے لئے اس فائل کے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس
 کا ثبوت بھی فوراً ہی مل گیا کہ لائن چلنے کے دھماکے سے فضا کو گرج
 اٹھی اور میں نے اپنے نیلی جیکٹ والے ساتھی کی گردن کو نشانہ بننے
 ہوئے دیکھا۔ خون کا لڑا سا اہل چڑھا اور اس کی بے شمار جھینٹیں
 میرے چہرے پر بھی پڑی تھیں۔
 موت نے میرے ساتھی کو ایک کیل کی جھڑپ میں دھکیلی
 اور اس وقت جیب کی رفتار تیرنے والی سوئی کے نیچے پچاس کا
 ہندسہ چھلک رہا تھا۔ اس رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑی کا دھڑا دھڑا
 مرجانے لگا۔ گاڑی کا ایک شتر بوجھا ہوا ہے؟
 خطرناک سے متاثر کرنے والی لاش کی جھلک بعض اوقات مجھ پر
 دکھائی دے اور ایسی قسم کا ایک تجربہ اس وقت میری جبلت نے بھی
 دکھا یا جس نے میرے چہرے پر خون کی چھینٹیں بڑی تھیں، ہاسی نے
 میں نے اپنا ایک ہاتھ اسٹرنگ پر رکھ دیا تھا۔ پچاس سے پہلے کہ
 نیلی جیکٹ والے کی لاش کسی طرف لڑھک جاتی، میں بڑی تیزی سے
 اس کی گردن پر چڑھ گیا۔ میرے دونوں ہاتھوں نے اسٹرنگ سے ہتھال
 لیا اور اپنی ٹانگوں سے میں نے جیکٹ والے کی ٹانگیں لادھڑھڑ
 کر دیں۔ میرا ایک پیڑا اسٹرنگ پر پہنچ گیا۔ اب میں دوسرے میرے
 کچے یا بریکر کو بھی استعمال کر سکتی تھی۔ میرا وجود اسٹرنگ اور نیلی
 جیکٹ والے کی لاش کے درمیان چسپاں کر دیا گیا تھا۔ عام حالات میں
 اس طرح ڈرائیونگ کرنا شاید میرے لئے بہت دشواریات بننا لیکن
 اس وقت مجھے کسی دشواری کا احساس ہی نہیں تھا۔ میری طرف تین سو
 سو اسی کی جگہ کو اتھارنی برق رفتاری کے ساتھ دشمن کی زد سے نکال
 لے جاؤں۔ بیکسٹر پر میرے پیڑا کا ہاتھ چلا جا رہا تھا۔ اسپید بڑھ
 کی سوئی پچاس کے ہندسے سے تھک رہی تھی۔
 راکٹ چلنے کا دھماکا ایک بار پھر سنائی دیا۔ میں نہیں جانتی کہ اس
 گولی کا کیا شہر ہوا ہو گا۔ میں نے خود کو نیلی جیکٹ والے کی لاش کی آڈ
 میں اس لئے کر رکھا تھا کہ اس طرح میں دشمن کی چلائی ہوئی گولیوں
 سے کسی نہ کسی جھک ضرور محفوظ ہو سکتی تھی۔
 اگر نیلی جیکٹ والے نے اس سفر کے لئے مرکزی سڑک کا راستہ
 اختیار کیا ہوتا تو دوسری آتی جانی گاڑیوں کے دھبے دشمن کو اتنی دیر
 دیر سے حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ نیلی جیکٹ والے نے سفر کا

ابتدائی حصہ بھی وہاں اور ناہموار راستوں پر
 آئے کسی جمودی کی بنا پر مرکزی سڑک اختیار کر
 میں اس نے جیب کو ایک بار پھر مرکزی سڑک
 ناہموار راستے پر چوال دیا تھا۔
 اب میں اس ویلے میں ایک خطرناک
 تھی۔ میرے دونوں ساتھی ہلاک ہو چکے تھے،
 معلوم ہو سکا تھا کہ وہ ہوں تھے۔ دشمن کی جیب
 میں تھی۔ جیب میں خون بھی ٹوٹے تھے۔
 میں افسانہ کر دیا تھا۔
 کچھ وقفے سے تیرا دھماکا ہوا اور میں نے
 نہیں گولی کی گرد محسوس کی۔ سب مجھے ڈر ہوا کہ
 نشانہ بن گیا تو کیا ہو گا؟
 اسپید و میٹر کی سوئی اب تھر کے ہندسے
 راستے کی ناہمواری کے باعث جیب کو تیر
 تھا۔ اس راستے پر تیز رفتاری آتی خطرناک
 دی جانے لیکن میں ایک یقینی موت سے پہنچنے
 پر مجبور تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے لڑ
 میں ان کے ایک ایسے راز سے واقف ہو گئی
 تیز و چوہ میں اب شہر کے اندر دکھائی
 اب جو میں نے ایک بار لڑ کر دیکھا تھا
 وہ جیب غائب ہو چکی تھی۔ شہر کے اندر
 مناسب سمجھا تھا۔ بیکسٹر پر میرے پیڑا کا
 چلا گیا اور اسپید و میٹر کی سوئی تیس کے ہندسے
 نیلی جیکٹ والے کی لاش کو دوسری طرف
 سے بچھڑ گئی۔
 افسانہ کیا کہ جسے خطرناک حالت سے
 ہوا تھا جیسے بہت دیر تک اسے سمندر کی طوفان
 رہنے کے بعد ساحل نصیب ہوا ہو میرا جسم
 تھا اور دل کے دھڑکنے کی رفتار شاید اپنی
 میں نے ایک نظر جیکٹ والے کی
 کی گردن کے پستھٹر سے آگے نہ بڑھا
 پڑھ کر لے کر دھڑکنے کا دھماکا تھا کہ
 ہوئی تو اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر گرجنے لگا
 جانی۔
 پچھلی نشست پر اس بوٹے کی لاش
 تھا کہ گردن کے اس کی پچھلی میں خاصا بڑا سوراخ
 یہ دو لاشیں نے کرشمہ میں داخل ہوا تھا اور اس
 میرے لئے پریشان کن مگر یہ سب سستی تھیں۔

ایک رفتار میں مزید کی کی اس ایک ہاتھ سے
 اٹھ سے چہرے کو گولڈا کھانٹ کر لے گئی۔
 ن کی میٹیں میرے چہرے پر بھی آتی تھیں۔
 لڑھکے کے بعد میں نے ایک جگہ جیب روک
 میں جیب جھڑکنے کی آگے بڑھ جاؤں۔
 میں کیا جاسکتا تھا کہ میں لاشیں وہیں جھینک کر
 میں میں داخل ہو جاؤں لیکن صرف لاشیں جھینکنے
 میں تھی۔ جیب میں خون بھی ٹوٹے تھے۔
 کی وجہ سے بھی میرے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی
 تو میں نے زیادہ اہم نہ کر کے تو میرے ذہن میں ابھی
 اس نکتے کی آمد کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کی جیب
 کر رہا تھا۔ بات مجھے اب بڑی عجیب محسوس
 کے باعث وہ لوگ بھاگ نکلے تھے۔ انہیں
 کا گھنے شہر کرنے کی کوشش میں چاہئے تھی کیونکہ
 ان میں راز معلوم ہو گیا تھا۔ اس راز کو راز رکھنے
 میں کیا جاسکتا تھا کہ میں سے گریز نہیں کرنا چاہئے تھا
 اب غائب ہو گئی؟
 میرے ذہن میں یہ نکتہ فزول کیا تھا کہ شاید اس
 کا جس پران لوگوں نے نہ پڑی میں موجود
 کر دیا ہو گا۔ اب اس بات کے قوی امکانات
 آواز پر وہ لوگ میری جیب کا انتظار کر رہے
 میں دیا گیا ہو گا کہ میں کس سمت سے شہر میں داخل
 کر میں نے پیدل آگے بڑھا تو فرح کر دیا۔
 میں اپنی تیزی کی کمرے چلی ہوئی تھی اور کسی بھی
 میں تھا جب مجھے اس کو استعمال کرنے کی
 میں نے رہا تو اس کے خالی چہرے بھی بکھر گئے۔
 میں اس میں تھی لیکن میرے بال بکھرے ہوئے
 کے پیچھے چھڑکا تو لوگوں کی توجہ میری طرف مبذول
 سے لئے کوئی ایسا راستہ بھی نہیں تھا کہ اس
 رات کا اصرار ہوتا تو میں بچتی بچاتی نکل
 میں یہ لیکن نہیں تھا۔
 میں نے اپنے رخ میں خاصی تبدیلی
 میں شہر کی حدود میں داخل ہوئی تھی۔ بیچر
 میں نے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کچھ زیادہ
 میں میں گھر چھوڑا۔ ایک تانگوں لگ گیا۔
 میں نے بغیر جلدی سے تانگوں پر چڑھ گئی
 لئے کے بعد کوچان کو ایک محلے کا نام بتا دیا۔

کوچان میں میرے قہقہے کا گونج ہوا۔ منظر سے دیکھا مگر
 چو کہ میں ایک عورت تھی اس لئے وہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔
 اس نے جاکھ لڑتے ہوئے لگاؤں کو پیش دی اور گھوڑے
 نے قدم بڑھا دیے۔
 میں نے کوشش کی تھی کہ کوچان کی نظر پر میری ہمت پر نہ پڑ
 سکے کیونکہ میرے لباس کے پچھلے حصے میں خون کے دھبے لگے ہوئے تھے
 اب دوسرے چوچہ تھی اور میری تنہا کا یہ عالم تھا کہ پیٹ کے
 برگشتے میں نہ تھا چاہا یا ہوا محسوس ہوا تھا کہ رات کے کھانے کے بعد
 سے اب تک میرے منہ میں کھل کھل کر آواز نہیں گئی تھی مگر وہ مولیوں
 کا ناز نہ ہوتا پانی کا نہ ملنا، ایسی میرے لئے عذاب بن جاتا۔ مجھے
 پیاس محسوس نہ ہو رہی تھی لیکن وہ مرحہ نہیں آیا تھا جسے نا قابل برداشت
 سے تعبیر کیا جا سکے۔
 میں نے تانگوں والے کو حین محلے کا نام بتایا تھا، وہاں میری ایک
 پرانی دوست رہتی تھی اور موجودہ حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ کار
 بھی نہ تھا کہ میں اپنے کسی جاننے والے کے گھر کا رخ کروں۔ گھر کے
 پاس اچھی خاصی رزق موجود تھی جس کے کسی بھی پوئل میں کو نہ حاصل کیا جا
 سکتا تھا کہ میں اپنے محلے میں نہیں تھی کسی کوئی پوئل کا نسخہ نہ رکھوں۔
 مجھے فوری طور پر ایک بہتر لباس کی ضرورت تھی مجھے کسی شہنشاہی
 کے ٹکڑے سے دستیاب ہو سکتا تھا۔
 تانگوں چنڈی کے تانگوں کی مخصوص رفتار سے دواں دواں
 تھا۔ گھوڑا، ڈنکی چل رہا تھا اور بڑی کی فضا میں کچھ بادلوں کو
 جگا رہی تھی۔ مجھے لہنیساں یاد آتی تھیں مجھے انہی فضاؤں میں لی تھی۔
 وہ رہنمایاں جوائے لپے میں چاٹو بھی آڑے رہتی تھی اور جس نے
 اپنے حق کے لئے جاگیر دار شکست سے گزری تھی۔
 رہنماں کیا یاد آتی کہ میرے ذہن میں بادلوں کی رات اترتی
 چلی آتی بہت سے پچھلے برسے لوگ بات چلے اور ان کے ساتھ ہی
 الماس کا خلیا بھی یاد۔ وہ محسوس بھیجی بھالی ہوئی کہ اس وقت بڑی
 میں جس تھی چند دن پہلے وہ میں نے اسے سٹیٹ میں سے لٹھا کر چنڈی
 کی طرف روانہ کیا تھا۔ میں چوٹے تھی، اس وقت الماس کے ذہن
 کی سطح پر اس خیال کا ہلکا سا کس بھی نہیں ہو گا کہ میں ابھی دوسرے
 میں، چنڈی کی سڑکوں پر غیر یقینی حالات سے گزر رہی ہوں گی۔
 میں نے ان خیالات سے اس وقت چوٹنی جب تانگوں
 والے نے مجھ سے پوچھا، اب کتنے دن لپے؟
 میں نے تانگوں کو کسی محلے میں پچاس کا نام کوچان کو بتایا تھا۔
 میں نے اس طرف موڑ دیا، میں نے اپنی یادداشت
 پر موزوں کر راستہ یاد کر لیا۔ ہرے ایک طرف اشارہ کیا۔
 ذرا دیر بعد ہی تانگوں اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جہاں میری
 دوست بھول رہی تھی اور جہاں بیگم بھی کھاتی تھی۔ اس سے

وضاحت نہیں کروں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 مری میں مل گئیں۔ اب بہتر تمہا کا تم ہیں۔
 صدر ملکات تک پہنچنے کی کوشش کرو گی کہ
 نقصان کی وضاحت ضروری ہے۔
 انداز میں بولی۔

”محرمت! فوکس نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا تو یقیناً ہے کہ ہم زمین لوگوں کی قدر کر کے عزت ہائے قابو سے باہر ہونے کے زور پر لٹا دیتے ہیں۔“

پناہ دیتے ہیں۔
”میں اس وقت کا انتظار کروں گی مگر
نہا۔۔۔۔۔“ یہ ناکھن ہے کہ میں اپنے منہ
”مجھے تمہاری حکومت سے عدم ہوجا
”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ
فکس سبکنت کا خط لکھ دو گیا۔ اس نے

گیا اور میں متفردی اپنی کرسی پر بیٹھیں وہ منور

میں نے کئی ایک ایسے ہی راز سے واقف
میں نے کافی کے دوسرے کتب کا
کہ ان حالات میں تنہا گلی پھینکے کا غصہ
دفعتاً مجھے شہاد کا خال آگیا اور میں

میں نے اس سے کوئی مدد حاصل نہیں کی۔
 وہ صحت مند تھا اور اس کا جسم بڑا
 تھا۔ اس کے ہاتھوں کو جاکر کر کے لگی
 کافی ختم کر کے میں ایک چھڑا
 اس میں اس کے ہاتھوں کو جاکر کر کے لگی
 اس میں اس کے ہاتھوں کو جاکر کر کے لگی
 اس میں اس کے ہاتھوں کو جاکر کر کے لگی

جاتی۔ فوکس کو تیرہ ہی نہیں چلانا کوئی کس
 کے اور صاحبزادہ کی کامیابی کی واحد صورت بھی یہی تھی کہ
 اس وقت فوکس اور اس کے
 گھر جوتے ہوں گے۔ جیسے ہی میں یہاں
 پہنچے وہاں تک جاتے اور موقع دیکھ کر
 ش کرتے۔
 میں نے اپنی روانہ کی صبح تک کے بارے

”فریاستے؟“ شہباز نے لہجہ بڑاٹ تھا۔
 ”دروازہ بند کرلو۔ وہ کنگھڑا ایسی نہیں ہے کہ کھڑے کھڑے کی
 سکے۔“
 شہباز نے کسی احتجاج کے بغیر دروازہ بند کر لیا۔ بی۔اں کا
 تھپہ پڑ کر لیسٹر کی طرف نے گئی۔ اسے بستر پر چھاپا اور خود ایک کرسی
 ستر کے قریب گھسٹ لی۔ کرسی پر مہر مہر بل آیا تھا جس کی وجہ سے
 اس کی فضا بڑی تنگ تھی۔
 ”شہباز! یہاں کسی تھپہ کے بغیر ہستہ آجیتہ کہنا ضرور لگایا۔
 اس اں وقت ایک خطرناک صورت حال سے دوچار ہوں۔ میں نے

[illegible]

جیسی کہ چاہے۔ یہاں چھپا ہوا ہوں ہے باہر بس جاؤں گی۔ بیسویں
 دسمبر میں بڑی بھول سے نکلتا ہوا اپنی گاڑی میں پرستے آؤں پہنچ جاؤں۔
 میں اس کی تپ سے آٹھوں کی ادھر تھک رہی گاڑی میں تھکا جھکی کی طرف دھاؤں
 جاؤں گی۔ اگر تم جیسے میرے ساتھ چاہا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں
 گا لیکن اگر تم نہ چاہو تو میں امر وار نہیں کرؤں گی۔ تھکا جھکی سے میری کڑی دہشتی
 ہم سے پہلے ہو جائے گی اور میں تمہاری کار واپس کر دوں گی۔“
 شاید ایسی نفروں سے میری طرف دہشتی رہی جیسے میری بازو
 کے دونوں کان اٹھ کر مڑنا چاہتی ہو۔

”اچھی نشاۃ!“ میں نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کو پشت کو سہلاتا ہوا بولی: ”میں نے تو کوئی تم سے عجیب نہیں دیکھا۔ یہی ہوں میری آنکھوں میں جہاں کہیں گھبراہٹیں ان میں نہ ہوتی۔“

یہ ایک قوی نوعیت کا معاملہ ہے شانہ اہم اسے صدر مملکت
س وقت تنہا ہی ملے گی اور مجھے ایک اہم اطلاع ان ملک پہنچانا
ہے۔ کچھ دن دشمن اس اطلاع کو صدر مملکت تک نہیں پہنچے دینا

”اوہ!“ شہانہ کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ کوئی تیز پیلہ ہوا۔ شاید یہ باتیں اس کے لئے کسی غیر ثابت ہوئی تھیں۔

”ہاں شہانہ!“ میں نے اپنے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”تم میری مدد کر کے داخل وں اور قوم کی خدمت کرو گی۔“

شہانہ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے سرخ، چار کا اظہار ہو رہا تھا۔ اور میں اب بھی اس کے ہاتھ کی پشت کو آہستہ آہستہ ہلاتے جا رہی تھی۔ مجھے اپنی اس حرکت سے بڑا شورو بڑا اہسا حاصل ہو رہا تھا۔ مجبور کے جسم کے ہر حصے کا لسن نشانہ لگ رہا ہوتا ہے۔ یوں تمیر کی زندگی میں ان گنت روکیاں آئیں لیکن فروغ کے بعد شہانہ ہی ایک ایسی روکی تھی جس کا لسن مجھے حد درجہ اچکاٹ کر دیتا تھا۔

”اچھا۔“ شہانہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ ”میرا کارنے جایتے گا۔“

میر کی زبان پر بھی اچھی ”تم تنہی جاو گی؟“

”ہاں کیا کروں گی جا کر؟“

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میں اس کا خصوصیت سمجھنا آتی تھی۔

”میرا ہاتھ تو چھوڑیے!“ شہانہ بولی۔

”ہاں شہانہ!“ میں اب جذباتی ہو چکی تھی۔ ”میں تو جا رہی ہوں کہ زندگی بھر تمہارا ہاتھ چھو دوں۔“

”ایک عورت کے لئے دوسری عورت کی یہ خواہش بڑی مشکل فرم ہے۔“ شہانہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اور دیکھتے دیکھتے خود یہ جملہ بھی کچھ مشکل فرما رہی تھیں۔

”تم بالکل پتھر ہو شہانہ!“

”یہ بالکل غلط ہے،“ نوجوے۔ اگر میں پتھر ہوتی تو آپ کی اس حرکت کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوتا لیکن مجھ پر شدید اثر ہوا ہے۔ میں بے حد جذباتی ہوں باؤ اور اس لئے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اندر سے ٹوٹ بیٹھ کر نکل رہی ہوں۔ آپ نے مجھے ہر طرح توڑ ڈالا ہے۔

”یہ دیکھ رہو کہ وہ ہے۔“

”ایسی باتیں نہ کرو جان!“ میں نے تاب ہو کر بستر پر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں اپنی ڈال دی بولی تھیں اس انداز میں ہیں محسوس کرنا چاہیے۔“

”آپ کسی پہل باتیں کر رہی ہیں باز!“ شہانہ نے یہ فقرہ کسی اشتعال کے بغیر سرسری سے کہے جس میں کہا اور پھر بولی ”ہر انسان کے محسوسات اس کے اپنے خیر کا ایک حصہ ہوتے ہیں اور کسی انسان کے تابع ہرگز نہیں ہو سکتے۔“

شہانہ کے اس جواب نے مجھے جھنجھٹا دیا۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ شہانہ بڑے بچتے انداز پر لڑ رہی تھیں۔ وہ ان سے بہت مختلف تھیں۔

لیکن ادھر میرے جذبات اب اتنے برا نہیں تھے۔ کسی خشک بحث میں اُلٹنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

ایک ایک اپنی باتوں میں سیدھا اور مستر پر مگر اس کو اس پر سنا دیا جیسے وہ کوئی بھول چکی تھی۔ اس کا قاتل مت میں شام

گیا تھا۔ میں نے اس شام کو اپنی ماٹوں اور باپوں کے گھر پر وہ مرتزق نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ آنا کا

کے بعد اب شاید اس کے لئے ان باتوں کی کوئی

حق میں نہ اپنے جلتے ہوئے ہوشوں سے اس

باتوں کوئی جاننے کی کوشش کی تو اس کی

میرے آنکھوں کی تیز تیز برکتیں۔ وہ بولیں

شرعاً کر دیا جو شہانہ کے ماتحت گاؤں میں

کومرے آنکھوں کی دردناک آغوش میں پناہ لگتی

آنکھیں کھل کر کھانا کھا رہی تھیں۔ جنا کے رنگ سیاہ

میں چھپ گئے اور اس کی زلفیں میرے شانہ

ہوشوں نے شہر کو طویل ایک طویل سطرے کیا اور

میرے جذبات کے غمزدگی کی خوشی میں غمزدگی

میرے آنکھوں نے سرور پر وہ جاک کر ڈالام

کا این تھا۔ شہانہ کی جوانی اب اپنے کی طرح

میں نے اسے اپنے سلتے میں لے لیا تھا لیکن

اپنے آپ کو چھلانی ہوئی دھوپ میں محسوس کی

ہوئیوں کو بڑی شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

میں اس کو فوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند میں تھی کہ

کو میرا وہ جبر، شہانہ کی روح میں شگاف ڈالنے کا وہی عطا ہوئی میری

زندگی میں شہانہ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے ان باتوں کو توہین ذات“ بنا کر اپنے

دو چہرے سلنا کر لیا تھا۔ اس قسم کی کوئی مثال پہلے بھی میرے سامنے نہیں

آئی تھی وہ دن میں یقیناً کوئی قدم اٹھانے سے پہلے دس مرتبہ سوچتی۔

لیکن اب سر پہنے کا وقت گزر چکا تھا۔ شہانہ کے ہنسنوں کو ان

کی زندگی کوٹانے کے لئے کوئی حق تہذیب گریز نہیں لیکن فی الحال مجھے

ایسی کوئی تہذیب سوچنے کا موقع حاصل نہیں تھا۔ میں اس بات پر یقین تھی کہ

سب کچھ قبول کرنا میرا حق تھا لیکن اس طرف دل نہ ہوا۔ ایک اہم ترین غرض

کا جو میرے شانوں پر تھا اور میں اس کو بھروسے سے سنبھال رہی تھی۔

اگر میری کوئی بات نہیں سوچ سکتی تھی۔ مجھے چند گھنٹے کے اندر اندر مدد ملے

تھی۔ لیکن اب وہاں یہ بتانا تھا کہ اچھے وہاں سے دہلی کی سرحدوں پر دشمن

فوجوں کی فیلڈ ہرنے والی ہے۔

میں اس کی بدنامی نہ تنظیم اس مسئلے میں ہمارے دشمنوں کی

ملیت تھی اور اس کے ایجنٹ مجھے مدد ملے گی۔ ایک پختہ سے روکنے کے

لئے اپنی جوتی کا زور دینا دینے کے آہوا دیتے۔ فوس کیا تھا۔

میری پہنچ چکا تھا اور گوشہ رات میں نے مجھے وارننگ بھی دے دی تھی

کہ اگر میں تنہا لگی کی طرف دل نہ ہوتی تو مجھے ہلا کر دیا جائے گا۔

میرا اب تنہا لگی کی طرف دل نہ ہوتی تو مجھے ہلا کر دیا جائے گا۔

میرا اب تنہا لگی کی طرف دل نہ ہوتی تو مجھے ہلا کر دیا جائے گا۔

پہنچنے کیلئے مجھے آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا جبکہ سڑک پر چل کر میں یہ فاصلہ دس

400

”اوہ! میں نے غصہ سے بھلا اوہ نہیں ہے، اگر
اس دلیل سے تم بھی یہ سمجھ سکتی ہو کہ میں فرزند

کے
کا

ممكن ہے، اُس سے ایک آدھ جگہ غلطی بھی ہو گئی ہو لیکن ایک آدھ غلطی

”انی کا ڈا“ میس کے رشتہ سے کیا ہے؟

”کچھ دور بعد شہانہ نے کہا اب ہم وہاں گلی سے بھی روکے گئے ہیں۔ میں سر ہار کر رہ گئی۔ وہ اصل اب میری خواہش تھی کہ شہانہ سے زیادہ باتیں کر دوں تاکہ وہ پوری طرح ڈانٹ بیگم کی حرکت متواتر رہے۔ جو لوگ میری سے تھیں یا کچھ سڑک پر کچھ بولے وہ میرے احساسات کو اپنی طرح سمجھ گئے ہیں۔ یہ دانتے تھے خطرناک ہیں کہ کار پر چلنے والے عام گھوڑوں کی تو سانسیں بھٹکتی تھیں۔ ایک جانب بلند بلا پٹا اور دوسری جانب میلوں گہری داویاں جو دن میں سڑک سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سڑک اتنی چوڑی نہیں ہے کہ تین گاڑیاں برابر جا سکیں۔ اگر سانس سے کوئی گاڑی اچھلتے تو کسی ایک گاڑی کو اس حد تک اپنی سائڈ میں ہونا پڑتا ہے کہ اگر کسی گھر کے کتے بھی اس میں تنگ پڑا ہوا ہے جگہ جگہ جلتے تو گاڑی میلوں گہرے نشیب میں لڑکھتی چلی جاتی ہے۔“

”موتوں بہت تھوڑے تھوڑے خاصے پر ہیں اور پیادوں پر چڑھائی ہوئی یہ سڑک بدتر سے بدتر چلی جاتی ہے۔ ٹوٹن، بیکار ہیں اور انتہائی خطرناک ہیں۔ ایسے ہر موڑ پر متنبہ کرنے والے الفاظ ضرور لگتے تھے نظر نہ تھیں۔“

”آپ اپنا مک خاموشی کیوں ہو گئیں؟“ شہانہ بولی۔
”خاموشی ہی بہتر ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ شہانہ خطرناک راستوں پر زیادہ گھس گھس کر چاہیے۔“
”آپ بہت خائف معلوم ہوتی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ گھبراہٹ رفاقت کے باعث زندگی کچھ زیادہ ہی پھلری معلوم ہونے لگی ہے۔ دیکھو! موڑ ڈا رہا ہے۔“
”کار کی بیڈ لائٹیں اس چٹان پر چڑی تھیں جس پر موٹے موٹے حوت میں تھا ہوا تھا۔ بارن فرے کر رہا ہے۔“ اس عبارت کے ساتھ ہی ٹوٹن کا نشان بنا چڑھا تھا۔

”شہانہ نے رفاقت کی کچھ کچھ ہونے وارن دیا۔ جب بھی وہ کسی موڑ پر بارن کا تھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میلوں گہری دلوایاں چڑھ اٹھی ہوں۔ مسئلے میں بارن کی آواز بہت دھمکے میں تھی اور بہت خوفناک محسوس ہوتی تھی۔“

”جواب میں کوئی بارن نہیں مٹاتی دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری طرف سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی تھی۔ ان راستوں پر غور و خیر سے سوچنا نہیں کیا جا سکتا۔“

”موتوں تھوڑے ہی میں نے محسوس کیا کہ یہ چڑھا لیا کچھ زیادہ ہی واضح قسم کی تھی۔ صاف معلوم ہوا تھا کہ کار بندش کی حرکت جاری تھی۔“

”دفعتاً جیو کچھ بڑی میری نظریں اس وقت نشیب کی طرف تھیں۔ اسی نشیب میں وہ سڑک تھی جس پر پہلے گھبراہٹ کا ایک موڑ ٹوٹنے کے بعد اس بندش پر پڑی تھی۔ اس سڑک پر کچھ ایک کار کی بیڈ لائٹیں نظر نہ تھیں۔“

”ابا کے سے آئی۔“ میں خواہ مخواہ جھجھکی گئی۔
”میری کٹ رکھی ہوئی ہے۔ اس میں دوڑیں بھی ہے۔“
”لوٹو بھڑکنا بہت کمین پہلے میرا مطلب ہے اکی“

”ابا۔“ بات ہی نہیں تھی کہ ان لوگوں کے چہرے میں کتنی کجگامی تھی۔ شہانہ نے کہا: ”خیر! اس قسم کے چہرے کے کہ وہ ناشیب میں سامنے سے آئی کہ بندش پر بول گئے۔“

”کی جی۔“ میں نے کہا اور آٹھ کر پھیل سیٹ سے اتر کر میں نے اندھا بچہ ڈالا اور دوڑیں نکال دیں۔
”اسلامہ ایک کمرہ دار درجنلے کیا کیا لایا بھری ہوئی سیٹ پر کچھ سیٹ پر ڈال دی۔ اس سنی فیز“

”امام صاحب میں ایسا تاتا پیدا کر دیا تھا کہ ٹھنڈک کے تھی تھی۔“
”آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔“ شہانہ بولی۔
”نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”آخر کچھ کمزور کو آپ کی“

”میں نے؟“ میں نے کہا۔ ”میں نے کہا۔“
”میں نے کہا۔“ میں نے کہا۔

”میں نے کہا۔“ میں نے کہا۔

”میں نے کہا۔“ میں نے کہا۔

”میں نے کہا۔“ میں نے کہا۔

”میں نے کہا۔“ میں نے کہا۔

”سائل۔“

”کیا یہ وہی لوگ ہیں؟“ شہانہ کا اضطراب ظاہر ہونے لگا۔
”ہاں۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”وہی لوگ ہیں۔“
”جتنی۔“ شہانہ کے رشتے نکلا۔
”کیا مطلب؟“ میں چونک کر بولی۔
”خاطر ہے کہ وہ شیطان ہی ہوں گے ورنہ انہیں آپ کی روانگی کا علم کیسے ہو سکتا تھا؟“

”ہوں۔“ میں نے ایک بار پھر دوڑیں اٹھوں سے لگال اور ٹوکس کی کار کی طرف دیکھنے لگی جواب ہماری کار کے میں نیچے آنے والی تھی۔

”ٹوکس کے برابر میں بیٹھا ہوا آدمی اوپر ہماری کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔“

”لیکن اب کیا ہو گا؟“ شہانہ نے تشریح لینے میں بولی۔
”فوری طور پر اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی اس لئے خاموشی ہی رہی۔ ٹوکس کی کار اب نفروں سے اوجھل چوٹی تھی لیکن اس کے اوجھل ہونے یا نفروں میں بیٹھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اصل بات صرف یہ تھی کہ ایک عینا شخص ایک خطرہ دیکھنے سے متنبہ ہو گیا لیکن اس خطرے کا بہتیت میری نظریں صرف اس لئے تھیں کہ میرا ریش نام نہاد جاتے۔ موت سے تو میں نہیں ڈرتی لیکن اس وقت میں اس لئے پریشان تھی کہ اگر میں صدمہ ملک کو دہراؤں تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟“

”بلخ زین سے مراد اس فن کی بندش کو ایک خوفناک ڈرامہ کھیلنا جاتا تھا اور اس ڈرامے کے اختتام کی خبر کسی نہیں تھی۔ پیادوں میں چڑائی ہوئی دو کاریں بلند سے بلند ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ ایک کار میں صرف دو عورتیں تھیں اور دوسری کا میں جا رہا۔ میں نے اس کار کی پچھل نشست پر بھی دو آدمیوں کو بیٹھتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں مقامی ہی تھے لیکن ٹوکس کے برابر میں بیٹھا ہوا شخص کسی ٹوکس تھا۔“

”میں اپنے ذہن پر دوبارہ ڈھانچا لگا لیکن کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہتی تھی کہ جلد از جلد اس خطرے سے بچھڑا کر امان مل سکے۔“

”مجھے اس بات نے بڑی تقویت پہنچی تھی کہ شہانہ ایک دلیر لڑکی تھی۔ اگر وہ اس صدمت مال سے خوفزدہ ہو جاتی تو اس کے لئے دلیرانہ کمر بستہ ہو جاتا۔ اگر اس کے ہاتھ کاٹنے لگتے تو میں ممکن تھا کہ گاڑی کسی حادثے سے دوچار ہو جاتی۔ وہ اس صدمت مال سے پریشان تو مزو دقتی لیکن خائف نہ ہو رہی تھی۔“

”دفعتاً میں نے اس سے کہا: ”اب مجھے پوری ہی یویشن کا اشتہار ہے کہ دشمن کی گاڑی نشیب میں سامنے سے آئی نظر آئے۔“

”کیوں! اب کیا کیا ہے؟“

کئی بھولی مشرک کے گناہ سے پہنچ گئی۔

۴۴ 'جلدی کرو!' میں نے کہا۔

”جلدی کرو!“ میں نے کہا۔

۱۰۔ شبانہ کے منہ سے آتا ہی نکل کر رہ گیا اس نے کسی قسم سے احتراز کیا تھا۔ ممکن ہے اس کی سمجھ ہی نہ آ سکا۔
تہرہ کرنا ہوتا ہے۔

مائیدہ کے ہر تھانے میں نے دیکھا کہ کار کے اسپرینگز میں مٹی
 کے بندے چر رہے تھے جسی۔ دسے عام حالت میں یہاں
 سے زیادہ کہ فار سے ڈیڑھ تو گم جہں کہ جالی توتی۔
 میں آیا تو شانہ کہ فدا گم کہ ناپری میں سے گھمرا کہ پیچیدہ
 میں تو فار ہی تھی اس روشنی اسطبل یہ تھا کہ دوس
 چلن کی کن اس سے پہلے کہ وہ فرقوں کے سامنے
 اہل کار کو موزی تھی۔

ملا ہوا ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو
 سے نفرت رکھنا اور اپنے دل میں اپنے آپ کو
 اگر میرا اندازہ قطعاً ہوتا تو تم کو کاترنا بھی ہو جاتا۔
 اکی کامیاب مردان پہلو بھی تھا تو کسی کی کار کو مارے
 کو قتل کیا گیا تھا۔ دریا میں غافلے میں کسی کو بھی گئی۔
 اور شہانہ اس طرح غافلے میں سمجھتے تھے جیسے کہ بہت
 ان سے دوچار ہونے کے بعد اس کو اس کو مٹا رہے

نے اپنا پرس کو دل کر اُس کے اندر ہاتھ ڈال دیا تھا اور
 دیکھتے ہی اپنی طرف متغیر ہو کر اُٹھتی تھی چونکہ دُوسرے کو گالی
 دینے کا اندیشہ نہ ہو گیا تھا اس لئے اب کسی وقت بھی
 دست پریش نہ کرتی تھی۔ جس وقت یہاں نے دُوسرے
 کو دیکھنے کے لئے پتھر پھینچنے لڑھکا یا تھا اس وقت دیر لالہ
 یا ہاسکا تھا لیکن اس دورِ اصل اس کے استعمال سے
 قس اُپس باز کر کے تو جابا اُدھر سے بھی باز گشت شروع
 ہوئے یا زخمی ہونے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ قس
 اندر سلامت تھا کہ یہ پتھر تھا۔ اس فرض سے بڑھ کر
 اب کے کسی قسم کا خطرہ مول لیتے ہوئے پہچا ہاٹ
 بدام تھا کہ لگی سے گزرتے تھے۔

۱۰ میں نے پرکھ کر پوچھا۔

۱۔ امکان نہیں دے رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

”ہاں“ میں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ ایک اجتماع جملاؤں، ایک بلند معقد کے لئے، ملک دشمنوں کو ہلاک کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“

شبانہ کچھ نہیں بول۔ آگے ایک اور سما۔ شبانہ نے ہارن دے کر کارموڈل لکچر دینے کو ادھی پچھ گئی۔ اب سرنگی دونوں جانب بند ہو گیا۔ شبانہ نے کارن دفنایں بڑی تیزی سے اٹھانے کیا کیونکہ اس راستے پر روشن بھی تر دفنایں کامیاب رہ کر کے دوسری ناملے کو کم کر سکتا تھا۔ کارن یا پانچ منٹ بعد ایک بسنی کے آگے نظر آتے مٹری کے داییں باتیں چند دکانیں دکھائی دیں جو بند پڑی تھیں۔

”شاہد خیر اگلی ہے“ میں بولی۔

مشابہت کے جواب میں نے کہا کہ میں نے ہر بلا سے پرکھ لیا تھا کہ
 وہ کون سا وقت انتہائی زحمت سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی اس سے
 غمزدی تھا کہ وہ اپنی تمام قوتِ اسیر ہو کر ہر طرح پر تھے۔ جلدی ہماری
 پھر اپنی زندگی کو ہر طرح پر تھی کہ جہاں زیادہ زحمت کی کامیابی
 میں کیا جا سکتا تھا اب تک ہم غالباً ایک انتہائی تسخیر کر چکے تھے۔
 ”میرزا خاں ہے کہ اس قبیل کی پوری شہنشاہت سے والی ہے۔“
 مشابہت ہو۔

”میں بڑی بے چینی سے اس کی منتظر ہوں۔“
 ”میں نے کبھی کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا۔“ شہباز نے بھڑائی
 لی آواز میں کہا۔

”آج دیکھ لیسنایا“ میرا خیال ہے کہ میرے بچے میں بلاک سفالی

آخرو دو گونا گویا گیا جس کلمبھجہ انتقار تھا۔ کلامٹر کا مٹی سے پر چل
 اور جس سے ہم آتے تھے۔ میں نے دو بین آٹھوں سے لگاں اور
 بس میں سر کی طرف دیکھنے پر، تو کسی کی گاڑی آئی نظر آئی تھی۔
 "کار روک دو کمرش بانو" اور میرے کمرش سے یہ الفاظ نکلے
 دھڑ دھڑ بانو کا پر بیک پر پہنچ گیا۔ کار کا ایک پہلے سے دھکی کے
 روک گئی اور شاہد استغنامیرہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی،
 مجھے آتی مہلت حاصل میں تھی کہ اس کی نظروں کے سوال کا جواب
 میں نے سچے چہرے کرنے کے ساتھ میں سوچا تھا، وہ بہت سرعت کا
 تھا۔ میں دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے آئی تو ٹھنڈک کی ہوا قابل
 تھی۔ میں ہروں نے مجھ پر بیٹھا کر دی۔ میں ساری جان سے پکپکائی۔
 مجھ نے مجھ سے خبر لے لی، گناہ سن کر دیکھتے تھے، لیکن میں اسے نظر انداز

”جاؤ مگر؟“ شاید حیرت سے بولی۔ وہ میرے جواب میں
 بھجھکھلاہٹ کے منہ پر کھنکھناتی رہی۔
 پھر شاید خاموش رہی۔ اچھے سوچنے دے تھانے تمام سوالوں
 کے جواب کی بے حد دل دیں۔ ”میں نے اپنی بھجھکھلاہٹ کو دباتے
 ہوئے کہا۔
 شاید نے ایک بار عجیب کی نفروں سے میری طرف دیکھا
 اور پھر سلسلے میں پر دیکھنے لگی۔
 میری کھنکھناتی ہنسی اور تھاکہا کی فوس کی بات کو حقیقت پرستی کچھ
 یا محض ایک دھمکی!..... مجھے زیادہ امکان تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ
 اس فیصلہ کن اسٹیج پر فوس بیسیا شاعر آدمی دھمکیوں کا مہربا نہیں دے
 سکتا میں تنہا کھلی پیچ کر حوراز افشار کرنے والی تھی۔ وہ سی آئی تھے
 کی چٹائی پر ایک بدلتا ہوا رنگین جلد جسے عرصہ دراز تک نہیں چھو یا
 جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں فوس غفلت دیکھوں گا مہربا یا کیسے لے
 دیتا؟
 میں نے خط کو توڑ دوڑ کر اپنے گریبان میں ڈالا اور کار کا بازو
 لینے لگی۔ سب سے پہلے میں نے ڈش بورڈ کے خانے کھول کھول
 کر دیکھے مالا مال آتی سلسلے کی جگہ پر نہایت ہم نہیں ہو سکتا تھا۔ فوس
 نے کسم پطری کی کی بنا پر یہ دعویٰ کیا ہو گا کہ میں اتنے کم وقت
 میں کس نام تک تمام نہیں کر سکتی۔
 ”آخر آپ کیا ڈھونڈنے لگیں؟“ شاید حیرت سے بولی۔
 ”عافیت۔“ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
 ”کیا مطلب؟“ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔
 ”میں کوئی ایسی چیز ڈھونڈنا چاہتی ہوں جو اس آڑے سے وقت
 میں کام آ سکے۔“
 میرا جواب اب بھی اٹھا ہوا تھا اس لئے شاید نہ کہ چہرے
 سے حیرت کے آثار نہیں ہو سکے۔
 ”دراحدہ وہ خط تو دکھاتے؟“ وہ بولی۔
 ”ڈیوٹی کرتے ہوئے خط پڑھوں تو کار نیچے جا کرے گی۔“
 میرے جواب میں اتنا وزن تھا کہ شاید پھر کچھ نہ کہہ سکے
 لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مطمئن نہیں
 ہو سکتی تھی۔ اسے ڈیوٹی کی شبیہ ہو گیا تھا کہ خطیں کو کوئی خاص بات تھی
 جسے میں نے چھپایا تھا۔
 میں نے کوئی اور لوٹ ٹانگ بات کہنے سے بہتر سمجھا کہ
 خاموش ہو جاؤں۔ ویسے بھی سوچنے کے لئے خاموشی مزید موزوں تھی۔
 ڈش بورڈ کے خانے دیکھنے کے بعد میں نے ٹائم بم کی تلاش ترک
 کر دی تھی سب سے ایسا کہ واقعہ اوقات معلوم ہوا تھا۔ اگر فوس نے
 دعویٰ کیا تھا کہ میں اتنے کم وقت میں کس نام تک تمام نہیں کر سکتی تو
 اس کا مطلب یہی تھا کہ میں واقعی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

اب سامنے سے چھ بجنے میں ایک منٹ تھا
 چھ بج کر اکتیس منٹ ہیں۔ ایک فیصلہ
 کی روشنی میں فوری طور پر شہر کے کاروبار کے
 از بحث تھا میں نے فوس کو دیکھا لیکن فوس کی کار کا
 شاید نے بھی شاید اب خاموشی سے
 لیکن پانچ منٹ بعد وہ بے لطف نہیں ہو سکی۔
 گزرتے رہے ہیں۔ ”اس نے کہا تھا۔
 میں اپنے خشک ہونٹوں پر زبان بھیرنے
 لگی۔ بغیر یہ جی خوش کی بات تھی کہ ہم تنہا
 گئے تھے اور اب پیر میں صحت گھوڑا گلی کا
 لیکن یہ بات ناممکن تھی کہ یہ مارا قافلہ فوس
 ایک ایل ٹرن پر میں نے دیکھا کہ فوس کی
 فاسلے سے ہلے۔ تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔
 وائٹ پیسے اور مجھے اعتراف ہے کہ میری حیرت
 کا منہ دوتا ہوا تھا۔
 ”ہاؤ؟“ شاید کہہ رہی ہو۔
 ”آں؟“ میں چونک کر اس کی طرف دیکھ
 ”ملا رہا ہے؟“ اس خط میں کیا تھا تھا
 میں کہیں پیر پر حادثہ نہ کر رہی ہوں۔ میرا دھیان ہمار
 ہوا ہے۔“
 ”میں پانچ منٹ اور صبر کر رہی ہوں۔“
 لے کہا۔
 وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی
 ہلاؤں پر اب دھوپ پھیلنے لگی تھی
 اثرات سے محفوظ ہونے کا موقع نہیں تھا
 تو کوئی بھی چیز زمین پر غور و فکر اثرات مرتب
 واوی کے اس پار دور دراز کی بنا
 بدت اب صاف نظر کرنے لگی تھی۔ اور کرا
 ہوں گے حوران کی طرف توجہ دینے کے فوس
 فوس کے بیان کے مطابق نام
 باقی رہ گئے تھے۔ میرے دل کی دھڑکن
 پر عمل درآمد کا وقت بہت قریب آچکا تھا
 کچھ ایسی تھی جیسے کوئی تازہ کستہ کستہ زائ
 ہو گیا ہو۔
 ساتھ ہی میں اتنا رہ منٹ آتی
 میں نے بڑی تیزی سے کہا کہ گاڑی رک
 میرے لیے یہ کیفیت کچھ ایسی تھی
 بریک کو پوری طاقت سے دبا دیا۔ گاڑی

کی اداس لگاؤ میں بند ہو گیا۔
 میں نے پچھلے تازہ ”میں اپنی طرف کا دروازہ کھلتی ہوتی
 گاڑی میں رکھا ہوا ایک ایک بے چارے۔“
 ”شاید بیچ اٹھی اور اس کے چہرے سے ایسا معلوم
 کہ ماضیوں میں گئی ہوں لیکن دوسرے ہی کی میں نے
 وہ اتنی تیزی سے دروازہ کھول کر اترتی ہوئی گرتے
 اس کی طرف پہنچ گئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے
 شیب کی طرف بٹھائی۔
 اور کہاں اس شاندار اپنی ہوتی بولی۔
 کے لئے یہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے۔“ میں نے
 میں نے شاید کا دم مٹنے لگا ہوا کہ میں اس نشیب
 وہ نشیب کوئی معمولی نشیب نہیں تھا۔ دراصل یہی
 ہائی تو ہم دونوں کی گہری واوی میں ڈھکے چلے
 پہنچنے کے بعد ہمارے جسموں کے وقوف سے
 فوس کی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میرے
 ہائی اسے دو موڑ پچھے ہونا چاہیے تھا۔
 شاید نے ایک جھڑکی کو پکڑا اور بہت احتیاط
 طرف سے نشیب میں اتر گئے۔ یہ کوئی پارٹرین
 کی جہاں ہم دونوں نے قدم جما رہے تھے۔
 اب پچھنچ کر پچیس منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔
 ایک منٹ باقی تھا لیکن وہ ہم ایک منٹ پہلے
 کہ اتنا زور دار تھا کہ ہمارے ہی پیچہ ڈھکے
 لاکے کچھ ٹھوسے کے ان کو نشیب میں بکھر گئے
 گاڑی کا ڈھانچہ اچھل کر مرکز کے کنارے تک
 نشیب میں اتر گیا۔ کار نشیب کی طرف
 اس سلسلے کا دوسری ہوتی تھی۔ شاید کا چہرہ مفید
 وہ چہرے جو شعلوں میں گہری ہوتی تھی اور
 وقت بھگتی ہی بل جا رہی تھی۔
 اس خیال سے سنسار ہوا تھا کہ ہم وقت
 لگا تھا۔ اس کا مزہ مطلب یہ تھا کہ میری اور
 ملت کا فرق تھا۔ اگر یہی فرق تین چار
 سے اور شاید کے جسموں کی کیا حالت
 اہلنا ہوا ڈھانچہ نشیب کی طرف ٹھکرتے
 ہلا ہلا کر دکھائی دلا گیا۔

میں نے پچھلے موڑ کی طرف دیکھا جہاں سے فوس کی کار
 سلسلے آ رہی تھی۔ میں اس دروازہ ایک گھنٹی جھڑکی کی آڑ میں تھے۔ اس
 تے امکان نہیں تھا کہ میں دیکھ لیا جاتا۔
 فوس کی کار اس جگہ سے کچھ پچھلے فوس جہاں شاید کی کار کا
 سے ڈی تھی۔ فوس اور اس کے سامنے بڑی تیزی سے دروازے
 کھول کھول کر ہاتھ آ رہے تھے۔ وہ مرکز کے کنارے کھڑے
 ہو کر نشیب میں اس طرف دیکھنے لگے جہاں شاید کی کار کا
 ہوا ڈھانچہ ٹوٹا ہوا چلا جا رہا تھا۔
 فوس اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنے لگی۔ میں اس کی آواز تو
 نہیں سن سکی لیکن میں نے اس کے چہرے پر واوی کے تاثرات
 دیکھے۔ ان تاثرات سے اس بات کی بھی غمازی ہو رہی تھی کہ فوس
 کو میری موت ”پر انہوں نے ہوا تھا۔
 وہ لوگ چند لمحوں تو مجھ سے نفروں سے اور اور
 دیکھتے رہے اور پھر واپس اپنی کار میں جا بیٹھے۔ لیکن اسٹارٹ
 ہوا اور کار حرکت میں آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ واپس کا
 قصد کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کار سیدھی بڑھتی چلی گئی اور
 اگلے موڑ پر پہنچ کر میری آنکھوں کے پردے سے غائب ہو گئی۔
 شاید مجھ سے چھٹی ہوتی تھی اور مجھ اس کے بدن
 کی لرزش کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ لرزش اس بات کی غمازی تھی کہ
 دھماکے نے اس کے اعصاب پر ڈھیر اثر ڈالا تھا۔ میں سردی
 کو اس لرزش کا سبب بننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ
 اس خوفناک حادثے کے باعث دھیان کس دوسری طرف جا رہی نہیں
 سکتا تھا۔ اب جب تک ذہن کس بات کا احساس نہ کر لے،
 اس وقت تک جسم پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔
 میں اس طرح شاید کی پیچھے چھٹنے لگی جیسے اس کی ڈھانچ
 بندھا جا رہی ہوں۔ میری نظریں نشیب میں اس طرف تھیں جہاں
 کار کا شعلوں میں لپٹا ہوا ڈھانچہ ٹوٹا تھا۔ میں نے اسے تقریباً
 ڈیڑھ دو میل کی گہرائی میں دیکھا۔ وہ اتنا ہی گہرائی میں پہنچنے سے
 پہلے ہی کسی سطح پر ڈگ گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی سطح
 جگہ نہ ہو بلکہ کوئی بہت بڑا چتر یا وقت ”کا ڈسٹ“ بن گیا ہو۔ حال
 اب وہ مجھے ایک چھوٹا سا شعلہ نظر آ رہا تھا جس کے اوپر شعلوں
 کی نیچیں چلا رہی تھیں۔
 وقتاً بوقت نشیب میں، چھوٹے چھوٹے مکاؤں کی جھپٹیں
 نظر آتیں۔ ان مکاؤں کی تعداد تیس تیس نہیں سے زیادہ نہیں تھی۔
 پہاڑی لوگوں کی اس قسمی کو دیکھ کر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔
 ”ہاؤ؟“ شاید کی آواز میری ہوتی تھی۔
 میں چونک پڑی کیونکہ چند لمحے کے لئے میں خود کو تنہا
 محسوس کرنے لگی تھی۔

"یہ کیا ہوا ہے بانو؟" شاید پھر بولی۔ "مجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے میں کوئی بھانک خواب دیکھ رہی ہوں۔"

"شبی؟" امیکہ نے سمجھ میں سمجھ کر سنجیدگی سے "ہم ایک ہی ایک حقیقت سے دوچار ہیں۔ ہماری منزل اب اس لحاظ سے بہت دور ہوگئی ہے کہ ہمارے پاس کوئی سڑاری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی باعث تشویش ہے کہ میرے دشمن، وہاں سے لوٹ جانے کی بجائے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب اگر ہم نے بیل ہی بڑھا شروع کر دیا تو اس کا اندیشہ ہے کہ آگے کسی بچکانہ دنگوں سے ڈھکیچڑھو جاملتے۔"

"ہوں۔" شاید اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے اس مسئلے کا حل میری ہی زبان سے سنا پاسی ہو۔

"وہ دیکھو! میں نے نشیب میں نظر آنے والی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: وہ پہاڑی دنگوں کی بستی معلوم ہوتی ہے۔"

"شبانہ نے اس طرف دیکھا اور پھر سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"ان ہے تو؟"

"اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ پہاڑی دنگ خچروں پر سفر کرتے ہیں۔"

"لیکن سب کے پاس خچر نہیں ہوتے۔ یہ پہاڑی دنگ بہت غریب ہیں۔"

"پوری بستی میں دو ایک کے پاس تو خچر ہوتے ہی ہوں گے؟"

"یہ بات بھی یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔"

"یقین سے؟ یہی سبھی امکان تو ہے؟"

"ہاں، امکان کو تو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔"

"تو پھر میں اس امکان کا جائزہ مزدوروں کی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں کہاؤں اسل اسل سڑکی پر بیدار چلتا ہوں بہت مزدور سفر کرتے ہوئے ہوں۔"

"نظر رکھو! وہاں سے بھی شبانہ کے نوکس مرطقی نہیں ہو سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"در اصل اسے شاید آخری لمحوں میں یہ خیال آگیا کہ میں ہم چھٹے قبل کار سے آکر سڑکی پر چھٹ پڑ سکتی ہوں۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے وہ آگے باکس کی جگہ ٹوک گیا ہوگا اور جارا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہوں۔" شبانہ پریشان نظر آئے گی۔

"ہذا۔" میں نے پھر پہلے ہی کے سے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں سڑکی پر آگے بڑھنے کی بجائے نشیب میں اتر کر اس بستی تک پہنچوں گے اور وہاں سے خچر کے کو دوبارہ بندی کی طرف

بڑھیں گے۔"

"لیکن وہ دنگ اپنے خچر میں کیوں بیٹھیں گے؟"

"پروہ کی طاقت سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"لیکن یہ بات تو تین جانے کی ہے۔"

"ہوتے ہیں وہ خچروں کی کو اپنا ذریعہ آمدنی بناتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"مثال کے طور پر یہاں سے کچھ دور ایک برین جالی کہا جاتا ہے۔" شبانہ نے بتایا۔

"مجھے معلوم ہے میں نے سنا ہے کہ وہ گرجھٹے ہیں۔"

"اور اس کے لئے انہیں خچروں کی مزدور مزدور، وہ مقامی دنگ پوری کرتے ہیں جن کے ہیں۔"

"ہیں تو پھر اگر اس بستی میں دو ایک خچر مل جاتے گی۔"

"لیکن۔۔۔۔۔" شبانہ کسی قدر خائف نظر دیکھنے لگی۔

"کیوں؟" میں نے غور سے شبانہ کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر بولی۔ "شاید تم اس لئے ڈر رہی ہو خطرناک ہے۔"

"کیا؟ آپ کو خطرناک نہیں معلوم ہو رہا ہے؟"

"خطرناک تو ہے لیکن اس خطرے کو مول ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ لیکن تو بے کس ہیں جس میں دوں اور تم کسی گزرنے والی گاڑی سے بے غلط خطو پر سے گزرتے ہو۔ مزدور کے ہاتھ میں تو خچر ہوتا ہے۔ میں پوچھ چکے ہوں کہ تم یہاں کیسے رہتے ہو؟"

"شبانہ بڑی سیسے سے میرا فرقہ سمجھتی رہی۔ سڑکی پر سناٹا چھایا تھا۔ ابھی تک وہاں گاڑی نہیں گزری تھی۔ کار کے جلتے ہوئے ٹھکانوں بچھ گئے تھے۔"

"آؤ؟" میں نے شبانہ کا ہاتھ دبا کر کہا۔ "ماب چاہیے۔"

"شبانہ کے چہرے سے خوف اور ہچکچاہٹ ہو رہی تھی لیکن انہوں نے اس نے بھی محسوس کر لیا کہ اس چارہ کار نہیں ہے۔"

"نشیب کا یہ سفر بلاشبہ بڑا خطرناک تھا۔"

"میں ہزاروں فک کر رہی تھی پہنچاؤ کی ہم دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے اترتے رہے۔"

راہنما پر اچھا جہاں چائیں عمر کی حالت میں تھیں۔ اس سے میں اچھا پڑ رہا تھا۔

"اگر وہ نہیں تھا اس لئے دھوپ بہت بکھری تھی کہ وہ سب سے خندک میں مستعد بھی ہوگئی تھی اور دھوپ کی کاپا تہائی سرد موسم میں اس خندک کا وقت۔"

"الغرض فاصلہ ہم نے کوئی آدھے گھنٹے میں طے کر لیا۔"

"شبانہ نے اپنے اسی پائیس اٹھا کر سوال کرنے والے کی طرف دیکھا اور پھر اسی دنگوں کی زبان میں کچھ بولنے لگی۔ مجھے اس بات سے بڑی تعجبیت کا احساس ہوا کہ شاید ان پہاڑوں میں بولی جانے والی زبان سے اچھی طرح واقف تھی۔"

"دو چار باتوں کے تبادلے کے بعد شبانہ نے مجھ سے کہا۔"

"میں نے ان دنگوں کو بتایا ہے کہ ہماری کار ایک حادثہ کا شکار ہوگئی ہے لیکن ہم معجزانہ طور پر بائیں صاف رہ گئے ہیں۔ ان دنگوں کو میری بات پر یقین آ گیا ہے۔ ان پہاڑوں میں رہنے والے بہت مادہ لوح ہوتے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر لے جائے اور ہماری خاطر مددلات کرے۔"

"لیکن ہم یہاں خاطر مددلات کر سکتے ہیں؟" میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"میں نے اسے کچھ دیر تو رنڈا بھی ہوگا پھر یہ کہ وہیں لگی پائیس کو بھی بلایا جائے گا جس کے پاس دو خچر ہیں۔"

"مجھ پائیس! میں نے استعجاباً انداز میں کہا: کیا یہ کسی کا نام ہے؟"

"ہاں! ان پہاڑی دنگوں میں عجیب عجیب نام ہوتے ہیں۔ یہ لگی پائیس، دو خچروں کا مالک ہے۔ اس بستی میں موت اسی کے پاس خچر ہیں۔"

"فائن! میں نے کہا۔" گویا تقدیر ہمارے ساتھ ہے۔"

"اب یہ بتائیے کہ تم ان میں سے کس کے یہاں بنیں۔"

"ترجیحاً جہاں، منتخب کرو! میں نے ان چھ آدمیوں پر ایک حاکمانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"شبانہ ایک ادھر دھڑکی سے مخالف ہو کر کچھ کہنے لگی۔ باقی دنگوں کے چہروں پر مایوسی چھا گئی۔ دراصل یہ غریب لوگ شہر سے آنے والوں سے یہ توقع مزور رکھتے ہوں گے کہ انہیں ان سے کچھ فتنش مزور ملے گی۔"

"میں ایک چھوٹے سے مکان میں لے جا گیا جہاں ایک لادہ بکھا پڑا تھا۔ اس کی گری سے وہاں کی فضا بڑی خوشگوار ہوگئی تھی۔

"شبانہ تو وہاں بیٹھتی ہی اس طرح ڈھیر ہوگئی جیسے اب کئی گھنٹے نشیب نہیں اٹھ سکے گی۔ میں نے اپنے دستانہ آکر رکھا۔ لادہ کی طرف پھینکا۔

"میں نے ادھر یوں محسوس کرنے لگی جیسے میری آنکھوں پر بربت جی ہوئی تھی جو گری سے بہت آہستہ پھیلنے لگی۔"

411

جلد تھکا لگی پہنچ کر صدر مملکت سے ملاقات کرنا ہے اور دوسرے
 حصے میں صرف ایسے لذت انگیز خیالات تھے جن کو شاذ و
 سراپا سے عبارت سمجھا جاسکتا تھا۔ میں اپنے عقوبت کے پڑے پر
 شاذ و کو دین کے مجسمے کی طرح دیکھ رہی تھی اور وہ جہنم میں
 جذبات کی ٹہل میں مسلسل اٹھتا رہتا تھا۔
 دفعتاً میں نے شاذ و کی ایک عجیب سی تبدیلی محسوس
 کی۔ وہ فخر کے آگے آگے چل رہی تھی اور اب اس نے اپنا ایک
 پلٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے چہرے سے کسی قدر
 پریشانی بھی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کی یہ کیفیت غالباً شبانہ بھی
 محسوس کر لی اور اچانک بٹ کر دیکھا۔
 ”اوہ!“ اس کے منہ سے بیاتہ نہ نکلا تھا۔
 اب میں نے بھی لپٹ کر دیکھا اور شاذ و کی پریشانی کا سبب
 میری آنکھوں میں لگی۔ ہماری بعض محبت میں بڑے نعل کی گھٹا اٹھ رہی
 تھی اور اس گھٹا کاٹھ ہماری ہی طرف تھا۔
 ”شاذ و! ہاں شبانہ بلند آواز میں بولی اور پھر اس نے جو کچھ
 بھی کہا وہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔
 میں تجھ سے غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ قرب و جوار
 میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آ رہی جہاں بارش سے بچاؤ ہو سکتا۔ دھرت
 تو جگہ جگہ جو بڑے تھیں گھٹا اٹھتی زبردستی تھی کہ جب وہ خوفناک انداز میں
 برقی توڑ دھنوں کے ساتھیوں میں سے پتا نہیں لگ سکتی تھی۔
 ”نئی مصیبت۔“ میں بڑبڑاتی۔
 ”بہت دھواں دھار بارش ہو گئی۔“ شبانہ نے پوچھنا شروع
 کیا۔
 ”شاذ و نے فخر کے تہیوں کی سید کا اثر شروع کر دی تھی جن
 کی وجہ سے فخر کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ ایسی حالت میں اگر میں باشبانہ
 شاذ و کی جگہ نہ لیتی تو فخر کی اس رفتار کا ساتھ دینا مجھ سے بہت
 مشکل ثابت ہوتا لیکن شاذ و اپنے نیچے دانتے پاس طرف تھکا ہوا
 رہی تھی جیسے۔ اس کے معمولات میں شبانہ ہو میں نے یہ بھی محسوس
 کیا تھا کہ اس نے فخر کے منہ میں جس قدر سے تبدیلی کی پیدل کی تھی اور اس
 کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم تھکا لگی کی سمت میں جانے کی بجائے کسی اور
 طرف بڑھ رہے تھے۔
 میں شبانہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی ”میرا خیال ہے کہ شاذ و
 نے راستہ بدل لیا۔“
 ”ہاں!“ شبانہ نے جواب دیا۔ ”ان اطراف میں کوئی غار نہ لکھو
 ہے۔ شاذ و اس ایک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ہم اس بارش
 سے بچ سکیں۔“
 میں نے پلٹ کر دیکھا۔ گھٹا اب ٹوٹ کر پھاڑا تھی اور چھلپتا
 ہوا انداز میں تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ ہمارے کچھ تیز ہو

گئی تھی اور اس کی تھکن بھی اب بڑھ چکی تھی۔
 ”میں اب اس بار بار پکارتا تھا۔“
 شاید شاذ و پر کسی یہ تبدیلی بالکل اڑنا نہ
 جب بلوکی سبب تو یہ تھا کہ وہ اپنی ہماروں
 ٹھنڈک کی عادی تھی دوسرے یہ کہ پیدل
 جسم کچھ گرم ہوگا۔
 ہوا کی تیزی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔
 ادھر میری پریشانی میں نیز میری اڑنا
 بیچنے کے خوف سے زیادہ اس خیال سے
 پتھکا لگی پہنچ میری سرنگوں میں؟
 غور کرتے ہوئے فخر کی ذہن سے سا نکلتا تھا۔
 ہر جاتی تو اس ساری جگہ دو دو پرانی چمچا۔
 گھٹا اب مجھ سے سر پر چھا رہی تھی۔
 کیا تھا۔ ایسی فضا ہو گئی تھی جیسے شام کا وقت
 میرے چہرے سے نکلتا تھا اور اس طرح
 غول یا بالی چھٹا ہونے لگا۔ ہر مرسلا دھار
 اس سے پہلے کہ وہ آفت نازل ہوئی۔
 ”میں جس کا خیال شاذ و کو بارش کا وقت آتا تھا۔
 غار کا شاذ و تھا۔ اس میں نہ صرف
 لی گئی تھی۔ گھٹا فضا میں جو شام کی سی کیفیت
 غار میں رات کا سا اندھرا چھلپتا ہوا تھا۔ اس
 اڑ کر غار کے دلہنے پکڑے ہوئے۔
 کی دھار صدمت کی تھی۔
 ”بہت بڑے پھٹنے۔“ شبانہ بولی
 میں نے زبان سے تو اس تبصرے
 میں ہر حال میں ہی تھی اور یہ سوال میری
 تھا کہ میری اس بات کا کیا ہوگا۔
 ”جی ہاں! بارش چھٹنے لگی تھی اور بار
 چھٹا اور چھٹا کر برس رہے تھے۔ ایسا
 باد و باران بہت دیر تک جاری رہے گا
 دفعتاً پھٹنے پھٹنے میں
 میرے ساتھ ہی شبانہ بھی تیزی سے فخر
 ایک مرنی کی موم جی جلا دی تھی۔ اس کی
 تے تاکا ہی ہی ہو گا اس پر دھشت اندھ
 گئی تھی اور میں ایک دوسرے کی شہد
 ”میں جی کہاں سے آگئی۔“ میرے
 غالباً یہی بات شبانہ نے شاذ و
 کو جواب دیا اور پھر شبانہ مجھے بولی۔
 اس تبصرے کی تھی چیز میں اپنے ساتھ رکھتے
 ”میں اب اس بار بار پکارتا تھا۔“
 شاید شاذ و پر کسی یہ تبدیلی بالکل اڑنا نہ
 جب بلوکی سبب تو یہ تھا کہ وہ اپنی ہماروں
 ٹھنڈک کی عادی تھی دوسرے یہ کہ پیدل
 جسم کچھ گرم ہوگا۔
 ہوا کی تیزی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔
 ادھر میری پریشانی میں نیز میری اڑنا
 بیچنے کے خوف سے زیادہ اس خیال سے
 پتھکا لگی پہنچ میری سرنگوں میں؟
 غور کرتے ہوئے فخر کی ذہن سے سا نکلتا تھا۔
 ہر جاتی تو اس ساری جگہ دو دو پرانی چمچا۔
 گھٹا اب مجھ سے سر پر چھا رہی تھی۔
 کیا تھا۔ ایسی فضا ہو گئی تھی جیسے شام کا وقت
 میرے چہرے سے نکلتا تھا اور اس طرح
 غول یا بالی چھٹا ہونے لگا۔ ہر مرسلا دھار
 اس سے پہلے کہ وہ آفت نازل ہوئی۔
 ”میں جس کا خیال شاذ و کو بارش کا وقت آتا تھا۔
 غار کا شاذ و تھا۔ اس میں نہ صرف
 لی گئی تھی۔ گھٹا فضا میں جو شام کی سی کیفیت
 غار میں رات کا سا اندھرا چھلپتا ہوا تھا۔ اس
 اڑ کر غار کے دلہنے پکڑے ہوئے۔
 کی دھار صدمت کی تھی۔
 ”بہت بڑے پھٹنے۔“ شبانہ بولی
 میں نے زبان سے تو اس تبصرے
 میں ہر حال میں ہی تھی اور یہ سوال میری
 تھا کہ میری اس بات کا کیا ہوگا۔
 ”جی ہاں! بارش چھٹنے لگی تھی اور بار
 چھٹا اور چھٹا کر برس رہے تھے۔ ایسا
 باد و باران بہت دیر تک جاری رہے گا
 دفعتاً پھٹنے پھٹنے میں
 میرے ساتھ ہی شبانہ بھی تیزی سے فخر
 ایک مرنی کی موم جی جلا دی تھی۔ اس کی
 تے تاکا ہی ہی ہو گا اس پر دھشت اندھ
 گئی تھی اور میں ایک دوسرے کی شہد
 ”میں جی کہاں سے آگئی۔“ میرے
 غالباً یہی بات شبانہ نے شاذ و
 کو جواب دیا اور پھر شبانہ مجھے بولی۔

اندا میں جو شاذ و نے کر دیا تھا کہ نامساعد حالات سے مقابلہ کرنے
 کے لئے سرنگوں رہنا بہت ضروری ہے یہ خطرات کے نزول سے پہلے
 ہی، پریشانی کو اپنے دامن سے باہر دھالنا حماقت ہے جو کوئی کلاس انسان
 کو سر نہ دھیں کیا جاسکتا کہ خطرے کا ہر سے کوئی رد و ردی نہ ہو سب
 کچھ اندیشے اور دوسرے ثابت ہوں۔
 ”ٹھنڈک بڑھتی ہی جا رہی ہے۔“ میں بڑبڑاتی۔
 شبانہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ شاذ و یہ سوچے
 ہوئے تھی کہ میں موقع خطرے کے بارے میں کوئی اظہار خیال
 کروں گی۔
 ”کیوں نہ کچھ دیر آرام ہی کر لیا جائے۔“ میں بھر بولی۔
 شبانہ کا استعجاب کچھ اور بڑھ گیا لیکن اس نے اپنی تلبلیوت
 کا اظہار کرنے کے بجائے لاہور یا انڈیا میں شاذ و نے جھٹکے اور ہونٹوں
 ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر شاذ و کی طرف دیکھنے لگی۔
 شاذ و دھم دھم کے قریب جا کر زمین پر لیٹ گئی تھی اور خالی
 خالی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے بھی زمین پر لیٹ
 جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ زمین پتھر کی تھی لیکن میں نے کوئی نہیں
 رکھا تھا اس لئے اس میں نہیں تھا کہ زمین کی تھکی جسم کو تھک پھینچا۔
 میں شاذ و سے صرف گڑبھڑاتے اس کے برابر میں جا رہی تھی۔
 عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر غار کی دیوار سے ٹک
 لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا رخ غار کے دلہنے کی طرف کر لیا تھا۔
 غار کے باہر ہونٹوں کی جگہ ہمارا اور آہستہ آہستہ میرے دل
 میں بھی خاصی چھل پیدا ہو گئی کیونکہ اب میرا دھیان صرف خاندن کی طرف
 تھا، کسی سرگرمی کی طرف بلکھاتی ہوئی جوانی میرے حواس پر پھٹا
 چلی جا رہی تھی۔ میں نے شاذ و کی طرف کر لئی اور اسے اپنی طرف
 دیکھنے لگا۔
 ”بے اختیار سکر لگتی ہے۔“ ایک عجیب زبان ہے۔
 اسے دنیا کے ہر گوشے میں بولا اور سمجھا ہے۔
 گوشوں میں رہنے والے میں اس زبان کو بولتے ہیں اور ایشیا کے
 بہت بولگوں کو بھی یہی زبان ہے۔ اس کا کوئی بھید، سمجھاؤ
 نہیں ہوتا۔ یہ ایک صاف مغل غار ہے، ایک بے لاگ تہذیب
 ہے۔ سب سے الگ، سب سے جدا، سب سے نفوس!
 میں نے شاذ و کو بول سکر لگتے دیکھا تو ہنسا دیا۔
 اس کی طرف چھللا دیا۔ وہ میری اس حرکت کا مطلب سمجھ ہیو نہ سمجھ ہیو
 لیکن ایشیا کا اس نے بھی چھللا دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ
 میں تھاما تو اس نے جس سنسنی بھرتی چلی گئی اور وجود کی گہرائی
 میں کی جگہ کوئی سا مزاح کر رہی۔
 ”شاذ و! میری سرگرمی، جذبات سے بول چل تھی۔
 وہ بھر بھر لگتی۔ وہ مجھ سے بھی زبان بول سکتی تھی۔“

[illegible]

غار گونجنے لگا تھا۔ پھر جب میرے ہونٹوں
اور درمیان میں کہیں کچھ درکے گئے تو قیام
پاگلوں کی طرح بھیدھڑپنے لگی۔ اس نے میرے
طرح دانت کا کرے کی میں ٹپ کر رہ گئی۔ ہم
بڑی شدید تھی۔ میرے ہونٹ ابھرنے ہو
چلے گئے، ہونٹوں کو مستے چلے گئے، عاصی
کا بھیڑیہ عالم تھا جیسے میرے جسم کا ایک ایک
کھا چکی ہو۔
ایک طوفان غار کے باہر گڑھ رہا۔
چٹھیا رہا تھا۔ دونوں کی طوفان، مہر ز
دونوں کی کا دامن بکلیوں سے بکھا ہوا تھا
لیکن غار کے طوفان کی تخلیق تھا
زیادہ پایا ثبات نہیں ہوا۔ جتنی شہ
تیزی سے ڈوب بھی گیا اور اس کی تہوں آ
اُڑنے سے اٹھنے ٹھکے سے آہستہ رہ
بجلیوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا
نے بڑی تیزی سے طغمار کر دی تھی۔ سر
بڑی تیزی سے سب کچھ اڑھٹ لپیٹ لیا
تھا، وہ بسا غنیمت معلوم ہونے لگا۔
دشت محسوس ہونے لگی تھی پہلے تو ایسا
وقفے سے جلی جلی تھی تو غار جگمگا اٹھتا تھا
ایک بار بھی جلی کا کھار کا نہیں ہوا تھا۔

اور کو بارہ چھوڑیں گے۔
 ہم اس بار کو پہاڑ کا بندھن نے بڑی سختی سے
 وہ بچھڑ گئے۔ کب لذت کے وہ گزرتے
 ہوتے تھے۔ پھر بڑے کا ہلکا شہیدانہ جھوٹا
 کا ہلکا شہیدانہ جھوٹا
 کی اور بھی تھی ممکن تھا کہ تمہارے کا حملہ

دوسری اسی تھانہ میں بادلوں کی گرج اور بجلی
 اچانک سے مسلسل اور کیساں شور کے عادی
 کی گرج اور کیساں شور کے عادی
 وہ آواز ایک سے زیادہ آوازوں

ماہجس کی تہی گر گئی کی آواز سنائی دی۔ غار کی تاریکی نکھلی
ایک مختصر اور شعلہ جلا میں نے بڑی تیزی سے ریلو اور کارخانہ
غار کے دہانے کی طرف گردیا میرے اندازے کے مطابق نو وارد
دہانے کے قریب ہی زمین لرز گئی تھی۔

”نہیں... نہیں۔۔۔“ اس میں سے ایک تو بیا بیچ اٹھا۔
”تو پھر میرے سوال کا جواب دو۔ یہ میت کھینچا کیسے نہیں پاتی
نہیں ہوں۔ تمہارا تعلق فوسکس سے ہے۔ تم کو کون نے کالیں
میرا تعاقب کیا تھا؟“

وہ دونوں جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگے۔
”سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ“ میں پھر بولی۔ ”دو بار سے ٹیک
لگاؤ اور اپنے پرانگندہ حواس کو درست کرنے کی کوشش کرو۔“
”اُن دونوں نے اٹھنے کی کوشش کی اور قدرے وقت سے
اٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے غار کی دیوار سے ٹیک لگا لیا
اور اپنے گتے کے سروے سے انکسار اجڑا کر پھر تھرا رہا تھا۔ انھیں
سرخ ہوئی تھیں۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ ان پر کئی بھی
لٹے مویے کا حمل ہو سکتا ہے۔ اگر اس بلا کی سڑی ہو اور آدمی
پاکش میں جھیک جائے تو یہ عمل کی غلطی سے کم نہیں ہوتا۔
”اب بتاؤ! میں انہیں کھو رہی ہوں یوں تو فوسکس کہاں ہے؟“
”اُن دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ
آہستہ اُن کے سر جھٹکتے چلے گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان پر
خشنی طاری ہونے والی ہے۔ میں جلدی سے اُن کے قریب گئی اور
ایک کاشانہ پر کھڑی ہوئی ہوں۔“

”جواب دو درود میں اریو اور کانیف جیمبر تمہارے سینے
میں شمالی کر دوں گی۔“

وہ چونکا اور خوفزدہ نظروں سے میرے ریو اور کی طرف
دیکھنے لگا۔ میری دھمکنے اُسے بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گو کہ سردی
سے اُس کے دانت بچ رہے تھے اور حالت خیر ہوئی جا رہی تھی لیکن
کسی کی طرح اُس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو میں جاننا چاہتی تھی۔

میرا خیال درست ثابت ہو گیا کہ فوسکس، کاری کا تباہی سے
مطلوب نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑے دونوں
سے یہ بات بھی تھی کہ میں ہم چھپنے سے پہلے ہی کار سے اتر گئی ہوں گے۔
کچھ گتے ہمارے اس کے کار روک دی تھی اور ایک آدمی کو کلا میں چھوڑ کر
باقی آدمیوں کے ساتھ کار سے اتر گیا تھا۔ پھر اس آدمی کو ہدایت کی
تھی کہ وہ ایک موڑ پر جا کر رُکے اور انتظار کرے۔ اس بات کے
مجبور ہلارے چلی گئی تھی اور فوسکس تین آدمیوں کے ساتھ وہیں
چھپ گیا تھا۔

جیمبر نے شاہد کے مطابق اُس وقت فوسکس کے ساتھ صرف
دو آدمی ہونے چاہئے تھے لیکن یہ ہلکا راستے میں وہ شخص بھی ان
کی کلا میں بیٹھ گیا تھا جس نے مجھے فوسکس کا خطا پہنچایا تھا۔ دراصل
اس شخص نے اپنی گاڑی پھیل لی تھی۔ میں پھر رُک رہی تھی۔
فوسکس ان تین آدمیوں کے ساتھ چھپ گیا اور سڑک پر

مطلوبہ رہا۔ اس کا حال تھا کہ اس پر بیل
مزل کی طرف بڑھوں گی لیکن جب اُدھا
اُسے دکھائی نہیں دی تو اسے برشتانی لاس ہو کر
ایرٹ آباد سے آنے والی بھی اُدھر سے گزرتی
کے ذرا دیر بعد فوسکس پھر چلے جائے تو ہر سہ ماہی
کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر جب اس کی نظر نشیب میں
سوچنے لگا کہ اس میں اس کی جی کی طرف تو نہیں
مجھے ایک بار پھر فوسکس کے تیز ذہن کا کار
سوچ لیا تھا کہ مجھے سچی سے سچ حاصل ہو سکتے
ساتھیوں کے ہمراہ نشیب میں اترنا ضرور
دوبارہ ہوتی تو وہ مجھے اور شہانہ کو فرود
اس وقت تک میں نے نہیں سوچا تھا کہ ان فوسکس
بہت سی بیچ کر فوسکس نے ان لوگوں
بارے میں پوچھ لکھ کی۔ اس پوچھ لکھ کا سارا افسانہ
کیونکہ دونوں فرنی ایک دوسرے کی زبان پر
ایک بار پھر فوسکس کی ذہانت کام آئی اور وہ
میں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ درحقیقت
تھیا گلی کی طرف روانہ ہوئی ہیں۔

پس پھر فوسکس بڑی تیزی سے میرے
میں چل پڑا۔ یہ سفر اس نے نقصان انداز سے
اُسے پہاڑی راستوں کے بارے میں فطری
اس کمزوری کا احساس اسے خود بھی تھا لہذا
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس قسم کا کار
ایک گروپ غلط راہ پر نکلے تو دوسرا شاید
انہی میں سے ایک گروپ وہ تھا جو
ان دونوں کو بہت در تک بارش میں جھپکنا
کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکی تھی۔

جس وقت مجھے یہ ساری باتیں بتائی
آدی برشتانی طاری ہو چکی تھی۔ شہانہ اور شہانہ
خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔
فوسکس کے ساتھی کی گفتگو کچھ بھی سہی ہو گئی
سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا۔

مطلوبہ معلومات حاصل کر لینے
کے دہانے پر گئی اور باہر کا جائزہ لینے لگی
ٹوٹ چکا تھا لیکن وہ ختم نہیں ہوئی تھی
پہلی تو میں نے دیکھا کہ فوسکس کے اس سامنے
ہو چکا تھا جس نے مجھے مطلوبہ معلومات
میں شہانہ کے قریب جا کر بولی۔

”اس کے ساتھی ابھی قریب وجہ رہا تھا کہ میں
میں گزرتے ہوئے قویہ اطمینان حاصل ہو چلے گا
میں اس کا جواب دیتی ہوگی۔“

”اگر وہ نظر ڈالے تو مجھے بہت غور سے دیکھ رہا
ہو گیا وہ بھی مکرادی۔ اس کے چہرے پر
بہت نہیں تھی۔“

”اس لڑکی کو تم نے کیا بتایا؟“
”شہانہ نے پوچھا۔“
”میں نے متعلق۔“

”وہ دونوں جھپک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔“
”ان دونوں پر ریو اور نکالا تھا۔ یہ تو کم نہیں
کوئی نتیجہ اخذ کیا ہو۔“

”مطلوبہ کر دیا تھا کہ وہ دونوں ٹیکرے بھی
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس قسم کا کار
ایک گروپ غلط راہ پر نکلے تو دوسرا شاید
انہی میں سے ایک گروپ وہ تھا جو
ان دونوں کو بہت در تک بارش میں جھپکنا
کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکی تھی۔

جس وقت مجھے یہ ساری باتیں بتائی
آدی برشتانی طاری ہو چکی تھی۔ شہانہ اور شہانہ
خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔
فوسکس کے ساتھی کی گفتگو کچھ بھی سہی ہو گئی
سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا۔

مطلوبہ معلومات حاصل کر لینے
کے دہانے پر گئی اور باہر کا جائزہ لینے لگی
ٹوٹ چکا تھا لیکن وہ ختم نہیں ہوئی تھی
پہلی تو میں نے دیکھا کہ فوسکس کے اس سامنے
ہو چکا تھا جس نے مجھے مطلوبہ معلومات
میں شہانہ کے قریب جا کر بولی۔

”اس کے ساتھی ابھی قریب وجہ رہا تھا کہ میں
میں گزرتے ہوئے قویہ اطمینان حاصل ہو چلے گا
میں اس کا جواب دیتی ہوگی۔“

”اگر وہ نظر ڈالے تو مجھے بہت غور سے دیکھ رہا
ہو گیا وہ بھی مکرادی۔ اس کے چہرے پر
بہت نہیں تھی۔“

”اس لڑکی کو تم نے کیا بتایا؟“
”شہانہ نے پوچھا۔“
”میں نے متعلق۔“

”وہ دونوں جھپک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔“
”ان دونوں پر ریو اور نکالا تھا۔ یہ تو کم نہیں
کوئی نتیجہ اخذ کیا ہو۔“

”مطلوبہ کر دیا تھا کہ وہ دونوں ٹیکرے بھی
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس قسم کا کار
ایک گروپ غلط راہ پر نکلے تو دوسرا شاید
انہی میں سے ایک گروپ وہ تھا جو
ان دونوں کو بہت در تک بارش میں جھپکنا
کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکی تھی۔

جس وقت مجھے یہ ساری باتیں بتائی
آدی برشتانی طاری ہو چکی تھی۔ شہانہ اور شہانہ
خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔
فوسکس کے ساتھی کی گفتگو کچھ بھی سہی ہو گئی
سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا۔

ایک ختم طرز کار میں بھی پہلے ہی تھی۔
تھی اور کبھی غار کے دہانے پر جا کر باہر کا جائزہ لینے لگی تھی۔ آخر میں
نے یہ آواز بلند کرنا شروع کر دیا کہ اب میں روانہ ہو جانا چاہئے۔ شہانہ
نے یہ بات شاید دوسرے ہی کو وہ زمین سے اٹھ کر اپنے خچروں کی طرف بڑھ کر
میں نے فوسکس کے دونوں ساتھیوں کے قریب جا کر کھڑے ہو کر
اُن کی کلا میں چھو کر دیکھیں۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔ ان دونوں
کے جسم پر کچھ کچھ رہے تھے اور اس سڑک کے کار کا بھی۔ اُن
پر نمونے کا حمل ہو چکا تھا۔

وہ دونوں میرے وطن کے دشمنوں میں سے تھے مگر انہیں اس
حالت میں یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے ہوسنے میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہا
تھی۔ مجھے اب یہ رُخ آ رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ اس حالت میں یہاں
بڑے رہے تو موت کی آغوش میں پہنچ جائیں گے لیکن مشکل یہ تھی کہ
ان کے لئے کچھ کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ دونوں انہیں ملتی امداد
بہم پہنچا سکتی تھی اور نہ انہیں اپنے ساتھ تھیا گلی لے جایا جاسکتا
تھا۔ اسی صورت حال کے پیش نظر مجھے اپنے انسان ہمدردی کے
جذبات چلنے پڑے۔

جب ہم اس غار سے نکل کر دو بارہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے
تو دفعتاً بالکل بدل چکی تھی۔ آسمان پر بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے
تیرتے پھیر رہے تھے۔ وہ ٹکڑے جب سڑک پر آتے تو دھوپ
غائب ہو جاتی۔ ان ٹکڑوں کی وجہ سے دھوپ چھاؤں کا کھیل
جاری تھا۔

”کچھ دیر تک یہ سفر خاموشی سے جاری رہا، پھر شہانہ بولی۔
”شاذ و مجھے سے ان آدمیوں کے بارے میں استفسار کر رہی تھی نہیں
ہم غلام چھوڑ گئے ہیں۔“

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“
”میں نے کہا کہ تھیا گلی سے کسی کو ادھر بھیجیں گے تاکہ ان دونوں کیلئے
کچھ کیا جاسکے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں نے فرمایا۔“
”میں نے صحیح جواب دیا؟“ شہانہ نے پوچھا۔

”ظاہر ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔“
پھر ہماری گفتگو آگے نہیں بڑھی اور سفر جاری رہا۔ میں

جو کتنا نظروں سے جا رہی تھی کہ شہانہ کی جارہی تھی۔ گو، اگر اس کا یہی
تھا کہ فوسکس بہت اگے نکل گیا ہو گا، تاہم ہوشیار رہنا ضروری تھا
چار بجے کے قریب شاذ و نے شہانہ کو بتایا کہ ہم تھیا گلی کے

علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔
اب ہمارے گرد بڑے حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ برت
سے دھلک ہوئی دُور دراز کی پہاڑیاں بالکل سفید نظر آ رہی تھیں اور

ان کے پیش منظر میں منور کے درخت ایک عجیب بہار دے رہے
تھے۔

ان کے پیش منظر میں منور کے درخت ایک عجیب بہار دے رہے
تھے۔

ان کے پیش منظر میں منور کے درخت ایک عجیب بہار دے رہے
تھے۔

کامنڈھتی رہی سہتے میں کسی نے اسے آواز نہ دی اور وہ لپکا ہوا اس
دیرانے کی طرف چلا گیا جہاں سے دھواں نکلتا نظر آ رہا تھا۔ غالباً وہ باورچی

میر کی کلام اُس نے اپنے باتیں باز

ہمٹل کے چار پانچ آدمی بے حد

مرتبہ ابھرا اور ڈوب گیا۔

420

”اب؟“ شبانہ ٹھٹھے ٹھٹھنے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔
 ”اس لڑکے کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی ہے۔“ میں نے بڑبڑاتے والے انداز میں کہا۔
 ”لیکن اس کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ واقعی ختمیاں لگی کے ایک ایک کونے کی خبر رکھتے ہیں۔“
 ”میں اس کی تصدیق ضرور کروں گی۔“
 ”تصدیق کا ذریعہ؟“
 ”پرنسٹنٹ ریسٹ ہاؤس۔“
 ”میں آپ وہیں جا کر معلومات حاصل کریں گی؟“
 ”قطعی۔“

شبانہ چپ ہو گئی اور میں اپنے بریں سے سرگرفت نکالنے لگی۔ داغ بنانا پر گندہ ہو گیا تھا کہ سرگرفت کی خواہش بڑی شدید ہو گئی تھی۔ سرگرفت جاکر میں گھر سے گھرے کش لینے لگی۔
 غفار کے بیان کی دہائی کا مطلب یہ ہوا کہ میری طرح بے وقوف بن گئی تھی لیکن مشائخ کے اہلکار کے وجود مجھے غفار کے بیان پر شبہ تھا۔ آخر دارالعلوم کیسے لگے؟ یہ بات کیوں بتائی تھی تھی کہ مدد ختمیاں لگتے بھرتے ہیں؟ اچھوت مجھ سے کیوں بولا گیا تھا؟
 وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے پیمانی میں اضافہ جوتا رہا۔ میں نے بے درجہ دگرگرفت چھوٹ دے ڈلے میرا دل کھل گیا تھا۔ تو میں نے دو گھنٹہ پانی پی لیا۔ پانی کی برکت نے گلاں گیزر پر رکھا ہی تھا کہ دہانے کے کھڑے تھوڑی آہٹ ختمیانی دی جو کسی ختمیانی آدمی کے جوڑوں کی بنی ہوئی ہو سکتی تھی۔ میری نظری اس طرف اٹھ گئیں اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا جسم من پھوٹ کر رہ گیا ہو۔
 وہ فوکس تھا جو ہول میں داخل ہوا تھا اب وہ بے اطمینان سے قدم اٹھا رہا میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔
 دو پارلر تک شل بننے کے بعد میرے ہاتھوں نے تیزی سے حرکت کی اور میں نے اپنی گود میں کھینچے تھے بریں سے ریلوے نکال لیا۔ یہ نظری فوکس پر بھی برقی ہول ختمیاں آدمی کے جسم کی بلتی ہوئی کیفیت کو محسوس کر کے شبانہ نے بھی پلٹ کر فوکس کو دیکھ دیا تھا۔

فوکس ٹھٹھا ہوا میرے قریب آیا اور دوستانہ انداز میں بولا۔
 ”ہیلو!۔۔۔۔۔ ختمیاں لگی کی سرقد ختمیاں فوکس میں خوش آمدید کہتا ہے۔ سر صلیبہ مینو!“
 میں ہزٹ جیسے اپنے گود کی دی میز کے نیچے میرے ہاتھ میں ریلوے پارلر تک تیار تھا۔ وہیں سرچ رہی تھی کہ فوکس اتنی دیر کی میرے سامنے کیوں آ گیا ہے۔ اسے تو چھپ کر فیصلہ کن دار کرنا چاہیے تھا۔

”رہی۔۔۔“
 ”کیا مطلب؟ میں غزالی۔“
 ”یہ میں نے اس بات کا جواب دیا ہے۔“
 ”لیکن جو تمہارے ذہن میں موجود تھی۔“
 ”میں اس خیال سے جو غفلت کر رہی تھی۔“
 ”کو میرے گھر سے ہی پڑھ لیا تھا۔ اس میں کوئی ایک مثال ذہن تھی۔“
 ”شبانہ مغلطیانہ انداز میں پلہ پلہ کے لئے بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔
 ”دراصل۔“ فوکس پھل پھلایا۔ ”اب اس کی رہی کہ تمہیں ختم کر دیا جائے۔ ذہن لوگوں کو تو گناہ عظیم ہے۔ تمہیں ختم کرنے کا اہم کار عالم میں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھ پر ہی اتنی میں اسے خاموشی سے گھور رہا تھا۔
 ”دو لکے اور ہرات کی مضاہت جو مجھے فوکس کی وقت کے بغیر لوٹا رہا۔ یہ میری کہیں اس طرح بے وقوف بنا ہوں۔ پھر آج تھا دو لکے بہت دن تک اشتعال اور اس ختمیہ دو بائیں بائیں ہوئی ہیں جو میرے تویہ کہ جسے دو فوکس بن کر کھنکھانے میں کر سیکر ماحول ایک اور ذہن میں عورت ہو رہی ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں بالکل نہ آ رہی ہیں۔“
 ”میرا کہنا مشکل ہے کہ وہ اب تک اس کی مضاہت چاہتا ہو۔“
 ”اس کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے۔“ فوکس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم اپنے سامنے ہوں کو لیکر مدد ملکت اس وقت ختمیاں لگیں ہیں۔ میں نہیں آئے۔“
 ”جہی بات غفار نے بھی کہی تھی لیکن بات سنی تو مجھے اپنے اعصاب ایک پلہ پلہ ہوئے۔“
 ”اور اس طرح۔“ فوکس کہتا رہا۔ ”میں نے وقت بنایا ہے۔“
 ”دارالعلوم کی اڑائی جاری تھی کہ مدد ملکت ختمیاں لگیں۔“
 ”پھر اب؟“ میں نے اسے تکیں نظروں کی چاہتے ہوئے۔“

”شبانہ! استعجاب یہ انداز میں بولی۔“ اسے

”میں نے کہا کہ تمہارے لئے میری کار ماضی ہے۔“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے ختم کیا ہے۔“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“
 ”میں نے کہا کہ ضرورت تو ہو گی نہ؟“

دھوپ اب بالکل غائب ہو چکی تھی۔ سو نہ بیاباؤں کے چھپے چلا
گیا تھا اور ان بیاباؤں کی برف سے دھمکی ہوئی چوٹیاں سو نہ کی نہ تھوڑی
سے چمک رہی تھیں۔

لیکن مجھے اس وقت میں نہ جانی سے کوئی دلچسپی تھی، نہ کٹر کے
پہاؤں سے، نہ سرد مایہ تو صرف اس سوال سے اٹھا ہوا تھا کہ بریڈ نے
اُس پر ہر طرح کی مقصد برامدی کی کوئی سبیل نکل سکتی ہے یا نہیں؟

ریشٹ ہاؤس کے سامنے ولے جتے ہیں، نندوگاس سے
 ڈھکا ہوا ایک وسیع قطار زمین تھا۔ غالباً ریشٹ ہاؤس کی کاپیٹر
 میں آتا رہا ہوگا۔ ریشٹ ہاؤس کے دو دروازے پر دو مبلغ خالص موجود
 تھے۔ ان کے علاوہ کوئی بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ ریشٹ ہاؤس پر
 خاموش چھائی ہوئی تھی۔ دو دروازے اور بیشتر کوڑیاں بند تھیں۔ ایک
 چوٹی سے دھواں نکلتا نظر آ رہا تھا۔ وہ چینی یا تو بوہڑی خانے کی ہوگی یا
 کسی کمرے کے آستانہ کی! ۔۔۔ بہر حال اس سے نکلے ہوئے دھوئیں
 کا مطلب یہ تھا کہ ریشٹ ہاؤس میں کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے۔

”آپ جی جاؤ، اگر میں آگے بڑھا تو یہ سنتری غمے گایاں کہنے لگیں گے۔ صدا صاب آج کل یہاں نہیں میں اس لئے یہ لوگ آپ سے شاید کچھ نہ کہیں!“

جب ہم نے گھاس کا قطر زمیں نصف کے قریب طے کر لیا تو
ایک سنتری نے اپنی رائفل شٹلے سے آگ مار دی۔ وہ کچھ زیادہ ہی محتاط

”کیا ریٹ ہاؤس میں کوئی نہیں ہے؟“
”یہ بات آپ کی نگاہ میں نہیں آئی۔“

[illegible]

میں نے کہا میں موجود لوگوں کے ہاں سے ہی یہ سب
 کچھ لے کر آیا ہوں۔ یہ سب کچھ لے کر آیا ہوں۔

ہے کہ میں نے اپنے لیے ایک نیا راستہ تلاش کیا ہے۔

وہی جانی۔

”اس کا مطلب
موجودہ میں؟“
”اتفاق جمیوٹ“

میرا قدم ا
لگا تھا۔ بھرہ بات
چاہتا

کہنے کی تحریک صر
 ”آب اس
 سے کہا: ”کیونکہ حقیقت

”کیپٹن!“

ہوں۔ راستے میں
یہ وہی تھے جو اس
میں۔ ان لوگوں کو

تک پہنچ جائے
”وہ اظہار
”مجھے افسوس
”

پھر لولا۔ ”میں کہی
”اگر آپ
منی“ م

پہلے کا۔ میں۔

بہ بڑی حیرت سے ایک خاص لائن پر کام کرنے
 اچانک ہی کچھ بھی گئی کہ اس صورتحال سے ناگوار اٹھایا

فہم جنت اور عذبت کے ۵۵۔
 پر بالکل یقین نہ کیجئے کہ میں اُن میں نے بڑی سنجیدگی
 سے بالکل مختلف ہے۔“

میں نے اپنے لیے میں وقار پیدا کرتے ہوئے کہا
 ان اظہارِ مدیرِ ملکات تک پہنچاتی ہے۔ میں وہ اظہار

کچھ لوگوں نے مجھے ختم کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔
ان اقلع کو صدرِ مملکت تک پہنچنے سے روکنا چاہتے
تھے۔ (۱)۔ اے سے ہے۔

سے کیا ہے؟“

یہ نفعین کروں کہ یہ ساری باتیں درست ہیں،
نفعین کر لیں گے تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ
ہو سجدہ کرے گا۔ اور اگر آپ نفعین نہیں کر سکتے

25

یہ ملک کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔

ادھر غمگین بن گئے تو میرے سر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ میری باتوں کے وزن کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

”آپ نے اپنے بانی میں کی نہیں بتایا!“ وہ کہہ مویج کر بولا۔

”میں پاکستان کی ایک عام شہری ہوں لیکن صدر مملکت میرے نام سے خوب واقف ہیں، اگر آپ صدر مملکت تک پہنچیں تو میری ساری باتیں کو صبر و بردباری سے سننے کے لئے پریشان و مگر وہاں ہے تو وہ فوراً یہ حکم جاری کر دیں کہ مجھے ملتا نہیں ان تک پہنچا دیا جائے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ کسی عیب و بلا سے واقف ہوں لیکن یہ کیونکر ہے کہ وہ صبر و بردباری ہی ہیں۔“

اس محنت پر میں غمگین لگتی لیکن میں نے اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔ اشتعال آنکھوں سے تواتر نکلنے کی بجائے اور جبرجانی میں نے بڑے تحمل سے کہا جیسے کپال واقفی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں صبر و بردبار ہوں۔“

”چھریں آپ کی باتوں پر یوں نہیں کر دیں۔“

”اس لئے کہ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔“ میں نے بڑے تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے کہا: ”آپ اپنے دوچار منٹوں کی حرارت میں مجھے ہنسی بھراؤں۔ ظاہر ہے کہ یہاں آپ کے پاس گاڑیاں تو ہوں گی۔“

”میں جتنی جلدی صدر مملکت تک پہنچ جاؤں گی، ملک کے حق میں اتنا ہی ہنر کر گا۔ اگر زیادہ وقت گرہ لگتا تو اس کی تلافی میں ہو سکے گی۔“

”میں اپنی اس اطلاع کی اہمیت کا اندازہ دلانے کے لئے آپ کو صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ بات کشمیر میں ہونے والی جگہ سے متعلق رکھتی ہے۔“

”سہا!“ کیٹن نے اٹھ بڑا۔

”جی ہاں۔“ میں نے اپنے لیے اس میں زور دیا کرتے ہوئے کہا: ”وہ ایک ایسی اطلاع ہے جو کشمیر کی جنگی صورت حال میں ایک نمایاں تبدیلی کا باعث ہوگی۔“

”کیٹن بہت زیادہ مضطرب نظر کرنے لگی۔ میں نے تڑپ ہی ایسا چھپکا تھا جو ایک فوجی کی نظر میں صدر و اہمیت کا حال ہو سکتا تھا۔“

”اب ورنہ کیجیے کیٹن!“ میں چمک رہی تھی۔ ”مجھ نے وہ ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔“

”کیٹن چند لمحے متفکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر شہانہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا یہ کون ہیں؟“

”ان معاملات سے اس لوگ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہیں میرے ساتھ ہے۔“

”کیٹن کچھ کہہ سوجھنے لگا تو میں نے اسے فون پر مجبور ہو گئی یہ آپ بہت ہی قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں کیٹن!“

اس سے پہلے کہ وہ کہی جا
عجب ہی گونج پیدا ہوئی اور پھر وہ شور مچا
چلا گیا۔

”یہ کیا؟“ شہانہ نے کہنے سے استہ
”جھلنے کی ضرورت نہیں یہ ہیل کا
گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: ”وہ ریست ہا
لے کر آیا ہوگا۔“

”فان اس میں تو مرتبہ مجھے ہی ہوں۔“

ہیل کا ٹریس بھیج دیں تو بہت جلدی
جلد از جلد صدر مملکت تک پہنچ رہا تھا
”کیٹن میری آنکھوں میں دیکھنا ہوا
لگا۔“

ہیل کا ٹریس ریست ہاؤس کے
ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ریست ہاؤس کے
تھکا ہوا۔

”میں آپ کے پاس کوئی اختیار ہے؟“

”کیٹن!“ میں نے اسے گھونٹنے کی
”اگر آپ کے پاس کوئی بھتیجا ہے تو
کر دیجیے!“

”بھتیجا ہر مروت ہے۔“

”میں آپ کے بیان پر یقین کرنے کی
”کیٹن نے فیصلہ کن انداز میں
آپ کو ہیل کا ٹریس نہیں بھیج سکتا۔“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے ایک
پرس کو ہونٹنے کی۔ اس میں سے یہی اوردنگ
طرف بڑھا دیا۔

”اور یہ؟“ کیٹن نے شہانہ کی طرف
”یہ غیر مسلح ہیں۔“ میں نے اپنے
”جوتے کہا۔“ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ
مروت بھی نہیں تھی۔

ہیل کا ٹریس کاٹھن کی جگہ بند ہو گیا تھا
گیا تھا۔

”کیٹن نے بلند آواز میں کسی کو بھرا
اور ایک فوجی سپاہی اندر آیا۔ وہ غیر مسلح تھا۔
”اپنی اسٹین گن لے کر آؤ!“ کیٹن
وہ فوراً دایس چلا گیا۔ میری بھیج میں نہیں
اس سے اسٹین گن کیوں منجوائی تھی۔
جب وہ سپاہی اسٹین گن لے کر آیا اور یہاں

میں زمین میں ہیل کا ٹریس کے پائلٹ سے
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا
”میں نے اسے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکا

”جواب دیا۔“ میں نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔
”ادھ!“ میں نے تو اس بے چارے کو ابھی ایک پیسہ بھی نہیں دیا
تھا۔“

”کیٹن نے میری اس بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور ہم
لوگ ہیل کا ٹریس کے قریب پہنچ گئے۔ پائلٹ ہماری طرف دیکھنے لگا
”یہ لیفٹیننٹ شاد ہے۔“ کیٹن نے پائلٹ کی طرف اشارہ
کر کے ہونٹے مجھے بتا دیا اور پھر پائلٹ سے کہا: ”یہ دونوں وہ خواتین
ہیں جن کو تم میڈیکل کورسے جاتا گے۔“

پائلٹ نے صرف سر ہلنے پر اکتفا کیا۔ اس نے مجھے اور شہا
کو جڑی کی نظر سے دیکھا تھا۔

”کیٹن کچھ مجھ سے مخاطب ہوا آپ دونوں ہیل کا ٹریس کے
پچھلے حصے میں بیٹھیں۔ آپ کا یہاں اور اس نے لیفٹیننٹ شاد
کو دے دیا ہے، وقت آنے پر آپ کو واپس مل جائے گا۔“

”میں اس کے لئے کچھ زیادہ پریشان نہیں ہوں۔“ میں نے
خفیت سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”دو سپاہی جو پائلٹ کے قریب کھڑے ہوئے تھے، آگے بڑھ کر
ہیل کا ٹریس کے پچھلے حصے کا دروازہ کھولنے لگا۔

”غالباً اب مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔“ میں نے مسکرا
کر کیٹن سے کہا۔

”اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے،“ کیٹن نے منجھ کر
کہا: ”میں نے جو کچھ بھی کیا ہے، آپ کی خاطر کر رہا ہوں کیلئے۔“

”سپاہی نے ہیل کا ٹریس کا دروازہ کھول دیا تھا۔ کیٹن نے
اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”اب آپ دونوں بیٹھ جائیں۔“

”میں شہانہ کا ہاتھ پکڑ کر داخلے کی طرف تھیں۔ ہیل کا ٹریس
میں سوار ہونے کے بعد میں نے شہانہ کو بھی اوردنگ چھالیا۔ باہر سے
آن وگوں نے دروازہ بند کر دیا۔ میں کوئی کہنے پر کام باز نہ
ہوئی۔ پائلٹ اب ہیل کا ٹریس کے آگے حصے کی طرف مار رہا تھا۔

”میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالا۔ ساڑھے سات بج چکے تھے۔ مجھے
یقین تھا کہ اب میں نصف شب سے پہلے پہلے صدر مملکت
تک پہنچ جاؤں گی۔ گواہی دے کہ آج کی رات میں پہنچ کر ایک
بار پھر کامیابی کی امید بندھ گئی تھی۔ جلد ہی ہیل کا ٹریس کا آئین اشارت
ہو گیا اور روبرو لگا ہوا ٹریس تھا۔“

”ہیل کا ٹریس!“ شہانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اب مجھے ایسا
محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں کوئی بھیانک اور طویل خواب دیکھ
رہی ہوں۔“

”بس چاند!“ میں نے اس کا گال قہقہہ کر کے کہا۔ ”اب یہ بھیانک
اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں ہیل کا ٹریس
گرتے ہوئے ایک ”ناگ“ وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔“

”میں نے اس کا گال قہقہہ کر کے کہا۔ ”اب یہ بھیانک
اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں ہیل کا ٹریس
گرتے ہوئے ایک ”ناگ“ وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔“

”میں نے اس کا گال قہقہہ کر کے کہا۔ ”اب یہ بھیانک
اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں ہیل کا ٹریس
گرتے ہوئے ایک ”ناگ“ وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔“

”میں نے اس کا گال قہقہہ کر کے کہا۔ ”اب یہ بھیانک
اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں ہیل کا ٹریس
گرتے ہوئے ایک ”ناگ“ وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔“

”میں نے اس کا گال قہقہہ کر کے کہا۔ ”اب یہ بھیانک
اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں ہیل کا ٹریس
گرتے ہوئے ایک ”ناگ“ وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔“

”کوئی سار بولا تھا۔ میں نے جواباً کہا اور کچھ سواری نظر دے
 فوس کی طرف دیکھا۔
 ”ہاں، تو کس نے مرلا ہے ہوئے تھا؟ ہم اس وقت ایک جنگل
 میں ہیں۔ غالباً میری قریب ہی کوئی وادی ہے۔ میں اس کے لئے
 مجبور تھا کہ میں آپس میں اتر پڑوں۔ اگر آبادی کا رخ کرتا تو بڑے جانے
 کا خطرہ تھا۔ میں نے سوچا، ایک ایڈوینچر کی ہوا میں سے پیدل چل کر
 آبادی تک پہنچنا ایک ایڈوینچر ہو گا۔
 شانہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولی، ”اگر تم تھکا گئی کیڑی چار
 میں ہی کسی جگہ ہیں تو ہماری مدد بھیج کر کسی درندے سے بھی ہوسکتی ہے۔
 یہاں جیتے پائے جاتے ہیں۔“
 ”میں نے بتایا نا کہ ہم اس وقت تھکا گئی کی نہیں بلکہ مری کے
 قریب و جا رہے ہیں،“ فوس بولا۔

میں بھلا ہونٹ و اتوں میں دبائے ہوئے اپنی اس شکست
 پر تملارہی تھی۔ فوس نے مجھے بالآخر صدر مملکت تک سینے سے
 روک ہی دیا تھا۔ میں اگر کھڑے ہوتی تو اس وقت فوس کے سینے
 میں نصف درجن گولیاں انکر دیتی لیکن ریڈیٹ ریسٹ ہاؤس
 کے محافظ نے میرا رول اور کے کبھی کو بڑے کی بالٹ کو دے دیا تھا
 مجھے یہ بات کبھی گئی تھی کہ سنزل پر سینے کے بعد میری طرف سے
 اطمینان حاصل کر کے رول اور مجھے واپس کر دیا جائے گا میں سوچ
 رہی تھی کہ وہ رول اور اب بھی بالٹ کی جیب میں ہو گا۔ فوس نے بتایا
 تھا بالٹ کی لاشیں میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر میں کیمن میں پہنچ کر
 رول اور پر تھک کر لیتی تو صورت حال کو ایک بار بھی اپنی موافقت
 میں لایا جا سکتا تھا لیکن یہ بات قابل غور تھی کہ فوس مجھے کین تک
 جانے دے گا یا نہیں؟
 ”کیا بات ہے فیصدیہ؟“ فوس تمسخرانہ انداز میں بولا، اتنی
 خاموشی تو کوئی آتھی چر نہیں؟
 ”کچھ ایسی بڑی بھی نہیں؟“
 ”میرا خیال ہے تمہیں خندہ پیشانی سے یہ شکست قبول کر لینا
 چاہیے۔“

”اس لئے کہ یہ تمہاری خواہش ہے!“
 فوس نے نفی میں سر ہلایا اور کچھ بولا، ”محض اس لئے کہ وقت
 کا تقاضہ ہے۔“
 ”میں وقت کے تقاضوں کی پابند کر زندہ نہیں رہنا چاہتا
 وقت کو میرے تقاضے ٹھکانا نہیں دے گا۔“
 ”سوچئے گا، انداز، مثالی ہے لیکن ہوا کے رخ کو نہ پہچاننا
 عمارت ہے؟“ فوس نے بڑی غیبتی سے کہا۔ ”وہیے اب مجھے
 یقین ہو چکا ہے کہ تم کبھی بھی ہماری تنظیم کا پڑھ نہیں سکو گے۔“

اس یقین کے بعد مونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں
 شائد میری فطرت کا ایک کمزور پہلو ہے کہ
 نہیں دیکھ سکتا۔ میں ذہانت کو خلا سمجھتا ہوں۔
 ”تم اب چاہتے کیا ہو؟“ میں غرضاتی
 جنگل میں گھڑا رہا ہے؟“
 ”اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟“
 ”وہاں کی روشنی ہی میں کسے نکلتی ہے؟“
 ”بہلی کو پڑ۔۔۔“
 ”اس کے استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا
 نے میری بات کھٹے ہوئے کہا، ”میں کبڑے جا
 لے سکتا۔“

میں چند لمحے فوس کی آنکھوں میں دیکھ
 سے بولی، ”میں بالٹ کے کیمن میں جانا چاہتی
 ”کیوں؟“
 ”کیا واقعی وہاں بالٹ کی لاش پڑی
 ”ہاں، کیوں؟“ فوس کے پیچھے میں
 ”میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔“
 فوس ایک دم ہنس پڑا۔
 ”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“
 ”صاف صاف کہو فیصدیہ، فوس نے
 دراصل بالٹ کی جیب سے اپنا رول اور نکالنا
 ریسٹ ہاؤس کے محافظ نے پہلی کو پڑے کر
 رول اور کے بارے میں جو بات کہی تھی، وہ میں
 یہاں پہنچے ہی میں نے اس کی جیب سے رول اور
 سے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ شائد اب وہ صدمہ
 میں پڑا ہے گا۔ اسے ڈھونڈنا محال ہے۔“
 ”میں رول اور کے بغیر بھی تمہاری گردن
 نے تھمنا کر گا۔“

فوس کچھ اس انداز میں مسکرایا جیسے میں
 کہہ دی ہو، پھر وہ بولا، ”تمہیں اپنی جو ڈوا اور
 پڑا نا ہے لیکن شائد تمہیں علم نہیں کہ میں جو ڈوا
 لنگ کو کھانا مہیا ہوں۔ اس طرح مجھے تم کو فو
 ہے۔ دیکھو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی کہ ہم
 باٹھا پانی پرا کرتے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے
 ہیں فیصدیہ بنو۔“
 میں فوس کے پیچھے سے اندازہ نہیں کر
 کہتے ہوئے سیدہ تھا یا میرا تمسخر اڑا رہا تھا۔

دیرانے سے نکل کر کسی آبادی تک پہنچ چکا ہوں گا۔“
 میرے دل کی دھڑکنوں میں خفیت کی تیزی آگئی۔ اس
 بات پر حیران بھی تھی کہ فوس اتنے بے وقوفانہ انداز میں کیوں سوچ
 رہا ہے۔ انھوں نے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آ رہی تھی کہ اس کی لاش
 کے بعد میں صبح کا انتظار کیوں کر کر دوں گی؟ میں تو بلا تاخیر میرا
 کرنا ہی اور آبادی میں پہنچ کر سراسری میٹیر سے یہ رابطہ قائم کر کے
 اس علاقے کا عرصہ کرنا چاہتی۔
 ”کیا تم اس مرد کی کو برداشت کر سکو گے؟“ میں نے دھڑکتے
 دل کے ساتھ پوچھا۔
 ”تمہاری خاطر کسی لوگ کا۔“ فوس نے ہنس کر کہا، ”اور یہ
 محض عشق کا شکار ہے ہو گا۔“

”کیا مطلب؟“ میں چونک کر اسے گھورنے لگی۔
 ”تم غلط سمجھیں۔ مجھے تمہارے جسم سے نہیں، تمہارے ذہن
 سے عشق ہو گیا ہے۔ ذہن لوگ مجھے بہت پیارے ہوتے ہیں۔
 اچھا جواب میں چلتا ہوں۔“ فوس کھڑا ہو گیا، ”تم پہلی کو پڑا رول اور
 اندر سے بند کر لینا نا کہ یہاں ٹھنڈک نہ پڑے۔“
 میرے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ فوس جارہا
 تھا اور اس طرح ایک بار پھر یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ میں صدر
 مملکت تک پہنچ سکوں گی۔ دیکھو فوس کی اس حماقت پر میری حیرت
 کا بھی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں ابھی تک یہ بات نہیں
 آئی تھی کہ میں اس وقت بھی پرواز کر سکتی ہوں۔
 فوس کے پیچھے میں بھی پہلی کو پڑے کے دروازے تک گئی۔
 دروازے پر پہنچ کر فوس نے بالٹ کے مسئلے کے ہوئے میری طرف دیکھا
 تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دل اچھل کر طوق کی طرف آ رہا ہو۔
 ”گڈ بائی فیصدیہ بنو، آ رہہ بولا۔“

”ہائے؟“ میں نے دھیرے سے کہا۔
 فوس پہلی کو پڑے سے اتر گیا۔ اب میں نے پہلی مرتبہ وہاں کے
 ماحول پر نظر ڈالی۔ مطلع اب برا نہ دھونے کی وجہ سے تاریکی اتنی
 گہری تھی کہ کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس اونچے اونچے
 درختوں کے چھوئے، دیو کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ میرا دل
 کی بلندیاں، اندھیرے کی چادریں مسورتھیں۔ اس تارک وادی
 میں پہلی کو پڑا نا کا واحد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں
 یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
 ماحول اتنا سر دھکا کہ پہلی کو پڑے کے دروازے پر پہنچتے ہی
 سردی کا احساس دہندہ ہو گیا تھا۔ میرا جسم کپکپا اٹھا۔
 پہلی کو پڑے سے اتر کر فوس نے الوداعی انداز میں اچھ بولا۔
 مجھے یہ سب کچھ بلا غیر فطری معلوم ہو رہا تھا لیکن اناجھ میں نے بھی

ہلا دیا۔ یہی عجیب اور شاندار منظر تھا۔ خبر بات تھی کہ دو دھڑس ایک دوسرے کو اوردانہ کپڑے تھے۔

”بانو! مجھے اپنی بیٹی سے شہانہ کی لپکاپی ہوئی اور ازمنہ دی۔“

”ہول!“ میں نے ہنسنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ میری نظریں نوکس پر جمی ہوئی تھیں جو اب مجھے ایک دھندلے سے سامنے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ جلد ہی وہ تاریکی میں مدغم ہو گیا اور میں ایک طویل سانس لے کر شہانہ کی طرف مڑی جو میرے بالکل پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

”بانو!“ شہانہ بھڑکی۔ ”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے بتایا تھا کہ یہ شخص بہت چالاکا ہے۔“

”ہاں، تو؟“

”مجھے تو یہ بہت ہمکے وقت معلوم ہو رہا ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”کیا ہم اس وقت یہاں سے پر واز نہیں کر سکتے؟“

میں نے ایک طویل سانس لیکر دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے اور مشکوٰۃ کی بولی بولی ”تم نے بالکل درج بات سوچی جو میں سوچ رہی تھی لیکن اس کے یہ بات کہی ہے تو میرے ذہن میں دفعتاً ایک اور خیال آیا ہے۔“

”یعنی؟“

”فوکس آسان ہے وقت نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر؟“

”شاناس میں بھی اس کی کوئی چال ہے۔“

”چال؟“

”ہاں۔“ میں نے شہانہ کے کندھے پر کچھ دباؤ ڈالتے ہوئے کہا ”مگر فی الحال اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ چال کیا ہو سکتی ہے۔“

”تو آپ کیا کہیں گی؟ کیا یہاں سے فوری روانگی کا اندازہ نہیں ہے؟“

میں ذہنی طور پر اتنی اچھی سمجھتی تھی کہ میں نے اس سوال کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا اور دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی ”آؤ فوراً پلانٹ کر کے کیمپ کا جائزہ لے لیں۔“

شہانہ میرے ساتھ پہلی کو پٹر کے پچھلے حصے سے اتر آئی اور بیٹروں کی ٹھنڈک نے ہمیں اپنی پیٹ میں لے لیا۔ ہم دونوں کپکپاتے گئے۔

پلانٹ کے کیمپ میں فیڈینٹ شاوک لاش موجود تھی اور اس کا چہرہ خون میں ڈوب کر بڑا بھیانک نظر آنے لگا تھا۔ اس کے کپڑے بھی خون میں تیرے تھے اور سرخ چھینٹوں سے کیمپ کی دیواریں بھی منقش ہو چکی تھیں۔

شہانہ نے لاش پر بس ایک اچھی سی نظر ڈالی اور پھر

دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی ہمت منظر کو دیکھتے رہتی۔

میں نے لاش کو کھینچ کر پہلی کو پٹر کو پلانٹ کی نشست کے برابر میں بٹھائی۔

”ادھ!“ شہانہ کے منہ سے اتنا ہی نکل میں نے پلانٹ کی نشست سنبھال لی۔

”اب جو کچھ بھی ہو، دیکھا جائے گا۔“

”جی؟“ شہانہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

”اگر فوکس نے کوئی چال ہی چلی ہے تو سوچ سوچ کر وقت ضائع کرنا حماقت ہوگی۔“

”اس میں کوئی شبہ نہیں۔“

پہلی کو پٹر ہلکے ہلکے ہاتھوں سے میری طرف نظر رکھے ہوئے تھی۔ دفعتاً ہی وہ کھڑکی سے پہلی کو پٹر کو واپس زمین پر اتار دیا۔ یہ واقعہ میں آیا تھا کہ پہلی کو پٹر کو خواصاً چھوٹا لگا رہا تھا۔

پہلی کو پٹر کو زمین پر جرح دیا گیا ہوا شہانہ کی پیچھے لگی تھی۔

”ماں! لاڈ!“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا ”کیا کوئی خرابی ہے انجن میں؟“

”نہیں۔“ میں نے ہنسنے لگا۔

”تو پھر؟“

”بس ہمت بٹانے والی سوئی توڑ لی۔“

”سچ میں؟ اگر فوکس اتنے اطمینان سے ہیں تو خرابی کی وجہ سے رات میں پر واز کرنا ممکن نہیں۔“

”دن میں پر واز کرنا ممکن ہے۔“

”سورج سے سمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟“

”ہوں۔“ شہانہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

میں بولی ”تو اب کیا ہیں رات بھر نہیں اگھر؟“

”کم سے کم فوکس تو یہی چاہتا ہے۔“

”صحیح سمت کا انتخاب کسے تعین کر دیا کرتے ہیں؟“

”پہلے میں یہی ممکن ہے کہ ہم سرخ کریم پر اور یہی ممکن ہے کہ۔۔۔“

پہلی کو پٹر کا انجن بدستور چل رہا تھا۔

”بند نہیں کیا تھا تو فوکس میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

”اس نے کاسبب تو بس ایک لمحہ کی غلطی سے

نہیں دیں۔“

”غالباً ہم ابھی تک کسی آبادی کے اوپر سے نہیں گزرے۔“

”فرار پر خاموشی رہی، پھر شہانہ بولی۔ یہاں کی فضا خاموشی گرم ہے۔ میں اس کاٹھ اُنکے سے دیکھتی ہوں۔“

”اکار دو۔“

شہانہ نے کوٹ اُنارک اپنی گود میں رکھ لیا۔

”کچھ دیر بعد میں نے شہانہ سے کہا۔ اب ہم زیادہ دیر تک پر واز جاری نہیں رکھ سکتے۔“

”کیوں؟“

”ابنہیں ختم ہو رہا ہے پہلی کو پٹر کا۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہمیں پانچ منٹ کے اندر لینڈ کرنا ہے۔“ میں نے جواب دیتے ہوئے نیچے نظر ڈرائی۔

”سکندر لینڈ کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب کر لیں۔“

”وہ خطہ زمین کچھ مشکل سا تھا جہاں میں نے پہلی کو پٹر اتارا۔“

”یہاں بھی بہت گھونٹا دینی پڑی ہوئی تھی۔“ میں نے انجن بند کر دیا اور بڑی سرعت کے ساتھ پہلی کو پٹر سے اتر گئی۔

”میرے پیچھے شہانہ بھی اتری اور اسی وقت ہمارے اندر کی زمین وادی جو کھ کے گوج اُٹھی۔“

”خبردار! خبردار! آوازیں گونجیں اور بہت سے فوجیوں نے نندھ مجھے اور شہانہ کو بلکہ پہلی کو پٹر کو بھی زخمی میں لے لیا۔ ان لوگوں کی لٹکار سننے ہی میں نے اپنے ہاتھ سرکے اور چاہتے تھے اور شہانہ سے بھی الیا ہی کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس کے برخلاف کرنے کی صورت میں یہی ممکن تھا کہ ہم دونوں کے ہم گولیوں سے چھین کر دیے جاتے۔“

”آپ دونوں کو نہیں؟“ ایک خیمہ زندہ سی آواز سنائی دی۔

”سے اندازہ ہوتا تھا کہ بولنے والا کوئی ذبح گھر نہیں بلکہ آفیسر دینک کا آدمی تھا۔“

”آئی رات گئے ہم دونوں کو ایک پہلی کو پٹر سے اترے دیکھ کر ان لوگوں کو حیرت تو ہونا ہی چاہیے تھی۔“

”کیا میں پاک فوج کے کسی افسر سے خطاب ہوں؟“ میں بولی۔

”یقیناً۔“ وہ جواب دیتا ہوا میرے بالکل سامنے اُٹھ کھڑا ہوا لیکن اندھلا اُٹھ اُٹھا تھا کہ اب بھی مجھے اس کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”کیا آپ بتائیں گے کہ یہ کون سی جگہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ لیجئے حیرت و جذبہ ہو گئی۔

”آپ یہاں خود ہی آئی ہیں اور اب کو نہیں معلوم کہ یہ کون سی جگہ ہے؟“

”ہاں، مجھے نہیں معلوم، لیکن یہی اس عدم واقفیت کی تشریح میں خاموشی سے صانع ہو جائے گا جبکہ۔۔۔“

”خاتون! وہ یہی بات کاٹنا ہو سکتی انداز میں بولا۔ بہتر ہو گا کہ آپ وقت ضائع نہ کرنے کی پرواہ کئے بغیر میرے سوال کا جواب دیں اور اپنی مشترکہ پوزیشن کو صاف کریں ورنہ میں کوئی صحت قدر ضائع

پر عبور ہو جاؤں گا۔ پاک فوج کا یہ بلی کوپٹر آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟
 ”انفیرا“ میں نے بگھیر لیے ہیں کہا۔ ”مجھے آپ کے فرائض کی نوازشوں کا پورا پورا احساس ہے کیونکہ آپ کی طرح میں بھی سرکاری پاکستان کی علامت ہوں۔ میرا تعلق ملکر سرکاری سائنس کے ایک ایسے شعبے سے ہے جس کی تفصیل تو صدر مملکت نے کی ہے اور اسی نے اس شعبے کے ارکان کو صرف صدر مملکت ہی کو مجاہدہ ہیں۔ میں بے دریغ جھوٹ لوٹی ہوئی جی کیو کوکر اس وقت بھی ترقی حاصل تھا۔ میں دشمن کا ایک ایسا راز پالنے میں کامیاب ہوئی ہوں جس پر پاکستان کی بقا کا انحصار ہے۔ وہ ایک ایسی اطلاع ہے جو آپ ہی کے لئے یعنی افواج پاکستان کے لئے ہے لیکن آپ کو کوکر کی بات پر شاید اعتبار نہیں آئے گا۔ اسی لئے میں جلد از جلد صدر مملکت تک پہنچنا چاہتی ہوں تاکہ انہیں وہ اطلاع دے سکوں۔ سی آئی اے نے مجھے دو نئے کی سرورڈ کوشش کر رہی ہے اور اس وقت بھی اس بدنام زمانہ تنظیم کا ایک ایجنٹ میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔“

آفیسر جو تینتیس مہری باتوں سے متاثر ہو گیا تھا، چوکیں کربلا۔
 ”اس وقت؟“ اور اس کی نظر بنیادی طرف اٹھیں۔
 ”نہیں۔ میں فوراً اپنی آغوش۔ یہ تو میری ساحتی ہے۔ سی آئی اے کا ایجنٹ تو یہی کوکر کے پیچھے جیتے ہیں ممبر ہے۔“
 میرے اس انکشاف پر شانہ فوجی ہی پڑی تھی۔
 بلی کوپٹر کچل چکے تھے کہ دروازہ کھلتا اور نوکس نے باہر چلا لگ گئے۔ ہونے والا فوجی پر ہی چھوٹا ملا۔ آخر کار اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے لیکن اس نے یہ فیصلہ بڑے غلط موقع پر کیا تھا۔ میں بوری طرح ہوشیار تھی۔ میں نے بڑی تیزی سے فوڈ کو زمین پر گر دیا۔ ہونے شانہ کی بھی ٹانگ کھینچ لی تھی۔ وہ میرے قریب ہی گری اور اس کے منہ سے سچ نکل گئی۔ اسی وقت میں نے بھی رائفوں کے دھماکے سنے اور نوکس کو گرتے دکھا۔
 ”اوہ... فوکس! میرے منہ سے نکلا اور اس جلدی سے گھری ہو گئی۔“

نوکس نے مجھ پر فائر کرتے ہوئے جاگ نکلنے کی کوشش کی ہوگی لیکن ایک فوج کے سپاہیوں نے اس کی خواہش کو دیر زہرہ کر دیا تھا۔ اس قسم میں ایک وقت پانچ گویاں ہیوسٹ ہوئی تھیں اور موت نے اسے ایک لمبے کی جی ہلکت نہ دی تھی۔ اسے یہ بھی سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کہ تینتیسہ ہینز، یہی وہ دوسرے اس کو موت کی ڈیلیر چاہتا ہو رہی تھی۔
 پاک فوج کے انفیر نے نوکس کی لاش پر تاج کی روشنی ڈالی اور چھوٹ کر اس کی بخش دی گئی۔

نوکس کی موت پر مجھے نہ جانے کچھ شادیاں لے کر دو ایک ڈوبن اور شہر کے معرکے میں میرے ہاتھوں ملاؤ اور وہ ہوتی لیکن تقدیر خدائی سے وہ جغیر جوت کی جی میں اوقات بڑے عجیب مذاق کر رہی تھیں۔ انجمن سے دو بار ہو جاتی اور زندگی کی آخری سانس کے ساتھ کوئی تیز میرے میں ہیوسٹ ہو جاتے ہیں۔
 جب میرے دماغ میں اس انشاہات کا پورے کدے پر فائر ہونے لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں بھی ہاش نہیں دی گئی تھی۔ دو لاشیں دیکھنا پڑی تھیں۔ پاک فوج کے انفیر نے لاشیں بھاری ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”یہ تمہارا چھوٹا موروثی حال ایسی ہے کہ آپ کو کرنا“
 اس وقت تک پورے ہی جب تک میں گی لیکن شکل یہ ہے کہ مجھے صدر مملکت سے ہے۔ آپ نے مجھے اچھی تک نہیں بتایا کہ میں۔
 ”آپ باپا لود کے علاقے میں ہیں۔“
 ”کیا؟“ میں آج بلی پڑی۔ ”اوہ ہور۔“
 ”جی ہاں!“ دشمن کی سرور سے بہت کس میں چڑھ کر گئی۔ مجھ میں نہیں آکر اچھوٹا گیا؟ میرے انداز سے کھانے کے مطابق ٹری ڈھان میں سوئل ضرور تھا۔ میں نہ جانے کن اس پہنچی تھی کہ اسے میں کی گھڑی ہوشیاں نہ میں اس کو چھوڑی میں گرفتاری اور وہ کوہلیت سے لڑا تھا کہ وہ بلی کوپٹر کے قریب ملک کا انتظار کریں پھر اس نے میں سپاہیوں کو بتایں کہ ہوا نے کئی ہندو کوکر کی طرف بڑھا ہونے لگی تھیں اس نے اپنی زبان پر کالافال

میں یہ جان کر خامی ملنے ہو گئی تھی کہ طرف سے غافل نہیں تھیں۔ دو سو اڈرین کے پوری طرح مستعد تھا اور اس ڈوین کے قبا اور تھے۔
 کئی ہندو کوکر کی طرف بڑھے ہونے نام بھی بتایا۔ کچھ ان فوراً ہوجا کر موت اُسے اپنی باتوں سے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

میں یہ جان کر خامی ملنے ہو گئی تھی کہ طرف سے غافل نہیں تھیں۔ دو سو اڈرین کے پوری طرح مستعد تھا اور اس ڈوین کے قبا اور تھے۔
 کئی ہندو کوکر کی طرف بڑھے ہونے نام بھی بتایا۔ کچھ ان فوراً ہوجا کر موت اُسے اپنی باتوں سے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

”ملا لیں ہندو کوکر کو کرنا کچھ نہیں آوارہ نہ جواب دیا۔“
 ”گوئی کرنا کچھ نہیں کو۔“
 ”جی ہاں۔“
 ”کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان کی بجائے اپنی باتوں کے انٹیلی جنس انفیر کو روک دیتے ہیں؟“
 ”کیونکہ انہیں تو جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا ہے وہ ان میں سے ایک ہے۔ میں فوراً لڑی۔ ”مذہب میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کچھ نہیں ہاں اس اتنا وقت نہیں ہے کہ اسے خالی بھی کیا جائے۔ آپ مجھے ہیوسٹ کرنا چاہیں، کریں۔“
 ”بہتر ہے، لیکن مجھے پیام میں کہنا ہے؟“
 ”جی کہ آپ نے ایک عورت کو کربلا سے جو طرہ از جلد صدر مملکت تک پہنچنا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے اسے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ آپ دہرا دیجیے۔ چاہیں تو تجارتی لینا کر اسے اطلاع دے دیجیے۔“
 ”آپ کا نام کیا ہے؟“
 ”اورا اتنی بات بتانا تو میں بھولی ہی گئی۔ یہ نام میرا ہے۔“

”میرا نام۔“
 ”کیونکہ انہیں اسے اور شانہ کوکر لگے کہ ایک دھرت کے نیچے چھوڑا اور خود پیغام بھیجئے ڈاکٹر اس کی طرف چلا گیا۔ کچھ منسلک پر کمرے ہوئے دو سپاہی ہمارے کھڑائی کر رہے تھے۔
 ”باوا! شانہ بھڑائی کوئی آواز نہ ہوئی۔“ اب تو مجھے لوں کہیں ہونے لگا ہے جیسے میرے اعصاب ریزہ ریزہ ہو کر کھر کھانگے۔
 میں نے اس کا شانہ جھکا اور طرہات جواب کا جائزہ لینے لگی۔ ہر سمت تادیبی جاتی ہوئی تھی اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ زہرہ و جوار میں کسی قسم کی فوجی نقل و حرکت نہیں تھی لیکن کچھ بھی کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔
 میرا ہم پیسے میں شراورد ہو چکا تھا کہ کوکر میں ابھی تک کوٹ پنے ہوئے تھے۔ شانہ نے قاپنا کوٹ اپنی کوپٹری میں اتار دیا تھا۔ اب میں نے بھی اس سے نجات حاصل کر لی۔

”باوا! شانہ بھڑائی۔“ نوکس کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ وہ بلی کوپٹر میں کہاں سے آگیا۔ اگر کچھ گیا تھا تو اب کو اس کا حکم کیسے ہوا؟
 ”فہ“ میں سکڑا۔ ”اس سانسے ملنے کا احاطہ صرف منطقی سے ہوتا ہے۔“ میں نے ایک لمبے توقف کیا پھر بولی۔ ”مجھے اس وقت ذہنی کوئی حاصل نہیں ہے اس لئے شاید میں نہیں اس انداز میں نہ بتا سکوں جس طرح میں نے سوچا تھا اور ایک نیچے مجھ پہنچی تھی۔ بہر حال میں نہیں سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ بات تو سنی ہے کہ لارڈسٹ ریسٹ ہاؤس پر فوراً ہوجا کر اس کی اطلاع کسی دیکھ کر اس طرح بڑھ کر

طرف آنا کو کھائی دیا۔ اس نے قریب آتے ہی کہی دے۔ وہاں سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں اس کا انتظار کروں جو مجھے ضروری دیر لید میں ملے گا۔ کہی ہے کہ میں اپنی دیریں آپ سے تفصیلات تفصیلات بتانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔
"قطعاً نہیں۔"
میں نے کہیں اس کو اور کوئی کہانی سنائی ساتھ خانی۔ میں نے اسے بتا کر بھاری جلی و طعنا اور حب میں سرسبز رشتہ دوسرے کو

کے ایک لفظ پر زمین کی کھجوریں اُڑا کر اُس کے قریب آکر
 "جائیں بیٹو اگر تم سے کال آتی ہے
 کہتے ہیں اور فوراً کال اسٹن ملار

”میرا دل بہت گمراہ ہے باقی آشتی
کے رُخِ نصرت کو جانا چاہئے۔“

”خدا نہیں جنگ سے خوف محسوس ہوا،
بلکہ جنگ ایسی ہی نہیں ہے کہ اس
”تباہی کے لئے تو وہ یقیناً خوفِ ناک ہوگی
پلیٹن انوار کتنا پر حوش ہو گیا ہے۔“

”وہ ایک فوجی ہے اور میں ایک ایم
نام نہاں ہے۔“

”ایمان رکھو! میں نے اس کا شانہ دیا
ست برج میں گئے لیکن اتنی دیر تو انتظار کر
رہا تھا کہ کاندہ دست کر دے!“

شہزادہ چچ کو اودھ میں لیکن انوار کا
سیرے سے اسے میں جو اطلاع ملا لیکن میرے
کوئی نہ میرے کو اور کوئی نہ میرے کو
اور تھک چھوچھو چلی ہو۔ لیکن میرے
طرح عہد و ملک میں چچ کوئی نہ لیکن
چچ ملے نہیں تھا کہ عہد و ملک کہاں
اسے آنی دور ہی تھی کہ عہد و ملک کہاں
میں صورت حال معلوم کرنے کے لیے بہت

کیا یہاں حاصل کی تھیں؟ میں اس
کیسٹن انوار نے کچھ دیر بعد واپس آکر

تھا۔
سٹ راولپنڈی بھیج دی
ارہے۔“
تھا ہوا۔ میں بھی یہی چاہتی
کی سیل پیدا ہو جائے۔“
لینے کے لئے آئے گا۔“

دوسرا بیروں سے کہا کہ وہ ایک اسٹریٹجک رٹھالا میں۔

ایک لحظہ کے لئے کچھ سوچا اور پھر بلا "آئیے"

یہاں بھی ہر سانس نہیں ہوتا۔ "کیڈین انوار نے سسکا کر کہہ دیا۔

اساتذہ کرنے کے دوران میں کیپٹن انوار نے مجھے بتایا کہ

٧٤٠

”پھر اسرار کا مطلب ہے؟“
 ”سنا ہے چاہے جو بدتر نام رکھ کر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ دوزخ کے
 اندر اندر علامتِ نبرک میں دو جہنمیں بادشہ کی تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔
 بعد یہ اعلان ہوا تھا کہ علامتِ نبرک کے لئے آج کوئی دوزخ نہیں ہے۔“
 ”عجیب مقام ہیں۔ میں بڑبڑائی۔ ”غالباً۔۔۔ کو دوزخ؟“
 ”خاطر ہے۔“
 ان باتوں کے دوران میں کیمپٹن انوار نے خود کوئی کام ناز نہ سہل کر لیا۔

دیکھا کہ وہ بے خبر سود ہی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے بال اس کے چہرے پر آگئے تھے۔ میں نے بڑے پید سے اُس کے بالوں کو ہٹایا اور اس کی پیشانی

”میں نے تو سنا ہے کہ غنیمت، سولی پر بھی آجاتی ہے۔“

شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیپٹن انوار احمد گرو کا جائزہ دینے لگا۔ وہ بظاہر تو بالکل پرمکون

نظر آتا تھا اور برسے معلنی انداز میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا لیکن میں دھم سے کہہ بیٹھی کہ اس کے سینے میں جیڑا اب کا ایک سمندر کرو میں بدل رہا ہوگا۔ لیکن غریب غریب طو پر ہول سے تشریف نہیں لے سکتا میرے دل و جان ان جھانکوں کی طرف تھے ہونے تھے ہوسکی وقت میں سنا لے سکتے تھے۔ میں جانتی تھی کہ دھلی کی ہون لٹ کا یہ سکت کسی جی سے توبہ کر سکتے تھے گا اور پاک فوج کے ایک ایک سپاہی کے سر پر ایمان کی گھڑی آپہنچے گی۔ میں اس بات سے بہت خوش اور مطمئن تھی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ پاک فوج کی ہائی کمان کے علم میں یہ بات آجاتی تھی کہ جہاد کی لینڈ مارک دت آپہنچا ہے۔ نامکس تھا کہ اس اطلاع کو نظر انداز کیا گیا کہ شادیاں وقت بوجہ مل سرنواز خان لاہور کے دفاعی پلان پر مبنی ہو کر خود بخود گریبے ہوں گے۔

میں ان خیالات میں کھوئی رہی اور دت گنڈ تار ہا۔ دت دھلی کی بیج قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ صبح جبے پاکستان کی تاریخ میں اُتر جانا تھا۔ وہ فغانی سپر گروہ کو ان کی سبیل کی۔ تباہیں ہندو کو ان سے دائر اس پر برسر اطلاع دی گئی تھی کہ جہاد کی سینا و اہلکار گھوڑی سے پاکستان کے علاقے میں داخل ہو چکی ہے۔

یہ خبر پڑی تھی میری نے کچھ کے ایک ایک سپاہی تک پہنچ گئی اور مورچے "نفر و غیرے" کو گرجا آئے سپاہیوں میں ہلاک ہوش اور دلولہ پیدا ہو گیا تھا۔

میں نے اپنے دو ہاں ٹخن میں تیزی سے دھڑکیں اور اس سے بڑھ چکا وہ عذاب میں سے تھی وہ دوسرے ہر طرف ہے؟

"یہاں سے جہاد میل دور... اس طرف" ایک سپاہی انوار نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جوش آواز میں کہہ "خدا کی قسم میں کو خاک میں بنا دوں گا۔"

"وہاں میں ہمارے جوان تو ہوں گے نا؟"

"کیوں نہیں؟ وہ علاقہ برکین پر ہر ہفتہ کی گول میں دیا گیا ہے اور ان کی ایڈوائس میں کی یاد تازہ شایر بھر شفقت و جوش کر رہے ہیں، لیکن اگر سرحد کے کسی حصے میں ہمارے جوان نہیں ہوں گے تو کیا ہے؟ ہمارا خدا تو وہاں ہوگا۔ کہ وہ ہماری حفاظت نہیں کرے گا کیا وہ ہمارے پاکستان کی حفاظت نہیں کرے گا؟"

میں نے غصے سے کہا کہ لیکن انور جہاد کی ہوتا جا رہا تھا اور فاطمہ میری حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ہمارے عزیز پریمی مکملی سنا تھا لیکن کسی بھی لمحے اس سنا نہیں تھا کہ پڑسکنا تھا۔ ہاں تھا کہ جہاد کی لینڈ مارک ایک ہی سمت سے تھی۔

دفعہ ایک سپاہی انوار زمین ہی پر سجدے میں گر گیا اور بڑا بڑا لنگا لیکن اس کی بڑا مارٹ اتنی صاف اور واضح تھی کہ میں نے اس کا ایک ایک لفظ سنا۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے مالک اب میرے جودا شاہ دو جہاں کے حصے میں مجھے شہادت کی توفیق عطا فرما۔"

"آمین" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

لیکن انور جہاد سے اٹھا اور دت کو اس کی طرف چلا گیا۔ یہ آخری موقع تھا جس میں اس نے دیکھا تاک فوج کے اس جوشے سپاہی کا سختی شہادت اٹھ بھرنے کی وجہ یہ سپاہی جیسے ہی کی حفاظت کے جہاد تھا تو دشمن کے ایک ایک گولہ اس کے سر سے شہادت کی عروسی کے ہاتھوں میں سرخ ہندی رنگ کی بنا کر دت خوش سے، یہ خاک و دھول خدا رحمت کندہ اس عاشقان پاک

●●●

کیونکہ انور تو اپنے مورچوں کی طرف جاکر گیا تھا یہ حالت تھی جیسے فضا میں ان کی پہلی جا رہی ہو۔ یہ جوش و خروش کا جہاد جہاد اٹھ رہا تھا تو دشمن کے ہاتھ آگے اپنے دل پر غصے ہو رہی تھی اور یہ جہاد بڑی دھم دھماکا کر رہی تھی اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش لڑاؤ طوفان کا دت توڑنے کے لئے اس اپنی دلواری ایک پاک فوج کے ہواؤں سے سرحد پر گھڑی کی ہوئی میں جہاد کے دھالے میں اس طرح بہا

افتخار نہ دے۔ مجھے کچھ احساس نہ دے کہ میں کیا کر رہی تھی اور یہ تھی، شاید میں کسی صورت میں جنگ رہی تھی ہاں تھی اور ہر جگہ تھی۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان کرنے اور لفظوں سے میری اس کیفیت سے بنا دت کو میری ناہنیں اتنے مثنوی انداز میں حرکت کی میں ان کی پہلی جا رہی ہوں مجھے قطعاً احساس نہیں تھا تاکہ فضا میں نہریلے ساف سرسبز ہے ہیں اور اسے انداز میں ہو چکی ہے۔ وہاں گولیاں مل رہی تھیں اور پڑنے جا رہے تھے۔ جنگ ابی ابتدا کر رہی تھی اس میں نہیں بھڑکا تھا۔

جب وہ دھم دھماکا لگا تو اس کی فوج اور میں اوندھے منہ گر پڑی اور میری کہنیاں بڑی دھماکا بے شمار دھماکوں کا ایک مرکب تھا۔ مقتدا تھیں۔ اس دھماکے نے میرے ہوش دھواں کر کے اس میں ہوا کہ میں ہوش دہلا گیا میں خاک کے قریب سے اٹھی اور ادا کر دھو دیکھنے لگی۔ اب صبح طو تھا کہ میں کس سمت سے آتی تھی۔

میرے قدم ایک طرف اٹھے گئے۔ میں آگ بھڑکی لیکن میرے ہوش اور دلولے میں کوئی

نہاں سے ہے تھے خود میرے سینے میں بھی ایک گھبراہٹ کی آواز تھی جہاد کی طرح چوٹ پڑنا چاہتا تھا۔ میں لاہور کی پوری شہر کو اس کے اپنے سپاہیوں کے دوش دوش لڑاؤ میں تڑپا ہوا دیکھ کر ہونے۔

میں مل گرج رہی تھی اور دت کے شے صاف نظر آئے

یہ میری پہلی جہاد تھی جب میں نے خود کو ایک بستی میں اپنے کے سامنے مکلاؤں پر دیوانی جانی ہوئی تھی۔ یہاں میرے سب کچھ جھڑک رہے تھے جا چکے تھے اور اس کاؤں کا شاید کوئی بھی نہیں رہا تھا۔

وہاں کے دلواریے ملک کر پا گئے۔ مجھے بڑی شدت تھی اور جب لینے میں شرا ہو چکا تھا۔

اس کے کسی مکان کی کچھ پر چڑھ کر غار پر لڑتے ہوئے کو دیکھ کر کئی تھیں اس سے پہلے میں اپنے حق کو توڑ رہا تھا پڑنے لگے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے کسی کی گولہ ہی جا رہے گا۔

اس کے بڑھ کر ایک گیس میں مڑی اور میرے ٹھیک کر کے کچھ ہونے دروازے پر ایک بڑی حرکت آگے سے سر لگانے ایک سمت میں گئے جاری تھی اور اوندھے کے سامنے چلے ہوئے تھے۔ میں ٹھیک کر کے بڑھی اور اس کے بائیں قریب پہنچ گئی لیکن اس کی نہ آیا۔ وہ دینا دیا ہمارے بے خبر معلوم ہو کر

اس کے آہستہ سے نکلا۔

اس کے بڑی سے کسی کی جگہ اتھا اگرنے سے میری آواز نہ دھلی کی ایک لہری آئی اور دھلائی آواز مل آئی لیکن میں جب اس کی نظر پڑی تو اس کے اندر وہ لہری مدد ہو گئی۔

اے۔ تم یہاں کی کیا کر رہی ہو؟

اے۔ میں رہی۔ اس کے ہونٹ لپکا رہے تھے۔

اس کے ایک گاؤں میں ہوں چاہتا ہوں نے

اس نے مجھے اسی اوہ؟

اس نے لڑنے لگی۔

اے۔ یہ کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

اور کوئی نہیں؟

"نہیں۔"

"اس نے مجھے کئی کر کے یہ اوہ تہاؤں دی گرجا جانی دای۔

مجھے تباہی و بربادی کی ایک خوف ناک گھبراہٹ ہوئی والی ہے میری پتہ نہیں کدوں پر ہوئے۔"

"میں تباہیوں میں ماسکو کر لیا ہے! بڑھی اپنی آنکھوں میں آنسو لاتی ہوئی لی۔" یہ تین تیرے دئے میرا سو آہا ہے۔"

"جاؤں کو لے؟"

"میرا پتہ؟"

میں بڑھی کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ بڑی دھمکی معلوم ہو رہی تھی۔ مجھے اس کے بالے میں سب کچھ جانتے کا تو یہ ہو لیکن توئی کی کیا سنا تھا سے پہلے کی کیا سنا تھا میری تباہیوں میں اس اور کوئی اس صحت کشک ہونے لگے تھے میرا دل اس شکل ہو گیا تھا۔ میں نے بڑھی سے پوچھا۔ "میں پانی کی جانے گا؟ میں بڑی تریاں اس۔"

"اندھرا جا کر رہے! میں اتھے ہی آں۔ تو آئے اے ای پانی لے۔"

میں گھڑی داخل ہوئی۔ صحن میں مجھے پانی کی مٹی نظر آئی۔ مٹی پر تھی کا باہر بھی دکھا ہوا تھا۔ میں نے بھی گھر کی پانی پانا دھال ہی ہوئی۔ اس وقت مجھے شہاد کا خیال آیا۔ میں اس کے پہلے اور جہاد کی تھی۔ اب تک وہ لٹنا جاگ چکی تھی راولپنڈی سے وہاں میری مجھے لینے کے لئے پہنچ چکے ہوں گے اور اب کیسے ہاں ہونے کا علم ہو چکا ہوگا۔ نہ جانے اُن کو گرنے کی کیا سوچ ہو، وہ بریشان تو خود ہونے ہوں گے۔ مجھے ان کی پریشانی سے زیادہ شہاد کی غور تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس سے یہ حفاظت اس کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔

میں اٹھ کر دروازے کی طرف چلی۔ وہ بڑھی بدستور وہاں کھڑی ہوئی تھی اور میں اس کا غم جانا چاہتی تھی۔ شاید میں اس کے کسی کام آسکوں۔ یہی سوچ کر میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے لولی۔

"اے جی! تہاؤں پتہ کسے کیا ہوا ہے؟"

"بڑیا ہے! بڑھی جیڑا تھی توئی انداز میں رہی۔" وہ اٹھ کر دیا چاہا رہندا اے۔ اوکھ سویرے اٹھے گی اس اور آج اور ہوں واپس آئے۔

"بڑیا وہ شہادے شاد میرے قریب لے!"

"اے! بڑھی نے جواب دیا۔ اٹھتے ہوئے زبردی لڑائی ہوئی پتی لے۔"

"تہاؤں کس طرح پتہ لے؟"

جواب میں بڑھا نے جو کچھ بتایا اس کا لٹ اب یہ تھا کہ میری دیر تھل پاکستان کی فوجی وہاں پہنچے تھے اور انہوں نے گاؤں کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ خود اپنے گھر کو خیر باد کہہ کر سروس دے ڈولے جائیں۔ خود شہاد کے وقت بھی یہ گاؤں جنگ کی لپٹ میں آسکے تھے۔ ہائی سپاہیوں نے بتایا تھا کہ ہڈی کے علاقے میں شدید جنگ ہو رہی ہے۔

گاہوں کے لوگ کسی تاخیر کے بغیر اپنے گھروں کو جوں کا توں چھوڑ

میں نے جیسے سے جیسے رو کر کہا کہ ان لوگوں کی نظر پر چاروں میں دل
گئی تھی۔ اُسے اپنے اپنے جیسے جیسے کہتا رہا۔ ایک ایک اپنے اپنے جگہ کو گئے کی غرض تھی۔
اُسے یہ یاد کرنا بہت مشکل ہوتا کہ اب کسی آدمی کا ہڈیا سے زندہ ملک
نکل آتا اور خیال ہے۔
”تھپتھپے پڑوا کی ناں لے جاں ہی“ میں نے پوچھا۔
”ہنگی۔“ بلوچ نے جواب دیا۔ اُس نے ابھی تک مجھ سے یہ نہیں
پوچھا تھا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں۔
”ہاں جی۔“ میں ذرا ہستہ سے بولی۔ ”کسی دردناک واقعہ کیوں
تک کھوٹے رو گئے؟“
”جدوں تک جاعوں نہ چلائے۔“ بلوچ کی آنکھوں میں اب آنسو

”اگر کسی دروازے پر دھج کی کڑے رکھ دے تو کیا کسی فوجی تہاؤں
 دیکھ لے گا اور غیر تہاؤں دیکھنے والے پر کسے کچے پیچ دیتا جائے گا؟“
 لڑکی کے سپرے پر لڑ لڑا لگایا اور وہ کہانی سنی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”ہیش... ہیش... میں تمہیں کہنے میں جاواں گی۔“
 ”نئے قیر کڑے اندر چل کے بیٹھو جے تہاؤں دیکھ لیا گیا تے اتھے باہل
 میں رہن دیتا جائے گا۔“

آئی۔ میں نے اس کے کاپڑ پٹھائی اور بولی "میں جہت اُسے تھاکے
 چُک کے ایسے اُدھر اُدھر دکھ دی کہ اس نے کہا تو بڑا پتیرا پھراندا ہوا نظر آیا
 تے میں نے غلے اُسے تہا نوں دس داں گی۔"
 "خدا تعالیٰ توں رکھے دے جیئے" اُوں نے گھر گزری اُوں دلازین کہہ
 میں اُسے چھوڑ دھن میں آئی کیونکہ مجھے خبر پیاں گئے گی تھی۔
 دھواں کول اسلہ برابر جاری تھا اُدھو کول دھننی ہر طرف پھیلے گی

اسی میں بہت پر زور کلمات و کجاب کا جائزہ لیتے ہیں۔ میری دلیس طرف
 یعنی جنوب میں ایک نہر کا نظارہ ہے جس کی خوشحالی کی طرف بہت دودھ لگ چکی
 تھی اور اس نہر کے آب میں طرف میں شمال میں پاکستان کی توپ خانے سے تباہی
 پھاڑ چکی تھی۔ یہ تینا دال دھن موجود ہوگا۔ میں اس کی سرگرمیاں اور نقل و حرکت
 اس کے نہیں دیکھ سکتی تھی کہ درمیان میں فاصلہ میں جا رہی ہے کہ نہیں تھا۔ کاش اس
 وقت میرے پاس دوربین ہوتی اور میں جانتی کہ سنا کے پہنچ آتے ہو گئے
 دیکھ سکتی۔

وہنا اٹھائے لیکن کرنا پیدا ہوئی اور میری طرف سے اس پر کچھ نہیں۔
میں نے تین پاکستانیوں کو جس کی طرف جھپٹ رہے تھے۔ برا اختیار
میرے دل سے ایک اڑا اٹھی۔ "خدا میرے ان شاہدین کی حفاظت کرے۔"
وہ شمس کی عمارت ممکن تو نہیں کے دلوں سے نکلے لیکن انہیں کوئی گارنٹی
ملا نہیں ہو سکتی۔ تمہارا زمانہ وہاں زبردستی کی جھلک والے طرح ہے۔

میری حیثیت ایک تھکی کی ہے۔ میں اس مٹا دے، نکل کر نہیں جاسکتی۔ مگر یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں کئی کئی گھر کا ہر نکل جاؤں لیکن میرے اس اقدام سے وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے اس مکان میں موجود ہیں۔ وہ مکان کا دروازہ کھل کر ہر نکل جانے والی کی کٹائی میں رہی مگر تو آپ کر سکتے تھے۔

کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پھر اس اناج گھر سے نکلی۔ میں اس بگڑے ہوئے پانچواں کئی جہاں سے آوازیں آرہی تھیں لیکن اندھیرے کی وجہ سے مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہاں اتنی گڑھی تھی کہ اندھیرے میں میں سے رہتا تھا اور اس کے اندر میں نے جڑا لیا ہے۔ میں ناواقف تھی۔ میں نہیں تھا کہ میں کی چیز سے ٹکراؤں اور وہ لوگ مجھ سے کبھی نہ ٹکرائیں گے۔ میں نے یہ سب سوچ کر اندھیرے میں کھانسی کا انتظار کر دیا۔ دن کی روشنی میں ان لوگوں کو دیکھا انسان کی سرگزشتوں کو سمجھا جاسکتا تھا۔ میں اسی اناج گھر میں بڑھنے کے لیے گئی تھی۔ یہ چند دن بہت گزری تھی لیکن جالیں بیاں نہیں گئے کی بیلاری کے بعد اب منڈک ٹھنڈک کو میری جتنی بوئی آنکھوں میں بس جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو مجھ پر قینقا خاصا چڑھ چکا جو کہ کونکر اس اناج گھر میں بھی خامی روشنی پہل چکی تھی۔ بیلہ بولنے لگی تھی وہ آوازیں پھر سنائی دینے لگیں۔ وہ لوگ مسلسل لہلہ رہے تھے اور توڑوں کے دھماکوں کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔

میں اندھیرے میں اور میں نے اپنی آستین سرکا کر گڑھی میں وقت دیکھا تو جھپکے تھے۔ میں چند لمحے ان لوگوں کی آوازیں سن رہی تھی اور پھر کھڑے کھڑے تمدن اناج گھر سے نکل آئی۔ دن کی روشنی میں میں حرکت کرنا بہت آسان تھا اس لئے جلد ہی میں ان لوگوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

وہ صرف دو آدمی تھے جن کے گلوں میں دو درمیں لٹی ہوئی تھیں اور وہ اپنے اپنے ڈاکٹر سیٹ پر کھڑے تھے۔ باتیں کر رہے تھے یہ بھی وہ ڈاکٹر تھے۔ ان کے پاس میری دکان نہیں کھلے تھے۔ میں ان میں چلی ہوئی ان کی باتیں سن رہی تھی اور جلد ہی وہ سرکاری میر کی جگہ میں آئیں جی کوس "پرامن" بھی ہوئی تھی۔

دو اصل پاک فوٹو نے اس مکان کے پورے پر آکر روشنی پورٹ قائم کر دی تھی اور وہ دونوں آدمی "ادنی" کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہ دونوں ان کی عداوت تھیں۔ وہ ان کے ذریعے غارتگری کی نظر رکھتے ہوئے تھے۔ ان کی اصل حرکت اور دوسری سرگرمیاں ان کی مقبول سے پوشیدہ نہیں تھیں، چنانچہ وہ ڈاکٹر پر اپنے توپ خانے کو تباہ دے رہے تھے کہ کوئے جو کہ چیلے جاتیں اور کتنے چیلے جاتیں کو دشمنیت دنا ہو جو جائے۔ ان دونوں جیسے سپاہیوں کی آپس کی بات چیت اور ڈاکٹر سیٹوں سے والی باتوں سے مجھے یہ علم ہو گیا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص بیلاری ضرور دل تھا اور دوسرا شخص بھراوہ عزیز بھتی!

اس وقت صبح کے پانچ گھنٹوں کو تھا۔ میں بھی دھماکا بھرا موزوں میں وہ شخص ہے جو بات چیت کر رہا تھا۔ مجھے یہ خبر ہے کہ بات چیت کے اندر میں نے بدوشن کے خلاف سرگرم کرنا چاہا تھا۔ اس وقت اس شخص نے ایک کھانسی کیل دی تھی جیسے وہ دشمن پر چیک کر رہا تھا۔

میرا گلاں کے اس پورے میں ایک فریج کی دھکے دھکے کے بعد مجھے اس شخص پر خاصی آنے لگی۔ اس مکان میں آنے پر مجھ کو دیکھا۔

رات گزرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ دن میں آگاہی میں دن کی روشنی میں یہاں سے نکلتی تو میں نہیں دیکھ لیا ہوتا۔ گویا مجھے شام کو بھوکا سامنا تھا۔

لیکن اگر رات کو پھر اندھیرے میں آگاہی کی تو، یہ ریشاں کر دیا۔ یہ ریشاں کی بات تھی جی۔ آخر میں کب تک رہی۔ دوسرے مجھے اس بدعظیم بڑھاپے کا خیال آ کر کی نظر تھی۔ جاوے اب میرے خیال کے مطابق بھی تھی۔ ہرگز وہ دن تو مجھے اس مکان میں گزارنا پڑا۔

میرے مجھے جیب کے آنے جانے کی آواز بھی سنائی دی کہ اس کی آواز لڑکی سنائی دے جاتی تھی۔ جب کی حرکت میں آئی تھی لیکن مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ اس کی پہل تھا اگر ایسا نہ ہو تو اب تک ہر کی میں بھی وہ بدوشن کے

جب اندھیرا چل گیا تو میں اناج گھر سے نکل کر آئے۔ آخری مرتبہ جب جیب آگئی تھی تو کوئی آدمی آیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے دھماکا بندھنے لگی تھی جب کہ میں نہیں تھا تو دروازہ کون بند کرتا؟

میں اس مکان سے نکل کر جامو کے مکان میں پہنچے۔ یہ میرا دل تباہ تھا۔ میں نے صحن میں ڈنگ کر کھڑا ہوا تھا۔ میں داخل ہوئی۔ وہاں اندھیرا چھلچھلا ہوا تھا۔ چراغ کو تلاش کیا۔

"ہاں ہاں! میں نے ابتر سے آواز دی۔ "کون؟۔۔۔ جامو؟" کا پتہ کوئی آواز نہیں آیا۔ "نہیں ہاں!۔۔۔ میں آں۔" اس کے بعد مجھے صحن ایک کمرہ سنائی دی۔ میں نے اندھیرے میں ٹول کر چراغ تلاش کیا اور اس کے پاس آ کر اس کے پاس سے اس میں تڑپ ڈالا، اس کی جی۔ اس کے پاس سے لاکر چلا دیا۔ میری دکان میں روشنی چلی آئی۔ بڑھاپے بندھے چھپائی ہوئی تھی۔ مجھے صحن میں اس نے مجھ کو نہیں کھیا ہو گا۔ میں اس سے غائب ہو چکی تھی۔ جو کچھ وہاں موجود تھا، اُسے شکار کی گئی۔

اگر میں ایک تھکی میں دھکے کر کرے میں نے ہی تامل کیا تھا۔ "کیسے ہوئے میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ لگا کر اس میں دھکے دی تھی۔ میرے ہاتھ کاٹس یا کر اس نے گھر سے نکلا۔ "تھانوں نے پڑا تیرا بھوکا کھانا"۔

"وہ کھانسی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو میرے جاموں میں میں نے پھر دھکے دیے، میں نے بھرا بھرا جامو لٹا دیا۔"

اس کے بعد میری حرکت اور اتنی شدید احتجاجی کہیں کانپ نہیں سکتی تھی۔

"میں سب کچھ ختم ہو گیا ہوں گے گا میں جی! میں نے وہ جلدی سے بولی۔ "میرا دل کھنڈا لے کر جاموں میں گھر کی آفت بی بی کی بولنے کی گڑبائی سن گیا۔"

وہ میری جیب میں نہیں آسکا تھا کہ کیا جواب دل دے۔ میرے جاموں میں دے دوچ پیڑ رہندی تھے۔ ایک میں چل سکدی تھیں تھے میں آپ انوں لین کر ان میں آں، تو تے چل سکدی تھے۔ میں نے میرا جامو دل خلا دے واسطے! بڑھاپے اپنے کانپتے ہوئے "میں خود سے پار سے ہی واسطے، میں نے آپ سے کہا۔"

انہماکنا صحت زندہ انداز نہ تھا کہ رنک تھا کہیں کا پتہ نہ تھا۔ میں کھنک بھئی تھی لیکن اس کے دل دماغ اپنے لئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر میرے دل میں ان دھماکے اٹھانے کے بدلے جن کے جگر گھسے آج سرخوں کے لئے تھے۔ ان میں بندھ جائیں گی تھیں اور اس کے پاس میں اور میرا ہاں نہیں تھیں، ہاں تو میں ہاں ہوتی تھی۔ ایک ایک منہ سب ہے۔ اگر زیادہ عطا دے سنا تو منہ سب کا جاسکتا ہے اور اس فیلو مذہب پر دنیا کی ہے۔

انہماکنا میں ایک جھنڈے سے جھج ہو جائیں تو وہاں دھماکا کے میں نے بڑے جذباتی انداز میں ہوجا کر اس میں ایک جھنڈی تھی۔ میں نے ایک ایسی قوم سے جو اس میں اس میں تھیں کہ پورا دھماکا شامل ہو گا کوئی ایک کی طاقت و قوتوں کا فرق امتیاز ہے۔ اسے جھٹ ایک تڑپانے والی انہماک کرنے کے لئے تھیں انہیں بند کر دیا اور میری کچھ میں نہیں آیا کہ میں

اس کے لئے ایک کوس کے تیرے دھماکا میں اس کا علاج کرنے سے قاصر تھی۔ میرے ذہن میں ایک کھانا تھا۔ دن بھر کی بھوک میرے پاس تھی اسے بھار دیا ہو۔ اگر وہ کچھ کھا لیتی تو لیکن تھا کہ اس کی طبیعت کچھ سنبھل جاتی اور پھر صحتی میں چلی جاتی۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے میں نے ایک بار پھر کہا۔ "کوئی توں پہلاں کھانا تو آں جی!"

بڑھاپے نے سمجھیں کھوے بغیر نفی میں سر ہلایا اور بولی۔ "میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ ہر میں اس دے تھک سچ میں کھاؤں گی جلد ایک ایک جامو میں آجاوے گا۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

میں نے اس تیر کی طبیعت پر خوب ہوجاؤں گے۔ "تو میری ہوجاؤں! بس اسے ہو گا کہ میں سر جالوں گی!" "میں نے اسے زندہ رہنا لے ماں جی! میں سوچے سمجھے بغیر بلا ارادہ بولنے چلی جا رہی تھی۔"

طرف سے ترک اور میں اجادی میں رہا۔
 زندہ نہیں مگر کس طرف جانے تھے۔
 میں نے کہا ہوا اے جیو ہنسی میرے اس
 وعدہ تھا کسی وقت بھی دشمن کی نظر مجھ پر پڑے گی۔ اس
 وعدہ کوئی کیا یہ حال تم میری پسلیاں پناہ مانگ رہی
 تھیں۔ میں نے فریب میں جی جی تم اس لئے مجھے انفرادہ ہو
 اس لئے مکانات بائیں صبح حالت میں تھے۔ تباہی و برباد
 نہیں آ رہا تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ
 اس طرف گولہ باری کرنے سے احتراز کیا تھا۔
 وہ تباہی جانے بالکل سر پر ایک آواز سنائی دے
 میں اچھلی پڑی اور چند لمحے کے لئے میرا دل
 مول گیا۔ میں نے ایک لمحہ پسلی کو دیکھا جو میرے سر

”تو پنہ چوں کسوں نکل آئیں ایسے؟“ سیکہ
ظاہر ہے کہ میں سوال کا کوئی جواب نہیں
”سوال سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ گاؤں کے لوگ
”جو باپ کیوں نہیں زندگی؟“ توں کوٹھی یں
اس کی آواز میں کتنی سہاوی اور آگستے میں
بڑبڑ بھرا تھا، وہ اس وقت میرے کھانا لگایا ہی
”لوگ؟“ سیکہ میرے کھانے میں گاؤں سے نکل آئی ہوں
”پرخش قرے کے قریب کسے لگا اور میرا خون کسوں
ہے کہ میں اپنے آگستے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔
”تو جس جان دی عمر سوچی نا؟“ سیکہ
جل فی نہیں بیٹوں اس دنیا اسی چوں نساہت
میرا جسم نہ ہو کہ لگا جو کو موت سے آواز

سان نات نہیں ہے۔ یہ بھلٹا ایسے ہوئے ہیں کہ اگر
 لے لے بھی گئے کہ نہ تہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں
 وارو سپاہیوں میں سے ایک نے حج کرکے کہا :
 اتھو جی اس نے سیکو پا ہی کی راضل کے نیچے ہاتھ
 ڈال دیا۔
 راضل کا دھاکڑ ہوا اور مجھے یوں محسوس ہوا
 کہ اسے باؤں کو جھکاتی ہوئی نکل گئی ہو۔ صبیحہ
 کے اوپر سے گزرتی تھی۔
 روکیا باغ ہو گئے مجھ سے وہی سپاہی پھر لڑا
 اس کا حکم کھانہ میں کرنی اٹھاں گاؤں کے کسی مسجد
 کے خانہ کھانہ سے عورتوں کی ضرورت کر
 ہم فتح کا جشن منانے لگے۔

اتنے میں وہ عورت پانی کا پیالہ لے آئی۔ میں نے اس سے پیالہ
 لے کر کھپ کی ساس میں خالی کر دیا اور پھر ہاتھوں کے سے انداز میں تھپتھپ
 سے اپنے ہونٹ خشک کر کے بولی "ہیکو کچل کچل کے منیوں جا مووے
 چاچا واگھر و خاویو تے میں تماڑا اسان ہنسا گی۔"
 "ایس ویلے تے ایسراں تیں ہو سکدا ہے"
 "کیوں؟"
 "اسان لوکاں نوں گھراں چوٹ نکلے دی اجازت تیں لے لیں
 دوپہر نوں اک گھنٹے وے واسطے بار کھڑیا جانا لے۔ پنڈو دیاں بھیلیاں
 وی آوے ویلے نکل ویاں تیں۔"
 "اوہ!" میرے منہ سے نکلا اور پھر میں کچھ سوچ کر بولی۔
 "نہیے دیج ساتواں کپڑا دیکھو وا، چھپ کر کے نکل چلیں تے آں۔"
 "تیں" عورت نے جلدی کے اپنے شوہر کا بازو پکڑ لیا۔ "اے
 تیں ہو سکدا ہے"
 مھر دھیمی بول بولا "او لوکر بیٹو وچ گفت کرے دے بھلے

نے۔ ازان دی نظر دوں پنج جانا ہار اڑو کھائے
میں پریشان ہو گئی۔ ریمند کرنا مشکل ہو گیا کہ مجھے ان حالات میں
کنا کرنا چاہئے۔ ویسے جا مو زوری حیدر بیگ جانا تو بھی میری پریشانی
تو بڑھتی رہتی رہتی۔ جاکو وہاں سے نکالے جانے کو ان آسان کام نہیں
تخلہ میں خوش ہیں یہاں تک آتو گئی تھی مگر دانشمند کی نظر میں سیر
انڈام شاید درست نہیں ہو سکتا تھا۔
”ہیں!“ عورت نے بیسے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
”تو ان رات ایتھے اڑی گزرا ہے۔ کل دوسرے دن میرا مانتیوں
جاسوسے چا چاہے گھر بچا ڈلو ہے گا
میرے لیے اس کے سوا کوئی رات نہیں تھا۔ عورت کے منہ سے
پر عمل کر دوں۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا یہ کتنی کوکانوں پریری
وجہ ان کوئی تکلیف تھی۔ ہوئے گی؟“
”آج کل آرام نہ کر دوں گزری لے“ عورت نے دھجکا ہیک
ٹھنڈی سانس لی۔
غریب کو رات مجھے اگلی شام گزارنا پڑی۔ سوئے سے پہلے وہ

عورت مجھ سے کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی مگر اس نے اس بات پر توجہ
 کا اظہار کیا تھا کہ میں مصلح ہمارے ممالک کی خاطر دشمنوں کے زعمے میں آچھپی
 تھی۔

یہ باتیں کر کے جب وہ سو گئی تو مجھے تیندیر کی آنکھوں سے کوسوں
 دور تھی۔ یہاں لوگوں کے دھماکے نہ سنانے سے رہے تھے لیکن گولیاں چلنے
 کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ غالباً مورچے گاؤں سے خاصی دور تھے۔
 صبح جب میں اٹھی تو میری آنکھوں کی جگہ یہ تباہی تھی کہ میری غنڈ
 پوری نہیں ہو سکی تھی۔

اس گھر میں ایک ہمان کی بنیت سے میری جی پڑی تھی
تھی وہ ہوئی اور وہ چمک دقت میں باتوں میں کٹ گیا۔ اب میرا
میزبان مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ گاؤں کی گلیوں میں پھرتا
رفتہ رفتہ گونجتی تھی لیکن اسے چل بیل ہرگز نہیں کہا سکتا تھا۔ لوگ
بے حد پریشان اور ہستے ہوئے تھے۔ آپس میں باتیں کرتے تو بہت جلدی
آواز میں لیکن چلنے کے انداز میں بڑی عجلت سے تھے۔ ہر ایک یہ
چاہتا تھا کہ اپنا کام کر کے جلد از جلد اپنے گھر لوٹ جائے۔
ابھی ہی عجلت کا ثبوت میرے میزبان نے بھی دیا۔ اس نے مجھے
ایک گھر کے دروازے پر چھوڑا اور واپس چلا گیا۔ میں نے اسے دیکھ کر
کی کوشش نہیں کی۔ میں اس گھر کے دروازے کی کندہ کی طرف
لگا اور جلد ہی اندر سے دروازہ کھل دیا گیا۔ مجھے دس بارہ سال کے
ایک لڑکے کی صورت نظر آئی جو مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ظاہر
ہے کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں وہ بھی کوئی بھانجا ہو گا اس لئے ایک
اجنبی عزت کو دیکھ کر اسے حیرت مہربانی چاہئے تھی۔
”جامو سے چاچا دا گھر ایسے اے؟“ میں نے لڑکے سے پوچھا۔
”لوکے نے ملدی ملدی اُبات میں سر پلایا اور پھر“ بابو بابو“
پوچھتا ہوا اندھا چلا گیا۔ میں کھڑی انتظار کرتی رہی لیکن وہ انتظار
ایک منٹ سے زیادہ ٹھیل نہیں ہو سکا۔
”تو کون اب؟“ دروازے پر آنے والے مرد نے مجھے لہجہ
”مینوں جامو سے چاچا توں ملتا اے۔“
”میں امی جامو دا چاچا آں۔“
”میں بچی چوں آئی آں۔“
”برکی چوں!“ وہ اس انداز میں بولا جیسے اسے میری بات
پر بالکل یقین نہ آیا ہو۔
”ہاں“ میں نے اپنے لیے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔
”مینوں جامو دسی ماں نے بھیجا اے۔“
جامو کے چاچا کے چہرے سے بے یقینی کی کیفیت تو بھینچتی
ہوئی لیکن اس نے مجھے گھر کے اندر بلایا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔
جامو کے چاچا نے اپنے گھر والوں کو بتایا کہ میں برکی سے آئی ہوں۔ وہ
سب مجھے بھرپور دیکھ گئے تھے اور ان میں بھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ
میں برکی سے آئی ہوں تاہم وہ متذہب تھے کیونکہ انہوں نے اپنے گاؤں
میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
”مینوں جامو نال ملتا اے۔“ میں نے ان سب پر ایک طائرانہ
نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”جامو دی ماں دا حال بہت خواب لے۔ جیکر
جامو اوٹے کول نہ پہنچتا اے او دسے دسے نال مر جائے گی۔ بعض
اودی غلطی میں اپنی جان نال کھیل کے اتھوں تک پہنچی آں۔“
”پر جامو متے اچھے نہیں ملے؟“ جواب دیا گیا۔
”لیکن مینوں نے اسے ہی دیا گیا اے۔ میں نے تیری سے کہا۔“

”او اچھے آجسے ہی ملن اودی شام کون
دکھو پڑی؟ کیوں؟“
”او تھے اودی ماں رندی لے جدی کو
سی۔ جامو لڑیں بیٹھے گھر لایا ہیں لگ پیا
تے اودی کڑی سلطنت دا خاں آگیا سی تیرا۔“
گیا سی کہ لگے دن دو سیرک واپس آ جاواں گا
”اوہ!“ مجھے اپنا دل بیٹھا ہوا سا لگا۔
”جی۔ جان جو کم ہی ڈال بے سودی رہا تھا۔ میں
دیکھوں کئی دوداے۔“
”وڈو ڈھائی میل ہوئے گا۔ دا بالکل سرد
نوجاں اودھرا آندیاں نے۔“
”ہن مینوں اودھرا آ دا رنج کرنا ہو
”جکر توں اودھرا جی تے ضرور ماری جاوے
وڈی کل لے کر توں آتے آگیا۔ شاید مین توں
مجھے جامو کے چمکے اس خیال سے آلا
میں آج بھی توں سے کل بھی سستی تھی۔ بس
پڑا۔ دن کی روشنی میں دیکھنے کی نظر سے نہیں جا
میں نے کیونکہ جامو کی ماں کی خاطر اپنی
تھی اس لئے اس گھر کے لوگ مجھے سے بچھا رہے
اور انہیں مجھ سے بھڑکی ہوئی تھی۔ وہ بھی
میں گھنڈی کا رنج کر کے خود کو ہلاکت میں ڈال
لیکن میں حیرت کوئی فیصلہ کر سکتی
نہیں ہو سکتی۔
اب مجھے رات کا نہ چہرے کا
ایک خوفناک واقعہ ظہور میں آگیا۔ چاہے
سے شور مچا اور وہ دنگا کی آواز میں غم
فوجیوں کے شیطانی قہقہے بھی شامل تھے۔
جامو کے چاچا کا گھر بھی اس سہنگ
بہت سے فوجی دروازہ توڑ کر اندر گئے۔
صبح جبرج کرنا تھا کہ سب لوگ باہر نکل
بچے رونے لگے۔ غور سے چنچن لگے۔
درختوں کے مصلوق بس دانت پیستے رہے۔
سائے کسی کی ایک نہیں چلی سکتی تھی اور
وہ لوگ باٹھے کیا تھے؟
پاکستانی توپ خانہ اس ماڈ پر ہل
مجھے اندیشہ لگا اور کوسوں تک گھر لیا۔
کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا جس کی وجہ

لڑکے کے چہرے کا نہ چہرے کا
”خوشن بدک گیا عورتوں کو ناپاک بازوؤں سے نجات ملی اور
اسی وقت گولوں کی دوسری بار کوبھی۔ اب تو ان ”جیلے سپاہیوں“
کی بدحواسی کا کوئی شک نہ رہتا تھا۔ بہت سے سپاہی چپنے لگے۔
”پاکستانی آجے ہیں... پاکستان آجے ہیں۔“
اور پھر وہ سب بتر بتر ہو کر گئے تھے لیکن گولے تو جیسے
ان کا نقاب کر رہے تھے۔ وہ چہرے بھی جانتے دھماکے ان کا خیر مقدم
کر رہے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ
ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔
عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ دنگا
کی گونچ پھیلی ہوئی تھی وہاں اب سرت سرت بھرے قہقہے ابل رہے تھے
بعض دیہاتی تو کچھ دودھ تک بھانگے تھے۔ دھن کے پیچھے دھڑے
چلے گئے۔ وہ جبرج جبرج کر رہے تھے۔
”کیتے جاریے ادماراج... خوراگلے سنو بہادر و!“
لیکن ”بہادروں“ کو بس کی بات کا ہوش نہیں رہا تھا گولوں
کی ہر بار ڈان کے سڑ پڑھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے۔
لڑکے کے چہرے کا نہ چہرے کا
”خوشن بدک گیا عورتوں کو ناپاک بازوؤں سے نجات ملی اور
اسی وقت گولوں کی دوسری بار کوبھی۔ اب تو ان ”جیلے سپاہیوں“
کی بدحواسی کا کوئی شک نہ رہتا تھا۔ بہت سے سپاہی چپنے لگے۔
”پاکستانی آجے ہیں... پاکستان آجے ہیں۔“
اور پھر وہ سب بتر بتر ہو کر گئے تھے لیکن گولے تو جیسے
ان کا نقاب کر رہے تھے۔ وہ چہرے بھی جانتے دھماکے ان کا خیر مقدم
کر رہے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ
ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔
عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ دنگا
کی گونچ پھیلی ہوئی تھی وہاں اب سرت سرت بھرے قہقہے ابل رہے تھے
بعض دیہاتی تو کچھ دودھ تک بھانگے تھے۔ دھن کے پیچھے دھڑے
چلے گئے۔ وہ جبرج جبرج کر رہے تھے۔
”کیتے جاریے ادماراج... خوراگلے سنو بہادر و!“
لیکن ”بہادروں“ کو بس کی بات کا ہوش نہیں رہا تھا گولوں
کی ہر بار ڈان کے سڑ پڑھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے۔

میرے دل کا نقاب کاقت تھا اور ان ستر لڑکان پر کمان بھی چڑھی
کے آنسو بہا ہاتھ بڑھت گئی تھی جھلکتی جا رہی تھی۔
مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری زندگی کی آخری شام پہنچی
ہو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ صبح اٹو سنہ زندگی کی بھی میری
برتری کو تسلیم نہیں کیا لہذا اب سرتے وقت بھی مجھے اپنے اس اصول
پر کاربند رہنا ہے۔
میں لڑنے منے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئی۔ مجھے اعتماد
تھا کہ مرنے سے پہلے میں دو چار سپاہیوں کی گزوں کو توڑ دیں دوں گا۔
جب تمام مردوں کے ہاتھ باندھے جاچکے تو سپاہیوں نے اپنے
افسار کا اشارہ دیا جاتے ہی عورتوں پر مینا کر دی۔ وہ جیسے کتوں کی طرح
لوٹ پڑے تھے۔ دو سپاہیوں نے مجھ پر بھڑکا مارا تھا مگر ان میں سے
ایک اپنا پیٹ پکڑ کر دوڑ کر جا گیا۔ میں نے اس کے پیٹ پر لالت
رہی کہ جی ر دو مرنے مجھے دلوچ لیا۔ میں نے فوراً اپنی
انگلیاں اس کی آنکھوں میں گھسیں۔ وہ بھلا گیا اور پھر جیسے ہی
اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، میں نے جو دو کا ایک داڑی آزمایا۔
دوسری عورتوں کی حالت بہت خستہ تھی۔ بہت سوں کے پیٹ پر
تازہ مار ہو چکے تھے اور منہ ”شان سپاہی“ کی کلہرے کرنے کے لئے
دندہ بن چکا تھا۔ مزاحمت کرنے والی عورتیں کٹھا کٹھا کر جی جا رہی تھیں۔
لیکن اس سے پہلے کہ دشمن اپنے ٹپاک لڑاویں میں کامیاب ہو
جاتا خوفناک دھماکوں سے زمین لرزنا لگی۔ پاکستانی توپوں کے دہانے
کھل گئے تھے۔ توپوں کی وہ پیلی باڑا میدان میں آکر گری تھی لیکن
اس طرح کہ خاص اس تھے میں کوئی تباہی نہیں پہنچی جہاں پر ایسے
کے بد نصیب جمع تھے۔
دشمن بدک گیا عورتوں کو ناپاک بازوؤں سے نجات ملی اور
اسی وقت گولوں کی دوسری بار کوبھی۔ اب تو ان ”جیلے سپاہیوں“
کی بدحواسی کا کوئی شک نہ رہتا تھا۔ بہت سے سپاہی چپنے لگے۔
”پاکستانی آجے ہیں... پاکستان آجے ہیں۔“
اور پھر وہ سب بتر بتر ہو کر گئے تھے لیکن گولے تو جیسے
ان کا نقاب کر رہے تھے۔ وہ چہرے بھی جانتے دھماکے ان کا خیر مقدم
کر رہے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ
ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔
عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ دنگا
کی گونچ پھیلی ہوئی تھی وہاں اب سرت سرت بھرے قہقہے ابل رہے تھے
بعض دیہاتی تو کچھ دودھ تک بھانگے تھے۔ دھن کے پیچھے دھڑے
چلے گئے۔ وہ جبرج جبرج کر رہے تھے۔
”کیتے جاریے ادماراج... خوراگلے سنو بہادر و!“
لیکن ”بہادروں“ کو بس کی بات کا ہوش نہیں رہا تھا گولوں
کی ہر بار ڈان کے سڑ پڑھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے۔

میں نے سوچ کر ہڈیاں کے مردوں سے کہا کہ وہ جہاں باقی انداز میں اپنی سرست کا انکار کرنے کی بجائے اپنی خود کو لے کر اپنی طرف چل جائیں اور جلد از جلد پاک فوج کی حفاظت میں پہنچنے کی کوشش کریں۔

مردوں کو قتل ہو گئی اور انہوں نے میرے مشورے پر دھیان دیا۔ پاکستان کی توپ خانے نے مجوزہ طور پر اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کی عزت، کھالی سچی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کنوینٹورہ۔ یہ تو ناگہان تھا کہ بیٹوں اور دوسرے بھوتے تو بچپن سے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔ سرینڈر معلوم ہی ہو رہا تھا کہ سب کچھ دیکھا جا رہا تھا اور اس حساب سے گولہ باری کی جاری تھی جیسے جیسے کئی اپنی سرحد کو طرہ بھانگ رہا تھا، ویسے ویسے گولوں کی رینج بھی بدلتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان گولوں نے سرحد پار کر کے بھی دشمن کا بچھا نہیں چھوڑا تھا۔ دشمن کی سرحد میں پاکستان کی گولوں کی تباہ کاری بھتے بھتے نظر آرہی تھی۔

یہ عجیب میرے لئے ہمیشہ ایک متحیر ہی بنا رہا لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد جب ایک اور نئی امر سے اس موضوع پر میری گفتگو ہوئی تو مجھ پر اس گولہ باری کا پھیل نکلا۔ دراصل تو ایہ تھا کہ اس شام پاکستانی توپ خانے کے گاؤں کرنل سیال کا محاذ کا نقشہ سامنے رکھ کر دشمن کی ان گولہ باریوں کا جائزہ دے رہے تھے جو وہ گزشتہ دوروں میں کر چکا تھا۔ ان گولہ باریوں کے تجزیے سے کرنل سیال نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دشمن آج رات کو جہاں وہ زمین پار کرنے کے لئے سرحد کی باری لگا دے گا۔ سرحد کی باری لگانے کے لئے ضروری تھا کہ دشمن بلذبحہ کے قریب درجی ساز و سامان جمع کرے چنانچہ اس قیاس کی روشنی میں کرنل سیال نے اپنے توپ خانے کو ریڈس اور فائر اسٹریٹجی کے دو باروں فائر کروا دی جو اس میلان میں جا کر پھیلے۔ پھر کرنل سیال توپوں کا رینج بڑھا کر فائر کر دیا۔ چلتے چلتے یہ مقصد یہی تھا کہ دشمن نے ہڈیاں سے لے کر مرد تک جہاں جہاں بھی رات کے موسم کے کی تیاریاں کی ہوں وہ خاک میں مل جائیں۔ گولہ باری کے اس انداز نے دشمن کو اتنا ہی دھچکا کر دیا تھا اور اس میلان میں بھی سمیت جتنے بھی لوگ تھے، انہوں نے ہی عسوں کیا تھا کہ پاکستان گولے دشمن کا ناقص کہے کہ ان کے ناپاک ارادوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ ایک ایسا انتقام تھا جو ناانسانہ طور پر لیا گیا تھا۔ کرنل سیال کا حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس طرح انہوں نے اپنے بھائی بھائیوں، بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو بچائی تھی۔

وہ فائدہ آ رہی کی طرف چل پڑا۔ اب اندر اسیل چکا تھا میں دشمن کے علاقے میں تاک کر ایک خوفناک تجربے سے دوچار

مست میں کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی مگر فضا مناسب نہیں سمجھا اور یہ سوز زمین پر بیٹھی۔

میں نے اپنے ہاتھ میری کمر میں اٹھی تو میرا غنہ کھول اٹھا لیکن غماہ سے کہ میں اپنے ہاتھ اس کمر میں کا مڈا ہاتھیں کر سکتی تھی۔

جب میں انداز سے کہ قریب کھڑے کھڑے تھک گئی تو دھیں بیچ کر اپنے جوش و خروش پر تیار ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ مجھ اس گاؤں کے مردوں پر غصہ آ رہا تھا جہاں پیچوں کو کٹ کر بھی اپنے اپنے گھر میں دیکھ رہے تھے۔

جب مکان میں سے کچھ سپاہی باہر نکل آتے تھے تو باہر کھڑے ہوئے سپاہی اندر پہلے جاتے تھے وہ لوگ درنگ اور سہریت کا خیال صبح تک کھینچتے رہے۔ میں نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی اور دیکھ کر ایک ایسی منظروں سے گزرنا پڑا تھا جو میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھیں۔

صبح کا جب کے وقت میں نے جب کہ ان غنہ اشارت ہوئے کی۔ دانتی۔ بے سننے والے مکان سے چیخوں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

جب تک کہ ان کی آواز دور ہوتے ہوتے شائے میں مدغم ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ میں نے غصوں کیا کہ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان چیخوں نے میرے اعصاب کو جیسے بڑبڑا کر کے دکھایا تھا۔

میں نے بانی تلاش کر کے اپنی پیاس بجھائی اور پھر دروازے کا درجہ کھلا۔ آہستگی سے دروازے کی کڑی شانی اور دروازے کو تھوڑا سا کھول کر باہر بھاگنا صبح کے بلکے سے اچلے میں مجھے دوڑ تک شتا نظر آیا۔ میں جلدی سے باہر نکل کر دوڑتی ہوئی سامنے والے مکان میں گھس گئی۔ میں نے سوچا تھا شاید میں ان برقیب لوگوں کے گھوکاؤں سے بے غیبت کی۔

لیکن اس مکان میں پہنچ کر مجھے تیرہ جلاکان برقیبوں کو اب کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی میں نے پانچ پر بند لائیں دیکھیں اور کانپ کر رہ گئی۔ سگنیوں سے ان کے پیٹ پھاڑ دیے گئے تھے اور غماہ سے کہ یہ دنیا ایسی سپاہیوں کی تھی جو رات بھر ان کے جھموں سے کھینچے رہتے تھے۔

ان لاشوں کو دیکھ کر مجھے سکتا سا ہرگیز تھا اور جب سکتے کی یہ کیفیت ختم ہوئی تھی تو میرے ذہن میں آنے لگی تھیں۔

سرخ آنکھیاں جن سے آہٹ نکل رہی تھی۔ میرے استعمال کا یہ عالم تھا کہ میرا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کلنے لگا تھا۔ میری ٹانگوں میں آہی لڑ لڑ پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے خود کو ایک اجڑے ہوئے بستر پر گر ادیا۔ گریں یا سنا کرتی تو زمین پر گر پڑتی۔ کھڑا رہتا میرے لئے حال ہو گیا تھا۔ میرے جسم میں توڑی ہوئی کھنکھائی تھی۔ میرے بے جان کر دیا تھا۔ غالباً شدید غم دھنکے کو دبانے کا نتیجہ ناواقف بن کر۔

میرے پیچیدہوں کو معمول پر آنا پڑا۔ جس منٹ لگ گئے۔ اب میں دریا تیار تھی۔ گوکہ پیاس نے میرا حلق خشک کر

میں نے اپنے ہاتھ میری کمر میں اٹھی تو میرا غنہ کھول اٹھا لیکن غماہ سے کہ میں اپنے ہاتھ اس کمر میں کا مڈا ہاتھیں کر سکتی تھی۔

جب میں انداز سے کہ قریب کھڑے کھڑے تھک گئی تو دھیں بیچ کر اپنے جوش و خروش پر تیار ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ مجھ اس گاؤں کے مردوں پر غصہ آ رہا تھا جہاں پیچوں کو کٹ کر بھی اپنے اپنے گھر میں دیکھ رہے تھے۔

جب مکان میں سے کچھ سپاہی باہر نکل آتے تھے تو باہر کھڑے ہوئے سپاہی اندر پہلے جاتے تھے وہ لوگ درنگ اور سہریت کا خیال صبح تک کھینچتے رہے۔ میں نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی اور دیکھ کر ایک ایسی منظروں سے گزرنا پڑا تھا جو میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھیں۔

صبح کا جب کے وقت میں نے جب کہ ان غنہ اشارت ہوئے کی۔ دانتی۔ بے سننے والے مکان سے چیخوں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

جب تک کہ ان کی آواز دور ہوتے ہوتے شائے میں مدغم ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ میں نے غصوں کیا کہ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان چیخوں نے میرے اعصاب کو جیسے بڑبڑا کر کے دکھایا تھا۔

میں نے بانی تلاش کر کے اپنی پیاس بجھائی اور پھر دروازے کا درجہ کھلا۔ آہستگی سے دروازے کی کڑی شانی اور دروازے کو تھوڑا سا کھول کر باہر بھاگنا صبح کے بلکے سے اچلے میں مجھے دوڑ تک شتا نظر آیا۔ میں جلدی سے باہر نکل کر دوڑتی ہوئی سامنے والے مکان میں گھس گئی۔ میں نے سوچا تھا شاید میں ان برقیب لوگوں کے گھوکاؤں سے بے غیبت کی۔

لیکن اس مکان میں پہنچ کر مجھے تیرہ جلاکان برقیبوں کو اب کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی میں نے پانچ پر بند لائیں دیکھیں اور کانپ کر رہ گئی۔ سگنیوں سے ان کے پیٹ پھاڑ دیے گئے تھے اور غماہ سے کہ یہ دنیا ایسی سپاہیوں کی تھی جو رات بھر ان کے جھموں سے کھینچے رہتے تھے۔

ان لاشوں کو دیکھ کر مجھے سکتا سا ہرگیز تھا اور جب سکتے کی یہ کیفیت ختم ہوئی تھی تو میرے ذہن میں آنے لگی تھیں۔

سرخ آنکھیاں جن سے آہٹ نکل رہی تھی۔ میرے استعمال کا یہ عالم تھا کہ میرا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کلنے لگا تھا۔ میری ٹانگوں میں آہی لڑ لڑ پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے خود کو ایک اجڑے ہوئے بستر پر گر ادیا۔ گریں یا سنا کرتی تو زمین پر گر پڑتی۔ کھڑا رہتا میرے لئے حال ہو گیا تھا۔ میرے جسم میں توڑی ہوئی کھنکھائی تھی۔ میرے بے جان کر دیا تھا۔ غالباً شدید غم دھنکے کو دبانے کا نتیجہ ناواقف بن کر۔

میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لی۔
 ہزار ہوں گزرا۔ اس نے بتایا کہ راج اور پچھتہ مہر کی درمیان رات کو
 اے عبیر! انسانی ایک عورت نے ہاے میں بیٹھ جلا تھا جس نے عبادتی
 جیل کی اطلاع دی تھی۔ ایک کین کا ڈاکٹر کہیں انوار نے اپنے جالین بیٹ
 کو ڈاکٹر کو اس کے بارے میں بتا تھا۔ جالین بیٹ کو ڈاکٹر میں اس وقت

بین اعلیٰ مجلس ایسکرو جو رہے ان میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام
 مد اور مجسمہ ابراہیم کے نام سے جلاتھا کہ آپ براہ راست طور
 پر لاتے ہو گئی تھیں آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ کپڑے کمانڈو کے لباس کو جو

میں یقین ہے کہ آپ کا یہیں پہنچنا اس کے لیے آپ کی تلاش کے لیے
 کیا افراتفری ہے؟ مجھے اس کا ملنا نہیں کیونکہ مجھے جہاد کی لڑائی کے لیے
 بعد میں مجھے حکم ملا تھا کہ میں آگے بڑھ کر اپنی باریک دیکھ بھال
 اور دشمن کے بارے میں جانسوزی کروں۔ تب سے اب تک میں اسی
 علاقے میں ہوں۔

”خوب! میں مسکوئی، آپ مجھ سے یہ مصداق بائبل چھاپا کریں
 ہے تھے۔“
 ”میں اب: اتنے کیسے کر لیتا؟“ ابراہنے جواب سوال کیا کہ یہ
 مجھے تو ممکن تھا کہ آپ دشمن کی جاسوس ہوتیں!“
 میں ایک بار پھر بے اختیار مسکرائی لیکن اس لئے نہیں کہ میں
 ابراہم کی دانست میں دشمن کی جاسوس ہو سکتی تھی بلکہ اس لئے کہ اب ہم
 دونوں کی گفتگو ”تم“ کے مرٹے سے ”آپ“ کی طرف لوٹ آئی تھی۔
 ”دراصل مجھے تھا“ میں بولی کہ جب حملہ ہوگا تو میں جوش کے

عالم میں اس مآزکی طرف بڑھتی چلی گئی جہاں سے جنگ کا آغاز ہوا تھا۔
اس طرح میں برکنک پہنچ گئی۔ پھر وہاں سے بڑبڑا اور وہاں سے
گھونڈی! اہں! یہاں کل رات ہی پہنچ گئی تھی لیکن ایک مکان میں پھنس

کر دے کئی اہل حق میں سے خوشنودان کا وہ اور قلمی و کلامی ہوا۔
 میں بھی پہلے کسی صبح سے ہوں یہ اہل حق نے بتایا۔ مجھے اچانک بخار
 آیا۔ میں نے اس کو پیش کیا۔ نہ تھی۔ اس وقت اس کو کمرے کی کین
 یہاں موجود تھے۔ ان بے جا دل میں میری طرح خیال کرنا اور جب وہ دیر
 کو دشمن نے یہاں دھاوا بولا تو ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ وہ لوہی جانی
 سے گئے کچھ لوگوں نے مجھے بچالیا۔ ابراہار نے میری ساری باتیں لوگ کو کہ
 ہی بتائی تھیں۔

”ایک جرم عقیدے سے میرا اس کے ساتھ وہ چورا ہو گیا:۔۔۔ میں کہنے لگا
 ”چورا تو ہو گیا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”مجھ پر معلومات سمیت کل شام ہی کو اپنے بڑے گڑاؤ میں بیچ جانا چاہیے
 تھی لیکن نہ تو میں بیچ سکا نہ وہ معلومات، بہتری حالت اب بھی ایسی نہیں
 ہے کہ میں یہاں سے روانہ ہو سکوں۔ کیا آپ مجھے لے لے لے۔۔۔ بلکہ اپنے

452

پرنظر پڑی۔ لائیں کے بعد میں نے وہ ستر دیکھا جس پر کوئی لڑکی اندر نہ
 بیٹھ ہوئی۔ سکس سکس کر رہی تھی۔

میں نے اندر داخل ہو کر دواڑہ بند کیا تو اس کی مدغم سی چڑچڑاہٹ
 نے لڑکی کو چڑھایا۔ اس نے سر ہٹا کر پچھلے دیکھا اور پھر نظر پڑتے ہی
 جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اس طرح چونکی اور حیران ہوئی
 تھی کہ رونا ہی بھول گئی تھی۔

میں نے اسے دیکھا تو دیکھتی ہی رہی۔ وہ وہاں کے رہائشی
 حسن کا ناقابل تردید مثال تھی۔ اگر میں نے اسے عام حالات میں دیکھا ہوتا
 تو اس کے جگ جگ بگ بگ رنگ نقش و نگار کے بارے میں اُن گنت
 استعارے اور تشبیہات میرے ذہن میں جھلکا اٹھتیں مگر اس ماحول
 میں وہ حسین منظر میرے دل کے صرف اُن حصوں کو چھو سکا جہاں
 صرف ہر درد و اندوہات مٹاتے ہیں۔ اس کے غامضوں پر آنسوؤں کی
 ٹپکیں اتنی تیز دھار تھیں کہ میرے دل پر گناہ سے جتنے چلے گئے اور
 میں اس احساس سے ٹکرا رہی تھی کہ یہ نرم و گداز لڑکی یہی نسبت کے
 پہاڑ سے تیس چلی ہے۔

”تم یہاں اکیلے ہو؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”ہاں“ وہ ڈھنڈھی ہوئی سی آواز میں بولی: ”تم کون ہو؟“ وہ اُردو
 ہی بولی تھی مگر اس کے لیے میں اہل پنجاب کا رنگ بھر پور انداز میں محسوس
 ہوا تھا۔

”میں ہرکے سے آتی ہوں۔“ میں نے جواب دیا: ”مجھے کسی کی تلاش
 تھی مگر یہاں انگریز چلا کر سارا گاؤں ختم ہو چکا ہے۔“
 ”تم ہمارے علاقے کی تو نہیں معلوم ہو رہی؟“
 ”تو ہمارا خیال درست ہے۔ میں نے یہ پاس محض اس لیے پہن رکھا
 ہے کہ اگر دشمن مجھے دیکھ لے تو یہیں کاما بشت نہ سمجھے۔“
 ”تم نے یہاں اگر غفلت کی ہے۔ تم ایک جہنم میں آگئی ہو، لڑکی
 نے بڑی یاسنت سے کہا۔ اس کے لیے میں درد چھل رہا تھا۔
 ”تمہارا نام کیا ہے اچھی لڑکی؟“ میں نے ہر دلی سے پوچھا۔
 ”سلطانہ۔“
 ”کیا؟“ میں چونک کر پڑی۔ ”تم... تم وہی سلطانہ ہو جس کی شادی
 جاوے رہنا تھی؟“
 وہ مجھے استعجاب و نفور سے دیکھنے لگی اور پھر بولی: ”تم جاو کو
 کیسے جانتی ہو؟“
 ”میں اس کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ اس کی ماں اس
 کے لئے تڑپ رہی ہے۔“
 ”اب اسے زندگی بھر تڑپنا پڑے گا۔“ سلطانہ کی آنکھوں میں ٹپکے
 بہتے آنسوؤں کو بھر راستہ لے گیا: ”جاو مارا جا چکا ہے۔ اس گاؤں کے

چاہتی ہیں جو انہیں نہیں تھیں بس ہر
 ہماری جوانیاں ہمارے لئے روگ بن گئیں
 ”میں جانتی ہوں کہ اس گاؤں کی
 میں نے غم جو ہے اس کا میں نے ابھی
 دیکھا تھا۔“

”وہ... وہ کیا ہے؟“ سلطانہ
 ”مگر یہی وہ ساری رات میں رہا تھا۔ اس
 ہے کچھ کہ کوئی اور نہ چھوڑے۔ وہ کہ
 پھر آئے گا۔ وہ بھی کہہ رہا تھا کہ جنگ
 لے جائے گا اور ساری زندگی اپنے ساتھ
 آخر میں اس جہنم میں کب تک ملتی رہوں گی
 ”بس آج رات ہمیں
 سلطانہ میری بات نہیں سمجھ سکی اور
 میری طرف دیکھنے لگی۔
 ”ہاں۔“ میں نے دوڑ کر انداز میں
 اس جہنم سے نکال لے جاؤں گی۔“
 ”یہ ناممکن ہے۔ یہاں سے کوئی
 بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
 میں اسے جواب دینے کی بجائے
 ذہن میں اپنا ایک جوانیالہا تھا میں اس
 غور کر رہی تھی۔ وہ خیال یہ تھا کہ رات
 تو میں اسے خاموشی سے ہلا کر دوں۔
 پٹیا جاتے جو بیچے پاس ہر دلی سے رہا ہو گا
 میں بیٹھ کر یہاں سے فرار ہو سکتی تھیں۔
 پناہ دیتی اور خود اس سپاہی کی وردی میں
 میں دشمن کے سپاہی سے نہ دیکھ پاتے کہ ان
 جب میں خود تیس جا رہی ہوں۔ وہ یہی
 طرف جا رہا ہے۔
 خود کرنے کے بعد جب میں
 سے آگاہ کیا تو وہ میرا منہ سختی رہی۔
 سب کچھ کہہ سکتی ہیں۔ اس نے اپنی اس
 ”تم ان کو مار سکو گی؟“
 ”ہاں، کیوں نہیں؟“ میں نے
 لیکن سلطانہ کے جوتے میرے
 نے اسے یقین دلانے کی کوشش میں
 دیکھ لیتی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔

انہاں میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
 یہ کہو کہ نہ ہو تو بھی میں یہیں رہی
 انہاں اس کا تقاضا نہیں تھا کہ اب یہاں
 مار کر دوں۔

میری آنکھیں ملنے لگی تھیں اور میرے
 اس سے کون سا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ میں
 نے غور و پوری کوششیں چلیاں تاکہ کو
 ملے۔ جہاں تک ان کا احساس نہ ہو۔
 اس سے بند کر لیا اور سلطانہ کے ساتھ
 کے باعث میرے جسم میں بھر پور سی
 اس طرف کوٹ میل کی اور اپنے بندبات
 کی ہوئی نیند کی آغوش میں بیٹھ گئی۔
 انہاں کی ہے تھی۔ سلطانہ مجھ سے پہلے
 میں لڑی ہوئی غلامی گھو رہی تھی۔
 سے آہستہ سے بھاڑا تو وہ چونک پڑی۔
 میں تمہاری یہاں ہوں۔“ میں مسکرائی۔
 اور وہ نہا جیسے کہ میرے سر پر ہاتھ
 لے اپنے لیے یہ بیوقوفی محض اس لیے پیدا
 کہ انہر وہی میں دروازے کے
 پاس رہ کر نہیں ہر اہل میں نے اس کے
 اٹھایا اور دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔
 کہیں ہو سلطانہ: ”میں کھانے کے بعد بولی۔
 ”وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولی: ”اگر میں
 کہ اس ماؤں کی ہنس کے پہلے جوں گی۔“
 کہ میں ہر دلی سے ہم دونوں ایک دوسرے کا
 سلطانہ نے کہا: ”وہ عزیز ہیں زندہ ہیں جو بڑے
 میں ہی سانس لے کر چھپ ہو گئی۔
 ان کے پاس اس سے پوچھا: ”وہ فوجی انسر کس
 میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتا
 ہے۔“
 میں نے پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر مار کر اسے اس طرف
 سے وہ پکڑ لیا اور سلطانہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔
 اس کے منہ سے ایک مدغم سی چیخ نکل گئی تھی۔
 دیو قامت فوجی جس نے میں پر گرا اور جس نے حرکت ہو گیا میں نے

”ممكن ہے؟“ وہ آج نہ آ سکے؟“ سلطانہ نے پوچھا۔
 میں کہا: ”پر تشریف لائے تو اس کی طرف دیکھ کر رہی۔“
 جب وہ دیکھے تو سلطانہ اُدھنے لگی کہ میں میری آنکھوں میں نیند
 کا بہت دور تک پہنچا تھا۔
 جب تین بج گئے تو میں نے پچھلے پھر کر سیدھی بیٹھنے کی اور جب
 پارہے کو پھر میرا لکھنے کی غبار کر دی۔ میں نے سلطانہ کی طرف دیکھا
 جو اُدھنے اُدھنے بستر پر لڑھک کر سو رہی تھی۔
 باغیچے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں اُٹھ کر پڑی۔ میرا
 دوران خون تیز ہو گیا۔ میں نے غلامی سے سلطانہ کو بھجوا دیا اور
 سرگرمی میں بولی: ”وہ آگیا ہے۔“
 سلطانہ بڑا ڈر کر اُٹھ بیٹھی اور اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے
 مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ بیدار ہو جانے کے وجود ہی
 طو سے توری طرح بیدار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کے کال تھپتھپانے
 اور بولی: ”وہ آگیا ہے سلطانہ! وہ زندہ اس کی موت اسے کھینچ لائی
 ہے۔“
 سلطانہ بستر سے اُتر آئی لیکن اس کے چہرے سے گھبراہٹ
 ظاہر نہ ہونے لگی تھی۔
 ”جاؤ؟“ میں نے سلطانہ کو دوانے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا
 کی: ”جب وہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں آئے گا تو موت اس کا استقبال
 کرے گی۔“
 سلطانہ کو میں نے دھکیل کر میں نے ڈھکایا اور کمرے کے
 دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی میرے دونوں ہاتھ
 ڈنڈے پر تھے اور گرت بہت مضبوط تھی میرے کان باہر کی آوازیں
 پہنچے سوتے تھے۔ میں نے ہر دلی سے دواڑہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر دواڑی
 جوتوں کی دھک محض میں آگئی۔
 ”بہت گہری نیند سو رہی تھیں جان میں؟“ ایک گرفت دواڑ آئی۔
 ظاہر ہے کہ سلطانہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا ہو گا۔
 ”آج میں نہ آیا لیکن اُٹھانے سے موقع مل گیا۔“ اس گرفت دواڑ
 کے ساتھ قدموں کی چاپ درملنے کی طرف آئی تھی۔
 میں نے دانت پر دانت جملے اور پوری طرح تیار ہو گئی۔
 دواڑہ کھلا اور وہ دیو قامت فوجی اندر آگیا میری طرف اس
 کی کیفیت تھی اور سلطانہ کو اس نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر رکھا تھا۔
 میں نے پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر مار کر اسے اس طرف
 سے وہ پکڑ لیا اور سلطانہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔
 اس کے منہ سے ایک مدغم سی چیخ نکل گئی تھی۔
 دیو قامت فوجی جس نے میں پر گرا اور جس نے حرکت ہو گیا میں نے

جو کہ جسے چھائی ہوئی آٹھ گھڑی ہوئی تھی۔

”اب نہیں اس سپاہی کو بھی اندر لانا ہے۔“ میں نے سلطان سے کہا۔

”وہ کیسے؟“ سلطان نے گہرا کر پوچھا۔

”دو دن سے میرا کہہ کر اسے کپتان صاحب اندر بلا رہے ہیں۔“ میں نے سلطان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے لئے جوتے میں نیکی چلی گئی۔ میرے دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ سلطان بہت گجرا رہی تھی لیکن میں نے اسے جاگروا دیا کہ وہ اپنے پرکھڑا کر دیا۔ میں خود سامنے سے بٹ گئی تھی۔ سلطان نے کلنٹے ہاتھوں سے دروازہ کھولا اور جب اس نے باہر کھڑے ہوئے فوجی کو مخاطب کیا تو اس کی آوازیں بھی ردتش تھیں۔

”میں کپتان صاحب بلا رہے ہیں۔“ اس نے کہا تھا۔

”کیوں؟“ میرے آواز آئی۔

سلطان سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں سپاہی کے ذنی جوتوں کی دھب کو قریب آ کر آہٹوں کر رہی تھی۔ سلطان اس طرح ایک طرف ہٹ گئی جیسے سپاہی کو اندر آنے کے لیے راستہ دینا چاہتی ہو۔ اور جب سپاہی نے اندر قدم رکھ دیا تو اس کا بھی وہی خسرو آجو اس کے انسر کا ہوجا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لئے بھی ڈنڈے کی ایک ہی ضرب کافی ہوئی تھی۔ اس نے ڈنڈا ایک طرف چھینک کر مٹی سے دوڑا۔ ڈنڈے سے بننے والا درجے بوشن سپاہی کو گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔

”اب ہمیں جلدی جلدی ان کا بائیں آکر خود پہننا ہے۔“ میں نے سلطان سے کہا۔

ان دونوں فوجیوں کی بے ہوشی، سلطان کے نزدیک بہت بڑی کامیابی تھی۔ غالباً اسی لیے اب اس کے انداز سے جوتوں وغیرہ ظاہر ہونے لگا تھا۔ دیکھ کر میرے ساتھ سرگرم ہو گئی۔ ہم نے دونوں فوجیوں کے کمرے کے اندر خود پہن لیے۔

دونوں فوجی حوت نے ہوش تھے اور کسی دقت بھی ہوش میں آکر کوئی بگاڑ نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے سپاہی کی راتقل میں لگے جوئے ہیز سے ان دونوں کے بیٹ بھاڑنے والے سلطان پر متفرک دیکھ کر کاپ اٹھی تھی اور اس نے گہرا کر دوسری طرف مٹھ پھیر دیا تھا۔

”بس اب آؤ!“ میں نے کہا اور سلطان کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل چلی گئی۔

جب کہ ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھالی اور سلطان کو اپنے برابر میں بٹھالیا۔ انہن اشارت کر کے میں جب کو حرکت میں لے آئی۔ میں اس طرف جا رہی تھی جہاں ایک گھر میں میری ملاقات ابراہم سے

مغرب کی طرف جڑتی رہی میرے راتیں ہاتھ میں لے کر آئی تھیں۔ انہوں نے جوتوں میں جھانک کر دیکھا کہ وہ اب نہر سے آگے نکل گئی۔

اسے دیکھتے ہی دیکھتے شمال کی طرف ہٹ کر تھا اس کی آواز میں جانتے جانتے ایک جانب پہنچ جاتی ہر ایک کیسے ایک طرف لانگ چلنے کے بعد میں نے جب کوئی شخص پر ڈال دیا اور رفتار بڑھا دی۔ میں نے ایک بار دیکھا تھا اس کے برابر سے آگے نکلنے میں اس لیے مجھے رفتار کم کر دینا پڑی۔ دراصل میں نرکوں کے برابر سے گزرنے کی تو ممکن کی نظر جب کہ کچھل شست پرینے ہوئے برابر

پہنچا میں مبتلا ہو چلتے۔

میں جیسے سانس روکے ہوئے تھی اور ہر دوہ اس کا فون بے جا بھی نہیں تھا۔ جنگ کی کسی کرکٹ موت سے کھیلنے کے مترادف ہوتا ہے۔

دوسری سمتوں میں تھے لیکن مارکٹ تبدیل ہوتے ہی میں اس علاقے میں دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

میں نے گڑی کے انجن کی آواز سنائی دی تو میں نے ایک تیز رفتاری سے بڑھی تھی۔ ایک جلدی میں آنا۔ غالباً اس جیب کو ان ٹرکوں سے آگے نکلنا تھا۔

میں نے ایک طرف دیکھا کہ وہ اب اس علاقے میں ہی دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

میں نے ایک طرف دیکھا کہ وہ اب اس علاقے میں ہی دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

میں نے ایک طرف دیکھا کہ وہ اب اس علاقے میں ہی دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

تھا جیب کی ہر جگہ کے باعث یہ بات اس کی جیب میں اس گھر کے سامنے جیب کو دلی کیا پڑا ہے۔

”کچھ نہیں، تم بیٹھو اس میں آئی ہوں۔“

اب اسے تیز پڑا پڑا چاروں ہری طرح خوشی میں مل رہی تھی۔ میں نے اسے پکارتا تھا اور اس کی آواز میں نکل کر وہ کئی تھیں اور پکارتے ہوئے آگے نکلے۔

انگازوں کی طرح دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

”مس... مس... جیسے... وہ بڑا...“

”جیسے مسٹر ابراہم جیب کے کمال بنوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا یہ میرے لیے برا شکل مرحلہ تھا۔“

زاد بھی اور اس کے لیے ایک دھماکا تھا۔

ہیز اور دقت باہر لے جاسکی اور اسے جیب دیا۔ سلطان یہ سب کچھ دیکھ کر خاصی الجھن میں کر رہی تھی۔ یہ کون ہے؟“

میں نے جیب کا انجن اشارت کر کے پاکستانی فوجی۔“

”یہ...“ سلطان کوئی اور سوال کرنے کیونکہ میں نے جیب کی رفتار میں تیزی کی شاید اس رفتار سے گہرا کئی ہوگی یا پھر اس کی طرف چلا گیا ہو گا جن کے سامنے ہے اب ہمیں اندھیرے کی وجہ سے مجھے اپنے برابر فوجی کی معلوم ہو رہی تھی اس لیے مجھے اب پہچان کے گا اور کچھ شست پر پڑے۔

قریب آتے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

دو منٹ میں جیب، گاؤں کی طرف ایک طرف کچھ ٹرک کھڑے ہوئے دیکھ۔ سپاہی سوار ہوئے تھے۔ غالباً انہیں مجاؤ کی کسی بلا کچھ گاڑیاں بھی ادھر سے ادھر دوڑتی نظر آ رہی تھیں۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ جیب کی چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ بہت سوں نے ہمیں آگے آکر ان کی نظروں میں مشتبہ نہیں ہو سکے تھے۔

کیا خیال آیا تھا کہ اس کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے۔ اب مجھے فکر میں اضافہ کرنا پڑا۔ آگاہ لوگ میرے قریب نہ پہنچ سکیں۔

ناہور زمین پر اس تیز رفتاری کے نیچے میں زبردست جھٹکے کھانا چڑے اور ایک جھٹکا تو ایسا لگا کہ کچھل شست پر پڑا تو ابراہم بیک بائیں کی جگہ گڑ پڑیں اس وقت اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی کیونکہ دشمن میرے تعاقب میں لگ چکا تھا میری تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی۔ جیسے ہی میں نے گاؤں کے ساتھ تروں کے دھکیے تو میں نے دھکیے تھے۔ دقتا میرے عقب میں بھی دو دھماکے ہوئے لیکن وہ تروں کے نہیں، راتھوں کے تھے۔ تعاقب میں آنے والے جیب کی طرف سے گویاں چلائی گئی تھیں لیکن اس ناہور راستے پر دونوں ہی جیبوں کو اتنے جھٹکے لگ رہے تھے کہ صحیح شانہ لگنا بہت مشکل تھا۔

سلطان نے میرا لب بڑھانے کی تھی میرا خیال تھا کہ وہ قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔

دقتاً ایک نسبتاً زوردار دھماکا گڑا۔ وہ گولہ ہمارے جیب کی داییں جانب کوئی دو ڈھائی فٹ کے فاصلے پر پھٹا تھا۔ فوجی دو سزاہدوں کوئی ایک فٹ لانگ کے فاصلے پر پھٹا تھا۔

جہاں سے میرے جیب کو گزرنے سے جوتے شاید ایک منٹ ہوا ہو گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دھکیے اور آگ میں مجھے وہ جیب نظر نہیں آتی جو تعاقب کر رہی تھی۔

دھماکے بائیں جانب بڑھ چکے تھے۔

اب ہمارے جیب میدان کارزار کے ایک ایسے حصے سے گزر رہی تھی جہاں جگہ جگہ ہمارے فوجیوں کی لاشیں پھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ بعض جلی ہوئی گاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ایک ٹریک بھی بے حرکت کھڑا نظر آیا۔ غالباً وہ بے کار ہو چکا تھا۔

مجھ کے دیکھنے سے مجھے اسے اپنے ہی ٹرک گاؤں کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس میں نے ایک بار پھٹ کر دیکھا تو بے اختیار ایک دھول ساٹھ لے کر نکلی۔ وہ جیب اب بھی تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ میرے عقب میں پھینکنے والے گولے کی تباہ کاری نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

میں نے دوں جیلوں کا دیوانی فاصلہ نسبتاً بڑھ کر دیکھا۔

میں نے ایک طرف دیکھا کہ وہ اب اس علاقے میں ہی دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

میں نے ایک طرف دیکھا کہ وہ اب اس علاقے میں ہی دھکیے ہوئے کھڑکی سے کسی شخص کو دال دالتے۔

اس خوفناک منظر نے سلطانہ کے دماغ پر اتنا بڑا اثر ڈالا کہ وہ بالکل
کی طرف توجہ دے کر یہ جنگ ! بند کر دیے جنگ !“ اور پھر وہ مسلسل
یہی فقرہ کہہ لے رہی۔ اس پر سربراہ کا دل دھڑکنے لگا۔
میں نے دیکھا کہ تمام قبل آنے والی جیب اب واپس جا رہی
تھی۔ اس نے آگے آگے تفسیر خطہ محسوس کیا جو گاؤں کی بات سے
نے اندازہ لگا لیا کہ برک پر حملہ نہ قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔
میں نے برک لگاتے ہیں یہی منزل پر پہنچ ہی گئی لیکن یہ منزل
پر جہاں فاک لڑ رہی تھی۔ جا کر گھر ملے گا تو یہ تباہ ہو جائے گا۔ برک کے لوگوں
مکان بھی گولہ باری کی زد میں آکر تباہ ہو چکے تھے۔
”بند کر دیے جنگ ! بند کر دیے جنگ !“ سلطانہ صحت چھڑا کر چلے گئی
جاری تھی۔

چندھیا گئیں جب یہ لحان کی کیفیت ختم ہوئی
نظر آجوس کے استعمال کے لیے آگیا۔
سپر سٹنڈنٹ روٹن اڈمی ایشیالین
نے میری مدد کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس
دوائے سے نہیں ہوئی تھی اور آج جب دن
کا مظاہرہ ہوئی کہ جس میں کہ وہ مجھ سے توقع کرے
روٹن مجھے ایک ہوٹل میں لے گیا۔
انصروں نے نجات میں تھی۔ ہوٹل میں روٹن
نیگا جوس نے بڑی بے دلی سے کہا۔ میں
تھی کروہ مجھے کراچی بھیجے۔ اب مجھے گھبراہٹ
طاری تھی کہ میں نے روٹن کے کسی سوال کو
روٹن چاہتا تھا کہ میں ایک دن کے
روٹن رام کروں۔ اس تجویز کا کوئی خیال نہ
ہوئی کیفیت نازل ہو جائے گی اور اسے
موقوف مل جائے گا کہ میں اس بات پر آموی
دیان ہوتا ہے۔

کی کشتی پہ چڑھنا چاہیے۔
 کشتی کا ٹکڑا کی اور بالوں کو نشانوں ہی پر بکھیرا
 مل میں بسم و گلزار کو چرخ پیغمبر و راز ہو گئی اور دوسری
 ہفت میل گو یا بد کا عالم، محسوس ہوا تھا
 نہیں مل سکتا تھا اور صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر

یہ کہہ چکا تھا اور اب میں اپنی گزشتہ رد کی کیفیت
 عرض کرتی تھی۔ مجھے بڑی شہرت سے احساس ہو رہا تھا
 تھی، میرا ان جنگیں زندگی کی بے وقعتی اور
 ابھی سنا کر جو بے فکر نہیں رہ سکا تھا اور برکی
 کی آمد کی دیکھ کر میرے قلب پر جو واردات گذر
 گئی تھیں پر عکس اثرات مرتب کیے تھے۔ اس کے
 علو و احوال کو کہہ چکا تھا میں بے حد عاجز و ہلکی ہو گئی تھی۔
 تھک رہا تھا اور اچھا ایسی کیفیت کی وجہ سے
 کی تھی جنہیں جاننے کی مجھے شدید خواہش
 رہتی تھی ہے اور اس کا کیا انجام سامنے آ سکتا

حیرت تھا میں اس حیرت سے سنبھلتے تھے نہیں جانتا تھا کہ کوئی نے کہے
کا دوا دوا کر اُن سے روٹ کر لیا اور اس کے بعد جب وہ میری طرف مڑی
تو اس کے ہاتھ میں اشتہاریہ دوا پانچ کا سیاہ پتھر چمک رہا تھا۔
”کیا مطلب!“ میرے چہرے پر پھولی ہوئی تیرت میرے لیے
میں بھی منتقل ہو گئی۔
”مجھے صرف اتنا معلوم کہ کتاب کے نوکس کہاں ہے؟“ اس کا لہجہ
بالکل سپاٹ تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری!
”اوہ!“ میں نے اختیاراً سرکاڑی اڑی اور یہ بات فوراً میری سمجھ میں
آگئی کہ نوکس کی موت کو ٹھیکہ کیا گیا تھا۔ واقعی ایک ایسی صورت تھی کہ نوکس
کے ساتھ خلیان میں بندھا جو جیتے ہوں گے۔
”مسکرونے کو بچانے میرے سوال کا جواب دو!“ فوری سے بے ستر
سپاٹ لہجہ میں کہا۔

”اوپر ہی اوپر“ میں نے اس کا نشانہ بچھتے ہوئے کہا۔ بس اب
جلدی کرو ورنہ وہ نکل جائے گی۔
”ہمے نکل کر کہاں جائے گی صاب! دانش واقعی زور دار ہے۔“
ڈرائیور سمجھے ایک میٹش طبع جوان سمجھا تھا تب وہ دے لڑکی بجا
نئی مٹی امداد اس کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔
میں نے بھی زور دیا نہیں سمجھا کہ اس کے خیال کی توبہ کروں یا کر
اس کی کوشش کرتا بھی تو شاید وہ دل سے میری اس بات کو تسلیم نہیں
کرنا کہ میں ایک جوان صالح ہوں۔
میری نیکی اس پر مڑ لڑکی کی نیکی کا تعاقب کرتی دی میں سوچ
بھاتا کہ اچھے فارغ ہونے کے بعد میں سب سے پہلے باؤ کے گھر فریئر کرنا۔
پینچ کروہ لڑکی امدادوں کی بکشتو نیکی سے آتر گئے تھے میں نے نہیں
سکڑت رہتے دیکھا گئی کایں کڑی ہوئی تھیں اُن میں ایک مسند
کی کراچی تھی۔ وہ میڈل اس کی جا بیٹھے دو ایئرنگ سیٹ خود اس لڑکی
نے منبھال تھی۔ دونوں بکشتو پہلے نشست پر بیٹھے تھے۔

اب مجھے یاد آیا کہ میری موٹر سائیکل بھی تو تیس گھنٹی گھڑی ہوئی ہے! میں نے جلدی سے چمکی سے ڈرائیور کے ہاتھ میں پتہ دے کر بھاگنے اور گھر کے پاس لڑکھٹائی میں موٹر سائیکل گھڑی ہوئی تھی۔ یہ گویا نقاب کا دور امرط تھا۔ میری موٹر سائیکل اس سفید کار کے پیچھے چلی ہوئی تھی اور اس کی ڈرائیور کے پیچھے کچھ چکر پریشان ہوا اور بھٹ کر زخمی رہا۔ میری برق رفتاری معلوم ہو کر تھیسے آدھی چل ہی ہوئی۔ میں نے کئی بار عین کیوں کیا اب ہوا ایسے ٹٹٹ اگر راہ میں کسی ٹریک سار جٹ سے مدد میوز ہو جائی تو اس لڑکی کا جان نامور ہوتا۔ نقاب کا انتقام! ای اسی ایٹھ! ایٹھ کے ایک بٹھے پر ہوا۔ اس کے اگلے میں علی گڑھ اور میں اس کے عمل وقوع کو ذہن نشین کرتا آگے نکلا جلا گیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وہاں دیک کر اس پاس کے محلہ سے اس لڑکی اور اس کے ساتھی جھٹکڑوں کے ہائے میں معلومات مل کر دیں مجھے بالکل اٹھان سے شہر بھاگ کر لگا تھی۔ میں کسی تاخیر کے لئے نہ گھبراؤں۔ میں نے سوچا کہ یہاں آتا ہوں۔ یہاں موٹر سائیکل زخمی کی ٹریک بڑے جا کر دیں اور ایک شناسا کے میڈیکل اسٹور سے بالٹے

”میں نہیں، وہ تو ابھی کہ عمر میں پہنچیں، باؤں کی ملازمہ نے میرے سوال
 جواب میں کہا، پھر شاید وہ خود بھی کوئی سوال کر بیٹھی اس لیے میں نے
 اس کے رسیور دکھا دیے اور اپنے خشنا سا کانٹھ پر ادا کر کے مزید بے فکر
 ہو نکل آیا۔“

انجمن کی المومن!

میں ملازمہ روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا اور گرم گرم کافی
 پی کر دے کے ساتھ گریٹ کا کھواں اڑانے لگا۔ میرے دماغ میں خیالات

ہم لوگ اگلے نویں تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔
 ایک پہنچنے سے قبل میں ایک بار پھر اس پتھار کے سامنے
 اٹھ کر اپنی شکل کو جانتے دیکھا تھا۔ اس مرتبہ میں نے
 اسے اس جگہ کا بھرپور زہن نشین کر لیا۔
 اگر مائیکل برنز روڈ کی طرف تڑپے بھر رہی تھی۔ اپنے
 اطراف منبھالا میں اور لینڈی سے رابطہ قائم کر کے
 منسلک کرنا چاہتا تھا تاہم کین مجھے اپنی اس کوشش
 بالکل مائل نہیں ہو سکی۔ میں نے اس کام کو کھڑی
 ہوتی ہی کیا اور غزالہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر
 لی۔ پہنچنے والوں کو میں سے ایک تھی اور جبکہ باؤ
 پھر پریشان تھی اس نے باؤ کا پتہ چلانے کے لیے
 مائیکل یا عمر بھر خود ہی پریشان لاحق تھی کہ باؤ
 سب جہ میں اس سے تیلیفون پر رابطہ قائم کر کے
 ملا ہے تو وہ شاید اصل ہی ہوں۔

۱۰۰ روز تہمتیں میں تھی زور سے جیتی تھی کہ میرا
 حاصل روزانہ بھیل سے گنتگو ہو۔
 نہ ہی بے تابی سے پوچھا۔
 اسے کس کیسٹو زینٹ میں بلاؤں، گھر نہانا تو مناسب
 ہے سہے ہیں؟ اہل نہ پوچھا۔
 اہل زلف۔ اب پتہ بتائیے؟
 میں نے اسٹمباہر پہنچ میں کہا۔

[illegible]

وہ بالوکی ہنسل کے باسے میں کوئی اخبار خیال کرنے کتنے چپ بھنگی تھی اور اب میں اس خفتنا میں مبتلا تھا کہ خروہ کیا بات ہو سکتی ہے جو بیکم تراب گراہے نہ چھپائی۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم بات ہوگی۔

کانڈر حق وہیں انگریزی پر بیٹھا اور اسی وقت ویٹر کافی لے آیا کافی پینے کے دوران میں کانڈر حق نے کہا کہ بالوکی ہنسل کے باسے میں سادی معلومات دیکھنے کے اندر اندر حاصل ہو جائیں گی۔ "بڑا قیمتی وقت گزرا جا رہا ہے۔ نہ ملنے والے نوکس عالم میں ہوں ان کی فائے سے ان لوگوں کو لٹنے چکے ہیں کہ وہ بھول نہیں گئے۔ ڈائٹر فنگ تو ان لوگوں کا بہت اہم آدمی تھا۔"

"ہیں اس آدمی کے باسے میں بھی معلومات حاصل کرنا ہوں گی جو ڈائٹر فنگ کی جگہ پر آتا تھا۔"

"فکس" میں نے کہا کہ وہ کراچی میں نہیں ہے۔ جب بالوفاٹ ہوئی تھیں یعنی اسے بارہ ہندو پون پیلے، تو میں نے اسے چیک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مل سکا۔ وہ نہ تو اپنے دفتر جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر ہے۔"

"تو بالوکی تاسا میں ہی تم کو شیر بھادری کی طرف رخ کرنا ہوگا۔"

"بظاہر تو کوئی اور صورت سامنے نہیں ہے۔"

کانڈر حق نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور پھر لولا بالوکانو شیر بھادری کے گھر میں قید کیا گیا ہے تو میں اس کی رات کو تیر چلاؤں گا۔ کیسے؟"

"میں چندی چھپے شیر بھادری کے گھر میں داخل ہوں گا اور ان کے ایک ایک گوشے کی لاشی لے ڈالوں گا۔"

"میں اور آپ ساتھ ہی ملیں گے۔"

"نہیں" کانڈر حق نے میری تجویز کو بڑی سختی سے رد کر دیا اور بولا۔ "ایسے کاموں میں بھیڑ بھاڑ، نقصان و فساد ہوتی ہے اس قسم کی مہمات تو بڑی نامرستی سے سر کی جاتی ہیں۔"

"اگر آپ بھی وہاں چھپنے گئے تو؟"

"بھگتے کے باہر میرے آدھے موجود ہوں گے۔ اگر میں ایک گھنٹے کے اندر اندر بھگتے سے نہ نکلا تو وہ شیر بھادری کے خلاف ڈاکٹر کی کیشن لیں گے۔"

"ہوں" میں نے سر ہلایا تب میری ٹھیک ہے۔"

"آپ نے فکس کے مسئلے میں جو قدم اٹھایا ہے اسے کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں کہا جاسکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اس لڑکی کا؟ غزالہ؟ وہ ان فنگز کے لوگوں سے کمزور اور بے گناہ ہے۔"

"وہ بہت ہی بڑا لڑکی ہے۔"

"مگر قسم کی تیز رفتار لڑکیاں جب اس قسم کے لوگوں سے ٹکراتی ہیں تو ان کی تیزی و رفتار کی دھنست ہو جاتی ہے۔"

میں نے غصے سے کہا کہ مجھے کانڈر حق کی بات اپنی زبان پر نہیں لایا اور میں نے بھگتے اس لڑکی کے باسے میں کچھ حق سے بڑھانے والے انداز میں کہا کہ میں نے نہ جلتے وہ اس وقت کہاں ہوگی۔

"اگر میں قینودا دیکھ لڑکی کا توڑ دے گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ بستر ہو گا کہ وہ ہمارے گھر میں آئے چھاپ لیں۔"

"آپ ٹھیک کر رہے ہیں مگر غزالہ لیا۔ بستر ہونا ہے۔ میں خود جا کر اس لڑکی نام میں پھر بھول گیا۔"

"غزالہ" میں نے اسے بتایا اور ہر لائے کے لئے کہ

جب ہم ڈسٹریکٹ سے نکلے تو اس آپ کو کہاں ڈراپ کر دوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ جا ضرورت غصے کو تو بیٹھیں گے کہ کانڈر حق بات ہے میں اس میں حاکم بات معلوم ہو تو مجھے فون پر بتا دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

میں کانڈر حق سے جدا ہو کر گئے جیسے خاصی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن ہو چکے تھے جن میں اس قسم کے کاموں کے واسطے میرے کانڈر حق کی اس غزالہ کو اس پگڑی دار لفظ میں ہے۔ اس خیال کو ذہن سے چھٹک دیا۔ پھر تر اس میں دماغ کو بچایا۔

گھر چلے میں ہی بستر پر گیا۔ بند کر لیں مگر اپنے دماغ کو آدم نہیں دماغ میں مسلسل متنی رہی۔ بالکل انداز ذہن سے چھٹک سکتا۔

دو گھنٹے میں بستر پر چڑھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو! میں نے ریسورٹ خاں کا آئی۔ میں قیلولہ رہا ہوں مگر غزالہ آئی۔ بالوکی ہنسل کے باسے میں کچھ سنے ہو جا۔ آپ کو بتا دوں۔"

میں نے غصے سے کہا کہ مجھے کانڈر حق کی بات اپنی زبان پر نہیں لایا اور میں نے بھگتے اس لڑکی کے باسے میں کچھ حق سے بڑھانے والے انداز میں کہا کہ میں نے نہ جلتے وہ اس وقت کہاں ہوگی۔

"اگر میں قینودا دیکھ لڑکی کا توڑ دے گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ بستر ہو گا کہ وہ ہمارے گھر میں آئے چھاپ لیں۔"

"آپ ٹھیک کر رہے ہیں مگر غزالہ لیا۔ بستر ہونا ہے۔ میں خود جا کر اس لڑکی نام میں پھر بھول گیا۔"

"غزالہ" میں نے اسے بتایا اور ہر لائے کے لئے کہ

جب ہم ڈسٹریکٹ سے نکلے تو اس آپ کو کہاں ڈراپ کر دوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ جا ضرورت غصے کو تو بیٹھیں گے کہ کانڈر حق بات ہے میں اس میں حاکم بات معلوم ہو تو مجھے فون پر بتا دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

میں کانڈر حق سے جدا ہو کر گئے جیسے خاصی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن ہو چکے تھے جن میں اس قسم کے کاموں کے واسطے میرے کانڈر حق کی اس غزالہ کو اس پگڑی دار لفظ میں ہے۔ اس خیال کو ذہن سے چھٹک دیا۔ پھر تر اس میں دماغ کو بچایا۔

گھر چلے میں ہی بستر پر گیا۔ بند کر لیں مگر اپنے دماغ کو آدم نہیں دماغ میں مسلسل متنی رہی۔ بالکل انداز ذہن سے چھٹک سکتا۔

دو گھنٹے میں بستر پر چڑھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو! میں نے ریسورٹ خاں کا آئی۔ میں قیلولہ رہا ہوں مگر غزالہ آئی۔ بالوکی ہنسل کے باسے میں کچھ سنے ہو جا۔ آپ کو بتا دوں۔"

میں نے غصے سے کہا کہ مجھے کانڈر حق کی بات اپنی زبان پر نہیں لایا اور میں نے بھگتے اس لڑکی کے باسے میں کچھ حق سے بڑھانے والے انداز میں کہا کہ میں نے نہ جلتے وہ اس وقت کہاں ہوگی۔

"اگر میں قینودا دیکھ لڑکی کا توڑ دے گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ بستر ہو گا کہ وہ ہمارے گھر میں آئے چھاپ لیں۔"

"آپ ٹھیک کر رہے ہیں مگر غزالہ لیا۔ بستر ہونا ہے۔ میں خود جا کر اس لڑکی نام میں پھر بھول گیا۔"

"غزالہ" میں نے اسے بتایا اور ہر لائے کے لئے کہ

جب ہم ڈسٹریکٹ سے نکلے تو اس آپ کو کہاں ڈراپ کر دوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ جا ضرورت غصے کو تو بیٹھیں گے کہ کانڈر حق بات ہے میں اس میں حاکم بات معلوم ہو تو مجھے فون پر بتا دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

میں کانڈر حق سے جدا ہو کر گئے جیسے خاصی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن ہو چکے تھے جن میں اس قسم کے کاموں کے واسطے میرے کانڈر حق کی اس غزالہ کو اس پگڑی دار لفظ میں ہے۔ اس خیال کو ذہن سے چھٹک دیا۔ پھر تر اس میں دماغ کو بچایا۔

گھر چلے میں ہی بستر پر گیا۔ بند کر لیں مگر اپنے دماغ کو آدم نہیں دماغ میں مسلسل متنی رہی۔ بالکل انداز ذہن سے چھٹک سکتا۔

دو گھنٹے میں بستر پر چڑھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو! میں نے ریسورٹ خاں کا آئی۔ میں قیلولہ رہا ہوں مگر غزالہ آئی۔ بالوکی ہنسل کے باسے میں کچھ سنے ہو جا۔ آپ کو بتا دوں۔"

میں نے ایک ایسی سانس لی اور کوئی سوال کرنے ہی والا تھا غزالہ پھر بولی۔ میں میری اس کے گھر میں پہنچ گئی تھی لیکن ملازم نے بتایا کہ وہ موجود نہیں ہے اور میں کچھ میری اس سے ملاقات کر سکوں گی۔ اس کے بعد میرے لیے اس کے ساکون کی چارہ نہیں تھا کہ اپنے گھر کو نہ جاتی۔

اب میں اس سے کل ہی مل سکوں گی۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس مسئلے کو بھولی ہی ماف تو بہتر ہے مجھے سے غلطی ہوئی کہ میں نے تمہیں اس پگڑی دار لیا۔ وہ اس خطرات کو گھوٹ سے بچنے کے لئے میں لبہ دوسرے ذرائع استعمال کر رہا ہوں۔"

"میں بالوکی خاطر رکھے بغیر اصول سے سختی ہوں رضوان خاں غزالہ نے بڑے جوش میں کہا۔

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیلئے۔ میں دوسرے بہتر ذرائع استعمال کر رہا ہوں۔"

"تو پھر کچھ بتا چلا؟"

"اس مسئلے میں آج کی رات بے حد اہم ہے۔"

"تو میں کب تک کون کون کر لوں گی؟"

"ہاں تو فون کر لیا۔ خود کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا! شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

میں ریسورٹ دیکھ کر اندر بڈل بڈل سے مصروف گفتگو ہو گیا۔ جن میں دہریں بگڑ گئے تھے۔ میں ایک بہ فیصلہ پر پہنچ گیا یہ فیصلہ یہ تھا کہ جہاں آج رات کانڈر حق نے شیر بھادری کے گھر میں کھینچ لیا تھا، اسی طرح میں اس لڑکی رضیہ کے بھگتے میں جا سکوں۔ یہ نامکن نہیں تھا کہ مجھے وہاں سے کوئی اچھا تر غلغلہ ملے۔

وہاں اس دھنسل لڑکی کو سوتے ہوئے دیکھا بھی کوئی کم خوشگوار فعل نہیں ہوتا۔ دروغ بزرگوں نے شاعر حسن اویدہ کو دیکھ کر ایک عجیب نشہ چھاتا ہے جس میں سوچ رہا تھا کہ اگر کچھ پروہ نشہ نہ چھایا تو میں کہہ دوں کہ اسے دھنسل تو آگ میں ڈال دوں گا جو میری کتابوں کی امانی میں ملو اور نہ ہوتے ہیں۔

آٹھ بجے میں اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو ہم مجھے دہریں میں آکر کے لیے آدمی رات گزرنے کا انتظار باطل فعل تھا۔ ایک ڈوٹ کے باؤٹ ابھی سے آدمی رات معلوم ہونے لگی تھی، بلکہ یہ شہر کو اپنی تو آدمی رات کو بھی اتنا تاریک نہ رہا تھا کہ وہاں میں جو آجنا ان دنوں آجندے شہر ہی میں ہو جاتا تھا۔

سڑک پر نظر آنے والی بڑے نام کا لڑکی کی طرح میری موٹر سائیکل کی ہینڈ لائٹ پر بھی کالا رنگ چڑھا ہوا تھا جس کی دھبے سے روشنی دو ایک نہیں پھیل سکتی تھی۔

پنی، اسی ہی طرح اب اس کے علاوہ میں پہنچ کر میں نے اپنا

مورٹا میں رضیہ کے بچے سے کچھ دھوکا لگا۔ ایسی جگہ کھڑی کر دی کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ وہاں سے میں پیدل روانہ ہوا۔ درمیان میں فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے میں پانچ منٹ میں بچے کے قریب پہنچ گیا۔ ارد گرد کے محل پر دیرانی مستطی کسی بھی کوئی مٹا جھوٹا تھا تھا باؤں بیٹیوں کی آواز سنائی دے جاتی تھی جو اس کاؤس بجائے تھے۔

میں کوئی پانچ منٹ تک بچے کے قریب کھڑا رہا۔ داخل میں اندھا داخل ہوئے کے لیے ہمت پیدا کر رہا تھا۔ آخر جب میں نے ہمت کر لی تو اچھل کر اپنے ہاتھ چار دیواری پر جما دیے۔ اس کی ہلکی کوئی آواز فٹ کے گگ بگ تھی۔ اس پر چڑھ کر میں اسی پر لپٹ گیا اور انھیں بچاؤ بچاؤ کر مارنے کا مزہ لیتے لگا تو مزہ میرے میں پٹا ہوا تھا۔ میرے کان کسی مروج آہٹ کو سننے کے لئے تیار تھے۔ آخر جب مجھے یقین ہو گیا کہ احاطے میں کوئی نہیں ہے تو میں دوسری طرف دھک کر بے ہوشی سے کود گیا۔ گود سے کہ بعد میں ذرا دیر کے لئے مجھ پر حس و حرکت ہو گیا۔ وہ جن میں ایک اس طرح رہا۔ اب جب کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تو میں ملن ہو گیا اور بے غفلت بچے کے برآمدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت تک یہ میرے نہیں معلوم تھا کہ میں کس طرح اندھا داخل ہو سکوں گا۔ یہ تو ناخن ہی تھا کہ مجھے کوئی دروازہ کھلو ہوا اس جاتا۔ اس قسم کے اتفاق صرف جاسوسی نادلوں میں پیش آ سکتے ہیں۔

بڑا دے کے سامنے پہنچنا بھرا تھا۔ میں نے اس کی ہمت پر چڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر چڑھنے کے بعد بچے کی ہمت پر پہنچنا بہت نامان ہو جاتا۔ دراصل میرے ذہن میں خیال بددش پار ہاتھ کر چھٹ پرانے جانے کے لئے بچے میں زہر نہ رہا ہوا ہو گا اور اکثر یہ اتفاق ہو جاتا ہے کہ زینے کا دروازہ بند کرنے کا خیال کیوں کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔ میں اسی اتفاق کی تلاش میں طالع آزمائی کرنا چاہتا تھا۔

بچے کے اندر روشنی تھی یا نہ تھا؟ میں اس سے بے خبر تھا۔ دوسرے سالانہ کی طرح وہاں بھی اس قسم کے اختلافات کیے گئے تھے کہ روشنی کی ایک کرن جس باہر نکل سکے۔ درخت لائن تک پہنچاؤ پورڈ یا اسی قسم کی چیزیں نکال دی گئی تھیں۔

میں نے چھت پر پہنچ کر زینہ تلاش کیا۔ وہ یقینی دیوار کے قریب ایک گوشے میں بنا ہوا تھا اور اس میں دروازہ لگنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ یہی ہے زینے کے ختم پر دروازہ فلوڈ ہو گا۔

بڑھیاں ملے کہ میں دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے اس پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازے کا ہاتھ دوسری طرف جیسے لگا تو میں ایک دم ڈک گیا اور دروازے سے کان لگا کر آہٹ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ جب مجھے ایک دم تک اطمینان ہو گیا کہ دوسری طرف کوئی نہیں ہے تو میں نے دروازے پر پھر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلنا چلا گیا۔

دروازے پر بڑا ہوا پردہ اس کے گھٹنے میں ڈھنسا۔ نے اسے جس اتنا ہی کھولا کہ دوسری طرف نکل سکے۔ یہ ایک چھوٹی سی ادا رہی تھی جس میں ایک میں نے آہستہ سے دروازے بند کیا اور پھر باجہا ہی تھا کہ میرے پیروں سے زمین نکل گئی۔

ادھار میں داخل میں جانب دروازے کے ہاتھ تھا۔ اس کی گھٹنے ہوئے دروازے میں سے ایک وہ بالکل سامنے تھا اور میرے قریب کوئی ایسی جگہ نہیں کر سکتا۔ میں قسمت ہی پر بھی تھی کہ اس شخص کی نظر مجھ دراصل دروازے سے نکلتے ہوئے اس کا رخ میری تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں جاسے کی ایک چابی سنبھا آگے بڑھ کر بائیں طرف نظر آنے والے ایک دروازے میں دھک کی ہوئے تھی مگر میرے ستاروں میں پہلے ہی اس میں سارا کھیل کر جاتا تھا۔ میں نے اس سے حرکت میں آ جانا چاہتے اس سے پہلے کہ میرے کمرے کی کئی کئی پریشانی پہنچ جانا چاہتے تھا۔

میری دائیں جانب کھلا ہوا وہ دروازہ ۱۱ کے آگے اسی دیوار میں ایک اور دروازہ تھا جو گانا میں نے اسے کھول کر دیکھنے کی ذمت نہیں کی۔ پاؤں اس دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے وہ آواز دروازے پر بھی پر پڑے ہوئے تھے اور وہ تھی مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ لاؤنگ تھا میں لاؤنگ چیمبر پر دی ہوئی تھیں۔

لاؤنگ بہت بڑا تھا اور اس میں کئی کئی ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس سے کچھ آوازیں پہنچ رہی تھیں۔ میں پلٹا ہوا اس دروازے کے آگے میں قانونی سمجھا ہوا تھا اس لیے میرے قدموں کی دروازے کے قریب پہنچتے ہی میں نے آواز سنی۔ وہ بڑے پرانے انداز میں کسی سے کہہ رہی تھی کہ میں کوئی تھیں تو میں ہاتھ کے جسم کے ایک اچھے متعلقہ دوں گی۔

میں نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ دینا ہی پر پڑی جو دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا اور اس میں ایک نظر آ رہی تھی اس کی نظر رضیہ کی طرف کر انداز میں ایک گوشے کی زینے تھی کوئی تھی اس کو ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں جاسے کی چابی تھی

میں موجود تھا اور جن دو جگہوں کو میں نے اسٹیشن میں لے آئے تھے۔ ان لوگوں کے کھڑے ہونے کا انداز کچھ سے کسی کی نظر بھی دروازے کی طرف نہیں اٹھ سکتی تھی۔ مجھے جانتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے جب

کہ کہ مجھے خاصا قریب ہوا۔ یقیناً وہ آدمی خبر بہادر کا گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ کوئی کارٹر لنگھنے کی ادھر پھر اس نے کس طرح شیر بہادر کے ایک آدمی سے کہا کہ میرے پیٹھ میں کھنڈی کا ایک کھنڈی پر باز کی پٹیاں کئی ڈرامے نہیں تھی۔ وہ واقعی بالو کی تلاش

یہاں آگے، رضیہ میری۔ وہ انگریزی میں ہلکا کر رہی تھیں کچھ کہتا ہو گا۔

ہاتھ سے رخسار کر جانے کی پالی میز پر رکھی اپنا دیاں ہاتھ اپنے گیس کے نیچے ڈالا۔ گیا۔ میں اس کے اس انداز سے بڑھنے کا کیا کچھ جنتا تھا کہ رضیہ نے اپنے کمرے کے ایک چاک باندر کھٹا کر کھل دیا تھا۔

اس کی آواز کے ساتھ کہے کی فضا میں گھوما اور پھر کچھ کر دینا کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے خود داستان کی اسٹیفٹ ٹیوں کا تصور ابھرا آیا۔ ای کی ہوئی تھیں! لاہمی پر چاک پر سامنے شروع کر دیے اور دیشائی ذریعہ کی طرح جیتنے لگا۔

میں نے سوچا کہ میرے پیچھے کوئی موجود ہے لیکن یہی جگہ اس کی صحت نہیں مل سکتی۔ کسی نے مجھے پوچھ کر دیکھ کر بے کئی محسوس کرنے تھی۔ ایک عجیب عالم کو پرانہ کر دیا اور میرے حواس نابل ہو گئے۔ کچھ میں آتو میں ایک جگہ سے سجائے کہ میرے ایک ہدم و سامان اس کے کھل کوئی کھڑک سے دلی روشنی اندر

تھی۔ ایک خوبصورت ہاتھ نے پردہ نہر لایا اور پھر جیستی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بالو کی شکل جیستی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار تیش کی آواز نکل گئی اور میں نے سمجھ لیا کہ میں بدستور اس جگہ میں ہوں جہاں پہلی رات چوروں کی طرح داخل ہوا تھا۔

”ہیلو“ وہ میری طرف دیکھتی ہوئی بڑے ساٹ لیجے میں ہوئی۔ میرے منہ سے جواباً ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ میں اس کا منہ کھٹا رہ گیا تھا۔ وہ مندراس میں بیٹے کی طرح ملک رہی تھی۔ ”گرتھ ناشتہ کرنے سے پہلے غسل کرنا چاہو تو یہ ہاتھ دم ہو چکے ہیں“ اس نے ایک گوشے میں بیٹے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ!“ میں مسکرایا حکم تو میرے لئے بڑا تکلف کر رہی ہو ضرور ہے۔ میں نے بڑے پیار میرے لیے کہا۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر آہستہ سے ہوئی ”خوب آتو تم میرا نام بھی معلوم کیجئے ہو؟“

”دل کی جگہ بہت بڑی ہوتی ہے“ میں نے ٹھنڈی سانس کے کرکلا۔ ”دل کی جگہ کتنے ہیں؟“ اس نے خشک لبے میں پوچھا۔ ”ناپا عشق کے منوں میں مستقل ہے“

”قرضیں مجھے عشق ہو گیا ہے؟“ ”ہاں“ میں سنا کہ دل و فتنہ بھری۔ اگر تم میرے دو چار ٹیوں کی ماں بننا پسند کرو تو میں.....

”بھولنا تم میں مت کرو“ اس نے منہ بنا کر کہا۔ ایسی باتوں پر میں نہ تو غصہ کر سکتی ہوں نہ مجھے فتنہ آ سکتا ہے۔ میں نے یہ کہو اس عرض اس لیے شروع کر دی تھی کہ سجدہ کی سے بات شروع ہونے سے قبل میں کچھ سوچ سمجھ لے۔ فیصلہ کرنا ضروری تھا کہ آج اس ٹوکی سے گنگو کوستے ہوئے مجھے کس پہلو سے احتیاط برتنا چاہئے سوچنے سمجھنے کی ضرورت حاصل کرنے کے خیال سے میں بہت غلط

ہاتھ دردم میں ہلکا سا ملنے لگا اور کوئی آواز نہ تھیں تھا کیونکہ میرے پاؤں تبدیل کرنے کے لیے کپڑے ہی نہیں تھا وہ جیت تک کپڑے تبدیل نہ کیے جائیں گے۔ نہ مانا بلے سو معلوم ہوتا ہے۔ ایسے منوں پر میں صرف منہ دھوئے پر کھٹا کرتا ہوں چنانچہ اس وقت میں نے ایسی ایک کپلہ منہ دھوئے تو لیے سے کھڑا ہاتھ خشک کرنے اور دال میں سے کپور لگے ہوئے آئینے میں دیکھ کر ال دست کہنے میں نے نہ نہ دروازہ صرف کر دیے اور اس دوران میں صورت حال کا تجزیہ کر کے فیصلہ بھی کر لیا کہ اب مجھے اس لڑکی سے کس انداز میں گفتگو کرنا چاہئے۔ جب میں ہاتھ دھوئے نکلا تو وہ ڈاکنگ جیپر پر بیٹھی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میری آہٹ سن کر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آ کر مجھے سے ہوئی۔ جیٹھ جاؤ۔ ناشتہ آسنے کی دال ہے۔ میں اس کے سامنے دھری کر کسی پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے طور طریق سے ایسا اطمینان ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی میری زبان تھی اور میں نے بہرگز

تکلف اس کاماں میں قبول فرمایا تھا۔

وہ چند لمک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی : اگر کل رات میں آپس کو نون کے گھنٹے میں بیٹھتے چور، گرفتار کرادی تو کیا رہتا؟

”ہمارے آواز میں نے جبکہ کر کہا: میں پولیس کو بتانا نہیں اس
وینٹا کو خیرانے بھڑا ہے، غور کر کے اس بچے میں تیرا گیا ہے یہ
پولیس کو! وینٹا کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی میرے کارناں
کبھی نہیں ہرے، بہت تیز حرکت کی قائل ہوں۔ اسی لیے ہوا زل کے
لوگ مجھے مہربان کرتے ہیں۔“

”سامیوئل! کیا چیز بڑی ہے؟“ میں نے شاید کہیں جھپکاتے
 ہونے پر چھانٹ لیا۔ مگر بغیر کہیں جھپکاتے ہوئے پوچھ لیا۔ اور اصل
 بات اس دن مجھے ٹھیک سے یاد نہیں رہا۔

”ساجد اس نے سنجیدگی سے کہا یہ برازیل میں ملاقاتی کامیوں
 کا ایک روائتی پرندہ ہے جسے صبح معنی میں صبح میں نہیں کہا جاسکتا۔ اس
 جانور کا سر متکب اور اونٹن کا دھڑو بھی مگر جسمی خوشنور جو اپنے کاسا ہوتا
 ہے نقصان دہ ٹھنڈے لوز پر زبرد کرنے میں کاکو کی تائی نہیں جوتی“
 ”گو یا تم مجھ کو اٹان آؤ“

”اے ہمارے نیکو لوگو! ایک غیر متعلق سی راہ پر نکل گئی۔ وہ مجھے چھوڑ
کر بولی۔ بات کل رات کی ہو رہی تھی۔ آخر تم کس ارادے سے یہاں تھے
تھے۔ تم مجھے کیا سمجھو ہے۔“

”نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ میں کیا کر سکتا تھا۔“ میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا، ”یہ تو مجھے کیا سمجھتی ہو؟“

”تم ایک شہر سے تشریف لے کر کھانڈے انسان ہو اور اپنی بے بسی باتوں سے اپنی کو تک کرتے رہے ہو۔“

”اپنی؟“

”میرا استاد ہانکی طرف ہے۔ میں اُن کی چھوٹی بہن ہوں۔“
 ”سُکھ بہن؟“ وہ نے حیرت سے پوچھا۔
 ”ہاں۔“ اُس نے جواب دیا۔ ”ایسی شہادت بہنوں ہی میں مل سکتی
 ہے۔“ میرا پورا نام میرا ہاتھ ہے۔
 ”یہ جی جاکر اس کی بات پر یقین کرو۔“

وہ ہوتی دیکھنے میں سے انہیں جا رہا ہے کہ وہ کچھ شاید بھی
کچھ احکامات بھی نہ جانتا لیکن ایک ایسا معاملہ پیش آ گیا ہے کہ ان سے
بیکر کی طاقت نامور ہو چکی ہے۔ جب میں کوئی بھی نو تہہ جلا کہ وہ پارلر
مطربہ بلا تہہ ہو چکی ہیں۔ پھر پوری تنہا ہی سے ان کی تلاش کیلئے صرف ہو
معمولی اداس طرح ان کے مت سے شمسائیر کی نظروں میں آ گئے۔ انہی میں
سے ایک تھیں جو یہ بات بھی میرے علم میں آئی تھی کہ غیر معمولی حالات میں
بائی ترم زیادہ جرمسور تھیں کہ اس لیے میں نے تمہیں یہ کوئی نظر نہ

تمہاری بلذنگ کے پوسٹ مین اور میل گرام لائنوں
ساتھ فرمایا تھا۔ تمہاری ڈاک تم سے پہلے میری نظر میں
دراصل میں نے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا کہ

بھی رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔ نیز خاک سے تو جھکے کہ
اس ٹیبلگرام نے مجھے بہت اسودہ کیا جو تمہیں ہندی
ہمراہ اٹکا رہی تھی کہ بلانڈینہ ٹرین کر پائی ہے (میں
میں سے غصے کو کیا کہ اب باؤسے (جی بی ٹی) سے
کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کے اسحاق ہی ہوئی۔ رستہ پر
نڈبان کی تھی۔

نا خوب! جب وہ خاموش ہو گئی تو میں نے کہا
 کی جھوٹی مین ہو! ”
 ”یہ خیال ہے کہ اب اس سلسلے میں تمنا
 پھانسی۔“

”چلو جو گئے؟“ میں نے اکتاہٹ بھرا کر کہا۔
 ”اب یہ باقی کی تلاش کے سلسلے میں ذکر کرو۔“
 ”بندہ مبر و چشمِ حاضر ہے۔“ میں نے بیس نہرا۔
 ”مصحفِ دین نہیں چسپے گا۔“ وہ منہ بنا کر اٹھ اٹھا۔

اکل سے پہلے کر میں کچھ کہتا، ایسا ہی
 کمرے میں لایا۔ یہ دبی آدمی تھا جو کل رات اپنا کمرہ
 کو میرے سامنے آگیا تھا لیکن اس کی نظر

جب وہ کرے چلا گیا تو یہ کہ
میں نے مجھنا تھے نہیں کیا ہے۔
میری خوشی وہ اب کا درد حق کی طاقت
رہا کرتے نہیں کل رات اس کے ساتھ کیا جیت
کے گھر میں کسی جگہ اب تو کھانا کر لیا ہوا ہے؟

”کہاں کھو گئے؟“ رضیہ نے مجھ کو
”آں!“ میں چونک گیا اور پھر ہنسنا لگا
تھا کہ تم باؤسے بھی دوچار ہوا آگے مسلمان
جدا توئی کا سرخ کی نگاہ تیرا دم اس ویت
میں تو دلچھک کر رہی ہو گی!“

وگفت مرنای سخت جان ہے میں
 قابل تو بھی اس نے پس تنہا بیکار نوئی کل
 شام ہونے کے بعد واپس کوئی تھی ہے
 دھکن ہے وہ اس سے زیادہ طا
 "شاید... شاید" وہ بڑبڑا کر دھک
 میں ان باتوں سے دران میں ط
 جبکہ رفیعہ نے صرف دعا پڑھ کر ہونے لگا

ہزاروں حاجی کے یکساں ملت رہے ہیں
بہر بات بتانے پر تیار ہوں لیکن ایک شرط

ہائے میں تاؤچی ہمیں لے کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر
 کی کیفیت بڑی پر اسرار ہے جس نے مجھے بہت
 تم اختیار سے غیور کی باشندہ معلوم ہوئی ہو کیونکہ
 دل کے پاس پورے پر ہوئی ہے تمہاری باتوں
 ہے کہ وہ عرصہ دو دن سے بڑی میں رہ رہی ہو
 ہا ہیر کہنے میں لیکن میں جو لوگ اسے ساقی

میں نے دیکھتے ہیں یہ عجیب وغریب ملاپ کیا مینا؟
میرا دل اس مٹے کو کھینچا جانتا ہوں۔
میں نے دیکھا ہے، مقلدانہ انداز میں میری طرف دیکھ
کھانسی ہے کہ تمہاری یہ شرط پوری نہیں کر

میں کیا قیاحن ہے؟“
 کہانی سے باخبر ہو، یقیناً نہیں ساگر تمہیں اس کو
 نہ کبھی تمہارے جیسے اتنی چڑا سزا نہ دے جاتی۔ میں

”ہاں، اے میں کیسے تباروں؟“

میں ہمارے کام طلب یہ ہو گا کہ تم نے ابھی کے بل پر
 دیکھو کہ ابھی اپنے اسی کو یہ شبیدہ رکھنا چاہتی ہیں
 کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی ہے
 ملو تو تم نے مجھ کو ارجعہ دیا۔ آخر مالک کے مافی

۱۰۔ یہ فرشتہ کھڑا چاہتی ہیں یہ
 کہ ان ہی کے کراہے سمجھ سے یہ نوحہ کرنا عبث ہے کہ
 خواہ تم مجھ سے کلاموں کو یاد کرو۔
 یہ فرشتہ کہ خواہ تم مجھے بتاؤ بارے بتاؤ۔ میں
 اس میں کیا۔

[illegible]

بلدیہ ایک سیٹکنیں پر لگائیں اسانی باریک ٹیکنیں میں نے کبھی کسی کی پیشانی پر نہیں دیکھی۔

رضیہ نے کسی اجنبی زبان میں اس آدمی سے کچھ کہا اور پھر

کھڑی ہوئی ہوتی مجھ سے بولی رستم ناشتہ کرو۔ میں ابھی پانچ دس منٹ میں آتی ہوں۔“

”کوئی آیا ہے؟“ میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”وہیں اس کا تانہ لگی اس نے کہا اور مڑنے کے طرف سر مڑ گئی

جو آدمی کارڈ نے کرایا تھا وہ اس سے پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا۔

مجھے گریہ ہو رہی تھی، میں ناستہ چھوڑ کر دروازے کی طرف بھاگا
میں نے جب تک کہ باہر دیکھا اور مجھے تہہ چل گیا کہ رضیہ کدھر گئی تھی۔
میں بھی کمرے سے نکل کر اسی طرف بیٹھا۔ گریہ نہ تھا کہ ان جگہوں میں
سے کوئی مجھے روک نہ لے مگر خوش قسمتی سے کوئی میرے سامنے

نہیں آیا اور یہ ڈراؤنیگ دم کے دروازے تک پہنچ گیا جہاں رضیہ اپنے ملاقاتی سے کہہ رہی تھی کہ فرمائیے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟

”مجھے علم ہوا تھا کہ آپ ایک ایسی خاتون کی تلاش میں ہیں جن

کو بھیجے بانو کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ ایک مروتانہ آواز سنائی دے گی۔
میں نے وہ آواز نہایت دیر اندیشی سے سنی لیکن اس پہ پہلے میں مجھے
لمحوں کی بھی دیر نہیں لگی۔ وہ پیر ٹنڈنٹ روٹ تھا۔ میں نے اس اعتبار

اپنا سر اجلیٹ میں ہلانے لگا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ بیکم کتاب کو اٹھانے سے رکھ دے گا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ صبر کرنے لگا۔ اس نے کہا: ”میں تم سے اس کتاب کو لینا چاہتا ہوں۔“

میں کہا۔
 "صرف بے بنیاد بلکہ نوبے" رضیہ کے لہجہ میں بھی سختی
 اُڑ رہی ہے۔
 "اگر میں بے بنیاد ہو گیا میری خواہش تو یہی تھی کہ اندر داخل

ہو جاؤ لیکن رضیہ کا یہ رویہ ایسا تھا کہ مجھے کہتے اس انداز سے کہ :
 رہنا پڑا۔ اگر میں اندر داخل ہو جاتا تو رضیہ کے عیث کا پل مکمل جاتا
 جبکہ اب میں کل طور پر رضیہ کے موافقت میں ہو چکا تھا۔ مجھے یقین آچکا تھا کہ
 رضیہ واقعی ان کی چھٹی بن ہے بنانچہ میں دو دروازے ہی پر کھڑا ہوا ان
 دونوں کے بائیں کنارہ پر۔
 ”آپ غلط بیانی سے کہہ رہے ہیں صرف چال کی چھید نہ کریں گی۔“

473

دقت نہ رہا تھا اور غالباً اس پہ چیدگی سے آپ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

”وہ آخر آپ کو یہ اطلاع دی کسی نے ہے؟“

”یہ آپ کو نہیں بتایا جاسکتا۔“

”تو پھر بہتر ہو گا کہ آپ میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔“ رضیہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”آپ قانون سے کھیلنے کی کوشش کر رہی ہیں؟“ روف بولا۔

”آپ میرے کھیل کو بالکل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟“ رضیہ نے روف سے بھی زیادہ جارحانہ انداز میں کہا۔ ”اور اگر آپ کے ٹھکنے سے پہلے ہمدرد کوشش جاری رکھیں تو میں اپنے مندرت خانے سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔“

”بہتر ہے۔“ میں بار بار ہوں۔ ”مندانہ بھی میرے ٹھکنے کا کوئی خود اپنے رابطہ قائم نہیں کرے گا لیکن جانتے جانتے میں ہمدرد نہ دینا چاہتا ہوں کہ قانون کے اقتدار میں جیسے جیسے میں اند کوئی بات بھی زیادہ غصے تک قانون کی آنکھوں سے اڑھل نہیں رہ سکتی۔“

”مندانہ ڈراماٹک روم میں جھانکا۔ روف نے لیے دیگ بھرتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف جارہا تھا۔

”اب سمجھ وہاں کتنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی میں تیزی سے مڑا اور لیے پاؤں دوڑتا ہوا اسی کمرے میں آٹ گیل میں نے فنی پاٹ اٹھا یا اور لیے سننے رکھی ہوئی چابی میں جانے اندھیلے لگا۔

”کوئی یمن منٹ بعد جب رضیہ کمرے میں آئی تو میں کسی کی پشت سے لپکا ہوا چھانٹنے کے ٹھوٹے سے رہا تھا۔ رضیہ صبح میں ڈوبی ہوئی میرے سانسے ابھی ادھیر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”کیا یہ اطلاع تمہارے ذہن سے اس تک پہنچی تھی؟“

”کوئی اس اطلاع؟“ کس کی بات کر رہی ہو؟“

”بے روف نہ بننے کی کوشش مت کرو۔“ رضیہ نے منہ بنا کر کہا۔ ”تم دروازے پر کھڑے ہو کر ساری باتیں سن چکے ہو۔“

”میں حجب کیا اور پھر تہہ سے بولا دیکھا تمہارے سر کے پچھلے حصے میں بھی آنکھیں ہیں؟“

”میرے سر میں صرف دماغ ہے جو جو جانا ہے۔ میں نے تمہاری غلط حرکت کو جس حد تک سمجھا ہے اس کی روشنی میں میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت تو تجھے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ میرا اندازہ ہی تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے ڈراماٹک روم تک پہنچے ہو گے اور تمہارا اس سوال سے میرے انداز سے کوئی تھک چکا ہے۔“

”خدا کی پناہ! میں آنکھیں مچھا کر بولا۔ کیا برازیل کا وہ پرندہ سا بری؟“

”ملا کا ذہن! وہ میرے انداز پر مسکرا اٹھی۔

”مجھے یقین نہ آتا ہے۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔

”لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”روف کو تمہارے بارے میں بیگم کوڑھ لگا۔“

”گائیڈ کریں نے تمہارا ذکر صرف بیگم پر اس کتاب کوڑھ سے۔“

”میں؟“ رضیہ اس طرح سر ہلنے لگی جیسے واقعہ ہو۔

”لیکن روف کے ساتھ تمہارا رویہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”کیوں؟“

”ظاہر ہے کہ تم روف کو بالآخر دشمن تو نہیں کہہ سکتے۔“

”تم اپنا حلیف بنائیں تو لازمی تلاش میں کچھ آسانی میں ہو گا۔“

”میں روف کی آڑ میں سے دوڑ رہی رہنا چاہتا ہوں۔“

”وہ لوگ مجھ سے یقین ایسی باتیں معلوم کر سکتے ہیں جو میں کبھی نہیں بتانا چاہتی اور یہ بتانے کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جی ان باتوں کو پھر شہید ہوں۔“

”تم سے یہ کھٹکوں کے کو میرے ذہن میں آتا ہے۔“

”اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ باقی نے اپنے اپنی شخصیت کو بے حد رازدار بنا لیا ہے۔“

”میں نے جانے کچھ آخری ٹھوٹے کے رکھا۔“

”میں رکھ دی گچھ آخری پر ہدف کو لے کر بڑھایا۔“

”پر ہونا چاہیے تھا۔“

”کیوں؟“

”میں نے بالآخر تلاش کے سلسلے میں کہہ سکتا ہوں کہ اب تک ان کا نتیجہ تو نکل آیا ہو۔“

”میں نے یہ ملو دھڑلے کر لی جاسکتی ہے۔“

”میں یقیناً تمہاری باتوں سے جیسے نوٹ ایک نکال رہی ہوں۔“

”اے مجھے بیرونی دروازے کی طرف سے جاری تھی تو میں غور سے دیکھ رہی تھی۔“

”میں نے جواب دیا۔“

”اے مجھے گھور کر دیکھا۔ وہ سیدھے نظر اڑی تھی۔“

”میں نے پوچھا۔“

”کہہ اسی وقت پوچھ ڈالو گے؟“

”میں نے انداز میں حالہ تھا لہذا میں چپ ہو گیا۔“

”میں نے اس طرف مل پڑا جہاں کل رات میں نے اپنی گھڑی تھی۔ وہ بدستور اسی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔“

”وہ منٹ میں اپنے گھر پہنچ گیا۔“

”میں نے روف سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ اگر میں اس سے رابطہ کر سکتی ہوں تو میری کوشش کروں۔“

”میں نے اس غلطی کی اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ مائٹ روف کے فون میں اس انتظار کی روف سے کسی حد تک چھکارا حاصل ہو گیا۔“

”میں نے اخبار پڑھ کر کچھ صورت حال سے آگاہی حاصل کر لی۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

”میں نے اس بات پر یقین کیا کہ اس روز کا خبر یہی ہے۔“

478

عُملت ظاہر ہو رہی تھی جیسے اس میں نور

ایک سال چوتھا؟“ وہ بولی۔

479

کہلنے میں آئے تھے مجھ سے نہایت سادہ دل کیا ترس و حیران
 کوئی اپنا بٹولی نہیں ہے جہاں سے کھانا آئے؟
 یہ علاقہ تو صرف تھاری اور کباب کے لیے مشہور ہے
 کباب کھلے جانتے ہیں؟
 اس کے لیے مجھے خود جانا پڑے گا
 زولا سے منگو لیتے ہیں؟
 زولا کون؟
 میرا ملازم؟
 وہ کہاں ہے؟ اسے تو قمر نے شاید واپس بھیج دیا
 انہیں، وہ بلاؤ گے کچھ کھڑا میرا انتظار کر رہا ہوگا
 غرض یہ کہ زولا سے کباب اور دوٹیاں منگوا کر کیش جن سے
 ہم لینے لیتے پٹ کاٹھا چرکھا۔ رضیہ نیز مرچوں کی عادی نہیں تھی
 اس لیے کھانے کے دوران میں اس کے آٹھویں ہتھے بے حد اور سیپھی
 گراس کے بار جو اس نے خوب ڈٹ کر کھا یا۔
 کھانے کے بعد ہم نے چلنے میں جی جو میں نے خود بنا ہی تھی
 ادا پائے چیتے وقت مجھے خیال آیا کہ میں اور رضیہ ایک دوسرے سے
 اس طرح محفل مل گئے ہیں جیسے برسوں کی یاد اللہ ہو۔
 غرض وہ بڑھ چکی ہے۔ میں بڑھ گیا۔
 کیا مطلب؟
 اب تو بتاؤ کہ یہ رہا۔۔۔۔۔
 مجھے انہوں نے رضوان اس نے میری بات کھانے ہوئے
 سوچ کر سے کہا اگر میں کچھ بتاؤں گی تو باقی کا راز افشا ہو جائے گا نہیں
 جو کچھ معلوم کرتے وہ باجی سے معلوم کرنا۔ میں اس آسانی سے ہنسنے لگی کہ
 کبھی باجی کی تلاش ہے اور میں رسا سے پہلے باجی تک پہنچنا چاہتی ہوں
 اگر وہ مجھ پر سبقت لے گیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ ہم تیرے گھر سے
 یہ کہہ کر چلے گئے کہ تیرے باجی کی تلاش کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا ہے
 اور نہیں پتے گھر پہنچ کر اس کا بیخبر معلوم ہوگا۔ چہرہ کا بیخبر معلوم ہوا؟
 "ہائیں نہیں شہ"۔
 "یعنی؟"
 "کل رات ہم ایک ساتھی شہر ہمارے گھر میں گھس گیا تھا۔ وہ وہاں
 کا ایک ایک کو ناکھیر کر رہا۔ باغیچوں قندیں ہیں؟
 "تم مجھے بیانی ان تمام گھڑیوں کے بارے میں بتاؤ جو انہوں نے
 گزشتہ دنوں جاری رکھی ہیں۔ لیکن سے کہ وہ معلومات حاصل کرنے کے
 بعد میں ان کی تلاش میں کوئی بہتر قدم اٹھا سکوں؟
 "ٹھیک ہے۔" رضیہ نے سر ہلایا۔
 میں نے باجی گھڑیوں کی کمانی کا آغاز فرخ کے واقعے سے
 کیا اور بڑی تفصیل سے ایک ایک بات بتاتا چلا گیا۔ پچ پچ میں رضیہ

کوئی نہ کوئی کمانی کی اور ہے
 اس طرح ہر معاملے کی شکل تشریح ہوئی
 جب یہ ساری کمانی خبر ہوئی تو ہمارے
 رضیہ کی گھڑی میں خوش میں ڈوب گئی اور
 ہی لگا تھا۔
 "کمانی تھی۔" رضیہ نے بڑبڑائی۔
 "مکان ہے؟"
 "ہاؤس پر ہمیشہ اٹھا کر رہی تھی۔"
 "گو باجی ہمارے مکان کی شکل
 "یعنی؟"
 "یہ قلم کتاب گڈھ کا چیر میں
 "بازو سے ان کی بہت گھڑی
 "جسے باجی کے پاس میں بھی لکھ کر
 وہ چونک کر گئی تھیں۔ غالباً وہ ہمارے
 رضیہ نے لا رہی تھی سے
 بعد بولی "میں ان سے ایک ملاقات
 میرے ہاتھ میں لکھ کر جاتی ہیں؟
 بات چیت میں کچھ ہوئی تھی
 "کون کیا؟" میں نے بڑبڑایا
 تو نہیں؟
 "سوال میں نہیں پیدا ہوتا۔
 جب تک اس نے نہیں ملاؤں گی۔
 "تو چہرہ پر اس کی کوئی واقف
 چلی جاؤ۔ وہ جو بھی ہے میں اسے
 کر دوں گا۔
 رضیہ نے سر ہلایا اور ہنسنے لگی
 میں دروازے کی طرف ہٹا
 کھول دیا۔
 مجھے تو قحط کی خبر نہ تھی
 اسے دو دروازے پر دیکھ کر مجھے ڈنڈا
 بھی دکھایا تھا کہ کلیٹ میں رضیہ
 ایک بل میں بہت سی باتیں
 تبدیل ہو چکی تھیں۔
 "اتھا۔" پھر چند منٹ روٹ
 مسترت کا اظہار کیا کہ اندول کی
 کہ نازک صورت حال کا سامنا
 "ہیلو! زوف کراہا۔
 "میں نے سوچا پڑے گی۔ وہ آسانی سے سیدھی راہ

پر آنے والی نہیں معلوم ہوتی؟
 "اگر میں اس سلسلے میں آپ کے کسی کام آسکوں تو حاضر ہوں؟"
 "آپ سے ملاقات کرنے کا قصد یہ ہے کہ آپ کچھ کام آئیں؟"
 زوف نے سن کر کہا کہ لیکن فی الحال میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا
 ہوں کہ کوئی میں باجی گھڑیاں کیا تھیں؟
 "میں آپ کو تفصیل سے بتا دیتا ہوں؟"
 "میں میری خواہش ہے؟"
 جو کچھ میں نے رضیہ کو بتایا تھا، وہی زوف کے سامنے بھی دہرایا۔
 اس کمانی میں غزا اور کمانڈر جن کا ذکر بھی آگیا تھا۔ جب میں سب کچھ
 بیان کر چکا تو زوف نے باجی میں تبکہ کو بھڑکایا غالباً ان سب باتوں
 کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔
 "میں خیال ہے کہ آپ چلنے پنا منور پانہ کریں گے۔" میں نے کہا۔
 "اگر آسانی سے مل جائے تو کیا آتے ہے مجھے بہت دیر سے
 چلنے نہیں ملی؟"
 چائے کے جو برتن پہلے سے ڈرائنگ روم میں موجود تھے وہ بٹھا
 کر میں باجی چلنے کی طرف جانے لگا۔
 "کیا آپ تنہا چلتے ہیں؟" زوف نے پوچھا۔
 "بالکل تنہا۔" میں نے سر ہٹا کر کھڑے ہوئے کمانڈر انگلڈم
 سے نکل گیا۔
 جب میں باجی چلنے میں چلے بنا رہا تو ٹیلیفون کی گھنٹی
 بجنے کی آواز آئی۔ میں نے جلدی سے شکر کا ڈپر ہاتھ سے رکھا اور
 باجی چلنے سے نکلا۔ جب میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو یہ
 دیکھ کر میری جان کل گئی کہ زوف اندرون میں کسے میں داخل ہو چکا تھا۔
 میری آہٹ پر اس نے صرف سر ہٹ کر دیکھا اور لولا لولا
 کیجے گا میں نے سوچا کہ آپ باجی چلنے میں مصروف ہیں اس لیے
 میں ہی فون وصول کر لوں؟
 "ٹھیک۔" کوئی بات نہیں؟ میں ہلکا گیا اور پکے کر کمرے میں داخل
 ہوتا ہوا زوف سے آگے نکل گیا۔
 رضیہ کمرے میں موجود تھیں تھیں میں نے اطمینان کی سانس لی
 میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ہاتھ درم میں جا چکی ہوگی۔
 فون مسلسل جیج رہا تھا میں نے جلدی سے اس کا ریسپونڈ لیا
 اور اسے تھیں میں بولا "رضوان اسپیکنگ؟"
 "کمانڈر جن؟" دوسری طرف سے آواز آئی "میں آپ کو اس
 وقت تک تھوڑا شاک خبر پہنچا رہا ہوں۔
 "کیا ہوا؟" میں نے گھبراہٹ سے پوچھا۔
 "غزا اور کمانڈر غزا کر گیا ہے۔"
 "ارے ایسے؟" میں تعجباً ہی جیج اٹھا تھا۔

اور اپنی بلند نگ کے سامنے پایا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر
میں باقہ روم میں جاگھسا اور غنم
بعد باورچی خانے میں جاگھسا اور تا

مختار اور پھر بڑایا "نہ جانے دہریے
"بس پڑی اور پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو کر بول

کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ بول پڑی۔ جس اب نہیں رو رہا تھا۔
 ”یہ جانا چاہیے“
 ”یہی...“ مجھے غزالہ کا خیال آگیا۔

”مانی گاؤ: تمہیں کراچی کے مقامات اور راستے بھی معلوم
ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پہلے بھی کراچی آچکی ہو۔“
”قطعاً نہیں۔“
”پھر تمہیں یہاں کے راستے کیسے معلوم ہوتے؟“
”میں نے کراچی کا نقشہ دیکھ کر سب کچھ ذہن نشین کر لیا
ہے۔ میری یادداشت بہت تیز ہے۔“
”ویریں خوب!“ میں نے ایک: ”یہاں سانس لے کر بے اختیار
کئی طویل سانس لیں۔“ مگر مانا اس کا مطلب ہے کہ تم بانو کی بھی
گنجی ہو۔“
”چھوٹی سن۔“ رفینہ نے تعجب کرنے والے انداز میں کہا۔
”لیکن حرکتیں تو چھوٹی سن کی ہی سہی ہیں۔“
”ابھی تم نے میری وہ حرکتیں تو دیکھی ہی تھیں جو تمہیں
خشیت بدندان کر دیں گی۔“
”وہ بھی دکھا دو!“
”دھرج، دھرج، تم ہتھ کچھ دیکھو گے۔“
”میری آخری آرزو تو یہ ہے کہ بانو کے سہرے کی
ٹھیاں دیکھ دوں۔“ ویسے کیا وہ فیاٹ اب بھی تعاقب میں ہے؟
”اگر وہ نہ ہوئی تو میں نے کار کا نرخ بدل دیا ہوتا۔ مجھے اس
وقت صدمہ چانا تھا۔“
”کار اب پہلی چرخی سے گزر چکی تھی۔ یہاں سے رفینہ نے
ارک رفرمائش خاصا اضافہ کر دیا۔
”ایک بات واضح کر دوں، میں بولا۔“ میرے پاس کوئی
تھیار نہیں ہے۔“
”وہ تو میرے پاس بھی تھیں ہے۔“
”پھر تو میں سنان جگہ کی طرف ٹرخ نہیں کرنا چاہیے۔“
”کیوں!“
”اگر وہاں ہم خطرے میں پڑ گئے تو کیا کریں گے؟“
”تم چاہنا، میں گاؤں گی، وہ ہنس پڑی۔
”اادہ لوگ ہم دونوں کے سروں پر طبلہ بجا کر رکھ دو
گئے۔“ میں نے غصہ کر کہا۔
”میرا خیال ہے کہ تم اپنے آپ کو اودھ اسٹی میٹ کر رہی
“
”وقت آنے پر دیکھ ہی لو گے!“ اس نے لا پراہی سے کہا
کار جیسے جیسے بل ریا کے قریب ہوتی جا رہی تھی،
ی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رفینہ کے چہرے پر قلق آنے
کی خود اعتمادی بھی میری اس پریشانی کو کم نہیں کر سکی۔ اس نے مجھے
ہاتھ کر فیاٹ میں چار آدمی تھے اور ہمارے مقابلے پر یہ کوئی کم

تعداد میں بھی میری کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ
نپٹنے کی کوشش کرے گی۔
کچھ ہی دیر بعد کارل ایمہا میں داخل
ساتھ ہی تیز بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔ جب کہ
میں اب وہ نہیں تھی۔ میرا دل تیشہ
نے انہیں فوراً پری بند کر دیا تھا۔
”کیا ارادہ ہے؟“ میں پوچھا۔
رمضیہ نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس کی
پر تھی۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ”کار قریب آ رہی
”پھر کیا ارادہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔
رمضیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور
لیے دروازہ کھولنے لگی۔ اب مجھے بھی اس
کہ دروازہ کھول کر اتر چوں۔
یہ ایک اتنا ہی سنان مقام تھا
کو تھی۔ ادھر سے نہ تو گاڑیاں گزر رہی تھیں
خاصے فاصلے پر ایک بل کے سامنے پان
دو تین مزدور نظر آ رہے تھے۔
فیٹ بہت تیزی سے قریب آ
نڈاز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ
تھے مگر انہیں رکتا پڑا۔ رمضیہ نے انہیں
اشارہ کیا تھا۔ فیٹ کے برک بہت ز
وہ رمضیہ کی گاڑی سے چند گز آگے نکل کر
میں نے ایک ہی نظر میں ان چاروں
کار میں بیٹھ جاتے تھے۔ ان کی شکل دوسر
بد معاش ظاہر کر رہی تھی۔ ان میں سے ایک
وہ مسیخ منزل کے خلاق کا دادا سمجھا جاتا تھا
رمضیہ فیٹ کی طرف مڑتی جس
کہ وہ چاروں باہر نکل رہے تھے۔
”معاف کیجیے گا؟“ رمضیہ بلند آواز
کے غرائی ہو گئی ہے۔ کیا آپ لوگ کچھ
ان چاروں نے ایک دوسرے کی
ہی آنکھوں میں کچھ اشک بے آواز
چھپے جیسے اس کو دبوچ کر اٹھالے جاتا
”خبردار! خبردار!“ میں انہیں
لیے ایک لیکن والی تصویر سے قریب
شروع ہو چکا تھا۔
رمضیہ برقی سرعت سے غوطہ

پولیس اسٹیشن لے جاؤں گی۔ پولیس فلے اسے مارا مار کر اس کے
ساتھیوں کا نام پتہ معلوم کر لیں گے۔
مزبور جس سر بلا کر رہ گئے۔ وہ مجتہد مرتضیٰ بنے ہوئے
تھے میری طرح انہوں نے بھی ایسی ٹھوکانی لوٹی، کبھی نہیں
دیکھی ہوگی۔
”کھڑے مرنے کی کیا تک ہے ہو؟“ رضیہ مجھ سے بولی۔ ”تم
پچھے ہی بیٹھ جاؤ گا یہ آؤ کا چٹھا، پیرنے سے نہ مال سنے۔“
”آں!... ہاں،“ میں نے جواب کر کہا۔
رضیہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگی۔ میں نے
پچھلی نشست پر ٹیچر کا دروازہ بند کر لیا۔ وہ ٹخنہ اب بھی
بڑی طرح ٹانپ رہا تھا۔ اس کے کس کس بل اس طرح نکلے تھے کہ
شاید اب وہ پڑ پڑنے نہ لانے کے بلے میں سوچ بھی نہیں سکتا
تھا۔
رضیہ کار کو حرکت میں لائی اور اُسے گھما کر اس کا رخ دپس
شہر کی طرف کر دیا۔
”رضوان!“ رضیہ مجھ سے بولی۔ ”اگر یہ آؤ کا چٹھا کو بڑ
کرنے کی کوشش کرے تو تم اپنا رہا اور نیکال لینا۔“
میں نے بس سر ہلادیا میں سمجھ گیا تھا کہ رضیہ اس
غصے کو دھکا اپنا چاتی تھی ورنہ اُسے معلوم ہی تھا کہ میرے پاس
رہا اور نہیں ہے۔
”کیوں ہے؟“ میں نے اس کا گریبان پکڑ کر پوچھ ڈھونڈتے ہوئے
کہا۔ ”یہ حرکت تھی؟ تم کو؟“ اس طرح سائے شہر کی عورتوں
کو پریشان کرتے ہوئے؟
”غلط سوال مت کرو رضوان!“ رضیہ نے مجھے ٹوکا۔ ”تمہیں
یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کو ہلے پیچھے کس نے لگا تھا؟“
میں نے دیکھا کہ رضیہ کی اس بات پر غصے کے کچرے
کی رنگت بدل گئی تھی۔ گویا رضیہ کا خیال ٹھیک ہی تھا۔
”کلم... کس نے... نہیں... وہ بھلا گیا۔“
”دیکھو!“ میں نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ”تمہاری
بہن ہی اسی میں ہے کچھوٹ نہ بولو۔ یہ خانان بڑی خطا ناک ہے۔
ان کا شجرہ نسب برا راست ناپا سے جاملتا ہے۔ اگر تم حقیقت
اکمل دو تو میں ان کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں پولیس کے
حوالے نہیں کیا جائے گا۔“
”ٹھیک ہے رضوان!“ رضیہ بھی بول پڑی ”میں تمہارے
الفاظ کا پاس کروں گی۔“
”کیا واقعی تم لوگ مجھے چھوڑ دو گے؟“ غصے نے
آستین سے اپنے خزان آلود ہونٹ صاف کر کے پوچھا۔
”تمہیں میرے الفاظ پر یقین کرنا چاہیے!“ رضیہ بدل پڑی۔

”میں نے اپنے ساتھی کے الفاظ کا پاس کرنے کا عہد کیا ہے۔“
 ”توہ... غصہ سے کچھ سوچتے ہوئے کہا بیٹنا مجھے معلوم ہے، وہ تو ہم لوگوں کو بتا ہی دیا گا۔“
 ”اب بتا ہی جو؟“ رضیہ نے شاید مڑنا کر کہا تھا۔
 ”میں اس کام کے لیے کوہاڑے تیار کیا تھا۔“
 ”کوہاڑے؟“ میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔
 ”ہاں،“ غصہ سے سر ہلایا میرے کان میں ساتھیوں میں سے ایک کوہاڑا۔ لہذا دی کے غصے میں تو پتہ چلے کہ کوہاڑے نام سے واقف ہے۔ گرجاچی پولیس کی بلیک لسٹ میں بھی اس کا ہی نام درج ہے۔“
 ”ٹھیک ہے،“ میں سر ہلایا کہ ”میں نے بھی یہ نام سن رکھا ہے۔“
 ”کوہاڑا کو اس کام کے لیے بارہ ہزار روپے ملے تھے۔“
 ”کس کام کے لیے؟“
 ”ان کے اغوا کے لیے،“ غصہ نے رضیہ کی طرف اشارہ کیا۔
 ”مجھے اغوا کر کے تم لوگ کہاں لے جاتے؟“ رضیہ نے پوچھا۔
 ”کوہاڑے گھر۔“
 ”وہاں لے جانے کا مقصد؟“
 ”ایک ہفتے تک قید رکھنا۔“
 ”بس؟“
 ”کوہاڑے ہیں اتنا ہی بتایا تھا۔“
 ”مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غصہ کوئی بات کہتے کہتے رک گیا ہو۔“
 ”تم کوئی بات چھپا بھی ہے ہو؟“ میں اسے گھورتا ہوا بولا۔
 ”نہیں... نہیں تو؟“
 ”جھوٹ مت بولو،“ میں نے ایک بار پھر اس کا گریبان پکڑ کر جھجھوڑ دیا۔
 ”دراصل...“ وہ چپکایا ہوا بولا۔ ”وہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا بتانا ضروری ہو۔“
 ”غیر ضروری باتیں سننا ہماری ہابی ہے، تم اس کی پروا مت کرو۔“
 ”وہ... وہ... دراصل...“
 ”ہاں، ہاں! کوہاڑا! شائبہ! میں نے اُسے پتوں کی طرح پچھکارا۔“
 ”ہم لوگوں کو تو کوہاڑے صرف دو دو ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات ہم صاف صاف بتا دی تھی کہ وہ خود چھ ہزار لے گا۔ ہم لوگ دو دو ہزار کی خاطر یہ کام کرنے پر آمادہ

نہ ہوتے لیکن...“ وہ پھر خاموش ہو گیا۔
 ”بوتے ہو،“ میں غصہ۔
 ”دراصل... دراصل... ہم لوگوں کو...“
 ”کہ... یہ ایک ہفتے تک ہمارے رحم و کرم پر رہی۔“
 ”کیا تھا کہ وہ ان پر ایسا قابض نہیں رہے گا۔“
 ”ویری گڈ!“ میں نے چمک کر رضیہ نے...“
 ”وہ سن لیا، وہ مڈ بنا کر بولی۔“
 ”لیکن تم نے ایک اہم بات تو بتائی۔“
 ”غصہ کے کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہ سوالیہ انداز دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کوہاڑا کو اس ہزار روپے کس سے ملے تھے؟“
 ”ابھی تو صرف چھ ہزار ملے تھے۔“
 ”بعد ازاں رات کو ملنا تھے۔“
 ”مگر کس سے؟“
 ”یہ بات کوہاڑے نہیں بتا سکتے۔“
 ”میری تو اہم ترین بات ہے۔“
 ”مجھے کچھ معلوم تھا، وہ میں نے بتا دیا۔“
 ”کیا خیال ہے؟“ میں نے رضیہ کی طرف دیکھا۔
 ”رضیہ مجھ سے کچھ کہنے کی جاتی ہے۔“
 ”کوہاڑا کو باقی چھ ہزار آج رات کو کس وقت ملے؟“
 ”جس آدمی نے کوہاڑا کو اس کام کے لیے دو سو روپے آج رات کو ملنا تھا۔“
 ”وہ خود ہی آج رات کو ملنا تھا۔“
 ”تمہیں یقین ہے؟“
 ”کوہاڑے ہم کو یہی بتایا تھا۔“
 ”کوہاڑے؟“ میں مڑنا کر بولا۔ ”ساری کے سہ سے۔“
 ”ٹھیک ہے۔ اتنی معلومات بھی نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”کچھ دیر بعد کا دوسرا ساتھی کے اس رضیہ کا قیام تھا۔ کار جب رکے کے ساتھ جھکنا نکل گئے۔ غصہ نے پریشان لہجہ اور پھر لہجے بغیر نہ سکا۔
 ”یہ تم کو مجھے کہاں لے آتے؟“
 ”اپنے گھر۔“ رضیہ نے اپنی بند کراہی میں اب گھبراتے کی ضرورت نہیں تھا۔
 ”افکار نہیں کیا جائے گا۔“
 ”میں اپنی طرف کا دیر انداز قبول کر

سے بولا۔ چلو اب تم بھی آؤ میری جان!“
 ”ہاں، آؤ کیا لیکن اسے تو نکال ہی ڈالیں اسے اس کی کلائی تھام لی کہ وہ کہیں جھگ نہ نکلے۔ میں نے ہلکی سی رقی تھی لیکن اس کے لیے پوری حشر تیار کیا۔ کلائی پکڑ کر جھگ نکلنے کی کوشش کر رہے۔“
 ”کچھ ہی داخل ہوتے۔ غصہ بہت پریشان نظر آیا۔ جھگ نکلنے کی راہ میں ہی لپکی۔ دونوں جھکنا بھی نظر آ رہے تھے۔ شاید رضیہ نے انہیں کچھ اشارہ کیا۔
 ”میں نے رضیہ نے تپتی زبان میں جھکنا سے کچھ کہا۔“
 ”ہاں، یہ وہ دونوں تھوڑے کمرے میں پچھاؤں دے گا۔“
 ”کہہ رہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے پاتے۔“
 ”ہم ایک تمہیں یہاں ممان رہ گئے۔ اس کے بعد تم کو دھاتے گا۔“
 ”کونئی شگفتہ نہیں ہے، رضیہ اس کی بات کاٹی۔“
 ”اس نے جھکنا سے کچھ کہا۔“
 ”ہاں، غصہ نے اسے دائیں بائیں پہنچ گئے۔“
 ”میں نے اسے کمرے میں ہی اس سے کمر مزاحمت میں رہ کر جھکنا نہیں ہی جو رات کو جھکنا سے بہت متفکک پاؤں گے۔ ان کو تم سکون سے ہے۔“
 ”ان بات ہوں گے۔“
 ”ات بھی ہوئے تھے لیکن میری ہنسی کے جواب میں وہ کچھ بولا۔“
 ”ہاں، اور پہنے میں دس پندرہ منٹ صرف کمرے میں گھومنے کے لیے کہہ رہا تھا تو رضیہ مسکاتی رہی۔
 ”ال وقت ایک خوبصورت فرک ادا شہوار تھا۔“
 ”میں نے اسے ہی میری نظروں کے سہارا کیا۔“
 ”میں نے غصہ کے بازو پکڑ لیے لیکن گرفت میں ہی تھی۔ وہ دونوں لمبے کر اندر چلے گئے۔“
 ”میں نے رضیہ نے مجھ سے کہا میرے کپڑے...“
 ”میں نے اسے اس کے سپرد کر دیا ہے۔ جب میں

اس غصہ سے کہ وہاں لاسے کا سبب سمجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ یہ بالکل سائنس کی بات تھی کہ رضیہ نے کیا سوچا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آج رات کوہاڑے کے گھر جا کر اس شخص کا تہ چلائے جس نے ان چاروں کو اس کے اغوا کے لیے متحرک کیا تھا۔ اب اگر اس غصہ کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ جاکر کوہاڑے کو ہر شے یاد دلاتا۔
 ”میں سوچ رہی تھی کہ وہاں جاکر رضیہ کا سائنس خصوصی ڈولا اندر آیا۔ وہ میرے لیے چلتے لایا تھا۔“
 ”تم چاہتے بنانے کے اس پیشکش مسلم ہوتے ہو؟ میں نے...“
 ”کیا مجھ سے ہو؟“ وہ ہنس کر بولی۔
 ”کچھ نہیں،“ میں نے جیسے جواب دیا کہ ”لیکن اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں گود میں لے کر جانا شروع کر دوں۔“
 ”بس؟ صرف اتنا ہی؟“ اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔
 ”کیا مطلب؟“ میں اچھک کر اسے گھونسنے لگا۔
 ”مطلب یہ کہ صرف اتنی ہی بات کہنے کے لیے اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولی ”خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ آؤ اب چلیں۔ وہ بڑی دروازے کی طرف مڑی۔
 ”میرا ذہن بے سٹر لگ رہا۔ رضیہ کی وہ عجیب سی نظریں میرے لیے ایک غش بن کر رہ گئی تھیں۔ مجھے ایک پل کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی نگاہوں نے مجھے بہت کچھ کر گزرنے کی دعوت دی ہو۔ نہ چلنے وہ میرا وہم تھا یا حقیقت؟ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔
 ”کار میں رضیہ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی میں اچھا ہی رہا۔“
 ”کہاں کھوتے ہوئے ہو؟“ رضیہ بولی۔
 ”میں اپنے خیالات سے جھکاؤ اور پھر جلدی سے کہا کہ اضطراب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
 ”جہاں جانے کے لیے تمہارے گھر سے روانہ ہوتے تھے لیکن پھر میں غصہ ہو گئی۔“
 ”یعنی صدمہ؟“
 ”ہاں۔“
 ”کیا آج رات کو تم کوہاڑے کے گھر پہنچا دھانا میں بروگی؟“
 ”یقیناً بروگی گی۔“
 ”توہ تمہیں اس وقت یہ معلوم کرنے کی فکر ہونا چاہیے تھی کہ کوہاڑا کہاں ہے۔“
 ”وہ مجھے معلوم ہو جائے گا۔“
 ”کیسے؟“
 ”میں نے یہ کام اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ جب میں

دینے سے بھی ہوئی تھیں اور سفید میرزا شہ
 پہلے معلوم ہو رہے تھے۔ دیواروں پر
 لوگ میزوں پر بیٹھتے ہوئے کھانا کھا
 رہے تھے۔ میں نے یہ بات ایک ہی لڑکا
 بھیجی ہوئی عورتیں اور مرد بھی اٹنگٹن
 "فلز اٹنگٹن انڈین" آتے ہی نہ ہوں اور
 انھوں نے لوگوں کے ہمیں بڑی عجیب سی کھا
 دیں دیکھا بلکہ آپس میں بھی نہایت مٹی
 "ہو" دوسری طرف نکل چلیں۔ روضہ
 طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ اس کا انداز
 آواز جانی رہتی ہو جبکہ ہمارے ایسا
 کرنا کسی نے نہ ہی کتنے ہوئے تھے۔

ہے؟“ رضیہ نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے
انہوں میں زیرِ خیال تھا کہ میں سر کے سلسلے پر اچھے
دعا مانگتا ہوں۔ عجیب بات ہے کہ اتنا بچہ تھا
میں نے اس کی نگہ پر ہنسنے کی بجائے اتنا اندر بنایا کہ
وہ ابھی نہیں لگ سکتی تھی
چلتے ہیں۔ یہاں بڑے بچے اور لڑکیاں آتے ہیں
کہ یہاں تو لڑکے اور لڑکیاں نہ کر رہیں۔ اسی لیے
انہیں نہیں سمجھا گیا ہے کہ وہ کبھی کبھار لوگ
ہیں انہیں ابھی مانا ہے
یہاں سے چلتے ہیں کہ یہاں تو لڑکے

”رضو“ میں نے جانتا ہوا تھا اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
 اُس نے اپنی گھنٹی پر پکلیں اٹھا کر کچھ ایسی بھی نظروں
 میری طرف دیکھا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ میں نے جذبات کی زبردستی
 ہرگز اس کے ہاتھ کا تکیہ نہ دیا کہ اس کے منہ سے کبھی
 نکلے گی کتنی اُس کے ہونٹوں سے کوئی ایسا لفظ نہیں بچھڑا جو
 کہ عجزاً ہی کہہ سکا کہ اسے لینے کے لئے وہ ہنس کر روٹی تھی۔

”میرا“ میری آواز شاید بھڑائی ہوئی تھی ”میرا خیال ہے کہ تمہیں دیکھنے کے بعد میں اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہوں“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی“

”میں اپنے آپ کو یہ دھوکا دے رہا تھا کہ تم مجھے اتنی اچھی نہیں لگی ہو کہ میں تم سے محبت کر سکے لوں“

”اب کیا خیال ہے؟“ وہ مسکراتی تھی۔

”اب... اب... میں بڑبڑایا شاید میرے جذبات کی شدت سے الفاظ ٹوٹ جائیں گے اس لیے زبان سے کچھ نہ کہلا رہی تھی۔ اس نے گلاس اٹھایا اور شیشیوں کی باقی ایک چوتھائی مقدار بھی طاق سے اتار لیا۔

”رہنمیا نے اپنا گلاس اٹھا کر بس ایک چھوٹا سا گھنٹ لیا۔ اوپر اوپر نظر دوڑاتا اور پھر جلدی سے کہا ”اس ڈاکٹر کے آنے میں اب آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے“

”جنت میں چھوٹا سا ڈاکٹر کو“

”یہ کیسے ممکن ہے؟ مدت چھوٹو کہ ہمیں بالوں کی تلاش ہے“

”کیا مطلب؟“

”میں نے چونک کر کہا ”بالوں سے اس ڈاکٹر کا کیا تعلق؟“

”مجھے ایک ٹیبلٹ ہے اور میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں“

”کیسا ٹیبلٹ؟“

”رہنمیا نے جواب دینے کی بجائے اپنی شیشیوں کا گلاس اٹھایا اور اسے بڑبڑاتا سے ٹکرائی کر دیا، پھر کھڑی ہوئی ہوئی بولی۔

”آؤ اب ڈاکٹرنگ ہال میں چلیں“

”بالو کا حوالہ لینے سے میرا خیار بچہ کم ہو گیا تھا۔ سوچا ہوا اٹھا اور رہنمیا کے ساتھ ڈاکٹرنگ ہال میں پہنچ گیا۔

”بارش میں کی نسبت یہاں زیادہ دھوکے تھے اور اس مرتبہ بھی انہوں نے ہمیں گھور گھور کر دیکھا تھا۔ رہنمیا ان لوگوں کی طرف سے بالکل لاپرواہی اور اس نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جو بیڑوں ورنے کے بالکل سامنے تھی۔ ہر آنے والے کی نظر سب سے پہلے ہم پر پڑتی۔

”رہنمیا نے ڈاکٹر کو کھانے کا آرڈر دیا اور پھر مسکرا کر دھیمے آواز میں بھڑے بولی ”اب ہم صرف پیار و محبت کی باتیں کریں گے، اور ٹیکہ نہ آجائے“

”رہنمیا“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ”کہیں تم مجھے سے وقت تو نہیں بنائی ہو؟“

”کس معاملے میں؟“ وہ ہنس پڑی۔

”تجربہ نہ کر تو تم خوب سمجھ رہی ہو کہ میں ”مخوف“ اور ”سچی“ ہوں۔“

اس جذبے کو محبت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ میں نے تمہیں ”محبت اور دھوکے کہتے ہیں!“

”اے اے ایک دماغ سے اس کو محبت دینے ایک محبت وہ بھی ہوتی ہے جسے طرفان“

میرے خیال میں وہ محبت صرف اسی صورت میں جب محبوب، مجھ جیسے۔ ملا کر بعد وہ شدت رہنمیا اتنی بھڑکی میں اتنی بھڑکی کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

خیالات پر تبصرہ کرنے کی بجائے خاموش رہنا سنا کچھ دیریں دیر ہمارے لیے کھانا لے آئے۔

”میں نے ذہن کے ساتھ کھانے سے بھی انجھن کر کے اٹھ کر آئی تھی۔“ مجھے انجھن یہ تھی کہ میں اس کے رنے کی کوشش کر رہا تھا میں اس کی ایسی طور کر کے جو میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکے۔

”میرا خیال ہے زندگی میں ذہنی طور پر اپنا سب سے بھی نہیں بہت قلیل وقت میں رہنمیا نے مجھ پر جو دیواریں میں اپنے مستقبل پر اس کے اثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

”رہنمیا کھانے کے دوران میں بار بار دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ سے میری توجہ بھی بہت وقتاً وقتاً ورنے کے کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

”وہ آگیا“ اچانک رہنمیا آہستہ سے ہال میں نے بے اختیار ورنے کے کی طرف اس طرف براہ راست دیکھنے کی بجائے شاید کہ رہی تھی۔

”جو آدمی ڈاکٹرنگ ہال میں داخل ہوا تھا۔“

”خاصی بارش تھی۔ اس کا رنگ بھی کسی عام آدمی سے زیادہ کالا نہیں تھا۔ یہ ایک کمر موش میں اس کی کشتی قابل توجہ بن گئی تھی۔

”وہ انداز آیا تو قدرت کی طور پر اس کی نظر پر پڑی اور اس نے اس کے جسے کہہ سکتا تھا پیدائش ہوئے دیکھی۔ رہنمیا کو دیکھ کر وہ جیسے ہی اس کو یہ محسوس ہوا کہ میں اس کی طرف نے جلدی سے اپنی نظر دوسری طرف پھیر لی۔ اس کو ساکت ہو گئے تھے۔ پھر حرکت میں آئے۔

”طرف جڑھ رہا تھا لیکن اس کی چال میں خود اعتمادی“

”میں نے اس کو کہ مجھے براہ راست اس کی طرف میں نے جلدی سے اپنا سر جھکا لیا اور کھانے کے بعد سے بڑبڑایا۔ وہ تو ہمیں دیکھ کر بہت“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

”میں نے اس کی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو کہ میں اس کا منہ نہ کھاتا رہ گیا۔“

رفیقہ! رفیقہ! رفیقہ!
 میرے تصور میں اس کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا میں
 شے کے وجود اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک کر دوسری
 پر غور نہیں کر سکا۔

”تم کچھ عرصے کے لیے لکراچی سے جا کر آنا۔“

خونخاک مسکراہٹ رقصاں تھیں۔ مجھے فوراً یاد آ گیا کہ رضیہ کی ام کے بعدیں دروازہ بند کرنا چھوٹ گیا تھا۔
 ”رضیہ!،“ رضیہ گرجی۔
 ”مجھ سے آئی ملنے آواز میں بات کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔“

پرنڈے نے اپنے سر کو مجھ سے ادا
 طرف دیکھا اور اس کے منہ کھل گئے۔ وہ دیکھا
 تیرا کہ طرح جیسی طرف آیا۔ میں گھر گیا کہ پیچھے
 جسے کھانے کے سامنے کر لیے ہیں اپنے ہاتھوں
 دینا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنی اس طرح سے
 پرنڈے کی تیز چوچ میری دماغیں آنکھیں
 سے میری چوچ نکل گئی۔
 چوچ کے ساتھ ہی میری آنکھیں بھی کھل
 اپنے لیے دیکھ رہی تھیں۔

خواب تھا، جو کہ بھی دیکھا !

ماریں! میں نے سنے ہاتھوں آ
ہے۔ اگر آپ بورجئے ہوں تو میں مذہب
لیکن یہ مذاق بعض ایک مذاق نہیں
تھی دیکھا تھا اور بالکل اس طرح دیکھا
ہے۔ دراصل وہ سب میرے پرلے نیا
میں رہتی رہتی آج کل کے

نفسیتوں نے مجھے اس بُری طرح الجھا
نیا آلات میرے ذہن میں پکارتے رہتے
میرے مافوق الفطرت و نیاتشکیل پانے

یہی وہی سوچ بالآخر ایک خواب میں

واب کا آغاز کل بیل سے ہوا تھا۔
واب نہیں ہیں۔

رہنہ کو اسی شام میرے پاس آنا
میں نے گناہ تھیں۔ کو برا کے گھر پر دھما

میں نے گھڑی زیر نظر ڈالی۔ یاں

میں سو گیا تھا۔ میں بستر سے اٹھا اور اپنے

جب میں غسل کر کے نکلا تو
”کیا آپ اپنے گھر پر ہی ہیں؟“

”تو کیا تمہارے خیال کے مطابق میری“

”میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کہیں
”تو میں آؤں“

”اسجاد“ میں ابھی ایک ڈیڑھ لمحہ

”میں فوراً آرہی ہوں“ دُوسری۔

کرنے میں بیس منٹ لگے تھے اور میں اس دوران سے دُست ہو کر جاتے بھی بنا چکا تھا۔ جب غزالہ

۱۰۔ ملازم نے مسکرا کر کہا اور ایک چھوٹی سی چمکی لی۔
 ۱۱۔ سرگرمیوں کے بعد ایک چمکی بنیں؟ میں نے دیکھا۔

ہال تھا کہ میں نومی کو آہستہ آہستہ اپنے بال میں پھنسا

اس کے گھر گئی تو پہچلا کہ اچانک اس کی طبیعت

اپنا ایک ہو کیا گیا؟

۱۔ اس کے جسم میں نمک کا توازن برقرار رکھنے کی
 اہلیا رہی ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

اور نہیں کہ کسی مصلحت سے یہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہو۔
 اور اس سے تو بہت عائد اس کے کیرئیر میں نے نرمی کے

۱۰۸ "ہر دو تھیں"

۱۰۹ "اے اے کہ کڑ کو اس سے"

اکثر نظامی ہی ہے۔“ میں نے غزالہ کا جملہ دہرایا۔

ہم نے کیا بات ہے؟ غزالہ نے مجھے گھور کر

”میں نے اُسے دیکھا تھا۔ جب میں وہاں سے لوٹ رہی تھی
تو وہ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے گال پر کوئی مسما نہیں ہے۔“

کوئی سُراغ ملا؟
”نہیں۔“

”لوں ہے بڑے سے بڑے کے لیے۔“

پرتھا۔
”اُس نے انکار کیا، مگر میں اس کے جسم کو تو اُنسانی ہی رہا۔“

میں پیالی رکھ کر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ جیسے

جواب میں اپنے بے خوفی پر بیان دیا وہ جانتا تھا کہ اسی سے بڑھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ اپنے فٹ پاؤں پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک

کہ یہ دوسری منزل پر پہنچنے والے رفوان صاحب کو پہنچا دو۔
مجھے فوراً رخصت کا خیال آیا۔ غالباً اسے غزالہ کی موجودگی کا

”اچھا بیٹے! بہت بہت شکریہ!“ میں نے نیچے کا گال تھپتھا کر اسے رخصت کر دیا۔ جب میں مڑا تو میں نے دیکھا کہ

”میرا ایک پرائیویٹ خط ہے۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا اور دروازہ بند کرنے لگا۔

لغافے کو چاک کرتا ہوا اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

پہت لیا۔ وہ خط رسیہ کا تین بلے بالوں کا تھا۔

505

میں نے اپنے خیالات سے چونک کر اس کی طرف دیکھا
تہ سے بولا۔ صرف چائے لا دو۔“
اس کے بعد میں کمرے میں لوٹ آیا۔ میں جس ہیجان میں
تھا، اس پر اب تالا پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضرورت ہو

ہستہ یرضین نہیں آیا۔ انہوں نے میرے
 ہاتھ کو مارا کہ میری نہیں میں تو یہ کار دست
 دیکھا، میں ایک بار پھر جیل پڑا ہوں
 ”خجی بابو“

میں نے کہہ کر چپ ہو گیا مجھے ہمت نہیں ہو
 سکتی کہ اس نے جو کچھ کھا خواہ وہ دست
 مبارک سے کھائے کہ میرا تعلق ان ٹیلی جنس سے ہے۔

”اگر چھپنے سے آپ کی ملاوٹ ہے کہ وہ اس وقت بھی گھر میں موجود ہے اور آپ سے نہیں مل رہی ہے تو بل یہ کہوں گا کہ آپ غلط فہمی کا شکار رہیں۔ رضیہ وافرانی گھر میں نہیں ہے۔“

طرح نہ لانا ہوگا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رضیہ اس کین پر روزِ شمس کو صرف لٹا دینے ہی پر کیوں اکتفا کر رہی ہے۔ میرے گھر بھی رضیہ نے اُسے صرف داؤدِ نیک کے رعبہ بخود دیا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ رضیہ کو

اسے صرف دوا جنگ دے کر چھوڑ دیا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ رضیہ کو اس کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے گریز کرنا پڑا یا پھر اٹھانے پر اس نے تو کوئی بھی کوششیں اٹھا کر نہیں کیں۔ اس نے رضیہ کو خود کرانے کے لیے غزوؤں کا بھی تان باندھ کر لیا تھا۔

انامک میسنر نے بہن ایک خیال بھرا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ رضیہ کی موجودہ دشمنی میں رومیہ کا ہاتھ ہو۔ کہہ برا کی ناکامی کے بعد رومہ کوئی اور قدم بھی نہ اٹھا سکتا تھا!

یہ خیالات میرے ذہن میں آئے تو میں نے نوٹس میں ایک نیا سال اور نہایت تیزی سے یہ طویل ہولناکی کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں اس مزید یک جوش میں پھر گیا تھا کہ براہ راست رہنما سے ملنا جانا کہ فیصلہ کرنے میں مجھے کوئی تباہی نہ تھیں پیش کی تھی مگر کہیں ایک مرتبہ رہنما کے آؤں سے بہت برسی طرح پیش کیا تھا لیکن اب میں

لوگوں کا کہنا تھا کہ ایک انسانی اور متصل مجھے پہنچنے کی محنت ہی نہیں لی کہ
 قحطی کا درد لوگ مجھ پر چھا گئے تھے ورنہ میں انسانی گناہ بھی نہیں بولے۔
 اگر میں ابتداء ہی سے وصول دیتے کہ لیے کام نہ کرتا تو وہ مجھے اتنی
 آسانی سے نہ مار پاتے۔

میں نے پہلی پہنچ کر ان جیتوں کے بارے میں معلومات حاصل
 کیں تو پہنچا کہ ان لوگوں نے دو کمرے رکھے تھے۔ مجھان کو روں
 کے کچھ بھی معلوم ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم میں آیا کہ وہ جب
 دو کمرے کا کھانا کھا کر مڑوں سے گئے تھے اور وہاں تک واپس نہیں
 آتے تھے۔

مجھے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی اور میں ڈائینگ ہال میں جا
 بیٹھا۔ میں ان لوگوں کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔

[illegible]

پر رہنا چاہتا تھا لیکن تمھارے رُف کسی وقت تمھ سے وابطانی نہ کر سکا۔
تمھ پر سوچ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور تیرہ ریٹ کر ایک
بار پھر رخصتہ کا خانہ بوندنے کے خاص طور سے ابتدائی مہلت!۔
پھر کسی نے میری پگلیں جھپک گئیں نہ صرف جھپک گئیں بلکہ بند
ہی ہو گئیں۔ جب میں بیدار ہوا تو کہ میں اندھیلو تھا۔ میں نے
ٹھوکر کرے بیٹو سوچا کہ کیا اندھیلو کی برے نظروں والی آٹھ چھ کچکے تھے۔

میں نے ایک گھڑی نکال کر سڑک کی تار کو زہن پر چھائی ہوئی دھند
 پھٹ جائے۔ اب میں جاگنا تھا تو پھر وہی خیالات ذہن میں چلنے
 لگے تھے۔ رُوف نے اب تک مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
 نہیں کی تھی۔ اگر وہ فون کرتا تو کشتی کی آواز مجھے ضرور چلا جاتی۔
 غور کرو کہ کبھی فون نہیں آیا تھا حالانکہ وہ تیز و طرار لڑائی جنگلی نہیں
 جیسے مسکتی تھی اس کے علاوہ کیا مڈر جن سے بھی مجھ سے رابطہ قائم
 نہیں کیا تھا گو باسبی لوگ مجھے جھوٹے بیٹھے تھے۔

لوگ بچے تھے۔ نکالا اور ایک بار پھر ڈیول کی طرف
 روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر تیرہ جلا کر ان بندوقوں کا ایک ٹک کوئی پتہ
 نہیں تھا۔ ان کے اس طرح لاپتہ ہوجانے سے مجھے تشویش ہونے
 لگی۔ میں اس انداز میں سوچنے لگا کہ وہ میں دشمن کو اپنے قابو میں کرنے
 کے بعد اسے لے کر کراچی سے چلے کو نہیں گئے؟

میں نے ڈیول کی بیٹی کا نکالا اور اسے گیارہ بجے
 تک آن لوگوں کا انتظار کرتا رہا۔ آخر بالکل مایوس ہو کر وہاں سے اٹھا۔
 اب میں پھر اپنے گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ جانا بھی
 کہاں؟ مجھے کوئی راہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ زمین بری طرح آلودہ
 رہ گیا تھا اور اب قلب پر بھی گھبرائٹ طاری ہونے لگی تھی۔ رضیہ
 نہ جانتے کس حال میں ہوگی؟ یہ سوال سو اُن روح بننا جا رہا تھا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اپنے گھر کے اپنے فلیٹ کے
 دروازے پر پہنچا اور پھر ایک میراجرم منسا اٹھا۔ دروازے کی کڑی
 میں سے فلفل غائب تھا اور قفل کی عدم موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ
 میری عدم موجودگی میں کوئی میرے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اب یہ بات
 تصدیق طلب تھی کہ وہ نامعلوم شخص ابھی تک اندر ہی موجود تھا یا
 جا چکا تھا؟

میں نے تھامتہ سے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھٹکا چلا گیا۔
 وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اندر دھنسی بھی تھی اور دروازہ کھلتے ہی مجھے
 کسی کے گنگانے کی آواز سنائی دی تھی۔

میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا کیونکہ میں نے گنگانے والی آہنی
 کی آواز پہچان لی تھی۔ میری آنکھوں نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔ ایک
 صوفے پر رضیہ بیٹھی ہوئی کسی رسلے کی دق گردائی کرتے ہوئے گنگنا
 رہی تھی۔

"جانے لگاؤں گے ہے قطرے پر گھر سے نکل
 "مستور اہل نظر رہا پیچھے اس کی طرف جھپٹا۔
 وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی اور میں نے تماشا اس سے لپٹ گیا۔

اُس وقت میری حالت شاید کسی فلمی ہیرو کی جیسی جو ظالم سماج کی دیوار
 کو توڑنا چھوڑتا ہوا اپنی محبوبہ کو گم گشتہ تک پہنچ گیا ہو۔
 "دراے اسے کیا دھشت ہے؟" وہ میرے بازوؤں میں

کسائی۔

"تم... تم یہاں... یہاں... کیسے؟"
 "دروازے سے" اس نے
 "لیکن تار..."
 "تم نے کھولنا میرے بائیں ہاتھ کا..."
 "لیکن تم یقین کیاں؟"
 "اب تم نے ایک تار سے..."

میں نے اپنے بچے اطمینان سے جھٹکے کی
 دلوچے ہونے کے ایک کھڑے دھوکے
 "اوہ!" اب مجھے پوزیشن کا اندازہ
 چھوڑ دیا۔ آخری درلودہ مجھے یہ احساس ہوا
 کیا صورت نکلائی تھی۔
 "مم... محاف کرنا یا تو تمہیں..."

نہیں رو گیا تھا!
 "چھاب دروازہ تو بند کر دو..."
 "لیکن تم دروازہ کھولنے..."
 "دندیں... میں نے تمہاری آہٹ..."
 کے بعد پھر صوفے پر آؤں تھی۔

میں نے ایک دروازہ پر
 قریب پہنچ گیا اس کے قریب ہی
 قریب لول ملا کر تھا تھا۔ آخر کہاں
 "کیا تم نے میرا خط نہیں پڑھا..."
 "اس میں تو یہ کیا تھا کہ تم..."
 "میں وہیں گئی تھی..."

"اور اس کے بعد؟"
 "اُس کے بعد میں سڑک پر..."
 "کیا مطلب؟" میں جھپٹ
 "میں رات سے اب تک..."
 "کیا کہہ رہی ہوں؟" میں تیز
 "یقین کرو میں غلط نہیں..."
 "تو کیا تم اب تک اس کی..."

"میں بلاتی..." وہ منہ
 "تم کو اس کے لیے پوری بات..."
 "تم ذرا سکون کا مظاہرہ..."
 پر تو دھشت سوار ہے۔
 "دھشت تو میں نے..."
 نہیں بولوں گا۔ تم جلدی سے بڑھنا
 "میں رات کو دو بجے..."

میں نے کوئی ایک گھنٹہ بعد وہاں کی سہیلی
 سے لینا پھڑنا کا شور ہوا اور ایک ایک جگہ
 میں نے اپنے قریب ہی قدح کی آہٹیں سنیں
 اسے اندر داخل ہو گئی۔ میری وہ حرکت کھلی
 نہیں کی کہ خیال ہو گا کہ دوسری طرف سے نکل
 اٹھنے کے بعد تیرہ جلا کر وہاں سے نکالی کا
 ہے۔ دراصل وہ اندر تھا اور اسٹور میں دو
 تھیں وہیں پھنس گئی کیونکہ وہاں داری میں روشنی
 صاف تھی اور دھشت پھر رہے تھے۔ اگر میں
 داری پر جاتی..."

میں نے اس طرف دیکھا تو اس کی آہٹیں سننا رہا۔
 وہ کچھ نہیں سوچ رہا کہ اسٹور میں کہیں چھپ
 سکتی تھی۔ بعد پھر کون شروع کیا یہ اسٹور
 "میں نے اس طرف نہیں تھی مجھے وہاں گئے کا ایک
 نظر آیا تو میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس
 نے کچھ مجھے مجھے تھے۔ میں اس کی سے
 نے میں پھنس گئی اور وہ کچھ اپنے اوپر
 مجھے سانس لینا دو پھر ہو گیا تھا لیکن کرتا

میں دھشت مچھی رہی کچھ دیر بعد اسٹور کا
 اس کے آواز سنائی دی۔ غالباً کسی نے اندر
 کا کھلی پر پناہ لیا تھا۔ گویا میرے ستارے
 "میں نے بھاگنے کی آوازیں سنیں رہی اور اس کی
 "اُس نے کچھ نہیں بولے ان لوگوں نے مجھے تلاش
 "میں وہیں گئی تھی..."

"اور اس کے بعد؟"
 "اُس کے بعد میں سڑک پر..."
 "کیا مطلب؟" میں جھپٹ
 "میں رات سے اب تک..."
 "کیا کہہ رہی ہوں؟" میں تیز
 "یقین کرو میں غلط نہیں..."
 "تو کیا تم اب تک اس کی..."

"میں بلاتی..." وہ منہ
 "تم کو اس کے لیے پوری بات..."
 "تم ذرا سکون کا مظاہرہ..."
 پر تو دھشت سوار ہے۔
 "دھشت تو میں نے..."
 نہیں بولوں گا۔ تم جلدی سے بڑھنا
 "میں رات کو دو بجے..."

"میں نے اس طرف دیکھا تو اس کی آہٹیں سننا رہا۔
 وہ کچھ نہیں سوچ رہا کہ اسٹور میں کہیں چھپ
 سکتی تھی۔ بعد پھر کون شروع کیا یہ اسٹور
 "میں نے اس طرف نہیں تھی مجھے وہاں گئے کا ایک
 نظر آیا تو میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس
 نے کچھ مجھے مجھے تھے۔ میں اس کی سے
 نے میں پھنس گئی اور وہ کچھ اپنے اوپر
 مجھے سانس لینا دو پھر ہو گیا تھا لیکن کرتا

"میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم اپنی کمائی مکمل کرو گے"
 "میری کمائی تو ختم ہو چکی تھی۔ میں دن بھر وہیں بچی رہی تھی۔ آج
 گیارہ بجے رات کو مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل سکا اور وہاں سے
 میں سڑکی میں چلی آ رہی ہوں۔ اب بتاؤ کہ یہ پولیس ریڈ کیا تقبلاً
 "وہ ریڈ، رُوف نے کروایا تھا اور مقصد نہیں تلاش کرنا تھا؟
 "کیا تم نے رُوف کو مجھ کے بارے میں بتا دیا؟" رضیہ چونک

کر پئی۔
 "وہ اگر نہ بتاتا تو مجھ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رُوف کو ہر بات معلوم
 تھی..."
 "کیسے ممکن ہے؟"
 "میں نے جواباً وہ ساری گنگناؤں پر جو رُوف سے ہوئی
 تھی۔ اس کے ساتھ ہی گلاسٹور ڈاکٹر بھی کر دیا۔ اس کے ذکر پر
 رضیہ کے چہرے سے کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں ہوا۔ اب اس مقصد
 ہونا تھا جیسے گلاسٹور کی آمد اس کے لیے غیر متوقع نہ رہی ہو۔
 وہ صرف اس بات سے پریشان معلوم ہو رہی تھی کہ رُوف
 کو نہ صرف اس کے تعلق بلکہ اس کے بارے میں بھی واقفیت
 ہو چکی ہے۔

"اور رُوف آج صبح ہی سے اپنے ہونٹوں سے غائب ہے؟ میں
 نے آخر میں بتایا۔
 "اُسے غائب ہونا ہی چاہیے؟"
 "کل رات تمہاری اور اس کی کیا جھڑپ ہوئی تھی؟"
 "میں نے اُسے وارننگ دی تھی کہ اب اگر وہ مجھے کراچی کی
 سڑکوں پر نظر آ گیا تو اس کا انجام آپہنچا نہیں ہو گا۔"
 "لیکن ہونٹ والوں کو یہ نہیں معلوم کر دیا اور اس کے ساتھ؟
 "کسے چھوڑ چکے ہیں؟"

"اس سے رُوف کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟"
 "تو وہ اب کراچی سے کہاں گیا ہو گا؟"
 "کہیں بھی نہیں..."
 "کیا مطلب؟"
 "وہ آہنی آسانی سے کراچی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس میرے خوف
 سے دُور پوٹ ہو گیا ہو گا۔"

"تمہارے خوف سے؟" میرا مشربن گیا۔
 "ہاں کیوں؟"
 "کیا تم کوئی ایسی شے ہو کہ تم سے ڈرا جائے؟"
 "ابھی تم نے یہ ایک روپ نہیں دیکھا ہے لیکن رُوف اس روپ
 سے خوب واقف ہے۔" رضیہ نے سسکا کر کہا کہ اگر تم نے بھی میرا وہ
 روپ دیکھا یا تو تم میں ڈرنے لگو گے۔
 "تم سے ڈرنے لگوں گا؟" میں نے اسے پارہی نظروں

کا کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ رفتی میں
 اس کو... مجھے ایک بات برقعہ جگہ
 ایک باوجود مجھے ڈھونڈنا شروع
 نے شہر میں سانس لے کر کہا کہ تمہاری
 "میں نے کہا تھا..."
 "میں یہیں بیٹھ پئی۔"

”دیکھیں میں کئی جاسوسی ناولوں میں پڑچکا ہوں کہ...“
 وہ کیا تم کسی جاسوسی ناول کا کردار ہو؟“ رضیہ ہنس پڑی۔
 میں شہادت کی انگلی سے اپنا دایاں گال کھیلنے لگا۔
 ”کچھ دیر خاموشی رہی، پھر رضیہ بولی: ”اب کیا سوچنے لگے؟“
 ”میری کوئی فکر نہیں ہے پشیمانیاں۔“ نوئی کی موت کا شریک
 اُس نے دیا ہے نا؟“
 ”تم اس سے کس طرح پشیمانیاں ہوتے ہو؟“
 ”یہ تو مجھے نہیں پتا“
 ”جب سوچ لو تو مجھ سے متورہ ضرور کر لینا۔“
 میں سر ہلکا کر رہ گیا۔
 پھر تین دن گزر گئے۔ شیر بہادر ابھی تک کراچی سے روانہ
 نہیں ہو سکا تھا۔ نوئی کا لاش لے جانے کے سلسلے میں کاغذی کارروائی
 مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ تیسرے دن شام کو میں اپنے گھر سے نکلنے ہی والا
 تھا کہ غزالہ چپ بڑی دو بہت پر شور مچا کر آئی تھی۔
 ”خیریت تو ہے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”دوا کا کچھ پتہ نہیں مل رہا ہے۔ اس نے جواب دیا اور تنکے
 تنکے سے انداز میں ہونٹ پر دھیر دھیر دھیر
 میں غور سے اس دوا کو دیکھنے لگا جسے ہانور سے عیش تھا۔
 ”کہاں سے چلی آئی ہو؟“ میں نے برسیل نہ کر رہا پوچھ لیا۔
 ”نوئی کے گھر سے۔“
 ”کیوں؟ اب وہاں کیوں گئی تھیں؟“ میں نے چونک کر کہا۔
 ”شیر بہادر سے تو میں نے ہی کہا تھا کہ نوئی کا آخری دیدار کرنے
 آئی ہوں۔“
 ”اوہ!“ میں نے مسمی خیز انداز میں سر ہلایا۔ پھر تھیں دیدار
 کرنے کا موقع ملا؟“
 ”ہاں۔“ غزالہ نے جواب دیا کہ میرے میں نابہت رہا تھا
 اور اس میں نوئی ابھی زندہ ہو رہی تھی۔ کل وہ نابہت کراچی سے روانہ
 ہو جائے گا۔“
 ”کل؟“ میں پھر چونکا۔
 ”ہاں۔“ غزالہ نے جواب دیا۔ تمام کاغذی تیاریاں مکمل ہو
 گئی ہیں۔ کل صبح ساڑھے چھ بجے تیارہ روانہ ہو گا۔ وہ کسی اذیت
 کا تیار ہے جو شیر بہادر کے چار کر رہا ہے۔“
 ”اب کیا اندوہی کر رہے؟“ رضیہ نے گھٹن پیچھے کی آواز سنائی
 دی۔ میں غزالہ کو دُرنگ دم میں بیٹھا پھوڑا کر اندر پہنچا اور سیلفون
 کا ریسورڈ اٹھایا۔ رضوان اسپیکر۔ میں نے اسے ماتھ میں دیا۔
 ”میں روت بول رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور
 میں نے اس کے لیے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ بہت خوش تھا۔
 رسمی سلام دے کر بعد میں نے پوچھا: ”اس وقت کیسے بلو“

کر لیا تھا کہ کو؟“
 ”صرف ایک اطلاع دینا تھی۔“
 ”گھر پر ایک دلچسپ تماشہ ہو گا۔ اگر آ
 ہوں تو اس وقت شیر بہادر کی تماشہ ہو گا۔“
 ”تم اسے کیا؟“ میں نے قہقہہ
 ”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“
 ”کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں پتا۔“
 ”رضیہ کہہ رہی ہیں؟“
 ”صرف اُن کو بتایا جاسکتا ہے۔“
 ”آ خیریت کیا ہے؟ کچھ کہنا۔“
 ”آخری قسط کل صبح کے اندر
 نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا اور سنا
 میں نے بے سیر دکھا کر میرے
 ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ در
 اور اب اُن اسرار سے پردہ اٹھا کر
 میں نے دھار پائیں کر کے
 سنبھال کر تیزی سے رضیہ کے گھر کے
 آس وقت مجھے بڑی جھنجھلا
 مجھے بتایا کہ رضیہ گھر پر موجود نہیں تھی
 ”کب سے غائب ہے؟“
 ”تیسرے پر گزری تھیں۔“
 ”جانتے ہوئے یہ نہیں بتایا۔“
 ”جی نہیں۔“
 ”مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن وہ
 میں ڈرنگ سلام ہی میں کر گیا۔ اس
 رضیہ کا انتظار کروں۔“
 یہ انتظار اتنا عرصہ بڑا کہ رات
 گیارہ بجے رات کہ جب میری
 تھی تو رضیہ آگئی۔ وہ تھکی تھکی سی لڑکی
 پھول کی طرح کھل گئی اور بولی: ”
 ”مجھے یہاں چھک مارتے۔“
 میں نے مشتعل انداز میں کہا۔
 ”آؤ۔“ تو میرے کیا معلوم تھا کہ
 ”مجھے بتا کر تو جانتی! آؤ تو گئی کہ
 ”کوئی خاص منزل نہیں تھی۔“
 میں گھومتی پھرتی تھی۔ باجی کا کوئی
 موٹہ پر میرے برابر بیٹھ گئی۔
 ”میرا خیال ہے کہ رات“

کہا جتا ہے ہی کے لیے دوڑا دوڑا
 ”ماں جان کر کسی خیال میں لگوتی۔“
 ”چلو لاہور وقت ہمیں کیا تماشہ دکھانا
 ”اب میں رکھنا کہ شیر بہادر کا طاقا و سائے
 ”ماں نے ہمیں اس کی راتیں گاہ پر
 ”اوہ وقت ہو گا جب شیر بہادر ہوائی
 ”کے لیے اپنے گھر سے چلے گا۔“
 ”مجھے ہے ہو؟“
 ”ماں کو نے پایا جا رہا ہے۔“
 ”سکھ کر باجی پر نوئی کا میک آپ ہو گا۔“
 ”اب ہے کہ کچھ ایسی قسم کی گزرتی ہے۔“
 ”میں نے سیرا کر کہا۔ مکمل صبح کو تیج پر مل کر
 ”ماں! ماں! کیا چاہتا ہے۔ نہایت ہی
 ”میں نے۔“
 ”ماں! مجھے اب تک خیال آیا تو پوچھ بیٹھا
 ”ماں! کیا چاہتا اور تم نے؟“
 ”ماں! ہے۔“
 ”ماں! طرح لیت گئی کہ اس کا سر میری گود
 ”ماں! سننا اٹھا۔“
 ”ماں! لے رہی ہو؟“ میں بھراتی ہوئی
 ”ماں! دھینے مسکرا کر کہا اور انھیں بند
 ”ماں! بیت سے بھر پڑ تھا۔“
 ”ماں! عطا فرما!“ میں چھت کی طرف
 ”ماں! طرح کا پیسے سے اس نے اپنی
 ”ماں! ہمیں پھر بولا! ”میں سوچ لو کہ تمہارا
 ”ماں! ہاتھ کے بغیر کر کے میں قدم نہیں
 ”ماں! رضیہ نے انھیں کھولے بغیر کہا۔
 ”ماں! دو۔“
 ”ماں! کے خوبصورت چہرے پر ایک
 ”ماں! اُدھر دھر کی باتوں میں الجھنے لگا۔
 ”ماں! ت سے عموں کی کتابت تھوڑی تھوڑی
 ”ماں! ان کا ایک مددگار ادھر آؤ پوچھ لیا
 ”ماں! مجھے پھر پوچھا کہ کیا تو نے پوچھا
 ”ماں! ہی تھی۔“

”جہاں متاثر ہو کر ناشتہ کرلو۔“ وہ بولی۔ بساٹے میں
 ”میں نے۔“
 ”میں نے دیکھا کہ رضیہ کپڑے بھی تبدیل کر چکی تھی اور پوری
 طرح تازہ نظر آ رہی تھی۔“
 ”میں باقہ دم میں جا گھسا اور دس ہینٹ بعد جب وہاں
 سے نکلا تو زلزلہ جیسے کیڑی دھکیلتا ہوا ڈرائیج روم میں
 لا رہا تھا۔
 ”ناشتہ کرنے کے بعد میں اور رضیہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔
 ”میں اپنے گھر سے اپنا کمرہ بھی لوں گا۔“ میں نے کہا۔
 ”کیوں؟“
 ”اگر مجھے موقع ملا تو میں اخباری نمائندے کی حیثیت سے
 شیر بہادر کے گھر میں ٹھس پڑوں گا لیکن تمہارا مسئلہ میری سمجھ
 میں نہیں آ رہا ہے۔“
 ”میرا مسئلہ؟“
 ”ماں! میں نے کہا کہ کام، لوگوں کے سامنے آگئی؟“
 ”اگر کوئی ایسا موقع پیش آ گیا تو سانسے بھی تباؤں لگی۔“
 ”اور ایسا موقع پیش نہ آیا تو؟“
 ”اُس صورت میں میرا پس پردہ رہنا ہی مناسب ہو گا۔“
 ”تو پھر وہاں بیچ کر کم ایک دوسرے سے جہاں جاتے گے؟“
 ”کوئی حرج نہیں۔“
 ”برنس روڈ بیچ کر میں نے اپنے گھر سے کیو لیا اور اس
 کے بعد پھر رہا!جی!
 ”بیچ مجھے سے کچھ پیسے ہی میری موٹر سائیکل اس سڑک پر
 بیچ گئی جہاں شیر بہادر کا گھر تھا۔ سڑک کے موڑ پر رضیہ نے مجھ
 سے کہا تھا کہ اس سے آوارہ دل چاہتے ہیں نے اسے آواز کے
 لیے ایک ہینٹ کو موٹر سائیکل رکھ لی تھی۔ دوڑ دوڑیک سنا چلا
 ہوا تھا۔ آدم۔ آدم۔ ناؤ! ناؤ!
 میں اپنی موٹر سائیکل پر شیر بہادر کے گھر کے سامنے سے گزرا
 تو وہاں مجھے رفتی نظر آئی۔ پوریج میں کئی کئی بیاں کھڑی تھیں۔
 کچھ آگے جا کر میں نے موٹر سائیکل روک دی اور سوچنے
 لگا کہ شیر بہادر کے گھر میں داخل ہونے کا موقع تو بڑا اچھا ہے۔
 وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کے باعث میں اس کے علاوہ کوئی اندازہ
 نہیں لگا سکتا تھا کہ شیر بہادر کے واقف کلد اسے اوداع کئے
 کے لیے اس کے گھر پر جمع ہوتے ہیں لہذا مجھے بھی ایک اخباری
 نمائندے کی حیثیت سے یہ رعایت حاصل تھی کہ وہاں بیچ مارتوں۔
 میں نے بہت تیزی سے سوچا اور فیصلہ کر کے موٹر سائیکل
 نو داپس کے لیے موڑا۔ وہاں پھیلے ہوئے تھکے تھے ایکٹرک
 پولز کی روشنی بھی کچھ دیران دیوان سی مسوں ہو رہی تھی۔

میں نے بے دھڑک موٹر سائیکل کو کھلے ہوئے چھانک
 میں داخل کیا اور پیچ میں سے جا کر روک دیہاں دو کاروں اور
 دو اسٹیشن فوٹن کھڑی ہوئی تھیں۔ برآمدے میں کئی آدمی کھڑے
 تھے اور اس میں شیر بھاد بھی موجود تھا۔ اس نے چونک کر میری
 طرف دیکھا اور جب میں موٹر سائیکل کھڑی کر کے روک میں پہنچا
 تو یہ اڑیاں تھا کہ مجھ سے اس کا رویہ بہت سخت ہوگا۔
 ”معاف کیجئے گا!“ میں نے اس سے کہا۔ ”اصل مجھے دفتری
 کام پر یہ جاہلیت کی تھی کہ آپ کی رہائی کے میٹر کیمبر میں قید
 کرلوں۔ آپ کی رہائی کے بارے میں جو خبر ملے ہوگی اس کے
 ساتھ تصویر بھی چھاپی جائے گی۔“
 میری توقع کے خلاف شیر بھاد نے دو اڑیاں سر دھری کا
 مظاہرہ نہیں کیا، بس اثبات کی سر ہل کر رہ گیا۔ وہ بہت غموں
 نغز آ رہا تھا۔
 اتنے میں کھلے پونے اندر لڑی دروازے سے کچھ آدمی نکلے
 جو ایک تابوت اٹھاتے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی سے اپنا کیمبر
 سنبھالا اور اس منظر کی تصویر لینے لگا۔
 شیر بھاد با عورتوں کی طرح آسمو ہار رہا تھا اور اس
 کے دانت کار سے تسلی دلا سہ دے رہے تھے۔
 تابوت آگے کھڑی ہوئی دینگن میں رکھ دیا گیا۔ پچھلی دینگن
 میں شاید سالن رکھا گیا ہوگا۔
 میسرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں اس
 تماشے کا منتظر تھا جس کی نشاۃتِ رون نے دی تھی۔ میری
 بے چین نگاہیں ہر جانب گردش کر رہی تھیں کہ نہ جانے کبھر سے
 کیا ہو جائے!
 مکان کے دروازے میں قفل لگا کر چابی ایک آدمی کو دے
 دی گئی اور اس کے بعد شیر بھاد اسی دینگن میں سوار ہونے لگا جس
 میں تابوت رکھا ہوا تھا۔ میسرے کیمبر سے کیا اٹھنے اس منظر کو
 بھی بند کر لیا۔
 شیر بھاد کے وقتنامی ملازمین دوسری دینگن میں سوار تھے
 اور واقفکاروں نے اپنی اپنی کار کی طرف منہ کیا۔
 بے دھڑک کئی گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہوئے تو ایک
 شور مچ گیا اور پھر وہ گاڑیاں حرکت میں آئیں۔ اب تک کوئی
 تماشہ نہیں ہوا تھا۔ میں یوں ساہو کر اپنی موٹر سائیکل پر جا بیٹھا
 اور اپنی اشارت کو نہ سمجھنے کے لیے بک بک لگائی۔
 دینگنوں اور کاروں کا وہ پھوٹسا قافلہ ابھی تک سے
 باہر نکل رہا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے میری موٹر سائیکل بھی نکل اور
 اس وقت وہ واقعہ ہوا جو غالباً اس تماشے کی ابتدا تھی جس کا
 میں منتظر تھا۔

پولیس کی گاڑیاں دو دستوں
 اور اگر اس طرح نہیں کہ قافلے کو اپنے
 وجہ سے قافلے کی سرگڑی کو روک جائے
 میں سے سبھی سپاہی کو گود کر اترے۔
 پوزیشن لے لی جسے میدان جنگ میں
 میں بھی ان لوگوں کے زونٹ
 اطراف و جانب میں نظر ڈھرائی کہ
 جو۔ وہ مجھے دکھائی تو میں دی لیکن کچھ
 ہی موجود ہو گئی۔
 ”خبردار!“ وقت کی گرتی ہوئی
 بھی کار سے اترا تو اسے جھون ڈالا
 کاروں کے دروازے کھلے
 اگلی اسٹیشن دینگن کا پھلا
 کی چیخیں ہوتی آواز سنائی دی یہ سب
 ”یہ وہی ہو رہا ہے جو جونا
 بچے میں کرنا۔“ اسٹیشن دینگن
 شیر بھاد اسٹیشن دینگن
 تھا۔ میں نے دیکھا کہ رون کے ساتھ
 سنبھالے ہوئے اگلی اسٹیشن دینگن کی
 شیر بھاد ایک باجھ کر جا رہا
 کو سی طرح بے عزت کیا جاتا ہے؟
 رون نے اسے بڑے سرد
 اپنی غیر یکسوئی کو بے عزت کرتے ہیں
 پرحرف آتا ہو۔
 ”آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟“
 جس کا اسے جواب نہیں ملا تھا۔
 ”ہیں اسٹیشن دینگن کی تلاش
 ”کیوں؟ آخر کیوں؟“ شیر
 کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی ظاہر ہوئی
 ”تم ہماری سیال کی معزز خاتون
 ہو؟“ رون نے کہا۔
 ”کیا بھال ہے اس میں؟“
 ”ہم تابوت دیکھنا چاہتے ہیں
 کی طرف قدم بڑھایا۔
 ”ہیں“ شیر بھاد اس کا
 بات کی اجازت نہ کر سکیں وہ
 بے چہری کو دے۔

”اے!“ رون کی آوازیں شدید مایوسی تھی۔
 ”دیکھ لیا؟ دیکھ لیا؟“ باہر سے شیر بھاد پرچہ پیریری بیٹی کی
 لاش ہے یا کوئی مونیہ؟“
 ”شیر بھاد پیریری“ رون پٹ کر غصا۔
 گھلا سفورڈ اس تابوت کو ادھر ادھر سے ٹٹول رہا تھا۔ آخر وہ
 پھر بڑبڑایا۔ ”پیریری تابوت معلوم ہوتا ہے؟“
 ”دوسرا؟“ رون نے چونک کر کہا۔
 ”میں گھلا سفورڈ نے کہا اب ہم اس تختے کو اگ کر دیں گے
 جس پر نومی کی لاش رکھی ہوئی ہے۔“ مجھے یقین ہے کہ اس تختے کے
 نیچے ایک اور غلا ہوگی۔
 ”یہ کام تو آسان نہیں ہوگا؟“ رون نے کہا۔
 ”دو ایک سپاہیوں کی مدد لینا ہوگی۔“
 یہ باتیں شیر بھاد نے بھی سنی تھیں اور میں نے اس کا رنگ
 متغیر ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اچانک اس نے اپنی جیب میں ہاتھ
 ڈال کر ریوالتور نکال لیا لیکن یہ اس کی پستی تھی کہ وہ دو ذریعہ سپاہی
 بہت ہوشیار تھے جنہیں رون نے اس کے سر پر مسلط کیا تھا۔
 ان میں سے ایک نے اپنی رائفل کی بٹ۔ شیر بھاد نے ہاتھ پر ہاری
 اور دوسرے نے سر کی پر رسید کر دی۔ شیر بھاد ایک بھی سی کر اڑے
 ساتھ شریک پر ڈھیر ہو گیا۔
 رون نے آسموہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر
 گھلا سفورڈ سے بولا۔ ”آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ اس
 موقع پر اس حد تک آپ سے باہر نہیں ہوتا۔“
 میں اس ڈراسے میں ایک خاموش تماشائی بنا ہوا تھا اور
 بے چینی، میسرے اعصاب پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ
 جو کچھ بھی ہے، وہ جلد از جلد ختم ہو جائے۔
 اب چھو بیٹھے والے تھے لیکن اندھیرا کم نہیں ہوا تھا۔
 رون نے دو سپاہیوں کو اسٹیشن دینگن میں بلوایا تاکہ
 کی دیکھ سے تابوت کے دہرے ہونے کا پتہ چلا جا سکے۔
 شیر بھاد کے تمام ساتھی اپنی اپنی گاڑیوں میں دم جو دیے بیٹھے
 تھے۔ پولیس کی دارنگ کے بعد ان میں سے کوئی بھی باہر نکلنے کی
 ہمت نہیں کر سکا تھا۔
 جفاکش سپاہیوں نے بہت جلد اس تابوت کے دہرے ہونے
 کا حکم کھول دیا۔ لاش کا تختہ ہلکتے ہی وہ خلا نظر آگئی جس
 کے نیچے تھی۔
 شیر بھاد کی بوکھلاہٹ مجھے یقین دلائی تھی کہ اس غلام
 باغی ہوں گی لیکن جب وہ خلا سامنے آنے تو گھلا سفورڈ کے چہرے
 کا بھی رنگ پھیکا پڑ گیا اور یہ دیکھ کر میرا دل بھی ڈوب گیا کہ باغی
 غلام بھی نہیں تھیں۔

”یہ کیا ہے؟“ وقت تیزانہ انداز میں بولا اور ان کا لے کا لے
 محسوس کو اٹھا کر سمجھنے لگا جو اس خلا میں جھبے ہوئے تھے۔
 ”جس میں سے ٹھنڈے بے اختیار نکل گیا۔
 ”چوتھ ہنگامی کے گھوڑے اپنا پچھلا ہونٹ کاٹا ہوا بولا۔
 پھر شاید ایک منٹ تک کوئی بھی کچھ نہیں بولا۔ سچی سنائی
 میں گنگتے تھے۔ آخر وقت ہجرت ہوتی آدلیں بولا۔ ”اب ہمیں کیا
 کرنا چاہیے؟“
 ”آپ جس کی اسمتنگ کے جرم میں شیرباد کو گرفتار تو کر
 ہی سکتے ہیں۔“ گلا مسرور بولا۔
 وقت نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے
 کہا۔ ”مسرور! اب سمجھ تو گئے ہوئے کہ ہمیں کیا توقع تھی لیکن
 یہ سوال ہم نام ہو چکے ہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں ملدی آپ کے
 رابطہ نام کرنے کی کوشش کروں گا اور بتاؤں گا کہ ہم نے یہ
 آپریشن کس بنیاد پر کیا تھا؟“
 میں نے چند دھڑکی سے سر ہلایا اور سیشین دین سے نکلا آیا۔
 مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے کوئی بہت بڑی بادی ماری ہوئی ہو
 حالانکہ یہ بازی وقت نے لٹائی تھی۔
 میں جب موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہونے
 لگا تو مجھے مزید کا خیال آیا۔ وہ اس پاک تو کس دکھائی نہیں دے
 رہی تھی۔ میں جب موٹر پر پہنچا تو وہ اپنا ایک ایک گل سے نکل
 کر سامنے آگئی اور میں نے بریک لگا دیا۔
 ”سیرا! جی“ اس نے بے تابی سے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں“ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پہلو مجھے بیٹھا
 راستے میں تعطل سے تیار کرنا“
 جب وہ بیٹھ گئی تو میں موٹر سائیکل کو حرکت میں لے آیا اور
 اسے تانے لگا کر کیا ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا۔
 جب میں اس کچھ تیار چکا تو وہ بولی ”آخر وقت کو یہ اندازہ
 کیونکر ہوا تھا کہ....“
 ”تو کچھ والی کوئی بات مجھے نہیں معلوم“ میں نے اس کی بات
 کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اب وقت سے ملاقات ہوگی تو کچھ پتہ چلے گا۔“
 ”ہوں“ رضیہ نے مزید نہیں کہا۔
 میں پھر بولا ”اب تو ایسا کتنے ٹھیک ہے جسے ہم یا توئی تلاش
 میں زندگی بھر دینی چھوڑتے ہیں کہ گواہ یا تو ہیں بھی نہیں لیکن
 گئی۔“
 ”غیر ایسا تو ہو نہیں سکتا“ رضیہ نے جیسے تڑپ کر کہا۔
 میں خاموش رہا اور موٹر سائیکل فراتے بھرتی رہی۔
 رضیہ کے گھر پہنچ کر میں نے موٹر سائیکل روکی۔ رضیہ اتری۔
 میں نے انہیں بند نہیں کیا تھا۔ رضیہ بولی ”کیا ارادہ ہے؟“

”میں اب چلوں گا۔“
 ”ایک کپ چلتے تو پتہ چا...“
 کہا تھا کہ میں انکار نہیں کر سکا۔ آجین بند
 اور رضیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہو گیا
 ”زولا!“ رضیہ نے اپنے ملا
 چاتے بھیج دیے۔
 زولا مسرور چلا گیا اور رضیہ میرا
 بڑھی۔
 ”چاہتے تو دارنگ ڈیم میں بیٹھ کر
 ”بیڈ ڈیم میں کیا سرخ ہے؟“
 ”مجھے اب تمہارے بیڈ ڈیم سے
 رضیہ سے نفرتیں چرلے ہوئے کہا۔
 رضیہ نے ایک کھٹکا ہوا فقرہ
 کھوتی ہوئی اندہ داخل ہو گئی۔
 اس کے پیچھے میں داخل ہوا
 لگا جیسے دھماکے سے کوئی دروازہ
 میرے لیے دھڑ دھڑا لے لیا تھا
 باؤ! ہاں، میرا باؤ!
 میں نے انہیں پھاڑ کر کہا
 ”ان حرکت کو بھی بھڑکانا
 ”ہاں باجی!“ رضیہ نے کہا
 ہم زندگی بھر آپ کی تلاش میں
 میں بول کر اتنی تیزی
 دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ باؤ ہی ہیں
 میں رضیہ
 طرف ہوا
 ”لے لے لے!“ رضیہ نے
 نہیں ہے اگر تم انہیں گود میں
 کو بھجوری وقت پر اٹھا کر
 رضیہ نے سختی سے ان کی
 اس کا چہرہ مسخ اور یکس
 منسوب ہو گیا تھا کہ اس کے
 مگر کہ نہیں بار بار تھا۔ وہ بڑبا

کھڑا ہے۔ جیسے اس آپ ہی رضیہ سے مبارکبادیں
 ”اجتہاد اور دھڑکی میں چھوڑ دو اور یہ بتاؤ۔“
 ”میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ رضیہ نے میری بات کاٹتے ہوئے
 زور زور سے نفرت میں ہاتھ ہلکا کرنا چاہتا تھا کہ اسے
 یہاں کیسے؟ اب تک کہاں تھیں؟ یہ تو دیگر احوال کیا ہے؟“
 ”تو سب مجھ سے ہی سنو گے؟“
 ”قلبی! رضیہ نے سر ہلکا کر کہا۔
 ”تو سنو!“ میں مسکرائی۔
 ”سنائیے!“ وہ دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گیا۔
 میں سنجیدہ ہو گئی اور میرے دماغ کی سطح پر ماضی کے سلسلے اُبھر
 گئے۔ ماضی میں سے ایک ماضی کا وہ خوش بدن خوش صورت لڑکی
 جو مجھے ٹھنڈے کے ایک کنڈرٹنڈ کے لیے میں ملی تھی اور اسے دیکھ کر مجھے
 اپنے اوپر اختیار نہیں رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کے کشادہ گریز میں پڑی
 گئی تھیں اور میری بصارت نے غرور شب سے شکر اٹھا کر مجھے اُٹا
 عمود دے تو دیکھا کہ اس سے اختیار اس کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔
 اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس میں اس بات پر یقین کہ کسی بھی کام تک
 کوئی لڑکی تو مجھ پر گولی نہیں چلا سکتی۔ اسی یقین نے مجھے قدم قدم اس
 کے قریب پہنچا دیا اور میرے مشتاقانہ ہاتھ اس کے ترشے ہوئے کونوں
 کے دلاؤں تک ڈر پڑ گئے۔ میں اسے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے سینے سے
 دھکا کر اس کے بڑبڑانے پر اپنے جذبات کی فطرت نقش کر دینا چاہتی تھی کہ
 اس نے پستول کا گرہ کر دیا۔ پستول کی نال سے گولی کی جگہ سے برف کا
 سائیفہ بادل نکل کر میرے چہرے سے گزرا۔ اس پر فیصلہ فائر کی ضرورت
 ٹھنڈک میری ماسوں کے دوس پر میرے دماغ تک پہنچی اور اس
 نے میرے حواس غصہ کو جھک کر دیا۔
 بے ہوشی! ایک طویل بے ہوشی!
 مجھے تین کس اس ڈبے سے طرح نکالایا؟ کہاں لے جایا گیا
 اور لے جانے والے کون تھے؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔ اب مجھے ہوش آیا تھا تو
 میں کچھ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے ایک طویل فزید کے بعد بیدار ہوئی تھی۔
 اس عالم خواب یا عالم غریبی میں مجھے جو کچھ پیش آیا وہ ایک دھندلے
 دھندلے سے خواب کی طرح یاد رہا۔ گلی تھلے کچھ سامنے کچھ چہرے اور
 غالباً کچھ تپیں جو جیسے بالکل یاد نہیں رہی تھیں۔ مجھے کچھ یوں لگا یاد
 پڑ رہا تھا کہ میں نے اس عالم خواب میں رضیہ کو ایک خط لکھا تھا۔
 عالم خواب میں بھی وہ خط لکھتے ہوئے میں کچھ مدہوش کی تھی۔
 اور جب میرے حواس غصہ پوری طرح بیدار ہوئے تھے تو میں
 نے خود کو کراچی چھوٹی سی پیلو سی سی بین رضیہ کی گود میں لیا ہوا پایا تھا۔
 جب میں یہ ساری باتیں رضیہ کو بتا چکی تو وہ پہلو بدل کر
 بولا ”یہ تو بتائیے کہ رضیہ نے آپ کو کہاں پایا اور آپ کہاں کیسے لے

522

جب میرا دوست بولے "نہ تو میں نکال سکے گا وہ آپ یہاں اپنی گاڑی ہی پر اتارے گا" میں نے کہا "جی ہاں، کیونکہ آپ میرے لیے اسٹیک بار میں چل کر بیٹھ جائیں گے" دوست نے خوب ہنسی کی۔

میں نے ایک شے چمکوا کر اسے دکھائی کہ اس کے کمر کا قیام کوئی بول نہ سیکے، اس لیے مجھے خود بھی اطمینان تھا کہ آپ سے مجھ پر نہیں ہوئے گا وہ آپ مجھے نہیں پکڑ لے گا۔

"بات جی ہاں ہے، لہذا آپ اتنے پراسرار انداز میں گویا ایک پڑوسی میں کدواں چاکر کر رکھ لیتے ہیں۔"

میرا دوست "اسٹیک بار میں جا بیٹھے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ آپ تعیناتیں میں بہت دور سے پہنچا۔

وہ آپ کو کہہ رہے تھے کہ اگر آپ کو اس وقت میں سے

لکھی تو اس ملک سے تیری قبر بکھر رہی تھی۔
 "اودہ! روٹ کے گھٹنے سے نکلا اور وہ پہلے تیرے گناہوں کی
 "میں آپ کو کبھی سمجھتے تھے کہ آپ کو دیکھ کر میں ہوں گی۔ میں نے
 "کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے کوئی ہی کے دور سے سے اٹھایا گیا
 "تھا اور میں شہر بہادر کے گھر میں قید تھی۔ وہاں سے مجھے تابوت میں رکھ
 "کرے جایا جانے والا تھا لیکن میری بھولی بہن زینب نے یہ جو شکاری کی کہ
 "مجھے وہاں سے نکال کر اور میری جگہ جس رکھوا دی۔ جس کا مقصد اس
 "یہ تھا کہ شہر بہادر اگر گرفتار کیے نہ جاسکے گا۔
 "گمراہ ہے! وہ نے زندگی میں اس لئے کہ کہا۔ "دراصل میں زینب
 "نے مجھے تو پریشانی نہیں کی اور مخالفت کا انداز اختیار کیے رہیں،
 "اگر وہ مجھے حالات سے آگاہ کر دیتی تو انہیں خود کسی پریشانی میں نہیں
 "پڑنا پڑتا۔
 "جو کچھ ہو گیا، اس پر شک نہ لے لے۔ آپ یہ بتائیں کہ شہر بہادر کیا
 "ہو گیا؟
 "وہ میں نے اس سے نہیں سنا لیکن ہم اس پر چرچوں کی اس قدر
 "سوسا کوئی خارج نہیں لگا سکتے۔
 "میں اسے پہچان نہیں چلا بیٹے۔
 "مجھے کا تو وہ بگڑ گئی تھی۔ "روٹ نے کہا۔ "میرے بھائی بولا۔ "آخر وہ آپ کو
 "بیشک نام کیوں سے جمانا چاہتا تھا؟
 "دراصل وہ بگڑ کر صرف یہ چاہتے تھے کہ مجھے پاکستان سے باہر نکل
 "جائیں۔ "ان کا خیال ہو گا کہ پاکستان کی مدد سے نکلنے کے بعد میں ان
 "کے ہم کر رہوں گی۔ میں شہر بہادر سے اس کو کہہ کر اپنے ایک معلم میں آپ
 "نے تعاون کی درخواست کی ہے۔
 "فرمائیے!"

ولی یہ خیر اس پر بعد میں غور ہوگی۔ تم میری نصیحتیں مانتی ہو۔
میں نے دیکھا کہ ہاتھ پیرا اور اسے اپنے ساتھ تقریباً گھیسے لیے بیٹھی۔
میں دانتوں اور دوں کو اتنا متوجہ دینا چاہتی تھی کہ وہ کوئی معقول بہانہ
نہ نکالیں۔

رضیہ ان دنوں بوکھڑی تھی کہ مجھ سے کوئی استفادہ بھی نہیں
کر سکی۔ میں نے اسے ڈانٹ کر روم میں لے جا کر روڈ کے سامنے
کھڑا کر دیا اور بولی "یہ میری بھولی بہن ہے، رضیہ!"
روڈ کھڑا ہوتا ہوا اس کا روم اور رضیہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا
کوئی سی تیش دی اور بولا۔ "میں آپ کو بتا چکا ہوں باوجود کہ ان سے
میری ملاقات تو ہو چکی ہے۔"

"رضیہ! میں بولی۔" روڈ صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ یہ
بھانپے سفر کی ابتدائی کاغذی تیاریاں مکمل کروا دیں گے۔ تم اپنے
پاسپورٹ وغیرہ انہیں دے دو۔"

"بہت بہتر ہے! لیکن وہ سب تو میرے کمرے میں ہیں۔" رضیہ
اپنی حواس پاشی پر کسی عذرت کا تالو پا چکی تھی۔
"تو جا کر اسے آؤ۔"

"بہتر۔"

جب وہ اپنی گئی تو روڈ نے سکرلے ہوئے کہا "یقیناً نہیں آتا
یہ وہی رضیہ ہیں جس سے میں مل چکا ہوں!"
"یہ تو آپ کی گویا کہیں یہ اپنے آپ کو بہت دبا ہوا محسوس
کرتی تھی۔ جب میں ان سے پہلے بار ملا تھا تو یہ حلدردیہ پر اکتفا
رکتی تھیں اور میرے ساتھ ان کا رویہ بڑا شدید بلکہ انتہائی جارحانہ
ہوتا۔"

میں جتنے بھی۔ رضیہ کے پاس میں روڈ کا یہ تصرف کرکے
بہتر محسوس کی تھی۔ میں نے جتنے ہوئے کہا "دراصل وہ میرا
بہت کرتی ہے۔ دوتا چھتے بچوں کے کان کٹر دیتا ہے کہ اس کے پاس ہاتھ
ہلے۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں کسی وقت کوئی غلط کام کر چکی ہوں
میں ان دنوں اسے تو کون نے ہمیشہ سیر پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط
ہے۔"

"اتنی کمری میں ان کے یہ تو ہیں تو آپ کی عمر میں چرخ کر لیا
کا۔"

"اُس وقت وہ میرا سہارا ہوئی۔ میں نے ہنس کر کہا۔ میں تو
تک بول رہی ہو چکی ہوں گی نا! وہ کیا کہتا ہے اسے کہ منہ میں
شریٹ میں آنت! اپنی زندگی کا وہ دور میں اسی کے کہنا ہے
راہوں کی۔"

ان کا دوسرا کمرہ ہونے آپ کے کچے میں بلا کا پیدا آئندہ
آتا ہے۔ روڈ نے سکرلے کر کہا۔ اور آپ مجھے بے تعلقی کی اجازت
دیں تو میں میرا کچا بھانپا لفظ استعمال کروں گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دراصل اس کی پودش میں نہ ہی
کنا ہے۔ وہ صرف دو سال کی تھی جب ہماری ماں کا انتقال ہو گیا تھا
میں یہ کہتے کہتے شاید کچھ اداں ہوئی ہو کہ کون سا کسی پر پھانٹوں
میرے دماغ پر غلبہ پایا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "میں
نے اسے تقریباً ماں پر کپا ہاتھ اور اس لیے وہ میرا اتنا ادب
کرتی ہے۔"

تدوین کی آہستہ منائی دی تو میں نے ہلٹ کر دھانے کی
طرف دیکھا۔ وہ رضیہ ہی تھی اور پاسپورٹ وغیرہ آئی تھی۔ میں نے
وہ سب پھر اس سے لے کر روڈ کے گالے کیا اور بولی "اگر میرا پاسپورٹ
آپ چند گھنٹے بعد لیں تو کوئی توجہ ہے؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میں اس سلسلے میں کارروائی تو ابھی
شروع کیے دیتا ہوں۔"

میں نے رضیہ سے پوچھا "رضوان ابھی گیا تو نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"اسے روک لی گئی ہے کام ہے۔"

"بہتر۔" رضیہ جانے لگی۔

"دراصل میں نے روڈ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرا
پاسپورٹ میرے گھر ہے۔ اب میں دہلی جاؤں گی، جہی تو لاؤں گی۔"

"کوئی توجہ نہیں۔ تو میں دو گھنٹے بعد آپ سے کہاں ہوں؟"

"دو گھنٹے نہیں بلکہ تین گھنٹے بعد۔ میں نے جواب دیا "میں
آجائے گا۔ دوپہر کھانا آپ میرے ساتھ ہی کھائے۔"

"اسی تکلف کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔"

"کوئی توجہ بھی نہیں ہے۔ میں نے سکرلے کر کہا۔ "میں آپ کو
بنت کی ایک مخصوص ڈش کھلاؤں گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ پسند کریں
گے۔"

"بہتر ہے۔ تو اب میں اجازت چاہوں گا۔"

میں اسے پھوٹنے کے لیے برآمدے تک گئی اور اسے وضعت
کرنے کے بعد پھر ڈانٹ کر روم میں آئی۔ اسی وقت رضوان، رضیہ
کی کمرے میں ہو گا اور ان دونوں میں بڑے زور سے کچھ مٹی
پک رہی ہوگی کہ اب مجھے نشانے کے لیے کسی قسم کی داستان تلاش کرنا
میں مگر یہ ٹھکانا کھانے کے کچے کھانے لیتی۔ میری بھڑک نہیں
آ رہا تھا کہ آخر ان لوگوں کو بوجھا جاتا ہے کہ کسی خوبصورت مرد کی
قربت میں ہی کسی کا منہ پھینک دیا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ تو
گویا لاشہ ہے کہ زندگی بھر کے لیے اس کی گیزر بننے کی کوشش
کر رہی!

مرد کی برتری کو میں نے بھی تسلیم نہیں کیا لیکن دوسری
لوگوں کو اس ڈنگ پر لانے کی کوشش میں مجھے ہمیشہ بے بسی کا شکار
ہونا پڑا ہے۔ یہ کچھ کمزوریاں میری باتوں کو جتنی ہی نہیں یا شاید
بے تحاشی کی کوشش میں کرکے یہ کہہ رہیں انفرادی شکل کی مشین بننے ہی
میں لطف حاصل ہوتا ہے۔

پہلے دنوں میں ان کے بعد اب میں فیصلہ کر چکی تھی کہ آئندہ
کبھی کی کوئی نہ خیالات کو اپنے نظریات سے ہم آہنگ کرنے
کی سعی نہیں کروں گی۔ پھر رضیہ تو میری چھوٹی بہن تھی اس سے تو میں
ماں کو متوجہ بات کر رہی تھیں کتنی تھی۔

مگر یہ تم کرنے کے بعد میں نے رضیہ اور رضوان کو ڈانٹنا
دوم میں لایا اور رضوان کو گھوڑی ہوئی بولی "ماں اب بتاؤ انکم اس
وقت نہ جانے کیا کر رہے تھے؟"

"یہ آپ کی چھوٹی بہن صاحبہ آپ سے بھی چار ہاتھ آگے
ہیں۔" رضوان نے ٹھنڈے ہاتھوں سے کہا۔
"کی مطلب؟"

"آپ کی شخصیت میرے لیے ہمیشہ ایک راز بنی رہی ہے۔"
رضوان نے مجھے گھومتے ہوئے کہا۔ "اور میں اس راز پر سے پردہ اٹھانا
چاہتا ہوں۔"

"تم بات پوری کیے بغیر خاموش نہ ہو۔"

"میں نے اس وقت آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے
کی کوشش کی تھی یہاں سے اپنے گھر جا کر مجھے خیال آیا کہ آپ سے
ایک بات پوچھنا بھول گیا۔ میں نے ٹیلیفون کیا تو پتہ چلا کہ آپ کہیں
گئی ہوئی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں چنانچہ
پھر یہاں دوڑا آیا۔ یہاں انکے میں نے آپ کی فوٹو دو سال کو
اپنی باتوں کے حال میں جھانسنے اور آپ کے پاس میں ان کی زبان
سے کچھ کھولنے کی کوشش کی لیکن یہ آپ سے بھی زیادہ حرفوں
کی بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال میں اپنی کوششیں جاری رکھتے ہوئے تھا کہ آپ
پسند پڑیں۔"

"غیب! میں نے دُشے توقف کیا اور پھر کھڑی ہوئی ہوئی
ہوں۔" اچھا اب ذرا میرے ساتھ چلو۔

"کہاں؟" رضوان نے حیرت سے پوچھا۔
"رضیہ نے اپنی جگہ پر بے یقینی سے ہل رہا تھا۔
"ابن جبرائیل راتے میں بناؤں گی۔ میں نے کہا پھر رضیہ سے بولے۔

"میں نے دوپہر کے کھانے پر روڈ کو بھی مدعو کر لیا ہے۔ خیال رکھنا۔
کوئی تہی ڈش ضرور تیار کر لینا۔"

"بہت اچھا۔" رضیہ نے آہستہ سے کہا اس کے چہرے کی رنگت
بدلی ہوئی تھی۔

ہر چند یہ کوئی پڑشٹان کی بات نہیں تھی کہیں رضوان کو اپنے

ساتھ لے جا رہی تھی میں وہاں پر دوپہر کے دھبے سے
گھر کے ہونے تھے۔

میں دروازے کی طرف جھپٹی ہوئی ہوئی۔ "آؤ رضوان!"
میں اپنے عقب میں نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس
وقت رضیہ اور رضوان نے بڑی بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف
دیکھا ہو گا۔ انھوں نے انھوں میں اتنا شے ہوئے ہوں گے کہ کوئی گڑبڑ
تو نہیں ہوگی؟

جب میں برآمدے کی سیڑھیوں پر آئی تو میں نے ہلٹ
کر دیکھا۔ رضیہ اور رضوان آپس میں کچھ کھڑکھڑاتے ہوئے باہر
آئے تھے۔ انھوں نے مجھے پٹنے دیکھا تو ٹھیکوت خاموش ہو گئے میں
ایسی بن گئی جب کوئی خاص بات نہ ہو۔

"رضوان! راتوں تک تم ہی کمرے میں رہنا۔"
روڈ نے فری لے کر کہا۔
"کہاں چلا ہے خالوں؟" رضوان نے جھڑپائی ہوئی آواز میں کہا۔

وقت پوچھا جب وہ کاد کو شکر پر لے آیا تھا۔
"میرے گھر چلو۔" میں نے کہا۔
"کی فیس؟"

"مجھے بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ایک میرا گھر لٹنٹس کے علاوہ
بھی کہیں ہے۔"

"آپ کی شخصیت اسرار کی پٹی سے کہیں نہیں۔ میں نے سو
شاید آپ کا کوئی اور گھر بھی جو میں نے نہیں دیکھا۔
میں دھیرے دھیرے ہنس کر چپ ہو گئی اور کھڑکی سے باہر
دور آنے لگی۔ کچھ دیر خاموش رہی، پھر رضوان بولا۔ "آپ
اس وقت اپنے گھر کو لے جا رہی ہیں؟"

"ہاں کا ایک سبب تو یہ ہے کہ میں اس وقت ڈانٹوں گے
کرنا چاہتی تھی اور دوسرے یہ کہ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں
ہیں۔"

"ضروری باتیں؟" رضوان نے اچھ کر کہا۔
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید نہیں یہ جان کر نہ
ہو کہ میں دو ایک دن میں تبت جاری ہوں۔"

"اچھا! رضوان نے اس طرح حیرت ظاہر کی جیسے
کے لیے ایک نئی اطلاع ہو۔

"اب باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی۔" میں نے کہا۔
"آخر آپ تبت کیوں جاری ہیں؟"

"میں نے کہا کہ باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی۔"
رضوان ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گیا۔
کچھ دیر بعد گاڑی میرے گھر کے احاطے میں داخل
میں خاصے عرصے کے بعد کوئی تھی اس لیے تمام لاشہ

روف ایک نوجوان کو سنٹ پر آیا۔ رضیہ نے آکر بچے کو دی تو میں بستر سے اٹھی۔

کھانے کی میز پر نو لگا دی گئی ادم تم میزوں، کھانا کھانے کے دوران میں رو ف نے بتایا کہ میری کامیابی

یہ میرے سوال کی کنجھلا سمجھو تو کہیے
 ”جواب دیجیے مگر کلام سمجھو“ ایں
 مہر ملوئی ”پچھلے دنوں مجھے ایک اہم کام کے
 افلاں میں جانا پڑا تھا۔ ایک نوٹس نے
 شروع کی تھی اور بعد میں اس کے ساتھ
 ”بانڈ“ کلام نوٹس بنوئی سانس نے

میں نے دلا سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ کافی وہاں سے
 گرنا تنگ دھوم سے نکلی اور اس کمرے میں آگئی جو
 یہ راقم کر رہا تھا۔ چند منٹ بعد نصیر بھی وہیں
 پہنچے۔ زولا کافی کڑی ٹرائی دھیکتا ہوا لے آیا۔
 کہ وہ دن میں میں نے نصیر کی طرف دیکھے بغیر ابستہ
 اور سو جیسے چونک پڑی۔
 میں اس کو یہی اپنے ساتھ تفتے جلنے کا فیصلہ

دُعا میرے قریب آئی۔ اُس نے جھک کر میری بیٹائی کو بوسہ
 دیا اور "شب بخیر" کہہ کر چلی گئی۔ میں نے اُسکے گرد وازنہ اندر سے
 بولٹ کی اور نوکر سے کہی کہ کھڑکی کھول دی جو میری دُعا پہنچی۔
 وہ انکو برکات عینہ دکھائیں گری اتنی صبح سے جوں کا مہینہ
 ختم ہوئے چند دن گزرنے پوں۔ بیکھا پوری رفتار سے چل رہا
 تھا لیکن اگر میں کھڑکی نہ کھولتی تو کھٹن جو جاتی، پھر جس نے کمرے
 کی ساری بیتیاں بچھا کر صرف ساڈل لپیٹ جلتے پئے دیا اور میرے
 پر لٹ کر ایک کتاب اٹھائی۔ اٹھائی تو ظاہر ہے کہ اسی اُردو
 سے تھی کہ پڑھوں لیکن پڑھ نہ سکی۔ وہ دُعا کہ مجھے خیال آ رہا
 تھا کہ میری یہ ایلوٹوئی رفوان اور دُعا میرے یکس حد تک شدید اثرات
 مرتب کر سکتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہو سکا کہ دُعا کے دل میں
 حسد کی آگ دھک اٹھے اور وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے؟ اُس

غلامی دور کر دی۔ مجھے سوئے ہوئے پانچ گھنٹے
 ”جواب دے کر آیا: رضیہ دانت چستی ہو
 لڑپا اپنے چوٹ تھامے ہوئے ہاتھ کر لگا
 تھما اس نے دھتورے بڑی پھرتی سے سچی عجیب یں
 نکال لیا۔
 میں دل ہی دل میں اسے بے وقوف کہنے لگا
 اُس نے یہ حواث کہ کہے رضیہ کہنے سے خفا ہوا
 تھا۔

ادھر اُس کی جیب سے دیو اور نکل ادا۔
باتھ روم پہنچے ہوئے کوٹھے نے جنبش کی۔ رضیہ کی

تھی جیسے کلمہ کو مد لکھی ہو۔ شائیں کی آواز سے کہہ کر
حضرت نے لکھی ہوئی کہ وہ ریلو اور کے ٹرانسنگ پر ہوا
ہوتا۔ کہہ اس کے ہاتھ پر اس طرح رٹا تھا

نے اچانک حملہ کر کے اپنے لشکر کو دوسری یونٹوں
 کے ساتھ ملا دیا اور یوں لڑا اور کاویٰ ہتھیار
 چھوڑ کر فرار ہوا۔

”دبا“ رضیہ کا پورا جسم غصے سے
 میاں تک میٹھ بیٹھ سکتی ہے کہ کوسا پیری پر

رُپا کے چہرے پر ایسی سفیدی چھا
شخص کا تہہ ہو۔

”ابیک تجھے سزا دیے بغیر نہیں چھوڑا
دانت پیسے ہوئے اس کی طرف ایک قدم نہ
”دعوم، ماہیری، اور حمزہ ڈیپا کو گولا مارا
”دعوم کی گنجائش تو نے خود ہی ختم کر لی

یہ کہتے ہوئے گولڑا کھایا جو درمیا کی پیٹھ پر پڑا
 تیغ نکل گئی اور وہ تڑپ کر سیدھا ہوا۔ فوج
 ضرب اس کے سینے پر پڑی اور وہ ذکر آتا ہوا

”گئے اخیث اب“ رضیہ دانت جیستی

نے استہمال و حشیتہ انداز میں زہرا پر کہہ کر ڈال دیا۔
 ”سایہ! میں سر جاؤں گا۔ زہرا!
 تجھے شری جانا جائیے“ رضیہ نے
 زہرا کی آہ بکاہت سن کر نہلا اور مدد
 گئی تھی اور وہ دروازے پر پہنچ چکی تھی۔
 ”بابا! بابا! زہرا دروازہ کھٹک رہی ہے۔“

”ابھی باہری طہرو! زینہ سے باہر
 کو نکال دیا۔
 اس کی آواز سنستے ہی باہر تپا جا اٹھا
 قیامت آئی ہوئی تھی۔ کوڑے کی شاخیں

میں نے یہ بھی نہیں۔

میں چلی گئی۔
میں کھڑکی کی طرف گئی اور پوچھ پچھا کرنے لگی کہ
اگے بھکی۔ کھڑکی کے نیچے مجھے پوری کمر پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں

ایک طویل سانس لے کر حیدر علی کھڑی ہوئی اور کھڑکی کے فریم کے
 وہ جیسے دیکھنے لگی جہاں گبرلنگی ہوئی تھی۔
 ”یہ ناراضی کے شعوف کی کانٹا لڑائی ہے باجی! رضیہ ہاتھ لڑے

سے نکلتی ہوئی بولی۔

”ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔“ میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”ناریفہ، ایک بوٹی کا نام ہے جو خالص صرف جنت میں پائی
 جاتی ہے۔ روٹی، خوراک، ٹھکانہ کو فراہم کر دیا جاتا ہے اور نہ

جانی ہے۔ یہ یوں تو فحش ہے، تو اب بعد میں پوچھ لیں گے اور پھر
دن کے اندر اندر مگر جھکا کر تہہ ہو جاتی ہے۔ تربت کے لا مار فحش
چمکتے ہی اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور جہاں بھی فحش
ہے، اُسے اکھاڑ لیتے ہیں اس کو پٹی کو پس کر مصروف بنالیا جانا
ہے۔ بعض دوسری چیزوں کی آمیزش کے بعد یہ مصروف مختلف

بیماریوں کے علاج میں کام آتا ہے۔ خالص صغوف میں یہ طاقت

کوئی ہے کہ اگر کسی دھات پر چھو کر اوپر سے پانی کا چھینٹ
 دے دیا جائے تو ذرا سی دیر میں دھات پھل جاتی ہے۔
 نہ کہ اگر لہر نہ ملے وی سرفراز نہ آتا تھا۔

کھڑکی کی پرل پر دھپکے اور اس وقت اس کا

میں نے ایک غنڈہ مناس کے لئے کھر کھر کی بند کی اور بلاٹ چڑھ
 دیے پھر ضیہ سے کہا : زولا سے کہو کہہ جائے بنائے مجھے اب فیروز
 نہیں آئے گی۔ مارا ہے تین بج رہے ہیں ۶

رضیہ سرکار کر کے سے ملی گئی اور تین چار منٹ بعد لوٹ آئی۔
 ”تم نے یہ کیا آتے ہوئے کیسے دیکھ لیا؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
 ”میرے انشاؤں پر ہنس رہا تھا اور اس نے کہا کہ تم سچ“

”وگوں! یہ تو اعلیٰ ہیں مجھابی! میں تو اس کی تہاں میں جس“

یوں! یہ کہنے سے پہنچا۔
 ”مجھے یقین تو تھا کہ کرپا نے یہ شہر گزرنے میں جھڑا ہو گا بس۔“
 ہوا تھا کہ اس نے میرے خوف سے رو روچی اختیار کر لی تھی۔ دن میں آپ

کئی تہہ گھر سے نکل کر آئیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ روپائے آپ کو دیکھ نہ
ہو گا۔ وہ میاں آیا یا جی ایس لیے تھا کہ آپ کو ختم کر دے لہذا اب اس کی
طرف سے کوئی خطرناک قدم ضرور اٹھانا چاہیے۔ تھلداں حالات کو پیش نظر

کہتے ہوئے، میں آپ کی طرف سے طہن کیسے ہو جاتی؟ آپ کو شب بخیر کہنے کے بعد میں اپنے کمرے سے یہ کڑا لے کر چھت پر حل جلی مٹی کی دیوار سے ارد گرد نظر کھ سکوں۔ میں چھت کے کنارے پر رگڑتے ہوئے مسلسل

چکر لگا رہی تھی ایک مرتبہ میں جب اس کھڑکی کے اوپر پہنچی تو میں نے زبرد
کو دیکھ دیا وہ گرل آٹک کر کے زمین پر گر کر چکا تھا اور کھڑکی میں داخل ہو

534

اچھا اچھا۔ میں نے اس کا دل چھپا کر مانتا ایسا ہی کیے لیے

میں نے۔
لیکن ایسا کرنے میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔
رضیہ کو سنا کر اور رضوان کو رؤف کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد
جب میں اپنی خواجگاہ میں داخل ہوئی تو خزانہ چھلانے بیٹھی تھی۔
”جان! اسات کرنا، مجھے کچھ دہر ہو گئی۔“

”ظاہر ہے آپ کو کسی کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟“ خزانہ نے عموماً ناوا
سے برتنے کیلئے انداز میں کہا اور پھر گھڑی ہوتی ہوئی بولی ”میں جیسا چاہوں
کی گھر سے برت دیر بھر گھنٹے کی اجازت سے کرائی تھی۔“

”اگلے دن قدم بڑھائے میں اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ دو دروازے تک
جانے کے لیے غور کرنا ہی مگر میرے برابر سے گزرتا ہیڑتا۔ میں بے پروا
نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی جبکہ وہ میری طرف تیس دیکھ رہی تھی۔“

”اس کے پیروں سے ہوتے ہوئے تار تارے بھول افراتھے کہ جب وہ میرے قریب
سے گزرتے تو تو میں نے اسے کیلئے اپنی آنکھوں میں لہرایا۔“

”میں جلنے دیتی....“ وہ بات بوری نہیں کر سکی۔ میرے پوچھوں
نے اس کے پوچھوں سے وہ سارے حرف ایک لے کر لفظوں میں تشکیک ہو
کر اس کی زبان سے ادا ہوئے والے تھے۔ وہ اظہار ناراضگی کے طور پر
مست کسمائی بہت عجیب لیکن اس کی کوششیں بار بار وہ نہیں ہو سکیں۔
اس کے برعکس میری آنکھوں کی تنگ دالان اتنی بڑھی کہ اس کی کوئی ہوتی
مانتوں نے اس کا گھر کیا میرے جذبات اسے برا لگتے تھے ہر جگہ تنگ

سائے میں کھڑک دیکھ دیا جاتی تھی۔ میری دشت کا اندازہ اس سے ہو
سکتا ہے کہ میں ایک ہی گھنٹوں میں سفر کی لمبائی تک پہنچ جاتا جاتی تھی۔
یہ خزانہ اس کے مصلحت کا امتحان تھا جس میں وہ بوری تھی۔ اس کی
کھول میں شفق آرائی اور گلاب پر انگاروں کی چھوٹ چڑنے لگی سی

لوہے مٹ گئے، سارا گلاب جاتا رہا۔ یہ لہجہ اس کے لگاتار کی طرف سفر
رہا ہوا اور سفر سے حضرت کے لئے اس طرح گزرتے کہ ہم نے ان
لہجہ کے لہجہ آگ سے کب اسباب ڈالیا۔
روانگی اور فراوانی کے بین بین وہ ایک عجیب سی دنیا ہوتی ہے۔
ان انگڑے بھی چھتے ہیں اور بدستھی خندیں بھی نڈرائیں ہوتی احسان
تو پھر جن کا لہجہ آگ سے فتنہ بنتا ہے اور پھر وہ سب شعلے، برف کی
سج جھونکی ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا ایک ایسی خوابناک وادی ہے۔
ان انجانی! اچھتی خوشبو میں چکرائی ہیں اور نفس کے اقتدار سے
بہ دور مریقی تفسیر مکر ہوتی ہے۔

میں اور خزانہ جب اس وادی سے نکلے تو دنیا بڑی عجیب لگتی
رہی تھی، یہی انسانی طبع جو ہر جگہ بہت بڑی ہوتی ہے۔
”اب لا جو اب پیکل دھوپ بڑی بجی گئی۔“
”ہاں! خزانہ دھیر سے بولی ”جب آپ جلی جائیں گی تو“

”یہ کچھ ہی دنوں کا طبع جو ہر جگہ بہت بڑی ہوتی ہے۔“
”اب لا جو اب پیکل دھوپ بڑی بجی گئی۔“
”ہاں! خزانہ دھیر سے بولی ”جب آپ جلی جائیں گی تو“

کئی یوں آئیں گی۔“

”فراموش نہیں؟“ میں نے منہ کر کہا۔
جلنے کی اور پھر کچھ بالوں کا نام بھی یاد نہیں رہا۔
”بالا آپ کتنی گھڑیں ہیں؟“ اس نے کہا
طرف دکھا دیسی بائیں کرتی میں کچھ بائیں کر رہ
”تو کیا تو مجھے عیشیہ یاد دلاؤ گی؟“ میری
اس کے چہرے کا طواف کیا۔

”میں اپنی اس ایک سانس کو بھی فراموش
کو فراموش کر کے میرے سینے سے نکلے گی۔“
میں کہا۔ اس کی آنکھوں کے کٹوروں میں بس
دو اب جھپک مانا چاہتے ہوں۔

”جھپکی!“ میں نے اسے اپنے سینے سے لگا
چلی جا رہی ہے۔“

خزانہ میرے سینے میں ترچہ چپا کر کے
دنوں میں شہید ہوا وہیں ترچہ ہو چکا کہ خزانہ
کیوں چاہتے تھی ہیں؟ کیا اسی کو توں بھق کتے ہیں؟
تجربہ بھی نہیں ہوا میں نے قسمت تو بہت کی ہے

میں تنہا قسمت؟“ اس کی شکار ہو گئی ہوں لیکن
کی تعریف نہیں ہے؟ اس سے کیا بھی اسے شکر
خزانہ کے جانے کے بعد میں نے گھر کی کسی
حیثیت زدہ ہو گئی کہ وہ دیکھنے والے تھے۔ خزانہ کی
وقت گزری گئی تھا میں نے ہمارے قریب کرنا

”بس اب! شکر! اگلا کھانا کھا کر چھوڑنا۔“
”کیا کچھ لگا؟“ رضیہ جہان کی بکری بولی۔
”وہ تو مجھے ہیں جلدی سے سزا دھرم
کچھ دیکھ کے اپنے دفتر جانا ہے۔ حساب کتاب
پھر جملے تک لکھی واپس آنا ہو۔“

رضیہ طبعاً سپرین کرنا تھا۔ دم میں جاگھسی۔
مجھے رضوان کا خیال آیا جو رؤف کے ساتھ
ہی نہیں تھا۔

کھانے کے بعد جب میں روانگی کے لیے
کی شکل نظر آئی اور میں نے چھوڑتے ہی کہا کہ تم
ہوئے پیچھے گھر سے سر سے سینک۔“

”میں اپنے دفتر چلا گیا تھا۔“ رضوان نے تر
جواب دیا۔
”طویل چھٹی کی درخواست دینے؟“
”میں استغنیٰ ہی سے آیا ہوں۔“

”میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو
میں نے بے پروائی سے کہا تھا تو

دوست سے خدمت چاہی لیکن میں نے اسے براہِ ارادہ ہی کیا۔
جب وہ لایا تو میں نے رضیہ سے رضوان کے بارے میں پوچھا۔
رضیہ نے جواب دیا کہ وہ تو تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔
”اُسے ٹیلیفون کر دو کہ وہ کل دوپہر کو روانہ کیے گئے ہیں بالکل تیار ہے۔“
”یا شہزاد تم نے وہ دلیں خود ہی فون کر دوں گی؟“
”جیسا آپ چاہیں۔“

کھانے کے بعد میں نے اور رضیہ نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر
پہلے ہی اور کئی نصف گھنٹے بعد میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔
اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے ٹیلیفون اٹھا کر رضوان سے رابطہ کر لیا۔
دوسری طرف سے رضوان نے میری آواز پہچان کر بڑی سنجیدگی
سے کہا: ”فریڈینا“

”میں کل ایک نچوہ وار ہو رہی تھی۔ تیار رہنا۔“
”تیار رہی تھیں؟“
”آخر تم اتنے تھکے تھے مجھے سے کون ہو رضوان؟“
”میں تو، میں بالکل تھک چکی ہوں۔“

”شاید تمہیں یہ یقین کرنے میں تامل ہے کہ تم میری محبت کو جیت
لینے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ میں نے یہ کہتے ہوئے سیدھی ہی کو
سمجھ مار دی۔“

”ہاں؟“ رضوان کے لہجے سے شدید بے بسی جھلک رہی تھی۔
”ہاں ڈرائنگ روم میں نے بڑے پیار سے بیٹھیں۔“
”آپ...“

”ہاں ہاں، کم از کم کیوں گئے؟“
”کچھ نہیں۔“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور سلسلہ منقطع
رہا۔

میں نے مسکراتے ہوئے رضوان کو دیکھا اور لباس آئنا کر شرب خوانی کا گھڑون
نہنے لگی۔ ایک ایک ٹیلیفون کا زبر بچھ کر گاؤں پر سے رستہ کی سائڈویل
پائیس جانب دیکھا اور اتفاقاً ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے
جاڑا ہونے کے کمرے میں لگا ہوا تھا۔ جب رضیہ کے کمرے کے ٹیلیفون
میں چلی گئی تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا زبردست آواز اٹھ رہی تھی۔ خود
ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا نمبر بتاتی تھی۔
بہرِ رائے کے ٹیلیفون پر لگا ہوا تھا وہ نمبر بھی میں نے اس ٹیلیفون
میں دہنے دیا تھا۔ اس کے برعکس ایک فون نمبر ڈوا رہا تھا۔ یہ حرکت
میں نے محض اس لیے کر رکھی تھی کہ اگر میں کبھی کو اپنے گھر میں ٹھہروں
تو پھر ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت
کی گفتگو کر سکوں۔

جب زبردستی گئے تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ فون
دروازہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ زبرداب خاموش ہو چکا تھا اور

اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ اپنے کمرے میں ٹیلیفون کا
چکی تھی۔
میں اپنے گاؤں کی ڈوری کو کھینچ کر کمرے میں
کے قریب گئی اور اس کا لیڈر اپنی جانب سے اٹھا کر
اٹھنے کا کھٹکا، رضوان یا رضیہ کو سنائی دے سکے۔

میں نے ماتحتی میں پر ہاتھ رکھ کر لیڈر کو
مجھے رضوان کی آواز سنائی دینے لگی، وہ کہہ رہا تھا: ”اس
چکی میں۔ وہ جتنا ہی تمہیں کمال دہر کو روکا جی ہے۔“
”ہاں؟“ رضیہ کی آواز آئی وہ پہلے تو انہوں نے
تمہیں فون کر دوں لیکن پھر انہوں نے مجھے سوچ کر کہنے
”رضیہ!،“ رضوان بھڑائی آواز میں بولا: ”
پاگل کر رہے گی۔“

”میں تو نہیں سمجھ کر ایسی کوئی بات کر رہی تھی۔“
”ٹھیک ہے کہ میں تم سے اور تم مجھ سے محبت کرنے لگی
محبت ختم تو نہیں ہو جائے گی اگر تم باقی سے شادی کر
”رضیہ!،“ رضوان اتنی دوسرے جیتا تھا کہ
میں متہ نہ بنے گی۔

”آہستہ بولو!،“ رضیہ نے کہا: ”کیا ٹیلیفون کی
چیز کیا بک رہی ہو رضیہ؟“ رضوان نے بڑے
محبت سے بے اور شادی بانٹنے کے لڑوں؟“

”کیا فون پر لکھ رہی؟“ رضیہ نے آہستہ سے کہا
دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ کیا ضروری ہے؟“
”جو محبت کی مروجہ جسمانی ملاپ تو نہیں ہے اس
باقی سے شادی کرنے کے بعد برا اخلاق طور پر اس
کی ایک دوسرے سے محبت بھی باقی نہ کر سکیں۔
مطلوبہ نہیں ہے کبھی کوئی فون نہیں پڑا، اگر وہ
انکار کریں تو بھی دل برداشتہ بن رہا ہے۔ ایک
تو بنگلہ لیکن اس کس لیے یہ سخت ہے؟“

”اب بند کر دو یہ کچھ اس!،“ رضوان دانت
ہی نہیں کھینچ رہی۔
”رضوان! رضوان!“ رضیہ کاکلی ہی رہ گئی
سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

مجھے لیڈر میں رضیہ کے ٹھنڈی سانس
دی اور پھر اس نے بھی لیڈر رکھ دیا۔ اب میں
بڑے فون پر کھینچنے لگی۔ مجھے اپنے رپانے
مزار کا خیال میں سوچنے لگی کہ آئندہ اس کیلئے
کس طرح ہمارا جاسکتا ہے؟
یہی سوچتے سوچتے میں زندگی غور میں

ہاں میری ہینڈل سے وارنٹس ٹوٹی ہوئی لیڈر کے
میں نے وقت دیکھا۔ دو بج چکے تھے۔ میں نے مسکراتے
اپنے ہاتھ پر چاہا میں سمجھ رہی تھی کہ آج رات رضوان کو
ال اور اب بے یقین ہو کر اس نے ایک بار پھر رضیہ سے

میں نے لیڈر اٹھا کر ان سے لگا لیا تو مجھے زلزلہ
ہوئی اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، اسے سنتے ہی میں اچھل کر
پتھر کا تھار میری آنکھوں سے کاغذ ہو گیا۔
”یہ اتنا کہ سا بی بی!،“ سا بی بی!،“ وہ کسی نے مجھے
”اب سے آگ لگا دی ہے۔ آگ اتنی شدید ہے کہ ہم

میں نے نہ تو زلزلہ کی
اور رضیہ کے قریب کا احتیاط کرنا، بند لیڈر رکھ کر
کا لیڈر اٹھا لیا۔ میں فائر بریگیڈ کا فون نمبر
میں میں رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں
”میں آگ لگنے کی اطلاع دی تو اُدھر سے بتایا گیا
پہلے ہی بل چکی ہے اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں
کے امداد سے نکل رہی ہیں۔ مجھے لیڈر میں
کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

لیڈر میں رکھا ہی تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ زور زور
ال کے ساتھ ہی فیسکال وارنٹس سنائی دی۔ وہ مجھے
کہہ رہا تھا کہ کھول دیا۔

میں نے بولی دیکھی تو میرے جھنجکے میں آگ
ال فون لگا تھا۔ پھر ایک ایک اس کی آواز آنا بند
ٹیلیفون کے تار چلا دیے ہوں گے۔“

”ہاں کر۔“ میں فوراً وہاں پہنچا چاہیے۔“
میں اس کا خیال غلط سے ورنہ ہو گئے۔ ڈراؤنی
میں رہا۔ رشتہ کا عالم تھا کہ راہ میں پھرنے والی
میں بولی جاسکتی تھی۔ ہر دوڑ پر اس کا حوصلہ ہوتا تھا
”کی۔“ ایک گھنٹے کی آواز سنائے میں بہت دور
میں ایک جنون سا طاری تھا۔ کبھی بھی وہ دانت
”لے غلابا زبیا کے ساتھیوں پر
کہہ آگ خود بخود نہیں ہوگی۔ قرآن سے پرہ
”کہہ ساتھیوں ہی نے لگائی تھی۔ یہ یقین کرنے
”کہہ خود زبیا پر کیا گور گئی ہوگی؟ کیا ان
”پہلے زبیا کو وہاں سے نکال دیا ہوگا؟“

بہت جلد ہاری کا منزل مقصود پر پہنچی لیکن جنگل کے قریب
پہنچی لیکن میں تھا۔ بچوں نے راہ روک رکھی تھی۔ رضیہ نے کار ایک
طرف کھڑی کر کے انجن بند کیا۔ اس سے پہلے میں کایا کرتی تھی۔
جنگل سے اٹھتے ہوئے خشے میان سے بھی نظر آتے تھے۔ فائر بریگیڈ کی
گھاٹیوں ان خشوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ بہر
طرف شور برپا تھا۔

میں اور رضیہ یہاں پہنچ گئے تھے لیکن اب ہم پہلے بسی
طاری تھی۔ جاسے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم
بس تماشاخانے میں رہیں۔ پہلے قدم بھی اس دوسرے آگے نہیں بڑھ
کے جہاں فائر بریگیڈ نے عام لوگوں کو روک رکھا تھا۔

”اوہ باجی!“ رضیہ نے اعتراض میں پولو ہٹتے ہوئے کہا: ”شکل
سبہ کہ ان میں سے کوئی بچھے۔“

”ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔“ میں نے بے بسی کے عالم میں کہا اور پھر
ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر فون بولی بولی: ”آؤ؟“
”کہاں؟“

”رہت کر ٹیلیفون کر کے بتانا ہوگا ورنہ آگ بجھنے کے بعد بھی
میں آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس آتشزدگی کے نتائج فوری
دو پہرے ہلکے ساٹنے نہیں آسکیں گے۔“

”مگر... فون کریں گی کہاں سے؟“
”کسی کے گھر پر ہی سوالیہ پٹا ہے گا۔“

اور یہ کام دشوار نہیں ثابت ہوا۔ ہمیشہ لوگ گھروں سے باہر
ہی نکلے ہوئے تھے۔ ایک متحول سب عورت کو دیکھ کر میں نے اس سے
درخواست کی جس نے قبول کر لی۔ میں اپنے ساتھ اڈرے لگتی اور
میں نے رات کو رنگ کیا۔

رہت کو نیند سے بیدار ہو کر کال لیڈر کو پڑی تھی۔ جب
میں نے اُسے حالات سے آگاہ کیا تو وہ فوراً وہاں پہنچنے پر آمادہ
ہو گیا۔ میں نے اسے ایک مخصوص جگہ کے بارے میں بتا دیا کہ وہاں بولوں
گی ورنہ وہ اس جہم میں ہیں کہاں ٹھونڈنا پڑے گا؟

تیس منٹ میں وہ میرے آگلا۔
لیکن فی الحال اس کی حیثیت بھی ایک تماشاخانے سے زیادہ
نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ آگ پر قابو پایا گیا تھا لیکن وہ بجائی نہیں جا
سکتی تھی۔

آگ بجھنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔
لیکن صبح تاج سامنے آتے آتے صبح ہو گئی۔ جنگل کے بلے
میں سے کوئی زندہ آدمی نہیں نکلا تھا، صرف لاشیں برآمد ہوئی تھیں
اور لاشوں کی حالت ایسی تھی کہ کسی کو شناخت کرنا ناممکن نہیں تھا۔
لاشوں کی تعداد سے پہچان کر ان کی رہنما بھی تھا۔ اس

اس کی طرف سے ایک دوسرے کا منہ سے روتی ہیں
ساتھ تھا اس لیے ہم نے کوئی تبصرہ کرنے سے احتراز کیا۔ خود رفتی
ہم سے سوال کر بیٹھا۔

”ایک ناکہ لاش کس کی ہو سکتی ہے؟“
”کیا جاننا چاہتے ہو؟“ رضیہ بڑبڑائی۔

لا علمی کا یہ اظہار کرنے کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش
نہیں رہی تھی کہ رفتی پھر کوئی سوال کرتا۔

”آؤ اب گھر لوٹ چلیں، میں نے رضیہ سے کہا۔
رفتی بھی ہلے ساتھ میں چلا آگیا تھا۔

مجھے کے آٹھ بچہ کے
تھے گھر سب کچھ محسوس ہوا کہ میں بہت تھک گئی تھی میں بڑھال
سے انداز میں صوفے پر گر پڑی۔

”اچی“۔ رضیہ بولی، ”اب آؤ۔“
”اس کی ضرورت نہیں۔ میں چاہنے لگی تازہ دم ہو جاؤں گی“

رفت بولا، ”اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟“
”پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، میں نے فیصلہ کر لیا انداز

میں کہا، ”میں اور رضوان اور رضیہ آج ہی رات ہوں گے“
”باقی“ رفت میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا، ”کیا یہ آگ

کسی خاص شخص سے تھی؟“
”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، رفت نے پوچھا۔“

”مجھے شہر سے آپ کو کوئی بات چھپا رہی ہیں؟“
میں کسی خوبصورت پرلے میں رفت کے سوال کو ٹھک جانا

چاہتی تھی۔ میں نے تھنڈی سانس لے کر کہا، ”اگر یہ اچھی کسی سے تھی
ہے تو یہ آپ کا فرض ہے کہ اس کی تحقیق کریں اور مجھ کو روبرو

سزا دو آپ۔“
رفت چند لمحوں میں چلتی ہوئی ایک ٹول سانس لے

کر کھڑا ہوا اور بولا، ”میرے بچے اجازت دیجیے۔ میں جا کر دیکھتا ہوں
کہ پولیس کے اہل کار نے اس کے بارے میں کیا اندازے چکائے ہیں؟“

”دوہرہ کو آپ ہاں بیٹے آئیں گے؟“
”یقیناً“ رفت نے جواب دیا، ”جب اپنے پروگرام میں کوئی

تبدیلی نہیں کیے تو میں کیسے کر سکتا ہوں؟“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے چھٹی کی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

رفت چلا گیا۔ میرا اور رضیہ کا ذہن اتنا مشغول تھا کہ ہم نے متعلقہ
بھی لے نشتہ کے لیے نہیں دیکھا۔ اس کے جانے کے بعد میں اور

رضیہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں ہی کے ذہن میں
سوال پل رہے تھے لیکن جواب دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں

تھا۔
اس سکت کو رضیہ نے توڑا، ”بھرائی ہوئی آواز میں بولی یہ

کچھ نہیں آتا کہ وہ کیا کوئی اس سے نکالے بغیر آگ کیوں لگتی تھی؟“
542

”اس کا جواب شاید میں نہیں جانتی۔“
اندر سے کسی کی رہنے کے لیے نے جواب دیا اور

سے ٹھیک لگا کر انھیں بند کر لیں۔
”بازو! نامہ میرے لکھ دیا گیا ہے، ڈیڑھ

خاص کی آواز سنائی دی تو میں نے انھیں کھولیں۔
جب ہم دونوں نامہ کھول کر پڑھنے لگے تو

آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ وہ ایک سر
ہو لٹالے کر آیا ہے۔

”ابھی سے آیا؟“ میں بڑبڑائی اور پھر
میں نے آؤ۔ سامان وہیں رکھا دینے دو۔“

جلد ہی ملازم سے رضوان کو ڈانٹا۔
”آؤ؟“ میں نے رضوان سے کہا، ”اچھی“

”میں نامہ دیکھ کر بغیر گھر سے نہیں نکلتا۔“
”تو کیا ابھی نہیں چلے گئے؟“

”ایک کپ چائے لیٹنے میں کوئی مضائقہ
نہیں ہے۔“

”میں نے اس کی گھٹ کر پیچھے ہٹنے کو کہا۔
رضیہ سر ہٹانے نامہ کرتی رہی۔

لے اس وقت کہ رکھا تھا۔ اور میرے چہرے کے
خال بات مزید چل کر رضوان نے سوال کر

آپ دونوں کے چہروں سے ایسا محسوس
ہو گیا ہے۔“

”ہاں“ میں نے ایک تھنڈی سانس
کر دیا اور رضیہ میں آئی تو ہوگی۔ میں انھیں

ہوں۔“
”خبر تو آج میں نے بھی نہیں پڑھا

تیزی سے پوچھا۔
”رضیہ کے تمام ساتھی مل کر ہلاک

کر گئے ہیں آگ لگا دی تھی۔“
اس خبر نے رضوان کو ایسا ذہنی

کے تھوڑے سے ایک لفظ بھی نہیں مل سکا۔
اس کی پیشانی پر شکنیں قائم ہو گئیں۔

”خبر کو کیا آگ لگنے والے اور لاپرواہ ہو گئے؟“
رضوان اس بات سے بے خبر تھا کہ

قائدانہ حملہ کیا تھا اور اس کی باریاں میں قید
”فی الحال دونوں سے کچھ نہیں کہا

”پھر اب دعا کیجئے۔“
”اس کی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی“

جواب دیا جو رفت کو سنے جاتی تھی۔

ناؤ کیس سے مجھے اندیشہ کہ تبت کی سروغا تمہیں تلفی نہ بنائے۔“
تلفی تو میں ویسے ہی بنا رہا ہوں، میں رضوان نے تھنڈی سانس لے کر

کہا، ”مجھے اپنا ذہن بالکل مشغول رکھنا سیکھ رہا ہوں۔“
”کس کا نتیجہ کیا ہوگا؟“

”اس کیس میں کاجن کا آب آغا ز کر چکی ہیں۔“
میں رضوان کا اشارہ سمجھ کر توئی ٹیک کر کمال سے کام لے کر بولی کہ تم تو

میں بائیں کر رہے ہو۔ کون سا کھیل؟“
”ہم تسمیہ دیر میں لان پر چھپیں گے؟“ رضوان نے موضوع بدلنے کی

کوشش کی۔
”میں نے خیال میں تو اب ایک گھنٹے سے زیادہ کا سفر کیا نہیں ہے۔“

رضیہ اس انداز میں بھی رہتی تھی میرے ہونٹوں کی انگلی سے کر دی
سرور کا نہ رکھا جاتی ہو لیکن میں شوق لگا کر کھینچتی تھی کہ وہ ہماری باتوں کا ایک

ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایک حرف سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
”میں نے ایک گھنٹہ سے تسمیہ پر بیٹھ کر تھک چکی ہوں

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ رضیہ نے اس سفر کے دوران میں بہت کم بات چیت کی
تھی۔ وہ اس انداز میں صرف ہوئی کہ وہ اپنے محبوب کو اپنی باقی شادی

کرنے میں کس طرح آمادہ کرے۔ خود اس کا انداز فکر تو یہ تھا کہ تبت کا مطلب ملتی
نہیں ہے۔

”میں اس کی اور رضوان کی قیمت متاثر نہیں ہوگا اور وہ دونوں صرف لگا رہیں
کے دوسل سے درمیان آؤ تو کسی حاصل کرنے میں لگیں۔“

پہلے اس انداز فکر کو رضوان پر مسلط کر دیتی تھی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ رضوان
اس کی بات نہیں ملنے لگا جبکہ وہ دل سے یہ چاہتی ہوئی کہ رضوان اس کی باقی

سے شادی کر لے اسے اپنی باقی سے بے نیاز دیکھتا۔
”میں اس کی باقی اس بات سے تو بڑا دل آواہم کر رہی ہوں

اس اقدام سے کوئی حیرت نہیں پہنچا ہوگا۔“
”میں اس کے انداز سے اس

صورت حال سے سوچا کہ وہ کس طرح دانا نکلا ہو جائے گی۔ تو میں اس نفاشے
کو فراموش کر دیتی۔ چونکہ مجھے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں تھا انداز میں رضوان

کو پریشان کرنے کے لیے اس نفاشے کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔ ماضی میں رضوان
نے مجھے اکثر پریشان کیا تھا اور اب میں اس کا سارا احساں کتاب چکا دینا

چاہتی تھی۔
جب ملا ملا یہ لان چرسے کرائی، تو سے پورا اور میری

باہر نکلے تو ملے جسم شکر کی ایک جگہ بٹھارے لپکنا آجھے۔ نفاشے حد
مروغی۔ ہوائی، تو سے موجود چنی فزوں نے مجھے کا غلات کی بجائے

کی اور عین ہو گئے۔ وہاں سے ہم نے تان چوکے سے بڑے بڑوں کا
درجہ کیا۔ وہ بہت بڑا ہوئی کسی جدید شکر کے موٹی درجے کے بڑوں سے

نفاذ بہتر نہیں تھا لیکن وہاں مروی سے بجا کا خاصا معتدل تھا۔ نفاذ
ہم سے پیچھے ہی کر کے کے آٹھ لائن میں لگ کر دیکھا گئی۔ ہم نے ہوا کرے

543

کرنے کے بعد ہی داپس کا سفر کرنا چاہتا تھا۔
 ہم لوگ کھانا لیا تو یہ بھی کھا چکے تھے اس لیے ہولی بیچ کر یہیں
 اس کے برادر کی فکر لائیں تھیں کہیں کسی پرچہ کو جو جائیں گرم کر کے کھائیں تو شیو
 کی آغوش کی طرح بکارت محسوس ہوا اور میں بیٹھنے ہی لگی۔
 اگلی صبح ناشتے کے لیے ہم چاروں ایک ہی کمرے میں جمع ہوئے۔
 ناشتے کے سلسلے میں بات بات کی آہنیہ ہی کو دینا پڑی تھیں کیونکہ کھانے
 باقی دونوں ساتھی چچن زبان سے نالہ کرتے ناشتہ کرنے کے بعد ہمارے
 پیانے کا پستان ہرے سے اجازت سے لے کر ہوائی آگے چلا گیا۔ وہاں سے
 وہ پیارے میں بیٹھ کر پاکستان کی طرف پرواز کر جاتا۔
 اُس کے جانے کے بعد میں نے دفتر سے کہا: "تم سفر کا اختلافات
 کرنا چاہیں جاؤں؟"
 "نہیں بابو! یہ ضروری کڑی برقی ہوئی ہو آپ ہمیں بیٹھے۔ میں
 سب کاموں سے نپٹ لوں گی۔"
 رضوان نے ہر ایسے تھے جسے وہ دیکھ کر ساتھ کر کے بے جلا جاتا
 چاہتا ہو لیکن میں نے اسے دیکھ کر دل لیا تو قسم ہے مجھے کچھ ہنگامہ نہ ہے
 رضوان نے ہر ایسے ہی میری طرف دیکھا اور رضیہ اس پر ایک
 اچھتی سی غصہ فانی ہوئی مگر سے چلی گئی۔
 "جی ہڑتال ہے" رضوان نے بڑی تھوڑی سی طرف دیکھا۔
 "کوئی خاص بات نہیں ہے میں نے مسکرا کر کہا کہ اس جی جانتا کہ میرے
 ہی پاس زکے رہو؟
 رضوان مجھے عجیب کی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر لولاہہ باقی۔
 "ہاں! ان کو! ان کیوں گئے؟"
 "خدا آپ مجھے پال کر بنایا ہے جس میں ان رضوان نے غصہ کی سانس لی۔
 "وہ کیسے؟" میں نے غصے سے غصہ لائیں اس کی طرف دیکھنے لگی۔
 "آپ میری بات پر یقین کر نہیں کر رہی ہیں؟"
 "کیس بات پر یقین میں کر رہی ہوں؟"
 "وہی بات پر یقین آپ سے مانی میں جو کہہ کر تھا اس کی کہتے
 چچہ جتنا سے زیادہ نہیں تھی میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں کہ آپ کو میری
 کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا۔"
 "مگر نہ کرو؟" میں نے غصے سے کہا تو تم مجھے زہری کی حیثیت سے
 قبول نہ کرو؟ میں خود ہی غصہ کی حیثیت سے قبول کر کے تھیں ہر دوسر
 سے بچاؤ لگی۔
 "آپ بھینگی سے بات نہیں کر رہی ہیں؟"
 "تم مجھ کو خود بخود نہیں ہو؟"
 "کیوں؟ میری کس بات سے غصہ نہیں لگا رہا میری ہے؟"
 "ہر بات سے" میں نے مسکرا کر کہا تو تم مجھے ستانے کے لیے بیڑہ
 کھیل رہے ہو کہ میں پھر سے بہت نہیں مالا مال تم مجھے جی جان سے چلاتے ہو؟

میں اس طرح بیٹھنے لگی جیسے اس کی بھینہ
 کر رہی ہوں۔ میرا ذہن تو دل کو کہہ کر رضوان کے سپرد
 وہ تقریباً بھلا کر لولاہہ بناو آپ مجھ سے میں چاہتا
 "میں تمہاری باتوں سے بے وقوف
 ہوں" میں نے ہنس کر کہا اور تھک کر کھڑکی کی طرف
 رضوان جھپٹ کی طرف دیکھتا تھا جو وہاں پر
 میں نے کچھ نہیں کہا اور کھڑکی کا دروازہ کھولا
 ٹھنڈی ہوا کا جھوکا میرے چہرے کو کھینچتا تھا
 "میرا کیا کر رہی ہیں آپ؟" رضوان نے جھنجھو کر
 بلیز پر چڑھ کر جانے لگا۔
 میں نے کھڑکی کے منہ میں اس وقت دروازہ کھولا
 کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تو کیا تم ہر دے باطل کھلتا
 "آئیں دیکھنے کھلنے میں کھڑا آگیا ہے لیکن کڑی
 لطف نہیں آسکتا۔"
 میں نے ہنس کر کھڑکی کی بند کر دی اور اس کا
 کمرہ واقعی کچھ سوچا گیا تھا۔ رضوان تھک کر تشنگان
 آگ چھٹک کر نہ لگا۔
 "میری باتوں میں جاننا دوڑی میری گرم ہوا
 آئیں میرے لیے کیا تم کو میری باتوں کی مثال کرنا ہے
 "شکریہ" رضوان پاٹ لہجہ میں بولا۔
 کڑے کا۔
 "اگر تم مری سے اتنا جرات تو کرنا کہ
 "بس جہاں میں قیام ہوگا وہاں کہہ کر
 "یہ لزوت تو لاسر پہنچنے کے بعد آسکا تھا۔"
 لاسر تک کے سفر میں کیا کر دے؟"
 "قرین کے ڈسٹے کی کھوپڑی کو ایک منٹ
 دوں گا۔"
 "لیکن ہواؤں میں ہو؟" میں ہنس کر بولی۔
 "تک قرین میں سفر کریں گے یا اس کے بعد میں؟"
 "لاسر تک سفر کرنا پڑے گا۔"
 "کیا مطلب؟" رضوان بولا کہ لولاہہ را
 کھا تھا کہ لاسر جسے ہم بلیز میں لاسر جاتے ہیں
 "مجھے تو یقین نہیں کہ میں اس کا ہوا ہوا۔"
 میں کما ہوا بھانسنے منٹ سے چنگ ڈکی جاتا تھا
 "اسے تو قرین سے یہی لاسر میں نہیں
 "کیا تم نے بالکل حجاز نہیں پڑھا؟"
 "کیا مطلب؟"

جسے لاسر تک ریلوے لائن بکھرا دو تو میں ٹرین کا
 تھک رہی ہوں۔
 "مجھے ریلوے لائن ہی نہیں ہے؟"
 "لیکن میں بلیز میں ریلوے لائن چھلانے کا شکیک
 "میں اس کے کہیں کی بات نہیں۔"
 "رضوان نے غصہ ہی آواز میں کہا اور کڑی ہراس
 "تم تھکان جان لگ چکی ہو۔"
 "اگر اس کی کر کے مجھے جھکاؤ بنی اور میری
 "مجھے میں اپنے دل کی کھینکنا جانتی تھی کہ وہ اس
 "مجھے ایک وقت ایک دن بچہ ہوں نے ٹھکانے
 "میں لاسر میں دوسری کر کے پر جانا تھا اور تھکی سے
 "میں لاسر میں کیوں ہیں؟"
 "میری اور بولی دیکھا تھیں میری ہنسی ہوئی قرین ابھی
 "بات ان کا کیا؟ چنگ تو کہہ لاسر تک کا سفر کرتے ہیں
 "لاسر ڈسٹ سے قرین کی کیا لیکن میرا لاسر ہے کہ ایک
 "مرمت ہی ہو گیا۔"
 "اس دن تک مجھ کو کہنے ہوئے نہیں ہوا۔"
 "اس دن تک ہوئی میرے ساتھ ہی رضوان کی نظر بھی
 "مجھ کے جانے کے بعد وہاں سے کھانسی بولتے ہیں
 "میں بولی تو کہیں ہے؟ آج او؟" بات میں نے چینی
 "میں لاسر میں کوئی اور زبان نہیں بول سکتے تھے۔"
 "اگر ایک چینی کی طبیعت اندھا۔"
 "لیکن تاکہ" میرے منٹ سے نکلا اور میں کھڑی ہوئی
 "میں میں کی ایک خاص سڑائی تھیلے کا انفرقا۔"
 "کیا تم مسکرا کر تھوڑی انداز میں تم ہمارا دھڑکا گے
 "مجھ کو نہ کہ جسے رضوان بھی کھلا ہو گیا تھا اور
 "تو وہ چینی کی طرف دیکھ رہا تھا۔"
 "اگر میں تاکہ تاکہ میں چینی کے دروازے انداز میں اس
 "بہت گرجی کا انداز کیا۔"
 "میں ہمارا مل جائے کہ ہے؟" لاسر میں تاکہ بولا لیکن
 "اسے تو تازہ ہیں؟"
 "کیا کی شے ہیں؟" میں نے ہنس کر کہا۔
 "میں یاد رکھتا ہوں لاسر میں تاکہ نے مجھے تھیں بلیز
 "کے کما۔"

"تشریف رکھیے!... اور ہاں! ان سے ملنا،" میں نے رضوان
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میرے ساتھ جی، "میں رضوان لیکن یہ
 چینی زبان نہیں بول سکتے" پھر میں نے لہو دو میں رضوان سے کہا کہ یہ کام
 "نہیں تاکہ میں۔ ایک اعلیٰ فہرست۔"
 "آج دو دن نے مسکرا کر دھوا تو کہا کہ دوسری انداز میں سر ہلانے کے لیے
 "کیا تمہیں اس لیے نہیں کہی کہ دو دنوں ہی ایک دوسرے کی زبان سے نالہ
 "تھے۔" مجھے تو حق تھی کہ آپ ہوائی آگے ہی پر مجھ سے نہیں گھٹ
 "میں بولی۔"
 "میں خود وہاں آنا لیکن مجھے مگر کھانا کہ میں آپ کے اس وقت
 "میں جب آپ آکر کے سفر کی تھکان دور کر رہی ہوں تو کھانے کے چاہ رہا
 "اس تکلف کی ضرورت تو نہ تھی میری اندھا علم آپ کو لوں کہ آپ
 "ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔
 "عزت نامہ غیر ہے اس کی اطلاع برسوں شام کو دی تھی؟"
 "ہاں! یہی زبان میں ہو رہی تھیں اس لیے رضوان کے چہرے
 "سے آج کا اظہار ہونے لگا تھا ہے؟ جس میں پریشان کر رہا ہو گا
 "یہ چینی انفر کس ہے اور مجھ سے ملنے کیوں آیا ہے۔"
 "لاسر میں تاکہ پھر لولاہہ! ان کمان نے نہیں کہ تو رہا ہے آپ
 "کا شکر ادا کیا ہے آپ نے کہا نے ذمت گوارہ کی؟" کام آپ ہی
 "مرستی میں خدمت آپ کو زحمت نہ دی جاتی۔ تفصیلات تو آپ کو معلوم ہو
 "چکی ہوں گی؟"
 "ہاں! رضیہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے لیکن صبح اندازہ مجھے لاسر
 "پہنچنے کے بعد ہی ہو سکے گا؟"
 "کس بات کا اندازہ؟"
 "میں کہ میں اس مسئلے کو کس حد تک سنبھال سکتی ہوں؟"
 "اگر آپ اس مسئلے کو نہ سنبھال سکیں تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں
 "سنبھال سکے گی لیکن ہاں کمان ان خیال ہے کہ میں اس کا نام میری جان ہے
 "وہ ناکامی کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتی؟" تاکہ مسکرایا۔
 "یہ ہاں کمان کا حسن ظن ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کبھی
 "نالامیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "خیر چھوٹی
 "ان باتوں کو اور یہ تیلے کو تو کمان ہے؟"
 "میں جانتا تھا؟" تاکہ نے مسکرا کر میری انداز میں سر ہلایا۔
 "کیا جانتے تھے؟"
 "میں کہ آپ وہو کے ہانے میں خود پوچھیں گی
 "تو میرا یہ تباہی چکے؟"
 "وہ چیلنگ میں تھی لیکن کیا صبح یہ حکم سے دیا گیا تھا کہ وہ توڑ چنگ ڈ
 "مسکرا کر کہش لاسر میں تاکہ نے مجھے تھیں بلیز
 "کے کما۔"

کی غفلت چھانچا تھی اور مجھے ہنسی روکا نہ دیکھ کر جاتا تھا۔
 اس وقت میرے ادا اس کے خیر ساتھ ساتھ چلے جاتے تھے۔
 ہمارے آگے ایک اور مزدور تھے اور ان کے آگے ڈیڑھ اور موٹی جا
 رہی تھیں۔ وہ دونوں ہمیں ہنس کر اپنی باتیں کر رہی تھیں۔
 "تم چھپکیوں ہو ملاتے ہو، ہمارا جاکہ؟" میں نے رضوان کو دیکھا۔
 "میں سوچ رہا تھا کہ اس چھپکیوں کی سے کچھ باتیں کی جائیں۔"
 رضوان نے اپنے خیر خیر منہ سے کہہ کر اس کی رفتار چڑھ
 جائے۔

میں سمجھتی تھی کہ وہ دراصل مجھ سے پہلو بچا کر نکل جانا چاہتا تھا لیکن
 ڈیڑھ بے پروا نہ تھا۔ اس کا خیر تھا جسے آگے نکال گیا۔ میں نے اپنے چہرے
 کی دھاریں مٹا دیکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ میں رضوان کو بہت
 زیادہ رنج نہیں کرنا چاہتی تھی۔
 دیکھ کر کہنے لگا کھانے کے لیے ایک جگہ چڑاؤ کیا اور ایک گھنٹے
 بعد پھر چلے گئے۔ ہم سب نے زمین سے لگ بھگ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے
 اور تبارا سفر میں مزید بلندی کی طرف لے جا رہا تھا۔ ماسر سولہ ہزار فٹ
 کی بلندی پر ہے۔

منزل کو گھسنے کے ساتھ ہو گئی۔ وہاں ہم کو دو حصے چھوڑے گاؤں
 ملتے تھے لیکن ہم نے وہاں کوئی ناقص غیر ضروری کچھ نہ تھا۔ جب شام ہو گئی تو
 ہم نے پلاؤ ڈال دیا۔ مزدوروں نے چھوٹی چھوٹی چھوڑ لیاں نصب کر
 دیں اور آگ دہکادی۔ ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور کچھ دیر گپ شپ کئے
 کے بعد اپنی اپنی چھوڑ لیاں میں چلے گئے۔

رات دن سنا زیادہ مروتھی۔ ہر نشان کے پر توں ملنے میں ہوا
 کی بیشاں گنج یہ تھیں اور ان میں یوں کے علاوہ ہر سکوت چھایا ہوا تھا
 گرم ہنسنے جیسے فوراً ہی پیدا ہوتی لیکن میں کوشش کر کے جانتی رہی۔
 دراصل مجھے یہ اطمینان حاصل نہیں تھا کہ میں کوئی خطہ پیش نہیں آئے
 گا۔ اس کے برعکس مجھے یقین تھا کہ ہم کسی وقت بھی کسی خطے سے دوچار
 ہو سکتے ہیں۔ ریسٹے لان پر جی میں مجھے تیار ہونا چاہیے اس کی نگرانی
 کی گئی تھی۔ اگر نگران نہ کی جاتی تو مجھے یہ خیال میسر نہ ہوتا کہ وہاں
 رہ سکتا تھا کہ دشمن ہم پر کوئی غمزدہ نظر نہ کرے ہونے ہوگا۔ جب ان لوگوں
 نے زہرا کو صیر کے پیچھے پیچھے کراچی بھیج دیا تو یہ بات کیسے مل گئی تھی
 وہ لوگ بہت جلد میں میری آمد سے غافل رہ جاتے تھے تو فیصلہ یقین تھا کہ
 وہ میری آمد میرے ساتھ ہوں گی نقل و حرکت سے بڑی طرح باخبر ہوں گے
 اور ان کی طرف سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کسی وقت
 بھی ممکن تھی۔

بستر پر پڑے پڑے جاگتے ہوئے مجھے ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن
 میرے کانوں نے ہوا کی ہیلوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنی۔ پھر ایک
 گھنٹہ اور گزر گئی تو میں نے محسوس کیا کہ اگر میں گرم بستر میں کسی بڑی خواب
 زیادہ دیر تک نیند کو چلی آکھوں تو بعد ازاں کھوں گی۔ میری ہڈیوں پر

نیند کا وزن اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ ٹھیک ٹھیک جاری تھی۔
 اپنے جسم کو بے پروا کر لیتا جا رہا تھا تاکہ نیند کی گرفت
 فیصلہ کرے کہ میں اپنے بستر سے نکل آئی اور اٹھنے
 کے ڈر کا پردہ کھولنے کی جس کی ڈور لیں کہ میں
 قہقہہ پردہ کھول کر میں نے باہر جانا نکالا۔ اس کی
 تھکی کچھ لڑائیوں کے نزدیک روشنی کا دھڑکتا ہوا
 میں اب اس اتنی روشنی تھی کہ اس کے ارد گرد
 طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہاں کھڑکیاں ہوں۔

تخت کا زور دھچک لڑ لیا اور میں نے کہا
 اور فری کوئی پتہ نہ تھا، آسمان کے نیچے اٹھنے
 جیسے وہ چلے گئے چار دیواری میں ہو۔ ان ہزار
 آسمانوں پر جتنے بھی امیر ترین آدمیوں کے
 آں۔ دولت سے سکون و دلالت نہیں ہے یہی
 قناعت کی گڑبڑ میں فتنہ مٹا دے لیکن۔
 میں اتنی دور نکل چکی ہے کہ شاید اس خوف
 سے لگی۔

میں زندہ رہا ان بے فکر مزدوروں کو سنا
 جیو کہ اپنی چھوڑ لاری سے نکلے اور غلطی نہ ہو
 چلی گئی۔ مال جمل ناہیک تھی۔ ہمارا زمین میں
 آگونی ہوئی میں چالیس پچاس فٹ دور
 پھر ملٹ کر دیکھا یہاں سے میں اپنے چار
 ارد گرد کے ماحول کا بھی جائزہ لیا جا سکتا تھا
 کھلے آسمان کے نیچے موقوفہ میں ہمارا
 تھا جسے میری لڑیوں کا گودا بھی برف بنتا تھا
 یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ مجھے نیند جاتی اور میں
 ہر حرکت پر ساری رات جاگتا تھا۔

ساتھ ہی طرح گھبراہٹ سے تھے اور یہ گھبراہٹ
 ہوئے تھی میری دانست میں اس بات کا کہ
 ضائع کیے بغیر کوئی کامی دار کرنے کی فکر میں
 اس لیے زیادہ تھا کہ میرے بازو دشمن
 وہ کل کر میرے اور رضیر کے مقابل آنے کی
 کی کوشش میں ہوتی کہ وہ ہمیں بے خبری
 بے خبر نہیں دہنا چاہتی تھی۔

مجھے ہر لپٹے میں ارد گرد کے ماحول
 نے داخل اپنے شانوں سے تار مار رہا تھا۔
 پیش آئے تو میں فوری اقدام کر سکیں۔
 اچانک میری نظر دو انسانوں پر
 وہ ملے میری نظروں سے دراصل ہو گئے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک ہیں؟
 میں نے سوال کر کے تو تھیں اس بات کا
 میں نے ایک ہو چکے۔
 انہیں اس وقت میں کہ دونوں ہنسنے

میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک ہیں؟
 میں نے سوال کر کے تو تھیں اس بات کا
 میں نے ایک ہو چکے۔
 انہیں اس وقت میں کہ دونوں ہنسنے

کے داغ پر بحث کرنا چاہتا ہوں لہذا موضوع کے دائرے کو زیادہ نہ
 بڑھاؤ۔
 "آخر تم کتنا کیا جانتے ہو؟"

"اس صورت میں تم صرف خود اپنی چھوڑ لاری سے نکل آئی ہوگی
 مجھے کسی گھسیٹ لانی ہوگی یہ حرکت اس بات کا ثبوت نہیں کہ تم کھانے
 داغ میں دروازہ پر پہنچے ہو بلکہ دروازے پر پہنچ گئی ہو۔"

"میں نے اسے ایک خاص مقصد سے رضیر سے ہوا لگا۔ مجھے
 اندیشہ ہے کہ اگر کی رات تم ہمارے لیے غولانک ہو سکتی ہے۔ میں لیکن
 ہے کہ دشمن ہم پر بے خبری میں حملہ کرے لہذا میں ہوشیار رہنا چاہتا ہے۔"
 رضیر کے ذہن میں بالکل وہی خیال آیا تھا جس کے پریشان کن
 اثرات مجھے چھوڑ لاری سے باہر نکلنے پر مجبور کر چکے تھے۔ اس نے بالکل
 میرے انداز میں سوچا تھا اور اس کی نہ سوچی و دہیری ہنسنے میری اور
 اس کی رگڑ میں ایک ہی باپ کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ باپ جس کی ساری
 زندگی غفلت سے گھسیٹے ہوئے گزری تھی۔

رضیر کتنی دبی یہ اور تم کو میں اس لیے گھسیٹ لانی کہ باتوں
 سے ذرا دل ہلکا ہے گا۔
 "اور اگر تم ساری باقی صاحب نے دیکھ لیا تو قناعت کے جذبہ متاثر
 سے جل جہنم کی باتوں کو دیکھ کر ہوجائیں گی یا تم کو رگڑ لاریں گی؟"

"دو وہ خود کیا باتوں کی؟" مجھے گولی مار لی۔ رضیر نے
 بڑے یقین اور اطمینان سے کہا۔ "مجھے انہوں نے رضوان کو تم نے ناب
 تک ہم دونوں کو بچانا ہی نہیں۔"
 "پچھلوں کیسے؟ رضوان نے جھانکے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم
 دونوں ہی نے اپنے چہروں پر غول چڑھائے ہیں؟"

"آخر غلط کہہ رہے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمارے چہرے سبھی چہرے
 نہیں ہیں۔ ایک ذرا بڑھ رہا ہے ان کو چھتے کے لیے۔" رضیر نے کہا
 پھر بڑی آگاہی کی اور غمناک ہنست کا کلمہ ہوجائے تو وہی کپ کی
 "تائیر کے بغیر ہماری راہ سے بہت جاں ملے گی۔"
 "تو چھوڑ پٹا انہیں بتاتے تاکہ۔۔۔"

"فصلوں سے۔" رضیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں اس
 بات کا اور کچھ نہیں کہوں گی۔"
 "کیوں؟ رضوان غصا۔"
 "اس لیے کہ میں اپنی باقی کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔"
 "خواہ میرے دل کے سرو پر ہر گھٹے ہو جائیں۔" رضوان دانت
 پر دانت جھاکر بولا۔

"کیوں؟ تمہارے دل کے ٹکڑے کیوں ہو جائیں گے؟"
 "تم سے دور ہو کر اور کیا ہوگا؟"
 "لیکن تم مجھ سے دور ہو گئے؟"

"اے تو! اسے شادی کر کے اودھ کا ہو گا؟"
 "میں جانی فاسل کو فاسل نہیں سمجھتی۔ ہمارے دل جب تک ایک
 دوسرے کے لیے دھڑکتے ہیں اور ہماری نگاہیں جب تک ایک دوسرے
 پر اپنا پردہ بچا اور نہریں ہیں، مجھ کو اس وقت تک کوئی فاسل نہیں ہے۔
 محنت کی دنیا میں فاسل کی تعریف بدل جاتی ہے رضوان! مجھے وہ لوگ
 جسے مجھے معلوم ہوتے ہیں جو اپنے محبوب کا وصل نہیں حاصل کر پاتے تو
 آنسو بہاتے تھے ہیں۔ وہ حال تو یہ ہے کہ محبوب دل میں بیٹھا ہے تو
 "میں بھی یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم۔۔۔ دنیا کی۔۔۔ سب سے
 بُری۔۔۔ کہ ایک ہو" رضوان طانت پک کر بولا۔
 "وہ مختلف انداز میں جو نا اہلی قیامت ہے۔ لوگ کرکے بھنے
 لگتے ہیں، رضیرہ سننے کوئے کہہ۔
 "تو پھر سمجھ لو کہ میں بھی بہت بڑا کرکے ہوں"
 "مجھے یقین ہے" رضیرہ نے ہنسے غصے سے کہا۔
 "پوری بات سنو" رضوان غزایا۔
 "کونسا رضیرہ نہیں۔
 "میں بالوں کی شادی کسی بھی رچھ سے کروں گا تاکہ انہیں میرا
 جسمانی قرب حاصل نہ ہو۔ وہ دودھ سے محنت کرتی رہیں۔
 "اب تم بالوں کی ہی بائیں کرنے لگے ہو۔"
 "اگر تم دونوں بھوں کا یہ دوسرا جدی رہا تو ایک نایک دونوں اکل گئے
 بھی پتہ چھاؤں گا۔"
 "ہیں نہیں باجی سے نہادی شادی ضرور کروں گی، خواہ مجھے تمہارا
 علاج کرنے کے لیے بال بکھلنے کے سہری ڈانکروں کا تعاون حاصل نہ پڑے۔
 رضیرہ نے نفی سے کہا۔
 "کرکے" رضیرہ نے معاف کو مذاق میں۔ "اے کرکے! کتنی بیتی
 ہو۔"
 "وہ اصل میں یہ جانتی ہوں کہ زندگی مجھ سے کوئی مذاق نہ کر سکے۔
 "اب اس جملے میں بڑا کرکے معلوم ہوا ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا
 ہوں کہ وہ دونوں نے اپنے چہرے پر غل بڑھا رکھے ہیں کبھی کبھی مجھ پر۔
 "دیکھو اب تم بڑی روانی سے باتیں کر رہے ہو۔ میں نے کہا تھا
 تاکہ آہستہ آہستہ سردی کے عادی ہو جاؤ گے۔
 "اس وقت تو تمہاری بے گئی بالوں نے میرے چہرے گرمی
 بھری ہے۔"
 "ہنسنش۔۔۔ چپ! اچانک رضیرہ نے رضوان کو خاموش
 کر دیا۔
 "ادھر میرے کان بھی کڑے ہو چکے تھے۔ مجھے نہیں ہو سکی دھمک
 عموں کو یہی تھی۔ اگر میں بیتی نہ ہوتی تو اس دھمک کا اس کا نہیں ہوتا۔
 رضیرہ نے بھی وہ دھمک لی ہے تو خاموشی کر لی تھی کہ وہ نہیں بیتی ہوئی تھی۔
 وہ دھمک اس کی تھی جسے نہیں بیتی شہر پہنچوئے برس نہیں ہوں۔

میں سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مجھے کچھ نہ
 ہوئی تھی۔ میں زمین پر دیکھتی ہوئی تیری تھی۔
 میں نے رضیرہ اور رضوان کے سامنے دیکھے۔
 آئی تھی کہ پڑاؤ کی ایک سمت میں رضیرہ نظر آکر
 پر میں نظر رکھ سکوں۔
 جلدی دھمک کا راز اٹھل کر ہاتھ
 گھڑا اور دل کو دیکھ لیا تو جلد میں بندہ
 میں اٹھلیں تھیں۔ گھوڑوں کی بالوں کا شور
 کی وجہ سے کچھ میں فریاد لگتی تھی۔ گھوڑوں
 گیا تھا۔ اور وہ گھیلے کے یہ رہن اس کی
 خاص جگہ ان لوگوں کا وطن نہیں ہے۔ یہ
 میں خانہ بدوشوں کی زندگی گزارتے ہیں
 ان کا قلعہ قس کے میں اب تک ناکام ہے
 میں نے اپنی رائفل بصری کی بیک
 تھی۔ مسلمان نہیں رائفل کا دھماکا کسم کسم کے
 سے گزرتی رائفل داغ دی۔ یکے بعد دیگرے
 سے گزرتے اور مرنے والوں کے ساتھیوں
 شریعہ کو دی۔ سردور نے میں قیامت کا
 خانہ پر ناریکے جاری تھی اور ادھر رضیرہ
 بھی شور مچا تا شریعہ کرنا تھا۔ ہوتے ہوتے
 چکے تھے اور چاروں نے بھی اچھا گونا
 کھوٹوں سے بندھے ہوئے تھیں ایک
 بھاگ نکلا۔
 میں نے عموں کی کتاب ایک بھول
 جو تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی نہ
 اور گھیلے کے رہن اس کا ذمہ
 کہ بھاگ نکلے اور بے تحقہ میں پھر ساتھیوں
 رائفلوں کو کہاں ان کا تعاون کر رہی تھیں
 میں کہہ رہی تھی اور میں فائرنگ بند کرنا چاہی
 اب سامنے میں صرف تیغی مزدوروں
 تھیں جو بلند آواز سے اور گھیلے کے گونا
 میں اب بصری کھڑی ہو کر چھوڑا
 میں دو مزدوروں نے آٹاؤں میں کڑاؤں ڈال کر
 غرض کہ تھی جب میں چھوڑا دیوں کہ
 رضیرہ اور رضوان بھی قریب آگئے۔ چھوڑا دی
 مطابق پتہ نہ پائی تھی۔
 "بالو! آپ لوگ باہر ہی تھے؟ اس
 ہوا تھا۔

نہی طرح ان برسے میں کھانا تو شہر و پاراں ہوا جاؤں گا۔ آخر
 مجھے بتانے میں آپ لوگوں کا حق ہے؟ مجھے اس خدا کا سبب معلوم
 ہونا چاہیے اور میں یہ بھی جانتا چاہتا ہوں کہ ان تین لاشوں میں ایک
 چینی کی لاش دیکھ کر آپ دونوں بتوں نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟
 رضوان نے ارد گرد قیام کے اندر ہڑوں کے باہر میں کوئی
 استفسار نہیں کیا تھا انداز میں سمجھ گئی کہ رضیرہ اسے ان کے باہر میں
 بتا چکی تھی۔
 رضوان نے جو سوالات کیے تھے میں انہیں بھی مال گئی اور
 رضیرہ سے بولی۔ "کچھ بات نہ ہوا؟"
 "ایک کاغذ ہے جو کچھ اہم ہے۔" اسے پر مینی زبان
 میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ رضیرہ بصری کھڑی ہوئی بولی ہوئی۔ "ماتر ذرا
 قریب لائیے تو اسے پڑھیں۔"
 میں رضیرہ کے قریب ہوئی اور ڈاک کی روشنی اس کے ہاتھ میں
 لیے ہوئے کاغذ پر ڈالتی ہوئی اسے پڑھنے کے لیے خود بھی تھکی۔
 چینی زبان میں ایک مختصر عبارت لکھی ہوئی تھی۔ خط کا سا انداز
 تھا۔
 "تم اور گھیلے کے رہنوں کو اپنی تھی میں
 لینے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ یہ خط کے چرن کے زیری کہاں
 پتلے جانا۔ وہ نہیں اتنی دھڑلے کا کرتا رہنوں کی لاپٹی
 فطرت سے انجیل طرح کام لے سکو۔
 خط کے شروع یا آخر میں کوئی نام نہیں لکھا تھا کیونکہ یہی خط ملنے
 جو خود تھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس سے کہہ
 یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ ہمارے مقابل دشمن ہے، وہ یہی ہے جسے ہم نے
 ہے۔ اسے پہلے ہیں اس بات کا بھی علم نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں
 دشمنوں کے ایک آدمی کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ چینی تھی جسے ان لوگوں میں یہ
 اہمیت حاصل تھی کہ اخراجات اسی کے ہاتھ سے ہوتے تھے۔
 میں نے اور رضیرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کوئی
 تبصرہ نہیں کیا۔
 رضوان نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "یعنی اب میرے سامنے کشتی
 سے بھی احتراز کیا جائے گا؟"
 رضیرہ کوئی آگئی اور میں بولی۔ "یہ بات میں ہے رضوان! اصل
 میری طرح رضیرہ کو بھی یہ انجمن لاشی ہو گئی ہوگی کہ وہ اس خط پر کچھ تبصرہ کرے۔"
 "آخر اس میں لکھا کیا ہے؟"
 میں نے مارے بھاد میں اور واپس چھوڑا دیوں کی طرف بصری ہوئی
 بولی وہ غالباً یہ خواہنے والے ہی کے نام لگا۔ اس میں اسے ہدایت کی گئی تھی
 کہ وہ جن دشمن نامی کسی آدمی سے مل کر سب دل خواہ رقم حاصل کرے اور
 ان رہنوں کو اپنی تھی میں لینے کی کوشش کرے۔
 "کیوں؟"

ایک محض ہے۔ وہ تبت کے معاشرے پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے۔
اُسے یہاں کی زبان میں آتی اس لیے وہ بھلے انداز میں کہیں لکھنے آیا
ہے۔ ہم جس جیسری لڑکی ہے، وہ ایک عورت ہے اور محض میاحت کے
شوق میں ہمارے ساتھ آگئی ہے۔
”ہم کب تک یہی چھوڑ لوں میں خوش آمدید کہنے میں لڑکی کے بل
وہ پہلی مرتبہ بل گئی تھی اور اس کی گفتگوں کو آواز میں نے جڑی سیکس اپیل
عسری کی تھی۔ میں نے اس کی طرف غصہ سے دیکھا۔ اس کے نقش و نگار
میں تبت کی چھلکیاں موجود تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے
خون میں غیر مغربی خون شامل ہو رہا ہو۔ نیز اس کی وجہ سے اس کے نقش و نگار
بڑے تھکے اور دلایز ہو گئے تھے۔ بل نے اُسے تقریباً ویسا پایا جیسی کوئی
تھی۔ نیز سادگی پر ہی!
”تو جے جے میں نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں رات
کے کھانے کے بعد بھر ان سے ملنے آؤں گی۔
”یہ پڑا تو جی جے ہی کا ہے۔“ ایک لاد نے کہا۔
میں نے مسکرا کر ہاتھ دایا اور اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آئی تو ان
رضیہ اور بوکر جی جے جی سے میرے منتظر تھے لیکن میں انہیں راہ میں ملنے
والے ان انہیں کے ہاتھ میں کوئی خوش خوش جواب نہیں دی۔ ابھی مجھے
خود ہی نہیں معلوم ہو سکا تھا اور اتنے کم وقت میں اندازے لگانے جا سکتے
تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”وہ لاد میں اور لاد ہی جا رہے ہیں
مگر ان کے ساتھ ایک لڑکی کی موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہے۔“
”لوہیں سے آپ کا لڑکا ضرور ہوتا ہے۔“ رضوان غور بنا کر لڑا۔
میں ہنس کر رہ گئی۔
مزدوروں نے الاؤ دے دیا تھا۔ ہم چاروں اُس کے قریب جا بیٹھے۔
اس رشتہ میں الاؤ سے بڑی غمازی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔
جب ہم لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو اندر حیران چکا تھا۔ قریب دو برس
پڑاؤ میں ایک ایک الاؤ کی دوستی پہل ہی تھی اور وہ دونوں لاد میں لڑکی کے
ملنے الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔
”باہی!“ رضیہ نے کھانے کے دوران میں مجھ سے کہا۔ ”بہت ک
جگہ سے میں چلی ماؤں ان سے ملنے؟“
”تم چلی جاؤ کیا فرق پڑتا ہے!“
”ہمیں بہت زیادہ چوکتا رہنے کی ضرورت ہے۔“ مومو زوڑے کر
بولی۔ ”مجھے تو یہ قیاسی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ایسے لاد میں دیکھے جو
اپنے ساتھ لڑکیوں کو لیے گھر گئے و بٹے ہوں۔“
”ہاں یہ تو میں بھی کہہ چکی ہوں کہ ان لادوں کے ساتھ ایک لڑکی کی
موجودگی مبصر لیے حیرت انگیز ہے۔“
”یہ لڑکی دراصل سس کی معلوم ہوتی ہے۔“ رضیہ نے تھوکیا۔
”نیز ابھی یہ خیال ہے۔ اس کے ماں باپ میں سے کسی ایک ضرور

غیر مغربی ہوگا۔“ میں نے کہا۔
”کھانے کے بعد جب رضیہ ان
رضوان بھی کھڑا ہو گیا۔
”تم کھیلے۔“ میں نے اُسے لہ
”میں چھوڑ لاد میں جا رہا ہوں۔
ڈیوٹی صبح چار بجے سے سات بجے تک
”ماں! ایک بجے سے چار بجے
جگا کروں گی۔“
”مجھے اور رضوان کو باتیں کرتا تھا ہر
چل گئی تھی۔ اُس کے بعد رضوان چھوڑ لاد میں
پاس۔“ میں نے دیکھا۔ میں نے مومو سے کہا
”تم بھی گئے۔“ یہ کہہ کر اُس کو لاد میں
”میں ایک بجے ہی سوؤں گی۔“
”جواب دیا اور چھر شارت آمیز ہے۔“
”سے وہ آپ کو بھڑائی پائیں۔“
”چھر تو اچھا ہے۔“ میں نے ہنس
”تو پھر کیا خیال ہے اس سے۔“
”اپنے لیے۔“
”آپ کے لیے۔“ مومو ہنس۔
”میری فکر نہ کرو۔“ مجھے تو وہ دھرت
”گاہیں پہنچتی ہوں۔“
”یہ تو خیر مجھے بھی معلوم ہے کہ
نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔“
”یہ نہ کہو۔ کوئی ایک لڑکی
ہو سکتا ہے۔ میں نے شہانہ کو یاد کرتے ہوئے
”تو پھر وہ لڑکی جمائیائی جس سے
سے کہا۔
”بہت نہیں۔“ دراصل وہ زنگ
پڑ نہیں آتا۔“
”کیا وہ اتنی ہی ضرورت ہے۔“
”اگر میں کچھ کہوں گی تو تم حیرت
پھر کہیں سے لادوں کے پڑاؤ کی طرف
ساتھ الاؤ کے قریب بیٹھی پہلی بائیں کی کھلی
”رضیہ کی دلچسپی کوئی آدھ گھنٹہ
ان لوگوں کے ہاتھ میں یہ نامی معلومات
”وہ معلومات تم نے انہی لوگوں
”ظاہر ہے۔“

کے باپ نے اس کی خط میں اپنے گھر کے لیے توجہ کی تھی اور بڑے لاد سے
مسانی کا خواستگار ہوا تھا۔ اُس نے خط میں اپنی شادی کے بعد سے اب
تک کے حالات بھی ذکر کر دیے تھے اور درخواست کی تھی کہ وہ لڑکی جگہ کو بھیج
دے۔ بائیں تاکہ وہ اس کی بیٹی کو لاد سے جاکیں۔ چکاوری کی درگاہ کا پڑا
لاد اس خط میں لکھے ہوئے فقروں کے گلاز سے بہت متاثر ہوا اور اس
نے درگاہ کے دو لادوں کو کچھ لڑکی بھیج دیا۔
”مومو چھوڑ لاد پڑی۔“ اور جب وہ دونوں لاد چھوڑے تو مارہ
کا باپ ہر چکا تھا۔
”میں یہ رضیہ کے کہا کہ خود مارہ کا بیان یہ ہے کہ اس کا باپ
لاماؤں کی آمد کے دو دن بعد اٹھا اور مارہ سے دو دن قبل اس نے
مارہ کو بتا دیا کہ وہی تھی کہ وہ ان لادوں کے ساتھ لاد میں چلے جائے۔ خود
مارہ بھی چلے گیا۔ باپ کے عزیزوں میں پہنچنے کی خواہش نہ تھی کیونکہ اس
کے تخیلی اعزاز میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ مارہ خود نہ جانا چاہتی
تو اُسے دنیا میں باکل تنہا زندگی گزارنا پڑی۔ باپ کی موت کے بعد
اُس نے ایک ہفتہ تو سوگ میں گزارا اور پھر دونوں لادوں کے ساتھ مارہ
کی طرف چل پڑی۔
”اور بدستور چل رہی ہے۔“ مومو نے تقریباً۔
”اد چلنی ہے۔“ رضیہ نے جیسے چوکر کہا۔ ”آخر تم اس طرح
مذاق کیوں اڑاؤ گی جو جیسے کہانیاں خود میں نے گڑھا کر سنائی ہو۔“
”مجھے خدا انداز بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ تم نے یہ کہانی تھی
سجیگی سے سنائی ہے جیسے تمہیں اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہو۔“
”نہ یقین کرنے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔“ رضیہ نے جھجھکا کر کہا۔
”رضیہ تھیک کہہ رہی ہے مومو! مجھے اصل انداز کرنا پڑی۔ جب
تک کہانی ثابت نہ ہو کہ بات کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔“
”یعنی آپ بھی اس خرافات پر یقین کر رہی ہیں؟“
”مجھے تو یہ کہ کوئی بہت زیادہ عجیب کہانیاں میں معلوم ہوتی ہیں۔
”دنیا میں اس سے کہیں زیادہ عجیب و غریب واقعات دیکھے ہیں۔“
”اچھی بات ہے۔“ ایک دیکھ کر مجھے گامبر کی اندازہ دست ثابت ہو گیا۔
”میں کہہ رہی ہوں کہ تمہارا اندازہ درست نہیں ثابت ہو سکتا۔ تیرا
کہنا تو یہ ہے کہ بہت سے لڑکیوں کی بات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ قبول کیا جا
سکتا ہے۔ صورت حال کی وضاحت سے پہلے نہیں کسی ایک جانب نہیں
ہونا چاہیے۔“
”مومو چپ ہو گئی۔
”رضیہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا رضوان ہو گیا؟“
”موسیٰ گیا ہوگا۔ جب سس ان لوگوں کی طرف گئی تھی تو وہ اپنی چھوڑ لاد
میں چلا گیا تھا۔“
”اس وقت جاگنے کی ڈیوٹی تو میری ہے نا؟“

اس سوال کی مسلسل گروٹس سے میرا جینا تاگم ہو گیا کہ نفسا کی نمونہ
 بھی اس کے آگے پڑا نہ تھی۔ میں اندھنی اندکستنی تھی اور دست مگر تڑا ہوا۔
 یہاں تک کہ بارہ بج گئے لیکن میں خیالوں میں محو رہنے کے بعد دو بج لگا دیکھی
 طہر پر اطراف و جزائب کا جاننا تو میری ہی سہی سب تھا کہ جب میری
 بصارت پر ایک انسان سامنے کا عکس پڑا تو خبر میرے دماغ تک پہنچا کہ
 مجھ پر جیسے خطے کا اللہ نے آجھا۔ میں چونک پڑی۔ تمام خیالات میرے
 دماغ سے نکل گئے اور میں اس لمحے کی طرف دیکھنے لگی جہت اشیاء

تھی۔ میں تلاشی لینے کے بارے میں صرف اس
 مسلم اپنے ادھر آکر بنا کرنا چاہتی تھی۔
 میری بات سن کر وہ وحید
 ہو گیا جانتی ہو؟ میں چونک کر ادا
 ہوئی کہ آپ میری تلاشی کیوں لینا چاہتے
 ہیں۔ جسے آپ مجھے اتنی اچھی نہیں لگی کہ میں
 سکتی ہوں۔"

اہے تفصیل لکھ کر دے گا تو حق بل کے گایا
 نہ جبال جواب دینے کی بجائے اس کے گال پر
 لہلہادی سے نکل گئی۔ میں دیر پر کھڑی رہے جلتے
 رہے۔ نہ بول نہ حرکت کیا۔ اب تک اپنے جوشوں
 ادا نہیں سے زیادہ گرم ہو چکا تھا۔
 نہ ادا ہو چکی تھی لیکن اس کی شخصیت
 اگر گناہ کر یا تھا۔ وہ جو بائیں کر کے کسی شخص، اس

سکنت تھیں۔
 ”آپ مجھ سے آپس کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔“ وہ مسکرا کر لہلہا۔
 ”ہاں، رات کو تو مجھے ایک شدید الجھن میں مبتلا کر گئی تھیں۔ میں نے کہا، تمہاری باتوں سے میں اب ننگ کوئی فیما خدائیں کر سکی ہوں۔“
 ”لیکن آپ کے چہرے سے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ آپ نے فجر پر اعتبار کر لیا ہے۔“

کی عادی ہیں۔ اب تم میری ساری انگلیں رنچ کر دو تم نے یہ کیوں کیا تھا کہ یہ لارہ تھامے ساتھی نہیں ہیں۔

”میں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ واقعی میرے ساتھی نہیں ہیں۔“

”اس عجیب و غریب بات کی وضاحت ضروری ہے۔“

”یہ وہ دونوں لارہ تھیں ہیں جو مجھے لینے کے لیے چکروں کی درگاہ سے چنگ ڈھپنچے تھے۔“

”پھر؟“ میں حیرت سے بولی۔

”وہ پہلے تو اب اس دنیا میں نہیں آ سارہ نے غرضی ہاسٹلے کو کامیابوں رات کے بجائے پڑاؤ پر درجنوں نے مل کر کیا تھا اور وہ دونوں ان رہزموں کے اہلکار ہونے لگے تھے۔ وہ جانے پڑاؤ کو کون کھانے بنے لیکن میں نے ایک مگر ٹھیک کر ان سے جان پچائی تھی۔ جب وہ پسے گئے تو میں نے خود کو اس مرد پر لے میں تنہا پایا۔ بے کسی کے شہر احساس سے میں دوڑی میری جہیز نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ اس وقت ان دونوں لارہ کو میں نے اپنی طرف آتے دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خلسے میری مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا ہو لیکن جب وہ بالکل قریب آ گئے تو میں نے ان کے دھج دیں چپے ٹھٹھے شیطاؤں کو پہچان لیا۔“

”کیسے پہچان لیا؟“ میں تعجب سے بولی۔

”میں میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی پہلے اس بات کی وضاحت کر دوں کہ یہ دونوں لارہ میرے ساتھی کیوں نہیں ہیں؟ سارہ نے کہا کہ میں بتا رہی ہوں کہ وہ دونوں اب قریب آ گئے۔ انھوں نے مجھ سے ہمدردانہ باتیں کیں اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ مجھ پر کیا پتا پڑی ہے۔ میں نے ان پر یہ غلط کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان کی شیطانت سے آگاہ ہو چکی ہوں میں نے یہ کہہ کر اس بات کو رد واد انھیں سنا دی سب کچھ سن لینے کے بعد انھوں نے مجھ سے اور زیادہ ہمدردانہ باتیں کیں اور کہا کہ ان کا حق سے وہ لارہ ہی جا رہے ہیں اس لیے مجھے میرے عزیزوں تک پہنچا دیں گے۔ میں نے غصہ کیا کہ مجھے ان کے غلوں پر یقین آ گیا ہے حالات ایسے تھے کہ میں ان سے برکت مل کا انھار نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ میں جی جانا جا رہی تھی کہ وہ لوگ مجھے آلاکار بنا کر شہر میں عزت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ عزت کون ہے؟“

”تم بڑی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہو۔“ میں نے الجھ کر کہا۔

”آخر تمہیں ان کے دل کی باتیں بھی بتا سکتی ہوں۔“ وہ دھمکانی۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟“ میں حیرت سے بولی۔

”میری حاکم تو یہ کہ ہے؟ وہ بولی۔“

”سکتی ہوں جو ایک عام انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔“

”حاکم اور دو دین سے بھی ان چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں۔“

”میں اپنے ہاتھ کی ہیکروں کی طرح وضاحت سمجھتا ہوں۔ کیا آپ انسان کا پر تو دیکھ سکتی ہیں؟“

”نہیں۔“ میرے منہ سے بے اختیار

”آپ کو بے وقوف محسوس کر رہی تھی۔“

”سارہ مسکرائی اور بولی میں وہ میں کا باطن میں اس طرح دیکھ سکتی ہوں۔“

”چیز دیکھ سکتی ہیں؟“

”مگر کیسے؟“ میں ابھی ہونے نہ دھول دیکھتی رہی۔

”اب سارہ کچھ سنجیدہ نظر آنے لگی۔ اس سے کہنا شروع کیا کہ میرے والد بڑھانت تھے۔ انھوں نے مجھے عیسائی مذہب سے نہیں کی لیکن میری ماں کے مرنے کے بعد انہوں نے لگایا کہ وہ بنات خود مجھے تعلیم دے سکیں۔ انھوں نے مجھے بڑھانت سے پوری عزت آمیز ایک مجھے روحانی درس دیتے رہے۔ وہ ایک ایسی شخص کر میں نے ان میں بہت زیادہ بعد میرے والد نے بڑی سرخوشی کے عالم میں ان سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے حاصل سال لگ گئے تھے۔ انھوں نے مجھے میری روحانی آنکھ کھولی جا سکتی تھی اور اسے تھا کہ میں اپنی اس طاقت کے نشہ میں پہنچانے لگی۔“

”سارہ کی زبان پر روحانی آنکھ کا یاد آگئی تو میں نے چند سال پہلے اس واقعہ نے اپنے والد کے ساتھ ایک طویل عمر اس روایت کے مطابق قیامت کی سبب کے بڑے لارہ میں نے ایسی جڑی پڑیاں دیا تیار کر دہ لکول انسان کی روحانی انگلیں کو عمل صورت یہ بتائی جانی تھی کہ لڑکی کی معمول میں وہ دل تک چھوڑنے کے بعد اس سے دماغ کے اگلے حصے کے غدد کو انسان وہ سب کچھ دیکھنے پر قادر ہو جاتا نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ عمل کسی ایسے ہی

”میرا اس جو چاہے اور یہ اندیشہ نہ ہے کہ وہ سے لوگوں کو نقصان پہنچانے گا۔“

”میں یہ روایت سننی تھی تو اسے اسی قسم کی روایات سمجھا کر شرفا مذہب میں شہرت پائی تھی۔ ان کے ہونے اور لوگ بعض عقیدے کے جوئی میں اس میں لیکن آج میرے سامنے کھڑی ہونے ایک لڑکی یہ کہہ رہی اس حیرت انگیز عمل سے گزرنے والی ہے اور سب

”سارہ نے مسکرا کر کہا آپ کو اس وقت جو روایت دیکھ رہی تھی وہ سچی ہے۔“

”سارہ نے میرے دل کی بات بنا کر ثابت کی۔ انسان کا باطن دیکھ سکتی ہے۔“

”کہہ لے کہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔“ سارہ بولی۔

”میں نے ان باتوں سے خرابیاں نہیں دیکھی کہ انھوں نے بھی روایت کر لی تھیں جو انسانی دماغ کے ایک حصے سے سکتی ہیں۔ انھوں نے اس لکول کا تجربہ کیا اور پر کیا اور کامیابی سے اتنے خوش ہوئے کہ اس انسان کو اتنا خوش نہیں دیکھا۔ آپ میرے سامنے اس نشان دیکھ رہی ہیں؟ یہ اسی جڑی کی لیل والد نے اپنے ہاتھ سے ٹھونکی تھی۔“

”میں نے اس کی پشائی کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر ہشانی پر موجود وہ سیاہ نشان ایک پراسرار کر دیا تھا۔“

”تو یہ وجہ ہے کہ میں ان حمل لاناؤں کی طرف ہو گئی۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ وہ ایک لڑکی کا بے ہوش ہوتے ہیں بہت میں اس طاقت سے کیا ہے؟ یہ وہ دونوں بھی نہیں جانتے ہیں ہاں سنی۔ مجھے صرف وہ سب کچھ معلوم ہو گیا تھا کہ میں موجود تھا۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ ان قبیلے کے رہزموں نے میرے پڑاؤ پر حملہ کیا تھا۔ لارہوں کو ہلاک کر دیا تھا اور مجھے وہ دھمکتے تھے۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں لارہ رہ گئی ہوں۔ وہ لوگ تو مجھے ہی تھے اور وہ مجھے اپنا آلہ کار بنائیں۔“

”میں اس کا کارنا نا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔“

”میرا یہ تو یہ کہ میں ان کے لیے کافی ہے۔“

”وہ آپ کی فطرت سے بخوبی واقف ہیں۔“ سارہ نے سختی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ان کا خیال تھا کہ میری وجہ سے آپ ان سے گھٹنے لگنے کی کوشش کریں گی اور انہیں آپ کو ہلاک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ لوگ آپ سے کچھ مخالفت بھی ہیں۔“

”خیال ہے کہ آپ کو وہو کے سے تو مارا جاسکتا ہے لیکن یہ نہیں۔“

”جلد کر کے نہیں مارا جاسکتا۔ غالباً پچھلے دنوں انھوں نے اس لڑکی کے لوگوں سے آپ پر حملہ کر دیا تھا اور ناکام ہو گئے۔“

”ہاں۔“ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”میں نے سیکھا ہے۔“

”آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا اور وہ جاگ نکلتے تھے۔“

”والوں میں پانچ تو اور لوگ بھی تھے لیکن جیٹا کوئی چینی تھا کہ بعد ”ٹھیک ہے۔“ سارہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ تین ان چینیوں ہی کے آلہ کار ہیں جو خداؤں کا یہ خیال ہے کہ چینی بھی کسی اور لڑکی کا ہیں۔“

”سیاہیہ دونوں کسی جن ٹری نام کے چینی کو چلتے ہیں؟“

”ابھی تک تو میں نے ان لوگوں کے باطن میں یہ نام نہیں پڑھا۔“ سارہ نے جواب دیا اور پھر بولی۔ ”یہ جن ٹری کون ہے؟“

”جو چینی شخص ہمارے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا اس کی۔“

”بس اب مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔“ سارہ نے میری بات کاٹ دی۔

”کیوں؟“ میں تعجب سے بولی۔

”جب آپ نے اس کی ہلاکت کا ذکر شروع کیا تو اس سے متعلق سامنے واقعات آچکے ذہن میں ابھر آتے اور وہ ابھار میری باطنی آنکھوں نے پڑھ لیا ہے۔“ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں اس وقت یہ سچے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مذہب دنیا کے لیے تو یہ لڑکی ایک عجوبہ ہی ثابت ہوگی۔“

”ہاں یہ تو ہے ہمارا ہنس کر بولی۔“ لیکن میں دنیا کی باتوں کی جی کیوں کر سمجھتی ہوں۔ وہ صفت ہے۔ آپ پر تو نہ جانے کیوں اعتماد کرنے کو جی چاہا تھا اس لیے باقی نہیں۔“

”تم بہت خطرناک ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب تو تمہارے پاس میں کچھ سوچتے ہوئے محتاط ہی رہنا پڑے گا۔“

”آپ میرے پاس میں کبھی کوئی غلط بات سوچ رہی ہیں؟“

”میں نے تم کو ایک بات تو فرود سوچ رہی گی۔“

”وہ کوئی غلط بات کہ ہے؟“ سارہ نے اٹھ بے باکی سے کہا کہ میں اس کا منہ نہ کھتی رہ سکتی۔

”سارہ منہ پھر کر مسکرا دی۔“

”میں دیکھ رہی تھی کہ رمضان تھوڑی دیر کے بعد لیٹ کر ہماری طرف مزور دیکھتا تھا۔ میں اپنا کمانے کے پاس میں سارا

”یہاں بیت الخلا نظر نہیں آ رہا ہے“ رضوان توجسے بولا۔
 ”بیت کے علاوہ ہی بیت الخلا نہیں ہوتے۔ میں نے نہیں کر سکا۔“
 ”یہاں کے لوگ کھیتوں پہاڑوں اور چھاڑیوں کا رخ کرتے ہیں“
 ”صبر“ واناقت۔ اب کوئی اس برقرار میں ہی کیا کرے؟

رضوان نے بنا کر رہ گیا۔ اس کے سوا کچھ ہی کیا سکتا تھا!
 رضوان نے بھی بولی ”کیا بہت زیادہ ہے قراری ہے؟“
 ”نہیں“ رضوان نے خشک لبے میں کہا ”میں ہی میں ہی کوچ
 رہا تھا کہ جب بے قراری ہوگی تو کیا ہو گا؟“

اسے میں نکھیا کا ملازم اندر آیا اور پچھنے لگا کہ ہم لوگ
 کتنی دیر میں کھانا کھانے لڑکیں گے۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم
 ہیں، قلعہ بھی انداز کرنا اس لیے بیکار تھا کہ میں تینوں کی جبری
 کی مہمان نوازی سے واقف تھی۔

کچھ دیر بعد ہم لوگ کھانا کھانے بیٹھے۔ رضوان یہ دیکھ کر
 حیران ہوتے بغیر رہ سکا کہ وہ کھانا چاندی کے برتنوں میں آیا
 تھا۔ میں نے اس کی حیرت دور کرنے کے لیے کہا ”گاؤں کے
 نکھیا کو ماہر امیر آدمی ہوتے ہیں اور اپنے معانوں کو ہمیشہ چاندی
 کے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں“

”میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں عزت ہی عزت ہوگی؟“
 ”تمنا ہے تو عزت ہی کا زیادہ ہے“

”یہ ہے کیا؟“ رضوان نے کھانے کے برتنوں کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے پوچھا۔

”پھل، آٹو اور دلیا“ میں نے بتایا۔ ”یہ ہاں کا خاص کھانا ہے۔“
 عام طور پر تو لوگ سمبارا دھو کھا گوشت کھاتے ہیں“

”سب کیا؟“
 ”یہاں کے لوگ جو کسے آٹے کو سبکتے ہیں“

رضوان نے اس روز پہلی مرتبہ تبت کے مفصلوں کھانے
 کھانے جوئے باطل پسند نہیں آتے لیکن پیٹ کا جتم تو پر گرا ہی
 تھا۔

”ہاں تو آئیے وہ پراسرار ناول نہیں سنایا،“ مومو مسکرا کر بولی۔
 ”کون سا ناول؟“

”جو آپ سارے سن چکی ہیں“
 ”اوہ!“ میں مسکرائی اور چیر دھسی آواز میں بولی ”یہاں کھنگلو“

مناسب نہیں ہوگی کیونکہ وہ سن چکی جا سکتی ہے“
 اس کمرے میں پہاڑوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا کہ اگر کوئی

دروازے کے قریب کھڑا رہتا تو اسے ہماری آواز سنائی دے
 جائیں۔۔۔ خدشے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ لامہ چھپ

لہا پانی خوبصورت پنڈلیاں دکھائی دھرتی
 ”کب دیا ہے تم نے؟“ میں جنس کر بولی۔
 ”میں کبھی باری بات خاص دینی ہے“
 ”اوہ! بڑا بڑا کچھ“ رضوان نے سر ہلا
 است بھی نہیں کرتا“

”مسٹر رضوان!“ اچانک مومو
 کس زبان میں باتیں شروع کریں؟
 کروں تو احتجاج نہ کیجیے گا“

”دیکھا“ میں ہنس کر مومو
 یہ مناسب نہیں ہو گا۔ یہ دو دنوں
 لوگوں کو اس وقت مٹاؤں گی جب ہم

”آج تو داہی کا ملازم لفر
 ”ہاں آج کی رات تو میں میرا
 میرا خیال درست ثابت ہوا

تھی۔ اب اگر ہم سفر کی تیاری شروع کر
 ہو جاتی۔

رات کو بھی میں نکھیا ہی کی طرف
 بعد ہم لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے۔
 میں نے ایک ہی ہم تینوں عورتیں تھیں۔
 رضوان تھا۔ اسی طرح بالی دو دنوں کو
 کے حصے میں آیا تھا اور دوسرا سا وہ لاف

کمرے لے کر غم تھے کو فلت
 نیند آتی تھی۔ کمرے کے اپنے اپنے
 گھوٹے بیچ کر سوئی لیکن نیند آنے
 باسے میں سوچتی رہی۔

میں طبیعت بہت ہشاش
 تیار یاں شروع کریں۔ ہمارے مزدوروں
 اور اپنے گھروں کو کوٹ گئے۔ گھاؤں
 اور ہم نے اپنا سفر شروع کیا۔

اب قدر نظر تک سفید سفید ہوا
 تھا۔ رضوان نے سمر کی ایک ٹوپی پہن لی
 لیتی ہے اور صحت انکھیں کھل رہی ہیں
 ”تم نے تو ہم عورتوں کو بھی مات

سے بولی۔
 ”عورتوں کو تو خود نمائی کا شوق ہے
 کہا“ امریکہ اور یورپ کی عورتیں بھی سرائی

”ہاں“ میں نے سر ہلا کر کہا
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

کہاں جاتے گی“
 وہ کوئی جواب دینے کے لیے منہ کھول چکا تھا کہ عقب
 سے کچھ مزدوروں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ ہم نے ایک دم پلٹ
 کر دیکھا اور چہرہ جلدی سے اپنے چہرہ کو دیکھے۔

ہمارا ایک یا ایک ایک بون سے پر گڑھے میں پھنس گیا تھا
 اور دھنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کے منہ سے غراہیں نکل رہی تھیں
 لیکن وہ لاکھ جتن کر کے بھی اس مصیبت سے نجات حاصل نہیں

کر سکتا تھا۔ مزدور اسے نکالنے کی سرگوشی کر رہے تھے مگر
 انھیں بھی کامیابی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہماری ہجرم جسم کے
 کے باعث وہ ایک جڑی تیزی سے دھنستا چلا جا رہا تھا۔ ہلکے

ساتھ جویاں تھے، وہ ان سے زیادہ ہماری ہجرم تھا۔
 ”اوہ اس پر ہماری چھو لاریاں ہیں نا! چانگ رضوانی“
 ”اور اب انھیں دفن ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا“ میں

تھنڈی سانس لے کر بولی۔
 ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک گڑھے میں غائب ہو گیا
 اور ادھر اُدھر سے ہر طرف سے ڈکٹ کا ڈھیر کی پراس طرح گرا کہ

اس کی قبر بن گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہماری چھو لاریاں بھی دفن
 ہو گئی تھیں۔

مومو مزدوروں پر برس پڑی کیونکہ یہ حادثہ معنی اُن کی فلت
 سے ہوا تھا۔ انہیں چلنے سے تھا کہ وہ یا کوں پر گڑھی نظر رکھتے مگر وہ

آپس میں گپ شپ کرنے لگے تھے۔
 میں نے اس موقع پر لامہ کی آنکھوں میں چمک دیکھی اور
 سمجھ گئی کہ وہ چھو لاریوں کے منیاع سے خوش ہو رہا تھا۔

”ہم اب کہاں سر نکھیا ہیں گے؟ رضوان ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔
 ”آپ اتنی پریشان کیوں ہیں خاتون!“ لامہ بول پڑا۔ آخر

ہمارے پاس بھی تو چھو لاریاں ہیں مزدوری تو نہیں کہ ایک چھو لاری
 میں ایک ہی آدمی سوتے۔ ہم سب مل کر گواہ کر لیں گے“

اسے میں لامہ کا سا اٹھ اور سارے بھی ہمارے قریب آ گئے۔
 انھوں نے ایک کو گڑھے میں دفن ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
 قافلے کے باقی سب جانور اور مزدور بھی ڈک گئے تھے۔

پہلے لامہ نے دوسرے لامہ سے کہا ”اس ایک کے ساتھ
 ان لوگوں کی چھو لاریاں بھی دفن ہو گئیں لیکن میں انھیں
 سمجھانا ہوں کہ اس میں زیادہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آخر

ہمارے ساتھ بھی تو چھو لاریاں ہیں۔ ایک چھو لاری میں دو دفعہ
 سو سکتے ہیں۔ ہلکے پاس چار چھو لاریاں ہیں نا؟“

”ہاں“ دوسرے لامہ نے سر ہلا کر کہا۔
 اور اس حادثے کے باعث یہ بات بڑے جگمگ۔ اب نہیں

”ہاں“ میں نے سر ہلا کر کہا
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“
 ”میں نے سر ہلا کر کہا“

میں ہنس پڑی اور وہ لامہ سٹپٹا کر مجھ سے بولا "معاف کیجیے
گھڑی میں بھول ہی گیا تھا، حالانکہ آپ تاجا جی میں کر آپ کے ساتھ
ہماری زبان نہیں جانتے۔"
"اب" میں نے فسکرا کر کہا "یہ آپ کی زبان کا ایک لفظ
نہیں سمجھ سکتے۔"
"میرے بچے میں آپ کو پھر یہ ہم لوگوں کے معاشرے پر کتاب
کیسے لکھ سکیں گے؟"
"میں انھیں سب کچھ بتاتی رہتی ہوں۔"

”جنگِ آبِ الجھن کی ہونے لگی ہے۔
اسے حالات سے دوچار نہیں ہوئی، سارا
”قبیلہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ
”میں اس سٹیٹس کی نسبت حیرت کلام
”اس کا تو مجھے بھی یقین ہے، وہ دہوا
”یہ تو خلیجِ فارس کے گھاس ہے۔“
”کوئی خاص بات ہے؟ میں نے اس کی کہ
”ان لاشوں کے پاس کیڑے مار رہے۔“

اگر کوئی ہے
وہ کیا
اور اس سے الگ تھلک رہ کر تم سے باتیں کرتی رہتی
وہ وہ لوگوں کی نظرت کا تقاضا سمجھ رہے ہیں یہ سارہ نے
کہہ رکھا تھا۔
اب پھر تو ٹھیک ہے یہ میں نے نہ کہا کہ اگر کہا۔
میں نے نہیں فراموش کیا کہ محنت میں کوئی فخر ہمارے قریب آئی
تھی۔ اب اس بار وہ لڑائی ہو گئی، اور وہ لڑائی جو ہماری

میں زیر قلم نہیں تو تمہاری زندگی بھی گزرتی تھی؟
 "بہت دلچسپ" سارہ نے مسکرا کر کہا۔
 "میرزا کیلے آپ اپنا انٹرویو لکھو بدلے کی کوشش نہ کریں۔"
 عقب سے رضوان کی آواز سنائی دی۔ وہ سہمی سی بولا تھا۔
 میں نے سر ہٹھا کر اس کی طرف دیکھی تو وہ دھجھلا ا۔ "میں کتاب میں
 ہڈی بننے کی لذت جانتا ہوں۔" وہ اپنے فخر کمرے پر باریں لے آیا۔
 "معذرت قبول کی جاسکتی ہے" میں نے مسکرا کر سہمی سی ہی کہ
 سارہ جوف دو زبانیں جانتی تھی۔ انگریزی اور پشتی۔ لیکن مجھے
 یقین تھا کہ میرے داد رضوان کے خیالات پڑھ رہی ہوگی کیونکہ
 خیالات کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔
 "کیسے؟" رضوان بڑی بے تکلفی سے بولا۔ "پڑھنے کے گرد آپ
 نے اتنا حاشا کیا۔ کیا کیا نہیں؟"
 "مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جڑیاں خود ہی مجھے یاد کرنے
 لگتی ہیں۔" میں نے کچھ برسوں کے سارہ کی طرف دیکھا جس کے ہنسرے پر
 بالکی کی مٹری پھیل گئی تھی۔
 "میں مغرب کی کوئی ایلا تدم اٹھانے والا ہوں کہ یہ چڑیا آپ
 کی طرف سے جو تک جاتے؟" رضوان نے کہا۔
 "شرط لگاؤ تو کتاب میں بس جو سکو ہے۔"
 "یہ بات ہے؟" رضوان نے ذیلعج قبول کرنے والے انداز میں کہ
 "ہاں۔"
 "تو پھر کوئی شرط۔"
 "شرط کی تفصیل بھی تو لے کر دو۔"
 "وہ کیا؟" بھڑکے ہوئے جواب کہہ کر میں نے مجھے غلطابو
 "جیسے یہ۔" فیصلہ ہو جائے گا تو بتاؤ۔" اگ
 "لیکن وقت تو لے کر لو۔"
 "وقت، کیا مطلب؟"
 "شرط کی ہر جتن کا فیصلہ کہ جب ہو گا؟"
 رضوان نے کچھ سوچ کر کہا۔ "بس آرتائیس گھنٹے سمجھ لیجیے۔"
 "اگر چاہو تو پورے وقت اور بڑھالو؟" میں نے ہنس کر کہا۔
 "نہیں، بس آرتائیس گھنٹے میں کامیابی حاصل کر لوں گا
 میں بس کرچہ پوگنی اور پھر سارہ کی طرف بہت غور سے
 دیکھا۔ میں اندازہ لگاتا جا رہی تھی کہ اس پرانے بالوں کا کیا اثر ہوا ہے
 لیکن اس کا چہرہ بالکل سچا نظر آ رہا تھا۔
 پھر شام تک کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جو قابل ذکر ہو۔ اند
 سے پہلے چار ڈال دو ایک اور زور دے دوں گے چار آٹھ دس کا فی
 آج کر دی خاصی بڑھی ہوئی تھی۔

پر بہتہ دانا مشکل ہو گا۔

5611

مناسب نہیں سمجھ رہا ہو گا۔

اہمیت چکاہرس و رضوان چمکا۔

میں نے بڑا مذہبی پیشوا جو تبت پر چینی تسلط کے بعد فرار ہو کر ہندوستان آیا گیا تھا اور اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے امیر گما!

کیسے اس محل میں تین سال گزارے تھے اور اسی زمانے میں وہاں
 کے عیالانہ کام دیکھے تھے۔ محل کے بیچے کی چٹائی کا کٹر تھلنے
 پھانسنے لگے تھے جہاں مقدس بدھ کے فرور محفوظ ہیں۔ وہیں دلائی لاما
 گوتم بدھ سے سلام کہا کرتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب!
 اب میں تیرہ سال بعد واپس اس محل میں داخل ہونے والی تھی
 جہاں دلائی لاما کی جگہ چین لاما درتسب سے جو یہودی حکومت کا دفاتر ہے
 کہنے کو توبہ دیتا کھڑا ہے لیکن اصل فیصلے چین کی کیونسٹ
 پارٹی کو تھے اور وہ یہ چین نے یہاں کی بال ٹورس بنال ہے
 جہاں کے لوگ ہنگامہ آلود اور لامذہب زندگی گزارنے لگے ہیں۔
 جب ہمارا قافلہ لٹالما لٹو کے قریب پہنچا تو ہمت سے لوگ
 نیڑی سے ہماری طرف آئے۔ وہ ہمارا استقبال کرنے آئے تھے اور
 میں خود سے یہ دیکھنے لگی تھی کہ ان میں میر کوئی ششاسا جہر بھی ہے
 نہیں؟

یہ نیشنل لائبریری بھی تھوڑی سی حکومت کے متقبال کے لیے عملی ہے۔
آج ایک اعزاز تھا جو پچیسویں حکومت کے زمانوں کے سربراہ
ہو رہا تھا اس کے تحت کے روایتی اعزاز ہیں جو غرض
"بانو" کی انعامات تھیں اور تھوڑے ساتھیوں کو آواز کی
کو یار کے کھانے کے بعد اوقات تفصیل گفتگو کے
گاہ کیا خیال ہے؟
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں" میں نے مسکرا کر کہا
اس کے بعد اس کے چند غامض اور میلے سے
جو ہمارے لیے غرض کیے جانے تھے اور جہاں آرام و آسائش
تھی جہاں وہاں پچیسویں حکومت کے آدمی رہیں تھے
کئی خدمت کا بیجہ۔ یہ تھیں۔ کسی بھی صورت کے
آستان میں دلچسپی ہوئی آگ کے کمرے کو گھر کے
میں سے ہر اپنے ذوق پڑوس سے نہایت
لباس میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔

لو ادا گئی ہو کہ بعد کھڑی ہوئی ہوئی یہ اچھی بات ہے،
لی ہوں۔ جب آپ فارغ ہو جائیں تو میرے پاس آئیے
وہ فارغ "ایک کچھ زور دیا تھا۔
میں اس دوران میں ایک گریٹ مسکائی تھی اور کسی کی
"اگلا کچھ انھیں بند کر دی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
"اگلا کہ باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔
"اگلا میں نے تو میں نے اسے پکارا یہ کیا سوچتے؟"
"اگلا انھیں کھول دیں اور یہ بھائی چھے گیا یہ باتوں کو آپ
"اگلا میں نے آپ پریشان دلائل کا کام نہ دوں گا۔"
"اگلا میں نے یہ کہہ کر ان سے زیادہ ہنسنا شروع کیا۔
"اگلا ہے؟"

"کیا اس افواہ کی تصدیق نہیں ہو سکتی؟"
 "اگر تصدیق ہو جاتی تو میں اسے افواہ کیوں کہتی؟"
 "لیکن آپ اس سلسلے میں کیا تہ وار کستی ہیں؟"
 "مجھے حقیقت کا پتا لگانا ہے۔"
 "کیا مرنے والی اور بھرنے والی کستی ہے؟"
 "میں نہیں کر سکتی۔"
 "کہہ۔۔۔"

”اب آپ کے افسے خطرناک ہوتے جا رہے ہیں یہ بخوان نے کچھ
گھبرا کر کہا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔
”کہاں پہلے؟“ میں بولی۔
”چھوٹے سے گاؤں۔ عین وقت پر نہ ملے تو دشواری ہو گی۔“
”مکرمات کرو۔ جو چیز بڑا دینا پڑے گی میں نے ہنس کر کہا اور پک
کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ بھاگ نکلے۔
”اے اللہ! ہاتھ تو چھوڑ دیے۔ کوئی دیکھ لے گا۔“ رضوان نے
کسی خوشخبر دینا کی طرح ہنک کر کہا۔
”آخر تم اس معاملے میں سنجیدہ کیوں نہیں رہتے؟“ میں نے گویا
جھنجھلا کر کہا۔ ”تیس اسی طرح میرے جذبات کی تو میں نہیں کرنا چاہیے؟“
”پھر سنئے کیا کرنا چاہیے بازو؟“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لے
کر کہا۔

سے کر کہا ادا یا ملک مجھے اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔
 ”اے سائے“ میں بول کلا آگئی۔ رضوان کی یہ حرکت
 قہر، غصہ، نفرت تھی۔

”آئیے، رشتہ کر کے!“ رضوان نے اپنا ہاتھ
 ٹمکتے ہوئے جڑی جمیدگی سے کہا۔ آپ کیا راست
 واقعی آپ کو رستہ دینا تھا۔ اب مجھے اپنا یہ کیل تکم کرنا
 میرا اس وقت بلے حد پشیمانی ہوئی تھی۔ رضوان
 بڑی طرح کھولا کرتا نکلتا مشعل نظر آرہی تھی۔ اس کا
 مقابلہ میں اپنے سر کو جوچے چھوٹکا نجل جبار بھی تھی۔
 ”تبت... تم... تم سو تو... رض... رضوان!“ ہم
 اب کہہ سکتے تھے شائے کسی گفتگو نہیں ہوا۔
 جذباتی انداز میں کہا مضبوط کے زمین ٹوٹ چکے تھے۔
 ڈور نہیں رو سکنا۔ فالوں کو مٹ جانا چاہیے۔
 ”لیکن... لیکن تم... کسی اور سے محبت کر سکتے
 کرکہ۔“

۱۔ میرے پر محسوس کرو گی تھی۔
 ۲۔ اپنی زبانیں مانگ کاٹنا اور اٹھانے ہونے
 ۳۔ اور تیسری زبان کی گرفت نہ صرف ختم ہو گئی
 ۴۔ بلکہ ماتھ فرسٹ پر جا کر۔ اور جس کی لمبی سانسیں
 ۵۔ تھ پڑیں۔ مگر میری ہڈیاں بڑی طرح سنسنی
 ۶۔ کی ہیں شاید یہی مرتبہ اتنی زبردست ہوئی تھی۔
 ۷۔ جہاں آواز ہو رہی ہو، ٹھٹھکل مڑا اور بڑی جھینگے
 ۸۔ کا۔ انڈیا پسند نہیں آیا۔ آپ شہت پسند
 ۹۔ کا مہم ہے۔ گویا کیا خیال ہے؟، وہ پھر میری
 ۱۰۔ توجہ سے ان کو مل بہت سختی سے پیش آؤں

"جانا تو بہ نسبت آنے سے پہلے ہی دوڑا ہوا ہر ایک کو کہیں
 "میں اس نیک عمل کی عزت ہی نہیں ہوں"
 "کہیں نہیں ہی کو غرض درپٹے گا، جمعہ یقین ہے"
 "تو یہ سب نہیں اس کا بھی یقین کر لینا چاہیے کہ سورج ایک دن ایک
 روز غروب سے ہم ملوے گا ہر ایک"
 "میرا خیال ہے یہ کوئی خاص عمل ہی ہے اور مجھے ذہنی سے پہلے کی
 جلدی ہے، لہذا ہر کسی کو بتاؤ"
 میں ہنس کر کچھ بہرگشتی اور مڑوان کر کے چلا گیا میں کہے
 میں تیار ہو گئی۔

قوت آؤں گی، منظور ہے،

منظور ہے،

اچانک دروازے پر دستک سنائی دی، دیکھو کون ہے؟

جس نے اس سے کہا۔

وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے لگی۔ اسنے والی مودتھی۔ وہ کہتے ہیں کہ

”میرا نذرہ قطعی درست ثابت ہوا“

”کیسے؟“ میں اس کی طرف دیکھ کر کھڑکی۔

”میں نے سوچا تھا کہ آپ سارے ملک کے یہاں نہیں ہیں؟ اسنے مجھے شرعاً غلط سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے خاموش رہنا ہی مناسب جانا وہ وہ مزید چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ وہ قریب آ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور سارے سامنے سہری پر جا بیٹھی۔ جب میں نے سوچا کہ کیا میں اگلے روز سارہ کے ساتھ چیکپوری جا رہی ہوں تو وہ چونک پڑی۔

”مگر باؤ! میں تو جا رہی ہوں؟“

”یقیناً جانا ہے لیکن دو تین روز بعد! اس دونوں میں چیکپوری جا کر لوٹنا چاہئے۔“

”فوج میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی؟“

”وہ سنو کچھ سوچ کر لو۔“

”وہ سنو خوش ہیں؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”آپ مطمئن رہیں، میں کلب میں بڑی نہیں ہوں گی۔“

”فوج میں کیسے ساتھ چل رہی ہو؟“ میں نے اسے پوچھا پھر چند

لمحے توقف کے بعد تنبیہ سے بولی، ”تم نہیں دہراؤ تمہارا بیان رمانداز کا

ہے۔“

”مرو کو سامنا تھا، نہ مانی شاید اس نے مجھے تہانہ چھوڑنے

کی شک کیا تھی۔ وہ میرے بار بار منہ کرنے کے باوجود ساتھ چلتے پھرتے

رہی۔ پھر میں نے اسے ساتھ لے چلنے کا وعدہ کر ہی لیا۔

کچھ روز سارہ کی دلجوئی کے سبب میں نے چیکپوری چلنے پر آمادگی

ظاہر کر دی تھی اور کچھ یہ کہیں خود بھی بہت کی اس قریب آمد شور و سرگاہ کو

دیکھنے کا شوق پیدا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رضوان ناہر دیکھ کر میرے ارادے کا عالم

دوسرے دن صبح ہی ہو گیا کہ وہ کہیں سارہ کے کمرے سے نکل کر،

مرو کے کمرے پر آئے۔ اسنے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو میں نے رضوان کے کمرے

کو باہر سے بند کر دیا تھا۔ ایک خادم سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دونوں

پورا لالہ کی کمرے گئے تھے۔ میں ابھی طویل سفر کی تھکن بڑھاتی تھی اس لیے

میں نے خاموشی کو بہت دیکھی کہ جب وہ دونوں کو میں تو ان سے کہ

دیا جائے، میں سوچتی ہوں۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ میں سونا چاہتی تھی میں

جلدی ہی سوچتی ہوں تاکہ نذرہ دے دیا جائے سکوں۔

دوسرے دن صبح جب میں صبح کی تیاریوں میں مصروف تھی تو

رضوان اور میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان دونوں کے چہرے سے

سکون اور ملائیت کا اظہار ہوا تھا۔ میں اس وقت ایک سفری تھیلے میں

کچھ ضروری سامان رکھ رہی تھی۔

”کیا ہم بھی بستر پر جا رہے ہیں؟“

آستے ہوئے خوش مزاجی سے ہوا

”دو سہ بجے بھی تمہارے بستر پر“

مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہ

”آج کی تین گھنٹہ میں سونے کو نہ کرنا“

”میں فی الحال کوئی سرگرمی نہ کرنا“

جا رہی ہوں؟“

”خود کی تفریح سے بندھو“

”میں اس تفریح کا وقت نہیں دے سکتی“

ان دونوں کو اپنے مختصر اور مختصر

دیر میں ہونا تھی پھر چیکپوری جانے کا

مجھے کوئی سارہ کے کمرے پر جا رہی تھی

”مگر حرج نہیں آپ؟“

اس دوران میں جن کوئی کی نکل کر

توہ یہ کہ اسے پہنچ چکے ہیں۔

وہ بھی لاسر پہنچ چکا ہوا؟

”ہاں لیکن تو ہے؟“

”مرو تو ہیں بے گھر؟“

”نہیں وہ بھی بیسیر سارہ“

”وہ کلاک بیری جان پھر نہ“

لاسر سے چیکپوری تک

پہنچنے لاسر کے چار خادم ہماری

آگے آگے دروازے سے تھے۔

جانب دروازے میں ان دونوں کے

خاموشی سے میں نے اس کے

چیکپوری پہنچ گئے۔ دروازہ کی

راستے ہمیں پوری تھی

کی طرف سے غفلت سے

بہر حال ایک خزانہ کے درخت تھا۔

بجھو غولی نام نہانے کے باوجود

تعلیق خاموشی کی نظر میں تھی

کو ذہن سے متنبہ دیا گیا کہ

چیکپوری کی درگاہ کا

منظر بلا۔ اس کے ساتھ میں

دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کیا ان کو

مگر انہیں یہ علم کیسے ہوا؟

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

میں نے اسے توڑ دیا اور اس کے ساتھ چلوں

ہے؟

”ہاں میں ہی سارہ ہوں محترم لارہ! سارہ کی آواز مہربانی میں

وہی ہوں جسے ساتھ لانے کے لیے آپ نے مجھے کمرے میں بلایا؟

کوہ میں سے جنگ طوچھا تھا کہ آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟“

”صرف قیاس اور انداز سے“

”بڑے لارہ نے مجھے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”جب تم میرے پیچھے ہوئے“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

”میں نے اسے کھانا کھا تو اس میں تمہارا ٹکڑا بھی تھا تھا“

نے منتہی ہر جاکہ تیرے انتظار کے دن چلے ہوئے؟
 دراز تھیں سے انتظار ہو گیا اور بولے بڑے لاسرا میں آپ کا
 شکر گزار رہا۔ آپ میری ہنسی میں جادو کر کے دن سے یہاں اس
 کا انتظار کر رہا ہوں اور مجھے چاہیے کہ میں اس سے ہرگز نہ ہٹاؤں؟
 گویا میرا انداز دوستی نہایت ہلکا وہ چاہیے کہ میں اس سے آیتھا اور
 اس کا تعلق کھانا پیسے سے تھا وہ اس کے قیلے کا ایک ایک ذوق تھا جو
 دلائل کا لامر تھا اور جہنی حکومت کے خلوت کا مکر وہ تھا یہ سوج کر
 میرا زہن کچھ اچھا سا گیا۔ سارے کے ہاتھ میں بیرون نہ جانے کیوں یہ قبول
 کرتے ہو؟ وہ نہیں تھا کہ اس کا کوئی تعلق صف دشمنی سے ہوگا سارے
 کو دراز تھیں نے اپنی ہنسی کا تھا اور اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس
 کا باپ بھی کھانا پیسے سے تھا۔ مجھے اپنے اضطراب پر قابو پانا مشکل ہو رہا
 تھا۔ اس لیے میرا زہن ناگہم ہو گیا۔
 اس سے پہلے کہ بات مزید آجے ہر قسم میں وہ بیان میں ہوں مگر
 میں نے بڑے لامر کو مخاطب کیا تھا یہ محترم لاسرا بہتر تو یہ تھا کہ آپ خود لفظ
 کی رسم لپیڑ کی نسبت نہ کرنا کہ اس نسبت کی فضا حق ہو جائے مگر غریب سہی! یہ کہہ کر
 میں نے دراز تھیں کی طرف دیکھا اور بولے میں نے ان کی ادب کی
 گفتگو سے اندازہ لگایا ہے کہ سارے کے جہان میں اور سارے کا خلل چاہیے
 سے آئے ہیں لیکن مجھے سارے سے اپنے ہاتھ میں ہو گیا ہے۔ وہ لفظ مختلف
 ہے۔ کیا سارے کے والد نے دو شاہدوں کی تھیں؟ کیا یہ سارے کو تھیں لائی؟
 وہ نہیں! بڑے لاسرا نے جواب دیا مجھ رضاعت کی! سارے کے باپ
 انکو بہت نسبت میں کوئی شادی نہیں کی تھی۔ منتہی! انکو بہت سے جہان کا
 بیٹا ہے۔ میں ذاتی طور پر انکو اور اس کے اہل خاندان سے کبھی ملنے واقع ہوا
 اس لیے انکو بہت مجھے خوش تھا۔ جب تک انکو سارے کا تھا تو میں نے ہی
 وقت چاہیے کہ منتہی کو گرا لیا تھا کہ یہ سارے کو یہاں سے اپنے ساتھ چلا کر
 لے جائے۔ منتہی اس وقت سے یہاں سارے کا انتظار کر رہا تھا،
 جب بڑا لاسرا بہت وفادار تھا کہ وہ منتہی کے بارے میں سارے اور
 منتہی کے چہرے کا جانور لیا تھا۔ ان دونوں کی کہ چہرے سے سرت کا ظہور
 دیکھنا تو گویا سارے کے باپ کا تعلق کھانا پیسے سے تھا!
 بڑا لاسرا نے بات ختم کر رکھی تھی کہ اس کے انداز و اطوار سے یہاں
 رہا تھا مجھے وہ جانا پتا رہا۔ مجھے اس کی تحقیق نے لگایا تھا کہ کھانا پیسے کے
 انداز سے اس کی رسم و رواج سے لینے میں خیر تھی۔ اس سے خلوت میں گفتگو
 کر کے اس کے ہاتھ میں کوئی لفظ نہ تھا کہ میں اس سے اس کے ہاتھ سے
 سے تہی ہی میں نے کیا۔ میں نے سارے کے کہ اس دروازے میں کچھ لڑا ہوا تھا
 آپ مجھے ان کی نرا تھیں نہیں کہ اس سے خیر سارے؟
 "میں نہیں! اس میں کوئی کوہ زار ضرور تھا کہ اس کا مگر فی الحال تم لوگ
 کچھ دیکھ کر کوئی چیز ہے؟" چلا اور بولے یہ خدا کوں نے یہاں خانے کے کمرے
 میں اب تک تم لوگ کا مسلمان پہنچا رہا ہے۔ میں جا کر دیکھا ہوں اور انھیں
 متعلق سے پاس بیٹھا ہوں کہ وہ یہاں خانے کی تھوڑی دہانہ کریں! وہ

انتظار ہوا لاسرا
 میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ
 گیا۔ میں نے کچھ دیر کی اور سارے کے نوادہ کو
 دیکھنے کا کوئی اشتیاق نہیں تھا۔ مجھے کسی قدر افسوس
 رہی میں نے تو عرض بڑے لاسرا سے خلوت میں گفتگو
 وہ سب کو مکر کر لیا تھا اور میرا قصد وقت ہو گیا
 بڑے لاسرا کے جاتے ہی سارے اور منتہی کا
 گھٹے تھے۔ وہ دونوں پہنچی زبان میں ہی بات کر رہے
 انداز و اطوار سے مذہب و کھانا و اشتیاق میں اس کا کام
 میں نہیں لگا تھا۔ وہ چہرہ ایک مذہب شخص کا نہیں
 غور سے اس کے چہرے کا جائزہ دے رہی تھی۔ اس
 بات کو محسوس کر لیا وہ سارے کے گفتگو کر رہا
 "دیں آپ کلمے مضمون ہوں کہ آپ نے
 میں مدد کی! اس کے لیے میں شاکل تھی۔
 "یہ لفظ اسانی فرض تھا ہوں نے ادا کیا۔
 بات نہیں! میں نے جواب دیا مجھے یہ کہہ کر
 سارے میں ہی کچھ خوش ہے اور بڑی دلچسپی ہے
 گفتگو کر رہی ہے۔ تب تب اس کے باپ کا ہن
 پہنچنے کی اس نے آواز کی تھی!
 میری بات ختم ہوتے ہی وہ روانہ ہے۔
 اور افسوس نہ کہ کیا بڑا مسلمان کوں میں پہنچا دیا گیا
 ہوئے۔ میں نے یہی وقت دیکھا۔ وہ خاموش تھا
 چہرے سے گفتگو نہ کیا اور اشارہ ہوا تھا کہ میں غائب
 کی طرف چل بیٹے۔ راستے میں منتہی نے سارے کو بتا دیا
 ایک کمرے میں ختم کر دیا اور اس کی خواہش ہے کہ
 سارے نے اس کی بات مان لی تھی۔ سارے کا منتہی کے
 میری کچھ نہ آسکا۔ اس نے میرے کہہ کر
 بات ختم کیے لیے توجہ ختم کر لی۔
 خاموشی نے سب کا سامان الگ الگ کر
 کئے کہ اس کا سامان منتہی کے کمرے میں منتقل کر دیا
 اجازت کے منتہی کے ساتھ چل گئی۔ میں اس کے
 میں سامان دیکھا تھا اور میرا اپنے کمرے میں نہیں
 ساتھ تھا۔ کمرہ وہ دروازہ تھا جس کی طرف میں
 میں سہری کی طرف بعض طرف سے آگیا
 دھڑکی گی!
 "وہ خیر انتظار کر لیا ہے۔ اندازہ بند کر
 راستہ اپنا ہلکا اور صحت جوڑا اور دوسری دروازہ پر
 موموں نے دروازہ بند کر دیا اور میرے

ہیں آیا۔ موموں نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 میں نہیں آیا مگر آج کے کسی کوشش میں ہے۔ میں
 کی طرف وقت بن باتوں کا نہیں! ہم ٹوٹ رہا ہے۔
 کمرے میں خیر ہے۔
 بڑا لاسرا کا قرب میرے ہوتو پھر اور کیا چاہیے! جب
 میں سامنے ہو کر میرے شرق میں خیر کی کسی وجہ
 لاسرا کی کشت سے آپ کو سیر کر دینا چاہتے ہیں
 لاسرا کو فریاد ان آوازوں میں تھیں کہ میں کوئی جن میں
 اپنا ہے اور اس میں غریب موموں میں میرے ہوا تھی۔
 منتہی ایک نکل گئے تھے آخری دروازہ جہاں سے وہی
 ہی تھا کہ اس کے لیے تو مجھ کے کہ وہ دوازے پر
 کہہ کر اس وقت کوئی خیر کیے وہ دیں یہ نہیں
 صاحب اور حقیقت کا فرق ظاہر ہوا تو مجھے سخت غصہ
 ہوا اور سارے دینا بھی تو مستحب کا وہ جوڑاں کی گت
 کہ مجھے دے والے کی حیثیت بھی میری غلامی اس وقت
 مجھے نہ لگے! لاسرا کا حساب لینے آیا کہ کھیت و نشاء
 لاسرا ان کا حساب دوا جوئے تھا اور مقسم تھے وہ
 صاحب میں ایک کچھ ہوتی تھیں۔ دیکھیں اب
 لاسرا۔ وہ شرق کے مسافر کو قرب منزل سے
 وہ گھر لانا آئے والا تھیں کہ کر دیا گیا۔ وہ بڑا لاسرا
 وقت خلوت پر تھی۔
 وہ لاسرا نے اپنے ہاتھ میں لاسرا کے ہاتھ میں خود پر تالی پاتے
 لاسرا نے کہا۔ وہ یہ حال چاہیے کہ اس کے دروازے کا بڑا لاسرا تھا۔
 میں تھا کہ اس میں عمل انداز ہوا۔ وہ آگے بڑھا
 اس وقت میں بڑا لاسرا کہہ... تھیں... وہ... وہ...
 لاسرا دوں جنہیں دیکھنے کا منتہی نے اشتیاق ظاہر
 حاد تھا ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔
 میں کہہ کر کھینچا جاتا تھا اور اس نے لیوں کی بات
 کہ اس سے خلوت میں گفتگو کا موقع مل سکتا تھا۔
 وہ لاسرا کوڑوں کے عزم لاسرا کہ آپ نے میری
 میں لاسرا نے لاسرا کے آپ کے ساتھ چل دی ہوتی
 لاسرا اور کوں کو غلبہ کیا؟ موموں کا تو کمال تھی کہ
 وہ لاسرا دیکھ لاسرا میں خیر لاسرا کے ساتھ جا
 لاسرا باپ لاسرا میں بھی کچھ ختم محسوس کر رہی ہوں۔
 لاسرا پہل جائیں! موموں نے میری آغوش کی۔ وہ

نابا! میرا غما مجھ کی تھی۔
 میں بڑے لاسرا کے ہوا مختلف راہروں سے گزرتی تھی! پھر وہ
 ایک کمرے کے سامنے میں گیا جو منتقل تھا اس نے قتل گھر لاسرا کے
 میں داخل ہو کر مجھے اس انداز سے آگاہ کیا۔
 وہ کہہ چلا سامان منتہی کے ساتھ تھا میں وہ لاسرا کے ساتھ ساتھ
 کچھ شکر میں آگئے تھے۔ میں شکر میں نہیں تھی۔ منتہی اور لاسرا کے
 ہوتے تھے۔ جیسا کہ کافی قریبی اور اجیت کی حال تھیں مگر میرے
 لیے اس وقت بڑا لاسرا اور ام تھا جس سے خلوت میں گفتگو کا موقع مل
 لاسرا میں میں ہی ایک شکر میں میں کچھ شکر میں میں لاسرا کو جھک کر
 دیکھنے میں میں سوج رہی تھی کہ اس طرح گفتگو کا آغاز کروں کہ سارے لاسرا
 نے میری مشکل حل کر دی اس نے بڑے عیب سے مجھے بھی
 کہہ کر مخاطب کیا تھا۔
 میں نے اس کی طرف مکر کر دیکھا تو وہ بولے ہر شکر کہ یہ سارے
 واقعی قابل دید ہیں مگر... میں اس وقت تھیں سب کچھ دیکھنے
 نہیں لایا۔
 "مجھے معلوم ہے!"
 میری بات سن کر اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر اچھا اور اس نے
 کہا: "کیا تھیں پہلے سے علم ہے کہ میں نہیں ہمارا کس غرض سے لایا ہوں؟"
 "نہیں! میں نے اعتراف کیا تو لیکن آپ کے لیے سے اس وقت
 میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا تھا کہ اس بات وہ نہیں جواب دے گی تھی!"
 "مجھے تم سے تنہا میں ایک ہمت کا تھا تھی۔ میں اس لیے نہیں یہاں
 لے آیا میں یہ سب کچھ لگایا تھا کہ اس کے لیے میں تنہا ہوں اور میں بات ہو
 جائے گی!"
 "میں اس لیے اس کو لاسرا کے سامنے نہیں لائی تاکہ اس خلوت میں
 کھل کر بات کر سکیں! میں نے راستہ ایسا چلایا کہ اس سے بڑے لاسرا کو
 گفتگو کے لیے توجہ مل سکے۔
 "ہاں میں کھل کر ہی بات کروں گا! میں! وہ مزید دیکھ کر قرب آگیا!
 پھر بولے میں چاہتا ہوں کہ تب تب سے واپس چلی جاتی!"
 "مگر کیوں لاسرا کہے لیے؟" میں نے بڑے لاسرا کی طرف حیرت سے
 دیکھتے ہوئے کہا: "آج اب ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"
 "میں تمہاری زندگی خطے میں ہے۔ مجھے علم ہے کہ تم تب تک غرض
 سے اور اس کے ایمان بانی ہوا!"
 قریب بھی میری کہہ کر منتہی سے واقف ہوا میں نے سوچا اس کا
 لاسرا میرا نہ تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وہ میری کہہ کر اس کی کھل کھل کر لاسرا پر
 اس لیے میں نے بہت محتاطانہ انداز میں اس بات شروع کی کہ میں نہیں معلوم
 کہ آپ نے میری یہاں آوے کہ کیا بوجہ تھا کہ اس کے علم میں کیا ہے
 کہ میں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تب میں اس وقت تک بہت حال رہوں
 گی جب تک رہنا چاہوں گی!"

"میں نے تمہاری انگلی سے انگڑے لگا دیے کہ تمہیں بچاؤ میں آتا ہے۔
 اب کتا بٹل چلا ہے۔ یہ کہہ کر وہ میرے کمرے پر گھبراہٹ سے دوڑا۔ اگر تمہارے والد کے
 بچے کو کچھ ذاتی احسانات نہ ہوئے تو شاید یہی تمہیں رحمت سے واپس چلا جانے
 کا مشورہ نہ دیتا۔"

"میں آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں پاتی مگر ہم اہل اور اوقات
 کر دیجیے! ایشی بولی۔"

"میں نہیں جانتا ہوں،" بلالہ اساتھ ہاتھ کر لولا۔ "یہی ایک حقیقت ہے کہ
 تمہارے والد کے احسانات ہی کے طفیل آج میں چکپوری کی دیر کا کارڈ لایا
 ہوں ورنہ میری حیثیت بھی ایک معمولی آدمی جیسی ہوتی۔ یہ سب میں میں اس لیے
 تیار ہوں کہ تمہیں بچنے کی کوئی جگہ ملے۔ اب کتا بٹل چلا ہے۔ اگر تمہیں کوئی شخص یہاں
 سے واپس جانے کا مشورہ کریں گے تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ
 تمہارے والد میرے حسن سے میں نے اسے محبت کرنا تھا۔ اہل محبت! وہ
 تھے ہی ایسے کہ ان کے لیے محبت کر کے لوگوں کے پرستار بن جائیں۔ ان کے
 پرستاروں میں سے ایک میری بھی بول۔ تو اب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں
 کیا رشتہ تھا! اسی لئے میں نے اپنی داستان میں تمہیں بہتر مشورہ
 دیا ہے۔"

مجھے اس بڑے بڑے کی باتوں سے تھکائی کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے پہلے
 اسے غلط سمجھا تھا۔ اب دل میں میرا ذہن صحیح طور پر کام کر رہا تھا۔
 "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ قسم لاسہ کہ کیا حالات ہیں جن کے
 پیش نظر آپ مجھے دلہن کا مشورہ دے رہے ہیں؟" میں نے کہا۔
 "تو میں اس پر بڑے کی بات میں غلط فہمی کی تصحیح کرنے کے لیے
 تو یہی باتیں چلی جا کر رہی ہیں۔ میں نے اسے یہاں تک دیر پہلے
 کہا تھا کہ میں بچہ نہیں بہت اب کتا بٹل چلا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ
 بہت بدل رہا ہے۔ یہاں کے لوگ بدل رہے ہیں۔ لوگوں کے حالات بدل
 رہے ہیں۔ اب وہ بات نہیں ہو رہی ہے۔ والد کے زمانے میں بھی یہی تھی۔
 اب احسان فرمنا شروع ہو گئی ہے اور مجھے وہ سب کہیں کہیں اس
 احسان فرمنا شروع کرنا پڑ رہا ہے۔"

"مگر یہ ہے کہ آپ کے خوشامیشت دوست ہوں مگر ہم لاسہ! لیکن سب
 کے ساتھ ایک سے حالات پیش نہیں کرتے۔ میں نے نااہل پریش کی۔
 بڑا حالہ شاید فیصلہ کر چکا تھا کہ بہت قریب پر مجھ سے اپنی بات نہ کرنا
 کے لیے گا۔ اب وہ کہہ رہا تھا کہ اب کوئی شخص نہیں رہی میری اب بہت
 میں جو بھی باہر سے آتا ہے اس سے کہاں سلوک کیا جاتا ہے۔ یا تو اسے
 ڈرا دیا کہ کرنا دیا جاتا ہے۔ یا... یا... قتل کر دیا جاتا ہے۔"

"مگر میں باہر سے آئے والد کی ایک بڑی امیر سے تو دلہن کا
 یہاں دفن ہے۔ میں اس سڑک کے لیے کسی طرح اجنبی ہو سکتی ہوں! انہیں
 نے بڑے لاسہ کو بھیجا۔"

"تم شاید مسئلے کی بہت اور نوعیت کو نظر انداز کر رہی ہو۔ میری تم نے
 جو کچھ کہا، وہ ایک سنگرم ایک خاص مقصد کے یہاں آتی ہو اور اس

مقصد سے یہاں آنے والے ملک کر دیے جاتے۔
 بڑے لاسہ کا فقرہ ابھی میری خوشامیشت
 کی چاب لکھی۔ میں نے اس لاسہ سے ایک ساتھ
 دیکھا۔ آئے وہ پہلے لاسہ کے لیے اپنی نہیں
 سادہ داخل ہوئے تھے۔ میں سادہ کی طرف دیکھ کر
 پر بھی سادہ کی جھلک میری منتی، بڑے لاسہ کی
 محسوس کیا کہ منتی کو دیاں دیکھ کر بڑے لاسہ کے
 گیا ہے۔

"آؤ آؤ! تم لوگ! اتنے دقت آگئے! میں اس
 لایا تھا۔ بڑے لاسہ نے منتی اور سادہ کی طرف
 ایک شخص کی جانب بڑھا دیا۔ وہ بڑے لاسہ کے
 وہ غلطی نہیں سمجھ سکتی کہ تیرا نام کتا بٹل
 سادہ اور منتی کو ایک قریب ایک اس
 "میں بڑے لاسہ! منتی بڑے لاسہ
 ایک ساتھ بہت سی آوازوں کا کلا بھلا خوشامیشت
 کر گیا۔"

"اسم! ہاں! پیسے! ہم! اسم! ہاں! پیسے! ہم!
 رہا تھا کہ ہم نے اس کا خوشامیشت اختیار کر لیا تھا۔
 میں نے ان کو گاہے گاہے مجھے معلوم تھا کہ ان کے
 میں تھا کہ ہم نے منتی میں غلطی کی تھی۔ اس نے ہم کو
 کہیں قریب ہی سے آ رہی تھیں شاید اس پر
 تھے جو انہوں نے دیکھ کر کسے سے تھل تھلا
 بڑا لاسہ اور منتی سر جھکانے سے
 قریب بڑے لاسہ کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا
 میں نے اسے اس کی طرف دیا۔ اس نے اسے
 اسے سمجھ کر ہی انہوں میں اشارہ کیا کہ وہ
 پھر ہم دونوں ایک شخص کے قریب جا کر
 تھے میں تو کہیں اس طرح جگہ میں سے
 سادہ نے بھی میری تقلید کی۔

مجھے ملے تھا کہ سادہ نے میرا ذہن چاڑھ لیا
 میں کیا چاہتی ہوں! اس بات کا ثبوت تھا کہ
 کر رہی تھی۔

سادہ! ہم منتی سے مل کر خوش ہو رہے
 زیورات کو دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں سوچا
 میں نے دیکھا کہ سادہ کا ہنر کتنا
 پسند آیا تھا۔ ایک سوال نے ذہن سے اس
 دل گیا۔ سادہ نے انہوں نے انہوں میں ایک بار
 خوش تھی۔

اور یہ چڑھ سکتی ہو؟ میں نے اپنے ذہن میں
 اسے بہت اذیت دیا۔ میرا سکوت ہی میرا انداز
 ہاں! چاہتی تھی کہ منتی کو دیکھ کر بڑا لاسہ کیوں
 سادہ میں منتی کی طرف سے میری منتی ہونا
 کی منتی اس کا منتی کی منتی! میں نے خیال
 کیا کہ بڑے لاسہ اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ
 کہ یہاں کی حیثیت سے یہ منتی کر لے میں
 اسے ان سوالات کے جواب پانے کے لیے
 اسے میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس دونوں کو باتوں
 میں سادہ ان کے باہن کو غلط دیکھ کر میری
 اسے اپنی سوچ میں تبدیل کر دیا۔ سادہ میرے
 اسے ہر موقع ملنے پر مجھے ان دونوں کے پاس
 لایا۔ انہوں میں پکلیں جھپکیں۔ گویا وہ ارادہ
 کر گیا۔

گاہے وہ وہاں کو سوچ کی کریم آخری ہوسر
 اسے کسے کی کوئی میں کڑی دہشتے سوچ کا
 اسے کسے کو کڑی تھی۔ چند لمحے بعد ہی اس کی
 نکلا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ باؤ! لوگ جڑھتے
 اسے ایک دہشتے سوچ کو کیوں دیکھ رہی ہیں؟
 اسے ایک لاسہ اور منتی اس کی طرف سر کر رہی
 رہی ہے۔ دہشتے سوچ میں بھی ایک شخص
 رہی ہیں؟

اب بڑی عجیب باتیں کرتی ہیں باؤ! "موسویر
 پہلے کہے کے دو دانسے پر دستک ہوئی۔
 ال ہوئی تھی! اس لیے میں نے باؤ کو بند
 دیا۔ وہاں ہے۔"

دیکھ کر اس اندر داخل ہوا اور اس نے بڑے
 کہہ دیا ہو گیا۔ بڑے لاسہ نے مجھے اور موسویر
 میں اس خادم کی رہنمائی میں وہاں تک
 وہاں اس کے سامنے گام دیے پہنچ گئے۔ وہ ایک
 میں ایک بڑی سی میز پر تھی جس پر ایک
 اس کا کتا بٹل تھے۔ میز کے دونوں جانب کتا
 اور منتی وہاں پہلے سے موجود تھے۔

ہاں! پہنچتے ہی کتا بٹل چلا جانے لگا۔ میں سادہ کو دیکھ کر مسکرائی اور
 اس کے سامنے ڈال کر ہی بٹھال لی۔ خدا کا لاکر کہہ سکتے تھے۔
 "ہاؤ! یہ بہت کی روایتی تقریروں والا کتا ہے۔ بڑے لاسہ نے
 میرے لیے ایک شٹ کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور یہ کہ اب صرف
 تمہاری آمد کی خوشی کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ کتا عام سال کے
 پہلے دن خوشی کی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ منتی سادہ آپ نے میری منتی
 افزائی کی۔" میں نے کہا۔ اور شٹ کی طرف دیکھا۔ اس شٹ میں
 چاول اور کتا (جو کتا کتا) کتنی کی رنگ برنگی کیوں کے ساتھ رکھا تھا۔
 اس کے علاوہ مجھے میرے پہلی کتا بھی نظر آئے۔ جواب غالباً آہستہ آہستہ
 بہت میں رواج پاتے جا رہے تھے۔

کھانے کے دوران میں دیکھ رہی تھی کہ منتی میں منتی میں منتی
 رہا تھا لیکن میں نے اس کی کتنی کے دوران میں بھی ایک خاص بات محسوس
 کی۔ مجھے منتی بڑی کتا کی شخصیت کا ایک نظر آ رہا ہے۔ بات کرنے کا ہنر
 آتا تھا۔ سادہ اس کے کتا زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

کھانے کے بعد شربت کا دور چلا۔ پہلے چائے پیش کی گئی۔ گرم
 گرم چائے کی کتوں کی ڈالیاں تیر رہی تھیں۔ جب وہ چائے میں مل ہو گئیں تو
 میں نے پانی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔ مجھے ملے تھا کہ کھانے میں چینی کی گائے
 مسئلے کے استقبال کیے گئے ہوں گے! اس لیے چائے کا ٹھونک بھر کے
 کوئی حیرت نہ ہوئی۔

چائے کے بعد خدا کو نے میرے سامنے مینا سجایا۔ چائنگ اور
 اور دونوں بقیہ شربت میں چھین صرف اس کا استقبال کرتے تھے۔
 دور سامنے ملا تو میں نے سادہ کو مخاطب کیا۔ "اب تمہارا ارادہ
 ہے؟ چائنگ ڈیک جا رہی ہو؟"

"فی الحال ارادہ بدل گیا ہے۔ ہاؤ! اب میں چائنگ ڈیکوں میں جا رہی
 بلکہ چند دن میں رہوں گی۔" سادہ نے جواب دیا۔

"کیوں ارادہ کیوں بدل گیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
 "اس کا سبب یہ ہیں۔" اس نے منتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "انہوں نے بتایا ہے کہ کل میرے کچھ ادریز یہاں پہنچے والے ہیں۔ میں
 ان سب سے یہیں لوں گی۔"

"اس کے بعد؟" میں نے اسے غریب نظر لگا۔ اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 وہ مسکرائی۔ شاید اس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔ اس نے کہا۔ "اس
 کے بعد جواب کہیں باؤ!"

"تو میرے خیال یہ ہے کہ کچھ دن میرے ساتھ بھی رہو! میں بھی
 اب تمہارے لیے کوئی خیر تو نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور دیکھا کہ منتی چاہی
 باتیں بڑے خوش سے سن رہا تھا۔ اس نے کتنی کوئی غلط نہیں کی۔
 "تھک ہے ہاؤ! سادہ بولی۔" میں یہاں دو ایک دن اپنے
 عزیزوں کے ساتھ رہ کر لاسہ آ جاؤں گی! آپ یہاں سے پوتا لٹھ بھیجیں

"بالکل! میں نے جواب دیا۔ میرا دل وہ دیکھ رہی دلائی کا ہے۔"
 "یہ کیا کہی رہی ہو تم؟ بڑے لاسے نے اپنا گلاس میرے ہاتھ پر رکھ دیا
 مجھ سے کہا۔ "تم جتنی جلدی نہیں جا سکتیں۔ کچھ دن تو صبر کرواؤ!"
 "اے لاسر مجھے! اگر یہ میرے کسی میں ہوتا تو ضرور دھڑکتی رہتی! میں آپ
 سے درخواست کروں گی کہ مجھے وہاں کی اجازت دے دیں۔" میں نے کمد
 "تمہیں فی الحال ایک شرط پر اجازت مل سکتی ہے کہ تم فرصت نکال
 کر جلدی دھڑاؤ گی۔" لاسر نے شفقت ادا نہیں کر سکا کہ وہ
 "منظور ہے؟" میں نے بھی اسے مسکرا کر جواب دیا۔ پھر ملو سے ہنگام
 ہوئی۔ تو پھر میرے بڑے مار کو تم کہاں رہی ہو؟"
 مار نے مایہ جیڑی اور اس وقت مجھے ایک ادنیٰ خیال آیا اور اس کا
 سبب مار سے میری نگاہوں کا تھا۔ مار کوں چپوری میں تنہا بیٹھا چھوٹا
 چائے پتی۔ میں نے ذہنی طور پر اس کا ایک ساتھ سوچا کہ وہ چپوری میں
 چھوڑ جاؤں گی۔ اس فیصلے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اسے جانے دیا تھا۔
 چھلانے کے لیے مار کو استعمال کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ وہ یقیناً میری
 طرف سے غافل نہیں رہا ہو گا اور جان چکا ہو گا کہ مار اب میری دھوت
 پہن کر رہے ہیں۔ اس صورت میں مار میری وجہ سے غلط ہے۔ یہ بڑھتی
 تھی اور اس کی مخالفت میرا فرض تھا۔ ایک تو اس لیے کہ مار
 نے مجھے جیڑی کے ساتھ لے کر لایا تھا۔ دوسرے اس لیے کہ وہ
 میری وجہ سے غلط تھی۔

میں ابھی تک جیڑی کو ڈراؤں کی طرف سے تھی۔ اس طرف سے مجھے
 اور دوسرے ساتھیوں کو مستقل طور پر خطرے کا سامنا تھا۔ اس لیے اور بھی کر
 میں نے اسے دھکا نہیں دیا تھا۔ وہ ادھیر کے ساتھ تھوڑے عرصے میں بھی اپنا کام
 خود سرانجام بھی چلا کر اور بدلتا بھی ہوتا رہیں۔ اس کے علاوہ میرا
 ذہن بھی سوچنے کے عمل میں مصروف رہا۔ میں نے مجھے یہ موقع نہیں مل
 سکا تھا کہ میں مار سے تنہائی میں بت کر کے بڑے لاسر اور منشی کے
 بارے میں کچھ دریافت کر سکتی۔ مار یقیناً ان کے ذہن پر بھی تھی۔
 لاسر وہاں سے مانے سے پہلے میں بہر حال یہ موقع حاصل کر لینا چاہتی تھی اور
 اس وقت میرا ذہن بھی سوچنے میں مصروف تھا۔
 عرصے میں مار کی آواز نہ تھی۔ وہ مجھے سے غائب تھی۔ "بالو میرے
 پاس یہ تو بول کر ایک بار تھا جو میری ماں کی نشانی ہے۔ سامان میں مجھے وہ
 ڈان میں مل رہا تھا۔ یہ لڑکیاں بے کشادہ آپ کے سامان میں ہو سکتی تھیں۔
 سفر کے دوران میں، ہمارا سامان ایک ساتھ تھا۔"
 مار نے میری شکل حل کر دی تھی۔ میں اس کا اشتداد مجھے گئی اور
 فوراً بولی۔ "اسکے پاس کیا ہے؟ تم کہاں سے آئے ہو؟ میرے ساتھ
 چلا! بلکہ ابھی چلا! دیکھ لیتے ہیں۔ وہ ہمارا اس لیے بھی تھی ہے کہ تھاری
 والد کی نشانی ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

میری بات میں کڑواہٹ ایک دوسرے کو
 بار ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ وہ اصل مجھے ہی دیکھ
 بسم جوا۔ "یہ کیا کہی رہی ہو تم؟ بڑے لاسے نے اپنا گلاس میرے ہاتھ پر رکھ دیا
 میں نے فوراً اسے مارا اور اس کے پاس
 لگے۔ مو کو جو دھڑکی میں اس کا گلاس میرے
 مارا مار کے ساتھ عام گاہ سے نکل گئی۔
 مجھے اس کا ساتھ مار کے ساتھ لگے۔
 مارا مار گاہ سے نکلے ہی اور دھڑا دھڑا
 غلام کو بے کمرے سے۔ ان کے علاوہ مارا
 لگنے کچھ فاصلے پر گئے ہیں کنگو شروع کر
 "ہاں مارا! تم نے منشی کو کیا کیا؟"
 ہر نے بتایا یہ سوال کیا۔
 "بہت اچھا! مارا نے جواب دیا۔
 لیکن زیادہ اچھا ہے۔ وہ چوں کہ طرح سے
 دیکھ رہے ہیں۔ وہ بہت چاہتا تھا اور مجھے بھی اس نے
 "چینیوں کے بارے میں اس کے پاس
 سے دوسرا سوال کر دیا کہ یہ فیصلہ اور کس
 "چینیوں سے اسے کوئی تعصب نہیں
 کے ایک وقت کے قریب میں ہرگز ہوتا تھا۔
 "چینیوں لاسر اور دلائی لاسر کے پاس
 ملنے دریافت کیا۔
 "اس کے دلی میں نہیں لاسر کے
 کے ساتھ وہ دلائی لاسر کا بھی معتقد نہیں
 ہوتا اور مجھ میں تھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔
 یہ بہت بہت خون میں دھوب جانے اور
 تشدد کا قائل ہے۔"
 "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے منشی
 ہے؟" میں نے ایک دوسری بار دلائی لاسر
 کی طرف پڑھا ہے۔ "مارا نے جواب دیا۔
 "بڑے لاسر کے پاس میں بتاؤ گی۔"
 میرے سوال کا جواب مارا نے
 چہرے کی طرف دیکھا تو میرے پاس نہیں آئے۔
 پوچھا کہ کیا تمہیں بھی ہے وہ دوسری کو دھکا
 اس دلائی میں داخل ہو چکے تھے میں
 وہ کسے ہانوں کے لیے تھے۔ میں
 میں پتھر کی ہو تو میرے پاس کہہ کر وہ
 مارا میرے بہرہ کر کے میں داخل

ہو کے پاس میں کچھ جانتے ہوئے بچا کیوں
 "اے مارا! وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
 ہمارا ذہن انہماک ہوا ہے۔ وہ فانی پریشان
 کے لیے اسے دوسرے کے گھر پر بلانے
 "تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔"
 مارا کچھ بچا کی بھی رشاد میرے قتل ہونے
 لاف وہ ثابت ہوا ہو گا۔
 سے ہے؟ یہ سوال کرتے ہوئے میرے ذہن
 لگے اس کا نام نہیں لیا۔
 میرے خیالات خود بھی اس کے ذہن میں دفع
 لگے اس کا نام کسی اور پر تھا اور وہ پہلے ہی
 ہر نے بتایا یہ سوال کیا۔
 "مانے آپ کچھ ہے۔"
 "ابھی میں خیال آیا۔"
 مارا نے فوراً کہا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ مارا
 میں ہرگز نہیں۔
 کہ اس میں بڑے لاسر کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے
 آیا؟" میں نے حیرت کے ساتھ معلوم کیا۔
 میں نے مزید کوئی تفصیل میں نے اس کے ذہن میں
 اس میں مانے کا نہیں تھا۔ مارا نے میرے
 دیکھا تھا اس کا وقت تقریباً پورا ہو چکا تھا۔ ایک
 سے زیادہ وقت نہیں لگتا چاہیے تھا۔ یہ پتہ
 ہوا۔ "مارا اب بول رہا تھا کہ ہے۔ اگر
 منشی اور لاسر دونوں ہی بدلتی طرف سے
 لانا وہ تم سے جو بار کیا تھا اس کے بارے
 میں ذکر اس بار مارا منشی ہوئی اٹھی اور لپٹا
 کہا۔ "مانا جانتے ہوئے میں نے یہ بات
 میں اس کی نشانی ہے کہ میں اسے گھر میں
 لاسر تاکہ زیادہ محفوظ رہے۔"
 اس نے اسے بہت پاش نظروں سے دیکھا۔ پھر
 کی طرف بڑھے ہوئے مجھے ایک خیال آیا۔
 کہ میں وہ کو کو بھی نہیں چھوڑ جاؤں تاکہ تم
 لانا۔" مارا نے جواب دیا۔
 اب الیا کوں جاتی ہیں؟" وہ ٹھکر کر بولی اور
 کہہ کر لپٹا میں گئی۔
 اور مارا نے لپٹا اور اس کے بہرہ عام گاہ کی

جانب چلتی ہوئی بولی۔ "کیا سمجھتے ہیں؟"
 "آپ کو کتنی تڑپ کی طرف سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھے آپ
 کی ساتھی سمجھ کر کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ آپ کو کو میری مخالفت کے
 لیے چھوڑ دیا جائے گا۔"
 "جیسے اس پر کوئی اعتراض ہے؟" میں نے پوچھا۔
 "نہیں بالکل نہیں! مو کو تو مجھے بہت پسند ہے۔" مارا نے
 جلدی سے کہا۔
 "کس اعتبار سے؟" میں نے تشریحاً سوال کیا۔
 "اس اعتبار سے نہیں جس اعتبار سے آپ مجھ کی ہیں۔" وہ
 میری طرف سے جواب گئی اور اس کا چہرہ ٹھنڈا ہو گیا۔
 میں نے تیر تیر قدم اٹھاتے ہوئے اسے بھی جلدی ملنے کے
 لیے کہا پھر عام گاہ تک پہنچنے سے کچھ پہلے بولی۔ "اب تم کو کو لپٹا
 کے دروازے پر غلام کھڑے ہوئے نظر آئے گے ہیں اور وہ ہانسی اڑا
 سکتے ہیں۔"
 "چینیوں لاسر کے غلام ہونا آٹھ سے ساتھ کھڑے تھے میں اب
 انہی کے ہمراہ دلیس جا رہی تھی۔ میں نے رات ہی کو کو سے کہہ دیا تھا کہ
 اسے مارا کے ساتھ رکھ لے اور وہ ایک دن بعد اسے لے کر لاسر
 آتا ہے۔ مو کو نے میرے خیال سے اتفاق کیا تھا کہ مارا کو کوئی بھی خطرہ
 پیش نہ آسکتا ہے اور اس کی مخالفت ضرور ہے۔ مو کو بھی یہی فکر
 منشی کی طرف سے ملتی نہیں تھی۔ ہر چند کہ مارا کے ہاں کی دھنشی
 میں منشی کے کردار پر مشورہ کہہ لاکھوں جواز نہیں تھا مگر پھر بھی جبر
 دل میں ایک ٹھنک تھی۔ میں نے مارا سے تشدد کے بعد دھنشی طور
 پر منشی کا خیال اپنے ذہن سے جنگ دیا تھا۔ کیونکہ اصل میں منشی
 کا تھا جیڑی تھی جس کا نام بڑے لاسر کے ذہن میں بھی محفوظ تھا۔ جیڑی
 آئندہ مجھ پر کس طور پر اور ہونے والا تھا اس سے میں لاپرواہی میں
 متوقع عمل کا تقاسم، وقت اور نوعیت مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔
 اس کے عمل کا انتظار کرنے کے سوا میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ سو
 میں نے یہ کیا کیا۔
 میں لپٹا آٹھ چھٹی تو سورج اپنا نصف سفر طے کر چکا تھا اور
 فضا میں سکون بخش تمازت تھی۔ عمل میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا اور
 رضوان اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں میری حیثیت چینی لاسر
 سامان لاسر سے کہہ میں لکھ دیا۔ عمل میں میری حیثیت چینی لاسر
 کے ہاں کی تھی۔ وہ چینی لاسر جو بہت میں چینی حکومت کی سیاست کے
 فرائض انجام دے رہا تھا اور جس نے ایک اعتبار سے دلائی لاسر کی جگہ
 سنبھال لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں داخل ہوئی اور غلام مستند نظر
 آئے گے۔
 میں نے سہری پر دروازہ ہونے سے قبل خادموں کو کھدو کر دیا۔ میرے
 اور رضوان کو تلاش کر کے انھیں میری آمد سے مطلع کر دیں۔ مجھے معلوم

کے کم افراد ہوں تو میں اپنا فرض ادا کرنے میں آسانی ہوگی۔
 میں نے اس کی تائید کی۔ اور پھر کمرے سے سب کو نکال دیا گیا۔
 رضوان اور رضیہ کو بھی میں نے والہ سے رخصت کر دیا مگر ہر سبکیں
 موکو چھوڑ کر گیسے جا سکتی تھی۔
 کچھ دیر بعد طبی مشیر نے مجھے بتایا کہ موکو کے جسم میں چار گولیوں
 پیوست ہیں جن میں سے تین گولیاں تو نکال جا سکتی ہیں مگر چوتھی گولی
 نکلنے کے لیے بڑے آپریشن کی ضرورت پیش آئے گی۔ طبی مشیر نے
 اندازہ لگایا تھا کہ چوتھی گولی جسم کے اندر کہیں دل کے قریب پیوست ہوئی
 ہے اور شاید اگلے پتے کا لالہ بنا دیا ہے۔ وہ موکو جس زور کے
 آپریشن کی ضرورت تھی کہ وہ پیچھا ہی میں نہیں تھا۔ یہ آپریشن بتات ہی
 ممکن نہیں تھا۔ معاملہ سوچ کر دل کا لالہ نزعہ پسینہ پاتا تھا، اس لیے طبی
 مشیر اس نازک آپریشن کو فتنے دہی لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کا منہ تھا کہ
 اس آپریشن کے لیے اس کے پاس مکمل انتظام نہیں حالانکہ اس حالت
 میں موکو کے لیے دوا کی سوسٹم فراہم نہیں تھا مگر اس صورت میں
 زندگی بچ جانے کے زیادہ امکانات تھے۔ موکو کی حالت ٹھیک نہیں
 تھی مگر ان احوال اس کی زندگی کو خصوصاً حق میں خرابی پیشتر سے یہ
 جان کر میرے دل کو کچھ کمزور ہوا۔
 سستی گھٹنے کی مسلسل کوشش کے بعد آخر موکو ہوش آ ہی
 گیا۔ میں نے طبی مشیر سے کہا تھا کہ موکو کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے
 تاکہ وہ فکروں کی نشان دہی کر سکے جنہوں نے اسے تل کرنا پڑا تھا۔
 پہلے موکو کے چوٹوں کو حرکت ہوئی پھر اس نے آہستہ آہستہ
 آنکھیں کھول دیں۔ میں اس پر بھگ گئی اور اسے آہستہ سے پکارا۔
 تقریباً آدھے گھنٹے میں موکو نے کڑک کڑ کر بھٹل دہ
 واقعہ بتایا جسے سننے کے لیے میں بے ہوش تھی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد
 ہی وہ پھر بے ہوش ہو گئی تھی۔
 ”آپ اب آرام کیجیے، تمام انتظامات ہو جاتے گئے۔ موکو کے
 بیوش ہونے ہی طبی مشیر نے مجھے مخاطب کیا۔ میں نے اسے سوالیہ
 نگاہ سے دیکھا تو وہ بولا کہ میرے زیر فہم کے ایک جہاز میں پیچیدگی
 لے جائیں گے بشرطیکہ اگلے چند گھنٹوں میں موکو خوشحال رہے۔“
 ”میں اپنی بہن کو بھی اس کے ساتھ جینا چاہتی ہوں تاکہ وہ پیچیدگی
 میں اس کی شہادت دے سکے۔“ میں نے کہہ دیا۔
 ”ہم دعا کیے گئے ہیں کہ موکو زندہ رہے۔“ طبی مشیر نے جواب دیا۔
 میں کوئی مشیر کی بات سے مطمئن نہ ہوئی۔ یوں بھی اس میرا دل
 مرنے کا فضول ہی تھا جو کہ نہ تھا، اُن کی گول کو نہ تھا اور مجھے رضیہ کو
 مار کر بھی بتانا تھا کہ وہ پیچیدگی جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ میں طبی
 مشیر کو ایک بار پھر موکو کی طرف متوجہ کیا کہ اس سے چل دی۔
 میں صمان خانے میں واپس پہنچی تو رضوان اور رضیہ کہے مہینی

سے اپنا منظر پایا۔ وہ موکو کی طرف
 چلی کہ رضوان اس موقع پر غصا نہ سما
 اُن دونوں کو موکو کی کیفیت سے آگاہ کیا
 ”موکو نے ہوش میں آنے کے بعد کہہ دیا تھا
 اُس کی روشنی میں میں نے فیصلہ کیا ہے کہ
 یہ کہہ کر میں نے مختصر فوہ واقعہ بیان کر دیا
 واقعہ یہ تھا کہ موکو اور سارہ ہمارے
 کے ہمراہ پھوڑی سے چلی تھیں لیکن ابھی اس
 تھا کہ انھیں کچھ مسئلہ گزرلے اپنے
 سے تفران رکھنا دیتے تھے۔ وہ راز دار
 چہرے پر کبھی دباؤ سے بھرا ہوا تھا
 ایک راز دار قد نہیں تھا اور وہی اُن کا سر
 پر دو تفراتوں نے سارہ کو تباہ کر دیا تھا
 پر ڈال کر زار ہو گئے۔ موکو نے بتایا تھا
 وہ دونوں سارہ کو لے کر مارا کہ سستی
 کہیں اور ہی تھی۔ سارہ کی دماغی کے بعد
 شروع کر دی تھی۔ اس کے اہم قول میں
 فادمول اور موکو پر غالی کر دیتے تھے۔
 دواں پیٹنے، انھوں نے ایک خاکام اور
 دواں چڑا دیکھا۔ اُن دونوں کے علاوہ
 یہ لاشیں اُن جاؤں میں سے تھیں فادمول کی
 اور سارہ کے ساتھ چلے تھے۔
 میں نے تمام واقعہ بیان کرنے کے
 کوئی اندازہ لگا سکتی ہو کہ وہ پستہ قد شخص
 ”چن ڈی“ رضیہ اور رضوان
 ”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے
 کے باشندے جیسا شریف ہوتے ہیں۔ اگر
 یقیناً وہ تل کر گزرتے ہیں لیکن کسی کی
 کو سسکا جڑا نہیں چھوڑتے اور اسی شہ
 کرتے۔“
 ”مگر سارہ کے اغوا اور موکو قتل کرنے کی
 کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“ رضیہ نے پوچھا۔
 ”مجھے مرعوب کرنے کے لیے ہمارا
 جھجلا ہٹ کے عالم میں کوئی غلط قدم تھا
 ”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ موکو کو
 واقعہ نہیں؟“ اس بار رضوان بولا شاید
 اور مجھے جھجلا ہٹ عالم آدمیوں کی طرح اثر انداز
 خطرناک بناتے ہیں۔“

میرا خیال ہے میں انھیں بتا چکی ہوں کہ ہماری جہاں آمد کا مقصد کیا
 ہے، میں نے سوچ لیا کہ۔
 ”لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ اس مسئلے میں آپ کے کس حد تک
 ذمہ داری قبول کی ہے؟“ رضوان نے وضاحت چاہی۔
 کوئی اور وقت تھا تو شاید میں رضوان کو ڈال دیتی مگر اس وقت میں
 ایسا نہ کر سکی۔ اس کی وجہ یہ کہ رضوان بھی مجید تھا اور میں بھی، ہم دونوں ہی
 پڑھو موکو پر ہوش آنے والے واقعہ کا تھرا تھا۔ اس لیے میں نے بتات میں
 اپنی آہٹ کو پوری وضاحت کر دی۔
 ”میرا اصل مقصد حقیقت میں سرکھانے والے کہا فیصلہ کو نبھانا ہے۔“
 میں بولی۔ اس کے علاوہ مجھے بھی معلوم کرنا ہے کہ دلالا لار بت داپس
 آچکا ہے یا نہیں اور اگر وہ نہیں آیا تو کیا ایسے امکانات ہیں کہ وہ واپس
 آجائے۔ اس کے برعکس اور کوئی مقصد نہیں سمجھا۔ فیصلہ یا دیگر باغی
 قیدیوں کی سرکوبی کرنا میرے مقصد میں شامل نہیں۔ مقررہ قیدیوں کو نبھانے
 صرف یہ پناہ چاہیے کہ یہاں لہذا کے آثار ہیں یا نہیں اس کے بعد
 میرا کام ختم ہو جائے گا۔ میری فراہم کردہ سہولیات ہی کی روشنی میں یہی
 حکومت کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہے۔
 میری بات آخر ہی ہوئی تھی کہ دلالا سے بدستگ ہوئی۔ رضوان
 نے صوفے سے اٹھ کر دواں کھول دیا۔ اُن کے دلوں میں فوراً پہچان آیا۔
 وہ چن ڈی لار کے خاص خادموں میں سے ایک تھا جس نے مجھے چن ڈی لار
 کا زبانی پیغام دیا اور رخصت ہو گیا۔ موکو کے پاس میں پہنچا اور کوئی ظلم
 ہو گیا تھا۔ جس نے مجھ سے سکول یا کھانہ کی نقلی بنے ٹکر ہوں، وہ تمام
 انتظامات کرانے کا میں کبھی کوئی موکو کے مسئلے میں پہنچا لار نے ذلت دینی
 کیوں نہیں ہے! وہ ذہین اور درد میں خاص تھا۔ اسے موکو کی حقیقت کا
 اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ موکو کیساتھ ساتھ ہمارا اس بات
 کی دلیل تھا کہ وہ چینی حکومت کے ایسا ہی بتاتی ہے۔
 چن ڈی لار کا نام رضیہ نے پہچان تو نہیں لے، اپنے کمرے کے دروازے
 پر موجود نو خادموں میں سے ایک کو گارڈ روم جا کر موکو کی حیرت انگیز
 پیچ دیا اور دوبارہ رضوان کے سامنے دے دیا۔
 میرے بیٹھے رضوان نے کھڑکوں اور دلالا میں سے دیکھ کر بتا دیں
 کہ رضیہ کو تیار کرنے میں کتنی دیر ہے کہ کوئی کسی کی وقت دوا چکی ہوگی ہے۔
 اسے پہلے سے تیار کرنا چاہیے۔
 ”جاؤ جاؤ! اور اس سے کمر کھڑی تیار ہو جائے۔“ میں نے اسے
 اپنے کمرے سے جانے کی اجازت دے دی۔
 میں رضوان کا مقصد اچھی طرح سمجھتی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ
 پہلے دے دے وقت رخصت خدمت میں ایک دھڑکے سے نہ چلیں رضوان
 کے جانے ہی میرا ذہن چھلانگ کے بیچ غرض کہ میں لگا لگا کر جس مقصد سے
 بتاتی تھی، اس کے حصول میں کچھ نامعلوم قوتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ قدم

ہوئے لاسر سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ کئی گنتوں کو پہنچ گئے
 کاوش ہوئی لیکن منہ کی شخصیت اس میں تاریکی ہی میں تھی اس کے گرد
 اس کے ہال ہال بھی گھومے تھے۔ یہی بات یقین سے کسی ماسک میں گھوم
 ثبت کی ہوئی نہ تو کتب کے اندر ایک جگہ تھا۔ یہی اس خیال کی مکمل
 توجہ ہوئی تھی۔ اگر اس بات کا کوئی واضح ثبوت ہوتا تو جن مٹی کی تصویر
 اس کی نگاہ کی تھی تو یقیناً اس کی شخصیت مشکوک ہو جاتی تھی۔

ہوئے لاسر سے رخصت ہو کر رضوان ادیس گھوڑوں پر بیٹھے پھر
 ہم درگاہ سے نکل گئے۔ رضوان کی حیثیت ہم سے ایک ساتھ ایک تماشا کی
 سی ہو گئی تھی اس لیے اس کے چہرے سے چٹا پن رہا تھا کہ وہ بور
 ہمزاد ہے۔

”یہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں لگے ہیں؟“ میں نے اسے
 چیخ کر اس کی خوش مزاجی واپس آ جانے۔

رضوان مجھے جواب دینے والا تھا کہ میں اس چونک کر ہی عقب
 سے ایک گھوڑا تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے قریب آ رہا تھا۔ پھر وہ قریب
 آ کر ہمارے ساتھ چلتے چلے گیا۔ اس نے سوال کیا کہ اس کی طرف کھلے
 جواب میں اس نے مجھے میرا نام نہ کرنا کہا کیا اور اس کے کاٹھارہ
 کو تھپتھپاتی زبان میں بتایا کہ وہ میرے والد کا شاگرد ہے۔ رضوان
 بھی میرے ساتھ ہی رہا تھا اور گھوڑا موڑ کر اس طرح میرے اوپر آگئی کہ
 درمیان میں ملے یا تھا جیسے اسے ابھی کی طرف سے مجھ پر پانچاںکے حملے
 کا خطرہ ہو۔

”اور کس؟“ انہی نے رضوان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے
 بتایا کہ میرے والد نے اسے جانوروں کی دیکھ بھال اور ان کے امراض کا علاج
 کرنا سکھایا تھا۔ اسے پہلے ہی پکچوری کی درگاہ میں بیٹھنے کے کا حکم ہوا
 تھا۔ اس کے والد پکچوری سے باہر گیا ہوا تھا اس لیے مجھ سے نہ مل سکا
 تھا۔ اب میں وہ درگاہ سے آ رہا تھا۔ میرے والد اس کے حسن تھے اس
 لیے اس کی خوش فہمی کو میں اسے اتنا فرائی کا شرف بخشوں اس نے اپنا
 نام جرمو کا بتایا تھا۔

میں نے جرمو کا غور سے دیکھا وہ عام متقی باشندوں کے لباس
 میں تھا لیکن ان تینوں میں سے ہر ایک کے قد بہتہ ہوتے ہیں اور گھوڑوں
 کی طرح زور دیتے ہیں۔ میرے ذہن کی طرف کا لام بردہ تھا۔ یہ تھے دروازے
 جیسا اس کے کھنکھانے سے پتہ چلتا تھا۔ پہلی بار وہ میرے
 کے سامنے میں اور میری بل بوتے لاسر سے گھٹکے دوران میں ایسے سوچ
 کر آج بھی میں یاد رکھ رہا ہوں۔

”اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ میں نے اردو میں رضوان

مجھے تو شخص مشکوک نظر آتا ہے۔ رضوان
 ”اسی لیے میں اس کی حرکت قبول کرنا چاہتا ہوں۔“
 جرمو کے بولی نے لاسر اس کی جگہ تھی جہاں وہ تھبت تھبت کر
 چلے گی بی کی رخصت ہو جائیں گے کیونکہ میں اس
 پہنچا ہے۔

”میری غماض تو میری کتاب کچھ نہیں ہے۔“
 بازا گھڑی سے میری بڑی غصہ کی بات ہے کہ
 خوش فرمایا۔ جو کہ بولا۔

پھر جرمو کا جرمو بول دیا۔ اس کا گھر
 وہاں تک پہنچے ہیں اس منٹ سے زیادہ نہیں
 باشندوں کی طرح قتلہ ایک طرف ایک ہندو کا تھا
 کوٹنے میں اس کا بڑا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جرمو کے
 اور خود ایک کوٹنے میں ماکر بولے چلے بنالے
 جرمو کے پاس جا کر بولے اس کا انداز ایسا تھا جیسے
 جتنی چلے کیسے بناتے ہیں!

میں ان دونوں کو مان میں ہر دو کو باہر نکل
 اور دروازہ کا جائزہ لینے کے لیے مجھے دروازہ قریب
 حل ہو گیا۔ میں نے اسے جرمو کا کتا ہمارا کہ
 اس مکان کی طرف شاہد کہ جس سے اس کو وہ بول
 ”کیا جرمو ایک کی بیماریوں کا معقول علاج
 بہت اچھی طرح“ جواب ملا۔

”تو جیسے؟“ میں اس سے متنی زبان میں
 میں مطمئن ہو کر جرمو کے گھر کی طرف ہر دو
 جب میں اندر پہنچا تو دیکھا جرمو کا کتا باہر
 ”میرے باؤ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ میں
 فحاش کا نہیں، شکایت کا سا تھا۔
 ”وہ دونوں کا جائزہ لینے کے لیے تھی تاکہ وہ
 گھر تک آسانی سے پہنچ سکیں۔“ میں نے مشکوک

”میں آپ کو ایک یا دو کا چیز دکھلاؤں۔“
 ہوتی ہوئی کیونکہ وہ دیوار کے قریب دھکے
 کے لیے جھکا تھا اور اس کی پشت میری جانب
 کھڑا ہو کر میری طرف مڑا تو میں نے ایک بول
 ایک فرم تھا اور اس نے فرم کی تقریر
 جرمو کا نے مجھے فرم میں لگی تصویر دکھائی
 دھڑل اٹھا۔ وہ میرے والد کی تصویر تھی۔

لے شکریہ

”اسی لیے میں اس کی حرکت قبول کرنا چاہتا ہوں۔“
 جرمو کے بولی نے لاسر اس کی جگہ تھی جہاں وہ تھبت تھبت کر
 چلے گی بی کی رخصت ہو جائیں گے کیونکہ میں اس
 پہنچا ہے۔

”میری غماض تو میری کتاب کچھ نہیں ہے۔“
 بازا گھڑی سے میری بڑی غصہ کی بات ہے کہ
 خوش فرمایا۔ جو کہ بولا۔

پھر جرمو کا جرمو بول دیا۔ اس کا گھر
 وہاں تک پہنچے ہیں اس منٹ سے زیادہ نہیں
 باشندوں کی طرح قتلہ ایک طرف ایک ہندو کا تھا
 کوٹنے میں اس کا بڑا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جرمو کے
 اور خود ایک کوٹنے میں ماکر بولے چلے بنالے
 جرمو کے پاس جا کر بولے اس کا انداز ایسا تھا جیسے
 جتنی چلے کیسے بناتے ہیں!

میں ان دونوں کو مان میں ہر دو کو باہر نکل
 اور دروازہ کا جائزہ لینے کے لیے مجھے دروازہ قریب
 حل ہو گیا۔ میں نے اسے جرمو کا کتا ہمارا کہ
 اس مکان کی طرف شاہد کہ جس سے اس کو وہ بول
 ”کیا جرمو ایک کی بیماریوں کا معقول علاج
 بہت اچھی طرح“ جواب ملا۔

”تو جیسے؟“ میں اس سے متنی زبان میں
 میں مطمئن ہو کر جرمو کے گھر کی طرف ہر دو
 جب میں اندر پہنچا تو دیکھا جرمو کا کتا باہر
 ”میرے باؤ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ میں
 فحاش کا نہیں، شکایت کا سا تھا۔
 ”وہ دونوں کا جائزہ لینے کے لیے تھی تاکہ وہ
 گھر تک آسانی سے پہنچ سکیں۔“ میں نے مشکوک

لے شکریہ

”اسی لیے میں اس کی حرکت قبول کرنا چاہتا ہوں۔“
 جرمو کے بولی نے لاسر اس کی جگہ تھی جہاں وہ تھبت تھبت کر
 چلے گی بی کی رخصت ہو جائیں گے کیونکہ میں اس
 پہنچا ہے۔

”میری غماض تو میری کتاب کچھ نہیں ہے۔“
 بازا گھڑی سے میری بڑی غصہ کی بات ہے کہ
 خوش فرمایا۔ جو کہ بولا۔

پھر جرمو کا جرمو بول دیا۔ اس کا گھر
 وہاں تک پہنچے ہیں اس منٹ سے زیادہ نہیں
 باشندوں کی طرح قتلہ ایک طرف ایک ہندو کا تھا
 کوٹنے میں اس کا بڑا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جرمو کے
 اور خود ایک کوٹنے میں ماکر بولے چلے بنالے
 جرمو کے پاس جا کر بولے اس کا انداز ایسا تھا جیسے
 جتنی چلے کیسے بناتے ہیں!

میں ان دونوں کو مان میں ہر دو کو باہر نکل
 اور دروازہ کا جائزہ لینے کے لیے مجھے دروازہ قریب
 حل ہو گیا۔ میں نے اسے جرمو کا کتا ہمارا کہ
 اس مکان کی طرف شاہد کہ جس سے اس کو وہ بول
 ”کیا جرمو ایک کی بیماریوں کا معقول علاج
 بہت اچھی طرح“ جواب ملا۔

”تو جیسے؟“ میں اس سے متنی زبان میں
 میں مطمئن ہو کر جرمو کے گھر کی طرف ہر دو
 جب میں اندر پہنچا تو دیکھا جرمو کا کتا باہر
 ”میرے باؤ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ میں
 فحاش کا نہیں، شکایت کا سا تھا۔
 ”وہ دونوں کا جائزہ لینے کے لیے تھی تاکہ وہ
 گھر تک آسانی سے پہنچ سکیں۔“ میں نے مشکوک

لے شکریہ

لے دوست

کیا وہ نہر کا ترقی نہیں ہو سکتا؟ میں نے اس کی طرف مڑ کر غصیدگی سے کہا اور میری بات سن کر دروازوں کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”کو... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ... کہ ہم کچھ دیر کے مہمان ہیں... کچھ دیر کے؟“

”ابھی کہہ نہیں سکتا ہوں کہ یہ کیسا نہ ہو اور ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ میں نے گھر سے نکل کر گھوڑے کی پشت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یعنی نہر کے لیے گھر سے ہوتے ہیں جو دیر سے اڑا کر لے گئے ہیں اور یہ بھی دھوڑ کر ان کا توڑ بھی ہوتا ہے۔“

”مہمان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا ہستہ زندگی اور موت کا تھا۔ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اس لیے درگاہ تک پہنچنے میں ہم سے کچھ کم وقت لگایا۔“

”بڑے لالہ نے مجھے دیکھتے ہی غصے کی گڑبگڑ کی کہ کب میری واپس ملائے تو قہقہے میں نے ہنسنے شروع کیے اپنی رد و آمد سنا دی۔ وہ گویا مجھے لے کر آیا ہوا تھا۔ مجھے ہی درگاہ میری بیٹی!“

”میں اس رات کو چلتے میں جھک لاتی ہوں“ میں نے دہال بڑے لالہ کو کہنے دیا۔

”وہ ایک لمحہ گھڑا ہوا اندولہ میرے ساتھ آؤ!“

”بڑا لالہ ہمیں درگاہ کی ایک کوشی میں لے گیا۔ اس کوشی میں موجود ایک کھڑکی کی الماری کھول کر اس نے کوئی ڈیڑھ گالا ڈبے لے کر وہ ہاتھ قریب آ بیٹھا اس نے ڈبے کھلا دیں اس کی مٹکیں ڈھیلے رکھی تھیں۔ ڈیڑھ گالا اس نے اپنے سامنے چن لیا، پھر ان ڈیڑھ گالا کھول کر اس نے ان میں رکھی کاغذ کی پڑیاں نکالیں۔ ہر پڑیاں ایک پائوٹو مسنون تھا جس میں اس نے کچھ سفوف ڈبے کے کھٹے ڈھکنے پر الگ الگ ڈال دیے۔

”اس کے بعد بڑے لالہ نے چائے میں جھینگے ہوئے دہال کا ایک تھوڑا سفوف کی پٹی ڈھیر سے سر کیا پھر اسے ان کے آہستہ آہستہ رکھا۔ یہی عمل اس نے سفوف کی دوسری ڈھیر کے ساتھ کیا پھر تیسری ڈھیر کی کا ڈالیا۔

”کچھ دیر بعد یہ سفوف کی آخری ڈھیر سے دہال کا ایک نیا نقشہ ہوا اور اس بار بڑے لالہ کو دہال پر انگلی پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دہال کا حصہ جہاں سفوف لگا تھا تیزی سے سیاہ لے آ جا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ دہال سے سفید دھواں سا اٹھنے لگا۔ بڑے لالہ نے دہال کا حصہ سے چھوڑ دیا اور اس پڑیا کو اٹھالیا، جس میں سے سفوف کی آخری ڈھیر بنائی تھی۔ اس پڑیا کا کاغذ پانی پر پھٹا تھا اور پیر کاغذ پر پھٹنے پر سفوف اڑنے لگے تھے۔ بڑے لالہ کو کوشی میں روشن، لمپ کے پاس بیکارہ دھیر پڑھی، پھر ڈھیلے

کے لیے سے کاغذ ایک پیر کاغذ پر پڑھی۔

”اسے ایک کاغذ نکالنا۔ جیسے وہ کاغذ ہم حیا“ اس کے چہرے کا رنگ اڑا گیا۔

”بدلی خرید کر پڑھ کر اس نے ایک گلاس اس آواز میں بولا بیٹی! تم میری طرح نہیں ہو جی ہاں کی باتیں ہے، اور یہ نہر ایسا ہے کہ ترقی آ سکتا نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ ذہن تبت میں پائے جانے والے ترقی سے بھرا ہوا ہے مگر جو ہر شخص دیکھ لیتا ہے اس پاس بھی نہیں۔“

”کیا اس سلسلے میں محترم جن لالہ کوئی بات نہیں نے دھڑکنے دل کے ساتھ پچھا۔

”نہیں! ان کا خیرو میرے ذہن سے ہٹا کر تھکا ہے۔ ذہن سے نہر کو نہ جانے پائے کر کا اس میں نہر کا ترقی ہو گا۔ تھکا علاج صرف تھکا ہے۔ بے تحاشی کسی کسی طرح سے وہ ترقی حاصل کر اس کے لیے تھکا ہے پاس بہت تھوڑا وقت رہا ادا کرتے ہوئے بڑے لالہ کی آواز کا بے بسی تھی۔

”گناہ وقت رہ گیا ہے؟“ یہ سوال کرتے ہی

”نہر کا ذہن دقتیں گھنٹے میں ظاہر ہونے لگی تھیں کہ کیا جاسکتا تھیں کس طرح کی تعلیم، کس دیر پہنچی! انداز آتین چار گھنٹے مزید لگنے گویا میری موت کا وقت مقرر کیا گیا۔

”تھکا ہاتھ پاس لے جا کر اپنے گئے انی“

”دیر سے بائیں کے ساتھ۔“

”جین ڈی کے پاس میں مجھے کچھ علم میں تھا تھا، نہ ہی اس سلسلے میں کوئی اندازہ لگایا جاسکتا رہا تاش گاہ کا علم بھی ہو جاتا پھر بھی یہ منور کی کم وقت میں دہال تک پہنچا جاسکتا۔ یہ سوچا کہ اس وقت بڑے لالہ کی آواز سنا دی۔

”دقت میں، تھوڑا سا اندازہ ممکن ہے؟“

”دوبارہ ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ایک ہر ہر نکالیں کچھ دیر انھیں غور سے دیکھا پھر ایک پڑیا میں موجود سفوف کو دھتوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کر دین اور کہا: تم دونوں ایک ایک پڑیا کاغذ پر پانی نہر کا ترقی کرنا۔ تین گھنٹے میں پانی سے ظاہر ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ انھیں اٹھانے کا وقت مل جائے گا،

”زیادہ سے زیادہ دس گھنٹے! موت



میں نے سوچا کہ کیا زندگی کے لیے آخری چھوڑا

”میں نے ہنسنے بڑھا تھا اور میں اس کے چہرے کے

”اس کی کیفیت کا اندازہ لگائے سے تا صبح۔“

”اس کی زندگی میں کہیں نہ کہیں کوئی کمزور لمحہ میں نے اور رضوان کے ساتھ کی بھی ہو

”اس نے دیکھ کر اچانک صبر بانو نے سیکھا

”میں بالو قوت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

”رضوان تو زندگی کی شروع و شگفتہ کی

”میں دہال کو کہا کہ کیا بیٹھنا یہ سب اسی

”اس نے دہال کو کہہ کر گھر پر گر پڑا تھا۔

”میں لالہ کے غور کر آئی اور میں نے جیسے

”اس کی ہوا کی دیر لگے گئے کہ تم سفوف

”اس کا شرد کر دیا میں نے نہ کر لے ہوئے

”میں دہال کی آنکھوں میں حیرت کے سامنے

”اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میں نے زندگی سے بھرپور مسکراہٹ دیکھ کر اتنی

”اس نے دہال رضوان کی اب اس کمزور لمحے کی

”میں نے

”میں نے لالہ کا دیا ہوا سفوف پالی میں گھول

”اس نے تھکا موت سے بچنے اور زندگی

”اس نے ہمارے پاس پورے دس گھنٹے

”اس کے ساتھ گزرتے ہوئے اور موجودہ

”اس نے لالہ کی طرف توجہ نہ ہو گئی جو

”اس نے

”اس کی آپ سے ملنا تھا اور اس نے درگاہ

”اس نے اٹھنا آپ کے اور اس کے درمیان

”اس نے دیا دیکھے کہ اس دوران میں کوئی

”اس نے اندازہ لگایا جاسکتا کہ وہ مشکل طور پر

”اس نے لالہ سے سوال کیا۔

”اس نے بڑے لالہ سے جواب دیا اور اس کی

”اس نے دہال کو کہہ کر ہاتھ دھندلے خاموش

”اس نے دہال کو کہہ کر ایک بہت چھوٹی سی

”اس نے کہیں لے کر آکر کہا تھا۔ بڑا لالہ یہ

”اس نے کہہ کر وہ دوبارہ بولا۔ یقیناً اس

”بہت کا ذکر ہی سکتے ہیں اس کا علاوہ ایسا اور

”دلچسپ بات یہ کہ جب ہمیں یہاں سے رخصت ہوا تو اس نے

”بھی وہاں جانے کا اللہ ظاہر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کا کوئی

”دوست وہاں رہتا ہے۔“

”پھر تو مجھے یقین ہے کہ کچھ ترقی ہوئی ہے کہ اس میں نے کچھ

”بہت سیکھا۔

”اور ترقی چھوٹی جگہ میں ہیں جن ترقی کو تلاش کرنا بھی زیادہ

”دشوار نہیں ہو گا۔ رضوان نے بھی تاہم زندگی اس کی آواز میں اب

”سکون اور شہر کا تھا۔

”محرم لالہ ایک آپ ہمیں اس کی تک جانے والے راستے

”کی تفصیلات سے آگاہ کر سکتے ہیں؟“ میں نے بڑے لالہ سے کہا۔

”بڑے لالہ نے اشدت میں سر ہلایا اور بولا کہ میں تھوڑی

”دیر تک جاؤ پو جانے والی شاپراہ پر سفر کرنا ہو گا۔ اس کے

”بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو جائے گا پہاڑی علاقہ شرموت ہوتے

”ہی تھیں شاپراہ کو چھوڑ کر دائیں جانب انشعب میں آکرنا ہو گا۔

”کچھ فاصلے تک ہمیں چند ٹیلے نظر آئیں گے۔ ان ٹیلوں کے

”عقب میں پیچ کر ہمیں ایک چھوٹی سی نظر آئے گی۔ ہمیں اس

”چھوٹی سی پر اس وقت تک سفر جاری رکھنا ہے جب تک کسی

”آبادی تک نہ پہنچ جائے۔ اس طرح ہم اس بستی تک پہنچ جاؤ

”گئے جس کا ذکر جن ترقی نے کیا تھا۔ یہ چھوٹی سی پہاڑی بستی صرف

”چند گھروں پر مشتمل ہے۔ ویسے میں تھکا ہے ساتھ اپنے ایک

”خادم کو بھی پیچ دوں گا جو گرودو نواح سے چوڑی دقت ہے۔“

”بڑا لالہ اس بستی کے متعلق تمام تفصیلات بتا کر خاموش ہو گیا۔

”ہم نے درگاہ سے روانہ ہونے میں عجلت سے کا لیا کیونکہ

”ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ بڑے لالہ نے ہمیں اپنے خادم کے ہمراہ

”روانہ کرتے ہوئے دعا دی، اور پھر چھوڑ کر کی درگاہ سے تین

”گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے گھوڑے سے روانہ ہو گئے۔ اس میں سے

”ایک گھوڑے پر میں سوار تھی، دوسرے پر رضوان اور میرے گھوڑے

”پر دوسرا ایک خادم جسے ہماری پہنچا کر گئی تھی۔

”ابھی ہم نے کچھ فاصلہ ہی طے کیا کہ گواہ درگاہ کے خادم نے

”اپنے گھوڑے کی بائیں کھنچ میں اور میں بھی اس کے کاٹھارہ کیا۔

”رضوان نے اور میں نے اپنے گھوڑے سے روک لیے۔

”کہوں کیا بات ہے؟“ مجھ سے پہلے رضوان نے خاک سے

”گنڈا اڑان میں سوال کیا اور یہ قبول گیا کہ خادم صرف تیری زبان ہی

”جانتا ہے۔ میں نے اس کا سوال مبرا دیا۔

”فضائیں طوفان نے کے آمد میں، بہت کا طوفان کا خادم

”نے اب سے جواب دیا کہ اگر ہم طوفان میں گھر گئے تو یہ مشکل

”ہنس! ہنس! میں نے فیملی کنجے میں کما ہوا ایک ایک
لوٹی سے، ہر کسی دور میں ایک کسے اگر ٹوٹاں سے خوش
ہو تو ٹوٹ جاؤ۔ ہمیں راستے کی تمام انصافیات کا علم ہے، ہم اس
بستی تک خود پہنچ جائیں گے۔“

”مجھے اب نہیں آگیا کہ خلیا خانہ نام نے میری طرف دیکھتے
ہوئے کہا کہ اگر آپ کا کچھ سے کفر جاری رکھا جائے تو مجھے کوئی
اعراض نہیں، خلیا خانہ نے یہ کہہ کر گھوڑے کو اڑا دیا۔ میں اور
رضوان دوبارہ اس کے پیچھے چل دیے۔“

پتا نہیں میرا وہم تھا یا حقیقت کے مجھے معا ہے، ہمیں شدید
گرمی کا احساس ہوا اور ہاتھوں میں غلڑ سی موس ہوئی۔

شام کا وہند کہلات کی سایا میں تبدیل ہو رہا تھا اور دن
کی روشنی تیزی سے مدمم ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے گھوڑے کی
باگیں اپنے ہاتھوں کے درمیان دبا کر دستانے تار دیے، پھر اپنے
دونوں ہاتھوں کو تیزی سے کھانے لگی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کی جلد
کو غور سے دیکھا تو چونکا اٹھی۔ ہاتھوں کی جلد پر چھوٹے چھوٹے
دانے ابھرا آئے تھے جو دھند کے کے باوجود نظر آ رہے تھے۔ میں
نے دوبارہ دستانے نہیں کر گھوڑے کی باگیں ختم کیں۔ رضوان
کا گھوڑا میرے برابر دوڑ رہا تھا۔ میں نے باگیں ختم کر اس کی طرف
دیکھا تو چلا چلا کر دھیر دھیر بائیں جانب متوڑ رہا تھا۔

”رضوان! میں نے اسے مخاطب کیا۔ میں شدید گرمی محسوس
کر رہی ہوں۔ کیا تمہاری بھی کیفیت ہے؟“

”مجھے گرمی لگ رہی ہے اور ہاں ہے۔ رضوان نے تائید کی۔
”شاید ہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا ہے، میں نے اپنا
خیال ظاہر کیا۔“

”ممکن ہے کہ اس سمنوں کا اثر جو بڑے لاونے میں
بلا یا تھا۔ رضوان بولا۔“

”مجھے بھی پھر رضوان کی گلوں کو ت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال
کر زندہ رہنے میں کتنا تر ہے؟“ یہ کہہ کر میں نے نوت کے خوف
کو ایک حق میں مار ڈالا اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ رضوان نے
میں میرا ساتھ دیا۔

ہملا سفر جاری تھا لیکن اب موسم کے تیرور بدلنے لگے تھے۔
طوفان کے آثار واضح طور پر ظاہر ہو چکے تھے۔ ہوا میں ہلکے کی نسبت
تیزی لگتی تھی۔ فضا برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے بھری گئی
تھی اور ایک لایو و سفید کسے نہیں چاروں سمتوں سے گھیر لیا تھا۔
جہاز سے گھوڑے کی آواز اب بند گئی تھی۔ میں مجبوراً گھوڑوں سے
اُتر کر ان کی باگیں ختم کر رہا تھا لیکن اس کے باوجود جہاز سے آگے

برہم تھے۔ ہم نے قدم نہ کر کے گھوڑے کی قدم
اُٹھ رہے تھے۔

بالآخر ہم اس مقام تک پہنچ گئے
جہاں کر دیں بائیں بائیں میں آخری تھا
ہر شے کو اپنا بیٹ میں لے چکی تھی۔ اس
تک کہ کچھ بائیں بائیں میں گھوڑے کا
ہی کرنا تھا۔

”اب مرنا انداز ہے ہی سے۔“
صوبت حال کا لڑکھارہ بولا۔

”ہر چند کہ لڑکھارہ غلط بھی ہو۔“
اپنا سفر چاک کرنا چاہیے۔ میں نے
ہوئے نشیب میں اتر کر کس۔ رضوان
میں میری تقلید کی۔

”اگر کچھ دیر میں دیک جائیں تو
علم میرے قریب چلے ہوئے بولا۔“

”نہیں، اگر اب فیصلہ کن تھا
نہیں تاتا۔“

طوفانی ہواؤں کے تھپتھپانے
تھے اور گھوڑوں کو سنبھالنا مشکل
ہو گئے تھے کہ ہاتھ کو ہاتھ بچائی میں
جل رہے تھے مگر واضح طور پر ایک
تھے۔ رضوان میری دائیں جانب تھار
دونوں کے درمیان بڑھ چکی تھی۔

معا ہے خلیا خانہ کی آواز سنائی دے
میں احتیاطی تدبیر لاری میں ہیں۔“

میں ابھی وضاحت طلب کر رہا تھا
طرف بڑھا ہوا فقر کیا۔ خلیا خانہ کے ہاتھ
میں تھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گئی
اُسے رضوان کی طرف بڑھا دیا۔ رضوان
نے بھی اس کا ایک لمحہ صبر نہیں کیا
تھی کہ طوفان میں کچھ نظر نہ آئے کہ
نہ بچ رہیں۔

لمحہ لمحہ طوفان کی شدت میں
لیے ہماری آگے بڑھنے کی رفتار
کی ہمارے رنگ سے تھے۔ ہم
ڈیڑہ ڈیڑہ کی مسافر بائیں ہمارا
بچ کر رہے ہواؤں کے جہ کے کہ ہم

جاری تھے۔ خلیا خانہ نے میں بدلتی فضا کے ساتھ اپنے
گھوڑے کی کمری چھوڑ دی۔

”مگر کیوں؟ ایک دم اتنے کیوں بڑھ گئے؟ میں نے
خلیا خانہ سے سوال کیا اور اپنے گھوڑے کو آواز کر دیا۔ رضوان نے بھی
میر کی تقلید کی۔“

خلیا خانہ نے میرے سوال کا جواب دیا۔ وہ حیرت انگیز رفتار رضوان
کیونکہ تہی زبان سے آواز تھا اس لیے کچھ نہ سمجھ سکا۔

”ہاں! مجھے بھی بتاؤ کہ اس نے کیا کیا ہے؟ رضوان کے
لیجے میں غصہ تھا۔“

”خام آج نہیں بند کر کے نہیں پرانہ لایٹ جانے کا شہرہ
وہ رہا ہے۔ میں نے رضوان کو بتایا۔ وہ کہہ دیا کہ اس
راستے سے بہت سی برآمدات غلوں گزرتے والے ہیں۔“

”کیسی غلوں؟“ رضوان نے وضاحت چاہی۔

”اس غلوں کے بارے میں کوئی بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

میں بولی۔ ”میں نے بھی اس غلوں کے بارے میں صرف کچھ روایات
ہی سنی ہیں۔ ان روایات سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ
غلوں ہمارے علاقوں میں کبھی کبھی نمودار ہوتی ہے۔ اس غلوں کو
دیکھنے والا کوئی انسان زندہ نہیں رہتا، اس کی گردن ٹوٹی ہوئی ملتی
ہے اور اس کی لاش کے پاس بڑے بڑے پتھر پڑے ہوتے ہیں۔
آتے ہیں۔ وہ پتھروں کے انتہائی بڑے نشان، بالکل نئے پتھروں کے
مشابہ ہوتے ہیں۔“

معا دھمک کے ساتھ ساتھ کچھ لایٹ لایٹ بھی سنائی دینے
لگیں جیسے کوئی بہت بڑا چوڑا آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہو۔ میں
نے آوازوں کی سمت دیکھنا چاہا مگر برف کے ذرات ڈھارن گئے۔
اچانک رضوان نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک طرف گھمائیے گا
تو میں بھی گھمائیے گا۔ کیا کر رہے ہو؟ میں نے پیچ کر کہا۔ دیکھنے
تو وہ اس بلال کو؟“

”مجھے بلالوں کو دیکھنے کا اشتیاق نہیں۔ مجھے تو آپ کی
اور اپنی گردن پچانے کی نگر ہے۔“ رضوان نے جواب دیا۔

چند قدم ڈھکیں برف کے سفید دھند کے میں اچانک کچھ
زیادہ دباؤ آگئی تھی۔ اب کسی کے سانس لینے کی بجائے آواز بھی
سنی جاسکتی تھی۔ میں نے رضوان کا ساتھ دینا ہی مناسب سمجھا
بم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ تھا۔ مخالف سمت میں جا رہے
گئے۔ وہ دھیر دھیر چلنے سے پہلے ہی چھوڑ دی تھی جس کا ایک برا
خام کے ہاتھ میں تھا۔ مجھے ایک اور رضوان کی طرف تھی۔ خام کے
پاسے میں کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ مل سکتی تھی۔

بم ابھی کچھ دور ہی ہوں گے کہ ایک تیز آواز سنائی دی

میرے ہاتھوں پر مسکراہٹ اٹھئی۔
 دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اب وہ نوت امام
 ”میرے اندازے کے مطابق“

سے کچھ زیادہ فاصلے پر پہنچی۔ پس اس سے
 ”گو بلا جھک جانے کے اٹھا
 ”خیر! اک دم بھی کیا مضائقہ ہے! اگر
 چرخ گئے تو کوئی افسوس نہیں ہوگا۔
 ہاتھ میں تھلہ“

”کیکن فی الحال میرا ایسا ارادہ
طرف گھومتے ہوئے کہ۔“ اگر کبھی ایسی
حسین ہاتھ میرے ہاتھ میں جوگیا،
نہیں ہو سکتا۔“

رفضان چپ ہو گیا۔ ہم ایک
سے قدم اٹھا رہے تھے کیونکہ وہ پنا
ہ بھی گر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ برف
امکانات تھے۔

ہم اپنی موت کے خطرے اور
بے سیریز اجرام اب ٹھنڈ اور ٹھنڈ
ہو ان کی تندی کا احساس رہا تھا
وہاں کہہ رہا تھا کہ ہم ختم ہو گئے

قدم مشقی اندازیں اُٹھ جاوے
رضوان کی کیفیت بھی مجھ سے غنائ
نہ جانے نگہ ہوا کا زور ٹوٹا
تیرے مرنے کے بعد ہر لمحہ

ابن سعد رحمہ اللہ جو کچھ لکھا اور اب ہر طرف
طاری تھا۔ ارد گرد پھیلی ہوئی سنیہ

لیکن لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔
”ہم شاید واقعی راستہ بھول گئے۔“
اچانک کہا۔

وقت کا حساب لگایا۔ ہیں اب تک چالیس تھا۔ موت اور زندگی کا دور یہاں اب مجھے ایک بار پھر اپنے مہم پر

”اب قدم اٹھاتے ہوئے بے حد تکلیف ہو
 رضوان بولا، ایں کسی کاوازیں کیکی لارزش بھی نہیں
 تھا۔ ”بانو کیسے یہ بھی نہیں کااثر تو نہیں؟“
 ”نہیں“ ایں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا
 اور رضوان کو کہہ دیا کہ تم کو کھانا جا کر کھانے دے دیتے ہیں

میں اکثر ان کا احساس ہو رہا تھا۔ اسی وقت مجھے
 اسی نظر آنی جو مجھے پہلے بار فریب نظر معلوم ہوئی۔ یہ
 خود سے دیکھا۔ روشنی وانہی تھی۔ میرے اخصاص
 نے رضوان کو مخاطب کیا۔ "وہ دیکھو روشنی نظر آنی
 کا روشنی، بالفاظہ روشنی کہو کسی کو ہوگی۔" مگر

سنت اٹھا اٹھایا۔
 ”ہاں روشنی نظر تو آرہی ہے لیکن یہ روشنی کچھ
 رضوان نے بھی روشنی کی سمت دیکھا، پھر لولا، ”یہ رو
 کنہا کہ نہ ہو سکتی۔“

رضوان نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ لیمپ
سار کی میں کسی نقطے کی طرح نظر آتی ہے۔ کھڑکی سے
میں بھی اڑنا پھلنا نہیں ہوتا۔ بوں لگتا تھا جیسے بل

ہے۔ یہ روشنی بھی ایسے ہی جانکدہ مانند تھی۔
 ”یہ روشنی کسی کی ہی ہو سکتی ہے۔“ میں نے
 کیا۔ ”مجھ کو یہاں دیر نے میں چر اغال کرے کون اُسے

روشنی دیکھ کر زندگی کی امید بندھ گئی تھی سب حرم میر
سیر می دعا دریں سیر می انگنی تھی اور عنوان بھی میر
ملا کر چل رہا تھا۔

ہم نیز غریب تھے ہوئے روشنی تک پہنچے لوہا
 پر اوکس پرگنی۔ وہ روشنی بستی کی نہیں تھی۔ چھو-
 کے درمیان ایک مسلح جگہ تین اطراف سے گھری
 جہاندنی سے مشابہہ روشنی سے متور تھی لیکن اس

نظر میں آ رہا تھا۔
 ”یہ روشنی کس چیز کی ہے؟“ رضوان نے حیرت
 کہا اور چند قدم آگے بڑھا۔
 روشنی کے وسط میں کسی کتے پر برف کا ڈھیر

میں بھی غمست پیدا ہوا اور میں نے رمضان کی بات
بغیر ہرف کو ہٹا کر شروع کر دیا۔ رمضان بھی میرے
”یہ تو کوئی بُرت معلوم ہوتا ہے۔“ رمضان
رمضان کا خیال حدِ صبرِ ثبات نہ ہو جاوے حد

و اس سے جسے ایک انسان ہر زمانہ ہوا۔ ہم سے زیادہ وہ
چرخ گمانا سب ہوگا۔ اگر تلوں پر کھال مندرجی نہ ہو تو وہ
ڈھانچہ نظر آتا۔

"یہ شاید برائی ہو مگر کھارک دھونے والا کوئی بد نصیب انسان
ہے۔ میں نے اسے پتھر کو بوند دیکھتے ہوئے کہا۔
"اور اس کے پیچھے کا نازا تو دیکھ، بانو! یوں لگتا ہے
جیسے کوئی مشکوہ ماں کے کپڑے دھو رہی ہو، وضو
حیرت زدہ آواز میں بولا۔

مجھے بھی اس کے بول سننے پر حیرت ہوئی۔ اگر وہ واقعی پرف
کے طوفان میں گھر کر گیا تھا تو اس کی لاش کو شست کی حالت
میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے لاش کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو وہ
بھی حیران ہوئی۔ اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا اور ہر
کارب نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گہری نیند میں ہوا اور اس
نے آنکھیں بند کر لی ہوں۔

اور پھر میرے دیکھنے کی دیکھنے اس کے پوچوں میں حرکت
ہوئی اور بڑی بڑی روشنی انکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ میں اچھل
پڑی اور وضو نے بھی میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

منا اس کے ہونٹ بٹے اور وہیں اس کی آواز سنائی دی۔
"تم مجھے گہری اور پرسکون نیند سے بیدار کر دیا۔ میں گہری نیند
میں ڈیڑ گھنٹہ سے بھگام تھا۔ تم تو اس کی چاہتے ہو؟ اس کی آواز سن
کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی گہرے کونے میں سے بول رہا ہو۔

"عظیم کرم کے عظیم پیر و اہم جنہی میں اور دستہ بھگ
گئے ہیں۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ہم نہیں گہری نیند سے بیدار
کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تم چاہتے ہو کیا دھیان میں محفل ہونے

اس پر نیند نہ خواہ ہیں۔"
مجھے دیر وہ مشکوہ خاموش رہا پھر اس کی آواز ابھری۔ "وہ
دل جو دوسروں کے دکھ پر تڑپ انکھیں، وہ دل بہت عظیم میں ادرم
دووں کے سینوں میں بھی ایسے ہی دل، دھڑک رہے ہیں۔ ابھی یہ
دل دھڑکنا نہیں بھول سکتے۔ جاگ کر نہیں کوئی گہری نیند بیچنا سکتا
اور تجاری منزل کی محاب و درنیں سائید کی روشنی تمھاری نہانی
کرے گی۔"

یوں کی حرکت دگ گئی پوئے پھر روشنی انکھوں پر پردہ
کی طرح گئے اور جھٹکوں کا جسم کی پتھر کے ٹپ کی مانند ہو گیا اس
کے ساتھ ہی جاسے اب دگر دھیلی ہوئی روشنی مدھم ہو گئی۔ میں
اپنے دل میں ایک غیر معمولی چونک محسوس کر رہی تھی۔ جھٹکوں کے
انفلاخیری سہاگت میں اب تک گونج رہے تھے۔ اس نے مجھے
اور وضو کو زندگی کی نوید دی تھی اور وہ بھی ان سہاگتوں میں،

روضان اہم.... ہم منزل تک پہنچ گئے ہیں۔
روضان اہم.... میں ڈراسی ہمت اور کروا رہا ہوں اسے
کہا۔

لے اٹھنے کے لیے چڑھ جھکی۔ خود میرا جسم اٹھا جا
مواں کو زین سے اٹھانے کے لیے پوری طاقت
لگا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی خاطر اپنا وقت برباد نہ کریں۔ آپ.....
میں ڈی کو تلاش کریں اور اس سے زہر کا تریاق
لے لیں۔... مجھے نہیں چھوڑ جائیں! اگر میں گھسٹا
ملا تو ٹھیک ورنہ....." روضان نے اپنا

اٹھا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں نے سخت لمحے میں
اس کی نو غرض سمجھتے ہوئے اور کیا تم نے اس
کو دیا ہے؟

روضان اہم! بانو! اس نے کہا تھا کہ میں کوئی گزند
... گھرا ہوں۔... میں یہ جانتا تھا کہ گہری
دراستہ نہ پڑے۔ کم سے کم آپ... آپ
روضان کا ہم ایک دوسرے کی طرف
ہوؤں پر سکرانہٹ ابھرتی تھی۔ شاید اس
ایک دوسرے کی ہمت بندھانے

میں نے اٹھا لیا اور پھر مدد قدم میرا ساتھ
میں اس کی دھج سے میری رفتار میں کمی گئی
میں اسے پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔
میں نے سستی میں داخل ہوئے اور میرے شکل
اسما ہمارہ لیا۔ چند چھوٹی چھوٹی سی کٹیاؤں
میں اہل عمارت نظر آ رہی تھی۔ ہم عمارت کے
داخل ہو کر بے ہوش ہو گئے۔

روضان اہم! بوسکتی ہے۔ میں نے روضان
میں اس کا ایک آہٹ سی سنائی دی۔
روضان تیزی سے اس کی

میں اس کا ایک آہٹ سی سنائی دی۔
روضان تیزی سے اس کی
میں اس کا ایک آہٹ سی سنائی دی۔

روضان اہم! بوسکتی ہے۔ میں نے روضان
میں اس کا ایک آہٹ سی سنائی دی۔
روضان تیزی سے اس کی

نقوش سے وہ چینی دکھائی دیتی تھی۔ میں نے ان سے کمر بستہ کی کردہ
چیزیں ہانکے چھین کر ایک فرشتے۔ میں نے اس لڑکی کے گلے میں
شرخ جلد والی ایک کتاب کھتی ہوئی دیکھ لی تھی۔ چیزیں میں ماذکی
میرے کتاب کے علاوہ لڑکی کے دایں شانے سے ایک ایک ٹیٹی میں
بندھی ہوئی راضل تک۔ وہی تھی جس کا مڑخ اس نے تیزی سے
ہماری طرف کر لیا تھا۔ اس کی منگلی راضل کی لہلی پر تھی اور وہ کسی
بھی لمحے ہم پر فخر کر سکتی تھی۔

"دوست! میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے چینی زبان
میں کہا، پھر اس کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اٹھا یا۔ جسٹ
کے سبب میں قدم اٹھانے ہی لڑکھڑائی۔ میں نے کوشش کر کے
سنبھلنا چاہا مگر کا کہی۔ روضان قریب ہی نہیں پڑا تھا۔ میں اس کے
ڈھیر ہو گئی۔

مجھے خود پر ڈھیر ہونے دیکھ کر روضان کے جسم نے کوئی حرکت نہیں
کی۔ شاید وہ حرکت کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ خود مجھے یوں لگ
رہا تھا جیسے میرے جسم میں جان ہی نہ ہو۔

منا لڑکی جھکی اور اس نے روضان کے ہاتھ سے مارتے لے۔
روضان کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ دوسرے لمحے انا تک کی روشنی میرے
چہرے پر پڑی، اور اس کی ساتھ لڑکی کے منہ سے حیرت زدہ کی آواز
نکل۔ لیکن اس نے میرے چہرے پر ابھرتے ہوئے دانوں کو
دیکھ لیا ہوگا۔

"مدد! میں نے شکل کیا۔ مجھے اپنے پوئے ہماری عسک
ہو رہے تھے۔ میرا جسم ٹھکانا ہو رہا تھا اور انکھیں خود بخود بند ہو
جاری تھیں۔ میں نے انکھیں کھل دھنے کے لیے آخری لمحے تک
چدو جھکی مگر کامیاب نہ ہوئی۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ دروزن
پر ایک غبار سا چھنا چلا گیا اور پھر میں جیسے کسی اور جگہ دنیا کی پہنچ
گئی۔

وہ دنیا میرے لیے نئی نہیں تھی، خوش گوار سکون بخش اور

مکتی ہوئی دنیا! میں جیسے نرم نرم روٹی کے گالوں پر دما رہی اور
کوئی میرے سر پر نہ کھڑا ہوا آہستہ آہستہ میرا سر دبا رہا تھا۔
آنکھیں بند کیے لگنا رہی تھی۔ میرے اوپر گرد و گول کی برسات
تھی۔ پھر یوں ہوا کہ کسی نرم و نازک ہاتھ نے، صاف شفاف کٹاؤں
شیشے کے جام میں اگودوں کی ممک سے بھر لوہے کی طرح کھڑا
نکھڑا شراب کا جام میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مجھے وہ جام اپنے
ک دخواست ہوئی اور میں نے ہونٹ کھول دیے۔ گرم گرم ہستیاں
اگ سی میرے وجود میں اترتی گئی، اور پھر میں نے اپنے انک
اگ میں بجلیاں سی دوڑتی محسوس کیں۔ کیف و بے خودی کی حدوں میں
داخل ہوئے ہی میں نے سائی کو اپنی آغوش میں سیٹ لیا مجھے وہ

کھلتی ہوئی مٹی مانوں محسوس ہوئی۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا تو پہچان لیا۔ وہ پش پش، لذت ہی لذت، خواب ہی خواب، رنگ ہی رنگ، شادہ، وہ گریز، پش پش، وہ داغ، ناز شادہ کہ جس کے تصور ہی سے انساں میں خوش ہو کر جانے انکھوں میں رنگ ہر آنے لگے۔ ہاں وہی شادہ، جس کی آواز کی جائے اور اس آواز میں ساری مٹھرتیا دی جائے۔ ہاں وہی شادہ، زینر میر سے دوسری آواز کی جلدی تھی۔ نہ جانے ہم کب تک ایک دوسرے میں گہرے اور چہرے ملنے کب ایک دوسرے سے لپٹ کر سگئے۔

کسی بچے کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کھلی اور میں نے حیرت سے ارد گرد کا جائزہ لیا کہیں کہاں ہوں؟ نہاب و دو رنگ تھے نہ خوشبو، نہ شادہ، خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا، انساں تھا۔ میں نے خود کو ایک قانون پر پڑے پایا۔

سامنے ہی چھوٹے سے آئینہ میں نگاہیں پڑی تھیں۔ آئینہ ان کے پاس ہی میری طرف رخ کیے وہ لپٹے قد، چھٹی لڑکی تھی۔ اُس کا بچہ گردن لٹایا ہوا دودھ پی رہا تھا اور وہ سرخ کتاب کو بڑے غور سے پڑھ رہی تھی۔ اُس کی داخل اس وقت بھی اس کے کشتے سے ٹک رہی تھی۔ حاسم ہی شکل و صورت کی وہ عجیبی لڑکی، اپنے بچے کو سینے سے پٹائے، مجھے بہت سہل لگی۔

”پانی“ میں نے مذہم ہی آواز میں کہا مجھے اپنا گلا خشک محسوس ہو رہا تھا۔

لڑکی میری آواز سن کر چونک کر رہی۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ اُس کی کتاب میں خیر تھی مگر اُس وقت میں اُس کو کسی مٹی نہ نہ سکی۔ وہ مجھے فیکٹر کے اپنے بچے کو سینے سے لگائے ہوئے کمرے سے باہر لے گئی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے ہی میری نظر رضوان پڑ پڑی۔ وہ مجھ سے ذرا دور رکھی قانون پر چڑھا ہوا تھا۔ رضوان کے چہرے پر اچھرب ہونے والے غاب وجود میں تھے البتہ اُن کے کچھ نشانات سے پتہ چلتے تھے۔ میں نے رضوان کا چہرہ دیکھ کر خود اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ مجھے اپنے چہرے پر بھی داغوں کے اچھا محسوس نہ ہوئے۔ ہاتھ اور جسم کے دوسرے کٹے ہوئے حصوں کا جائزہ لینے سے پتا چلا کہ وہ نے تمام جسم پر نکلے ہوں گے۔

”مگر ذرا کی نشانات بھی جاتے رہیں گے۔ لڑکی کی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑی۔

میں اپنے جسم کا جائزہ لینے میں اتنی منہمک تھی کہ مجھے لڑکی کے کمرے میں داخل ہونے کی خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔ اُس نے پانی سے مہل چھوڑا ہوا لائبریری طرف بڑھا دیا۔ میں نے سہیل لالیتے ہوئے اُس کے چھوٹے اور معمول سے چہرے کو دیکھا، پھر میری نگاہ نے

ایک ہی لمحے میں اُس کے سر پر ہاتھ پڑا۔ وہ لڑکی جو تیرے کتاب اُس کے عقیدے کی چٹکی کا سینے سے چسپاں ہو چکا، اُس کی بھرپور محبت کا رطل سے کھلتی ہوئی خود کو داغ لائبریری مجھے ہاتھ لڑکی کو کس جذبے کی علامت سمجھا جاتا، موت کا کی شخصیت سے متعلق نہیں تھا تھا مجھے یہ آواز اور رضوان کی کہتی ہوئی جتنی ہی کتنی ہی مٹھرتیا سنبھال تھی! وہ یقیناً ہتھیاروں کے استعمال اور تربیت یافتہ تھی۔ میں نے ایک نتیجہ انداز کیا ہتھیار کو کشتے سے لگانے کے کھاناں! اُس کے کچھ دشمن ضرور ہیں جسے نبرد آزما ہونے اپنے پاؤں داخل رکھتی ہے۔

اُس لڑکی کے متعلق میرے ذہن میں یہ تھا کہ وہ بے تحاشہ تھیں نہ سب سے پہلے نہر کے ”تم نے مجھے کس طرح بچا لیا؟“ میں نے اُس میں نہیں مٹی زبان میں کیا تھا اور تیری زبان مقدمہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ تیری کہہ کر وہ تیری نہیں اور اگر واقف نہیں تو پھر اس کا وہاں میں نوادہ ہے۔

”بڑی خوش قسمت خاتون ہیں ۷۷“ اندر میں جواب دیا جواب لینے کے لیے نہیں کی تھی چھوٹے وقت کے بعد وہ پھر مل گئی۔ وقت رہتا ہے جس کا شکار آپ اور آپ کا کام ”لیکن تمہیں کس معلوم ہو کر کہنے اور میں نے پوچھا۔

”آپ دونوں کے چہروں پر اس غمور بہت کم گولوں کے پاس بے اداسی کے میں نے آپ کے چہرے پر اچھرب ہونے آپ کو ہر بار کیا ہے اور کون سا مزہ لایا؟“ ”اوہ“ میں نے اپنے چہرے پر ”آپ آپ کے چہرے پر کتنی داد بہت نشانات رہ گئے ہیں وہ بھی ختم ہوا“ ”تو وہ تریاق تھے تمہیں بے ہوش کیا تھا؟“

لیتے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں آپ اُس وقت ہوش تھیں“ لڑکی نے جواب دیا۔ میں لڑکی کا جواب سن کر سنا کہ

”جی“ اور اس خواب و حقیقت میں صرف اتنا فرق تھا کہ اُس چینی لڑکی! میں نے سوچا کہ یادیں بھی کتنی ظالم ہیں کہ کس کے مہل میں جو تڑپتی ہیں یہ سب کچھ یاد کرنے کی مٹی خیر نہ سب کھٹکے کا مطلب بھی ہو سکتی ہو گی یاد وہ لڑکی کی کمری ہوئی تھی چاہے یہ نادانستی کی ہی تھی مگر اُس میں شامل ہو گئی تھی جس کے سر میرے لیے لازماً

”یہ چہرہ وہ کس سے چھریا گیا یہ بتاؤ تو کہلے ہاتھ کا تریاق کیوں رہتا ہے؟ کیا تمہیں کسی دشمن کی یاد ہو کہ وہ کبھی دھوکا دے کر تمہیں بے ہوش کھلائے گا؟“

”ماتے تریاق لینے میں نہیں رکھا بلکہ اسے اپنے ہاتھ سے“ ”یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آواز میں بھی کئی لڑکی کی آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا۔

”لڑکی! آپ اندازاً لالہ قمر بات کی تھی۔ دشمن کے لیے یہ ہر وہ تریاق کیلے میری عمر تھی؟“ میں نے سوچا اور ”نہالہ“ وہ لڑکی اندازاً آپ دھار لیا۔ میں لڑکی۔

”یہ تمہیں اوتاروں کے لیے رکھا ہوا ہے۔ کس تو دوست کو استعمال نہیں کریں؟“ ”اوتار ہرگز نہیں۔ وہ میرا دشمن ہے۔ لڑکی نے

کر بکشت انسان چھوڑا آپ دونوں کی زندگی بچانا فرض ہے! میں نے اپنا فرض انجام دیا کیونکہ آپ دونوں کو میری فوری توجہ کی ضرورت تھی! لڑکی نے جذبات سے کہہ دیے ہیں اپنی بات ختم کی۔ ”میں۔ میں جلدی شکر گزار ہوں! میں نے متاثر کیے ہیں۔ کما۔ اگر تمہیں یہ سہی تو جس کو نہ جانے ہر کچھ کی زندگی شاید ختم ہو جاتے کبھی کبھی اتفاقات زندگی بچا لیتے ہیں۔ یہ اتفاق ہی تو ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی!“

”یہ محض آپ کا خیال ہے کمری اور آپ کی ملاقات اتفاق سے ہو گئی۔ ایسا نہیں ہے مانو صاحبہ!“

”میں اس لڑکی سے اپنا نام کر لیں نہ گی۔ وہ مجھ سے واقف تھی مگر کس طرح؟“

”لڑکی نے مجھے حیرت زدہ دیکھا تو اُس کے ہاتھوں پر سکرپٹ آ گئی، پھر وہ کہنے سے پہلے ہی لڑکی نے آپ سے میری ملاقات کی یاد دلانے پر کئی لمحے میں دن میں نے سرخ پتوں کے ٹکڑے حاسم کا ایک خط پڑھا تھا اُس خط میں چن ٹری کو داغ، احکامات دیے گئے تھے کہ وہ آپ کو قتل کرے۔“ ”میں نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اندازہ ہوا کہ آپ بڑے دل گزے کی خاتون ہیں۔ میں نے اُن دن ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے ضرور ملوں گی۔“ ”مجھے یقین تھا کہ جہاں آپ ہیں وہیں چن ٹری بھی ہوگا نا کہ وہ آپ پہلے آدھ ہو سکے۔ میں آپ کو چن ٹری کے ارادوں سے گواہ کرنا چاہتی تھی اور اسی کے ساتھ مجھے یہ امید بھی تھی کہ آپ کے توسط سے میں چن ٹری کی بھی پہچان جاؤں گی۔“

”اور میں تمہیں پہلی ہی تو کس حال میں! میں اُس کے خاموش ہوتے ہی لڑکی۔

”ہاں مجھے آپ کے مہل میں سے خود ہی دیر ہو گئی!“ اُس نے کہہ میں گل جیج لاس پتھی تھی۔ مجھے وہاں آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ چکیوری گئی ہوئی ہیں۔ میں چکیوری کی دوا دے دی اور بڑے لارے سے ملے۔ بڑے لارے نے مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ یہ سچن کی چکیوری آپ کو نہر سے چکھنے اور آپ اُس کی تلاش میں روانہ ہوئی ہیں میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی میں ٹھکانہ ہی کے دوران میں وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بڑے لارے نے میرے ہمارا ایک خادم بھی بھیجا تھا کہ اُس کی آگاہی اس بات تک پہنچ سکوں اور راہ نہ ہٹوں مگر شاید آپ بدلت ہو گئی تھیں اِس بات کے لیے آپ سے پہلے میں اس پہنچ گئی۔

”مگر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں ایک نہیں پہنچ سکی اور یہ کہ جب تم تبت کے لیے ابھی پہنچو تو جی زبان کے جانے ہو،“ میں نے ایک ساتھ دو سوال کر دیے۔

”آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جتنی میں جتنی کے صرف چند ملاقات ہیں میں نے اور بڑے لارے کے خادم نے اُن کے کانوں کے ارد گرد

گودم کو بردار جائزہ لیا۔ ہمیں طرف مگھوں کے آثار نظر آئے۔ مہرگرم کوں
 جھرمٹے سے گھوڑوں پٹے آئے۔ بے لگھو لکھ مقامی ہاتھ سے کاہے جو
 بڑے لامرے خادم کا دقت کار ہے۔ لڑکی نے وضاحت کی، پھر میرے
 دوسرے وال کا جواب دیا۔ میں نے چپن ہی میں ایک عرصے بل جتنی
 زبان بیکھ کر تھی اور مجھے یہ زبان بیکھنے والا خود چن نکلی تھا۔
 ”بڑے لامرے خادم اور وہ مقامی باشندہ ہی کہاں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”وہ دونوں باہر ہیں۔ لڑکی نے بتایا۔ چن تری جس عمارت میں
 ٹھہرا ہوا ہے وہ دونوں اس عمارت کی نگہبان کر رہے ہیں۔ آپ اب مجھے
 بھی اجازت دیجیے، میں چلوں گی۔“
 ”کہاں؟“ میں نے چونک کر کہا۔
 ”مجھے کسی عمارت تک جانا ہے۔ لڑکی نے اپنے ہاتھ کے سر پر ہاتھ
 پیرتے ہوئے کہا۔ اب سوچنا تھا اب میں ہوتے ہیں زیادہ دیر نہیں ہے
 میں جیسے ہوتے سے پہلے چلنے پڑنے کو پالینا چاہتی ہوں۔ باؤرا آپ
 نہیں جانتیں کہ چن تری پر تو پالینا ہی تنگی کامل ہے میں نہ جانے
 کب سے خواب دیکھ رہی ہوں، اس کی موت کا خواب، میری آنکھیں اب
 یہ خواب دیکھنے دیکھنے خشک ہو گئی ہیں کہ وہ میرے سامنے ذہن پر چڑھا ہوا
 ایڑیاں گھڑا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھمکے جھمکے ملنے ٹھہر
 رہے ہیں۔ نہر کا ترقیق اس کے سامنے ہے۔ وہ شیشی کی لٹ لٹکنے پڑنے
 میں ترقیق کی شیشی کو بڑے آگے بڑھا کر رکھتی ہوں۔ اس کی زندگی جیسے
 قربان کی شیشی میں بند ہے مگر وہ ترقیق حاصل نہیں کر پاتا۔ اس کے کارگو
 موت کے سامنے تس کر رہے ہیں۔ وہ موت کے قوسوں کی چاب نہیں رکھتا
 ہے اور وہ یہ کہ موت سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے زبردستی
 نہر کو کھلانے کے بعد ترقیق میں دیتی اور وہ سبک سبک کر دم کوڑ
 دیتا ہے۔ یہ ہے وہ خواب جسے میں حقیقت بنا دینا چاہتی ہوں۔“
 وہ بھولی بھالی مصمم کی چوٹی لڑکی طرح آنکھیں بند کیے اور جا
 رہی تھی جیسے وہ واقعی خواب دیکھ رہی ہو اور ساتھ ساتھ مجھے خواب کی تفسیر
 بتاتی جا رہی ہو۔ اس لڑکی کا خواب بڑا عجیب تھا۔ گرائس کے چہرے پر
 ایک عجیب سی عظمت اور خود کشی گہری تھی جیسے وہ خواب اس کے لیے سیرت
 حسین خواب ہو میرے دل میں بھی کسی شہزادہ کی شہزادی کی لڑکی کا خواب
 حقیقت بن جاتے۔ اس کا دل جس آگ میں مل رہا ہے، وہ آگ بجھ جائے۔
 اس کے دل سے بے فکر کر ڈال دیا جائے۔
 ”خوشحال! تم بھی اس عمارت کے قتلے ساتھ چلوں گی؟ میں نے آگے
 خواب کو دنیا سے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا اور اس نے آنکھیں
 کھول دیں۔
 ”آپ لائق دیکھی ہیں میرا میں نے آپ کے بلے میں مناسبتاً
 لڑکی نے مجھے تعریفی غلغلے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو ساتھ سے
 جاتے ہیں۔ آجی! اور جتنا بے عزت کر رہی ہیں آپ کو کوزہ کر دیا ہوا دلا

پوری بھائی حالت بھال ہوتے ہیں کہ وقت لگے کا میرا ہوا
 وقت شاید اپنے پیرزادہ کی دھڑکی ہو سکتی ہے۔
 مجھے اپنے جسم میں بھی بیک مناسبت کا احساس ہوا
 بھاری سانس تک میں اس لڑکی سے میری حالت کا اظہار
 خیال تھا کہ میں قید کر رہی ہوں۔ یہ سوچ کر نہیں
 کھڑا ہوا تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اچھیرا لگا گیا۔
 وہ چن تری لڑکی لیتا اس کے زہر کے اثرات سے پوری
 ”موت چند گھنٹوں تک آپ سیکڑی ہو سکتی ہیں۔“
 بولی پھر مجھے شہوہ دیا۔ ”ابھی کچھ دیر میں آپ کی مار
 گی اور اب مل پھر سکتی گی۔ جب آپ چلے پھر سکتے
 رہ مزہ بے اندم کریں۔ اس طرح آپ کی نواں بولی
 باریک جانی سے وجود ہے، آپ وہاں سے لے لیں۔“
 گرم کر کے چلا گیا۔ مجھے غور سے کہیں چن تری
 جل نہ لے جاتے۔ یہ میرے لیے ایک سنگری ہوئی
 چاہتی تھی۔ آپ کے ساتھ کوئی کھانا ہوتا تھا یا جادو
 چاہتے ہیں اس لیے آپ کا میں گنا زیادہ متنب
 ”میرا خیال ہے کہ چند گھنٹے میں میری کڑواہٹ
 کے خاموش ہوتے ہی کا۔ چن تری سے میرا دل
 سائب کی طرح تیز اور دھڑکا رہا ہے۔ مجھے غور سے
 پسنا گزرتا رہا ہے۔“
 ”مجھے یہ معلوم ہے کہ اس پر تاباں یا مشکل
 ہوں کہ یہ ممکن کام نہیں۔ لڑکی کی آواز میں
 ہوتی۔
 ”یہاں اس کی گود میں ہوتے ہیں۔
 یہ غم نہیں تھا کہ وہ اپنے ہوا کے کھوپڑے کے سامنے
 ”منزلت اپنے چنے کو تو بیاں چھوڑنا ہوا۔
 موت اور زندگی کا کھیل کھیلے جا رہی ہو۔
 وہ جانتے جانتے بھاگتی اور مرکز گرد لڑکی
 اپنے چنے کو جان بوجھ کر ساتھ سے جا رہی ہوں
 مرتے وقت مجھے یہ ذکر نہ ہو گا کہ میں
 آخری ہوسرے سے ملتی یہ کہ وہ تیزی سے
 میں اسے جیتنے سے جانتے ہوں۔
 جری لڑکی تھی۔ باتیں چن تری نے اسے
 ایسی ہی بات ہوئی جس کے سبب وہ لڑکی
 چن تری کو ختم کرنے آئی تھی۔ وہ اپنے
 میں داخل لے ہوئے اور اپنے جسم میں
 ہوئے کسی دھڑکنے والی تھی اس کا کھوپڑا

کہ پھر اس نے گھر کا کھنکھین کیوں نہ ہو؟ اس کا شہرہ رکھ
 ان میں میں لڑکی سے متعلق گفتگوات بھر تے رہے
 کہ اس کی اس مصوم سی لڑکی کو چن تری نے کیا کدھ پہنایا ہو
 کہ اس کی جان کا درجہ نہیں ہو جاتا!
 کہ اب بوش کی تھا اور اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ
 رات دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر پتھر نہ ہوا
 میں ابھی پورے طرح بیدار نہیں ہوا تھا اور وہ مجھے پہچانے
 ”اٹھائیں اس کے سر پر اسے جاگ رہی تھی اور اس کے پوری
 لگا تھا کہ اس نے گئی۔“
 کہاں ہیں؟“ کچھ دیر بعد رضوان نے مجھے پکارا۔
 ”ابھی نہیں تھیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے دیا پھر میں
 ت سے آگاہ کرنے لگی۔
 ”تھام بات سن کر امین کا کلاما سنا لیا پھر لڑکی تو گویا
 ناکی ہی میں ہیں! میں تو سمجھا تھا کہ ہم پر لوگ دھارے
 ہادی لڑکی کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ میں خوش دلی کے
 لاہر ہے۔ رضوان جبک اٹھا۔ ”ابھی تو مجھے اور آپ کو
 کا وہ دنیا کے سامنے پیش کرنے ہیں۔ یہاں کے
 ”اس میں غلوں سے تو بھر گیا اور پھر یہاں غلوں کے بڑے
 ”کس کے کسی کا نام تارن تو کوئی؟ وہ میں کوئی کفن
 ”وہ میں نے آؤ فوسے بڑا مان جائیں گے۔ میں اس
 ”اس کی پٹلیں میں گزرا پھر مجھے دودھ پینے کا خیال آیا۔
 ”اس کے گھر میں میں پہنچی بائیں جانب ہی باورچی خانہ
 ”میں نے دودھ لے لیا۔ میں دو گلاسوں میں دودھ
 ”ان میں نے دودھ گرم کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔
 ”وہ دودھ پھر لپیٹ گئے۔ گرتے تھوڑے کے ساتھ
 ”میں باریک دیکھتی تھی۔ میرا ذہن اب پوری طرح بیدار
 ”کہ میرے ہاتھ لٹکنے کے باوجود میں سوچ رہی تھی۔
 ”کہ ابھی اس کی بیٹی بار دوسرے دھارے سے
 ”پلٹنے کے دھارے تھے جن کی آواز میں قرب
 ”پلٹنے کی آواز میں تھیں۔ رضوان چونک کر لڑا۔
 ”میں باہر جا کر دیکھتی ہوں۔ ”تم میں ختم ہو“
 ”کہ اس کی اس چن تری لڑکی کی طرف سے منتظر
 ”میں نے اس کی طرف سے منتظر

میں دودھ کھڑی ہوئی تو مجھے میرا سر کھانگتا لگا۔ گھوڑوں کے سامنے
 اچھیرا نہیں آیا۔ اس کوکس دھت بھی پکارا یا انتخاب میں باورچی خانے سے
 دودھ لینے کی تھی کہیں چھلے لہجہ میری حالت اقبال پرانے تھی۔
 یہی سوچ کر میں کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر میں نے خود کو جاتی و توجہ غور
 کیا۔ رضوان بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے اٹھا تھا حالانکہ اس نے کھانے
 منع کیا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ دوسرے ساتھ زیادہ دیر کھڑا نہ سکا اور
 اسے مجھ سے چلنا پڑا۔
 ”یہ سرکوں پکارا ہے؟“ وہ بیٹھے ہی بڑا بڑا تھا کیا زہر کے
 اثرات اب بھی باقی ہیں؟“
 ”نہیں ابھی خارجی کیفیت ہے بہت ختم ہو جائے گی۔“ میں نے آگے
 بتایا یہ کچھ دیر آکر کوکس شیک ہوا جو مجھے لگتا اپنی من کو کھانا
 کہ وہ کس حال میں ہے؟ یہ کہ کر میں کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ
 گئی۔ رضوان نے دودھ دہرے ساتھ چلنے کے لیے غصہ نہیں کیا تھی۔
 باہر نکل کر میں نے خود کو کس چوٹی کی بیستی کے کمرے پر پایا پھر
 سے بنی ہوئی وہ بڑی ہی عمارت تھی۔ کمرے میں واقع نظریات وہ لکھت
 دھندلے میں بھی پڑی تھی اس کے سبب دوسرے مجھے جیسے مکانوں
 کے ساموں سے الگ دکھائی دے رہی تھی۔ اس عمارت کے کمرے دیکھ کر
 یہ اندازہ لگنا دشوار نہیں تھا کہ وہ بڑے بڑے پتھر کو جوڑ کر بنائی گئی
 ہے جی کہ تبت کی اکثر عمارتیں تھیں۔
 ”جس کا اندھلکا پھیلنے لگا تھا تک میں اس کے باوجود تھوڑے فاصلے
 کی چیزیں بھی واضح طور پر نظر میں آ رہی تھیں۔ ہر چیز ایک ملنے کی
 طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اس کے دھندلے میں مجھے آدھین سالے حرکت
 کرتے نظر آئے۔ ”ان کا ذہن بچکر کی عمارت ہی کی جانب تھا۔ میں بھی کسی
 عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ سامنے اپنی اندازہ رفتار سے مجھے جتنی لگ
 تھی باشندوں کی حرکات میں ٹھہرا رہا ہے۔ وہ ہر کام کو بہت
 آہستہ آہستہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں جیسے سخت کاہل ہوں۔ غالباً
 یہی سبب تھا کہ بہت سے باشندوں نے گلی چلنے کی آواز میں سر
 کوئی فوری رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ گولیاں پلے سے لیتا ان کے دل میں
 تجسس پیدا ہوا ہو گا مگر انھیں حقیقت حال جاننے کی زیادہ جلدی معلوم
 نہیں ہوتی تھی۔ غالباً وہی لیے ہیں نے انھیں جانتے ہوئے نہیں دیکھا وہ
 بڑے اطمینان سے اس عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن میں اس
 عمارت کی طرف دوڑ لگا رہی تھی۔
 ”دوڑتے ہوئے ایک بار مجھ سے گزری کسی کی تھی مجھے اپنا
 جسم کو تھامیں ہوا تھا مگر میں دوڑتی ہی رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری
 ن وہ چن تری لڑکی کسی نہ کسی عصبیت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ میرے دل
 میں ایک آہستہ ہجوم ہے جی کہ شاید میں بے وقت پہنچ کر اس کی کچھ دیر کوکھوں۔
 ”میں ایک چھوٹے سے گلیاں مکان کے قریب سے گزرتی ہوئی

ایک طرف مہدی تو کسی سے کرا گئی اور ہم دونوں میں ہر جگہ پرے کرانے والا سمجھے یعنی زبان پر لایا گیا ہوا زمین سے مٹا کر توبہ کے بعد ایک آدم نکلتے۔ وہ جملہ روضی تو قریب پہنچنے کے سبب ہی اسے صفات دیکھ کر سخت تھی۔ وہ شخص بدلتا تھا اور زمین خود فعال کا مالک تھا۔ وہ شخص تینوں کاروائی لباس پہنے ہوئے تھا۔

میں نے دوبارہ آٹھنے میں جگہ ہی نہیں کی
نئی کاٹھا تھرن کے ایک ڈھیر کی طرف ہوا۔
دف کے ڈھیر کی جانب خور سے دیکھا اور پھر
کہنے لگے آگے بڑھا اس ایک مردود حالت کے
ڈھیر سے پہلے اس کے ہتھیار پھینک کر یا
کی مخالفت کا تھا۔

۱۔ اجماع تھا اور تیزی سے ایک جانب بڑھنے
 لگا۔ اہل علم نے اسے دانتے کی طرف متباد
 ل کر دیا۔ باوجود ان کے کہ کثرت میں نائی
 ہو کر کھانا کھا دیں اس کی طرف متوجہ ہو
 گئے۔ دیکھا کہ میرے قریب ہی ایک تہنی
 کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میرے سامنے

تھام میں لمبے لمبے سانس لیتی رہی اور نیم باز آنکھوں سے اُس جینی لڑکی کو دیکھتی رہی۔

۱۔ اجماع تھا اور تیزی سے ایک جانب دوڑنے

جینی لوکی جی تھی۔ وہ اس کی بہلوری کے ذکر سے کہے تھے۔
 میں نے خاد کو قریب سے دیکھا اور کہا۔ وہ قریب آیا تو میں بولی۔
 "تم اس کے پاس سو۔" میں نے جوش جینی لوکی کی طرف اشارہ کیا اور گیسے
 ہوئی تابلے اور یہ پانی وغیرہ مانگے تو بے دینا۔
 میرے الفاظ تھی ہوئے تھے کہ جینی لوکی کا بچہ ایک مرتبہ پھر
 زور زد سے رمنے لگا۔ درمیان میں دو چپ ہو گیا تھا۔ میرے کہنے
 سے پہلے ہی اس مقامی تھی نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور بہلانے لگا۔
 میں نے کہنے میں کو جودی میں سے ایک لیمپ اٹھالیا اور دونوں
 کی جانب بڑھی میں اس پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتی تھی جہاں کچھ
 دیر پہلے لا ملاجین ڈی ٹھہرا ہوا تھا۔ اسکان تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم
 ہو جائے۔

وہ لانی پڑی عمارت تھی اور اپنے طریقہ میرے کوئی قدیم سازگار
 معلوم ہوئی تھی۔ عمارت کے بیشتر کمرے بند تھے، میں نے انھیں مدتوں
 سے استعمال نہ کیا تھا۔ جو صرف دو تین کمروں سے اس عمارت پر ہوتا تھا
 جیسے ان میں کوئی رہ چکا ہو، مگر ان میں بھی کوئی ایسی نہ تھی۔
 میں نے اس کو جس سے کچھ لوکی شخصیت پر کوئی روشنی پڑ سکتی ہو یا کوئی خاص
 بات پتا چلا سکتی ہو۔ میں نے صرف ایک بات ضرور سوچی کہ ان کمروں
 کو پھر ڈر جانے والوں کو وہاں سے جانے کی زیادہ جلدی نہیں تھی۔ یہ
 اندازہ میں نے ان کمروں میں موجود کچھ سامان سے لگایا۔ بے ترتیبی ضرور
 تھی مگر ان میں بھی کچھ بڑا سا اندازہ لگایا جاسکتا۔ یقیناً سامان ہاتھ سے
 کام کمرن اور عینان سے کیا گیا ہوگا۔

تو جاپان ڈی اور اس کے ساتھیوں کو جینی لوکی کے جلنے کی پہلے
 سے خبر تھی؟ میں نے سوچا اور میری جی تو اس کے ہر اور صرف ایک شخص تھا
 یا کچھ؟ کیا وہ حملہ ہونے ہی کے منتظر تھے کہ حملہ بادر وہ حملہ آور سے ٹٹ
 کر فرار ہو جائیں؟

میں ان سوالوں کے جوابات کی تلاش میں سوچ کی اس منزل پر پہنچ
 گئی جہاں میں نے واضح طور پر ایک نتیجہ اخذ کر لیا۔ جین ڈی ہاؤس کے ساتھی
 کسی طور بھی جینی لوکی کے حملے سے باخبر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ ایک دن
 قبل ہی تو رہا ہے جینی تھی اور اس کے دال بچنے کی اطلاع غالباً کسی کو
 نہیں تھی۔ چوں کہ اس کے پاس جین ڈی کا بچہ جینا ممکن نہیں تھا کہ
 وہ باہر اور چھوڑی کو چھوڑ کر جین ڈی کی تلاش میں آئی تھی اس تک پہنچ
 جائے گی۔

میں اس عمارت کے آخری کمرے کا جائزہ لے کر ٹوٹ رہی تھی کہ
 اچانک میری نظر کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے جو تے پر پڑی
 اور میں چونک اٹھی۔

میں نے کہے میں پہنچ کر وہ جتنا اٹھالیا اور بت خود سے دیکھا۔
 وہ بتیوں کے جھڑپے جوتوں سے مختلف تھا اور اس جوتے کو میں

پہلے بھی دیکھ چکی تھی، اس جوتے کو بھی اور اس
 نے وہ جوتا سارے کے سارے پاؤں میں دیکھا
 اس نے ایک بار پھر کلاہ میں بھی میرے سا
 کر وہ پھینکی بھی آئی تھی۔

یہ گریا میرے اس شبیہ کی تصدیق میں
 میں جن ڈی کلاہ تھا اور یہ کہ سارے میں اور
 میرا ذہن ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا

کے ایک کمرے میں سوچ رہی اس بات کا
 آئی تھی اور صرف جی میں آئی تھی کہ
 گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو میں سوچ رہی
 تھی یہ بات تھا۔ تو پھر سارے کمال میں

ساتھ خود میرے سامنے فرار ہوا تھا
 سے فرار کر دیا گیا تھا؟ اگر میں بات
 تھی؟ میرے ذہن میں سوال
 میں نے جلدی جلدی ہندو

ان میں سے کسی کمرے میں موجود
 کٹریں چمچے دیکھ کر چھوڑ دیا تھا
 واقعی طول سے بند پڑے
 میں واپس پڑے کمرے میں

ایک تھکے کے سامنے نیم دراز
 میں نے عمارت کے کمرے
 تھا۔ اس دوران میں درگاہ کے کمرے
 پڑھ لیا تھا۔ وہ میری غیر موجودگی میں
 اور دھرا لیا تھا معلوم کا سامنے
 آدمی کی ملکیت تھی۔

پہلے کی اجازت دے دی تھی۔ انھوں نے
 ہمارے چلنے اور شک میں وہ رہا تھا
 پہلے رہا تھا کہ وہ جوتے میں رہا۔ وہ یقیناً
 یہاں پہنچا اور دوبارہ اس عمارت میں داخل ہونے
 کے لیے اسے میں بھی ضرورت تھی کہ قریب
 میں جن ڈی کلاہ تھا اور یہ کہ سارے میں اور
 میرا ذہن ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا

کے ایک کمرے میں سوچ رہی اس بات کا
 آئی تھی اور صرف جی میں آئی تھی کہ
 گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو میں سوچ رہی
 تھی یہ بات تھا۔ تو پھر سارے کمال میں

ساتھ خود میرے سامنے فرار ہوا تھا
 سے فرار کر دیا گیا تھا؟ اگر میں بات
 تھی؟ میرے ذہن میں سوال
 میں نے جلدی جلدی ہندو

ان میں سے کسی کمرے میں موجود
 کٹریں چمچے دیکھ کر چھوڑ دیا تھا
 واقعی طول سے بند پڑے
 میں واپس پڑے کمرے میں

ایک تھکے کے سامنے نیم دراز
 میں نے عمارت کے کمرے
 تھا۔ اس دوران میں درگاہ کے کمرے
 پڑھ لیا تھا۔ وہ میری غیر موجودگی میں
 اور دھرا لیا تھا معلوم کا سامنے
 آدمی کی ملکیت تھی۔

یہ کہ اگر وہ جینی عمارت کے خلاف کوئی سازش کر رہا تھا تو پھر سارہ اس کے
 ذہن کو پڑھ کر اس کے پاس میں کوئی واضح بات کیوں نہیں پاسکتی تھی؟
 کیا وہ خود بھی کسی غیر معمولی دھت کا حامل تھا؟ میں سوچتی رہی۔ سارہ
 جیسے غیر معمولی شخصیت تھکے والی لوکی سے اپنے باطن کو چھپانے بدلنے
 والا کوئی معمولی انسان تو نہیں ہو سکتا تھا!

اگر غیر معمولی کر دیا جا کر واقعی غیر معمولی ملاحظوں کا مالک تھا
 تو پھر سارہ کے ساتھ اس کا تہیہ کاسمی رکھتا تھا؟ اگر سارہ اسے اپنی سلاش
 میں ایک کاؤٹ نظر آ رہی تھی تو وہ آسانی سارہ کو راستے سے ہٹا سکتا تھا۔
 اگر ایسا نہیں تھا اور وہ سارہ کو اپنا طیف بنانا چاہتا تھا تو اسے سارہ سے
 قریب ہونا چاہیے تھا۔ سارہ کو ڈاکوؤں کے فیصلے کو انکار کرنے کی کوشش
 پھر اس کا سارہ کے سامنے آنے سے گریز ان سب باتوں کا کیا مقصد تھا؟

سوالا تھے ایک بار پھر میرے ذہن پر یروش کی کردی کو لیریرے
 پاس ان سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ میں نے ان سوالوں سے پریشان ہو
 کر اپنی توجہ جینی لوکی کی طرف مبذول کر لی۔ میں اس طرح ان سوالوں کو اپنے
 ذہن سے چٹک سکتی تھی۔ اس کا بچہ سو رہا تھا اور وہ دلچسپی سے میری
 اور عمارت کے مالک کی باتوں کو دہی تھی۔

"میں نے جن ڈی کے پاس میں جی رہا تھا وہ ٹھیک ثابت ہوا! وہ
 آخر کار تمہیں چھوٹ دے کر نکل گیا۔ میں نے جینی لوکی سے کہا اور کلاہ
 "اس پر تو میں نے تالو پایا تھا۔ جینی عمارت سے جواب دیا۔ میں نے
 اسے رائل کے نسلے پر بروکھ لیا تھا اور وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ میں اس وقت
 جو بھی کسمی ہو اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوا تھا عمارت کا ساتھی بہت بڑھاپا
 "اس کا ساتھی؟ میں حیرت سے بولی یہاں ذرا اس وقت ہستی
 کو فراموش کر چکا تھا۔

"جی ہاں دی جی جس کے پاس میں آئی آپ پچھ کر کہی تھیں؟ جینی
 لوکی نے مجھے یاد دلایا۔ میں نے جن ڈی کو جس کمرے میں گھس لیا تھا، وہاں میں
 کے اور میرے علاوہ اس وقت کوئی اور نہیں تھا۔ ان اس کے باجوہ میں نے
 پوری احتیاط برتی تھی۔ میں نے اپنی پشت کمرے کی دیوار سے لگا لی تھی اور
 میرا رخ کمرے کے دروازے کی جانب تھا کہ اگر عجب سے کچھ پر حملہ نہ کیا
 جائے اس کے علاوہ یہ کہ اگر جن ڈی کا کوئی ساتھی کمرے میں داخل ہو تو فوراً
 میری نظریں اٹھائیں اور میں اس سے ٹٹ سکوں۔ مگر اگلے روز اسے
 کوئی چیز اندر چھپائی گئی جو اچھلتی ہوئی کمرے کے ایک کونے میں چلی گئی۔
 صرف چند لمحے کے لیے میری توجہ اس شے کی طرف مبذول ہو گئی اور جن ڈی
 کے ساتھی نے انہی چند لمحوں سے فائدہ اٹھالیا۔ وہ لڑھکتا ہوا کمرے میں
 داخل ہوا اور اس کے ساتھ اس نے کچھ پر گولی چلا دی۔ میرے ہاتھ سے
 رائفل پھوٹ گئی اور میں بچنے کو سنبھالتی ہوئی ڈھیر ہو گئی۔ اس کی چلائی
 ہوئی گولی میری ران میں گھس گئی تھی۔ یہ کہ کردہ خاموش ہو گئی۔
 میں نے اسے ترچہ آئینہ نگاہ سے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں تھلا

612

کیے جا چکے ہیں۔

”اب آپ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں بانو! منتہی نے مسکرا کر کہا۔

میں نے سارہ کی طرف دیکھا جو نظر چڑا کر کھڑی تھی۔

”تو میرے دشمنوں سے مل گئیں! میں نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے سہلٹ لیجے لی کہا۔

سارہ نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مجھے اُس کی آنکھیں پیلے ہی کی طرح معصوم دکھائی دیں۔ نہ اُن آنکھوں میں دامت تھی نہ غصہ! مجھے یقین نہیں کہ اُنھارے سارہ میری دشمن ہو گئی ہے۔ سارہ جو غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی، دشمن کی حیثیت سے بہت خطرناک ثابت ہو چکی تھی۔ آخر اُس پر کیا جادو کیا گیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے دشمنوں سے مل گئی تھی!

”آپ غلط سوچ رہی ہیں بانو! میری سماعت سے سارہ کی آواز نہ گئی تھی۔ مجھ پر کوئی ٹھانڈ نہیں کیا گیا، اُس نے یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، پھر دسے وقت کے بعد بولی ”بانو! آپ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں آپ کی دشمن ہو گئی ہوں۔ دشمنی میری سرشت میں داخل نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنے آبائی وطن کے باشندوں سے بھدردی ہے۔ میں اُن کے دکھ میں ہر ایک شریک ہوں۔ جتنی باشندے میرے خیال میں مظلوم ہیں، اور مظلوموں کی حمایت اہمیت ہے۔ اس دوران میں مجھے بہت کچھ معلوم ہوا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ محترم دلال لاہور کی تبت داپسی ضروری ہے۔ اسی میں تبت اور اہل تبت کی بھلائی ہے۔ محترم دلال لاہور کی شخصیت نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے کہ اب تبت کے باشندوں کی طرح میری بھی یہی دلی آرزو ہے، محترم دلال لاہور تبت داپس آکر اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر حکومت کریں۔ اُسی طرح جس طرح وہ پہلے لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے، اسی دن کوں کے ساتھ تبت و غلظ کی فضائیں اور بیرونی مداخلت سے آزاد رہتے ہوئے۔“

”مگر سارہ چند دن پہلے تو تمھارے یہ خیالات نہیں تھے! میں نے اپنی طرف توجہ دلائی اور غلظ کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے سکون لیجے میں کہا۔

”بانو! چند دن پہلے میں تبت میں ایک اجنبی لڑکی تھی جسے تبت اور اہل تبت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، سارہ ایک طویل سانس لے رہی تھی۔ چند دن پہلے تک میرے صوف پہ احسانات تھے کہ تبت میرے والد کا وطن ہے، لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا گھر بھی

اسی ملک سے اُٹھا ہے۔ تبت جسے چھوڑ کر آئے، اب مجھے اُس پہ پھٹانے کی اہمیت والے دل کو اپنے آتما حرم دلال لاہور میں اُنھوں نے اپنے بھائی کو ایک خدا کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خطیر ہے جو اُن والے کا خطا بڑھ کر میں نے یہ جاننا کہ محترم طرح میں جیسے پہلی بقیہ پانی کے اُس خواہش کا صاف صاف اظہار کیا تھا کہ کوام میں لائے ہمارے محترم دلال لاہور کی کوشش کروں۔ یہ میرے والد کا احترام مجھ پر فرض ہے، آخری جملہ شدت جذبات سے بھرا گئی۔

”کیا تمھیں یقین ہے سارہ کہ وہ ۱۰۰ تھا؟ میں نے سننے کو شک دیکھ کر کہا۔“ میں اپنے والد کا طرز تحریر پہچانتی تھی۔

”کسی کے طرز تحریر میں جملی حیرت سارہ اُمیں نے تیزی سے کہا۔ میں نے سوچا کہ میں نے تبت کے محترم دلال لاہور سے نقلی نہیں۔ تم ایک نظر مجھے اپنے پھر میں ہو رہو میری ہی تحریر تمھیں نہیں حقیقت ہے۔“

سارہ میری بات سن کر غلظت بازو جب آپ وہ جملی تحریر میری طرف میں کیا ہو گا؟ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ پھٹنے کے کچھ اور معیار بھی رکھتے ہیں۔ اُس کا اشارہ ذہن بڑھنے کے

اور جیسی ہوئی نگاہ سے مننی کو گھر کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ سارہ کے سامنے میری بے بسی کا اشارہ ”منتہی! میں نے اُسے درست میں تھا کہ میرے سارہ کو نکال دس لڑکی کو دھوکا دے رہے ہو۔“

منتہی کی بجائے سارہ بل اُٹھ

”اے اہل معصوم ہے“ سارہ کے لہجے میں اُنھارے بعض ایک جملی تحریر سے دھوکا کھا لگا جواب دیا۔

”اُس کی تحریر میں کچھ اور بھی ہے“ میں نے گزشتہ چند دن میں نے جن لوگوں نے مجھے بہت اہم معلومات فراہم

کیا کہ تبت کے وہ معمولی باشندے تبت سے بھاگ جاتے ہیں۔ وہ چھوٹی اُس کی سولہا سال کی تھیں۔ حصول زر کے لالچ میں کہنے کہ وہ گناہ کا ہے میں یا قارب اُن کے ہمراہ آیا تھا، اور چن تری میں حکومت

والا دل دہ شرح میں سے تعلق رکھتا ہے۔ اُنھارے دماغی پھیلا نا ہے۔ وہ بغاوت کرتا ہے۔ بغاوت جس میں تبت کے بھولے بغاوت جو تبت کا مستقبل تار کی کڑے ال اور اُس نے کہا بانو! شاید آپ بھولے ہو کہ تبت میں کئی کئی لوگوں نے اُن کے ذہن میں کتب

تبت کا ایجنٹ سمجھتی ہوئے ہیں نے برصغیر کی میرا سنا تھی ہوا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر

اُس لیے بیان بھیجا تھا کہ آپ معلوم کریں کہ اُن کی اہمیت میں ہیں! سارہ نے تبت کے پیچھے ہوں تو آپ کے لیے یہ بات کہیں آپ ایسے حالات پیدا کریں کہ محترم اہل تبت چھوڑ دیں مگر شاید آپ کو یہ معلوم

سائن بورڈ کی طرح ہے اور اصل آدمی

جن تری ہے؟“ ”اور مجھ پر چن تری کے قاتلانہ حملے؟ اُنھیں تم کس خطنے میں دھوکا لگا؟“

”وہ خط معصوم آپ کو اُلجھا کر رکھے گا ایک بہانہ ہیں! سارہ نے جواب دیا۔

”موسم پر حملہ معصوم کوئی بہانہ نہیں ہو سکتا جبکہ وہ چینی حکومت کی نمائندہ تھی! میں نے ذہل سے سارہ کی تردید کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا، تاکہ اُس کا رد عمل جان سکوں۔

سارہ کے چہرے سے کسی قسم کی اُچھٹ کا اظہار نہ ہوا۔ وہ پُر سکون آواز میں بولی: ”باقی کسی بڑے مقصد کے حصول کی خاطر موسمی

کئی لڑکیاں قربان کی جاسکتی ہیں!“ ”تو تمھارے کہنے کا مقصد ہے سارہ کہ چینی حکومت کا بھیجا ہوا اصل آدمی چن تری ہے اور میری حیثیت تازی ہے تاکہ وہ لوگ میرے پیچھے لگ جائیں جو چینی حکومت کے خلاف ہیں۔ اِس طرح چن تری باسانی حصول مقصد کے لیے کوشش کرے؟ میں نے وضاحت چاہی۔

”ہاں بانو! حقیقت یہی ہے جس کا علم غالباً آپ کو نہیں تھا! سارہ نے تاکید کی۔

چند لمحے کوئی منٹے میں آگئی۔ یہ بات میرے ذہن میں جھانک چکی تھی کہ سارہ کو کیوں اغوا کیا گیا تھا! اُسے اغوا کر کے یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ چن تری، چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ اغوا کرنے والوں کے ذہن بڑھ کر سارہ کا چینی حکومت کے خلاف ہوجانا سمجھ میں آتا تھا اُن کا اپنا مقصد میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔ منتہی نے سارہ کو اسی لیے اُن ڈاکوؤں سے چھڑایا تھا کہ اُسے وہ جملی خط پڑھوانے ہے اُس کے باپ کا خط بتایا گیا تھا۔ اِس طرح وہ سارہ کو دھوکا دے کر اِس مخالف بنایا ہوا تھا، اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سارہ میرے مخالفوں کی دوست بن چکی تھی۔

”میں دھوکا نہیں کھا سکتی بانو! آپ پھر غلط خطا پر سوچ رہی ہیں! سارہ کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اور میں کچھ جھنجھلا مسی گئی۔ وہ کہہ رہی تھی: ”آپ چن تری کو سُر خرچین کا اشارہ سمجھ کر خود دھوکا کھا رہی ہیں!“

سارہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ میں نے دانستہ ایک غلطیات سوچی، مگر زبان سے کچھ اور ہی کہہ دیں بولی۔ میں تمھارے خیالات سے

متفق نہیں ہوں سارہ! ”
 ”جب کہ آپ کا ذہن میرے خیالات کو تسلیم کر رہا ہے باز! ” اس نے مسکرا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔
 میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ سارہ! کیا چن ڈی تمھارے سامنے آیا تھا؟
 ”نہیں“ اس نے جواب دیا۔ وہ محض اس وقت چند لمحوں کے لیے میرے سامنے آیا تھا جب مجھے ان کا کار بار تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ہاں اس کے ساتھیوں کے ذہن پر وہ کچھ غیر ضرور پانچل جاتا تھا کہ وہ اس پاس ہی منڈلا رہا ہے۔
 اس کا مطلب یہی تھا کہ چن ڈی کو کسی طرح سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا علم ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ سارہ سے دودھ دہا رہا تھا۔ میں نے ہنسی کی جانب دیکھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔
 میرے خیال میں یہ سارہ اکیل دی کھیل رہا تھا۔
 ”آزاد میرے بھائی کے پیچھے کیوں بڑگی ہیں؟ یقین کیجیے کہ وہ بالکل بے قصور اور معصوم ہے۔“ سارہ نے اس بار انگریزی میں کہہ کر معصوم تم بوسا رہ جو ذہن پر کبھی دھوکا کھادی ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ چن ڈی نے تمھیں کس لیے اغوا کیا تھا؟“ میں نے بھی انگریزی زبان کا سہارا لیا۔
 مجھے یہی بار سارہ کے چہرے پر الجھنے کے آثار نظر آئے، پھر اس نے کہا۔ چن ڈی شاید مجھے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا۔ کیا کسی مرحلے پر تم اس کے منصوبے کی سادہ میں مائل نہ ہو سکتی؟
 سارہ کا خیال درست ہے۔ میں نے ایک بار پھر دانستہ غلط سوچا اور زبان سے اپنے خیال کی تردید کی۔ مجھے اس کھیل میں لطف آئے لگا تھا۔ میں نے کہا۔ سارہ! یہ شخص تمھارا معروضہ ہے۔
 ”بلا! آپ یہ جان کر بھی کہیں ذہن پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، مجھے یوں غلط بات کرنی ہیں؟ آپ کا ذہن میری بات کی تائید کرتا ہے، مگر زبان سے آپ اختلاف کرتی ہیں!“
 ”خیر اس ذکر کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے یہاں لاکر کیوں بھنسا یا ہے؟“ میں نے اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے دوسری بات چھوڑ دی، اور اپنے ذہن کو دوسرے مسئلے میں الجھایا تاکہ سارہ اس کھیل کو نہ سمجھ سکے جو میں اس سے کھیل رہی تھی۔ وہ کھیل جو ذہانت اور ذوقِ ارادی کا کھیل تھا۔
 ”آپ کا خیال غلط ہے بلا!“ میں اس کی آواز سن کر چونک پڑی؟

کہیں وہ حقیقت تو نہیں جان گئی کہ میں مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس کے اگلے اظہاروں سے ہو گئی وہ کمر دی محض لاکر بھنسا یا نہیں بلکہ اس کا آپ کو اس حال شاید آپ کو میری اس بات پر یقین آئے کہ آپ کی اتنی ہی عزت و توجہ ہے جتنی تھلن سامان کے کہ چن کی طرف دروازہ چنڈا ساقیوں کی رہنمائی میں اس کا قلعہ کے ہر جائیں گی۔
 ”اور رضوان؟“ میرے منہ سے یہ سارا سارا وہ آپ کی طرف سے مالوس پر کر کے چاہیں تو اسے کسی طرح آپ کے پاس ہی بخیریت چین پہنچ سکتی ہیں؟ سارہ نے ہم اگر بقول تمھارے تم میری ہمہ گیر کیوں اٹھی ہوئی ہیں؟“ میں نے چپچپ کر ”اس لیے بلکہ میں بھی آپ کو کچھ نہیں بھائی ہنسی بھی جان چکا ہے کہ آپ کو راز پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا،“ اس نے مسکرا کر ”لیکن یہ نہ بھو دوسرا کہ مجھے دوبارہ لگے گی۔“ میں نے مضبوط اور پرامن لہجے ”مجھے معلوم ہے بلا، مگر میں یہ بھی اس لگ جائے گی کہ توجہ پر سے چینی اقتدار لاکر کو ان کا جائز مقام ملی جائے۔“ سارہ ممکن تھا کہ میں سارہ سے کچھ اور گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں ہلکا سا ہونے تو مدد کی قریب ہوئی اور گولی میں داخل ہوا۔
 ”کیا بات ہے؟“ ہنسی نے اس نے ”چن لاکر کے آدمیوں نے ہم کو چھوٹے ہوئے ماسٹروں کے درمیان پانچا مامور تھا، انھوں نے اسے بھی ختم کر دیا۔“ ہنسی کے چہرے سے بدحواسی اور ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے ہر

ایسی جلدی یہاں پہنچ جائیں؟“ سارہ ہنسی کے ہر لہجے میں ”میں نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے کانام رضوان ہے، اسے تم نہیں سمجھ سکتیں۔“ میں نے دھوکا کھائی، مگر رضوان ملحق نہیں تھا۔ میرا اتفاق کیا ہوگا، اور یہ کہ وہ بردقت کے باہر رضوان کی آواز گونجی۔ سارہ اپنے ہاتھ پر ایک دیں۔ ان کے فرار ہونے کا صرف ہاتھ قبضے میں رہے۔
 ”میں اس بات کی بھی ناکارہ اس کی بات سمجھ کر ان کی جواب دینے کی بجائے ہنسی سے بولی۔
 ”کیا جانے؟“
 ”میرا نگاہ سے مجھے دیکھا، اور بلا لہجہ ہم بری نگاہی اور بالوں کی سلامتی کا خیال نہ ہوتا تو اسے میں سوچا جا سکتا تھا۔ اس کو شش میں رہا۔“ مگر حقیقت یہ کہ۔
 ”میں کبھی ہو گئی۔“ سارہ نے کہا، پھر اچانک وہ ہر جوش اپنے میں بولی۔ ”کیوں نہ ہم بالوں کو میں کوئی ہم پر حملہ نہ کر سکے گا۔“
 ”تو ہے سارہ؟“ یہ کہتی ہی ہنسی نے اپنی ہاتھ کی گھبراہٹ سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتی۔
 ”سارہ نے جرح کر کے کہا۔ سنو رضوان! کوئی غلطی نہ ہو رہی ہے۔“
 ”اگر یہی میں ادا کیا تھا، پھر اس نے تقریباً ہلکا۔ اس بار سارہ کے مخاطب چن لاکر کے ہاتھ میں مال کی نزاکت سے آگاہ ہوا تھا۔
 ”اس کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا مجھے ہنسی کے ہاتھ کی طرف سے مجھے میں لیا ہوا تھا، اور ان کے ہاتھ میں ہنسی۔ سارہ بھی اس حلقے میں ہاڈ اشارہ چھو جینی، اور اس بار بھی اس

نے اپنے الفاظ انگریزی اور ہنسی زبانوں میں دہرائے۔
 میں ان لوگوں کے گھیرے میں کمرے سے نکل کر دوسرا کمرہ غلطیلا۔ رضوان یقیناً سارہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے عمارت سے باہر نکل گیا تھا، اور اپنے ہمراہ چن لاکر کے آدمیوں کو بھی لے گیا تھا۔ وہ غالباً اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسے خطرناک حالات میں دھمکیاں بونی نہیں ہوتیں۔ اس نے عمارت سے باہر نکل کر مسجد ادبی ہی کا فروت دیا تھا۔
 میں آہستہ آہستہ رافعلوں کے گھیرے میں مختلف کمرے سے گزرتی ہوئی عمارت کے مضبوط دروازے تک پہنچ گئی۔
 عمارت کے دروازے پر رضوان موجود تھا، اور چن لاکر کے مسلح فوجیوں کا ایک دستہ جا ہوا تھا۔ فوجیوں کی رائفلیں دروازے کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، اور قریب ہی ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔
 ”تم لوگ دروازے سے ایک طرف ہٹ جاؤ!“ سارہ نے ہنسی زبان میں فوجیوں کو مخاطب کیا، پھر انگریزی میں رضوان سے مخاطب ہوئی۔ رضوان! تم یقیناً یہ نہیں چاہو گے کہ وطن سے سینکڑوں میل دور بلا کا خون ہے، اس لیے پیچھے ہٹ جاؤ! تم دروازے سے الگ، ایک طرف ہو جاؤ۔“
 مجھے رضوان کے چہرے پر الجھنے اور بے بسی کے آثار نظر آئے اور اسی وقت اس مسلح فوجیوں کے سالار نے رضوان سے کچھ کہہ کر غالباً انگریزی بولنا اور سمجھنا جانتا تھا۔ رضوان نے اشارت میں سر ہلادیا۔
 فوجیوں کے احقر نے انھیں حکم دیا کہ وہ دروازے کی داییں جانب ہو جائیں، پھر وہ خود بھی رضوان کو ساتھ لیے پیچھے ہٹ گیا۔
 فوجیوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی ایک طرف کر لیا تھا۔
 فوجیوں کے دروازے سے ہٹتے ہی مجھے سے آگے بڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے قدم اٹھایا۔ ہنسی اور سارہ میرے پیچھے پیچھے تھے اور اب حلقے نے نیم دائرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اب میرے آگے ہنسی کا کوئی مسلح آدمی نہیں چل رہا تھا بلکہ وہ میرے دائیں بائیں ہو گئے تھے۔ ہنسی اب بھی میری پشت پر رائفل کی نال رکھے ہوئے تھا، اور اس کے مسلح ساتھی بھی میری ہی جانب رائفلیں تانے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ضرورت پڑنے پر ہنسی مجھے سے درج گولی مار سکتا تھا، اس لیے میں غیر مزودی ہمدردی سے اجتناب کر رہی تھی۔
 مجھے کسی ایسے موقع کی تلاش تھی کہ رضوان اور چن لاکر کے ساتھیوں کو کچھ کرنے کا وقت مل جائے، مگر ابھی تک مجھے کوئی ایسا موقع

نہیں ملا تھا۔

منی اور سارہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ مجھے لیے غارت سے باہر نکل گئے اور پھر گئے۔

”سارہ! ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ ہلکا تعاقب بھی کر سکتے ہیں، میں نے منی کی آواز سنی۔“

چننے کی خاموشی کے بعد سارہ کی آواز ابھری۔ اور میں بھی یہاں سے فرار ہونے کے لیے گھوڑے پاہیں۔ میرے خیال میں ایک تیرسے دو ٹھکانے جاسکتے ہیں۔“

”میں محتار مطلب نہیں سمجھا، منی کے لیے جس حیرت شال تھی۔“

”یہ اسی لیے تو منی ہوں کہ تم بہت بھولے اور معصوم ہو، مگر بالیقین میں نہیں کرتی۔ سارہ کی آواز میں خوشی تھی لہذا مجھ میں اتنی سانس کی بات نہیں آئی کہ ہم فوجیوں سے گھوڑوں کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں؟“

اور پھر سارہ نے دبی کیا جو کہا تھا۔ مجبوراً رضوان کو اس کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دینا پڑا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مطالعہ پورا کرنے کے باوجود بھی فوجیوں کے پاس گھوڑے بچے رہے تھے، کیونکہ ان کی تعداد منی اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ تھی۔ رضوان نے بھی شاید یہی سوچ کر سارہ کا مطالبہ مان لیا تھا۔

منی اور اس کے ساتھیوں نے ہوشیاری کے ساتھ گھوڑوں کی لگائی تھام لی تھیں، اور اس دوران میں بھی مجھے یار رضوان کو کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

”سارہ! آخر تم کیا چاہتی ہو؟“ رضوان کی بلند آواز سنائی دی۔ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم اور ابو تبت سے چلے جاؤ، اور ہمیں اپنے جھگڑے خود بخود دے دو، سارہ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔ ”تو پھر بازو کو چھوڑ دو، ہم واپس چلے جائیں گے، رضوان کی آواز پھر سنائی دی۔“

سارہ ایک قدم آگے بڑھ کر میری دائیں جانب آگئی۔ اب میں اس کے چہرے پر پھر نئے دالے تاثرات کا جائزہ لے سکتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، اور وہ رضوان کی جانب دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ رضوان! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں تمہیں اور بازو کو چھٹی طرح سمجھ چکی ہوں۔ تم سے بخوشی کوئی ایسی بات نہیں

سنائی جاسکتی جو تم دونوں کی مرضی کے رخصت کرنے کا احتیاط خود ہونے کی باتیں کی جس طرح ہم چاہیں گے،“

رضوان، سارہ کی جانب سے بازو ”بازو! آپ ٹھیک تو ہیں؟“

”ابھی تک تو ٹھیک ہی ہوں، میں جواب دیا۔“

”اور آئندہ بھی ٹھیک ہی رہیں گی،“ سارہ نے اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دیا کہ وہ کہیں ہر موقع مل سکے گا۔“

اسی وقت منی نے اپنے ساتھیوں اور میں نے دیکھا کہ وہ چترم زون میں اپنے سوار ہو گئے۔ سارہ، منی اور میں ابھی منی کے گھوڑوں پر سوار ساتھیوں کی رائفلوں کا مطالعہ بھی گھوڑے پر بیٹھ

”بازو! آپ ابھی گھوڑے پر بیٹھنا چاہتے ہو؟“

”میں نے لگا تھا کہ لی۔ منی ایک اور اس نے اپنی رائفل میرے پیٹھ کی

سوار ساتھیوں نے ایک بار پھر نرم اور ادھر سب میری ہی جانب تھک گئے تھے کہ ان پر فوجیوں کی طرف سے حملہ کی طرف سے قطعی لا پر داخلہ آئے تھے۔ سارہ متوجہ تھی۔“

میرے دیکھتے ہی دیکھتے منی اور ہونٹوں میں پہلے ہی اس گھوڑے پر بیٹھ منی نے تھام لی تھی۔ میرے گھوڑے، مکمل دائرے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ منی نے آگے بڑھ کر وہ راہ مدد دے کر دی تھی

سکتا۔ اب میرے دائیں بائیں منی اور چاروں طرف منی کے مسلح ساتھیوں کے

منی اور اس کے ساتھیوں کی ایک لمبے کو بھی ان کی توجہ میری طرف مجھے اگر کوئی اطمینان تھا صرف

کرنا چاہتے تو اب تک میں زندہ نہ ہوتا۔ نکلنے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید سارہ نے کیا تھا کہ مجھے ہلاک نہ کیا جائے اور زبردستی اٹھائے۔“

سارہ اس وقت وہ لوگ رضوان اور فوجیوں کو تھامیں، لیکن جب وہ رضوان اور فوجیوں کو لپٹا، مطمئن ہو جائیں گے۔ اس کے بعد غالباً

وہ ہونے کا موقع مل جائے گا۔ مجھے علم تھا کہ رضوان اور فوجیوں کے ذہن پر پڑھنے میں

میں آواز دی کے ساتھ سوچ سکتی تھی۔ ”میں نے سارہ کو مخاطب کیا۔“

سارہ نے جواب دیا۔ رضوان سوچ رہا ہے، انا تب کرے گا، کیونکہ ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہے۔“

”میں ابھی نہیں دیکھا جاتے کہ وہ اپنے اپنے“

”میں نے منی کی طرف سے پوچھ لیا۔“

”میں سمجھتی تھی کہ تم کی طرح سوچ رہے ہو، سارہ“

”میں ابھی نہیں دیکھا جاتے کہ وہ اپنے اپنے“

”میں نے لگا تھا کہ لی۔ منی ایک اور اس نے اپنی رائفل میرے پیٹھ کی

سوار ساتھیوں نے ایک بار پھر نرم اور ادھر سب میری ہی جانب تھک گئے تھے کہ ان پر فوجیوں کی طرف سے حملہ کی طرف سے قطعی لا پر داخلہ آئے تھے۔ سارہ متوجہ تھی۔“

میرے دیکھتے ہی دیکھتے منی اور ہونٹوں میں پہلے ہی اس گھوڑے پر بیٹھ منی نے تھام لی تھی۔ میرے گھوڑے، مکمل دائرے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ منی نے آگے بڑھ کر وہ راہ مدد دے کر دی تھی

سکتا۔ اب میرے دائیں بائیں منی اور چاروں طرف منی کے مسلح ساتھیوں کے

منی اور اس کے ساتھیوں کی ایک لمبے کو بھی ان کی توجہ میری طرف مجھے اگر کوئی اطمینان تھا صرف

میں نے سارہ کو مخاطب کیا۔“

مگر منی کے ساتھیوں نے پھر ہوائی فائرنگ کر کے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ وہ چوڑی لگی ریلوں پر تھی۔ بہت جلد اس لکڑی سے نکل کر گھوڑے ایک چھوٹی سی سڑک پر آگئے۔ اب ان کی رفتاریں بہت تھکی۔

ایک دوسرے پر پہنچ کر تمام گھوڑے رک گئے۔ پھر وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ منی ایک گروہ کا سربراہ بن گیا اور سارہ دوسرے گروہ کے ساتھ ہو گئی۔

”تم اب اس میں کے لیے تمام آوازوں کی طرف روانہ ہو جاؤ،“ منی نے سارہ کو مخاطب کیا۔ ”میں بازو کو قافلہ والوں کے خوالے کے کمرے سے اٹھوں گا۔“

سارہ نے اشیات میں سر ہلایا، پھر مجھے سے بولی۔ ”بازو! آپ کے خلوص اور ایک منی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ میں آپ کی دشمن نہیں۔ آپ اپنی داستان میں تبت کی تبت کی تبت کی لیے جو کچھ کریں ہیں، وہ تبت اور اہل تبت کے حق میں نہیں مگر پھر بھی میں آپ کے خلوص پر شبہ نہیں کرتی۔ کاش آپ اہل تبت کے مسائل کو سمجھ سکیں اور ملحق حکومت کا ساتھ چھوڑ کر پہلی صفوں میں آجائیں۔ یہ کہہ کر وہ مجھے بھڑکائی پھر بولی۔ ”بازو! کیا جواب

زندگی کے کسی ٹوڈ پر آپ سے ملاقات ہو جائے، اس لیے اگر میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کر دیجئے گا۔“

سارہ کے لیے میں دوستی، خلوص اور جاہلیت کی شٹاس تھی۔ میں خود بھی اس کے لیے کوئی برا جذبہ نہیں رکھتی تھی، اس لیے جواب میں نے بھی خصوصی انداز میں ہاتھ ہلایا اور کہا۔ ”مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں سارہ، تم حالات کے جبر کا شکار ہو۔ تمہیں فریب دیا گیا ہے، اور ایک دن میں یہ بات ثابت کر دوں گی۔“

میری بات کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا، اور مسکرا کر ہاتھ ہلاتی ہوئی اپنا گھوڑا آگے بڑھالے گئی۔ اس کے پیچھے منی کے نصف ساتھی بھی چل دیے۔ وہ دو دو لگے ہوئے بار خلو توں میں ایک ساتھ دھڑکے تھے، مجھڑا ہو گئے۔ انہیں جدا ہونا ہی تھا کہ ان کی راہیں مختلف تھیں۔

کچھ دیر بعد سفرو دوبارہ شروع ہوا۔ اب ہمارا سیلابی پچھ رہ گئی تھی۔ منی کے نصف ساتھی جا چکے تھے، اور سب سے اہم بات یہ کہ سارہ بھی چلی گئی تھی۔ وہ سارہ جس نے میری سوچ تک

ایک نظر رضوان اور مسلح فوجیوں کی جانب سے پھر گھوڑے کو آگے

میں شاید پیدل ہی تعاقب میں آسے تھے،

ایک نظر رضوان اور مسلح فوجیوں کی جانب سے پھر گھوڑے کو آگے

میں شاید پیدل ہی تعاقب میں آسے تھے،

ایک نظر رضوان اور مسلح فوجیوں کی جانب سے پھر گھوڑے کو آگے

میں شاید پیدل ہی تعاقب میں آسے تھے،

ایک نظر رضوان اور مسلح فوجیوں کی جانب سے پھر گھوڑے کو آگے

پر ہر سے بٹھا لئے تھے۔ اب اس اذادی سے سوچ سکتی تھی، اور اپنی سوچ پر عمل بھی کر سکتی تھی۔

ہر چند کہ موتی اور اس کے ماحق اب بھی چوکتا تھے، لیکن اب کم تعداد جانے کے سبب وہ حملہ نہیں بنا سکتے تھے۔ موتی میرے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ شاید اسے ڈر ہو کہ میں گھوڑا بھاگ کر نہ نکل جاؤں۔

میں نے صورت حال کا اندازہ لگایا۔ ذرا میں غصہ تو تھا، مگر اب میرا غرور ہٹا، ناممکن نہیں رہا تھا۔ موتی سمیت اُن کی آمد پر تھی۔ میں اس امکان پر غور کر رہی تھی کہ مجھے اپنے گھوڑے سے اچھل کر موتی کے گھوڑے کی پشت پر پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ اب میں اُن کی چال خود اسی پر آزمانا چاہتی تھی۔ موتی یقیناً اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اُس کے گھوڑے پر پہنچ کر اُس کی دھما سی سے نالغہ اٹھاتے ہوئے اُس سے رافٹل چھین لینا خطرناک ٹھیک تھا، مگر میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں اسے بر قات بنا کر اُس کے ماتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتی تھی جو اس نے اور مارے، رنخوان اور چن لاور کے معج ذبیحوں سے روا رکھا تھا۔ مجھے بس موتی کے برابر چلنے ہوئے ایک دم گھوڑے کی باگیں کھینچنا تھیں، تاکہ میں نہ گھوڑا اُس کی تند آگے بڑھ جائے، اور ہر فوراً ہی اُس کی پشت پر پھلانگ لگا دیتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اندازے کی ذرا سی بھی غلطی میری موت کا سبب بن سکتی تھی، لیکن موت سے میں کبھی نہیں ڈرتی تو اُس دن کیسے ڈر جاتی!

جس وقت میں یہ سوچ رہی تھی، اُس وقت اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ یہ فلتل میرے ذہن میں بہت دن سے تھی اور اس وقت یہ فلتل دوبارہ برسرِ قوت تھی۔

مجھے اس بات پر پورا یقین تھا کہ موتی، سارہ کو دھوکا دے رہا ہے، اور یہ بھی میں ابھی طرح جانتی تھی کہ سارہ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ میرے ذہن میں فلتل یہ تھی کہ سارہ، موتی کے باطن سے آگاہ کیوں نہ ہو، کیا موتی بھی کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے کہ اُس نے سارہ سے اپنا باطن چھپا لیا، میں موتی پر حملہ آور کرنے سے پہلے اپنی یہ ذہنی فلتل دور کر لینا چاہتی تھی، اور اس کا مفروضہ یہی راستہ تھا کہ میں موتی کی زبان کھلا سکوں کسی کی زبان کھلوانے کا مفروضہ ایک ہی طریقہ نہیں کہ اُس پر تشدد کیا جائے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ناکام ہو جاتا ہے۔ زبان کھلوانے کے اور بھی بہت

طریقے ہیں، اور میں وہ طریقہ جانتی گھوڑوں کی دھماکا پر زیادہ تیز سے بات کرنا شروع نہیں تھا۔

”موتی! اُم نے مجھے سارہ سے کہا، اُس کی طرف پُرسش ننگا سے دیکھے، موتی کے چہرے پر حیرت کے آثار جیسے وہ میری بات کا اصل مقصد سمجھ گیا۔ میں دوبارہ بولی: ”اس میں شک ہے، مگر تمہاری

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ہوں“

”میں نے جو کچھ کہا ہے موتی، اُسے میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے، مجھے حقیقت بتانے میں کوئی عرصہ نہیں

زیرِ کشتی نکالے دے رہے ہو“

”ہاں! اطمینان کا تعلق ذہن سے کہلوں اور دھوکے کو الگ الگ ٹھکانے

”آپ کا یہ خیال ٹھیک ہی ہے اور کوئی حرج نہیں ہوگا۔ آپ بہر حال

آپ کی اور سارہ کی ملاقات کا کوئی راستہ

جائے تو مجھے یقین ہے کہ آپ اس وقت میری طرف سے برجستہ ذکرِ باطن کی

کرے گی، کیونکہ موتی کسی بھی گویاں نہیں آخر کار میں اُس کی زبان کھلاؤں گا سوچ کر مجھے خوشی ہوئی، اور میں نے ا

ماتحتوں سے نالغہ اٹھانا چاہتا تھا، اور اس میں اُن کی بہن کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا

اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اسے

”اُم! اپنے خیالات کا اظہار بعد میں کروں گا۔ اسے خیالات سے اتفاق کروں! میں نے اُسے

”اُم! میں یہ جاننے کے لیے مضطرب ہوں کہ کیا تم

”اُم! حقیقت کے مالک ہو“

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

”میں ابھی اگ میں تپے ہوئے کوہے کی مانند

اغا کے ہمارے سارہ کو اُن لوگوں کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کا موقع دیا گیا تھا، تاکہ سارہ اُن کے ذہن پڑھے اور چن لاری کو سُرخ چین کی بجائے ماؤ زے تنگ کے چین کا بھینٹ کھجے جس کے بعد سارہ کو جان پھیل کر ڈاکوؤں کے چنگل سے نکال لایا۔ مجھے سارہ سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پڑی، اور وہ میری ہم خیال ہو گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سارہ یہ سمجھتی ہے کہ اُس نے مجھے اپنا ہم خیال بنایا ہے، اور میں جو کچھ کر رہا ہوں، اُس کی اپنا کر رہا ہوں“

موتی خوش نظر رہا تھا، اور بات بھی واقعی خوشی کی تھی۔ اُس نے ایک کھن کا کام آئی آسانی سے انجام دے لیا تھا۔ مجھے اُس کی ذہانت کا اعتراف کرنا پڑا۔

”تم واقعی بہت ذہین چومتی!“ میں نے کہا، پھر قدرے تیز لہجے میں سوال کیا: ”کیا مومو چمکے کی جوڑ بھی تمہاری تھی؟“

میری بات سن کر اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ مجھ سے نظر اُٹانے لگا، پھر چند لمحے بعد بولا: ”چن لاری نے یہ حرکت میری مرضی کے خلاف کی تھی اور میں نے اُسے دانا بھی نہیں دیا“

”چن لاری تمہیں کب اور کہاں ملا؟“ میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

موتی نے میرے سوال کا فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں کچھ بتائے یا نہیں! پھر غائب اُس نے، یہی فیصلہ کیا کہ مجھے کچھ بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں

”ہم چین حکومت کے خلاف ایک عرصے سے بغاوت پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں،“ موتی بولا، ”میرا مقصد یہ ہے کہ ہمارے

مختار رہنما دلائل لاور دوبارہ تہت آجائیں۔ یہ ایک بڑا کام ہے۔ اس سلسلے میں میں جہاں سے بھی مدد ملتی ہے حاصل کر لیتے

ہیں۔ سُرخ چین نے پہلے ہمیں مالی امداد دی، پھر کھوڑے بہت بھجوا دیے، جیٹ حکومت کے جاسوس ہیں، قدم قدم پر نقصان پہنچا رہے تھے۔ ہمارے پاس اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے تربیت یافتہ لوگوں کی کمی تھی۔ ہم نے اس میں سُرخ چین سے درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ سُرخ چین نے ہمیں

چن لاری اور اُس کے کچھ ساتھیوں کی خدمات مہیا کر دیں۔ اس کے علاوہ سُرخ چین نے ہمیں ایک اور اہم سہولت فراہم کی۔ اب ہم جیٹ حکومت کے جاسوسوں سے پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا ہے۔ میں اُن کے بارے میں پہلے ہی اطلاعات

نہل جاتی ہیں۔ ان اطلاعات سے ہمیں زیر دست فائدہ ہوا ہے۔ ہم نے بہت محنت سے عرصے میں اپنے علاقے کو چھٹی جاہل اور چین کے طبع مقامی باشندوں سے صاف کر دیا ہے۔
منتی تعلیمات سے آگاہ کرنا اور میں سوچتی رہی کہ اگر اس کی زبان کھلوانے کا فیصلہ کرنے کی بجائے، پہلے ہی اس پر حملہ کر دیتی تو کتنے گھٹائے میں رہتی! ایسی صورت میں مجھے بہت سی اہم باتیں معلوم ہو جاتیں۔
منتی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا: "جن ٹری سے میری پہلی ملاقات لہاس میں ہوئی تھی؟"

"مرکز چین والوں نے تمہارے پاس چین ٹری کی ایک تصویر بھی بھیجی تھی تاکہ تم اسے شناخت کر سکو۔" میں نے اپنے ذہن میں واقعات کا تسلسل جوڑتے ہوئے محض تیس سے کہا۔
"وہی تصویر جو تم سے چکوری کی درگاہ میں لگ گئی تھی، اور بعد میں تم نے اس تصویر کو حاصل بھی کر لیا تھا!"

"ہاں وہ تصویر چین ٹری کی تھی، اور آپ کا یہ خیال بھی درست ہے کہ وہ تصویر مجھے مرکز چین ہی کے ایک ایجنٹ سے ملی تھی۔" منتی نے میرے خیال کی تائید میں کہا، پھر یوں کہ جب بڑے لامرہ مجھ سے اس تصویر کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اس لیے وہ تصویر پیش نہیں کیا ہوں تو وہی کہ چین ٹری سے براہ راست میری کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔"

"جب تم وہ تصویر دیکھ ہی چکے تھے تو اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" یہ سوال میں نے اس لیے کیا کہ اس تصویر کے پیچھے درج ہندسوں کی معنویت سمجھ سکوں۔
"اس تصویر کی پشت پر ایک اہم تاریخ درج تھی، اس لیے اسے حاصل کرنا ضروری تھا۔"

منتی کے جواب نے مجھے چونکا دیا۔ کیا دلائل لامرہ کے تحت ہونے کی تاریخ بھی مقرر کی جا چکی تھی؟ کیا موبہ کھام میں قلم لکھنا بغاوت کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں؟ میرے ذہن پر پنے در پنے مختلف سوالوں نے پورسش کر دی۔
"بڑے لامرہ نے وہ تصویر بھی دیکھی تھی، اور اس کی پشت پر درج تحریر بھی، مگر وہ کوئی تاریخ نہیں پڑھ سکا تھا!" میں نے مزید وضاحت چاہی۔
"وہ تاریخ کوڈز و ڈیز میں تھی۔" منتی نے بتایا۔

"تو دلائل لامرہ کو واپس لانے کی تمام اچھی باتیں، لیکن ہم بہت جلد تیار اب موت آخری مرحلہ رہ گیا، لیکن بانو! کی وضاحت نہیں کروں گا۔ وہ میری ہلکا کر بولا۔
"منتی! یہ اچھا نہیں ہوگا۔ بہت اچھا جائے گا۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
"آزادی حاصل کرنے کے لیے تمہیں بانو! منتی کے لہجے میں غم تھا۔
"تبت اب بھی غلام نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں۔" میں نے پرجوش آواز میں کہا۔
پھر پھر ہنسنا شروع کر دیا۔ اس پر میرے کچھ نہیں ترقی کی دور میں کتنا پیچھے رہ گیا ہے؟
"ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ چین کے حلقہ اثر میں رہے۔ اگر آج بھی پھر میں تو اس کا یقین یقیناً غلطی کہ خواہ وہ غلامی مرکز چین کی ہو یا بھلا ملک کی! تبت کے ساتھ چین کا دورہ ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ملک اسٹاڈا "ہم اپنے دوست ملکوں کی مدد سے ڈال دیں گے۔" منتی نے اپنی دانست میں "منتی! کوئی بھی ملک بغیر غرض کے لیے بہتر یہی ہے کہ چین سے مخالفت مول سے مل کر ہو۔ تبت چاہے تو چین سے بہت کہ "مجھے بھی ہوتا ہے تبت میں قہر دلائل لامرہ! ہم اپنے عظیم رہنما کو جلاوطن کی تکلیف دہ دیں گے۔" منتی جوابی ہو گیا۔

جہاں معاملہ جذبات کا ہو، وہاں عمل میں، اس لیے میں نے مزید کچھ مناسب نہ کیا۔
"اچھا تو اب یہی صاف صاف بتاؤ کہ بائیں میں کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے اس اب مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ واقعی مجھے چین ہی میرے سوال پر منتی نے مجھے شکار کر دیا اس کے ساتھ نہیں کہ واقعی آپ کو چین دلائل

کہ حق میں نہیں، اور میں بھی واقعی طور پر یہی کہنے لہاں تھا۔ اس کا کافی ہے کہ آپ کو یہاں سے بڑی کے کسی قافلے کے ساتھ آپ کو چین بھیجے۔
"اے! اس کے دو ساتھی آپ کے ہمراہ جائیں گے۔ اسے نوٹ کر دے آجائیں۔ چین سے آپ اپنے ہاتھ اب تبت واپس آنا یا یہاں ہوگا، کیونکہ اس میں ہر ایک ہوں گے۔"

میں نے جواب دیا، پھر یوں کہ "چین ٹری نے ہمارے آپ کے کسی حکم کی پھر پھر نہیں دیکھنے کی کوشش کرے گا۔"

اردو ۱۱ میں نے ہنس کر طنز لہجے میں کہا۔
"انہیں دے سکتا ہوں!، منتی بڑا اعتماد بڑا۔
"چین ٹری کو سمجھ جاتی تھی، وہ بہت عیار اور بات دعوے سے کہہ سکتی تھی، کیونکہ میں بڑھ چکا ہوں، مگر اس سلسلے میں منتی سے منتی کو چین ٹری پر اعتماد تھا، اور اس اعتماد کے پہلے وہ چین ٹری کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔
"طوالت حاصل کرنی تھیں وہ حاصل ہو چکی تھیں۔ اب وہ مجھ اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق منتی کے ہاتھ میں نے پہلے اطراف کا جائزہ لیا۔ جس اور رہے تھے، وہ مریک کچھ فاصلے پر ایک کمانہ ساتھ وائیں جانب ہو گئی تھی۔ میں نے کہاں بڑھتے ہیں منتی پر حملہ کر دوں گی۔
"کہ قریب آنا جا رہا تھا، میرے اعصاب کشیدہ تھے۔ پھر موڑ کے قریب پہنچ کر میں نے جیسے ہی دیکھا اگلیں کھینچا چاہیں، میرے ذہن کو ایک

دلائل کی آڑ میں تقریباً ایک درجن کے گھوڑوں اور ان کے دافلوں کے رخ میری ہی طرف اٹھتے ہوئے ایک گھوڑا سوار سب سے آگے تھا جسے میں نے اس کے چہرے پر نظر پڑے ہی میرا خون کھول کھلا

وہ چین ٹری تھا۔ میرے اور اس کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔ چین ٹری کی دوسری میں پہلے جانے کا مطلب ایک یقینی موت تھا جسے شاید کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔
مصلحت اور احتیاط کے لئے گزر چکے تھے۔ میری رگوں میں بجلیاں سی کو نہر کی تھیں۔ موت اور زندگی کا کھیل میرے لیے یہاں نہیں تھا۔ یہ کھیل میں نے بار بار کھیلا تھا۔
میں نے اپنے گھوڑے کی نگاہ کھینچی اور اس کے ساتھ میرا جسم ہوا میں اٹھلا۔ منتی کا گھوڑا ایک قدم آگے بڑھا، اور پھر نصف ایک گز کی دھماکے سے گونج اٹھی۔ چین ٹری کی جلائی ہوئی ٹوٹی میرے سر کے اوپر سے گزری اور میں منتی کی پشت پر پہنچ گئی۔
"گولی نہ چلاؤ! آمق آؤ!، منتی جیٹا، اور اس کی ٹانگوں نے اس کے گھوڑے کی پشت پر پہنچ کر اس کی ٹانگوں پر ہاتھ ڈال دیا۔ منتی نے اپنا گھوڑا روک لیا اور اس کے ساتھ آگے نکل گئے۔
منتی کا گھوڑا میرے اوپر سے پدا اور اس نے زور سے ہنسنا کہنے دوڑوں اگلے پاؤں اٹھا دیے۔ منتی نے گھوڑے کی پشت سے نیچے گر جانے کے خطرے کو فوراً محسوس کر لیا، اور گھوڑے کو ایک ہاتھ سے قابو میں کرنے لگا۔
میرا ایک ہاتھ منتی کی ٹانگوں کے پیچھے میں مصروف تھا، اور اپنا دوسرا ہاتھ میں نے اس کی کمرس ڈال دیا تھا۔ تاکہ میں گھوڑے کی پشت سے نیچے نہ گر جاؤں۔
منتی کی توجہ دو طرف بٹ گئی تھی۔ ایک طرف وہ بد کے ہوئے گھوڑے کو سنبھال رہا تھا، اور دوسری طرف وہ جیتا جیتا کر رہا تھا کہ میں اس سے ٹانگوں کا جائزہ لیتا ہوں۔
"اگلی۔ میں نے رائفل کی نال اس کے سر پر رکھ دی، اور پھر کان کی "منتی! اپنے ساتھ دو! اور چین ٹری سے کوئی کہہ دے پھر ہٹ جائیں ورنہ میں تمہاری گھوڑی میں سوار رخ کر دوں گی!"
"بانو!، منتی کے لہجے میں احتجاج تھا۔
"میں تم سے جو کہہ رہی ہوں کرو ورنہ اگر تم مارے گئے تو تمہاری تحریک ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ "سوچو کہ اگر تم ہلاک ہو گئے تو دلائل لامرہ سطح تبت واپس آئے گا؟"
"پچھے ہٹ جاؤ، پچھو!، منتی مشینی انداز میں چیخ پڑا۔ میری

622

وہ جھکی کارگزار ثابت ہوئی تھی۔

وہ جھکی پہنچ سکتا تھا۔

ایک لمحے کے ہزاروں حصے میں میرا ہاتھ
کھڑی تھیلی منتقلی کے بازو پر پڑی۔ میں
بچا کر دار کیا تھا اور میری ضرب اس کی گردن
زندہ نہ رہتا۔

نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا۔
کی گرفت ختم ہو گئی، اور میں نے ایک جھکی
ہی لمحے رائفل کی نالی پر منتقلی کے سر سے ہاتھ لگا
غزنی۔ "منتقلی! میں تمہاری گردن کی ہڈی پس
میں نے ایسا صرف اس لیے نہیں کیا کہ تم کسی
حق میں نہیں ہو۔ اب اگر تم نے کوئی حرکت کی
نہیں رہتوں گی۔"

منتقلی آہستہ آہستہ رکھ رہا تھا۔ اس
ضرب یقیناً معمولی نہیں تھی، مگر مجھے علم تھا کہ اس
تھیں ٹوٹی، کیونکہ میں نے ضرب لگاتے ہوئے اس
رکھا تھا۔

جن ٹری اب سنبھل چکا تھا، اور میری
سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے غائب کیا سمجھنے میں
نے کسی کا نشانہ نہ کیا تھا، اور اگر درمیان میں
نڈ ڈال دیتا تو وہ جہنم پر مدد ہو جاتا۔

"جن ٹری سے کہو کہ وہ اور اس کے
اُتر جائیں اور گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں! اس
مخالف کیا، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جن ٹری میرا
"آپ اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہی ہوں
ہوئے بولا۔ "کچھ اچھا نہیں ہو گا کہ جنت
کی لاش جائے۔"

میں دانستہ گھوڑا موڑ کر فرار ہونے
تھی ورنہ یہ ممکن تھا کہ میں ایک ہاتھ سے گھر
لیتی اور دوسرے ہاتھ سے رائفل کی نالی میں
وہاں سے فرار ہو جاتی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے
سے اُتر جا سکتا تھا، لیکن مجھے اصل غلط
وہ منتقلی کی ہڈی کے بغیر مجھے سے مجھے اپنی
باؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کیا جا سکتا

منتقلی کے چاروں ساتھی اپنے گھوڑے دوڑاتے دوڑ چلے
گئے، اور کچھ فاصلے پر جا کر گنگے چند ہی لمحوں میں صورت حال
میرے قابو میں آگئی تھی، لیکن جن ٹری ابھی تک اپنے مسلح ساتھیوں
سمیت وہیں موجود تھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹا تھا۔

"جن ٹری! میں نے اُسے براہ راست مخاطب کیا۔ ہم بھی
اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ میں...."

میرا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، کیونکہ جن ٹری نے ایک دھیان
تقدیر لگایا تھا، پھر اُس نے منتقلی کو مخاطب کیا۔ "منتقلی! تمہاری
زندگی یقیناً قیمتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ قیمتی اس عورت
کی لاش ہوگی۔ تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم
مارے بھی گئے تو تمہاری تحریک ختم نہیں ہوگی۔ دلائی لاما پر تم

جیسے افزودہ اپنی جان قربان کر رہی جا رہے۔ میرا مشورہ ہے کہ....
"غاموش! جن ٹری کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، اور منتقلی جیت اٹھا۔
"میں ہرگز تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم باؤں کو ہلا کر دو۔
"جب کہ اس عورت نے تمہارے سر پر رائفل رکھ دی ہے
اور یہ تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہے، تم ایسا کر رہے ہو؟" جن ٹری کے

لہجے میں جھینپ تھی۔

"ہاں، اگر باؤں کو قتل کر دیا گیا تو سارہ ہم سے برگشتہ ہو جائے
گی۔ منتقلی نے ہر لمحے میں جواب دیا۔

"سارہ کے بغیر بھی تو تحریک چل ہی رہی تھی! جن ٹری نے
دلیل پیش کی۔

"لیکن اب سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں نے تحریک میں
جان ڈال دی ہے، اور ہماری منزل بہت قریب آگئی ہے۔ منتقلی

نے کہا۔

منتقلی کا جملہ پورا ہمارا ہی تھا کہ میں نے چانگ اُس کے سر
سے رائفل ہٹا کر جن ٹری کے سینے کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا، لیکن
اُس نے منتقلی کی بجلی کی طرح ٹپک کر اُتر آئی اور اُس نے رائفل کی نالی پر

ہاتھ ڈال دیا۔ رائفل کی نالی کا رخ بائیں طرف ہو گیا۔
میری بولا ہی ہوئی گئی جن ٹری کے سینے میں اُترنے کی بجائے اُس
کے ساتھی کے سینے میں اُتر گئی اور اُس کے گھوڑے کی پشت خالی ہو گئی۔
اپنے ساتھی کی بجائے اور گولی پلٹنے کی آواز نے جن ٹری کی توجہ
اپنی طرف مبذول کر لی تھی ورنہ منتقلی سے جلد جہد کے دوران میں

میں نے گھوڑے کی پشت پر کودتے ہوئے جن ٹری کے
آخری الفاظ سنے تھے۔ اُس نے جیت کر اپنے ساتھیوں سے کہا
تھا۔ وہ چٹان پر چڑھ گئی ہے، چٹان پر چڑھو!"

میں تقریباً گھوڑے کی پشت سے چلی ہوئی تھی، کیونکہ گھوڑا
استقامت تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد مرکز
دیکھا تو کالی فاصلے پر کچھ گھوڑوں کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا۔
وہ اتنی دُور تھے کہ نقطوں کی طرح نظر آ رہے تھے جن ٹری کو یقیناً
میرے فرار کا علم ہو گیا تھا، اور اب غالباً وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔
میں جانتی تو گھوڑے کو تاویں کر سکتی تھی، مگر میں نے

ایسا نہیں کیا۔ میں گھوڑے کی دشت سے فائدہ اٹھا نا چاہتی تھی۔
معاذ مجھے پیچھے سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ رائفل کی گولی

کے لیے وہ فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا جو میرے اور جن ٹری کے
درمیان تھا۔ رائفل کی گولیاں میرے ارد گرد سنسنے لگیں۔

فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب بھیجے نشانہ لینا بہر حال ممکن نہیں
تھا، لیکن کوئی بھی بیگولی بھٹکی گولی میرے جسم میں اُتر سکتی تھی۔
اندھا دھند فائرنگ سے فضا کو گونج رہی تھی، اور میں یہ سوچ

رہی تھی کہ شیطاں کی آنت کی طرح وہ لمبی سرنگ کب اور کہاں
مڑے گی!

آخر کسی طرح میں اُس دور رہے تک پہنچ گئی تھی جہاں
سے سارہ جلا ہوئی تھی۔ میں نے گھوڑے کو تاویں کر کے

ایک جانب موڑنا چاہا، مگر ناکام رہی۔ گھوڑا دور رہے کی اُس
سرنگ پر مدد ملے دوسری طرف بھاگتا چلا گیا۔ میں اس لیے

نکرت ہو گئی کہ وہ سرنگ لمباہ کی طرف نہیں جاتی تھی، لیکن اُس
سرنگ پر مڑنے سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں پیچھے سے کی جانے

والی فائرنگ کی زد سے باہر ہو گئی۔ اب فائرنگ بھی کر رہی تھی۔
اب دشت زدہ گھوڑے کو تاویں کرنا بہت ضروری ہو

گیا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اُس کی باگیں کھینچ لیں اور وہ
بھاگتے بھاگتے ٹپک کر اُلاٹ ہو گیا۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد

میں نے گھوڑے پر تباہ ہو گیا۔
پھر جب میں گھوڑے کو موڑ کر لمباہ جانے والی سرنگ

کی طرف پہنچی تو ایک بار پھر فضا دھماکوں سے گونج اٹھی۔ یہ
دھماکے گولیاں چلنے ہی کے تھے۔ میں نے اپنا گھوڑا روک لیا۔
گولیاں چلنے کی آوازیں اُسی سمت سے آ رہی تھیں جہاں

میں تھی۔
میں کی کاٹنا ہی اُتر رہا تھا۔ اب وہ میری بات
تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "باؤں! میں جن ٹری سے
کول کا جواب ملوانا چاہتی ہوں۔ یہ معاملہ
مجھے میں درمیان میں نہیں آنا چاہتا۔"

الفاظ بلند آواز میں کہے گئے تھے جیسے غالباً جن ٹری
الفاظ کو جان جن ٹری کے لیے ایک اشارہ تھے
کہ میں چھوڑا جائے کہ رے شاید منتقلی یہ سمجھ چکا تھا کہ
کر رہی تھی، کیونکہ اُسے ہلاک کرنے کا مطلب
میں پر آمادہ ہوں۔ ورنہ پھر سے زیادہ مسلح
ہے کہ اور کیا معنی ہو سکتے تھے!

میں معافی میں نگاہ جن ٹری کی طرف اٹھی اور
کہہ رہی تھی کہ ایک رسی کا پھندا نظر آ رہا

میری طرف بھینکنے والا تھا۔ مجھے اُس کا مقصد
وہ مجھے اور منتقلی کو گھوڑے سے لگا کر موقع سے

ہاتھ میں گھوڑے کی پشت سے گر کر سنبھل بھی
لا کر لیتا۔

میں نے ایک خطرناک فیصلہ کیا اور دوسرے ہی
میں کتاب منتقلی کے گھوڑے کی پشت پر سوار

ہو گیا۔
میں نے گھوڑے کی پشت پر چڑھی ہوئی تھی پھر

میں نے سنبھل کر اُس اٹھ رہی ہوئی چٹان پر چبھت لگاٹی
میں اور اُس کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کھڑے

میں نے پھندا پھینک چکا تھا، اور اُس پھندے میں
میں سے پیچھے چل رہا تھا۔ منتقلی کا گھوڑا مرکز خرافات

تھا۔ پھر منتقلی کا گھوڑا جیسے ہمارے سرنگ کے موڑ
نکالنے میں چٹان کے اوپر سے چھلانگ لگاٹی۔

میں نے گھوڑا جن ٹری اور اُس کے ساتھیوں کی
میں تھا۔

میں نے گھوڑے کی پشت پر کودی تھی، اس
میں پھر وہ سرنگ لمباہ جانے والی سرنگ

میں جاری تھی میں نے بہت جلد یہ بات محسوس کرنی کا نثرنگ
دو طرف سے کی جا رہی ہے۔ دھماکوں کی آوازیں بھی پہلے کی
نسبت زیادہ تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو تار گروہ ایک
دوسرے پر نثرنگ کر رہے تھے۔ پھر معاً خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر میں وہیں کھڑی ہوئی دوبارہ نثرنگ شروع ہونے
کی منتظر رہی مگر اب کتنی خاموشی تھی میں نے اپنے گھوڑے کو
ایڑ لگا لیا۔ اب آگے بڑھنے میں کوئی خطہ نہیں تھا۔

میں نے دور اپنے پر پہنچ کر دیکھا کہ کچھ گھوڑ سوار اُس
سمت تیزی سے دوڑ رہے تھے جہاں میں جدھر سے میں آئی
تھی۔ وہ گھوڑ سوار کافی دُور نکل گئے تھے، لیکن اتنی دُور بھی
نہیں کہ میں ان کے جسموں پر موجود فوجی دروایاں بھی نہ دیکھ سکتی۔

میرا ذہن بہت جلد حقیقت تک پہنچ گیا۔ رضوان کو
بہر حال خاموش نہیں بیٹھا جاسکتا، اور نہ ہی بچپن لارہ کو
میری طرف سے بے فکر ہو جانا چاہیے تھا۔ میں نے سوچا کہ یقیناً

بچپن لارہ کے سب سے پہلے مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر مجھے لاس میں اور
لاس سے باہر جانے والی شاہراہوں پر ڈھونڈنے پھر رہے ہوں
گئے۔ غالباً انہی ٹکڑیوں میں سے کوئی ٹکڑی ادھر آگئی ہوگی، اور
اُس نے نثرنگ کی آواز سن کر ہی ادھر کا رخ کیا ہوگا، پھر اُس
ٹکڑی کا بچپن رُئی سے ٹکراؤ ہو گیا ہوگا بچپن رُئی اپنے مقابلے پر
فوجیوں کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا ہوگا، اور اب فوجی اُس کے
تعاقب میں لگے ہوتے۔

میں چپ رُئی کی طرف سے مطمئن ہو کر لاس جانے والی شاہراہ
پر تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑانے لگی۔ میں اب جلد سے جلد پہنچنا
چاہتا تھا، جہاں ابھی تک رضوان اور بچپن لارہ میری طرف سے
مزید نگراندہ نہ ہوں۔

ہنگامے ہی ہنگامے میں صبح سے دوپہر ہو گئی تھی۔ میں
پوتا لٹھ پہنچ گئی اور اپنا گھوڑا میں نے سرخ محل کے دروازے
ہی پر جا کر روکا جہاں ایک فوجی دستہ روانگی کے لیے تیار کھڑا
تھا، اور خود بچپن لارہ اُس دستے کے فوجی افسر کو کچھ ہدایات دے
رہا تھا۔

مجھے آتے دیکھ کر بچپن لارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے
پر انتہائی حیرت اور نگراندگی کے آثار تھے۔ وہ میرے سلسلے میں
اِس تدبیر پر نشان اور بدحواس ہو گیا تھا کہ خود اپنی نگرانی پر اِلیات

میں، فوجی دستوں کو میری تلاش میں بھیج
حیرت کی زیادتی کے سبب کچھ دیر
گھوڑے سے اتر کر اُس کے قریب گئی اور
مخاطب ہوئی۔ "محترم بچپن لارہ! میں
ہوں۔ اب اپنے فوجی دستوں کو حکم دے کر
ختم کر دی جائے۔"

"مگر... مگر تمہیں... تمہیں تو وہ
"آئیے اندر چلیے!" میں نے اُس کی
آپ کو تفصیلات سے آگاہ کر دی گئی۔
بچپن لارہ میرے ہمراہ محل میں داخل

ہوا۔ اب بھی حیرت کے آثار تھے۔ اِس حیرت کا
ہوں گی جو اُسے میرے اُخرا کے بارے میں
"کیا رضوان بھی میری تلاش میں...
"ہاں ہیں، میں نے اُنہیں روکنا چاہا تھا کہ

بچپن لارہ نے میری بات پوری ہونے سے
ایک فوجی دستے کے ہمراہ جام توڑ جانے والی
بچپن لارہ میرے ہمراہ وہاں خانے
ساتھ اُس کمرے میں داخل ہوا جو میرے

میں نے اُسے تفصیلات سے آگاہ کر
بارے میں ہی جان کر حیرت ہوئی کہ وہ باخبر
مگر میں نے اُسے سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں
میرے اُخرا اور فرار کی تفصیلات

کے بعد بچپن لارہ بولا "میں داخل اس
نکرت تھا کہ ابھی چند گھنٹے قبل پیننگ سے
ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں درمیان ہی میں بولا،
"پیننگ سے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہاں
کے ارادے سے وہاں پہنچ چکا ہے۔ وہاں
سے مل کر جلد ہی تہت کے لیے روانہ ہو جائے گا

تہت میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لیے وہاں
مدد کر رہی ہے۔" بچپن لارہ نے مجھے موصول
باغیر۔

"محترم بچپن لارہ! اب میرا جام ڈیوڑھا،

تہت پہنچنے سے پہلے ہی کچھ کیا جاسکے۔ آپ
لہذا تہت دیکھیے! میں کل صبح ہی جام ڈیوڑھا
لے کر مستحکم لیجے میں کما، پھر مجھے شہزادہ تو شو
اپنے لارہ سے کہا "آپ مجھے شہزادہ تو شو کے نام
پر دیکھیے!"

دل ہلنے لگا، اور یقیناً اختلاعات بھی کر دیے
لارہ نے کہا۔

تہ رضوان بھی جائیں گے۔" میں بول، اور رُئی
لارہ دارہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس نے
لارہ اپنا نام سن لیا تھا۔

"میں کیل اگلی انسانی نثرانی جاری ہے؟" وہ
لارہ نے میں بولا "جو تو محترم کو ڈھونڈتے
ہو گئے، اور محترم یہاں بیٹھی چپن کی بھنری بجا
لارہ تہت صحن پر آکر بیٹھ گیا۔

اب محل میں گئے، بچپن لارہ اٹھ کھڑا ہوا۔
آؤ اُسی اور رضوان بھی اُس کے چہرے پر تو
ان سے جو الفاظ ادا ہوئے تھے انھیں سن کر
دل ہل رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "مگر تو بڑے میاں!

لہذا تہت میں ملنے دو!" یہ الفاظ وہ
کر رہا تھا، اور ادائیگی کا انداز ایسا تھا جیسے
کہہ رہا ہو۔

لارہ میں صوفے پر بیٹھے ہوئے بولی "اگر
لارہ تو تم نے اُس کے لیے ادا کیے تھے تو تمہیں
نکلا دیتا!"

مجھے بیٹھے یا بیٹھے لیٹے نہیں کر سکتا تھا؟ وہ شروع
ایک دم خفیہ ہو گیا۔
لارہ تہت صحت پر بارہ کیوں بچنے لگے؟ میں

ہاں اور میں خود اُجھانیں جو آپ کے چہرے پر
راوی ٹاٹ اپنے چہرے پر فکس کرنا پڑے گا؟
لارہ میں بولا، پھر کہا "وہی دے دے کیا آپ
مگر لہذا میں آپ کی محبوب سارہ نے آپ کو

کہا ہے؟"

"ہکومت!" میں اُس کی بات سن کر چھٹاکی ہو گیا کہ اُس کا لہجہ
طنز پر تھا، خصوصاً سارہ کا نام لیتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے
شہزادہ جھلک رہی تھی۔

پھر رضوان نے تفصیلات جان کر دم لیا۔ میں کیونکہ کچھ
دیر قبل ہی بچپن لارہ کو ساری باتیں تفصیل سے بتا چکی تھی، اِس لیے
دوبارہ وہی تفصیلات بتاتے ہوئے لارہ میری تھی۔

تفصیلات سننے کے بعد رضوان بولا "میں نے جن رُئی اور
اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا تھا، لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب
ہو گئے۔ اُن کا رخ جام ڈیوڑھا کی طرف تھا، اور غالباً منتہی بھی
وہیں گیا ہوگا۔"

"ادب اب بھی وہیں چلتا ہے؟" میں نے مسکرا کر رضوان
کی طرف دیکھا "اور تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہے؟"

"نہیں بالو! میں تو بڑا نہیں جاؤں گا، رضوان نے ذخیرہ
ہونے کی ادائیگی کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا کیا ہے؟ آپ تو خود
جان بوجھ کر موت کے رُتے میں کروا رہی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ میں ایسا
نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" میں نے مصغری غصے کے ساتھ پوچھا۔
"اِس لیے کہ مجھے آپ کی بہن اور اپنی کچھ ہونے والی کا مستقبل
عزیز ہے، رضوان نے جواب دیا۔

"اور تمہیں میرے مستقبل سے کوئی ٹکڑی نہیں؟"
"کبھی نہیں، مگر آپ نے خود وہ دھپسی ختم کر دی، وہ ٹھنڈا
سانس لے کر بولا۔

"کیوں کیا ابھی دل میں کچھ ارمان باقی ہیں؟" میں نے
اُسے چھڑا۔

"اُس نے پھر ایک لمبا سانس لیا، اور بولا "وہ دل ہی کیا جس
میں کوئی ارمان نہ ہو۔"

"خیوان مغول باتوں کو چھوڑو اور جاگ اپنے کمرے میں آرام
کر دو! یہیں کل ایک طویل سفر ہر جا ہے، بہتر ہے کہ ہم اتان دم
ہوں،" میں نے تجدد کی سے کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔" وہ اُٹھا ہوا بولا "وہی
ایک بار پھر سوچ لیجیے کہ جن رُئی کسی جوت کھائے ہوئے سناپ
کی طرح بک کھا رہا ہوگا اور یقیناً جام ڈیوڑھا ہمارا شاندار استقبال
کرنے کے لیے تیار ہوگا۔"

627

”مجھے بھی معلوم ہے، لیکن اب معاملہ آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے، یہ کہہ کر میں نے اسے اس اطلاع سے بھی باخبر کر دیا جو پبلک سے پہنچنے لاکر کو موصول ہوئی تھی۔ رمضان دوبارہ صوفیہ پر بیڑہ لگایا۔“

کچھ دیر رمضان اس اطلاع کی روشنی میں گفتگو کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ معاملات میں لبردی دلچسپی لے رہا تھا، لیکن پہنچنے کے ساتھ اس کی طرف سے غیر مندرجہ تھا۔ میں نے اس کی تسلی کے لیے شہزادہ قوشو کا ذکر بھی کر دیا تھا کہ چام ڈیر میں وہ جہان سے بے مددگار ثابت ہو سکتا تھا شہزادہ قوشو کے پاس میں جان کر رمضان کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ گویا چام ڈیر میں قدم چلنے کی گنجائش تھی۔

میں اپنے کمرے میں تنہا رہتی تو محال تھا کہ از سر نو جان بولنے لگی۔ تمام اچھی ہوئی گفتگیاں ایک ایک کر کے سلجھ گئی تھیں اور اب میں کوئی صیغہ فیصلہ کر سکتی تھی۔

صنعت اور اس کے گردہ کا واقعہ مقصد دلائی لاکر کو تبت واپس لانا تھا، اور شرح چین اس سلسلے میں مدد کر رہا تھا۔ شرح چین کا ایجنٹ جن ڈی اور اس کے ساتھی تبت میں تھے جو بظاہر صوفیہ کے ہمدرد کھانی بیٹھے تھے، لیکن میں اس ہمدردی کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ میری نظر میں شرح چین کا مقصد محض یہی نہیں تھا کہ دلائی لاما تبت واپس آجائے بلکہ وہ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر چینی حکومت کے خلاف تبت میں عام بغاوت پھیلانا تھا۔ میرے خیال میں چن تری ہمنی کو بھی ہمدردی کی آڑ میں دھوکا دے رہا تھا۔ چن تری شاید کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ تبت میں بغاوت کی آگ بجھ سکے۔

میرے سامنے دو اہم مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہ کہ کسی طرح سارہ کو یہ یقین دلا سکوں کہ صوفیہ نے اسے کس طرح دھوکا دیا ہے! اور سارہ کو یہ علم ہو جائے کہ چن تری شرح چین کا ایجنٹ ہے۔ اس طرح میں سارہ کو اپنے حق میں ہموار کر کے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ سارہ کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ چن تری کی حیثیت سے قبول نہ کر سکتا تھا، اور وہ میری دشمن تھی بھی نہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ چن تری کا تھا۔ اگر کسی طرح سارہ اس کا ذہن پر چڑھے تو تمام مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ اس طرح چن تری اور صوفیہ کا کھیل جو ختم ہو سکتا تھا، اگر میرا یہ شہید دوست تھا کہ درپردہ چن تری

کے کچھ اور مقاصد میں تو وہ مقاصد سامنے تبت میں بے سہارا رہا۔ صوفیہ اس کی اسی وقت تک چن تری کی بھال بن رہا تھا کہ اس کے عزائم کا علم نہیں ہو چکا۔

میرے چام ڈیر کے شہزادہ کا سیالی تھا۔ مجھے سارہ کو ان باتوں کا یقین دلانا تھا، لیکن ایسا اسی صورت میں ممکن تھا کہ اگر ایسا کئے کہ چن غیر معمولی صلاحیتوں کی دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ اس عملی تجربے کی میں اپنے اندر موجود قوت ارادی کا بھرپور علم تھا۔ میں نے سارہ سے گفتگو کرتے ہوئے

سوچا تھا کہ چن پر مجھے یقین نہیں تھا، اس وقت میرے ذہن میں اس خیال سارہ دھوکا کھا گئی تھی۔ وہ میری قوت تھا، لیکن اگر میں اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں قوت ارادی سے کام لے سکوں تو شاید سارہ وہی خیال پر ٹھہر سکے جو میں چاہوں۔

میں اپنی خطوط پر دیر تک سوچ رہی تھی کہ یہ سارہ کھیل قوت ارادی کا ہے۔ مجھے تھا کہ میں مضبوط قوت ارادی کی مالک ہوں۔ میری زندگی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں میں آنکھیں ڈال کر بھی زندہ نہ بچتی۔

سوچتے سوچتے میرے ذہن میں اگر شعور پر ارادے کی گرفت کمزور پڑ جائے تو خیالات پر قابو نہیں رہ سکتا۔ میں نے سارہ کو مجھے ایک نئی راہ دکھائی۔ نئے کے عالم آدمی کے شعور پر بلا شعور حامی ہو جائے وہ اپنی قوت ارادی سے شعور کی سطح پر نہیں آجائے۔ اس خیال نے ایک بڑا مسئلہ میں اٹھ کر پیچھے لے کر دھکیل دیا۔

میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ اس کے لیے کافی حد تک میں کمرے سے باہر نکل کر ایک ماہ پر معلوم ہوا کہ چن لار اس وقت محل کے

ایک صحن، اور فضا میں کھنکی بڑھ گئی تھی۔ میں طلحہ ہوئی پڑھ گئی۔ محل کے باغ میں اپنے کچھ مشیروں کے ہمراہ موجود لار نے اپنے خاموش اور محافظوں کو میرے بلے میں آٹا کر میں جس وقت اس سے ملنا چاہوں ملنے دیا جائے۔ تاکہ اس کے محافظوں نے مجھے باغ میں جانے کی اجازت دینے کے باہر مستعد ہو کر کھڑے ہوئے تھے۔

میں نے ایک قلعے پر آنا مقرر کیا تھا، پھر وہیں پہنچ کر میں نے اپنے خیال ہی میں رہا تھا کہ یہ وہ مجھے تنہا ملے۔

میں نے دیکھ کر وہ کچھ بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کے ہاتھ جڑت نظر آئے، پھر وہ مسکرایا۔

اس کے قریب ہی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی، پھر اس کی بولی میں بولی دیکھنے میں نہیں تھا کہ آپ یہاں سے گئے۔ مجھے آپ سے غلط میں کچھ بات کرتی تھی، میں نے غلطی کر رہا تھا، پھر اپنے مشیروں سے مخاطب ہوا۔ میں میں میں ابھی آیا، یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے ہمراہ محل کے ایک کمرے میں آگئی۔ اس کے کمرے کی بات ہے، وہ ایک صوفیہ پر بیٹھے ہوئے بولا۔ میں اس کے سامنے والے صوفیہ پر بیٹھ گئی، اور بولی۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس بھی مختلف نہروں کو تبت

کا حصہ کوئی زہر چاہیے؟ وہ جڑت سے بولا۔ میں نے زہر نہیں، لیکن کوئی ایسا صوفیہ یا ایسی دوا ہے جو شراب کا غم ابدل کر دے، میں نے کہا، یہ صوفیہ تو ایسی دوا یا صوفیہ جس کا استعمال ذہن پر مگرے لے لار کی کرے۔ ایسی کیفیت جو شراب شراب نوشی کا لہ ہے۔

میں نے پاس ایک ایسا صوفیہ ہے تو میرا اس کا اثر عارضی ہو گا۔ لار نے کہا، سوچ کر بولا۔

میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ اس کے لیے کافی حد تک میں کمرے سے باہر نکل کر ایک ماہ پر معلوم ہوا کہ چن لار اس وقت محل کے

”آپ کو علم ہے کہ میں کبھی صوفیہ چام ڈیر روانہ ہوئی ہوں۔ میں وہاں صوفیہ زیادہ سے زیادہ تیار لوں کے ساتھ جاؤں تو میرے بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ کسی مرحلے پر مجھے اس صوفیہ کی ضرورت بھی پڑ جائے، میں نے اسے تفصیل نہ بتا کر کوئی جواب دیا۔

”ہاں ہاں بالکل!“ چن لار نے تائید کی۔ ”اگر چاہو تو میں تمہیں کوئی دوا دتاؤں جو بھیجے دے دوں!“

”میں صوفیہ لار! اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو! میں ابھی جا کر اپنے ذخیرے میں وہ صوفیہ تلاش کر کے تمہیں بھیجے دیتا ہوں۔“

چن لار بولا۔

مجھے اس کا یہ غیر متاط انداز پسند نہ آیا اور بولی۔ ”میرا لار! میں نہیں چاہتی کہ میرے اور آپ کے علاوہ یہ بات کسی کے علم میں آئے۔ اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ ہو تو میں خود آپ کے ساتھ چلوں۔“ وہ میری بات سن کر مسکرایا، اور بولا۔ ”بالکل! تم واقعی بہت محتاط اور ذہین ہو۔ میں اپنے خاص خادم سے یہ کام لیتا، لیکن بہتر یہی ہے کہ تمہی ساتھ چلو۔“

پھر وہ مجھے اپنے ساتھ ایسی خواہ گاہ میں لے گیا، اور جب میں وہاں سے لوٹی تو میرے پاس وہ صوفیہ کی پڑیا موجود تھی جو اس منصوبے میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی تھی جسے میرے ذہن نے تشکیل دیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ رات کا کھانا میں نے اور رمضان نے ساتھ ساتھ کھایا، اور کھانے کے دوران میں گفتگو کرنا شروع کر دی، مگر میرا ذہن چن تری سارہ اور شہزادہ کی ہی میں الجھا ہوا۔ رمضان نے بھی بہت جلد اس بات کو محسوس کر لیا کہ میرا ذہن کچھ سوچنے میں مصروف ہے۔ وہ جلد ہی مجھے تنہا چھوڑنے کے لیے کمرے میں چلا گیا۔

اس شب کا پڑاؤ عین میں نے ایک طرح کی ذہنی مشق کر کے ہوئے گزارا۔ مجھے یہ جان کر عجیب سی خوشی ہوئی کہ میں بڑی سبک اپنے ذہن کو اپنے خیالات کا مالک بن رکھنے پر تیار ہوں۔ ایک نیک مجھے خود اپنی اس ذہنی قوت و صلاحیت کا علم نہیں تھا۔ مختلف خیالات کو ذہن سے جھینک کر صرف کسی ایک خیال پر مادی قوت صرف کر دیتی، اور پھر جس وہی خیال میرے صوفیہ ذہن

پر رہ جاتا۔ کئی بار میں نے پریشانی میں بھی کمر سے زمین میں سر سے کوئی خیال ہی نہ ہوا۔ اور میں اس کو شش میں بھی کامیاب رہی۔ مجھے اس ذہنی مشق میں عجیب سا لطیف محسوس ہوا۔ ازل کا زوچہ اور وقت اور آدمی کا خیال مجھے براؤ پیچہ محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید منہی کو بھی اس کھیل سے ایسا ہی لطف آتا ہوگا۔ ذہن پر نیند کا غلبہ ہونے سے پہلے میں سوچ چکی تھی کہ مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہو چکی ہے۔

میں رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی، اس لیے صبح خود بیدار نہ ہوئی۔ مجھے رضوان نے بیدار کیا۔ وہ دروازے پر دستکیں دے رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مفر کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

رضوان نے مجھے بتا کر کہ جن لارے مفر کی تمام تیاریاں مکمل کر دی ہیں اور تجربے کار فوجیوں کا ایک دستہ محل کے باہر ہلکا منتظر ہے جو چام ڈیوٹیک ساتھ جائے گا۔

روانی سے قبل میرا بچپن لارے سے ملنا بھی ضروری تھا، تاکہ میں اس سے شہزادہ فوج کے نام نقاری خط حاصل کر لوں۔ میں جلدی جلدی تیار ہوئی، اور رضوان کو وہیں چھوڑ کر بچپن لارے سے ملنے روانہ ہو گئی۔

وہ اپنی نشست گاؤں میرا ہی منتظر تھا۔ اُس نے شہزادہ (شو کے) نام لکھا ہوا خط میرے حوالے کر دیا اور لولا جو فوجی دستہ تھا اسے ساتھ جا رہے اُس میں موجود فوجیوں کو کچھ علم نہیں کہ تمہارے مفر کا کیا مقصد ہے! ان کے سپرد صرف نقاری اور تمہارے ساتھی کی حفاظت ہے۔ محض اس دستے کے فوجی افسر کو حالات سے آگاہ کیا گیا ہے، پھر اس نے مجھے بتا کر ذہنی دستہ ایک جمالی تافلے کی صورت میں میرے ہمراہ چام ڈیوٹیک جانے گا۔

مجھے یہ بات غیر متعارف اور غیر ضروری معلوم ہوئی کہ اس فوجی دستے کے افسر کو میرے مقصد مفر سے آگاہ کیا گیا، لیکن میں نے بس پہلے میں بچپن لارے سے کچھ کمنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اب کچھ لٹنالا حاصل ہی تھا۔

میں بچپن لارے سے رخصت ہو کر دوبارہ اپنے کمرے میں پہنچی۔

نہ وقت رضوان خادموں کے ذریعے میرا اد پانا تمام سامان باہر بھیجا چکا تھا۔

میں رضوان کے ہمراہ محل سے باہر نکلی۔ میں جاڑوہ لیا اور فوجی افسر سے بھی لڑوا کر بھیج دی گئی۔ افسر نے مجھے اپنا نام چانگ بتایا تھا۔ فوجی افسر نے بھی یہی نام ہی تھے جنہیں بہت میں سے ہوئے اُنہا وہ جیتی رہا، وہی روانی سے لولہ کئے تھے۔ وہ باشندوں میں بل کر تبتی ہی نظر آتے۔ ان کے در ویاں نہیں تھیں، مگر وہ پوری طرح مسلح تھے۔

کچھ دیر بعد کی رضوان اور میں گھوڑوں دستے کے ہمراہ پونا لالاٹھ سے روانہ ہو گئے۔

اُس وقت تک لٹنالا سے چام ڈیوٹیک مفر کی چکی تھی۔ یہ مفر بچپن فوج نے بنائی تھی میں آسانی ہو گئی تھی۔ بچپن فوج اس فہم کی مفر چھوڑے بڑے شہروں کو ایک دو سب سے مل رہی تھی۔ یہ ترکی طرف پہلا قدم تھا، کیونکہ اس کی زیادہ سے زیادہ ترسیل کی صورت میں لٹنالا لٹنالا سے براہ راست چام ڈیوٹیک سے ہیں مفر میں بہت آسانی تھی۔ مشکلات کے سبب پیش آئیں۔ یہیں کی بلورف کے واسطے چام ڈیوٹیک کی وجہ سے یہیں کئی جگہ ٹھہرنا پڑا۔

ہم نے اپنا سفر پوری تیز رفتاری سے اس کے باوجود ہم اُسی دن رات ہوئے۔ رات کو جب تک ہم چام ڈیوٹیک کے ذمہ نے فیصلہ کیا کہ یہیں رات کے وقت چام ڈیوٹیک کو خود پر شک کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ وہ شب ہم نے چام ڈیوٹیک سے تقریباً میدان میں بسر کی۔ فوجی افسر نے یہ ارکان تھا، اس لیے تمام ضروری سامان سوچا تھا۔ فوجیوں نے میدان میں کئی چھوٹے چم اُسی شب منصوبے کے مطابق میں نے فوجی کارروائی کی شکل سے دی۔

صبح ہوئی تو اگلے کوئی کامیابی کے ساتھ چھپا دیا گیا۔ ہمارے پاس کافی ایسا سامان ہوا تھا۔ مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

مطلوع المربع ہی چام ڈیوٹیک کے لیے روانہ ہو گئے۔ اب یہیں تکرار تافلے سے زیادہ اہمیت نہیں دینی جاسکتی تھی۔ وہاں سے چام ڈیوٹیک کی قدیم عمارتیں نظر آئے لیکن کے کس بھی جو ان قدیم عمارتوں سے بھی زیادہ قدیم مال نے سے تھے۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سے اب تک ہمارے بچ کر نہیں گیا تھا اور یہی وہ جگہ تھی جو بغاوت میں سے ہونے بہت میں بغاوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ یہیں بھی تھا، اسارہ بھی اور ہر دشمن ماں کی باہر سے ہونے میرے اعصاب تن گئے کہیں بھی مفر سے چپنی حکومت کی ایجنٹ بن کر ہی جا رہی۔ یہ حقیقت کس حد تک تھی یہ تو صرف مجھے علم تھا لیکن تو میں معلوم تھا۔

چام ڈیوٹیک میں داخل ہونے سے پہلے ہی علم تھا کہ چام ڈیوٹیک کے بعد تکرار تافلے دہان کے باشندوں کی نظر دوسری اہمیت کے حامل نہیں ہوتے تھے۔ مقامی باشندے تافلے سے گرم مصالحوں اور جانے وغیرہ خریدتے تھے اس فوجی دستے کو میرے ہمراہ بھیجے گا اچھا بہانہ

چام ڈیوٹیک کی علاقہ تھا جہاں ہم نے قیام کیا۔ یہ وہ جگہ تھا تافلے ٹھہر کر رہتے تھے۔ وہ ایک بڑا سا کچا میدان کی طرف چار دیواری کھینچی ہوئی تھی۔ اس چار دیواری کا ہاگ لگے ہوئے تھے جو عموماً کھلے رہتے تھے۔ اس دن آبادی تھی، اور قریب ہی ایک منڈ بھی دکھائی

منڈ بھی دہان ایک تافلہ خیمے ڈالے ہوئے تھا۔ پھر پہلے لٹنالا آیا تھا۔ یہ معلومات ہیں کچھ دیر بعد ان میں خیمے لگانے کی کسی سے باقاعدہ اجازت تھی۔ ان یہ ضرور تھا کہ دہان خیمے ڈالنے کے بعد لٹنالا خدمت میں حاضر ہو کر کچھ رقم بطور پیشہ دینی

اُس مجھے رات ہی میں فوجی افسر چانگ نے بتا دی کہ بات سن کر تعجب ہوا تھا کہ وہ ایک بار پہلے

بھی ایک تافلے کے ساتھ چام ڈیوٹیک پہنچ کر دہان کا پورا جائزہ لے چکا تھا، پھر وہ لٹنالا لٹ گیا تھا۔ کسی بچپن فوجی افسر کا اس طرح چام ڈیوٹیک آکر زندہ سلامت لوٹ جانا میرے لیے واقعی عجیب بات تھی، چاہے وہ سادہ لباس ہی میں کیوں نہ آیا ہو۔ چام ڈیوٹیک کے باہر میں میری معلومات تو یہ تھیں کہ دہان پہنچ کر کوئی بچپن جاسوس زندہ نہیں لوٹا پھر چانگ اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہو گیا تھا؟ میں نے سوچا مگر دیکھیں اس باہر میں چانگ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی۔

چانگ کے ساتھ ہونے سے مجھے فائدہ ہی ہوا تھا۔ وہ شہزادہ تو سوئی راتیں گاہ سے بھی واقف تھا۔ میں نے سوچا کہ بچپن لارے سے کچھ کر دی چانگ کو ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔

میدان میں خیمے نصب ہو گئے تو میں رضوان کو اپنے ساتھ لے کر قریبی منڈ کی طرف روانہ ہو گئی تاکہ اُس منڈ کے لارے سے مل کر اسے منڈ کے لیے چندہ سے سکون سے نذرانے کا نام دیا گیا تھا۔ راستے میں مجھے کئی مقامی باشندے نے جو میدان کی طرف جا رہے تھے۔ غالباً انھیں دہان کسی نے تافلے کی آمد کا علم ہو گیا تھا، اور وہ اُس تافلے سے ضروری سامان خریدنا چاہتے تھے۔

منڈ ایک بلند سے چوڑے پر بنا ہوا تھا جس تک پہنچنے کے لیے چھوٹی چھوٹی میڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے ان میڑھیوں سے لوگوں کو اُترتے چڑھتے دیکھا۔ ان میں عموماً بھی تھیں اور مرد بھی، لیکن میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہی کہ ان کے چھوڑوں پر ایک عجیب سا کھنچا ڈٹا تھا۔ ان کے چہرے پڑھ کر ہامانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ جو زندگی بسر کر رہے ہیں اُس سے مطمئن نہیں اور یہ بھی کہ ان کے اند کوئی لاوا سا کپ رہا ہے جو کسی بھی لمحے خود ان کے وجود کو جلا کر خاک میں تبدیل کر سکتا ہے۔

میں نے منڈ کی پہلی میڑھی پر قدم رکھا اور اُس وقت میرے نظر ایک خوشتر شباب پر پڑی۔ وہ میڑھیوں سے اُتر کر نیچے رہی تھی۔ اُس کے ہمراہ ایک مرد بھی تھا جس نے مجھے تر بھی لگا دیا تھا اور لڑکی کے ساتھ قریب سے گزر گیا۔

مجھے اور رضوان کو ایک جھکستو نے منڈ کے دروازے پر روک دیا۔ وہ جھکستو لٹنالا لٹا رہا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے تھے۔ ہم نذرانہ پیش کرنے آئے ہیں، میں نے جھکستو سے بتی

میں کہا۔

”تم لوگ عظیم بدھ کے پیر و نظر نہیں آتے اس لیے محرم لام تم سے میں نذنا دھوں کرے گا۔ تم مٹھ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ جھکسو نے اپنی بیز چمکی اٹھو اس سے جاری طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر لولا، تم لوگ میں روک میں محرم لام کو نہ کرنا ہوں میں اور رضوان، مٹھ کے دوا نے ہی پرک گئے اور جھکسو اندر چلا گیا۔ مٹھ کے اندر سے بھجن گئے کی صدا میں سنائی دے رہی تھیں۔ عظیم کو بدھ کے پیر و اس کی حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ لوگ مٹھ کے دوا نے سے آتے جاتے ہیں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات نہیں دیکھے۔ شاید وہ انہیں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لوگ اپنے خوں میں بند رہنا چاہتے ہوں اور خوں سے باہر نکلنے کی اُن میں ہمت نہ ہو۔ یہ اثر شاید اس خریک کا تھا جو دلائی لام کو دوبارہ تبت واپس لانے کے لیے کام کر رہی تھی اور جس خریک کو ہمتی چلار ہاتھا۔

کچھ دیر بعد ہی مٹھ کا لام دروازے پر نمودار ہوا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی شفیق و مہربان مسکراہٹ تھی۔ ”میرے بچے! پوچھو دیکھو کہ تمہیں ہاں ڈک کر میرا انتظار کرنا پڑا۔ اُس کی آواز میں نرمی اور محبت تھی۔

”کوئی بات نہیں محرم لام!“ میں نے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا، پھر کچھ رقم حبیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی ”یہ حقیر نذنا قبول کیجیے!“

اُس نے ہاتھ بٹھا کر رقم لے لی، پھر مضبوطی سے لیے پوچھ لے ”تم لوگ تبت کے باشندے نہیں لگتے کیا تمہارا تعلق بھارت سے ہے؟“ ”میں محرم لام! ہم پاکستانی ہیں،“ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ نہ جانے کیوں اُس مہربان و شفیق بوڑھے سے میں جھوٹ نہ بول سکی۔

”تو پھر تم پاکستانی سامان تجارت لے کر یہاں آئے ہو گے؟“ بوڑھے لام نے کہا۔

میں اب اُس کی پوچھ گچھ سے کچھ الجھن میں پڑ گئی تھی، اور جلدی سے جان پھرا لینا چاہتی تھی۔ میں نے اسی لیے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا اور بولی ”اچھا اب ہیں اجازت دیں!“ پھر اس سے بے خبر بڑھا لام بچہ اور کہتا میں رضوان کا ہاتھ تھامے بیڑھوں کی طرف بڑھ گئی۔

”بالو! مجھے یہ لام کچھ بڑا معلوم ہوا،“ دوا سے اُس کو مجھے مخاطب کیا، اتنے میں سے لوگ اندر ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی اور اُس کی اُس کے لئے اور انداز و احوال سے میں نے یہی انداز ”تم بھی تو بڑے میٹھے ہو،“ میں نے رضوان کی اُردا دی۔

ہم میدان میں پہنچ کر اُن خیموں کی طرف جانب نصب کیے گئے تھے۔ بائیں جانب دوسرا خیمہ تھے۔

اب اُس میدان میں کافی مقامی باشندے ہیں نے اپنے خیموں کے قریب بھی کئی افراد کو دیکھا گفتگو کر رہا تھا۔

”وہ لوگ نذنا دے کر آ رہے ہیں،“ پانچ دیکھتے ہوئے مقامی باشندوں سے تبتی زبان میں قریب پہنچ کر معلوم ہو کہ وہ مقامی باشندے خریدنا چاہتے تھے، کیونکہ دوسرے قافلے والوں ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔

میں نے دانستہ چائے کے بہت زیادہ ان لوگوں سے جان پھرا نا تھا۔ اُن میں سے دو اتنے مینے دماؤں چائے خریدی۔

چند گھنٹے بہت اور گزرنے کیونکہ مقامی کرتے رہے۔ اس وقت کے زیاں سے صرف جلدی بات مشورہ ہو گئی کہ ہم اپنا مال بہت ادھار میں اور بھی کچھ بہت بہت بددماغ نہیں۔ جملہ نجات لی گئی۔

میں چانگ اور رضوان کو ساتھ لے کر اپنے لیے جانا چاہتی تھی۔ میں ابھی یہ میری نظر شیخے کے دو کی طرف اٹھ گئی۔ شیخے سے گزرا تھا۔ میں یہ تک کہ ایک دم اُٹھ اُڑی۔ لپکی۔ شاید کوئی شخص چھپ کر پکڑی بائیں تھا۔ مجھے پہلے بھی ایک بار شبہ سا ہوا تھا، اب ہو گئی تھی۔

میں نے خیمے کے دوا پر پہنچ کر باہر جانے کا

میں نے اُس سے تبتی زبان میں ہال است تھا۔

”لام نے مجھے کہا،“ وہ بغیر گھرائے بولا۔

”میرے لیے کئی سختی برقرار تھی۔“

ان میں رضوان اور چانگ بھی خیمے سے باہر

لام نے مجھے تھامے پاس چائے لینے بھیجا ہے۔“

اب دیا۔

لام کی خدمت میں نذنا پیش کر رہی ہوں، میں نے میں یہاں تجارت کرنے آئی ہوں مفت چائے

”لام کو محرم لام کے حضور گستاخی کر رہی ہو،“ جھکسو

”ہاں! پھر اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر کئی بڑے بول رہا ہے جس بھادو کو؟“

”میں نے مجھے پکڑ دیا۔ میں نے اُس سے سخت گستاخی کی تھی، اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہیں ہے۔“

”میں نے اُس سے سخت گستاخی کی تھی، اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہیں ہے۔“

”میں نے اُس سے سخت گستاخی کی تھی، اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہیں ہے۔“

”میں نے اُس سے سخت گستاخی کی تھی، اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہیں ہے۔“

”میں نے اُس سے سخت گستاخی کی تھی، اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہیں ہے۔“

رہا تھا۔

چانگ ایک چائے کی تھیلی لے کر لوٹا ہو میں نے اپنے ہاتھ سے جھکسو کو پیش کی۔

جھکسو نے چائے کی تھیلی لے کر اسے کھولا اور اُس میں سے چائے نکال کر سوکھی۔ مجھے اُس کی یہ حرکت عجیب سی معلوم ہوئی۔

مما جھکسو کے ہونٹوں کو دھکے دیتی، دوا بڑا ہٹا، یہ چائے تو

چین کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ پاکستان چائے تو نہیں؟

میں اُس کی بڑبڑاہٹ سن کر چونک پڑی، اور میرے ہاتھ اپنی پیش

غلطی کا احساس ہو گیا، لیکن تب کیا ہو سکتا تھا! کہاں سے تیر نکل چکا تھا

مجھے یاد آیا کہ میں نے مٹھ کے لام سے کہا تھا کہ میں پاکستانی ہوں، کو جب

اُس نے یہ پوچھا تھا کہ کیا پاکستانی سامان تجارت لے کر آئی ہوں تو میں

نے اثبات میں سر ہلایا دیا تھا۔

میں ابھی جھکسو کی بڑبڑاہٹ کا کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ

اُس نے چائے کی تھیلی پر کھن بڑھاتے ہوئے کہا، ”یہ چائے میں شہید

محرم لام کو پاکستانی چائے پسند ہے۔“

میں نے اُس سے تھیلی واپس لے لی، اور تھیلی دینے ہی جھکسو

بغیر کچھ کہنے دہاں سے چل دیں خیمیں داخل ہونے کے لیے مڑی۔

”کیا بات ہے؟ وہ چائے کیوں واپس کر گیا؟“ رضوان نے سوال کیا۔

”مجھے اس کے اندر داخل ہو کر میں نے مختصر رضوان کو اُس جھکسو

اور مٹھ کے لام سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

”مجھے تو وہ پہلے ہی غلط نظر آیا تھا،“ رضوان بولا۔ ”بالو! کوئی پکڑ

معلوم ہوتا ہے آپ سے اُس کو کچھ کچھ، ہم پاکستانی چائے نکالنا یہ باتیں

خالی بات نہیں۔ وہ لام کہیں اس طرح آئے جاتے والے قافلہ کی

باسوی تو نہیں کرتا؟“

رضوان کی بات میں وزن خطہ میں نے شاید کہ ”میرا بھی کچھ ایسا ہی

نیال ہے۔“ پھر بڑی سانس لے کر بولی ”خیر اس مسئلے پر کچھ نہیں کہیں گے

فی الحال میں تمہیں اور چانگ کو ساتھ لے کر نذرانہ کو شہر سے ملنے جانا چاہتی

ہوں۔ چانگ کو نذرانہ کو شہر کو راتش جاہ کا ٹپ ہے۔“

”یہ نذرانہ کو شہر ماہ کیا ہے میں؟“ رضوان نے اپنے غصے کے

میں سوال کیا۔

مجھے بہت یاد تھی میں مدھی تھی کہ میں نے رضوان کو نذرانہ کو شہر کے

کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

”فی الحال معاملہ لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ چام ڈیو میں

33

موت ایک ایسی کمی شخصیت ایسی ہے، جو ہماری زندگی کا وہ گرام دار اور ثابت ہو سکتی ہے۔ میں نے رضوان کے رسول کا جواب دیا۔ "باقی تفصیلی باتیں بشرِ رافضیت" کیلئے کہیں چاہے سے غائب ہوئی۔ شہزادہ خوش کو لاٹنگ میں لے کر تشریف لے گئے۔

"نصفِ عیال سے بھی کم" چانگ نے جواب دیا۔
 "کیوں نہ پھر پیدل ہی وہاں تک چلا جائے؟" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی، دیے میں بھی کسی مشورہ دینا کہ چانگ بلا "کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس طرح ہم گھیلوں گلیوں آسانی وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں جو راستہ ہے، اس پر چلتے ہوئے ہم شہزادہ تو خوش کو کل نما کوئی کے عقب میں نکلیں گے۔ یوں کسی کو ہم پر شک بھی نہیں ہوگا کہ ہم شہزادہ تو خوش سے ملنے جا رہے ہیں؟" چانگ نے کہا۔

اس کی تجویز مناسب تھی۔ خود میں نے بھی اسی سوچ کر پیدل چلنے کو ترجیح دی تھی کہ کوئی ہم پر زیادہ شک نہ کر سکے اور عمارت سے کوہو کر کسی اور راستے سے شہزادہ خوش کو رہائش گاہ تک پہنچیں میں نے چانگ کی تجویز سے اتفاق کیا۔

کچھ دیر بعد ہی میں نے رضوان اور چانگ کے ہمراہ شہزادہ تو خوش سے ملنے روانہ ہو گئی۔ روانگی سے قبل میں نے وہ خط بھی ساتھ لے لیا تھا جو بیچن لالہ نے شہزادے کے نام لکھا تھا۔

میں اور رضوان قدیم سے قدم ملا کر چل رہے تھے چانگ ہم سے چند قدم آگے چلا جا رہا تھا۔ میں نے چانگ کو روانہ ہوتے وقت ہی کھجوا دیا تھا کہ اسے راستے میں ہم سے کوئی بات نہیں کرنی، بلکہ ہم سے الگ الگ چلنا ہے۔ اسیے ظاہر نہیں ہونے دینا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں نے یہ قدم بطور احتیاط اٹھایا تھا۔ میں بحال ایک ایسے شہر میں تھی جہاں قدیم قدم پر میری زندگی کو خطرہ پیش آ سکتا تھا، اور مجھ پر کسی کاؤڈر ایسی شہرہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میرے ہمراہ کسی چینی اہرنامہ خطرے کے بات نہیں تھی خواہ وہ چینی ہاپے لباس اور وضع قطع سے ایک ترقی یافتہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو۔

رضوان مجھ سے شہزادہ تو خوش کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر رہا تھا۔ ہم دونوں انتہائی سادہ سی زبان میں بات کر رہے تھے۔ ایک ہیبتی سی لمبی لمبی میسر کرتے ہوئے میں نے چونکہ کوئی چھپ کر دیکھا۔ مجھے چانگ کی بات پر جواب دینا کافی غلط پر مجھے ایک مقامی باشندہ

نظر آیا جو تیر تیر قدم اٹھا کر اسی طرف تشریف لے رہا تھا۔ میں ہی رضوان کو روک کر کہنے کا اشارہ کیا، مگر اپنے دیش ہانسا اٹھا کر میں جھگڑی میرا انداز اس کا بھیجے چلتے پلٹے نکل گیا۔ وہ اندیشہ اس کا کہ وہ اس کا ساتھ باندھ رہی ہوں۔

مقامی باشندہ بھی گلیں داخل ہوا اور مجھے ٹھکے دیکھ کر بڑھ گیا۔ چانگ اب کافی دُور نکل چکا تھا، مگر ابھی تک وہ میں تھا۔

میں دوبارہ سیدل بن کر سیدھی گھڑی ہو گئی۔ ٹھکانے سے میرا شہرہ یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ قدیم قلعہ میں اور رضوان پھر کمرے کے کمرے گئے۔ وہ مقام قدیم آگے چل رہا تھا، لیکن لباس کی رفتار میں یہاں کچھ فاصلہ طے کرتے ہی میں نے دیکھا کہ قلعہ ا سے مکان کے دروازے پر رنگ گیا، اور دستک اس کے قریب پہنچنے مکان کا دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والے ایک اور عمارت پر مقامی باشندہ کے آواز بہت دبی تھی، مگر میں ہی لیے کہ یہ کونسا کھانا دھڑکی لگے ہوتے تھے۔ اس نے کسی شخص کے بارے میں پوچھا تھا، اور وہ شخص اس مکان میں نہیں رہتا۔ میں نے کئی سے سرکاری، اور عوامی گھر گھر اس کیلئے یہ وہ اس طرح ایک بار پھر ہوا ہے۔ ہمیں مجھے کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ ہماری قاتل ہے۔ تو اب تک شروع ہو چکا ہے۔ میں نے واپس بھی ہو جاتی تو اب یہ مریض نہیں تھا کہ وہاں ملنے جاتے ہوئے میرا قاتل نہ کیا جاتا۔ جب میں آج کی تھی، اور وہ میری گلی کی طرف سے تھے تو شہزادہ تو خوش سے مل لوں۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ آتے کہ میں شہزادہ تو خوش سے مل ہی نہ پائی۔ ان باتوں میں نے ہی فیصلہ کیا کہ قاتل کے بل بوتے پر رضوان کو بھی صوبت حال کا اندازہ ہو چکے ہوئے ہوتے ہوتے بھلا باؤں میں ہلے خیال ہے، چھپو آنے والے سے نہ مل گیا۔ کوئی اور شہر یا کوئی اور موقع ہوتا تو

میں کی تجویز میری نہیں تھی۔ اس طرح قاتل کرنے والے ان پھر ان جاسکتی تھی، لیکن وہ کوسلا شہر میں قتل ہو گیا۔ میں نے رضوان کی بات کا جواب دیا، لیکن ہے۔ یہ شخص کی نظر میں ہو، اور اسے بطور چارہ استعمال کیا جا رہا ہو، تاکہ ہم ہلاک نہ کر سکیں۔

ان فرائض ہو گئے۔ ہم گلی کو عبور کر کے ایک چھوٹی سی ٹرک کے قریب پہنچے، اور اس پر لوگ آ جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر چانگ نے ٹرک پر کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس ٹرک میں کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ گلی میں پہلے کاب چانگ نظر میں آ رہا تھا۔ میں نے رضوان نے کہا کہ میں چانگ کو یہ رحل نظر میں رکھنا چاہتی تھی۔

گلی میں داخل ہوتے ہی میں نے دروازہ کھولا دیکھا کہ وہ اب بھی قاتل نہیں ہے یا نہیں، لیکن مجھے یہ دیکھ کر کہ اس کا دُور دراز تک پتا نہیں تھا۔ میں نے رضوان کے ہمراہ کہہ کر فاصلہ طے کرتے ہی میں جو کبھی آئی، کوئی کچھ نہ دیکھا۔

میں نے چانگ کو ایک غصوں اشارہ کیا۔ وہ چلتے چلتے ٹرک کے قریب پہنچ گیا۔ میں اسے اٹھانے کے بجائے ٹری، اور میں نے ان کو ڈانڈا کر دیکھا کہ وہ ہم سے صرف چند قدم پیچھے آ رہا تھا۔ میں نے گلی میں وہ مقامی باشندہ نہیں تھا جو کہہ رہا تھا۔

میں نے کچھ دیر میں زیادہ دیر نہیں گئی۔ ان کا مقصد لازماً یہی تھا کہ قاتل اس کے ہوتے ہوئے قاتل سے فاصلہ سے

لیب تک رضوان کو سلا دے کر کھلا دے قریب گئے، میں نے ساتھ قریب سے گزر گئے۔ ان دونوں کا اس طرح سے گزرا جتنا جتنی فریضی تھا مجھے ان کی طرف سے لگا گیا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ رضوان کو ٹرک کے قریب پہنچا رہا تھا۔ میں نے ان کا قاتل یہ تھا کہ وہ ٹرک کا رخ لگا کر چلتا تھا۔ میں نے اس طرح وہ یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ قاتل نہیں ہیں۔ یہاں تک بات ان کی لائق با اس کے کہ ان کے دونوں میں چھپ رہے۔

اچھل ہو گیا تھا۔ قاتل سے بے نیاز ہو کر میں نے تیر تیر قدم اٹھا کر شروع کیے۔ رضوان بھی بڑا سا قلعہ سے رہا تھا۔

قاتل کے دلوں کی رفتار کم تھی۔ رضوان کے لڑکھارے کرمانے کے سبب وہ آگے نکل گئے تھے۔ شاید اسی لیے وہ بہت جلد قدیم آگے پہنچ کر وہ دوبارہ سلا دے پیچھے چھپ کر چل گئے۔ اور وہاں سے آگے نکل جائیں۔ قاتل کے دلوں کی رفتار سے تھکر شہزادہ خوش کو رہائش گاہ تک پہنچا اب میں نہیں رہتا۔ اسی لیے یہ بہتر تھا کہ میں ان کا خیال ذہن سے نکال دوں۔ میں اور رضوان ان دونوں کے قریب سے گزرتے آگے بڑھے، پھر واپس چاہے گئے۔

چانگ مجھے اس گلی کے کچھ دُور آیا۔ میں نے اپنی رفتار مزید بڑھا دی، لیکن کچھ دُور چلتے ہی وہ پھر نگاہ سے اچھل گیا۔ میں نے اسے گلی سے نکل کر واپس چاہے گئے دیکھا تھا۔

اس گلی سے نکلتے ہی واپس چاہے گزرتے دیکھا کہ مجھے ایک بڑا بڑا قدیم عمارت نظر آئی۔ چانگ اسی عمارت کے قریب جا کھولا گیا تھا۔ میں نے کچھ دیر یہی عمل غامض تھا۔ شہزادہ خوش کی رہائش گاہ ہو سکتی ہے۔ میں اور رضوان، چانگ کے قریب پہنچ گئے۔

"یہ عمارت کا عجیب حقد ہے،" چانگ نے سرگوشی کی "میں اس طرف سے کچھ دُور کر کے سامنے پہنچنا ہوگا۔" چانگ نے واپس چاہے گئے تھا۔

"چلو! میں نے چانگ کے ساتھ اس گلی کی جانب دیکھا اس سے نکل کر وہاں تک پہنچے تھے۔ وہ دونوں مقامی باشندہ بھیجے سے نکل کر ہماری جانب آئے کہ یہاں سے واپس جات چلے گئے تھے۔ شاید اس لیے کہ انھیں یہ بات معلوم ہو چکا تھا۔ انھیں نے ہم تینوں کو شہزادہ تو خوش کی رہائش کے قریب چلے گئے دیکھا تھا۔ لیکن یہ کہہ کر وہ کسی اور سمت سے پھرتا کٹ کر عمارت کے گرد منڈلائے۔ مجھے کبھی اس عمل میں داخل ہونے نہیں آیا تھا۔ مگر اب مجھے ان کی پروا نہیں تھی کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں دیکھے تو اب جلد سے جلد شہزادہ تو خوش سے ملنے کی فکر تھی۔

ہم عمارت کے بڑے سے چھانک سے پہنچ گئے۔ چھانک کھلا ہوا تھا اور اس کی دونوں جانب دھڑے دار طرح سے تین کے ہتھوڑوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ چھانک کے قریب ایک چھوٹی سی گھر کی بنی ہوئی تھی جس میں دنیا وہ دونوں پہرے دار رہتے تھے۔

میں پہرے داروں نے چھانک پر دھک دیا۔ "ہمیں شہزادہ تو خوش سے ملنا ہے،" میں نے تینوں میں کہا۔

”دعا نہ نہیں ہیں“ ایک ہرے دار نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ اُس کے لیے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ چوٹ بول رہا ہے۔ مجھے خود اٹھوں نے ہی پہلنے کے لیے لایا تھا۔ تم کہتے ہو تو میں داپس چلی جاتی ہوں“ میں نے شائستگی کے ساتھ کہا۔

”تم چوٹ بول رہی ہو۔ اگر لیا ہوتا وہ ہمیں ضرور بتا دے کہ کوئی اُن سے ملنے...“ پھر وہ کچھ کہتے کہتے رگ گیل۔ شاید اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ اس سبب میں کسی چاہیے جس سے اُس کا جھوٹا گھل جائے۔ وہ دوبارہ حذر سے بولا۔ ”وہ اجنبیوں سے نہیں ملنے“

”تم صرف اس بات کا جواب دو کہ وہ اندر موجود ہیں یا نہیں؟“ اس بار میرے لیے کئی دوسری آگئی۔

”موتور خفاں اُن کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکا کہ وہ اب اندر جوتے ہیں اور کب نہیں؟“ دوسرا ہرے دار میرے منت لہجے سے متاثر ہو کر زری سے بولا۔

”تو کیا تم مطمئن نہیں کر سکتے؟ ہم بہت طویل سفر طے کر کے اُن سے ملنے آئے ہیں۔ یائیں نے دوسرے ہرے دار سے کہا۔ اس بار میرا الجھ بھی نرم تھا۔

”نہیں! ہمیں یہ معلوم کرنے کی اجازت نہیں؟ اُس نے جواب دیا۔

”ہاں ایک صورت ممکن ہے کہ اُن کے ذہنی غلط کاموں کی بنا پر وہ اب اُس سے پوچھ لیں“

مجھ کو اب مجھے ہرے دار کی بات مانتی پڑی۔ وہ اپنے دوسرے ساتھی کو ہمارے پاس چھوڑ کر عمارت کی طرف بڑھ گیا، اور میں ٹھکر کھینچے دیکھنے لگی۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ عمارت سے کچھ فاصلے پر مجھے دو دروازے مقامی باشندے کھڑے ہوئے نظر آئے۔ جنہوں نے تعجب کیا تھا۔ شاید اب وہ اس ٹکڑی سے کہہ عمارت میں داخل ہوتے ہیں یا نہیں!

مڑتے ہوئے میری نگاہ رضوان کے ہرے پر بھی پڑی تھی جس سے اُلجھن کا اندازہ ہوا تھا۔ اندر میں اس اُلجھن کا سبب کچھ بھی تھی۔ نتیجہ نہ رہا۔ سنا و حقیقت کے سبب وہ میرے اور ہرے داروں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سمجھ پایا تھا۔

کچھ دیر بعد ہرے دار ایک دھڑلے پر غصے کو ساتھ لیے لوٹا۔ اُس شخص کے جسم پر آج بھی پتھر لگا ہوا تھا۔ وہ بہترین تلاش کا سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کی چال میں بھی ایک دتار تھا۔

”موتور خفاں! آپ ہر ایک کیلینسی سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟“

غرض شخص نے قریب پہنچتے ہی مجھے سے سوال کیا۔ اُس نے منہ دوا کیا تھا لیکن اُس کے ہرے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کہتا ہے۔

”یہ میں غصہ نہ سزاؤں سے ہی کو بتا سکتی ہوں“ میں زبان استعمال کر۔

”مگر... مگر خفاں!... وہ تو شریف نہیں۔“

شخص نے رگ رگ کر لولا، پھر کہا۔ ”وہ ایسے کم پر نہیں ہیں اُن کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوں“

میں سمجھ گئی کہ بھڑکنا لڑاکا تارنی خط دکھا

میں نے وہ الفاظ جیسے سے نکال لیا میں پرتی زبان

لکھا ہوا تھا، پھر بولی۔ ”مجھے پتہ نہیں کہ یہ خط پہنچا یا تھا“

”آپ یہ خط مجھے دے دیں۔ میں اُن تک پہنچاؤں“

کے سیکرٹری نے کہا۔ اُس کے لہجے میں شائستگی تھی۔

میں نے ایک لمحے کو سوچا، پھر انداز اُس کی طرف

کہا۔ ”ہرے دار میں خود اپنے ہاتھ سے یہ خط نہیں

سے کہ پتہ موجود نہیں میں آپ فوراً خط اُنہیں

کو میرے شخص نے مجھ سے الفاظ لے لیا اور لپٹا

لے جاسکتی ہیں“

”اگر آپ کو ہمت نہ ہو تو چند گلاس پانی پی لیں“

میں نے طاری سے کہا۔ دراصل میں اس بار میرے ساتھی

جل کر کہے ہیں اور میں پاس بگ دیتی ہے۔

”ہرے دار!“ آخر غرض میری سیکرٹری نے ہرے دار کی طرف

شاید وہ یہ قصد بھی کیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ شہزادہ تو عمارت میں موجود

کچھ دیر اس بہانے پر جا رہا تھا۔ میں صرف اس

تھی کہ وہ الفاظ شہزادہ کو شکر پہنچ جانے والے تھے۔

پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا۔

مجھے اس وقت تک بتا نہیں پڑا تھا کہ اُس نے

تو شکر کہ میں جانتی تھی۔ لیکن لارہ نے مجھ بتا

کے پیش نظر شہزادہ ملاقات سے اجتناب کیا۔

کی نظر میں شک ہو گیا تھا۔ میں چاہے ہرے دار کی

یہ اندازہ لگایا تھا کہ شہزادہ تو اجنبیوں سے

کے خلاف خط سے مجھے کچھ کہتے تھے۔ میری

ایک بار مجھ سے ضرور ملے گا۔ جو ملاقات ہونے

کے خلاف پانی سے بھرنا چاہا۔ لیکن باہر نکلا۔

کے لیے باوجود چاہا کہ اور رضوان نے پانی بہا اور میں

ہلا گیا۔

کے لیے غرض میری سیکرٹری کو عمارت میں گئے کافی دیر ہو چکی

تھی کہ میں پرتی تھی۔ اب وہاں میرے زیر رکنے

کے اندازہ تو شکر کو مجھ سے ملاقات کرنی ہوتی تو اب تک

میں باہر نہیں گھومنے لگے تھے۔

نہ مڑتے ہوئے جاگ سے کہا۔

نہ مڑتے ہوئے جاگ سے کہتا تھا۔ اُس کے خوش اخلاق

میں ہم سے عمارت کے اندر چل کر بیٹھنے لگے کہ تھا۔

انہوں نے حیرت دیکر شاید اس میں بھی کوئی مصلحت

تھی۔ شہزادہ تو خواجہ بیانیوں سے یہ سلوک دیکھتا

تھا کہ کوئی غلطی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ ممکن ہے

اس کو خود نہ رہا ہو۔

اب اس بات پر کیا گیا، عمارت اب تعاقب کرنے

والا ملک پہنچے تو دوسرے ہو چکی تھی، اور اب مجھے

دلنے ہی تھی۔

میں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا، اور جاگ

اٹھا۔ میں چلا گیا جان بقیہ افراد بھی تھے۔

کے دوران میں رضوان اور میں شہزادہ تو شری

تے پہلے کھانے سے فراغت پا کر میں ہاتھ

کھینچ کر سامنے سے ایک شخص کو نیچے کی طرف

دھکے مار رہا تھا۔

میں نے اسے سوال نہ کرتے دیکھا۔ اُس نے

ہاتھ میں ہاتھ ڈالا اور ایک الفاظ میری طرف

فرمایا۔ میں نے اس کا نام لیا تھا۔ میں نے وہ الفاظ

کے الفاظ دیتے ہی وہ واپس کے لیے مڑ گیا اور

سبب میں سمجھا کہ کوئی شخص ہے جس میں جاگ رہ

کے خط دیکھنے والا کون ہو سکتا تھا؟ میں

نے سوچا۔ اور میرے ذہن میں ایک نام گونجا۔ وہ خط مجھے سارہ

بھی کچھ سن سکتی تھی لیکن کیوں اُسے خط دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا

اُسے علم ہو گیا کہ میں چاہا ڈیو پیج میں ہوں، اور وہ چاہتا ہے کہ میں

چاہا ڈیو سے ٹوٹ جاؤں؟

میں یہی سوچتی ہوئی تھی کہ میں داخل ہوئی اور الفاظ کھول لیا۔

رضوان بھی میرے ہاتھ میں وہ الفاظ دیکھ کر قریب آ گیا۔ پھر جیسے ہی میں

نے الفاظ کھولا، چوبک پڑی۔ وہ خط مجھے سارے نہیں شہزادہ تو ش

نے تھا تھا۔ رسم الخط انگریزی تھا۔ ایک سفید کاغذ پر صرف چند جملے

تھے۔ عمارت کے آفریں اُس کا نام بھی نہیں تھا تھا۔

”مصلحتاً میں اُس وقت تم سے ملاقات نہ کر سکا۔ اگر ممکن ہو تو

مجھ سے ملنے کی کوشش کرو، لیکن اگر ملاقات ناگہری ہے تو میری رات

ٹھیک آٹھ بجے میری پھاٹک کی بجائے عقیقہ دروازے پر پہنچ جاؤ“

”بظاہر یہ خط شہزادہ تو شری کا معلوم ہوتا ہے۔ معاً رضوان کی

آواز نے مجھے چڑھایا۔ وہ بھی خط چھپکا تھا۔

”ہاں!“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور خط کھینچا دیا۔

”بازو ابنا، یہ خط ابھی کوئی آپ کو دے کر گیا ہے؟“ رضوان نے

کہا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا اور وہ پھر بولا۔ ”یہ شہزادہ تو شکر کا بیگزیری

آیا تھا؟“

”نہیں!“ میں نے جواب دیا۔ ”یہ خط وہ بھگتوں کے کر گیا ہے جو

میں لارہ کے لیے چائے لےنے آیا تھا“

”کیا؟“ رضوان حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”بازو یہ کوئی فراڈ بھی ہو سکتا ہے؟“ رضوان نے کہا۔ ”شہزادہ تو

کی رشتہ کا ایک ہزارا تعاقب کیا گیا تھا، اور تعاقب کرنے والے

شاید ہمارے دوست نہیں تھے“

”اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔“ میں نے تاکید کی پھر

بولی۔ ”یہ بات تو طے ہے کہ وہ بھگتوں کی کسی کا آقا ہے۔ خواہ ہمارے

دشمنوں کا خواہ شہزادہ تو شکر کا!“

”قطعاً!“ رضوان نے بھی میری بات کی تائید میں کہا۔ ”ہم اپنا

مکمل قدم اٹھانے سے پہلے سوچ سمجھ لینا چاہیے“

”مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے، لیکن میں دونوں صورتوں

میں آج رات وقت مقررہ وہاں پہنچنا چاہتی ہوں۔ تاہم اگر میری صورت حال

ہو وہ مکمل کر سکتے آجائے۔ میں فیصلہ نہیں لے سکتی ہوں۔



ٹھیک آٹھ بجے میں رضوان اور جانگ کے ہمراہ شہزادہ توشہ کی رٹاؤں گاہ کے قریب دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس بار بھی ہمارا تعاقب کر گیا تھا اور تعاقب کرنے والے پر ملتے ہی تھے۔ میں کسی بھی قسم کے جنگ سے منہ ہٹانے کے لیے پوری طرح تیار تھی، لیکن کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔

عمارت کا عقبی حصہ نرم مارک تھا۔ ہم جیسے ہی آگے بڑھے، عقیقہ دروازے سے ایک سایہ باہر نکلا، پھر ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی، خوش آمدید، شہزادہ توشہ کے ہمارے وہ سایہ ہمارے قریب آکر گر گیا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ شہزادے کا اڈھیر ٹیکر تھی۔ اُدھر اس وقت بھی وہ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔

وہ میں عمارت کے عقبی دروازے سے لے کر اندر داخل ہوا اور اندر داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک طرف ہلکی کر روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر اُس طرف بڑھا۔

وہ ایک زینہ تھا جس میں کم طاقت کا بلب روشن تھا اور اُس کی روشنی باہر تک آ رہی تھی۔ ہم اُس کے پیچھے پیچھے چڑھیاں چڑھنے لگے۔ اڈھیر ٹیکر کی زینہ چڑھ کر ایک ریلواری میں مڑا جس کی دونوں اطراف کڑوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ میں نے کرایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرہ خالی تھا اور نشست فرش پر ابھرے میں دبیر فالین بچا ہوا تھا اور جگہ جگہ تک لگانے کے لیے بیٹھنے لگے ہوئے تھے۔ ہم نے کمرے کے دروازے پر جوتے اتارنے اور اڈھیر ٹیکر شخص ہمیں دبان چوڑ کر چلا گیا۔

ہمیں کمرے میں بیٹھنے پر شکل ایک دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ کمرے کے دروازے سے ایک شرح و مفید دھمکت والا دروازہ قند شخص اندر داخل ہوا۔ میں احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی۔ چانگ اور رضوان نے بھی میرا ساتھ دیا۔

وہ جو تے اماکر اندر داخل ہوا اور ششہ انگریزی میں بولا۔ "بیٹھے بیٹھے!"

میں نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اُس کی آنکھوں سے ذہانت اور بڑبڑا رہی تھی۔ اُس کے جسم پر پتھری نہیں کہ بہترین

سوٹ تھا اور ہڈیوں میں مڑا سا تھا۔ لیے میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ ایک معزز ترقی سے ملنے آئی ہوں کہ یورپین مفکر کی طرح نظر آ رہا تھا۔

وہ ایک ٹیکے سے ٹیک لگا کر پھر میں نے ایک گفتگو کا آغاز کیا۔ "منا ناگزیر نہ ہوتا تو میں آپ کو کبھی رو میں سمجھتا ہوں، سمجھتا ہوں۔"

اپنی بھاری آواز میں بولا "محترم جن میں تفصیل سے سمجھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو گیا ورنہ میں اجنبیوں سے نہیں ملتا۔ لیکن چرائیسیلیسی جنیوں جردہ سے ہیں یا میں نے مسکر کر مسنی

میری بات سن کر اُس کے بہتر سن بولا "آج کل تبت کے حالات یہ رہنا پڑا ہے۔ پھر وہ بولتے بولتے

کی طرف سوالیہ چکھ سے دیکھنے لگا تھا اس سے پہلے کہ وہ من دونوں بول اٹھی۔ "چرائیسیلیسی! یہ دونوں پاکستانی ساتھی رضوان ہیں" میں نے

چانگ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "اد فوج کے ایک فتنے دار افسر! میں آپ کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکی ہوں۔ چانگ کے تعارف پر شہزادہ

راہ کر بولا۔ تمہیں میرے بارے میں شاید کچھ بھی سنائے ہو۔ وہ انگریز کے کچھ عرصے تبت سے باہر بھی رہا ہوں دیکھئے! اس لیے مجھے تبت کی بھی اپنے اہل وطن کی طرح محترم

کی تبت والی کا خوش آمد ہوئے۔ احساس ہے کہ ان کی تبت واسی کا لازم دیتے مجھے دوستی کا جذبہ بڑھتا ہے کہ وہ چینی حکومت سے تعارف

کہہ گا کہ کتنا اُس میں خلوص اور سچائی کی لئے ان کے کردار اور صفات کوئی نے مجھے عام آدمیوں میں بہتے ہوئے مجھے اُس

کہہ کرے کش لینے کے بعد وہ پھر بولا۔ "جو کہ میں تمہارے والد نواب شیر جنگ کے لیے اُن کے خیالات بھی کی تھے

کے خیالات یقیناً قابلِ قدر ہیں، لیکن کام میں آبادی مختلف قبائل کے کیا خیالات

اپنے غلام کے سامنے ان خیالات کا ہاتھ نہیں کر رہا تھا۔ یہ میرے نقطہ نظر کو نہیں

کے جواب دیا۔ "وہ محترم دلائی لاما سے اُن کو ان کی دہلی کے سوا کوئی اور بات

میں ملتی اُن کا لیدر ہے۔ اُن لوگوں کا اتنا اُن کی مخالفت کر رہا ہے تو وہ بے دریغ

اے۔ اُن کی منشی جنیس اتنی تیز ہے کہ میں اُسے تم کہنے کے بعد نہیں سمجھتے

میں تک واریک کو بھری میں ڈال دیا کہ اُسے دعوہ سمجھتا ہے۔ مجھے بھاری ہے۔ یہی سوج کر میں نے نہیں بیان

اب عوام کے درمیان اپنے خیالات کا اظہار ضرور کروں گا کہ اسی میں تبت کی فلاح و بہتری ہے۔

"میں چرائیسیلیسی! میرا خیال ہے کہ آپ دہرہ وکر تبت کچھ کر سکیں گے۔ میں کچھ سوچ کر کہی یہاں آئی ہوں۔ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئی تو یہی کسی جھگڑے فساد کے ہی سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

میری بات سن کر شہزادہ توشہ نے انکار میں سر ہلایا، پھر بولا۔ "انوار غالباً تمہیں حالات کا صحیح اندازہ نہیں بخترم دلائی لاما کی تبت والی خون خرابے کا باعث ثابت ہوگی اور انھیں تبت آئے سے روکنا بھی خوں خرابے کے بغیر ممکن نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں پورے صوبہ کام میں تنہا شخص نہیں جو یہ خیالات رکھتا ہوں۔ میرے ہمنوا اور بھی ہیں، مگر اکثریت انہی لوگوں کی ہے جو سوچے سمجھے بغیر ہستی اور اُس کی پابندی کے اشاروں پر تاراج رہے ہیں۔ ان لوگوں کو بغیر خون خرابے کے روکنا ناممکن ہے۔"

"مجھے بھی اس بات کا علم ہے چرائیسیلیسی! لیکن میں بھی سمجھتی ہوں کہ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئی تو خون خرابے کی فوج نہیں آئے گی۔ مجھے کسی طرح ہستی اور اُس کے ساتھیوں کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں خود اُن کے حق میں بہترین باتیں ہیں۔ پُر زور الفاظ سن کر۔"

ناممکن! شہزادہ توشہ بھی چڑچڑا رہے ہیں بولا۔ "آسمان سے اُسے تو کر لانا ممکن ہے لیکن ہستی کو یہ سمجھانا کہ وہ غلطی پر ہے ممکن نہیں۔ پھر بھی اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو میں اُس سلسلے میں تمہاری ہمدرد کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے آپ سے صحت آتی رد درکار ہے کہ آپ حالات کے پیش نظر سمجھتے اور میرے ساتھیوں کو اپنے یہاں پناہ دیں اور ہستی سے میری ملاقات کا بندوبست کر دیں یا معلوم کر کے بتا دیں کہ وہ مجھے کہاں مل سکے گا۔ میں نے اُسے اپنے مقصد سے قریب آتے دیکھ کر ہلکی سے کہا۔"

"تم اُن کو کہاں پناہی گھر سمجھتی ہو؟ شہزادہ توشہ کے لیے میں اپنا بیٹ

آوازیں مٹائیں کس خاموش ہو گئی۔ شہزادہ تو سوجھ بوجھ کا اٹھا تھا۔ اُس نے بھی غالباً شہزادہ ہنگامے کی آوازیں سن لی تھیں جو کہ بلکہ تیز ہوئی جا رہی تھیں۔

اُسی وقت شہزادہ تو شو کا ادھر ٹھہر کر سیکڑی کر کے یہیں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر ہوا میں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے زبانی ہوئی آواز میں بتایا: "ہزار کیسی بے اصل کو بلوائیوں نے گھیرے یہاں لے لیا ہے" اور وہ اندر گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مے بھر کر شہزادہ تو شو کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا، لیکن دوسرے لمحے وہ پرچش انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کو خانے سے رانٹیں نکال کر تمام غادوں کو تقسیم کر دو!" اُس نے آدھیر ٹھہر کر سیکڑی کر حکم دیا۔ بلوائیوں کو کل میں کھینچے، ہر قیمت پر روک لے کر سیکڑی چلا گیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوا: "یہاں سے لے کر اٹھا کر پام ڈیڑھیں قدم دینے والا تحریک کا کوئی مخالفت چھپا نہیں دے سکتا۔ تمہیں آئے ہوئے ابھی چھوٹے گھنٹے نہیں گزرتے کہ یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا!"

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے مطالبہ کرے کہ کچھ بھی جاسوسوں کو اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اُن کا مطالبہ تسلیم کریں" میں نے کہا۔

"نہیں! میرے جیسے جی یہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ تمہیں فوراً ختم کر دیں گے" شہزادہ تو شو نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "کیا ہمارے لیے ہزار کا کوئی راستہ نہیں ہے؟ میں بھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے ساتھ ہی رضوان اور چانگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہیں! میرا خیال ہے" انھوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیرا جو گا جلا بھی مل کر دیکھ لیتے ہیں۔ شہزادہ تو شو آگے بڑھتا ہوا بولا۔

رضوان اور چانگ بھی میرے ساتھ آگے بڑھے۔ ساتھ مجھے خیال آیا کہ چانگ کو ہمارے ساتھ نہیں چلنا چاہیے۔ میں نے اُسے مقابل کیا۔ میری اور رضوان کی زندگی سے زیادہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ تمہیں بلوائیوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ تمہیں ہنگامہ شہزادہ تو شو نے بھی میرے خیال کی تائید میں کہا: "ہاں یہ بہتر ہے۔ انھیں یہیں چھوڑ دو!"

شہزادہ تو شو مجھے اور رضوان کو مل کے ایک ایسے حصے میں لے گیا جہاں سے چھپ کر ہم بلوائیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ محل کا

سامنے والا حصہ تھا۔

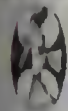
میں نے سینکڑوں افراد کو مل کے بند کھڑا ہوا دیکھا۔ دونوں پہرہ دار جھانک بھانک کے آنے بیٹے تھے۔ مجھے یہ سن کر آزاد ہونے سے ملتا تھا۔ میرے چلنے والے چاقو، لٹاٹھیاں اور سے کچھ کے پاس بند تھیں اور رانٹیں بھی تھیں۔ میں نصیب لگا ہے تھے جن کا مقصد یہی تھا اور میں تھیں کی موت ماننے کے لیے اُن کے ہاتھ شہزادہ تو شو کے غلات بھی نصیب چینی لگا کر مارا تھا۔

میں نے دیکھا کہ یہ نصیب کس کے سرخ ہو گیا۔ وہ واپس پستیا ہوا بولا: "اگر آپ نے یا آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک کو بھیج کر یہاں آکر رہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ شہزادہ تو شو کو مخاطب کیا۔

"اور لو! اُن شرعاً جتنے سے پہلے میں نے رضوان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟" شہزادہ نے بے بسی بھی تھی۔

اور میرا ذہن ہی سوچنے میں نہ سے کس طرح منتا جائے؟ وہ میں چڑھی تھی بلکہ شہزادہ تو شو بھی ہا



رات وقت میں تھا کہ میں صدمت حال میں بیٹھا ہوا تھا۔ گھنٹے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔

مشتعل ہجوم ہیں دیکھ کے؟

میں نے ایک دم لے سامنے دیکھ کر کوئی نہیں چلائی گئی۔ "اچھا! یہ کہ انھیں آپ سمجھ گئے ہیں!" شہزادہ تو شو بولا۔

میں نے یہی کہی کہ اسے اس کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں! اور میں تھیں کی موت ماننے کے لیے اُن کے ہاتھ شہزادہ تو شو کے غلات بھی نصیب چینی لگا کر مارا تھا۔

میں نے دیکھا کہ یہ نصیب کس کے سرخ ہو گیا۔ وہ واپس پستیا ہوا بولا: "اگر آپ نے یا آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک کو بھیج کر یہاں آکر رہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ شہزادہ تو شو کو مخاطب کیا۔

"اور لو! اُن شرعاً جتنے سے پہلے میں نے رضوان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟" شہزادہ نے بے بسی بھی تھی۔

اور میرا ذہن ہی سوچنے میں نہ سے کس طرح منتا جائے؟ وہ میں چڑھی تھی بلکہ شہزادہ تو شو بھی ہا

رات وقت میں تھا کہ میں صدمت حال میں بیٹھا ہوا تھا۔ گھنٹے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔

مشتعل ہجوم ہیں دیکھ کے؟

میں نے ایک دم لے سامنے دیکھ کر کوئی نہیں چلائی گئی۔ "اچھا! یہ کہ انھیں آپ سمجھ گئے ہیں!" شہزادہ تو شو بولا۔

میں نے ایک دم لے سامنے دیکھ کر کوئی نہیں چلائی گئی۔ "اچھا! یہ کہ انھیں آپ سمجھ گئے ہیں!" شہزادہ تو شو بولا۔

میں نے یہی کہی کہ اسے اس کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں! اور میں تھیں کی موت ماننے کے لیے اُن کے ہاتھ شہزادہ تو شو کے غلات بھی نصیب چینی لگا کر مارا تھا۔

میں نے دیکھا کہ یہ نصیب کس کے سرخ ہو گیا۔ وہ واپس پستیا ہوا بولا: "اگر آپ نے یا آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک کو بھیج کر یہاں آکر رہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ شہزادہ تو شو کو مخاطب کیا۔

"اور لو! اُن شرعاً جتنے سے پہلے میں نے رضوان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟" شہزادہ نے بے بسی بھی تھی۔

اور میرا ذہن ہی سوچنے میں نہ سے کس طرح منتا جائے؟ وہ میں چڑھی تھی بلکہ شہزادہ تو شو بھی ہا

رات وقت میں تھا کہ میں صدمت حال میں بیٹھا ہوا تھا۔ گھنٹے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔

مشتعل ہجوم ہیں دیکھ کے؟

میں نے ایک دم لے سامنے دیکھ کر کوئی نہیں چلائی گئی۔ "اچھا! یہ کہ انھیں آپ سمجھ گئے ہیں!" شہزادہ تو شو بولا۔

میں نے یہی کہی کہ اسے اس کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں! اور میں تھیں کی موت ماننے کے لیے اُن کے ہاتھ شہزادہ تو شو کے غلات بھی نصیب چینی لگا کر مارا تھا۔

”ہم نے اسے لیتے ہیں کہ تم فدا کا یہ سبب ہے کہ میں ہو سکوں ہمارے
اطلاعات غلط نہیں ہو سکتیں۔ ان اطلاعات کے مطابق تم چینی حکومت
کے ایسا ہی ہاں آئی ہو۔ میری بات کے جواب میں مجھے سے کہا گیا۔
”ہم تم پر بدھوسہ نہیں کر سکتے۔“

میں نے انکار نہ کیا کہ انھیں یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ میں چینی
حکومت کے ایسا ہی ہاں نہیں آئی۔ لیکن میں اس بات کو ان کے دعوے پر
تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس لیے بات کا رخ بدل دیا اور
بولی کہ میں کب کبھی ہوں کہ تم مجھ پر بدھوسہ کرو! اگر تمہارا مطالبہ یہی
ہے کہ میں اور میرا سہیلی تمہارے درمیان آجائیں تو میں اس پر آمادہ
ہوں۔ تم مجھے اور میرے ساتھی کو اپنے رہنے کے پاس لے جاؤ پھر خود
کے اس پر عمل کرو۔“

مجھے یہ خاموشی طاری ہو گئی اور میرے چپ ہوئے ہی شہزادہ
قوش کو منہ لینے میں بولا۔ ”بلاؤ۔“۔۔۔ تم نے کیا کہہ دیا؟ ان بڑائیوں
پر کس طرح اختیار کیا جاسکتا ہے؟“

”انتظار کرنا ہی میرے پاس ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
”ان حالات میں اس کے سوا کوئی اور بہتر صورت نہیں ہے۔ یہ کہتے
ہوئے میں نے مجھے کی طرف نگاہ ڈالی۔ ”ان کی خاموشی ختم ہو چکی تھی
اور وہ ایک دوسرے سے ایک بار پھر یہ میگوئیاں کرنے لگے تھے۔
انہوں نے ایسا ہی تھا جیسے وہ آپس میں صلاح مشورہ کر رہے ہوں۔

”ایک تو میں بات لے نہیں کر رہا۔ لوگ تمھیں ہمتی نہکے سے بھی
جائیں گے یا نہیں پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تمھیں تمھاری بات
سننے اور ملتے پر آمادہ ہو جائے گا؟“ شہزادہ قوش بولا۔ ”میں تو تمھارا
ہوں کہ اس طرح تم سخت خطرے میں گھر جاؤ گی۔“

”لیفٹننٹ سول لے تو چھ نہیں ہو سکتا۔“ ایک سیلینی نے کہا۔
”جواب دیا۔“

شہزادہ قوش نے اسی وقت مجھ سے تہی زبان میں گفتگو کا
آغاز کیا۔ ”میں نے بھی تہی زبان بول رہی تھی لیکن جب آخری
جملہ آواہ۔۔۔ نے میری نظر انھوں کے انجمن زدہ چہرے پر
پڑی تو میں نے دیکھ کر سسکا دیا۔

”کیوں تم اتنے پریشان کس لیے نظر آ رہے ہو؟“ میں نے اسے
”خبر کرو تو مجھے کیا بات ہے۔“ وہ چڑھ کر اردو میں فوراً سے

”مجھے جو سبب کو بھی تو خبر لے کہ حضور کیا حال ہیں۔“
میں نے بہت مختصر الفاظ میں اسے صورت حال سے آگاہ کر
دیا تو اس کے چہرے سے انجمن کے اثرات ختم ہوئے اور وہ شہزادہ
قوش سے مخاطب ہو کر اصل بالائی ایک دوست بھی ان باتیں
کے درمیان موجود ہیں اس لیے بالائی زیادہ فکر مند نہیں ہیں۔ رضوان

کا اشارہ سارہ کی طرف تھا اور میرے سر پر
پدس تو خوتے میری طرف سوالیہ نگاہ
تائید کی یہ خوشیوں کی صف میں داخل ہوئی میری
اور وہ کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک
ثابت ہو سکتی ہے کہ اس بار میں نے رضوان کی
انگریزی زبان کا سہارا لیا۔

”غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک!“ شہزادہ
اسے کچھ یاد آگیا۔ ”میں نے اس کی زبان کا ذکر تو نہیں
تو تم بھی اب انگریزی زبان میں بات کرنے کا
”جی ہاں ہنر ایک سیلینی! آپ واقعی
میں بولی۔

”میں نے اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کا
مجھے اس کے سامنے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا
نہ تھا۔

شہزادہ قوش کی بات سن کر رضوان
پھر اس سے نہ رہا گیا۔ ”اس نے مجھے مخاطب
غیر معمولی صلاحیت کے لیے میں آپ نے
”اسی میں غلطی کی تھی کہ انھیں ملنے
”میں نے بھی اس کے سامنے آنے سے گھبرا
کر جواب دیا۔

”آج تمھیں تاؤ چلے کہ لوگ اس کے سامنے
ہیں؟“ رضوان انجمن آ کر لے لیے میں بولا۔
میں کچھ کہنے کی دلی تھی کہ میں اپنے
مخاطب میں کی گئی تھی۔ ”تم اور تمہارا ساتھی
کو ہمتی کے پاس سے چلیں گے پھر وہ جو کہ
میں نے بچے کا جائزہ دیا۔ کہ جسے کہ
محول پر سکون تھا۔

”ہم بچے آ رہے ہیں!“ میں نے بلند آواز
”کیا ہوا؟ کیا وہ لوگ مان گئے؟“
”ہاں چلا!“ میں نے جواب دیا۔
”اب بھی وقت ہے بالائی سوچ رہا“

آگے بڑھتے ہوئے بولا۔
”ابھی طرح سوچ لیا ہر ایک سیلینی
سکوا کر چڑھ کر بھی میں کہا۔
”بچے جانے والے نہیں رہتے۔“

”بالائی تمھیں ہمتی کے ہاں ہے۔“ میں نے اسے
ساتھی کے ساتھ اس نے کوئی زیادتی کی

”ہاں ہمتی کے منتظر ہیں۔“
”ایک سیلینی! مجھے ہمتی کو راہ راست پر لانے اور
میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
”کیا پتا ہے؟“ اس کے لیے میں انجمن تھی۔
”کامات!“ میں نے جواب دیا۔ ”آپ کل صبح وہاں
ت کوئی گڑبڑ ہو گئی تو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں میں اسے ہوا کا درمیان اپنے مقصد میں کامیاب
میں نے کہا۔ ”اگر بالفرض میں کامیاب نہ بھی ہوں تو
میں میں ایک اپنی زندگی کی حفاظت نہ کر سکوں“
اور دیکھ کر رشک آئے۔ ”شہزادہ قوش کے لیے میں
میں مانتی ہوئے کہ سوئیں تو میں!“ رضوان

”جسے آہستہ سے منہ میں بڑھا دیا۔
”آگے تھا اس لیے رضوان کی پرہیزگار پراسنے
میں نے شکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے رضوان سے
”رضوان تمھاری طرح قبیلے پر دل رکھتے نہیں پھر
”اب میں نے اسے آکر مدد دینا کے لیے طرف بڑھ
نے غامضی ہی مناسب سمجھی۔ ”بلائیوں پر یہ حال
میں کیا جاسکتا تھا اس لیے میرے ساتھ ہی
گیا تھا۔

”ایک سیلینی ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ اس وقت
میں نے یہ دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ اب
”اس افراد نظر آ رہے تھے جنہیں غالباً مجھے اس
کا شکار دے دیا اور رضوان کو ہمتی کے پاس لے
کر ملاقات تھی کہ میری بات کو تسلیم کر لیا گیا۔
”میں نے اس بات پر رضا کا شکریہ ادا کیا کہ مجھے کو
”خدا۔ جن کے ایسا پر وہ مشعل جو دم کوں بچا
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

شہزادہ قوش ان لوگوں کے سامنے جا کر ڈر گیا۔ اور چہرہ بلند
آواز میں بولا۔ ”تم لوگ انھیں ہاؤس گروہ نہ بھولنا کہ یہ لوگ میرے
مہمان تھے اور یہ انام شہزادہ قوش ہے۔ اگر تم لوگوں نے معاہدے
کی خلاف ورزی کی تو اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔“
”ہم آپ کے مہمان کو عزت و احترام سے ہمتی کے پاس لے جائیں
گے لیکن اس کے بعد ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔“ ایک بوڑھے نے
شہزادہ قوش کی بات سن کر کہا۔

”ہاں میں اس سے یہی چاہتا ہوں۔“ شہزادہ قوش بولا۔
میں اور رضوان شہزادہ قوش کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں
نے آگے قدم بڑھائے اور شہزادے کے
اب میں اجازت دیجیے۔“
”اس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

”ایہ خیال رکھنا ہوتا!“
”اور یہ بھی ہر ایک سیلینی!“ پیچھے سے رضوان بولا۔
شہزادہ قوش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”تمہارا ساتھی
خوش مزاج اور تمھاری طرح مضطرب اعصاب کا مالک ہے۔“ اس نے
میری طرف دیکھ کر کہا۔ ”پھر بولا۔“ ”اتھام لوگ جاؤ!“

”میں اور رضوان آگے بڑھ کر ان لوگوں کے درمیان پہنچ
گئے۔ انھوں نے ہمیں اپنے جلیوں میں لیا اور ایک مجلس کی سی شکل
اختیار کر لی۔ میری بائیں جانب ایک چھٹی بوڑھا چل رہا تھا جو چہرے
سرخ اور گرد بے معلوم ہو کر تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ ”کیا تمہیں
ہی ملیں گے؟“

”ہاں بیٹی!“ جس کی آواز میں غلوں تھا۔ یہاں سے ہمتی
کی رہائش گاہ تھا۔ ”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!
”میں نے اسے دیکھ کر ہنسی کی تھی کہ ہمارے اندر کوئی ہے!

”جواب میں رہو گے“ میں نے اس کی طرف دیکھ کر انکھیں نکالیں۔

”صرف ایک شرط پر!“ وہ شرارت سے بولا۔

”وہ کچھ...“

”مسلحہ کی غیر...“ صلاحتوں کے واسطے میں بنا دیجیے!“ اس نے دھم لینے کہا۔ اُسے یہ احساس محذور تھا کہ سارہ کا نام ان لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھا جو ہمیں اپنے ساتھ لے جائے تھے۔

”یہ وقت ان باتوں کا نہیں!“ میں نے اس پر نرم لہجے میں کہا۔ ”اس طرح خوشامدانہ نتیجے میں بات کیا کون تو جھلاں کیوں مند کیا کروں!“

”تم کچھ کو اس کرنے لگے!“ میں نے دوبارہ سخت ہوا اختیار کر لیا اب تم کچھ بھی سمجھتے ہو جو کچھ تمہاری بات کا کوئی جواب نہیں دوں گا!“

”اُس کے بعد رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ شاید کچھ کاٹھا کہ اب میں واقعی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی۔ میں اب اپنے ہمراہ چلنے والے بوڑھے کے مزید قریب ہو چکی تھی۔

”کیا اب تم نے بھی میرے والد کا نام سنا ہے؟“ میں نے بوڑھے کو مخاطب کیا۔

”میں نے ان کا صرف نام ہی نہیں سنا بلکہ انہیں قریب دیکھا بھی ہے۔“ بوڑھا اُس طرح بولا جیسے اُسے اپنی بات پر فخر ہو۔

”کب؟“ میں نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”میں نے انہیں کئی بار محرم دلائی لارم کے ساتھ دیکھا تھا ایک بار محرم کے کمرے کے جہازوں پر جب محرم دلائی لارم یہاں جاؤ اور اُسے اتار دیا۔ وہ میرے دوست کا ایک حافظ کا محرم دلائی لارم کے خاص

خادموں میں سے تھا۔ اُس نے میں پڑتا لارم کی سرکرائی تھی۔“ بڑھتے تے بتایا، پھر چند لمحے تو تھکے بعد بولا ”مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب چیکو دی کی درگاہ کے سامنے والے میدان میں ایک ہڑا جلسہ ہوا تھا۔

میں بھی اُس جلسے میں شرکت کرنے کے لیے گیا تھا۔ اُس جلسے میں محرم دلائی لارم نے اپنی تقریر کے دوران میں کھائے والد کی خدمات کا اعتراف کیا تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ میری والدین نے دینا سے ہیں جو مال امداد مل رہی ہے، اُس میں تمہارے والد کا بڑا حصہ ہے، یہ کہہ کر بوڑھا غامض ہو گیا۔

”کیا آپ کے علاوہ اس مجلس میں موجود دوسرے افراد بھی میرے والد کی خدمات سے آگاہ ہیں؟“ میں نے بوڑھے سے دریافت کیا۔

”ہاں مگر زیادہ لوگ نہیں۔“ (جو اُن کو کھجکا کیا خبر!) ”بوڑھے نے جواب دیا۔

”شہزادہ تو کوشے یہاں ہلدی موجود کے باسے میں آپ لوگوں

کو کبھی علم ہوا تھا؟“ میں نے سوال کیا۔

”پتا نہیں مجھے کس نے اطلاع دی تھی!“ بولا ”ہاں یاد آیا۔ میرے پاس شہزادہ آیا تھا۔

”شہزادہ کون؟“ میں نے پوچھا۔

”میرا ایک بڑی ہے،“ بوڑھے نے کہا۔ ”آپ نے شہزادے میں پوچھا کہ اُسے کس میں نے اس کی ضرورت ہی محسوس ہوئی ہے اسے ساتھ ہے۔ تم کو تو اسے بلاؤں۔“

”ہے،“ بوڑھا بولا۔

”میرے کہنے پر بوڑھا تیز رفتروں بوڑھے کو میرے قریب لے آیا۔ وہ بھی پتلے بوڑھے مجھے گھنڈی نے اطلاع دی تھی۔“

”تایا، پھر بولا“ گھنڈی اکثر منتی کے ساتھ دیکھا اُس کی بات کا فدا“ یقین کر لیا۔ وہی جی نہیں شک تھا کہ وہ ہمارے دشمنوں سے ملا ہوا ہے۔

”شہزادے کو کھنکھارنے کے بعد بھی میں کس پہنچ گئی۔“ ہاں یہ محرم مسلم ہو گیا کہ اُس اچھی منتی تک محرم جاتا تھا۔ دراصل مجھے اس

چون چڑی پر شہر تھا۔ چن چڑی نے ہماری آہ رکھتے ہوئے اپنے کچھ ساتھیوں کو کام ڈلوا

سنے کے لیے محرم کو دیا ہو گا۔ چن چڑی نے اُس موقع دیکھ کر کہو اگر ادا جائے۔ یعنی جاسوس کے پیشے پر۔“

”اس کچھ کیا یا نا کوئی مشکل کام میں اپنی خالوں میں غامضی سے آگاہ۔“

”قریب آگیا اور بولا“ ہاں اب تو آپ بوڑھوں اور بھی غور کر رہے ہو جائے۔“

”تم بہ ہانسنے کے لیے قریب سے گیا نظر ہو کر؟“ میں نے مسکرا کر اُس کی طرف

”جی ہاں! لیکن مجھے وہ گفتگو سنانے کا نا ہو۔“ وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا۔ ”مجھے جن کا تعلق موجودہ حالات سے ہے۔“

”اور اگر میں تمہیں کچھ بھی بتاؤں تو؟“

”تو صبر کروں گا۔“ وہ ٹھنڈا سا سانس لے کر

اس سے مشکل پچاس گز دور تھی۔ میری آنکھوں

گھومنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ سارہ اُسی غارت

لی۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں اپنا تمام ارادی کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔ مجھے

ہر وقت ارادی کا مظاہرہ کرنا تھا تاکہ میں اُس سے بھی کچھ باتوں کا چھپا چھپا کرنا ممکن ہے۔

”اُس نے میں کا یہاں ہوا تو اُسی وقت اُس سے جو کچھ بتایا ہے یا اُس نے خود منتی کے ہاتھ

”میں کیلے“ وہ غلط ہے۔ اس کے بعد کی بات

”اُس کا اعتماد میرے بغیر میں اُسے قدم میں بڑھا

”اُس سے پہلے کبھی میری ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں

”میں بول رہی تھی۔“

”اُس کے بعد دوڑنے پر دوسرے افراد موجود

”میں انکھیں کھیں۔“ انھوں نے مجھے کہنے پر قریب

”میں کیلے“ وہ غلط ہے۔ اس کے بعد کی بات

”اُس کا اعتماد میرے بغیر میں اُسے قدم میں بڑھا

”اُس سے پہلے کبھی میری ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں

”میں بول رہی تھی۔“

لوگ رخصت ہونے لگے اور منتی مجھے بے کمالات کے انداز

ہوا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے رضوان تھا اور اُس کے پیچھے دوسرے افراد

رائٹس سنبھالے آئے تھے۔

”چند قدم چل کر ہی منتی پلٹا اور رائٹس بڑا زور سے مخاطب ہوا۔

”ان لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تم باہر میرے دو!“

رائٹس بڑا زور سے مخاطب ہوا۔

”میں نے اُس کی باتوں کا نہیں!“ میں نے اس پر نرم لہجے میں کہا۔

”اس طرح خوشامدانہ نتیجے میں بات کیا کون تو جھلاں کیوں مند کیا کروں!“

”تم کچھ کو اس کرنے لگے!“ میں نے دوبارہ سخت ہوا اختیار کر لیا اب تم کچھ بھی سمجھتے ہو جو کچھ تمہاری بات کا کوئی جواب نہیں دوں گا!“

”اُس کے بعد رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ شاید کچھ کاٹھا کہ اب میں واقعی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی۔ میں اب اپنے ہمراہ چلنے والے بوڑھے کے مزید قریب ہو چکی تھی۔

”کیا اب تم نے بھی میرے والد کا نام سنا ہے؟“ میں نے بوڑھے کو مخاطب کیا۔

”میں نے ان کا صرف نام ہی نہیں سنا بلکہ انہیں قریب دیکھا بھی ہے۔“ بوڑھا اُس طرح بولا جیسے اُسے اپنی بات پر فخر ہو۔

”کب؟“ میں نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”میں نے انہیں کئی بار محرم دلائی لارم کے ساتھ دیکھا تھا ایک بار محرم کے کمرے کے جہازوں پر جب محرم دلائی لارم یہاں جاؤ اور اُسے اتار دیا۔ وہ میرے دوست کا ایک حافظ کا محرم دلائی لارم کے خاص

خادموں میں سے تھا۔ اُس نے میں پڑتا لارم کی سرکرائی تھی۔“ بڑھتے تے بتایا، پھر چند لمحے تو تھکے بعد بولا ”مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب چیکو دی کی درگاہ کے سامنے والے میدان میں ایک ہڑا جلسہ ہوا تھا۔

"آپ شاید چنانہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں!" منتی بولا۔
 "ہاں!" میں نے کہا، "پھر بولی" اس کی تازہ دماغ کے لو! مجھے یقین ہے کہ میرے اوپر بے ساختگی کے ساتھ جو چھوڑا اس میں بھلا تھا۔
 ہاتھ نہیں تھا۔ یقیناً یہ چنڑی ہی کی جال تھی۔ اُس کے آدھوں نے لوگوں کو بھڑکا کر شترادہ کو قتل کے عمل تک بھیجا ہو گا۔
 "میں نے آپ کا خیال درست ہو،" منتی نے میرے خیال کی تائید میں کیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جام ڈلو میں آپ کی آمد کے باقی میں جان کر کے صرف اتنا تو کیا تھا کہ آپ کی نگرانی شروع کرادی تھی۔
 مگر اس کے علاوہ میں نے کچھ اور نہیں کیا۔
 "تو کیا بھاری نظریں خطرناک بات نہیں کر چنڑی نے میری اور ضرمان کی زندگی کے علاوہ شترادہ کو قتل کی کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا؟" میں نے کہا۔
 "جہاں تک شترادہ کو قتل کا سوال ہے تو مجھے اُس سے کوئی بھڑکی نہیں!" منتی خشک ہنسنے لگا۔ "وہ آپ کا مسئلہ تو سر حال چنڑی بھی ہے جانتا ہے کہ میں یہاں جام ڈلو میں آپ کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ اگر اُس نے اپنے طور پر آپ کو یہاں سے نکال دینے کے سامان کیے تو کوئی زیادہ بے باک نہیں کیا۔"
 "یہ کیا کہہ رہے ہو!" میں نے کہا۔ "یہاں سے نکالنے کے سامان کیسے بھڑکا کر کے سامان کیے تھے؟" یہ کہہ کر میں نے اُسے مشتعل ہو کر کے ہاتھ میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔
 "اگر آپ کی باتوں کو درست مان لیا جائے کہ واقعی سب کچھ چنڑی ہی کے اشارے پر ہوا تھا تو اُس نے یقیناً ایسے انتقامات بھی کیے ہوں گے کہ آپ لوگوں کی زندگی بچنے کے لیے بذات خود چنڑی سے واضح طور پر یہ کہہ چکا ہوں کہ ہمارا مقصد آپ کو ہلاک کرنا نہیں صرف تبت سے نکال دینا ہے،" منتی نے میری بات کے جواب میں کہا۔
 "میری سمجھ میں نہیں آتا منتی کہ اُس پر اتنا اعتماد کیوں کرتے ہو! مجھے یقین ہے کہ وہ بھلا بھی دوست نہیں اور وقت یہ ثابت کرے گا۔" میں نے مضبوطی سے کہا۔
 "دیکھو وہ ہمارا دشمن ہی نہیں کہ ہم سے کیا ناؤ اٹھا سکتا ہے بالآخر ہمتی نے سوال کیا۔
 "وہ چنڑی کا دشمن ہے اور جہاں تک اس طرح نہیں ہو چنڑی کو زک پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کو پریشان کیا جائے، اُس کے لیے نئے نئے مسئلے کھڑے کیے جائیں تاکہ وہ ان میں الجھا بیٹے اور وہ اپنی ترقی کے لیے جہد و جد نہ کر سکے۔ اس طرح میں دشمن کی توجہ مدافعت کو مرکوز کیا جا سکتا ہے۔"
 "آپ شاید یہ کہنا چاہتی ہیں کہ چنڑی ہماری مدد اس لیے کر رہا ہے کہ ہم چنڑی کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں،" منتی نے طویل سانس سے کہا۔
 "میں نے چنڑی کے بارے میں نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش

نے کرنا یہ ہماری بغاوت سے چین کے لیے ہے۔
 "گاہ میں ٹھیک ہی کہہ رہاں نا؟"
 "ہاں" بھلائی ہی بات ہے،" میں نے کہا۔
 "مگر بھلائی کے اوپر سے اندازہ نہیں ہے۔
 "ابھی تو مجھے پرچی پوری طرح واضح نہیں ہے۔
 "سے ہونے والی اپنی آخری گفتگو یاد کر لے۔
 منتی مجھے اس طرح خاموشی سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔
 "چنڑی نے مجھے کہا تھا کہ جس دن راتھے گا اُس دن تبت میں اسی آجملہ کے کی بات بھی نہیں ہوگی۔ مجھے چنڑی کی کس تمنا تھی کہ ہر ایک اس طرح ملے گا ہے؟"
 "الیا صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔
 "اگر چنڑی حکومت ختم دلائی اور ہر جگہ کے کو کوشش کرے تو درست ہوتا ہے۔
 "جہاں تک میرے علم میں ہے چنڑی کو کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتی ہیں۔
 "نتیجہ انداز کیا جا سکتا ہے کہ چنڑی کے ذہن میں جو کچھ ہوگا ہو۔"
 "چنڑی حکومت کی دخل اندازی کے اگر آپ کے مفروضے کو تسلیم بھی کیا جائے تو کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" منتی نے غصہ سے کہا۔
 "نہیں آپ یہ نہیں اس۔" چنڑی ہوں کہ سے برگشتہ ہو جاؤ؟"
 "ممکن ہے بھلائی یا خیال ہی درست ہو۔
 "میری باتوں پر قطعی یقین نہ کرو۔" سارا اور حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی۔
 "منتی نے ایک لمحے کے لیے غور کر کے کہا۔
 "سارا بچہ لڑی لیے جلا رہا ہے کہ کسی دن سارا سارا چنڑی کا ذہن پڑھے اور پھر تبت کے بارے میں بھی ساری حقیقت کا علم ہو جائے۔
 "جسے! میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے چنڑی کو کہہ کر اُس کا مقصد غصہ میرے دل میں کرنا ہے۔"
 "میں نے چنڑی کے بارے میں نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش

میری ایک جانب ضرمان تھا اور دوسری جانب سارا! منتی سانس لے رہی تھی۔
 "ہاں!" میں نے کہا، "پھر بولی" اس کی تازہ دماغ کے لو! مجھے یقین ہے کہ میرے اوپر بے ساختگی کے ساتھ جو چھوڑا اس میں بھلا تھا۔
 ہاتھ نہیں تھا۔ یقیناً یہ چنڑی ہی کی جال تھی۔ اُس کے آدھوں نے لوگوں کو بھڑکا کر شترادہ کو قتل کے عمل تک بھیجا ہو گا۔
 "میں نے آپ کا خیال درست ہو،" منتی نے میرے خیال کی تائید میں کیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جام ڈلو میں آپ کی آمد کے باقی میں جان کر کے صرف اتنا تو کیا تھا کہ آپ کی نگرانی شروع کرادی تھی۔
 مگر اس کے علاوہ میں نے کچھ اور نہیں کیا۔
 "تو کیا بھاری نظریں خطرناک بات نہیں کر چنڑی نے میری اور ضرمان کی زندگی کے علاوہ شترادہ کو قتل کی کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا؟" میں نے کہا۔
 "جہاں تک شترادہ کو قتل کا سوال ہے تو مجھے اُس سے کوئی بھڑکی نہیں!" منتی خشک ہنسنے لگا۔ "وہ آپ کا مسئلہ تو سر حال چنڑی بھی ہے جانتا ہے کہ میں یہاں جام ڈلو میں آپ کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ اگر اُس نے اپنے طور پر آپ کو یہاں سے نکال دینے کے سامان کیے تو کوئی زیادہ بے باک نہیں کیا۔"
 "یہ کیا کہہ رہے ہو!" میں نے کہا۔ "یہاں سے نکالنے کے سامان کیسے بھڑکا کر کے سامان کیے تھے؟" یہ کہہ کر میں نے اُسے مشتعل ہو کر کے ہاتھ میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔
 "اگر آپ کی باتوں کو درست مان لیا جائے کہ واقعی سب کچھ چنڑی ہی کے اشارے پر ہوا تھا تو اُس نے یقیناً ایسے انتقامات بھی کیے ہوں گے کہ آپ لوگوں کی زندگی بچنے کے لیے بذات خود چنڑی سے واضح طور پر یہ کہہ چکا ہوں کہ ہمارا مقصد آپ کو ہلاک کرنا نہیں صرف تبت سے نکال دینا ہے،" منتی نے میری بات کے جواب میں کہا۔
 "میری سمجھ میں نہیں آتا منتی کہ اُس پر اتنا اعتماد کیوں کرتے ہو! مجھے یقین ہے کہ وہ بھلا بھی دوست نہیں اور وقت یہ ثابت کرے گا۔" میں نے مضبوطی سے کہا۔
 "دیکھو وہ ہمارا دشمن ہی نہیں کہ ہم سے کیا ناؤ اٹھا سکتا ہے بالآخر ہمتی نے سوال کیا۔
 "وہ چنڑی کا دشمن ہے اور جہاں تک اس طرح نہیں ہو چنڑی کو زک پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کو پریشان کیا جائے، اُس کے لیے نئے نئے مسئلے کھڑے کیے جائیں تاکہ وہ ان میں الجھا بیٹے اور وہ اپنی ترقی کے لیے جہد و جد نہ کر سکے۔ اس طرح میں دشمن کی توجہ مدافعت کو مرکوز کیا جا سکتا ہے۔"
 "آپ شاید یہ کہنا چاہتی ہیں کہ چنڑی ہماری مدد اس لیے کر رہا ہے کہ ہم چنڑی کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں،" منتی نے طویل سانس سے کہا۔
 "میں نے چنڑی کے بارے میں نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش

منشی نے نہ بے گناہ نہیں کہا۔ وہ دھوکے سے آٹھ گھڑا ہوا۔
 آٹھ منشی صوفی سے آٹھ اصرار دھوکے سے اپنے ذہن کو قابو
 میں کر لیا۔ آٹھ اشک کا وقت آگیا تھا اور مجھے سارے پارسی ذہن پر برتری
 ثابت کرنی تھی۔

منشی کہے سے ہل گیا تو سارے مجھے سے غلاب ہوئی یہ بالو آپ
 تنہائی میں مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟

سارہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے ماسک اپنی جگہ سے تھی
 اور تیزی سے دروازے کی طرف تھی۔ دروازے کے کچھ گھڑے سے باہر
 جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ منشی کا دروازہ کھٹک پتا نہیں تھا میں داخل
 یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ میں منشی دروازے کے باہر کون کون سے دریاں ہونے
 والی انگشتوں سے دیکھ رہا ہوں اس طرح کو کراچی جگہ تھی پھر سارے سے غلاب
 ہوئی۔ بات یہ ہے سارہ کہ میں نہیں یقین دلانا چاہتی ہوں کہ منشی نہیں
 دھوکے سے ہلے ہے وہ چن ڈی کا دوست ہے؟

سارہ نے میری بات سن کر اس طرح ہنسا دیا جیسے میری بات
 ناگوار ہو رہی ہو۔ اس نے کسی تودہ تھی آئینہ لیے میں کہا "اس مسئلے پر پہلے
 بھی کافی گفتگو کرچکے ہیں بالو! وہ مجھے بے گناہ کہیں دے سکتا۔ وہ بچوں
 کی طرح معصوم ہے؟"

"نہیں مجھے کتنے معصوم سمجھنے کے لیے یاد رکھوں مگر کتنا معصوم نہیں بقنا
 تم سمجھ رہی ہو کہ تم کو میرا ساتھ دو تو میں یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ حقیقت
 وہی ہے جس میں کسی دہی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں؟"
 "بالو! آپ جی جانتی ہیں کہ مجھے دھوکا دینا ممکن نہیں ہے؟"
 سارہ نے ہنسنے سے انکار دے کہا۔

"اچھا تو سمجھو یہ بناؤ کہ چن ڈی کے بارے میں میرے کیا افواہات
 ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"چن ڈی کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ وہ ماں کی طرح تیز
 ہے؟" سارہ بولی "آپ سمجھتی ہیں کہ وہ تبت میں ہیں کہ خلاف بغاوت
 کرنا چاہتا ہے؟ آپ اس بغاوت کے حق میں ہیں؟ میں اس لیے چن ڈی
 آپ کا دشمن ہوں کہ وہ آپ کو ختم کر دینا چاہتا ہے؟" سارہ نے کسی
 ٹھٹھکی کتاب کی طرح میرا ذہن پڑھ دیا کہ اس وقت میں نے چن ڈی
 کے بارے میں سمجھی ہو چکا تھا۔

"میں اگرچہ بولیں بھی تو چن ڈی کے بارے میں اپنے خیالات تم سے
 نہیں چھپا سکتی؟" میں نے تیز سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے؟" اس نے نہ تو کون کا ذہن جواب دیا پھر اس کے چہرے
 پر اچھن سی نظر آنے لگی۔ شاید وہ میری بات کا مقصد سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ
 ان باتوں سے میں چاہتی کیا ہوں!

"اچھا تو ایک بار پھر بتاؤ کہ چن ڈی کے بارے میں میرے کیا
 خیالات ہیں؟"

سارہ نے مجھ پر نگاہ گاڑ دی۔ وہ غالباً میرا ذہن پڑھ رہی تھی۔

چند لمبے لمبے اس کے چہرے پر حیرت
 سے لیے میں بڑبڑائی "میں ایسا کیوں نہیں
 کیا تاکہ میں سارہ؟" میں نے کہا

وہ جی جواب کے ذہن میں ہے؟ سارہ
 کہہ رہی تھی کہ میں نے اس کے ذہن میں کیا ہوا
 "میں ڈی بہت شریف اور ایماندار ہوں"

پڑھ کر بتانے لگی "وہ بہت کا ہر دوسرے
 بھارت کرنا نہیں چاہتا۔ چن ڈی قابل ہوتا
 دشمن کو تو غالباً صرف مال کا لالچہ
 سے کیا کھیل کھیل رہی تھی اس کے پھوڑوں پر
 کر رہی تھی مگر سنجیدہ تھی منشی کسی کی بات
 سے ابھی نہ ہرگز گھٹ کر رہی تھی۔

میں نے وقت ضائع کیے بغیر سارہ کو
 وہی خیال ہے کہ میں دھوکا نہیں دیا ماسکتا۔
 "مجھے... مجھے کچھ یقین سنا ہے کہ اس
 ... وہ... سارہ نے کھوئے کھوئے
 چھوڑ دیا۔

"یقین کر دو کہ حقیقت ہے سارہ اگر
 بندوبست کر سکتی ہوں کہ منشی کے اصل خیال
 "کس طرح؟" سارہ نے سوال کیا۔

"انسان ہوش و حواس میں رہا ہی نہیں
 ذہن کو قابو میں رکھ سکتا ہے لیکن نفسے کے عالم
 بتایا یہ نفسے میں شعور کی گرفت ڈھیل چڑھا
 دانستہ اپنے دشمن میں دبانے کی کوشش
 سطح پر آجاتی ہیں تو غالباً میری بات کا مطلب
 "بالو! اگر منشی شربتیں پیتا
 ہے؟" سارہ نے تیزی سے کہا۔

"سارہ! میرے پاس ایک ایسی دوا
 کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ
 طاو اور دوسرے جو کچھ دیر بعد پینے کے لئے
 وقت لیتا اس کے اصل خیالات جاننے میں
 ہوتے ہیں اس لیے اس کی جیب سے
 لگا لی اور سارہ کی طرف بڑھائی۔

میں نے عموماً کیا کہ سارہ وہ
 رہی تھی۔

"مجھے یہ دوسرے دوا میں نے
 منشی کو بے ہوش نہیں دوا رہی؟"

سارہ نے ایک نغمہ پڑھ کر جان بوجھ کر

اور کچھ نہیں... غالباً اس کا سبب شکست اور قحط
 "وہ ختم ہو چکا تھا یا ختم ہونے والا تھا۔ یہی
 لی کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

وہ شکار بنانے کے لیے دشمنوں کو توجہ مشق بنایا
 لے کر بولے ہیں اس دشمن اہم فیصلے کے بارے
 میں وہ بے حرج کے بارے میں سارہ کو کچھ علم ہو
 تھا کہ سبب یہ بے حرج تھی تو سارہ سے چہرے پر
 لگے تھے۔

کہ اسے میں بھی تو کبھی بہت کچھ سنا تھا بالو
 میں نے غور سے وضوئے دشمنی سے بولا پھر سارہ
 اور آپ کو غصہ تو تو ہو گی۔ میرا ذہن پڑھ کر
 اس سے آگاہ کر دیں؟

سارہ کی کاربورت ہے کہ اس میں خود اپنی اخلاقی
 کہ اس لیے تو میں کسی ہوں کہ سخت بزدل ہو
 اس کی کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں لیکن غصہ
 سارہ کی ہے کہ میں بہت سنجیدہ کہ وہ قابل
 نے کہ میرے بعد چوٹ کی اور میں جھجھلا اٹھی۔

اور سارہ کی ہمدردی جب ختم نہ کر پر بھی بولی
 اہل۔

ان احساسات کو بولا۔ آپ میری نہیں ہیں بل
 یا آپ کی صفت ہی بن گئی ہے۔ میں جیگا ہوا

میں پڑی اور سارہ نے بھی ہلکا سا ہنسا دیا۔ میری
 کہ میں نے ماحول کے شہ کی گود کو دیا تھا
 یہ سنا تھا کہ اس کا جائے کا مشغولہ؟" میں نے وضو

کہ آپ خود کو جیگی ہی کھانا پسند نہیں؟ وضو
 کہ میں بھی چاہتا ہوں لیکن یہ کہ یہ خانا وہ صرف
 کیا کیا ہو گا؟

مہارت سے ہیں۔ اگر کوئی دیکھ لے کہ اہل
 کہ اس کے لیے ہی غلط کیے گئے ہوں کہ شہ
 اہل۔

کہ میں نے چن ڈی اور میں نے بھی اس کے ساتھ فقہ
 کہ میں نے وضو کو بھی مجبوراً چار سارہ دینا چاہتا

کہ میں نے دھل بولا اس نے بہترین کہنے پایا
 والہ ہو گیا کہ وہ میں اس طرح ہنسنے دیکھ رہی تھی۔

کہ اس کا مطلب یہ کہ میں نے تو اس لیے کہ تم نے میرا کہ خواہ

کہ اس کا مطلب یہ کہ میں نے تو اس لیے کہ تم نے میرا کہ خواہ

"ہاں! منشی نے جواب دیا پھر بولا "آج میں نے دوسرے لوگوں
 کے کھانے کا لالچہ بندوبست کر دیا ہے؟"
 "دوسرے لوگ کون؟" میں نے منشی سے پوچھا۔

"اس غارت میں بے وقت کہ ہے چندہ میں مسلح افراد رہتے ہیں۔ انہی
 میں سے دو کو آپ نے غارت کے دروازے پر دیکھا۔ ان تمام افراد کا تعلق
 میری پہلی ہے۔ یوں ہمیں کہ وہ ایسے غصے کا کزن ہیں جو پارسی کے لیے
 جان میں لے سکتے ہیں اسی لیے ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کاتے ہیں؟"
 منشی نے بتایا۔

"لیکن غارت میں ایک وقت اتنے مسلح افراد کے کیا ضرورت ہے؟
 کیا تمہیں کسی کی طرف سے خطرہ ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ظاہر تو یہ کہ خطرہ نہیں لیکن خود کی بھی وقت نہیں آ سکتا ہے۔"
 منشی ہنسنے لگی "بولے کسی قوم میں میرے دشمنوں کی نہیں ہوتی۔ یہ ایک
 بڑے اور اعلیٰ مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں اس لیے ہماری زندگی بیتی ہے۔
 اگر ان لوگوں کو لاکھ کر دیا جائے تو جو کچھ کی دشمنی کرتے ہیں تو کوئی بھی
 تحریک صحیح غلط پرانے نہیں بڑھ سکتی۔ آپ غالباً میرا مقصد سمجھ رہی ہوں گے؟"
 "ہاں یہ بات تو ہے؟" میں نے غارت میں پوچھا۔

"اچھا تو پھر پہلے کیا کیا جائے۔ باقی یامیں بعد میں ہوتی رہیں گی؟"
 سارہ صوفی سے ہنسنے ہوئی بولی۔

میں اور وضو بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

منشی کی رہنمائی میں جہاں ایک اور کمرے میں پہنچے۔ وہ کمرے پہلے کمرے
 سے لپٹا چھڑا تھا۔ ہاں ٹاٹا ٹنگٹیل اور کرسیاں بھی موجود تھیں۔ میں نے کھانا
 چمکا کر اٹھا۔ سارہ اور منشی میرے اور وضو کے مقابل بیٹھے۔ پھر سارہ

نے قابو سے پلیٹوں میں سالن نکالنا شروع کیا۔

مجھے تباہی چلا کر سارہ نے اس وقت منشی کی پلیٹ میں میرا دیا ہوا
 سفوف ڈال دیا لیکن کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی منشی پر اس سفوف کا
 اثر ظاہر ہونے لگا۔ وہ کھانا کھانے کے دوران ہی میں سینکے گھٹا تھا۔

"سارہ!... ہاں! چن ڈی کا... ہمارا دوست ہے مگر تم... تم اس سے خلاف
 ... ہاں... منشی نے اسے خاک میں مل گیا تھا۔

"منشی! ایک بات... میں نے توجہ سے ناہ... اس نے تو نے
 چن ڈی سے سارہ کو کیوں اغوا کر لیا تھا؟ تو ایک پتھار دیکھ انسان ہوا
 مجھے لگتا ہے کہ تم جوت میں بول رہے؟"

میں نے عموماً کیا کہ سارہ منشی کی طرف متوجہ ہے۔ وہ غالباً منشی
 کا... میرے ذہن میں تھی۔

"میں کیوں بتاؤں... میں تو میں بتاتا... یہ تو راز کی بات ہے...
 ہاں... وہ بڑ بڑایا۔

"اس کا مطلب یہ کہ میں نے تو اس لیے کہ تم نے میرا کہ خواہ

649

”اُن میں... بالکل نہیں بتاؤں گا... بالکل!“ وہ شراہوں کی طرح انگلیں پھا کر بولا۔

لشے کی کیفیت نے منتفی کو بلے بس کر دیا تھا کہ اسے اسٹیج پر پیش نہیں رہا اگر اپنی زبان پر تھا بلکہ کہتا ہے میرا پیغمبر نہیں رکس طرح بدوہ ڈال سکتا! میں مخصوص کر دی تھی کہ سارا کھسکی کتاب کی طرح اس کا نہیں پڑھ رہی تھی میں نے منتفی سے کہہ کر کہہ کر چرخی کی کہ باسے میں سوالیات کیے میرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ لشے کی ترجمہ میں زبان پر ملے پھر صبح جواب نہ دے سکے تو کہہ کر کہ اس کے ذہن میں چرخی سے متعلق اصل خیالات ابھرنے لگیں۔

کچھ دیر لڑائی ہوئی کہ شہر سے منتقل ہو گئے، لڑائی پر اس کا بہن
 ایک طرف ڈھلک گیا، سارہ نے اسے اٹھ بٹھا لایا، میں نے اور صفوان نے
 اسے کوس سے اٹھایا اور میرے ذرا مصلے پر کھینچے، ہمارے قاتل پر ڈال دیا
 "یہ کیا ہوا؟" سارہ میری طرف دیکھنے ہوئے تھی کہ رولی
 بولنے لگی: "میں نے اسے یہ سفوف کا اثر ہو گا، کم نہ کر کے دیا یہ
 سفوف مجھے بچانے سے لٹا تھا۔ جب منتقل ہو رہی تھی اسے کاٹو میرا خیال
 ہے کہ وہ نابل ہو گیا؟"

سارا تشویش آرمیز نگاہ سے منتی کو دیکھتی رہی پھر میری طرف ہل کر
 بولی "میل بھائی بہت بھادر اور سیدھا آدمی ہے"
 میں نے سر ہلا کر تصدیق کی۔

ہو سکتا ہے کہ چون شری برآ آدمی جو کچھ یقین ہے کہ وہ میت کے
لیے دوستی کے جذبات سے کہ منتی کے پاس آیا ہو گا اسی لیے منتی نے
اس پر حیرت و سر کیا ہو گا۔ سارا یہ کیا اس کے لیے جس میں خدای تعالیٰ اور
کہہ دیتی تھی یہ جو خرم دلائی دلا کو ان کا ماضی تمام دلانے کے لیے سب کچھ
کرنے کو تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے مسئلے میں کسی کی بھی مدد لینے سے
دراں کر کے۔

”میں مجھے تو لوگوں کی مدد کو ناپا جانتی ہوں یہ میں بولی کیا تم میرے
تھ مجھ کو تنہا دن کر دے گی؟“

آپ کو مدد ملے کہ آپ بالآخر اس نے بغیر جھجک کے اس سے
 اٹ گئی کہ یہ حضرت خواہ مول لیکن میں نے دی کہ آپ جو میرے
 میں سے ہیں میں چاہی کہ آپ خواہ خواہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں یا
 میں واضح طور پر آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتی ہوں۔ یہ جاننے کے باوجود
 میں متنبی تھے جو کہ انہوں نے اب بھی پوری طرح اس کے ساتھ چلنے
 جتنی تھیں پر دل تھا کہ میں ان کو کھڑے ہونے سے قہر سدا
 پر اپنی بات پوری کر کے جیسا کہ وضو کو تائیں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر
 غصے کے برابر بیٹھ گئی۔ وضو ان میں بھی سدا کے قریب ہی بیٹھ گئے۔
 میں نے بیٹھ کے کہ سدا کے چہرے کو غور سے دیکھا تا کہ اس

کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکوں۔ میں نے
تھا، وہ غلوں پر ہی مبنی تھا۔ میں نے ایک
کیا، سارہ اہم دلوں میں بھائی داتنی بہنہ
کوں لگا کر میں داتنی بہن میں کی نشانہ ہو کر
تقیوں سے وابستہ ہیں۔ مگر دلائل لا کر کہا
ہوئے تو میں خود بخود ہی تحریک میں آ گیا۔
ہوئے اور اس پر غور کر کے کہیں

میں نے بھی کبھی چن ٹی جیسے دوست فادہ شنوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری عمر سے تھوڑے بڑے تھے۔ ان کے پاس ایک بڑا سا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا سا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا سا گھر تھا۔

ہے تو میں نے اسے وعدہ کیا ہوں کہ میں تم
میں اٹھاؤں گی۔ میں دلائی لاما کی بیگم
میں لکھ جائوں گی۔ اگر اس دوران میں تم
نفرت و دشمنی کی ضرورت ہو تو پیش آنی کر
یہی خدمت پیش کروں گی یہ

”وعدہ؟“ میرے خاموشی پر
”جیسے جیسے کہ۔“

” وعدہ! “ میں جواباً بولی۔
 مہمان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔
 ” ہاں، وہ سارے سے غائب تھا۔“
 ” کون؟ “

تو نے خط لکھا ہے کہ سوار ہوئی تھی۔ اس پر
 دوسری کاپی لکھ دی تھی۔ وہ دوسری خط لکھا
 ہے کہ میں ایک شہر اور دوسری کاپی لکھی
 ہے کہ میں ایک شہر اور دوسری کاپی لکھی
 ہے کہ میں ایک شہر اور دوسری کاپی لکھی

سارہ کو ایک لمحہ دیا تھا۔ سارہ نے منہ لگا کر کہا۔
 اے کون کی باتوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ کیرا۔

اور ایسا مجھے ہر سالہ میری طرف سے ملتا ہے۔
 کہ ان مسائل میں نہیں ہیں انہیں نے مسکا کر جواب
 دیا کہ آہستہ آہستہ یہاں سے آگے بڑھنا ہے۔

جس نے غنیمت کی کار میں اس بات کو نظر نہ

مکملات میں ٹری، روضہ، انوار،
اور تختِ لہجے میں دلا۔

”کہومت اعدائے اُس پر کج گزشتہ
کیا ہوا مانو! آگ ان کو کھولنا

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ہوں اس لئے کہ

یہ سب کچھ ماننے کے باوجود رکھنا ہے

سارہ اُس کی بہت حق کر ممبر بن گئی تھی۔
 "ہی ہے۔"

کر رہا ہوں، "منشی کی آواز شدت جذبات سے کاپ دہی تھی۔
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں" مارو نے اُسے یقین دلایا۔

”اب بھی میرے دل میں ٹھکڑے اور بھاری تحریک کے لیے دہی بھڑکتی
 ہیں جو پہلے تھے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات
 نالائق انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں“

”میں... بنجے... بنجے معاف کر دو سارہ!... معاف کر دو
سارہ کہ میں نے تمہیں دھوکا دیا،“ منستی نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے

رقت آمیز لہجے میں کہا۔
یہ ہستی کی فرخ دیلی کا ثبوت تھا کہ اس نے سارے سے معافی مانگ

لی۔ میں اُس کی شرافتِ نفس سے پہلے ہی آگاہ تھی۔
 وہ اپنی بہن کو جو کالینے پر نمودار میرا غیر مجھے ملاست کرتا رہا تھا۔

میری بہن یقیناً فراح دل ہے۔ وہ مجھے سناٹا دے گی۔
 بولا۔ اس کے لیے میں اب بھی رقت تھی۔

سے ہونے والی گفتگو دہرائی اور منتی کو میرے دھڑے کے بارے
میں بتایا۔

اب بتاؤ منستی کو تم سارہ کو چن تری سے کب طوار ہے ہو؟
میں نے منستی سے پوچھا

مہنتی نے جواب دیا: "ممکن ہے کہ واقعی وہ ہمیں دھوکا دے رہا ہو۔"

وہ ہیں تو دھوکا دے سکتا ہے مگر سدا کو دھوکا دینا اُس کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا اب تو مجھے بھی اُس کی نیت پر شبہ ہونے لگا ہے :-

”تمہیں اُس کے ٹھکانے کا تو علم ہی ہو گا!“ میں بول۔
 وہاں اب ہنسنے لگا۔ یہاں چامڑہو میں اُس کے کچھ جملے

دائے ہیں، وہ انہی کے ساتھ تھل مڑا ہے۔ میں یہاں بھی آئے
سکتا تھا مگر میں نے سارہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا تھا۔“

”اگر میرا حساب غلط نہیں ہے تو پر سوں کسی وقت دلائل آتے ہیں۔“

دلانی لافہ کے یہاں آنے سے پہلے ہوئی جاہلیہ۔ مجھے یقین ہے کہ
جن ڈی کے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ ضرور ہو گا۔ میرا مقصد یہ ہے

سارہ کے ذریعے ہم اس کے منصوبے سے قبل از وقت آگاہ ہو کر
اور اس کا کوئی تدارک کر سکیں۔

”ان حالات میں وقت صالح کرنا امانی و عہدہ و مسند کے لئے
سارے لئے کھلا

”تو بھر آج ہی رات چن ٹری کے کیوں نہ مل لیا جلتے؟“

ایک دو آدمیوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

میرے اصحاب بھٹھنا آئے اور آگے بڑھتے ہوئے قدم ایک دوسرے کے

گئے۔ وہ دھماکے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوئے تھے۔

”اب احتیاط کیا ہے؟“ میں نے کہا اور تیزی سے گھوڑے کی

پشت پر بیٹھ گئی۔

”میرا نام بھی ضرورت حال کو سمجھ چکا تھا۔ اُس نے بھی گھوڑے پر

بیٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔

”کچھ فاصلے ہی پر پہنچے منتی اور سارہ کے ہونے نظر آئے تھے۔

جواب غیر متحرک تھے۔ میں اور متوان بہت جلد اپنے گھوڑے دوڑنے

اُن کے قریب پہنچ گئے۔

”تم نے دھماکوں کی سمت کچھ اندازہ لگایا؟“ میں نے قریب پہنچتے

ہی گھوڑا روک کر منتی سے پوچھا۔

”میرا اندازہ ہے کہ دھماکے اُسی طرف سے سنائی دیے تھے جہاں

چن تری ٹھہرا ہوا ہے۔“ منتی نے جواب دیا اور ابھی اُس کی بات ختم ہی

ہوئی تھی کہ ایک دھماکا اور ہوا۔

”مہلکی کرو منتی؟“ میں نے تیزی کے ساتھ کہا۔ کہیں وہ نکل

نہ جائے!“

”منتی اور سارہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے کہ میری

سماعت سے ایسی آوازیں ٹھہرائیں جیسے کہیں دور دور گھوڑے

ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑے ہوں۔

”میں نے اپنے گھوڑے کو تیز لگانا اور اُن آوازوں کی سمت

پہنچی۔ میرے ساتھ ہی رضوان نے اپنا گھوڑا بڑھایا تھا۔ سارہ اور منتی

کے گھوڑے اب پیچھے آئے تھے۔

”میں جس سڑک پر گھوڑا دوڑا رہی تھی اُس کی بائیں جانب

چٹائی سلسلہ تھا اور کچھ فاصلے پر دو سڑک بائیں جانب ہی رضوانی تھی۔

موتھ سے گھومتے ہی میں نے دور دور تک نگاہ دوڑائی مگر

مجھے کچھ نظر نہ آ سکا۔ چند گز دور دوائیں جانب مجھے ایک ہی سڑک غور

دکھائی دے رہی تھی۔ اُسی وقت پھر ایک دھماکا ہوا۔ اس بار میں

نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ دھماکے کی آواز کس سمت سے آئی

تھی! میں نے اپنا گھوڑا اُسی سڑک پر موڑ دیا۔ دھماکے کی آواز اُسی سمت

سے آئی تھی۔ اب میں بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دھماکا کسی رائفل کے فائر

ہی کا تھا۔

میرے گھوڑے کی رفتار اب اتنی تیز تھی کہ رضوان کا گھوڑا بھی

پیچھے رہ گیا تھا۔

کچھ فاصلہ عبور کرتے ہی میں نے اُس سڑک پر دوڑ کر کسی غلہ

ساڑا محسوس کیا۔ کوئی یقیناً مجھ سے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا چلا

جارہ تھا۔ میں نے ایک لمحہ سے گھوڑے کی بائیں سنبھالتے ہوئے

دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالا اور دیواروں تک لیا۔ میرے آگے آگے

”اس کا مطلب یہ کہ اب یہ کھانا کھانے لگا۔“

”خیاں آئی گی۔“

”دل میں ہے کہ آج ہی رات سارا

نے جناب دیا۔ لیکن اس بات کا افسوس سارہ

ہے۔ اس انسان کو بھی میرا حال نظر انداز

وہاں سے براہ فرار اختیار کر چکا ہوگا۔“

”لیکن بالآخر واقعی آپ کے انداز

اُس وقت تک۔ میں رہنا چاہیے جب تک کہ

تشریف نہیں لے آئے۔“ سارہ نے بھی

”فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ

فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ

میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔

”میں مارا اور رضوان کچھ دیر

کرتے رہے۔ رضوان کا خیال یہ

ہو گیا تھا کہ میں چھوڑا ہوا ہوں۔ میں تذبذب

تھا کہ حالات کے پیش نظر چن تری کا

ہولہ گفٹنگ کسی تیرے پر نہیں

”گھوڑے تیرے ہیں۔“ اُس نے

کھڑے ہوئے۔

”منتی! میرا خیال ہے کہ وہ ابھی

آگے بڑھتے ہوئے تھا۔

”مجھے اس بات کا احساس تھا“

پاسد دیواروں کو موجود ہے۔

”اور سارہ کے پاس؟“ میں نے

”میں بھی خالی نہیں رہتی بالآخر“

پہلے سارہ نے بتایا۔

”مگر کب ہے؟“ میں نے مسکرا کر

”نہیں تھیں۔“

”غیر خطرناک تو اب بھی نہیں ہوں

”جب سے جام دیو آئی ہوں دیوار اور سارہ

”کیوں؟“ میں نے منتی کے

”اپنے بھائی کے امر پر۔“ سارہ

”منتی کی طرف تھا۔ سارہ نے کچھ خیال آ

”ہیں یا نہیں؟“

”خاطر ہے کہ اگر منتی نہ ہو تو

مسکرا کر بولی۔ سارہ پہلے تو کہیں آئی

”اس کا مطلب یہ کہ اب یہ کھانا کھانے لگا۔“

”خیاں آئی گی۔“

”دل میں ہے کہ آج ہی رات سارا

نے جناب دیا۔ لیکن اس بات کا افسوس سارہ

ہے۔ اس انسان کو بھی میرا حال نظر انداز

وہاں سے براہ فرار اختیار کر چکا ہوگا۔“

”لیکن بالآخر واقعی آپ کے انداز

اُس وقت تک۔ میں رہنا چاہیے جب تک کہ

تشریف نہیں لے آئے۔“ سارہ نے بھی

”فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ

فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ

میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔

”میں مارا اور رضوان کچھ دیر

کرتے رہے۔ رضوان کا خیال یہ

ہو گیا تھا کہ میں چھوڑا ہوا ہوں۔ میں تذبذب

تھا کہ حالات کے پیش نظر چن تری کا

ہولہ گفٹنگ کسی تیرے پر نہیں

”گھوڑے تیرے ہیں۔“ اُس نے

کھڑے ہوئے۔

”منتی! میرا خیال ہے کہ وہ ابھی

آگے بڑھتے ہوئے تھا۔

”مجھے اس بات کا احساس تھا“

پاسد دیواروں کو موجود ہے۔

”اور سارہ کے پاس؟“ میں نے

”میں بھی خالی نہیں رہتی بالآخر“

پہلے سارہ نے بتایا۔

”مگر کب ہے؟“ میں نے مسکرا کر

”نہیں تھیں۔“

”غیر خطرناک تو اب بھی نہیں ہوں

”جب سے جام دیو آئی ہوں دیوار اور سارہ

”کیوں؟“ میں نے منتی کے

”اپنے بھائی کے امر پر۔“ سارہ

”منتی کی طرف تھا۔ سارہ نے کچھ خیال آ

”ہیں یا نہیں؟“

”خاطر ہے کہ اگر منتی نہ ہو تو

مسکرا کر بولی۔ سارہ پہلے تو کہیں آئی

ایک دو آدمیوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

میرے اصحاب بھٹھنا آئے اور آگے بڑھتے ہوئے قدم ایک دوسرے کے

گئے۔ وہ دھماکے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوئے تھے۔

”اب احتیاط کیا ہے؟“ میں نے کہا اور تیزی سے گھوڑے کی

پشت پر بیٹھ گئی۔

”میرا نام بھی ضرورت حال کو سمجھ چکا تھا۔ اُس نے بھی گھوڑے پر

بیٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔

”کچھ فاصلے ہی پر پہنچے منتی اور سارہ کے ہونے نظر آئے تھے۔

جواب غیر متحرک تھے۔ میں اور متوان بہت جلد اپنے گھوڑے دوڑنے

اُن کے قریب پہنچ گئے۔

”تم نے دھماکوں کی سمت کچھ اندازہ لگایا؟“ میں نے قریب پہنچتے

ہی گھوڑا روک کر منتی سے پوچھا۔

”میرا اندازہ ہے کہ دھماکے اُسی طرف سے سنائی دیے تھے جہاں

چن تری ٹھہرا ہوا ہے۔“ منتی نے جواب دیا اور ابھی اُس کی بات ختم ہی

ہوئی تھی کہ ایک دھماکا اور ہوا۔

”مہلکی کرو منتی؟“ میں نے تیزی کے ساتھ کہا۔ کہیں وہ نکل

نہ جائے!“

”منتی اور سارہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے کہ میری

سماعت سے ایسی آوازیں ٹھہرائیں جیسے کہیں دور دور گھوڑے

ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑے ہوں۔

”میں نے اپنے گھوڑے کو تیز لگانا اور اُن آوازوں کی سمت

پہنچی۔ میرے ساتھ ہی رضوان نے اپنا گھوڑا بڑھایا تھا۔ سارہ اور منتی

کے گھوڑے اب پیچھے آئے تھے۔

”میں جس سڑک پر گھوڑا دوڑا رہی تھی اُس کی بائیں جانب

چٹائی سلسلہ تھا اور کچھ فاصلے پر دو سڑک بائیں جانب ہی رضوانی تھی۔

موتھ سے گھومتے ہی میں نے دور دور تک نگاہ دوڑائی مگر

مجھے کچھ نظر نہ آ سکا۔ چند گز دور دوائیں جانب مجھے ایک ہی سڑک غور

دکھائی دے رہی تھی۔ اُسی وقت پھر ایک دھماکا ہوا۔ اس بار میں

نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ دھماکے کی آواز کس سمت سے آئی

تھی! میں نے اپنا گھوڑا اُسی سڑک پر موڑ دیا۔ دھماکے کی آواز اُسی سمت

سے آئی تھی۔ اب میں بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دھماکا کسی رائفل کے فائر

ہی کا تھا۔

میرے گھوڑے کی رفتار اب اتنی تیز تھی کہ رضوان کا گھوڑا بھی

پیچھے رہ گیا تھا۔

کچھ فاصلہ عبور کرتے ہی میں نے اُس سڑک پر دوڑ کر کسی غلہ

ساڑا محسوس کیا۔ کوئی یقیناً مجھ سے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا چلا

جارہ تھا۔ میں نے ایک لمحہ سے گھوڑے کی بائیں سنبھالتے ہوئے

دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالا اور دیواروں تک لیا۔ میرے آگے آگے

”اس کا مطلب یہ کہ اب یہ کھانا کھانے لگا۔“

”خیاں آئی گی۔“

”دل میں ہے کہ آج ہی رات سارا

نے جناب دیا۔ لیکن اس بات کا افسوس سارہ

ہے۔ اس انسان کو بھی میرا حال نظر انداز

وہاں سے براہ فرار اختیار کر چکا ہوگا۔“

”لیکن بالآخر واقعی آپ کے انداز

اُس وقت تک۔ میں رہنا چاہیے جب تک کہ

تشریف نہیں لے آئے۔“ سارہ نے بھی

”فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ

فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ

میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔

”میں مارا اور رضوان کچھ دیر

کرتے رہے۔ رضوان کا خیال یہ

ہو گیا تھا کہ میں چھوڑا ہوا ہوں۔ میں تذبذب

تھا کہ حالات کے پیش نظر چن تری کا

ہولہ گفٹنگ کسی تیرے پر نہیں

”گھوڑے تیرے ہیں۔“ اُس نے

کھڑے ہوئے۔

”منتی! میرا خیال ہے کہ وہ ابھی

آگے بڑھتے ہوئے تھا۔

”مجھے اس بات کا احساس تھا“

پاسد دیواروں کو موجود ہے۔

”اور سارہ کے پاس؟“ میں نے

”میں بھی خالی نہیں رہتی بالآخر“

پہلے سارہ نے بتایا۔

”مگر کب ہے؟“ میں نے مسکرا کر

”نہیں تھیں۔“

”غیر خطرناک تو اب بھی نہیں ہوں

”جب سے جام دیو آئی ہوں دیوار اور سارہ

”کیوں؟“ میں نے منتی کے

”اپنے بھائی کے امر پر۔“ سارہ

”منتی کی طرف تھا۔ سارہ نے کچھ خیال آ

”ہیں یا نہیں؟“

”خاطر ہے کہ اگر منتی نہ ہو تو

مسکرا کر بولی۔ سارہ پہلے تو کہیں آئی

”اس کا مطلب یہ کہ اب یہ کھانا کھانے لگا۔“

”خیاں آئی گی۔“

”دل میں ہے کہ آج ہی رات سارا

نے جناب دیا۔ لیکن اس بات کا افسوس سارہ

ہے۔ اس انسان کو بھی میرا حال نظر انداز

وہاں سے براہ فرار اختیار کر چکا ہوگا۔“

”لیکن بالآخر واقعی آپ کے انداز

اُس وقت تک۔ میں رہنا چاہیے جب تک کہ

تشریف نہیں لے آئے۔“ سارہ نے بھی

”فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ

فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ

میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔

”میں مارا اور رضوان کچھ دیر

کرتے رہے۔ رضوان کا خیال یہ

ہو گیا تھا کہ میں چھوڑا ہوا ہوں۔ میں تذبذب

تھا کہ حالات کے پیش نظر چن تری کا

ہولہ گفٹنگ کسی تیرے پر نہیں

”گھوڑے تیرے ہیں۔“ اُس نے

کھڑے ہوئے۔

”منتی! میرا خیال ہے کہ وہ ابھی

آگے بڑھتے ہوئے تھا۔

”مجھے اس بات کا احساس تھا“

پاسد دیواروں کو موجود ہے۔

”اور سارہ کے پاس؟“ میں نے

”میں بھی خالی نہیں رہتی بالآخر“

پہلے سارہ نے بتایا۔

”مگر کب ہے؟“ میں نے مسکرا کر

”نہیں تھیں۔“

”غیر خطرناک تو اب بھی نہیں ہوں

”جب سے جام دیو آئی ہوں دیوار اور سارہ

”کیوں؟“ میں نے منتی کے

”اپنے بھائی کے امر پر۔“ سارہ

”منتی کی طرف تھا۔ سارہ نے کچھ خیال آ

”ہیں یا نہیں؟“

”خاطر ہے کہ اگر منتی نہ ہو تو

مسکرا کر بولی۔ سارہ پہلے تو کہیں آئی

جنگ کی کوشش میری سمجھ میں آگئی۔ وہ لفظ یاد ہیں اور بہادر لڑکی تھی۔

میرا خیال ہے کہ اب تم میرے ساتھ ہی رہو گے نہ کہ اٹھلا اور میرا دشمن ایک ہے۔ ہم دونوں اس کی تلاش میں ہیں اس لیے ہمیں الگ الگ نہیں رہنا چاہیے۔

میں کل صبح قافلہ والوں سے اپنا سامان لے آئی تھی۔ وہ بولی پھر پوچھا آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں؟

”میاں کے ایک مقامی لیدہ منشی کے گھر“ میں نے جواب دیا۔

کیونکہ اب میرا ارادہ سارے کے ساتھ ہی رہنے کا تھا۔ میں شاید وہ گھر دھوئے نہ میں وقت ہو اس لیے ساتھ ہی رہو۔ کل صبح اپنا سامان لے آئی تھی۔

اُس نے میری بات مان لی۔

کچھ مزید حاصل کرنے کے بعد جب آبادی کے آثار نظر آنے لگے تو ہمارا یہ خوش فطانت ہو کر کہیں ہم راستہ بھول نہ جائیں! وہ چام ڈال گیا ہوسکتا تھا کیونکہ میری سلاط کے مطابق اس پاس کوئی شہر نہ تھا۔ قریب نہیں تھا کہ ہم اس قدر کم وقت میں وہاں تک پہنچ سکتے۔

میں شہر میں داخل ہو کر منشی کی رہائش گاہ تک پہنچے۔ یہ زیادہ وقت ہمیں نہیں آتی کیونکہ میں نے رات کی کوشش کے وقت راستے کی نشان دہی کو ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

دہاں پہنچ کر عمارت کے محافظوں سے معلوم ہوا کہ منشی اور سارا اس وقت تک نہیں لوٹے تھے۔ محافظوں نے ہمیں عمارت کے اندر جانے دیا۔ ہم نے اپنے گھوڑے محافظوں کے حوالے کر دیے تھے۔

میں صوفان اور تنگ کی کمرے کے اس نشست گاہ میں بیٹھ گئی جہاں مجھے پہلی بار منشی نے بٹھایا تھا۔ بیٹھے ہی صوفان شروع ہو گیا۔ اُسے میرے اور تنگ کی کمرے کے درمیان ہونے والی گفتگو جانے ہو چکر تھا۔

میں نے اسے سن کر اس وقت صوفان کو ٹال دیا کیونکہ میں تنگ کی کمرے سے یہ بات نہ سنی تھی کہ کچن تری نے اس سے شہر ہو کر کیوں چلا کر دیا تھا۔

جب میں نے تنگ کی کمرے سے سوال کیا تو وہ چند لمحوں میں راضی ہو گیا۔ یہ اپنے اصرار میں اس وقت صوفان کی حالت کو تلاش کر رہی تھی جو کبھی اس کی زندگی کا سہارا بنے ہو گئے۔ میں نے اس کے جہرے پر غم کے ساتھ دیکھتے ہوئے دیکھ کر جو کچھ گھر سے ہوتے چلے گئے۔ اس نے مجھے اپنے شوہر اور چن تری کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

تنگ کی کمرے کا شوہر چینی ایشیائی تھیں میں ایک اعلیٰ عہدے پر اڑتا تھا۔ وہ کئی مرتبہ مشرق چین میں اہم مقامات سر کرنے جا چکا تھا۔

سرکار نے اسے چھ ماہوں کی وجہ سے نام خطرناک آدمیوں کی فہرست میں شامل کر دیا۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی ملاقات مشرق چین میں نہیں ہو سکتی تھی۔

آمانہ تھی۔
جہم دہاں کی تمارہ صداقتوں کے ساتھ ہم نے اپنے وجود ایک دوسرے کے ہر کردار دیے۔ خاموشی لب سے بندہ تباہ نہ جانے کتنی آن کی کیا تھیں جس جواہر وجود نے دوسرے وجود سے کہیں! شہید ہر جہنم کے کتنے رنگ تھے کہ ہماری آنکھوں میں سما گئے کتنے خواب تھے تھوڑے لمبے جتنی کھیل کی ادا تھے جو تھوڑی اور لذتی آنکھوں نے کچھ نہ کر سکی ایک دوسرے سے کیا کیا کیا ہم نے ہم سے سرگوشیاں کیں اور سنیں۔ دودھ جھٹکے جوئے دوسرے کے لئے تھے قریب دھڑکے کہ فاصلوں کی دلوں پر گئی۔ سرخ لب دُرخشا رہن لذت شہناں میں یوں گئی کہ سارا وجود گویا یوں میں منتقل ہو گیا گیسوں کی گھاٹیں یوں گھس گھس کر روح تک میں ان کی تھنڈک اور صاف پھل گئے۔ عشق غار خراب کی تھنڈک لمحہ بولوں پر تھی گھس گھس کر نہ کر رہا کہ بوش راہ نہ دامن کا گویا گھس گیا ایک ہو گئے۔ ہر تھنڈک کے ہر سے لئے جھول کی فضا پر نہ ملنے لگا۔ تیرا لباس تیرے ہر ایک لمحہ کے شعلے تھی گھس گھس سیرانی سے ہر کنار ہونا چاہتا تھا۔ جنیت کے سیل رول میں بندشیں تو تھی جلی گھس گھس بندشوں کا قدر تھا۔ لگا و لگاؤ آستانہ ایک ایک کر کے مارے پڑے اٹھنا ناسور خار دیے۔ حجاب اوسے جالی کا فرق مرگ لیدہ دیو ایک کی دوسرے میں وہ خیزنے تھے جن کی ایک جھلک ہاگ بنا دے۔ تھوڑے خواب تھوڑی پناہ یوں وہ در تباہ تھے جن کی جھلک آنکھوں کو خیر کردے۔ لگاؤ شوق بھی بنیادیوں کو خارج عقیقت پیش کر رہی اور کبھی گرا تھوڑی میں بیٹھے ہوئے تھوڑی کی تلاش میں ہو سکتی۔ زہل پر وہ فانی تھے تھیں مگر تھوڑے کا حاصل کما جائے۔ جلتی آنکھوں، جلتے لبوں، جلتے سانسوں اور جلتے جسموں پر دوسرے دوسرے لمحہ لمحہ آسودگی کی پیوار برس رہی تھی۔ آنکھوں میں سرخ شہدے تیرنے لگے تھے جیسے شہین کی بونل میں بندش

ایہ نا امانہ دار ہاں پر ضرور گرا ضرور اٹھا اٹھا اگر عمر دیا کہ لہریں جھول میں دوڑ رہا تھا۔ ہم اسی لہریں بیتے رہے اور اس خوابوں کی سرزنش ملک پہنچ گئے جہاں پہنچنے کے لئے جھول کو گھون دینا پڑتا ہے۔ سوچ میں اپنے جسم کو دیے۔ وہاں کہیں سادوں کی دھبہ جھول اٹھول رہی تھی اور کہیں رنگ ہیں رنگ کیت دیے تو فدی کی وہ دنیا میں آباد تھیں جن میں بلا فہم کوئی اور وح اساطیر کی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے بجائے جہم ہوت چھوے گئے اور ہلکی دھیس ان بلندیوں کو چھونے کے لئے مانی ہو چلاؤں۔ پرواز کی حد اترنے میں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تو ہم بے رحم ہو گئے۔ ہماری انفاس کی خوشبو آسودگی سے بنگلہ ہو گئی اور ہم نے آنکھیں ہونڈیں۔ تماشبہ مفر شوق میں بیت گئی۔ ہم اس وقت بھی مفر تھیں تھے جب بے در پے دھماکے مٹانے دیے لیکن اس کے باوجود فوری طور پر سفر سے لوٹنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوا۔ خاموش فضا

منزل پہنچ کر سانس لینے کی کمی محسوس ہوئے وجود بیٹھ اور عالم بکھرس میں آگ۔ یہ کیا ہوا یہ یاد آؤں کسی قسم "ہاں نہیں کر دیکھنا پڑے گا" ہوئے کسا اور کھڑی ہوئی۔ سارا در میں کمرے کا دروازہ کھڑا میری نظر منہنی پر پڑی جس کے ہاتھ میں کھڑا اس کے قریب ہی موجود تھا اور اس کے ہر وہ منہنی سے کچھ پوچھ سکا تھا زائس چند قدم پیچھے بے سنگ تھی کوئی دکان دکھا۔ پچھلے سے پلٹا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ منہنی سے کہہ کر بکھوش آواز میں بولا "ریش آؤ شہاں اس آئے مزہ کھاؤں گا۔ گنتی کے چنداں اتنی" یہ کہہ کر منہنی آگے بڑھنے لگا۔ معاملہ تک پہنچنے کے "عصرہ" میں نے منہنی سے کسی ہر کثایت سے نہیں آیا ہو گا۔ یہ ادھر سے عدویاں کیا بات ہے ہوں تھی دن صبح تک میں اس کے ہاں نہ پہنچ کر کوشش کرے گا۔ میری بات کے جذب میں ملتی پڑیں تو خوش چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ "یہ قطعی غلط بات ہے۔ میں "خزادہ تو شو کو ایک جہاں دیو آدمی ہے وہ صرف انشا پر نہیں ہے وہ ان سے کم نہیں ہے۔" تو پھر ہم پر اس طرح حملہ آور سارہ نے خوشی کا نائزہ نہیں کیا۔ "کیا کوئی بھی شریف اور فدا در میان جہم کو زلزل سے نہیں سکا ہے۔ خزادہ تو شو کی مہمان تھی اور مجھے زہم پر سکون آؤ ان میں سارہ کی بات کا جواب سارا اور منہنی کی کھم میں میری کیا جواب کیا کیا جا جائے ہاں وہ چلا رہے ہیں۔"

منزل پہنچ کر سانس لینے کی کمی محسوس ہوئے وجود بیٹھ اور عالم بکھرس میں آگ۔ یہ کیا ہوا یہ یاد آؤں کسی قسم "ہاں نہیں کر دیکھنا پڑے گا" ہوئے کسا اور کھڑی ہوئی۔ سارا در میں کمرے کا دروازہ کھڑا میری نظر منہنی پر پڑی جس کے ہاتھ میں کھڑا اس کے قریب ہی موجود تھا اور اس کے ہر وہ منہنی سے کچھ پوچھ سکا تھا زائس چند قدم پیچھے بے سنگ تھی کوئی دکان دکھا۔ پچھلے سے پلٹا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ منہنی سے کہہ کر بکھوش آواز میں بولا "ریش آؤ شہاں اس آئے مزہ کھاؤں گا۔ گنتی کے چنداں اتنی" یہ کہہ کر منہنی آگے بڑھنے لگا۔ معاملہ تک پہنچنے کے "عصرہ" میں نے منہنی سے کسی ہر کثایت سے نہیں آیا ہو گا۔ یہ ادھر سے عدویاں کیا بات ہے ہوں تھی دن صبح تک میں اس کے ہاں نہ پہنچ کر کوشش کرے گا۔ میری بات کے جذب میں ملتی پڑیں تو خوش چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ "یہ قطعی غلط بات ہے۔ میں "خزادہ تو شو کو ایک جہاں دیو آدمی ہے وہ صرف انشا پر نہیں ہے وہ ان سے کم نہیں ہے۔" تو پھر ہم پر اس طرح حملہ آور سارہ نے خوشی کا نائزہ نہیں کیا۔ "کیا کوئی بھی شریف اور فدا در میان جہم کو زلزل سے نہیں سکا ہے۔ خزادہ تو شو کی مہمان تھی اور مجھے زہم پر سکون آؤ ان میں سارہ کی بات کا جواب سارا اور منہنی کی کھم میں میری کیا جواب کیا کیا جا جائے ہاں وہ چلا رہے ہیں۔"

مال گھسی ہی ہے۔ چاہے سہل اور چھپے ہو گا دھڑک رہی ہے کہ کہہ کر اٹھ کر شہزادہ تو شو کو یہ یقین دلانے کی ہریت ہیں تو وہ بھی نازنگ روکے ہوئے مان میں یکس طرح کھن ہے؟" سارہ بولی۔ "نارنگ روکے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ میں نے ہر بات مان لی۔ اب دھیوں کا جواب گزریں کہہ رہی ہر طرف نازنگ ہو رہی پھر دوسری جانب لہزہ تو شو کی تیز کار زبانی رہی۔ "منہنی تو مجھے کھلم کھلا کہہ کر گروہ دن تک مسلسل نازنگ بھی کر رہی ہے۔ میں اتنا بوقت نہیں دے سکتا ہوں۔ صبح ہو انور اس کے ساتھ کو جھوڑ کے تھارے گھر کو کھنڈ بنا دوں گا۔" "آؤی الفاختر ہوتے ہی میں چیخ پڑی۔ ہڑکھن کی آواز ہریت ہو گئی۔ "پہلے پر راضی ہو کر کبھی تم سے کھلوان جا سکتی ہے۔" "اے کی خلاش اور میرا ساقی جاہر ہے میں۔" "سوان کا باختر تمام کردار اسے سب نازنگ جو ملے ہو کر تھا۔" "لہان نے نیز تیر قدم اٹھائے پھر ہم ہر ایک عہد ہریت تھے۔ نزدیک پہنچتے ہی میں شہزادہ تو شو سے میں سے لیا۔ میں نے ان لوگوں میں اپنے ہر ایک ہر جسم سے ہر وہ فانی کی شکل میں لہار و گزشتہ شہید انھیں بھی ہر سے بارے میں

منزل پہنچ کر سانس لینے کی کمی محسوس ہوئے وجود بیٹھ اور عالم بکھرس میں آگ۔ یہ کیا ہوا یہ یاد آؤں کسی قسم "ہاں نہیں کر دیکھنا پڑے گا" ہوئے کسا اور کھڑی ہوئی۔ سارا در میں کمرے کا دروازہ کھڑا میری نظر منہنی پر پڑی جس کے ہاتھ میں کھڑا اس کے قریب ہی موجود تھا اور اس کے ہر وہ منہنی سے کچھ پوچھ سکا تھا زائس چند قدم پیچھے بے سنگ تھی کوئی دکان دکھا۔ پچھلے سے پلٹا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ منہنی سے کہہ کر بکھوش آواز میں بولا "ریش آؤ شہاں اس آئے مزہ کھاؤں گا۔ گنتی کے چنداں اتنی" یہ کہہ کر منہنی آگے بڑھنے لگا۔ معاملہ تک پہنچنے کے "عصرہ" میں نے منہنی سے کسی ہر کثایت سے نہیں آیا ہو گا۔ یہ ادھر سے عدویاں کیا بات ہے ہوں تھی دن صبح تک میں اس کے ہاں نہ پہنچ کر کوشش کرے گا۔ میری بات کے جذب میں ملتی پڑیں تو خوش چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ "یہ قطعی غلط بات ہے۔ میں "خزادہ تو شو کو ایک جہاں دیو آدمی ہے وہ صرف انشا پر نہیں ہے وہ ان سے کم نہیں ہے۔" تو پھر ہم پر اس طرح حملہ آور سارہ نے خوشی کا نائزہ نہیں کیا۔ "کیا کوئی بھی شریف اور فدا در میان جہم کو زلزل سے نہیں سکا ہے۔ خزادہ تو شو کی مہمان تھی اور مجھے زہم پر سکون آؤ ان میں سارہ کی بات کا جواب سارا اور منہنی کی کھم میں میری کیا جواب کیا کیا جا جائے ہاں وہ چلا رہے ہیں۔"

اسے اپنی بشارت پر یقین نہ آ رہا ہو۔ مجھے شہزادہ تو شو کو یہ سمجھانے میں زیادہ وقت نہ ہوئی کہ منہنی سے میری دوستی بڑھ چکی ہے۔ اس دوران میں منہنی اور سارا ہر محفلات سے باہر نکلے تھے۔ انھیں غالباً اندازہ ہو چکا تھا کہ میں نے صورت حال کو نکال دیا ہے۔ میں نے شہزادہ تو شر سے ہٹ کر نہ کرنے ہو کر دیکھا تھا تو میرا نظر ان دونوں پر پڑی تھی میں نے ان دونوں کو ہاتھ کا اشارہ کر کے قریب آنے کو کہا۔ سارا اور منہنی قریب پہنچ گئے اور پھر میری زبانی ترغیب پر شہزادہ تو شو اور منہنی نے اٹھ دلائے۔ "مخمس دلائی مارک آ رہے ہیں؟" شہزادہ تو شر نے احترام قیادت سے پوچھا۔ اس کا غلط منہنی تھا۔ "کل شام وہ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھا میں نے منہنی نے ہر اعتماد سے جواب دیا۔ اسی دوران میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صرف غلط نہیں کی پناہ نازنگ کی زہت آگئی تھی۔ بکھاریں تھا کہ منہنی کے سلیک آدھوں نے شہزادہ تو شو اور اس کے مسلح آدمیوں کو در سے آتے دیکھ کر ٹوک جلنے کے لیے کہا تھا کہ شہزادہ تو شو اور اس کے آدمی نہیں رکے تھے منہنی کے آدمیوں نے انھیں خوفزدہ کرنے اور روک دینے کے لیے ہوائی فائر کیے تھے۔ بس اسی کے بعد باتا۔ "جھن گئی تھی کہ کہہ کر وہاں سے اتر کر نازنگ کی گئی تھی اسی لیے جانی نقصان میں ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد جب شہزادہ تو شو اپنے آدمیوں کے ساتھ لوٹنے لگا تو میں نے رضوان کو جس اس کے ساتھ کر دیا۔ میں مسلمان رضوان کو قافلے داروں کے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ رضوان نے میرے ساتھ رہنے پر اصرار کیا تھا مگر جب میں نے انھیں نکالی تیس تو اسے میری بات ماننی ہی پڑی تھی۔ چانگ کے بارے میں مجھے شہزادے نے بتایا تھا کہ وہ خیریت کے ساتھ قافلے میں جا رہا تھا۔ "رضوان! میں نے دوا گئی سے قبل سنگھ میں رضوان سے گزشتہ کی تھی۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور جن شہزادی کی طرف سے خطا نہ رہنا۔" "کیونکہ شہزادہ آجائے تو؟" اس نے حسب معمول اشارت کی تھی۔ رضوان کو مزہ شرارت سے باز رکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ میں خاموش ہو جاتی اور اس وقت میں سے یہی کیا۔ مجھے علم تھا کہ رضوان بیٹہ اس قسم کی باتوں کو کہنی میں آؤنے کا نال ہے۔ شہزادہ تو شو کی دوا گئی کے بعد میں منہنی اور سارا کے ہر محفلات میں واپس گئی۔ رات بھر جاگنے کے سبب میرے ذہن پر شہزادہ کا شدید غلبہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ سارا کی آنکھیں بھی لڑھکی ہوئی تھیں۔

660

بہتر ہے کہ اس کتاب میں اس طرح کی باتیں نہ لکھی جائیں۔

61

جھے لیں گا جیسے کسی پر دیوانی لکھوا دی کہ ہر وہ جن کی
کے جسم پر شجر ہے وہ پورے دار سے جاری تھیں۔ تنگ جی نے خیر ہوئی ہو کر
کہ جن ذی کا سینہ چھنی کر دیا۔
جن ذی نہ جانے کہ کب کا جسم سپرد ہو چکا تھا لیکن تنگ جی اس
کے جسم کو چھیدے جاری تھی۔
میں نے تنگ کرکس کے شلے پر ہاتھ رکھا اور بولی یہ تنگ جی
بس کرو اتھا اور کتن مر چکا ہے۔
جب میں نے دوا دار کی ہیکر کو دیا تو تنگ جی نے چنی ذی کی
لاش چھو کر اٹھ کھڑی ہوئی، اور پھر اس نے چنی ذی کی لاش پر نفرت وار
متمارت سے تھوکر دیا۔

ایک نئے سے موصوف ہوا ہے۔
 لہذا نہ فرے کہ کوئی لیا اور پناہ پر ہے ہی میری بھولی
 اچھا لگا۔ پیغام بہت منتظر اور انگریزی زبان میں قتل
 از بچہ کی مکتوبت کی زبان میں تھیں ہم کے ایک
 اور بڑا کھانا کر گئیں۔
 نہیں ہو سکتا! میں نے بے خیالی کے عالم میں کہا
 کہ اس سے جھوٹ گیا۔
 نے حکم کر دیا غما یا بڑھا، اور پھر مجھے اس پر

گیا ہو۔
 میں نے اپنی بات کا قہر مل سلطان کے چہرے پر تلاش کیا تو مجھے
 یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے کنبے کی آڑی ہوئی گت واپس آتی ہا
 رہی تھی۔ شاید اس کے دل میں مضبوطی کو زندہ پانے کی سوچ میں آئندہ پیدا
 ہوگئی تھی۔
 ”بھیرے بھیرے میں کیا کرنا چاہیے بانو؟“ وہ بولا لیکن اس کی آواز میں
 اب تک اداسی کا تاثر برقرار تھا۔
 ”میں یہاں سے فوری طور پر ہٹا رہا ہوں۔“
 ”میں یہاں سے فوری طور پر ہٹا رہا ہوں۔“

ملیں میں نے تو یہ پہچان شہزادہ تو شو سے کہا۔
 میں اچھی اطلاع کرنا۔ اور قبیلہ انعامات کی یہ خبر ہو گئی
 ہوں شہزادہ تو شو اپنی جگہ سے اٹھا ہوا ہوا۔
 شہزادہ تو شو چلا گیا اور اس کے جاتے ہی رضوان نگر میں سے بھیج
 ہوا۔ باؤا اگر یہ مان لیا جائے کہ رضیہ کے پاس سے والی اطلاع کسی
 غلط فہمی کا نتیجہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پبلنگ میں کوئی نہ کیوں
 کیا جا رہا ہے۔ میرا زہن یہ سمجھنے سے نہ رہا ہے کہ یہ ہو سکتا
 ہے جس کے لیے رضیہ کو اپنی موت کا بھی ڈر ہے۔
 "میرا بیٹہ کر گیا کہ جا سکتا ہے کہ رضیہ کو کیا حالت پیش آئے
 ہوں گے؟" میں نے کہا۔ یہ بھی کیا خبر کہ اس نے ایسا سوچا کہ ہو گیا یا کہ
 ایسا کہنے پر یہ سوچ گیا ہو گا؟
 میں اور رضوان کا وہی دگر گفتگو کرتے رہے مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے
 تیار کی گفتگو جاری رہی کہ شہزادہ تو شو لوٹ آیا۔ اس بار اس کے ساتھ
 ادھیر مگر سیکریٹری بھی تھا۔
 "ہاؤا کچھ دیر بعد ہی ایک گھوڑا سوار پانی تیار ہو جائے گی جو تم لوگوں
 کے ساتھ لاسرک ملے گی، شہزادہ تو شو نے آتے ہی بتایا۔
 "میرا خیال ہے کہ سیکریٹری کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ صرف
 ہم دونوں کی رہائی کا انتظام کریں۔ زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں۔
 میں نے کہا۔
 شہزادہ اور اس کا سیکریٹری میرے قریب آکر بیٹھ گئے، پھر شہزادہ
 تو شو ہوا۔ باؤا۔ زحمت نہیں ضرورت ہے۔ تو خود بھی لاسر سے میرا
 ملک سفر کر چکی ہوئیں اس نے کی شہزادوں کا بخوبی علم ہو گا۔ راستے میں
 رہنمائی مل سکتے ہیں اور بنانی نگران کا بخوبی بھی پیش آ سکتا ہے۔ میں
 ہرگز تو تم دونوں کو متاثر کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ شہزادہ تو شو کے
 لیے میں محبت آئینہ مگر تھا اور وہ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہ رہا تھا۔
 "مجھے بہر حال آپ کے حکم سے انکار کی مجال نہیں، میں نے اس
 کی بات مان لی۔
 "تم اس کو میرے اصرار سے دو گھنٹے ٹھکرا دو" شہزادہ
 تو شو اپنے ادھیر مگر سیکریٹری سے مخاطب ہوا، "انہی گھوڑوں میں سے جو
 میری سوار میں رہتے ہیں۔
 "میں سر" ادھیر مگر سیکریٹری اٹھ کھڑا ہوا۔ غالباً شہزادہ تو شو کے
 اس لیے ساتھ لایا تھا کہ کوئی بات بتانا بھول گیا ہو تو بتا سکے۔
 ادھیر مگر سیکریٹری نے اس سے نکالی تھا کہ شہزادہ تو شو کا ایک اور خادم
 کو اس کے داخل ہوا۔ اس نے منتی اور سارہ کے آنے کی اطلاع دی منتی
 اور سارہ اسی خادم کے ساتھ جس حالت میں تھے، اسی حالت میں اٹھ کر

چلے آئے تھے۔ ان کے لیے بہر حال یہ اطلاع اہم ہو
 سے۔ وہ انہی میں ہوں۔
 "انہیں میں نے آؤا شہزادہ تو شو نے کہا۔
 اٹھے۔
 خام نے بتایا تھا کہ منتی اور سارہ کے ساتھ
 ظاہر ہے کہ وہ نگاہی ہی ہو رہی تھی اور کچھ دیر بعد ہی
 ہو گئی۔
 سارہ اور منتی کے پیچھے مجھے تنگ ہی بھی کر
 دی۔ ان سبھی کے چروں سے حیرت کا انداز ہوا تھا
 "ہاؤا تو ایک دم کیا ہو گیا؟" اس نے کہا۔
 نے بیٹھے ہی پوچھا۔
 "مجھے یہاں سے لاسر اور وہاں سے فرما
 کر میں نے اسے تفصیلات سے سنا دیا۔
 استعمال کی تھی تاکہ منتی اور تنگ ہی بھی ساری
 میری بات سن کر وہ بھی نگر نہ نظر آئے۔
 "پھر تو واقعی آپ کی فوری روانگی ضروری
 کے سے انداز میں ہوئی۔
 "ہاں!" میں نے کہا اور بات میں سر
 کرے میں ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہوئی۔
 کا وہ تھا جو ان کے چروں پر نظر آ رہا تھا۔ بہر حال
 طرح طرح سے میری دعوئی کرنے لگے۔ وہ
 کر لیے تھے کہ رضیہ میرے خیال کے مطابق
 میں منتی نے تجویز پیش کی کہ ان جینی سپاہیوں
 جاتے ہو لاسر سے آتے تھے۔ میں نے اس کی
 سپاہی منتی کی قیام۔ کہتے تھے اس لیے انہیں
 کے ایک خادم کو روانہ کر دیا گیا۔
 اس وقت میری دلی کیفیت عجیب کی
 تھی کہ دوسری جانب سارہ اور تنگ ہی سے
 ہی کے ساتھ میں نے کچھ تو شکوہ و گمراہی
 کا حامل کیا بلاتے تو غلط نہیں۔ وہ دونوں ہی
 جس کے بعد کوئی نکل نہیں ہو سکتا تھا۔
 کوئی آئینہ نہیں تھی۔
 پھر زق بار کا لہو آ گیا شہزادہ تو شو
 انعامات تکل ہو جانے کی اطلاع دی۔
 میں اور رضوان اٹھ کر ہوئے

کہ ہر گھنٹے سب کے بعد میرے کمرے سے نکلے۔
 کہہ کر لیے میرا حیا کرتے تھے سارہ نے مجھے غیب سے
 "ہاؤا ہاؤا آپ... آپ بھول کر تو میں جانی گئی؟"
 میں نے مذہبات سے بوجھل آواز میں کہا کہ تو بھولنے کی
 کمرے میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
 "تو تو کرم عل کے معاملے میں پہنچ گئے۔ وہاں وہ جینی پانی
 لاسر سے خائفے کی صورت میں میرے ساتھ آئے تھے۔
 میں تھے جنھوں نے جینی ڈی کے خلاف ہو کر دلائل لاسر
 کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی پیش کر دی تھیں۔
 لاسر تھے اور سفر کی ضرورت تھی گھوڑوں پر لادو
 اور رفتاری سے جاری رکھا جائے۔ ایک اور خیر بار زری
 میں لیکن بہت سست رفتار جا رہے تھے اسی لیے انھیں
 میں کیا گیا تھا۔
 "ان دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے جو شہزادہ تو شو نے
 لاسر نامی نکلے تھے۔ گھوڑے صحت مند و خوبصورت تھے
 کو میں نے وہیں الوداع کہ دیا مگر منتی، سارہ اور
 مدد محنت نہ ہو سکتی۔ وہ خائفے کے ساتھ ساتھ چلے۔
 "اس کی آخری حدود تک چھوٹے نہ تھا۔
 میں بھی اکیلے۔ خائفہ کر گیا۔ میں گھوڑے سے
 میں سارہ نے کہا۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے اپنے
 میں لاسر کی گرجوٹی کے سبب میری آنکھیں بھی مٹی ہو گئیں
 میں نے کہا کہ جی ہاں تو وہ دونوں کو اپنی طرف اور اٹھا
 تھی۔ وہ تنگ ہی جس نے ایک موقع پر میری اور رضوان
 ان کو بھی لگایا اور پھر ان میں آواز میں بولی۔
 "میں بھی نہیں بھولوں گی، کیونکہ تم میری مسن ہو
 "آپ یہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں!" وہ بھی بھاری
 دلی کر اٹھ ہوئی تو منتی نے مجھے مخاطب کیا۔ باؤا
 "میں یہاں آپ کے ساتھ غلط فہمیوں کے سبب جڑا ہوا
 "کیونکہ اس کی آواز بھی شدت سے ثابت
 کوئی آئینہ نہیں تھی۔
 پھر زق بار کا لہو آ گیا شہزادہ تو شو
 انعامات تکل ہو جانے کی اطلاع دی۔
 میں اور رضوان اٹھ کر ہوئے

شکر تو رہا کہ تو نے مجھے اپنا بھلا۔ زندگی رہی تو پھر بھی یہاں دل کی
 "ہم اس دن کا بے یقینی سے انتظار کریں گے باؤا۔ منتی نے
 خلع سے کہا۔
 اس کے بعد میں اور رضوان دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ تا فائدہ
 روانہ ہو گیا اور ہم اس وقت تک ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاتھ ملاتے رہے
 جب تک ایک دوسرے کو نظر آتے رہے۔
 چام ڈلو سے نکلے ہی ہم نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی اور برق رفتاری
 سلسلہ کی طرف دوڑنے لگے۔
 راستے میں یہ لڑکیاں بھی اس کے کہیں جانتا تھا لیکن مجھے گھوڑوں
 کی تکنیک کا بھی خیال تھا گھوڑوں کو تلام و سافر میں تھا اس لیے مناسب
 وقفوں سے ہم نے چاؤ ڈلوے لیکن چند گھنٹوں سے زیادہ میں تھک گیا۔
 کئی جگہ برف باری کے سبب ہم راستے سے ہٹ گئے مگر حالے بھی
 ہوشیار تھے۔ آخر دن میں لوگ چلنے کا شور مچا۔ ہم نے ان کا شور
 قبول کر لیا۔ جب برف کا فونز گزریا تو انھوں نے سانی راست تلاش کر لیا
 مجھے یقین ہے کہ چام ڈلو اور لاسر کے درمیان کسی نقطے نے
 اتنی تیز رفتاری سے کہیں سفر نہیں کیا ہو گا جتنی تیز رفتاری ہم نے دکھائی۔
 ہم تو قح سے پہلے لاسر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اب میں اس چٹان
 کے قریب سے گزر رہی تھی جہاں ایک بارچن ڈی ادھیر سے درمیان بوقت
 مقرر ہو تھا۔
 لاسر کے آستانہ گل کو چوں سے گزر کر فائدہ آخر پورا ملا پہنچ گیا۔
 اس وقت وہ دھیر دھیر چل رہی تھی۔
 مجھے اور رضوان کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ پوتا لالہ مل کے
 مہمان خانے میں شہر لایا گیا۔ میں نے ایک خادم سے کہا کہ میں فوراً پورے
 سے ملنا چاہتی ہوں۔ خادم نے بتایا کہ چند عین لاسر یہ ہدایت تھیں کہ ہم
 جیسے ہی پوتا لالہ مل پہنچیں، اسے ہماری آمد سے مطلع کر دیا جائے گا اور
 میں اس سے ملنا چاہوں تو فوراً ملوا دیا جائے۔
 میں رضوان کو مہمان خانے ہی میں چھوڑنا چاہتی تھی تاکہ وہ کچھ
 دیر مگر تھکن آتا رہے مگر وہ بھی میرے ساتھ چلنے پر رضمنہ لگا۔ اسے
 غلط فہمی تھی کہ رضیہ ہی کے پاس سے گفتگو کرنے جا رہی ہوں
 اس لیے اس کی بے چینی اور رضیہ کے جانیں تھی حالانکہ تین زبان نہ جاننے
 کے سبب وہ کچھ بھی نہ سمجھ پاتا مگر میں نے اس کا دل دیا۔
 میں ایک خادم کی رہنمائی میں رضوان کو ساتھ لیے چپن لاسر سے
 ملے۔
 معلوم ہوا کہ عین لاسر وہ یہ کہنا کہ اسے حساب ہوئی کچھ ہوئے
 کے لیے اپنی خواہنگاہ میں جا چکا ہے کیونکہ یہ احکامات خود کسی کے

میری آمد سے اُسے فوراً مطلع کیا جائے اس لیے خادم نے بے جھجک
خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھا دیا۔

بچپن لاہر نے میں اپنی خوابگاہ ہی میں بلوایا۔ میں اندر گئے دیکھ
کر وہ اٹھ بٹھا۔ اُس کی سہری کے قریب ہی صوفے پر سے تھے میں اور
دروازان اُن صوفوں پر بیٹھ گئے۔

”محترم بچپن لاہر! میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے پیانگ
سے موصول ہوئے دالا پیغام فوراً سمجھا دیا۔ میں نے گنگو کا آغاز کیا۔
”یہ تو میرا فرض تھا تاہم“ وہ بولا۔ ”مجھے تمہاری سہی چاہک ہوئی
کاہت مسخ ہے اور میں تمہارے دیکھ میں رہنا کا شریک ہوں“

میں نے اُس کی بات کو نظر انداز نہ کر کے ہرے کہا: ”محترم بچپن لاہر!
کیا اس پیغام کے بعد پیانگ سے کوئی اور اطلاع موصول نہیں ہوئی؟“
”میں بالکل بچپن لاہر نے جواب دیا: ”اُس کے بعد کوئی اطلاع نہیں
ملی۔ میں نے اس سلسلے میں تفصیلات جانا چاہی تھیں لیکن کوئی جواب
موصول نہیں ہوا۔“

”یہ خدا پیانگ جانا چاہتی ہوں۔ آپ کتنی دیر میں انعام کر سکتے
ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم میری خواہش کو دل سے ہی منے پہلے ہی سے
تمام انعامات کر لیتے تھے۔ ایک فوجی طیارہ جو ہم شیک ہونے کا منتظر ہے
مجھے بتا رہا ہے کہ چند گھنٹوں کے اندر درتھ پیانگ کے لیے روانہ ہوا ہو گا۔“
”شکر ہے محترم بچپن لاہر! میں کہتا ہوں۔“

اُس کے بعد بچپن لاہر نے مجھ سے جام ڈلو میں پیش آنسو لے
واقعات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اسے تمام واقعات
سے آگاہ کیا۔ جہاں اُسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کام قبائل کی متوقع شکست
امن ملے گی۔ پھر ہم کو بھی دیں اس سے بات سے دیکھ بھانج کر چینی فوج کا ایک
ڈسٹہ راؤنڈیشنوں کے ساتھ ایک جگہ چکا تھا۔

”میں شرف چین کی جاسوسی کر رہی ہوں کہ کونسی سے کچلا ہو گا۔“ بچپن لاہر
پُرجوش لہجے میں بولا۔ اُس کے لیے سے غصے کا اظہار بھی کر رہا تھا۔
”چانگ جیسے آئین کے سانپوں کو بھی چن چن کر ختم کیا جانا ضروری
ہے۔ میں نے بچپن لاہر کی تائید میں کہا۔

کچھ دن گنگو کے بعد میں اور دروازان اُس کے پاس سے اٹھ کر چلائے۔
دروازان سے یہ نہور کا اور اُس نے استے میں سب کچھ پوچھ
لیا کہ میرے اور بچپن لاہر کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟

ابھی مجھے اور دروازان کو مکان طے کرنے پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ
بچپن لاہر کے ایک خادم نے اُن اطلاع دی کہ ہمارے اعزاء میں الوداعی
تقریب منعقد ہو رہی ہے جس میں میں جلد سے جلد پہنچنے سے اور ہم تیار

ہو جائیں۔

وہ الوداعی تقریب محل کے ایک بڑے سالن

اُس تقریب میں بچپن لاہر کے تمام ہی عزیز و اقارب

تھے۔ میری اور دروازان کی نشستیں بطور خاص بچپن

براہر لگائی گئی تھیں۔ کیونکہ ہم دونوں ہی اُس تقریب

جب میں اور دروازان لباس تبدیل کر کے اُن

دوبلے پہنچے تو بچپن لاہر وہاں موجود تھے۔ ہلے سے

آئے دیکھ کر بچپن لاہر اپنی نشست سے اٹھ کر اُن

بقیہ افراد سے بھی اُس کی تعظیم میں ایسا ہی کیا تھا

مجھے اور دروازان کو بہت احترام و عقیدت

بٹھایا گیا۔ پھر بچپن لاہر نے اپنی نشست سے اُن

کی جس میں اُس نے بہت کے دوران قیام میں ہمارا

خداوند کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اُس کے بعد

کاسیٹ بطور تحفہ مجھے پیش کیا۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کا شکریہ

”ہر چند کہ قیاس سیٹ کی حیثیت زیادہ

میری خاندانی یادگاروں میں سے ایک ہے اور میں

ہرے انتہائی سترت محسوس کر رہا ہوں۔ بچپن لاہر

میں نے ایک بار پھر اُس کی محبت و دینامیت

خیال سے وہ سیٹ انتہائی قیمتی تھا۔ اُس کی تیرہ

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

وہ اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

میں اُن کے پاس سیٹ کی حیثیت سے

افسرِ مہمان داری :- تھا۔

”اُن سے میری ملاقات کب ہو سکے گی“ میں نے سوال کیا۔
”جب آپ فرمائیں ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے گا“ اُن نے جواب دیا۔

”میں اُن سے آج ہی اور جلد اور جلد ملاقات کرنا چاہتی ہوں“ میں بولی۔

”میں ابھی ٹیلیفون پر اُن کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرتا ہوں“ افسرِ مہمان داری صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”اُن کے احکامات یہی ہیں کہ آپ جب بھی اُن سے ملنا چاہیں فوری طور پر انھیں مطلع کیا جائے، یہ کہہ کر وہ اُس تپان کی طرف بڑھا جس پر ٹیلیفون رکھا تھا۔

کچھ دیر میں وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کی گفتگو :- ”مجھے بتا چکا کہ وزیر خارجہ اپنے دفتر سے آٹھ بجے اور اب اُن کی تیاری ہو رہی ہے۔“ رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ افسرِ مہمان داری نے دوسرے نمبر ملا یا اور سلسلہ طے چلنے پر موقوت رہے۔ میں بات کرنے لگا۔ غالباً وہ وزیر خارجہ سے بات کر رہا تھا۔

میں دراصل فوری طور پر وزیر خارجہ سے اس لیے ملنا چاہتی تھی کہ رضیہ کو تلاش کر سکوں اور اُن کو اُن کی جگہ پر لے آؤں۔ اُس کی پوری تفصیل سے آگاہ ہو سکوں۔ یہ اُسی وقت ممکن تھا کہ چینی حکومت کے متعلقہ افسران مجھ سے پھر پورے تعاون کرتے۔ اس سلسلے میں وزیر خارجہ ایک شام کو میرے پاس آئے۔ چینی میں چینی حکومت کا تعاون حاصل تھا اور میں اس تعاون کو کامیابی لانا چاہتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔

افسرِ مہمان داری نے ٹیلیفون پر مختصر سی گفتگو کی پھر ریسپونڈ کرکریڈل پر کھڑکھچے سے مخاطب ہوا۔ مختصر وزیر خارجہ اپنی قیامگاہ پر آپ سے ملنے کے منتظر ہیں۔ آپ کتنی دیر بعد نشرِ تعلیم لے چلیں گی؟“

”بالکل ابھی!“ میں نے جلدی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے بال بال تبدیل کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

افسرِ مہمان داری نے اپنے ناخنوں میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اُسی وقت رضوان نے مجھے موالیہ لگا دیا۔ دیکھا جواب تک خاموش بیٹھا رہا تھا۔

”میں مختصر وزیر خارجہ سے ملاقات کرنے اُن کی تمام گاہ پر جا رہی ہوں۔ تم چاہو تو چلو لیکن میرا خیال ہے کہ چینی زبان سے

واقعات سے سبب بھیس کر فٹ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

رضوان کو اُس فوری ملاقات کا حق۔ وہ اتنا اچھی سمجھتا تھا کہ میں اس کا ”ٹھیک ہے“ میں یہی دہتا ہوں۔ گشتِ شہر کیجیے گا۔ رضوان بولا۔ فاناہ۔ ساتھ جانے سو رہی ہے۔

گیسٹ ہاؤس کے پارکنگ میں منتظر تھی۔ غالباً افسرِ مہمان داری کے جاکر ڈرائیور کو بتا دیا تھا کہ ہم اُن کے گیسٹ ہاؤس میں ٹرک کئے اور صبح ہمارا کام یہ تھا۔

پینک کی گھنگھرائی جاگتی تھی۔ اپنے خیالوں میں غم خاموش بیٹھی رہی۔ کار مختلف شاہراہوں سے

مجھے وزیر خارجہ کی قیام گاہ دیکھ کر سڑک سامناں تھا۔ کوئی زیب و زینت سڑکوں میں نے گیسٹ ہاؤس کے پارکنگ کے علاقے کے صدر دروازے پر

کار دروازے پر پہنچ کر کڑک گئی۔ افسرِ مہمان داری نے کار کے دروازے کھولا اور اُس سے بھاگ کھولنے کے کھول دیا اور ایک طرف مٹ کر

مختصر وزیر خارجہ عمارت کے لیے موجود تھے۔ وہ نہایت گرم جوش تھے۔ ہمارا انداز لے گئے۔ افسرِ مہمان داری

وہ ایک سادہ سی نشست پر سے ایک اوجیز عرشہ منہ کی جوتے دیکھ کر احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

پیشی وزیر خارجہ سے میری پہلے بھی اُن سے مل چکی تھی۔ اُن کی فضا نہیں تھی۔ وہ ایک ”ان سے ملیے باؤ“

ایک زمین“ قبر کے کنارہ پر ایک شخص سے میرا تعارف کر

اُن کو دیکھ کر اُن کا سکول اور احتراماً ڈراسا کے بارہو جیاق وچند نظر کر رہا تھا۔

پہلے اُن کے والدین کی حقیقتات اپنی پہلے کے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے تھے۔ اُن میں اور یہاں بلایا ہے تاکہ آپ حالات میں۔ یہ کہہ کر وزیر خارجہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

اُن اور ایک اور بچہ لی شینگ کی جانب دیکھا۔ اُن کی چمک اور شہانے کی روشنی تھی۔ اُن کے بھی جوتوں پر تجربے سے حاصل ہوتی ہے۔ اُن کی روشنی ہوئی مٹر لی شینگ اُن میں نے

”ابو“ لی شینگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُن کا نام سنا تھا۔ یہ میرے لیے بڑی خوشی تھی۔

میں نے اُن سے گفتگو کا شرف بھی حاصل کر رہا ہوں۔ اُن کی شکل اور احترام تھا۔ ایک ہی صوفے پر بیٹھتے تھے اور صوفے کے علاوہ افسرِ مہمان داری بھی بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے اُن سے مخاطب ہوئے اور میں اُن کی بات سننے لگا۔ ”مجھے“ اُن نے کہا۔ ”میں اس ملک کے لیے ایک بڑا کام انجام دے رہی ہوں۔“

اُن کی حکومت اپنی طاقت نہ رکھتی۔ اُن کو کٹاوتی کے متحرک کرنا تھا۔ تب سے میں صرف اپنے اتھار

اُن کے بچے میں اس کا میری بہن مرچ کی باتیں کرتی تھی۔ وہ اُن میں زندہ ہے اور میں اُن سے تلاش کر رہا ہوں۔

میں نے اُن سے کہا۔ ”آپ کو اس بات پر یقین ہے۔“ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔

میں نے اُن سے کہا۔ ”آپ کو اس بات پر یقین ہے۔“ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔ اُن کی باتیں باتیں کرتی تھیں۔

طوت دیکھا۔ غالباً اُن کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوال کا جواب لی شینگ کو دینا چاہیے۔

”کی باتیں باتیں لی شینگ فوراً بولا۔ ”آپ مختصر وزیر خارجہ سے ضروری گفتگو کریں“ اُن کے بعد آپ فرمائیں گی تو میں میں اور اگر مجھ دیں گی تو آپ کے ہمراہ گیسٹ ہاؤس چل کر آپ کو تمام تفصیل واقعات سے آگاہ کر دوں گا۔“

میں نے سوچا کہ وہاں گفتگو کر کے وزیر خارجہ کا وقت برباد کرنے سے کچھ حاصل نہیں اس لیے یہی بہتر ہے کہ میں لی شینگ کو اپنے ہمراہ گیسٹ ہاؤس لے جاؤں اور وہیں تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں۔ یوں بھی وزیر خارجہ سے ملاقات کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ یہی سوچ کر میں بولی۔ ”بہتر یہی ہے کہ آپ میرے ہمراہ چلیں۔“ میں نے لی شینگ کو حکم دے دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔“ وزیر خارجہ نے کہا۔

اُسی دوران میں ایک ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا۔ نمیز چائے کی ٹرالی لے آیا اور صوبہ کرپشن کی چائے پینے کے بعد میں نے وزیر خارجہ سے رخصت کی اجازت چاہی۔

”آپ جس وقت چاہیں مجھ سے دفتر یا گھر پر رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔“ وزیر خارجہ نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

میں افسرِ مہمان داری اور لی شینگ کے ہمراہ دوبارہ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ اُس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ بیکار دوبارہ گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔

گیسٹ ہاؤس پہنچ کر میں نے اور رضوان نے افسرِ مہمان داری کے پاس پہنچ کر کہا۔ ”مجھے“ اُن نے کہا۔ ”میں نے اُن کے بعد گفتگو کر کے ہوئی۔ میں سمجھنے کے دوران میں ہی رضوان کو محال سے آگاہ کر چکی تھی اور اب وہ تفصیلات جاننے کے لیے یہ چاہتی تھی۔

افسرِ مہمان داری گفتگو شروع ہونے سے قبل ہی اجازت لے کر رخصت ہو چکا تھا اور اب میرے اور رضوان کے علاوہ کمرے میں صرف لی شینگ ہی تھا۔

”اُس حادثے کی نوعیت کیا تھی جو رضیہ کو ہمیشہ آیا؟“ میں نے لی شینگ سے پہلا سوال کیا۔

لی شینگ نے چند لمحے سوچا، پھر جواب دیا۔ ”اُن کی تحویل میں ایک سرکاری کار تھی۔ وہ آکر ڈروائی کی گیر کرنے لگی تھی اور میں چلا کر تھیں۔ عام طور سے کوئی ڈکوائی اُن کے ساتھ ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی وہ تنہا بھی ہوتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر اُن کی کار کو

ہے کہ اب یہاں سے چلنا چاہیے۔
 میں نے بھی اُس کی تائیدیں کما کما لیں اب یہاں ٹھہرنا افضل ہے۔
 ہم معاملت سے باہر نکلنے میں بڑی گھڑی میں وقت بچھتا تو معلوم ہوا نصف شب گورنگی ہے۔ یہ جلنے کے بعد کہ وہ لاش رضیہ کی ٹیکس بھی بڑی حد تک اطمینان ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود مجھے رضیہ کی طرف سے نگرانی کو وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ ہم سب کا ریس نہ کر بیٹھ گئے اور کارگیٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔ رضوان اور میں کھلی نشتر لٹی ہی پر بیٹھتے تھے۔ لی ٹینگ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آگے بیٹھا تھا۔
 ”دراصل بنیادی غلطی مقامی پولیس سے ہوئی۔ لی ٹینگ اپنی نشست سے ٹپڑتے ہوئے میری طرف دیکھ کر لولا جب پولیس نے یہ اعلان کیا کہ حادثے کا شکار ہونے والی رضیہ باؤنڈریز حکومت کو اس معاملے میں دخل دینا پڑا، کیونکہ وہ چینی حکومت کی مہمان تھیں اسی لیے حادثے کی اطلاع فوری طور پر آپ کو دے دی گئی۔ میں اس سلسلے میں اپنی حکومت کی طرف سے مسندرت خواہ ہوں۔“
 لی ٹینگ کچھ زیادہ ہی شرمندہ ہوا رہا تھا۔ میں نے اُس کی تسلی کے لیے کہا کہ کوئی بات نہیں! مجھے تو ایک لمحے کو بھی یقین نہیں آیا تھا کہ میری بہن یوں ہلاک کی جا سکتی ہے۔ اب مجھے اپنے اندازوں اور یقین پر غرضی محسوس ہو رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب تک آپ نے جو معلومات حاصل کی ہوں، اُن سے مجھے آگاہ کر دیں۔“
 لی ٹینگ نے ایک طویل سانس دیا، چہرہ لولا ہوا، آپ بہت مہربان نا توں ہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گی اسی لیے میں نے اب تک حاصل ہونے والی تمام معلومات ایک رپورٹ کی صورت میں مرتب کر کے رکھ لی تھیں۔ میں آپ کو اور رضوان صاحب کو اُس رپورٹ کی ایک ایک نقل دیے دیتا ہوں۔ اگر اس کے مطالعے سے بھی کچھ تشنگی باقی رہے گی تو میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ کل صبح میں دوبارہ آپ سے ملنے آؤں گا۔ جو سمجھا ہے کہ اُس وقت میں آپ کو کوئی اچھی خبر سنا سکوں۔ اگر آپ کو فوری طور پر میری ضرورت ہو تو اُس منبر پر بونگ کر لے لیجئے گا جو رپورٹ کے پہلے صفحہ پر تحریر ہے۔
 اسی دوران میں کارگیٹ ہاؤس کے احاطے میں خوش ہو گئی۔ لی ٹینگ میرے اہل رضوان کے ہمراہ کار سے اتر کر

حمیت ہاؤس کی عمارت کے دروازے
 رخصت ہونے سے قبل انبار لیں کیس کہ
 ایک ایک فائل تھامی۔ اُن فائلوں میں
 نقل بھی جو اُس نے رضیہ کے بارے میں
 رضوان اور میں، لی ٹینگ کی روانگی
 داخل ہونے کے بعد ہم اپنے کمروں کے سامنے
 اتر بیٹھا۔ لی ٹینگ نے ایک ملازم کو بلا کر
 رضوان کو ساتھ لے کر اُس کمرے میں داخل
 تھا۔
 رضوان اور میں صوفوں پر نیم دراز
 پڑنے کی جتنی بھی جگہ تھی غالباً رضوان
 پر نیم دراز ہوتے ہی اُس نے بھی میری طرف
 پڑھنا شروع کر دیا تھا۔
 رپورٹ کے پہلے صفحہ پر لی ٹینگ
 مندرجہ بالا تھا جس پر اُس سے رابطہ قائم کیا
 رپورٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رپورٹ کا
 پیکیٹ میں وارد ہونے کے بعد میں
 طرف سے نگرانی رہی۔ اُس نے اپنا زیادہ تر
 گھبراہٹ مو کی حالت میں لی ٹینگ سے رضیہ کے
 پیکیٹ کی تیسرے شروع کر دی۔ اُس کی دوا
 اُس کے لیے ایک چھوٹی کار کا انتظام کر دیا
 کوئی حقہ مورو کے پاس گزار دی تھی اور شام
 دیکھنے چلی جاتی تھی۔ حفاظت کے خیال
 پر میں پولیس افسر رضیہ کی نگرانی پر لگا دیا
 تھی وہ رضیہ کو پیکیٹ کی کوئی غرقہ میں تھا
 باری رضیہ کی نگرانی کرتے تھے۔ جب تک
 کمرے میں نہیں ملتی جاتی تھی، ان پولیس افسروں
 کی طرح اُس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ کیونکہ میں
 تھی اسی لیے پولیس افسر کسی قسم کی رپورٹ
 رضیہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اُن کا قصہ نہیں
 تھا کہ کتنے تھے کہ رضیہ کے کسی خاص دن کی کسی
 کسی طرح وقت گزارا! جب حادثے کے بعد
 کوئی دیکھ کر تفصیلات پوچھیں تو وہ صرف
 دونوں میں رضیہ، یوگوسلاویہ کے ایک افسر

اُس نے طائفے کی ایک رکن سے کہی۔
 طائفے کی اُس لڑکی کو لیتے ساتھ گیٹ ہاؤس
 لڑکی گئے اُس لڑکی کے ساتھ گزرا۔
 اور یوگوسلاویہ سے وارد ہونے والے اُس طائفے
 کو پتا چلا کہ ایک دن پہلے رضیہ کی وہ سہیلی
 اُس لڑکی نے اپنے بھولے کھڑکی سے کود کر
 لڑکی وہ بوائے فریڈ سے کشیدگی ظاہر کی گئی
 کے لیے ایک مزید وہ خط ملا تھا جس میں
 لڑکی کا تھا اور خوشی کا سبب لکھا تھا۔ مرنے
 اور طائفے کے سرواڑے نے تصدیق کی تھی کہ وہ
 لڑکی تھی۔
 کہ اُس میں حادثے کی تفصیل تھی۔
 طائفے اُس دن رضیہ نے مورو سے ملاقات
 ایک اور بھولے میں گئی تھی۔ بھولے کے استقبالیہ
 کے دوران میں بتایا کہ رضیہ نے اُس بھولے میں
 لڑکی دندے کے بارے میں پوچھا تھا۔ اُس دن
 وہ بھولے نے فرخ کی غرض سے گئے ہوئے تھے اُس
 سے مایوس ڈھٹا رہا تھا۔
 اُس دندے کے بارے میں مرث آتا پتا چلتا تھا
 لڑکی کی نظیر آنکھوں سے متعلق تھا۔
 لڑکی دندے کے بارے میں یہ محترمہ سارا حال ہی میرے
 سرواڑے سے کہنے کے لیے گئی تھی۔ اگر معاملہ فلسطینی
 تھا تو یقیناً میری بہن کسی لیے جکڑ میں پڑ گئی
 چلی مرث جاتی تھی کہ عرب اسرائیل جنگ اب
 عرب علاقوں تک محدود ہیں رہی تھی بلکہ
 کی صورت میں دو دروازے ماک ٹیک پھیل چکی
 کے محدود وسائل کو دیکھ کر نے لکھا اور اُس
 اور عربوں پر۔ اسرائیل کو بیشتر
 کی امداد مالیات حاصل تھی۔ اُسے جس جگہ ضرورت
 کے فراہم کر دی جاتی تھی مگر عربوں کے پاس
 کے باوجود اسلحہ اور گولہ بارود حاصل کرنے کے
 اہل تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اسرائیل
 اہم قس عرب اہل کے تفرقوں کو فرو کرنے
 وہ جلا کیسے منتقل ہونے لگا رکھی تھی۔ اسی کوئی

کوشش کی بھی جاتی تھی تو اسرائیلی کی کسی طرح کوئی مذکور کیا
 مسئلہ کھڑا کرتے تھے اور عرب اتحاد کو مزہ پڑ جاتا تھا۔ اسرائیل سے
 خبر سنا کر اُسے کے لیے جو کچھ ضروری بہت محدود تھی وہ بلاؤں
 فلسطینیوں کے دم سے تھی مگر وہ مختلف بین الاقوامی میسر ہونے تک
 کے مقابلے میں بہت کمزور تھی اسی لیے اُسے قدم قدم پر بڑھ کر اٹھانی
 پڑتی تھی۔
 میں نے رپورٹ کا لقیہ حصہ پڑھا۔
 رپورٹ میں لکھا تھا کہ رضیہ فلسطینی وفد سے ملاقات نہ
 ہونے پر گیٹ ہاؤس کوئی تھی گیٹ ہاؤس پر چکر اُس
 نے یوگوسلاوی ثقافتی طائفے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ منبر
 کیونکہ گیٹ ہاؤس کے ٹیلیفون آہستہ آہستہ دیا تھا اُس لیے اس
 بات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ رضیہ نے غالباً ٹیلیفون پر طائفے
 کے کسی رکن سے بات کی تھی اور اُس سے رضیہ کو اپنی سہیلی کے
 انتقال کی اطلاع ملی تھی۔ یہ محض اندازہ تھا، کیونکہ ٹیلیفون پر گفتگو
 کرنے کے بعد رضیہ گیٹ ہاؤس سے نکلی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ
 سر اُس بھولے کی طرف روانہ ہو گئی تھی جہاں یوگوسلاوی طائفہ ٹھہرا
 ہوا تھا۔ اُس نے طائفے کے سربراہ سے مل کر کوشش کی تھی کہ وہ
 اپنی سہیلی کی لاش دیکھ سکے لیکن لاش پوسٹ مارٹم کے بعد طائفے
 میں موجود ڈاکٹر کے حوالے کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کے ذمے یہ کام تھا
 کہ لاش کو جنرل کرے تاکہ وہ جہاں سفر کے لائق بنائی جا سکے مرنے
 والی کی لاش یوگوسلاویہ میں اُس کے رشتے داروں تک پہنچائی جائے
 والی تھی۔
 اسی بھولے سے دلچسپی میں رضیہ کو مادہ پیش کر لیا تھا۔
 رپورٹ کے ساتھ اُس پولیس افسر کا بیان منسلک تھا جو
 اُس وقت رضیہ کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے وہ بیان پڑھنا شروع
 کر دیا۔
 ”میں محترمہ رضیہ باؤنڈریز کا انتظار کر رہا تھا جو کسی سے ملنے بھول
 میں بھی رہتیں۔ میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ اُن کی کار بھول کے احاطے
 میں ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ میں خود بھول سے باہر رہا تھا اور اپنی
 موٹر سائیکل کو صاف کر رہا تھا جو گروڈ اور بھول تھی۔ بھول نے بھول
 دیر بعد میں بھول کی طرف دیکھ لیا تھا۔ مجھے اس چاٹا ہی محترمہ
 رضیہ باؤنڈریز کی حرکت میں نفراں آئی جو اندھیں طوفان کی طرح بھول کے
 گیٹ سے نکلی تھی۔ میں نے گھبر کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور
 تیزی سے کار کا پیچھا کیا۔ بلا طوفانی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ رفتار

[illegible]

آرڈر دیا۔
 میں نے ٹینک کی بات سن کر چونک پڑی۔ اُس نے جو تہیہ نکالا تھا وہ
 قریب تیس ہفتا پہلے سے ذہن میں ایک پہلی کی طرح کندھا اور مجھے ملوا
 ہوا کہ ریلوے گاں ہو سکتی ہے! یہ تو طے ہو چکا تھا کہ کافٹہ کا شکار ہونے
 والی ریلوے مرکز نہیں تھی۔ لی ٹینک نے جو خیال کیا تھا اُس کی کہ دشمنی
 میں کافٹہ کا شکار دوسری لڑکی ہو سکتی جس کے پاس میں غلط ہو گیا تھا کہ اُس
 نے کوئی کسے کے کوڑھ کوڑھ کر لی۔ ایسی صحبت میں اُس لڑکی کی جگہ وہ کون ہو
 سکتی تھی جسے ملنے کے ڈاکٹر نے کوڑھ کا ہوا جگہ؟ مجھے اسی سوال کی کسب پینچ
 کر یہ علم ہوا تھا کہ وہ ریلوے کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنے
 افسانہ کا اظہار لی ٹینک سے بھی کر دیا۔

مگر وہ خود طوطہ لاش تو روگوسلاویہ رواد کی جاسی ہے۔ لیکن
فکر نہ کیے میں بولا: "اس سلسلے میں ہم نے یقیناً جنگ ہو گئی، اس کے لیے
میں متفق تھا۔" پریس نے روگوسلاویہ لاش کی کوششیں بھیجی کہ بلدیہ سے ہو گئی تھی۔
چنانچہ اس بات ایک ثابت روگوسلاویہ کے لیے رواد کو دیکھا تھا۔
لی ٹینگ کی بات سن کر میں کچا گئی اور میں نے پناہ سرائے کیا۔
"یہ بہت بڑا ہوا بہت بڑا ایمپائر تھا۔"
روڈان بھی نابالغ اپنی خطوط پر سوچ رہا تھا اس لیے اس کے مجھ سے
مجھ کو گزری اور رشوت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں چائے آگئی تھی
اور لی ٹینگ، فرسب کے لیے جانے ناپوش ہو گیا۔

”جیسے انٹوس ہے مگر مابو، بالی شینگ نے اس اور حضرت طلحہ
 لیے ہیں کہ یہ یقیناً خود شہداء کی صورت میں رہے یا وہی کو گورنر
 روانہ کیا گیا ہے۔ یہ بات میں اس یقین سے بلی کر رہا ہوں کہ آج صبح
 پوچھ کر گورنر فٹیش سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کار میں ہم نے اُن
 دلی لاش مردہ کو گورنر لای کی جی سی، اس لڑکی کے ہاتھ فریڈر جان
 عادی سے ملنے والے ہتھکڑی پہن کر لائے گا۔ ہتھکڑی کا یہ ہے“
 ”مگر تو یہ بات یقین ہے کہ یہی خود شہداء کی صورت میں

”یہ معلومات بغیر دوا کر کے بھی حاصل ہو جائیں گی۔ لی ٹینگ نے کہا۔
 ”کیس نہ کہیں اس نالوث کا جڑ ٹریش ضرور ہوا ہو گا۔ یہ جڑ ٹریش رومل پانے
 والے کے نام اور پتے کے بغیر گزر تھل نہیں ہو سکتا۔“
 ”بہ ذہن من ہو گا۔ میں نے یہ جہت کہا۔
 ”آپ کیا نال ل دروست ہو سکتے ہیں۔ لی ٹینگ نے میری تاخیر کی۔
 کیا قہر میں سے کب رواجی ہو جائے اس لیے میں محو سے بھی

جب موسیٰ کے دل کا تباہ حال گیا تو یہی
 فی الواقعہ زندہ ہے۔ یہ کہہ کر میں بھی ہنس
 سونان کے برابر بیٹھ گئی۔
 کیا وہ چونک پڑی؟ آپ... آپ... آپ...
 فرما! اس کے لیے میں نے یقینی تھی۔
 شاید میں یہ کہہ رہی ہوں۔ میں نے
 یہ کہہ کر شاید میری بات پر انہیں تک
 نے رمضان کی جانب سوالیہ نگاہ ہے۔
 جان جاتی ہو۔
 شاید تو یہی ہے کہ وہ زندہ ہے! اور
 کچھ جواب دیا۔
 میں نے اسے متفقہ تمام حالات سے

ات جن کے لیے ایک قتل جوا ہے اور میری
میں نے رضوان اور موسیٰ طرف مڑ کر کہا۔
تحریر میں ہے؟ رضوان دُور بیٹھا تھا اب اس لیے
تحریر نہ دیکھ سکتا تھا! اسی وجہ سے اس نے یہ

”اور مزید ایک قتل کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ میں نے فوٹوں کی بات پوری ہوئے سے پہلے کہنا۔ مجھے یقین ہے کہ کٹا خفے کا ڈاکٹر یا قریب وقت تک مارا جا چکا ہو گا یا راجا نے والا ہو گا۔“

”کیوں؟“ ڈاکٹر کو وہ لوگ کیوں ختم کرنے لگے؟ وہ تو خدوائن کا ساتھی ہے۔“ شرفان بولا۔

”ڈاکٹر کو چھ پرکروں کو گلا دیے جانا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے آنے کی صورت میں باقی لوگوں کو! جی جی بھائی اشکل ہو جائے گا۔“

”تمام ساتھیوں کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے ایک ساتھی کی قربانی کی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے شرفان کو سمجھایا۔“

”مہربان! ان باتوں سے کاغذات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے یہ کاغذات فلسطینیوں کے لیے بقیہ بہت اہم اور سودمند ہوں گے۔“

”ابھی فلسطینیوں کے حوالے کرنا جا رہی تھی اور وہ بھی فیض ہے۔“ شرفان نے رنجوش لہجے میں کہا۔

” لیکن وہ تجھ ارے دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ میں نے بتایا۔
 لیکن کیا چہرہ ایک بابیچہ اور اس اُداس سا نظر آنے لگا۔ وہ بولی۔
 ” پھر تو میری امانت بھی اُن کے ساتھ گئی، اُس کے لیے میں مایوس تھی۔
 ” رشتہ کو افواہ کرنے کے بعد دشمنوں نے اُس کے کمرے کی تلاش
 کی تھی لیکن وہ جو چیز تلاش کر رہے تھے انھیں نہیں مل سکی، میں
 نے اُسے پھر امید دلانے۔

لیا لے لیجئے آمیز گاہ سے میری طرف دیکھا : ”اے آپ
: بات بتائیں سے کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ وہ امن اپنے قصد میں
نا کام رہے تھے اودوہ جو چیز تلاش کر رہے تھے انھیں نہیں ملی؟
کیا خبر وہ چیز انھیں مل ہی گئی ہو؟“

"میری کہن جب کوئی چیز کسی کی نظر سے چھپانا چاہتی ہے تو وہ آسانی سے نہیں ملتی۔۔۔ چیز صرف اسی کو مل سکتی ہے جسے ضرور چاہے" میری آواز میں کھٹک لگ رہی تھی۔

لیلیٰ نے ان کی زانیہ آنکھوں سے ایک بار کچھ عجیب دیکھا۔ اس کا
چہرہ دوبارہ ہلکے ہلکے تھا۔ وہ سرت آئینہ میں بھی لولیٰ کو تو قریب
نئے میری اسمانت آپ کے لیے محفوظ کر دی تھی اور آپ نے وہ چیز حاصل
کر لی؟“

اُس کے چہرے پر خوشی کے سبب ہلکی سی مسرتی لگتی تھی جس کے سبب اُس کا سن کچھ اونگھ گیا تھا میں نے اُس سے اُس کے زخماں کو تفتیح کیا اور کہا: ”یوگسلاویا کی کے دیے ہوئے کاغذات اگر میرے توسط سے تمہیں مل جائیں تو تمھیں کیا انعام ملے گا؟“

”جو آپ مانگیں!“ لیلیٰ بے ساختہ بولی ”وہ کاغذات اتنے اہم اور قیمتی ہیں کہ میں اُن کے لیے اپنا جان بھی دے سکتی ہوں۔ اُس کے بعد میں خوش تھا۔“

”تو پھر طے رہا۔ اگر میں نے تمہارا کام کر دیا تو تم میری بات مان لو گی۔ میں نے شروع نظرت اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بالکل! اس نے بے سوچے مجھے حاکم بھری اور امید بھری
نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

”دیے کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ ان کا عذاب میں ہے کیا؟“ میں نے یوحیا۔

فیروزہ وال سُن کر اُس کے کپھرے پر تہذیب سا نظر آنے لگا۔ شیلہ وہ مجھے بتاتے ہوئے جب کچا رہی تھی مگر غالباً اُس نے فیصلہ میرے حق میں کیا۔

”آپ کو کچھ بتایا غالباً ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہو گا کیونکہ آپ جس ملک سے تعلق رکھتی ہیں، اُس کے عوام اور حکومت دونوں

دست میں ان کی واپسی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

تے ہوئے بولے: "آپ شاید بھول گئیں کہ جب آپ

ہی تھی۔ ہندو کہے میں اس کی موجودگی میرے
اس مگر پورس کے حسین چہرے پر نظر پڑتے ہی میں
تھی۔

کہیں آئیں؟ میں نے لیلیٰ سے وہ سوال کیا
تھا۔

۱۰ روشندان بہت زیاد ہے اس سے فسرگاہ
ہو جاتی بہت آرام سے کھل جاتی ہے میں
اور آئی، پھر جالی کی دوز میں ایک تار
کی کھول کر اندر آئی۔ پیلے میں سے کھڑکی
ملا کر وہ مٹھی سے بیہوشی میں سے کھڑکی
کو لے کر جواب میں ملا کہ آپ کمر میں نہیں
داخل ہونے کے لیے دوسرا راستہ اختیار

فردان سے اتنا سنا کوئی معمول کام نہیں
 ثابت ہو سکتی تھی میں نے کیا کوشش بھری
 علم بھرا سے کول ملنا چاہتی تھی؛ غلامی
 نہیں ہو گی کا غذا تم میرے پاس ہیں۔
 ہاگ منت ہے تمس مہمت مایوس کر دیا تھا۔
 بلائیں اور چین آنافقول ثابت ہوا مگر
 کل جنت علیہ ثرا کا رہوئے سے سلسلے ہائے

ماہنامہ ایک ساتھی میاں گیسٹ ہاؤس میں
 رہتے ہیں۔ رات بھر کچھ سی پی
 کے ساتھ ہیں۔ ایک قیدی جو ہمیں کچھ
 باتیں کہیں مقرر کر دیے ہوں اور آپ
 کو اس کا مقصد آپ سے تعزیت کا نہیں تھا
 بلکہ اس کے ہونے عادی کا اشاریہ نہیں

یہاں پہلے آنے کا کیا مقصد تھا؟ میں نے سوال کیا۔
یہ وہ کاغذات و شمنوں کے ہاتھ نہ لگے

یہ خطرات کا باعث ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ دشمن اب اس کے لیے جو منصوبہ بنائے ہو، اس میں اس کے لیے اس خطرات کا بھی خیال ہو گا۔

لیلیٰ کی بات سن کر میر نے اطمینان کا لباس اس ناپ چھوڑا ہے
 اور اسی صورت میں پہلے میں سے جو تر کو بچ سوچا تھا، سوچ کر لگا لگا کر
 ترم سوچ لو کہ کاغذات کی نقل سے تمہارا کام چل جائے گا یا نہیں پہل
 ہے کہ کس سے کوئی فرق نہیں پڑے کہ کاپیاں اصل کاغذات کے ذریعے
 ہو کہ مشینوں کے غٹے سے زمانے کی پریشانیوں سے محفوظ رہیں۔“

میلنے والے ایک بار پھر دونوں لغافوں سے کاغذات نکال کر
 کاغذ کا موازنہ کیا، پھر انھیں لغافوں میں واپس رکھتے ہوئے ٹھہرے
 سے لڑھکھک بے نقل اور اصل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دستاویزات
 میں تیس کے کچھ نسخہ نقل کیا جائے۔ عام طور سے سرگرم کارپورٹ
 بھکر جلا دی جاتی ہے تاکہ دشمن کے ہاتھوں میں بڑے کارپورٹ
 سینڈ ہائے اہمیت کے لیے محفوظ کیا ثابت نہ ہو سکے۔ اس سبب سے
 زیادہ تیرے لیے البتہ محفوظ رکھا جائے گا تاکہ آپ اصل کاغذات
 سے دست بردار نہ ہو سکیں۔ آپ کی نظر میں دشمن کا کوئی آدمی ہے؟ دیکھیں
 آپ کو ایسا بات کا یقین دلا دوں کہ یہی حکومت آپ کی بہن کو
 مت جلد تلاش کرے گی؟

” ممکن ہے ایسا ہوتا مگر اب رفیعہ عین میں نہیں ہے “ میں نے لیلیٰ سے کہا، پھر کوسے میں نے اب تک کی تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا اور آخر میں بولی ” ہاؤئے گاؤڈ اسٹری“ مناسب کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے اور ساتھ میں ہیں مجھے ایک شخص ملے۔“ شفیقہ نے ادریس براہ راست اس سے گفتگو کرنے کے بارے میں سوچ رکھا ہوں“

”یہ خطرناک کبھی ثابت ہو سکا ہے“ کیلی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

”خواتین سے کہلیا میں کی زندگی ہے، میں ہنس کر کہوں۔“
 لیڈی نے غصہ جھرتے سے دیکھا، پھر کہا: ”ہر حال آپ ہر طرح
 سے مجھے اپنا بھائی اور بھتیجے سے آپ کے لیے جو کچھ ہو سکتا ہے، اچھا کر
 کہیں آپ کی بہن نے فلسطین کے غفلتوں کی غلطیوں کو خود غلطی
 سے ڈاکٹر کا نام نہ اتمام دیا ہے، ہر کسی طرح اس کا شکریہ ادا نہیں
 کر سکتے، اللہ کے لیے سب سے سختی اور غلوں کا اظہار ضرور تھا۔“

میں نے اُس نرے حسین چہرے کی طرف نگاہ اٹھائی اور معنی خیز

کے لیے میں کہا، "دیکھو لیکن تمہیں کا غذات مل گئے، اب مجھے میرا انعام دلو اور اؤ، میری آواز میں جذبات کی لرزش تھی۔"

"آپ جو کہیں گی، وہ میں سہیا کر دوں گی۔ ہمارے پاس خنڈ کی کمی نہیں، آپ نے ہمیں جو چیز دی ہے وہ انمول ہے، یہ لیلی نے پڑھو جس نے ہمیں کہا۔"

"مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے ہمیں ایک انمول چیز چاہیے،" میری آواز شدت جذبات سے بھاری ہو گئی۔

"انمول چیز؟" وہ حیرت سے بولی، "وہ کیا انمول چیز ہے؟"

"وہ وہ تمہو ہیلیں جانی تم،" مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، "مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میری ضرورت؟" اس کے لہجے کی حیرانی برقرار تھی۔ وہ اب بھی میرا مدد نہ کرنا چاہتی تھی، "آپ آپ میرا کیا کریں گی بانو؟" انہں نے معصومیت سے پوچھا۔

"میں تم پر اپنی زندگی وار دونوں میں اس کے قریب ہو گئی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور مجھے بول گیا جیسے میں نے دیکھا جوا نکلا چھو لیا جو میرے سارے بدن میں اس کے جسمانی لمس سے کبلی کی دوڑ گئی میری یہ قدر انگلیاں اب اس کی پشت اور شانوں کو سسلا رہی تھیں۔ جو زبان نہ کہ میری میری انگلیوں کے لمس نہ کہ وہاں۔ میں نے دیکھا کہ اس نے شرمناک نظر نہ پکڑ کر اس کا چہرہ جیسے سرخ ہو گیا۔ مجھے یقین آ گیا کہ اس نے میرا مدد کا مجھ لیا ہے، میں نے اس کی ٹھوڑی اور ہاتھ لٹانے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا، "کیوں لیلی جانی کیا تمہیں میری طلب پوری کرتے سے انکار ہے؟"

لیلی نے نگاہ اٹھائی، "میں نے ڈانٹا ہوا ہے، اور پھر وہ شرمیلے لہجے میں بولی، "میں میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی۔"

"میرے قریب تو آؤ اسب کچھ کچھ جاؤ گی،" میں نے بھڑک کر پوئی آواز میں کہا، لیلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

مبار میں میری آغوش میں آگئیں جن کی خوشبو سے میرے جسم و جاں مہک اٹھے۔ میں مجھوں سے قریب ہو گئی، گنوار سے بھول چکی تھی خوشبو شاید مجھ سے پہلے کسی نے نہیں سونگھی تھی میں اس خوشبو کی لہریں اگے بڑھی بھولنے لگی تھی بات ہر سے تھی میں نے کم کم با دو بار اس کی کسی کیفیت محسوس کی۔ اس کی خوشبو کو شعلہ حسن کے قریب نے اور دیکھ کر لایا۔ ایک نجان خوشبو وزیر رنگ و ہرنگ سے مہکا رہوئے کے لیے مجھ اٹھی۔ ایک یہاں ہر ہر پہل بار بار کی ہر ایک آگینوں میں نندت و وفا کی کے جاہ کیف آگین سے سیراب ہونے کی خاطر اب و آگے، بھول کر بول میں تھوڑے قطرہ جذبات کی شبنم برسی، کسی تہ بند بکلی کے کھلنے کی صدا

شنائی دی، پہلی اپنے بعد رو ایک مہکا پنہا بھول سے منگل ہو گئی، خود بھی بھول بن رہا ہوا ہے، لیے انفا میں جیسے جلتی ہوئی آگ اس میں دو وجود دیتے چلے گئے۔ ایک ایک قوت اس کے ساتھ لمحہ لمحہ بڑھتی ہوئی تھی۔ اس کی تال آتی بل تھی کہ ساری کائنات میں جیسے کوئی صدا نہیں تھی، صدا کہ آواز اٹھا رہا۔ چلو منزل شوق سے مہکا رہیوں۔ صدا کہ کریں۔ صدا کہ بھول کی نصیحت کرادیں۔ صدا کہ خوب جا شیں اور پھر کسی نہ پھر میں۔ صدا کہ سے بھر لیں۔ صدا کہ وہ لاگ الیا ہیں کہ، نفع کے آخری بول لگنا ہے۔ آواز میں بن گئے تھے۔ ایک آخری صدا بلند ہوئی، "میں غامض ہو گئے اور آخر میں ہو گیا لیکن کھل کر اسے نہ حال ہوئی تھی کہ اس بھول سے پہلے کروا جیسا بنا رہا تھا۔

میں ایک صحن خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی، "میں دن کا اچالنا بھیننے سے قبل سیرا مگر تم کیسے جاؤ گی؟" میں پوچھا۔ ابھی میرے پورے حواس ایسا احمقانہ سوال نہ کرتی۔

"جس طرح آئی تھی، اس طرح چلے جاؤ،" اچھا جاؤ، شاید کچھ نہیں ملتا ہوئے کہا، "ہم نے جوئے ساتھ گزرا میری بات پر اس نے شرمناک کر لیں کچھ کسی وہ کھڑکی کی طرف بڑھ کر کھولی اور میری طرف دیکھ کر بولی، "خدا حافظ؟" میں نے کہا، "چاہتا تھا مگر میں اپنے اطمینان کی خاطر دیکھنا چاہتی تھی۔"

وہ چہ زخم میں کھڑکی کے قریب تھی۔ میں نے نیم در حصار میں کی دوسری جانب دیکھا کہ کتہا تھا۔ میں نے وہ تھوڑا سا کھسک کر دیکھا۔

میں نے نیچے اتر گئی چند لمحے بعد ہی وہ نیچے چلی گئی۔ اس کی طرف دیکھ کر حقیقی انداز میں ہاتھ ہار رہی تھی۔ اٹھ کے اشارے سے اسے رخصت کیا۔ وہ ٹھوکر کی طرف چل دی۔

اسے ادھل ہو گئی تو میں نے کھڑکی بند کی، "کمرے کا وال بچھڑ پڑ رہا ہے تو وہ بارہ سونے نہیں لگتی تھی۔"

لیلی کی گھنٹی گھنٹی تو اس کے کھل گئی، ٹیلیفون مہری ایک چھوٹی سی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے سیرا دیکھا۔

لیلی شینگ تھا۔ اس نے تباہ کیا یوگوسلاویہ کے اندر و سب ہو گیا ہے، صرف کچھ شکر باقی ہے۔ لون کر رہے گا۔ مجھے تیار ہو جانا چاہیے۔

کی ہوئی، "آپ نے کمرے سے نکل کر میں نے مٹوانا کھانا کھا یا۔ وہ جاگ چکا تھا۔ میں نے اسے لیٹنگ کا لہا دیا اور بولی، "تم لٹے سامان باندھو، میں ہمارے ہیں بانو؟" اس نے پوچھا۔

لیلی کی تعجب کرنے میں نے جواب دیا۔

"کر لیجیے!"

میں نے ہے۔ تم ناشتہ کرو، میں اگر ناشتے سے کھانا کھاؤں گا۔

"گو ہو کر آپ کہاں جا رہی ہیں، وہ بھی اتنی دیر لہو لہا۔"

لیلی تک جانا چاہتی ہوں جہاں یوگوسلاویہ لائن میں نے تباہ کیا۔ اب اس سے آگے کچھ نہ پوچھنا، لیلی نے ہر جگہ اس کی بات پر اس نے شرمناک کر لیں کچھ کسی وہ کھڑکی کی طرف بڑھ کر کھولی اور میری طرف دیکھ کر بولی، "خدا حافظ؟" میں نے کہا، "چاہتا تھا مگر میں اپنے اطمینان کی خاطر دیکھنا چاہتی تھی۔"

وہ چہ زخم میں کھڑکی کے قریب تھی۔ میں نے نیم در حصار میں کی دوسری جانب دیکھا کہ کتہا تھا۔ میں نے وہ تھوڑا سا کھسک کر دیکھا۔

میں نے نیچے اتر گئی چند لمحے بعد ہی وہ نیچے چلی گئی۔ اس کی طرف دیکھ کر حقیقی انداز میں ہاتھ ہار رہی تھی۔ اٹھ کے اشارے سے اسے رخصت کیا۔ وہ ٹھوکر کی طرف چل دی۔

اسے ادھل ہو گئی تو میں نے کھڑکی بند کی، "کمرے کا وال بچھڑ پڑ رہا ہے تو وہ بارہ سونے نہیں لگتی تھی۔"

لیلی کی گھنٹی گھنٹی تو اس کے کھل گئی، ٹیلیفون مہری ایک چھوٹی سی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے سیرا دیکھا۔

لیلی شینگ تھا۔ اس نے تباہ کیا یوگوسلاویہ کے اندر و سب ہو گیا ہے، صرف کچھ شکر باقی ہے۔ لون کر رہے گا۔ مجھے تیار ہو جانا چاہیے۔

کی ہوئی، "آپ نے کمرے سے نکل کر میں نے مٹوانا کھانا کھا یا۔ وہ جاگ چکا تھا۔ میں نے اسے لیٹنگ کا لہا دیا اور بولی، "تم لٹے سامان باندھو، میں ہمارے ہیں بانو؟" اس نے پوچھا۔

لیلی کی تعجب کرنے میں نے جواب دیا۔

"کر لیجیے!"

میں نے ہے۔ تم ناشتہ کرو، میں اگر ناشتے سے کھانا کھاؤں گا۔

"گو ہو کر آپ کہاں جا رہی ہیں، وہ بھی اتنی دیر لہو لہا۔"

لیلی تک جانا چاہتی ہوں جہاں یوگوسلاویہ لائن میں نے تباہ کیا۔ اب اس سے آگے کچھ نہ پوچھنا، لیلی نے ہر جگہ اس کی بات پر اس نے شرمناک کر لیں کچھ کسی وہ کھڑکی کی طرف بڑھ کر کھولی اور میری طرف دیکھ کر بولی، "خدا حافظ؟" میں نے کہا، "چاہتا تھا مگر میں اپنے اطمینان کی خاطر دیکھنا چاہتی تھی۔"

وہ چہ زخم میں کھڑکی کے قریب تھی۔ میں نے نیم در حصار میں کی دوسری جانب دیکھا کہ کتہا تھا۔ میں نے وہ تھوڑا سا کھسک کر دیکھا۔

یوگوسلاوی طائفہ بھڑا ہوا تھا۔

میں نے استقبال سے یوگوسلاوی طائفے کے منہ پر کا کمرہ منبر معلوم کیا۔ پہلی منزل پر پہنچے مگر وہ مل گیا۔

میں نے کمرے کے دروازے کڑی دھمکیوں سے تو دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا طائفے کا منہ بھڑا اور مجھے کسی سے ملتا بھی تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا مگر اس کی صحت اچھی تھی۔ اس کے چہرے سے مزاح کی کرنچیں کا اظہار ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ہر حیرت کے آثار نظر آئے۔

"میں رضیہ کی بہن ہوں،" میں نے جرمن زبان میں کہا۔

یوگوسلاوی زبان، جرمن زبان سے ملتی جلتی ہے، اس لیے وہاں کے باشندے جرمن زبان سمجھ لیتے ہیں۔ میں نے اسی لیے جرمن زبان کا سہارا لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا، "میں اس لڑکی کی بہن ہوں جسے تم نے اغوا کر کے یوگوسلاویہ بھیج دیا ہے۔"

اوجھڑ عمر منہ پر کے چہرے پر حیرت کے آثار گرے ہو گئے، پھر چند لمحے بعد وہ بولا، "میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میرا نام صبیحہ بانو ہے اور مجھے آسمانی سے غلط فہمی نہیں ہوئی، سمجھ لیں، میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اندر شرف لے آئیں تو زیادہ مناسب ہو گا،" منہ پر نے نہایت شائستگی سے کہا۔ وہ اچھا اور ادا معلوم ہوا تھا۔ لی شینگ نے اپنی پرور میں اس کے متعلق جو کچھ سمجھا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ وہ مجھ کے میں داخل ہونے کے لیے راستہ دینے کی خاطر ایک طرف ہو گیا۔

میں کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کے کمرے سے ملحق ایک اور کمرہ بھی نظر آ رہا تھا جو غالباً بطور نگارہ استعمال ہوا تھا۔ میں جس کمرے میں داخل ہوئی اس کی حیثیت نشست گاہ کی تھی۔ وہ کمرہ سادہ مگر آرام دہ فرنیچر سے آراستہ تھا۔

منہ پر کمرے کا دروازہ بند کر کے میری طرف مڑا۔ اسی وقت میں نے اپنا پرس کھول کر رو ل کیے ہوئے کا غذات نکالے اور انھیں منہ پر کی طرف لٹایا۔

"یہ کا غذات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی،" میں نے تیز لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

منہ پر نگاہ جیسے کا غذات سے چپ کر رہ گئی تھی۔ وہ ان کا غذات کو حریفانہ نظر سے دیکھ جاتا تھا۔

وہ خاموش رہا تو میں پھر بولا "ہی" تمھاری جارحانہ کوششیں
 چتا چل رہا ہے کہ مجھے دہشتی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے میں
 آزادی فلسطین کے وفد سے مل کر دیکھتی ہوں شاید وہ لوگ میری
 مدد کر سکیں۔" یہ کہہ کر میں نے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیا۔
 منیجر نے میرا دستہ روک لیا اور سرد لہجے میں بولا "غلط فہمی
 شاید مجھے ہوئی تھی، آپ ٹھیک جگہ آئی ہیں۔ کیا آپ نے یہ کاغذات
 کسی اور کو بھی دکھائے ہیں یا کسی اور سے ان کا ذکر کیا ہے؟"
 "ابھی تو میں نے کسی سے ان کاغذات کا ذکر کیا ہے اور نہ کسی
 کو کاغذات دکھائے ہیں لیکن اگر میری بہن کا چنانچہ چلا تو میں یہ کاغذات
 مناسب لوگوں کو دکھائے اور یہ بھی نہیں کروں گی۔" میں نے بڑے
 اطمینان سے اس کی بات کا جواب دیا۔
 "آپ کی بہن بے خبر تھیں لیکن وہ اب یہاں چین میں نہیں
 ہیں جو انھیں ذہنی طور پر آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔"
 میں نے منیجر کو گھورا، پھر قدرے نرم لہجے میں کہا "مجھے ان
 بہنوں سے کوئی رنج نہیں ہے لیکن تم لوگوں کو یہ کاغذات حاصل
 کرنے کے لیے میری بہن کو زوردار کرنا پڑے گا۔ کیا تم اسے واپس
 پکینگ بلا سکتے ہو؟"
 میری بات سن کر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ
 آگئی اور وہ بولا "کیا آپ مجھے اتنا ہی احمق سمجھتی ہیں؟"
 "کیوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔
 "اُسے دوبارہ پکینگ لانے کا مطلب خود کو دلدل میں پھنسانا
 ہو گا۔ طاقت کے ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں اس دہشت جینی حکومت
 کے پاس کوئی شہوت نہیں کہ وہ ہم پر ہاتھ ڈال سکے لیکن آپ کی بہن
 کے یہاں آنے کے بعد ہم بھینس جاؤں گے۔ وہ جالا کی سے بولا۔
 "یہ بھی تو کہہ کر آپ بائیس کسی کے ساتھ نہیں آئے گا کیونکہ تم نے
 اسے بھی میٹھی نیند سکڑا دیا ہے۔"
 میری بات سن کر وہ پھر مسکرایا اور بولا "آپ کا خیال غلط ہے۔
 اب تک وہ پیرس کے ساتھ آچکا ہو گا۔ اس نے زہم کھائی ہو گی کہ وہ
 میرا یہ اندازہ غلط نہیں لگا کر ڈاکٹر کو ٹھکانے لگا دیا ہو گا۔
 کچھ وقت کے بعد میں نے دوبارہ مطلب کی بات چھیڑ دی "تھیں ان
 کاغذات کی ضرورت ہے اور مجھے اپنی بہن کی واپسی سے دلچسپی ہے۔
 یہ بتا دو کہ کہاں اور کس طرح چاہتے ہو؟"
 "آپ نے بڑی مناسب بات کہی ہے۔" وہ جلدی سے بولا "اگر
 آپ مجھے پھر ایسا وقت دیں تو شاید میں بھی کوئی مناسب تجویز پیش
 کر سکوں۔"

"میں اس گفتگو سے بہت خوش
 بھیجا گیا ہے۔ اگر تمھیں کاغذات
 اندر بھیجے تو گولڈا کا وہ ہتہ
 رضیہ مل سکے۔ میں یہ سہل کر لے
 وہ چند لمحے خاموش رہا
 پتہ نہ بتاؤں تو؟"
 "تو تمھیں کاغذات سے غور
 جواب دیا۔
 "دیکھو؟" اس نے کہا
 "وہ اس طرح کہیں یہ کاغذات
 نے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیا
 "شیر کی کچھال میں گھس کر کہیں
 اس نے قدم بڑھا دیا اور سخت لہجے
 ساتھ اس نے تہ تیہ سے اپنی جیب
 دوسری طرف سے اس کے ہاتھ
 میری جانب اٹھی ہوئی تھی۔
 میں نے رپوا روک کر نال بردار ہوا
 رہتی تھی کہ کیا میں نے وہاں کاغذات کی
 "کاغذات زمین پر پھینک
 دیا میں اس جگہ جس سے حرکت کرنا
 ہوں، کاغذات پھینک دوور نہ
 پھونکھی اس کا حکم نہ مانا تو وہ بولا
 تم نے اس سے پہلے کاغذات نہ
 زوروں بلکہ تنہا رہی۔ میں نے
 اس نے گنتی شروع کر دی
 "دو... یہ وہ چیخا اور اس کی
 میں سمجھ گئی کہ وہ کاغذات حاصل
 سے دریغ نہیں کرے گا۔
 اب وقت ضائع کرنا میرا ہوتا
 پڑی۔ وہ گنتی گنتے گنتے کر رہی تھی
 کچھ گویا نہیں کہیں تھیں۔ پھر اس
 پہلے میں اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہی تھی
 جو کچھ پیش آیا تھا وہ غیر متوقع نہیں تھا



"اتنا میں تنہا سے ہونے کاغذات میں سے ایک
 ال کاغذ اس کی طرف اچھا دل دے اور بولی میں
 شہ میں سے صرف ایک کاغذ سے کرائی تھی۔ باقی
 کاغذ کے پاس گیسٹ ہاؤس میں محفوظ ہیں۔ اگر میں
 کاغذ اور اس کے پاس واپس نہیں پہنچی تو وہ
 کہے گا اور اس کے دل منٹ لے دیں یہ بڑا جینی
 میں بڑا گا۔"
 "مجھے کچھ تو زور کا دے دیکھا ایک نظر کرے میں پہلے
 وہاں اس پر ڈال، پھر مسکراتے ہوئے دیوار پر اپنی جیب میں
 کاغذات نکالتا اور اعتراف شکست کی بنا دیتی تھی۔
 اسے صدامت پرنا وہ ہوں یہ اس نے مسکراتے کی
 میں نے کہا۔
 "مجھے وہ جگہ بتا دو جہاں رضیہ کو بھیجا گیا ہے؟" میں نے پنا
 اور اس کے ساتھ کہا "کاغذات اس صورت میں واپس
 آپ رضیہ مجھے مل جائے گا۔ کاغذات صرف پتہ بتانے
 کے لیے جائیں گے۔"
 اس بات پر اس نے ایک طویل سانس لے کر بولا "آپ
 اس ہاؤس میں شاید آپ کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی
 ہاؤس میں جہاں کاغذات کے عوض آپ کی بہن کو آپ
 لے جائیں گے۔"
 میں نے کہا "میں نے یہ سہولت آواز میں کہا اور دروازے
 کے کھول کر باہر نکل گئی تو اس نے میرے پیچھے زور
 دیا کیا میں اسٹیشن انداز میں مسکراؤں۔ دشمن کو غصہ دلا کر
 اس نے بولی تھی۔
 گیسٹ ہاؤس پر توجہ دے رہی تھی۔
 "اس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔
 "میں نے اس کے رضیہ خیریت سے ہے۔" میں نے اسے اطمینان
 دیا۔ وہ یہی پارٹی پر آمادہ ہو گئی ہے کاغذات
 کاغذات سے۔ یہ بتا دو کہ گولڈا کے والد حکومت
 میں بڑا گا۔
 ان کے چہرے سے اطمینان جھلکے لگا اس نے بتایا۔
 انہوں نے آیتھا۔ وہ ہمیں لینے کسی بھی وقت یہاں پہنچ
 "میں نے کہا کہ اس کاغذات کے منیجر کا
 ہے پہلے کی شینگ آنا گولڈا کی طرف سے منیجر کا

فون ملا۔ اس نے فون پر میری آواز پہچاننے کے بعد گولڈا کو
 دارالحکومت ملخاد میں تو خود ایک عمارت کا پتہ بتایا۔
 چند منٹ بعد لی شینگ میں لینے آگیا میں نے ملنے ملے
 میں مجھے سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں اس سے سوال کیا
 ملنے کے ڈاکٹر کا کچھ بتا چلا؟"
 "جی ہاں! اس نے جواب دیا "اس کی لاش ایک پارک
 مل ہے۔ ابھی لاش کا پوسٹ مارٹم تو نہیں کیا گیا لیکن لاش دکھ
 اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زہر کا کمرہ ہے یا اسے زہر کے جگر کا
 گیلیس۔ اس کی جیب زہر کے دو کپڑے میں ملے ہیں اس
 اندازہ لگا جا سکتا ہے کہ غالباً اس کے قتل نہیں کیا بلکہ
 گرفتاری کے خوف سے خود کشی کر لی ہے۔"
 منیجر کے دعوے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ میں نے لی شینگ کی
 آواز کی برکتی تصدیق نہیں کیا۔ اسی دوران میں گیسٹ ہاؤس کے
 کمرے میں داخل ہوئے۔ غالباً لی شینگ میرے کمرے کی طرف
 ہوئے ان سے آنے کے لیے کہا آیتھا۔
 ملازمین نے میرے اشارے پر سامان اٹھایا اور باہر نکل
 رضوان کے کمرے کا سامان بھی اٹھایا گیا اور جمعرات سے باہر
 آئے۔ ملازمین نے کمرے کی کچھ سامان لے کر لے گئے۔
 میں اور رضوان کار کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اس دوران میں
 لی شینگ ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔
 لی شینگ کے سہارا کی لوٹ چلتے ہوئے میں نے موبائل
 دھت ہو کر ضروری سمجھا۔ اسے اظہار بھی نہیں تھی کہ اس نے
 جلدی میں چھوڑ کر کہیں اور روانہ ہو جائوں گی۔ میرے ابا کا
 کو اسپتال کی جانب موٹا گیا۔
 کار اسپتال کے کپڑوں میں داخل ہو کر مرگ گئی تو رضوان اور
 جی مومو سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔
 "جلو تم جلد چلو۔" میں نے کہا۔ وہ ایک لمحے کے لیے
 رضوان بھی کار سے اتر آیا۔ لی شینگ کار میں بیٹھا رہا
 اور رضوان اسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئے۔
 مومو مجھ سے یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی کہ میں چین سے
 ہو رہی ہوں۔
 "بالا آخر اس میں کیا طبعی ہے؟ وہ گولڈا کا زین بولی؟
 میں سخت منہ بولی نہیں بولی کہ میرا باپ اس کا دوست ہے۔"
 "میرا باپ بہت ضروری ہے میری چینی کی گویا باتیں نے
 گلے سے لگاتے ہوئے کہا "پھر لالہ تمھیں شاید یہ جان کر خوشی

روانہ اور خوش قسمت ہے۔ میں اسی کی بازیابی کے لیے جاری ہوں۔
 ”سچ!“ وہ کج حال لاشی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو لگے۔
 ”ہاں!“ میں نے کہا، پھر اسے تفصیل بتاتے بتاتے دنگ لگی اور
 مدت کہتے ہی اسے اپنا اجازت دوا۔
 اس کے بعد رضوان نے کسی مومنہ سے چند قلموں کا تبادلہ کیا اور آخر
 بولنا۔ اگر زندگی ہی موت تو پھر کبھی زندگی کے کسی موثر پر ملاقات ہوگی
 بدل میں اس لیے کہ رہا ہوں کروا ایسے وقتوں پر لوگ ایسے ہی جذباتی
 ہوتے ہیں۔
 ”وہ نہ حقیقتاً آپ کے یہ خیالات نہیں؟“ مومنہ نے اپنی آنکھوں
 آگے ہرے خوشی کے آنسو پونچھے ہوئے کہا۔ رضوان کی موجودگی کے
 سب مومنہ سمجھے۔ اگرچہ زندگی زبان ہی میں گنگو کی تھی اور رضوان سے
 انگریزی ہی میں بات کر رہی تھی۔
 مومنہ کی بات کے جواب میں رضوان نے عجیب سا منہ بنایا اور بولا۔
 میرے ذاتی خیالات کیا ہیں، انھیں آج تک کوئی نہیں جانتا، سکا
 ڈیرہ مومنہ!۔
 ”اور یہ کسی کو جلنے کی ضرورت ہے؟“ میں نے درمیان میں مداخلت
 کی۔ رضوان کی زبان نہ چل سکے۔ وقت ویسے بھی کم ہی تھا۔ اس بات
 سناں شاید رضوان کو کچھ تنہا وہ جواب میں حضور کچھ کہتا۔
 رخصت ہونے سے قبل ایک بار پھر مومنہ میرے گلے سے لگ گئی۔
 ”باتو! خدا یہ خیال ہے کہ مومنہ کے ذرا بھی ناانہ ہیں، کیسے کہنے کوئے
 بات کی زد میں نہ دوسرے نہ بیچ دیکھے گا، رضوان نے موقع سے
 وہ اٹھا کر نفرت و حسرت کیا اور مومنہ کو مانگی۔
 میں نے رضوان کو گھر کر دیا اور وہ اس طرح دوسری طرف دیکھنے
 جیسے میرا خطاب وہ نہیں کوئی اور ہو۔
 میں مومنہ سے رخصت ہو کر اپنے آپ کی عمارت سے رضوان کے بلو
 آگئی۔ وہ غریب کا معاملہ نہ ہوتا تو اس داخلی اور جلدی پسینے سے وہ نہ
 تھا۔
 میں اور رضوان کا رشتہ بچھو گئے تو کال ایک بار پھر پورٹ کی جانب
 ہو گئی۔ راستے میں مجھے لی شینگ نے لوگوں کو سلاویہ میں اپنے ایک
 خدو لے کر پتہ بتایا۔
 ”بلو! میں تجھ سے قابل اعتماد ہے۔ میں نے اسے اطلاع سے
 ہے۔ وہ اگر پورٹ پہنچ کر اپنے کسی اٹنے کا ڈی شینگ بولا، آپ
 ہائش وغیرہ کا بددلت ہیں وہی کرے گا۔ اگر آپ کی بہن رضوان کو
 دیم میں تو شکر ہے انھیں وہ خود بخود نہیں پوری پوری مدد کے
 شکر ہے اس شخص کا نام تھا جس کا پتی لی شینگ نے دیا تھا اور جس

کے بارے میں بہت بات تھا، میں جسے سے پہلے بھی اس نام
 لیتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے کہیں بایوس نہیں کیا کیسی لہجہ
 پورا اعتماد رکھتا ہوں، لیکن کر لی شینگ نے اپنی جیب
 نکال کر میری جانب بڑھایا یہ اس کا کارڈ ہے۔
 ”شکر ہے لی شینگ!“ میں نے اس سے کارڈ لے لیا۔
 کارڈ کا احتیاط سے اندون جیب میں اپنے پاس رکھ کر
 اپنے پورٹ پر ایک خصوصی پلاہ ہمارا منتظر تھا۔ لی شینگ
 حکومت کی جانب سے میرا اور رضوان کا شکر یہ ادا کیا۔
 نیک خواہشات کا اظہار کیا، پھر ہماری طرف سے جوابی
 کے وہ رخصت ہو گیا۔ میں نے پکٹنگ کی مکمل فہمائی
 لیے اور رضوان کے ساتھ جہاز پر روانہ ہو گئی۔
 ہماری اگلی منزل فراتہ، اپنے پورٹ تھا جس کے ا
 پہلے ہی سے پھر تھا۔ میں اپنے پورٹ پر بریج میں سٹا
 ڈنے اور انتظار بقائ کے لیے موجود ملا۔ برائے اس کے
 گئے جہاں چند گھنٹے میں عمارت خانے کے سامان پہنچے۔
 میں ہمارے پاس پورٹ پر لوگوں کو سلاویہ کا وہ بڑا حاصل کیا
 ضروری کارڈ وائٹ مائل کی گئیں۔ ایک البانوی۔
 جہاز میں غلغلہ کے لیے دو فرسٹ کلاس نہیں بہت
 مکث حاصل کر لیے گئے۔ چینی عمارت خانے
 لیے یہ خانہ چڑی کی کارڈ وائٹ مائل کرتے رہے۔
 قیمت جانتے ہوئے آرام کرنا مناسب سمجھا۔
 چند گھنٹے بعد ہی ہم ایک بار پھر جہاز میں سٹا
 سے زیادہ دو زمین تھا، اگر کہے کہ ہمیں مومنہ
 ابھی ہم سواہ کوئے تھا اور ابھی بلو! پونچ گئے۔
 بلو! کے ایر پورٹ پر ہم سٹم سے فارغ ہوئے۔
 آدھیر طر شخص تیزی سے ہماری جانب بڑھا۔
 ”مجھے شکر ہے کہ میں یہ اس نے اپنا جہاز
 بڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”لیکن تم نے مجھے کچھ پہچانا شکر ہے؟“ میں نے
 اس جہاز سے اترنے والے صرف آپ
 میں اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
 ”مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی!“ میں نے
 ہاتھ ملا کر پھر رضوان سے بھی اس کا تعارف کر
 بات کر رہا تھا اس لیے رضوان کو کوئی قیامت
 ”میں نے آپ محنت کی رہائش کا بندہ

اسے ساتھ لے کر بڑھتے ہوئے تباہ اور خوار و خوار نہیں دیا۔ اس
 انہوں جیسی تھی جس پر سب نے تعجب کیا۔
 کہ وہ پورٹ پر مجھے احساس ہو گیا کہ شکر ہے دیس شخصیت کا
 ہوا۔ وہ بانیس بہت کرتا تھا، جیوتھی چھوٹی سی باتوں پر نہیں دیتا
 دوسروں کو بھی ہنسائے کی کو شکر کرتا تھا۔
 میں نے اسے خور سے دیکھا۔ بظاہر اس کی شخصیت ہماری ہیکر
 اس شخص سے وہ ایک بیوقوف سا نہ تھا نظر آتا تھا۔ اس کی
 میں بڑی گہرائی تھی جو اس کی اصل شخصیت کا اظہار تھی۔
 اگر پورٹ کی عمارت کے باہر ایک کارڈ جو تھی جیسے خود شکر
 کیا۔ میں اور رضوان پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔
 وہ ۱۴ وقت تھا اور کارڈ غلغلہ کے کمرے پرے باڈروں سے
 اس کی شکر کے کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ وہ نہیں اپنے ملک
 میں ضروری اور غیر ضروری معلومات سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔
 دیکھا نصف گھنٹے سفر کے بعد شکر نے اپنے کتین منزلہ ہوٹل
 کا کارڈ دی کچھ پورٹ پر ہم دوسری منزل کے ایک دوکوں
 میں پہنچ چکے تھے۔ کمرے آرام دہ اور جدید سامان آرائش
 تھے۔ ہم ضروریں پر بیٹھ گئے۔
 اس سے پہلے کہ شکر نے کی زبان پھر تھیں کی طرح چلتی گئی، میں
 دفتر امور حال سے آگاہ کیا اور جب وہ تمام بات ابھی طرح
 میں نے خانے کے منبر سے حاصل کیا سہاوتہ آتے جا رہا اور
 گئے کے اندر اندر تھیں کہ معلوم کر سکو مجھے بتاؤ۔ میں دو گھنٹے
 میں مل گیا جانتی ہوں۔
 اگر آپ کی بہن اس پتے پر موجود ہیں تو دو گھنٹے کے اندر اندر
 کے پاس پہنچا دی جائیں گی۔ آپ اطمینان سے آرام کریں، شکر نے
 ہاتھ سے جواب دیا۔
 میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ میرا خیال نہ نہیں بنا۔ وہ
 شخصیت کا مالک تھا۔ اس وقت وہ تجدد نظر آتا تھا اس لیے یہ
 مشکل نہیں تھا۔
 ”میں نے سوچ سمجھ کر کہا ہمارا واسطہ خطا نک لوگوں سے
 میں نے اس کی ذہنی زندگی خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کر دوں گی۔
 یہ سہاوتہ ہے میں ان کے پرکھنے پر آمادہ ہوں۔“
 لی بات میں شکر کے چہرے پر کسی قدر نا پسندیدگی کے آثار
 گئے۔ وہ غالباً اس طرح بولنے پر راضی نہیں تھا۔ اس کے باوجود
 ہونے بولا، جیسے آپ کی مرضی اسے کچھ کوئی اعتراض نہیں؟
 اٹھ کھڑا ہوا۔

”باتو! اگر آپ واقعی دو گھنٹے بعد دوبارہ ملنے کا ارادہ رکھتی ہیں
 شکر کے کہاتے ہی رضوان نے مجھے مخاطب کیا۔
 ”کیوں تمہارا کیا مشورہ ہے، کیا میں وہاں نہیں جانا چاہیے؟“
 ”میرے خیال میں تو آپ یہ دو گھنٹے بھی پرکھ سکتی ہیں کہ وہ
 رضوان نے کہا یہ ہیں خود قری طور پر وہاں پہنچنا چاہیے تھا۔
 ”بلو! ہمارے لیے قطعی اسے بھی شکر ہے رضوان،“ میں نے جواب
 دیا یہ ضروری معلومات کے بغیر کوئی حرکت کرنا ہمارے لیے نقصان
 ثابت ہو سکتا ہے، میرے خیال میں شکر نے دو گھنٹے کے اندر اپنی سٹا
 ضرور حاصل کرنے کا کام مقرر ہے پتہ ہمارا واسطہ کیے لوگوں سے پتہ
 گا۔“ میں نے سمجھانے والے انداز میں بات شکر کی۔
 میں اور رضوان رات کا کال کال فارغ ہی ہوئے تھے کہ شکر
 آگیا وہ بے حد شدید نظر آ رہا تھا اور چہرے سے پریشانی عیاں
 ”کیا بات ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
 ”معاذ اللہ! پھر اس پر کیا ہے؟“ میں نے تشویش میں سر ہلے
 دیا یہ دو گھنٹے کے دوران میں میرے کتین بہت تیز رفتاری تھا
 گئے مکان میں سے دو کی تلاشیں مل چکی ہیں اور میرے کچھ چیتوں
 میں جیسے کسی نے اسے ڈھک کر دیا ہو۔
 میں اس کی بات سن کر چونک کر اٹھی پھر بولی، ”مگر شکر نے
 تو تمہیں کوئی قدم اٹھانے سے منع کیا تھا۔“
 شکر نے میری طرف دیکھا، پھر سر ہلکا کر دیکھے، جیسے مجھے اس
 ”لی شینگ کی ہدایت نہیں کہ اگر آپ کی بہن لوگوں کو سلاویہ میں ہوں
 انھیں جلد از جلد دوسراٹوں کے بیچلے سے نکال کر آپ کے خول
 ”انھیں لی شینگ کی نہیں بلکہ میری بات سننی چاہیے تھی۔ میں نے
 کسی قدر سوچا، میں نے کہا، ”لی شینگ کی بات بعض ایک خواہش کا
 رکھی ہے جبکہ میں نے ایک ایسی بات کی تھی جو حقیقت پر مبنی
 اگر میری بات ملتے تو اپنے آؤ میں سے بھی ہاتھ نہ دھوئے اور
 لیے بھی مشکلات کھڑی نہ ہوتیں۔“
 شکر نے میری طرف نگاہ اٹھائی تو میں نے اس کی آنکھ
 اپنے لیے عزت کا جذبہ پایا۔ وہ بے حد شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔
 ”آپ چھٹک کتنی ہیں؟“ اس نے مجھے ہونے سے لہجہ میں
 ”خیر جو ہو گیا، انھیں پر خفا کی ڈالو، میں نرم لہجے میں بولی
 ذرا تفصیل سے۔ جانا کہ تم نے کیا معلومات حاصل کی اور تمہارا
 کس طرح ماسے گئے؟“
 میرے سوال کرنے پر رضوان بھی پوری طرح چونک کر ہیکر
 وہ بھی شکر سے تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

آپ سے بہت دیا تھا اور دیکھ لہذا سے تیس میل دور ہے۔ وہ ایک نام ہے یا شروع کیا یہ فارم کی نئی عمارت میں بنی ہے مگر آپ نے میری عمارت کا پتہ دیا تھا اور دیران پڑی ہوا چند دن بعد اسے مندم کر دیا جائے گا۔ فارم کا مالک ایک باغیچہ اور شریف آدمی ہے جس پر کسی قسم کی برصاخی کا شہ نہیں کیا جاسکتا یہی دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ غالباً کوئی فراہم کوئی گروہ اس کے علم میں لائے بغیر دیران عمارت سے متعلق کر رہا ہے۔ وہ عمارت پانچ کمروں پر مشتمل ہے۔ ایک کچن فارم کا مالک اپنے اہل خاندان کے ساتھ رہا کرتا تھا پھر اس کی موت کو مرنے خانا بنوا گیا تھا اور اب وہ عمارت قطعی دیران ہے۔ اس نے پہلے اپنے صنف ایک آدمی کو وہاں بھیجا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ عمارت میں کوئی ضرورت نہ ہو رہی ہے۔ اسے عمارت کی ایک کمرہ کی وضاحت نظر آئی تھی۔ اس نے ذرا قریب جا کر اندر جھانکا تو اسے کوئی نئی عمارت پر پینٹ چہرے کے قند و خال سے بندھستانی معلوم ہوئی تھی۔ وہ لڑکی ایک کمرہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے آدمی نے مجھے بتایا کہ وہاں پر دیوار اس عمارت میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اس نے اپنے تین اور آدمی اس کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ وہاں دیران کے ایک کمرے کے ایک طرف ایک دیوار تھی جس کے دو باقی عمارت کے دروازے پر پڑھیں ہوئے۔ یہی تھے خاندان میں گولی مار دی تھی۔ تیسرا آدمی اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن کھڑی دیوار پر ہی اس کی جینج بھی سنا دی۔ اطلاع دینے والے کا کہنا ہے کہ وہ طرح طرح رہا تھا جیسے کوئی اسے دیکھ کر ہا ہو پوری تفصیل کر شرے خاموش ہو گیا۔

میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تاکہ یہ جان سکوں کہ اس بیان میں کتنی صداقت ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے مجھ سے کھٹ نہیں بولا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اگر اس کی دوست تھی تو اسے پریشان ہونا ہی چاہیے تھا۔

"تمہارا وہ آدمی کہاں ہے جس نے اطلاع دی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ وہیں عمارت کی نگہبانی کر رہا ہے" شرے نے جواب دیا۔

"خود تو ان کے پاس مزید ٹھہرنے پر آمادہ نہیں تھا مگر میرے بڑے پردہ شہر گیا ہے۔"

"کیا خیال ہے؟" میں نے رضوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں خود فرود کرنے کی کوشش ہو رہی ہے لیکن ہم اپنی باتوں پر آمادہ ہونے والے نہیں ہیں رضوان بولا۔

شرے نے رضوان کی بات کا کچھ اور ہی مقصد سمجھا۔ اس کے چہرے

پر غصے اور دکھ کے بدلے جھلے اثرات نظر آئے۔ وہ میں بولا کہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں چاہتا ہوں تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ میں نے جو کہہ چکا ہے اس کا مخاطب رضوان تھا۔

"تو غلط سمجھے شرے؟" میں نے رضوان کے کمرے میں آگئی۔ میرے سامنے کا اشارہ رضوان کی طرف تھا۔ انھوں نے تمہارے تین آدمیوں کو غالباً اسی لیے دیکھ کر تیسری بار دہرائی کہ میں رضوان سے بات چاہتا ہوں۔ میں نے انک وہنے کی بات دہرائی تھی۔

شرے نے کہجے سے اندازہ کیا کہ وہ اس نے میرے خاموش ہوتے ہی رضوان سے بات چیت میں کیا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں" رضوان نے مسکرا کر فرمایا۔

شرے میری طرف مڑ کر بولا کہ اب آپ کا "جو پہلے تھا" میں نے جواب دیا کہ میں نے انہیں ہونے کی کوشش کروں گی اور مجھے آئندہ ہے کہ میں "ابا بگر نہیں ہو سکتا" رضوان نے شرے کے شرے رضوان کو بولنے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

آگے بڑھائی کہ عمارت میں داخل ہونا واقعی ضروری انجام دوں گی۔

"میری موجودگی میں میرے بھائی اپنی جان خطرے میں ڈالنا نہیں شرے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔"

اس موقع پر میں نے کچھ اور کتنی تو ایک لمبی بات کا نیاں ثابت ہوئی۔ میں وہی کہیں نے تجربے میں عمارت کا جائزہ لیا جائے، پھر جو مناسب ہو گیا تھا دونوں ہی نے میری تجویز مان لی۔

ہم کمرے سے نکلے شرے کے پاس کارمر میں ایک پینٹینے میں پون گھنٹہ لگا کر پہلے ہی روک دی۔ مڑ کر پھوڑ کر دھڑکتے ہوئے کمرے میں گھری ہوئی تھی۔ پڑی ایک دروازہ قد تقصیف پر آمادہ ہوا تاکہ وہاں کوئی ہو گئی۔ وہ دشمن کا آدمی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کا آدمی ثابت ہوا۔

شرے کا رستہ انکر اپنے آدمی سے بات کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں رضوان کا ہاتھ تھا۔ اس کے

پیشانی اور دکھ کے بدلے جھلے اثرات نظر آئے۔ وہ میں بولا کہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں چاہتا ہوں تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ میں نے جو کہہ چکا ہے اس کا مخاطب رضوان تھا۔

"تو غلط سمجھے شرے؟" میں نے رضوان کے کمرے میں آگئی۔ میرے سامنے کا اشارہ رضوان کی طرف تھا۔ انھوں نے تمہارے تین آدمیوں کو غالباً اسی لیے دیکھ کر تیسری بار دہرائی کہ میں رضوان سے بات چاہتا ہوں۔ میں نے انک وہنے کی بات دہرائی تھی۔

شرے نے کہجے سے اندازہ کیا کہ وہ اس نے میرے خاموش ہوتے ہی رضوان سے بات چیت میں کیا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں" رضوان نے مسکرا کر فرمایا۔

شرے میری طرف مڑ کر بولا کہ اب آپ کا "جو پہلے تھا" میں نے جواب دیا کہ میں نے انہیں ہونے کی کوشش کروں گی اور مجھے آئندہ ہے کہ میں "ابا بگر نہیں ہو سکتا" رضوان نے شرے کے شرے رضوان کو بولنے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

آگے بڑھائی کہ عمارت میں داخل ہونا واقعی ضروری انجام دوں گی۔

"میری موجودگی میں میرے بھائی اپنی جان خطرے میں ڈالنا نہیں شرے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔"

اس موقع پر میں نے کچھ اور کتنی تو ایک لمبی بات کا نیاں ثابت ہوئی۔ میں وہی کہیں نے تجربے میں عمارت کا جائزہ لیا جائے، پھر جو مناسب ہو گیا تھا دونوں ہی نے میری تجویز مان لی۔

ہم کمرے سے نکلے شرے کے پاس کارمر میں ایک پینٹینے میں پون گھنٹہ لگا کر پہلے ہی روک دی۔ مڑ کر پھوڑ کر دھڑکتے ہوئے کمرے میں گھری ہوئی تھی۔ پڑی ایک دروازہ قد تقصیف پر آمادہ ہوا تاکہ وہاں کوئی ہو گئی۔ وہ دشمن کا آدمی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کا آدمی ثابت ہوا۔

شرے کا رستہ انکر اپنے آدمی سے بات کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں رضوان کا ہاتھ تھا۔ اس کے

پیشانی اور دکھ کے بدلے جھلے اثرات نظر آئے۔ وہ میں بولا کہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں چاہتا ہوں تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ میں نے جو کہہ چکا ہے اس کا مخاطب رضوان تھا۔

"تو غلط سمجھے شرے؟" میں نے رضوان کے کمرے میں آگئی۔ میرے سامنے کا اشارہ رضوان کی طرف تھا۔ انھوں نے تمہارے تین آدمیوں کو غالباً اسی لیے دیکھ کر تیسری بار دہرائی کہ میں رضوان سے بات چاہتا ہوں۔ میں نے انک وہنے کی بات دہرائی تھی۔

شرے نے کہجے سے اندازہ کیا کہ وہ اس نے میرے خاموش ہوتے ہی رضوان سے بات چیت میں کیا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں" رضوان نے مسکرا کر فرمایا۔

شرے میری طرف مڑ کر بولا کہ اب آپ کا "جو پہلے تھا" میں نے جواب دیا کہ میں نے انہیں ہونے کی کوشش کروں گی اور مجھے آئندہ ہے کہ میں "ابا بگر نہیں ہو سکتا" رضوان نے شرے کے شرے رضوان کو بولنے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

آگے بڑھائی کہ عمارت میں داخل ہونا واقعی ضروری انجام دوں گی۔

"میری موجودگی میں میرے بھائی اپنی جان خطرے میں ڈالنا نہیں شرے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔"

اس موقع پر میں نے کچھ اور کتنی تو ایک لمبی بات کا نیاں ثابت ہوئی۔ میں وہی کہیں نے تجربے میں عمارت کا جائزہ لیا جائے، پھر جو مناسب ہو گیا تھا دونوں ہی نے میری تجویز مان لی۔

ہم کمرے سے نکلے شرے کے پاس کارمر میں ایک پینٹینے میں پون گھنٹہ لگا کر پہلے ہی روک دی۔ مڑ کر پھوڑ کر دھڑکتے ہوئے کمرے میں گھری ہوئی تھی۔ پڑی ایک دروازہ قد تقصیف پر آمادہ ہوا تاکہ وہاں کوئی ہو گئی۔ وہ دشمن کا آدمی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کا آدمی ثابت ہوا۔

شرے کا رستہ انکر اپنے آدمی سے بات کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں رضوان کا ہاتھ تھا۔ اس کے

پیشانی اور دکھ کے بدلے جھلے اثرات نظر آئے۔ وہ میں بولا کہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں چاہتا ہوں تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ میں نے جو کہہ چکا ہے اس کا مخاطب رضوان تھا۔

"تو غلط سمجھے شرے؟" میں نے رضوان کے کمرے میں آگئی۔ میرے سامنے کا اشارہ رضوان کی طرف تھا۔ انھوں نے تمہارے تین آدمیوں کو غالباً اسی لیے دیکھ کر تیسری بار دہرائی کہ میں رضوان سے بات چاہتا ہوں۔ میں نے انک وہنے کی بات دہرائی تھی۔

شرے نے کہجے سے اندازہ کیا کہ وہ اس نے میرے خاموش ہوتے ہی رضوان سے بات چیت میں کیا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں" رضوان نے مسکرا کر فرمایا۔

شرے میری طرف مڑ کر بولا کہ اب آپ کا "جو پہلے تھا" میں نے جواب دیا کہ میں نے انہیں ہونے کی کوشش کروں گی اور مجھے آئندہ ہے کہ میں "ابا بگر نہیں ہو سکتا" رضوان نے شرے کے شرے رضوان کو بولنے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

آگے بڑھائی کہ عمارت میں داخل ہونا واقعی ضروری انجام دوں گی۔

"میری موجودگی میں میرے بھائی اپنی جان خطرے میں ڈالنا نہیں شرے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔"

اس موقع پر میں نے کچھ اور کتنی تو ایک لمبی بات کا نیاں ثابت ہوئی۔ میں وہی کہیں نے تجربے میں عمارت کا جائزہ لیا جائے، پھر جو مناسب ہو گیا تھا دونوں ہی نے میری تجویز مان لی۔

ہم کمرے سے نکلے شرے کے پاس کارمر میں ایک پینٹینے میں پون گھنٹہ لگا کر پہلے ہی روک دی۔ مڑ کر پھوڑ کر دھڑکتے ہوئے کمرے میں گھری ہوئی تھی۔ پڑی ایک دروازہ قد تقصیف پر آمادہ ہوا تاکہ وہاں کوئی ہو گئی۔ وہ دشمن کا آدمی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کا آدمی ثابت ہوا۔

شرے کا رستہ انکر اپنے آدمی سے بات کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں رضوان کا ہاتھ تھا۔ اس کے

یہی حالتی پھر دروازے سے نکلا۔ دروازہ اس کی حرکت سے کھل گیا اور وہ لڑکھاتا ہوا دروازے سے اندر چلا گیا۔

اسی وقت پہلے ایک گولی اگلنے کی آواز سنائی دی، پھر فوراً دوسری گولی چلی مگر دوسری گولی شاید رضوان نے چلانی ہی نہیں کی بلکہ دوسرا دھماکا دروازے کے قریب سے سنائی دیا تھا۔

ایک بار پھر سنا چلا کہ ایک یہ سکوٹ بجے اپنے اعصاب پر بوجھ محسوس ہوا۔ رضوان کی طرف سے ٹھنڈی ہوا میں سانس روکے رضوان کی آواز سننے کا انتظار کرتے تھے۔ چند لمحوں بعد ہی اس نے مجھے پکارا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ مجھے اندر بلا رہا تھا۔

میرے حرکت کرنے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور اس میں رضوان کا ساہیہ نظر آیا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ گولی کے چبوترے پر پڑنے کا چھوٹا کایہ ہے میں نے ہلک کر دیکھا تو وہ دھڑکنے لگا۔

”سب ٹھیک ہے شرے“ میں نے گرو گئی کہ ”مطمینان سے باہر رہ کر ہمارا انتظار کرو۔“ وہیں میں بندہ بیٹھ بیٹھ سے زیادہ نہیں گھیس گئے۔

”تھیک ہے میں انتظار کر رہا ہوں“ شرے نے جواب دیا اور مڑ گیا۔

میں رضوان کے برابر عمارت میں داخل ہوئی، دروازے میں اس پر ہلکے ہوئے تھے اس لیے ہمارے اندر جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

”یہ بھاری کی حرکت تھی؟“ میں نے دیکھے لیجے میں رضوان کو ڈانٹا ”تم مجھے باہر چھوڑ کر اور مجھے پہلے ہی۔۔۔“

میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ بوللا معافی چاہتا ہوں حضور اگر حضور نے یہ کیے کچھ بھلا کر میں پہلے آپ کو اندر چلے دیتا۔“

”جیست چہ کو تھار دی بلی میں گئی نشانی پڑی اور دشمن میرے سے پہلے جیخ بھی نہ سکا۔“ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میری بھائی ہوئی گولی سے کوئی مرنا تو چھٹا بھی!“ رضوان کے لیے میں کھنکھاتی تھی اس نے اپنا جملہ پورا کرتے ہی ناراض و دشمن کی اور ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔

”ناراض کی روشنی دروازے کے بالکل سامنے والی دیوار پر نصب ایک دیوار پر پڑی تھی۔ اس دیوار کی لمبائی سے ٹائیلوں کی ایک چٹائی سی دیتی۔“ دروازے تک تھی تھی۔ دس کا دوسرا دروازے کے قریب ایک کیل سے لٹک رہا تھا۔ غالباً یہ دروازہ اس کے پٹ سے منسلک تھا جسے رضوان نے الگ کر دیا تھا۔

ایک پہلی ترکیب تھی جس کا استعمال ہوا مگر کارآمد ترکیب جس سے شرے کے ہنر سکھایا تھا۔

میں نے ناراض کی روشنی میں دروازہ کا رخ کیا تھا جس میں برف گراؤنی ہوئی تھی کہ وہاں پر گرنے کی ترکیب کے سوا وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ اس دروازہ اندر کی سمت نظر آیا۔ میں اور رضوان بڑھے۔ ایک مزید تجربہ رضوان نے فلا ہائی سکائی کا دھماکا سنائی نہیں دیا تھا۔ رضوان دروازہ پر جب اس نے مجھے پکارتا تو میں نے خوف و ہراس دوسرے کمرے میں بھی شرے کے تھے وہ اندر سے مڑ کر فرار پڑا ہوا تھا۔ ایک ایک جسم میں دستے تکڑا ہوا تھا مگر میں اس خفیہ کر اس میں دستہ نہیں تھا۔ مجھے یہ کتنا ہلکا جسم میں گھسا ہوا تھا۔

میں ابھی رضوان سے کچھ کہنے ہی والی تھی مجھے اچانک عمارت کے اندر دو تھے سس کے آواز آتی ہوئی سنائی دی تھی میں نے رضوان کو ”کوئی اس طرف آ رہا ہے۔“ رضوان میں نے ناراض کی روشنی میں نہیں دیکھی بھی بالکل خالی اور گڑھے سے اٹھا ہوا تھا۔ مجھے ذہن پر سلاطین ہائی محسوس ہو رہی تھی کہ یہ ہوا تھا اور قدیم کی آہٹ اور حیرت سے آئی کوئی بھاری بھاری قدیم سے چلتا ہوا۔

دھماکیاں آنے والا ہے روک لو کہ یہ رضوان نے مجھے استار کیا کہ میں اس طرح سمجھتی تھی۔ ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ اس کے اوپر دوڑیں گئے دروازے کی دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔

ہم دونوں کے حرکت کرنے سے کوئی ایک سوچ کر کہنے میں اس کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا۔

بائیں سے چوکتا ہو سکتا تھا۔ بائیں میں عمارت تھا اس لیے ہمارا محتاط ہونا ضروری تھا۔ ہمارے میں آسانی تھی جاسکتی تھی۔

دروازے کے باہر باتھروں کی آہٹ

جست قریب آچکا ہو۔ میرا دل تیزی سے دھڑکا رہا تھا۔

ہم کھنکھاتی چلی جوتے پہنے ہوئے گئے فرار پر دروازہ۔

میں طرف آ رہا تھا میں نے اس دروازہ کی سمت غور سے دیکھا تھا جب میں نے ایک ایسی بلت محسوس کی جس پر پہلے ہی تھی۔ پھر فرار میں سے گزرا۔ اس عمارت کا فرش صاف تھا۔ دروازے سے باہر بھی مجھے کوئی کاغذ نظر آیا تھا۔

میں نے اندر تھا۔ میرے کمرے کے کوئی گڑھی کے فرش پر لاٹھی پھیل رہی تھی۔ وہ چھتر فرش پر چل رہا ہو؟ میرے کمرے کے اندر بار بار یہ سوال گونجنا۔

میں نے ایک مڑ مار کر روشنی کے سامنے ہی شرے کے سامنے کی پہلی تھی۔ میں نے ناراض کے دروازے کو حرکت دی۔ اب روشنی کے دیوار پر پڑی تھی سامنے والی دیوار صاف تھی مگر رضوان وال دیوار میں ایک بے دستے کا پتھر دھسا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اسی بہت بلکہ ایک خیمے پر پہنچ گئی۔ موت گھٹے دروازے کی اس طرف سے ملتی ہوئی ہمارے طرف نہیں بڑھ رہی تھی۔

دھماکا تھا۔ ایک صوفی تھرا۔

”میں میں پہنچی۔“

”رضوان نے فوراً جواب دیا۔“

اس کے ساتھ ہم دونوں فرش پر گر گئے۔ ہمارے پیچھے عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں کہ آواز پر ہوا۔ خودی طور پر مجھے خیال آیا کہ یہ کون سی تھی۔

”اے دے تے تیز رفتار جا تو کی صوفی۔۔۔“

میں نے اس کی آواز کو سمجھ لیا کہ ہم اس کا شکار ہو سکتے تھے لیکن اس میں رضوان کی تیز پہنچ گئی۔ میرا ذہن جھنجھٹا ہوا تھا اور

”اے۔۔۔“

میں نے رضوان کو پکارا تھا۔ اس کا ذہن بھی یقیناً اس نتیجے پر تھا کہ ہمیں اسے اندھ کیا تھا ورنہ وہ بھی یہی نتیجہ فرار پر ہوتا۔ عمارت میں گڑھی کا فرش ہونے کے باوجود کسی کے چھتر کا آواز کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ وہاں کسی خفیہ شے پھیل رہی تھی۔ جب میں اس نتیجے پر پہنچ گئی تو میرے کمرے کے فرش پر پھیل رہا تھا کہ آخر یہ صوفی تھرا دینے کا مقصد

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

آنکھوں میں شبہ کے سامنے کی لاش گھوم رہی تھی جس کے جسم میں تو

کا خفیہ بہت ہو گیا تھا۔ اس مخصوص جگہ کے سامنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں اور رضوان بھی خفیہ کا شکار ہو جائیں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے حرکت کی تھی اور رضوان بھی میری تقلید میں فرش پر لٹ گیا تھا لیکن شاید میں نے تجویز اندھ کرنے میں دیر کر دی تھی۔ رضوان کی چیخ سن کر میں اسی لیے جھلسا ہوئی تھی کہ کہیں وہ بھی اس بے دستے کے خفیہ کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ میں نے اسی لیے اسے پیچ کر پکارا تھا۔

میرے پکارنے کے جواب میں رضوان کی ہلکی سی کراہ سنائی دی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا یہ کہنا کافی مطلب یہ تھا کہ رضوان غلط خیال تھا۔ وہ شاید صرف زخمی ہو گیا تھا۔ فرش پر ایک دم گرتے ہوئے میرے ہاتھ سے ناراض نکلی تھی۔ میں نے اسے ہاتھ پر پکڑ لیا۔ جھانپ کر دیکھا تو پھر جھک کر فرش کو ٹھوٹا کر ناراض تلاش کر سکوں۔ جلد ہی مجھے ناراض مل گئی۔ میں نے ناراض روشنی کی اور رضوان کی طرف پڑھی۔

رضوان فرش پر آدھڑے پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کی پشت پر ڈالا۔ پھر آہستہ سے ہنس کر بولی۔ ”اب آٹھ بجے جاؤ“

خبر سے نہ کروا خفیہ کی نوک نے بعض تھیں پکھا ہے، فرش نہیں کیا ہے۔

یہ دے کا خفیہ راتو رات رضوان کی پشت سے ہنس کر اس کے کپڑوں میں آٹھ کر دیا گیا تھا۔ خفیہ آخری وقت سے بھیٹا گیا تھا کہ رضوان کے جسم پر موجود کپڑوں کی کڑی میں سے بھی لکیر کی صورت کا ٹھٹھا ہوا تھا۔

”کے کپڑا گیا تھا۔ اگر وہ خبر رضوان کی چری جیکٹ میں نہ آجھ جاتا تو شاید صاف نکلا جاتا۔“

”رضوان کو بتا۔ پھر آٹھ شاید خفیہ کی نوک نے اس کی پشت پر کڑا ڈال دی تھی جس میں عین صوفی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ رضوان اس صوفی سے نہ منسلک رہا ہو جو اس نے موت کو سامنے دیکھ کر محسوس کیا ہو۔“

”آخر یہ تھی کیا جگہ؟“ رضوان نے کہا اس کے لیے سے ابھی کا بد حال کا اندازہ ہو رہا تھا ورنہ وہ ایسا احمق نہ ہوتا ہرگز نہ کرتا۔ احمق اس لیے کہ اگر وہ اتنی تیزی سے حرکت کرتا تو اس کی ہاتھیں سارے بات نہ آگئی ہوتی تو موت کا شکار ہو جاتا۔

”تھوڑی کی وہ آہٹ صوفی تھی۔“ میں نے رضوان کو وہ بات جس کا احساس شاید خود اسے بھی ہو گیا تھا۔ اس صوفی تھرا کا مقصد

”اتنا تھا کہ ہم دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ ایسے مو پر جو۔۔۔“

میں نے کہا ہے۔ جب ہمارے والے کے منظر ہوتے تو ہم ذریعے سے پھینکے ہوئے خفیہ ہمارے جسموں میں سربا جاتا۔

جست قریب آچکا ہو۔ میرا دل تیزی سے دھڑکا رہا تھا۔

ہم کھنکھاتی چلی جوتے پہنے ہوئے گئے فرار پر دروازہ۔

میں طرف آ رہا تھا میں نے اس دروازہ کی سمت غور سے دیکھا تھا جب میں نے ایک ایسی بلت محسوس کی جس پر پہلے ہی تھی۔ پھر فرار میں سے گزرا۔ اس عمارت کا فرش صاف تھا۔ دروازے سے باہر بھی مجھے کوئی کاغذ نظر آیا تھا۔

میں نے اندر تھا۔ میرے کمرے کے کوئی گڑھی کے فرش پر لاٹھی پھیل رہی تھی۔ وہ چھتر فرش پر چل رہا ہو؟ میرے کمرے کے اندر بار بار یہ سوال گونجنا۔

میں نے ایک مڑ مار کر روشنی کے سامنے ہی شرے کے سامنے کی پہلی تھی۔ میں نے ناراض کے دروازے کو حرکت دی۔ اب روشنی کے دیوار پر پڑی تھی سامنے والی دیوار صاف تھی مگر رضوان وال دیوار میں ایک بے دستے کا پتھر دھسا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اسی بہت بلکہ ایک خیمے پر پہنچ گئی۔ موت گھٹے دروازے کی اس طرف سے ملتی ہوئی ہمارے طرف نہیں بڑھ رہی تھی۔

دھماکا تھا۔ ایک صوفی تھرا۔

”میں میں پہنچی۔“

”رضوان نے فوراً جواب دیا۔“

اس کے ساتھ ہم دونوں فرش پر گر گئے۔ ہمارے پیچھے عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں کہ آواز پر ہوا۔ خودی طور پر مجھے خیال آیا کہ یہ کون سی تھی۔

”اے دے تے تیز رفتار جا تو کی صوفی۔۔۔“

میں نے اس کی آواز کو سمجھ لیا کہ ہم اس کا شکار ہو سکتے تھے لیکن اس میں رضوان کی تیز پہنچ گئی۔ میرا ذہن جھنجھٹا ہوا تھا اور

”اے۔۔۔“

میں نے رضوان کو پکارا تھا۔ اس کا ذہن بھی یقیناً اس نتیجے پر تھا کہ ہمیں اسے اندھ کیا تھا ورنہ وہ بھی یہی نتیجہ فرار پر ہوتا۔ عمارت میں گڑھی کا فرش ہونے کے باوجود کسی کے چھتر کا آواز کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ وہاں کسی خفیہ شے پھیل رہی تھی۔ جب میں اس نتیجے پر پہنچ گئی تو میرے کمرے کے فرش پر پھیل رہا تھا کہ آخر یہ صوفی تھرا دینے کا مقصد

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

”اے۔۔۔“

میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے رضوان نے

”سچ جواب گیا کیا جملے؟“ ”مردمان نے پوچھا۔
میں نے چند لمحوں سوچا، پھر کہا ”تمہاری ما
”میرے لیے کھڑا ہونا دشوار لگ رہا ہے۔“ ”م
یا“ ”مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی نے میری
میں کر کے دیا ہے۔“

"ہو سکتا ہے کہ جو خیر سے بڑی پریمیں ضرب نہی
 سچیں آرام کی ضرورت ہے۔"
 "میر خیال ہے کہ بعض وقتی کیفیت ہے۔"
 ضرب نہیں پہنچی ورنہ تکلیف زیادہ ہوتی اور میں
 کی کچھ دیر میں شکم ہو جاؤں گا۔ اہ۔۔۔ تلبانیہ کیا
 بیہ واقعی اس عمارت کی کسی حصے میں ہوگی؟
 مجھ سے اسے میں شاید تھا حالانکہ شریک
 ایک لڑکی کو دیکھا تھا جس کی صورتوں
 کی کیا اور بلی کی عمارت کو بچہ طرح دیکھا
 یہ میں نہیں ہو۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت
 "لیکن شریک کے سامنے تو عمارت
 ہوتی جو۔۔۔"
 اُس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آتا کہ

تہ ہو مگر قبل از وقت کچھ کرنا غمال تھا اس
حیال کا انہار رضوان سے نہیں کیا اور مل
طرح کرنے کے لیے اس عمارت کا پتہ چڑھ کر
”تھیں باہر پہنچا ہر دوسری ہے“
”کیوں؟“ رضوان نے سوال کیا۔
”کوئی نہ کہ تم زخمی ہو“ میں نے جواب
”لیکن میری حالت اب پہلے سے بہت
ت سے باہر نہیں جاؤں گا“ رضوان
میں جھنجھلا گئی بعض اوقات رضوان

وقت بھی وہ پھر ایسی ہی حرکت کر، اس کا
"اچھی بات ہے، تو پھر آؤ!" میں نے
دراز سے کل جانب بڑھ گئی۔
دروازے کے گزدر میں پھرتی سی
راہدار لڑکی میں مجھے ڈوکرلوں کے وہ
دوازے کے قریب پہنچی۔ وہ دروازہ
یہ زور آوازانی کر رہی تھی کہ تمام
کوئی عورت چرخ ہو ہی تھی۔ البتہ معلوم

میں اور سچے سچے الفاظ بول سکتا ہوں۔
 میں نے تاریخ روشن کی تو مجھے احساس ہوا کہ رمضان بھی میرے
 پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے مگر میں نے اس کی طرف مڑا کر نہیں دیکھا۔
 میں نے تاریخ کا دھڑو دھڑا سنے کے سامنے فرش پر ڈالا۔ چوکھٹ
 کے پاس سے ڈیڑھ دو گز تک فرش غائب تھا۔ نیچے گھر سے گڑھے

میں نے غصے سے ہنٹ مینچنے لیے۔ رضوان سے میں نے خط نہیں لکھا تھا۔ کوئی واٹس ہائے ساتھ بھی اور چہ بے کھیل کھیل رہا تھا۔ مجھے جو بنا پسند نہیں تھا میں کھیل جاری رکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔

مستی۔ رفیقہ کی بازیابی کے لیے جسے ہر مرحلے سے زور سے دھک رہا تھا۔

میں نے رضوان کو مخاطب کیے بغیر دوبارہ کمرے کے اندر واپس
مظفر پر توجہ دی جہاں ابھی تک وہی عورت بیٹنی انداز میں اکتھوپہ
پھینک رہی تھی مگر اب اس کی حرکات میں کسستی نہ تھی۔ بالکل
گھٹا تھا جیسے چابی سے پہلے والے کسی کھلونے کی چابی تھوڑے-بڑے
ہو۔ اس کی آواز میں کمزور پڑتے پڑتے اب برائے نام رگوئی تھی
دل بے چیغوں کا انداز یا اسہی تھا۔ جیسے دم نکل رہا ہو اور آخری حرف
مستثنائی سے رہی ہو۔

میں نے چھلانگ لگا کر فرش کے غلا کو پار کیا اور اس کھلور
کے پاس پہنچ گئی جس کی حرکات اب پوری طرح کچک چکی تھیں۔ رفیقہ
نے مجھ پر ہنسی اٹھائی۔

”یہ سب آخر کیا ہے؟“ رضوان میرے قریب آ کر دل دبا
زبان میں بولا۔

”دیکھیں جسے ہم آخر تک کھیلنے پر مجبور ہیں۔“ میں نے ذات پتہ
ہونے کہا۔

”لیکن یہ کھیل کھیلنا ہے۔“

کون ہے؟“
 ”کوئی اویس پسند منور و شفیق ہے!“ میں نے رضوان کے سر
 کا جواب دیا ہر شادی کیل کے خاتمے پر اُس سے ملاقات ہو جائے۔
 یہ کہہ کر میں نے ایک نظر عورت نما کھلونے پر ڈالی۔

۴۰۰ ضائع نہ کرو رشتوں میں وہ چہ نہ کہ
 لے میں نہ تو بد کمر لیاں کھولو! " میں نے تیزی سے کہ
 ایک لمبی سی سانس لیا۔
 رشتوں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا:

سے ایک بند کھرکی کل طرف ہلکا میں نے پڑھ کر کے
 رو کی لڑکی کو دکھایا اور آگے بڑھی۔ ابھی میں لو کر ا
 سکی تھی کہ دشمنان کی گاڑی سٹانی روکی۔ میں نے ہل
 کھر کی کے پس کھڑا ہوا تھا۔ کھر کی پر اتنی جھکا
 نے مجھے اسی کے بارے میں بتایا تھا۔

مگر میں تین کھڑکیاں تھیں۔ میں نے کہا :
”آہ ماؤ!“
”بیٹو! نے عجبی کی طرح کو کند کردوسر کی!“

دی۔ مگر یہ بھی اتنی جھلکتے تھے۔
 ہاں ہر دیکھو! ہمیں نے تقریباً چھپتے ہوئے
 لوگوں کی تک پہنچ گئی۔
 مرنانہ بغیر کوئی کہ تیر کی سے دروازے کی
 دھڑکی کو لوگ پر جھگ گئی۔ یہ لوگ تو نہیں جانتے تھے
 جس کھڑے ٹکڑا پر اٹھا۔ میں اُس میں ساتھ ڈالنا ہی تھا
 دوڑتا ہوا کہ میں واپس آ گیا۔
 "راہداری میں بیڑیوں پانی کی طرح بہ رہا
 چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان تیر کی سے کھا
 میں آگ لگ سکتی ہے۔ اُس کے لہجہ میں
 استہزائیں تھیں۔ یہ کھانا کھانے والے ہوئے اور

میں نے اس کی بات کو کوئی جواب نہیں دیا۔

ہے۔ ہرے کاغذات نکال نکال کر دیکھنے لگی۔ کہ
سب پر تفصیل گاہ والا کسی طرح آتے کہ
ان کے گاہ میں نے کاغذات کو تیزی سے پلٹا شون
نہ بلکہ ہلکے دھماکوں کی آواز میں سنن دیں پھر
جو بائیں ول تیزی سے جتنے لگا۔ میں نے ہر کو

ہم میں جل کر مرنے کا ذبیحہ کر چکی ہیں تو مجھ پر دھو نہ
تے ہو، ”نوناں کے لیے میں تجھ کو تعجباً لب تھی۔“

نہیں ہے اسے اُن کا غذا کو اپنی جیبوں میں بٹھولنا۔
 • مگر تو میں نے وہ کا غذا رضوان کی طرف بٹھرایے۔
 • مانی جیبوں میں بٹھیس لیا، میں نے رضوان سے کہا۔

تجزیہ طرز کی تھی اور اس میں کٹری کا کافی استعمال کیا گیا
اور بھی کافی فراخ دلی سے استعمال کی گئی تھی۔ نتیجہ یہ کہ
تجزیہ کے ساتھ شعلوں کی پیمائش میں آگئی۔ عمارت

میں نے کہا: "میں نے بھی فوراً آگ پکڑ لی تھی۔"

ان حالت میں رہتے ہوئے آگ سے کسی طرح محفوظ رہیں گی انہی خطوط پر سوچ رہی ہوں " میں نے ردی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

انکس ہی بات ہے، "رضوان نے کہا، "اگر کسی طرح ہم
 لو اس کرے کی حقیقت کرنے کی صورت میں دیکر
 بات سنی لیکن اس کے باوجود میں ہاؤس میں
 زمین سے کہہ اور اس کے کردار کا صحیح طور
 میں کوئی غلطی نہیں کی تھی تو سباز کی کوئی

کسی منہم ہونے والی نگارے سے کسی طرح جانچنا مستحب ہے،
ہرے ذہن میں بار بار ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ اسی کے ساتھ
یہی نگاہ تیری کے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ معاشرے سے ذہن میں
رہنشی ہی ہو گئی۔ میرے ذہن میں بچاؤ کی ترکیب آگئی تھی۔ کسی ممکنہ
طرح سے بچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہوش و حواس بحال

کئے جائیں اور ہر ایک وقت اپنی تمام چیزوں کو فدا کر رکھنا چاہئے۔
میں نے اسی رطل کیا تھا اور اپنے قدم میں کامیاب ہو گئی تھی میری
گاہ اُس آنے پر میری ہر شے جس کے سامنے کسی پریشانی عورت کی
ٹھہری رہتی ہوئی تھی اسی کی زندگی کو دیکھ کر میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ
پہلے سے مجھے یہ خیال اُس کے بچے پر ناہانی جا سکتی ہے۔

ہوئے دم کی طرف دیکھو! کیا اُس کے سامنے پڑی ہوئی میز غیر معمولی طور پر مڑی اور جات کی بنی ہوئی نہیں ہے؟“

اُس کے بچہ پلٹ کر پناہ لے سکیں اور میز رختی اور بچی بھی نہیں ہے کہ
عض میٹھے سے کاہل جائے۔ ہم گھر کی طرح اس کے بچے کا بھی ہاتھ
تو یہ سوچے کہ فرش بکری کا ہے۔ خدایا دیکھیں پورے فرش جل رہا ہے کہ
مردان کلمات میں وزن تھا مگر وہ دوسرے گھرے کے فرش

کو فریاد کرنا تھا جہاں دروازے کے قریب گڑھا تھا اور لکڑی کے فرش کا کچھ حصہ غائب تھا اس گڑھے میں ہم دونوں آسانی پناہ لے سکتے تھے۔ ہم دونوں اگر کسی طرح اس میں آکر بیٹھ جاتے تو فریش کی سطح سے فٹ آدھے فٹ نیچے ہی رہتے مستند صرف اُن کی بجلی کاٹیل لگتا تھا اس گڑھے میں بڑے بوٹے تھے میں نے سوچا کہ وہ آجی کاٹے

دینی مزدور ہے ہوں گے مگر انہیں غرور سے اٹھ کر باہر بیچ کاٹا
سکتا تھا۔
میں نے جو کچھ سوجھا تھا، اُس سے دشمن کو آکھ کر دیا۔ یہ کہ بات

من کر اس کا چہرہ بھل گھٹا اور وہ پھر مجھ سے ایسے بولا۔ "واقعی بانو! آپ کا خیال قطعی درست ہے۔ اگر اس گڑھے کے اوپر یہ آنجناب نہ لڑ کر نہ مرنے تو اس سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے اور ملبے سے بھی بچ کر رہ کر دیکھ کر جانب لڑھا۔"

میں نے زیرِ آٹمانے میں اس کی مدد کی کہ وہ دفنِ حق کے چکار
ابرِ درخشاں کی لپک تیز ہوا کی جاری تھی اور آگ اب دیوار کی طرف
سے کمرے کے وسط کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

میں نے بہت آہستہ آہستہ اپنا دایاں پاؤں کیلوں کے زیناں ہو

”موت تو بہر حال ایک نہ ایک ،
مے زندگی کیوں نہ لہر کی ۔“

”کیا ہو؟“ میں نے اُلکھے ہوئے لہجے

ہوش و حواس کی سرحدیں عبور کر کے بیہوشی کی حدود میں داخل ہوئی۔

115

”اکیس لے ڈیڑھ سے ایک سو لڑکی کو ہلاک نہیں کیا۔“
 ”نیلو! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

رضوان نے کچھ اس انداز میں کہا کچھ اس پر ہم لگا بول بھی اب
 کوئی ایسا مسئلہ یا نہیں رہا تھا جس کے لیے کسی ذہن کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ بس بولی زبان بندی صرف ایک شرط تھی جو جاسکتی ہے
 کہ ہم راز زیادہ دماغ نہیں چاٹتے۔ یہ کہہ کر میں نے خود ہی اسے مختصر
 تمام حالات سے آگاہ کر دیا، پھر آخر میں بولی تو تم ہی اچانک ہمیں آرام کر دیا
 میں شرے کے ساتھ جا کر اس لڑکی سے مل آتی ہوں۔“

”تا کہ میں کیا یہ بڑی ذہن سکوں!“ رضوان نے جبر سے کہا۔
 ”نیلو! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

دروازہ خود ہی کھل گیا۔ دروازہ
 ایک لڑکی تھی جس کے چہرے پر راز و نیاز کا
 وہ دروازہ کھول کر ایک جانب ہٹ گئی اور
 میں داخل ہو گیا۔ لڑکی نے ہمارے داخل
 بند کر دیا۔

وہ دروازہ بند کے پلے تو شرے کے
 نے زبان کھولی۔“
 ”نیلو! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

وہ لڑکی اور شرے اپنی مادرِ زردبان
 جو بڑی حد تک جرم زبان سے ملتی زبان تھی۔
 اور بنگلہ زبان ایک دوسرے کے بہت قریب
 اچھی طرح بول رہی تھی اس لیے ان دونوں
 والی گفتگو کو اگر غلط لفظ نہیں تو غصہ
 رہی تھی۔

اس لڑکی نے بتایا کہ شرے کا کوئی ساتھی اب
 گھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کمرے کے
 اندر ہی اندر دیکر سے میں تھے۔
 شرے مجھے بلے ہوئے اندر دیکر سے میں تھے۔
 کمرہ عبور کر کے ہم مطلوبہ کمرے پر پہنچ گئے۔

میں کمرے کا منتظر دیکھ کر پہلی ہی نظر میں
 شرے سے ایسی زندگی کی توقع پر نہیں تھی۔ وہ لڑکی
 شرے نے ڈھیری بتایا تھا بچت سے آئی تھی بولی تو اس
 بے لباس لڑکی کے قریب ہی ایک بہت قد
 کھڑا ہوا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک پلاسٹک چڑیا
 کے آگے سر پر پلاسٹک نہیں تھا جس سے تانبے کے
 نکلے ہوئے تھے۔ اس ناک کے دوسرے سر پر ایک پلاسٹک
 سوچا بورتھیں لگا ہوا تھا۔

ہم کمرے میں داخل ہوئے مگر وہ شخص دستور
 مہر دے رہا۔ جب اس نے میرے تار کا حقہ لڑکی کے
 اور لڑکی کے جسم کو چھوا تو مجھے دیر میں لگی کہ
 راز و نیاز ہے۔ لڑکی کے جسم کو چھو کر لگ رہے تھے کہ
 یہ بھی کیونکہ اس کے منہ میں غلاباں لٹکی ہوئی تھی اور اس کے
 ٹیپ لگا کر ایک لڑکی کے چہرے سے تمام خوب و زینت کا ازالہ
 ”شرے! یہ کیا زندگی ہے! بند کر دیکھیں!“ میں نے کسی

وہ شہر کا رازی علاقہ تھا۔ بظاہر وہ عمارت رہائشی محلوں میں
 آتی تھی مگر شرے نے بتایا کہ عمارت کی پانچویں منزل رہائشی ہے۔
 وہ مجھے لٹھ کے ذریعے لے کر پانچویں منزل پر پہنچا۔ رہائشی
 دکان آزاد دھڑے دھڑاتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ شرے
 فلیٹ کے دروازے تک پہنچ کر کڑا اور غصہ من انداز میں چار
 بٹک دی۔

میں کہا۔ ”مفتی کے باوجود میری نگاہ لڑکی کے
 گہری تھی۔“ رائے اعتبار اور سبب جسم تھا۔ ایسے
 میں آئے ہیں۔ جیسے تان پور سے کے سارے

شرے نے جب اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ وہ لڑکی
 کے دروازے اور ایک اس کے ساتھی نے شرے
 کی کو قید و بند سے آزاد کیا! میں تو اس وقت
 صبر باس کی قید میں چلا گیا۔ لڑکی کے منہ
 لگا تھا اور اب اس کی ہلکی سی سسکیاں سنائی

میں جیسے اس شعلے نے خود کو زبردستی قید
 میں قیامت کو دیکھتی ہی جا رہی تھی۔

مادر اس کمرے میں رخت چہرے والی لڑکی اور
 کسی بھی تھا مگر لڑکی اب صرف میری جانب عجیب سی
 تھی۔ اس نگاہ میں احساسِ شکر گزاری بھی تھا اور
 کس کی!

کہا۔ ”مکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مجھے اس فلیٹ میں
 رہا کرو۔“ معائنہ نے شرے کو مخاطب کیا۔
 ”اگر آپ کو نہیں!“ شرے جلدی سے بولا۔
 ”اسی دیکھنے سے قبل نہیں ہونی چاہیے!“ میں

نے اشیات میں سر ہلایا اور اپنے ساتھی سے مخاطب ہو گیا۔
 ”میں نے دروازے تک ان کے ساتھ گئی۔ شرے نے
 کہہ کر ہستہ سے کہا۔ غالباً آپ دوسرا حریہ استعمال کرنا
 ”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

”بھلا! خیر! یہ تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔“ معا
 رضوں کی آواز سن کر وہ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے
 تو بڑی عتاب ہو۔“

میں اس کے قریب ہی میری برہنہ لگی اور ہیکل سے اس کا
 ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔ ”ڈیڑھ ڈیڑھ لنگ! مجھے انوس ہے کہ
 ان کو گولنے بھارے ساتھ ایسا سلوک کیا! میری زبان سے
 اپنا نام سن کر وہ چوٹی مگر بولی کچھ نہیں میں آہستہ آہستہ اس کا نرم و
 ناز۔ ہاتھ سلارہ تھی چند لمحے توقف کے بعد میں نے اسے پھر مخاطب
 کیا۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم نے زبان نہیں کھولی۔
 تم ذہن لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم انھیں نوکر کا پتہ بتا دیتیں تو شاید
 وہ تمھیں زندہ نہ چھوڑے۔“

”تو... تو کیا آپ ان کی ساتھی نہیں ہیں؟“ اس نے انتہائی
 حیرت سے سوال کیا۔ اس کی آواز میں کسی کی طرح حیرت تھی۔
 ”دیکھا ہر تم مجھے اس کا ساتھی سمجھتی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں
 تمھیں ان کے محل کے مکان کا چاہتی ہوں یا یہ کہتمے ہوئے میں اس
 سے مزید قریب ہو گئی۔ اب اس کے جسمانی لمس سے میرے جسم میں
 مستحاط ہونے لگی تھی۔

”مگر... آپ کو مجھ سے... مجھے ہے کیا ہمدردی ہے اور آپ
 مجھے کیسے جانتی ہیں؟“ اس نے کہا۔ اس کے جسم میں معصومانہ حیرت تھی
 ”ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تو تمھیں یہ کیا نوکر کے اس کو بھی جانتی
 ہوں جو لندن میں رہتا ہے لیکن اس کے ہاتھ جو گولا و رنگ بھیلے ہوئے
 ہیں میں دراصل تمھیں ایک اہم بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی جس سے
 شاید تم واقف رہی ہو۔“

”اہم بات؟“
 ”تمھاری جیسے عمر کی لڑکیاں خصوصاً بخت کے معاملے میں جذباتی
 ہوتی ہیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے محبوب کو کھونا نہیں چاہتی ہیں۔ میرا
 اندازہ ہے کہ تم بھی ایسی لڑکیوں میں سے ہو۔ اگر اپنے محبوب، نوکر کی
 زندگی بچانے کے لیے تمھیں خود اپنی زندگی داؤ پر لگا دینی پڑے تو شاید
 تم گریز نہیں کرو گی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟“ یہ کہتے ہوئے میں
 نے لڑکی کے متغیر ہونے چہرے کو غور سے دیکھا اور حسوں کی آکھیر
 وار غالی نہیں لگا۔

”تو کیا... کیا نوکر کی زندگی خطرے میں ہے؟“ وہ بے حیا
 ہے جس میں بولی، پھر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتی۔ ”مگر اس کے
 کی طرف سے خطرہ ہو سکتا ہے؟“

میں سکائی اور بولی۔ ”ان سوالوں کے جواب سے زیادہ
 نوکر کے جاننا ضروری ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سی اہم
 باتیں!“

ڈیڑھ کے چہرے سے اٹھن کا اظہار ہونے لگا، پھر اس کا
 07

اور قدم آگے بڑھانے۔
شاید بشرے نے کمر سے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔
اُس نے دروازہ درجیب میں دھکا اور مرکز آہستگی سے ٹھوکر مارا دروازہ
کھولا پھر باہر چلا گئے ہوئے سرگوشی کی۔ چل آئے راستہ صاف ہے۔
"کیا تم نے ملازم کو بھی ٹھکانے لگا دیا؟ میں نے آگے بڑھتے ہوئے
مدم لمبے میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے یہاں سے شہا دینا ہی کافی
تھا۔ اُس نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔
میں لمبے کی آہستگی تقلید میں دروازہ عبور کیا اور باہر نکلا
پہنچ گئی۔ بشرے مجھے جتنا قدم آگے تیز تر چلتا ہوا زینہ کی طرف
بڑھ رہا تھا۔
عملت کے نیچے بشرے کی کار موجود تھی۔ وہ کار میں بیٹھا اور
دوسری سمت کا دروازہ میرے لیے کھول دیا۔ میں کار کے سامنے
سے گزر کر دوسری سمت پہنچی اور تیزی سے کار میں بیٹھ گئی۔ میرے
بیٹھے ہی کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔

بشرے نے کمرے کی فلیٹ میں پہنچ گیا جہاں سے میں
ڈبیری کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ میں نے فلیٹ کی چابی اُس کے
حوالہ کر دی تھی۔

فون کی موت نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اب اس کے
برادر سے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں لندن روانہ ہوں یا نہ ہو۔
تھا جو کچھ کا تھا۔ اس سلسلے میں بشرے سے مزید بحث و مکرار فصول
ہی ثابت ہوتی یہی سوچ کر میں نے اس مسئلے پر خاموشی اختیار
کر لی۔
بشرے اور میں کمرے نشست میں ایک دوسرے کے مقابلہ عاشق
بیٹھے ہوئے تھے۔ معاً میں نے بشرے کو غائب کیا۔ بشرے نے تم یہاں سے
میری لندن روانگی کا بندوبست کتنی دیر میں کر سکتے ہو؟
"اس کا انحصار لندن جانے والی فلائٹ پر ہے۔ اس سلسلے میں
معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ بشرے نے جواب دیا۔
"میری مزاد مزدوری خانہ بڑی سے تھی یہ میں نے کہا۔
"اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ لیکن یہ کہیں آج ہی یہ کام کرنا
دوں؟

"تو پھر اٹھو!" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ مجھے ہوش چھوڑ دو
اور رضوان کو بھی اسپتال سے ڈیچارج کر کے ہوش بچا دو۔ اگر کسی
صحت ہم آج ہی لندن کے لیے روانہ ہو جائیں تو بہت بہتر ہے۔ میں

ہوش بچنے کا کھینچ رضوان کا اور ماننا
تم ہمارے لیے لندن کا دروازہ حاصل کر
میں نے بشرے کے ہمراہ ہوش بچنے
کیے۔ بشرے یا سپورٹ لے کر چلا گیا تو میں
کر دیا تاکہ کسی بھی وقت روانگی ممکن ہو۔
رضوان کی آمد سے قبل اور اگر دیر تھی

رضوان کو ہوش بچنے میں ایک گھنٹہ
بشرے آئے ہوش کے دروازے پر پہنچا۔
رضوان کے کچھ پوچھنے سے پتہ چلا کہ وہ
باتیں اُس نے بہت غور و فکر سے سنیں۔
"بابو! میں نے کسے پکیر کر لگ گیا تو بھلا
لندن میں پکیر کر لگ کر کلا تا ہوا ہے اس
پہنچ کر میرے خیال میں کسی ایسے شخص کی کار
نہیں ہوگی؟

رضوان کی قیاس آرائی نے فکر کی نئی راہ
داتی ممکن تھا۔ اس سلسلے میں لندن پہنچنے
معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر بڑی کی کسی
کرنا زیادہ دشوار نہ ہو گا جو کچھ پکیر کر لیا ہو
فرماؤ دار سے کہنے مجھے ہی ہو سکتے تھے۔ میں نے
خیال سے اتفاق کیا۔

میں اور رضوان اس وقت تک اس
جب تک کہ بشرے نے نوٹ آیا۔ مجھے یہ دیکھ کر
کامیاب لگتا تھا۔ اُس نے نہ صرف مزدوری خاندان
میں شام لندن جانے والی فلائٹ کے ڈوگٹ ہم
اُس وقت شام کے ساڑھے چار بجے تھے۔
فلاٹ روانہ ہوئی تھی اس لیے ہم فوراً ہی ہوش
کے لیے روانہ ہو گئے۔

رخصت ہوتے وقت بشرے نے ایک بار
اور میں نے قراصلی سے شکر اے تو ہے اُس کی عمدہ
اُس نے بہر حال اپنی دانست میں مجھے سے بہر
جہان نے روزانہ کی قومی آکھوں میں
لگا۔ یوگوسلاویہ کی ایک دیہر حال میں اپنے ساتھ
لندن ایئر پورٹ پر رضوان کی ہمراہ کسٹ
ایئر پورٹ کی عمارت سے نکلی تو ہمیں بالی بارش ہو رہی

ن کاموم ایس نے ایک کسی کی اور
کے لیے کہا۔ وہ ایک متوسط درجے
میں نے سوچ کر کیا تھا کہ میرے پاس
میں نے ہوش اسفند ڈاکٹر کی ہانڈ پک
ہے۔ اس کے برابر ہی ماربل آرچ اور ڈین

میں نے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں
ایک ڈبل سوٹ مل گیا تھا۔
ان کھنے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں
ن لیفٹوننٹ ڈاکٹر کی اٹھالی اور تیزی سے
وہیں میرے پیچھے ہی کھڑا تھا اور اس کی نگاہ
ن تھی۔

دیکھ کر اچھل پڑی۔ مجھ سے قدرے زیادہ
باندی سے چہرہ بڑھا، ہم ۳۴ ریمینٹ
میں نے نیچے نظر ڈالی۔ میننگ ڈاکٹر اور
یک نام تھا تھا، چارلس کیل! میں ایک بار
کا پہلا انگریزی حوت "سی" تھا، اور کیل کا
کے ساتھ مل کر گیا تھا۔ یقیناً چارلس کیل ہی
نے پکیر کر رضوان کی طرف دیکھا۔ اُس کے
کے اٹھارہ چورہا تھا۔

ماہیت معلوم ہوتا ہے۔ رضوان نے کہا اور میں
پہنچ کر ہوا چکا تھا اس لیے میں نے ڈاکٹر کی
مدان سے بولی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم
میں مل سکتے ہیں۔

یہ بات میں کراشات میں سر ہلایا۔
ماہیت جان اور جی بھڑک کر مکرور کیا خبر کل
اور چارہ ہونا پڑے۔
یہ خیال سے اتفاق کیا۔ اُس کے بعد میں
باری باری غفل کیا، کھانا کھانا کھانا اور اپنے
دل ہو گئے۔

رات کا کون سا پہر تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔
ن ہندوڑ سے دستک دے رہا تھا۔ میں نے
ہالے سے پہلے ایئر لائنور ہاتھ میں لے لیا تھا۔
انداز سے پر دستک دینے والا دھن میں ہو سکتا

میں بچوں کے بل جلی ہوئی دروازے تک۔ چچا اور دروازہ
کھولتے ہی ایک دم دروازے کی اٹھیں ہو گئی۔ اسی وقت کوئی دھم
سے اندر گزرا میں اُٹتے نکل کر تیزی سے اُس کے توبہ پہنچی۔ نیلے بلب
کی ہلکی روشنی میں میں نے اُس خون آلود چہرے کو پہچان لیا۔
میں تقریباً چھ بڑی "لیلی کمال!"



لیلی کمال کو اس حالت میں دیکھ کر ذہنی طور پر گہرا کی گئی لیکن
جب میں نے اُس کے زخموں کا جائزہ لیا تو میری گہرے گہرے ہو گئی۔
اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ خون بہہ جانے اور
اسی حالت میں میرے کمرے تک پہنچنے کے سبب زخاں ہو کر غش
کا کچھ تھی۔ اُس کا لباس پھولا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ
غالباً روٹی ہوئی دانت تک پہنچی تھی۔ گھر سے کون کے ساتھ ساتھ اُس کا
سائس درست ہوتا جا رہا تھا۔

میں نے ٹھیک کر اُسے بزدلی سے اٹھایا اور اُس کے جسم کو سنبھال
کا نذر لے جانے لگی مگر اس سے پہلے ہی کمرے کا دروازہ بند نہ ہوئی تھی۔
اسی میں نے جتنا قدم کا نامہ ہی طے کیا تھا کہ رضوان سلیپنگ گاؤن کی
بلیٹ باندھتا ہوا تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلا اور میری طرف
بڑھا اس کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات تھے جیسے وہ کوئی
غلاب دیکھ رہا ہو۔

"بابو! یہ... یہ لڑکی... زخمی لڑکی کون...؟
"کوئی سوال بعد میں کرنا۔ میں نے رضوان کی بات کاٹتے ہوئے
کہا۔ "پہلے اسے میرے بستر تک پہنچانے میں مدد کرو!"
رضوان نے میرے کہنے پر اپنی کانٹیک طرف سے سنبھال لیا۔ میں نے
انتہائی اس بات کا خیال رکھا تھا کہ میرے کپڑوں پر اپنی کانٹیک نہ لگے۔
جب میں نے رضوان کو بھی ہی احتیاط کرتے دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پورسی طرح چکا تھا۔

میں رضوان کی مدد سے لپٹی کو اپنی اسی گاہ میں لے آئی اور بستر پر
رٹا دیا پھر رضوان سے مخاطب ہوئی۔ دیکھو شہانے میں جا کر گرم پانی
لے آؤ اور ملن وہیں دوڑوں کا پھوٹا سا کینٹ بھی میں نے دیکھا تھا۔
اُس کینٹ میں یقیناً کوئی حرام کش دوا ہوگی، وہ بھی لیتے آنا۔
رضوان بغیر کچھ کہنے شہانے کی طرف بڑھ گیا اور میں لیلی کمال
کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مجھے اس کی لندن میں موجودی حیرت انگیز معلوم
ہوئی۔ ابھی تک رخصت ہی تو میں اُس سے ٹیکاک میں ملی تھی۔ میں نے
اُسے اُن کاغذات کی نقل دی تھی جو کسی کے نے مجھ سے زبردستی

مائل کر کے نکال کر لایے تھے۔ تنظیم آزادی وطن میں کے افراد کو دیکھ کر لندن میں موجود ہونا میرے لیے باعث حیرت نہیں تھا لیکن یہی کمال کھیلنگ سے دلائل اس جلدی پہنچ جانے اور توجہ غیر متعلقہ میں رضوان کی دلچسپی کے لیے خیاں میں گری رہی۔

جس حد تک ممکن تھا میں نے اپنی کمال کے دشمنوں کی ڈرینگ کردی، مجھے میرے اس کے خوف کو دیکھ کر دل کا خیال آیا۔

”رضوان! تم اپنے سر سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس کے کپڑے بدلنا چاہتی ہوں۔ یہ کیسے ہوئے ہیں اس طرف بڑی حد تک چلوں کی لٹاری تھی مگر رضوان وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سلاطین چلتے دیکھے۔

”مجھے یہ خیال صرف اتنا بتا دیجیے کہ کیا آپ اس لڑکی کو پہلے سے جانتی ہیں؟“ رضوان میری سوالیہ نگاہ کے جواب میں جلدی سے بولا۔

”اں! میں نے تیری سے کہا لیکن اب یہ میں نے بعد میں بتاؤں گی۔

اب تم یہاں سے چلے جاؤ بڑے ستر ہے۔

”یہ میں میں ہی سے بڑے ستر کر نہیں کھڑا ہو سکتا؟“ رضوان کے لہجے میں ظہر تھوڑا کرتی۔

”نہیں! میں نے سخت لہجے میں کہا کہ اگر تم نے مزید مضحکہ تو یقین کر لو کہ تم جیسے اس لڑکی کے بٹے میں کوئی نہیں بتاؤں گی۔ مجھے اب“

”دراصل آپ کو کسی ضرورت لڑکی کے ساتھ تنہا چھوڑتے ہوئے ذرا ڈری لگتا ہے مگر میں کچھ دیر بعد آنے کے لیے چلا جاتا ہوں۔ رضوان نے کہا، پھر اس سے پہلے کہ میں مزید کہہ سکتی دھڑکے سے نکل گیا وہ غالباً مجھ کا تھا کہ گولڈن نے مزید شراکت کی تو واقعی میں اُسے لپٹ کے بٹے میں کچھ بنا کر ضرورت رکھ کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ نہیں چاہتا ہوگا۔

رضوان کے جاتے ہی میں نے کپڑوں کی لٹاری کھول کر اپنا ایک گاؤں نکالا اور میری طرف بڑی۔ لپٹ لپٹ کر ایک تک پہنچ گئی۔ میں نے اس کا خوف کو دیکھا کہ اس کے سر کو گاؤں میں پلٹ دیا، پھر اس کے لباس کو کھینچنے میں لے جا کر میٹھے کپڑوں کے کیٹھ میں ڈال دیا۔

میں ابھی غصہ مانتے سے نکلی ہی تھی کہ ایک چوک بڑی۔ مجھے یوں دروازے تک پہنچا۔ ڈی تھی۔ اپنی کمال کی دہان موجود ہیں جسے بے حد عجب طرز پر متاثر کیا۔ مگر مجھ سے پہلے رضوان اپنے کمرے سے نکل کر برفی دروازہ کھول دیتا اس لیے میرا دل فوراً پہنچا ہزاروں تھاپوں میں نے لپٹ لپٹ کر طرف دیکھا۔ وہ میرے بستر پر پڑی ہوئی لہجے سے اس لے رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اُسے کس ہوش آنے ہی والا تھا۔

اُس ڈیٹھ ٹھٹھ میں دو خرابیاں تھیں اور ایک ڈرامیک! داخلہ ہمارے ڈرینگ روم میں جسے تھا اس لیے میں تیزی کے ساتھ

ڈرینگ روم میں پہنچی۔ توقع کے مطابق تھا لیکن اُسے دروازہ کھولنے میں مدد کی کہ وہ کچھ کہتا تھا میں نے اپنے ہوشوں پر کھانا کاٹھا کیا، پھر پتھوڑ کے بل چلتی ہوئی پیس پیس گئی۔

”دروازہ کھٹکھٹانے والا کوئی دشمن سرگوشی کی تم اپنے کمرے میں جاؤ اور دروازہ کی صورت حال سے متناہ اسان ہوگا۔

رضوان توقع کی نزاکت کو محسوس کر کے کہ میں چلا گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اب میرا دل دروازہ بار بار تھا۔

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے چلا کر کہا ”کون ہے؟“

دروازہ کھٹکتے ہوئے بھی میں اس انداز میں ناوقت اٹھائے جانے پر میں کھٹکھٹاؤں میں ”کیا ہے؟“ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دلہاری روشن تھی اور میں اُن جین کو سیر کر اپنے لباس کی وضع قطع سے عام شری ہی دکھائی اُن کے انداز میں لپٹ جیسے نہیں تھے۔ میں ان شخصیت کا ملک تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر نیاں طوطی تھا کہ میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں اُسے اُسے دیکھ لیتا تھا جتنا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کا چونکنا تھا کہ مجھے دیکھ کر اُسے بہت ہوتی تھی۔

میرے سوال کے جواب میں اُس شخص نے کہا۔ ایک خطرناک لڑکی اس بڑی میں گھس گئی ہے۔ ہم چھڑے ہیں۔ ہمارا تعلق پیش رو لڑکی سے ہے۔

نہجرت تھا مگر ایک عجیب سی کھٹک نے اس ہوئے الفاظ کو ہر اثر بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اُس کے جھلک بھی تھی جیسے وہ تمام احکامات ہی دیتا رہا ہمارا کرنے کا مادی نہ ہو۔ اگر وہ واقعی پورس ہی کے تھے کوئی بڑا دشمنی راہوگا مگر جسے اس قدر دلت گئے۔

میں نے چھڑے یہ کام کو اُن کے معمولی افعال کا ہر میں نے انکسین کئے ہوئے بڑی مصورتیت سے تو میں بھی ہوں مگر میں نے یہ کہہ کر اُسے پناہ دیا۔

”اس سے چھپ کر نہیں گھسی ہوں۔“

اس ہمارے جرم شخصیت نے اپنے دل کو جھلکا ہوا ہوا۔ وہ پورس کو اُن میں لولا ”مجھ سے کپ کی اپنے بچہ کو پہناتے ہیں“

اُس سے کہوں کہ وہ جتنا تو مجھے بھی ہے کہ ”یہاں کوئی دشمنی لڑکی نہیں آئی“

”آئے دیں گی؟“

ہل کر یہاں کوئی دشمنی لڑکی نہیں تو پھر کپ کی لڑکی کی بات پر یقین نہیں؟“ میں نے کھٹکھٹایا۔

”کیا۔“

”نہت والے نے مجھے تشریف آمیز نگاہ سے دیکھا۔ اس کا ہاتھ کر وہ دیکھ کر ابھر گیا۔ اُس نے دیکھا۔ وہ مجھ سے لولا۔ وہ لڑکی غوطی ہے اور کپ سے پہلے والے خون ہی نے پوٹل کے ہاتھ کی ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو اُسے پر آپ کو خون کا دھنا نظر آجائے گا۔ یہ شہرت ہوئے دروازے کے سامنے کچھ ہوئے تھیں

”کیا یہ بڑی مال تالین کے اُس سے ہے واقعی لہاں لہاں تھا۔ اُس نے کپ کی رنگت کی کٹھن ہوتی جا اظہر تھا کہ وہاں خون ہی گرا تھا۔

”ہیں ایک نظر اپنے سٹوٹ کا جائزہ لینے دیں“

”الاولا۔“

میں نے تیزی سے کہا۔ ”میں دروازہ اندر سے بند کر رہی ہوں۔“

”کیا یہ میرا جیو فیلڈنگ تھا میں نے اپنی بات پوری دیکھ کر اپنا منہ بھاری بھر کر شخصیت والے نے

”یہ اُن کے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

”یہ اُسے اُسے نہ دیکھ کر دروازہ کھٹکھٹاؤں کی

”یہ جیب سے رولوا لڑکال لیا۔

”دنیا بھر میں اپنے دیکھ کر کھٹکے لیے مشہور ہے کہ وہ لوگ لندن کی پورس سے ہر تعلق نہیں دیتے۔ اُن کی اجازت ہے کہ ان کی خرابیاں دیکھ سکیں۔

”ابھی تھی مگر فوری طور پر انھیں روکنے کوئی نہیں تھا۔

”یہ اُن کے انداز ایسے نہیں تھے کہ میں اُن کی جھکی کو انداز کرتی مجبوراً میں نے انھیں نہ۔“

راستہ سے وہ میرا خیال تھا اتنا انداز میں کہ میں نے اسے پہنچی ہو جائے جانے کو اس کے لیے رولوا لڑکی کی سیر طرف سے ہٹ جاتے۔ اگر کوئی ایسا موقع ملتا تو میں یقیناً ہنگامہ برپا کرتی۔

اس کے علاوہ میں رضوان کو بھی نہیں سمجھتی تھی چلنے سے کمرے میں موجود کسی موقع کی تلاش میں ہوگا مگر وہ لوگ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھے کہ نہ انھوں نے مجھے ایسا کوئی موقع نہیں دیا اب اُن سبھی کے انھوں میں رولوا لڑکی۔

پہلے متناہ شخصیت والا اندر داخل ہوا، پھر اُس کے انداز سے پر دوسرے اندر آئے۔ اُن سبھی کے رولوا لڑکی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔

”اب اُن میں جانب والے کمرے میں موجود اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ باہر آجائے۔“ متناہ شخصیت والے نے مجھے مخاطب کیا۔ اُس سے کہیں کہ وہ کوئی حقیقت ذکر کرے دروازے کی زمردی خطرے میں نہ رہتی ہے۔ اُسے بتائیں کہ اگر اُس کے ہاتھ میں رولوا لڑکی بھی ہے تو وہ ایک وقت میں صرف ایک آدمی کو گولی کا نشانہ نہ بنا سکتا ہے لیکن قیہ دار کے رولوا لڑکی سے نکلی ہوئی گولیاں آپ کو مس فرمیں۔

آخرت پر دروازہ کھٹکی ہیں۔ غالباً اب کپ میرا مطلب ابھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔

اُس شخص نے جو کچھ کہا تھا، غلط نہیں تھا۔ اس صورت حال میں میرے لیے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اُس کے کٹے پر عمل کرتی۔ چند لمحوں کے بعد میں نے باوا لہنگہ لگا کر رضوان! باہر آ جاؤ۔

”یہ تو میری بھاری جی تھی کہ وہ شخص مجھے پہچانتا ہے۔ اس صورت میں اُس کا رضوان سے آگاہ ہونا مجھے تعجب نہیں تھا۔ اور پھر وہ دل سٹوٹ تھا۔ وہاں میرے علاوہ کسی اور کو بھی ہونا چاہیے تھا۔ وہ شخص اتنا احمق تو بہر حال نہیں تھا کہ اس سامنے کی بات کو نظر انداز کر جاتا۔

”چند لمحوں بعد ہی رضوان اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ اُس کے جسم پر حسب سابق سیلنگ گاؤں تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ گاؤں کی جیبوں میں تھے۔

”ہاتھ پر رکھ لیا مجھے جانب!“ متناہ شخصیت والے نے رضوان کو مخاطب کیا۔ ”مجھے پہلے کہ آپ کے گاؤں کی جیب میں رولوا لڑکی ہوگا، وہ جیب سناتے فرمادیں۔ ہم کپڑوں کی تلاشی لینے کے بعد آپ کا رولوا لڑکی کر دیں گے۔

”رضوان نے میری جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا اور میں نے انہی کی انداز میں سر ہلایا۔ رضوان نے اپنے گاؤں کی جیب سے رولوا لڑکی کر

متاز شخصیت والے کی طرف اجمال دیا جسے اُس نے بایں ہاتھ سے لپک لیا۔

ہم دو تھے اور وہ تین غرگسی بھی تھے ماشی کے دوران میں ہم ان کی کسی غلطی سے فائدہ اٹھا سکتے تھے یہی سوچ کر میں نے ابھی تک کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور حقیقت تو یہ تھی کہ مجھے ابھی اس کام میں بھی نہیں ملا تھا۔

”جاؤ دونوں محروم کی تلاش کرو“ ممتاز شخصیت والے نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور اُس کے ساتھی حکم سننے ہی بے حس کو کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

اُس کے دونوں ساتھیوں میں ریولار تھے۔ وہ مجھے اور رضوان کو کوزے بہت چکنا انداز میں کھڑا اتھا میرا دل تیزی سے دھوک رہا تھا۔ میں خاموشی سے لیٹی کو اُن لوگوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ شاید میں ریولاروں کو نظر انداز کر کے اُن سے چھڑ جائی مگر ایسا کیسا نامی وقت کرتی جب کوئی اور چارہ نہ رہتا۔ فی الحال مجھے اُمید تھی کہ لیٹی کی موجودگی میں شاید اُن کو کوئی توجہ چند لمحوں کے لیے میری طرف سے مبذول جائے گی اور میں اُن لمحوں سے فائدہ اٹھاؤں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

مجھے اُس وقت اپنی مہارت پر یقین نہیں آیا جب میری خواہ گاہ میں گھسنے والوں نے باہر کر متاز شخصیت والے کو اطلاع دی کہ لائڈ کوئی نہیں تھا شاید ممتاز شخصیت والے کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اُس نے چند لمحوں کے لیے مجھے اُنچن آئینہ نگاہ سے دیکھا تھا پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو رضوان کی خواہ گاہ میں گھسنے کا اشارہ کیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ رضوان کی خواہ گاہ سے بھی خالی ہاتھ واپس ہوئے۔ اُن کی اطلاع کے مطابق وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اب ممتاز شخصیت والے کے چہرے پر مزید حیرت نظر آئی لیکن صرف چند لمحوں کو، پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”مجھے خوشی ہے کہ آپ نے نکلیں“ اُس نے مطمئن انداز میں ہلکتے ہوئے کہا۔ دراصل مجھے شہرہ تھا کہ آپ نے کرم کو پناہ دینے کی خیر نیتی حرکت کر رہی ہیں۔ میں نہمت جینے کے لیے عافی چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آئندہ آپ سے دست و پا نہیں ملاؤں گا۔

میری نگاہ میں اُس کی یہ بات نہیں آئی کیونکہ میرا ذہن اس گتھی کو کھینچنے میں لگا ہوا تھا کہ لیٹی کمال کمال کی ہے تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لیٹی کے دشمن خواہ گاہ اور غلخانے کا بھی طرح جائزہ لیے بغیر چلے آئے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اُنھوں نے ایک ایک کونے کا بھی طرح جائزہ لیا ہوگا۔ لیکن مجھے یہ سچے اچھے ساتھی کی وہاں

کوئی چھپ سکتا اور کڑوں کی اندی کو کلا میں بھاری بھرے چپے ہوئے تھے۔ اُن میں گھنٹش تھی مگر اُن چالاک لوگوں سے اُس کی جاسکتی تھی کہ اُنھوں نے پرودوں کے ممتاز شخصیت والے کے پائیدار رہ کر لاہور اُسے سے دیا پھر دوبارہ ممتاز شخصیت سے اپنے ساتھیوں کو کمرے کے کمرے میں لے کر تیزی سے آگے بڑھ کر وہاں سے دوڑتی ہوئی اپنی خواہ گاہ کی طرف بڑھی۔

میں یقیناً لیٹی کے غائب ہوجانے پر حیرت ۱۹۲۰ میں خواہ گاہ میں پہنچی تو دیکھا کہ لیٹی غلخانے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور دروازوں ایک طرف سے ہوئے تھے۔ یقیناً کمرے کا کھلا لیٹی کمال کا کسین بیتا نہیں تھا۔ مجھے اُس کی کرا اُس کی طرف گئی۔ اس دوران میں رضوان کی کمر کی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کے در کھول دیے اور باہر کی طرف جھانک دوڑوں طرف چلا گیا۔

تھان کے نیچے ایک منڈیر نظر آ رہی تھی جہاں پر دروازے باہر نکلے ہوئے مستون تھے۔ منڈیر کے ساتھ چوٹی پر لگی تھی۔

منڈیر پر چل کر مستون تک پہنچا تو مجھے تھا اور یوں بھی لیٹی نے غمی حالت میں غمی کزوں کی صورت میں اُس کا منڈیر سے گرنا دیکھا لیکن تھا لیٹی کے غائب ہونے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔

”لیٹی! ایس نے بہتر سے اسے نکالا اور کی طرف غور سے دیکھا اُس لمحے وہاں جانب والے ہاتھ نکلا جو کانپ رہا تھا اور مستون کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔

دھکا دھکا ہوا تھا لیٹی کے سرواؤس کا ہوسکتا تھا دشمنوں کی گرفت سے بچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کیا خطرناک تھا۔ اب ایک کچھ بھی فائدہ نہ لائی کی زندگی ثابت نہ سکتا تھا۔ اُس کا کیا ہوا اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ اپنی تھی اور کئی لمحے وہ منڈیر سے نیچے گر سکتی تھی۔ مجھے احساس ہی نہ ہوا تھا کہ رضوان کب میرے

ہاتھ تھک رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ لطف بھائی رضوان پہل کر چکا تھا۔ اُس نے اُنک کووری طرح سمجھ لیا تھا اور مجھ سے اُن پر اٹھا کر لیٹی کو اُس کے کمرے کی طرف لے گیا تھا۔ اُس کے کمرے کی طرف لے گیا تھا۔

میں پہنچی تو وہ کمرے سے نیچے جھکا ہوا تھا اور باہر جھانک رہا تھا۔ رضوان مستون کی طرف لے گیا تھا۔ میں کامیاب ہو چکا تھا اور اُن کے ساتھیوں کی آڑ سے نکل کر اُن کا سانس لیا۔ لیٹی کی زندگی بچ گئی تھی۔

میں سمجھ گیا کہ اُسے بالآخر کمرے میں لے گا اس کا نظریہ تھا اور چہرہ پلا پڑا ہوا تھا۔ لیٹی نے غمی سی آواز میں پانی کے کرا پانی پلا دیا اور میرا اُس نے بہتر پر دروازہ کرا لیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ اُس کے تھے ہوئے اسباب دھیلے ہو چکے ہیں۔

دش ہو چکا ہے۔

رضوان طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ وہ بھی یہی ہوش ہو گئی ہے۔ اب ذرا جلدی سے یہ بتا دوں گا کہ میرے بستر پر پاؤں پسار کرنا غصیل کے بستر کے قریب پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور پھر میں نے رضوان کو لیٹی کال کے بارے میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں نے کہا ”میرا اُن لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے میں نے کمرے پر دروازہ لڑکی ہے اس لیے اُس نے فوراً حیرت کھائی اور اُس کے کسی بھی طرح کمرہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اُس پر عمل کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ایک باوا لڑکی ہے یہ کہتے ہوئے میں نے

ہاتھ پر اور محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اب کس طرح پہنچ گئی؟“ رضوان نے اُنچن آئینہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔ اب کس طرح پہنچ گئی؟“ رضوان نے اُنچن آئینہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“ میں نے کہا۔ ”کلیر“ اُنھوں نے کہا۔ میں نے اُن کی طرف اشارہ کیا۔ اب کس طرح پہنچ گئی؟“ رضوان نے اُنچن آئینہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔

”تم سب سے پہلے ہوئے۔“ ”تم سب سے پہلے ہوئے۔“ ”تم سب سے پہلے ہوئے۔“ ”تم سب سے پہلے ہوئے۔“

”لیکن اسے تلاش کرنے والے یقینی طور پر ہونٹ کی شکل میں ہوں گے۔“ رضوان بولا۔ وہ اسے استیصال تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ ”ہر مسکراہٹ کے کردہ ہمارے ٹوٹ کی بھی گائی کر لے رہے ہوں۔ میں نے کہا۔ یہ ممکن ہے کہ اُنھوں نے لیٹی کو ہونٹ کی شکل میں تلاش کرنے کا کام ادا دھوا چھوڑ دیا ہو۔ اس وقت تمام ہونٹ کے کلینوں کو اٹھا کر اٹھا کر اُنھوں نے کسی غمی لڑکی کو توڑنا نہیں دے رکھی بہت مشکل کام ہے۔ پھر یہ کہ وہ پولیس کے چمکے سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔ اُنھیں اپنے جھنڈے کا خیال بھی تو ہوگا۔ پولیس والے بھی اسی حرکت کرنے سے پہلے دس برس جیتے۔ یہ لڑنا ہے۔ یہاں شہری حقوق اس آسانی کے ساتھ سلب نہیں کیے جاسکتے۔ غمناک شہریت ہونے کی صورت میں ہی سوتے ہوئے شہریوں کو اٹھا کر اُن کے کمرے کی تلاش کی جاسکتی ہے۔“

”لیکن وہ یہاں تو گھس رہے تھے۔“ رضوان نے کہا۔ ”اس کی جنت اُنھیں ہوں ہو گئی کہ اُنھیں یقین تھا، لیٹی اُنھیں یہاں مل جائے گی۔ ہمارے ٹوٹ کے دروازے پر خون کا دھبہ اُن کے اس یقین کا سبب بنا ہو گا۔“

میرے دلائل میں وزن تھا اس لیے رضوان خاموش ہو گیا اور اُمید وقت لیٹی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اُسے ہوش آ گیا تھا۔ میں اُنھ کے کمرے کے قریب پہنچ گئی۔ رضوان صوفے ہی پر بیٹھا۔ اُس نے اُنھیں کھول کر میری طرف دیکھا، پھر اُراف کا جائزہ لیا اور رضوان کی جانب دیکھ کر میری طرف سوالیہ نگاہ اٹھائی۔ ”لیٹی! یہ میرا ساتھی ہے تجھیں علم ہی ہوگا۔ اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ تم جو کہنا چاہو کہہ سکتی ہو۔“ میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

”لیٹی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔“ ”اب کیسی طبیعت ہے؟“ میں نے کہا۔ ”کلیر“ اُنھوں نے کہا۔ میں نے اُن کی طرف اشارہ کیا۔ اب کس طرح پہنچ گئی؟“ رضوان نے اُنچن آئینہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔

روایت ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے ہمارے ملک کی طرف سے وہ لوگ جو کہ
 شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے یا وہ شخص کو خود یا اس کا
 ہے۔ ہاں یہ تو میں ضرور کہ بہت زیادہ کا فرق ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ
 کہ انھیں یقین ہو کہ وہ آپ کو ضرور خریدیں گے۔
 ”مجھے تمہارے خیال سے قطعی اتفاق نہیں۔ ہر شخص نہیں پکتا
 انھیں یقیناً غلط فہمی ہوگی۔ صحیح بات کہنے کے لیے نہیں ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے بلکہ آپ کی باتیں ہیں۔ وہ یقیناً آپ کی کٹہر
 مانگی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔“ رضوان نے ایسے لہجے میں کہا جیسے
 مجھے چڑھا رہا ہو۔

میں نے اس کی بات پر دھیان دیا تو مجھے سمجھنے میں کوئی دشواری
 نہیں ہوئی کہ وہ میری کیا قیمت قرار دے رہا تھا جس نے قطعی امتیاز لہجے
 میں کہا۔ ”مجھے اپنی ہی جان سے زیادہ عزیز ہے مگر اپنی بہن کی
 زندگی بچانے کے لیے میں ایک قوم کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔
 فلسطین مجھے رضیہ سے بھی زیادہ عزیز نہیں۔ اس کی آزادی اور عزت
 ناموس کا سودا میں کسی قیمت پر نہیں کر سکتی۔“
 رضوان سنجیدہ ہو گیا۔ یہ بات میں سمجھ سکتا ہوں یا تو لیکن وہ
 اس بات کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ وہ تو چند سکون کے عوض جسے چاہتے
 ہیں خرید لیتے ہیں۔
 ”وقت انھیں اس حقیقت کو سمجھنے پر مجبور کر دے گا۔“ میں پوچھش
 لہجے میں بولی۔

”رضیہ کی قربانی اتنی آسانی سے نہیں دی جاسکتی گی۔“ لیسل
 نے تیز آواز میں کہا۔ ”اگر میری تجویز کامیاب رہی تو آج ہی
 بن یعقوب کا قاتل کر دیا جائے گا۔“
 ”تمہاری تجویز کیسے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میں نے کہا تھا کہ میں رہاں سے انہیں ہوں۔“ لیسل نے کہا۔
 ”میں ابھی فون کر کے اپنے آدمیوں کو بلائی ہوں۔ یہ ہوئے بن یعقوب
 اور اس کے گروں کی خاطر قہر و انداز باندھا جائے گا۔“

لیسل کمال بن یعقوب کے ہاتھوں زخمی ہو کر شدید جذباتی ہو
 گئی تھی اور یوں بھی بن یعقوب اس کا دشمن ہی تھا اس کا اتنا جذباتی
 ہونا غیر فطری نہیں تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسی تجویز کا
 اظہار نہ کرتی۔ دونوں پارٹیوں کے درمیان کتنے کھٹا جنگ ہوئے ہیں
 رہائش پزیر افراد کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس
 جھگڑے میں بے گناہ افراد کا ساتھ تو نا بعد از قیاس نہیں تھا اور
 یہ بات فلسطینی جلد جھڑکاؤ کی میں معاون بننے کی بجائے اسے
 بدنامی بخشنے کا باعث ثابت ہوئی۔ فلسطینیوں پر پہلے ہی دہشت گردی

کا الزام تھا۔ وہ لوگ فلسطینیوں کے حق میں
 سمجھتے تھے کہ الزام فلسطینیوں کے لیے ملتا
 انتہا پسندوں کو چھوڑ کر کسی اس بات کے
 کی پالیسی نافذ سے زیادہ نقصان کا
 واضح تبدیل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی
 رکھتے ہوئے لیسل کمال کو مخاطب کیا۔ ”ہن
 میں تمہاری اس تجویز سے قطعی متفق نہیں
 کُن تھا۔

”شاید آپ کو یقین نہیں کہ ہم یہ
 برہادی کر سکتے ہیں۔“
 ”ہاں یقیناً طور پر اس وقت تو کہہ
 فرض بھی کر دیا جائے تو کیا حاصل؟“ میں بولی۔
 ”اور چاہے بھی کیا یہ لیسل کی حیرت کا اظہار
 اس مذکورہ طے دہشت پھیل جائے گی
 ”اس دہشت گردی کا سارا الزام فلسطینیوں پر
 گا۔ اس ملک کا پس منظر اس سے ہمہ دانا
 بھی علم ہو گا جو چند دانشمند غیر جانبدار ہیں۔
 سے مخالف نقطہ نظر کے حامل ہو جائیں گے اور
 جن میں سنیں ہو گا۔ بن یعقوب کی موت ہمارے
 ہوگی مگر نقصان کا باعث بنے گی۔ انھیں ہر حال اس
 ”بن یعقوب کی موت اسرائیلی منصوبے کے خلاف
 یہ منصوبہ زخمی اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے کہ قہر کی
 عوض یہ سودا منگنا نہیں رہے گا۔ لیسل نے اپنی جہز کے
 ”یعنی تمہارا خیال ہے کہ صرف بن یعقوب کا
 منصوبہ ختم ہو جائے گا۔ اسرائیلی اہم منصوبوں کی دانا
 انفرادی اہمیت پر نہیں رکھتے۔ مجھے یقین ہے کہ بن یعقوب
 لیے اسرائیل کے پاس دس افراد اور موجود ہوں گے۔

میری بات سن کر لیسل خاموش ہو گئی، ہرچہ
 آواز میں بولی۔ ”بھلا آپ کے خیال میں کیا کیا جائے؟
 آدمیوں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ وہ مجھے ہاتھ
 کی کوشش کریں گے تو بن یعقوب کے گھر پر ضرور دھاوا
 ان سے چھپ چکے ہیں۔“

”تمہاری شکلات کا کوئی نہ کوئی عمل ضرور نکل
 نے طولی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”مجھے کچھ کہنے کے
 میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

میں کوئی حل تلاش کر کے جلد اختلافات کے بعد

ایک انٹرویو لینے ہے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میں آپ کا انٹرویو لے لوں گا۔
 "اس وقت تو میں بھی ہوں ہوں" اس نے کہا۔
 "مجھے احساس ہے مگر مجھے یہ ہوش چھوڑ دوں گی۔ میری خاطر
 ذرا کی زحمت اٹھائیں میں آپ کو یقین دلائی ہوں کہ یہاں آپ کو کوئی
 بے آزاری نہیں ہوگی۔"
 "مگر..."

"دیکھیں اسرار ساز بڑے اچھے پیسے تو اسے" میں نے اس کی بات
 کاٹتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو نوکر کی طور پر پوچھنا چاہتا ہوں اور وہاں
 انٹرویو لینے پر پیش رفت کے بعد جیسا کہ سوچو پوچھنا ایک کی صورت
 میں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ مجھے یقین تھا کہ انکار کا مادہ ہو جائے
 گی۔ سوچو پوچھنا مطلب تھا ڈھائی ہزار روپے جو نقد ملے یہ تھے۔ اندر
 ہزار روپے ملنے کی امید تھی۔ بھلا ایسا موقع کون چھوڑنا ہے!
 "اچھا تو آپ میرے سر کے سر میں آجائیں" مجھے دیر بعد گٹھانک کا آواز
 سنا ڈیڑھ۔

"متکلی ہے ڈیڑھ" میں نے بے تکلفی کے انداز میں کہا۔ ہڈیوں
 کے ساتھ مجھے آپ کی تھوڑی سی جانی ہوں گی میں اپنا تمام ساز و سامان
 کرکے آپ کے کمرے میں پہنچوں گا، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ آپ
 بیگم امین کے کمرے کے سر میں آجائیں!"

"لیکن... وہ کچھ کہتے کہتے روتی گئی۔
 "مجھے کیا آپ ڈر رہی ہیں؟ میں بھی آپ کی طرح عورت ہوں۔
 مجھے کبھی جب آپ یہاں آئیں گی تو میں آپ کی تو ممتعت کروں گی
 آپ کے تعاون کی بنا پر میرا فرض ہے۔ لیکن آپ کو بیگم امین کے
 کمرے میں نام نہاد مکرس کو فون کر کے کوئی مشروب منگوائیں ہوں۔
 میں نے غصہ مشروب پر کافی زور دیا تھا۔ میں کام کے ساتھ
 ہی بھی قائل ہوں۔ گٹھانک نے مشروب پر کوئی احتجاج نہ کیا تو
 میں ہوا گیا کہ وہ مزاج میں کچھ نہ کچھ رنگینی ضرور رکھتی ہے۔ اس نے
 کمرے میں پہنچ کر کا وعدہ کر لیا تھا۔ میں نے اسے مگر وہ خبر بتا

کہ اس کے آنے میں پندرہ بیس منٹ ضرور گتے۔ یہ سوچ کر میں
 کمرے کو فون کیا اور بیس منٹ کی قوت بھیجنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر
 کے بعد آکر اس نے کہا کہ اس کے چند منٹ بعد گٹھانک پہنچ گئی
 لان میں اپنا بیگ ونگال کر بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔

دیکھ کر میں نے غصے سے اس کی طرف اشارہ کیا۔
 پوری کر دی۔ وہ بے تکلف ہوئی تو میں نے اسے
 گٹھانک سے ان کی طرح حسین تو نہیں تھی مگر
 تھی یا پھر مجھے کیا مت معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے
 اور گٹھانک سے فون دے کر گویا اسے خرید لیا۔

میں نے انٹرویو لینے کے بعد اس کی تھوڑی سی
 چند تھوڑی بات کرنے کے بعد اس کے گٹھانک سے کہا۔
 "آج رات تا کہ میں چند رات کی تھوڑی سی باتوں کی
 کے کچھ کہنے سے پہلے میں بول گئی۔" "مگر پوچھنا
 سوچ رہی ہوں۔ اس کے بعد وہ میرے پڑا ہوا رسالہ
 پڑھنے لگو جسے تھک کر نہ پڑھ سکیں گے۔ یہ یہ مطالعہ
 میں تھا کہ ایسی تصویریں بنانا چاہتی ہوں جو حقیقت
 ہوں۔"

وہ آمادہ ہو گئی اور میرا سلیٹنگ سوٹ لے کر
 داخل ہوئی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آئی۔ پوچھنا اس
 سے بات نہ ہو رہی تھی کہ وہ دوبارہ وہاں
 کے۔ وہ میرے کہنے کے مطابق کر کے پڑھ کر اس
 کرنے لگی۔ میں نے اس کی تصویر بھیجی۔ آخر میں
 کے سامنے بال کھولتے ہوئے ایک تصویر بنا کر میں
 ختم ہونے کا اعلان کیا۔

"تو پھر میں جوں؟" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔
 "مجھے کلام ختم ہوا ہے تقریر تو نہیں" میں نے
 دوبارہ کر کے پڑھ لیا۔

میں وہ جام بنالائی مگر اس کے جام میں خواب آ کر
 ملانا نہ بھولی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں اپنی تشریف نہ
 کو ضرور سیر کر دیتی مگر یہ وقت مختلف تھا۔ مجھے جلد ار
 لیا کہ اس ہوشی سے نہ کانا تھا۔

میری توقع کے مطابق نصف جام پیتے ہی وہ اٹھ
 گئی۔ میں نے اسے مسہری پر لینے کے لیے کہا اور خود سمارا
 اٹھایا۔ وہ لوٹھکھٹاتے ہوئے قدموں سے مسہری تک پہنچی اور
 بستر پر دلاڑ ہوئے ہی غافل ہو گئی۔

میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی خوابگاہ سے نکل کر
 کی خوابگاہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ اندر سے بند
 نہیں تھا۔ میں کوئی جواب ملنے سے پہلے دروازہ کھول کر اندر پہل

دروازہ بند کر لیا۔ بظاہر ہم ہرگز سے نے نماز مگر میں نے عام میں
 رکھ دیا۔ اور گٹھانک نے ہوتے جارہے تھے لیکن درحقیقت میں نے اپنی
 انہیں کھلی رکھی تھیں۔ میری نگاہ اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھی اور
 میں جسم ضرورت پڑنے پر اپنی کے گیسے سپر ہوتے کو بہر وقت
 تیار رکھا تھا۔

میں سر ہلایا اور غصے لہانے کی طرف بڑھ گئی۔
 ہر شخص نہیں سمجھتی۔ وہ یقیناً بڑی ہمت
 اس دوران میں سبب سے فون پر رابطہ قائم
 کیے ٹیکس منگوانے کے لیے کہا۔ میں اپنی ایک کون
 کی کی رہنمائی دیکھنے جارہی تھی۔ لندن
 اور ان کیس حاصل کی جاسکتی ہے۔ استقبال پر
 وہ کی کہ چند منٹ کے اندر ٹیکس آجائے گی۔
 میں کہیں کہیں غصے سے نہ لگی تو میں نے پوچھا۔

"اور تمہیں جاؤ گی؟"
 اور ہے ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ میری جال
 آئے۔

مجھے اب ضروری ہے۔ ہم غائب کر گئے کہ ہم نے
 ہر کچھ میں انہیں ڈال دینا چاہتے ہوئے نکلیں گے۔
 ایش کی۔

میری بات سے اتفاق کیا میں نے اپنا بیگ اٹھایا
 اس میں اس کے رکھ کر کہ ہے پڑا اور پھر دیکھنے سے ڈالا
 اس کے چہرے پر کچھ دے۔ اس کے بعد میں نے
 سے نکالیا۔

وہ بہت آہستہ اطمینان سے چلتا۔ میں نے آخری ہڈیا
 ہر نقیبہ یا اس کے آدمی تھیں بچان بھی لیں تو نگہ نہ
 کی جو دیکھ میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بقول تھامس
 کے لیے بہت اہم شخصیت ہوں۔

ہاں نے مجھے والے انداز میں سر ہلایا اور دیکھ کر ان کی آواز میں
 گریزی وحش گٹھانک نے لگی۔ میں نے بھی اس کی آواز میں آواز
 ہلایا۔ اپنی خوابگاہ سے نکلی۔

میں ان کی تشبیہ پر کھڑی۔ "سندوبت بننے کے رہتے ہوئے
 وہ وقت تقریباً مل جانے کا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا۔

دروازہ بند کر لیا۔ بظاہر ہم ہرگز سے نے نماز مگر میں نے عام میں
 رکھ دیا۔ اور گٹھانک نے ہوتے جارہے تھے لیکن درحقیقت میں نے اپنی
 انہیں کھلی رکھی تھیں۔ میری نگاہ اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھی اور
 میں جسم ضرورت پڑنے پر اپنی کے گیسے سپر ہوتے کو بہر وقت
 تیار رکھا تھا۔

میں سر ہلایا اور غصے لہانے کی طرف بڑھ گئی۔
 ہر شخص نہیں سمجھتی۔ وہ یقیناً بڑی ہمت
 اس دوران میں سبب سے فون پر رابطہ قائم
 کیے ٹیکس منگوانے کے لیے کہا۔ میں اپنی ایک کون
 کی کی رہنمائی دیکھنے جارہی تھی۔ لندن
 اور ان کیس حاصل کی جاسکتی ہے۔ استقبال پر
 وہ کی کہ چند منٹ کے اندر ٹیکس آجائے گی۔
 میں کہیں کہیں غصے سے نہ لگی تو میں نے پوچھا۔

"اور تمہیں جاؤ گی؟"
 اور ہے ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ میری جال
 آئے۔

مجھے اب ضروری ہے۔ ہم غائب کر گئے کہ ہم نے
 ہر کچھ میں انہیں ڈال دینا چاہتے ہوئے نکلیں گے۔
 ایش کی۔

میری بات سے اتفاق کیا میں نے اپنا بیگ اٹھایا
 اس میں اس کے رکھ کر کہ ہے پڑا اور پھر دیکھنے سے ڈالا
 اس کے چہرے پر کچھ دے۔ اس کے بعد میں نے
 سے نکالیا۔

وہ بہت آہستہ اطمینان سے چلتا۔ میں نے آخری ہڈیا
 ہر نقیبہ یا اس کے آدمی تھیں بچان بھی لیں تو نگہ نہ
 کی جو دیکھ میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بقول تھامس
 کے لیے بہت اہم شخصیت ہوں۔

ہاں نے مجھے والے انداز میں سر ہلایا اور دیکھ کر ان کی آواز میں
 گریزی وحش گٹھانک نے لگی۔ میں نے بھی اس کی آواز میں آواز
 ہلایا۔ اپنی خوابگاہ سے نکلی۔

میں ان کی تشبیہ پر کھڑی۔ "سندوبت بننے کے رہتے ہوئے
 وہ وقت تقریباً مل جانے کا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا۔

دروازہ بند کر لیا۔ بظاہر ہم ہرگز سے نے نماز مگر میں نے عام میں
 رکھ دیا۔ اور گٹھانک نے ہوتے جارہے تھے لیکن درحقیقت میں نے اپنی
 انہیں کھلی رکھی تھیں۔ میری نگاہ اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھی اور
 میں جسم ضرورت پڑنے پر اپنی کے گیسے سپر ہوتے کو بہر وقت
 تیار رکھا تھا۔

میں سر ہلایا اور غصے لہانے کی طرف بڑھ گئی۔
 ہر شخص نہیں سمجھتی۔ وہ یقیناً بڑی ہمت
 اس دوران میں سبب سے فون پر رابطہ قائم
 کیے ٹیکس منگوانے کے لیے کہا۔ میں اپنی ایک کون
 کی کی رہنمائی دیکھنے جارہی تھی۔ لندن
 اور ان کیس حاصل کی جاسکتی ہے۔ استقبال پر
 وہ کی کہ چند منٹ کے اندر ٹیکس آجائے گی۔
 میں کہیں کہیں غصے سے نہ لگی تو میں نے پوچھا۔

"اور تمہیں جاؤ گی؟"
 اور ہے ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ میری جال
 آئے۔

مجھے اب ضروری ہے۔ ہم غائب کر گئے کہ ہم نے
 ہر کچھ میں انہیں ڈال دینا چاہتے ہوئے نکلیں گے۔
 ایش کی۔

پڑے لے کر اندر لے گئی جو اتر بیگ میں تھے۔ میں باہر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد لیٹی باہر آئی۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد لیٹی کے ساتھ پہنچ گئے۔ لیٹی کا ہار بالکل ہمارے قریب آ کر ٹکی۔ لیٹی کا ہار بچا ہوا تھا۔ لیٹی کے ساتھ ہی ہمارے نکالے اور لیٹی کو اپنے پیروں پر کھڑا ہوا دیکھ کر ان کے چہرہ پر ہرستہ نظر آنے لگی۔ لیٹی نے ان دونوں سے میرا تعارف کر دیا۔ دونوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ پھر میرے کہنے پر لیٹی کو کے فوراً روانہ ہو گئے۔ میں لیٹی سے اس کا پتہ اور اپنا بیگ واپس لینا نہیں بھولی تھی جس میں گلزار کی نوٹیفکیشن داپسی کے لیے میں نے فیکسی نہیں بلکہ پیدل ہی ہوئی کی طرف چل دی۔

رات کا اندھیرا چھینے لگا تھا اور دن کا علیگ اجالا کھینچنے لگا تھا۔ میں ہوٹل پہنچ کر کھانے کے ذریعے تیسری منزل پر گئی۔ اپنے سوٹ کے دروازے پر پہنچ کر مجھے دستک دینے کے بعد زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مہمان نے جلد ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ میرا جھمک کر چور ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی خواہش کا پتہ پہنچ کر گلزار کو دیکھا۔ وہ اب تک بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اس کی یونیفارم بیگ سے نکالی اور اسٹیشن نے نہیں پہنچا دی، پھر میں گلزار ہی کے قریب دروازہ ہوئی۔ میں اتنی تھکی ہوئی تھی کہ مجھے لیٹنے ہی نیند آ گئی۔

صبح مجھ سے پہلے گلزار کی کچھ لکڑی ادائیگی نے مجھے بیدار کیا۔ "تم نے شاید رات کو کچھ زیادہ ہی لگائی تھی میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا میں نے یہ بات دانستگی تھی تاکہ وہ کسی کچھلے سے کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔" "میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہ اس نے انحراف لیتے ہوئے ایسا ہیوں پہلے اس سے زیادہ ہی تیری ہوں۔ کل رات نہ جانے میں کچھ زیادہ ہی چڑھ چکی تھی۔ لیٹی اب سے معذرت خواہ ہوں کو میری سے شکایت کو نہ مت اٹھا نا پڑی۔"

"کوئی بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ لیکن خاص بات نہیں میں نے لیٹی کو گلزار کے ہم برابر تک میرا اسٹیپنگ سوٹ تھا۔ وہ اپنی عارم پہننے سلسلہ میں جا رہی تھی۔ جب وہ یونیفارم پہن کر باہر تو مجھ سے رخصت کی اجازت چاہی اس میں خودی چاہتی تھی کہ وہ سے جلد میاں سے رخصت ہو جائے تاکہ میں رضوان کے ہمراہ چلی سے جٹے جا سکوں یہ سوچ کر میں نے اسے فوراً جانے دیا۔"

گلزار کے رخصت ہونے کا فارغ ہو چکا تھا وہ آگے ہی پہنچ گیا۔ "میں نہیں آئی تھو کہ مجھے ضحیکہ کا خیال آ رہا تھا۔ اور کس حال میں ہو گی؟"

"ضحیکہ سے دور ضرور ہے مگر رضوان کو اطمینان دلایا میں اس بات پر یقین ہے جو اس نے کہا۔" "ہمیں فوری طور پر ہی، کون سا ہمارا رضوان نے کہا۔"

"ناشتے کے بعد وہی ملیں گے۔" میں سوچ رہی تھی کہ یہ کہ کوئی سلسلہ میں آگے بولے۔ "نہ ٹھیکہ یوں کے ہاتھ منگوا لو اس میں میں غسل کر کے نکلی تو ناشتہ پہنچا تھا۔"

ناشتہ کیا، پھر ہوٹل سے نکلتے ہی درجن کی ٹیم تھیں جنہوں کے ہتھے بڑھ چکی تھیں وہ چلے گئے۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ اس وقت میں میری بہن کی کفرت معاملہ آئینا اور مجھے دے کے سیاسی جاسوسی کرنے کا تھا۔ مجھے یقین تھا اس میں بات اچھی رہے۔ وہ رضیکہ کو تکلیف دے کر بلائے ختم کر کے اپنا کام نہ کر سکے گا۔"

ہم ہوٹل سے نکل کر اسکوفا سٹریٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں میں اور ڈیوٹیشنل سٹوکلنگ کے تھے اور بازار کی گلیاں پر تھی۔ اسکوفا سٹریٹ کے وسط میں بیچ کر کمزور زمیندار کی طرف مڑ گئے۔ زمیندار اسٹریٹ اسکوفا سٹریٹ سے گزرتی ہے۔ ایک طرف لیٹی کی سٹوڈیو میں اس طرف پکا ڈال دی۔ ہم نے پکا ڈال کر کیا تھا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت تھی وہ کسی سمت تھے۔

پہنچنے کا میں یقین اور وہ دروازہ دفن میں جانے کا اس سمت سے تھا اس لیے ہم ایک ٹرے بھرا کر دروازے اندر گئے۔ اس کے بعد میں بیٹھ کر کھڑے کھڑے داخل ہو کر اس کا راستہ بھلا دیں گے کیونکہ وہاں ہر طرف میں پھرتا ہوا ایک بڑا سا رہنما کی سی صورت اسے ہم پر موجود تھا۔

وہ ملے دل کے ساتھ ہم نے نہ بننے ملے کیے۔ اُس ایک کمرے میں جا رہا تھا ایک قانونی استقبالیہ کر کے ہمارے

لے کر اسکوفا سٹریٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں میں اور ڈیوٹیشنل سٹوکلنگ کے تھے اور بازار کی گلیاں پر تھی۔ اسکوفا سٹریٹ کے وسط میں بیچ کر کمزور زمیندار کی طرف مڑ گئے۔ زمیندار اسٹریٹ اسکوفا سٹریٹ سے گزرتی ہے۔ ایک طرف لیٹی کی سٹوڈیو میں اس طرف پکا ڈال دی۔ ہم نے پکا ڈال کر کیا تھا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت تھی وہ کسی سمت تھے۔

پہنچنے کا میں یقین اور وہ دروازہ دفن میں جانے کا اس سمت سے تھا اس لیے ہم ایک ٹرے بھرا کر دروازے اندر گئے۔ اس کے بعد میں بیٹھ کر کھڑے کھڑے داخل ہو کر اس کا راستہ بھلا دیں گے کیونکہ وہاں ہر طرف میں پھرتا ہوا ایک بڑا سا رہنما کی سی صورت اسے ہم پر موجود تھا۔

وہ ملے دل کے ساتھ ہم نے نہ بننے ملے کیے۔ اُس ایک کمرے میں جا رہا تھا ایک قانونی استقبالیہ کر کے ہمارے

لے کر اسکوفا سٹریٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں میں اور ڈیوٹیشنل سٹوکلنگ کے تھے اور بازار کی گلیاں پر تھی۔ اسکوفا سٹریٹ کے وسط میں بیچ کر کمزور زمیندار کی طرف مڑ گئے۔ زمیندار اسٹریٹ اسکوفا سٹریٹ سے گزرتی ہے۔ ایک طرف لیٹی کی سٹوڈیو میں اس طرف پکا ڈال دی۔ ہم نے پکا ڈال کر کیا تھا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت تھی وہ کسی سمت تھے۔

پہنچنے کا میں یقین اور وہ دروازہ دفن میں جانے کا اس سمت سے تھا اس لیے ہم ایک ٹرے بھرا کر دروازے اندر گئے۔ اس کے بعد میں بیٹھ کر کھڑے کھڑے داخل ہو کر اس کا راستہ بھلا دیں گے کیونکہ وہاں ہر طرف میں پھرتا ہوا ایک بڑا سا رہنما کی سی صورت اسے ہم پر موجود تھا۔

وہ ملے دل کے ساتھ ہم نے نہ بننے ملے کیے۔ اُس ایک کمرے میں جا رہا تھا ایک قانونی استقبالیہ کر کے ہمارے

جان اینڈر ہونے کی بات اس نے کیا تھا کہ اس نے اپنے بھائی کو بلایا۔ ایک دونوں سے واقف ہوں۔ میری کاپی بہت متاثر ہیں جیسا کہ آپ کو ان سے مل کر محسوس ہو گا۔ میں آپ سے یہ عرض کر دوں گا کہ اس طرح کے کام کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہم کو اس کے بجائے اپنا سیکرٹری بنایا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ہماری ترغیبی کرنے لگا۔ میں اور رضوان اس کے پیچھے چلے گئے۔

میرے ذہن میں چارلس کی شخصیت کا عجیب سا خاکہ بن رہا تھا۔ وہ تقریباً تیرہ سال کا لڑکا جس کا شہوت اس کی ظاہری شان و شوکت تھی۔ وہ رضوان کی ذہنیت کا مالک معلوم ہوتا تھا کیونکہ پڑی سے اتر کر آئی تھی اس طرح کا تھیل کھیل سکتا ہے جیسا اس نے ریس کے ساتھ لوگوں کو دیکھا تھا۔ عورتوں سے ناپسندیدگی کا اظہار عورتوں میں مقبولیت نہ پانے کے سبب بھی ہوتا ہے۔ ایسا اس کی صورت میں ہو سکتا تھا کہ اس کی شکل و صورت اور شخصیت متاثر نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس کی طبیعت اسے آدمی کا طور پر عورتوں میں مقبولیت نہیں پاتے۔ چارلس کی کاپی سیکرٹری جان اینڈر ہونے کے اس کے دفتر میں پہنچ گیا۔ دروازہ کھول کر پہلے جان اینڈر ہونے اندر قدم رکھا تھا پھر اس نے موقبانہ انداز میں ہمارے ہاتھوں کا اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف ٹھوکر ڈرائی انداز میں بولا۔ "مستر چارلس کیلی!"

ہم دروازے میں داخل ہو گئے۔ جان اینڈر ہونے ہمارے اندر آتے ہی باہر کا رخ کیا اور اسی کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ کمرے میں مددگار رہتی تھی اور یہی دروازے سے چوٹی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر یہی دروازے کا ایک دوار سے دھری دوار تک پیچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف بڑی میز تھی اور اس میز کے پیچھے گھومتے والی کرسی پر وہ عجیب شخصیت بیٹھی تھی جس سے فی الحال میرا مقابلہ تھا یا جو شخصیت میری موجودہ مشکلات کا باعث تھی اور جس کے فیصلے میں میری بہن رضیکہ تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے وقت میں نے اسے دیوار کی طرف مڑنے کی دیکھا تھا۔ چارلس ہمارے نام کا کرکٹ چلا گیا تو وہ بڑے ڈرامائی انداز میں ہماری طرف مڑا اور ہمیں دیکھ کر جیسے اس کا چہرہ مرت سے کھل اٹھا۔ وہ بڑی تباہی کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھا اور میز کے پیچھے سے گھوم کر کمرے کے وسط میں آ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بڑی گرجوٹی سے ہماری طرف بڑھا۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمیں گلے سے لگائے گا مگر اس نے بعض ہاتھوں پر لگتا تھا کہ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے کچھ دیر سے گلے کا کوئی شوق نہیں۔

723

چارلس کیلی کی شخصیت میرے انداز سے کے عین مطابق نکلی۔ وہ بہتے قادر و بشکل آدمی تھا۔ اس کا رنگ استوائی سفید تھا۔ وہ چہرے پر سرخ و سرخ و دانے سے ستے جو عام طور سے اس قسم کا رنگ لکھنے والوں کے جہوں پر نظر آتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت کمزور تھی۔ غالباً اس کی عمر دہری پر پردہ ڈالنے کے لیے ہی اسے اپنے انداز و اطوار میں ڈرامائی طور پر کار کرنے کا ضبط ہو گیا تھا۔ اس سے قطعاً نظر اس کی شخصیت میں ایک چیز بہت اثرانگیز تھی۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی مگر بہت چمکیلی تھیں جن سے استوائی ذہانت کا احساس ہوتا تھا۔ ایک انجلی سی مگر کمال قدر کشش بھی ان آنکھوں میں تھی۔ میں نے سوچا کہ اس سے مقابلہ آسان نہیں ہو گا مگر میں اس سے بہرہ آفرین ہونے پر مجبور تھی۔ جب تک مجھے ضرورت نہ مل جاتی میں ہر خط سے کام لے کر اپنے بہت بڑے چاہے مقابلے پر کوئی بھی جو میں نے اسے مسٹر کی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

”بے تکلفی سے مجھے صرف سی کے کہو یہی مجھے اچھا لگتا ہے۔“ وہ بولا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے رضوان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کسی گرجائی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ اس مجھے دیکھ کر جدا تھا۔ کمرے میں بوجھل سی خاموشی تھی۔

”مجھے اس وقت سے کہیں نے اب تک آپ لوگوں سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔“ خاموشی کو اس کی آواز نے توڑا۔ وہ دلاس میں بانو کی شخصیت سے اتنا مسحور تھا کہ شاید مجھے اپنا بھی خیال نہیں رہا۔ اتنی ذہین اور ترشحیت اتنی حسین و خوبصورت ہوگی یہ توں پرچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں، بیٹھیے، بے تکلفی سے بیٹھیے!“

ہماری میز کے سامنے آرام دہ صوفے ٹا کر سب بٹری ہوئی تھیں ہم خاموشی سے ان پر بیٹھ گئے۔ سوکے ایک کونے کی طرف گیا۔ اس نے چتا میں دن کی ایک کدو کو لایا ایک جھتے لے آنا انداز میں گھوم کر کھلا اور ایک بار کاٹ کر سامنے آگیا جس پر مختلف آفتا کی بوتلیں بھی ہوئی تھیں۔ ان بوتلیں میں قیمتی شراب تھی۔

”آپ لوگ اس وقت کس چیز سے مشغول کریں گے؟“ سی کے نے ہمیں مخاطب کیا۔

”کیونکہ آج اسکا انش!“ میں نے رضوان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”میرے بار میں عام طور پر یہ چیزیں نہیں ہوتیں، اس نے جیکے ہوئے کہا۔ مگر یہ خاص موقع ہے۔ میں نے اس امکان کو مد نظر

لکھتے ہوئے صبح ہی چہرے پر رنگ لائی۔ بڑی شرمندگی محسوس ہوتی۔

اس کی ذہانت کا یہ ایک اور نم کو نظر میں رکھتا تھا۔ اسے یقیناً علم تھا کہ پسند نہیں کرتی۔ وہ مجھے ہلنے کی نکتہ اس نے تین گلاس تیار کیے۔ پہلا کمرے سے پاس لایا۔ اس نے خود بھی شراب ”عام طور سے یہ کام میں اپنے ملازموں کا ہی آدمی ہوں لیکن ملازموں کی موجودگی اس وقت جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت خوبصورت عورت میری ہوا ہے۔ میں اس چاہتا ہوں۔“

اس کی باتیں میرے لیے بڑی شرمندگی میں اس طرح کی تعریف بہت نہیں کر پائی اور میں نے کن آنکھوں سے رضوان کی طرف دیکھ کر محسوس کی کہ یہ میرا بے سکرار ہاتھ۔

پہلی ہی بہت غرت افزائی کرنے لگا۔

”بھیر وہی مشرکی آدمی کے کہنے میں کیا سے بڑی بے تکلفی سے باؤ کہہ کر مخاطب کر کے مجھے سی کے کہہ کر مخاطب کر کے تو مجھے خوش ہوئی اور دست مجھے سی کے ہی کہتے ہیں۔“

مفتد کی بات چیت کرنے کا یہ موقع بھلاں کیسے میں نے فوراً چھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مشرکی! امیر دوست کیسے ہو سکتی ہوں؟“ بے تکلفی تو بعد کی آپ کی دوست بھی نہیں۔“

اس نے لکھے مجھ کو مجھے فوراً سے کہی، پھر یہ ہے۔ کچھ عرصہ جاری دوستی کی راہ میں حال میں یقین دلاتا ہوں کہ تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے گا بے تکلف دوستوں میں دیکھا جاتا ہوں۔ میں ہمارے ملاحت نظر آتی ہے اور ان کی اس صلاحیت سے دلچسپی نہیں رہی مگر تم یقین کر دو کہ میں تم سے بہت تمہیں عورت ہونے کے باوجود اپنی دوستی کا شرف حاصل

”آپ کی عنایت مشرکی! میں نے اس کے کہی

دوستی کی دوستی کے قابل نہیں سمجھتی۔“

ہایک دم مخرج ہو گیا مگر فوراً ہی اس نے اپنے جذبات کو نظر میں رکھتا تھا۔ اسے یقیناً علم تھا کہ پسند نہیں کرتی۔ وہ مجھے ہلنے کی نکتہ اس نے تین گلاس تیار کیے۔ پہلا کمرے سے پاس لایا۔ اس نے خود بھی شراب ”عام طور سے یہ کام میں اپنے ملازموں کا ہی آدمی ہوں لیکن ملازموں کی موجودگی اس وقت جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت خوبصورت عورت میری ہوا ہے۔ میں اس چاہتا ہوں۔“

اس کی باتیں میرے لیے بڑی شرمندگی میں اس طرح کی تعریف بہت نہیں کر پائی اور میں نے کن آنکھوں سے رضوان کی طرف دیکھ کر محسوس کی کہ یہ میرا بے سکرار ہاتھ۔

پہلی ہی بہت غرت افزائی کرنے لگا۔

”بھیر وہی مشرکی آدمی کے کہنے میں کیا سے بڑی بے تکلفی سے باؤ کہہ کر مخاطب کر کے تو مجھے خوش ہوئی اور دست مجھے سی کے ہی کہتے ہیں۔“

مفتد کی بات چیت کرنے کا یہ موقع بھلاں کیسے میں نے فوراً چھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مشرکی! امیر دوست کیسے ہو سکتی ہوں؟“ بے تکلفی تو بعد کی آپ کی دوست بھی نہیں۔“

اس نے لکھے مجھ کو مجھے فوراً سے کہی، پھر یہ ہے۔ کچھ عرصہ جاری دوستی کی راہ میں حال میں یقین دلاتا ہوں کہ تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے گا بے تکلف دوستوں میں دیکھا جاتا ہوں۔ میں ہمارے ملاحت نظر آتی ہے اور ان کی اس صلاحیت سے دلچسپی نہیں رہی مگر تم یقین کر دو کہ میں تم سے بہت تمہیں عورت ہونے کے باوجود اپنی دوستی کا شرف حاصل

”آپ کی عنایت مشرکی! میں نے اس کے کہی

اس نے مجھے ایک بار مگر گھور کر دیکھا اور بڑے سے میری دوستی سے غرض ہوئی۔“

”مجھے آپ کی اس بات پر بھی شہدہ نہ مل سکی۔ میں نے پھر اسے چڑھایا۔ آپ ایک کامیاب تاجر ہیں اور ایک تاجر سب سے پسند کیا جاتا ہے۔ بعد میں کچھ اور آپ غالباً مجھ سے کوئی ایسا کام لینا چاہتے ہیں جو بغیر دوستی کے آپ مجھ سے نہیں لے سکیں گے۔“

چارلس کیلی کا ہفتہ ایک دم سوج بوجھ پینچ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے مخرج ہو گیا تھا لیکن وہ اپنے اوپر قابو پا کر جانا تھا۔ وہ بولا تو اس کا بھرپور تھا۔ ”مجھے جب کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو بہر وقت پر اپنا کام لے لیتا ہوں۔ مجھے دوست بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

”تو مجھے دوستی کو بلائے طاق کہہ کر صاف ماف بات کر کے تمہارے کمرے سے چلے گئے۔“

”نہ کمرے سے چلے گئے۔“

”نہ کمرے سے چلے گئے۔“

اس وقت رضوان نے کچھ کہنا چاہا مگر کچھ بوجھ کر فکرو مشر رو گیا۔ اسے یقیناً انداز تھا کہ یہ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے گفتگو کے دوران میں مجھ کو ایک بار اشارہ بھی کیا تھا کہ میں کوئی چیز لے کر آؤں۔ وہ شاید مصلحت سے گفتگو چاہتا تھا لیکن میں چارلس کیلی کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ اس کی دوستی ناقابل اعتبار تھی اس لیے میں نے کھل کر بات کی تھی۔ مجھے یوں بھی دشمنوں کو زچہ کرنے میں شغف آتا تھا۔

”تم بہت ذہین ہوں۔“ چارلس کیلی کی سرواڑ بھر اچھی ”مگر مجھ کو کہہ دو کہ اس وقت سے ہے! میں اگر غصے میں آ جاؤں تو مجھے بوجھ کی طرح مسل کر رکھ دوں غرض تمہارے لیے اپنے دل کے گوشہ نرم پایا ہوں۔ میں ذہانت کا قدر دان ہوں اور تم ایک عورت ہونے کے باوجود ذہین ہو اس لیے یہ کار کم میرے لیے عجوبہ ہو۔ میں عجیب چرچہ میں نہ لپسند کرتا ہوں۔ آدمی میں عجیب چرچہ چیزوں تشاؤ دیکھاؤں۔“

میں رضیکہ کے ہاتھ میں اس سے گفتگو کرنا چاہتی تھی مگر وہ سے گریز کر رہا تھا۔ وہ غالباً اس مسئلے میں پہلے ہی کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ اسے یہ بات کس موقع پر کرنی ہے! میرے پاس ممبر کے ہوا کوئی نہیں تھا مگر رضوان مبرا کر کا۔

”مشرکی! تمہارا رضوان۔“ لڑکھاتے ہوئے آپ کے عجیب گھر کا نظارہ نہیں آئے، اس کے ہاتھ میں تو بہتر ہے۔“

اس نے طنز پر انداز میں مسکرا کر کہا۔ ”اگر آپ کو میرے عجیب سے کوئی دلچسپی نہیں تو پھر آپ تشرف لے جا سکتے ہیں۔ آپ

جہرے سے بھی کم از کم میزبان غلام تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا رضیہ
 پہلی کو کھڑے کر کے ساتھ ہی ختم ہو گئی؟ مگر چارلس کیلی کی آواز سے
 میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔
 "ہائو آج میں نکلتی ہوں۔ کی ضرورت نہیں ہے چارلس کیلی کہہ
 تھا۔ پہلی کو کھڑے کر دیا ہو گیا تھا مگر ہائٹ اور لڑکی دو دنوں پہنچ گئے۔
 میں رضیہ کو خوشامیاد نہیں آئی۔
 "آخر وہ ہے کہاں؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔
 چارلس کیلی میری جھنجھلاہٹ پر کھرا گیا، پھر لڑاؤ وہ ایسی جگہ ہے
 جہاں میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔
 میں نے اُس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا "کیا کوئی ایسی جگہ بھی
 ہے جہاں میں اس کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہوں؟ وہ ہاتھ جن کی پہنچ
 پکینگ تک ہو؟"
 "وہ جزیرہ جو غم نہ فلم میں دیکھا، ایک اہل حقیقت ہے۔"
 چارلس کیلی اس بار میرے طنز پر ہنسنے لگا۔ "وہ کہہ رہا تھا۔ اُس
 جزیرے کا ایک کبھی میرا دوست تھا اور شریک کار بھی ایک بلب
 مجھے اُس سے کد ہو گئی ہے۔ ایک سو سے کے درمیان اُس نے
 مجھے دھوکا دیا۔ بات تو سنا۔ یہ بھی تھی کہ وہ سب گیا۔ سو اذھورا
 رہ گیا۔ مجھے نقصان کی انتہی پروا نہیں تھی اپنی بات خراب ہونے
 کا رنج ہے۔ میں شکست کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ نا کامی سنا
 میرے پس ہے۔ باہر ہے۔ مجھے جب بھی کسی سے ٹک پہنچ
 میں نے اُس کا بدلہ ضرور لیا۔ پٹیر نے جو بھلی گھونسا مارا ہے میں اُس
 کی تکلیف آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ کچھ توقف کے بعد وہ پھر
 بولنے لگا۔ "پتیر مجھے اچھی طرح جانتا تھا اس لیے اُس نے مجھ سے
 بچنے کے لیے جزیرہ ایشیا ل ٹورگیا اور کو کھڑا کر لیا اور اس طرح وہ
 اپنی دولت میں میرے انتقام سے بچ گیا۔ وہ بلاشبہ جیتنے سے
 مگر اسی کے ساتھ ہی توقف بھی ہے۔ میں جس کے پیچھے چڑھاؤں اسے
 پاؤں میں ہی نہیں ہچکچاتا جب تک میں پیڑ کر پائے تھوں پر نہیں
 جھکاؤں گا، چپن سے نہیں بچوں گا۔"
 چند لمحوں کے لیے چارلس کیلی چھڑاؤں میں جوتاؤں! اٹھ اٹھا
 کر لڑی۔ "تم دو دنوں کے جھگڑے سے مجھے کیا مطلب؟ تم نے
 اس جھگڑے میں مجھے کیوں گھسیٹا؟"
 "پتیر کے جزیرے تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ اُس نے ایسے
 انتظامات کر لیے ہیں کہ وہاں پر بندہ نہیں مار سکتا۔ میں نے کچھ لوگوں کو
 بھیجا تھا کہ جزیرے پر پہنچ کر اسے بے بس کر لیں اور پھر کو میرے
 پاس لے آئیں مگر جزیرے کے خود کار دفاعی نظام کے سامنے ان کی

ایک نچلی۔ وہ ذہین اور باہر آدمی معلوم ہوتا ہے۔
 ملک جس سے ہم ایک بڑا سودا کر رہے تھے۔ وہ اس
 کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ سوداگر ہونے کے
 ہوئی تھی۔ میں نے اس ملک کو مشہور دیا کہ اگر ہر ملک
 نکالا جائے تو شاید وہ سودا کرنے پر آمادہ ہو جائے
 ایک محدود وقت کی خفیہ ریڈ ہوئی مگر کچھ دنوں
 کا انداز یا تو اسے گئے یا شاید زخمی حالت میں
 دفنامی نظام اس کا سیلاب ہے کہ ایسے عمدہ دفنامی نظام
 ملک سے سودا کیا جائے گا، وہ اپنے خزانے کا ٹکڑا کھانا
 پیڑ تنگ نہ جاتا۔ کیلی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے
 چارلس کیلی کی انٹوس کیل پر ہاتھ ڈالا اور میں
 اپنی کمال جس امرائیل منصوبے کے لیے نگرانی کر رہی
 کی تھی تو نہیں؟ وہ ملک جس سے کوئی بڑا سودا ہوا
 ہی سے؟ یہی سوچتے ہوئے میں نے چارلس کیلی
 کی بات پر کھنکھاتے ہوئے فرمایا۔
 "یہاں اُس نے جواب دیا۔ یہاں یہ
 فوج نہیں رکھ سکتا البتہ سیکورٹی کا ڈیوٹی بھرتی کر کے
 بس دس ہزار سیکورٹی گارڈز رکھے ہوئے ہیں۔
 ذکر کر رہا ہوں، وہ خود کار ہے۔ بعض دیکھ بھال
 کی ضرورت پڑتی ہے۔ دربار ساز نظام کی سپر وٹور
 کے وسط میں ایک چھوٹی سی مارت ہے جس کے
 سامنے نظام کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اُس تک کا
 وہاں بیٹھ کر وہ جزیرے کے ہر حصے پر نظر کرتا
 وہ اُس کے سامنے میں نہیں ہوتا تو اسے نظام کو
 "حکومت نے پیڑ کی حرکتوں پر کوئی اعتراض
 نہ درپا کرتا۔
 "میں حکومت نے اُسے کھلی جھپٹے سے رکھی
 خود اس سے سودا ہوتا ہے۔ چارلس کیلی نے تباہ
 سے حکومت کا تحفظ حاصل ہے۔"
 "اب یہ بتاؤ کہ کیا یہی ہیں کارس کا سامنا
 میں نے کسی قدر سختی سے کہا۔
 "مجھے پتہ چلے گا کہ ان کا سامنا میں نے جھنجھلا دیا تھا
 ہر کسی پر اسے ایسے لوگوں کے نام لگے جو ذہنی
 تھوڑے ہیں۔ میں نے اپنے والے ہوں اس کی پیڑ تنگ
 ایشیا ل ٹورگیا مگر نہ کرنے کی ممکنہ اہلیت رکھتے تھے۔

ٹیلی ویژن آن کر کے چارلس کیلی نے ریسور اٹھایا، پھر ریسور
 ہی میں بنے ہوئے خبروں میں سے چند کو دیا۔ ٹیلی ویژن کا اسکرین
 روشن ہو گیا۔ اسکرین پر ایک کمرے کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں
 ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز آ رہی تھی۔
 "یہ ٹیلیفون کی جدید ترین شکل ہے، چارلس کیلی نے کہا۔ جس
 طرح وہ دوسری طرف کا منظر دیکھ سکتے ہیں اس طرح وہیں بھی دوسری
 طرف دیکھا جاسکتا ہے۔ میں نے بیٹھ کر دیکھا۔ وہ شخص خود
 ابھی نظر آئے۔ فوٹو ویژن سے یہ رابطہ پرانی دوستی کی یاد گھر
 ہے جب ہم گھنٹوں ایک دوسرے سے بات کیا کرتے تھے۔
 "وہ دیکھو پتیر کیا گیا!"
 وہیں اسکرین پر ایک آدمی نظر آیا جو بلا تیار اور کمرہ ساز تھا لیکن
 اُس کے ہاتھ ہوئے جیسے جیسے وہی زبان سے اُتار دیتے تھے۔ اس
 نے جھجک کر ریسور اٹھایا۔ اب ہم اُس کی آواز بھی سن سکتے تھے۔
 اُس نے ہلکے کہا۔
 "پتیر! میں سی کے ہول رہا ہوں!"
 "میں دیکھ رہا ہوں۔ پتیر نے ٹرانسمیٹر بنا کر کہا۔ میں ابھی تک
 نہیں سمجھ سکا کہ ایک پاکستانی لڑکی کو تم نے یہاں کیوں بھیجا ہے!
 اس طرح تم کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟"
 "ضروری تو نہیں کہ ہر کام کا فائدہ کے لیے کیا جائے۔ خیر یہ بتاؤ
 کہ لڑکی کس حال میں ہے؟"
 "ٹھیک ہے خیر۔" میں اُس وقت تک واپس نہیں ملے گی
 جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ اُس کی واپسی میرے لیے کسی نقصان
 کا باعث نہیں ہوگی۔
 "کہا اُسے ایک نظر دیکھنا ممکن ہے؟ چارلس کیلی نے کہا۔
 پتیر نے ایک لمحے کو کھڑے ہوا۔ پھر لڑاؤ میں! مگر تم اس
 طرح کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔ یہ کہہ کر اُس نے ریسور۔ کد و دار
 قریب ہی دو دریا کے دوسرے ٹیلی ویژن کا ریسور اٹھایا۔ اُس نے ریسور
 پر کسی کو مخاطب کیا اور اُسے رضیہ کو وہاں لانے کی ہدایت دی۔ پھر ریسور
 رکھا کہ اُس نے چارلس کیلی سے رابطہ قائم کر کے کہا۔ "تم اپنی ذیلی حرکتوں
 سے باز آ جاؤ! مجھے زیادہ پریشان نہ کرو ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا۔"
 "آجائے غصہ! ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تم کیا کر سکتے ہو؟ چارلس
 کیلی ہرکا۔
 "پتیر تمہارے ساتھ کن لوگ رہیں؟" پتیر نے بات کا رخ بدلا۔
 "لڑکی کے ہاتھ دار! چارلس کیلی نے جواب دیا۔ شاید وہ کچھ اور
 بھی کہتا ہو گا اسی وقت اسکرین پر کچھ اور لوگ بھی نظر آئے جن کے چہرے

میں نے آنکھیں کھولیں تو میری نظر چارلس کیلی پر پڑی۔ اُس کے

چارس کیلی کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ بھی مسکرایا اور کہا
 لہجے میں بولا "عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ تم یہی فیصلہ
 تمہیں اپنی طرف سے پورا یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کب نہ
 ہر ممکن مدد کروں گا۔ وہ سن تم استعمال کرو گی اور ذرا

ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مریح اور کھسار کو
 ہر کسی کی جانی ہے تاکہ اگر کبھی بھی اُن کھانوں سے
 لیں۔ یہ بھول عام طور سے جنگلے پڑتے ہیں اُس
 بلبل جندوستانوں سے زیادہ انگریز زبان کی سرپرستی

کرتے ہیں۔
 کھانے سے فراغت پکڑیں نے اور رضوان نے چارلس کیل سے
 رخصت چاہی۔
 رخصت ہوتے وقت چارلس کیل نے میرے اٹھ میں ایک نائل
 ستھادی لاد کر، بانو ایٹائل ٹوکے ہائے میں تمام ضروری مصلحتوں اس
 نائل سے تمیں حاصل ہو جائیں گی مگر اس نائل کا مطلقہ کرنے کے باوجود
 بھی تم مطمئن نہ ہو سکو اور تمہیں مزید کوئی بات معلوم کرنی ہو تو مجھے
 فون کر دینا۔ میں اپنے کیریئر اینڈ نو کو فون کر اٹھا تب اسے پان بیج دول
 لگا۔ وہ بہت تیز آدمی ہے اور مصلحتوں حاصل کرنے میں تو وہ ماہر ہے۔
 اگر تم ایٹائل ٹوکے نسو کے لیے کوئی عمل طے کر لو اور مناسب سمجھو تو
 اس مجھے بھی آگاہ کر دینا۔ میں تمہیں ایک بار بھی ملحقین دلاتا ہوں کہ
 تمہیں جوئے بھی دیکر ہوگی، وہ فوراً تمہیں کر دی جائے گی۔ میری ارا
 اسکو اور اس لئے کہ استعمال کرنے والے مقررین سے ہے۔
 ”شکر ہے“ میں نے جواب میں کہا کہ مجھے کسی چیز کی واقعی ضرورت
 پیش آتی تو میں تمہیں ضرور مطلع کروں گی۔
 ”میری گزارش ہے کہ اگر تم اور ستھادی اسمی لنڈ کے بہترین ہوٹل
 سیولرٹس میں قیام کریں۔ ہوٹل کے تمام اخراجات میں لوگوں کا۔ پانچس کیلی
 نے چیکش کی۔
 ”نہیں“ میں بولی۔ ”میں والدہ رائل میں ٹھہری ہوں ورنہ چاہتی
 تو سیولرٹس میں بھی ٹھہر سکتی تھی۔
 ”تمہاری مرضی؟“ وہ خوش اخلاقی سے بولا۔ ”میں رائل میں قیام کا
 سبب نہیں پوچھوں گا۔“
 چارلس کیلی سے رخصت ہو کر، اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔
 ”اب کیا رائے ہیں بانو؟“ رضوان نے کمرہ نشست میں موجود
 ایک مہرے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
 ”فی الحال تو میں اس نائل کا مطلقہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے
 اپنے اٹھ میں موجود نائل کو ادھر بٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ ”اُس
 دولٹن میں تم یہ کوشش کرو کہ کسی طرح ایٹائل ٹوکے پر موجود پیر سے
 بات کی جا سکے۔ میں اس سے رضی کی خریدت معلوم کرنا چاہتی ہوں
 اور اس سے بھی پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیا چاہتا ہے اور رضیہ
 کو اپنے ساتھ جزیہ پر کیوں لے گئے ہوئے ہے؟“ یہ کمرہ نشین بھی
 رضوان کے قریب مہرے پر بیٹھ کر نائل کی دولٹ گردانی کرنے لگی۔
 ”ہو سکتا ہے اس نائل میں پیر کا فون نمبر درج ہو“
 رضوان نے کہا۔
 ”مکن ہے؟“ میں بولی۔ ”مگر مجھے اس کی آمد نہیں سے میر

سے واقف نہیں ہو تھیں غالباً چارلس کیلی نے یہ نہیں بتایا کہ ترو بہترین اسٹریٹیجی ایجنٹ ایٹال ٹوکی دلدلوں میں موت کی غیند سوچنے میں اصرار جو دو تین یہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں ان کے حواس آج تک درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔ "مشرطہ پڑا" میں اُس کے خاموش ہوتے ہی جلدی سے بولی۔ "مجھے اسرائیلی اینجنیئروں سے کوئی جھڑپی نہیں، نہ میں نے چارلس کیلی کی چیکش اپ تک قبول کی ہے اور یہ بھی درست نہیں کریں آپ کے خلاف جوں میں صرف اپنی بہن کی تلاش میں لائن آئی ہوں۔ آپ رضیے کو برا کریں، میں اس جھگڑے میں نہیں چڑوں گی اور فوراً اپنے ملک واپس چلی جاؤں گی۔"

"ٹوکی! میں جھوٹ نہیں بولتا۔ پٹر بزم ہو گیا۔ میں تمہاری بہن سے قطعی واقف نہیں ساگر تم اس بہانے مجھ سے منہ پائی ہو تو یاد رکھو کہ کسی کس سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہاری چالوں میں نہیں آؤں گا اور تمہیں ایٹال ٹوپر پر گزند نہیں کئے دوں گا۔ اگر تم نے ایٹال ٹوٹسک پہنچا چاہا تو اپنی موت کی فتنے وار خود ہو گی چارلس کیلی سے کہو کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہہ سکتی، پٹر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے بھی یہ سوچ کر ٹل پڑ کر دیا۔

"کیا ہوا؟" رضوان نے قیاتی سے پوچھا۔

"پٹر نے رضیکے پاس سے اپنی مکمل لاطینی کا انکار کر لیا ہے۔"

میں نے جواب دیا۔

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ رضوان طیش سے عالم میں بولا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے مگر اُس کے جھوٹ بولنے کی کوئی ٹنگی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"مگر ہم نے تو خود اپنی آنکھوں سے رضیکے ساتھ دیکھا ہے۔"

"اسکا یہ بھی تو ہے کہ چارلس کیلی نے ہمیں کسی طرح دھوکا دینا چاہا۔ یہ نہ سمجھو کہ چارلس کیلی ایک شیطان ذہن کا مالک ہے اور اس بات کو بھی نہ جان میں ہوسکے کہ آج کی دنیا میں عورتی نظری دھوکے دینا بہت آسان ہو گیا ہے۔ میں نے کہا۔

"تو پھر دوبارہ چارلس کیلی سے کیوں نہ مل جائے؟" رضوان نے تجویز پیش کی۔

"ایسا کیا جاسکتا ہے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایٹال ٹوپر رضیکے موجودگی کا کوئی واضح ثبوت حاصل کیے بغیر میں وہاں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"مشکک ہے، میں چارلس کیلی کا فون نہ بولتا ہوں۔ یہ کہہ کر رضوان نے

ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

چارلس کیلی اُس وقت اپنے کاپرٹل سیکرٹری جان باندیو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "دوسری طرف چارلس کیلی۔"

دوسری طرف چارلس کیلی بولا۔ "ہاتھ رکھ کر بتایا۔"

میں نے رضوان کے ہاتھ سے اسے روک دیا۔

"ٹوکی! دوسری جانب سے ہمارے ملک میں بولی ہو رہی ہے۔"

"یہ تمہیں بتاتا۔"

"میں تو بولی ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم نے مجھے گھر پر فون کیا ہے؟"

سکتا ہوں کہ یقیناً کوئی نہ کوئی خاص بات خاموش رہ کر بولا۔

"نکلا ہے؟" میں نے کہہ کر صبر کیا۔

کر مجھے لطف آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے تڑپ کر کہا۔

"میں نے تمہارے بہن شریک کا نام لیا ہے۔"

سے کہا۔

"کیا؟" اُس کے لیے سے شدید صدمہ ہوا۔

"اُن میں نے پٹر کی بات کی تھی۔"

اپنے الفاظ دہرائے۔ مجھے پھر ہاتھ پر بات آئی تھی۔ مجھے کسی لیے اُسے ذہنی طور پر کھینچ کر

جور ہی تھی۔

"مگر کیسے؟ تم نے اُس سے کہا کہ اسکا نام؟"

"ٹیلیفون پر؟" میں نے اُس کے سوال پر جواب دیا۔

"حیرت ہے کہ تمہیں اُس کا فون نمبر کمال نمبر ٹیلیفون ڈائریکٹری میں تو موجود نہیں ہے۔"

اب تک حیرت محض تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ میں نے اُس کا فون نمبر پٹر مجھے خود بھی تو فون کر سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں؟"

چارلس کیلی خاموش رہا جیسے اُسے اس بات پر غور ہو رہا ہو۔

"میں نے تم کو موجود ہو؟" میں نے تڑپ کر

میں نے یہ سوچ کر کہ رضوان کو اُسٹے کا اشارہ کیا۔ وہ میری گفتگو پوری تو سمجھ سے سن رہا تھا اس لیے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

غائبی طلب کرنے میں دیر لگتی اس لیے میں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ ریجنٹ اسٹریٹ تک پہنچنے میں چندہ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔

میں نے اپنی خواہ گاہ میں جا کر جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ میں خواہ گاہ سے باہر آئی تو رضوان میرا منتظر تھا۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ ہی میں چارلس کیلی کے دفتر پہنچ گئے مگر وہ ہم سے بھی پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ مہاراجا استقبال اُس کے ریسرپس سیکرٹری جان باندیو نے کیا۔ اینڈرلو نے نہیں فوراً ہی چارلس کیلی تک پہنچا دیا۔ وہ اُسی کمرے میں تھا جہاں اُس نے پہلے فوٹو ڈرین پر رضیہ کو ہمیں دکھایا تھا۔ پٹر سے بات کی تھی۔ وہ اُس وقت فوٹو ڈرین پر بیٹھنے سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔

اُس نے کمرے میں ہماری موجودگی کو محسوس کر کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے سرے سے فوٹو ڈرین کے ڈائل کو گھما کر لگا۔

اس حرکت سے سلسلہ طویل اندر دشمن اسکرین پر پٹر کے کمرے کی تصویر اُبھر آئی۔ پٹر فوٹو ڈرین کے پاس ہی کرسی ڈالے بیٹھا ہوا کسی رمالے کا مطالعہ کر رہا تھا۔

"ہیلو پٹر! چارلس کیلی نے تیرا آواز میں پٹر کو مخاطب کیا۔

پٹر نے نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا۔ پھر جواباً ہیلو کیا۔

"یہ تم نے صبح بامو سے کیا تھا کہ رضیہ تمہارے پاس نہیں ہے؟"

چارلس کیلی کے لیے میں غصہ تھا۔

"تو کیا میں نے غلط کہا تھا؟" پٹر نے لا پرواہی سے جواب دیا۔

"یہ نہ سمجھو کہ رضیہ کو تمہارے ساتھ یہ قانون خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں۔"

"تو پھر ان قانون نے میری بات کا یقین کیوں کر لیا کہ رضیہ میرے پاس نہیں ہے؟" پٹر کا انداز چڑا دینے کا تھا۔

"دیکھو پٹر! رضیہ کو تیرے گھنے سے ہمیں کوئی ناگہ نہیں ہو گا۔"

چارلس کیلی بولا۔

"تمہیں اُسے یہاں بھیج کر کیا ناگہ ہوا؟"

"تمہارا خیال ہے؟" مجھے ایسا کہنے سے کیا ناگہ ہو سکتا ہے؟

"اگر یہ بات میری سمجھ میں آجائی تو میں اب تک کوئی فیصلہ کرچکا ہوتا۔"

پٹر نے کہا۔

"کیا فیصلہ؟" چارلس کیلی نے اُسے گریزاں کیا۔

"یہی کہ اُس ٹوکی کا کیا کیا جائے؟ اُس کا چارہ ڈالا جائے یا سماں

بنکار خاطر قرائت کی جائے اور اسے ایسا لڑکی میرا کہے کہ تعالیٰ پس بیجا
 دیا جائے۔ ”پیر کا لہجہ مستحضر تھا۔
 معاشق نے جاس کی لڑائی پر پیش گوئی مروت کی کی دوسرے طریقہ
 کیا تم رضیے میری بات اس کے جوہر“
 چیتھڑ نے خاموش رہ کر غائب میری بات پر غور کیا، پھر انکا یہ الفاظ
 میں سر ہاتھ ابولا، بزرگ نہیں، لیکن ہے کہ اس طرح جو کئی نقصان
 پہنچ جائے۔“

اُس سے کیا کیا ہوگا کہ وہ یوں ایک آدمی میں نہ دھجکتے ہوئے دل سے زور ہوگئی تھی اور اُس کے چہرے پر بھی "کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟" جواب میں رضیہ کے مونٹ ہلے میں نے اندازہ لگایا کہ اُس نے انبات "رضیہ! میں تمھاری آواز نہیں سن سکتی میری بات کا جواب سر ہلا کر اٹھتے رہی ہوں۔ کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟" رضیہ نے انبات میں سر ہلا دیا۔ آواز سن رہی تھی۔

"رضیہ! کیا تم خبردار ہو؟" رضیہ نے عجب انبات میں سر ہلا دیا۔ "کیا تم میرے کورڈ کیڈکٹ ہو؟" میں نے رضیہ نے سر ہلا کر انبات میں ہاتھ "کیا تم ایٹل ٹور پر ہو؟" میں نے بھی تھی جن کے جواب حرف "ہاں یا نہیں" اس ہادیں نے غصے کی کہ رضیہ کے میں اُس کی مشکل گنجھی۔ رضیہ کے لیے غامض وہ صرف اپنے سر کی حرکت سے نہیں پتا ہوتی تھی ناظران! وہ یقیناً اُس جگہ سے نکلی کہ کسی جزیرے پر ہو؟" میں نے یہ کہا۔

رضیہ کے جواب انبات میں تھا۔ "تمہیں جزیرے کا نام نہیں معلوم؟" رضیہ نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"کیا تم پہلی کو چڑھیں لندن کی سیر؟" رضیہ نے انبات میں سر کو حرکت میرا اٹھا سوال احمق سا تھا مجھے وہ پہلی کو چڑھ کر پیش آنے والے واقعے کے لیکن اُسی وقت نو فورٹن کا منظر بدل گیا کہ کاڈرونی تھو نظر آ رہا تھا اور اب متنی جو نو فورٹن کے بالکل قریب کھڑا جگہ پہنچ چکا تھا۔

[illegible]

کچھ سوچتے ہوئے تھا۔
 ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ایشیا ٹورسٹس سے نئے جاؤ گے، جیڈ کی
 بولا: ”یقیناً ہمارے بیٹے کی مرضی کے خلاف ایشیا ٹورسٹس کو کرنا واقعی
 خطرناک کام ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ انھیں خطرات سے شوق ہے۔“
 ”تم نے غلط نہیں سنا،“ یہ کہہ کر میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ رضوان نے
 بھی میری تقلید کیا۔
 چارلس کیلی ہمارے ہمراہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
 ”تم شاید اسے اس کے کوجھ نظر کرنا نہیں چاہتیں، مگر ہماری مرضی!
 بس اسے یاد دلاتے کہ اگر وہ جی کرے، اسے ہاؤس چاکے کرنا۔ اگر کسی بھی طرح کی
 مدد درکار ہو تو فوراً مجھ سے رابطہ قائم کر کے بتا دینا۔ میں ہر وقت اور
 ہر ممکن مدد کے لیے حاضر ہوں۔“
 میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور مسلسل آگے بڑھی
 رہی۔ دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں رکی، پھر میرے اور
 چارلس کیلی کے درمیان خصوصی کال کا تبادلہ ہوا۔ درمیان اس کے ختم
 سے باہر آگئی۔
 ریکسٹ اسٹریٹ پر قدم رکھتے ہوئے رضوان نے مجھے قلمب کیا۔
 ”اب کاشاں ہے یہ کیا ہیں؟ میرے گھر لایا ہی ہوگی؟“
 ”گنا اور ایسا ہی ہے۔“ میں نے رضوان کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے
 جواب دیا۔ کیلی ایشیا ٹورسٹس کی طرف کا جائزہ لینا ہوگا، اس کے بعد ہی آٹھ
 کے لیے کوئی اسٹو مل مرتب کیا جاسکتا ہے۔
 اپنے بول کی طرف لوٹتے ہوئے ہم نے کچھ دیر اسٹریٹ اسٹریٹ
 پر سڑکی کشام ہو جی تھی اور آسٹورڈ اسٹریٹ رنگ برنگی روشتنیوں
 سے گنگا رہی تھی۔ دوکانیں دن سے بھی زیادہ بارونق نظر آرہی تھیں۔
 دوکانوں پر گاؤں کا حجم اپنے شباب پر تھا۔
 آسٹورڈ اسٹریٹ سے اپنے بول پر پہنچ کر ہم نے رات کا کھانا
 جلدی کھایا اور جلد اپنے گھر پہنچ گئے۔
 سونے سے پہلے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ صبح سویرے ہی
 رضوان کو ساتھ لے کر ایشیا ٹورسٹس کو لے دوں گی۔ میں اس جرم سے کا جائزہ
 بھی لینا چاہتی تھی اور اس پر قدم جانے کے لیے میرے ذہن میں جو
 ترکیب آرہی تھی اس کی تفصیلات بھی طے کر لینا چاہتی تھی۔
 یہ بات نوٹ تھی کہ جرم سے پرہیز اور رکی تھا۔ پیڑ کو نقصان
 پہنچانے کا یہ کہ کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں اس سے دل کرے یہ یقین دلانا
 چاہتی تھی کہ میرا بیڑہ اس کے یا اس کے دشمن چارلس کیل سے کوئی
 تعلق نہیں تھا۔ چارلس کیلی نے میں اپنے ذاتی جھگڑے میں خواہ مخواہ

سید کیا تھا جسے بہن ممتاز اس کی والدہ پر جو بڑا ہوا تھا سسر
سمجھانے میں کامیاب ہوئی تو وہ دیکھ کر میرے حوالے کرنے پر آمادہ
ہو جانے لگا۔

میرے ذہن میں یہ خیال بر جا کر چکا تھا کہ میرے بیٹے چارلس کیلیا
اُس کے حوالوں کی رسائی اسرائیل کے لیے نفعت بخش اور نسلطینوں کے
لیے موت کا پیمانہ ثابت ہو سکتی تھی۔ نسلطینوں کو نقصان پہنچانا مجھے
بہرگز قبول نہیں تھا لیکن یہ بھی بعضی امر تھا کہ وہ میرے لیے بیٹے
رسائی حاصل کرنا بہت ضروری تھا میرے لیے یہ کہ کارلازمی متحاکم میں
یہ کام اسرائیل کے لیے نہایت اہم تھا کہ اس کی اور اُس کے حوالے دیکھتے ہی
وہ جاہل اور میں اپنا کام کھاؤں۔

اگلے دن صبح میں نے رضوان کو ساتھ لیا اور گرین ہس پکڑ کر
ساؤتھ انڈی طرف روانہ ہوئی۔ ایٹال ٹوکے قریب واحد وی ٹریج گاہ
واقع تھی۔ وہاں سے لاپچ کے ذریعے ایٹال ٹوکے پہنچا ممکن تھا۔
ایٹال ٹوپر موجود ملازمین اور محافظین وہیں سے ضروری سامان خریدتے
تھے۔ ضروریات زندگی کی اشیاء وہیں سے ایٹال ٹوپر جاتی تھیں۔
سامان کی خریداری کے لیے جو موٹر بوس ایٹال ٹوپر سے وہاں آتی تھیں،
اُن کے ناپاک پس کیلی کی دی ہوئی ناکل سے عوام ہوتے تھے۔ ساؤتھ انڈ
پر ٹرک کرچھے اور وقت تک انتظار کرتا تھا جب تک کہ وہ ایٹال ٹوپر
سے کوئی موٹر بوس لاپچ نہ پہنچے میرے ذہن میں ایک منصوبے کے
دھندلے دھندلے سے خاکے تھے۔ اُس منصوبے پر عمل کر کے میں شاید
ایٹال ٹوکے پہنچ سکتی تھی۔ یہ منصوبہ کیونکہ دوسرے ذہن میں پوری طرح
 واضح نہیں تھا اس لیے ابھی میں نے رضوان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں
نے اُس سے بالکل صرف اتنا کہا تھا کہ میں ایٹال ٹوپر سے قریب ترین
جگہ تک پہنچنا چاہتی ہوں، پھر اُس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔

ایٹال ٹوپر بلا منت انتظار کرنے والوں میں دو عورتیں بھی شامل
تھیں۔ یہاں میں سے کسی ایک عورت کی جگہ لینا چاہتی تھی۔ میں نے
سوچا تھا کہ ان دونوں میں سے جو بھی اُٹھ اُٹھائے اس پر قابو پا کر ایٹال ٹوپر
تک جا پہنچوں۔ اُس عورت کے ساتھ جو مرد ہوتا اُس کی جگہ رضوان لے
سکتا تھا۔ اس طرح میں اور رضوان جیسے کے اُس جتنے تک تو کارڈم
پہنچ جاتے جہاں ان دونوں کی ڈوٹی ہوتی۔ عورتیں کیونکہ جبر کی ذاتی
خامیوں کی حیثیت رکھتی تھیں اس لیے میرے بیٹے کو کچھ بھی آسمان
طریقہ نظر آتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں تھا اور مجھے اس کا پوری
طرح اس کی سختی سے عورت یا مرد پر کہاں اور کس طرح قابو پایا جاسکے گا
اُس کے بعد مجھے کیا قدم لینی طرز پر رہنا پڑے گا۔ اس کے باوجود میں
قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا اس لیے وہ منصوبہ فیصلہ کن

میرے کہنا سے جوئے منصوبے کے طرز
تھی۔ پہلی بات تو یہی تھی کہ ایٹال ٹوپر سے وہاں
لاپچ کب دہاں پہنچے گی، اس کے بارے میں کچھ
مجھے بھی ہو سکتے تھے اور چند دن بھی! اس کے
دلوں پر قابو پانے کا مسئلہ تھا اُس کے بعد ان کے
مقاہد میں توجہ کی حامل میں کیا جاسکتا تھا اور
حاصل کرنا بہت اجنبی تھی۔ اُنسی ملوہا
رضوان ایٹال ٹوپر تک کہہ سکتے تھے۔

بہارہ کیجے کے بعد ساؤتھ انڈ پہنچے۔ اُس
آسمان صاف تھا اور سورج چمک رہا تھا۔ ایسا
کے گرد و دلوں میں ہوتا ہے اس لیے ساؤتھ انڈ
پورا لاپچ مندریں نہانے والوں سے بھر گیا تھا۔

اگر میرے سر پر ہڈی کو چھلانے کی دھم
گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتی۔ وہاں سے
مجھے آسانی مل سکتے تھے اور میں زندگی سے پوری
ہو سکتی تھی مگر اُس وقت وہ موسم اور وہ نظام
تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ غالباً کچھ ایسی ہی
مجھے دھار تھا۔

اب وقت آگیا تھا کہ میں رضوان کو اپنے منہ
یہ سوچ کر میں نے ایک ریسٹوران کا رخ کیا۔ یوں ہی
کا وقت ہو گیا تھا۔

میں نے ریسٹوران میں پہنچ کر ایک کونے کی
بیکر کھا لیا تھا۔ ہوتے رضوان کو اپنے منصوبے سے آگاہ
رضوان نے میرے منصوبے سے پورا اتفاق کیا کہ
انتظار کرنے کی بجائے اُس نے ایک اور تجربہ پیش کیا۔
کہ پہلے ایک لاپچ کرانے پر حاصل کی جائے اور اُس
کا ایک بیکر لگا لیا جائے۔ اُس کی تجویز غریبی نہیں تھی اس
اُسے مان لیا۔

ساؤتھ انڈ کے لاپچ کب کی تمام موٹر لائینز اور دھار
حاصل کرچکے تھے اس لیے میں نے بائو میٹر لاپچ والوں
عام طور پر لاپچ نہ گھٹے دو گھنٹے کے لیے کرانے پر دی جاتی
کیونکہ بیکر لگانا تھا اور اس کے لیے زیادہ وقت دیا جاتا
میں نے غیر محدود وقت کے لیے بات کی۔ ایک لاپچ والا اپنی
پر آمادہ ہو کر اُس کی کچھ میں یہ بات نہ آتی کہ میں غریبی

میں تھا۔ میں نے اُسے آسمان والے کی خاطر
جبر سے۔ میں اُسے دیکھتا چاہتی ہوں اس
ہاں ہے۔ لیکن بے کچھ اور دوسرے سامنے کو
میں تھا۔

میں اور رضوان کو شک آئینہ نگاہ سے دیکھا۔ پھر
اس کوئی جبر نہ ہو نہیں ہے۔ آپ کسی بھی ایٹل
میں تھا۔

میں اور میرے عرف سے میں جلدی سے بولی۔
میں نے شاید اُس کا ذکر نہیں ہوگا۔ میرا نڈا بچانے
اُس کے بارے میں علم ہونا چاہیے کیونکہ تمنا
پہلے آدی دیکھائی دیتے ہوئے تھے تو گرد و دلوں کو

میں کہہ رہا تھا کہ وہاں سے کتنی دوسرے؟ لاپچ والے
ایٹال وہ اب کچھ کیجے جن انفر آئے گا تھا جس کا
میں تھا۔

اب میں نے جواب دیا یہاں سے اُس جبر سے
میں ہو گا۔ یہ بیکر کریں اُس کے جبر کے ہمارا دیا۔
میں سے واقف نہیں۔ لاپچ والے کا بچہ فیصلہ
میں نے یہ اپنی لاپچ کسی کو نہیں دیتا۔
میں سمجھا کہ نقصان سے وہ بچ کر چلائے والا تھا
میں سمجھا کہ اگر وہ نہیں گھٹے میں لوٹ آئیں گے

میں تو میں گھٹنے کے لیے بھی لاپچ نہیں دے سکتا۔

میں اگر کوئی لاپچ کرانے پر نہیں دینا چاہتے تو نہ دو
کرانی ہوں۔ میں نے پورا اعتماد لیجے میں کہا اور رضوان
کی بیوی تھی۔

میں تم ایسے چلے ہوں گے کہ لاپچ والے کی آواز سنائی

میں کہ گئے اور پھر اُس کے نزدیک دہلی پہنچ گئے۔

میں لاپچ والے نے کہا۔

میں نے نور دھار میں رہی۔

میں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا جو قریب ہی ہو رہا تھا۔
میں والا اُس سے مخاطب ہوا۔ تم انہیں لاپچ تک

میں نے اُسے جبر دہری طرف مڑ کر بولا۔ میں کسی ایک حصے
لاپچ پر بھیجتا ہوں جو گرد و دلوں سے بخوبی واقف ہے۔ اگر اُطراف میں
واقعی کوئی جزیرہ ہے تو وہ اب کو وہاں تک لے جائے گا۔
میں کچھ نہ بولی اور خاموشی سے لاپچ والے کے ساتھ ہی گئے۔
لاپچ والا۔ رضوان میرے ساتھ ساتھ ہی اُس سمنر سے باہر دے نوجوان
کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جسے لاپچ والے نے ہمارے ساتھ لیا تھا۔
"لاپچ والے کا مسلک کچھ مشکوک لگ رہا ہے۔ رضوان اُٹھے بڑھتے
ہوئے مدد گئے میں بولا۔ یہ جملہ اُس نے اردو میں ادا کیا تھا کہ کونسی
بالوں والا اُس کی بات نہ سمجھ سکے۔

"یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔ میں نے بھی اردو میں جواب دیا۔
"ایٹال ٹوکے کے ذریعہ کچھ لے چکے سا نظارے لگتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مڑنے
اپنی حفاظت کے خیال سے کچھ افراد میں ساؤتھ انڈ پر بھی چھوڑ دیے ہوں
تا کہ وہ لوگوں کو نظر رکھ سکیں۔ لاپچ والا اُس کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔
"میں نے اُس سے لاپچ کرانے پر کے غلطی تو نہیں کی؟ رضوان
کے بعد میں تشریف لے گئی۔

"کیا کامیاب ہو سکتا ہے؟" میں لا پڑا تو اسے بولی "خطرہ تو ہم پر
پیش آسکتا ہے۔"
لاپچ کے ڈرائیور سے میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیونکہ ہم دو
تھے اور وہ نہا! وہ بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔
لاپچ خدائی دہائی تھی۔ میں لاپچ تک پہنچنے زیادہ دیر نہیں ہوئی
تھی کہ اُس کا ڈرائیور بھی آگیا۔ اُس کی عمر چالیس سے زیادہ نہیں تھی اور
چہرے سے ظاہر کہ آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

میں نے جلد ہی ہماری لاپچ روانہ ہوئی اور اُسی وقت میں
ایک پہلی کوئیر کو نقصان پہنچ کر لگا ہے ہوئے دیکھا۔ رضوان کی نگاہ بھی
آسمان کی طرف اٹھ گئی۔

میں پہلی کوئیر کا کافی دیر سے بیکر لگا رہا ہے۔ رضوان نے آسمان کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ قریب آئے تو کب خدا اس پر سورج
حروف پر غور کیجئے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس سے پہلے ہی ایک پہلی کوئیر
پر یہی حرف دیکھ چکے ہیں۔

میں نے رضوان کی بات سن کر پہلی کوئیر کو غور سے دیکھا۔ اُٹھائی
نچی پرواز کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریب آیا تو اُس نے اُس پر ہتے ہوئے
سفید حروف اور مندر سے طرے۔ وہ مجھے بھی آشنا لگے۔ اور پھر
مجھے فراموش کیا کہ میں نے پہلے کہاں ایسے حروف و مندر سے کتنے ہوئے
دیکھے تھے۔ یہاں وہ دن اور مندر سے ہی جواں تھی کہ بچہ۔ یہ تیرہ جواں کیلی
تھیں ایک فلم میں دیکھا ہے تھے۔ اُس فلم میں مذہب کی پہلی کوئیر

میں نے رضوان کی بات سن کر پہلی کوئیر کو غور سے دیکھا۔ اُٹھائی
نچی پرواز کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریب آیا تو اُس نے اُس پر ہتے ہوئے
سفید حروف اور مندر سے طرے۔ وہ مجھے بھی آشنا لگے۔ اور پھر
مجھے فراموش کیا کہ میں نے پہلے کہاں ایسے حروف و مندر سے کتنے ہوئے
دیکھے تھے۔ یہاں وہ دن اور مندر سے ہی جواں تھی کہ بچہ۔ یہ تیرہ جواں کیلی
تھیں ایک فلم میں دیکھا ہے تھے۔ اُس فلم میں مذہب کی پہلی کوئیر

میں نے رضوان کی بات سن کر پہلی کوئیر کو غور سے دیکھا۔ اُٹھائی
نچی پرواز کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریب آیا تو اُس نے اُس پر ہتے ہوئے
سفید حروف اور مندر سے طرے۔ وہ مجھے بھی آشنا لگے۔ اور پھر
مجھے فراموش کیا کہ میں نے پہلے کہاں ایسے حروف و مندر سے کتنے ہوئے
دیکھے تھے۔ یہاں وہ دن اور مندر سے ہی جواں تھی کہ بچہ۔ یہ تیرہ جواں کیلی
تھیں ایک فلم میں دیکھا ہے تھے۔ اُس فلم میں مذہب کی پہلی کوئیر

سوار علی اندر اس جلی کو پھر کھادو پیش کیا تھا۔ نعم میں وہ جلی کو پٹر
 اٹھال نو پر گرا ہوا دیکھا گیا تھا۔ میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ ہندوؤں میں
 متھو اس فرقہ ضرور تھا۔

”یعنی یہ کہ جس کی کسی کے پاس ایک سے زیادہ جلی کو پٹر نہ
 میں نے رضوان سے کہا۔

”کیا یہ جلی کو پٹر ہماری نگرانی کر رہا ہے؟“ رضوان دلی زبان
 میں بولا۔

میں نے انبات میں سر ہلایا کہ جلی کو پٹر ایسا ہی نظر آتا تھا جہاں ہندو
 انڈے سے دور ہوتے جیسے تھے۔ میں نے فرار کو دیکھا تو جگہ کو دور داخل
 سے ایک لالچ اور دروازہ ہوتی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال آیا کہ وہ
 لالچ ہوتا ہے جیسے ہی آئے گی لیکن جب وہ لالچ تھوڑی دیر جاری
 سمت ہڑکے کے ایک طرف غومٹی تو میرے خیال کی تردید ہو گئی۔

اب جلی کو پٹر بھی ہم سے دور ہوتا تھا بلکہ ہر وہی محسوس ہوا
 تھا کہ وہ مادہ اندر برقی چیز نکلتا ہے گا۔

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی“ رضوان بولا۔

”ہیں اپنا انداز نہ کرنا بلکہ اسے گا“ میں نے تشویش آمیز لہجے
 میں کہا۔

جب دشمن کی جانب سے کوئی خلاف توقع حرکت ہوتی ہے تو
 مجھے تشویش لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہوتا ہے کہ دشمن
 توقع سے زیادہ ترادروا ہو گا۔ ہم نے تھنا آئے سمجھے میں غلطی کی
 ہے۔ ایسے دشمن سے کسی بھی لمحے نقصان پہنچ سکتا ہے میری مشورین
 کا سبب یہی تھا۔

ہم اوتھانڈے کافی دور نکل آئے تھے مگر اٹال ٹوکے آثار
 دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں لالچ کے ڈانڈور کی طرف بڑھی
 اور جب میں نے اس کے نزدیک جا کر سمت بتانے والے آؤ کو دیکھا تو
 مجھے غصہ آ گیا۔

”تم اس سمت نہیں جا رہے ہو میں نے تجھے بتائی تھی“ میں لالچ
 ڈانڈور پر برسر پڑی۔

”اوہ غلطی ہوئی“ لالچ ڈانڈور ہوتا ہے میں بولا۔ میں ابھی مرنے
 پر لے لیا ہوں۔

اس کے تو یہ باندھے نے مجھے قطعی متاثر نہیں کیا کہ یوں میں نے اس
 کی ہجوری آنکھوں میں شرارت نہایت دیکھی تھی۔ اس نے شایرنگ دھیل
 گم کر لالچ کا رخ تبدیل کر کے لالچ اب بھی اس سمت نہیں جا رہی تھی ہجور
 نے اسے حنا چاٹی تھی۔

”سمت اب بھی درست نہیں ہوئی“ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

”نہیں اب ٹھیک ہے نہ لالچ“
 جوب دیا اور اطمینان سے سلتے کی طرف
 پر وادہ ہو۔

رضوان بھی میرے قریب آ کر کھڑا
 کی نزاکت کو کچھ طرح سمجھ رہا تھا میں نے
 ملنے ہی وہ لالچ ڈانڈور کی طرف بڑھا۔ ہم دونوں
 لین چاہتے تھے لیکن وہ ہم سے راتا بلے پر
 رہا تھا۔ رضوان کی ذہنی آئے سے پہلے میں اس
 ایک ہاتھ سے اس نے شایرنگ دھیل سنبھال
 ہاتھ میں رول اور دھتے میں گھور رہا تھا۔

”یہ برطانیہ ہے یہاں تم ہیں اعلیٰ کے کسی
 جسے اطمینان سے بولی۔

”میں تم دونوں کو قتل کرنا بھی نہیں چاہتا“
 ”تو مجھے رول اور دھتے ہے۔ تم کوئی چال ہے کی
 میں نے کہا۔

”آؤ یاد کرو کیوں؟“ میں نے جلیج کیا۔ اٹال ہا
 فزورہ کر دینا چاہتا ہوں مگر اس تم دونوں کو قتل
 کر کے اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم مجھے کوئی
 میرے پاس رول اور کالاشن موجود ہے ہاں نہ
 ملا ہے جب تم خدمت درازی پر آ جاؤ گے
 میں نے رضوان کی جانب دیکھا۔ وہ کہہ رہا
 ہی اٹال سے کہنے تھا۔

”تم آہیں کہاں لے جا رہے ہو؟“ میں نے ہوا
 ”میرا ہاں سکون کے ساتھ تم سے چند راول
 اس نے جواب دیا۔

”تو کیا تم ہمیں اپنے پاس کے پاس لے جا رہے
 رہتا ہے؟“ میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا کہ فزورہ
 بخود حمل ہو رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے میں
 کا لفظ استعمال کیا تھا کہ پٹر کے سوا اور کوئی نہیں
 ”نہیں“ وہ بولا۔ ”میرے پاس کی اور شکاری
 دیران ساحل پر ہوئی“

”کیا ہمارے بعد ساؤتھ ڈسٹرے رولڈ ہونے والے
 باس ہی تھانہ؟“ میں نے سوال کیا۔

”خانا“ اس نے جواب دیا۔

میں نے کچھ گزرنے کا ارادہ ملوئی کر دیا اور رضوان

”اس سے بات کر ہی کی جائے۔ جتنا
 کے اتفاق کا اظہار کیا اور ایک طرف
 کے آگے تھی اسی اور اب میں جلی کو پٹر کے
 اور آگیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی میں
 ہاتھ پر وہ لالچ پنپنے والی تھی۔ ساحل قریب
 میں کچھ دور کھڑے ہوئے دیکھا۔ لالچ ساحل
 کے ساحل تک پہنچا لیکن نہیں تھا۔ اس
 میں دھس جاتی۔ وہاں لالچ کو ساحل تک
 تھی۔ وہاں دور دور تک ریت کے سوا کچھ
 نہ تھا۔ زیادہ دور تک جا بھی نہیں سکتی تھی
 ہر ایک تھا اور اس پر لڑائی ہوتی سرکنڈوں کی
 اور کاٹ کا باعث بن رہی تھیں۔ بظاہر وہ
 میں کسی بھی مشور کی آؤ اسانی سے جاتی تھی
 میں قریب ہی کوئی رستہ موجود تھا جس پر

”اسی دور میں لالچ کے قریب جا کر رک گئی۔
 ریت کی کین افراؤ تھے۔ رضوان ہی اپنے
 ہاتھ سے دھس نظر آ رہے تھے۔ لالچ ڈانڈور
 میں جانے کا اشارہ کیا۔ رول اور اب تک اس
 میں دیکھ کر سخت مایوس ہوئی کہ اس دور میں
 تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ تینوں مجھے اور رضوان
 کے گھر پٹر شاید کیں اور ہو گا۔

”اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم دور میں لالچ
 لے گئے پڑتے ہوئے رضوان کو چلنے کا اشارہ کیا۔
 اس کی جھوکو حال کے دھارے پر بھرنے دیں۔
 اس مار لے جائیں گے۔

”اور تیرے پاس اپنی لالچ میں اترتے دیکھ کر اٹھ
 اس کے قریب پہنچے تو ہمارے کچھ کہنے سے پہلے ہی
 اس کی تینوں کوں دھس لے رہے ہو؟“

”میں کہن رضیہ مشر پٹر کی امان ہے“ میں نے
 اس سے جواب دیا۔

”اس نے سختی سے کہا۔

”یہاں ہی بات کو بات کر سکتے ہو؟“ میں نے کہا۔
 ”مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس بات کا ثبوت پیش کروں؟“
 لالچ ڈانڈور نے جواب دیا پھر چند لمحے اپنی سی لالچوں سے میرے
 چہرے کا جائزہ لے کر دوبارہ بولا۔ ”مشر پٹر بہت نیک دل انسان ہیں۔
 انھوں نے مجھے دے داری پٹر کی ہے کہ اس کوں کو اٹال ٹوکے
 دور رکھنے کی کوشش کروں لیکن اگر اس کے باوجود بھی کوئی اٹال ٹوکے
 رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔ مشر پٹر لالچ سے مقصد
 موت سے دیکھ رہا ہے۔ انھوں نے اس لیے ہر ممکن احتیاط اور انرسی
 ہے کہ یہ مقصد یوں نہ ہو۔“

”اگر تم مشر پٹر سے رابطہ قائم کر سکو تو انھیں میری جانب سے یہ
 پیغام پہنچا دو کہ مجھے اٹال ٹوکے دور رکھنے کی صرف ایک ہی ضرورت
 ہے۔ وہ یہ کہ میری بہن کو ٹھیک پہنچا دیا جائے۔“ میں نے تیز لہجے میں کہا۔
 ”مشر پٹر کے پاس تمھاری بہن نہیں ہے“ لالچ ڈانڈور
 نے طے سے اعلان کیا۔

”تم یہ بات ریتے یقین سے کہیں کہہ سکتے ہو؟“ اس بار میری
 بجائے رضوان نے لالچ ڈانڈور کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”تم میں سے کوئی ایک مجھے بات کرو“ لالچ ڈانڈور درشت
 لہجے میں بولا۔

”رضوان! تم کچھ دیر صبر کرو!“ میں نے اس سے مدد میں کہا۔
 ”ممکن ہے کہ اس سے کوئی اہم بات معلوم ہو جائے، یہ کہہ کر میں لالچ
 ڈانڈور سے مخاطب ہوئی۔ میرا سچی اب خاموش رہے گا مگر اس نے
 جو سوال کیا ہے اس کا جواب میں بھی چاہوں گی۔ میرا ابھی چند منٹ
 ”میں نے جو کچھ کہا تھا کسی یقین ہی کے سبب کہا تھا“ لالچ
 ڈانڈور مجھے ہونے لہجے میں بولا۔ بہر حال تم لوگ اس یقین کا سبب
 حنا بنی چاہتے ہو تو سوچو کہ میرا چالی اٹال ٹوکے میری فائضوں کا گھرا ہے۔
 اگر جزیرے پر کوئی حملہ آئے تو وہ مجھے اس کی اطلاع ضرور دیتا
 ہے حالانکہ اسے شاذ ہی ہوتا ہے۔ وہ مجھے کل ہی مل گیا ہے مگر
 اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ مشر پٹر کے پاس کوئی لڑک امان ہے؟“

لالچ ڈانڈور کی بات میں وزن تھا۔ میں نے اس کے لہجے سے
 بھی اندازہ لگایا کہ وہ جوت نہیں لوں رہا۔ اگر حالات کچھ اور ہوتے تو شاید
 میں اس کی بات پر یقین کر لیتی لیکن رضیہ کو تو وہ دگر مشورین میں نے
 اپنی آنکھوں سے فوٹو لین اس کوں پر دیکھا تھا اور اس سے گفتگو کی تھی۔
 میں ایسی صورت میں ہی سوچ سکتی تھی کہ لالچ ڈانڈور ایک اچھا آدمی
 ہے۔ اسے جو کر دے تو یہ گیا ہے وہ اس کو رول کو بخوبی خیال رہا ہے۔
 میں نے چند لمحے توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔ اچھا تو مجھ پر اپنے پاس

کو میرا پیغا پہچان دے کہ وہ مجھے ملاقات کا موقع ضرور دے۔ میں تنہا ایٹال ٹور جانے کے لیے تیار ہوں۔

”یہ بھی ممکن نہیں!“ اس نے فوراً جواب دیا۔ مسٹر ہریکے سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنی بقیہ زندگی سکون سے گزار دینا چاہتے ہیں مگر اُن کا سابق شرک کار جارجس کی انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ تمہارے بارے میں تو میں ہر گز اس طرح کہ فاش نہیں کر سکتا۔

”میرے لیے میں خاص طور پر لیا کیوں؟“ ہمیں نے چونک کر پوچھا۔

”کیونکہ تمہارے ارادے اور گردوایسے لوگ موجود ہیں جو میرے ہم ایٹال ٹور پر غلام اور چونکے ہیں اور کافی جانی نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ چکے ہیں۔ میں ان حالات میں اس بات کا یقین کیسے کر سکتا ہوں کہ تمہارا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں!“

”میں ایٹال ٹور جانے کا ارادہ کر چکی ہوں اور مجھے کوئی میرے ارادے سے نہیں روک سکتا۔“ میں نے مضبوط طبع سے کہا۔

”اگر تمہارا ارادے سے باز نہ آئیں تو پھر تمہاری قبر ایٹال ٹور پر بنے گی۔“ لائیچ ڈلائیو نے ہر اعلیٰ اور جیسے ہوئے لہجے میں میری بات کا جواب دیا۔

یہ مسئلہ ہے۔ اس کا مقدمہ جنس امر
الانجیڈا ریجر پولیٹیکن ہے اس امر پر
ایٹل ٹو سے ورور رہنے ہیں انہما
بھی زیادہ ورور نہیں۔ تم لوگوں کو کوئی
اس کے علاوہ کوئی جگہ نہ تھا۔
کوئی دیکھا کہ ہٹی کو پڑنے میں ملک ہمارا
لٹا ڈر اور غلام خوش ہو گیا۔ آخر کا ہمارا
میں جیٹس تھی۔

میرے اور رضوان کے پاس اس امر
بات ملان لیں۔ ہم نے ایک دوسرے کا
بھی لمحے ہی الانجیڈے حقوق برائے حق
بھی سمجھی تھی۔ ہم جہاں تھیں بہت افسوس
جو لوں سے اوپر جا رہا۔

ہم رضوان سے جیسے کہا: "سے
دیگر سے وہی انجیڈ اسٹاٹ جوش الانجیڈ
ٹیس۔ شاہان کا رخ سادہ اندی کی طرف
اب بھی ان کی تھاکم ہرگز ہر جگہ
کرنے لیکن اس کی ضرورت نہیں آئی لیکن
خود میں تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے
وہ تین آدمی تھے جن میں سے دو کے
ایک خال خال غالی ہاتھ والے شخص کو میں نے
اُسے دیکھا کہ کوئی توجہ نہیں ہوا۔ مجھے رضوان
کے اثر نظر آئے۔ میں دو تھپوہاں اس کی آگ
ہی حال رضوان کا تھا اور وہ ضرور چوٹ لگا۔
وہ میرا شخص بن لیوہ بن تھا جو بوقت
میں اُسے اپنے ساتھ تھپوہاں تھپے ہر مادہ
نیت کا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ماسٹی انجیڈ
"محبب اتفاق ہے کہ ہمارا دوسری ملاقات
میں ہو رہا ہے۔" بن لیوہ بن فریڈن ہاتھ
میں نے اُس کا ہاتھ تھا لیا۔ اگر دین بھی
لھانے تو میرا کاد تھے کہ میں اُسے ہاوس
بن لیوہ بن تھا دوست بن لیوہ بن تھا
رہن تھا نہیں ٹھہرا تھا لیکن رضوان کے جوہر
مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں تک سے ملاقات
کا آغاز کرنا۔

کہ شاید اسی اس کی ضرورت نہ ہوئی۔

اس کے مالک کا نام تھا جس کی لانچ میں نے

موتب نے اپنی بات دویارہ شروع کی۔ بہتری

ہو۔ یہ پہلی بار تھی میرے ایک آدمی کو کہیں بھڑ

کر کہیں ہیں کہ جزیرے پر موجود ملازمین

اس کوئی؟

میں نے بنیعتوب کی بات میں دلچسپی

کا نام؟ بنیعتوب نے طول سانس لے لیا۔

سب جزیرے کے جنگی ہنگن ہوا۔ اسے جزیرے

یا بے گھر میں یہ تمام باتیں تفصیل سے بتانا

آپ میری باتیں سمجھ سکیں۔ آپ یہاں میرے

ہو کو اچال کو کی طرف لے جاؤں گا۔ آپ فضا

کی سانس کے بعد میں آپ کو اپنی راتیں گاہ پر

کا نام؟

اس میں کسی اس لیے میں نے اس کی پیش گوئی کر

لیا تھا۔ میں اس جگہ تک پہنچا جانا پڑا بنیعتوب

ٹھانیا اور مجھ کو رہا لٹ کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس

فرمان کے پیش نظر کہ جگہ تھی اس لیے بنیعتوب نے

مجھ کو رہا لٹ کی سیٹ پر بیٹھ کر آگے بڑھنے

پر مجھ کو رہا لٹ کے بعد مجھ کو رہا لٹ کے جزیرے کے آثار

سب سے پہلی کو پر اس جزیرے کے بالکل اوپر

دانی تھی۔

میں نے مزید قریب ہونے کا خطہ ہولنا میں چکا

میں اوپر چڑھی اوپر اس جزیرے پر چڑھ کر ڈال گا۔

میں نے خطہ کے ختم کار دفاعی نظام حرکتیں آ

جزیرے پر موجود لوگوں کی گولہ باری کا نشانہ بن جائے

لے جزیرے کے کئی چکر لگائے۔ اس نے کئی بار اپنی گولہ

بازی جزیرے کے بعض حصوں کی تھخیل بتائی۔ ان حصوں

کی تھخیل تھا کہ نہ کہ جانب سے اس ہائی س

نی تھی کہ نہ کہ اس طرف چلیں بلکہ ہائی س کی گولہ

اس۔ وہ چائیں اپنی تھخیل میں کہ ان پر گولہ باری

بن یعقوب نے مجھے پھر مخاطب کیا۔ بہارِ اخیال خاکِ اس سے تھک کر
دفاعی نظام بہتر نہیں ہو گا کیونکہ اس طرف سے جزیرے پر پہنچنے کے بارے
میں سرچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہی سوچ کر میں نے اپنی ایک بارنی کو اپنی کاپڑ
کی مدد سے پہرہ کی برائے تیار کیا لیکن جیسے ہی پہلی کاپڑ پہاڑیوں کی کوٹ
سے نکل کر دریا کا بند بواؤں پر سے گرنے لگا تو وہ دریا کی باری غصہ ہو گئی
اور وہ پہلی کاپڑ چھین کر منٹوں میں میرے آدمیوں سمیت تباہ ہو گیا۔ یہ کہہ
کر بن یعقوب خاموش ہو گیا۔ پہلی کاپڑ مہر پر لگے دریا اور بن یعقوب دریا
بولنے لگا۔ اُس نے جزیرے کے وسط میں بنی ہوئی ایک عمارت کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ اگر تم کسی طرح اس عمارت تک پہنچے میں کہایا۔
ہو جائیں تو میرے تمام جزیرہ جملہ سے مہم جوں ہو گا کیونکہ تو دریا دفاعی نظام
کا مرکز ہیں۔ اس نظام کا بیشتر حصہ پر زینت ہے تاکہ جزیرے پر گولہ باری
کی صورت میں اسے نقصان نہ پہنچ سکے۔
”آخر پتھر کی سدا کی نعمت اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ہمیں
نے سوال کیا۔
”اُس نے حکم کی صورت سے ایک سو دیا کیا تھا۔ اپنے دفاعی نظام کا
عملی مظاہرہ کرنے اور اُس کی ہمتی کا اظہار کرنے کی غرض سے اُس نے چھوٹے
پہاڑے پر اس جزیرے کو استعمال کیا تھا تاکہ وہ ہم سے مفصلہ رقم کے روضے
کی تحلیل کرے لیے راضی ہو سکے مگر نہ جانے ایک دو ماہ سے کیا ہو گا وہ دوسرے
سے خوف ہو گیا اور پھر جس قیمت پر ہم سے بات کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔
چالیس کیلے کا کتنا سے کہہ کر دے گا۔ اس سے پہنچنے میں کہایا ہو جائیں تو وہ
پتھر کو دبا دبا سو داغے پر مجبور کر دے گا۔
بن یعقوب کی بات سن کر میں جیڑ کے باہر سے میں سوچنے لگی۔ اُس کا
رد یہ میری کج فہم سے باہر تھا۔ آخر اُس نے ہر مسئلہ میں یہ کیوں نگاہ پھیر لی تھی؟
کیا اُس نے کسی عرب ملک سے خود اکر لیا تھا؟ میں نے سوچا لیکن اگر ایسا
ہوتا تو اس بات کا تمام اسلٹھریوں کو ضرور ہوتا تھا۔ میں جانتی تھی کہ اسٹیجس
کو امریکی اور یوگلاوی کاٹھیلی جنس کی حمایت حاصل تھی۔ ایسی صورت میں
کسی بھی معاہدے کو رائٹس و کھانا منسلک نہیں تھا۔ یہ کیوں نہ تھا جو پتھر
اچانک اپنے دماغ سے پھر گیا؟
ان تمام باتوں کے علاوہ میرے لیے یہ بات بھی اچھا دینے والی تھی کہ
پتھر، ایٹم اور برقیہ کی موجودگی سے انکار کرنا تھا جبکہ خود اسی نے فوڈیڈ
پر قریب سے میری سلامات کی تھی۔
پتھر کو کھنچنے کے لیے میری بہرہ رلی اُس سے ملاقات کرنا ضروری تھا،
چاہے ایشیا کو پر جاتا کنٹینیٹر کیوں نہ ہوا۔
جزیرے کا جنوبی حصہ دلی تھا۔ اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے بن یعقوب

حرارت اب بڑھنے لگے اور اس وقت تک بڑھتا رہا کہ جب تک سوزی کرنے والے کا دل دھوکا نہ ہے گا۔
پانچوں اور چھ سالہ لڑکیوں میں اس شخص کے کرب و لذت کو دکھایا گیا تھا۔ بڑی سے لطف کی کوشش میں لحد لحد موت سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اس شخص کی جینیں ریکارڈ بینس کی گئی تھیں لیکن یہ سالہ لڑکی کو محسوس کر سکتی تھی کہ مرنے سے پہلے وہ جیتا ہوا تھا۔
ساتھ اور انھوں نے لڑکیوں کو ڈرا کر دکھایا ہوا دکھایا گیا تھا۔
ٹرائل میں بدتمیز شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی جو بڑی طرح شرمگاہ تھی۔
مرنے والے کی کھلی ہوئی آنکھوں میں اتنا کرب تھا کہ اسے زیادہ دیر دیکھ کر نہیں تھا۔

انہی سالہ لڑکیوں کے ساتھ بن یعقوب کی کرب آمیز آواز اُبھر رہی تھی۔
"تصور لینے والے نے اپنے ساتھی کو بچا جانا تھا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ بڑی سے بڑی عذاب بھی ٹرائل کے دیکھنے کو نہیں توڑ سکتی تھی۔ وہ اس کے سوا اور کتا بھی لگا کر اپنے ساتھی کی آخری تصویر کھینچ لیتا۔ میں بن یعقوب شکم کھاتا ہوں کہ اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ، جزیہ سے کے باوجود کی اذیت ناک موت سے لوں گا یا اسی کوشش میں فنا ہو جائی گا۔"

اس کے بعد کمرے میں روشنی کر دی گئی، پر دھک پڑا کر دیا گیا اور کمرے کے پر سے کھینچ دیے گئے۔ بن یعقوب نے اپنے ساتھی سے کافی لانے کے لیے کہا، پھر مجھے بھی طلب کر کے بولا، "آپ نے یقیناً اندازہ لگایا ہو گا کہ دشمن کتابے رہے ہیں، ابھر ہم اپنے دشمنوں کے سب طرح رعایت برت سکتے ہیں۔"

"اس بات کو سننے دو کہ اگر اس سے لمبی بحث چھڑ جائے گی۔ میں نے جولا کہا، پھر اپنے گھر کی حفاظت کے لیے جو قدم بھی اٹھائے، اسے یقیناً اس کا حق ہے۔ خاص کرب وہ قدم قدم پر وار تک دیتا ہے کہ اس کے جزیہ سے یہ قدم نہ لگتا جائے۔"

بن یعقوب مجھے غور کر گیا۔

میں نے کچھ دیر بعد ہی رضوان بولا، "یہودیوں پر ہٹلر کے مظالم تو تم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ ہٹلر کی ناپوتوں کا بدلہ لوں سے لینا مناسب ہے؟ اس وقت امریکی عہدوں کے ساتھ جلیجی جی جی کر رہے ہیں۔ وہ عہدوں کے گھروں پر بڑی قدرتی قبضہ کر کے انھیں در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر نہیں بھاگے، ان کے ساتھ انتہائی غیر انسانی سلوک کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ ان پر بات بے بہت تشدد کیا جاتا ہے۔"

یہ اس طرح سے کہ اور اس وقت تک بڑھتا رہا کہ جب تک سوزی کرنے والے کا دل دھوکا نہ ہے گا۔
قیامت اور کرنی پڑے۔

میں نے دیکھا کہ بن یعقوب پر رضوان کی آخر میں ہوا۔ اس نے منہ بنا کر شروع میں کہا، "سب سے پہلے اس میں سب کچھ جان رہے۔"

چند لمحوں کے لیے بڑی ٹانگہ اور اہل ہوا۔
فضا پر مسلط ہو گئی، اسی دوران میں بن یعقوب کا آگیا اور اس طرح وہ ناگوار سکوت ٹوٹ گیا۔

بن یعقوب نے کافی کی پیالی میری طرف بڑھا۔
تقریباً ہر سمت سے ایٹال ٹوپر پھینکا کر رہا تھا اور
برطانوی حکومت کو اعتراض نہ ہوتا تو ہم بڑے کامیاب

زادوں سے ایٹال ٹوکے دنیا کی نظام کو آنا تھا۔
نظام کو درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔
پارا کر کیا کیا تھا، ایٹال ٹوکے کی فائزہ

میں۔ "میں بہت دلچسپ دیا مگر وہ کسی طرح میں
میں اب بھی کوششیں جاری ہیں شاید ہم کسی قسم میں
ملنے میں کامیاب ہو جائیں مگر یہ حال ہم پر یقیناً

نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ وہ تجویز ہم نے مان لی۔
سطح میں دنیا کے دو بہترین انجینئروں کے ساتھ
طور پر یقین میں تھا کہ اس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی

آنا ہے میں کوئی چیز جس میں سمجھا چاہوں لیکن کرب
اسی لیے میں نے اپنے وسائل سے مدد کی ہوئی تھی
کو ہم ہتھیار دی ہیں۔ وہ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم

نظام کو ناکام بنانے کا کوئی راستہ ہے تو میں اس
نکالوں گا۔
میں نے کافی کی پیالی اٹھا کر گھونٹ لینا شروع

نے کافی پینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا سب سے بڑا
پہلا مکرنا تھا کہ اسے اس طریقوں سے نفرت ہے۔
ہیش کہ وہ کوئی بے قول نہیں کر سکتا۔ رضوان ہر ذرا میں

میں نے دیکھا کہ بن یعقوب پر رضوان کی آخر میں ہوا۔ اس نے منہ بنا کر شروع میں کہا، "سب سے پہلے اس میں سب کچھ جان رہے۔"

چند لمحوں کے لیے بڑی ٹانگہ اور اہل ہوا۔
فضا پر مسلط ہو گئی، اسی دوران میں بن یعقوب کا آگیا اور اس طرح وہ ناگوار سکوت ٹوٹ گیا۔

بن یعقوب نے کافی کی پیالی میری طرف بڑھا۔
تقریباً ہر سمت سے ایٹال ٹوپر پھینکا کر رہا تھا اور
برطانوی حکومت کو اعتراض نہ ہوتا تو ہم بڑے کامیاب

زادوں سے ایٹال ٹوکے دنیا کی نظام کو آنا تھا۔
نظام کو درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔
پارا کر کیا کیا تھا، ایٹال ٹوکے کی فائزہ

میں۔ "میں بہت دلچسپ دیا مگر وہ کسی طرح میں
میں اب بھی کوششیں جاری ہیں شاید ہم کسی قسم میں
ملنے میں کامیاب ہو جائیں مگر یہ حال ہم پر یقیناً

نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ وہ تجویز ہم نے مان لی۔
سطح میں دنیا کے دو بہترین انجینئروں کے ساتھ
طور پر یقین میں تھا کہ اس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی

آنا ہے میں کوئی چیز جس میں سمجھا چاہوں لیکن کرب
اسی لیے میں نے اپنے وسائل سے مدد کی ہوئی تھی
کو ہم ہتھیار دی ہیں۔ وہ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم

نظام کو ناکام بنانے کا کوئی راستہ ہے تو میں اس
نکالوں گا۔
میں نے کافی کی پیالی اٹھا کر گھونٹ لینا شروع

نے کافی پینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا سب سے بڑا
پہلا مکرنا تھا کہ اسے اس طریقوں سے نفرت ہے۔
ہیش کہ وہ کوئی بے قول نہیں کر سکتا۔ رضوان ہر ذرا میں

نے کافی پینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا سب سے بڑا
پہلا مکرنا تھا کہ اسے اس طریقوں سے نفرت ہے۔
ہیش کہ وہ کوئی بے قول نہیں کر سکتا۔ رضوان ہر ذرا میں

رضوان کے ہنٹوں پر مسکراہٹ آگئی میرے چہرے سے وہ خوش ہوا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ سے کافی کی پیالی لی۔ اور پھر چیک لے لے لگا۔
چند لمحوں کے لیے خود کا رسو چلنے کی آوازیں سنائی دیں، پھر ایک ڈھمکائی چھا گئی۔
"چراغ کی آخری لو" میں نے کہا، اس نے کہا، "میں نے کہا، اس نے کہا۔"

بن یعقوب کا نام فکرم اور سالہ لڑکی کے کمرے سے چلایا۔
میں نے اپنی پیالی میں مزید کافی انڈلی اور آہستہ آہستہ چمکیاں لینے لگی۔
چند منٹ بعد پہلی کپڑے کے اڑنے کی آواز سنائی دی، اور پھر

کچھ دیر بعد ہی کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ چند لمحوں کے بعد
سے کوئی اندر نہیں آیا۔
"کوئی خطرہ نہیں ہے، اندر آ جاؤ!" میں نے جلدی سے بلند

آواز میں کہا۔
اندر آنے والے نے غالباً میری آواز میں کبھی احتیاط کے دامن کو
ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ چند لمحوں کے بعد پھر کوئی انتہائی تیزی سے کمرے

میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے ایک طرف تلا بازی کھائی، پھر لڑکھاکر
دوسری جانب گیا، اور پھر آہستہ آہستہ فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے
ایک ہاتھ میں چمکدار مچل والا چاقو اور دوسرے ہاتھ میں ایک ریلوے تھکا۔

"خبردار!" وہ تیز جھجھک میں بولا، "میں نے حرکت نہ کرنا!"
انگریزی میں کہے تھے۔
"یقیناً عرب تھا اور تربیت یافتہ اور کامیاب ہونا تھا۔"

اس کی طرف دوستانہ انداز میں ہاتھ ملا کر کہا، "مہم دوست ہیں۔"
"نہیں دوستوں کا یہاں اس بات میں کیا کام؟" فلسطینی نے
ظہر پہ پہنچے میں کہا۔

"دوست بہ حال دوست ہوتے ہیں یا بے وہ کہیں ہیں؟ مجھ سے
پہلے رضوان بولا تھا۔
"دشمنوں سے ملنے والے دوستوں پر ہم اعتبار نہیں کرتے، فلسطینی

بوتور تشویش مجھے میں بولا۔
"تمہارا لیڈر کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔
متحوری دیر میں سب کسی کمرے میں جمع ہوں گے اور ان میں ہمارا

لیڈر بھی ہوگا۔
فلسطینی نے غلط نہیں کہا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ سب وہیں جمع ہو گئے۔
لیکن کمال سب سے آخر میں آئی، اس نے مجھے دیکھا اور مسکرائی مگر

لگنے ملنے کے لیے کنگھنے لگی تھی۔

کمرے میں موجود چاروں کمریوں ایک ایک جانب رکھ دی گئیں۔ میں ڈھول اور ڈانٹیلین ان کے سر پر بیٹھ گئے۔ باقی تمام افراد جیسے جیسے قاتلین پر بیٹھ گئے، اور یوں وہ حالت لگی جس کے سامنے میری اور رضوان کی حیثیت بڑھ کر مل جاتی تھی۔ اس بات کا اندازہ مجھے دیر ہی میں ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے لیلیٰ نے کمرے سے ہرگز ہٹ کر میری طرف کی نظر کی جس میں اس نے میرا اور رضوان کا تعلق کر لیا۔ پھر لیلیٰ نے آج ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس میں خود ہر ایک کا بھی ہاتھ ہے۔ انھوں نے ہی مجھے یہ بات سمجھائی تھی کہ اگر کوئی سوچی سے اس کا کل پتا تو نہ لگا کر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ترکیب دوسرے سے کامیاب رہی۔ انٹیلیجنس ایجنسیز دوسرے ہلے لیکن انھیں اس سے دشمن کو پتا نہیں ہو جاتا ہے اور وقت اپنے پیمانے کی تیز رفتاری کر لیتا ہے۔ آج ہر ایک ایک دشمن کو ہلے سے ہلے کا علم ہوا، ہم آدھی جنگ جیت چکے۔ اس کے لیے۔۔۔

”لیلیٰ! میرے قریب بیٹھو جو میرے منسلطی نے اپنی بات کاٹ دی۔ یہ یقیناً کچھ ترکیب تھی لیکن فی الحال ہلے سے زیر غور۔ مسئلہ ہے۔۔۔“

لیلیٰ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”ہمارے جو دوست یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ان پر دشمن کی اعانت کا الزام ہے۔ میں ان سے درخواست کروں کہ وہ خود اپنی صفائی پیش کریں۔“

اس کے بعد لیلیٰ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ مجھے اس کے چہرے پر شدید بے چینی محسوس ہوتی تھی۔ غالباً وہ میرے اور رضوان کے لیے ہی فکر کر رہی تھی۔ میں نے ایک اس کی تشویش کا سبب سمجھ رہی تھی۔ اس کے ساتھیوں کی نظروں میں رضوان اور میں بڑھ چکے تھے۔ وہ میری کارروائی یقیناً لیلیٰ کے اصرار پر ترتیب دی گئی تھی۔ اس بات کا امکان بھی تھا کہ ان لوگوں میں لیلیٰ کے بہت سی بھی ہوں مگر کثرت ہلے خلاف ہی نظر آ رہی تھی۔ اسی صورت میں لیلیٰ کا کارندہ جتنا غلط ہو جاتا ہے، اُسے یہ خیال ہوگا کہ اگر ہم اپنے موقع کو صحیح طرح پیش کر کے اس کے ساتھیوں کو مطمئن کر کے نو فیصد ہمارے خلاف ہوگا۔ فیصلہ ہمارے خلاف ہونے کا سبب مطلب ہمارا موت ہی ہوتا۔

میں لیلیٰ کے بیٹھنے ہی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی میں نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا جن کے چہروں سے ان کی جرات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ میں نے سلیس عربی زبان میں انھیں مخاطب کیا۔ ”میرے ساتھی نے بن یعقوب کی بیٹی کو وہ کافی پیسے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے کافی کی بیالی میرے ہاتھ سے اس وقت لی جب میں نے انھیں یقین دلایا کہ یہ مال غنیمت ہے۔“

منسلطینوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ میرا بولی بولنا اور

بن یعقوب کی کافی کو مال غنیمت کہنا انھیں اب بھی شکوک و شبہات نظر آتے تھے۔

میں نے چند لمحوں کے وقف کے بعد پھر انھیں دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اگر میں اُسے چھڑانا چاہتی ہوں تو مجھے پیڑ پر قابو پانا ہوگا۔ ہمارے دشمنوں کی بڑا ہل انتہائی موثر تو کورڈناتی نظام کو ہیکار کے غیر مجبور کروں۔ دشمن یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہیکار کے غیر کے ہاتھوں ہم دفاعی نوعیت کا نشانہ بنیں گے تو ہم کو مار دینا کرنا کرنا ہے۔“

”پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

میں مطالبی کام کر رہی تھی کہ میری بہن کو سبر کر رہی تھی۔

”محترم! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کر سکتے کی طرف متوجہ کر لیتا۔ مجھے علم تھا کہ وہ کیا ہوگا، محض اپنی اگلی بات میں زور پر کرنے کے لیے کہ ”میں اپنے دو جوان بیٹے منسلطین کی آڑ میں ہوں۔ میں ایک بیٹی کو بھی میرا کمر لیا۔“

”لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کی کور میں چڑھ کر خود کار نشانہ بننا کارہ ثابت کرے گا۔“

پہنچوں گی۔ میں نے کہا۔

میرے سامنے بیٹھے ہوئے چند چوہے اور افراد نے غدار کی غدار کی کمرے سے نکالنے کی اپنی جگہ کھڑی ہوئی ان کے خاموش ہونے کا نشانہ مجھ سے پہلے منسلطین لیڈر نے فہرہ کر کے قدم سے زیادہ عزیز ہے؟“

”نہیں!“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”میں اپنی لیے پیڑ سے ملنا نہیں چاہتی اور یہ کوئی یقینی بات ہے۔ میں اب تک اس کی تیزی کا شکار ہوئی ہوں۔ میں اسے اس حد تک سمجھ چکی ہوں کہ اس کا نشانہ نہیں ہوں۔ میں پیڑ سے اپنے غیب بھائیوں کی پابندی ہوں۔“

”وہ کیسے؟“ اس بار لیلیٰ نے سوال کیا جو سارا

وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ان جانے سارے گریں اس سے نہ ملے تو دشمن اس تک کو آدھو بنائیں گے۔ آخر کوئی نہ کوئی ان کی شکل کو مارا جائے گا۔ میں اس کا کام انجام دوں۔ مجھے یہ ملنے میں کامیاب رہی تو اسے سمجھا سکوں گا۔ نظام غلط ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ اگر میں اپنے ہی ذمہ پر ایک شخص جو بن یعقوب کے سپرد ہے، اسے مارا جائے گا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں اسے زندہ آپ کی مرضی آپ کو فیصلہ کریں گے۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں ہر طرح آپ کی خدمت کے لیے ہوں۔ یا میرے ساتھی کے بارے میں یہ فیصلہ بھی میں اس کا تعلق کر دیا جائے تو میں قبول ہو گیا۔ یہ کہ میری اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

لیلیٰ نے کہا: ”میں اسے پہچان میں سے ایک نے ہے۔ یہ کہ میرے دو سبب تالیاں بجلنے لگیں۔“

تھے، انھیں دشمن قرار ہونے سے قبل شہید کر گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک مجاہد مزید عمر کے میں شہید ہوا ہے۔ اگر لوگوں کو یہاں لائش میں تو وہ حقیقت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اسرائیلیوں کو ہم میں قتل کر جائیں گے اور اپنے شہیدوں کی لائشیں ساتھ ساتھ جائیں گے تاکہ انھیں عزت و احترام سے ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا جاسکے تاکہ ہم نے اسرائیلیوں کی لائشیں دفن کریں تو پھر ہمارے لیے کوئی خطہ نہیں رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بن یعقوب خود لوگوں کو اس مسئلے میں ہرگز نہیں گھٹنے کھجے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کمرے والے اسرائیلی کاٹھوندتے اور یہاں ان کے ساتھی تھے تاؤنی طور پر وارد ہوئے تھے جس طرح ہم میں سے چند میاں آئے ہیں۔“

اس کے بعد بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اور رضوان بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکلے۔

ان لوگوں نے منظر پر لائشوں کی تدفین شروع کر دی۔ لیلیٰ کمال اور عمر لیڈر میرے اور رضوان کے ساتھ کھڑے رہے۔

”بن یعقوب کیسے پہچان کر لیا گیا؟“ میں نے لیلیٰ سے پوچھا۔

”اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے بہت سے ساتھیوں کو قربانی کا کر بڑا بنا دیا۔“ لیلیٰ کے ہمیں نفرت و حسد تھا تھی۔ اگر میں نہ اسے یہ اندیشہ ہوتا کہ وہ اپنی کورس میں کچھ کرنا ہو جائے گا تو ہم پہلے ہی لیلیٰ کو پھینک دیتے۔“

”غیر وہ غم لوگوں سے کب تک بچے گا؟“ میں نے مسکاکر کہا۔

”یقیناً!“ لیلیٰ کے ہمیں غم تھا، پھر میرا اُسے کچھ خیال آگیا اور لیلیٰ نے بانو کیا وہ جزیرہ واقعی آستانہ اپنا قابل خیر ہے جیسا کہ آپ کی گفتگو سے پتا چلتا ہے؟“

”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد میں لیلیٰ کو اس جزیرے کے متعلق ان معلومات سے آگاہ کرنے لگی جو مجھے حاصل ہوئی تھیں۔

”وہ جزیرہ واقعی کوئی ناقابل خیرہ قلعہ معلوم ہوتا ہے؟“ عمر لیڈر نے میری گفتگو سن کر تھہر کر کہا۔ وہ میری باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

”مجھے بالکل صحیح تو پورا پورا پورا پورا ہے۔ انھیں ضرور کامیابی ہو گی۔“ لیلیٰ کمال نے فرما دیا۔

”انشاء اللہ!“ عمر لیڈر بولا، پھر کہا: ”میرا خیال ہے کہ وہاں کے بہن کو اسرائیلی ایجنٹوں نے اسی لیے اس جزیرے پر پہنچایا ہے تاکہ وہ انھیں جزیرے سے تک جلتے ہوئے ہو کر رہیں!“

”آپ کا خیال قطعی درست ہے محترم!“ میں بولی۔ میں دشمنوں کے اس کھیل کی کچھ طرح سمجھ چکی ہوں لیکن میں نہ ہوں کہ خود اسرائیلی ایجنٹوں کے

نے وہاں تک نہیں پہنچایا ایک اس میں ایک اور شخص مڑتا ہے جو واقعہ طور پر اس حق میں ہے اسراہیلوں کو وہ موثر دفائی نظام مل جائے گا۔
 "اس شخص کی طبیعت کا کوئی سبب بھی ہوگا" معمر لبرڈ نے کہا۔
 "سبب مالی خفقت اور دوسرا سبب اس کی آنا" میں نے جواب دیا۔ پھر اسے چارلس کیل کے بارے میں بتانے لگی۔
 ان لوگوں کے درمیان مجھے اپنائیت کا احساس ہو رہا تھا۔ میں اور رضوان کافی دیر پہلی اسراہیلوں سے بے تعلقی کی نفسانیت گھٹو کہتے تھے۔ ہماری گھٹو کسی وقت ختم ہوئی جب پہلی کے ایک ساتھی نے ان کو بتایا کہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس نے بھی اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ جو اس مہر کے کشید ہو گئے تھے ان کی لاشیں بھی روانہ ہو چکی ہیں۔

اس کے بعد پہلی کی ہدایت پر اس کے ساتھی دو دو تین تین کے گروپ بنا کر عثارت سے نکلنے لگے۔ رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اس لیے ان کا وہاں سے نکلنا کسی قسم کے شنگ و شبیہ سے بالاتر تھا۔ جب پہلی کے تمام ساتھی عثارت سے چلے گئے تو لیلانہ معمر لبرڈ رضوان اور میں عثارت سے نکلے۔

عثارت سے نکل کر میں چند فرلانگ پیدل چلا پڑا پھر ہم ایک گاڑی تک پہنچ گئے۔ ہم بھی اس گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میں اور رضوان گاڑی کی پھیلی نشست پر بیٹھے تھے۔ معمر لبرڈ پہلی کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔ پہلی نے نشست پر بیٹھنے کی کار اشارت کر دی۔

"آپ کو کہاں جانا ہے بازو؟" میں نے کار آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
 "میرا ارادہ ہے کہ میں ساؤتھ انڈ کے کسی چوڑی رات ممبر کو روک دے۔ میں نے جواب دیا۔ میں یہ مزید ترے کے جنوبی ساحل پر اترنے کی کوشش کروں گی۔ میرا مقصد فی الحال محض جائزہ لینا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہاں کچھ پراپرٹوں کی مقرر کی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ان کی کیا حقیقت ہے۔"

"آپ کو یقیناً اس جزیرے تک پہنچنے کے لیے کسی لالچ یا دھڑلہ کی ضرورت ہوگی؟" لیلانہ پوچھی۔

"ہاں! میں نے جواب دیا۔ لالچ مناسب رہے گی لیکن جزیرے کے ساحل تک پہنچنے کے لیے آخری ایک یا دو فرلانگ میں تیز کر کے چلنا پڑے گا۔"

رضوان کو اس لیے اپنی ننگی کوئی کرنے اس ضمن میں اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایک دم بول اٹھا۔ بازو! آپ مجھے تو نہیں مہول کہیں؟ میں جیسا کہ اسراہیلوں کو کتا شکار دیکھنا چاہتا ہوں۔

"متم جھلاک بک مجھے تھما جائے دو دگے" متھلا نے بغیر وہاں کا خاک گھٹف آئے گا۔
 "مکن صبح آپ کو گول کے لیے لالچ کا پاؤں لگا دے گا۔" معمر لبرڈ نے ہماری جانب مڑتے ہوئے ہنسنے لگا۔
 "میں نے کہا اور وہ کہنے لگا۔" میں نے کہا اور وہ کہنے لگا۔
 میں بھی نہیں تھا کہ ایساں ڈکے سلسلے میں مجھے نا مہمل ہو جائے گی۔ یہ بات بھی طرح طرح جھوٹ کی کہیل سے میری ایساں ٹو کی جانب روانہ ہو گئی تھی۔
 نے راز داری کو فروغ نہیں دیا۔
 میں نے مجھے اور رضوان کو ساؤتھ انڈ کے دیا۔ پہلے بعد بھی کہم دونوں کسی جگہ ساتھ چلے۔
 وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہی جگہ گریں مانی تھی۔ وہ اس میں مکمل ذہنی اور جسمانی آرام کی تھی جو پہلی کی قربت میں ممکن نہیں تھا۔ پہلی کا کہنا گئے پر بھی کسی گستاخت۔

لیلانہ چوڑی تو رضوان نے مجھے شہنشاہی کا یہ بازو! آج آپ نے میں نے بہترین کر ڈال دیا۔
 میں نے بھی اس کے سے انداز میں جواب دیا۔
 تم غلط فہمی میں نہ آج رہے ہو یہی ہے سبب ہے؟

"سبب یہ کہ آج کی رات میں مکمل آرام کرنا ہے۔ اگر آج میں اس کی طبیعت علم ہی ہے کہ ہماری ہم کنی تھا۔ ہم رضوان اس کے بعد بخیر ہو گیا۔ ہم پہلی میں پہلی کے کوہ حاصل کرنا دشوار ثابت نہ ہوا۔ ہم نے مختصر سا کام کرنے کے لیے اپنے اپنے کدوں میں چلے گئے۔ پہلی نے اپنے کدوں میں سر ہلایا اور ہم نے آگے بڑھنا شروع کیا۔
 میں اور رضوان اولیٰ ہی گھنٹی گھاس سے ڈھکا ہوا قدم کیا۔
 اولیٰ علاقوں میں کثرت سے سانپ بھی دیکھے۔ ہم بھی نظر آجاتے ہیں مگر کافی دور چلنے کے باوجود فٹ سے مارا سا نہیں۔
 ہاں گزرتے ہوئے وقت میں دیکھ گیا میں ضرور اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ علاقہ تک رہا تھا۔

ہدایت کے مطابق لالچ دوڑانے لگا۔ تقریباً پانچ گھنٹے سفر کے بعد میں جزیرے کے اندر میں نے لالچ کا رخ توڑا ساتھ لیلانہ کیل جب مجھے جنوبی

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا فون ایک میل کی پیمائش گیا تھا۔ میں جھک کر میل کے زلفوں سے دراز محسوس کو پاؤں کے اوپر سے مٹانے لگی۔ اس دوران میں رضوان آگے بڑھ گیا۔
 میں سیدھی کھڑی ہوئی ہی تھی کہ مجھے رضوان کی پیچ منائی دی اور میرے اعصاب جھنجھٹا اٹھے۔ رضوان مجھ سے چند گز دور ہوں تھوڑا دھڑکتا جیسے اپنے حواس کو مہیا ہو۔ ایک سبز رنگ کی دھند آہستہ آہستہ کل کھاتی ہوئی اس کے ارد گرد پھیل دی تھی۔ بالکل لپٹا تھا جیسے کوئی پر لڑا ہو جو سبز رنگ کی صورت اختیار کر کے رضوان کو اپنے گھیرے میں لے رہا ہو۔
 "اوپر میرے خدا" میرے منہ سے بیاض نکل۔
 رضوان کی حالت دیکھ کر لیا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے ڈھیر ہو جائے گا۔

بہتر حال سر اور جو دیر ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا اور یہ جسم منسنی سی دور گئی۔ رضوان کی جان خطرے میں تھی اور اسے پکارتے کے لیے فوری کارروائی ضروری تھی مگر کیا کیا جا سکتا تھا؟ اس سبز نکلا سے بچاؤ کی کیا صورت ممکن تھی؟ آخر وہ پڑا سر ہلایا تھی کیا؟ چند لمحوں کے لیے میرا ذہن جھلک کر ہو گیا۔

میں نے زندگی بھر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے گریز نہیں کیا اور شاید اس لیے زندگی نے مجھے ہمیشہ خوش آمدید کہا۔ کسی بڑے خطرے کو سامنے دیکھ کر تجھ پر ایک سماجی کیفیت سی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ میرے ایک ایک میں جلیاں سی کو نہ گئے تھے یہاں اور میں نے کا پورا ہو جاتی ہوں۔ وہ مجھے ایسے ہی تھے۔ میں ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر انتہائی تیزی کے ساتھ رضوان کی طرف نکلی۔
 ابھی مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا کہ میں نے ایک تیز اور ناگوار محسوس کی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب میں نے اس پر اسرار نکلا کا مہمل کیا تھا۔

میں نے فوراً اپنا سانس روک دیا اور ایک ہی جھٹ میں رضوان کے قریب پہنچ گئی۔ اس لمحے رضوان کا جسم زمین پر گرنے لگا۔ وہ لپٹا تھا۔ میں نے اس کے گرتے ہوئے جسم کو اپنے بازوؤں میں پھنسا لیا، اور پھر دوسری ہاتھ اس کے پیچہ کا سارا پوچھ میرے کاندھے پر تھا۔
 میں نے گتے کاندھے پر ڈال لیا تھا۔ میں رضوان کو اپنے کاندھے پر ڈالنے ہی اتنی تیزی سے پہلی کھانا بند گئی کہ میں اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ نہ کیا ہو گا۔

میں نے آنکھیں میسری طرح سے جزیرے پر نہ کا فیصلہ پہل والی بڑی چھریاں ضرور ساتھ لائیں گے۔ رضوان



رضوان کو کاندھے پر بٹھائے ہوئے اس خدناک دلدلی علاقے میں دوڑنا ہنس کھیل نہیں تھا۔ میرا ایک غلط قدم بھی کسی دلدلی میں چھینس کر اذیت ناک موت کا باعث ہو سکتا تھا۔ مگر اس وقت میں موت سے قطعی خوفزدہ نہیں تھی۔ مجھ میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی تھی کہ مجھے رضوان کے جسم کا پورے قطعی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میرا کوئی قدم غلط نہیں پڑا۔ میں مدھمک کے اس جھنڈے سے نکلتے میں کامیاب ہو گئی۔

اب میرے پیرول کے نیچے نرم ریت تھی۔ میں نے رضوان کو اس ریت سے ریت پر ڈال دیا۔ پھر وہی اس کے قریب ہی دراز ہو گئی۔ کئی تیز دوڑنے کے سبب میرا سانس بڑی طرح پھولا ہوا تھا اور میرا دل بھی نفس کی نامہ داری کے سبب اتنا تیز دھڑک رہا تھا جیسے سیلاب توڑ کر باہر آ رہا ہو۔ کئی کیفیت دس منٹ برقرار رہی۔ اس کے بعد میرے دل کا دھڑکن معمول پر آگئی اور سانس بھی ہوا رہ گیا۔ میرا جسم پیسے میں نہا گیا تھا اس لیے مجھے سردی کا قطعی احساس نہیں رہا تھا۔

میں نے رضوان کی کراہی تو اس کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم میں مجھ کے کئی محسوس ہوئے۔ اس کے جسم کو حرکت کرنے دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی۔ میں اسے اٹھا لائی تھی مگر میرے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی حرکت کرنے کے قابل ہو سکے گا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس کی زندگی سے کبھی پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔ رضوان کے جسم کی حرکت سے مجھے اطمینان ہوا کہ موت کا حملہ ناکام رہا ہے۔ اگر مجھے اس تک پہنچنے میں چند لمحوں کی تاخیر ہو جوتو شاید وہ زندہ نہ بچ پاتا۔ میں نے جیسے ہی وہ ناگوار بو محسوس کی تھی، اتنا ہی سرعت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ بو محسوس کرتے ہی میرے ذہن میں سائنسی معلومات تازہ ہو گئی تھیں اور اس بلا کی حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی تھی، پھر خطرے کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہی میرے جسم سے جیتے کی سبھل لہر ظاہر ہو گیا تھا۔ میں یہ دیکھتے ہی آٹھ کر بیٹھ گئی کہ رضوان نے اب انھیں بھی کھول دی ہیں۔ وہ عجیب سے انداز میں آسمان کو گھورے جارہا تھا۔ مجھے یہ محسوس کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ اس کا ذہن اب تک اعتدال پر نہیں آیا۔ اس سے قطع نظر اس کے تنفس میں بھی اب شک رونا نہیں لائی تھی۔

”رضوان!“ میں نے اس پر ٹپکتے ہوئے پکارا۔ دوسری بار پکارنے پر مجھے اس کی جان بے انکھوں میں زندگی کی چمک نظر آئی۔ اس کے بعد رضوان کی حالت تیزی سے

سنجیدگی کچھ دیر بعد بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔
 ”ہاں!... مجھے... مجھے کیا ہو گیا تھا؟“
 رہا تھا اور اس کا سمجھ کھو گیا تھا۔
 پکار رہا ہے؟“
 ”تم سے ایک سبز بلاٹ گئی تھی۔“
 ”سبز بلا؟“ رضوان نے دم سے پہنچے ہوا اس یادداشت کوٹ آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی نظر اٹھ گئی۔ اس کے بعد وہ کسی نہ کسی جہاں ہوا۔ ہاں!... وہ... وہ سبز بلا آگئی تھی۔
 میں سنجیدہ ہو گئی اور بولی۔
 ”رضوان! میں داخل ہو کر نوٹ آئے ہو۔ اگر تم مزید رہا تو وہ گیس تھا۔ تمام کام چل چکی ہوئی۔“
 ”گیس؟“ رضوان میری بات سن کر کم انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
 ”ہاں وہ گیس نے اپنے پاؤں کے نیچے ایسی ہی مسناہٹ کی تھی۔ گیس خارج ہونے کے سبب ہی پیدا ہو سکتی تھی۔ زمین کی طرف دیکھا تھا تو مجھے سبزی مائل زمین اٹھتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا جیسے کوئی زیر لگا کھونٹ رہا ہو۔“ رضوان نے اس کی تفصیل بتائی جس سے وہ دوچار ہوا تھا۔
 ”ہو اسے تمہاری، سبزی مائل پیسے۔“
 دباؤ کے تحت خارج ہو کر اوپر اڑ گئی ہے اور چند ہی کموت کی نیند سلا دی ہے۔ رضوان خاموش ہوا۔ سائنسی معلومات دہرائیں۔ اس خطرناک گیس کا حال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا نشانہ ہونے والی محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس کا لگا کھونٹ رہا ہو۔
 ”تو پھر اس گیس کا نام کورین ہو سکتا ہے۔“
 خیال نا، اٹھا کر جس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اب اس طرح بیدار ہو چکا ہے۔

”ہاں!“ میں تائید میں بولی۔
 ”کورین یا اس سے ملتی جلتی رکھنے والی کوئی نئی دریافت! تمہارا اندازہ درست ہے۔“
 ”حیرت ہے کہ اسرائیلی کمانڈر نے تو اس بات پر رضوان نے کہا۔“
 ”ممکن ہے کہ جو کمانڈر اس گیس کا شکار ہوئے ہو مرنے سے پہلے اس کی حقیقت سمجھ چکے ہوں لیکن وقت گزرتا

میں ہماری لاپرواہی اس حد تک قریب آگئی جس حد تک اس کا خطرہ مول لینے پر مجبور ہو سکتی تھی۔ میں اور تھے وہاں سے سمندر نزدیک تھا۔ میں نے اپنے بڑے ناؤ اور اس پر بٹھا ہے ہوئے رضوان کو بھی اپنی کیا۔ اس کے بعد میں نے رضوان سے کچھ پوچھا۔
 ”میں کوئی قیامت تو نہیں ہو گی؟ کیا تم اپنے قدموں

سے ہوں۔ رہے وہ افراد جنہوں نے اس کی حقیقت سمجھ لی تھیں۔ ہوں۔
 میں اٹھا جیسے کوئی سبز بلا تم سے جوٹ لیا۔
 ”اب میں بولی میں نے جس خیال کا اظہار کیا۔
 ”تب تھو۔ رضوان نے بھی میرے خیال میں ہونے لگی تھی۔ میں نے سمندر کی جانب اشارہ کیا۔
 ”لاپرواہی نظر کی تھی اور وہ لاپرواہی یقیناً اس کو تک پہنچے تھے۔ اس یقین کا سبب یہ تھا کہ زیادہ دیر نہیں تھی۔
 ”ن اور پھر بلا ہمارے لاپرواہی کو قریب آنے کا وقت تک یا پھر بلا ہی رہی جب تک لاپرواہی نہ ہو گیا۔“

”میرے ساتھی پر ایک پراسرار سبز بلا نے حملہ کر دیا تھا۔ میں بمشکل انہیں بچا کر لائی ہوں۔ میں نے لاپرواہی کو حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھ کر جواب دیا۔
 ”لاپرواہی نے میری بات سن کر حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے سے بے یقین کا پتہ چل رہا تھا۔ مگر میں نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ اس کے یقین کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
 ”میں سر دی لگ رہی ہے۔ لاپرواہی کو تیزی سے ساؤتھ اٹلے چلو!“ میں نے لاپرواہی کو تھوڑے سے کہا۔ حقیقت بھی تھی۔ رضوان کا ہم بھی کا جینا کھانا دے رہا تھا۔
 ”لاپرواہی نے بغیر کچھ کہے لاپرواہی کا رخ مڑا اور پوری رفتار سے ساؤتھ اٹلے اس گودی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے۔“

”میں نے رضوان اور میں نے، راستہ گفتگو سے اعتبار کیا۔ ہم موجودہ صورت حال پر گفتگو کر سکتے تھے اور اس گفتگو کے دوران میں لاپرواہی کی مخالفت نہیں کھل سکتی تھی۔
 ”لاپرواہی گودی پر گئی تو میں اور رضوان، لاپرواہی کو خود حافظ کر کے راسل پر آئے۔ لاپرواہی سے آرتے ہی میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ میرا مقصد تھا کہ میں دیکھ سکوں کہ میں کوئی میری نقل و حرکت کی نگرانی تو نہیں کر رہا مگر مجھے اس پاس کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا۔
 ”اس اطمینان کے بعد میں، رضوان کے ہمراہ اس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی جہاں گزشتہ دن میں نے عارضی طور پر دو کمرے حاصل کر لیے تھے۔
 ”ہوٹل میں پہنچ کر رضوان میرے ہی کمرے میں آگیا تو میں نے

پچل کر لاپرواہی تک پہنچ سکے؟“
 ”سرکار! ہے مگر میرا خیال ہے کہ میں لاپرواہی تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ رضوان نے جواب دیا۔
 ”تو پھر چلو!“ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے بڑھے رضوان چند قدم تو ذرا لڑکھڑایا مگر پھر سنبھل گیا اور میرے سہارے کے بغیر چلنے لگا۔ ہم کمرے تک جا کر لاپرواہی سے سوار ہونے کی غرض سے پانی میں آ کر گئے۔ ہمیں کچھ دیر تک تیرنا بھی پڑا تھا۔ اس کے بعد لاپرواہی کے ڈراموں نے ہمارے ہاتھ پکڑ کر ہمیں اوپر کھینچ لیا۔
 ”حب ہم لاپرواہی پر پہنچ گئے تو لاپرواہی نے ہنس تشویش آمیز انداز میں دیکھا، پھر سوال کیا۔ کیا ہوا؟ آپ لوگ اتنی جلدی کیوں نوٹ آئے؟“
 ”میرے ساتھی پر ایک پراسرار سبز بلا نے حملہ کر دیا تھا۔ میں بمشکل انہیں بچا کر لائی ہوں۔ میں نے لاپرواہی کو حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھ کر جواب دیا۔
 ”لاپرواہی نے میری بات سن کر حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے سے بے یقین کا پتہ چل رہا تھا۔ مگر میں نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ اس کے یقین کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
 ”میں سر دی لگ رہی ہے۔ لاپرواہی کو تیزی سے ساؤتھ اٹلے چلو!“ میں نے لاپرواہی کو تھوڑے سے کہا۔ حقیقت بھی تھی۔ رضوان کا ہم بھی کا جینا کھانا دے رہا تھا۔
 ”لاپرواہی نے بغیر کچھ کہے لاپرواہی کا رخ مڑا اور پوری رفتار سے ساؤتھ اٹلے اس گودی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے۔“
 ”میں نے رضوان اور میں نے، راستہ گفتگو سے اعتبار کیا۔ ہم موجودہ صورت حال پر گفتگو کر سکتے تھے اور اس گفتگو کے دوران میں لاپرواہی کی مخالفت نہیں کھل سکتی تھی۔
 ”لاپرواہی گودی پر گئی تو میں اور رضوان، لاپرواہی کو خود حافظ کر کے راسل پر آئے۔ لاپرواہی سے آرتے ہی میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ میرا مقصد تھا کہ میں دیکھ سکوں کہ میں کوئی میری نقل و حرکت کی نگرانی تو نہیں کر رہا مگر مجھے اس پاس کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا۔
 ”اس اطمینان کے بعد میں، رضوان کے ہمراہ اس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی جہاں گزشتہ دن میں نے عارضی طور پر دو کمرے حاصل کر لیے تھے۔
 ”ہوٹل میں پہنچ کر رضوان میرے ہی کمرے میں آگیا تو میں نے

”اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ جہاں
 ”نہیں!“ میں نے مضبوطی سے
 سے شکست نہیں کھائی گئی کہ ناشین اور
 سے بنا سکتا ہے تو کیا کبھی کر سکتا ہے
 لگے دو دہائیوں کے بعد حال نہیں ہے

میں کرج: یہ ہے کی تفسیر ہو سکے۔

یہ کہ انسانی ذہن اس کا تصور بھی نہ کر سکے۔
 میں اس پیش آنے والے تمام نمکِ خطرات کا
 دوا کا ان خطرات سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ
 جس جیسے ہم نے کسی سے بچنے کے لیے نہیں
 اسے میں سوچ لیا، میں نے رفعت کو ہر
 ہر کو دیا تاکہ وہ بھی خطرات پر سوچ سکے۔
 ”اے! مجھے آپ کی تمام باتوں سے آگاہی

ی بات کے جواب میں بولا۔

”ماں پہلا مرحلہ راستے کا انتخاب ہی نہیں کیا، پھر چند لمحے بعد بولی یہ راستے کا انتخاب اس فائل کا مطالعہ کرنا پڑے گا جو چاہیں کر کے پھر رُکے۔“

میرے حامیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے آپ کو
 دیکھا ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے۔

[illegible]

”جس پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔“

11

رضوان میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے

”رضوان میری تائید میں بولا، پھر
نے چٹکی بجائی اور کہا ”کمال ہے آئی
یا آپ کے ذہن میں کیوں نہیں آئی!
”آجھو ذکر جا سکتے ہیں“

اس کی بات تھی جو اُس وقت میرے ذہن
اس کی وجہ یہ تھی کہ میری تمام تر ذہنی

نے میل کے لیے ایک مختصر سا بیعام ہوٹل
نہوان کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گئی۔

ہنچتے ہیں شام کے چار بجے گئے ہو ٹل ہنچتے
ہاں اکھایا، پھر کافی پینے کے دوران میں ہی
میں نے اگل نکال دیا، مگر اس میں اسٹال ٹو سے

یہاں سے کافی کا ایک گھونٹ لے کر پیال
میں نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر پیال
میں سے سو فیصد ریختھا ہوا تھا۔ وہ میرے

کھسک آیا۔ میں نے فائل کے ورق اُلٹ
کھا ہوا تھا۔

وہی حق ہے جس کے بارے میں ہمیں

”ہاں!“ رفعتوان نے فرمایا: ”وہ پہاڑیہ سب سے“

طرف چٹانیں بالکل سیدھی اور ہر ایک طرف بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ سمندر

کی جانب سے اس پہاڑی سلسلے کی تسخیر ناممکن ہی نظر آتی تھی کیونکہ چامیں

آجی باندھتیں کر ان پر کندھا ڈال کر چڑھتا بھی ممکن نہیں تھا۔
 ”ابھتیں بھی یاد ہو گا کہ بن یعقوب نے اس سمت سے بھی تیرے
 پر حملہ کرنے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بات مزید آگے بڑھائی،
 کہ رشتہ ان کو ہونے سے پہلے ہی اپنی جاری رکھی۔ بن یعقوب

نے اس طرف سے پہلی کو بڑے ذریعے اپنے آدمیوں کو جو سرے پر بھیجا تھا اتر گیا۔ دشمن توپوں کے گولوں نے اُس پہلی کو بڑے ٹکڑے میں کاٹ دیا۔ اس سے نتیجہ نکلا ہے کہ جسے بھی کوئی پہلی کو بڑے یا چھوٹے ٹکڑے میں کاٹ دے، وہ بے فائدہ ہے۔

پہلے ہی کے بعد کو بیک کر دیا اور پھر کمر پر لٹا کر اس کا منہ بند کیا۔

یہ ڈرائس جس قدر کہ کامنٹیل طور پر جائزہ لیتا رہتا ہو گا اور یہ ہر ڈرائس
بھلی کو بیڑا جہاز کو سینٹرل کنٹرول کے سامنے پیش کر دیتا ہو گا کیونکہ سینٹرل
کنٹرول فوراً ہی طیارہ شکن توپوں کو بروئے کار لاتا ہو گا۔ کیونکہ سارا

کام کیسویٹر کے سروپے اس لیے طیارہ شکن توپوں کا نشانہ بن گئے تھے۔
ہوا میں اڑ رہا ہے کہ جزیرے تک پہنچنے کے لیے ہمیں یہی راہ اختیار

کرنی چاہیے۔ ”میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے رضوان کی جانب بڑھ کر رضوان نے مجھے اس طرح دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ میں نے مسکرا کر دیکھتی رہی تو اس نے زبان کھول کر بولنا کیا آپ خبیثہ ہیں؟“ اس کے لیے میں حیرت مندی۔

”اگر اُس حصے میں اتنا موثر دفاعی نظام ہے تو کھلا اس طرف سے کس طرح جزیرے میں داخل ہوا جاسکتا ہے؟“

کہا، پھر سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ”یہ حق ہے ہاڑی اور دھڑا گڑا۔“

ہے۔ اس پر ہلکے کر کے یہ ایک بار دہرایا۔
والی نے کہا سلا لایا جائے۔ اس کا تدارک طیارہ شکن توپوں کا
مورت میں کر دیا گیا ہے۔ غالباً اس کے سوا اس سمت سے جو ہرگز
میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ استعمال نہیں کیا گیا ہو گا تو اگر طیارہ
توپوں سے بچاؤ کا عمل سوچ لیا جائے تو یہ حتمہ جبر سے میرا ہے۔

”آپ کا مکنا درست ہے لیکن طیارہ شکن توپوں سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہوگا؟“
 ”کس طرح؟“ انہیں بدشینہ سا سوال کیا جائے تو طیارہ شکن توپیں حرکت
 میں نہیں آئیں گی۔ میں نے فوراً جواب دیا۔
 ”لیکن ان بلند چٹانوں پر کھنڈ ڈال کر چڑھنا بھی تو ناممکن ہے۔“
 رضوان کچھ سوچ کر بولا۔

”میں نے یہ کب کب کلام کند ڈال کر چڑھیں گے اس تو صرت
 یہ کہہ رہی ہوں کہ ان بلند چٹانوں کو جوہر کرنے کے لیے کوئی اترنے والی
 مشین ضروری نہیں۔“
 ”تو کیا پھر رگڑا کر ڈیں گی؟“ رضوان بھیجھا گیا۔

”یہ کیسے ہوگا؟“ میں نے اطمینان سے کہا۔ ”مہمندی حرکت کچھ تو کام
 آئے گی۔“

”اوہ!“ رضوان اپنے چونک بڑا۔ ”آپ شاید گلائیڈر کے بارے
 میں سوچ رہی ہیں جسے لانچ ٹینک کر لاتی ہے۔“
 ”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن ہم جس گلائیڈر کے ذریعے اڑیں
 گے وہ پتھر سا علف ہوگا۔ ایک بار نقصان پہنچ کر اسے لانچ کی دھڑ
 سے الگ کیا جانا ناممکن ہوگا اور وہ کئی ہونٹوں کی تنگ کی طرح ڈولتا ہوا
 نہیں گرسے گا۔ اس کے اترنے کی رفتار اور سمت پر بڑی حد تک ہمارا
 قابو ہوگا۔“

”ترکیب تو اچھی ہے۔“ رضوان نے خوشیہ انداز میں کہا۔
 ”زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ ترکیب کامیاب رہی
 تو ہم جزیرے کے شمالی پہاڑی حصے میں اتر سکیں گے مگر ہمیں ہر حال
 جزیرے کے وسط تک پہنچنا ہے جو ظاہر ہے کہ اسان ثابت نہیں ہوگا۔
 میں غاشخ ہوئی تو رضوان ٹھک کر نقشہ دیکھنے لگا، پھر کچھ دیر
 بعد نقشے پر ایک جگہ نظر جمائے ہوئے بولا۔ ”پہاڑی حصے سے یہ شاید
 کوئی چشمہ نکلتا ہے۔“

”ہاں یہ سچ ہی ہے۔“ میں نے تائید کی۔ ”پتھری ڈی دھڑ چل کر یہ چشمہ
 ایک صحنی پھیل میں تبدیل ہو جائے گا جسے جبکہ کھاتی ہوئی ہمارے سر کے
 وسط تک جاتی ہے۔ یہ پھیل کافی لمبی ہے۔ اگر ہم اس پھیل تک پہنچے
 میں کامیاب ہو گئے تو پھر اسی کے ذریعے مرکزی عمارت تک پہنچ جائیں
 گے۔ خشکی کی نسبت پانی میں سفر کا غالباً کم خطرناک ثابت ہوگا۔“
 ”خطرہ تو فیر کم ہوگا، ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کی نوعیت بدل جائے۔“
 رضوان نے کہا۔

”پانی میں پیش آنے والے خطرات کی نسبت خشکی میں اور
 دودھ دار رافٹوں کی گولیاں ہر حال زیادہ خطرناک ثابت ہوں گی۔“
 ”یہ سچ ہے۔“ پھر یہ کہ پانی میں سفر کرنے کی صورت
 ممکنہ خطرات ہیں، ان کا حل دھونڈنا آسان رہے گا۔ میں بہت

بڑھانے والے انداز میں بولی
 ”چلیے تسلیم کر مل دھونڈنا۔“
 پانی سے نکلتا ہونے لگا۔ اس وقت کہ
 میں نے نقشے پر ایک جگہ نظر ڈالا
 رضوان نے غور سے نقشہ دیکھا
 ہے۔ کیا آپ گندے پانی کے پائپ کا
 میں نے ذہنات میں سرسراہٹ
 ”مگر ضروری تو نہیں کہ یہ“
 گزریں۔ رضوان نے اعتراض کیا
 ”میرا خیال ہے کہ یہ پائپ“
 پھر تنگ ہو سکتے ہیں۔“ میں نے ہوا کا
 راہ اختیار کرنے کی صورت میں کیا کہا
 ان کا کیا تو ہو سکتا ہے! اگر ہم نے
 ہی غور و خوض کر لیا اور اس سے پہلے
 شاید ہم کچھ ذکر کر سکیں گے یہ بات طے
 اور صرت ایک یقینی نکتہ ہے۔“

انکے دھنکے میں نے اور رضوان
 میں گزرا۔ ”دو گھنٹے مسلسل سوچا
 طویل فہرست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہم
 ایک دوسرے سے ملانے لگے۔ اس کے بعد
 بحث ہوئی پھر کم سے کم سامان کی ایک
 تمام سامان خطرات سے نبرد آزما ہونے کے
 اس فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔
 کا فیصلہ کیا۔ فہرست کے دوسرے حصے میں
 سے حاصل کیا جانا تو جزیرہ فہرست کے تیسرے
 بیشتر اشیائیں جو ہم نے لیلی کمال کے ذمے
 ڈولا جن میں بھی تھیں۔
 سامان کی فہرست کو تین حصوں میں تقسیم
 یہ تھا کہ جاسر کیل اور بن یعقوب ہمارے مندرجہ
 آگاہ نہ ہو سکیں۔ ان سے مکمل زائر اور مکی نہیں
 لیے ان سے اپنی نفوذ و حرکت کو پوشیدہ رکھنا
 ان کے علاوہ یہ کہ ایال ٹور میکر حملہ بھی ساؤ
 سے تھا اس لیے پارس کیلی یان یعقوب
 کی نوعیت سے کس طرح سے خبردار تھے ان کے
 بلی کوپٹر میں سوار ہو کر ساؤ تھا انڈر ہو کر رہتے

بڑا کام کر رہا تھا۔ مشکل ہی نہیں لکھا
 اہل تاحم کرنا تو خیر آسان تھا مگر لیلی کے
 میں تھا۔ وہ جب تک خود ہی مجھ سے رابطہ قائم
 نہیں مل سکتی تھی لیکن جب میں اور رضوان
 ملے ہوئے تو یہ مشکل حل ہو گئی۔
 لیلی تو میں نے ریسور اٹھا لیا۔
 ہاں میں فرمائیے! میں نے کہا۔
 ”میری جانب سے لیلی کمال کی آواز سنائی دی۔
 لیلی کی بھی کہ آپ بحیریت رائل ہو مل پینچنگ
 ارا مذاہ!“
 ”سو تو لیلی!“ میں جلدی سے بولی۔
 اظہار کر دیں گی۔ اس نے ہنس کر کہا۔
 ”اسان آنے کا ارادہ رکھتی ہو؟“ میں نے بے چینی
 ”ان ارادہ تھا!“ اس نے جواب دیا۔
 ہے کہ یہ قطعاً مناسب نہیں ہوگا۔ پہلے ہمیں یہاں
 نے راست اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا کیونکہ ٹیلیفون
 کی بات نہیں کھاتا جا ہی تھی۔
 ”لیلی کہیں رہیں یا تو!“ اس نے پرسکون آواز میں کہا۔ ”آج
 لیلی ضروری آنکھوں اور سر پہ بالوں والی انگریز ٹشوی
 آئے تو آپ اس سے اجنبیت کا اظہار نہ کریں۔ اب
 آپ سے زیادہ دقت نہیں ہے۔“
 ”لیلی کی بات سن کر طویل سانس لیا۔ سیدھی سی بات
 بہت ملنے کے لیے ایک آپ کا سمارا لیا جا ہی تھی۔
 ”اندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”پھر بھی احتیاط رکھنا!
 ”لیلی!“ یہ کہہ کر اس نے ٹیلیفون کا سلسلہ قطع کر دیا۔
 ”ان میرے قریب ہی تھا اور اس کے چہرے سے نغمہ مندی
 اور ہاتھ میں سے بھی ریسور کو روک کر دیکھ رہا تھا، وہ
 ”لب ہوا۔“ لیلی کا یہاں آنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔
 ”تو یہاں آنے کی اجازت کیوں دے دی؟“ بن یعقوب
 ”مگر ہر وقت نظر رکھتے ہیں۔ لیلی ان کی نظروں سے کس
 کے گی؟“

”ملا وہ خود لیلی کی نظر میں بھی نہ آئے۔“ میں نے
 ”کہا۔“ پھر یہ کہ ہمارا اس سے ملنا بھی تو ضروری ہے، تاکہ اسے
 ”لیلی فہرست دی جا سکے۔“
 ”لیکن.... لیکن یہ تو دائرہ خطرے کو دعوت دینا ہوا۔“

”لیلی کی فہرست میں بھی نہ آئے۔“ میں نے
 ”کہا۔“ پھر یہ کہ ہمارا اس سے ملنا بھی تو ضروری ہے، تاکہ اسے
 ”لیلی فہرست دی جا سکے۔“
 ”لیکن.... لیکن یہ تو دائرہ خطرے کو دعوت دینا ہوا۔“

”لیلی کی فہرست میں بھی نہ آئے۔“ میں نے
 ”کہا۔“ پھر یہ کہ ہمارا اس سے ملنا بھی تو ضروری ہے، تاکہ اسے
 ”لیلی فہرست دی جا سکے۔“
 ”لیکن.... لیکن یہ تو دائرہ خطرے کو دعوت دینا ہوا۔“

رضوان بولا۔
 ”گھبراؤ مت! وہ میک آپس آ رہی ہے اور میک آپس
 گھٹیا نہیں ہوگا۔“ میں نے رضوان کی تسلی کے لیے اسے تباہ پھیلو لی۔
 ”تھیں یاد ہے کہ لیلی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے؟“
 ”سیاہ! اس نے جواب دیا۔
 ”اور بالوں کا رنگ؟“ میں نے پوچھا۔
 ”وہ بھی سیاہ!“

”تو سنو کہ چوڑی کیم سے ملنے آ رہی ہے اس کی آنکھوں کا
 رنگ بھورا اور بال سنہری ہیں۔“
 ”سبحان اللہ!“ رضوان حوٹ میں آ گیا۔ ”پھر تو اس کی آنکھوں کا
 انکلیاں گھس میں اور کر دھائی میں ہوگا۔ وہ واقعی قابل دیدرشتے
 بن کر آئے گی۔“

”کیوں، تمہاری رال کیوں ٹپکنے لگی؟“ میں نے بھی اسے پھیل
 ”میری رال اتنی نالوست نہیں کہ ہر ایک پر ٹپکتی پھرے۔“ وہ
 بنا کر بولا۔

”گو اب تمہاری رال ابھی ٹپکتی ضرور ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔
 ”مجھے دوسرے کہیں آپ میری رال کے غم میں خود رال نہ ٹپکائیں
 ”تم تاحی بن کر سر کے اندیشے میں ڈبل نہ ہو، تمہاری صحت
 پہلے ہی خراب ہے۔“

”صحت خراب ہو تو ہو مگر نیت خراب نہ ہو۔“ اس نے پھر
 ”جیسی تم اتنی دیر سے لیلی کے غم میں مبتلا تھے۔“
 ”وہ تو محض آپ کی وجہ سے فکر تھا کہ کہیں آپ لیلی
 دکھائی ہوئی بہت سیباں نہ چلی جائیں اور یہ المیہ گیت نہ لگائے
 لگیں، لیلی، لیلی پکاروں میں نہیں ہیں!“

جب تک دروازے پر دستک سنائی نہ دی میں رضوان
 ”نہ مجھے پھیل کر مارا۔“ دستک سنتے ہی میں اپنی ملکیت
 ”یہ کسی سے دروازے تک پہنچی۔ یہ یقین ہونے کے
 باوجود بھی کہ آنے والی لیلی ہی ہوگی، میں نے احتیاط کرتی تھی
 میں دروازہ کھولتے ہی تیزی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی
 دروازے سے اندر آنے والی لڑکی بالکل یونین بنی معلوم
 ”وہ کس کس بنتی ہے؟“ اس کے شانہ بہت ہی
 بھروسے ہوئے تھے۔ اگر لیلی مجھے اپنے ایک آپ سے لگاؤ نہ کرتی تو
 ”شاید اس کے یہاں کتنی رنگ آپ واقعی قابل واقعات۔“
 بدلنے کے لیے یقیناً کوئی ٹیکس استعمال کیے گئے تھے۔ وہ
 میں واقعی قیامت لگ دی تھی۔

”اس کے انداز خرام سے میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ لیلی ہی ہے۔“

اس لیے میں دروازے کی کڑی سے نکل کر بیٹھ گئی۔ پھر میں نے دروازہ بند کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔ میں دروازہ بند کر کے پلٹی تو وہ میری طرف دیکھ کر سگڑا رہی تھی۔

”وہ تمہارا ایک آپ واقعی شاندار ہے لیکن!“ میں تو بعض انداز میں کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ میں اس سے عربی زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی۔

”مگر اب تک کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اس لیے میں نے اس وقت بھی انگریزی میں ہی بات کی تھی۔“

”کون ہیں؟“ میرا آنسو ڈھرتی ہے۔ وہ شہرستانگریزی میں بولی۔

”جواب میں ایک اجنبی آواز سن کر مجھ کو کھینچ کر ایک بڑی۔ وہ آواز لیل کی نہیں تھی۔ پھر میں نے اس سے ہنس پڑی اور ہنستے ہوئے ہی بولی۔ ”بہت خوب! تو آواز بدلے پر بھی قادر ہو۔ بس صرف ایک کمی رہ گئی۔ وہ تو کوئی تمہیں لیل کی حیثیت سے شناخت نہ کر پاتا!“

”وہ کیا بانو؟“ اجابک وہ اپنی اصل آواز میں بول پڑی۔

”پہلی کی تو میں کہہ رہی تھی جلدی تھی اڑنا دل دیے اور دوسری کی تمہارا انداز بڑا!“

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بانو آپ نے یہ کی محسوس کر کے مجھے اس سے آگاہ کیا۔ ہاں پہلی کی کا مسئلہ تو میں آپ کو زیادہ دیر پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”تجھاب دیکھیے! اجال میں کوئی فرق پیدا ہوا؟“

”اں خفیہ ما!“ میں نے جواب دیا۔ ”اگر تم اپنی دائیں ٹانگ پر ہلکا سا داؤدے کر رکھو تو تمہاری چال بالکل بدل جائے گی!“ میں نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی بات تکرار کی۔

”اس نے میری تجویز پر عمل کیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ ”واقعی اب میں نے بھی نمایاں فرق محسوس کر رہی ہوں لیکن اس طرح یہ بدلہ ہوتا ہے۔ یہ نہ جانوں کہ بالکل درست ہے!“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے! ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے تمہارے ایک آپ کا ضرور متاثر ہو جائے۔ ویسے ایک بات اور بتاؤں کبھی ایسا ایک آپ نہیں کرنا چاہیے جو لوگوں کی وجہ کار کو بزدل بن جائے۔ پھر چہرے پر ہنسنا۔ تین اور پچاسٹھ ایک آپ ہے کہ خواہ مخواہ ہی آوی تمہاری طرف دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ ایک آپ کی خوبی نہیں غرابی کہلاتی ہے!“

”میری بات سن کر میں نے نہ سکتا کہ مجھے کما میں اتنا نہ انہ ان باتوں کا خیال رکھوں گی۔ ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔“ میں اور لیل ابھی تک نشست گاہ تھی۔ جب لیل کو اپنے سامنے لے کر آئی تو میں نے دیکھی تو دونوں ہنسنے لگیں۔ میں نے کہا کہ وہ خود فریبی

”اگلی۔“

”کیا مجھے یہ یاد دلانا پڑے گا کہ میں نے مجھے غافل تھا۔“

”آؤ میں نشست گاہ ہی میں بیٹھتی ہوں۔“

”مگر وہ اس کی طرف بڑھتی ہوئی رضوان سے فارغ نہیں اور لیل قریب قریب صوفے پر بیٹھ کر والا صوفہ نہ سجالا۔“

”ہاں اب بتائیے بانو! وہ انداز سے کیا کر رہی ہیں؟“ لیل نے پوچھا۔

”میں نے اسے جواب میں ساری بات بتا دی۔“

”کے منصوبے سے اسے منحصر آگاہ کیا اور اسے غریب کے متعلق بتایا۔“

”بانو! آپ کو ذرا سی دیر بھی ہو جاتی تو رضوان کام سے اپنے وقت پر بہت تیزی کا ثبوت دیتا۔“

”لیجے میں کما۔“

”مجھے واڈن میں دیر لگی کہ میں دوش کے باوجود کسی کے کندھے پر چڑھا چلا۔“ رضوان شرم لے کر لیل اس کا انداز شکایتی ہی تھا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ لیل نے منہ کی کرکٹ آپ کی اور نہ تھا۔ کوں اس قدر مستعدی کا مظاہرہ کر سکتا ہے!“

”اور کیا!“ رضوان خوشانی سے بولا۔

”اپنے معائن کی خاطر عرض نہیں کرو گے؟“ میں رضوان پر غصہ کرتی ہوئی بولا۔ ”چلنے کا لالہ! وفاق رانا جملہ آدھرا چھوڑ دیا۔“

”تو نہیں نہیں!“ لیل ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں اب مل سلمان کی خدمت سے دیکھیے!“

”چلی جانا ایسی ہو گیا جلدی ہے!“ میں نے کہا۔

”خیر جلدی تو کوئی نہیں مگر میں آپ لوگوں کے آواز نہیں چاہتی۔ ویسے تو میں اپنے ساتھیوں سے کہہ کر آئی تھی۔“

”تو اب اس کی بات سمجھ رہی ہو تو وہ میری طرف نہیں ہوں گے۔“ لیل بولی۔

”اس کی بات کا مرکز مجھے میں سمجھ رہی ہوں۔“

”میرا دل دوش سے اٹھنے لگا۔ مجھے اس کے دل میں کیا ہوا آئی تھی اس کی زبان پر کیا تھا۔ میں بھلا یہ نہیں سوچ سکتی تھی۔ میں نے اس کے خاموش ہونے کی کما تو پھر نہ کہ آج شب میں رگ جاؤ! کچھ اور تفصیل بائیں اطمینان سے

”وہ دونوں کے چہرے کی طرف اٹھی۔ اس کے کمرے میں۔“

”اس سے پہلے کہ لیل کچھ کہتی ہوئی لیل یا کر لیل چپ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔“

”مگر وہ نہ کہنے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے یہ قول سانس لے کر کہا۔

”یہاں ہی کا کمرہ پر گیا ہے تو انھیں یہ بھی بتا دیکھے۔“

”ات کو اس قدر خوف محسوس ہونے لگا کہ میں اس کے کمرے میں لیل۔“

”اس کمال کے چہرے پر حیرت نظر آنے لگی۔“

”میں کو بھی یقیناً چھرت ہوئی لیل! کو ان کا خوف بھی آ رہا تھا۔“

”بس جب انھیں خوف محسوس ہونے لگتا تھا۔“

”میں نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔“

”تم میرے کمرے میں چھری چھپے گئی تھیں اور پھر۔“ میں نے ہاتھ اپنا جملہ آدھرا چھوڑ دیا۔

”بانو! اس کے بڑبڑانے اور اس کے ذکر پر وہ دھڑکا رہی تھی۔“

”آپ بہت بہت بہت بہت۔“

”اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ میرے لیے خود پر تیار کرنا محال ہو گیا اور میں نے اسے اپنی آغوش میں سیٹھ لیا۔ پھر میرے لبوں کی تشنگی نے میرا ہی منہ لٹکھوڑ دیا۔“

”وہ کسان اور نہ میرے میں بولی۔“

”دروازہ کھٹکھٹا دیا تو۔“

”میں نے اور رضوان نے ایسی ہی بھینگی سے ایک دوسرے کو گھسیٹنا کر لیل دھوکا لگائی تھی۔ اس کی بات سن کر مجھے بڑا لطف آیا۔ اس کا انداز بالکل افسانہ نویس جیسا تھا۔ میں ہنس پڑی اور اس کی ہنسی۔ لعلوں سے کھلتی ہوئی بولی۔ ”تم میرے ساتھی کو نہیں جانتیں۔ اس کے کوئی خوف و داف نہیں آتا۔ وہ بائیں بھٹکے ہیں۔“

”مگر آپ بھی تو غیبیہ تھیں۔“ وہ جوں سے بولی۔

”وہ بھی مذاق تھا۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

”آپ لوگ آپس میں مجھے خونخاک مذاق کرتے ہیں۔“ وہ بھی مسکرا دی۔

”لیلی! تم مجھ سے اسی آواز میں گفتگو کر جس میں تم نے آتے ہی بات کی تھی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہیں اس کے زیر پر کس حد تک قدرت حاصل ہے!“

”میں نے اس سے کہا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی کہ میں اس کی آواز کا زیر و بم دیکھنا چاہتی تھی بلکہ میرا ارادہ خود فریبی

”اس نے ہنسنے کا فریب کھینچ کر اس کی طرف اٹھی۔ اس کے کمرے میں۔“

”اس سے پہلے کہ لیل کچھ کہتی ہوئی لیل یا کر لیل چپ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔“

”مگر وہ نہ کہنے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے یہ قول سانس لے کر کہا۔

”یہاں ہی کا کمرہ پر گیا ہے تو انھیں یہ بھی بتا دیکھے۔“

”ات کو اس قدر خوف محسوس ہونے لگا کہ میں اس کے کمرے میں لیل۔“

”اس کمال کے چہرے پر حیرت نظر آنے لگی۔“

”میں کو بھی یقیناً چھرت ہوئی لیل! کو ان کا خوف بھی آ رہا تھا۔“

”بس جب انھیں خوف محسوس ہونے لگتا تھا۔“

”میں نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔“

”تم میرے کمرے میں چھری چھپے گئی تھیں اور پھر۔“ میں نے ہاتھ اپنا جملہ آدھرا چھوڑ دیا۔

”بانو! اس کے بڑبڑانے اور اس کے ذکر پر وہ دھڑکا رہی تھی۔“

”آپ بہت بہت بہت بہت۔“

”اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ میرے لیے خود پر تیار کرنا محال ہو گیا اور میں نے اسے اپنی آغوش میں سیٹھ لیا۔ پھر میرے لبوں کی تشنگی نے میرا ہی منہ لٹکھوڑ دیا۔“

”وہ کسان اور نہ میرے میں بولی۔“

”دروازہ کھٹکھٹا دیا تو۔“

”میں نے اور رضوان نے ایسی ہی بھینگی سے ایک دوسرے کو گھسیٹنا کر لیل دھوکا لگائی تھی۔ اس کی بات سن کر مجھے بڑا لطف آیا۔ اس کا انداز بالکل افسانہ نویس جیسا تھا۔ میں ہنس پڑی اور اس کی ہنسی۔ لعلوں سے کھلتی ہوئی بولی۔ ”تم میرے ساتھی کو نہیں جانتیں۔ اس کے کوئی خوف و داف نہیں آتا۔ وہ بائیں بھٹکے ہیں۔“

”مگر آپ بھی تو غیبیہ تھیں۔“ وہ جوں سے بولی۔

”وہ بھی مذاق تھا۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

”آپ لوگ آپس میں مجھے خونخاک مذاق کرتے ہیں۔“ وہ بھی مسکرا دی۔

”لیلی! تم مجھ سے اسی آواز میں گفتگو کر جس میں تم نے آتے ہی بات کی تھی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہیں اس کے زیر پر کس حد تک قدرت حاصل ہے!“

”میں نے اس سے کہا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی کہ میں اس کی آواز کا زیر و بم دیکھنا چاہتی تھی بلکہ میرا ارادہ خود فریبی

کا تھا۔ میں ذہنی طور پر یہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ مجھے ایک نئی لڑکی کا
 شرب حاصل ہے۔
 ”بہتر ہے باؤ!“ میں نے انہیں یہاں سے بدلی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”ڈور تھی ڈور لنگ!“ میں نے اسے اسی نام سے مخاطب کیا جو
 پہلے اس نے بتایا تھا۔
 ”جی سرٹس بالو!“ اس نے مجھ پر تیزی سے تکی بڑھ کر جواب دیا۔
 ”تو بہت حسین ہو ڈور تھی!“ میں نے اسے بار بار دیکھ کر نام سے
 مخاطب کر کے اپنے ذہن کو دھوکا دینا چاہا۔
 ”آپ بھی تو کم حسین نہیں ہیں باؤ!“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی
 ہاتھیں میرے گلے میں ڈال دیں۔
 ”سچ!“ میں اس پر ہلکے جھکی اور میری انگلیاں اس کی پشت
 سے ملنے لگیں۔
 اور اسی رنگ و بو دو دن کش دل تھے۔ اس کی زبان نئی لڑکوں
 کا ذائقہ محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کی حرارت اپنا خراج وصول کرنے
 پر آمادہ تھی۔ جہلوں کی سرکش مہر کی روادار تھی۔ وصال بوج
 کی ہیکلاری حرارت آزمائی کی طالب تھی۔ نشاۃ الروح کی گہریوں میں
 جھل جھل مہر کا اضطراب تھا۔ طوفان تھا۔ ایک خوشبو دوسری خوشبو اس آتر
 جانے کے لیے بے چین تھی۔ ایک نغمہ دوسرے نغمے کی لہ میں
 اپنا وجود دینا چاہتا تھا۔ دہائی ٹھکنے لگی تھی۔ ایسے میں شیک کیا
 اور قرار کیا! اسباب صفت آرزوؤں نے بڑھ کر ڈھونڈنی لہروں کو
 اپنی آغوش میں لے لیا۔ لہروں کی شناخت کھو گئی۔ وہ ایک دوسرے
 سے بول نہ لگتے ہوئے ایک بگڑ گئی۔
 انہماک لگنے لگی۔ دنگ بڑھنے لگے۔ دردل پر دھک دنگ
 خواب دسکیں دے کر اپنی تیرہ سو ہلکے گئے۔ کیف انہیں لگنے لگتی تھی
 سے بھی بڑھ کر انہیں کی زندگی کی حد تک پہنچنے کے مہرور
 منزل آشنا تیرہ سو تیز تر ہوتا گیا۔ ہر شادی بڑھتی گئی۔ آبلہ بایان بہت
 اپنے انہماک کی نامور سے بے خبر منزل کی زمین میں تیز قدم ہوتے
 گئے، اور پھر وہ ایک ایسی سرسبز اور شاداب وادی میں پہنچ گئے جہاں
 ایک جانب سرکش چٹانیں تھیں تو دوسری جانب کشش گیر گہرائیاں
 آغوشوں سے پیسے سرکش چٹانوں کو تسخیر کیا، اور پھر گہرائیوں میں آکر
 ان دیکھے خزانے تلاش کرنے لگے۔ اسی وقت جہاں پہلے پھوٹا پڑنے
 لگی اور وہ دھبہ لگ گئے۔ پھوٹا پڑنے کے سبب دھرتی سے ایسی
 سوزھی سوزھی خوشبو آگئی جس نے انہیں اپنی لپٹ میں لے لیا
 اور وہ سب کچھ بھول گئے۔ اس خوشبو میں وہ کھو گئے اور بہت دیر
 کھوئے رہے۔

میں ایک خواب خود فراموش سے سو رہی تھی۔
 پایا۔ وہ اسی ایک خوابوں کی دنیا سے نہیں اٹھ سکتی تھی۔
 اور اس نے آدھ کھلی آنکھوں سے مجھے دیکھا
 عکس ہوا جیسے اسی جیسے آنکھوں کی عکس ہوا
 کیا ہو۔
 کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک
 اس شب بھی میری ہوا طبیعت ختم پتھر لڑھا۔
 اور پھر وہ تمام شب ختم پتھر لڑھا۔
 لیلیٰ کو میں نے صبح کو دم ہی رخت کی ایک
 میں میرے لیے سونا لکھن نہیں تھا لیکن میں
 سامان کی فہرست دینا نہیں بھولی تھی۔ اس کے علاوہ
 بارہ چھوٹے تمام منصوبے آگاہ کر دیتا تھا اور کہا
 سلسلے میں کیا کیا کرنا ہے! لیلیٰ صبح کو دم کھو گئی۔
 لگ رہی تھی ایک ایسا گلاب جس پر رات بھر قطرہ
 لیلیٰ کو رخت کرتے ہی میں سو گئی لیکن میں
 دیر نہیں سوئی۔ شکل و زمین کھٹے سو پانی ہوں
 کے دروازے پر دستک دی۔
 نے بے شک ٹھکر وازہ کھولا۔
 ”اسے کیا چاہاؤ گئی؟“ وہ کہنے میں دھل گیا۔
 ”کہوں نہ کرو!“ میں نے جھنجھلا کر بولی۔ ”آئی جلدی
 ضرورت تھی؟“ میں سہری کی طرف جھٹکتی گئی۔
 ”خادم کو فو واقی ایسی کوئی جلدی نہیں تھی مگر وہ اب
 اور ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔“ رضوان نے بڑھ کر بولا۔
 ”کون چیتا؟ کہاں کی ایک بے ہوشی میں نے
 ہوئے کہا۔
 ”وہی چارلس کیل!“ رضوان نے جواب دیا۔ وہ بولا
 ہوئے سب بات کر رہی تھی۔
 چارلس کیل کا اس کو میں ایک دم اٹھ کھڑی ہو کر
 سے نکل کر نشست گاہ میں پہنچ گئی جہاں لیلیٰ غن کار
 پر کھڑا ہوا تھا۔ رضوان بھی میرے پیچھے پیچھے وہیں آیا تھا
 میں نے صوفے پر بیٹھ کر ریسور آٹھا لیا۔ ”باؤ!“
 ”سمان کرنا کہیں تمہیں صبح ہی صبح رخت دی
 جانب سے چارلس کیل کی دوا زبانی دی۔ ”دراصل میں تمہیں
 اطلاع دینا چاہتا تھا کہ تم مجھ سے فوراً ملاقات کر سکتی
 وہ مجھے کیا اجر اطلاع دینا چاہتا تھا؟ اس سے

میں سامان کی فراہمی کے بارے میں بات
 میں نے ملنے کی حامی بھری۔
 ”اگر اسی صبح رہا ہوں تو اس نے کہا۔
 ”اگ کہ کوئی دوسری بات نہ ہو تو میں یہاں آ جاؤں!“
 ہوئی۔
 ”لیلیٰ کے لیے میری حیرت اور بے یقینی تھی۔ وہ غالباً
 کے لیے کہ تو قیاس نہیں ہو سکتا تھا۔
 پہلو کو جہاں میں مست ہے۔ جب تک
 کے چنگی کا نایاب نہیں لپٹنے۔ میرا خیال ہے کہ
 ”لیلیٰ نہیں آئی ہوئی؟“ میں نے تنبیہ لینے کی کہا۔
 ”میں نے غلطی کر دی ہے۔ میرا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 ”وہ صوفے پر بیٹھا ہوا میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔
 ”مگر وہ غالباً ہوا کیا کہہ دے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”لیلیٰ کا انداز تو نہیں کیا میری جتنی جوں۔ وہ
 نے جواب دیا۔
 ”بات نہیں ہوا تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی چارلس کیل
 پر کھڑا تھا۔
 ”ابا!“ میں دروازہ کھول کر ایک جانب بٹتی
 ”اور اس کے کا بازو لینے لگا۔“ اس کا انداز ایسا ہی تھا
 ”نیا ہی گیا ہوا اور حیرت ہو کر اس جگہ نہ رہا لیکن تھا
 اس وقت ہی تھا اس لیے لیلیٰ اس نے صوفے پر بیٹھتے
 ”لیلیٰ نے یقیناً اسے ایشیاں ٹوک کر بولی اور ناکام پڑ کر ڈال دیا
 میں نے فریاد کیا۔
 ”لیلیٰ میری بات سن کر چونک کر اٹھا اور مجھے بھر کوس کے
 ”خاطراتی پھر وہ بولا کہ کیا تمہیں ملے تھا کہ میں بہت بڑے
 ”اب ہے؟“ اس کے لیے میری حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔
 ”میں نے جواب دیا۔ ”مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ وہ ایسا
 بلکہ لیکن اس کے بازو مجھے یقین تھا کہ وہ بے ہوشی
 سے ناکام آئے۔ اس کی کوشش ضرور کرے گا اور اس
 میں شک کی گمانے گا۔ مجھے علم ہے کہ اس نے جزیب پر بیٹھی
 کہ کوئی نظر نہیں لگتا تھا۔ اسے بازو لگانے میں وقت
 ”لیلیٰ کو کہہ دو کہ اس کے پاس سے میری کیا ہے!“
 ”میرا بہت تیز آدمی ہے“ چارلس کیل نے دم بھری لیلیٰ بولا۔

”مگر ایشیاں ٹوک کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا ہے۔ اور
 جذبات عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ بے درپے نااہلیاں یوں ہی
 انسان کی ذہنی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔“
 ”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑے نہیں ماسک ہونا کہ
 جو پارٹی روانہ کی تھی وہ ولدی علاقے تھے اس کے نہیں بڑھ سکی! ایس
 نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔
 ”ہاں!“ چارلس کیل نے بتایا۔ ”میرا خیال تھا کہ تمہارا اگلا قدم
 بھی یہی ہو گا اس لیے فوراً تم سے ملاقات کرنا ضروری تھا۔ دراصل
 میں تمہاری صلاحیتوں کا اس حد تک متاثر ہوا ہوں کہ تمہیں کسی
 گڑھے میں گرفتار ہوا نہیں دیکھ سکتا۔“
 ”شکر!“ میں تمہارے غلوں کی تذکرہ کرتی ہوں“ میں نے دسی
 ناز میں کہا۔
 ”مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں ابھی تک تمہاری تیزی اور ذہانت
 کا پوری طرح انداز نہیں لگا پایا۔ کبھی میرے ذہن میں یہ خیال آتا
 ہے کہ شاید تم ایشیاں تو ہی نہیں میں کیا سب ہو جاؤں گی!“
 ”اس لیے چارلس کیل کے لیے میری غلوں تھا جیسے اس نے وہ
 بات دل سے کہی جو رضوان نے بھی شاید اس بات کو مستحکم کر لیا تھا۔
 وہ اسی لیے فوراً میری لیلیٰ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ایشیاں ٹوک
 کو ہائے تیرہ سو ہے۔“
 ”میری پر غلوں کے ذہان تو ہر گز اس کے ساتھ میں نہ چارلس کیل نے
 بظاہر خوش اخلاقی سے کہا کہ اس کے لیے میں پیچھے ہونے چکے سے
 طنز کو میں نے محسوس کیا۔
 چارلس کیل اپنے خوں میں واپس ہو چکا تھا۔ جو غلوں چند غلوں
 کے لیے اس کی گفتگو سے ظاہر ہوا تھا اب ختم ہو چکا تھا اور اس
 کی جگہ روایتی ریاکاری نے لے لی تھی۔ میں نے رضوان سے ہنرست
 لانے کے لیے کہا کہ چارلس کیل کو دینی تھی۔
 رضوان سلمان کی فہرست لے آیا تو وہ میں نے چارلس کیل کی طرف
 بڑھادی۔ اس فہرست میں چارلس کیل کیل نہیں جو مجھے آسانی دینا
 نہیں ہو سکتی تھیں۔ اگر میں وہ چیزیں خود حاصل کرنا چاہتی تو مجھے اس میں
 کافی وقت لگنا چاہیے۔ یہ اس وقت تھا کہ
 ”اس فہرست میں جو سامان درج ہے وہ مجھے کل مل جانا چاہیے۔“
 میں نے چارلس کیل کو مخاطب کیا جو فہرست کا مطالعہ کر رہا تھا۔
 ”تو کیا تم ایشیاں ٹوک رہے ہو؟“ میں نے کوئی دھمکی نہ کر رہی تھی۔
 چارلس کیل نے فہرست سے نگاہ اٹھا کر حیرت سے میری جانب دیکھتے
 ہوئے کہا۔
 ”تمہارے آدمی مستقل طور پر میری نو دہائی لگے رہتے ہیں اس لیے

میرے انکار کو کوئی اذیت نہیں رہتی۔ میں بولی: "چاہے مجھ کو دیر سے
 مسمیٰ مگر تمہیں اس مسئلے میں غم ہو جائے گا اس لیے مجھے یہ بتانے میں
 کوئی تباہی نہیں کریں۔ وہ کسی ایسا دل جو بد قسم لکھنے کا بخیر ارادہ کر چکی
 ہوں۔"

چند سال قبل تک ایک بار ہمسایان کی فرست پر نظر ڈالی اور بولا۔
 "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس سال میں چند افسانہ نگار کی انکس بھی
 جج ہیں۔ تم ان سے کیا کرو گے؟ میری کہیں یہ بات نہیں آئی۔ تم شاید
 ایسا دل تو نہیں جانتے۔ اساتذہ مجھ کو بتاتے ہیں۔
 "ایسا دل تو نسخہ میں ذہن کی تیزی کا کام آئے گا تو پتہ و تفنگ
 نہیں۔" میں نے منتہا بنا کر کہا۔
 چارلس کیل مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ شاید اندازہ لگانے کی کوشش
 کر رہا تھا کہ اس مسئلے میں سنجیدگی بھی ہوں یا نہیں! ایسا تو نہیں کہ
 میں اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی ہوں!
 بالآخر اس نے سامان کی فرست اپنی جیب میں رکھ لی اور اٹھتے
 ہوئے بولا: "میرا سیکریٹری جان اینڈر یو آج ہی کسی وقت یہ سامان
 تمہیں پہنچا دے گا۔"

"کیا چاہے یا کافی نہیں پیو گے؟" میں نے سما پوچھا۔
 "شکر! ابھی کچھ ہی رہا۔" یہ مکر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
 چارلس کیل مجھ کو تو میں نے رضوان سے غائب ہوئی۔ میں فی الحال
 آرام کرنا چاہتی ہوں۔ تم دوپہر کھانے کے وقت مجھے بیدار کر دینا۔
 "ہاں آپ کا تمہیں بتا دی میں کدورت بھر جائی گی۔ آپ
 سو ہی جائیں تو ہتھ سے رضوان نے خوشی سے سکر لاتے ہوئے کہا۔
 میں رضوان کی بات سنی ان سے کہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ
 گئی اور چلتے چلتے بولی: "تم بھی آرام کرو تو ہتھ سے۔"
 "غیر شو تو بڑی کمزور ہو جاؤ یا تمہیں ایک پتہ کتنی تو آرام کر رہی
 ہوں گا؟ رضوان بولا۔

میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور دوسری پر
 لیٹ کر تمہیں بند کر دیں۔ پورا بدن بڑی طرح ٹوٹ رہا تھا۔ مجھے
 جلد ہی نیند نے اپنی پرسکون بامنس میں لے لیا۔
 رضوان نے مجھ پر کمر کیا کہ دوپہر کے بعد ہی چکا گیا۔ اس نے میری
 وجہ سے کھانا نہیں کھا یا تھا اس لیے میں جلدی جلدی غسل کر کے
 فارغ ہو گئی۔ اس دوران میں وہ کھانا منگو اچھا تھا کھانا کھاتے
 ہوئے ہی رضوان نے مجھے بتا کر چارلس کیل کا سیکریٹری نام مطلوبہ
 سامان پہنچا دیا تھا چارلس کیل نے سامان بھجوتے میں ہی بڑی تیزی
 دکھائی تھی۔ سامان دو تین بڑے بڑے پیکس میں تھا جو نشتر گاہ
 ہی میں ایک جانب رکھے ہوئے تھے۔

میں نے کھانے سے ناراض ہونے لگا۔
 باری کھول کر ان کا جائزہ لیا۔ سب چیزیں
 اس سے کہیں زیادہ تھیں جتنی میں نے چاہی
 میں نے وہ پیکس دوبارہ اچھی طرح جانچ کر
 ہونے لگا۔ یہ سب چیزیں ان کے
 ساتھ رکھ کر جو جرم نے اپنے لیے بنائی تھی!
 رضوان نے ثبات میں سر ہلایا اور اٹھتا
 تھا کہ فرست لے آئے۔

کچھ دیر بعد ہی ہم بٹول سے نکل کر بیدار ہوئے۔
 کی طرف جارہے تھے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر کھانا
 دوبارہ بٹول کی طرف چل دیے۔
 اس شب ہم بٹول ہی ہو گئے تھے۔ اگر ایک
 سکس۔ چارلس کیل نے جو سامان حاصل کیا تھا اسے
 اس سے پہلے کچھ ایسا مجھے دے گا کہ میں بھی بنانے لے
 پر گئے ہوئے سوچیں کہ وہ بات ہی دھمکے سے ہم
 اندازے کے مطابق وہ صاف کا افسانہ بد مزدور کا
 جلتے، اچھی خاصی تباہی پھیلاتے۔ مجھے ان ہوں کہ
 بھی بنا تھا۔

اگلے دن صبح کو ہم میں خود بخود بیدار ہو گئی۔ یہ
 خواب تھا کہ میں نے اسے میں جگا دیا مثل اندازہ
 پاتے ہیں۔ یہ رضوان کا ساتھ ہے۔ کب سے گئے۔
 کچھ دیر بعد میں اس ہم کام سے ناراض ہو چکی تھی
 کو دو بڑے بڑے تھیلوں میں پیگ کیا گیا۔ وہ قید کیا
 جا سکتے تھے۔ یہ تھیلے اپنے تھے جو عموماً خانہ بدوش قسم کے
 کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان تھیلوں کو میری ہدایت
 مرم چڑھا کر اتر پورٹ بنا دیا گیا تھا۔

ہم چلنے کرنے کے بعد پوری طرح تیار ہو گئے۔ ہم نے
 کانٹھوں پر رکھ کر ان کے نیچے مخصوص انداز میں باندھے
 کو ہاتھوں سے نہ اٹھا یا چسے اور ہانے ہاتھ آواز دیں۔
 میں اور رضوان مجھے تھیلوں میں بٹول سے نکلے
 پر خانہ بدوش بنا توں مجھے لباس تھے مگر لندن میں ایسے لباس
 آتے رہتے ہیں جو دروازے سفر کے لیے بھی ہماری کام آؤں
 پر نکل آتے ہیں۔ ایسے لباس عام طور سے بسوں میں سفر کرتے
 کار اور ٹرک والوں سے لفٹ لے کر ایک شہر سے دوسرے
 ہیں۔ یہی سبب تھا کہ ہم پر کسی نے بھی توجہ نہیں دی اور نہ کوئی
 ساؤتھ انڈ پیپٹ کے لیے ہم پر کسی کو ہی ذریعہ بنایا۔

میں نے کہا جہاں پہلے مقرر تھے جو ہم کو اب ہو
 نہ کر جو ہم نہیں تھا۔ ہمیں بٹول میں باسالی کر کے
 وقت دیا تھا، وہ قریب آ جا رہا تھا لیکن وقت
 میں نے ایک عین پر رابطہ قائم کر لیا۔ پہلی نے اور
 میں اس میں جو اس بات کا اشارہ تھیں کہ میں
 ساؤتھ انڈ پیپٹ کی ہوں اور جو منصوبہ بنا چکے ہیں
 کہ پھر ان میں۔

اس کے قریب ہی رہ کر میں نے وقت دیکھا اور رضوان
 میں نے بھی میری طرح اپنا تھیل ہاتھ میں اٹھا لیا۔
 میں نکل گئے۔ بٹول سے وہ مقررہ جگہ زیادہ دور
 لے کر مجھے ہونے آ دی کو ہم سے ملنا تھا۔
 اس کی کار میں مقررہ جگہ پہلے ہی سے موجود
 کہ کہ اپنے اپنے تھیلے اس کے حوالے کر دیے جو
 اپنے ہی کام کی ڈی میں رکھ دیے۔
 میں نے کار ڈرائیور کے قریب پہنچ کر مرم
 ڈرائیور نے ثبات میں سر ہلایا۔

میں بٹول کی طرف چل دیے۔ ایسا دل تو پتہ کی
 میں نے وہاں تک نہیں۔ دیکھ دن تہ اندھیرے ہی ہیں اپنی ہم
 میں ہم کی مشکلات کا مجھے پوری طرح اندازہ تھا لیکن
 ہونا ہونا ہی تو زندگی ہے۔ وہ زندگی تو نہ ہوئی جو
 میری کس جہد وجد کے گزر جائے۔ وہ ہم کی ایک اہلی
 کہ میں اس لیے ہی ماند ہی پر جوش تھی اور رضوان کی کیفیت
 میں ہوں ہی تھی۔ وہ اعلیٰ مقصد فلسفیوں کا مفاد تھا جو
 ان دونوں ہی کو کسی طرح عزیز تھا جس طرح خود فلسفیوں
 کا تھا۔

میں نے اپنی تو رضوان کو خلاف توقع کچھ اس آواز سامنے کی
 میں اس میں ہوں۔" میں نے رضوان سے پوچھا۔
 میں نے کچھ کاٹھا کہ میری جانب دیکھا، میرا دل مجھے رضوان کا
 ساتھ ہمارے ہم کامیاب ہی تو شاید ہم کی اس سے مل سکیں!
 میں اس خیال پر کہ رضوان ایسا دل تو نہیں ہے۔ اسے کہیں
 کا کہ ہے۔" میں نے بڑے ہمتا سے کہا۔
 میں میری بات سن کر چونک پڑا اور بولا: "آپ کے اس خیال
 کا مسلسل انکار!" میں نے جواب دیا کہ پھر کو یا اس کے ڈریور

کو ہم سے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی!"
 "مگر رضوان نے تو خود بتایا تھا کہ وہ جزیرے پر ہے۔" رضوان نے کہا۔
 "ہاں! لیکن اس نے ایسا دل تو خود ہونے کی جانی نہیں ابھی تھی۔
 وہ بہت تیز لوگ ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس نے جزیرے
 کے انگوٹھے سے اس جزیرے کا نام ضرور پوچھا ہو گا!"
 "یہ میری تو ہو سکتا ہے کہ رضوان نے جزیرے کا نام پوچھا ہو گا مگر اس نے نہ
 بتایا گیا ہو! رضوان نے خیال ظاہر کیا۔

"اور یہ میری نکل ہے کہ اسے جزیرے کا نام بتایا گیا ہو گا اس نے
 یقین نہ کیا ہو کہ اسے جو نام بتایا گیا ہے وہ درست ہے۔"
 "اگر آپ کا اندازہ درست ہے تو اس کا یہ حاسدا اور مطلب یہ کیا
 کہ چارلس کیل ہیں رضوان کے بدلنے اپنے مقصد سے استعمال کر رہا ہے؟
 رضوان تقریباً انہی تاراج تک پہنچے لگا جن پر میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔
 "اور یہی کچھ چارلس کیل نے جس شخص کو فونو ڈیون پر میں پشیم
 حیثیت سے متعارف کرایا تھا وہ اس کا ہی کوئی آدمی ہو سکتا ہے؟
 میں نے مزید کہا اس پر بولی: "لیکن ان تمام باتوں کی حیثیت ابھی قیامت
 کی ہے حتیٰ طور پر اس وقت تک کہ میں کما جا سکتا جب تک ہم ایسا دل
 پر نہ پہنچ جائیں۔ فی الحال چارلس کیل کو پیچھے رہا مجھے یہ سوچ ہی ہے کہ
 ہم ایسا دل تو کی کس قسم کر کے کے بعد ہی چارلس کیل سے نہیں گئے۔"
 رضوان کچھ دیر کے لیے میری بات سن کر کسی سوچ میں گم ہو گیا،
 پھر تشریف لے گیا۔ میں نے اسے بولا: "ایک بات اب تک مجھے نہیں
 آ سکی۔ رضوان آتی تیز لوگ ہونے کے باوجود اب تک چارلس کیل یا
 پیٹر کی تہ میں کیوں ہے؟ اس نے اپنی رہائی کے لیے کوشش کیوں
 نہیں کی؟"

"شمن بہت تیز ہے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس نے رضوان کو کس طرح
 رکھا ہوا ہے؟ انہ نے تو خود اسے دکھایا، وہ کس قدر کمزور دکھائی
 دے رہی تھی!"
 "ہاں بالکل بیمار سی معلوم ہو رہی تھی۔" رضوان نے فکرمند لہجے میں
 میری تائید کی۔

مجھے آئندہ روز صبح کو اٹھنا تھا تاکہ جب میں ایسا دل تو کی ہم کاٹھا
 کروں تو تروتازہ حالت میں ہوں۔ اس کے لیے آرا مقرر ہی تھا میں نے
 یہ سوچ کر رضوان کو اس آرام کا مشورہ دیا اور خود بھی اس غرض سے اپنے
 کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
 مجھے یہ بھی پتہ تھا کہ میں بیدار ہوئی۔ رضوان شاید رضوان کے خیال
 میں فوراً نہیں سو رہا تھا اس لیے میں نے ہی اسے بیدار کیا۔ اس وقت
 صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔
 میں شکل بندہ میں منٹ میں ناشتے سے فارغ ہو کر رضوان کی

دوسری لاج پختہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ جگر حزمیرے کی شمالی سمت میں

764

ہوئی تو مجھے رہبر کے غوطہ خوری والے جوئے امارے

کے نکلنا پورا۔ لاپتہ ہونے والی جانب لہریں

ذرا سی بھی دیر ہو جائی تو میرے پاؤں ہزار گ سے لپ پٹے رہتے اور بلیا

765

کریں نے بعد میں دیکھا یہ قدم میرے لیے خطرناک ثابت ہوتا۔
میرا منہ ہوا ریح کی طرف تھا اور میں اس سے بھٹک ڈیا تھا۔
اوپر ہی ہوں گی یا اس لیے مجھے وہاں بچھوئے وہ مار دیکھنے کی کوئی
مشعل پیش آئی جو ایک جال کی صورت میں ہر اس جگہ پھیلے ہوئے
تھے جہاں قدم رکھنا ممکن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اُن پر ہنر آؤں گی مگر
دو درہے ہو کر غائب تھا کہ وہاں اُترنے کی صورت میں میرا کیا انجام
ہوتا!

گلابیڈ اب تیزی سے نیچے اُتر رہا تھا میں نے بھی تیزی کے
ساتھ اُس علاقے کا جاؤہ لیا نیچے وہی پہاڑی جیشہ مصنوعی جبل میں گر
رہا تھا جو کہ میں نے نقشے میں دیکھا تھا۔ اگرچہ چٹائی ہوئی اس جگہ
گلابیڈ اُن سے میں کا سیاب ہو جاتا تو بہت اچھا رہتا مگر براہِ راست
پانی میں اترنا خطرناک تھا۔ چونکہ گلابیڈ اب تک میرے لیے ناشائے مند
ثابت ہوا تھا پانی میں اُترنے پر وہی میرے لیے موت کا سبب بن
جاتا۔ جب تک میں خود کو اُس کی بندشوں سے آزاد کرتی اُس کا وزن
مجھ لے ڈیتا۔ اس صورت حال میں ہی ضروری تھا کہ پہلے میں کسی
خشک جگہ اترتی ہوں تاکہ میں جوتا اپنا وزن کم کر سکیں پھر نیچے پانی
میں پہنچنے کی کوشش کرتی۔

میں نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد اُترنے کی خاطر ایک مقام منتخب
کیا اور گلابیڈ کا رخ اُس طرف کر دیا۔ اُس جگہ اترنا آسان نہیں تھا اور اسی
میں میری حیات تھی۔ کیونکہ میرا منطقی ذہن میرے اُس جگہ کے بارے میں یہ
نہیں کہتا کہ وہاں کوئی شخص جان بوجھ کر پہنچے گا۔ مجھے اسی لیے
یقین تھا کہ وہ مقام اور اُس کے ارد گرد کا نالی ڈھانچہ پھیلا ہوا حصہ
میرے لیے قطعی محفوظ تھا۔

میں نے گلابیڈ کی تیز رفتاری پر تالو پایا یا مگر وقت اس قدر
مقرر تھا کہ وہ جگہ پر اتنی کم تھی کہ مجھے پوری طرح ہلکت نہیں ملے۔
گلابیڈ کا ڈھانچہ پڑی توت کے ساتھ چٹان سے ٹکرا۔ وہ جھٹکا اُتا
شدید تھا کہ مجھے ہنسلے میں چند لمحوں کی دیر ہو گئی۔ میں اسی لیے منتخب
کیے ہوئے مقام پر قدم رکھنے کے باوجود اپنا جہانی توازن برقرار رکھ
سکی اور نیچے گر گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اسی طرح ہلکتی ہوئی
نیچے چلی جاؤں گی مگر چند لمحوں کے اُترنے کے بعد میرے ہاتھ ایک
اُچھے سے پھرتے ہوئے ہو گئے۔ وہ پتھر ابھر کے رخ نکلی ہوئی ایک چٹان
کا تھا جس سے میں ٹک رہی تھی۔

دراستہ سنبھل کر میں نے اپنے ہاتھوں پر زور دیا اور اُٹھاپ۔
نا کام رہی۔ میری توت کو صرف پوری تھی مگر جسم میں ٹھکر رہا تھا چند
لمحوں کے بعد اُن کی وجہ میری کچھ اُن گئی۔ میرے جسم سے بندھے ہوئے

پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

نورانی جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

نورانی جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

نورانی جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

نورانی جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

نورانی جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے
پاؤں کی طرح لاکھڑا تھا۔ اوپر کی جگہ
تھی تو وہ عقہ مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کہ کونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھٹ جاتا تھا
میرے ذہن کا امکان ہوا میں نے اُس
اوپر لگا ہوا ٹھکانہ تو زوراً بلند کر رہے

اوپر سے مجھے ہی محسوس ہوا تھا کہ جیسے رسی کا ڈوسرا سر اسلٹوں
بھیل پر لپک رہا تھا لیکن سر سے قریب پہنچ کر پتلا پلاک بھیل ذرا
ایک طرف ہٹ کر پڑ گیا تھا۔ رسی کے ایک سنبھنے سے ایک دم
رسی پھوڑ پڑی اور سنبھنے نے دھکی تو لہجنا بھیل کے کنارے ہی گر گئی جہاں
میرے اندازے کے مطابق تیز تر میری منتظر ہوئی۔

اُس صورت حال سے منتظر کا روت ایک ہی مل تھا جس پر میں
نے فوری طور سے عمل کیا۔ میں نے رسی کو مضبوطی سے پکڑا لیکن ٹھوکنے
والی ہتھوڑی کو ہاتھوں میں دیا اور پاؤں سکڑ کر چٹان سے لگا دیے
پھر میں پاؤں کا زور لگا کر چٹان سے اچھلی۔ میں کچھ دور جا کر دو پاؤں چٹان
کی طرف لٹی اور اپنے جسم کا تمام وزن پاؤں پر ڈال کر پھر اچھلی ہواں
باریں پہلے کی نسبت دو تین فٹ اور آگے تک گئی۔ میں نے چٹان
سے اٹھائی دوری پر پہنچ کر ہتھوڑی ہاتھ سے چھوڑ دی۔

دوہر میں چٹان تک پہنچی اور اوپر ہتھوڑی کے نیچے گرنے
کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز مجھے بڑی بھلی معلوم ہوئی کیونکہ وہ آواز
ہتھوڑی کے کسی پتھر سے ٹکرانے کی نہیں تھی بلکہ پانی میں گرنے کی آواز
تھی۔ گویا میرا اندازہ قطعی درست ثابت ہوا تھا۔ اب میرے نیچے گرنے
کے لیے پوری طرح تیار تھی مگر اس سے پہلے ہی مجھے کچھ کرنا تھا۔

میں نے ایک ہاتھ سے رسی کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے قیقل
میں موجود ان چیزوں کو کچھ پکنا شروع کیا جن کا تعلق کوہ پانی سے
تھا اور جن کی اب ضرورت نہیں تھی۔ یک جہاں تک وہ دن کم کر سکتی تھی
کیا پھر قیقل کو پکڑ کھینچ کر بند کیا۔

بھیل میں گرنے سے پہلے میں نے چٹان میں آگے سے پکڑے
ہے پتے تاجو سے ایک ایک کر کے غلطے اور ان میں پیروں میں چڑھا لیا
میں نے ایسا کرنے کے لیے باہری باری اپنے دونوں ہاتھ استعمال کیے
کیونکہ میں نے صرف ایک ہاتھ پر پوتے جسم کا وزن نہیں سہا سکتی
تھی۔ کام آسان نہیں تھا صرف ایک ہاتھ پر پوتے جسم کا وزن سہانا ہی
آسان کام نہیں تھا، پھر پاؤں کو پکڑ کر جوتے پہننا تو اب بھی مشکل مرحلہ تھا
لیکن میں نے یہ مرحلہ کسی نہ کسی طرح طے کر لیا۔ میں جب اس مشکل کام سے
خاموش ہوئی تو مجھے یوں لگا جیسے اب میری اس طرح لگے رہنا میرے لیے
مکمل نہیں ہوگا میرے دونوں ہاتھوں کی سیس پڑی طرح کھینچ رہی
تھیں اور ان میں شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ کسی لمحے میں ان تکلیف
کی شدت سے رسی پر میری گرفت کمزور پڑ سکتی تھی اور پھر انجامِ ظاہر
تھا۔ میں پھسلتی ہوئی چٹانوں سے ٹکرا کر نیچے لڑکتی چلی جاتی۔
میں نے یہ احساس نہ ہی اپنی ساری قوت یکجا کر کے رسی

کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پھر پتے
دیا۔ یک جب دوبارہ جوتے تک پہنچی
اچھلی پھر جب پہنچنے والے کے
پر جس نے رسی کا پکڑا چھوڑ دیا۔ میں
غرتے ہوئے اُس کے منتظر تھی جب
یا ایک جھپکے سے پانی میں جا گرا۔

آخر کار میرے پاؤں نے پانی کی
کاٹنے ہوئے کافی دور تک پہنچے گئے۔
پھر تری کی تری سے اٹھی اور پلے آ پ
اب میں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی
معاذ اُس وقت مجھے ایک عجیب سی
کے کوڑکی لٹ سے بلند ہو رہی تھی۔ شاید
جھینے کے باسیوں کو میرے بھیل تک پہنچ
میں نے تری سے جبر سے
دبا لیکن کچھ دور جا کر ہی میں ٹک گئی۔
میں نے اپنا اوپر کی جسم پانی سے باہر نکالنا
دیکھنے لگی۔

میری نگاہ رضوان کی تلاش کر رہی تھی
تھا۔ مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ
چٹا ہوا نظر آیا۔ اُس نے اپنے پیچھے ایک
جئے تھے۔ وہ چٹان میں بیٹھ ٹھوکنے کی
اور لڑکا ہوا تھا۔ غائب اُس کا لڑکا پھر
کسی ابھرے مجھے پتھر میں جھنسن گیا تھا وہ
جاتا۔ ایک اندازہ لگا کر لڑکا میرے ایک
شاید اُس جگہ پاؤں ہمارے میں کامیاب ہو کر
مشکل نہیں تھا کہ اُس نے بندھوں کو زور لگا کر
رضوان کی موجودہ حالت کافی خطرناک
کے سہارے خردی ڈھلان کا سہارا لیے اُس
ہتھوڑی سے رخ پر ضرب لگانے کے لیے
پڑا تھا۔ ذرا سا بھی جھٹکا مجھے کی صورت تک
سکتا تھا اور وہ چٹان سے لڑاکہ کر رہا
سکتا تھا۔

اب میرے لیے رضوان کا انتظار
ہی مجھے یہ احساس بھی تھا کہ وقت بہت
نادیدہ وہ معلوم خطرے کو قریب سے قریب

کا تھا۔ نہ جانے جبر سے کے باسیوں نے ہم
سما جو ہوا شاید کوئی تیز رفتار موٹر بوٹ پالانچ
اُس کی ہو یا جہاز اور مرکز کی راہ میں کوئی ایسی
جہاز سے دور کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہو۔ ایسی
پان میں نہیں ٹھہر سکتے تھے اور پانی سے باہر
اگت ہوتا۔

زور دے کر ہاتھوں سے قیقل کو کھینچے چپکے
پہننے سے اگت ہو کر تری کی طرف چھیننے لگا لیکن
میں نے پکڑ لیا پانی سے باہر اُس قیقل کو ایک ہاتھ
میں نے پکڑا لیکن پانی میں ہونے کے سبب
میں نے دوسرے ہاتھ سے قیقل کی زب کو پکڑ
دھکیلا تھا لیکن جادو اثر نہ ہوا تھا۔ اُس قیقل میں
وہ میں نے جس ماسک میں کال دیا جو پتھریں کے
میں چاقو اور دوسرا عملی ہتھیار تھا کہ میں
وہ ماسک سامان قیقل سے پھیل کر تری کی پتھر
کے پھر رضوان کی طرف تیز تر ہوئی۔ وہ وہاں دریاں کی
اُس میں رسی ڈال کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ لگا

تھی کے سہارے بنے آئے لگا۔ بھیل سے اُس کا
اور دوسرا سر اچھیل کی سطح سے بہت بلند تھا جہاں سے
رضوان کے لیے اس کے سر کو اکی چارہ نہیں تھا کہ وہ
ظہارت کا تھا بلکہ جس نے کلمے خیال آیا تھا اور
کچھ ہی تھیں مگر ایسا نہیں ہوا۔

تو رضوان کو ایک ایسی دراڑ مل گئی جس کے سہارے
بھیل کی طرف چل سکتا تھا۔ میں نے جینی سے اُسے
ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ دراڑ کے خاتمے پر اُسے نیچے
کمرنا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ اُس دراڑ کے خاتمے
اور دراڑ تھی جو رضوان کو ایسی چٹان تک پہنچا سکتی
وہ بآسانی بھیل میں چھلانگ لگا سکتا تھا۔
دراڑ سے چند فٹ کے فاصلے پر چھری کی طرح سے چھیل
رہی تھی۔ دراڑ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے
کا وہ فاصلہ طے کرنے کی ایک تیز گہرے ہو سکتی تھی
میں پرل پر زامین تھا۔ جس طرح رضوان نے اوپر
میں اُس طرح وہ ایک منٹ اور پھر سکتا تھا۔ منٹ
ہاتھوں کا سہارا لے کر منٹ پر چھوٹا ہوا دوسری دراڑ
وہ دراڑ کافی مشابہ تھی اور اُس کا پکڑنا حتمہاً باہر کی

رک پھیلا ہوا تھا اُس لیے اس پر پاؤں جمانا
بہت خطرناک تھا مگر نیچے آنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پھر یہ کہ نیچے
آنے کی صورت میں وہ خطرے میں تھے جہاں اُن پر پیش آتے۔
رضوان بھی شاید میری ہی طرح سوچ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ
دراڑ کی طرف چھینکے لگا اور خطرناک حد تک ٹھک گیا، پھر اُس نے ہاتھ
اٹھائے اور جس حد تک اُس میں چھلانگ لگائی تھی، اُن تک ہاتھ لے جا
کر منٹ ٹھوکنے شروع کر دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ منٹ نہ ٹھوکر
سکے گا اور نیچے آجے گا میرا دل بہت زور سے دھڑکا۔ رضوان میری
آنکھوں کے سامنے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور میں اُس
کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے میری سہاوت سے ایک مانوس سی
آواز اُٹائی۔ میں نے نہایت بدلا اور اُس سمت دیکھنے لگی۔ حضرت
آواز سنائی دی تھی۔ وہ آواز قریب سہاوت تھیں تھی۔ مجھے کئی منٹوں پر
ایک موٹر بوٹ پالانچ کی سی محسوس ہوئی مگر حرکت کوئی بھی نہ نظر آ رہی تھی۔
میں نے سوچا کہ وہ چند ہی منٹ میں سر پہنچ جائے گی اور پھر
یا تو ہم پچھلے جائیں گے یا موٹر بوٹ سے برائی جانے والی گولیوں کا
شکار ہو جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ایک باہر رضوان کی
طرف مڑ کر دیکھا۔

رضوان منٹ ٹھوکنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب اُسے ہاتھ
سے پکڑ کر اُس کے سہارے چھوٹنے ہی دلا تھا۔ یہ خبر دیکھ کر رضوان
اپنی پہلی ہی گوشش میں کامیاب ہو جانا کیونکہ اُسے کشش کرنے
کے لیے دوسرا موقع مرکز نہ ملتا۔ وہ جس جگہ کھڑا ہوا تھا، دالں دوباہ
پاؤں جمانا میرے خیال سے ممکن نہیں تھا۔
رضوان نے منٹ کے گرد حرکت کی اور اُس کے پاؤں دوسری
دراڑ کی طرف پڑے۔ مجھے ایسا ہی لگا جیسے وہ اپنا جسمانی توازن بڑھار
نہ دیکھ پائے گا اور گڑبڑے گا مگر یہ میرا دماغ ثابت ہوا۔ رضوان کا ایک
پاؤں دراڑ تک پہنچ گیا تھا مگر اب اُس کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے
باقی جسم کو ایک پاؤں کے سہارے کی طرح سیدھا کرے! پتھر ٹھوکر
مرہلہ تھا۔

رضوان کا سر کی جسم جتنا تک کی بہت سی مشقیں ڈھیر سکتا تھا
مگر شاید کسی جراثیم نے ایسی خطرناک حالت میں کرب نہ دکھائے
ہوں گے۔ چند لمحے بعد رضوان اپنے جسم کو سیدھا کرنے لگا اور وہ
چند لمحوں میں ہی ہر طرف تھیں تھے۔ میرے ہر طرف سے بے نیاز
وہ سادہ رضوان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ میرے سنسنی خیز لمحات سے
ایسے لمحات جب واقعی دل کی دھڑکن کرتی محسوس ہو۔ رضوان نے
شاید ہاتھوں سے رخ پر زور دے کر جھینکے کے ساتھ اپنا جسم اٹھایا۔
اُس کا جسم کسی گھڑی کی سوئی کی طرح گھوما اور پھر جیسے گرنے لگا

نے دوسرا پاؤں دراز میں جما رکھے جس کو کنبھال لیا اور دو پاؤں چٹان کی پتھر لٹ سے نیچے کی طرح چبکے گیا۔ اس کے چند لمحے بعد ہی وہ تیزی سے چٹان کی طرف گرنے لگا۔ جیسے جیسے دراز کا ڈبڑہ دھڑکا۔
رضوان کے لیے کھٹکا آسان ہوتا جا رہا تھا۔ دراز کا آخری حقد تو اس نے دونوں ٹریس سے پل کے طے کیا تھا۔ اور پھر چٹان پر پہنچ گیا تھا۔
”رضوان“ بھلکی کر دہا، ”یہ مرنے پر ہی قوت سے چبک کر گیا۔“
”ننانے نے میری کاروائی کر کے دینا پھوڑا دیا۔“
”میرے بھتیجے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے اپنے کندھے پر بندھا بجا اٹھیا کھولنے لگا۔“

میرا خدشہ ہے جا نہیں تھا کہ یہ
سا آگیا۔ وہ اس کے آواز تو مجھ تک پہنچا
شدید جھٹکا میرے جسم سے اتنی شدت کے
ساتھ ہالے جانے لگا۔ غالباً خران بھی اس کی
کیونکہ وہ مجھ سے دُور نہیں تھا۔

میں اور رضوان بیڑی کے ساتھ تیرتے تھے
 نہائے کی طرف پہنچے تھے کیونکہ اب اپنا باغ
 سا ہو گیا تھا۔ مجھے ایک سمت تائی کی سی نظر آئی
 ذہن میں کسی غار کا خیال آیا۔

نوچند مجھے بعد ہی میرا سر پانی سے نکل کر غدا کی پتھر
گیا مگر ضرب شدید نہیں تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ
پانی جھرا ہوا تھا، صرف پتہ پانچ کا گول خلا ایسا تھا
سکا تھا۔

نے جس بہت کام سے ہے۔
اب وہ بھی اپنے فرائض سے سانس لینے
اے مخالف کیا بڑے پھنسے؟
میں رضوان میری تائید میں بولا۔
وہ نہیں ختم کرنے کے لیے استعمال

تو! ات ہی کر رہی تھی کہ اچانک جیسے غنا
 ملا اور میں ہرگز گیا۔ اسی کے ساتھ دھماکے کا آواز
 بعد دیکھتے کئی دھماکوں کا آوازیں آئیں پھر

اپنے اس چٹان پر پہلے بڑے تارکس کرنا
 ہمیں اترنے والا تھا؟ کیا آپ کا واسطہ بھی کسی
 پڑا تھا؟
 "نہیں نے جواب دیا۔

میں نہیں بتایا گیا، رضوان کے لیے میں فخری جملہ
وقت ایک بار پھر مہموں کے دھماکے سنائی دیے
تہجیچہ اسے اسے بکنے کے لیے۔

”ہاں!“ میں نے جواب دیا، اُن کے سونے کیسے روبرو اٹھارے
بے دی جوگی کہ ہم جھیل کے پانی میں نہیں ہیں جس کا مطلب یہی ہو
سکتا ہے کہ جہاں پر پہنچے اُس جگہ ہیں۔“

سے زہریلے ہیں جو کھیت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ پودے عام طور پر دھات سے بنی پرنٹ کے طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ پودے عام طور پر دھات سے بنی ہوئی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ پودے کے لیے بہت کام کیا کرتے ہیں۔ یہ پودے کے لیے بہت کام کیا کرتے ہیں۔ یہ پودے کے لیے بہت کام کیا کرتے ہیں۔

اغیار کیا۔ ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو اور موزوں ہی سے ملا جلا
 کوئی اثر استعمال کر لیا ہو۔
 میں نے اثبات میں سر ملوایا۔
 مدد لیکن اسی صورت میں جب ہم دوبارہ اس غائبے عمل کو محسوس

اب لاج نہیں بھیجے گئے۔ ایک حربہ جو نامور چوکا ہے اسے نہ لڑنے
 جانے کی مجھے امید نہیں۔ وہ اب ہمارے لیے کوئی اور حربہ استعمال کریں
 گے۔ میں نے رضوان کی بات کا جواب دیا۔

یہ لے والی ٹکی چڑھائی اور انیس تین ٹینک کا دوا کھول دیا، پھر پانی میں غوطہ کھایا۔ رضوان نے بھی میری تقلید کی۔

تھیں۔ پان کا پ دور دور تک پتا نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے کسی کا وہ اندیشہ کیا اور کسی منہ سے شادی۔ اب میں پانی کی سطح پر تیزی سے روانہ کرنے میں ایسا ہی کیا۔ انکسین کو خواہ خواہ منانے کو نالا حاصل تھا۔ میں کافی دور تک تھکا تھا اور میرے ہاتھ بھی نہیں دھکنے کے تھے۔ میرا جسم ہی دور کر رہا تھا مگر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مسلسل تیزی میں اور ہی حال رضوان کا تھا۔

جو میرے کی مرکزی عزت اب اس بلکہ مجھ سے قریب ہوئی جا رہی تھی۔ میں تیرے لئے کافی دیر ہو چکی تھی کہ ایک لمحہ پر ہم نیا چھوڑا ایک دم عجیب قسم کی حرکت کا باعث بن گئی تھی۔ ہم خود ہی رک گئے اور اس گڑ گڑا ہٹ کا سبب جاننے کے لیے جاؤں طرف دیکھنے گئے لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ وہ گڑ گڑا ہٹ پانی کی تہ سے ابھرتی ہوئی ہو رہی تھی اس لیے اس حقیقت حال جاننے کے لیے ہم نے کسی کی ہنگامی لٹائی نہ سے لگا کر پانی میں غوطہ کھایا۔ پہلے تو میں کچھ نظر نہ آیا اور جب پانی میں دیکھنے کے قابل تھے تو دیر ہو چکی تھی۔

پہلے اس عمارت کے درمیان آہستہ آہستہ سلاخوں سے بٹی ہوئی ایک دیواری حامل ہو چکی تھی جو دونوں طرف سے ڈوٹ تک چل گئی تھی۔ اگر ہم گڑ گڑا ہٹ کی آواز سننے سے تیزی سے رفتار نہ رکھتے تو شاید اس سلاخوں دار آہستہ دیوار کے اوپر آئے سے پہلے ہی اسے پار کر جاتے۔ ہم اذکر میرا انداز وہی تھا کہ ایسا ممکن تھا مگر ہم نے اہل حال ایسا نہیں کیا تھا اور اب ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ وہ سلاخوں دار دیوار تہ سے شروع ہو کر پانی کے پار تک بلند ہو چکی تھی۔

ہم سب آہستہ آہستہ اور اس میں کی نکلیاں نکال دیں پھر ان سلاخوں کو دیکھا جو پانی سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ پانی سے باہر ان کی لمبائی تقریباً ایک فٹ تھی اور ان کے سر سے نوک تھیں۔

”اب کیا کیا جائے؟“ رضوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

”ان سلاخوں کو سر پر کرنا پڑتا تو ممکن نہیں“

”سلاخوں کا ادویہ حقہ بننے سے جلد نظر آئے“ اور دونوں حصوں کے درمیان عسوی استعمال کی گئی ہے۔ ایسا کی محنت کی جگہ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔“ میں سوچتے ہوئے بولی۔

میری بات سن کر رضوان بھی سوچ میں پڑ گیا۔ غالباً وہ میری بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ بات کہ یہ تمک سیخ مہیا اور بولا۔ سلاخوں کے اوپر کی حصے میں غالباً برقی زود روانی لگنی ہے۔ درمیان میں محنتی اس لیے دی گئی ہے کہ پہلے حصے میں پہلی نہ پتے۔ پانی کی موجودگی پہلے حصے کو شارت سرکٹ رکھتی ہے۔“

اسی وقت میں نے محرم کو پھیل سمت میں دیکھا۔ پھر زیر برب

ہولی۔ ”ہم چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔“

زیر زمین موجود تھا اور ہاتھ اسے

رضوان نے مجھے مڑ کر دیکھا۔

”مگر کیا ہم گھیرے گئے؟“

”ہو سکتا ہے کہ وہ میں پتے نامی“

”سے کہا؟“

”مذوق میں جو برقی طے تو کیا کیا تھا؟“

”مثلاً شاخ نکلیاں یا مگر کچھ“

”میں خوف میں تھا۔“

”اگر میں خیال حقیقت بننے والا تھا تو“

”اُس قسم کے کا جواز نہ آیا جاتا۔ میں نے یہ“

”کوئی چاہتے تھے؟“

”جیک کا لیر کھول دیا۔ پھر پانی میں غوطہ کھا“

”نے مڑ کر پتے میں اس بولی کی تہ کو بھی لگا دیا“

”جہاں پہلی طرف بٹ کر رہا تھا۔“

”میں نے تہ کی طرف جلتے ہوئے مڑ کر دیکھا“

”تقلید کرتے پایا۔ میں بڑا پراہل طرف دیکھنے لگا“

”پانے ہوا پانی میں کوئی اور تہ حرکت کرتی نظر نہ آئی“

”میں مطمئن نہ ہو سکی۔ سبب یہ تھا کہ کسی کی آواز“

”نہیں یہ چھوڑ دیا جائے گا کہیں۔ کہیں اُس کنبہ“

”راستہ ہو گا یا پھر تہ ہی میں کوئی خانہ کھلے گا جس سے“

”محرم پر چھپتے پڑے گا۔“

”اگر ہمارے پاس کچھ وقت تھا تو اس سے ما“

”تھا۔ منامیرے ذہن میں ایک عمدہ خیال آیا تھا جس سے“

”کرنا چاہتا تھی۔ میں نے اپنے قہقہے میں ہاتھ ڈال کر دوا“

”سے جھٹک کر طرف مڑی اور اُس وقت رضوان نے“

”میں نے اسے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک سمت اشارہ کرتے“

”اُس سمت نظر ڈالی تو تہ کی حرکت کرتے ہوئے دیکھا“

”طوبہ پہلے ہی کوئی ایسا منظر دیکھنے کے لیے تیار تھی۔ اس سے“

”اثر نہ ہوا۔“

”مجھے بڑی تیزی سے شاخ کا ایک نول نظر“

”کھلے ہوئے منہ سے تیز تر نوک سے دانت نے خوفناک انداز میں“

”تھے۔ وہ دنیا کی خطرناک آہنی قوتوں سے گھیرا ہوا تھا“

”پاگل ہو جاتا ہے اور پانی میں حرکت کرنے والی ہر شے پر“

”سے ایک نے پٹ کر جھٹک کا رخ کیا۔ رضوان میرے پیچھے“

”ہندو کو اتنے شاخ کا پھیلوں پر حملہ“

”نے اتنے اشارے سے رک دیا خون“

”کھٹا تھا پھر وہ ہم پر ٹوٹ پڑیں اور“

”پھیلوں کی اس عادت سے میرے“

”پہلے پاگل ہوئے تھے خون کی بڑی“

”میں تھکا تھا کہ انھوں نے اس جنگلی خون“

”کا بہت خوف کرنا جو کہیں شاید انھیں“

”پہلے اپنے تھکا کر خون خشک کرنا چاہتے“

”اور یہ کرنا چاہتے تھے۔“

”انظر تھے میرے قریب تھکا اور“

”پانے ہوئے ہم جھٹکے کے ایک حصے سے باہر“

”کر رہا تھا کہ کوئی بولی جتنی دور ہو سکتی تھی ہو“

”کی تقلید کرتی تھی۔ اب میں اپنی بڑائی کے لیے“

”کے لیے باطل تیار تھی۔“

”مجھے ٹھوکا دیا تو میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔“

”میں نے پھیلوں کے درمیان حرکت کرتی ہوئی“

”کھل کر پھیل جی سے مشابہ تھی مگر اس کا انداز“

”ال ایک کی تیزی سے خارج ہو رہی تھی۔“

”ابن میں گونجا۔“

”میں کی نسبت تیزی سے حرکت کر رہی تھی۔ میں“

”کیا تھا۔ ایک ایک پھیل خون خارج کرتے ہوئے“

”اپنے داخلے سے ٹوٹے ہوئے کر دیا پھر“

”ہاں سر پہ خون پھیل گیا۔“

”ان کا لمحہ ابھی گیا جب میں نے اس خطرناک آہنی“

”دیکھا۔ ان کا غول ایک دشت کے عالم میں نکل“

”خون کی طرف چھپت پڑا۔“



”کئی کے تاروں میں سے پچھلایا اور میں نے“

”میں برقی زود رفتی تو دھماکا تھا کام کرنا اور ہم دونوں شاخ کا پھیلوں کی“

”خون کا بننے کے لیے وہیں لگا رہا تھی پھر میں نے جاتا۔“

”میں نے دھڑکنے سے دھکے دیا کہ اس کا زور سے زیادہ پانی کے آؤٹے سے ہوا۔“

”میری توقع کے میں مطلق دھماکا ہوتا ہے ہی پھیلوں کا گھبراہٹ سے دور“

”ہو گئیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دوسری حصے عارضی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ“

”دوبارہ ہمارے قریب آتا میں اور اس کا باران کا حملہ شدید ہوتا۔“

”میں نے پانی کے ٹپکوں کو ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ رضوان کو اپنے“

”پیچھے آنے کا اشارہ کر کے میں تیزی سے اسے پیچھے کر کے اس حصے کی“

”طرف بڑھی جہاں کچھ دیر پہلے میں نے کہا تھا۔“

”میں تیزی سے تیزی ہوئی تھی پھر کے اس حصے تک پہنچ گئی۔“

”پھر کے ایک حصہ دھماکے سے متاثر ہوا تھا۔ وہیں سلاخیں ٹوٹ کر“

”اور پھر پھر گئی تھیں اور اسے راستہ میں لگا تھا کہ اس کا رضوان باری باری“

”اس سے گزر سکیں۔“

”میں وقت ضائع کے بغیر سوراخ کی طرف بڑھی اور فوراً اس سے گزر“

”کر آہنی پیچھے سے نکل گئی۔ میں نے ایسا کرتے ہوئے کسی خود غرضی کا مظاہرہ“

”نہیں کیا تھا۔ میں رضوان کی نسبت اس سوراخ سے قریب تھا کہ رضوان“

”کی اس طرح مدد کر سکتی تھی کہ تیزی کے ساتھ اس سوراخ سے گزر کر رضوان کے“

”پہلے طرف ماف کر دوں۔ اگر وہ کا یہ قاتلانہ ہونا تو میں یہ فیاضوں میں کھیلنے“

”اس پیچھے سے نکلنے کا موقع دیتی۔“

”رضوان میرے پیچھے پیچھے ہی رہا تھا مگر میرے پیچھے سے دیر ہو گئی تھی۔“

”پاگل اور غور کا پھیلوں کا غول منہ کھولے اس پر چھپت پڑا تھا۔“

”میں نے جلدی سے اپنی آہی ہندو کی کا رخ اس پھیل کی طرف کر دیا اور رضوان کے“

”بہت قریب پہنچ گیا تھی میں نے یہ کہ پیچھے کے سلاخوں سے نکال کر پہلی“

”دبا دی۔ لمبا آہنی تیر ایک جھٹکے کے ساتھ ہندو کی منقری میں نل سے نکلا“

”انتہائی تیزی سے پانی کو کاٹا ہوا تھا اور شاخ کے کھلے ہوئے منہ میں“

”پیوست ہو گیا۔“

”تیرے کھلے ہی پہلی بڑے زور سے لڑائی میں نے اپنا کھلا ہوا منہ بڑھ کر نا“

”جا بٹا۔ وہ اپنی کوشش میں دوسری طرف کا یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیزی میں اس“

”کے پیچھے میں پیوست ہو چکا تھا۔ پھیل کے کادھ کھلے منہ سے رخ مڑ کر خون“

”بہر تیزی کے ساتھ اتر کر دھچکے لگا۔“

”اس وقت دوسری پھیلوں رضوان پر ٹوٹ کر کے آسانی اُسے اپنی خونراک“

”بنا سکتی تھی۔ مگر وہ رضوان کی کانٹے میں پھیل پر ٹوٹ پڑا اور اس طرح رضوان“

”کو قوت مل گیا کہ وہ میری طرح اس کو تہ کے پیچھے سے باہر نکالتے۔“

”اگر رضوان اس خطرناک منظر کو دیکھ لیا کہ اس کو اس کے کتنے قریب آ“

لوئی ہولی کی سلی ملاؤں سے خود کو بچانے کے لئے گھڑے بدلوں اور بیس یا چڑے۔ دھمکے کے سبب ملاؤں کا کچھ ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فلائین گیا تھا اور کچھ چھوٹی چھوٹی ٹوکیلی پیلوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ فنی پیلوں سے پوشائیدار علاقوں میں جمائے لیے ممکن نہ ہوتا مگر اس وقت ہمارے جنموں رقبہ نور گھڑائے کے لباس تھے جو نور کو ٹوکیلی پیلوں سے اعلیٰ اور نیچے تھے۔ ٹھیکے کیوں کی چھن محسوس ضرور ہوئی تھی مگر کوئی زخم یا خراش نہیں لگی تھی البتہ گزری گئی کا احساس انتہائی ناگوار تھا۔ بدلوں سے حراغ پھٹا رہا تھا۔

عظیم اس لئے کہ لڑا۔ ہمیں شاید یہ نام نہیں کہیں گے کہ اور بھی اختلافات کر گئے ہیں۔ اگر کوئی مجھے قتل بھی کر دے تو میری دنیا ہی نظام اس کے ہاتھ نہیں لگ سکتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری پہلے ملک میں اپنے دفاعی نظام سے جو بہترین عقاب نہیں ہوں۔ تم نے ہاں تک پہنچ کر میرے مفروضات کو شکست دے دی ہے۔ میں تمہاری کوششوں کو دیکھ کر لازماً گھمکتا ہوں کہ ایک اعلیٰ تر ذہن انسانی کیا چکر لگاتا ہے! میں سمجھ چکا ہوں کہ میں انسان پر فتح نہیں پاسکتی۔ وہ بہ حال دشمن ہے اور انسانی ذہن کی تخلیق ہے اس لیے انسانی ذہن اسے شکست دے سکتا ہے۔

”اگر آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں تو پھر اس نظام کو تباہ کیوں نہیں کر دیتے؟“

”یہ میری زندگی کا حاصل ہے۔ اس نظام کو ترقی دینے کی خاطر میں نے اپنی زندگی کے دباؤ کتنے قیمتی روز و شب خرچ کیے ہیں۔ میں نے اس کی تخلیق میں اپنا دھنوسرف کیا ہے۔ میں۔۔۔ میں اسے بھلا اپنے ہاتھوں۔۔۔ جو اپنے ہاتھوں سے اس طرح بگاڑ سکتا ہوں؟“

”لیکن انسانیت کی فلاح کے لیے اگر اتنا کر رہے ہیں۔ میں نے ہمدی سے کہا کہ اگر یہ نظام کائناتوں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر کے ہودوں پر کیے جوئے نظام مائذ پر بائیں گے۔ جو لوگ بھلے سے نہک اٹھا چکے ہیں وہ خود بھلوں میں جا بیٹھے اور وہیں پر غرضیات تنگ کر دیں گے۔“

”پھر میری بات سن کر خاموش رہا پھر اس کا سر ٹھٹکا دیا گیا۔ پھر دیر بعد جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو مجھے اس کی آنکھوں میں نمی محسوس ہوئی۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ میرے جذبات سے نہ کیوں؟“

”ہمیں شاید علم نہ ہو کہ میرا دل بہت کمزور ہے، بہت اذیت برف چل رہی تھی اور اسے نہ جذبات کی ضرورت تھی۔ یہ محسوس کرتے ہی میں پھر جذباتی مجھے میں ہوں اٹھتی۔ بے پروا ماماں نے تھوڑے بے دلی لوگوں کا تصور کیسے بہتر نہیں بنایا ہے کہ ان مجھ میں ہوں کا تصور ہے جو پورا ہوتے ہی اس کو اپنی ظلم و ستم کے کھچل میں پھنسنے جاتے ہیں؟“

”اُن مجھے ہر طرف کیوں کے بائیں میں سوچے ہیں جن کی عصمتیں محفوظ ہیں اُن محروم اور دن کا خیال کیسے جو درد دے سکتے تھے۔ میں اور اپنی زندگی بچانے کی جہد میں ہوں کہ تیرے تیرے قرب کرمان دے دیتے ہیں اور اُن ماؤں کی حالت پر غور کیسے ہیں کیسے بیٹے۔۔۔“

”چپ ہو جاؤ خاموش ہو جاؤ! پھر تیرا بیٹہ چلا دینا۔۔۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔“

”پسے کے نظرات ابھر آئے تھے اس نہیں تھا کہ میں نے اسے انسانی بہانہ کچھ دیا ہو خود اس کی سبوت کرنا نے تم سے کہا تھا کہ میرے جذبات کو کہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر بھٹکے سے تمہیں دیکھ کر ہوا چاہیے تھا۔ مگر تمہاری حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔“

”تو کیا آپ دفاعی نظام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں؟“

”ہاں! پھر نے یوں ماسیلا۔“

”سوچ رہا ہوں کہ کل سے اس مسئلہ سے بات سے کہ دشمن مجھے کیسے تک کیسے پیڑھنے جس خشتے کا اٹھا کر رہا تھا۔“

”تھا کہ ان نقوب اٹھیں تو ایک اور بار شاید وہ پوری قوت سے حاکم اور۔“

”کیا آپ دفاعی نظام کو ایک ماحول پر چلتے ہیں؟“

”ہاں! پھر نے جواب دیا۔“

”دفاعی نظام کی بنیاد ایک کمپیوٹر ہے۔ میں اسے بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں کہ۔“

”کاموں میں استعمال ہو سکے اور اس کے۔“

”آپ کا خیال قطعی درست ہے۔“

”کی طرف سے اپنی مملکت میں مل کے غیر اٹھنا اور پھر ملے کی تیار بن شروع کر دی ہوں۔“

”اگر وہ واقعی جب تک پہنچنے میں کامیاب۔“

”اس کے ہوا کوئی چارہ نہ ہو گا کہ میں اپنی اس مملکت پر ہو کر میری زندگی میں لکھ میری موت محنت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔“

”اپنے کہ اسٹیل کے ساتھ آپ کا پہلا بہانہ پھر دہرائی تھی خود میرے ذہن میں بھی یہ بہانہ وقت مجھے اب اس کا خیال نہیں آیا تھا۔“

”شاید وہ ہی ہے گا، پھر نے انفرہ سے بچے۔“

”مگر اس کے چہرے پر حزن و دلت چھایا۔“

”ایک سال کے چکر سے گزرا اس کا تعلق میری۔“

”مگر یہ لٹا نہیں پسندیں کرتا۔“

”کہنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے شام سے۔“

”انفرہ اور جذباتی ہو گیا تھا پھر کہ وہ بات اس میں بتائی تھی کہ میں کیسے بتا دیتا۔“

”اس لیے مگر کہنا نہ ہوا تھی تھا اور نہ کوئی۔“

”ان میں اس اشارہ سمجھ کر خاموش ہو گیا تھا اور۔“

”مگر وہ خاموشی چھا گئی تھی۔“

”یہ ایک آواز ہی تھی تو وہ اس نے ڈیڑھ دن کی بات کے ساتھ کوہمان خانے میں ٹھہرا دیا تھا۔“

”ان لوگوں کے لباس طعام اور رہش۔“

”قبل وضو نے ایک بات اور پھر۔“

”اس لیے جزیرے سے واقف ہیں جو چاروں کپلی۔“

”مگر جزیرہ اس کی جلد میں شامل تو ہے۔“

”کوئی دشواریات نہیں تھی۔“

”اس کے لیے میں اور وضو نے اس کے ہوا کو سٹرول دوم سے روانہ ہو گئے۔“

”اور پھر پہنچنے کے لیے ایک بار پھر اسے استعمال کی گئی۔“

”اسی راہداری میں کھٹنے ولے ایک دروازے سے گزر کر ایک۔“

”اور راہداری میں داخل ہوئے جس کے اختتام پر ایک من تھا۔“

”صحن سے گزر کر عمارت کے کمان کوں تک پہنچ گئے جو دروازے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔“

”ڈیڑھ دن اب ہمارے ساتھ اس طرح میں آ رہا تھا جیسے ہم۔“

”پھر کے دست ہوں ہی لیے وہ میرے ہر آل کا جواب دے رہا۔“

”تھکے مجھے اس سے علوم ہوا کہ میرے سٹرول دوم کے برابر ایک کسٹ۔“

”میں قیام پذیر تھا۔ پھر ایک دیکھ بھال کے لیے ایک ڈیڑھ گھنٹہ۔“

”محسوس کے ایک کمرے میں رہتی تھی۔ پھر دل کا مریض تھا اور اس پر۔“

”دوڑ سے بڑھتے رہتے تھے۔“

”جذیرے سے ہوا جو دروازے کی صحت و تندرستی کے لیے بھی دتے۔“

”ڈاکٹر ہمارے ہوا۔“

”پھر اپنی خوشی سے مجھ سے۔“

”کی تھی۔“

”یا جہاں ان کا دل چاہے گزر سکتے تھے۔“

”ڈاکٹر ہمارے ہوا۔“

”فرض شناس اور بڑی خوش مزاج عورت تھی۔“

”افراد اس سے بہت افسوس کرتے تھے۔“

”مجھے ڈیڑھ دن سے اس وقت کچھ معلوم نہ تھا کہ گردہ میں ہاں کر رہا۔“

”میں پہنچا کر مارتا تھا کہ بولتا نہ جلا گیا تھا کہ میرے لیے لباس کا اندویش ہو۔“

”مجھے درضوان کو الگ الگ کمرے دیے گئے تھے جن کے درمیان ایک۔“

”مشترک دروازہ تھا کہ کشادہ اور عمدہ طریقے پر سجے ہوئے تھے۔“

”کمرے کے ایک کھڑکی، صوفی، چھیل کی طرف نکلتی تھی جس کے دینے باہر کی۔“

”خوشگوار تھا کہ کچھا جاسکتا تھا کہ کسے کس پر دیر تا دیر بچھا ہوا تھا۔“

”ایک طرف سہری تھی اور دوسری طرف چار کمریوں کے درمیان میں ایک۔“

”خوبصورت گولی میز بھی ہوئی تھی۔“

”سیٹ دکھا ہوا تھا جس کے برابر ایک میز پر لیفٹون ادا بھی مرافت۔“

”کایڈریو موجود تھا۔ ایک دیوار سے لگا ہوا چھڑا سا شیلف تھا جس میں۔“

”انگریزی ادب کے شاہکار سجے ہوئے تھے۔“

”کاروازہ کھلا تھا کہ کمرے کی دیواروں پر اعلیٰ درجے کی پینٹنگ تھیں۔“

”ایک کونے میں الماری تھی جس کے ایک کونے میں لباس شینٹ لگا ہوا تھا۔“

میں اس چیز کی کفایت سے اس وقت چوٹی جب مجھ آنے
 ہاتھ پر کسی اجنبی ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا میں نے انھیں گھوس تو جیسے میری کھیں
 خیر و کور ہوئیں۔ اس حسین و دلکش چہرے پر ایسی ہی روشنی جیسے سیاہ
 بدلیوں کے بجائے سندی بدلیوں میں ہو۔ اس کے گسو سنہری تھے ہر کی
 ڈھلجیڑی روشنی کی انکھیں مجھے عجب انداز میں نگہ رہی تھیں۔ اس پر
 ایک عجب سمجھوتہ کا عالم طاری تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں دین دگر کی
 اس گھٹنہ بہت خبر نہ سن کو ظاہر کرنے کی نفسی ناکام ہاتھا۔ و دودا شرمناک تھا

382

میرے ہائے میں کپڑے ٹرے تمام معلومات حاصل کی
جیسے میرے کسی اور سرخیاب میں تھی۔ مجھے ایک حسن تھا۔
وہ عزت سے رہتا تھا اور بھلا میں اس عزت کو کیسے لکھا
ہائے میں جو شکوک و شبہات میرے دل میں پیدا ہوئے
مجھے دور کیا جاسکتا تھا۔

"ماتحتا دور لنگہ لکھے گا روز و اندھ سے نہ کرنا
خلوت میں عاریت نہ ہو مجھے نے خواب کے سے غلام

۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

کس طرح اتنی رکاوٹوں کے باوجود یہاں آنے میں کامیاب ہو گئیں؟
 ”انسان ہمت کرے تو کوئی بُرائت ناممکن نہیں“ میں نے کہا۔
 ”پھر بھی میرے دل میں وہ ماری باقی جانے کا شدید اشتیاق
 ہے۔ جس سے یہ جاننے کے لیے چپکن ہوں کہ اپنے اُن شدید محظرت
 کا کس طرح مقابلہ کیا گیا؟ آپ مجھے بتائیں گے؟“ یہ کہہ کر اس نے
 میری طرف گردن لی اور میرے نظریں بائیں ڈال دیں۔
 اُس کا جہانِ لمس مجھے بے خبر پر مجبور کر رہا تھا لیکن میں فوراً ہی

سبیل کئی۔ میں نے کئی گزلیاں تیں بھلی بھلی اسی لیے اے ہاتوں
ہاتوں میں اڑا دیا اور اپنی خطرناک ترین مہم کے بارے میں تعفیل نہ کر
سے گزر گیا۔

تسے مار تھا کی باتوں سے اجازت لگا کر مجھے پرہیز کرنے والے بھی نکل طور پر مجھے کے دنا سے انکار تھا۔ انہیں صرف اپنے گئے بندہ فرماؤں کا ملکہ تھا اور یہ کہ مجھ سے کہ کن علاقوں میں اُن کا جانا ممنوع ہے۔ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ غلاظت پر کھانے والے اپنے نقصان کے خود ذمے دار ہوں گے۔ اُن میں صرف ڈیوڈن ایک ایسا شخص تھا جسے دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ معلومات تھیں مگر وہ اپنے بے تعلقت یا تھقیوں سے بھی بیخبر دوی بائیں کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اس سے قطع نظر یہ کہ مجھ پرہیز کرنے والے بھی اپنے معمولات کے عادی ہو چکے تھے اور اپنے کام سے کام لیتے ہی میں عازت سمجھتے تھے۔

ان حالات میں چارلس کیل اور بین یعقوب کو یا کسی بیونی ہی
چاہیے تھی جب بیڑے کے سوا کسی کو مکمل تفصیلات کا علم ہی نہیں تھا تو
اُنھیں کسی مافظہ کو اپنے ساتھ لاکر کیا فائدہ ہو سکتا تھا!

مارتھا ہمیں شخصیت جزیرے کے بارے میں صرف مغز افائی
معلومات حاصل کر سکتی تھی میرے اندازے کے مطابق جارج کی سیل
نے مجھے جو نال دیا تھی وہ مارٹھا جی کی حاصل کردہ معلومات پر
مستند تھی۔

شام کے قریب جب میرے کمرے میں موجود شیون کی گھنٹی بجی تو میں نے سوچا کہ شاید میٹر مجھ سے بات کرنا چاہتا ہو۔ گھنٹی نے ریسور اٹھایا تو دوسری جانب میٹر کی بول رہا تھا کہ اس نے بہت مختصر سی بات کی کہ لندن سے چار سی میل بچے کے گھنگھوڑا چاہتا ہے۔ ”میلڈیس“ میں نے لندن سے راپٹ قائمیت کے لیے کہا۔

”بیرو بازا“ چارلس کیلی کی جانی پہچانی آواز سنانی وی ”بیو مارک
جو اہم نے وہ کلارنٹ نامہ انجام دیا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی
نہیں ماسکاتھا“

”جھوٹ نہ بلو! میں نے نورا کہا میں تمہارے سچے سمجھے منہ سے
کے تحت مبالغہ آئی ہوں۔ تمہارے منہ سے یہی کلام جاری ہوگا، اس
پر مجھے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بعض اوقات مولیٰ کے لوگ بھی
اتفاق کے کاماب رہ جاتے ہیں۔“

”خیر! میرا ذہن معمولی ہی کسی! چاہیں کیوں خشک کیجیں ہی بولا۔
”تم اب تک جان بھی ہوگئی کہ تمھاری بہن رضیہ! ایشال! اوپر نہیں ہے۔
میں اس سلسلے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل میں یہ دھوکا دینے
بغیر تھیں! ایشال کو کبھی خبر نہ پڑا وہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ضروری حجت کہ

ایٹال ٹوپ قدم چار کی کوئی راہ نہ مل
”اودھ بچہ پر نظر کر کہ تم نے وہ راہ
”ماں! مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں
ابھی میرے کشتی میں پہنچیں لوگوں کے لیے مجھے
پڑے گا۔ یہ ایک خاص پیرٹ کا منتظر
”میرا جیسا جو کہ ”میرا البی سرفراز
ایٹال کچھ زیادہ تفصیلی پیرٹ نہ بنی سکے
”میں تانا“

”کیسا آئینٹ؟“ چارلس کیل کے لیے
بات پر وہ چونکا تھا۔ میں نے اُس کی آواز میں
طور پر محسوس کی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھ
میں بولا: ”کیا کہہ رہی ہو تم؟“ مانا کہ تم ذہین بہ
سرزنش مریس آئینٹ نظر آتے ہیں۔“

”خیر! یہ بتاؤ کہ میری بہن کا کیا مال ہے۔
یا ہے کیا اب تم رضیہ کو نہیں چھوڑو گے؟“

”تم نے ابھی میرا کوئی کام نہیں کیا“ چارلس
کہا۔ ”اگر غصیہ کی خیریت چاہتی ہو تو یہاں آؤ
نظام کا سودا کر لے۔ اگر تم نے اسے آدھ کر لیا
کو تو زکوہ دوں گا بلکہ تم کوگوں کے مُتہ سے چاہا
”واقعی؟“ میں نے پوچھا۔ ”جیسے ہو“

چند لمبے دوسری جانب خاموش رہی۔ قالہ

میں نے سوچا کہ اگر وہ میرے جسم کو مرچے گا، تو تم نے
 دیکھا ہے، پھر تم نے اسے لے لیا۔ تم نے لے لیا۔ تم نے لے لیا۔
 ”میں نے لے لیا۔“

”مجھے دھکی دے کر تم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکو گے۔“

”تو پھر جان بھیلی پر کر کر ٹیال ٹو کیوں گے؟“
 ”پیٹر سے میری ملاقات ضروری تھی۔“
 چارلس کیل یقیناً میری بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ جب دواہو لواتا تو اس کے لمحے سے

چا سٹیک ہو
مگر ہنس پڑی
انہ ایس بات
ہی سوچ بھ
وہ ان پر غور کر
صحت ہوئی
انہ غیر سلسلہ
را با ہار کی
نہیں کیا ہی
ابا نہ سے

میں نے اپنی
اساتذی ہے، دوبارہ
ایا ہے، وہ مجھ

پس کی مائیکنٹ کے
پٹیر نے سوال

میں نے جواب
دے کے لیے کوئی
جملہ میں مجھ سے کچھ اور

ابو سے کچھ معلوم کر
ن کرنا۔ ڈیڑھ دن
اسم اس وقت ہوا۔

رات کا کھانا کھا

ہم ایک نئے دور کے دور ہیں
ہم ایک نئے دور کے دور ہیں
ہم ایک نئے دور کے دور ہیں
ہم ایک نئے دور کے دور ہیں

حکم پر چب ڈیوڈ سن
 روم میں تھی اور اسیر
 اُس حصے میں جہاں
 کہہ دو امانک و غنہ نیم

مقام جزیرے پر کئی ماہ
اس پنہا سکی؟“ رضوان۔
مناظر تیسرا کہ نظر رکھ

خیال رکھنا تھا کہ وزیر کے دفانی کا حکم ایک اساتذہ کو
بجی نہ ہو سکے۔ ڈاکوؤں سمجھ سے بہت قریب رہے۔ عجب بھی میں نے
مکمل معلومات فراہم نہیں کیں۔ ہاتھ کی معلومات تو سب سے کم تھیں
کیونکہ ڈاکو اپنے آپ کے سبب دفاعی نظام سے اُس کا کوئی تعلق نہیں
تھا، پڑھنے پر تفصیلی جواب دیا۔
پتھر نے اُن معلومات کی تصدیق کر دی تھی جو میں نے باتوں باتوں
میں اُن سے حاصل کی تھیں۔ میں نے پتھر کے خاموش ہوتے ہی اپنا
خیال ظاہر کیا۔ غالباً اُنھوں نے میری پڑاؤں پر چار سیکل کی کورسے زیرِ آب
سفر کے بارے میں بتا رہی ہوگی۔
پتھر نے مجھے غور سے دیکھا، پھر بولا: اہل اسی کے یہ معلوم کرنا
چاہتا تھا کہ تمہیں زیرِ آب سفر کے دوران میں کن خطرات کا سامنا
کرنا پڑا۔“

”میرے خیال میں ڈرامہ پرچار سب کی کوڑا ہے جیتے ہوئے
مارتا ہے کچا جانا کوئی اتھاہی امر نہیں رہا ہو گا۔ ہمیں نے فسکر کر کہا۔
”کس اک نے اس مسئلے کو کیڑے سے بدل تھی؟“

چند لمحوں کے لیے پٹیکے چہرے پر ہجرت کے آثار نظر آئے۔

تم نے اس وقت بھی بائبل درست اندازہ لگایا ہے۔ تم حادی اورد
چادس کی کتابیں کر کے قیاس کیا تھا کہ کوئی یہاں سے رپورٹ

[illegible]

ایک لڑکے کی سیٹ کو ٹھونک لیا۔ اس کے بعد سب چند لمحوں ہی میں
ظاہر ہو گیا کہ کون بول رہا تھا اور کیا بات کر رہا تھا۔

”اسی کے بعد آپ نے یوں کنواریاں صرف بیجا آباد
نے مارتھا کہ مجھے انھوں نے پکڑ لیا، بہت خوب ازمنہ ان
تعلیق انداز میں کہا۔

ہم سر کر کے لکھا لکھا ہے کہ وہاں لڑی سے آئے
تعبور ہوئی تھی اس عمارت میں مجھے وہ دھندھو نظر آئی تھی وہ
ڈیوٹرین کے لیے ہر جگہ اعلیٰ دیے گی بیشک وہی استعمال کی گئی تھی

وہ لہو پر ایک جوان کی بھی جس کے قد و حال بڑی حد تک پیر سے ملتے تھے۔ یہی نے تقریر دیکھ کر میٹھ کے چہرے کا جائزہ لیا۔
میرا ناز نہ غلط نہیں تھا۔ پیرؔ، ضرور ان سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچھا۔
رہا۔

نئے میں نے اس بات کا خاص میں بول اٹھی "میسر پٹیل! کیا یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟"

اُن کے ابا ایک مجھے چوک کر دیکھا اور کسی قدر لرزتی ہوئی سی آواز میں بولا۔
 ”بیٹے میری سی تجھو اولے میرے زور کا ایک عزیز ہے“
 ”تمنا ہے تو ان کی سادے کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے جس کے نے ہلدی سے
 دوسرا سوال کیا۔

یہ بڑے کچھرے سے انجمن کا اظہار بننے لگا۔ وہ یقیناً اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا اسی لیے میرے سوال نے اسے گڑبڑ دیا تھا۔ جیسے بعد وہ رگ درگ کر بنا دیں تھیں کیسے پتہ چلا کہ جسے کوئی حادثہ پیش نہ آچکا ہے اور یہ زبردہ نہیں بلکہ خمر زردہ ہو رہا۔“

”یہ نوجوان یقیناً ایک نوجواناں کی شکل ہے۔“ میں نے مضطرب لہجے
 سے کہا۔ اگرچہ یہ نوجوان تو میرے گرد و پیش کی مالانہ سنائی دیتی تھی۔
 وہاں سے وہاں کا ظاہر ہوا تو میں پہلی ہی کیفیت والا نوجوان سر پہچانے
 اور دوسری بات یہ کہ اس نوجوان سے آپ کو یقیناً کچھ ڈکے ہے۔ کیا
 اس نوجوان کی فورت کے سبب آپ کوئی زندگی سے کٹ کر الیا ہو رہا
 ہے؟“

یہ سب باتیں سن کر وہ بے بسی سے کہنے لگا کہ میں تو ایک عادی مسافر ہوں۔ یہاں سے جہاز چلا کر کبھی کبھار کسی شہر میں پہنچتا ہوں۔ وہاں کے لوگ مجھے دیکھ کر حیرت مندی سے دیکھتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ سوچ ہوتی ہے کہ یہ تو ایک عجیب و غریب شخص ہے۔ وہ جہازوں کی دھڑکن سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ ایسی باتیں پوری کرتے ہی اندازاً چھپکا تھا کہ میرے جسم پر نہ بڑھتا تھا میں حقیقت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ بھی کیونکہ بات ختم ہونے ہی کے چڑھنے پوری طرے دیکھتا تھا اور اس کے ہر سے انتہائی ایمان کا اظہار ہو رہا تھا جو اس کے باطن کا دھکا۔

پھر وہ اچانک بکھر گیا۔ برسوں سے جو بوجھ وہ اپنے سینے میں رکھتا تھا، اجنبیت سے پُر افادہ آنسوؤں کے موتیوں میں ڈھل لے کر بہہ نکلا۔

بیٹھنے اپنے حیدرِ عالی میں ایک لڑکی کو ٹٹ کر چاٹتا تھا۔ لڑکی
والدین نے اس لڑکی کو مسٹر کو دیا تھا۔ بیٹھنے والدین کو کچھ دیکر
کامیاب ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا مگر لڑکی نے اتنی ہی قربانی لینا
نہیں دیکھا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھنے کی زندگی سے نکل گئی
مگر واقعی اس لڑکی کے عشق میں مبتلا تھا اس لیے کیوں اور لڑکی
ماتر نہ کر سکی۔ بیٹھنے ایک عمر اپنی محبت کو تلاش کرتا رہا مگر وہ اس
ماتلی جب اس کا دم لہوں پہنچا خود اس لڑکی نے بیٹھنے کو فون
کے بتایا تھا کہ وہ اب اس دنیا سے جا رہی ہے اور مٹا رہی زندگی

سرت بنانے کے لیے کسی اور لوگ کا ہاتھ تھام لے کر حرکت کرے گا۔ اب بیڑہ میں گرہ بچکا تھا۔ اس کے ملازم وہ لوگ روٹھ کر قبول کرنے پر راضی نہیں تھا۔ لوگ نے اسے بتایا تھا کہ تبت نے جو یادگار قائم کی تھی وہ اب جہان پر چڑھی ہے بیڑہ

کا بیٹا جوان ہو چکا تھا مگر ماں کی
بہن ہوئی تھی۔

پیٹر اپنی محبت کا آخری دیدار کہتے
سے پاس پہنچ گیا تھا۔ مرنے والے نے اس

تھا۔ پیر کا جوان بیٹا اپنے باپ سے
اُس کی ماں کے لیے زندگی بھر کا اکہم
بیٹے پر خود کو ایک دُور کا رشتہ دار غلام
کی بات سمجھ رہا تھا اور میں بھی

”کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اپنے بیٹے کے پیڑھے بھرائی ہوئی آوازیں مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ہر خون سے رنگے نمٹے ہیں۔ وہ... وہ میرا بیٹا بااثر وہ... اور ہرگز اُس سزا کا مستحق نہیں تھا، ایک ”ٹٹے ملی“

واقعی تھا کہ اسرائیلی کانڈوز نے لبنان
میں انھیں یقین تھا کہ اس پول میں تحریک آ رہا
ہے۔ وہ نئے قتل کرنا چاہتے تھے اور اس
کو کیا تھا۔ فلسطینی رہنما تو بیچ گیا مگر پول
میں بے گناہ افراد اس قتل کا شکار ہو گئے جن میں
کئی کو تعلق نہیں تھا۔ اسرائیلی کانڈوز نے

کیا تھا۔ اُن کہوں کا شمار ہونے والوں میں چپڑ
تفریح کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ کیونکہ اُنہی دنوں
شتر کہ فرم، کیپیٹرز کے علاوہ اسرائیل کو بھی اسل

یہ بے خبر خود کو کج فہم تصور کر رہا تھا۔
 آدمی جب کسی شہید سے کاٹھارا جوتا ہے۔
 وہ نکتا ہے یا اُسے چُپ لگ جاتا ہے۔
 میں لکھا تھا اور اس کا ذکر شیف و اچھا بھی کر
 ہی نہیں تھی۔ ایک سے ایک برس کی پورٹریٹ
 فلیٹ میں اس نے خود کو گم کر دیا تھا۔ اگر اس
 طرف بڑھنا بھی چاہا تو اس کی سر دوسری کے آ
 دواں مٹنے کے دکھ نے دل کے عارضے میں

ہے کٹ کر رہ گیا۔ اس نے دانستہ خود کو عمل سے دور اٹل جزیرے میں قید ہو گیا۔ چار سال کیلے۔ کیونکہ اسلام کی تجارت اُنسی نے شروع کی تھی۔ لیکن کفر کا موش ہو گیا تھا۔ لاپرواہی نے اُس کی آنکھ سے تھیں۔ مزارعہ لاکھ، افا، کفر کا مسدود

میں بند میں مگر جب خود اس کا خون
اُسے ادا کر رہا کہ وہ اب

میں بڑھ گیا تو اس کی بوڑھی خادمہ اپنی چنگ

...دی کے بنات تھے۔ خادمہ اسے
گئی۔ ڈیڑھ گھنٹہ بھی اس دوران میں وہاں آ
کر دیکھا اور وہ بھی بوڑھی خادمہ کی مدد کی غرض
...

اسے ایک پیچ لیا تھا اور روانہ ہو گیا۔

عالم ہیں۔ آپ کو اُسے اِس طرح نہیں کر دینا
 اتنے آمیز لہجے میں کہا۔

جو ”مجھے بھی اب افسوس ہو رہا تھا اور تجس
 دِ ذمہ سے یہ سوال چکا رہا تھا کہ بیٹے

ایسا نہ ہو کہ یہ تصویریں ان کے لیے ایک عجیب سی بات تھیں۔
 خیال آیا تھا جو تقریباً درست ثابت ہوا،
 یہ تصویریں ان کے لیے ایک عجیب سی بات تھیں۔
 ان کے لیے اس لیے لڑائی محسوس ہوئی۔ اس کا سبب
 یہ ہوا کہ ان کے لیے اس وقت مجھے ایسا ہی محسوس
 تھا جیسا کہ ان کے لیے اس وقت مجھے ایسا ہی محسوس
 تھا جیسا کہ ان کے لیے اس وقت مجھے ایسا ہی محسوس

”جے“ رضوان نے بے جوئے لہجے میں کہا۔
”وہ نہ پڑ جائے!“

چونہ بولی۔ مجھے بھی یہ خیال آیا تھا۔
خندے سے کانٹا اٹھا کر کیا تھادر مجھے جو خیال آیا تھا
ہوا تھا۔ اُس شب میرے کونوں کا انتہائی سُست
کی اطلاع میں لی تھی۔ مجھے یہ اطلاع دیا تو دُشور
مجھے گری نیندر سے اٹھا اُٹھا تھا۔ جب میں نے
سے کا بازو دیا تھا تو وہ مجھے بہت گھبراہ
ملا وہ میں نے فحاش ایک عجیب سی گونج سمجھ

میں نے دیو دوسن سے پوچھا تھا: "مستریزہ؟"

ہی حالت غصے سے باہر تھیں لیکن جانتی تھیں کہ جس سبب سے
جبار کی ہے۔ وہ... شایہ ہی ہو سکے۔ "آخری الفاظ ادا کرتے
کے ڈیوڈ نے کہا کہ جاری ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا دل ڈیوڈ
نے اپنے ایک سے محبت تھی۔

”یہ گونج کیسی ہے؟“ میں نے ڈوئیوں کو سہ ایک ساتھ دہرائے۔
 ”ہر سال کن کن کا نام ہے؟ کچھ اہل علم اپنے اپنے فرض سے چمک کر دیکھتے
 ہیں۔ لیکن میرے لیے تو آپ کا کلمہ ہے میں نے ڈوئیوں سے جواب دیا۔
 میں ابتر ہے کہ کھڑکی پر جلدی رہاں تبدیل کرنے کے لیے اس

میں خزان اور ڈیوڈن تقریباً دوڑتے ہوئے کنسول و میس ڈفال
ہوئے۔ میں نے اندہ جاتے ہی رکھا کہ دیکھا جو میس کے قریب کھڑی ہوئی
میں نے اس کے پاس پہنچا اور اس نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کے ساتھ
میں خزان اور ڈیوڈن تقریباً دوڑتے ہوئے کنسول و میس ڈفال
ہوئے۔ میں نے اندہ جاتے ہی رکھا کہ دیکھا جو میس کے قریب کھڑی ہوئی
میں نے اس کے پاس پہنچا اور اس نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کے ساتھ

[illegible]

”میرا آخری وقت آچکا ہے اور اب میں انتظار نہ کر سکتا... کراؤں
 گا، مرنے کے خوف کو کھڑکتا ہوں۔“ میں نے اس دن صبح کا حجاب

میرے ہی بنائے ہوئے مہلوں کے زمرے میں نے زندگی کا چراغ گل کر
دیا تھا۔ اب تو کون سے سونے کی تیار کی ہے چراغیں بند ہونے سے
پہلے ہی کھیں کچھ بجھا چاہتا ہوں؟
”آپ جو کچھ بجھا چاہتے ہیں وہ طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد
بھی بجھا سکے ہیں۔ میں نے انہیں کیا محروم دیکھے اپنے لیے ان کو کوکھ اپنی
محسوس ہوا کیا بیڑ کی طبیعت اب ٹھیک ہو سکتی ہے!
”میری طبیعت اسی وقت ٹھیک ہے جب تم خاموشی سے میری
بات سنو گی اور اس طرح سنو گی جس طرح میں سناؤں گا۔ تم دریا بن

”سنو! جسے اس اورین یعقوب کے آدمی جرنیل کے پاس داخل ہو چکے

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

میں نے ایک بن کر دیا۔
میں نے ایک بن کر دیا۔

اس مسئلے میں مددگار ضرور ثابت ہوئے کہ سزاؤں کی کج روئی
 میں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔
 ”دیکھا اس ناول کو تب کہ اس نے کوئی صورت نہیں ہے؟“ میں
 نے سوال کیا۔
 ”حکیر نہیں؟“ پیٹر نے جواب دیا میں نے اارتھا کے ذہن
 اسی کی تباہی کا تو بندوبست کیا ہے؟ چند لمحے توقف کے بعد وہ
 بھر بولا کہ اگر کاغذات کے پلٹنے کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے
 تو ایک بزرگ اسلام علی میں اچانک گایہ کنٹرول دم آہنی دیا رول سے
 بنا ہوا ہے اور اس کی مضبوط دیا رول سے بنا ہوا ہے کہ کالی قوت
 کے ہم بھی ان دیا رول کو نہ اڑا سکیں۔ اسلام کے آن ہوئے ہی کنٹرول
 دم کا آہنی دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس میں کچھ چمکنے نہیں گئے۔
 کاغذات چمکنے والے کو یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملے گا۔
 اس کے بعد آہنی دروازہ کسی صورت نہیں کھل سکے گا۔ یہ کنٹرول
 دم کاغذات حاصل کرنے والے کا قبوہ ہی ثابت ہوگا۔
 ”لیکن ساڈل تو اس کے باوجود محفوظ ہی ہے گا۔ اگر بن یعقوب
 راجہ کا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا جس سے پارل کیسیل
 سودا کرتے گا؟“ میں نے تشریف امیز یہی کہا۔
 ”نہیں؟“ پیٹر نے جواب دیا اسلام کے ساتھ ہی کیپر ڈر کا ڈنٹ
 ساڈل شروع کرنے لگا۔ چند منٹ کے بعد ہی کیپر ڈر کی گئی پوری
 ہو جائے گی اور اس کا تھریس مل شروع ہو جائے گا۔ اس کے فوراً بعد
 جیڑی کے برے پر جتنا گولہ بارود موجود ہے اڑ جائے گا کیونکہ وہ ایک
 تجربی صورت میں ہے۔ آخری دھماکا پھیل کر نہ کرنے دینے کا تین
 بارہ سے چھل میں منور کی پانی بھرنے لگے گا۔ فوراً تو شاید نہیں
 ختم ہوتا آہستہ آہستہ پورا اٹھال تو منور کی تین بجھ جائے گا۔
 ”اگر کاغذات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تو؟“ میں نے
 سوال کیا۔
 ”تو سب کچھ کوئی رہ جائے گا پیٹر نے کہا بھئی اتنی ہمت
 کی کہ اس آٹھ کرا لام آن کر سکیں؟ یہ کہہ کر پیٹر نے مجھے غور سے دیکھا
 بولا تو مگر تم یقین کرو، مارا تھا یہاں اسی لیے ٹکی ہے کہ بن یعقوب
 ان کاغذات کے بارے میں تباہی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بد وقتوں
 غزوات کی اہمیت کے بارے میں جان کر انھیں حاصل کرنے کے
 لیے ہیں۔ لیکن جو جانیں گے اور کچھ نہیں سوچیں گے۔“
 پیٹر بن یعقوب کو بد وقت کہہ رہا تھا۔ شاید اس کا سبب
 یہ ہو کہ وہ بن یعقوب سے واقف نہیں تھا لیکن میں اس سے
 ہی طرح واقف ہی اس لیے اسے بد وقت مانتے کے لیے تیار نہیں
 تھا۔ بد وقت تھا کہ ان حالات میں اگر بن یعقوب کی جگہ میں بھی

ہوئی تو شاید کامیابی کے لئے میں اضافہ کر
 کاغذات حاصل کرنے کی غلطی مجھ سے سرزد ہو
 تھا کہ بن یعقوب مجھ سے بھی زیادہ ذہین ثابت
 ہوگا۔
 ”پیٹر نے مجھے تشریف امیز نگاہ سے دیکھا۔ وہ
 سے میری فکر مندی کا اندازہ لگا چکا تھا مگر اس
 کو مخاطب کیا؟“ تم باؤ کو کہ یہاں سے فوراً چلا
 میں موجود کی شاید کھیل بنگاؤں میرا ذاتی پہل
 ایک حصے میں ہو جو ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم در
 لئے منڈل کے لئے کچھ اجازت سے تم لوگ
 پہنچے تھے، اسی کے سر پر ایک دروازہ ہے۔ ان
 کر تم عمارت کے باہر چلے جاؤ گے۔ عمارت سے
 میں لوگوں کو نظر اچانک جلدی کرو، دیکھو وہ شاکر
 پکے ہیں۔ اس بات میں یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر
 پیٹر کی بات سن کر میں نے دیوار کی طرف گھا
 ٹیلوٹران اسکرین روشن تھے۔ ان میں سے ایک
 پھیلان آہنی خبر سے میں بند تیرتی ہوئی دکھائی
 کے علاوہ اس خبر سے میں بن یعقوب کے ساتھ
 تھے جو چھیلوں کا شکار ہو رہے تھے۔ مجھے چند ٹاک
 تیروں میں بھی درست نظر آئی جو بن یعقوب
 کا باؤ۔
 ”پیٹر نے کسی سوچ کو حرکت دی اور اسی کے ساتھ
 گیا۔ تین بارہ سالانی ہمت میں سے گندے پانی کے ٹپکے
 بڑھتے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک پر مجھے
 شبہ ہوا لیکن میں اسے اچھے طرح نہیں دیکھ سکتی تھی اس
 سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ بن یعقوب ہی تھا۔
 ”جاؤ،“ مٹا پیٹر کی کمزور آواز ملنے ہوئی۔ ”میری آواز
 لوگوں کو یہاں سے فوراً چلے جاؤ اگر تمہیں دیر ہوگئی تو
 غور جانے گا؟ وقت گزر رہا ہے۔۔۔ وقت گزر جائے گا۔
 کی آواز دھم دھم پڑ گئی اور پھر اس نے انھیں بند کر
 رضوان نے اجازت طلب کی تھی میری جانب
 نے اسے چلنے کا اشارہ کیا، پھر میں پیٹر سے مخاطب ہوئی
 ہے میں مسٹر پیٹر رضوانا ملاحظہ
 ”غدا حاذق! پیٹر نے انھیں کھلے بغیر بہت دھم
 جواب دیا مگر میں نے اس کے چہرے پر ابھرتے ہوئے خوشی
 تاثرات دیکھ لیے تھے۔

کہ قدم بڑھائے اور پھر آخری مرتبہ اسے پلٹ کر
 رضوان کے عہد تیزی کے ساتھ کنٹرول روم
 میں؟“ میں نے باہر گئے ہی رضوان کو مخاطب کیا۔
 ”جو ناموس رو کر بولا۔ مجھے یقین ہے کہ پیٹر کا خیال
 کا مٹاؤ اس کے باوجود دل مطمئن نہیں ہے۔“
 میں نے کہا میں پیٹر کو تنہا پا کر بن یعقوب جیسا پالاک
 ہوئے گا کہ تمام افراد کو جڑی سے سکول نصیب
 لئے اس معاملے میں کوئی نکتہ کی مصلحت متروک
 لئے نہ کرنا تو اسے یہاں پیٹر کے علاوہ صرف مار تھا
 میں ڈال نے گی۔
 ”میری بات سن کر ثابت میں سر ہلا دیا۔ وہ بھی مجھ سے
 رضوان کہ اگر ہم بھی اسے یہاں نظر آئیں تو کیا اسے کسی
 مامی شہرہ کے گا؟“ میں نے بات آگے بڑھائی۔
 ”آپ انھیں چک انھیں۔ وہ فوراً بولا یقیناً اس
 نے کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ میں یہاں تک کہ اس کا انتظار
 رضوان کے حوصلے کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ سب کچھ جانتے
 کے باوجود مول نے یہ پتہ بتا رہا تھا۔ اس نے بلا جھجھ
 میں اس کی سلامتی کو تو نظر رکھتے ہوئے، اسے اسے
 لے۔ میں نہیں سوچا رضوان کہ اس طرح ہمارے زندگی خطرے
 میں مسکرا کر بولی۔
 ”ہم ہم کون سے چھوٹوں کی بی بی پرستے ہے بی بی؟ اس
 جواب دیا۔
 ”یہ خیال ہے کہ ہمارے رخ نکلنے کے بہت امکان
 کے ساتھ شاید تین یا چار ہوں گے۔ ان میں سے ایک
 کی رائی کے لیے یہاں تک جاؤں گے باقی چلے جائیں
 سب کچھ ان کے کے مطابق ہوتا ہے صرف انہی سے
 ہوا ہے اس تک جاؤں گے۔“
 ”میں اسے یقیناً چک جائیں گے جب کنٹرول دم کا دروازہ
 بند ہوئے دیکھیں گے۔ اس وقت انھیں چھاپ لینا ہمارے
 عمل کا کام نہیں ہوگا وہ رضوان نے گامیاری بات پوری کر
 میں اسے خیال تھا۔
 ”مراعات اس طرح پیش نہیں آئے جس طرح ہم نے سوچے

تھے ہم وہاں نہ گئے کی بجائے کچھ دیر کے لیے وہاں سے ہٹ گئے
 اور اس کا رٹا ہمارے لیے ناکارہ تھا۔ ہمارے پاس صرف چند منٹ تھے
 اس دوران میں ہم نے یہ ضروری کچھ کیل کو پٹر کا ہاتھ وہاں
 جس کے قریب ہیں وہاں سے فرار ہونا تھا کہ میں وقت پر پہنچ کر
 مشکل پیش نہ آئے۔ فرار جو وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا۔ اگر اگر
 وقت ہم پہلی کڑی پک پیٹنے کے لیے راستہ تلاش کرتے ہوئے
 جاتے تو ہماری زندگی خطرے میں پڑتی تھی۔ کیا خبر پیٹر نے کس
 کمان کر رہا وہ چھاپا تھا جو اسلام کے ہی پھٹ جاتا!
 پیٹر نے جاسید حارستہ بتا دیا۔ میں رضوان کے ہمراہ دوسرے
 راباری کے آخری دروازے کو عبور کر کے اپنے پہنچے تو سامنے ہی پہلی
 تھا جہاں ایک پہلی کو پٹر ہوا تھا۔ میں نے اس کا دروازہ کھلی
 ہوا دیکھا۔ وہ طرح فوری اڑان کے لیے تیار تھا۔ غائب پیٹر
 کسی ایسے ہی کوئی کے لیے وہ بندوبست کیا تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ
 کی بجائے اس پہلی کو پٹر کے ذہن کو اور اس جزیرے سے فرار
 ہم نوٹ کر لفت میں نیچے جانے کے لیے سواری ہوئے تھے
 راباری کے دوسرے سرے پر تھیں کہ آہٹ سنائی دی۔ ہم
 پہنچ کر جسے میں لفت سے نکلے اور لفت کا دروازہ بند ہوا
 فوراً اوپر چلی گئی۔ یقیناً کوئی اوپر پہنچ چکا تھا اور اس نے لفت کا
 دبا دیا تھا۔
 میں اور رضوان کنٹرول روم کے دروازے پر پہنچے ہوئے
 کچھ دیر بعد لفت نیچے آئی، پھر اس کا دروازہ کھلا۔ لفت سے
 دالا پہلا شخص بن یعقوب تھا۔ وہ گیس ماسک اور کھڑکی
 نہات حاصل کر چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تال کا لوگر رہا اور
 آ رہا تھا جسے اس نے فوراً ہم پر اتار دیا تھا۔ اس کے ساتھ تین آدمی
 اور تھے جو اس کے بعد لفت سے باہر آئے مگر ان تینوں کے
 لفت میں ایک اور آدمی بھی تھی جو سب کے بعد لفت
 نکلے۔ وہ اترتا تھا۔
 ”کامیابی مبارک ہو بن یعقوب!“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ”بن یعقوب مجھے اور رضوان کو شک بھی نہ لگا ہے دیکھتے
 بولا۔ تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں خیال تھا کہ تم لوگ بھی
 پر موجود دوسرے افراد کی طرح یہاں سے چلے ہو گے۔“
 ”بن یعقوب! میں یہاں تم سے پہلے آئی ہوں وہی لیکن پیٹر
 تو نہیں تھا کہ تم سے پہلے میں بھی جاتی۔ وہ لوگ تو تم سے خوفزدہ
 اس لیے اپنی جگہ چاکر نہ رہے ہو گے مگر مجھے تو تم سے خوفزدہ
 کی ضرورت نہیں تھی میں تو تمہارے ساتھ ہی داپسی کے بارے
 سوچ کر یہاں آئی تھی۔“ میں نے زیر سونگہ یہی کہا تھا جسے ا

میرے دوستان کو کوئی دشمن نہیں بلکہ میری تو تھا سہ کام ہی آئی ہو۔
 تمہیں ہر حال بہت خبر ہوئی نہیں کوئی چاہیے کہ میں نے یہاں تک
 پہنچ کر تھا سہ لیے راہ استوار کی ہے۔
 میری بات میں خاصا وزن تھا۔ میں نے اپنی اور رضوان کی وہاں
 موجودگی کا مناسب سبب بیان کیا تھا جس کے بعد بن یعقوب کو
 میری طرف سے ملنے ہوا چاہیے تھا مگر وہ بن یعقوب تھا چاہا کہ
 بن اسراہیل، بجلا وہ کس طرح آسانی کے ساتھ میرے چلنے میں
 آجائے؟ ہاں میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا تھا کہ میری بات سن کر اس
 کے شکوک کو کمزور کر دے گا۔ بولے گئے کہ یہ وہاں کے اپنے ریاوار
 کی نالی ہے کہ کوئی بھی اسے ہماری طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا
 تھا۔ ہم اس کے سامنے ہتھے کھڑے تھے۔
 اس نے میری بات کا کوئی جواب دینے بغیر مجھے اور رضوان کو
 کشمکش میں دم پسٹنے کا اشارہ کیا۔ کشمکش میں دم پسٹنے کے ساتھ ساتھ
 اتنا ہی خطرناک تھا جس نے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے
 بہت بڑے سکون سے دین کا وہاں میرے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔
 میں تھکے ساتھ اندر جا کر کیا کر دلی؟ اندر جو کہ اس کے بابے
 میں تھیں وہ لوگ رات بھر سب کچھ تباہ کر رہے تھے۔
 مجھے یقین ہے کہ رضوان کا دل بھی اس وقت میری طرف تیزی
 سے دھڑکا رہا ہو گا کیونکہ اگلے چند گھنٹے کا ثابت ہونے والے
 تھے۔ میں اور رضوان دونوں بن یعقوب کے انجام سے واقف
 تھے۔ پھر محض اس طرح اس کے ساتھ اندر جانے پر راضی ہو سکتے تھے۔
 بن یعقوب نے چند لمحے خاموش رہ کر غالباً میری بات پر غور
 کیا۔ پھر فیصلہ کر لیا۔ میں بولا میں تمہیں اپنی نظر کے سامنے رکھنا
 مناسب سمجھتا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ اندر چلنا پڑے گا۔
 اس میں حرج بھی کیا ہے؟ بانو! رضوان نے نہیں کر سکا۔
 باہر نکلتے ہوئے میرے ساتھ رضوان بن یعقوب کو شک میں ڈال سکتا تھا۔
 اس لیے مجھے مجبوراً قدم بڑھانے پڑے۔ رضوان میرے ساتھ ہوتا۔
 پہلے بن یعقوب اور اس کے ساتھی کشمکش میں دم پسٹنے اور رضوان
 کے ساتھ تھے۔ میں کشمکش میں دم پسٹنے اور جو کہ ایک بار پھر پوچھ
 کر دیکھا مگر اب وہ قیدیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس کا سر
 سینے پر ڈھکا ہوا تھا۔
 رات بھر جو کہ میرے قریب پہنچ گئی۔ اس نے جلدی سے
 بیڑی کو تھیں دیکھی اور اس کی ٹوٹ کا اعلان کر دیا۔
 میں اور رضوان دانستہ دروازے سے زیادہ دُور نہیں گئے
 تھے۔ معائنہ کرنے بن یعقوب کو اپنے ساتھ دوسروں کے کچھ کہتے دیکھا۔ ان

میں سے ایک پلٹ کر کہا ہے۔ پیچھے آگے ہوا۔
 بن یعقوب بھی اب بیڑے کے قریب نہیں
 کو بلانے لگا کہ آؤ اور لڑنا آؤ میں کسانہ تیرا کھیل
 ”مرگیا تو کیا زور؟“ رات بھر جلدی سے ہل
 جتا کہ کس سوچ کے ان کرنے سے وہ کالاف
 نکلتے ہیں اور۔۔۔
 ”مارچا؟“ معائنہ میں چمچ پڑی ”تمہیں لگا؟“
 ”ہاں میں نے دانت پیستے ہوئے جو کچھ کہا تھا وہ
 یقین تھا کہ ایسا ہو گا بھی۔“
 ”یہ سزا دلنے کا بانو؟“ بن یعقوب نے
 میں خاموش رہی۔ بن یعقوب مجھے
 چند لمحے وہ اپنی گچھ کر ہوا مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس
 نے مجھے گئے میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا کہ اس
 نے پوچھا: ”مخبر اس کے تیرا بتا ہے تھے کہ اس
 پھر تازہ ہو گئے ہیں۔“
 ”وال میں کچھ کلا ضرور ہے؟“ وہ میرے قریب
 میں اس کی بات سن کر کرا پڑی ”میرا بول“
 ”یہ دل سفید کا ہونا بھی لازمی ہے مگر یہ کہ وہ دل
 ساتھی ہیں۔“
 میں نے عکس کیا کہ بن یعقوب میری بات
 سن کر تڑپ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ ایسا ہی
 سا وہ سر جھٹک کر مار تھا کی طرف مڑا اور بولا: ”شاہ
 آج میں ڈالاجا رہا ہے کہ اس کا غذات کس حاصل
 ترک کر دوں مگر نہیں بن یعقوب کو اتنی آسانی سے
 دیا جاسکتا ہے کہ یہ کہہ کر میری طرف پلٹا۔
 بن یعقوب بہت غور سے میرے چہرہ کا جائزہ
 لیتا تھا کہ میرے دل میں جو کچھ ہے اس کا چہرے سے اظہار
 لیکن اگر وہ بن یعقوب تھا تو میں بھی بیسیو بانو تھی میں
 سے کس طرح شکست کھا سکتی تھی؟ اس نے اپنے چہرے
 کوئی اندازہ نہیں لگائے دیا۔ اس نے یقیناً میرے چہرے
 پر لگا۔ وہ مجھے بے ناؤ رکھتے تھے۔ ایک معمولی فٹل بھی سا
 سکتی تھی اس لیے میں بہت محتاط تھی۔
 چند لمحے بعد میں نے بن یعقوب کے ہونٹوں پر ہلکا
 دھچکا اور اس کے لبٹ کو کوئی مٹی نہیں پسنا کی جو عجب اس
 کو حجاب کی تو میرا دل خوشی سے دھڑکا اٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا
 ”میں دوا دو! فلسفہ نہیں کرنا مجھے چاہئے کہ میں اپنے
 دل کی نغمہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں
 کی ہی ہو سکے گی۔“
 میں نے واپس اس کے ساتھ کشمکش میں والی
 اور کافزون والی تھی سرک کر باہر نکلے۔
 وہ مجھے کشمکش میں رکھنے کے دروازے کی طرف
 میں دروازے سے زیادہ دُور نہیں تھے مگر اس کے
 ہونٹوں پر ہلکا دھچکا اور دروازے کے درمیان
 چند لمحوں میں جو کہ ایسا جانتا تھا اس کے علاوہ
 کہ ہے ہونٹوں پر ہلکا دھچکا اور دروازے کے درمیان
 کا غذات اٹھانے کے بعد دروازہ بند ہونے میں
 کے باوجود اس کا پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ پندرہ
 کہ دروازہ اس سے پہلے ہی بند ہو گیا ہو گا کہ
 کہتے ہوئے میرا سر ہوا تڑپ رہا تھا۔
 پہلے دھچکا دے دے پڑتے ہوئے کھانے کا غذات
 کے غور سے دیکھتا تھا پھر میری طرف مڑا اور بولا: ”اند
 نہیں میں آتا کہ میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ اتنی آسانی سے
 حاصل ہوئی ہے؟ یا تو میرا غذات درست نہیں ہیں یا
 یہاں ہے۔ تمہارا خیال ہے؟ بانو؟ وہ اپنا جملہ پورا
 لگا۔
 ”مخبر اس کی پھر بولی“ ہم کو تو میں آگے بڑھ کر غذات
 کے ٹاپک میں پہنچا تھا کہ ایک حد تک جوتے کو جو بھی اٹھانا
 ہوا ہوا تھوڑا جانتا تھا۔ لیکن بے کہیں بھی میری
 مجھے میں خوش تھی۔ دراصل میں اس طرح آئے یہ
 کی کسی کردہ ہونڈی کا ثبوت ہے۔ رات بے میرا انداز
 کے چہرے سے سنجیدگی کا اظہار ہوا تھا مگر میری
 بات مختصر نہیں آتی تھی۔ وہ غالباً اپنے جذبات پر قابو پانا
 کے لیے مجھ کو تارنا پھر اس نے دروازے کے چہرے پر نظر
 کی تھی۔ دروازے کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے
 کہات سے آئے کوئی دلچسپ باتیں تھیں مگر اس کے چہرے
 تھا۔
 یقیناً اٹھن کا شمار ہو گیا تھا میں اسے سوچنے کا
 ایسا ہی تھی اس لیے فوراً میں نے اپنی ہلکے حرکت
 کرنے کا انتظار کیا۔ بغیر کچھ ٹپکے میرے اور بن یعقوب
 کے فاصلے پر کچھ جگہ ہو رہی تھی جسے ہم حال میں جیتنا چاہتی
 تھے۔ بڑھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے میں آگے بڑھ کر فوراً

کہ غذات اٹھانا چاہتی ہوں۔
 میری توقع کے عین مطابق معائنہ بن یعقوب کی تیز آواز بلند ہوئی۔
 ”بڑک جاؤ بانو! میں تمہیں کوئی گور کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔“
 میں بڑک گئی اور پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے
 کوشش کی تھی کہ اپنے چہرے پر ہلکا ہونے والے تاثرات سے
 بن یعقوب کو مایوسی کا تاثر دوں۔
 ”میرا خیال ہے بانو کہ تم جہاں پہلے کھڑی ہوئی تھیں وہیں
 چلی جاؤ؟“ بن یعقوب جیسے ہونے لگے میں بولا پھر وہ مار تھا
 تھا بلکہ ہوا! ”مار تھا! کا غذات تم اٹھاؤ!“
 میں اس کی بات سننے ہی پہلے ہی گئی اور اس بار دروازے
 سے نسبتاً مزید قریب ہو گئی۔ میں نے دروازے کو بھی لکھ کر پیچھے ہٹنے
 دیکھا تھا۔
 میں نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ آگے بڑھی
 پھر جھٹک کر اس نے اپنا ایک ہاتھ پیشے کے اس دھچکے کی طرف بڑھایا
 جس کے نیچے کا غذات کا پندرہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے
 ڈھکا اٹھا اور دوسرے ہاتھ سے کا غذات کا پندرہ اٹھا۔
 مجھے چند لمحوں کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو
 دم بزدل ہو رہی۔ میں نے دیکھا کہ کا غذات لینے کے لیے بن یعقوب
 نے اپنا ہاتھ دروازے کی جانب بڑھا دیا۔
 بن یعقوب کا ہاتھ بڑھانا جیسے ہمارے لیے حرکت کرنے کا اشارہ
 تھا۔ میں نے اور رضوان نے کب ساتھ حرکت کی۔ ہم دونوں ہی نے
 اپنے پیچھے کھڑے ہوئے اسراہیل پر چکر دیا تھا۔ اسراہیل اس اپنا ایک
 حصے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا اس لیے وہ اپنے بچاؤ میں کچھ نہیں
 کر سکا۔ رضوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے سے چھٹکا دیا اور میں نے
 اس کے پہلو سے ہاتھ مارا۔ وہ اسراہیل کو دیکھ کر حرکت میں آیا
 اور قلابازی کھاتا ہوا اپنے اگلے ہاتھ پر چڑھا۔
 اس سے پہلے کہ بن یعقوب ہمارے طرف مڑا میں نے دروازے
 سے باہر چلا گیا۔ میں دروازے کے عین سامنے جا کر رہی۔ رضوان
 میرے پیچھے ہی تھا لیکن چھٹکا لگا تے ہوئے اس سے اندازے کی
 غلطی ہو گئی تھی۔ وہ دروازے کے باہر گرنے کی بجائے دروازے کے
 درمیان لڑکھا۔ اس کے دونوں پاؤں دروازے کی زد میں تھے۔
 ان لمحات میں جتنے آئے والے واقعات اتنی تیزی سے سامنے آئے
 تھے کہ میں انھیں اتنی تیزی سے بیان نہیں کر سکتی۔
 میں نے دروازے کے باہر گرنے ہی ہماری آہنی دروازے کے
 دونوں پٹ لکھ کر تیزی سے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے
 دیکھے تھے۔ وہی کے ساتھ میں نے اندر کشمکش میں دروازے کی ایک طرف

وہ جگہ بتادی تھی جہاں ہیلی کوپٹر کو اُتارنا تھا۔

دوسرا فون میں نے ملی کمال کو کہا تھا۔ وہ بڑی قیامی سے میری کوئی اطلاع ملنے کی منتظر تھی۔ اُس کے ماتحتوں نے جزیرے کی کتابچی اپنی انگوٹھی سے دیکھ کر بتی اور اُس کتابچی سے پہلے ایک فروغ اور پھر ایک ایلی کو پڑھ کر جزیرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ فروغ سے ترے داواں میں ہم نہیں تھے اور ایلی کو پڑھ کر کہا ہے میں انھیں بتا دین چل سکا تھا کہ اُس میں کون سوار تھا اُس لیے ایلی کا ٹکڑہ ہونا بے جا نہیں تھا۔ برنامہ باتیں مجھے ایلی سے گفتگو کر کے معلوم ہوئی تھیں۔

میں نے ایسی کو مختصر اُتار دیا کہ ہم غیر حیرت میں اور یہ کہ مزید معلومات کے لیے اُسے ہم سے ملنا چاہیے۔

سب سے آخر میں اور ام فون میں نے چارلس کیل کو کیا تھا۔
مجھے یقین تھا کہ رفیقہ کیل کیل نے اسی جزیرے پر رکھا تھا جس
کا ذکر چیر نے مثال ذون کے نام سے کیا تھا۔ اسی جزیرے کو میرے
خیال کے مطابق لندن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چارلس نے خود ذون
کا نام نہیں کر لیا تھا۔ اسی جزیرے کا یہ مسلک کرنے کے لئے یہی
اس لئے اسی رومو جو مشیون جس کے نام ہی سے مشیون ڈاکٹر کی
میں درج ہونا چاہیے تھا۔ اس نتیجے کے پہنچ کر میں نے مشیون ڈاکٹر کی
کا سہارا لیا تھا۔ اسی جزیرے کیل کے صرف دفتر اور
گھر کے خدا سے درج تھے۔ خطہ ہی اچھا خطی کا اس کا تھا۔

جیسے لندن شہر کی غلیظیتوں اور کڑکڑاہٹیں نہیں دیکھنی چاہیے تھی۔ اس کے
 بعد میں نے رپوشی سے لندن کی دوامی سیڑیوں کی غلیظیتوں اور کڑکڑاہٹ
 دیکھا۔ اس نے آخر مجھے ایسے ہی کڑکڑاہٹ میں جاس کی کہ کا نظر اٹھا گیا۔
 بے کے کی جگہ کیلنڈر پر لکھا ہوا تھا کہ ایک نیکو آئی جھوٹے سے جزیرے
 کو کہا جاتا ہے اس لیے مجھے شبہ کہ وہ جزیرہ مطلوبہ جزیرہ ہو گا مگر
 جزیرے کا نام اٹھال دن چرنا جاتا ہے تھا۔ اس بات نے مجھے الجھا دیا۔

کیا چارلس کی کشتی اور جہزوں کا بھی مالک ہے؟ ہمیں نے سوچا۔
میں نے اسے رتھ کے ٹیلون کی سی پیچ سے رابطہ قائم کر کے
کیرناؤ کی کہے میں پوچھا تو بتا دیا کہ وہ ایک معمولی جہز ہے جو
دیباہے ٹین کے کرائے پر کچھ زمین کو کنٹرول کے ذریعہ کاٹ کر بنایا گیا ہے
وہ جہز وہ دن کے ایک ایسے کی ذاتی ملکیت میں ہے اور عین وقت
جگہ ہے۔ کیونکہ وہ جہز وہ ذاتی ملکیت ہے اس لیے دہلی ہرگز
ہمیں نہیں مانتا۔ میں نے ڈیٹا مل دن کے ہاتھ میں پوچھا کہ کہیں
اس جہز سے کوئی امین دن میں نہیں کہا تھا مگر وہ کہہ کر مجھ سے
گفتگو کر رہا تھا اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس
نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں اس سے گفتگو بعد اُسے دیباہے ٹین کر دے
وہ مزید معلومات فراہم کرے گا یا کہ میں براہ راست اسے رتھ کے

لا مہربری کو فہم کرنے کے لیے اس مسئلے میں
جولان میرٹز ہے اور اریخ کا قدم بائیں
آپریٹر نے جس کے جسم کا نمبر
ہی ہے جس سے رابطہ قائم کیا۔ جس
میان کردی اور بات طے ہوئی کہ کس دوس
جس نے بتایا تھا کہ وہ جب کبھی قدرتی طور
ظہور سے بھاگ کر جزیرے کی شکل میں
ایر تھو ذرات کی فوجی بیٹوں میں
ڈاکس وال سے بہت قریب واقع ہوئے
میں کہا جا سکتا ہے اس ملک کے تین
اور دہائی اتنی گہرائی تھی کہ بڑے بڑے
یہ معلومات حاصل کرتے ہیں جس نے چارلس
”جیلو چارلس کی بی بی“ میں نے رابطہ
تجلی سے کیا۔

”ہیلو“ چارلس کیل کی آواز میں بھرا
 ”تم یقیناً اب تک جان چکے ہو گے کہ کڑا
 چکا ہے“ میں بولی۔
 ”مگر... مگر تم... تم وہیں سے کہ
 کے لیے میں حیرت تھی۔“

”اس نے میرا کام بھی بنوے اور
 کی طرح احمق واقع نہیں ہوئی۔ میں نے
 میں کہا۔
 ”تم کیا بکواس کرنے لگیں؟ وہ ایک دم گڑب
 کا مادی نہیں ہوں۔“
 ”لیکن میں تو ایسی باتیں سنانے کی را

لطف لے رہی تھی۔
 "فضول باتیں نہ کرو اور یہ باتوں کو بے
 سے بولا۔
 "مجھے سخت افسوس ہے جاں رس کی
 ثابت جواب دہ کہ یہ سچا ہوا خوش چوڑی
 "اگر تم سنجیدگی سے بات نہیں کر
 وہ بہت کم ہو گا۔

وہ بزم ہو کر نکلا۔
 "نہیں، نہیں ایسا نہ کرنا! میں نے
 بچوں کی طرح خفا ہونا مجھے بہت اچھا
 بات سنو کہ میں یعقوب جزیری کے جی
 ہیکل کو پڑھیں، بیٹھ کر بہت اطمینان سے

یہ ایقرب کو دفاعی نظام کے بلوریٹ
تک کہ وہ بلوریٹ لے کر اب کبھی تم
معاوں میں ڈال گیا؟
مژدول روم میں دفاعی نظام کے جُبلہ
مروانی تھی۔ ہاں تمہیں ایک اہم بات
ل بتایا تھا کہ ان کا نذات کو حاصل کرنے
میں کے ماکور ٹرول بوم اس کا مقبرہ ثابت
ہاں ہوئے
اب رہی اس مچھر خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا۔

ہاں، میں کچھ بتا سکتا ہوں کہ اس کا کیا ہوا ہے۔
 اس کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہوں کہ اس کا کیا ہوا ہے۔
 اس کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہوں کہ اس کا کیا ہوا ہے۔

یہی ہے! "میں نے ہنستے ہوئے جواب
 اٹھ منقطع کر دیا۔

کے ہر چہ اہل و عیال اور میری جانب اطمینان
 سے رہیں گے۔ راجہ کو یہ بات نہ بولنا چاہیے کیسی
 فتنہ انگیز ہوگی۔ مگر میرے والد نے اسے یہ کیا
 بات چلائی کہ جو میں نے کہا ہے۔
 مسکرا کر دیکھا اور خوش ہنسے میں بولی: "تو
 مجھے یہ کہہ کر میری سنجیدہ ہو گئی۔ دراصل

ہست آفری جھوپڑ زوردار ہویدے بھولو
کھلو بنانا چاہتا کیا تم اپنی پیٹھ کا زخم
میں سوئے زیادہ دلی میں نہیں گزرے؟
پنے سوجا کیا ہے؟ رمضان نے
چاہا۔ میں نے جواب دیا: "ابیر بچہ کبھی
میں نے"

اے پتہ پہنچنے سے پہلے ہی موجود ہو گا۔“

اُس کے بعد، ہم نے روانگی کی تیاریاں کیں۔ ہم نے طاری جلدی اپنا
مسلمان باوجود ادا علی کا انتظار کرنے کے جسے اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا
لیلا علی اور وہ بہت خوش تھی۔ وہ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر اُس
قد فرح ہوئی کہ اُس نے وہاں رضوان کی موجودگی کو نظر انداز کر کے ہونے
مجھے سینے سے لگا لیا۔ رضوان کھانا اور شراب لگا، مجھے دیکھا تو بس نے
آہستہ کیساتھ لیٹی کی پٹری تھپک کر اُسے خود سے جدا کر دیا۔ وہ میرے
قریب ہی مونی پر بیٹھ گئی۔

لیا ایٹال نوئی جسم کے بارے میں سب کچھ جان لینے کی خاطر سخت
مضطرب تھی۔ میں نے مختصر اُسے ہماری درود آزمائی و دفاعی نظام کی
تباہی اور دنیاوی حقوق کی کونست کے بارے میں سن کر وہ بہت خوش ہوئی،
میرا اُس نے پوچھا کہ آپ کی بہن مل گئیں یا؟ مجھ کو ہال کر کے خود ہی
ادھر ادھر دیکھنے ملی۔ وہاں میرے اور مصوفان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اگر
رضیے سب جاتی تو ہمارے ساتھ ہی ہوتی۔

اپنی عقل کا احساس ہونے ہی میں نے کہہ سنا جا چکا تھا
مگر اُس سے پہلے ہی میں بول کھینچی تھی، راضیہ میرے اندازے
کے مطابق ایسا لٹو پڑیں گی۔ راضیہ میں اب اس کی عزت کے مرند
نہیں ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کہاں ہے، اہم اور وقت
اسے کی لینے جارہے ہیں۔ تم اپنی کار کا راز ہمارے حوالے کر دو!

یہی نے خاموشی سے کاری چائی آگے بڑھادی، پھر یوں۔
 ”کوئی مزاحمت کا خطرہ تو نہیں؟“

”اگر زحمت نہ ہوئی تو کیا مزہ آئے گا۔ میں نے جواب دیا۔
”اُس شخص کے بارے میں جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے،
وہ انتہائی چالاک ہے۔ لیکن یہ تشویش آمیز انداز میں کہنا سہو
شخص جو چاہیں ہو سکتا۔“

”تم نے اُس شخص کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے بلکہ“
میں بولی وہ احساسِ کمتری کا شکار ہے اور دوسروں پر اپنی
ذہانتِ بظور کرنے کے لیے اجتماعِ حُرکتیں کرتا ہے بلکہ احمقانہ سے
زیادہ اُن حُرکتوں کو بیکار کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ویسے رہتا رہا
کہ اگر ہم اسی وقتِ مہمان سے رفیقہ کو لینے روانہ ہو گئے تو فوری
طور پر اُس سے ملنا کا خطرہ نہیں“

”کیا مطلب؟“ رفعتوان میری بات سن کر چونک پڑا۔
”ہم اس وقت ساؤتھ آفیس ہیں اور یہاں سے اسے تھکا
کا فائدہ ملے گا۔ یوں سمجھ کر لندن کی نسبت یہ راستہ تقویاً
نفع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بہر حال چارلس کیلی سے
پسند واپس پھینچیں گے مگر اس نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک چارلس کیلی
ہاں نہیں پہنچ جائے، وہاں سے نہیں لوٹوں گی۔ کبھی لٹی نہ کہا

تھا کہ وہ جو ہا نہیں ہو سکتا لیکن میں اُس کے ساتھ وہی لکھ لکھتا
جاتی ہوں جو جی چاہے سے لکھیتی ہے۔ میں نے نہ سکرانے ہوئے
اپنی بات ختم کی۔

”لیکن وہ جیسے بے پروا اپنے آئینہ کو بھی تو ہماری آمد سے
معلق کر سکتا ہے، اس نے یقیناً ایسا کیا بھی ہوگا۔“ رضوان نے کہا۔
”مجھے تو اسے خیال سے اتفاق ہے۔“ میں بولی۔ ”ایرتھ کے
لیے روایتی سے قبل وہ اپنے ساتھ وہی لکھ لکھتا ہے۔ میں بنا چکا
ہوگا اور وہ ہمارا زبردست استقبال کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں
گے مگر جب تک خود چارلس کیل دہاں پہنچے گا ہم حالات پر قابو پاچکے
ہوں گے۔“

”اے کوپا تباہ کن کیوں ہے بانو کہ آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ
اُس طرح پیش آئے گا۔“ میں نے کہا۔

”اگر یقین ہی نہ ہو تو انھیں میرے ہاتھوں سے لے کر آؤ۔“ رضوان نے
ہنس کر کہنے کی طرف دیکھا۔

”میرا خیال ہے کہ اس طرح تصادم ہوگا۔“ میں نے سنجیدگی سے بولی۔
”میں اپنے ساتھیوں کو وہاں پہنچنے کے لیے کمر بستہ ہوں۔ یہ کہہ کر
میں کھڑی اور ٹیلیفون کی طرف بڑھنے لگی۔

”سنیں! میں نے اُسے روک دیا۔ اس طرح ہم سارا مزہ
کریکر کر دوں گی۔“

میری بات سن کر میں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور اپنی جگہ اُک
بیٹھ گئی۔

”میں سمجھتا ہوں کہ ہم بڑا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔“ معا
رضوان سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”چارلس کیل کو ٹیلیفون کیجئے جو نے کہہ کر
دس منٹ گزر چکے ہیں۔“ یہ کہتے ہی رضوان اٹھ کھڑا ہوا۔

میں بھی ہمارے ساتھ چلے پر بعد میں گریس نے اُسے سمجھا بھجا
کر رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

میں اور رضوان پوری تیز رفتاری سے ایرتھ پہنچے۔ میں
نے بائی اسٹریٹ کے اختتام پر ہی کار روکی۔ بائی اسٹریٹ سے
جیزیرے کو جانے والا پل اٹھا ہوا تھا۔

”تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نہ کوئی سرکاری بار کیا جاسکے گا؟“ رضوان
کا رے اترتے ہوئے ٹھٹھکرا سنے لے کر بولا۔

میں نے رضوان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کیلز آگ
پر مبنی ہوئی وسیع درختوں سے غارت کو دیکھنے لگی۔ میں نہ کوئی سرکاری
بار کیے جانے کے خیال سے متفق نہیں تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ خطرو
اُس طرف زیادہ ہو سکتا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ جیزیرے پر دریا کی
طرف سے حملہ کیا جائے۔ پہلے میں نے دریا کی طرف سے تیز جیزیرے

تک پہنچنے کے بارے میں سوچا تھا
دیکھ کر خیال آیا کہ ایرتھ کے پونگ
مجھے خاموش دیکھ کر رضوان نے غماض
ارادہ کیا ہے!

”یہ بات اس قدر
بے حجب نہیں تھی جیسے جوئے تیز
تھے تو رضوان نے کہا۔“ غالباً وہ
گیا ہوگا کہ ہم باسانی جیزیرے تک
پہنچ کر اس طرح جیزیرے تک آئے گا
”بعض اوقات تم میری سامنے آ جاؤ۔“

میں نے کہا۔ یہ جس طرح جیزیرے تک
پہنچ جائیں گے اسکا تو چارلس کیل کے ہاتھ
میں ہو سکتا ہے اور وہ وہاں پہنچنے کے
معلق کر سکتا ہے تاکہ وہی کو دوبارہ سر

میرا جواب سن کر رضوان نے غصہ
ٹھٹھکی کہتی ہیں۔ اس وقت میرا ذہن
وقت رخصت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
میں نے حالات کا جائزہ لینے کے

کے سامنے سے گزرا۔ مجھے وہاں کوئی نظر
بند تھا۔ وہاں ایسا سا ناگھما بھیس
کہ اور ہم جیزیرے پر قدم رکھیں اور
اس میں نے ایک جگہ کھڑے کے بعد

صدا کی سمت اُس جیزیرے پر ایک دو کی گئی
گوئی میں نہیں بلکہ ساحل کے ایک کٹاؤ میں
میں اور رضوان کشتی سے اتر کر ساحل
میں خاردار تاروں کے ذریعے بن گئے۔

بندوبست کیا گیا تھا۔ تاروں کے قریب
لگا تھا جس پر بڑے بڑے حروف میں خطرو
پہنچ کر میں نے ”خطرو“ کے نیچے لکھی ہوئی
میں تھا تھا یہ خاردار تاروں میں برقی

عبارت پڑھ کر میں نے رضوان کی طرف
”اس صورت میں تو ابھر سے داخل
آتا ہے۔“ رضوان نے جواب دیا۔

”لیکن اس بورڈ کی یہاں موجودگی کا
کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ عام راستہ
عمارت میں داخل ہونے والا چوری چھپے

”انے معنی“ رشوتا“ استعمال کیا تھا تاکہ
مگر اُس نے رشوت قبول کرنے سے انکار
جانا چاہتا تھا یا پھر پہلے خود لیکن

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

”میں نے بھی سرگوشی میں جواب
کی تاکہ اگر کسی کسی خطرے میں گھر جاؤں
”میں نے بھی سرگوشی میں جواب

میں نے اُس کی کوئی بات نہیں مانی میں اور رضوان اُس پر
آڑیں کھڑے ہوئے تھے جو عمارت کے دروازے سے قریب تھا۔
معائنہ پیر کی آڑ سے نکلی اور انتہائی تیزی سے عمارت
کے کھلے دروازے میں داخل ہوئے ہی زمین پر لیٹ گئی۔ یہ کسی
منتوق ناویدہ حملے سے بچاؤ کی تدبیر تھی۔

وہ ایک نیم تاریک سی راہداری تھی۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ پڑی
رہی، پھر آہستہ آہستہ کھڑی ہوئی۔ راہداری کی دونوں طرف
کچھ کھلے دروازے نظر آ رہے تھے جو بند تھے مگر راہداری
کے ابتدائی حصے کی دونوں دیواروں میں خاصے خاصے ایک ایک جگہ
تھیں۔ دروازے اُس سپاٹ حصے کے بعد تھے۔

میں ایک ایک قدم بھونک بھونک کر رکھ رہی تھی اور گزرتے
وقت کے ساتھ میری پے چلتی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

معائنہ نے اپنے قریب ہی جیسے ایک آہٹ مٹی اندر چونک پٹکا
پھر اس سے پہلے کہ میں سمجھتی کسی نے مجھے چھاپ دیا میں تیزی سے پلٹی اور
حیران رہ گئی۔ میرا اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا کاٹھا رہ گیا۔
”رض... رض... رض...“ میں کیست ہوئی تھی۔

”اجی! رض... رض... رض...“ میں نے پلٹ کر
”مگر تمہیں کچھ ہوس طرح حیرت لگانے کی کیا ضرورت تھی؟“

میں نے پوچھا۔
”اس کے سوا آپ کو کچھ بڑھنے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں
تھی۔“ رض نے جواب دیا۔

”مگر کیوں؟“ میں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔
”اس لیے کہ خدا نخواستہ آپ کا دوسرا قدم موت کی دہلیز پر پڑا۔“

رض نے بتایا، پھر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”آئیے کنٹرول روم میں چلیں۔
چارلس کیل یہاں کسی بھی لمحے پہنچ سکتا ہے۔“

میں چونک اٹھی۔ رض نے کو چارلس کیل کی آمد کے بارے میں
کیسے بتا دیا؟ میں نے سوچا مگر یہ دقت اُس سے سوا کچھ کرنے کا
نہیں تھا۔

”میرے ساتھ رضوان بھی ہے۔“ میں نے بتایا۔
”رضوان! رض نے تو قلع کے مطابق چونک پڑی۔“ کہاں...

کہاں ہے وہ؟“
”عمارت کے باہر! میں نے جواب دیا۔ میں ابھی اُسے
لے کر آئی۔“

”حملہ کریں باجی! رض نے کہا۔ میں کنٹرول روم سے
زیادہ دیر باہر نہیں رہنا چاہتی تھی۔

میں تقریباً دوڑتی ہوئی عمارت کے دروازے پر پہنچی اور

رمضان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ رمضان ایک قریبی روزانہ کھول کر اُس میں داخل ہو گئی تھی۔

رضوان میرا اشارہ پلٹے ہی لپکا۔

کچھ دیر بعد میں، رمضان کے ہمراہ اُس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا رہی تھی جس میں رمضان داخل ہوئی تھی۔

وہ کمرہ اندر سے چٹ کے کڑھولوں میں ہی کی طرح تھا مگر اُس سے چھوٹا اور نیوی اسکرین بھی کم تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلتے ہی رمضان نے ٹوکر دیکھا تھا جو ایک گھونٹے والی کرسی پر ڈسک ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی مجھے اُس وقت وہاں اپنی موجودگی پر افسوس ہوا۔ وہ بچھے ہوئے ایک طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ میری وہاں موجودگی کے سبب وہ ایک دوسرے کو گھٹنیں دھاکتے تھے۔ وہ دونوں چند لمبے خالی خالی کئی نفروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پھر ان کے ہونٹ کاپٹے۔ وہ بس اپنے ہونٹوں پر ایک دوسرے کا نام لاسکتے تھے۔

اُسی وقت میری نگاہ ایک روشنی اسکرین پر پڑی تھی جو اُس کمرے کے باہر جو نیم تاریک راباری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسکرین پر ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ اب میں سمجھ چکی تھی کہ رمضان کو اُس کمرے میں بیٹھ کر راباری میں میری موجودگی کا علم کیسے ہو گیا تھا۔

”رمضان! میں نے کہا اور اُسے اسکرین کی طرف متوجہ کیا۔

رمضان نے بڑے کراسکرین کی طرف دیکھا۔ اب اُس سامنے کے خدو خال کچھ واضح ہو گئے تھے کیونکہ وہ آگے بڑھ آیا تھا وہ سو فیصد چارلس کیلی ہی تھا۔

مذاہفہ سے بچے بعد دیکرے دو ٹیٹن دبلے۔ اسی کے ساتھ میں نے راباری کا دروازہ بند ہونے دیکھا۔ چارلس کیلی جو تک پڑا اور پیچھے ٹوکر دیکھا۔

”تم خود اپنے ہی مال میں پھنس چکے ہو مگر چارلس کیلی! ابھی رمضان کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔

چارلس کیلی، رمضان کی آواز میں کہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔ یقیناً راباری میں موجود کسی آپس کے ذریعے رمضان کی آواز اُس تک پہنچ رہی تھی۔

”تم، اب تک لوگوں کی ذہانت کے امتحان لیتے رہے ہو مگر آج تمہیں خود یہ امتحان دینا ہے۔ اگر تم ان امتحان میں کامیاب نہ ہو تو نہ بچ جاؤ گے ورنہ دماغے جاؤ گے“ رمضان کی آواز پھر بلند ہوئی۔ ”مجھے تمہارے گروگوں سے پتا چلا تھا کہ تم نے نوکوسلادیہ میں میری باقی کے ساتھ کوئی ایسا ہی کھیل تھا اُس لیے میں نے تمہارا لیے کبھی قطعی اسی طرح کے کھیل کا بندوبست کیا ہے“

چارلس کیلی پر جیسے سکتا تھا۔

جگہ خانوش کھڑا رہا، پھر بیٹھ گیا۔

”ٹوک جاؤ چارلس کیلی!“

رہا راباری میں چند قدم کے بعد ایسا نہ چھٹن ہو جائے۔ اگر تمہیں اس بات اس سارے گورکھ دھندے کے حامل کھلی ہوں تو یہ دیکھو!“

ایک ٹیٹن دیا۔

رمضان کی تہیہ کے بعد چارلس کیلی اُس کے چند قدم آگے اچانک گریوں آگے۔

”اب تمہارے لیے صرت ایک ہی جانب موجود کمرے کا دروازہ کھول کر اور اُس کمرے میں موجود دفتر راستے جاؤ!“

”نہیں!“

”معاذ چارلس کیلی! میں بھیج کر بھیجنا سنا جا رہی ہو۔ وہ کہہ بن جائے گا۔“

”لیکن چارلس کیلی! جب کوئی کو جو بے دان میں داخل ہونا ہی پتا لب کشائی کی۔

”تو... تو تم بھی... تم بھی میں سے میری آواز میں کہو جب تک پتا۔

”میں اب تمہارا آخری دربار کر رہا ہوں۔ تم لوگ شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ دیا ہوا ہے اور میں اس سے آسانی کے چارلس کیلی نے سخت لمحے میں کہا۔

”تو پھر کھڑے کیوں ہو، کوشش کرو ابھی رمضان کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ میں سے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ ایک تک پہنچ گیا۔ وہاں تک کہ وہ ٹھکا۔ وہ موجود تھا۔ وہاں میں ایک فلاپیٹ ہوا سے اُس فلاپیٹ داخل ہو گیا۔ جیسے ہی داخل ہوا تھا، فلاپیٹ بار بار ہو گیا تھا۔

رمضان نے اُسی وقت اتھارے بڑھا اور اسی کے ساتھ وہاں پر موجود ایک

دل سے حالات کا جائزہ لو! اس کمرے سے نزار کی راہ موجود ہے۔

رمضان بھی تھکی۔ وہ چارلس کیلی کے ساتھ وہ کھیل کھیل رہی تھی جو میں چاہتی تھی۔

”اور میں اگر اسی کمرے میں رہوں اور فی الحال نکلنے کی کوشش نہ کروں تو؟“

”چارلس کیلی بولا۔

”تو بھی تم نہ بچ سکو گے۔“

پاس محدود وقت ہے، زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ! آدھے گھنٹے کے بعد یہاں پولیس پہنچ چکی ہوگی جو غیر قانونی اسلحہ کے بڑے ذخیرے پر قبضہ کرنے کے بعد تمہیں گرفتار کرے گی، وہ اسلحہ جو تم دینا پھر کے خربہ پسندوں کو سپلائی کرتے رہے ہو پھر چارلس کیلی!“

میں نے پہلی بار چارلس کیلی کے چہرے پر رش دیکھا۔ رش کے آثار دیکھے۔ وہ چند لمبے بعد بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ اگر تم لوگ مجھے یہاں سے نکل جانے کا موقع دے دو تو میں تمہیں ملا مال کر دوں گا۔ میں تمہیں لاکھوں پونڈ دوں گا۔ تم لوگ دینا کہ جس ملک میں کہو گے تم پہنچا دوں گا۔“

”فغلول! اتوں میں وقت ضائع نہ کرو چارلس کیلی!“

”سخت لمحے میں بولی۔ تم جیسے بھوک منگے ہیں نہیں خرید سکتے جو خود ہم سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہوں۔ ہم اب یہاں سے جا رہے ہیں اور جیسے کہ میں کہہ چکی ہوں، تمہارے پاس اُس کمرے سے نزار ہونے کے لیے صرت اور صرت ایک راستہ ہے۔ ہاں ایک بار آخری بار پھر کہہ دوں کہ راستے کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ ابھی پرتھاری زندگی اور موت کا انحصار یہ چارلس کیلی پھر گھٹن کیا نہ لگا۔ اس باؤس نے مجھے مخالف کیا تھا۔ ”اس باؤس آپ ہی اپنی بہن کو سمجھا بیٹا! اب میری مانگیجی“

”میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ میں نے دو ٹوک جواب دیا۔ یہ تمہارا اور رمضان کا معاملہ ہے۔ وہ خود باغ نظر اور ذہن سہرا سے ایسے اپنا حساب خود بے باقی کر رہی ہے۔

”لیکن... لیکن میں یہ کیسے یقین کروں کہ واقعی فرار کی کوئی راہ موجود ہے؟“ وہ بولا۔

”میری بہن! پھر صحت نہیں ہوئی نہ درمیان میں قتل کرنا مقصود ہوتا تو اسے کون روک سکتا تھا! وہ تمہیں نزار ہونے کے لیے ایک واضح اشارہ بھیج رہی ہے۔ اُس اشارے کو سمجھو اور اُنھیں کھول کر کمرے کا جائزہ لو! اب تمہیں کمرے کے دروازوں سے ترس لگتی ہوئی نظر نہیں آ رہی ہے؟“ میں نے کہا۔

”مگر وہ میری دوسرے سے بہت دُور ہے۔ میں جیت لگا کر

کو بھی قلم بند کیا جائے، اس پر افسانے کا نگار ہو گا۔ انہی اودار میں سے ایک دودھ کو میں آپ لوگوں کے سامنے پیش بھی کر چکی ہوں۔ اس دودھ کے رنگ رنگ حالت نے آپ کے ذہنوں پر بیٹھے گھرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے انہی بیٹے شہر خطوط سے ہوا ہے جو میری مرگزشت کی شاعت کے دوران میں پڑے تسلسل سے آئے رہے۔ میرا ایک چادر ہلے، اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان میں سے ستر فیصد خطوط ان لوگوں کے تھے۔ مردوں کے خطوط میں تقریباً نصف تعداد ایسی تھی جن میں مجھے "راہ راست" پر لڑنے کی تلقین کی گئی تھی۔ نہ جانے یہ لوگ راہ راست کے کتے ہیں یا کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ، یہ میں آج تک نہیں سمجھ سکی۔ کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ اس کا فیصلہ تو میرے خیال کے مطابق بھی نہیں ہو سکا۔ ہر دوسرا اپنی قبریں اور اپنے قافے ہوئے ہیں، انہی کے مطابق اچھے برے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہر آنے والی تسلسل آن فیصلوں میں تیریم دھانڈا کرتی رہتی ہے۔ گویا کوئی اچھا نہیں مستند نہیں اور کوئی بُرائی متفقہ نہیں۔ بعض اوقات تو انہیں بھی جھوٹ دیکھنے لگتی ہیں۔ میری آنکھوں نے بھی بہت سے جھوٹ دیکھے ہیں آج سچ سچ ہیں چکنے ہیں اور آج جس جن "پتھریلوں" کو دیکھ رہی ہوں، کیا جب کہ آنے والی کل انہیں جھوٹ ثابت کر دے۔ بس لازم ہے کہ اس بحث میں نہ اٹھاجائے۔ مجھے میرے جھوٹ پر قائم رہنے دو دیکھ لے میں اسے سچ سمجھتی ہوں اور آپ اپنے سچ پر جبر ہے۔ حالانکہ میں اسے جھوٹ گردانتی ہوں۔

اب کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس مختصری چھپرے جھار کے بعد میں ان واقعات کا آغاز کروں جنہیں پڑھنے کا آپ کو اشتیاق ہوگا اور جنہیں قلم بند کرنے پر مجھے عبور کیا گیا ہے۔

انگلینڈ سے کراچی واپس آنے کے بعد میں کچھ عرصے تو سیاسی سرگرمیوں میں لگی رہی لیکن پھر کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ ریاست سے میرا دل اچانک ہو گیا اور میں سب کچھ چھوڑ کر اپنی غریب کی طرف متوجہ ہو گئی جسے میں نے بہت عرصے سے انتظار میں رکھ رہا تھا۔

جس روز منی دفتر میں بیٹھی، اس سے ایک ہفتے قبل میری اسٹینوگرافرس کے ایک حادثے میں جاں بحق ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ پر گرنے کے لیے خرابی میں اشتہار دیا جاسکتا تھا لیکن میں نے بس اتنا لیا کہ "اسٹینوگرافر کی موت" کی خبر اپنے سامنے میں پھیلا دی۔ پھر بہت جلد لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ زمانہ ہی دو تین انٹرویو ہونے لگے لیکن میرا مطلب تھا کہ ان میں سے کسی میں آنے والی لوگوں کو بہت خاص نظر سے جاچکی تھی۔ کوئی ایک درجن تک لوگ میری کسوٹی پر پوری نہ آئے سیکس لیکن تیرہوں لوگ

پر پہلی نظر پڑے تھے ہی میرے وجود میں ایک تریاق، اس تریاق کے برکات میں میں اس وقت اپنے چہرے سے بہت کم تر ہوا۔ سال کی چوٹی لیکن ہم گلاب کی اس گل کی طرح ہوا ایک لمحہ ہو گیا۔ آفتاب جذب کی پہلی بے قراری سے کھل اٹھی کہ جذبات کا اعلان۔ اُسے اس طرح دیکھا جسے آپ خراب ہو کر اظہارِ عقلی میں بیٹھیں۔ میں نے اس کی اس جیسی کو لکھا کہ میں آئی تا ہم اس میں کوئی ماسوم سی انداز نے ایک انہی عشق کو ماسوم کیا مگر کتنی عرصہ قلم بند کیا تھے! میں نے اس کے چہرے پر ادا کی گئی تھی ایسی معلوم ہوئی جیسے ممان و شفت کا لڑکھانے لگے۔ وہ کوئی سے قد کی لڑکی تھی۔ قدم اٹھائی ہوئی میری بڑی طرف کی طرف اس میں خمدار دُور باہر اس کے چلنے کا انداز تھا۔ وہ میرے سامنے میری دوسری طرف آنکھیں مے سے بیٹھنے کے لیے کناؤہ اس طرح ہونک گئی۔ نے محسوس کیا ہر کہ وہ کمال آتی ہے۔ جب کہ اس کے لب لعلیں میں خفیت ہی حرکت ہوئی تھی۔ لہذا وہ مگر اتنی مدد ہم آواز دے کہ میں بس سن سکی تھی۔ وہ چھٹی اور میری نگاہ اس کے منہ سے اُس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی کہ ان کے کچھ لب سے ہو۔ وہ بے لگے کوئی سوال نہ کیا۔ میں نے اپنے لبوں میں اپنا تنہا کر لیا۔ کارڈن کی توجہ کسی دقت کی پوری ہو گئی تھی۔ مسند سودہ چھوٹا تھا۔

قد میں تین فٹ دو انچ اور وزن تھے پندرہ پونڈ۔ مضطرب کو یہ فیضان دیا جا رہی تھی کہ اس کے کچھ لوگ اس خمدار کٹافٹ کو دیکھنے درجہ برہنہ کر کے اس کی گھنیر سی ہلکوں کی جھالراشتی اور متوقع نظر سے میری طرف دیکھنے اور سر نہ ہکا ہکا ہر اس نے غالباً چھٹی مرتبہ بھونکا اور دھیرے سے کہے آئی ہوں!

"اچھا! ہمیں نے ایک طویل سانس لیا"

یہاں سے میری جگہ پر جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اب سنگیت کے چہرے پر تیز و تند ہوا۔ کچھ کہتے ہوئے بچکی رہی تھی۔ میری ہمت کے اس نے دیکھے لیکن کتنا مفرح کیا۔ اب سے چھ ماہ قبل میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے ملازمت کرنا پڑے گی۔ بس زمانے کی گردش نے مجھے اس موڑ پر لا کر لایا ہے اور میں اس چھ ماہ کے عرصے میں بے حد پریشان رہی ہوں۔ آج کے دُور میں لوگوں کو ملازمت ملنا چند دنوں دشوار نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جب وہ ایک شرط پر پوری آئے سیکس اور میں اپنی فطرت سے مجبور ہونے کے باعث اس شرط پر پوری نہیں کر سکتی۔ سنگیت کی پکیلیں جھٹکیں۔ "میں نے آج تک شاید کسی مرد کو بھی انسان نہیں پایا، ابھی میرے نظر آئے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کر سکتی کہ اس میں میرے جانے والے سب مرد بڑھ چکے ہیں لیکن یہ شاید میری بد قسمتی ہے کہ مجھے کوئی انسان نہیں ملا۔ صرف ایک شخص تھا جس نے مجھے یہ بار کرائے کی کوشش کی تھی کہ وہ انسان سے لیکن بے اعتباری شاید میری فطرت بن چکی ہے۔" سنگیت کی نظر اب تک ٹھکی ہوئی تھی۔ یہ ایک وہ چپ ہوئی، پھر اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولی "آپ میری باتوں سے بھر تو نہیں ہو رہی ہیں؟"

"تم زندگی بھر بولی نہ ہو۔ میں کبھی اور نہیں بولی گی؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ اصل ان سب باتوں سے میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ میں کسی صورت تک ملازمت کرنا چاہتی تھی اور جب یہ سچ جاگیر سے آپ کے ہاں میں معلوم ہوا تو میں سیدھا میں دُور چلی آئی۔" یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ مردوں کے ہاں میں تمہاری خیالات سے مجھے پورا پورا آفاق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں ایسے مردوں سے بھی سابقہ پڑا ہے جو اچھے انسان تھے یا پھر انسان بننے کے چہرے ان میں سے کسی کے ساتھ خوشامیوں نہیں کر لی؟

پر پہلی مرتبہ بہت خفیت سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"نہیں! تم جو بحث ضرور کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ میں قطعاً برا نہیں مانوں گی۔"

"مجھے جہاں جہاں نے بتایا تھا کہ اس بحث میں آپ سے کبھی کوئی نہیں جیت سکا تو پھر میں بیچارہ کسی شمار و طوائف میں ہوں۔"

"تمہیں جگہ جہاں جہاں نے میرے بارے میں کچھ اور بھی بتایا تھا؟"

بیگم جہاں جہاں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ غیر شاکی شہر ہیں۔

"مرد خواہ کتنا ہی اچھا انسان کیوں نہ ہو وہ عورت کے مقابل اس اس برتری میں ضرور متلا ہوتا ہے اور میں اپنے آپ کو اس کم

یہاں سے میری جگہ پر جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اب سنگیت کے چہرے پر تیز و تند ہوا۔ کچھ کہتے ہوئے بچکی رہی تھی۔ میری ہمت کے اس نے دیکھے لیکن کتنا مفرح کیا۔ اب سے چھ ماہ قبل میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے ملازمت کرنا پڑے گی۔ بس زمانے کی گردش نے مجھے اس موڑ پر لا کر لایا ہے اور میں اس چھ ماہ کے عرصے میں بے حد پریشان رہی ہوں۔ آج کے دُور میں لوگوں کو ملازمت ملنا چند دنوں دشوار نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جب وہ ایک شرط پر پوری آئے سیکس اور میں اپنی فطرت سے مجبور ہونے کے باعث اس شرط پر پوری نہیں کر سکتی۔ سنگیت کی پکیلیں جھٹکیں۔ "میں نے آج تک شاید کسی مرد کو بھی انسان نہیں پایا، ابھی میرے نظر آئے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کر سکتی کہ اس میں میرے جانے والے سب مرد بڑھ چکے ہیں لیکن یہ شاید میری بد قسمتی ہے کہ مجھے کوئی انسان نہیں ملا۔ صرف ایک شخص تھا جس نے مجھے یہ بار کرائے کی کوشش کی تھی کہ وہ انسان سے لیکن بے اعتباری شاید میری فطرت بن چکی ہے۔" سنگیت کی نظر اب تک ٹھکی ہوئی تھی۔ یہ ایک وہ چپ ہوئی، پھر اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولی "آپ میری باتوں سے بھر تو نہیں ہو رہی ہیں؟"

"تم زندگی بھر بولی نہ ہو۔ میں کبھی اور نہیں بولی گی؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ اصل ان سب باتوں سے میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ میں کسی صورت تک ملازمت کرنا چاہتی تھی اور جب یہ سچ جاگیر سے آپ کے ہاں میں معلوم ہوا تو میں سیدھا میں دُور چلی آئی۔" یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ مردوں کے ہاں میں تمہاری خیالات سے مجھے پورا پورا آفاق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں ایسے مردوں سے بھی سابقہ پڑا ہے جو اچھے انسان تھے یا پھر انسان بننے کے چہرے ان میں سے کسی کے ساتھ خوشامیوں نہیں کر لی؟

پر پہلی مرتبہ بہت خفیت سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"نہیں! تم جو بحث ضرور کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ میں قطعاً برا نہیں مانوں گی۔"

"مجھے جہاں جہاں نے بتایا تھا کہ اس بحث میں آپ سے کبھی کوئی نہیں جیت سکا تو پھر میں بیچارہ کسی شمار و طوائف میں ہوں۔"

"تمہیں جگہ جہاں جہاں نے میرے بارے میں کچھ اور بھی بتایا تھا؟"

بیگم جہاں جہاں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ غیر شاکی شہر ہیں۔

"مرد خواہ کتنا ہی اچھا انسان کیوں نہ ہو وہ عورت کے مقابل اس اس برتری میں ضرور متلا ہوتا ہے اور میں اپنے آپ کو اس کم

نہیں۔ کچھ ہو سکتی ہے۔
 ”ایک مٹری لڑکی ہونے کی حیثیت سے مجھے یہاں آپ سے
 ۔۔۔ لیکن میں کوئی بوٹ نہیں کر دوں گی،“ سنگیتا کے ہونٹوں
 سے ٹوٹے دلی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”نہیں،“ سنگیتا نے ہنسنے پر لکھن جھکا لیں۔
 ”کیا بتایا تھا؟“
 ”کچھ عجیب سی باتیں تھیں، میری کچھ میں تو بالکل نہیں آئیں۔ بھلا
 یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عورت کسی عورت سے۔۔۔ یعنی یہ کہ۔۔۔ کہ۔۔۔
 سنگیتا کی زبان نہیں نکلتی۔ اچھی اور برے کچھ مٹری ہو گیا۔
 میں ہنس پڑی اور دلیلی ۲ خیر حیرتوں والی باتوں کو اب بتاؤ تو چاہئے
 ہوگی یا کان؟“
 ”سنگیہ، میں کچھ نہیں بیوں گی۔ آپ تو مجھے یہ بتائیے کہ
 بحیثیت اسٹیوڈیو لائبریری سے تعلق کیا کچھ ہوں گے؟ صرف خطوط کے
 جوابات یا کچھ اور بھی؟“
 ”ابھی میری سلیپر میں تھا، انا منٹٹ اپر ٹراپس کر کے لاری ہو
 لی۔ وہ تھیں سب کچھ بتا دے گی۔ ہاں، وہ ایک باتیں ایسی ہوں گی
 جو عجیب صرف میں ہی بتاؤں گی۔ ویسے مجھے ایک بات بہت مزہ آتی ہے۔“
 ”کس بات پر؟“
 ”تم اسٹیوڈیو لائبریری سے پاس کچھ اسناد بھی ہیں۔ آخر اتنی
 کم عمری میں تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟“
 ”آپ کے خیال میں میری عمر کیا ہے؟“
 ”سو لہ سترہ سال سے زائد تو ہو کر نہیں ہو سکتی؟“
 ”آپ دس سال کا گھبرا کر رہی ہیں، سنگیتا نے کچھ بے تکلفی سے
 کہا۔
 ”یعنی تم صرف پچھل کی ہو؟“ میں جڑست بولی۔
 ”چھتیس سال کی؟“ وہ ہنس پڑی۔
 ”ہاں، ہاں؟“
 ”میں اسناد کے ساتھ اپنی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بھی لائی ہوں؟“
 ”میں اُسے جعلی قرار دے دوں گی؟“
 ”یہ تو مزہ دہشت ہوئی؟“
 ”میں کبھی بھی زندگی میں کبھی گزند ہی ہوں۔“ میرا ہوشیارہ بچہ
 مٹری خیر تھا جسے سنگیتا نے مسکراتے ہوئے یہ تہہ مزہ سن لیا۔
 اور اب بھی میری کچھ باتیں آئی؟
 ”وہ کیا؟“
 ”تم نے بتایا تھا کہ کچھ مہاتر قبل تم ملازمت کرنے کا تصور بھی نہیں
 کرتے۔“ آخر ان چھ مہاتر میں کس کی حالت سے گزرتا ہے؟
 ”سنگیتا“

نیرس اس سوال سے سنگین نہ
کی گئی تھی جو بھٹی جی گئی، پھر وہ سے تمام
نے کر بھڑکی ہوئی آواز میں کہا: کیا آپ
ایک گھنٹی تک بیٹھ سکتی ہیں؟
مجھے اس بات پر واقعی عجب ہوا
بولی: کیا تمہارے والد نے تمہاری کسی بات
گھر سے الگ کر دیا ہے؟
”جی ہاں، مجھے اپنی جان سے زیادہ“
جواب دیا: ”میں اس کا انکلوٹی بیٹھوں“
”پھر کیا وجہ ہوئی کہ... میرا دوسرا“
جیسا کہ میں تلاش ہو جانا صرف اسی صورت
غلط فہمیوں میں پڑ گیا ہو۔ ریس ہسٹا اور
کسی لکھی ہوئی شخص کو اتنی جلدی تلاش کر کے
سنگیتا نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا
میں اس بات پر جانتی ہوں کہ ایک روز جیسا
اور اس میں ہر پلوٹ پر لے جا کر خود کو
لائسنس کے ایک چھوٹے سے کوارٹرس میں منتقل ہو گئے
اُس کاما کے شائق چنگیز بن گیا،
”یہ نشان چنگیز کی کون ہے؟“
”ایک تاج ہے، تالپروں کی تہذیب کرتا
کے پاس آیا کہ نا تھا۔ مجھے اس کا نام نہیں کہ پہاڑی
نوعیت کی تھی؟“
سنگیتا کے اُس معاملے میں میری ڈیوٹی
”جب تم اپنے بچے سے ایک کوارٹر میں منتقل ہو گئے
وہاں جی سے پوچھا تو ہوگا کہ اس انقلاب کا سبب کیا
”ظاہر ہے کہ میں نے پوچھا تو ہوگا کہ میں جانتا
تفصیلی بحث جواب نہیں دیا۔ وہ سارا تاج کہہ کر ٹپ
کی ہی فریختی تھی؟“
”بڑی عجیب بات ہے، میرا بیٹا سڑک
”ہاں!“ سنگیتا نے بھیجی سی مسکراہٹ
بول گئے تھے جس میں جیسے سال تک ایک منہ
چانک ٹوٹ گیا۔
”ایک اذیتناک شنگی! میں نے تمہارا
”آپ شاید مجھے اس اذیتناک اندازہ کر سکیں جس
”کیا میں تمہارے پتائی سے مل سکتی ہوں؟“

دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے ملنے اور اڑس کہا کہ تم گراؤ،
میرے اندازے کے مطابق وہ میری جگہ پر کھڑی رہے گی اُس نے
اپنا سخت لڑو اور گر کر خاطر سے سنگینا کا بازو لئے چلی گئی۔
”ماں توبہ! کہہ رہی تھی کہ آپ چتا ہی سے کیوں ملنا چاہتی
ہیں؟“ سنگیت بولی۔
”یہ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان کی زندگی میں یہ انقلاب کیوں کر
آیا اگر میں اس سلسلے میں کہ ہم کسی کو کوئی گریز نہیں کر سکتے گی“
”میرزا بیل کے راکپ بھی ان سے اس کا سبب نہیں معلوم کر
سکیں گی“
”اگر میں اُن سے نہ معلوم کر سکی تو کسی اور ذریعے سے معلوم کر دوں
گی۔ یہ ناممکن ہے کہ میں کسی کا کامتیرہ کر لوں اور وہ نہ ہو“
تفنگی کا سلسلہ دوازہ برس کے لیے پھر قطع ہو گیا کہ میرا کسی وقت
کافی آگئی تھی۔ کافی پیسے کے دوران میں میں نہیں، سنگیتا سے بائیں کرتی
رہی یہ کہ اُس کے ذہن سے کوئی ایسا نہ نہیں کر لیتا کہ جو اس
عجیب و غریب معاملے کو سمجھے میں میری کوئی محدود کر سکتا میں گفتگو
کے دوران میں ہی ہفتہ وار کچھ بھی کر اس سلسلے میں کچھ جانتا ہے۔ بھی
پوچھ گچھ کر لوں گی۔ دو چکر سنگیتا سے واقف تھی اس لیے میں نہیں خدا کر
سنگیتا کے باب کو جانتی ہوں اور اُس کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کر سکے
کافی پیسے کے بعد سنگیتا پر اشکرے اور اکر کے رخت ہو کر اکر
اُس کے جانتے ہی میں نے کچھ جانتا ہے کہ کوئی کیا۔ دوسری طرف سے
جواب ملا کہ کچھ صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں اور غالباً تاشام سے پہلے
واپس نہیں آئیں گی۔
میں نے خون بند کیا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی خائیں ایک طرف
سر کاویں۔ کام کرنے کا موڈ بالکل نہیں رہتا۔ جس کی لہری میرے
ذہن کو ہچکے لے دیتے تھے۔ میں یہ جانتے کے لیے یہ ہیں
پچی مٹی کے سنگیتا میں پارے ہیں جس نے بڑے انداز میں
پرورش پائی تھی اچانک غرت کی گرد میں کیسے جا کر گی ایک
نیلیا جو میرے ذہن میں بار بار ابھرا وہ یہ تھا کہ سنگیتا کے باب کو
کہنے والے میں ایک میل کیا گیا ہے اور ایک میل کوئے والا سخت
مشاق پیچیر کی ہی ہو سکتا ہے اب دوسرا ہم سوال یہ تھا کہ آج
معاہدہ کوں سا ہو سکتا ہے جس میں سنگیتا کا باب سب کچھ دے بیٹھ
اس سوال کا جواب ان خود ذہن میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس
کے بارے میں چھان چھک کی ضرورت تھی اور میں نے فیصلہ کر
لیا تھا کہ اگر سنگیتا کا باب غلط ہے تو میں اُسے اس کی کھوئی ہوئی
حقت واپس دل کر دوں گی۔

سنسٹیا کاجولاجلالہ میرے دل دو مانغ پر چھایا رہا
اور میں اُس روز بہت کم کام کر سکی۔ اُن کا سامنے تن بنے میں
نے نائیں بند کر دیں اور پھر اٹھنے ہی والی تھی کہ ایک عجیب و غریب
فون دھون ہوا۔ اِس میں سنسٹیا کو وہ فون کال کئی استبار سے
عجیب و غریب تھی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی مرد تھا اور
یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دادا کو بجا کر بولنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ اُس نے بغیر کسی تہدید کے یہ چلی بڑی چھوڑی تھی کہ سنسٹیا
ایک آواز ہزاران بار پیشہ در پیشہ کی لڑائی بے حور میرے دفتر کی لفافہ
کو بھی غریب کر دے گی۔
”لہذا آپ اُسے ملازم نہ رکھیں تو یہ آپ کے حق میں بہتر
ہو گا“

”ظاہر ہے“ میں نے کہا ”ابھر
 ہے نہ یہ تیا بیا کرتے ہیں گیتا کے
 معلوم ہو نہیں سکتا“
 ”جیسے یہ آیتیں اس لیے معلوم ہو سکیں
 زیادہ دور نہیں رہتا اور اس کے خلاف
 ”کیا مطلب؟“
 ”کچھ دن پہلے تک مجھے یہ غلط فہمی
 لگتی رہی لیکن جب میرے بیک میں
 تم ہو گئے تو گیتا نے مجھ سے فرمایا
 ”اگر گیتا اس قسم کی روک ہے تو
 حاضریت سے؟“

سے دو چار تھی کہ شاید سنی سنی بھی نہ ہو
وہ افسانہ گیتا کا کوئی دل بھلا عاشق

ہیں معلومات حاصل کرنے کے لیے بیگم
اکثر بری طرح کی تھی چنانچہ پہنچتے ہی میں
نارن پر رابطہ قائم کرنا یا انکار نام ہو کر
تھی اور یقین سے نہیں کر سکا جتنا تھکا دہ
میں بھی گھر پہنچنے کے گی یا نہیں اور بڑی آواز
میں ایک بحث ہے کہ آزاد خیالی کے
تھی اور اس کا مشورہ اس کے لیے
پر اجتماعِ مردم کے واقعہ ہیں سے کوئی

اس نے اپنے ناپوتہ کو نکھا ہو گا کیسے حمایتی ہوں کہ ہم بھی دوسرا جادو
دراں میں وہ در خواست دیجیو کہ مجھے ٹیلیفون پر ہی اس کے
پہنچنے سے مطلع کرو۔
”مجھے اس کا پتہ یاد ہے بازو؟“
”یاد ہے؟“ مجھے دے تب ہوا۔
”جی ہاں! مختصر سہا پتہ تھا، اس لیے یاد ہو گیا۔“ سیکٹری نے
ماہر دھیر مجھے پتہ بتادیا۔ وہ اتنی اڑنا متوجہ تھا کہ آسانی سے یاد
کر سکتا تھا۔
ٹیلیفون بند کر کے میں سوچنے لگی کہ اگر مجھے اس کو اسٹر
مک پہنچنے کے لیے ادھر ادھر بھیجنا پڑا تو ممکن ہے کہ وہ اس
کو گم کر دے، شک و شبہ کے نظر سے بچنے لگیں لہذا یہ بہتر ہو
گا کہ میں پہلے ہی اس کو اسٹرک میں جمع کرکشیں معلوم کروں میری
خاطریہ کام رضوان بڑی آسانی سے کر سکتا تھا۔
رضوان کو ان دنوں فرصت ہی فرصت تھی۔ وہ اپنے ملک
کی سیاسی فضا اور بیوروکریسی کی دھاندلیوں سے آزاد دل برداشتہ
ہو چکا تھا کہ اس نے اپنے اخبار سے یلبدگی اختیار کر لی تھی۔ اس
استغناء نرمی شمل سے قبول کیا گیا تھا۔ اخبار کے مالک کی شدید
وٹاں تھی کہ وہ اخبار سے الگ نہ ہو لیکن اس کے لیے رضوان کی
شرط بہت کمزوری تھی۔ وہ جیل جالے کے لیے تیار تھا لیکن اس
پر اتنا آدم نہیں تھا کہ اس کی بعض ضروریوں کو اشاعت سے رک
یا جائے۔ یہ بات اخبار کے مفادات کے خلاف تھی۔ اخبار کا مالک
حاکم کو اتنا مزاحم زیادہ تھا۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ حکومت وقت کی
عسے میں مضر دے لہذا اسے طوعاً و کرہاً رضوان کا استغناء منظور
نہا ہی پڑا تھا۔
رضوان سے ٹیلیفون پر میرا رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔ وہ گھر پر
وجود تھا۔ وہ میری آواز سننے میں چمکا۔ بیسویں باؤ... خاصے دن بعد
میری یاد آتا ہے کہ مہز کوئی غرض ہوگی۔
میں اس بات پر حینب گئی لیکن بڑی دھڑالی سے ٹھنڈا
ناس لے کر بولی ٹکیا تاؤں حسین امیرا ایک ٹوہمی ایسا نہیں
گور تا جب میں تمہاری یاد سے غافل رہوں مگر اس خیال سے
ٹیلیفون میں کرنی کہ تمہارا وقت کیوں برباد کروں اتھاری یاد بھی
میرے لیے سکوں نہیں ہوتی ہے۔

میں نے سیکھ کر دُر کا پتہ بتایا اور بولی "میں چاہتی ہوں کہ تم ابھی جا کر آتے ہو۔ یہ کڑا اور پھر مجھے اپنے ساتھ لے جا کر دُور سے وہ مکان دکھا دو۔"

"آخر معاملہ کیسا ہے؟"

"یہیں بعد میں بتاؤں گی۔"

"حسبِ عادت!، رفوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"ظاہر ہے۔"

"اُدھو۔"

میرے اذانے کے مطابق عنوان نے ایک گھنٹے بعد بجے
 فون کیا اور پورا مذاق سے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔
 ”اب آکر مجھے لے جاؤ اور وہ کارٹر لے کر دو۔“
 ”بس اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا۔“
 ”کیوں؟“
 ”معاشرے کو براؤنر سے بچانا ہر اچھے شہری کا فرض ہے۔“
 ”کیا تم نے سوچا؟“

”میں نے پتہ لگایا ہے کہ اُس کو اڑھریں ایک نوجوان لڑکی
رہتی ہے۔“
”تو پھر؟“

”معاشرے کی عافیت اسی میں ہے کہ آپ کو لوگوں سے دور رکھا جائے۔“ رضوان نے یہ بابت کچھ اسی انداز میں کہی تھی کہ مجھے، مٹس، انکس۔ رضوان بھر لولا یہ ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے۔“

”حکومت! میں کہہ رہی ہوں کہ اگر مجھے لے جاؤ گے“
 ”نہیں لے جاؤں گا۔ اس کے خلاف میں اُس کو لڑنے کے
 پاس جا رہا ہوں۔ میں اسے خبردار کروں گا کہ شہر کی بجائے پانچویں
 کی طرف بڑھ رہا ہے،“ رضوان شریعت پرکاش نے کہا۔
 ”اگر تم نے ایسا کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“ میں نے سخت
 جی سے کہا۔

”چلیے آپ کی خاطر میں اس سے کچھ کمزور لگائیں آپ کو
 ہر سال وہ گھر نہیں دیکھاؤں گا۔ اگر کوئی گناہ کی طرف تامل ہو تو
 اس کی عذر کاغذ نامیں گناہ ہے۔“

”تم نے معاشرے کے نام ہذا اصلاح کاوش کا سے رہنا

ہے؟“ میں چور کو کہہ رہی تھی۔
 ”میں ہمیشہ سے اس کا شک کیا۔“
 نیو نیسلینڈ کے ذریعے ملا کر تو شہرت کے
 ہو جاتی۔“
 ”تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر
 ”غیر فضول باتوں کی نشاندہی کر
 ”میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے لے جاؤ
 ”میں نے عرض کیا تاکہ میں گناہ میں نہ
 جا پڑتا۔“

”جب ٹریس جاؤ“ میں نے بھنک کر
بچھڑے تو فتح علی کو ڈرا پر بعد رضوان
عادت تھی کہ وہ میرا کوئی کام کرتے
تھے اور رضوان کہیں جب بیس منٹ کا وقت
تو مجھے رضوان پر شدت سے فحش آئے کہ
تو یہ نہیں فیصلہ کیا تھا کہ خودی کھا گیا
مجھے پہلے کبھی ملی اینڈ جب ایک لائن پہ
لیکن میں اتنا ضرورت تھی کہ میری پس اس
طرفن جاتا تھا۔ میں نے وہاں کھڑے ہوئے
ٹکٹ لینے اور ڈی بیٹھنے اس ٹکٹ کے
گئے والی سواری کے حساب سے جا بچ کر
انسانی برائی میری پس اس ٹکٹ پر
میں نے جگہ ملے تھے۔ اسی راہ میں سینٹ
اسکول پہنچے ہو گیا تو ایک راستہ بائیں
تاکے گاؤں اس طرف منجھوے دیکھا جب کہ ایک
اتنا بڑا سڑک

ان دونوں میں سے کون سا نانا کی بی بی کا
 چاہیے؟ مجھے کڑک ایک دالچر سے دیا
 مجھے بتایا کہ مجھے اپنی جانب مڑنا چاہیے
 انھوں کا اتفاق کرتی ہوئی بی بی نے جیسے
 ختم نہیں کی جہاں خالی تانھوں کا ترنس
 آگے بڑھ گئی۔ یہاں مجھے خاصی دھڑلان
 راستہ دو شاخوں میں منقسم ہوا تھے ایک
 ایک طرف ایک کھڑک کا کھڑک تھا۔ اس طرف
 کھڑک کھڑک کے قریب پہنچ گئی۔ اتنی دیر میں
 ہوجا تھا کہ اس کی ہمت کا۔ ان کے

کے گروں کی نظر میں چڑھ چکی ہوں۔
ایسی عورت نہیں رکھائی دے تھی جو
علاوہ ازیں وہ راستے بھی ایسے نہیں تھے
کاغذ ہوتا جو ممکن ہے کہ وہاں بھی نہ پتہ
ہو کہ میں نے جو خستگی بانی تھی نہ نہیں
ہاں لکھا تھا۔ یہ راستے جسے تنگ سمجھے۔
اٹل اور راجہ بول کے جوہم نے لڑی
میں مہارت کے بغیر وہاں سے کاغذ نکال ایک

ایک کار کا یہ پتہ تھا کہ اس کا محل تھا اور
اس شخص نہیں تھی کہ میں وہاں کار کھیج کر
تھا کہ کسی وقت بھی کوئی ہانگہ یا کشتہ نہ لگے
تھا کہ ابواگر رہا۔ مجھے رضوان پرشست
کی وجہ سے مجھے اس پریشانی کا سامنا
مالات میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی
اؤں اور آئے والی کل کا شکار کر دیں۔
وہ کہہ گیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر پر جانے لگی۔
الاس ونا اور ٹوٹ آئی لیکن میں اسے سو
لی کہ آؤں کہ آتا رہا تھا کہ میں اس علاقے
ہو گئی تھی۔ مجھے ایچ ٹاپ کارڈز کے
پتے تھے۔ یہ کارڈز اس علاقے کے دو مختلف
تھے جب کہ ایک ٹاپ اور دوسرا ٹاپ کارڈز
در اصل اس علاقے کو اتنا تنگ کرنے
تھا جنہوں نے اجازت طور پر کچھ پتے رکھنا

کرمیں نے اس کا ایک پیک لیا تاکہ مائکڑ
بعد میں نے ایک بار جو بیگم جہانگیر کو فون
لا کر دوا بھی نہیں آئیں۔ میں نے ریسورٹ رکھا
فی۔ میں نے دوبارہ ریسورٹ کان سے نکالایا۔
بیکنگ؟ میں نے اوسٹھ پوس میں کہا۔
بیکنگ؟، مڑوان کی آواز سنائی دی۔

اس علاقے میں؟“
 وہاں میری نگرانی کر رہے تھے؟“
 بناوٹیں کہ معاملہ کیا ہے تو آپ کو اتنی پریشانی

بعض اوقات ہم تہمت زیادہ جلیف دہہ جاتا ہوں۔ بہر حال مجھے اس ممت بھوہ آج نہیں توکل میں یہ کام کرنا پڑا؟
 "لیکن مجھے تین تاہیں کہ کر ماعلا کیلے ہے؟"
 "نہیں!" مجھے خندس ہوگی تھی۔ میں نے رضوان کی مزید کہان
 غیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ دوبارہ رنگ کرے
 ایا نہیں ہوا۔ دس پندرہ منٹ تک نوں کی گھنٹی نہیں
 نوں بستر پر لیٹ کر گھنٹا کے خیالوں میں کھوئی۔ ان خیال
 ساتھ ہی وہ یلیفون کال بھی میرے۔ میں سن تھی جس کے
 کسی اجنبی نے مجھے تاہا تھا کہ سنگی نوں ابھی روکی نہیں ہے۔
 اگلے صبح میں نصعت گھنٹے کی تاہیر سے دفتر پہنچی۔ مجھے
 ہو کہ اس سبب اسکل صبح وقت پر دفتر آج بھی ہے اور میری
 ہری نے اسے کچھ کام سونپ دیے ہیں۔

میں نے اپنی میزبجالی اور ان سب فائلوں کو اپنے سامنے لایا جو گزشتہ دو مہینے کے دستخطوں سے مجرم و گمراہ تھیں۔ کچھ کے کاغذات بھی تھے جن کا نمبر دیا گیا کہ میں مجھے خاصا دقت اور کسی اتنی تنگدستی کہ مجھے کوئی منظر کار پیدا پڑی۔ کوئی پیتے تھے میں سربراہی تھی کہ پٹن کے لیے گیا تھا تو اپنے ساتھ لے

ساتھ بارہ بجے تھے جب ریشنٹ نے کھانا کلام
یہ اطلاع دی کہ ایک لڑکی مجھ سے مل آئی ہے۔
”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔
”یہ صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ سب آپ ہی کو بتائیں گی!“
”کیا نام ہے؟“
”غور شیدا۔“

میں نے اپنے ذہن پر زور دیا لیکن اس نام کی کوئی ٹیڑھ
 مجھے یاد نہیں آسکی۔
 ”اچھا... میں نے تیرے وقت سے کہا ”بیچ دو“
 نرگم بند کر دیا۔
 ذرا دیر بعد میرے کمرے کے دروازے کو ٹک کیا گیا۔
 ”کم (ن) میں سے بلند آواز میں کہا۔

وقت اُس لڑکی کو دیکھ کر میرے ذہن میں قیامت کے سوا کوئی اور
لفظ نہیں آ سکا تھا۔ اتنے سڈول جسم کی لڑکیاں بہت کم دیکھی
میں آتی ہیں۔ چہرہ اس طرح دکھ رہا تھا جیسے تندرستی اُن

میں نے کہا: اگر آپ نے اس جگہ کے لیے کسی لڑکی کا

وہاں وہ ابھی تک اپنی بوکھلاہٹ پر پوری طرح
اور قائم تھی۔ اس لیے جب وہ گھر پر پہنچا تو

سلازمیوں کے ساتھ بالکل تنہا رہ کر تھی لیکن کچھ
چھوٹی بن بھی آئی ہوئی ہے۔ اس کی مستقل

اعلیٰ ترین ریسہ کا نام تھا جس پر ایرانی مائیں بچے ہوا تھا۔ اس
مائیں کی قیمت مائیس ہزار روپے تھی۔ قالمین پر کی ریشہ
کا ڈیٹے بچے ہوتے تھے۔ ایک گوشے میں چھوٹا سا کینٹ تھا۔

یہ دیکھ کر حلف سے منکاح ہوئی شراب کی
تولیس بڑے سلیطے سے کٹی ہوئی تھیں۔ ایک خانے میں باوریک
شیئہ کے حالت و شفاف پیمانے اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہ
پیمانے واصل ایرانی نجان تھے جو میں پیانوں کے طور پر اس
وقت استعمال کرتی تھی جب نیش بیٹے کا موڈ برا تھا۔ کینٹ
کے ایک خانے میں خشک مہرے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب
ہر سال ساڑھ لایک ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔

دیواروں پر میری بیانی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔
یہ ان دیکھوں کی تصویریں تھیں جن کو میں نے بہت زیادہ پسند
کیا تھا۔ ان میں دو تصویروں کے سوا سب کا ساڑھ لایک تھا۔
وہ دو بڑی تصویریں شہزادہ اور فرخ کی تھیں۔ جو لوگ میری سرگشت
کی جلد اول بڑھ چکے ہیں وہ بھی ان دونوں دیکھوں کو فراموش
نہیں کر سکتے ہوں گے۔ ان تصویروں کی سب سے اہم صفت یہ
تھی کہ وہ نفرت کے مین مطابق تھیں۔ اگر کوئی عام لوگ ان
تصویروں کو دیکھ کر دونوں لمحوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ
لیتے لیکن خوش شید نے انھیں بڑی دلچسپی سے دیکھا۔
"فائن!" اس کے لیے میں تسکین تھی۔

"بہت پسند آئیں گے یہ تصویریں؟"
"بالبندیدگی کا تو مجھے ان میں کوئی پہلوئی نظر نہیں آتا"
مگر یہ نائی جس نے میں؟

"کبھی کبھی مجھ پر مصوری کا موڈ بھی طاری ہو جاتا ہے"
"اوہ! آپ مصور بھی ہیں؟"
"میں اپنی لکھنے سے بڑی جلا جاتی ہوں"

"آپ انکسار سے کام لے رہی ہیں؟"
"ان رسمی باتوں کو کبھی اس وقت کے لیے اٹھا کھو اور یہ باؤ
کرکھانے سے پہلے تم کو چاہیے کہ روگی؟"
"کوئی خرچ نہیں ہے"

"نیش بیگ! اپنی ملا کر؟" میں نے کینٹ کی طرف
قدم ہڑکے۔
"نیش بیگ کی؟"

"نیش بیگ!" میں نے کہا اور ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ لوگ خاص کی کھلی
ہوئی ہے۔

میں نے "شی وازرنگ" کا انتخاب کیا۔ دو پیمانے بنائے اور
کینٹ کے اوپر لگا ہوا ایک مین آف کر دیا۔ محترمہ یہ پہلی ہوئی
تیرنیل جیٹیکٹ مہرہ تھی۔

"اوہ... واہ! خوش شید کے
پٹا خوبصورت اور درنا تک اجول رہا
کہاں سے آئے گی؟"
"میں نے خبر دوستی ختم کرنے کے
کا تعلق ایک مینز مے بھی ہے۔ اس
چھوٹے سوراخ کھل گئے جو دیوار پر اوپر اس
یہ خوش بو آئی سوراخوں سے خارج ہو کر
رہی ہے"

"ان کا ڈا آب تو مجھے ایک طے
میں نے نہیں کر سکا یہاں اس
ہاں تم اس کر کے کو طے نہ دے
اس کا نام پھر دو م رکھا ہے"

"یہ نام بھی خوب ہے"
"چیز!" میں نے اس کے پیمانے
بلکی کی پتلی لی، پھر میں نے اپنی سیدھے اس
طرف اچھال دیں اور تالین پر اوڑھ لیٹ گئی

خوش شید کو دوست دی لیں اس طرح لیٹ کر پہلے
آہستہ سے
"یقیناً ایسا ہو گا شاید اس تالین کے پیمانے
ہاں"

وہ میرے سامنے باطل اسی طرح اوڑھ لیٹ
میں لیٹ ہوئی تھی۔ اس نے کہا "خوشبو تو بڑی تیز
رہی ہے۔ کہیں یہ تین زیادہ نہ ہو جائے کہ گراں
"نہیں" میں نے خواب دیا گراں گزرتے والے
سے پہلے وہ سوراخ خود بخود بند ہو جائیگا گے"

"آؤ نیک؟"
"ہاں!"
"اس کمرے پر آپ نے بہت پیار فرمایا
"کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں" میں نے کہا کہ پیمانے
چسکیں لی۔

اُدھر خوش شید کا پیمانہ نفع ہو چکا تھا اور اُدھر میں
بے چینی سے منتظر تھی کہ پیادہ برز ہو جائے۔
یہ قسمت میرے پیمانے کے دوران میں آئی
نے مرزا سا آگے بڑھا کر اپنی نوک زبان کو اس کے
تے جلا لیا۔ وہ میری اس حرکت سے اتنی بے قابو ہوئی

کہ اس نے جھکی کر کے مجھے اپنی طرف
شش میں وہ خود بھی میری طرف کھٹکے آئی۔
میں پر شراب کی جو تھی وہ اُدھر سے اُدھر
نے بھڑائی ہوئی کسی آواز میں کہا "یہ جام تو
اروں نے پیمانے خالی کر دیے تو میں اُدھر کر
نیش پر کھڑی آئی۔ واپس سے پہلے میں نے
میں نے کہا "ایک مین دیا۔ اس مین کے تھے
پہلے جسے سے نیگیوں دھواں خارج ہو رہا تھا۔
کوشید اچھال پڑی۔

ہاں! ابھی یہ سب کچھ بہت زیادہ دانتیک ہو
ملا ننگ میں کا نام تو سنا ہی ہو گا۔ یہ دھواں
میں بلی ایک چیز ہے۔ جسم پر اس کا اثر کچھ یوں
کرتی ہے کہ آہستہ آہستہ کھڑا رہا ہو۔ آہستہ
میں بات کچھ بے گئی ہے لیکن میں اس
پر میری کی تعریف اس سے ہر انداز میں نہیں

آہستہ سے
"یقیناً ایسا ہو گا شاید اس تالین کے پیمانے
ہاں"

وہ میرے سامنے باطل اسی طرح اوڑھ لیٹ
میں لیٹ ہوئی تھی۔ اس نے کہا "خوشبو تو بڑی تیز
رہی ہے۔ کہیں یہ تین زیادہ نہ ہو جائے کہ گراں
"نہیں" میں نے خواب دیا گراں گزرتے والے
سے پہلے وہ سوراخ خود بخود بند ہو جائیگا گے"

"آؤ نیک؟"
"ہاں!"
"اس کمرے پر آپ نے بہت پیار فرمایا
"کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں" میں نے کہا کہ پیمانے
چسکیں لی۔

اُدھر خوش شید کا پیمانہ نفع ہو چکا تھا اور اُدھر میں
بے چینی سے منتظر تھی کہ پیادہ برز ہو جائے۔
یہ قسمت میرے پیمانے کے دوران میں آئی
نے مرزا سا آگے بڑھا کر اپنی نوک زبان کو اس کے
تے جلا لیا۔ وہ میری اس حرکت سے اتنی بے قابو ہوئی

کہ اس نے جھکی کر کے مجھے اپنی طرف
شش میں وہ خود بھی میری طرف کھٹکے آئی۔
میں پر شراب کی جو تھی وہ اُدھر سے اُدھر
نے بھڑائی ہوئی کسی آواز میں کہا "یہ جام تو
اروں نے پیمانے خالی کر دیے تو میں اُدھر کر
نیش پر کھڑی آئی۔ واپس سے پہلے میں نے
میں نے کہا "ایک مین دیا۔ اس مین کے تھے
پہلے جسے سے نیگیوں دھواں خارج ہو رہا تھا۔
کوشید اچھال پڑی۔

ہاں! ابھی یہ سب کچھ بہت زیادہ دانتیک ہو
ملا ننگ میں کا نام تو سنا ہی ہو گا۔ یہ دھواں
میں بلی ایک چیز ہے۔ جسم پر اس کا اثر کچھ یوں
کرتی ہے کہ آہستہ آہستہ کھڑا رہا ہو۔ آہستہ
میں بات کچھ بے گئی ہے لیکن میں اس
پر میری کی تعریف اس سے ہر انداز میں نہیں

آہستہ سے
"یقیناً ایسا ہو گا شاید اس تالین کے پیمانے
ہاں"

وہ میرے سامنے باطل اسی طرح اوڑھ لیٹ
میں لیٹ ہوئی تھی۔ اس نے کہا "خوشبو تو بڑی تیز
رہی ہے۔ کہیں یہ تین زیادہ نہ ہو جائے کہ گراں
"نہیں" میں نے خواب دیا گراں گزرتے والے
سے پہلے وہ سوراخ خود بخود بند ہو جائیگا گے"

"آؤ نیک؟"
"ہاں!"
"اس کمرے پر آپ نے بہت پیار فرمایا
"کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں" میں نے کہا کہ پیمانے
چسکیں لی۔

بادلوں میں جوان کی جلیان کر گئی رہیں اور مذہبات کا ناقلا
باڑوں اور وادیوں کے گزرا، مسطح زمین مقامات سے پھیلنا
چراغوں منزل تک پہنچ گیا جہاں ایک جھنگ کا رہا ہوئی اُدھر گرا
سکرت جھا گیا۔ اس سکوت میں اب بس مٹھال مٹھال سے
سانسوں کی پھٹت باڑ ہو گئی تھی۔

دھویں کے بادل اب آہستہ آہستہ کم ہوتے جا رہے تھے۔
جن سوراخوں سے وہ دھواں خارج ہوا تھا وہی سوراخ اب
اس دھویں کو واپس کھینچ رہے تھے۔ یہ ساڑھ لایک خود کار تھا۔
بادلوں کی یہ بازگری صرف نصف گھنٹہ کے لیے ہوتی تھی۔
اگر اس دھن کو بڑھانا ہو تو مین کو دوبارہ دبا دینا پڑتا تھا۔

دھویں کے پوری طرح صاف ہونے سے پہلے میں نے
اُدھر خوش شید نے اپنے جسموں کو تہذیب کی نقابوں سے آہستہ
کر دیا۔ پھر وہی زمینیں درست کیں، اس کو اُدھر خوشبو دار مشرو
پہنچنے کے لیے چرے صاف کیے، اپ ایک شگ کھال اور بکاسا
پلٹ بھی کر لیا۔

"اوہ ابو!" خوش شید نے ایک طویل تین سانس لیا، اپنی پلٹ
لمحوں کو میں نے زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔ میرا خیال ہے کہ ان
لمحات کو جہاں نش بنائے میں اس کمرے کے اجول کا بھی بہت
باتو ہے"

میں تہس کر کینٹ کی طرف بڑھ گئی اور وہ مین دبا دیا جو
کال بیل کا تھا۔

"کھا نا بھی ہم نہیں کھائیں گے" میں نے خوش شید سے کہا۔
"جیسا آپ مناسب سمجھیں"

پانچ منٹ بعد کھا نا آ گیا جو ہم نے تالین پر بیٹھ کر کھایا
اس وقت تین بجنے والے تھے۔ کھا نا کھانے کے بعد خوش شید
بولی "کیا اب دفتر چلا جائے؟" آپ نے مجھے نہیں بتایا کہ کب
آپ کی فرم میں ملازمت مل جائے گی یا نہیں؟"

"اس سے پہلے تمہیں میرے ایک سوال کا جواب دینا ہو گا
"نہیں؟"

"تمہیں اس کام کے لیے کتنے پیسے ملے ہیں اور دینے والا
کون ہے؟"

"کیا مطلب؟" خوش شید چونک گئی اور اس کے چہرے کی رنگت
میں خفیت سا تھوڑا بھی پیدا ہوا۔

"مطلب بالکل صاف ہے۔ دفتر تم نے مجھ سے جس انداز
میں آئی کی تمہیں ان سے میں اندازہ لگا چکی ہوں، بلکہ یقیناً

کہیں کہیں ہوں کو میری قوم میں ملازمت کے لیے تمہاری یہ کوشش
میں بے لگت ملازمت نہیں ہے۔
”آپ... آپ کو کچھ... غلطی...“
”بجوت!“ میں نے اس کی بات کاٹ دی میرا جوابت
معت تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا میں بہت زبان
پسند ہوں خورشید کیلئے میرے مزاج میں شہسبزی ہے۔ اتنی سستی
جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ کہہ کر وہ بد پردہ ہو گیا اور
اُس کمرے کے علاوہ اُس گھر میں ایک عورت غائب تھی۔
داہ میں اپنے مخالفین کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی ہوں۔ اگر
تم اس عورت خانی میں نہیں جانا چاہا، تب تک تو بہتر ہوگا کہ میرے
سوالوں کے باطل ٹھیک ٹھیک جواب دو۔“
خورشید کا چہرہ اب بڑی حد تک رنگ بدل چکا تھا۔
میں بولتی رہی۔ میں تم پر بھی واضح کر دوں کہ میں محض ایک
قوم کی مالک نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہوں۔ اگر تم نے میرے خلاف
قانون کے دروازے پر دستک دی تو اس سے بھی تمہیں کوئی
فائدہ نہیں ہوگا۔ قانون کے اوراق میں کسی ایسی بات پر کان
نہیں دھرا جائے گا جو میرے خلاف کسی جائے۔“
یہ سب کچھ میں نے خورشید کو مرعوب کرنے کے لیے
کہا تھا اور مجھے اپنے اس مقصد میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی۔
خورشید نے غور بھجوا کر دیکھتے ہی اسے آواز میں بولی۔ ”مجھے اس کا
کے لیے دو ہزار روپے دیے گئے تھے اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر
میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو مجھے مزید دو
ہزار روپے دیے جائیں گے۔ اس کے بعد دو ہزار روپے اس
وقت دیے جاتے جب میں آپ کی قوم میں ایک آگہار بنیں۔“
”گڈ!“ میں نے سر ہلایا۔ میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا
تھا کہ خورشید کو میری قوم میں جگہ دلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں
نگینا کو ملازم نہ رکھوں۔ کوئی یہ معلوم نہ تھی نگینا کو اس ملازمت
سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ غالباً وہی بد سراسر اس میں کسی نے مجھے
تسلیم نہیں کیا تھا۔ اچھا خورشید! اب یہ بتاؤ کہ اس شخص
کا نام کیا ہے؟“
”اس کا پورا نام تو مجھے نہیں معلوم! اگھا اور کے علاقے میں وہ
تاری کے نام سے مشہور ہے۔“
”کس اعتبار سے مشہور ہے؟“
”وہ لوگوں کا بروکر ہے۔“
”اُس سے تمہارا تعلق اسی واسطے سے ہے؟“

”ابن خورشید کی نگاہ میں۔“
”شرف مند کی ضرورت نہیں۔ میں
تھا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو؟“
”کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ تھا اذانی سالہ
اور تبادہ۔ تمہاری کو اس بات سے کلام
کو میری قوم میں ملازمت مل جائے۔“
”میرے انداز سے کے مطابق یہ کام
کر رہا ہے۔“
”ہوں!“ میں سوچ میں ڈوب گئی اور
ایک منٹ تک کچھ نہیں بولی۔ آخر اس عورت
”اب میرے بارے میں آپ کا راز کیا ہوگا؟“
میں اپنے خیالات سے چونکی غراس
ٹپنے کے بجائے اس سے ایک سوال کر دیں۔
”سکتی ہو؟“
خورشید نے بلا توقف کہا اور کہ ایک
کا نمبر بتاؤ۔
”میں نے دوسرا سوال کیا۔“ اسے تازی کیوں
”شاید کوئی نام تو نہیں ہوا۔“
”اُس کی وضع قطع ہی کچھ ایسی ہے۔ لمبا تر نکلا اور
چہرے سے بھی تازیوں کے دانتی ٹھیلے
رکھتا ہے۔ غالباً ایسے وہ اس نام سے مشہور ہوگا۔“
”ہوں!“ میں پھر اس سوچ میں ڈوب گئی کہ
اُس پر یہ شخصیت کا پتہ کس طرح چلایا جائے!
خورشید بولی۔ ”میرے بارے میں اب آپ
ہو گا؟“
”کچھ نہیں ہوگا۔“ میں نے مسکرا کر کہا
”میرے بچے کس وقت رہتا ہے؟“
”شام کے بعد گھر پر رہتا ہے کیونکہ اُس کے گھر
اپنی راتیں رہتے بنانے کے لیے اُس وقت اُس کی اسکا
”ٹھیک!“ میں نے سر ہلایا۔ میں آج شام کو اس
لے جاؤں گی جب تک اُس سے میری ملاقات نہ ہو
اسی کہ میں میری سہانہ ہوگی۔“
”ٹھیک ہے۔ میں آپ کی اس امتیاز کو حق بہ جان
ہوں لیکن آپ کو ایک بات بتا دوں! اب تو تاری بہت
آدھی ہے۔“

”میری۔“ دراصل ابھی تم ہمارے واقف
”ات کی۔“ اچھا اب میں چلوں گی۔
”مال ہے کہ اب تم آرام کرو، اگر کسی چیز
اُل کا مہینہ دیا۔ اب اگر تم نے یہاں
کہ میری ملازمتیں تمہارے ساتھ بہت
میں اور مجھے اس کا افسوس ہو گا۔“
”میرے وقت گزارنا تو میرے لیے نشاطا گزیر
ہے۔“ میں نے سچائی کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”میں قیال کی کوئی تقریر نہیں کروا کر کے
میں ملازمہ کو میں نے خورشید کے سلیس میں
کی طرف روانہ ہو گئی۔ دفتر پہنچ کر میں نے
”میری سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا۔“ کوئی
”میں ایک ناک آپ کی میز پر رکھ آتی ہوں،
”ہوگا۔“ برٹین کہنی سے ہلکا جڑھا کر دوڑ
”عام۔“ مجھے دالا ہے اُس کے تمام اہم نکات
”میں۔“ جب آپ اس ناک کو اچھی طرح دیکھ
”میں نے ڈائریکٹر سے میٹنگ کے لیے کوئی وقت
”میں کوئی نہیں ہوں۔“ نگینا کی کر رہی ہے؟“
”میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ دفتر کی وقت
”میں سے ملاقات کرے۔“
”میں نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔“
”میں نے اس سے متعلق نکات دہر کر کے میں مجھے
”میری وقت ختم ہونے تک میں اُس ناک کو کوری
”میں۔“ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے
”میں نے ملے آواز میں کہا۔
”میں کے مطابق وہ نگینا ہی تھی۔ وہی بھولا ہوا
”نہو! وہ مادہ لباس اور وہی انجانی کی شہن
”میں نے اس میں سے کچھ
”میں نے مسکرا کر کہا۔ آج زیادہ کام تو نہیں کرنا
”میں زیادہ ہے۔“
”میں جاؤں تو کیا، ملازمت تو کوئی نہیں ہے۔“ نگینا نے
”بہت کے ساتھ کہا۔ پھر بولی۔ ”مجھے سے کہا گیا کہ میں

”میں سے پہلے آپ سے ملاقات کر لوں۔“
”ابن! بس یونہی کہلوا دیا تھا میں نے! اس کی ضرورت تو
”میں نے نہیں تھی۔ پنا وعدہ ایسی ہوگا۔ آج تم مجھے اپنے گھر لے
”جاؤں گی نا؟“
”جی... وہ...“ نگینا کے چہرے پر بدذہب کے آثار پیدا
”ہو گئے۔“
”غیرت؟“ میں نے اسے منہ والی نظر سے دیکھنے لگی۔
”دراصل وہ... پتاجی...“
”کیا ہوا تمہارے پتاجی کو؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔
”ہوا تو کچھ بھی نہیں۔“
”پھر کیا بات ہے؟“ اچھا بھڑ تو سی! اطمینان سے بتاؤ، کیا
”مسئلہ ہے؟“
”نگینا بڑھ گئی۔ اس کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی۔
”کل پتاجی مجھ پر بہت نا افسانہ ہوئے تھے۔“ اُس نے کہا۔
”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔
”میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ اُن سے ملنے آئیں گی۔“
”اس میں بھی نا افسانہ کی کوئی بات ہے؟“ میں نے تعجب
”سے کہا۔“
”جی وہ... دراصل... انہوں نے سمجھا لیا تھا کہ میں نے آپ کو
”اپنے ماضی کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اسی بات پر وہ نا افسانہ ہوئے
”تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے ماضی کو کھیر کر بول جاؤں اور
”کسی سے اُس کا ذکر نہ کروں۔ وہ نہیں چاہتے کہ آپ اُن کے
”ماضی کو کہیں اِس سلیس سہاوت کریں۔ انہوں نے مجھ سے
”کہا تھا کہ کوئی بنا کر کہ آپ کو ٹال جاؤں لیکن میرا دل نہیں
”چاہا کہ آپ سے جھوٹ بولوں۔“
”میں غور سے نگینا کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اُس لمحے بھی
”کسی معصومہ کی طرح گہری تھی۔ میں نے تیسے توقف
”سے کہا۔ ”خیر! کتنی باتیں ہوئیں اُن کے ماضی سے متعلق کوئی سوال
”نہیں کروں گی لیکن صرف ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے؟“
”بالا!“ نگینا نے سہجائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں آپ سے
”انتہا کرتی ہوں کہ آپ اُن سے ملاقات بھی نہ کریں۔“
”اچھا!“ میں نے ایک طویل سانس لیا۔ اگر تمہاری یہی مرضی
”ہے تو ٹھیک ہے۔“
”آپ نے ان کو نہیں لایا نا؟“
”ارے!“ میں نے بڑی بھلائی اس میں بڑا ماننے کی کیا

بات ہے؟“
”یہی تہذیبی ہے کہ کسی کو گھر پر مدعو کرنے کے بعد انکار
بھی کر دیا جائے“
”نہیں، ہنسکتی ہوئی اپنی کرسی سے اٹھی اور سنگیہا کی پشت پر
جا کر اُس کا شانہ بٹکتی، جونہی بولی پڑا اُس بات کو اپنے ذہن سے
نکال دینے لگی کہ میں نے تمہاری کسی بات کا بڑا مانا ہو گا“
”شکر ہے ابا!“
”اب تم جانتی ہو؟“
اور وہ چل گئی مجھے سوچ میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر اسوچ میں
ڈوبنے کی بات ہی تھی۔ آخر سنگیہا نے یہ قیلا بازی کیوں کھائی؟
کل تو وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی کہ مجھے اپنے گھر لے جائے گی،
پھر آج کیا ہو گیا؟ کیا واقعی اُس کے باپ ہی نے اسے منع کیا ہو
گا؟ مگر کیوں؟ آخر وہ اپنے باپ کی کوئی چیز رکھنا چاہتا ہے؟
اُس نے اپنے اسباب کچھ لٹا دیا مگر کسی سے فریاد بھی نہیں کرنا دیتا!
اس اعتبار سے وہ میری نظر میں ایک پراسرار شخصیت بن جا رہا
تھا اور اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ
فی الحال اگر میری نظر میں تھا تو وہ صرف بیچ جا چکے تھے۔ میں نے
ایک بار پھر اُس کے گھر دیکھا۔ اس مرتبہ مجھے ایک چوکا دینے
کا جواب سننا پڑا۔
”وہ پیر گئی ہوئی ہیں“
”کب؟ کب گئی ہیں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
”رسول گئی مہینے“
”کیونکہ کل جب میں نے فون کیا تھا تو مجھے یہ بات نہیں بتائی
گئی تھی“ میں نے تدریس جھنکار کر کہا۔
”بیگم صاحبہ کی خاص روایت تھی کہ ان کے دورِ پیر کے
بائے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے“
”پھر اب کیوں بتا دیا گیا؟“ میرا الجھ سوراخ شک تھا۔
”دراصل آج پیر سے اُن کا فون آتا تھا۔ یہ ابھی ایک گھنٹے
پہلے کی بات ہے۔ جب اُنھیں بتایا گیا کہ آپ اُنھیں کئی مرتبہ فون
کر چکی ہیں تو اُنھوں نے کہا کہ صرف آپ کو اُن کے اس دورے
کے بارے میں بتا دیا جائے“
میں نے بڑا سناٹا بنایا اور بولی۔ ”واپس کا پورولام سب تک
ہے؟“
”دن پندرہ دن گئیں گے“
”کیا اُنھیں وال کوئی خاص کام ہے؟“

”جی نہیں، تقریباً گالی ہیں۔“
”کیلی؟“
”جی... وہ...“
”سچ سچ بتاؤ۔ تمہیں معلوم ہے؟“
”کہتے تھیں ہیں!“
”جب میں مجھے غلطی دیا کہ
کا نام بتا دیا گیا۔ وہ بڑا بڑا اور تعریف لانا
کے عین مطابق... وہ پڑھا لکھا...“
”جی جانتی تھی کہ بیچ جا جائے۔ سب
ہوئے جال سے اُس کا شکار بن گئیں
”پیر میں وہ کس ہوئی ہیں؟“
”مجھے خبر نہ تھا۔ مگر میں اُن سے رابطہ تھا۔
”یہ تو اُنھوں نے بتا دیا ہیں۔“
میں سمجھ گئی کہ بیچ جا چکے ہیں۔
رکھنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک طویل سانس
دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ اس
کم از کم بیچ جا چکے کے فیصلے سنگیہا کے
بات میں معلوم کر سکتی تھی۔
میں دفتر سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی
مجھے ڈرامہ کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو کہا کہ
معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے اشارے پر ہنر
تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے مجھے سنگیہا
قرب دربار میں رہنا تھا۔ میں دال کا ماحول دیکھ
مجھے صرف کوئی دیر نہیں گزرا تھا اور میرا خیال تھا کہ
کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں نے سوچ کر
دال اپنی کال میں نہیں جاؤں گی۔ کار کو وجہ
نظروں میں چھوڑ دیا۔
میں نے شام تک کا وقت گھر پر گزارا لیکن
میں گئی۔ میں نے بس ملازمہ سے معلوم کر لیا تھا کہ
کر رہی ہے۔
پھر رات کا آغاز ہونے پر پانچ منٹ گزرتے
کھا رہی تھی۔ ملازمہ کا نام معلوم تھا اس لیے
میں مجھے کوئی وقت نہیں ہوتی میں تنگ و تارک
طے کر کے دوسری منزل پر پہنچی۔ فلیٹوں کے دروازے
سے نہر ٹپے ہوئے تھے۔ میں نے خورشید کے کپڑے

دوسرے کئی آدمیوں کے آئینہ کرنے کی
کے آئینے ہی بند ہو گئیں۔ پھر کرسی کے
وہ اُن کے طرف آنے لگی۔ میں نے سوچ کر
میں نے میری ناک سے ٹھوکر لائی۔ میں نے جلدی
کر دیا۔
آدمی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس آدمی
کے تانے پوتے مجھ سے مطابقت نہیں
فرمانہ انداز میں مجھے نیچے سے اوتار کر کھلا
لے گیا۔ میں نے اُس سے کہا۔
”یہ بیچہ کیا تھا۔ اُسے لے کر تمہاری میس کی بُل
لی میں“ کہہ کر مجھے فعدہ دلا دیا تھا لیکن میں مضبوط
دلوں سے مذہب گفتگو کی توقع حماقت
میں پڑاؤں گے۔ اُس سے کہہ دینا کہ زینت الی تھی۔
میں نے بتا دیا تھا کہ تارا کی لکھنا ہی ہے کہ یہ
میں طرح اُن کا خیال میری طرف نہیں جاتا۔
”ابن مریض ہی تو اندر سے کسی نے پوچھا۔
لی نی بُل ہے۔“ گبرو نے قہقہہ لگا کر کہا اور
میں نے مجھے بغیر سیر خیال اتار لی گئی۔ مجھے اس
پیر میں بھی کہ میں نے جس سے بھی ملنا چاہا
میں نے بیچہ جہاں پیر کرسی گئی ہوئی تھی۔ سنگیہا کے
دال سے انکار کر دیا تھا اور تارا نے اپنے کسی گناہ
کا۔
میں نے دال کے ایک جگہ لانز چائے کی تیاریاں
لیاں ایک خاص نوعیت کی تھیں۔ سب سے
بہت سموری قسم کی شلو اور قمیص اور دوپٹے کا انتخاب
میں کی کپ کی کوشش نہ کی میرے پاس اس قسم کی
ان زیادہ تعجب نیز نہیں ہے۔ بعض اوقات
میں مجھے اس قسم کی چیزوں کی ضرورت پڑی ہوتی

ہے اور یہ گھر کا ایک کمزور آدمی قسم کی چیزوں سے بڑا پڑا ہے۔
اس کمرے کو میں گھر کا بہرہ ور خانہ کسمی ہوں۔ سوچ میں دال
کمرے سے تیار ہو کر نکل کر غریب طبقے کی ایک معمولی عورت
معدہ جوڑی تھی۔ میں نے جس سے کہنے کا انتخاب کیا تھا، اُس
کی نقاب بہت دیر تھی۔ چہرہ نظر نہیں آ سکتا تھا اور اُنھوں کی
جگہ جال لگی ہوئی تھی۔ اگر میں نے کمرے سے نکلے وقت نقاب
نہ اُٹھ کر چل پڑتی تو میری ملازمتیں یقیناً مجھے گھر سے لے
لیتیں۔ اُنھوں نے مجھے دیکھا اور کترائیں۔ اُنھیں کوئی تعجب
بھی نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مجھے بہت عجیب عجیب طریقوں میں
دیکھ چکی تھیں۔
میں نے اپنی خصوصی ملازمت کو ساتھ لیا اور باہر نکل آئی۔
”کارٹر ڈرائیو کر لوگ“ میں نے اُس سے کہا میں کچھل سیٹ
پر بیٹھوں گی۔“
”بہتر!“
کاروانہ ہوئی تو میں کچھل سیٹ پر اس طرح نیم دراز تھی کہ
سڑکوں پر چلتے پھرتے تو گئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔
”کمال چلوں ابا؟“ ملازمہ نے پوچھا۔
”ایم پیس ایکریٹ“ میں نے جواب دیا۔ ”میں دال اُس موٹر
پر اتر جاؤں گی جہاں سے گولڈرستان کی طرف راستہ جاتا ہے،
بلکہ... اُس مقام سے کچھ پہلے ہی مجھے اتار دینا اور کار واپس
گھر لے آنا۔“
”بہتر!“
مجھے نہیں معلوم تھا کہ سنگیہا کے معاملے میں کتنی دیر ہو سکتی ہے۔
اگر مجھے وقت کا اندازہ ہوتا تو میں ملازمہ سے کہہ دیتی کہ وہ دال
وقت پر دال میرا انتظار کرے۔
مقررہ جگہ پر میں ایک نیم تاریک سے مقام پر کار سے
اُترتی اور تیزی سے اُس طرف چل پڑی جہاں ٹانگا اسٹینڈ تھا۔
بہت سے تانے والے مختلف آلاتوں کے ناموں کی لہجہ
نکار رہے تھے۔ ڈو آٹوں والوں نے ”لی بیٹ“ کے غریب
شرع کر رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک تانے میں پانچ مودیٹھے
ہوئے تھے اور چھ لیٹین آخری نشست کے پیر میں کاٹا تھا۔
لیکن میں نے دوسرے تانے کا انتخاب کیا جس کے پچھلے حصے
میں دو غور نہیں بیٹھ رہی تھیں۔ میں اُن دونوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔
دو دونوں بڑھاپے کے قریب تھیں اور ایک دوسری کو تباہی
تھیں کہ اُن کی بہروں میں کتنے کتنے کیڑے ہیں!

کچھ دیر میں جاتے گئے کو باقی تین سواریاں بھی میرے آگے
 اور وہ اپنی ٹول میں تھیں۔ اس قسم کے راستے پر اور اس قسم کے
 سامنے پہنچ کر گئے کا اتفاق مجھے غالباً دوسری مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ
 میں نے اس قسم کے سفر کا لذت اٹھانے میں دلچسپی لی تھی۔ جگر کے
 کھانے کچھ بولیں محسوس ہونے لگا کہ میرا معدہ بھی ختم ہو جائے گا۔
 خداوند را کہ میں نے ہندو جیک لائنز کی چڑھائی آئی اور تانگا
 میں گیا۔ میں نے کچھ کا سامن پایا اور تانگے والے کو پیسے کے
 آگے میرے آگے میں ایک سیلا سا رول تھا جس میں کچھ لوٹ
 اور دیر کا کڑی بندھی ہوئی تھی۔
 چڑھائی سے آگے میں وہیں طرف ٹوٹی جہاں اپنے ٹاپ
 کو اٹھرتے تھے۔ میں وہی دل میں دھاگوں کو ملاحظہ فرماتے تھے
 انہی کو اٹھوں میں مل جائے۔ غالباً میں پہلے بھی کچھ چلی ہوں کہ راج
 ٹاپ کو اٹھرتے وہ مختلف حصوں میں بنے ہوئے تھے۔ اگر میں
 وہاں سے ناکام ہو کر دوسرے حصے کا رخ کرتی تو میں بنے
 سے زیادہ وقت گزار جاتا۔ نئی حالت تو میں بننے میں کس
 ہی منٹ باقی تھی۔ دراصل گھر سے روانگی کے وقت میں یہ اندازہ
 نہیں لگا سکتی تھی کہ تانگے کے سفر میں کتنی دیر لے گی!
 گھر سے آگے آگے میں تے بیتا، کہہ کر میں نے ایک ڈاکٹر
 کو مخاطب کیا اور اسے گلیا کے کو اٹھرتے کا نمبر بتایا۔
 ”میں آپ کو راستہ بتائے دیتا ہوں“ میرے مقب سے ایک
 جانی پہچانی آواز آئی۔
 میں ایک جھپٹے سے گھوم گئی۔ رضوان میرے سامنے کھڑا تھا
 اور اس کے ہاتھوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً
 مجھے پہچان چکا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ گھر سے میرا اتفاق کرتا
 آ رہا ہو۔ دراصل اس وقت میں نے اس بات پر حیران ہی نہیں
 پایا تھا کہ کوئی شخص میرا اتفاق کر سکتا ہے۔
 ”وہ آدھرا“ رضوان نے اشارے سے بتایا اس کو میں
 ہے وہ کو اٹھرتے آپ میری دیکھتی ہوئی چل جائیے گا۔ آپ کو بڑھاپا
 تو آتے ہیں ہوں گے مانی جی!
 ”مانی جی“ کہتے وقت میں لگا تھا جیسے رضوان نے ٹریس
 مشکل سے اپنا قبضہ مضبوط کیا ہو۔
 رضوان کو اس وقت دہاں دیکھ کب مجھے نہ جانے کیوں بہت
 زور کا غصہ لگ گیا تھا کہ میں اسے اس قسم کے رفتے کا اہل نہیں
 کر سکتی تھی۔ میں بھی تیزی سے اس کو کی طرف بڑھتی چلی گئی
 جدھر رضوان نے اشارہ کیا تھا۔ اسی وقت مجھے سامنے سے ایک

نسوان بیوی آتا نظر آیا۔ میں اس کا ماحول نیم تاریک تھا۔ صاف
 تھی لیکن اس ہونے کی چال
 میں نے اپنے نوجوانی ذرا سی تھوڑی
 باطل قریب سے گزروں۔ جب
 کروں کیا تو میں نے پہچان لیا کہ وہ
 کا بھلا محسوس کیا۔ وہ کا بیٹس کی طرح
 وقت گلیا نے سب ایک کہہ رہی تھی
 بھول جہاں ساوگی بسند گلیا کے
 افذیا جاتا تھا کہ گھر پر اسرار اجنبی نے
 تباہی تھیں وہ درست بھی ثابت ہونا
 دس بندہ قدم آگے بڑھنے کے
 کے لیے چلی پڑی۔ بازار کی آواز ناگوار
 میں میں نے دیکھا کہ شیتا سید شلور
 اس سے بالوں کا جوڑا باندھ رکھا تھا۔ وہ
 رہی تھی کچھ ہی دیر پہلے پر مجھے رضوان بھی
 چڑھائی پر کئی تانگے ملاحظہ جالے وال
 تھے۔ ان میں سے ایک کے لیے میں نے
 اس تانگے میں سوار ہو گئی۔ اس کی ٹھکانہ ہادی
 ضروری تھا کہ میں بھی اسی تانگے پر سوار ہو جا
 پہلے رضوان نے دوڑ لگائی اور تانگے پر
 کی اس حرکت پر تھلا کر دے گئی۔ وہ بہت
 کر گیا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس میں کسی
 مزدور ہو گا۔ وہ اس پر بیٹھ کر مجھے لانا
 اس نے تانگے کی سواری محسوس کی لیے کہ حال
 کی ٹھکانہ جاری نہ کہ سکول۔ میں نے دل ہی
 شاید لاکھوں حملو اتیں سناؤا میں لیکن ظاہر
 مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس کے ماحول
 سکتی تھی کہ دوسرے تانگے میں بیٹھ جاؤں میں
 کچھ دیر گئی۔ ابھی اس میں صرف دو سواریاں تھیں
 میرے بعد مزید تین سواریوں کا انتظار کیا جا رہا۔
 بعض اوقات انسان کی رہی سی عقل بھی
 رضوان پر مجھے اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ میں
 نہیں کر سکتی تھی کہ ان حالات میں کہ ناچا ہے
 سکتی تھی کہ ایک خال ناگ لے کر گلیا کے

اپنے تانگے والے سے یہ وعدہ کر سکتی کہ میں
 کے لیے لو کہ دوں گی۔ یہ خیال مجھے اس
 سے کہ تانگے کی سواریاں پوری ہو چکی تھیں
 میں آیا تھا۔
 میں اس پر سب مارکیٹ پہنچی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ
 ہے اور گلیا کہاں آئے گا لانا گلیا سے تانگے
 پہلے چلا تھا۔ ظاہر ہے کہ گلیا اتنی دیر میں تانگے
 کی طرف جانچتی تھی اور رضوان یقیناً اس کے تعاقب
 میں رضوان سے آگے ناراں تھی کہ اب اس سے
 کی ضرورت حاصل کرنے کی وارادہ نہیں ہونا
 میں اس کے سوا اور کیا کر سکتی تھی کہ اپنے گھر کا راستہ
 نے ایک رکشاں اور ٹریفیس کی طرف روانہ ہو گئی۔
 بچہ اپنی ایک اور حماقت کا احاطہ ہوا۔ میں یہ بھی
 کہ لے لیا، بیٹھ جیک لائنز ہی سے رکشاں سوار
 رکشاں کی رفتار تانگے سے تیز ہوتی لیکن اس سے
 میں پڑا۔ میں اس پر سب مارکیٹ پر ٹوک کر گلیا کے
 انتظار کر سکتی تھی۔
 میں جوڑا تھا، سوہر چکا تھا۔ اب اس پٹسوے بنانے
 میں میں ہوتا میں نے کچھ دیر پہلے گھر کے
 پہلے اور اپنی اصل جگہ میں آگئی۔ اب گیا وہ مجھے
 نے فیصلہ کیا کہ ایک بار چھوٹا آگے کے گھر پر دھاوا بول
 میں تھا کہ اس وقت وہ دل ہی جاتا۔
 میں نے بھڑک کر تیزی سے گھر کا دروازہ کی طرف روانہ ہو
 کے اس پہر میں وہ علاقہ ایک سو ایک دیوان ہو
 میں نے اس وقت سے جب میں نے تانگہ
 کا وعدہ نہ کھٹکھٹایا۔ اس مرتبہ میں شخص نے
 وعدہ وہ جسے میرے تانگہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔
 ایک پتلون کی بجائے قدیم ہاں میں ہوتا تو ماحول کو
 لانا وہ معلوم ہوتا۔ اس کے ایک ہاتھ میں شراب کا گلاس
 خ عطر!
 میں نے اس کے منہ سے عجیب کی آواز سنی جسے غراہٹ
 ہاں کا ہے۔ اس نے مجھے سر سے پریک دیکھا تھا۔
 میں تم سے ملنے کے لیے دوسری مرتبہ آئی ہوں!

میں بولی۔
 ”غٹوں!... تو تمہارا نام زینت ہے؟“
 میرا جی چاہا کہ میں بھی غٹوں کے دروازے میں نے
 غٹوں کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، میں ہی نام تانگہ کی تھی۔
 کیا تم میں دروازے کی کھٹ کھٹے بائیں کر دے؟“
 ”غٹوں... غٹوں... آجاؤ... آجاؤ!“ اس نے ایک
 طرف ہٹ کر مجھے راستہ دے دیا اور جب میں اندر پہنچ گئی تو
 دروازہ بند کر لیا۔
 کھٹے میں اس وقت تانگہ کی کے زیادہ دیر سے موجود نہیں
 تھے صرف ایک چھوٹا سا ڈی بیٹھا جڑی رہا تھا۔
 ”غٹوں... بولو... کیا بات ہے؟“ تانگہ نے پوچھا۔
 ”میں تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہوں!“
 ”بہل تنہائی ہے یہ بھی باہر پٹھا رہا جاتی ہے نا، یہ
 بہرے۔ جب تک اس کے کان کے قریب منہ نہ جا کر
 نہ چوہے نہ سناں نہیں دیتا۔ بل یہ ضرور ہے کہ تم جس کام کے
 لیے آئی ہو وہ چاہیے نہ سمجھایا ہو گا!“
 ”تمہارے خیال کے مطابق میں کس کام کے لیے آئی ہوں؟“
 ”تم کو کاک چاہیے اور مجھ سے جڑا پٹھان ساری کرانی میں
 نہیں ہے۔“ تانگہ نے مجھے ایک باہر سر سے پریک دیکھا
 اور بولا، ”تمہارا جم بڑا زردار ہے۔ اپنے پیسے لے جایا کریں
 گے۔ تم کو اس میں شاید ہی کسی آئی ہو۔“
 ”اساری سے اسی قسم کی باتوں کی توقع کی جا سکتی تھی لہذا
 سب سے قطعی عقدہ نہیں آیا، تاہم میں نے ضرور سمجھ لیا کہ تانگہ نے
 کسی کی ایسا پر خورشید کو میرے پاس بھیجا تو تھا لیکن میرا دروازہ
 نہیں تھا۔
 تانگہ نے گلاس سے ٹھٹے کا ایک لبا گھونٹ لیا اور
 بولا، ”تاؤ! میں ٹھیک بولتا ہوں نا؟“
 میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کا اہم خورک شید کو
 تو جانتے ہو گے؟“
 ”اچھا اچھا تو خورشید نے بتایا ہے تم کو میرا پتہ!“ تانگہ نے
 نے سر ہلایا۔
 ”ہاں! اس نے بتایا ہے اور یہ تم تاؤ گے کہ تم نے تم
 کی ایسا پریک پاس بھیجا تھا؟“
 میرا یہ سوال تانگہ کی سمجھ میں نہ آ سکا اور وہ ابھی ہو کر
 نظر سے میری طرف دیکھتا رہا۔

کی اچھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ میری لات کھا کر اس کے کئی
 دانت ہل گئے ہوں گے۔ اس مرتبہ اس نے مجھ پر اندھا دھند
 حملہ نہیں کیا۔ وہ مجھ کا تھا کہ مقابلہ کسی عام تسم کے عورت سے
 نہیں ہے۔ وہ غفلت نزنوں کو کراہا دوڑوں لٹھ پھیلانے بہت
 دھیرے دھیرے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں
 خون کو تھوڑی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔
 میں چونکہ اس تسم کے کسی منہ کے کی تو قنات لے کر آئی
 تھی اس لیے میں نے ساڑھی کی بجائے شلوار تھیں کا انتخاب
 کیا تھا۔ اس انچل کر دس میرے غلے میں پڑا ہوا دو چار گرجا تھا
 لیکن اتفاق سے اب میں اس جگہ کھڑی تھی جہاں میرا دلپٹا
 گرکا تھا۔ میں اپنا دو چار اٹھانے کے لیے کھنکھانے لگا کہ میرے ہاتھوں
 لیکن فریب نہیں آتا آئی۔ اُسے میری غفلت پر بھول گیا اور بہت
 جھپٹ پڑا۔ میں نے اس کی زور سے تھلنے کے لیے ٹری پھرتی
 کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی اپنے دو تھوکوں کی ٹکر کے گرد گھما دیا۔
 اب چونکہ میں کچھ نہیں تھی کہ اس کی پشت میری طرف بھی اور وہ میرے
 دوپٹے کے حصہ میں تھا۔ دوپٹے کے دوڑوں پر میرے
 دوڑوں ہاتھوں میں تھے۔ میں نے اس کی ٹکر پر کھٹکنا سید کیا تو
 وہ جھٹکا کھا کر آگے گیا۔ میں نے دوپٹے کو پوری قوت سے
 اپنی طرف کھینچا تو وہ بھی کھینچا جلا آیا اور اس مرتبہ میں نے پوری
 قوت سے لات رسید کرتے ہوئے دوپٹے کا وہ ہرا چھوڑ دیا جو میرے
 بائیں ہاتھ میں تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تاناری سامنے کی دیوار سے جا
 ٹکرایا۔ اُسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ
 دیوار پر ٹکا دیتا۔ اس کا سر بھی دیوار سے ٹکرایا اور جب وہ گرا
 تو میں نے دیکھا کہ خون کی ایک چادر سی اس کے چہرے پر چلتی
 چل جا رہی تھی۔ لہذا اس کا سر بہت بُری طرح پھینکا تھا۔ اس
 کے ہونٹ دھواں جواب دے گئے اور وہ فرش پر پسے ہوئے حرکت
 ہو گیا۔
 مجھے بڑی باؤسی ہوئی۔ میں چاہتی تھی کہ ورزش کا یہ سلسلہ
 ابھی کچھ دیر تو دو چلتا۔
 بہر حال اب دال کر گنا بے سود تھا۔ میں نے اپنے کچھ
 بچے بال درست کیے کچھوں کی تھمتیں برابر کرنے کی کوشش
 کی اور دوپٹا مجھے میں ٹال کر زلیف سے نکل آئی۔
 نلیٹ میں جو دو چار کڑی تھی اس کا پاس پڑوس کے
 لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے قریب دو چاروں کوئی ایک
 شکل بھی نظر نہیں آئی میں اپنی کار میں بیٹھی اور دال سے روانہ

ہو گئی۔ اب اتنی رات گئے ہیں اپنے گھر کی
 کوئی اور کام تو کیا نہیں جا سکتا تھا۔
 مگر تین کر میں نے سب سے پہلے
 میں معلوم کیا۔ توقع کے مطابق وہ پستری
 اتنے رات کا کھانا دیا جا چکا تھا۔ میں نے لمبا
 میں لے چھٹی تھی دینا چاہتی تھی۔ بہت ہی
 میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ خورشید کا ایک
 بازوؤں میں لیے ہوئے بنے برس برس کی تھی۔ اس
 کہ وہ کسی تسم کی شورش میں مبتلا نہیں تھی اور اس
 اُسے چھوڑ دوں گی۔
 میں نے سوچا کہ اُسے سونے ہی دوں
 چل جائے گی۔ میں وہ رات اس کے ساتھ بیٹھ کر
 لیکن اس وقت ذہن کچھ مائل بننا نہیں چا
 ملاقات خاصی دیر کا خیر تھی اور میرا مزہ
 مشاق چنگیزی کی نسبت بہتر کروں۔ میں اہم
 اپنے کمرے میں آگئی اور شب خواب کا لباس
 لیٹ گئی۔
 مشاق چنگیزی اور گنگتا، دوڑوں کی کار کا
 ہو چکا تھا۔ غالباً وہ ٹیلیفون کال بھی مشاق چنگیزی
 جب اس نے دیکھا کہ میں گنگتا کو ملازم رکھ
 ہوں تو اس نے غور شدہ کو میرے پاس بھیجا جو میری
 سکتی تھی۔
 دوسری بات گنگتا کی رات دس بجے
 سرگرمیوں سے متعلق حیات کی تھی اس
 معلوم ہوا تھا۔ میں خود گنگتا کو دس بجے اس کے
 دیکھ چکی تھی اور اس وقت گنگتا کا غلیہ وہ نہیں
 میں وہ دفتر آئی تھی۔
 رضوان کو یقیناً اس کاظم ہو گا کہ گنگتا اس
 گئی تھی لیکن میں اس کے ہائے میں رضوان کے
 نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اوقات انسان بہت
 اس باتوں کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا ہے اور اس
 کچھ یہ بات میرے ساتھ بھی تھی۔ مجھے جو کچھ معلوم
 معلوم کرنا تھا۔
 گنگتا اور مشاق چنگیزی کے پراسرار کردار کے
 ایک الجھائے ہے اور پھر وہ نے کب میں نیند کا

کر میں نے اپنی ملازمہ خاص سے غور شدہ کی
 نہ مل گئی۔ ملازمہ نے جواب دیا۔
 کہ وہ وہ مسل وغیرہ کر لے۔ اتنی دیر میں میں بھی
 ہوں۔ پھر ہم ناشتہ کریں گے۔
 میں تیار ہو گئی تو میں نے غور شدہ کو لکڑیوں سے
 لکھا ہوا دیا۔ وہ بہت بشاش تھا۔
 "اے میں نے مسکرا کر کہا۔ صاف کرنا۔ میں رات کو
 لی تھی۔ تم اس وقت سو رہی تھیں۔ میں نے سوچا
 کہ بلا تیس تو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں جگایا تو
 نہیں۔
 ہاں ناشتہ کریں۔ میں نے ٹالی کی طرف اشارہ کیا جو
 میں پینا چکی تھی۔
 کے دوڑوں میں غور شدہ نے پوچھا آپ نے تاناری
 کر لی؟
 "پلپ لاماتا؟"
 نے اُسے تاناری سے اپنی ملاقات کی تفصیل بتائی
 بہت سے آنکھیں چھا کر بولی دیکھا دال اس آپ نے
 اس کی طرح مارا ہے؟
 اس میں تو یہ کیوں ہے؟
 کہ بہت تم غنڈے لیے ہیں جو روانہ ہو گئے ہیں
 نے نکلے کیس؟
 ہاں سب غنڈوں سے ایک وقت میں نہٹ
 "اے
 اسی نظر سے میری طرف دیکھ گئی جس سے بے اعتدالی
 میں نے کہا۔ میں نے کہا۔ کیس اب وہ تھا کہ
 میں جانے۔ وہ اس بات پر مشتعل ہو گا کہ اس
 میں مجھے تو یہ معلوم ہوا تھا۔
 میں تو اب باطل منکر نہ کریں۔ وہ میرا بریک ہے لیکن
 میں اس کی ضرورت میں ہے۔ میں کہہ رہی ہوں کہ وہ میرے غلات
 میں لکھا تھا۔ اگر اس نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا

تو میں پوس کو بعض ایسی باتیں یاد دلانے کے لیے حوصلہ
 پریشان کن ثابت ہوں گی؟
 "وہ یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے
 بند کر دے۔"
 "نہیں... نہیں، وہ ایسا نہیں کرے گا۔ میں نے خوب
 جانتی ہوں۔ اس کا اصول ہے کہ دنیا کا ہر آدمی کو دیکھ کر پچاس
 کے چندے کا خطرہ کبھی مول نہ لے۔ وہ اس کا تاناکس ہے کہ
 اپنے مخالفین کو اپنا بھروسہ دے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے غلات
 بھی کوئی ایسا ہی آدم نہ اٹھائے۔ آپ نے اپنا ایک خطرناک دشمن
 بنالیا ہے۔"
 "اگر اس نے پھر مجھے سے ٹکرانے کی کوشش کی تو مجھے اڑتھ
 ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھ پیر ٹھوڑا بیٹھے گا۔"
 "بہر حال آپ اس کی طرف سے جو کچھ کہیں گے اس میں شرط لگا
 کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ آپ کے غلات کوئی قدم ضرور اٹھائے
 گا۔ وہ بہت کمینہ مند ہے۔"
 "میری فکر تو تم باطل نہ کرو۔"
 ناشتہ کرنے کے بعد میں کھڑی ہو گئی پھر بولی "اب
 میں دفتر آؤں گی۔ تم بھی ساتھ چل پلو! جہاں کو گئی ڈراپ کر
 دوں گی۔"
 "مجھے ختام سینما کے سامنے آئیے دیکھیں گا۔"
 "میں تمہارے گھر پر ہی آنا دوں گی کیا فرق پڑتا ہے؟"
 میں نے لے کر روانہ ہو گئی۔ ہم دوڑوں میں اچھی خاصی
 دو تھکی ہو چکی تھیں۔ میں نے اُسے لیندھی کیا تھا لیکن اس
 میں بڑا ہی بس ایک تھی کہ وہ پیشہ ور لکھی تھی۔
 "کیا تم کیل رہتی ہو؟" یہ سوال میں نے اُس سے اس
 وقت کیا جب گاڑی ختام سینما کے سامنے والی گلی میں مڑ
 رہی تھی۔
 "نہیں میری ماں اور ایک ملازم بھی ہے گھر میں؟"
 "تمہاری ماں..."
 وہ میرے سوال کو سمجھ گئی اور بات کا تعلق ہوئی بولی "وہ
 بھی میری ہی بیٹی ہے۔ وہ مجھے کبھی نہیں تاناسی کی میرے باپ
 کا کیا نام ہے؟ غور شدہ کے لہجے میں خفیت کی تھی۔ "میر
 خاندان طوائف ہوں بالآخر... ہاں... بس... اس مکان کے
 سامنے گاڑی روک دیجیے۔"
 میں نے بریک لگا کر گاڑی روک دی۔

باہر ناکامی سے دوچار ہو کر کئی عرصہ لاپرواہی میں گزر گیا۔
 پریشانیوں کی آواز میں ایک کڑوا پھوٹ کر کھڑکی کی طرف روانہ ہو گئی۔
 اس کے برابر کبھی کیا تھی؟
 گھر پرچ کر میں نے چروں کی دکان سے خرید کر اسو داہنی
 ملازمہ کے حوالے کیا تو وہ حیران ہو کر بولی: "یہ کیا بالو؟"
 "کچھ سودا ہے، کچھ لڑکائی، کام آئے گا" میں جواب دیتی ہوئی
 اپنے حیران چہرہ کو آگے بڑھ گئی۔ ملازمہ کی حیرت حق بہ جانب
 تھی کیونکہ میں نے ساری زندگی میں کبھی بھی گھر کے خورد و نوش
 کا سامان نہیں خریدا تھا۔
 میں نے اپنا غلیہ درست کیا اور عذاب گاہ میں جا کر بستر پر
 لیٹ گئی۔ مجھے یہ احساس بہت مشتعل کر رہا تھا کہ میں تنہا کے
 سٹائے میں ہوں۔ روزانہ تو دل کی پریشانیوں میں تھی اور میرے خیال کے
 مطابق میں اس میں بہت بڑا ہاتھ درخون کا تھا۔ اب میں تنہا کے
 سٹائے پر غور کرنے کی بجائے اس بات پر غور کرنے کی تھی کہ خزان
 کو کیا سزا دی جائے اور کس طرح؟
 عذاب گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی تو میں خیالات
 سے چوہنی میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "آباؤ؟"
 میری توقع کے مطابق وہ میری ملازمہ مخصوص سب تھی۔
 اس نے بتایا کہ میری داہنی سے دروازہ قفل ہے کچھ جاکر کھانا کھان
 آیا تھا۔
 "اے!" میں جلدی سے آٹھ بیض اور تین گولہ اٹھا کر بیچ
 جہاں تک ہو سکے تھے۔ مجھے توبہ ہوا تھا کہ بیچ جاکر تین
 جلدی پیرس سے کیسے واپس آگئی؟
 دوسری طرف غصہ ہی جہاں سے میری سزا دیا وہ بیگم
 ہاٹھ رہی تھی۔
 "اے جی جی تیرا جلدی پیرس سے کیسے آگئی؟" میں
 نے پوچھا۔
 "یار میں ایک ٹیڑھی ہو گئی" بیچ جہاں تک ضرورت کی طرح
 ت کر کے کی عادت تھی۔
 "یعنی؟"
 "میں ایک خلیہ پر بندے کو اپنے ساتھ لے گئی تھی لیکن
 میں نے وہ ایک اور خلیہ پر تھم کے بیچے اور میں نے جھگڑا
 کے فوراً میں واپس آگئی۔ یہاں آگے چلا کر کہ میں مرتد ہو گیا
 ہو گیا ہو۔ ویسے مجھے پیرس میں بھی اس کا ٹھکانہ ہو گیا تھا۔ خیر یہ
 ہے؟"
 "تو تم سے کونسا گفتگو کرنا ہے۔ تم اب گھر سے کیوں

جاؤ تو نہیں؟"
 "ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
 "تو پیرس آ رہی ہو؟"
 اس خیال نے کہ بیچ جہاں رہا تھا اسٹاف
 کر کے میں نے جلدی سے ریسورٹ کے واسطے
 اٹھی اور جلدی جلدی پیرس تبدیل کرنے لگی۔
 جہاں میرے ملاقات کر کے نکلتا کے سٹائے میں
 دوڑ کر گیا تھا ابھی تھی۔
 تیار ہو کر میں تیزی سے دروازے کی طرف
 کی گھنٹی سے میرے قدم روک لیے۔
 کون ہو سکتا ہے؟ میں سوچتی ہوئی پہل
 کان سے گلیا: "ہیلو!"
 "صباح بخیر" بات کرنا تھی؟ دوسری طرف
 میں کہا: "آواز سناؤ اور میرے لیے ابھی ملے۔"
 "ہاؤز میں آنا" میں نے کہا۔
 دوسری طرف سے لوٹنے والے نے ایک
 بتایا اور کہا: "ابھی یہاں ایک مسٹر رضوان آئے
 ہیں۔ ان کی حالت بہت خراب ہے۔ انھوں
 کا منہ دیا تھا۔ وہ جانتے ہیں کہ آپ فوراً اسٹاف
 وہ اسپتال روم خیرات میں ہیں۔"
 پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتی دوسری
 سے سلسلہ منقطع ہو گیا اسپتال والوں میں بڑی جلدی
 ہوتی ہے کہ وہ بہت ریس طور پر اقلانہ جیتے ہیں
 سی جی۔ ویسے بھی رضوان کے سٹائے میں ملنے والے
 تشویش کن اقلانہ نے مجھے نوکھلا دیا تھا۔
 کہیں یہ کوئی مذاق ادا ہو گا تو نہیں؟ میرے
 سوال ابھرا تو میں نے ڈاکٹر کوئی میں اسپتال کا منہ دیکھ کر
 داہنی سے پہلے تعذیب کر کے میں کوئی عرق نہیں
 "سیلو" دوسری طرف سے دی سناؤ اور سناؤ
 "جیتا نہیں تو ابھی کچھ دیر قبل روم خیرات میں کوئی
 ایڈیٹ ہوئے ہیں؟"
 "جی ہاں" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر کھٹ
 کیلئے کہ آواز سناؤ دی۔
 "مور کی کئی گھنٹے سے تھک جھگڑا میں غل گیا اور
 ریسورٹ پر کچھ دروازے کی طرف دوڑی۔
 میں طوفانی انداز میں گھر تک پہنچی تھی کہ کال کال کریں



مرحوم دوڑا دیا، پھر یہی ہی میری کار
 والوں کا سناؤ کا شیشہ ایک چھنا کے
 ملنے میں آگ سے عین ٹکس ہوئی۔
 میرے لئے دیا اور یار اٹھل سے چلائی
 ناگم میں میرا پیرا ایکسپریس سے ہٹ کر
 دوڑاؤ پڑنے کی وجہ سے گاڑی ایک
 ساتھ ٹکی۔
 ایک جھٹکے سے رکی اور اس کے ساتھ
 کوئی کار کڑاٹے کے ساتھ میری گاڑی
 ہو۔ میری یہ حالت تھی کہ محسوس ہو رہا تھا
 انکار سے بھر دیے ہوں۔ اس اذیت
 نے بڑی سختی سے دانت پر دانت جھلایے
 میرے دماغ کو ناکارہ نہیں کر سکتی تھی۔
 ہاتھ کا کچھ پراسی کار سے گولی چلائی گئی
 مجھ کوئی ایک فرلانگ دور نظر آ رہی تھیں
 لے بڑھ رہا تھا۔ وہ کار بڑی رفتار کے
 قفل جانا جا رہی تھی۔
 دماغ میں ایک شعلہ سا محسوس اٹھا، غصہ
 اہانت تھی کہ کوئی میرے گھر کے دروازے
 کے لئے کی کوشش کرے اور پھر نکل جائے۔
 میرے رکی تھی اور میرا پیرا پیرس رہیں رہا
 کرانینڈ آگئی تھی میں نے اسے انیشن کی سے
 گاڑی کو حرکت میں لے آئی گوئی میرے بائیں
 دماغ میں ہاتھ سے گھیر لیا ہاتھ جس سے میرے
 ہاتھ اضافہ ہوا جو کہ لیکن مجھ پر ایسا جانور ملاری
 طور پر اس تکلیف کو کبھی فراموش کر نہیں سکتی تھی۔
 وال کار کی ٹیل لائٹس ایک موٹر میری نظر
 لیکن ایک سیلٹر پر میرے پاؤں کا دباؤ آ رہی
 احادیث کو تیزی تبدیل ہوئے تھے کہیں
 موٹر پر پہنچ گئی۔ بریک لگاتے ہوئے میں نے
 ایک گھٹنے کی تیز آواز بہت دور تک پہنچی۔ رات
 آواز آ رہی تھی کہ قریب وجہ میں رہنے والے

بہت سے لوگوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئی ہوں گی۔
 آگے بھاگتی ہوئی کار کی ٹیل لائٹس اب پیچھے میری نظر
 کی روش تھیں۔ میں نے زخمی بازو والے ہاتھ سے اپنا پیرس
 کھولا اور اس میں سے بندوق نکال کر اپنی گواہی رکھ لیا۔ میں
 محسوس کر رہی تھی کہ میرے شانے سے ہستا ہو اگر گرم خون میرے
 بازو اور کلائی سے بہتا ہو میری انگلیوں تک پہنچ چکا ہے۔
 یقیناً خون کے دھبے میرے پس اور بندوق پر بھی لگائے ہوئے تھے۔
 خون کا یہ ضیاع میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اس
 لیے مجھے اپنی کار میں اسپتال کی طرف موڑ لینا چاہیے لیکن میں
 اپنے اس جوں کو کیا کرتی جو اس گولی چلانے والے کو کسی قیمت
 پر بھی بچ کر نہیں نکلتے دینا چاہتا تھا۔
 بھاگنے والی کار کوئی بہت تھیں کار نہیں تھی۔ اس کی
 رفتار میری کار کی رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ میں بہت
 جلد اس کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے اپنی بیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں
 دیکھا کہ اس کا پس ڈھانچو ٹنگ کرنے والے کے سوا کوئی نہیں تھا
 اور اس بد بخت ڈھانچو کی کوشش اب بھی کہ وہ میری کار کو
 آگے نہ نکلتے دے۔ میں اس حالت میں یہ کر سکتی تھی کہ دایاں ہاتھ
 کھڑکی سے نکال کر اس کا پیرا ٹانگ شروٹ کر دوں لیکن ایسا
 کرنے کے لیے مجھے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالنا پڑتا اور یہ
 اس لیے ممکن نہیں تھا کہ میرا وہ شاد زخمی تھا۔ میں یہ اندازہ
 بھی نہیں لگا سکتی تھی کہ گولی میرے شانے ہی میں بیوست ہے
 یا شانے کو کھینچ کر نکل چکی ہے!
 آگے والی کار کا ڈھانچو عقب نما آئینے میں میری کار پر
 نظر رکھتے ہوئے تھا۔ میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ کسی
 قیمت پر بھی مجھے آگے نہیں نکلتے دے گا لیکن میں بھی فیصلہ کر چکی
 تھی کہ جتنے تک اس کا تعاقب جاری رکھوں گی۔ آخر وہ کب
 تک نہ ٹکے؟ اس کے علاوہ مجھے یہ آہٹ بھی کب و کب
 کشادہ ہو کر پہنچے گا تو میں کوئی موقع نکال کر اس کی گاڑی
 سے آگے نکل ہی جاؤں گی۔ اس بات کا اندازہ شاید اس
 بد بخت کو بھی تھا اس لیے اس نے ابھی تک شاہراہ کی طرف
 رخ کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ ہماری گاڑیاں ابھی تک
 ڈیفینس ہی کے علاقے میں دوڑ رہی تھیں جہاں کوئی ٹرک
 بھی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔
 اس تعاقب کو بندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ
 دفعہ میری گاڑی نے جھٹکے لینا شروع کیے۔ انجن نے اس

طرح دکھانا شروع کیا جیسے بد بخت تیرہ دن کا شمار ہو گیا ہو۔ میں نے نوکھلا کر بڑوں بتانے والی سونے کی طرٹ دکھا جو بالکل نیچے گر چکی تھی۔ اپنی آنکھیں بالکل کھلا کر دیکھ کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

ایک اور ناکامی اس معاملے میں مجھے بے درجہ ناکامیاں نصیب ہو رہی تھیں۔ اگر واقعی انسان کا کوئی ستارہ ہوتا ہے تو یقیناً میل ستارہ اُن دنوں گردش میں آیا ہوا تھا۔ میں اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتی تھی کہ بھلا کھلنے والی کار کے نمبر فرینٹ میں کیوں نہ ہو۔

میں دروازہ کھول کر گاڑی سے اتری۔ شانے کے زخم کی تکلیف جو میرے جنون کے بوجھ سے دب گئی تھی، اب پھر عود کر آئی۔ میں نے ڈکی سے بیٹر دل کا تین نکانے اور اُسے لگی میں بھرنے کے لیے اپنا منہ دایاں ہاتھ استعمال کیا۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ کے لیے کسی ہسپتال کا رخ نہیں کروں گی۔ اگر میں ایسا کرتی تو یقیناً معاملہ پولیس تک پہنچتا اور میری عادت ہے کہ اپنے معاملات کو خود ہی منشاں ہوں۔ پولیس یا سرکاری مشینری کے کسی پرزے کا استعمال میں اُسی وقت کرتی ہوں جب وہ ناگزیر ہو جائے۔

کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر کے میں واپس اپنے گھر کی طرف چلی پڑی۔ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ خود ہی کرنا چاہتی تھی۔ اگر کوئی میرے شانے میں دھنسی ہوئی ہوتی تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں نے کمال ہی لیتی۔

میری ملازماؤں نے مجھے اس طرح خون میں ڈبا ہوا دیکھا تو بے حد متحکم ہو گئیں۔ میں نے متحکم، کا لفظ بہت احتیاط سے استعمال کیا ہے۔ میں ہاں لفظ پریشان، نہیں لکھ سکتی تھی کیونکہ میری ملازماؤں اس قسم کے حالات سے بڑی حد تک مانوس ہو چکی تھیں۔ میرے اس قسم کے معاملات میں پریشان ہونا انھوں نے بہت عرصے سے چھوڑ رکھا تھا۔

میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کی مدد سے اپنے شانے کی ڈریسنگ کی۔ اُسی وقت مجھے یہ معلوم ہو سکا تھا کہ گولی میرے شانے میں موجود تھی۔

دھنسی ہوئی گولی کو نکالنے کے لیے گوشت کو کھوڑا سا چیرنا پڑا تھا۔ گویا ایک چھوٹا سا پریشان، لیکن یہ سب کچھ میں نے بڑے اطمینان سے کر ڈالا۔ یہ خود اپنی تکلیف کو کبھی بڑی سفاکی

سے برداشت کر لیتی ہوں۔ دراصل مجھ پر متعلقین میرے چہرے پر تکلیف کے آثار اپنے متعلقین کی افسردگی میرے لیے اتنا اذیتناک ہوتی ہے۔

ڈریسنگ کے بعد میں نے لباس خاص و شوری ہوئی لیکن گھر سے نکلتے تو ضروری تھی ہی اچھے رضوان کو دیکھ کر جھانک کر سبھی ملاقات کرنا ضروری تھی۔

کرم و دودھ کا ایک گلاس پی کر میں بیگم جہاگیر سے ملاقات کرنے سے پہلے مجھے معلوم کرنا تھی کہ ہسپتال کی طرف جائے کہ یہی رکھنا پڑی کیونکہ خفیف سا جھٹکا بھی میں نہیں بھگارتا تھا۔

راہ میں پہلی مرتبہ میں نے پوری کی پوری حالات سے متعلق کوئی شخص اس شہر میں بہت زیادہ نہیں تو بہت کم بھی نہیں ہے۔ اگر وہ شخص موجودہ حالات سے متعلق

میرے ذہن میں ابھر سکتے تھے، شوق پکڑ لیتی اور کے بارے میں خوشید کا کہنا تھا کہ وہ ایک منظر ہے لیکن کسی کو قتل کر کے بھانسی کے پھندے میں اُس کے نظریات اور اصول کے خلاف ہے۔

تو اس کے بارے میں ابھی مجھے کچھ معلومات ہی انہی خیالات سے ابھتی ہوئی ہیں اسلئے پانچ منٹ کے اندر اندر میں اُس کمرے میں ایک دست پر رضوان لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔

”آپ بہت دیر میں آئیں سالی جی!“

”تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے ہو“

”ہاں، اب تو میں بالکل آرام سے ہوں۔“

”تمہیں ہوا کیا تھا؟“

”میں تو سمجھا تھا کہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا کہ

ڈاکٹروں کو مجھ سے اتفاق نہیں ہے“

”اے“

”میں کرسی پر بیٹھ کر اُسے قہر سے دیکھ رہی تھی۔

”اگر وہ میرے جسم سے پسینے کے چھپٹے اُلٹے... شاید یہ ایک اتفاق ہے کہ اس ہسپتال کے قریب ہی تھی میں فوراً سے موٹر سائیکل کھڑی کی، اور پھر وہیں

”ہاں، اندر لے آئے۔ یہاں مجھ پر دو اُلٹے...“

”اس نے میری تکلیف ختم ہوئی لیکن کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ہوا کیا تھا!“

”کس جگہ تکلیف ہوئی تھی؟“

”پہلے“ رضوان نے جواب دیا۔ ”بلکہ یہ تو ایک تکلیف ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر حضرات اس شرط لانگنے کے لیے تیار ہیں کہ مجھے دل کا

”ہلک ہو جانے کے باوجود یہاں کیوں لیٹے“

”خیال ہے کہ اب میں یہاں سے چلا کر ناظر

”رضوان نے کہا۔“ میں ایک آدھ دن یہاں رہا ہوں کہ اس درد کا حملہ دوبارہ تو نہیں

”یوں ہے کہ وہ درد دیکھ ہو گا؟“

”میں اب اس احتیاطیابان رکنا چاہتا ہوں۔“

”اب تو رہوں گا۔ وہاں تمنا ہی ہوگی جبکہ میں میری دیکھ بھال کرتی رہیں گی۔“ رضوان

”دل میں آیا کہ رضوان سے سنگینا کے بارے میں لیکن وہ سوال میری زبان میں ہی اٹھ کر اُسے آگئی تھی۔ میں نے یہ فیصلہ جو کر رکھا تھا اسے میں رضوان سے کوئی تصاویر نہیں چاہوں تھا تھا مجھے خود ہی معلوم کرنا تھا۔“

”اچھا!“ میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ ”اب میں چلتی ہوں۔“

”کل صبح ٹیلیفون پر تمہاری خیریت معلوم کر لوں گی۔“

”اور تو کچھ نہیں معلوم کرنا؟“ رضوان کا لہجہ میں خیر تھا اور ہونٹوں پر نہایت انیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”نہیں!“ میں نے جھٹکے سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

”رضوان منہ لگا۔ جب میں دروازے کے ہنڈل پر ہاتھ رکھی تھی تو مجھے اُس کی آواز آئی۔ ”شب بخیر تو سنی جائیے سالی جی!“

”شب بخیر!“ میں نے کہا اور دروازہ کھول کر کھل گئی۔ ڈیڑھ بج چکا تھا۔ میری سسنا ہو گئی تھیں۔ شہر کی آبادی کا بیشتر حصہ نیند کی آغوش میں ہو گا اور اس بات کا امکان تھا کہ بیگم جہاگیر بھی میرا انتظار کر کے سو چکی ہو لیکن میں اُسے جگا کر اسی وقت اُس سے سنگینا کے بارے میں گفتگو کر لینا چاہتی تھی۔ یہ میری فطرت کا خاصہ ہے کہ میں بہت عجلت سے کام لیتی ہوں۔ میری یہ جلد بازی کبھی میری لیے بے نقصان وہ بھی ثابت ہوتی ہے لیکن اپنی فطرت کے اس پہلو سے مجھے فائدے زیادہ پہنچتے ہیں اور نقصان کم! یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی اس فطرت کو بدلنے کی کوشش بھی نہیں کی!

جب میں بیگم جہاگیر کے گھر پہنچی تو وہ میری توقع کے خلاف جاگ رہی تھی۔ اُس نے میرا استقبال کیا تو پریشان کی تھی۔ جب وہ بولی تو اُس کی پریشانی کا سبب بھی مجھ میں آ گیا۔

”تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کئی مرتبہ تمہارے گھر فون کر چکی ہوں۔ ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ تم گھر سے روانہ ہو چکی ہو۔ اب تو مجھے بڑے بڑے سے خیالات آنے لگے تھے۔“

”بڑے بڑے سے خیالات!“ میں ہنس پڑی۔ ”کیا مطلب؟“

”یعنی یہ کہ خدا غنا سے تمہارا ایک بیڈنٹ نہ ہو گیا ہو۔ تم بہت فاسٹ ڈرائیونگ کرتی ہو۔“

”بہر حال میں خیریت سے ہوں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”لیکن تم کبھی ہوئی بہت ہوں۔ کیا تم مجھ سے بیٹھنے کے لیے کبھی نہ کوئی؟“

”اُڈ!“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ”بیڈ روم میں ہی جاؤ“

مجھے اپنی خوابگاہ کی طرف لے جاتے ہوئے اُس نے اپنے ایک ملازم سے کافی کے لیے بھی کہہ دیا۔

خوابگاہ میں جب ہم دونوں آرام وہ کر سہول پر آئے

سائے بیٹھ گئے تو وہ بولی: "آخر ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے اتنی بے قرار تھیں؟"
 "تم نے کسی اور کی کو ملازمت کے لیے میرے پاس بھیجا تھا؟"
 میں نے سوال داغا۔

"ملازمت کے لیے؟" بیگم جہانگیر کی پشیمانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ غالباً وہ باور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ قدرے توقف کے بعد وہ استہ سے بولی: "ہاں، میرا خیال ہے کہ میں نے کسی سے اس کا ذکر تو کیا تھا لیکن اب مجھے یاد نہیں آتا۔" اسے کہہ کے جاتے ہی بیگم جہانگیر کا منہ ہلکا ہوا لیکن مجھے اس وقت کافی سے زیادہ معلومات کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے سوال کیا: "تم رام لال کے ماضی پر بھی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو؟"

"اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ انڈین سروس کا باشندہ ہے لیکن اس نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ مشرق وسطیٰ میں گزارا ہے۔"
 "مشرق وسطیٰ میں کس جگہ؟"

"سنگیتا نے مجھے بتایا تو تھا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بیروت، مسقط یا اردن کی آس پاس کی کوئی ریاست تھی۔" حقیقتاً رام لال نے وہیں رہ کر دولت کمائی تھی، اسے اپنے آپ کو واجد باد سے درتے ہیں کچھ نہیں ملا تھا۔

"مشتاق چنگیزی سے اس کا رابطہ منقطع وہیں سے ہے یا ان کے تعلقات کا آغاز پاکستان ہی میں ہوا تھا؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" کان لولہ، بیگم جہانگیر نے ایک پتیلی میں میری طرف بڑھائی۔ اس وقت میرے چہرے پر بخور و فکر کے آثار شاید کچھ زیادہ ہی تھے جنہیں بیگم جہانگیر نے بھانپ لیا اور حیرت سے بولی: "کیا بات ہے، آخر تم اس سلسلے میں اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"ساتھ ساتھ سننا چاہتی ہو تو سنو کہ اگر رام لال کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی ہے تو میں اس کا انکار کر رہی ہوں گی۔" وہ خدا کی فوجدار! "بیگم جہانگیر نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا: "یوں کہہ لو؟"

"تو پھر اس سلسلے میں زیادہ تفصیلات تو تمہیں سنگیتا ہی سے مل سکیں گی۔ میں اس سے زیادہ تو نہیں جان سکتی۔"
 "مشتاق چنگیزی کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلومات نہیں؟"
 "ہاں، اس معاملے میں شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"
 "یہی؟"

"مذاک آدی ایسے میں جن سے میں مشتاق چنگیزی کے

بارے میں معلومات حاصل کر سکتی ہوں۔"
 وہ لڑکی کون تھی؟
 "سنگیتا" میں نے غمزدیا۔

"آں، ہاں!" بیگم جہانگیر نے کہا۔
 ہے میں نے سنگیتا ہی سے اس کا ذکر کیا تھا۔
 "اور اسے میرے بارے میں معلوم"

میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔
 بیگم جہانگیر نے عجیب سے ہنسی مانی۔
 تھا۔ اگر بعد میں وہ مجھ سے تمہاری طرف

جواب دیتی، اسنا سبھی تمہارے پاس آئے۔
 ضرورت مند تو ہے ہی لیکن میں اسے غلط
 بیگم جہانگیر نے میری مشکل آسان

موسٹر لانا چاہتی تھی جہاں بیگم جہانگیر
 وہ کہتی رہی: "تم یقین کر لو کہ اس لڑکی
 پرورش پائی ہے۔ اس کا باپ رام لال

لیکن اب وہ کوٹری کو غناٹہ دے رہا
 "کیا وہ کسی بڑے خسارے سے
 نے اس طرح کیا جیسے مجھے کسی بات کا

"خسارہ تو نہیں لیکن اسے یہی
 ٹوٹ لیا گیا۔ وہ عموماً ہنسنا ہے۔"
 "تم تمہوں میں بات کر رہی ہو

میری اس بات کے جواب میں تم
 بتا دیا مجھے سنگیتا سے معلوم ہو چکا تھا۔
 تم یہ سب کچھ کیوں معلوم کر رہی ہو؟

لکھ لیا ہے؟"
 "آں!" میں نے جواب دیا۔
 بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہوں کہ وہ کون
 "اگر ایسی دوسری بھی ہو تو تمہارے

ایک میلنگ کا کس معلوم ہوتا ہے؟
 میں نے جواب دیا: "ملازم کافی کے کر لیا۔ ملازم
 کے اندر یہ کام ضرور کرو گی۔"

میں نے اسے مزید سے باز دیا۔
 میں نے خاصی معلومات فراہم کر دیں گی۔
 سنا کہ چنگیزی کو کبھی دیکھا ہے؟ میں یہ جانتا

دکا آجی ہے؟"
 میں کل شام تک معلوم ہو جائے گا۔ میں
 تمہارا لیکن اس کے چند قے ضرور سنے ہیں۔"

"نام آدمیوں میں سے ایک ہے۔"
 "سناش؟" میں نے حیرت سے کہا۔
 کہا جا سکتا ہے لیکن تم شاید اس لفظ کو

جس استعمال کر رہی ہو۔"
 کوئی کرشن نہیں ہے۔ کم از کم لفظ اسی کو
 ہے۔ میں نے اسے بدنام اس اعتبار سے کہا کہ

ہاں اس حد تک رسا ہے کہ کھلے عام سب
 اسے اس کی بدوا میں ہے کہ لوگ اس
 میں گئے۔ ریس اور دوسرے جوڑوں کا بھی

خصوصاً رام لال کی دولت ہاتھ آجانی
 وہ کھل کھلا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ
 میرا خیال ہے کہ وہ جالیس پینتالیس

لیکن میں اس سلسلے میں ختمی طور پر کل ہی
 ہی کچھ کہہ سکتی تو اب میں چلتی ہوں۔ رات
 نے یہ کہہ کر ان کا آخری ٹھونٹ لیا۔

میری خراب ہے کہ تم دونوں کے معاملات
 لڑکی کرنے پر دھکا کھائے تھے۔ یہی وجہ تھی
 کہ وہ حالات خراب تھے لیکن مجھے اس سے
 بہت سے میں نے ہنس کر کہا: "اور یہ تو تمہی
 کرنے کے مختلف انداز ہوتے ہیں جو بعض
 ہوں۔ مثلاً جیسے تم کسب انسا حاصل

کر رہی ہو وہ میری فطرت ٹھیک نہیں۔ اسے ہاں میں ہر چھنا تو میرا
 ہی گئی کہ تم جسے شکار کر کے اپنے ساتھ درون ملک لے گئی تھیں،
 وہ تمہارے ہاتھ سے کیسے نکل گیا؟"

"میں نکل گیا، بیگم جہانگیر نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا۔
 "ایک نوخیز لڑکے نے اسے ایسا یا کر سنا، کوئی سی ترکیب دریافت
 کر دے پھر سے نوجوان ہوا جا سکے۔"

میں ہنس کر اس سے رخصت ہو گئی۔
 رات بہت گزر چکی تھی لیکن میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ
 تک نہ تھا۔ کچھ تو یہ کہ بہن رضیالات و سوالات کی پورشش
 تھی خاصی تھی اور کچھ شائے کی ٹکلیف نے بھی نہ۔۔۔ ستر روک
 رکھا تھا۔ مجھے اس کے سوا کچھ نہ سوجھا کہ دیشیم زین کی ایک گولی
 کھائوں۔

دوسری صبح جب میں دفتر کے لیے روانہ ہوئی تو رات کی طرح
 اس وقت بھی ایک ہی سی حال اور شے کی تاک شائے کی ڈرلنگ
 کا اٹھا کر کسی نظر میں نہ آ سکے۔ ہر چند کہ رات ہی مجھ پر تھا تا نہ
 حملہ ہو چکا تھا لیکن میں خائف نہیں تھی اور میں نے کسی بھی دوسرے
 حملے کا سامنا کرنے کے لیے خود کو پوری طرح مستعد کر لیا تھا۔

دفتر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے ہاشم فون کیا اور فون
 کی خیریت معلوم کی۔ وہ ٹھیک تھا لیکن ہاشم نے ڈسکون ہونے
 کے ٹوڈوں نہیں تھا۔ مجھے کسی کی بات بڑی عجیب سی تھی۔ وہ اس
 قسم کا آدمی تو نہیں کہ زندگی کے لیے اتنی احتیاط پسندی کو ناگزیر
 جانے! تو پھر؟ میں اس کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے سے
 بھی قاصر تھی۔ آخر میں نے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک
 دیا اور سنگیتا کے بارے میں سوچنے لگی۔

سنگیتا؟
 وہ ایک لازمی سوال بن کر رہ گئی تھی۔ میرے لیے! مجھے
 کچھ ڈسکون دینا تھا۔ اس کے ہمارے سے میں نے اتنا سب
 کیا، کچھ ڈسکون بھی دیا اور اس کے بن جب وہ آٹھ بجے ہی
 تو میں نے اسے روک لیا۔

"سنو!"
 "بیٹھ جاؤ!"
 وہ بیٹھ گئی۔ وہ حسب معمول بہت معصوم اور کسب معلوم
 ہو رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے اس کی طرف دیکھا کہ اس نے
 گھبرا کر کچھ کہا۔ میں سوچنے لگی، آخر یہ لڑکی مجھے اتنی تھیں کہیں
 معلوم ہوئی ہے؟ اس کے نفوس غیر معمولی طور پر دلانویز نہیں تھے

پٹی اور ایک پیگ سنگیتا کی طرف بڑھا رہا۔
 ”یہ... یہ کیا...“ وہ چپکائی ہوئی بولی۔ اُس نے گلاس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔
 ”یہ غار آسائش بہت پی کر تھیں یہ دنیا بہت حسین نظر آنے لگی۔“
 ”وانو! سنگیتا کے لہجے میں قدرے سختی آگئی ”میں شراب نہیں پیوں گی!“
 ”جلو نہ پیو! میں نے بے پروائی سے کہا ”میں کسی بھی معاملے میں زیادہ جرأت نہیں ہوں“ میں نے اپنے گلاس سے ایک ٹھیکہ لی اور دوسرا گلاس کینبٹ پر رکھ کر آئی ”اب بیٹھ تو جاؤ“ میں نے سنگیتا سے کہا۔
 سنگیتا بیٹھ گئی اُس کی نگاہ اب بھی چمکی ہوئی تھی۔
 میں نے پہلا پیگ بہت جلد تم کیا اور خالی گلاس کینبٹ پر رکھ کر وہ گلاس اٹھا لائی جو سنگیتا کے لیے بنایا تھا۔ اُس کی ایک ٹھیکہ کے کوئین نے سنگیتا سے کہا ”کیا تم فرش پر بیٹھنے میں کچھ زحمت محسوس کر رہی ہو؟“
 ”جی نہیں، کوئی بات نہیں! میں ٹھیک ہوں“ سنگیتا نے جلدی سے کہا۔
 ”تو یہ سینڈل اٹار کر المیناں سے بیٹھو کھا، اب آتا ہی ہو گا۔“
 سنگیتا نے سینڈل اُتار دیے۔
 ”ہاں تو...“ میں پرولی ”یہ جگہ انہیں نے تمہیں میرے بارے میں کیا کیا بتایا تھا؟“
 ”وہ بڑی عجیب و غریب باتیں تھیں وانو! سنگیتا کی نظر جھکی رہی تو کم از کم میرے لیے وہ اتنی ہی عجیب و غریب تھیں کہ مجھے ان پر یقین نہیں آیا تھا۔“
 ”میں سمجھتی ہوں کہ تم یقین کر لینا چاہیے تھا کیونکہ وہ ساری باتیں تمہارے لیے اچانکی سی مگر قابلِ فہم نہیں ہو سکتیں۔“
 ”میرے لیے وہ باتیں ناقابلِ فہم ہی تھیں وانو!“
 ”دعوت جیسی لڑکی کے لیے وہ ناقابلِ فہم نہیں ہو سکتیں۔“
 ”جی! سنگیتا نے جیسے چونک کر میری طرف دیکھا ”مجھ جیسی لڑکی... اس سے آپ کی کیا مراد ہے وانو؟“
 ”میرا مطلب ہے کہ تم خاص ہی بالغ لڑکی ہو! میں تمہی سے ہنس رہی۔“
 ”مجھ جانے آپ کسی باتیں کر رہی ہیں!“ سنگیتا کی آواز بھرا گئی۔

میں کوئی جواب دینے کی ہوا گئی۔ دراصل میں نے دوسرا پیگ بھی کر ڈالا تھا۔ میں باٹ کر سنگیتا کے الگ لگ دیں میں اب بالکل تیار تھا اس میرے سانس اکٹھے لگنے میں اب قربت کہ بدن، چھاتی بن جائیں اور اس آگ جس کی جھلک میں آسوارا آگ جس کی جھلک میں شبنم بھی نہ رہا۔
 ”زندگی کو کم چاہے طریقے سے ہر ما میں نے کہا ”کیا خیال ہے سنگیتا؟“ میں پر ہاتھ رکھ رہا۔
 ”جی! سنگیتا کا شانہ کیسا کپکاپا ہے۔“
 ”نہیں بھی!“
 ”نہم کسی بات کا مطلب ہی نہیں سمجھتا۔“
 ”مگر بنا کر کہا! آؤ! میں تمہیں ہر بات کا میں نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لینا۔“
 ”وانو! سنگیتا اچھل کر مجھ سے کہہ رہا تھا۔
 ”زیادہ پارسا بننے کی کوشش نہ کرو۔“
 ”وہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں وانو! میں انہیں کھڑی ہو گئی۔
 ”میں اپنی جگہ بیٹھی رہی اور مسکرا کر کہا۔“
 ”تمہاری سمجھ میں نہیں آتی اور اسی لیے میں میرے بہت قریب ہو جاؤ۔ یہ قربت تمہیں ”وانو! سنگیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں جا گئی کہ ساری باتیں درست ہیں تو میں کم از کم مجھ پر رحم کیجیے!“
 ”میں تمہیں مار تو نہیں ڈالوں گی!“
 ”وہ سب کچھ میرے لیے مار ڈالنے ہی کیا تمہی سمجھتی ہو کہ میں تم سے واقف نہ رہے لیکن میں کہا ”میں یہ بھی جانتی ہوں اُسے بتاتے بتاتے رگ گئی کہ میں کئی راتوں نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔“
 ”آپ سب کچھ جانتی ہوں لیکن خدا کے سے جلنے دیجیے! وہ ہڈیاں انداز میں چیخ رہی ہیں۔“

میں بچکا دھند برداشت نہیں کر سکتی۔ سنگیتا مجھ سے اتنی خافت تھی کہ میری ٹانگ کے بعد ذرا بھی چوں چکر کرنے کے قابل نہیں رہ گئی۔ کھانا کھاتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن میں نے اُس سے دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ کھانے کے اختتام پر میں نے محسوس کیا کہ سنگیتا نے بہت کم کھایا تھا لیکن میں اب بھی کچھ نہیں بولی اور اُسے لے کر گھر سے نکل آئی۔
 گھر سے دفتر کی طرف جاتے ہوئے بھی کار میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ دفتر پہنچ کر میں نے اپنے کمرے میں لے گئی اور جو کام آدھورا رہ گیا تھا، اُسے مکمل کر لے لی۔ سنگیتا بھی مشینی انداز میں محض تھی۔ ڈکٹیشن کے بعد میں نے اُس سے کہا ”ابھی جا کر اسے ٹائپ کرو!“
 اُس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور کمرے سے چلی گئی۔
 میں دفتر تو اسی خیال سے آئی تھی کہ وقت مقررہ تک کام کروں گی لیکن اب وہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ میں بڑی کوفت اور بے چارہ محسوس کر رہی تھی۔ جذباتی بھان میں مبتلا ہونے کے بعد اگر مجھے آسودگی کا راستہ نہ مل سے تو پھر صرف شراب ہی مجھے پرسکون کر سکتی ہے۔ آخر شراب کی خواہش اتنی شدید ہو گئی کہ میں دفتر سے اٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئی۔
 چند کمرے میں چار پیگ لی چکی تھی لیکن اُسے اتنا وقفہ مل چکا تھا کہ اُس کے کسراتات تقریباً زائل ہو چکے تھے۔ اس کے زائل ہونے کا ایک سبب سنگیتا کے عمل کا ردِ عمل بھی تھا۔ گھر پہنچ کر میں نے اپنی خواہ گاہ کا رخ کیا اور وہاں بیٹھ کر بے تحاشائی والی میں اتنی ہی گئی کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ میں اتنا یاد ہے کہ میں کمرے سے اٹھ کر بستر پر جا لیٹی تھی۔
 جب میری آنکھ کھلی تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ ایک لمحے کے لیے تو میں بوکھا گئی کہ شاید میری بینائی زائل ہو چکی ہے لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ غالباً رات ہو چکی ہے میں نے بیدار سوچ دیا کہ کمرے میں روشنی کر دی اور مجھ سب کچھ نظر آنے لگا۔ وہ بستر کا کلاک نے مجھے بتایا کہ دس بج رہے ہیں۔
 میری طبیعت بڑی کسلند تھی میں جاگنے کے بعد بھی کچھ دیر تک بستر سے نہیں اٹھ سکی۔ لیٹے لیٹے میرے ذہن میں



بہت سے خیالات آئے اور گزر گئے۔ ان میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ آج کی رات ایک اعتبار سے تو مناجات ہی تھی۔ اب امتنا و تبت نہیں اور ہاتھ کا میں سنگیت کی شہیدہ نقل و حرکت پر نظر رکھ سکوں اور جان لوں کہ وہ کہاں جاتی ہے!

کچھ دیر بعد میں بستر سے اٹھی میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو بلا کر اس کی مدد سے اپنے زخمی شانے کی ڈریسنگ کی۔ وہ دھم اب صحت اس صورت میں تکلیف دہ رہ گیا تھا کہ اسے نہیں لگ جائے۔ ڈریسنگ کرنے کے بعد میں ہاتھ و دم میں جاگھسی۔ غسل کرنے سے میری کسندہ زرخ ہو گئی غسل کرتے ہوئے مجھے اس بات کا خیال رکھنا پڑا تھا کہ میرے زخمی شانے پر پانی نہ پڑ سکے۔

کچھ دیر میں کمر میں ڈریسنگ ٹبل کے سامنے جا بیٹھی اور ملازمہ کو ہدایت کردی کہ میں جتنی دیر میں میک اپ کروں، اتنی دیریں کھانا آجائے۔ کھانے کے بعد میں ہاسٹل جانا چاہتی تھی میں نے رضوان سے وعدہ کیا تھا کہ رات کو میں اسے دیکھنے آؤں گی۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے گریج سے اپنی کار نکالی میں اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی کار کو آہستہ آہستہ چلائی پھر ایک طرف لے جا رہی تھی۔ پچانک سے نکل کر میں نے اسے بائیں جانب موڑا اور پھر جیسے بے اختیار میری بریک اور پلچ پونچ گیا میری نظر کچھ دیر کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی تھی اور میرے خیال کے مطابق یہ وہی کار تھی جس سے مجھ پر دو رات قبل گولیاں برسا گئی تھیں۔ وہاں امتنا دھیرا تھا کہ مجھے اس کار کی نمبر پلیٹ دکھانی نہیں دے رہی تھی میری کار کی میڈل انٹیس ڈوم تھیں میں نے لیورڈار کوئل انٹیس جلائی تو مجھے نہ صرف نمبر پلیٹ نظر آگئی بلکہ میں نے بھی دیکھا کہ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے تیزی سے ٹھک کر اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

خطرے کے احساس نے میرے اعصاب پر چھنا کا سا کیا اور دوسرے ہی لمحے میرے ہاتھ پیروں نے شیشی انداز میں عمل کیا میں نے گاڑی کو بہت پھرتی سے ریورس گیر میں ڈالا اور پلچ پر تندرینج دبا دگم کرتے ہوئے ایک سیلر ٹر پر ڈاؤن ٹھکانا چلی گئی گاڑی تیزی سے پیچھے بھاگی اور دایاں پس پچانک میں داخل ہوئی چلی گئی۔ اس طرح میں نے خود کو کسی متوقع فائر سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

شرک پر کھڑی ہوئی اس کار کے اسٹارٹ ہونے کی

آواز سنائی دی اور پھر وہ فرار لے کر

سے گزری میں نے خود کو تیزی سے

بھی کسی متوقع فائر سے بچنے کی ایک

فائر نہیں ہوا۔ فائر نہ ہونے کا یقین

زخمی ہوئی یا نہ ہوتی، کار کی ڈرائیونگ

چکر کھار اور دوڑا ایک ملازمہ

آ رہی تھیں۔ وہ لوگ جانا چاہتے

ریورس کیوں لیا تھا، لیکن میں نے ان

انتظار نہیں کیا اور کار کو فرسٹ گیر میں

میں لے آئی اور اسے اسی طرف ڈھکی

لیتے میں دوسرا گیزر ڈال چکی تھی

گاڑی ٹاپ گیر میں فرار لے کر

اگلے کار بھی زیادہ دیر نہیں

عقبی روٹیاں صاف نظر آ رہی تھیں

یقین تھا کہ دونوں قبل مجھ پر اسی کار سے

اور آج بھی وہ نہ معلوم شخص وہاں اسی

ناکامی کا زائر کر سکے۔

لیکن میں اب اس رات کی طرح اٹھا

تھی میں نے جتنی کر لیا تھا کہ اس نہ معلوم مرد

اب میرے بائیں شانے میں اپنی تکلیف نہیں

سے اسٹرنگ دے سنبھال سکوں میں نے دایاں

کھولا اور اس میں سے اٹھارے دو پانچ کا پستول

میری کار کی چھتی ہوئی رفتار کے ساتھ اگلے

بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا یہی مطلب تھا کہ

شکار رہے۔

میں نے پستول اس لیے نکالا تھا کہ خاؤر

ٹائر چھاؤںوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ گولی چلے

کی آواز سن کر اس پاس کے بہت سے لوگ گھروں

گے جب کہ میں اپنے شکار کو بہت خاموشی سے

تھی میں نے پستول پھر اپنے پیس میں ڈال لیا۔

میری کار اب ڈوبنے والی کار کے بالکل

تھی لیکن مجھے اس کے آگے نکلنے کا موقع نہیں

اس اجنبی کی نظر عقب نما آئی تھی اور وہ میری

دیکھ کر اپنی کار کو ایسے زاویے پر لے آتا تھا کہ میں آگے

”اچھی بات ہے بیٹے! میں جڑ بڑا ہوں“ چلتے

آج میری کار کی ٹانگی پڑوں

ان کار کی ٹانگی اتنی چھوٹی ہے کہ اگر وہ

میں زیادہ پڑوں نہیں ہوگا

اس وقت بھی وہ نہ معلوم شخص ڈرائیونگ

پر کار دوڑا رہا تھا۔ در راستے اتنے کشادہ

کہ ڈرائیونگ کی خواہش کے خلاف اسے آسانی

ہو رہی تھی۔ اگر وہ شاہراہ پر نکل جاتا تو اسے

مرد و کامیاب ہو جاتا اور میرا نہ معلوم دشمن

میں طرح آگیا تھا۔ اسے یہ خوف بھی ہو گا کہ

ان کوئی پٹر ونگ کار بھی مل سکتی ہے جو

سے دوڑتی ہوئی کاروں کو روکے کی کوشش

یاد نہیں گزری تھی اس لیے ان دستوں

آدھ گاڑی نظر آ جاتی تھی۔ اگر وہ مجھ سے

سے نکلنے کا موقع وہ اس وقت تک نہیں

دیا نکل تیرا نہ جائے۔ پس راج مجھے

اسے اور شیک کرنے کا موقع نہیں مل پاتا تھا

اس طرح گزر گیا اب مجھے جھجکا ہوا سیٹ ہونے

شاہراہی رات ہی گزر جاتی اس وقت میں

ایک دھڑلا جھجکا ہوا سیٹ مبتلا ہونے کے بعد

لیٹے کرتے ہوئے بالکل نہیں گھبرا رہا میں نے یہ

اب اگر آگے سے کوئی گاڑی آئی اور اجنبی نے

نکلنے کا موقع دیا تو میں اسی وقت اسے اور شیک

عمل کروں گی۔ ظاہر ہے کہ اسی صورت میں

نے والی گاڑی کا ڈرائیور بوجھلا جانا اور دھانے

لہذا اپنی گاڑی کو بائیں جانب کاٹنا اس طرح

اور ابھڑا جھنکاڑے سے دوچار ہونا پڑا لیکن مجھے

دونوں کاروں کے گریج میں سے نکلنے کا موقع

اس میں خطرہ یہ تھا کہ اگر سامنے سے آنے والی کار

اس ہی حواس باختہ ہو جانا اور اپنی گاڑی کو کاٹنے

میں ڈرنا تو میری اور اس کی کار کا کھلنا لازمی تھا۔

میں شاہراہ پر مل مرتبہ میں نے ایک خطرناک فیصلہ

نہایت احمقانہ دیکھا جاسکتا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا تو بہت دیر تک سامنے

انہیں نہیں آئی۔ وہ دفعہ شخص ڈریسنگ نرا

سے ٹیفنس کے اندرونی اسٹون کو اپنی کار سے پیٹوں

ناتیار۔ اب بارہ بج چکے تھے اور شانے کا احساس بہت دیر

ہو گیا تھا۔

میری جھجکا ہوا سیٹ میں خاما اضافہ ہو چکا تھا کہ سامنے

کچھ دیر کسی گاڑی کی میڈل انٹیس چکیں۔ وہ گاڑی موڑنے کے

اس شرک پر آئی تھی۔ ان میڈل انٹیس کو پچھلے دیکھ کر میری

آنکھیں بھی پچک اٹھیں۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا تھا کہ

میں اپنے فیصلے کو عملی صورت دے سکوں۔

میڈل انٹیس تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں لیکن جب

میرے متعاقب نے شرک کے درمیان جھکے کو بہت دیر گھیرے

رکھا تو آنے والی کار کی رفتار کم ہو گئی اور اسے نکلنے کا

راستہ اسی وقت ملا جب وہ میرے متعاقب کے بالکل قریب

پہنچ گئی۔ میرے متعاقب نے تیزی سے اپنی کار کو بائیں جانب

کاٹا اور اتنی ہی تیزی سے میں اپنی کار کو دایاں جانب کاٹ کر

سامنے سے آنے والی کار کے بالکل سامنے لے آئی۔ میری

رفتار خطرناک حد تک زرخ تھی لیکن میں نے بریک لگائے تاکہ آنے

والی کار کو ٹکڑ کر نکل جانے کی مہلت مل سکے۔

آنے والی کار کا ڈرائیور میری توقع کے مطابق بوجھلا گیا

اور اس نے اپنی کار اتنی تیزی سے کاٹی کہ وہ اٹھنے لگتی تھی۔

دھچھوٹی سی موٹر تھی اس لیے وہ ہر حال میں ٹکڑ کر نکل گئی لیکن

میں نے اس کے برابر سے نکلنے وقت گندی گندی گاڑیوں کی

آواز سنی۔ میں نے ان گاڑیوں کا قطعاً بُرا نہیں مانا کیونکہ

گالیاں دینے والا حق بجانب تھا۔

میرے متعاقب نے جعقب نما آئیے میں پینڈر دکھا تو

گھبرا کر ایک بار پھر اپنی کار کو میرے آگے لانے کی کوشش کی لیکن

میں نے ایک سیلر ٹر پھر لیورڈا ڈال کر اس کی کوشش کو اکا

بنا دیا میں نے اس کے ساتھ اس کے آگے نکل گئی میری کار کا

دایاں عقد اس کی کار سے دگڑا کھانا ہوا نکلا تھا لیکن اتنی قربت

کے باوجود بھی اندھیرے کے باعث ڈرائیونگ کرنے والے کا

چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔

آگے نکلنے میں میں نے ایک سیلر ٹر سے پڑا لیا اور رفتار

کو تندرینج کر کرتی چلی گئی۔ اب میری نظر عقب نما آئیے پڑتی اور

میں اپنے شکار کو اپنی کار سے آگے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی

اب تو مجھ سے بچ کر نہیں جاسکتا سڑک کے بچے! میں نے

دل ہی دل میں کہا۔

اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سڑک پر بچے سے خائف بہت تھا۔ ہر چیز کہ اس نے مجھ پر گولیاں چلانے کی حیرت کی تھی لیکن اسے بھی یقین تھا کہ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو اس کی حیرت نہیں!

گاڑی کی رفتار کم کرنے کے لئے ایک تنگ سے مقام پر میں نے گاڑی کو ٹیگت ترچھا کر کے روک دیا۔ اس طرح راستہ بالکل مسدود ہو گیا تھا۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ پچھلے گاڑی سے نکل سکتی۔

اس میں تجھ سے نمٹ لوں گی۔ میں نے ایک بار پھر دل دیا۔ میں کما۔

لیکن اس وقت میرے پیارے دشمن نے ایک ایسی حرکت کی جس کے بارے میں مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا لیکن میں نے سوچا نہیں تھا۔ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات ذہن میں نہیں آنے پاتی اور وہ سامنے کی بات یہی تھی کہ اس مسموم شخص نے چاک اپنی گاڑی کو ریورس گیر میں ڈال کر پیچھے کی طرف دوڑا دیا تھا۔

”الو! کونچھا!“ مجھ بھلا ہٹ کے عالم میں میرے منہ سے نکلا۔ میں نے گاڑی کا ناخن بند کر دیا تھا جسے دوبارہ اشار کیا لیکن ریورس گیر میں ڈالنے کی بجائے موٹر کو اپنے دشمن کی گاڑی کی طرف دوڑا دیا میں نے نل لائٹس آن کر دی تھیں کیونکہ یہی موقع تھا جب میں اپنے دشمن کا چہرہ مبارک دیکھ سکتی تھی۔ وہ جو کہ ریورس گیر میں بھاگ رہا تھا اس لیے اس کی رفتار بہت زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میری گاڑی بہت جلد اس کے رستے قریب پہنچ گئی کہ بیڑ لائٹس کی روشنی میں اس کا چہرہ نظر آ گیا۔

”اوہ!“ میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔ وہ تآثری تھا!

اُسے دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ خود شہر کا بیان تھا کہ تآثری ایک ایسا آدمی ہے جو دشمن کو ہلاک کرنا، حاکمیت بھٹا تھا۔ تو پھر اس نے ایسی حرکت کیوں کی کہ مجھے ہلاک کرنے کے لیے اسے کسی بہت بڑی رقم کی پیشکش کی گئی ہوگی؟ کیا وہ اتنی بڑی رقم ہو سکتی ہے کہ تآثری جیسا پتہ کار بد معاش اپنے اصولوں کو بالائے طاق رکھ سکے؟ لیکن اسے اتنی بڑی پیشکش کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ یہ سارے سوالات بیک لمحہ میرے ذہن میں چکر لگے۔

چانک تآثری نے اپنی گاڑی کی اندازہ ہوا لیکن ہوا کہ وہ اس طرح مجھ سے رکتا کر کرتے دیکھ کر مجھے بھی اپنی یہ بھی خیال تھا کہ تآثری کے پاس ساٹھ گولیاں وہ اس وقت تو میری کار پر گولیاں نہیں اس کے تعاقب میں بھی لیکن اب سا کرا اس کے لیے دشوار نہ ہوتا۔

پستول میرے پاس بھی تھا لیکن، تھی کہ میں فائرنگ کی آواز سے اس چونکا نہیں چاہتی تھی۔ اندیشہ یہی تھا کہ فائرنگ کی آواز شاہراہ پر گشت کرنے والی پہنچ جاتی اور وہ لوگ ادھر آ نکلتے جب کہ کہ پولیس کے جھیلے میں پھنسوں میری اس تآثری کی غایت ابھی تک خطرے میں نہیں تھی۔ تآثری کی گاڑی رکتی تو میں نے اسے مناسب سمجھا۔ میں اس کے دیوالی کی زد تھی اور میری ہی احتیاط میرے کام آگئی۔

دائیں ہاتھ کو گاڑی سے نکلے ہوئے دیکھا بھی تھا۔ میں نے بڑی جلدت میں ریورس گیر کو دروازہ یا کونکہ اپنے ہی خیال کے مطابق یہ کی ریخ میں تھی میں نے گولی سے بچنے کے اور اپنے سر کو بھی تھی الاکان نیچے ٹھکالایا میں سائیلنسر لگا ہونے کی وجہ سے میں یہ کر سکی کہ فائر نہ ہوا تھا یا نہیں؟ اس میں نے کوئی چیز میری کار کی سمیت سے گڑھا تھا۔

مما ملاب آٹن ہو چکا تھا۔ میں اپنی کار دوڑا دی تھی اور تآثری اپنی گاڑی کو اندر میرے سر پر چڑھا لے لیے چلا آ رہا تھا۔ میرے تھی کہ گولی سے بچنے کے لیے مجھے سر جھکا کر کی وجہ سے میں دو تآثری کی کار پر ٹھیک اور نہ مجھے اپنے عقب کا کچھ علم تھا حالانکہ گاڑی دوڑ رہی تھی۔

پھر لوں ہو کر تآثری کی کار زائے کے سامنے بائیں جانب سے نکل گئی۔ اسے دائیں طرف سے مل رہا تھا اور یہی بات میرے تھی میں ٹھیک

دار سے بریک لگا جا جیسے اپنا مارا اشتعال کی ٹھنڈا کر لینا چاہتی ہوں۔

ہلکے سے رکتی اور میں نے اسے واپس ت کہ مجھ میں ڈیڑن لیا۔ اب ایک بار پھر اس کے تعاقب میں تھی۔

رات بازمیں نے لوگوں کا تعاقب کیا۔ میں ہوتی تھی جتنا زنج مجھے تآثری نے نل کے باعث میرے انچر پھر ڈھیلے لگ کو تھی سے ادھر ادھر گھمانے کا باعث کرنے لگا تھا لیکن میں بھی دل ہی دل میں تآثری کو پھوڑوں گی نہیں۔

میں کوئی شہر نہیں رہا تھا کہ تآثری مجھ کو کھلیا جا رہا تھا۔ یہ دیکھا ہٹ جی تو تھی کہ اپنے تعاقب میں آنے کا موقع دیا تھا۔ کے قابل ہوتا تو اس نے ایک گولی میری بازو پر تو داغ ہی دی ہوئی ٹائر پر ہٹ کر ڈھنکامیں اس کا تعاقب جاری لے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے آگے نکل کر کی کوشش ہو کر نہیں کر دیں گی۔ بس یہی مقاب کرتی رہوں۔ آخر وہ کب تک اور وہ دوڑتا تو اس کی شامت اسے اچھی میں طرح ہو جانے کے بعد اب اشتعال

تک نہیں بڑے صبر و استقامت سے اس اس سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ مجھ بھلا ہٹ ہو رہی تھی کہ اس میں کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

اب ایک اتفاق ہی کہوں گی یا خفیہ دیکھ کر اسے مذہب نہیں ہوئی تھی لیکن

نہ جانے کہ کھڑے نکل آئی اور میرے ہاتھ اپنے انھوں سے ٹکنا نظر آنے لگا تآثری کی وجہ سے یقیناً پولیس کی نظر میں

آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ پولیس کا کچھ دیر تک میرے تعاقب میں رہنے کے بعد اپنی رفتار بڑھا کر میری کار کے برابر آگئی اور اس میں بیٹھے ہوئے ایک آفسر نے چیخ کر کہا کہ گاڑی روکیے خاتون!“

تیز رفتاری کے باعث چرچ کر دلنا لازم تھا۔ مجھے بھی جواب دینے کے لیے چنیا ہی پڑا تھا۔ میں نہیں رک سکتی۔ پہلے آپ آگے والی کار کو روکیے اس کا رے مجھ پر گولی چلائی گئی ہے۔

مجھے اپنی بات کے جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ پولیس کا میں بیٹھے ہوئے آدمی شاید پولیس میں کچھ مشورہ کرنے لگے تھے۔ پھر اچانک پولیس کا کہی رفتار میں اضافہ ہوا اور وہ مجھ سے آگے نکل گئی۔ اب وہ لوگ یقیناً آگے کار کو روکنے کی کوشش کرتے۔

جب پولیس کار نے ڈیڑن تآثری مجبور تھا کہ اپنی گاڑی کو سائیلنسر میں کھلے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پولیس کار تآثری کی کار کے برابر دوڑ رہی تھی شاید تآثری سے کچھ کہا بھی گیا ہو لیکن میں کوئی آواز نہیں سن سکی، ہاں میں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ تآثری کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ پولیس کار نے اس کے آگے نکل کر اپنی رفتار کم کرنا شروع کی تھی۔ اب مجھے بھی اپنی رفتار میں کمی کرنا پڑی اور بالآخر تینوں گاڑیاں آگے پیچھے رکت گئیں۔

پولیس کار سے اترنے والوں کے انداز میں بڑی بھڑکی تھی اور انھوں نے تآثری کی کار کو نوٹ میں لے لیا تھا۔ چونکہ میں عورت تھی اس لیے شاید پولیس والوں کو میری بات پر فوراً یقین آ گیا تھا۔ ادھر میں سوچ رہی تھی کہ کہیں خود مجھے کسی کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ مجھ پر گولی چلائی گئی تھی۔ مجھے ضرور دیکھا کہ ایک گولی میری کار کی چھت سے رگڑھاتی ہوئی نکل رہی تھی لیکن اس کا یقین نہیں تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ پولیس کار کو دیکھ کر تآثری نے اپنا سائیلنسر لگا ہوا دیوالو اپنی کار کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا ہو گا جو اندھیرے کی وجہ سے مجھے نظر نہیں آ سکا۔

رہائی دورات پہلے کی فائرنگ جس کا ثبوت میری شاد تھا، تو اس کا حال اب میں دے نہیں سکتی تھی۔ پولیس مجھ سے یہ سوال ضرور کرتی کہ میں نے اس کی رپورٹ کیوں نہیں کی تھی اور یہ سوال میرے لیے الجھنیں پیدا کر سکتا تھا۔

جب میں اپنی کار سے اترتی تو دوسری طرف تآثری بھی

اپنی کار سے اتر چکا تھا اور پولیس والے شاید اس بات کے متفق تھے کہ میں قریب پہنچوں تو وہ کچھ بولیں۔

جب میں قریب پہنچ گئی تو ایک پولیس آفیسر نے تاملاری سے کہا: یہ قانون کتنی ہیں کہ تم نے ان پر فائر کیا تھا؟ پولیس آفیسر کے لہجے کی سختی اس بات کی غماز تھی کہ وہ تاملاری سے اچھی طرح واقف تھا۔

”میں نے کسی پر گولی نہیں چلائی، یہ جھوٹ ہے۔“ تاملاری نے جواب دیا۔

”تلاشی لو اس کی!“ آفیسر نے دوسرا ہون کو حکم دیا۔

”یہ زیادتی ہے۔“ تاملاری نے احتجاج کیا۔

”جبومت!“ آفیسر نے اسے ڈانٹ دیا۔

دو دنوں سپاہی اس کی تلاشی لینے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ راولپور رانڈ نہیں ہو سکے گا ورنہ میرے اس یقین کو ٹھیس نہیں پہنچی۔

”کوئی ہتھیار نہیں ہے سر!“ سپاہیوں میں سے ایک نے بتایا۔

”کار کی تلاشی لو!“

دو دنوں سپاہی کام میں گھس پڑے۔

”میرا خیال ہے کہ اس طرح وقت ضائع ہو رہا ہے۔“ میں نے پولیس آفیسر سے کہا۔ ”اس نے آپ لوگوں کی کار دیکھ کر راولپور راستے ہی میں کہیں پھینک دیا ہو گا۔“

”پھر تو خاموشی رشتاری ہو جائے گی، اسے ڈھونڈنے میں بہت وقت لگے گا میں اسے محض آپ کے بیان کی وجہ سے گرفتار نہیں کر سکتا۔ اگر آپ زخمی ہوتیں تو اور بات تھی آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس نے آپ پر گولی چلائی ہے؟“

”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے تاہم مجھے شبہ ہے کہ اس نے جو گولی چلائی تھی، وہ میری کار کی چھت سے گولہ کاتی ہوئی گولی تھی۔“

”آئیے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر وہ نشان مل جائے تو بات بن جائے گی۔“ پولیس آفیسر نے میری کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں اس کے ساتھ اپنی کار کے قریب پہنچی۔ پولیس آفیسر نے تاج کی روشنی میں کار کی چھت کا جائزہ لیا تو ایک گولہ کا نشان صاف نظر آ گیا۔

”گولہ!“ پولیس آفیسر نے سر ہلایا۔ ”اب میں اسے گرفتار کروں گا۔“

اس کا پھینکا ہوا راولپور سے تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ چونکہ ایک بڑا نام شخص ہے اس لیے اس کی گرفتاری کے لیے یہ معمولی ثبوت بھی کافی ہے، مگر قانون آپ کو نہیں اور تاملاری کو آپ سے کیا دشمنی ہے۔ نیز یہ کہ اتنی رات گئے۔“

”دراصل میں کئی گھنٹے سے اسے میرا کاڈ ہے۔“ میں نے پرس سے ہاتھ مارا۔

”اوہ!“ وہ چونکا۔ ”سببہ بانو!“

”کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟“

”ہمارے محلے میں تو آپ کا نام عام تھا۔“

”تھی کہ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا۔“

”اور یہ غالباً میری خوش قسمتی ہے کہ نام سے تو واقف ہیں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”آپ نے یہ نہیں بتایا کہ تاملاری کتنا چلائی ہے؟“

”یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔“

پولیس آفیسر نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا کہ میرا دل ہل گیا۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ میں بات چھپا رہی ہوں۔ وہ تو میرا ایک پولیس کا عالم آدمی ہوتا تو میرے ہر کام میں غیر قابل بات پر یقین نہیں کرتا کہ تاملاری نے مجھ پر ہتھیار ہوگی اور اس بات پر بھی یقین نہیں کیا تھا کہ اس وجہ سے بے خبر ہوں گی۔

جب ہم بائیں کمرے ہوئے واپس تاملاری پہنچے تو پولیس والوں نے بتایا کہ کار میں سے کوئی نہیں ہوا ہے۔

”بہر حال اسے حراست میں لے لیا جائے۔“

”آخر یہ کیا اندیشہ ہے؟“ تاملاری پچھا۔

”ہاں!“ پولیس آفیسر پرس کر بولا۔ ”فائدہ اٹھا لے تم نے۔ لیکن۔۔۔ بہر حال۔۔۔ ہم تلاش کریں گے جو تم نے ہماری گاڑی کو دیکھ کر مارا۔ ویسے پھر ماہرین یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ اس چلائی ہوئی گولی سے متاثرہ مریجو بانو کی گاڑی کی ہے۔ میں ابھی خود اس نشان کو دیکھ چکا ہوں۔“

دوسرا ہون نے تاملاری کے دونوں بازو اسے پولیس کار کی طرف لے چلے۔

”میری کار۔۔۔“ تاملاری بچھا۔

”دفتر مت کرو، ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔“

آفیسر نے جواب دیا، پھر مجھ سے بولا۔ ”آپ کو بھی لیے ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔“

میں نے الگ رہنا چاہا مگر کئی حالات نے مجھے میرے لیے کوئی مایہ مفر نہیں تھی۔ غرض تو ان کارروائیوں میں میرا ایک گھنٹہ ضائع ہو گیا، ہاتھ گھرنے کے لیے پولیس اسٹیشن سے روانہ ہونے کا بھی کوئی کرنا تاملاری کا پھینکا ہوا راولپور۔

”ام تاملاری کے فرشتوں سے بھی زبان کھلو الیں۔“ اس وقت کہا جب وہ مجھے چھوڑنے کے لیے میری کار سے اتر گیا۔

”تاملاری ہے کون؟“ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

”میرا ہے۔“

”میری کوئی ذاتی دشمنی تو بہر حال نہیں ہے۔ وہ تو گاؤں سے مجھے تن کر دے کے لیے اسے کچھ روپے دیے۔“

”ہون ہو سکتا ہے؟“ آفیسر نے تیزی سے پوچھا۔

”کہہ رہا ہے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ اس شہر میں بہت زیادہ نہیں تو کہہ بھی نہیں ہیں۔“

”اسے اس کا مسئلہ اس میں لیا جیسے مجھ سے حلوات کے مسئلے میں اب وہ بالکل مایوس ہو گیا ہو۔“

”میں سیدھی اسے گھر کی طرف روانہ ہوئی مگر یہ بہت معلوم کرنے کے لیے اتنی رات گئے ہاسٹل میں آ کر بات ہوتی، البتہ گھر پہنچ کر میں نے ہاسٹل فون لگا کر بتا دیا کہ رضوان سو رہا ہے اور آج رات اس حالت بھی نہیں ہوئی تھی۔“

”کہہ کر کے بعد میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو بلا کر اسے اپنا اوپر دی ہاسٹل آ کر رکھوں۔ میں شائع کے رقم کی بارہ کرنا چاہتی تھی کہ کوئی میرے خیال کے مطابق اس کے پاس سے لگا تھا۔ آج تاملاری کے تعاقب میں جو رہا اس کا نتیجہ یہی نکلتا چاہیے تھا۔“

”میں نے اپنے تارے تو دیکھا کہ خون کی مٹھی پٹی پر لگا کر اسے لے کر آیا ہے۔“

”کہہ کر اسے کام لینا چاہیے بانو!“ ملازمہ نے ہلکی سی بات کہی۔

”اب اسے تاملاری سے کام لینا چاہیے بانو!“ ملازمہ نے ہلکی سی بات کہی۔

بہت راوروی میں دے گئی تھی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک طنز ہے جواب تھا۔

ڈرائنگ کے بعد میں نے گرم دودھ کا ایک گلاس پیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

صبح میں دیر سے جاگی اور مجھے کسٹلندی کا احساس ہوا۔

غسل کرنے سے بھی وہ کیفیت ختم نہیں ہو سکی تو میں نے دفتر فون کیا اور سیکریٹری کو بتایا کہ میں نہیں آ سکوئی گی۔

”بہت بہتر!“ سیکریٹری نے جواب دیا۔ ”اور ہاں بانو!۔۔۔“

آج سنیٹا بھی دفتر نہیں آئی ہے۔

”اوہ!“ میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ میرے ذہن میں فوراً یہ خیال آ گیا تھا کہ سنیٹا کا اس طرح غائب ہونا، کل کی باتوں کا رد عمل ہو سکتا ہے۔ اب کیا میں اسے منانے کے لیے اس کے گھر جاؤں؟ کیا وہ واقعی بہت سیدھی سادی لڑکی ہے؟ لیکن پھر اس کی شہزادہ اسرار نقل و حرکت کو کیا سمجھا جائے؟ وہ جو ایک قیمتی کار میں بیٹھ کر دو گھنٹے کے لئے کہیں جاتی ہے تو آ کر کہاں جاتی ہے؟ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، کیا وہ ایک جھوٹ ہے؟ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ بعض اوقات آنکھیں بھی جھوٹ دیکھتی ہیں اور حقیقت وہ نہیں ہوتی جو نظر آتی ہے۔

میں جب کچھ دیر تک خاموش رہی تو دوسری طرف سے سیکریٹری نے بجھ کر پکارا۔ ”ہیلو بانو!“

”آں، ہاں!“ میں اپنے خیالات سے جو تکی ”ٹھیک ہے“

”کیا چیز بانو! کیا ٹھیک ہے؟“

”سنیٹا کا نہ آنا۔“ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے۔“ میں ملدی سے بولی۔ ”شاید اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہوگی، ڈو ایک دن میں آجملے گی۔“

پھر اس سے پہلے کہ سیکریٹری مزید کچھ کہتی، میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب میں مشتاق چنگیزی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ابھی تک میں نے اس کے درشن بھی نہیں کیے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج اس سے ملاقات کر کے لی جائے۔ براہ راست مل لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ میں اس کے لیے اجنبی تو سمجھی نہیں کہ خود کو پوشیدہ رکھ کر اس کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہوتی۔ مجھے اچانک سامنے پا کر محسوس ہے وہ بولکلہاٹ میں کوئی ایسی۔

حرکت کرتا جو میرے لیے مفید ثابت ہو جائی۔

جوانی کھلندی کے باعث میں بہت دیر تک بٹری پر لیٹی رہی، پھر اٹھ کر دوبارہ غسل کیا، کھانا کھایا اور تیار ہو کر گھر سے چل پڑی۔

رام لال کے گھر کا پتا مجھے بیچ بھاگیسے معلوم ہو چکا تھا اور یہ بات بھی میرے علم میں تھی کہ وہی گھر اب مشتاق چنگیزی کی قیامگاہ ہے۔

تین بجے روانے گئے جب میری کار مشتاق چنگیزی کی قیامگاہ کے قریب پہنچی۔ غنیمت یہ ہوا کہ ابھی بنگلے کے بھاگلے سے بیسیس پچیس گز ادھر ہی تھی کہ ایک پولیس کار اس پھاٹک سے نکل کر اس سمت میں مڑ گئی جو میرے گھر پر تھا۔ اگر وہ میری طرف مڑتی تو اس میں بیٹھا ہوا کوئی افسر مجھے دیکھ لیتا۔ میں نے ایک دم بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ دراصل پولیس کو وہاں دیکھ کر مجھے ذہنی طور پر چھٹکا سا لگا تھا۔ آخر پولیس کا یہاں کیا کام، کہیں ایسا تو نہیں کرتا تارے پولیس کے تشدد سے گھر آ کر یہ بیان دے دیا ہو کہ مجھ پر گولی چلوانے والا شخص مشتاق چنگیزی ہے؟ میں ان سوالوں میں ایسی ہی کچھ کر دوں میں منٹ تک گاڑی ہی میں بیٹھی رہی۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اب جب کہ پولیس مشتاق چنگیزی سے مل چکی ہے تو میں اس سے ملوں یا نہ ملوں؟ لیکن آخر کار میں نے ملنے ہی کا فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر پولیس مشتاق چنگیزی تک پہنچ جی ہے تو اس سے میری اور مشتاق کی ملاقات پر کوئی منفی اثر تو بہر حال نہیں پڑ سکتا، البتہ یہ فرض درمیان ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو جائے۔ ملاقات کا فیصلہ کرنے کے بعد میں نے لاکو گیس میں ڈالا ہی تھا کہ مشتاق چنگیزی کے بنگلے سے پھر ایک کار نکلتی دکھائی دی اور وہ اسی طرف مڑی جہاں میرے میں آ رہی تھی۔ میں نے اس کا میں ایک ایسے شخص کو بھیج دیکھا کہ جو کئی گئی وہ ایک ڈپٹی مشنر تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے اس مرتبہ لاکو فرسٹ گیزت خرید کر لے کر لے کے بعد انجن بھی بند کر دیا۔

پولیس؟
چھوڑتی کھنڈ؟
آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

یہ سوالات مجھے بڑی طرح الجھانے لگے اور ابھی ان الجھاؤ میں کسی سمجھاؤ کی سبیل پیدا نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک تیسری کار اس پھاٹک سے نکلتی نظر آئی۔ اس کار کو ایک جوان المٹر شخص ڈرائیو کر رہا تھا اور اس کے

چہرے سے دل سے برپا شہسوار میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ شخص میں سے بہت تیزی سے سوچا اور اس سفید کار کا تعاقب کرنا ہے جسے ڈرائیو دانست میں مشتاق چنگیزی ہی تھا۔ میں نے اس سفید کار کے تعاقب میں چل پڑی۔ تعاقب کا اختتام ایک ایڈریٹ کار سے اترنے والا شخص دفتر میں چلا گیا اور سوالات کے گھنٹوں میں پھنس گیا۔

کوئی نصف گھنٹے بعد وہ شخص دفتر میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ میں بڑی جلدت میں اس کے اور دفتر میں داخل ہو گئی۔ میں اس بات کی جاہلی تھی کہ جس شخص کے تعاقب میں ہوں، وہ میں میں فوری طور پر ایڈریٹ کے کہیں ہو سکی۔ مجھے باہر ہی روک لیا گیا۔ روکنے والا شخص کا ماتحت باسیسٹینٹ ٹائپسٹ کوئی چیز تھا۔ ”کیا آپ صاحب سے ٹائم لے چکی ہیں؟“ ”جی نہیں، دراصل اس وقت میرے ایک مسٹر اشتیاق یہاں ہوں گے“ میں نے کہا۔

”اشتیاق یا اشتاق؟“

”اشتیاق؟“ میں نے زور دے کر کہا۔

”سوری قانون! اس نام کا کوئی آدمی تو ہلنے نہیں آیا۔ ذرا دیر قبل ایک مشتاق چنگیزی صاف لیکن وہ بھی جا چکے ہیں اور۔۔۔“

مجھے مزید کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیے میری جھٹی حس نے مجھے گواہ نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی کار کو بہت تیزی سے دوڑایا کہ مشتاق چنگیزی کی کار تک نہیں پہنچ سکی۔ غالباً وہ کسی بھولنے کسی طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے بایوس ہو کر اس رفتار کم کر دی۔ مجھے خیال آیا کہ مشتاق چنگیزی اپنے گھر ہی گیا ہو اس خیال کے آتے ہی میں نے کار بدلا اور مشتاق چنگیزی کے گھر کی طرف چل پڑی۔

مشتاق چنگیزی کی گاڑی خالی نہیں تھا، ملازمین ان میں سے ایک نے مجھے جواب دیا۔ ”صاحب تو کوئی پہلے گھر سے جا چکے ہیں اور بتا کر نہیں گئے کہ کب آئیں گے۔“

پتا نہیں چھوڑی کسی وقت مل لو گی۔ میں یہ کہتے بیٹھے مڑی۔

”نام تو بتائی جائیں!“ ملازم نے جلدی سے کہا۔ صاحب مجھے سے واقف نہیں ہیں۔ اپنے صاحب یا راناکر میں ایک اخبار کے دفتر سے آئی تھی۔ یہ بات میں نے کسی خاص سوچ کے بغیر بولی ہی لیکن جب وہاں سے روانہ ہوئی تو میں نے اس پر کیا۔ کیوں نہ میں اخباری نمائندے ہی کی حیثیت سے اس سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ اس پر میرے کیا کارباز ہو سکتا ہے۔

میں نے گھر کی طرف روانہ ہوئی مشتاق چنگیزی کی رہائش گاہ پر پہنچ کر کئی گھنٹوں کی تلاش کے بعد ایک ایڈریٹ سے ملاقات نے میرے ذہن کو

مجھے خیال آیا کہ خورشید سے ملتی جلیوں میں نے گھر کی طرف کر دیا۔ گھر پر اس کی مال سے خورشید کہیں بھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنا کارڈ اسے دیا اور کہہ دیا کہ خورشید جب گھر آئے تو

میں سے مل کر میں اپنے گھر پہنچی تو میرے ذہن پر ایک عجیبے اطلاع دی گئی کہ میری عدم موجودگی میں

افسریہ دے گیا ہے۔ میری ملازم نے مجھے ایک آویسے ہوئے کہا۔ ”اور کہہ گیا ہے کہ آپ جب“

”میلینون کر لیں۔“

”میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور اپنی خال گاہ پر کمر خال کو فون کرنے لگی جو اپنا کارڈ چھوڑ

ن طرف گھنٹی بجی، ریسپونڈر مٹا گیا، اور پھر سنائی دی۔ ”میلو!“

”جی!“

”تو پھر میں آپ کو اختلاف کی زحمت دوں گا۔ میں ابھی پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“

میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آخر معاملہ کیا ہے لیکن میرے سوال کرنے سے پہلے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب میں اس کے ہوا کر سکتی تھی کہ ٹھنڈا سانس لے کر ریسپونڈر کو دل اور اس کے خال کا انتظار کروں۔

انسپیکٹر خاندانے اپنے الفاظ کا پورا پورا پال کیا، یعنی ٹھیک پندرہ منٹ میں میرے گھر پہنچ گیا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں اس سے ملاقات کی۔ وہ ایک رسمی جملوں کے بعد اس نے بتایا کہ ذاتی داری والے معاملے کی تفتیش کر رہا ہے۔

”میں اس کا سلیٹس رکھا ہوا ہوں اور نہ صرف مل چکا ہے بلکہ رپورٹ کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشانات بھی مل گئے ہیں۔“

خاندانے مجھے بتایا اسی نکتے کو اجازت بنا کر ہم نے تاڈی پھر ڈوڑی کا استعمال کیا تو اس نے بتایا کہ مشتاق چنگیزی نام کے ایک شخص نے آپ پر حملہ کر دیا تھا۔ میں فوراً مشتاق چنگیزی کے پاس گیا۔ میرا ارادہ یہ تھا اسے دھونس میں لاکر اس کی زبان سے کوئی ایسی بات کھلاؤں کہ اسے حراست میں لینے کا جواز پیدا ہو جائے لیکن مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ کچھ باروخ ترسم کا آدمی ہے۔ میں جب اس کے گھر پہنچا تو وہاں ایک سرکاری افسر بھی موجود تھے اور ان کی آپس کی باتیں ان کے درمیان ملامت کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

میں سمجھتی کہ سرکاری افسر سے خال کو مڑاؤ دینی کوشش ہی ہو سکتی ہے۔

خالہ کمارا! اس سرکاری افسر کی موجودگی کے باعث ہمیں مشتاق چنگیزی سے کوئی بھی بات نہیں کر سکا اور سب سے اذیت پسند تفتیشی حوالات کیے۔ میں نے جب اسے تاڈی کے بیان کا حوالہ دیا تو وہ رافردہ فرشتہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ تاڈی نے اس پر نہایت فوٹو لایا ہے۔ جب میں نے اس سے یہ کہا کہ تاڈی کو اس سے کیا دشمنی ہے جو وہ اسے چھسوا نا چاہے گا تو اس نے جواب دیا کہ تاڈی بیٹہ ڈرائیو کا سلیٹس ہے اور اس نے ایک مرتبہ کسی لڑکی کی پیشکش کی تھی جس پر مشتاق چنگیزی نے اسے بہت بڑی طرٹ ٹاڑ دیا تھا۔ مشتاق چنگیزی کا کہنا ہے کہ تاڈی کسی ایسی ادا کو بچانے کے لیے اس کا نام لے کر اس سے اپنی توہین کا انتقام لینا چاہا ہے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ وہ میرے بانو نا کی کسی خاتون کو جہتا بھی نہیں ہے۔

”ہوں!“ میں چپ بیٹھی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ خالہ دی لولہ

پہلے پولس ہی سے ملاقات کر چھیں نا؟
 ”میں کرنا کرتی ہوں ان بھتیگوں نے وہاں ایک ماہ لباس
 والے کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی جسے میں پہچانتی تھی نہیں تھی؟“
 ”اختیار ہو یہ بتاؤ کہ وہاں کیا گزری؟“
 ”اُن لوگوں کا پچاسا سوال یہ تھا کہ کیا تاناری نے مجھے بھیجے ہونا
 کی ایک خانوں کی فرم میں ملازمت کے لیے بھیجا تھا؟“
 ”بھرتھ نے کیا جواب دیا؟“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”تھاپہر کے کہ انبات ہی میں جواب دیا اسکا تھا۔ میری
 غلط بیانی آپ کے لیے کسی پریشانی کا بھی سبب بن سکتی تھی؟“
 میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور دونوں ہاتھوں سے سر
 تھا کر رو گئی۔ میرے چہرے کی پریشانی کو تانکر خورد خور شدہ بولی بولیا
 مجھ سے غلطی ہو گئی ہے ناؤ؟“
 ”ہاں؟“ میں نے ایک لمبے سانس لیا۔ تھکا ہوا اور تڑپتی
 اب میرے لیے پریشانی کا سبب بنے گا؟“
 ”اوہ؟“ خورد خور شدہ نے نفوذ سے کہا۔ ”اگر آپ مجھے ٹھیک
 پر بتا دیتیں تو میں احتیاط...“
 ”ہاں؟“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”مجھ سے
 غلط ہو گئی۔ ورنہ میں نے سوچا یہ تھا کہ جب تم کہاؤ گی تو تفصیل سے
 سب کچھ سمجھا دوں گی؟“
 ”اس بات کی طرف کم از کم کوئی اشارہ ہی کر دیتیں؟“
 ”بقول شخصے... اس تہ میرے ستارے ہی کچھ روشن؟“
 میرا جواب ملنے کو نے پہلے ہی خورد خور شدہ کو کھلکھلا کر منس پڑی۔
 میں چونکی اور اسے گھورنے لگی۔
 ”میں بہت کوشش کر رہی تھی کہ زیادہ دیر تک ہنسی ضبط
 کروں؟“ خورد خور شدہ بدستور کھلکھلاتی ہوئی بولی۔ ”مجھے آپ کی پریشانی
 دیکھ کر بڑا اظطرب آ رہا تھا؟“
 ”اس میں لطف نہ تھی کی کیا بات ہے؟“ میں نے اپنے لہجہ
 ”آپ نے میرے بارے میں بڑے غلط اندازے لگائے
 ہیں ناؤ؟“
 ”کیا مطلب؟“
 ”آپ مجھے غری اور کوڑ بھتیگی ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے؟“
 ”خدا جانے تم کیسا کہنا چاہتی ہو؟“
 ”عزیز ہونا صاحبہ؟“ خورد خور شدہ بڑی ادا سے بولی۔ ”اس
 بات سے کہ میں نے پولس کو اس بات سے خبر نہ رکھا ہے۔“

آپ نے تیلینڈو پر مجھ سے کیا کیا؟
 پہلے آپ سے ملاقات کروں لہذا
 اس قسم کے سوالات کے لئے تو میں
 سے چھپانا چاہتی ہوں۔ یہ اندازہ کر
 سکتی کا ہر چیز نہیں ہو سکتا تھا۔ میں
 کہہ دیا کہ تاناری مجھے نہ جانے کس جگہ
 تو صبح ہونا نا کی کسی عورت سے وہ
 ”اوہ؟“ میں نے بے اختیار
 اور اس کے ہونٹ کاٹ ڈالے۔
 ”اسے ارے؟“ خورد خور شدہ نے
 میرے ہونٹوں کو میں اور اس کا ہونٹ کرنا ہوا
 ”تمہاری اس شرارت پر تو ہی ہوا
 بڑی طرح کو توڑ دوں گا کہ وہاں میں
 ”بلوڑم میں لے جا کر؟“ خورد خور
 آنکھ دیا کر بولی۔
 ”ہاں؟“ میں نے سر ہلایا۔ اور پھر
 وقت اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ مجھے کم
 ہیں۔“
 ”ذہن تو میرا بھی اٹھ چکا ہے۔ میں
 آخر تاناری کو پولس نے کیوں چھاپ لیا ہے؟
 میں آپ کو اس طرح گھٹینا چاہتا ہے؟“
 ”تاناری کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا
 برسا کر گزار ہونے کی کوشش کر رہا تھا؟“
 ”اوہ؟“ خورد خور شدہ کے منہ سے نکلا۔
 ”اور شاید تم پر جان کر بھی چونک کر اس سے
 تاناری نے مجھ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا لیکن میں
 ”ارے اس طرح کیسے؟“ خورد خور شدہ
 میں نے اسے تفصیل سے تاناری کے حملے
 بتایا اور اپنے شانے کی ڈرائیو بھی دکھائی۔
 کے بعد خورد خور شدہ کے چہرے سے غور و فکر کا اظہار
 میں اس کے بعد خاموش ہو گئی۔ میں دیکھنا چاہتی
 کیا تبصرہ کرتی ہے؟
 آخر کچھ دیر بعد خورد خور شدہ نے کہا۔ ”میرا ذاتی خیال
 آپ پر وہ عملہ تاناری کا ذاتی فعل بھی ہو سکتا ہے۔ اگر
 بیان کی درستی پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے
 لہذا آپ کو ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی؟“

رات کا کھانا کھا کر جب میں روٹنگ کے لیے تیار ہونے کا ارادہ
 کر رہی تھی تو رضوان کے ہاسٹل سے فون آیا۔ ”مجھے اطلاع دی گئی
 کہ آج پھر رضوان کے سینے میں خمدیدہ داخلہ ہے اور یہ سابقہ
 سے زیادہ شدید ہے۔“
 میں اُن دنوں رضوان کی حرکتوں کے باعث اس سے چڑی
 ہوئی تو جتنی ممکن تھم میں کوئی طبی فاصلہ پیدا نہیں ہوا تھا میں اسے
 پسند نہ کرتی تھی اور یہ بھی میرے سامنے تھا کہ میری چھوٹی بہن رضیہ اسے
 چاہتی تھی۔
 رضوان پر خمدیدہ روکے حملے کی اطلاع سن کر میں اٹھ کھلا گئی
 اور باہر کمرٹ دوڑ پڑی۔ گریج سے کار نکال کر میں تیزی سے
 ہاسٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔
 ساڑھے دس بجے تھے جب میں ہاسٹل پہنچی۔ وہاں پہنچ کر
 پتا چلا کہ در در کا حملہ وقتی تھا اور اب اس کی حالت اطمینان بخش
 ہے۔ میرے پاس پانچ منٹ بعد اس کے کمرے میں اس سے ملاقات
 کر سکتی ہوں۔
 ان معلومات میں چھ سات منٹ گزر گئے اور اب وقت نہیں
 رہا تھا کہ میں رضوان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد گھنٹا کی بجائی
 کے لیے روانہ ہو سکتی۔ اب یہ کام اگلی رات تک کے لیے لیا گیا تھا۔
 میں مثل مثل کر وہ پانچ منٹ گزارنے لگی جس کے بعد میں رضوان
 سے مل سکتی۔ انہی پانچ منٹوں میں ”میں نے بھی سوچا کہ رضوان کا
 مرض جب یہاں کے ڈاکٹروں کی نگہ میں نہیں آ رہا ہے تو پھر بہتر ہو
 گا کہ میں رضوان کو علاج کے لیے امریکہ بھیج دوں اور رضیہ کو بھی اس
 صورت حال سے آگاہ کر دوں تاکہ وہ امریکہ بھیج کر رضوان کی خبر گیری
 کر سکے۔“
 پانچ منٹ بعد جب میں رضوان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ
 سینے تک چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا اور مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں
 پر شکایت رنگ آئی۔
 ”بیٹو؟“ جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بھی کسی بیماری یا تکلیف
 کا برتو نہیں تھا۔
 ”عجب درد ہے تمہارا؟“ میں اس کے قریب بیٹھ کر ٹھنڈا
 سانس لیتی ہوئی بولی۔ ”تمہارے چہرے سے معلوم ہی نہیں ہو رہا
 ہے کہ تم پر کوئی شدید ٹھیک ہو چکا ہے؟“
 ”درد دل شہرا؟“ رضوان نے ہنس کر کہا۔ ”اسے تو میری
 سے کہ آج تک کوئی بھی ٹھیک سے نہیں سمجھ سکا۔“
 ”یہ تمہاری چہت ہے کہ تم اس سلسلے میں زیادہ توجہ
 851

”یہی ڈاکٹر شکیل ہیں“ رضوان
ڈاکٹر شکیل اسم بامعنی تھا۔
لیکن میری نگاہ ڈاکٹر شکیل کی
اوریہ عین فطری امر تھا۔
وہ ترس سنگیہ تھی!

اُس وقت غنیمت کو ہاں دیکھ کر
 کہ جس ملک کا جس نیری یادوں
 شاید پیش آنے دیکھ کر بہت
 یقیناً اس کے بارے میں یقین
 میرے پرانے رنگ سا گزر رہا تھا
 اس کی تھی۔ اُس نے سر جو کھایا تھا
 ہر کانٹے سے رہی ہے توین کوں
 میں خفیہ کی لڑش بھی پیدا ہوئی تھی
 ڈاکٹر غنیمت نے شاید میری اس رشتہ
 اپنے سر یعنی رضوان کی طرف تشر
 رضوان کو آپ کی دانست میں آپ
 نہیں؟

میرزا خیال ہے کہ آپ لوگ میرے پاس
 رہیں، صفوان نے محمد اسلمی سے کہا
 ڈاکٹر شکیل نے اس عجبے پر قلعی بڑھایا
 چٹیک کہ ہے میں مضر صواب؛ اس
 کے لئے بھاری جواز کا ہے
 عزیز ملک میں تو جڑ بوتاری بنی
 صفوان نے شروع بھی میں کہا۔ مگر
 مسکاتوں
 وہ کیا ہے ڈاکٹر شکیل بدستور غلو کر رہا
 میرزا خیال کے اساتذہ آپ کو ایک کلمہ
 اس کی تشریح بھی آپ ہی کریں گے یہ
 بالکل سائنسی بات ہے۔ صفوان
 تہ ہوتو رخصت کو پچاس فیصد اضافہ کر دو
 میرزا خیال ہے کہ میں زیادہ بدستور

ہر تو قرآن ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ مرنے والے نے
 اپنی اور بیوی کا منظر ہو کر دیکھ لئے۔ لیکن
 کہ اس اسپتال کی سب سے خوبصورت نرس
 آتے ہیں اور اپنے ساتھ ہی واپس بھی جاتے

میری بے مسرتخوان، انگلیتا پر کچھ گھر پلوتے دریاں
 داشت یہ باسٹل کو زناہ وقت میں سے نکلتی اور...
 مل کے پھر ادبی کا تھا محسوس میں دھیان میں سے
 یہ نقل و حرکت کا سبب اب نکل کر میرے سامنے
 وہ نغمہ بھی آیا کہ میں نے نیکیت کے کردار پر مشہور کیا
 بن کر مزین ہے کو اپنا ہے ہر تھی۔ جہنم کے بعض
 اے اس پیشے کو بھی داغدار دیا ہے مگر اے
 ہے اس پیشے پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی۔
 میں سے کہہ سکتی تھی کہ نیکیت کا شمار ان ہی لوگوں
 میں تھا۔ ہر گئی یہ بات کہ ڈاکٹر شکیل سے اُس کا
 میں بنا پر ہے تو یہ کوئی ایسا پیچیدہ سوال نہیں غلط
 اپنی کردہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوئے۔

لے اپنے خیالات کے اس عنصر سے دانشور کیل کی
 یعنی "جیسا آپ مناسب سمجھیں مگر عنوان! میں
 کوئی اعتراض نہ ہو گا کہ آپ اس پر سے صحتی لینا چاہتے
 ہیں۔ پوری طرح ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
 ... عنوان نے عجیب سا متاثر کیا کہ "مجھے تو یہی
 ہے لیکن آپ لوگوں کو اس سے انکار ہے اسناد
 کے ایک ہی عنصر سمجھتے۔"

میں ہنسنے لگا اور اس وقت اُس نے پہلی مرتبہ مجھے
 دیکھا۔ اُس کے بعد وہ اپنے عزیز بھائی کے ساتھ اُس
 سے بچا۔ یہ شاید آپ کی وہی عزیزہ ہیں جنہیں
 ان کے تھے!۔

...۔

ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈاکٹر میکس نے تیر
 ٹیکہ ہے، اب میں سمجھ گیا ہوں۔
 ہوئے؟ رضوان نے ٹیکے چھپکے۔

اس لیے عیار بنے تھے کہ آپ کو دیکھیں اُن۔

تو ایک روز وہ عہری۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر

عجیل کی بات کا ہمارا رے کہ رضوان اب مجھے جینے کی کوشش کرے گا گا خدا میں جلدی سے بول پڑے۔ ڈاکٹر وصال میں رضوان کی سرسبز ان لاہوتے والی ہوں۔
 ”اوہ! اب میں سمجھا۔ یہ سارا جھگڑا ہوتے والی نہیں ہے۔
 اب آپ جلدی سے ان کی سرسبز ان لابان جائیے تاکہ کبھی کسی کو بلانے کے لیے آپ کے واسطے کی ضرورت نہ پڑے۔“ ڈاکٹر
 تشکیم نے منہ سے جوئے کہا۔

”میں تو اڑی سے چوٹی اور چوٹی سے اڑی تک کا زور لگا چکا
ہوں یہ رضوان نے بڑے مایوسانہ انداز میں کہا۔ لیکن اصرار بڑا
سنا آئے۔“

”سناٹا کیا مطلب؟ ڈاکٹر تشکیل کو شاید این باتوں میں کُلف
آ رہا تھا۔

”دراصل...؟“ رضوان نے کہا۔ ”شادی اور حقیقت کے مسئلے میں ان کی جھوٹی بہن صاحبہ کا فلسفہ بڑا عجیب و غریب ہے اور اس فلسفے میں مجھے دیرانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اسی لیے میں نے لفظ تنہا استعمال کیا تھا۔“

”خیر“ ڈاکٹر شکیل نے اس طرح کہا جیسے اب رخصت ہو جانا چاہتا ہو یہ آپ لوگوں کے نجی معاملات ہیں اور غالباً مجھے یہ حق نہیں پہنچا کہ ان معاملات کو زیادہ کھڑکوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ خدا اور میرے بعض میسرے منتظر ہوں گے۔ آپ حب چاہیں باپسل سے بچھڑنے سے سکے ہیں۔ اب اس اس وقت بھی ممکن ہے ؟“

ڈی۔ ڈاکٹر“

”جی فرمائیے، وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔“
 ”اگر آپ کوئی حرج نہ سمجھیں تو اپنی نرس کو پانچ منٹ کے لیے یہیں چھوڑ جائیے۔ مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں ان سے۔“
 ”ان سے آپ کو کیا باتیں کرنا ہیں؟“ ڈاکٹر ٹیکل کہہ کر حیرت ہوئی تھی اور سمجھتا کہ چہرے پر پھر ایک رنگ آکر گزر گیا تھا۔
 ”جو باتیں مجھے ان سے کرنا ہیں، وہ میں آپ کو نہیں یہ سکوں گی۔ میں اپنی صحت کوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“
 ڈاکٹر ٹیکل نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے جھٹکے اور بولا۔
 ”عجیب بات ہے، خیرا میں انھیں چھوڑے جا رہا ہوں مگر تم پانچ منٹ بعد کہہ کر خبرسراٹ والے مریض کے پاس آجائے۔ میز وہیں جا رہا ہوں۔“

بہت بہتر! سلیکٹ کے لئے اس سے کہا۔
 "اچھا شرمناں! میں آپ کی شادی کے سلسلے میں دعاگو رہوں گا۔"
 "آپ کے ہونہ دلے بچے جنمیں! رضوان نے جیسے خوش ہو کر کہا۔
 "ڈاکٹر شکیل ہنسا ہوا کرے سے چلا گیا۔
 شکیلا تھک کر کھانے کھڑی تھی۔ صاف غائب ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے نظر لاتے ہوئے گیارہویں ہے۔ وہ بلاشبہ نرس تھی اور اسے اس طرح روک لینے پر رضوان معنی خیز انداز میں ہنسی پر طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منوں میں ایک خیر خیر سوسائٹ بھی کھیل رہی تھی۔
 "سلیکٹ! میں نے تو یہی آواز میں پکارا۔
 شکیلا کی نظر ایک پل کے لیے میری طرف اٹھی اور پھر جھٹک گئی۔ میں نے اس کے منوں کی جنبش سے اندازہ لگایا کہ اس نے "جی" کہا تھا اور نہ آواز کو اتنی ماتم تھی کہ اس نے بس خود ہی سنی ہوگی۔
 "تم دفتر کیوں نہیں آؤ گی؟ میں نے سوال کیا۔
 "میں... وہ... وہ... وہاں...
 "میں ٹھیک ٹھیک جواب سننا پسند کروں گی۔" میرے الفاظ سخت گرم ہوئے۔
 شکیلا چند لمحے خاموش رہی اور پھر سخت کر کے بولی۔ "آپ اس بارے میں جانتی ہیں تو پوچھنے سے کیا حاصل؟"
 "میں تو نہیں جانتی۔"
 "میرا خیال ہے کہ آپ کو جان لینا چاہیے تھا۔"
 "کیوں؟ کیسے جان لینا چاہیے تھا؟ کیا تمہارے خیال میں مجھے اہام پڑا ہے؟"
 "بات بالکل سانسے کی ہے۔ سلیکٹ بڑی بہت سے جواب دیے جا رہی تھی میں اس کا رد میں تھکا ہوا تھا۔
 "ہوسکتا ہے کہ وہ بالکل سانسے کی بات ہو مگر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ سانسے کی چیز نظر نہیں آتی۔"
 شکیلا نے رضوان کی طرف دیکھا، پھر زور جھکا کر بولی۔ "اب میں کیا عرض کروں؟"
 "میرا خیال ہے۔" رضوان بستر سے اٹھا ہوا بلا۔ "آپ دونوں کچھ عرض عرض کر لیں، میں اتنی دیر میں اسپتال کا حساب بیباق کر کے یہاں سے واپس کی تیار کر دوں۔"
 "جی، دل ہی دل میں رضوان کی شکر گزار ہوئی کہ اس نے ہمیں کھل کر گفتگو کرنے کا موقع دے دیا ورنہ عموماً ایسے مواقع پر اس

کی کوئی دیر ہو جاتی کی اور وہ جا بجا تھا۔
 اس کے جاتے ہی میں نے سلیکٹا دفتر نہیں آئے۔ نہ بھی نہیں آؤ گی۔"
 "میرا خیال ہے کہ میں آپ کے میاں کی سلیکٹا نے مجھ سے غلط فہمی پھیل گیا۔"
 "کیا تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ میں غلط تھی؟"
 شکیلا جواب دینے کی جرات نہیں کر سکی۔
 "جی۔ اس کی خاموشی میرے سوال کا ثبوت ثابت ہو رہی تھی۔
 "میں اس کی خاموشی سے اس کا ثبوت ثابت ہو رہی تھی۔
 "اب وہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے اس لیے میں نے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اس سے تم کو وہ... لیکن... سلیکٹا نے ہلکا ہلکا۔
 "میں کوئی دشمنی کے ٹھونڈ نہیں ہوں۔"
 "کی بات کاٹتے ہوئے قدر سے سخت لے میں کہا۔
 "آؤ گی۔ اگر نہیں آئیں تو میں تمہیں لینے کے لیے جاؤں گی۔ اب تم جاؤ۔ ڈاکٹر شکیل کو تمہارا انتظار تھا۔
 میں سلیکٹا سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی اور یہ محال کہ باتوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔
 "سلیکٹا نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا۔ اس کی ایسی چمک تھی جو اس کو ابل پڑنے سے پہلے پہلے ہوتی ہے۔
 "سے سڑی اور دوا کے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں اس سے وعدہ لینا چاہتی تھی کہ وہ کل دفتر ضرور آئے گی۔
 جذباتی تئیر کو سمجھتے ہوئے میں نے اسے دیکھنا مناسب سمجھا۔
 وہ چلی گئی اور میں ایک ٹھنڈا سا سانس کے رضوان بیٹھ گئی۔ میرے دماغ میں پھرتے ہوئے خیالوں کا بحر تھی۔ "اتنی" "ہمچیدہ" لوگوں کی میری زندگی میں بہت کم میرے خیالات کا تسلسل رضوان کی چمک سے تھی۔
 "آپ اتنی جلدی تمہارا نہیں؟"
 "تو چھوڑ کیا ہونا چاہیے تھا؟" میں نے گھورتی ہوئی اس کو دیکھا۔
 "میں اس سلسلے میں ناچیز ہوں۔ اس لیے کہ عرض بھی نہیں کر سکتا۔"
 "تم ہاسٹل میں آخر کیا ڈرامہ کھیل رہے تھے؟"
 "میں اس کا جواب دینے لگا۔
 "اب یہ معلوم کرنا پسند نہیں کرتیں کہ ڈاکٹر شکیل کی ریت کیا ہے؟"
 "ابا دیتے کہ تم نے یہ ڈھونڈ کیوں کر پایا ہے؟"
 "خود کے نوٹس میں جب تھیں۔ آپ نے صاف صاف فرما کر آپ کو جو کچھ معلوم کرنا ہے، خود ہی معلوم کر لیں۔"
 اس جواب نے مجھے لاجواب کر دیا لیکن میں نے وہاں سے کی بجائے ڈاکٹر شکیل کا انتظار کیا اور پھر وہاں سے نکلا کہ اس نے اس درمے سے مجھے کتنی سہ جاتا ہے۔ آخر آپ میری ہونے والی سالی ہیں۔
 "اب میں کوئی کڑا سنے کی سالی آؤں۔"
 "جائے تو میں اس سلسلے میں تمہاری گوتھی کی گے انھوں سے تو میں ہر قسم کی مانی، کراؤں، ٹھیک کر دے۔"
 "ان ہی پچھنے ہی والی ہے۔"
 "تو سب سے کہ اس سے خط و کتابت بھی نہیں ہو سکتی۔"
 "ابا ذیل کا وہ علاقہ ہی ایسا ہے جہاں ڈاک کا کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی۔ "کیا تم نے نہیں لے لی؟"
 "ابا۔"
 "میں ذرا اپنا مختصر سامان سمیٹ لوں۔"
 "ابا بعد میں رضوان کو لے کر ہاسٹل سے روانہ ہو گئی۔
 "ابا شرمسٹا ہر جاؤ! میں نے دستانے میں رضوان سے بات سے شروع کر دی۔
 "میں نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ جلدی سے بولا۔ "ادہ! کوئی اور چیز شروع کرنا چاہتی ہیں۔ کیا لاگوں کوں؟"
 "ابا لیکن یہ وقت مالکوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔"
 "ابا نزل کا یہ رات وہاں۔"
 "ابا رضوان! رضوان اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

"میں تمہیں اٹھا کر گاڑی سے باہر نکال دوں گی۔"
 "کاش آپ مجھے اٹھا کر اپنے کیمپ سے لگا سکیں! رضوان نے ایک دلہنہ جھکر کہا۔ "اللہ میاں سے مجھے یہ شکریت ملے ہے گی کہ انھوں نے مجھے روتی نہیں بنایا۔"
 میں نے مناسب ہی سمجھا کہ خاموش ہو جاؤں۔ اس وقت رضوان پر مجھے تنگ کرنے کا دودھ پڑا اور اٹھا اور اسے قوتوں پر اسے قابو میں کرنے کی کوشش ہے سو دہی ہوتی تھی اللہ کوشش نہ کرنے کی صورت میں وہ بھی کبھی از خود رواہ راست پر آ جاتا تھا۔
 جب گاڑی کا ٹرنک بکس روڈ کی طرف ہوا تو رضوان جلدی سے بولا۔ "ادہ! کیا آپ مجھے میرے گھر پر چھوڑیں گی؟"
 "جہاں تم چاہو۔ وہاں چھوڑ دوں۔" میں نے نیچوڑی لے کر کہا۔
 "میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر سے جائیں سکیں ایسے جگہ کہاں ہیں میرے؟ جہاں ٹھیک ہے۔ آپ مجھے میرے گھر کی دریاؤں میں ہی میں نہنا چھوڑ دوں۔ وہاں میں خود کوئی اندر سے شروع کی طرح محسوس کرتا ہوں۔ کاش آپ کو کچھ پتہ نہ ہو سکتا۔
 میں پھر خاموش ہو گئی کہ اسی میں بہتری تھی۔
 چند لمحے بعد رضوان شرمسٹا کے والے انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دوں ورنہ آپ کا بارہ انا بھی پڑھ سکتا ہے کہ ریزن لٹ بھی نہیں کر داسے!"
 میں اب بھی کچھ نہیں بولی۔
 "ڈاکٹر شکیل اور سلیکٹا ایک دوسرے سے سخت کرتے ہیں۔" رضوان نے جیسے رورٹ دینا شروع کی۔ شکیلا بہت دیر میں ڈاکٹر سے۔ اس ہاسٹل کی انتظامیہ نے بہت کوشش کر کے اس کی خدمت حاصل کی ہیں اور وہ بڑی مشکل سے دو گھنٹے کا وقت دے سکا ہے۔
 اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنی پسند کی نرس رکھے گا اور اسی شرط کی منظوری کا نتیجہ، سلیکٹا سے سلیکٹا رات کو ایک خاص وقت پر سلیکٹل بائی اسکول کے مونسٹک تانکے سے پہنچتی ہے اور وہاں ڈاکٹر شکیل اپنی گاڑی اس کا منتظر ہوتا ہے۔ واپسی میں وہ سلیکٹا کو اپنی کار سے اس کے گھر کے قریب ہی اتر آئے۔ اس وقت وہاں اپنی دریاوی موتی ہے کہ کوئی سلیکٹا کو کار سے اترتے ہوئے دیکھنے۔ "ابا! میں ہاسٹل میں ہی لیے داخل ہوا تھا کہ ابان بکراؤں دونوں کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ۔
 "ابا! کیا تو نے؟" بولا۔ "اب یہی باتیں سن رہی ہیں یا کسی اور ہی خیال میں کہیں؟"
 "میں پوری طرح تمہاری طرف متوجہ ہوں۔"
 "لیکن آپ نے ایک بار بھی ہنسا نہیں بھرا۔"

"ضروری نہیں ہے، تم روتے رہو۔"
چنانچہ رضوان نے ایک لباس سنا لیا اور لوٹا رہا۔ میں
یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت شدت
سے جانتے ہیں۔ اگر ان کی اور بیٹا جنوں کی جنت میں کوئی فرق ہے
تو وہ صرف چند کا فرق ہے۔ نئے اور پرانے مہم کے تھا جنوں کا فرق؟
جنوں میاں کے زمانے میں غم و درداں نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی
نئی لذت و صرف نغم جانان کے ہو کر رہ گئے تھے لیکن آج کے
زمانے میں انسان غم و درداں سے دہن نہیں بچا سکتا، سو وہ
دونوں بھی ان دونوں کمزور کو گھٹے سے لگائے ہوئے ہیں۔ میں
نے دو ایک مرتبہ چھپ کر ان کی باتیں سننے کی بھی کوشش کی لیکن
پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ بس اتنا اندازہ کر سکا ہوں
کہ سارا پچھڑا وہی ہے جو ہماری یہاں کی فلموں میں عموماً دکھایا
جاتا ہے۔
"یعنی؟"

"امیر اور غریب کا فرق، اطمینان و اعتقاد، سنگیت کا معمولی
گھرانے کی روٹی ہے اور سنگیل ایک معزز و مہذب اور میرے خیال میں
تو بس یہی ایک روکاؤ ہو سکتی ہے ورنہ مذہب کا اختلاف تو
جنت کے معاملے میں عموماً اتنا فانی چیزیت رکھتا ہے۔
"عموماً تو فانی چیزیت رکھتا ہے لیکن خصوصاً ایسا نہیں
بھی ہوتا۔"
"یعنی آپ کے خیال میں مذہب ہی وہ روکاؤ ہے؟"
"یہ کوئی دعوئی نہیں ہے۔ میں ایک امکانی بات کہہ رہی
ہوں۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ روکاؤ ان دونوں چیزوں
کی بجائے کوئی تیسری ہی چیز ہو۔"
"وہ کیا ہو سکتی ہے؟"

"کوئی ایسی بات جتنی انہماں ہمارے سامنے نہیں ہے؟
رضوان کچھ سوچنے لگا۔ غالباً وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا
کہ وہ تیسری بات کیا ہو سکتی ہے؟
میں پھر بولی۔ "روہل ابھی تم سنگیت کے مافی سوائے
نہیں ہو۔"
"میں نے آپ کو حال بتا دیا ہے۔ آپ مجھے ہانسی نہ دیجیے؟"
جواب میں میں نے اسے سنگیت کے مافی سے باخبر کیا اور وہ
سب کچھ بھی بتا دیا جو اس دوران میں مجھ پر گزر چکا تھا۔ یہ ساری
باتیں میں نے اس کے بتائیں کہیں اس معاملے میں رضوان سے
خاصا ملنا چاہتی تھی مگر میں اسے اندھیرے میں رکھتی تو ممکن تھا
کہ وہ اڑن گئیائیں بھر نہ لگتا۔

وہی بالوں میں رضوان کا گھرا گیا تھا۔
کے سامنے روک دی تھی لیکن رضوان فوری طور پر
اور بولا۔ "یہ تو مجھے کبھی معاملات معلوم ہوتے ہیں۔
"لیکن میں ان کا پورہ ضرور چاک کر کے رہا ہوں۔"
"آپ کی اس بات پر میرے ذہن میں خوار
لیکن میں اسے پھر کسی دقت کے لیے افسوس کرتا ہوں۔
یہ بتائے کہ آئندہ کیا کیا ہو گا رہے؟"
"مجھے تمہارا خاصا متاقدان و درکار ہے۔"
"کس طرح؟"
"یہ میں تمہیں کل بتا دوں گی۔ فی الحال میرا
خاص لاٹھو مل نہیں ہے۔"
"کل آپ سے ملاقات کب ہوگی؟"
"میں تمہیں فون کروں گی اور اگر تم اپنے گھر
مجھے دفتر میں بلایوں تو کرنا۔"
"آج رات ذہن خاصا اٹھ رہا ہے گا۔"
"سوچنا.... اور اگر کوئی گتہ ذہن میں آئے
ذہن سے باہر۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ کبھی نہ کہہ سکتا ہوں۔
معاذ کیوں ہو؟ لیکن مجھے یہ مشورہ کے بغیر
نہ اٹھاتا۔"
رضوان سر ہلا کر اسے اڑ گیا اور میں نے غصے
بجائے کہوں "آج کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس
ہو رہی ہے۔" میں نے انداز لگایا۔ "بہت دقت پر آنکھوں کی
انبار پر جتنی سی نظر ڈالی۔ سیاسی اٹھانے کے بعد
تھی لہذا میں نے اخبار چھینک دیا اور بستر سے اٹھ گئی
کے بونوں کے پست اور غور باتات سے مجھے اندازہ چلا
ناتھ کرنے کے بعد میں نے اپنے شانے کی طرف
دفعہ جانے کے لیے تیار ہوئی لیکن جب میری کار پہا
دی تھی تو چانک میں نے پروگرام بدل دیا اور ایک
ڈال دی کہ شائق چنگیزی کے گویا بنے لیکن۔

اُس وقت شائق چنگیزی اپنے گھر پر موجود تھا
چونکہ تو میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے بحیثیت بیورو یا نوشتا کر
"صاحب؟" ایک ملازم نے شائق چنگیزی سے کہا
صاحبانہ ذہن بھی اتنی قوی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا
سے ایک خاتون....
"اچھا اچھا،" شائق چنگیزی نے ہاتھ اٹھا کر اس کی
کاش دی۔ "تم جا کر چائے لے آؤ؟" پھر وہ مجھے بولا۔
"شائق نے شائق دیکھی ہیں؟"
"کہہ رہا تھا۔ میں نے بھی سوچا کہ اس دوسرے کو
لہا جائے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟
میں اخبار سے خصوصی شائق نہیں کھینچ سکتا تھا؟"
"آپ کے ملازم سے یہ بات میں نے پہلے ہی کہہ دی
ایک فنی لاسٹر رپورٹر ہوں۔ میں اپنی مائل کردہ
اس اخبار کو بھیجتی ہوں جو مجھے زیادہ معاوضہ دیتا
"شائق نے سپاٹ لیج میں کناٹا فرمایا ہے؟ میں آپ
کہتا ہوں؟"
"میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ
مہربان ہیں اور اگر مناسب دیکھیں تو شکرا کر لیں۔
"مہربان کرنے کا حق تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔"
"اُس وقت تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کے سوالات پر
میں ان کے جوابات دینا پسند کر لیا تھا۔"
"اُس شخص سے کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں ہیں
اس سلسلے میں کسی نتیجے تک پہنچ سکوں اگر ایسے میں
اور میرے ہانوسے ملنے کا فیصلہ کیا تھا؟"
"آپ تاہم اپنی نامی ایک جوائنٹ پیشہ شخص کے بیان کی تر
ہا جاتی ہیں؟"
"ہاں، جی ہاں۔ بالکل اُس نے میرے ہاتھ پر گولی چلائی
اس کا بیان ہے کہ وہ اقدام اس نے آپ کی اپنا کیا تھا؟"
"اُس؟"
"اُہ! مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے اُس کے
گھر سے اسے انکار کر دیا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ
میں ہے؟"
"کیا؟"
"آپ بہت پریشان تھے اور آپ نے ایک دیکل سے بھی
ایک تھا۔"
"آپ کو کیسے معلوم؟" شائق نے چونک کر پوچھا۔
"میں رپورٹوں کو ایسی باتیں معلوم کر جاتی ہیں۔ میں نے
شائق چنگیزی تدریسے خاموش رہا۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا کہ
"اُنہا چاہیے؟" آخر اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا
"میں اس سے کہ جب پولیس اس سلسلے میں تحقیقات کرنے

کے لیے میرے پاس آئی تھی تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ میرے ذہن
میں یہ بات آئی تھی کہ شاید میرا کوئی اہل غنا میرے خلاف سازش کر
رہا ہے۔ میں نے میسج ہانوسے کے بارے میں بھی کسی سے نہ تھا کہ وہ
کرانچی کی اُن دو چار رپورٹوں میں سے ایک ہے جن کی رسائی اعلیٰ
حکام تک ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ خاتون بھی اس سازش میں
ملوث ہوئیں اور انہوں نے میرے خلاف بیان دے دیا تو
شاید پولیس مجھے حراست میں لے لے لہذا میں نے کل ہی ایک
دیکل سے مل کر ضمانت قبل از گرفتاری کا بندوبست کر لیا تھا۔"
"تو کیا میسج ہانوسے آپ کے خلاف بیان دیا؟"
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔"
"خوب، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میسج ہانوسے سازش میں
شریک نہیں جو آپ کے خلاف کی جا رہی ہے۔"
"جی ہاں! لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر آخر تاہم یہ میسج ہانوسے
پر تاملانہ چلے کہ مجھے سے منسوب کیوں کیا؟"
"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ دونوں ہی کے خلاف کی سازش
ہو رہی ہو؟"
"میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"
"آپ کے خلاف یہ سازش کون کر سکتا ہے۔ آپ کو کسی پریشہ
تو ہو گا؟"
"جی نہیں، میں اس سلسلے میں کوئی نام نہیں لے سکتا۔ میرا کوئی
بھی کاروباری حریف اس قسم کی سازش کر سکتا ہے۔"
"کہیں وہ شخص رام لال تو نہیں؟" میں نے چانک ایک
شد بدھلے کیا۔
"شائق چنگیزی اس طرح اچھلا تھا جیسے اسے چانک سانپ
نے کاٹا۔"
"اُسی وقت ملازم چائے لے کر آیا تھا اس لیے شائق چنگیزی
کو جواب دینے سے پہلے کچھ سوچنے سمجھنے اور منہلے کا موقع مل گیا۔
اُس نے پیالیوں میں چائے بنائی اور ایک پیالی مجھے دیت ہوا
بولا۔ "آپ رام لال کو کیسے جانتی ہیں؟"
"میں نے کہا تھا کہ ہم رپورٹوں کو ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا.... ہو سکتا ہے یہ غلط ہو کہ آپ کے
پاس جو کچھ ہے، وہ رام لال ہی کا ملکا رہا ہے۔"
"شائق چنگیزی کے پھرے پر میری سرخی پھیل گئی جیسے اُسے
طیش آگیا ہو۔ میں نے گوارا کر دیا کہ ایک اور ضرب لگائی۔ بعض
لوگ آپ کو غاصب قرار دیتے ہیں؟"
"نہیں اس کرتے ہیں لوگ؟" شائق نے پھر کہہ دیا۔ "مجھے تو کچھ

ملا یہ میرا حق تھا۔

”حق؟“ میں نے تعجب سے کہا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”مشتاق کا مرنے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ وہ کچھ کہتے کہتے ٹک گیا تھا۔ اُس نے چلنے کی پٹائی اٹھائی اور جلدی جلدی گھونٹ لینے لگا۔ غالباً اُسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جذبات کی زوئیں بہہ گیا ہے اور اس عالم میں کوئی ایسی بات بھی اُس کے مُنہ سے نکل سکتی ہے جو اُسے کسی محبت پر بھی زبان پر نہیں لانا چاہیے۔“

”میں چاہتی تھی کہ اس موقع پر پھر کوئی حمد کے مشتاق سے کچھ اُگلا اول لیکن مجھے فوری طور پر کوئی ایسی بات نہیں سوچ سکی۔“

”مشتاق چیخ مری بہت جلد بلانے کی پٹائی خالی کر کے پٹائی پر رکھ دی اور بلا۔“ مس رولڈر پڑا، ہتھوڑا گرا، آپ اُن سلسلے میں رام لال ہی سے ملاقات کر کے لوچیں کر میں غاصب ہوں نہیں۔ میں اب اجازت چاہوں گا۔ مجھے ایک مفردی کام سے جانا ہے۔“

”میں نے صبر کیا کہ مشتاق چیخ مری بعض کسی جذباتی بحرِ بحال میں گرفتار ہو جانے کے باعث مجھ سے گفتگو کرنے سے بچنا چاہتا ہے۔ یہی میرے ذہن میں کئی سوال تھے جو میں اُس سے کرنا چاہتی تھی اور مجھے چاہیے تھا کہ وہ سوالات کرنے کے بعد ہی مشتاق کو اُس شیخ پر لاتی جاں دے پھر جاتا لیکن اب کچھ نہیں سکتا تھا۔ مجھ سے غلطی ہو چکی تھی۔“

”مشتاق چیخ مری کھڑا ہو گیا۔ میں دستور میٹھی رہ کر دھٹائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی لہذا مجھے بھی اٹھنا پڑا۔“

”خدا حافظ!“ مشتاق چیخ مری نے کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔ وہ اخلافاً مجھے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک بھی نہیں گیا تھا اور یہ بات غابر کرتی تھی کہ وہ شدید بھجان سے دوچار ہو گیا ہے۔“

جب میں وہاں سے دفتری کی طرف روانہ ہوئی تو میرے ذہن میں یہ سوال بڑی شدت سے چھوڑ رہا تھا کہ چیخ مری اپنے جذباتی بحال سے کیوں دوچار ہو گیا؟ جن لوگوں کے ضمیر پٹنے پر مجھ سے ملے وہ ایسی کیفیت سے شاید ہی گزرتے ہوں۔ تو پھر؟ مشتاق چیخ مری ہوتا جذباتی کیسے ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ یہ سوال میرے لیے بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

ایسی سوال میں اچھی ہوئی، میں دفتر پہنچ گئی اور تب مجھے سب سے پہلا خیال آیا کہ سگیتا آج بھی آئی ہے یا نہیں؟ میں نے انہماک سے

پرسکریٹری سے اُس کے بارے میں پوچھا۔
”دوسری طرف سے جواب ملا۔ وہ اپنی بیٹی نے یہ جواب سن کر کچھ آسروں کی صرخاں ماری۔
”یہ سے پاس بیٹھ دو۔“
”بہت اچھا۔“

”کچھ ہی دور بعد ٹیکٹا بڑے زور سے انا انا کر کے میں داخل ہوئی اور مجھے سلام کر کے نظرِ عام قریب آنکھری ہوئی۔
”مجھے سبب بتائیے، تم تو ڈوکی؟“
”بیٹھ جاؤ۔“

”شکریہ! وہ آہستہ سے کمر بٹھو گئی۔
”میں چند منٹ تک خاموشی سے اُس کے منہ

لیتی رہی اور پھر بولی۔ ”یہ ڈاکٹر شکیل۔۔۔ مجھے
”جی!۔“ سگیتا نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ بہت اچھا
”تم اُسے کب سے جانتی ہو؟“
”بہت عرصے سے!“
”یعنی؟“

”ہم بہت چھوٹے چھوٹے تھے جب ہم نے پہلے
... دوسرے کو دیکھا۔۔۔ شاید۔۔۔ سو سال پہلے کی
شکیل کے والد میرے والد کے دوست تھے اور اس کی
سی تھی۔“

”اُس زمانے میں تمہارا اقیام دو بیٹیوں جو گا
بول پڑی۔
”جی ہاں! شکیل کے والد تو اب بھی دو بیٹی ہی ہیں
لیکن شکیل کو اپنے وطن سے اسی محبت ہے کہ وہ مستقل
رہ گیا ہے۔ ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھا تھا۔ بعد میں
میں کم مائیس حاصل کرنے کی وجہ سے میڈیکل کالج
نہیں ہو سکی لیکن شکیل کو داخلہ مل گیا۔ پھر وہ علی تعلیم
پڑا گیا۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد وہ اپنا ہسپتال بھی کھول
لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مختلف ہسپتالوں کے لیے
تین گھنٹے وقت کر دیے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اس طرح وہ
مریضوں کی خدمت کر سکتا ہے جب کہ اپنا ہسپتال کھولنے کی
میں وہ صرت اُسی کا ہو کر رہ جاتا۔“ سگیتا ایک طویل سا

کے لیے ڈی اور اُس کے بعد پھر لوٹنے لگی۔ ”بالو! آج کل
سابقہ کیا ہے کہ اگر میڈیکل کے کسی طالب علم سے اُس کا

اُسے کہ تو تم کی خدمت کرنا چاہتا ہے لیکن
تو تم کی کھال اُٹا مارنے کے سوا کچھ نہیں کرنا جا
مدد دے چند ڈاکٹر اُن میں سے ایک سے محض
اور بہت عرصے کے بعد بے کے تحت ڈاکٹر کی تعلیم
فراموش تو میری بھی یہی تعلیم میں بدستوری سے
میں نے اپنے اس جذبے کی تسکین کے لیے
کے کراؤ۔ جب ڈاکٹر شکیل۔۔۔ اُس آقا تو مارے
ہوتے۔ معاشی بحران کا زور ہمارے گھٹے پہ تھا۔
میں نے فیصلہ کیا کہ ایک پارٹ ٹائم نرس کی حیثیت
کا کام کرنے لگوں۔ شکیل کے پاس دولت کی
... وہ میرے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن
والد کسی کے بھی احسان مند نہیں بننا چاہتے۔“

”اچھی بات ہے لیکن تم میری فزمن میں ملازمت
ڈاکٹر شکیل کے ساتھ دوسرے ہسپتال میں بھی پار
میں افسانہ انجام دے کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتی
... لیکن بعض وجوہات کی بنا پر میں ایسا نہیں کر سکتی
... اُتار کیا ہیں؟“

”کب کی شکر گزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے اس سوال
پڑیں۔“

”میں فزمن سانس لے کر اپنی کمری کی پشت گاہ سے ہلک
”تم بڑی پرامن لڑکی ہو سگیتا!“
”اے۔۔۔ آپ کا خیال۔۔۔ درست ہوا۔“ سگیتا نے

”اے۔۔۔ کیا تم اور شکیل ایک دوسرے سے محبت
... کیا تم ہرچیز اُلو کیفیت چھانگنی اور پھر اُس نے
میں نے بغیر کہ آپ جہاد یہ خاتون ہیں لہذا آپ کو مجھ سے
... ایسا نہیں چاہیے تھا۔“

”میں نے وہ دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اس طرح۔۔۔؟“
”اے۔۔۔ سگیتا نے مجھے احتجاجاً میری بات کاٹ دی۔
... میں کہ آپ میری ذاتی زندگی کو موضوع گفتگو نہ بنائیں!
... نہیں۔“ میں نے اُل لہجے میں کہا۔ ”میں بریت پر
... کے تمام اُچھا دل کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔“

”ہم نے نظر اٹھا کر بڑی لمبی سی بری طرف دیکھا۔
”گیتا!“ میں نے بڑی جلدی سے کہا۔ ”میں بڑی صاف گو
... چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو سکی ہے۔“

”میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں بالو!“
”تو میں کب چاہتی ہوں کہ تم احترام نہ کرو؟“ میں نے سنی سنی
”تم احترام کرتی رہو میں محبت کرتی رہوں گی۔“
”اے آپ اپنے اس جذبے کو ختم نہیں کر سکتیں؟“

”جی!۔“ میں نے زہر خندا نہ کرنا تو واقعی بہت معصوم ہے۔ کیا یہ
ممکن ہے کہ دل سے کسی کی محبت کو کھڑ جا سکے؟ یہ جذبہ پیدا نہیں کیا
جاتا بلکہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر زور و زبید ہوجانے کے ختم کرنا انسان
کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر میں تم پر جبر کر دل کو تم بھی مجھ سے محبت
کر تو یہ بھی ممکن نہیں جس طرح میرے محبت کا جذبہ پیدا نہیں کیا
جاسکتا، اُسی طرح جس سے اُس جذبے کو ختم بھی نہیں کیا جاسکتا۔
”تم مجھیں مجھ سے محبت ہو جانا، یہ تو مجھے تم سے بہر حال محبت ہے اور
ہمیشہ رہے گی۔ تم شکیل سے محبت کرتی رہو، میں تم سے محبت
کرتی رہوں گی۔ تم اگر مجھ کو مجھ سے بھی لگو گی تو مجھ میری محبت پانی
جگتا غم دور رہے گی۔ ہاں میں اپنی انتہا ضرور دے کر تم مجھ سے
نفرت کرنے لگنا۔“ اچانک میں خاموش ہو گئی کیونکہ میں نے محسوس
کیا تھا۔ میں جانتی تھی۔ یہاں میری جوں اور کسی بھی لمحے میری
آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ جائے گی۔

”آپ بہت عجیب ہیں بالو! سگیتا نے بھڑائی ہوئی آواز
میں کہا۔

”اب تم جاؤ اور کام کرو؟“ میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی رولنگ
چیر کر دوسری طرف گھٹا لیا تاکہ میرے چہرے کے شدید جذباتی تغیر کو
سگیتا نہ دیکھ سکے۔

چند لمحے بعد میں نے سگیتا کے قدموں کی آہٹ سنی جو دروازے
کی طرف جلا ہی تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ میں نے کرسی
سیدھی کر لی اور دونوں ہاتھوں سے سر جھام کر بیٹھ گئی۔ میری سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے! ایسے بھان سے تو میں
کبھی بھی دوچار نہیں ہوتی تھی۔ میں نے کبھی سوا بھی نہیں تھا کہ
میری زندگی میں آنے والی کوئی مشکل مجھے اس طرح پاگل بھی کر
دے گی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر کبھی سگیتا مجھ سے
دوڑ ہو گئی تو یہ ”غش“ میرے لیے ”حاصل عمر رواں“ بن جائے
گی میں اُسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں
عمر رواں میں لچکوں سکوں کہ مطابق زندگی گزارنے لگوں لیکن غابر
کہنے والی! تمہیں میرے باطن کی اس غش کو نہ دیکھ سکیں گی۔

میں نہ جانے کب تک سگیتا کے بارے میں سوچتی رہتی
کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے مجھے ہلکا دیا۔ میں نے رسیدوار اٹھا کر
کان سے لگایا اور ماٹھو نہیں میں بولی۔ ”بالو! سپیکرنگ!“

ہو رہی ہے؟
 ”جب آپ حکم دیں، خورشید چمکی۔“
 ”کل رات کو جاؤ!“
 ”او، کے!“

”بائی بائی!“ میں نے کہا اور ٹیلیفون بند کر دیا۔
 بچہ چائے پینے کے دوران میں کچھ دیر تک بھی خورشید
 ہی کے بارے میں سوچ رہی۔ وہ پیشہ ورانہ تھی اور اس
 قسم کی رپٹا میں جسے ایک جگہ گوارا ہوتی ہیں لیکن خورشید
 مجھے کچھ زیادہ ہی اچھی لگنے لگی تھی۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ
 ”گندم اگر سبز نہ رہتا تو جس غنیمت است“، اُن دنوں کسی
 لڑکی سے میرا رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا، سولے سنسنگ کے!
 اور بس میں اپنی اسودگی کا ذریعہ بنانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہ
 پہلا موقع تھا کہ میں ایک غلط سوچنے سے لگائے رکھنے پر آمادہ
 تھی اور اس کا کوئی منطقی حوالہ نہیں تھا۔ منطقی حوالے میری
 مراد ایک ایسا حوالہ ہے جو لوگوں کو پوری طرح مطمئن کر سکے۔
 چائے پینے کے بعد میں کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنی
 خوابگاہ میں جا بیٹھی اور اب میرا ذہن پھر جیس فریز میں اُبھا
 ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس خیال کو بھی میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔
 دراصل اُس کے بارے میں سوچتے رہنے سے ذہن تکان کے
 سراکچہ حاصل نہیں ہوتا۔ جو بات بھی تھی وہ از خود ہی ملتے آتی۔
 اب میں نے سنسنگ کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میں
 اُس کی اور ڈاکٹر شکیل کے تعلق کی نوعیت کو سمجھنا چاہتی تھی۔
 تیرے دفتر میں سوچا تھا کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر شکیل سے
 ملاقات کرنا ہوگی۔ تو پھر کیوں نہ اُس سے اس وقت رابطہ قائم
 کیا جائے؟
 میں نے ٹیلیفون ڈاکٹر کٹری اٹھا لی اور ڈاکٹر شکیل کا نام
 تلاش کرنے لگی۔ ڈاکٹر کٹری میں مجھے اُس نام کے کسی ڈاکٹر نظر آئے۔
 اُن میں سے مطلوبہ ڈاکٹر شکیل کی تلاش مشکل ہو جاتی لیکن سہانی
 ہو گئی کہ ایک ڈاکٹر شکیل کے نام کے آگے صرف رہائشی فون نمبر
 لکھا ہوا تھا اور باقی ہشکلوں کے ساتھ کچھ پائینر بھی وابستہ
 تھے۔ میں نے اُن ”ہشکلیوں“ کو نوٹ لے لیا کہ اُس شکیل کو
 رنگ کیا جس کا صرف رہائشی فون نمبر ڈاکٹر کٹری میں دیتے تھا۔
 دوسری طرف گھنٹی بجی، اور پھر کسی نے رسیاں اٹھایا۔

”ہیلو!“ ایک آواز سنا دی۔

”ڈاکٹر شکیل پلیر!“

”صاحب تو اس وقت اسپتال میں ہوں گے۔ دوسری

طرف سے غالباً کوئی ملازم بول رہا تھا
 ”کون سے باپٹل میں؟“
 جواب میں مجھے جس ہاسپٹل کا نام سنا
 نہیں تھا جہاں رضوان نے داخل کیا تھا
 میں نے ملازم سے پوچھا، ڈاکٹر
 وقت ملتے ہیں؟“

”وہ صبح دس بجے گھر سے چلے جاتے
 واپس آتے ہیں۔ تین بجے پھر چلے جاتے ہیں۔
 بجے تک واپس آتے ہیں۔ پھر دس بجے جاتے
 بارہ ایک بجے تک واپس آتے ہیں“ ملازم
 بتایا، پھر بولا، ”آپ اپنا نام اور فون نمبر
 صاحب کو بتا دوں گا۔“
 ”اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود
 فون کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔“

ٹیلیفون کر کے مجھے میں اتنا معلوم
 کرن اوقات میں ڈاکٹر شکیل سے اُس کے
 میں نے فیصلہ کیا کہ میں آج ہی رات کو فون
 سے اُس کے گھر پر ملاقات کروں گی۔ میں
 ڈاکٹر کٹری اٹھا لی اور اُس کے گھر کا پتہ اپنا
 منتقل کر لیا۔

میں اٹھ بجے تک بستر پر رہی،
 دھوپا، پڑے تبدیل کیے، کھانا کھا یا اور
 گھر جانے کے ارادے سے روانہ ہو گئی
 کھانا لگ سے کارنگ لائے ہوئے میں
 تھی کیونکہ خورشید نے مجھے بتایا تھا کہ تارن
 شخص ہے اور ضمانت پر رہا ہو چکا ہے۔

لیکن مجھے قریب و دور میں خطرے کے
 تئیں آئی۔ گھر سے کچھ دور نکلنے کے بعد
 طور سے عقب نما آگئے بر نظر رکھی تھی لیکن
 میں نظر نہیں آیا تھا۔ کسی کی جیس فریز پر رگ
 دی تھی۔ میں نے سوچا، کہیں یہ ایک انڈیا
 جیس فریز پر کوئی راستوں سے گزرتا ہو
 میں گزری تھی؟

میں نے یہ سوچ تو لیا لیکن یہ خیال نہ
 نہیں تھا۔

فون کر دس منٹ پر میں ڈاکٹر شکیل

صاحب کھانا کھا رہے ہیں۔ اُس نے مجھے
 اور میرا ڈرائیونگ کار ڈسے کہ اندر چلا
 ہلہ ہی ہوئی اور اُس نے کہا، ”آپ

انتظار کرنا ہوگا۔“
 ”ہے، میں نے کہا۔
 ”کریں گی یا...“

”اگر صاحب کو آجانے دو، اُس کے
 میں نے ہنس کر کہا۔

انداز میں سر ہلایا اور ڈرائیونگ روم
 میں بیٹھ کر ایک میگزین اٹھا لی اور
 کرنے لگی۔

ہی اندرونی دروازے پر آہٹ ہو گئی۔
 تے ہوئے اُس طرف دیکھا۔ وہ ڈاکٹر
 ملک روم میں داخل ہوا تھا۔

بلکہ سے اُٹھی تو وہ جلدی سے بولا۔
 امانت کیجیے گا، میں آپ کا پورا نام سنیں
 سنسنگ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ خود کو صرف

”ہی ہاں!“
 ”ایک طویل سانس لیا“ تو سنسنگ نے
 میں بہت کچھ بتا دیا ہے!“

”جب آپ ہاسپٹل میں ملی تھیں تو میں
 کہ نہیں جانتا تھا۔ اُس کے بعد ہی سنسنگ
 میں معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ فیصلہ
 کیا؟“ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟
 اسے میں سنسنگ سے معلومات حاصل ہوئیں؟

”میں سنسنگ کے بارے میں معلومات
 میں نے سنسنگ سے کہا، ”ڈاکٹر شکیل نے متحیر

”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

یہ کہ سنسنگ سے جھوٹ بولنے کا تو میں قصداً بھی نہیں کر سکتا۔
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں
 ”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”میں نے کہا، ”میں نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا میں تمہیں

”اُس نے معلوم شخص کی کوشش بھی کی کہ شکایت کو میری فرمائش ملازمت میں مل سکے۔“ میں نے یہ بات اس لیے ظاہر کر دی کہ اس معاملہ میں ڈاکٹر شکیل کی دلچسپی بڑھ جائے اور وہ مجھ سے تعاون کر کے برآمدہ ہو جائے۔

”عجیب و غریب بات ہے“ شکیل حیرت سے بولا ”آخر وہ شخص کون ہو سکتا ہے؟“

”میں یہی پتا چلانے کی کوشش کر رہی ہوں اور میں اس معاملے سے سنگینا کو اس لیے بے خبر رکھنا چاہتی ہوں کہ وہ دہشت زدہ ہو جائے۔ وہ بہت معصوم لڑکی ہے۔“

فحیل نے اس طرح سر ہلایا جیسے بات اُس کی سمجھ میں آئی ہو۔
 ”اب میں آپ سے ایک عجیب سوال کروں گی“ میں نے
 کہا ”آخرا اس کی فہم کیوں آئی کہ سنگیہا کو میری فرم میں
 ملازمت کی ضرورت پیش آئی؟“

”آپ کا سوال وفاخت طلب ہے“
 ”وہ آپ کے ساتھ رات کو ایک پارٹ ٹائم نرس کے
 فریض انجام دیتی ہے نا؟“

”جی ہاں!“
”اور آپ نے اپنی خدمات کچھ دوسرے ہاسپٹل کے لیے
کبھی وقف کر رکھی ہیں؟“

”جی ہاں!“
 ”تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ دوسرے ہاسپٹل میں بھی منتقلیہ
 کر لے سنا تھا؟“

”آپ نے ایک ایسا سوال کیا ہے جو آپ کو کرتا ہی چاہیے تھا،“ شکیل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”رائس...“
 وہ اچانک خاموش ہو گیا کہ نیکو ملازم کا فی کرہ اگیا تھا۔

کافی پینے کے دوران میں گفتگو کا آغاز بھر ہوا۔ ڈاکٹر
تشکیل نے کہا: بالواسطہ ایک عجیب بھی لڑکی ہے۔ مزید کچھ
کہنے سے قبل میں آپ کو بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں

ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں اولہ اس محبت ہی کی وجہ سے سنگیت میرے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارنا چاہتی۔“

”بعض ذہن بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں یا نواب“ ڈاکٹر شکیل نے کہا اور نیگتہ بھی ایک پیچیدہ ذہن کی لڑکی ہے۔ اس کے سوچنے کا انداز دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ میں نے اس کے ذہن کو کرکٹ کے کھیل کی طرح کامیاب

نہیں ہو سکا۔ وہ بس یہ کہہ کر ا
شادی سے قبل ایک دوسرے کے ا
گزارنا چاہتے تے۔

”تو آپ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے؟“
 ”آپ کا یہ سوال بڑا اہم ہے۔ میں نے قدرے توقف سے کہا: ”آپ کی کیا؟“

بعد لوگ مذہب کو زیادہ اہمیت نہیں
سے قطعی مختلف ہیں یہ دعویٰ تو
ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ میں ایک

کرتا رہتا ہوں اسی لیے میں جانتا ہوں
 ہو جائے میں نے اُس سے کہا تھا کہ
 نہیں دے سکتی، میرے اس سوال کا

میں سٹیٹنگ کیا اور آج تک سٹیٹنگ ہوں
کی خاطر میں اُس سے یہ قربانی کیوں
خود قربانی کیوں نہیں دیتا؟

”اوہ!“ میرے منہ سے نکلا۔
 سوچ رہا تھا۔
 ”ہاں، اور اصل وہ کسرا ہے۔“

”تو آپ دونوں الیا کیوں نہیں
پر قائم رہتے ہوئے شادی کریں“

تو بھی انہیں سب سے زیادہ اہل کتاب نہیں
کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی اہل کتاب

نزدیک بہت بڑی حماقت ہے۔ ا
پر پڑتے ہیں اور آنے والی نسل ذہنی
جانی ہے۔“

میں اس موضوع پر گفتگو کو آگے نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے منہس کر کے دوسرے کاتے تھیں۔

”جی ہاں! اور یہ بات طے ہے
سنگیتا سے، ورنہ کسی سے بھی نہیں،“

”اُسے بھی شادی کے بغیر پورے
مسکراہٹ میں کرب نہیں تھا۔
”آج دونوں قابلِ رحم ہیں“

لے کر کہا۔ مجھے آپ لوگوں کے اس

ملا کہ ہر طرف یہ معلوم کرنے کی دھن سوار ہے
اپنا سب کچھ مشتاقِ جینتاز کو کیوں مونپ
ہے جواب بھی اس گھرانے کو مزید پریشان
ارہے۔ آپ نے کبھی مشتاقِ جینتاز کے

ہاں ہے اور کچھ نہیں سمجھ سکا۔ میرے والد دہائی
سے نئے تھیں مگر اس صورت حال سے آگاہ
ہیں سنگت کے گھر سے ہمارے تعلقات بہت

۱۰۔ دو بیٹی سے یہاں آکر رام لال صاحب کی مالی
انہیں دوبارہ کاروباری میدان میں لائیں۔

اپنے طور پر بھی کی تھی لیکن سنگیتا نے اسے بہت
دیا۔ اب میں اس سلسلے میں اپنے والد کو بلانا
واجب تھا، کچھ ایسے کاروبار کی مسائل سے دوچار

والد بھی مشتاق چنگیزی کے سٹلے پر کوئی کر سکتے ہیں۔“

وہ کوئی قیاس کوئی کر سکیں مگر انھیں اتنا وقت
 نہیں ملتا کہ وہ یہ جواب دے سکیں۔ انھوں نے
 یہ اتنا کہا کہ وہ کچھ کاروبار سے باز رہیں اور کھانا

میر تک اُس گفتگو کا جائزہ لیتی رہی جو میں نے
 تم گفتگو کا نتیجہ صرف سزا کا ایک ایسا شکل

اس سلسلہ کی جو حرکت یہ دکھا رہا تھا۔ اس کے
 فائدے کی نوعیت سے اس کا دعویٰ ہو گیا تھا۔ اس کے
 معلوم ہو سکتا تھا۔ میں اچانک کھڑی ہو گئی اور
 یہ اعلان کیا کہ میں اب اس کے خلاف آ رہی ہوں۔

یہ اجازت چاہیں گی۔ کیا آپ اب وکڑ جا رہے ہیں؟
 ہاں مجھے کرسٹینیتا سے ان باتوں کو پوشیدہ رکھنا
 ہے۔ اگر اُسے یہ باتیں معلوم ہوں گیں تو وہ بہت نرگس
 ہو جائے گی۔

کوئی وعدہ لینا نہیں چاہتی۔ آپ اگر چاہیں تو کہہ جتادیں اور نہ چاہیں تو نہ بتائیں۔ ہاں اگر

اب کے والد صاحب کراچی اشرف لے آئیں تو بھی
 جیسے کہ میں آپ کی منمن ہوں گی۔“

۳۔ یہ ساری پریشانی محض سنہلیائی وجہ سے مولوں
س لیے میرے مکمل تعاون کا یقین رکھیے!“

ڈاکٹر منٹیل مجھے جھوٹ کرنے کے لیے براآمد سے ترک کیا۔ بہم
دونوں میں "خدا حافظ" کا تبادلہ ہوا اور جبر میں اپنی کانٹیں بیٹھ
کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ گھر پہنچ کر مجھے آج رات کے اُس
"آپریشن" کی تیاری کرنا تھی جس کا ٹائم ٹیبل میں نے ادر رضوان
نے طے کیا تھا۔

ساتھ گیارہ بجے میں پوری طرح تیار تھی۔ بچوں اور جیکٹ میں ملبوس ہونے کے بعد میں نے اپنے بالوں کو سمیٹ کر ٹوپی میں چھپا لیا تھا اور اب میں ایک فوئیر ہلکا معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے

کریب سول کے مکرانے جو تھے بھی بہن لیے اور اماناری سے سیاہ رنگ کی ایک نقاب نکال کر بستلوں کی جیب میں رکھی، پھر رولڈلہ کے جیمیز چیک کرنے کے بعد اُسے دوسری جیب میں رکھ لیا۔

احتیاطاً ایک ٹارچ بجی لے لی حالانکہ اس کی ضرورت پڑنے کا امکان بہت کم تھا۔
میر کا کارباز دفتری سے برس روڈ کی طرف روانہ ہو گئی۔ طے

یہی پایا تھا کہ میں رضوان کو اُس کے گھر سے لے لوں گی۔
رضوان کی بلڈنگ کے نیچے کار روک کر میں نے مخصوص
نیچے آگیا اور کار کا دروازہ کھول کر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

”چلیے زوناب عالی!“ اُس نے تم خزانہ انداز میں کہا۔
انداز میں دوسرے تبارک دیا۔ اُس کے تین منٹ بعد ہی رضوان
لیکن میں اُس کا رختہ فقہ مکمل ہو نہ سکا۔

”تم لوہری طرح تیار ہوؤ،“ میں نے اُس سے پوچھا۔ ”میرا مطلب ہے، لوہا اور دھرمہ سب رکھ لیا ہے،“

”توپ میری جیب میں نہیں آسکتی مگر لیکن باقاً تمام چیزیں میری جیبوں میں ٹھنسی ہوئی ہیں۔“

۱۰ میں نے عرض کیا نا... سب کچھ! ۱۱

”آج دن بھر آپ کیا کرتی رہیں؟“ رضوان نے پوچھا۔
 ”دفتری کاموں کے علاوہ میں نے آج صرف ایک کام کیا ہے۔“
 ”وہ کیا؟“

”ڈاکٹر شکیل سے ملتی تھی، اور ہاں، مجھے کبھی معلوم ہو چکا ہے کہ
تاقدیری ضمانت پر رہا ہو گیا ہے۔“ میں نے ویڈیو دیکھ کر جس فریئر
کوٹہ کو نہیں کہہ سکتے تھے کہ ان کے پاس یہ سب باتیں ہیں۔

کامد کو انہیں کیا یوں اس کے بارے میں ابھی خود میں بھی سوچ
کاشکار تھی۔

”ڈاکٹر فکیل سے ملاقات تو خاصی اہم رہی ہوگی؟“ رضوان نے اندازہ لگایا۔
”کچھ ایسی زیادہ اہم نہیں۔“
”کیوں؟“

”میں نے وقت گزاری کے خیال سے رضوان کو اپنی اور ڈاکٹر فکیل کی گفتگو سننا دی لیکن وہ سب کچھ جان لینے کے بعد رضوان کو اتنی ہمت نہیں ملی کہ وہ ان باتوں پر کسی شک و شبہ کو نہ کرے۔
”میں اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے میں نے کار ایک سی ٹی وی کی جاس سے مشاقت کی۔ یہ سب سنا کر مجھے کچھ خاصہ نہ تھا۔
”میں یہاں کے سخت کرنے والے ہو چکا ہوں۔ یہاں سے بڑھ کر آتا ہے۔“ رضوان بولا۔

”کیوں؟“
”ہمت خیم ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک ٹھاسا ڈیڑھ ہونٹا ہے۔“
”مجھے ڈنڈوں سے خوف محسوس نہیں ہوتا۔“
”کسی ڈنڈے سے آپ کا بھی واسطہ جو نہیں پڑتا۔“
”میں کوئی جواب نہیں دے سکی کیونکہ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے شائق پیچھے کی گنگے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔
”کال ہیل کا بن دباؤ؟“ میں نے رضوان سے کہا اور اطراف کا جائزہ لینے لگی۔

”قرب و جار میں ملتی سنا تھا۔ عمارتوں کی اکاؤنٹنگ کھول لی روشنی نظر آنی تھی۔ شرک پر گئے ہوئے ایک لوز ایک دوسرے سے خاصے خاصے ہوتے ہوتے اس لیے پوری شرک پر لگی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔“

”رضوان کو وقفے وقفے سے کال ہیل کا بن دباؤ دانا چاہیے کہیں جا کر کھانا ہوگا۔“ میں نے کہا۔
”اور کسی نے کھانے ہوئے غور نہ ہی آواز میں پوچھا تو کون ہے؟“
”ہم جو کھانا ہے بابا، جو کھانا ہانگ کول؟“ رضوان نے پختون لہجے میں آواز دہرائی جیسے سے نقاب نکالی اور اصرار میں نے بھی نقاب نکالی تھی اور میری آنکھیں شرک کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

”یہاں تک کہ دوسری جانب سے ایسی آواز آئی جیسے کنڈی کھول رہی ہو۔ ساتھ ہی سب کچھ کوئی پڑھتا بھی رہا تھا جلد ہی ایک ایسا کھٹکنا سنا دیا جیسے کنڈی پوری طرح کھل گئی ہو۔ میں نے اور رضوان نے بڑی چھٹی سے نقاب میں اپنے چہرے پر چڑھا لیں۔ پھر جیسے ہی یہاں تک کھٹکا، سب سے پہلے رضوان نے

اندھ جست لگائی۔

”شرک پر کچھ دھڑلایا کار کی جیٹا...
”موڑ سے اچانک سامنے آئی تھی۔ اگر وہ...
”بیٹھے ہوئے لوگ ہماری سخت کارروائی...
”توڑتے آئے سے پہلے ہی ہماری کارروائی...
”یہاں تک کھولنے والا کوئی لازم ہی...
”رضوان نے اپنے دہانے کے دستے کی طرف...
”پر گرنے لگا جب وہ گر رہا تھا تو میں بھی...
”جلدی سے یہاں تک بند کیا اور کنڈی لگانے...
”وہ کاراب فراتے بھرتی ہوئی یہاں...
”رہی تھی۔“

”یہاں تک کھولنے والا، زمین پر گر کر...
”لاٹھی کا...“ رضوان نے اعلان کیا...
”لیکن ہم اسے یہیں چھوڑ کر گئے ہیں...
”پر پڑے ہوئے ملازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے...
”موس میں آسکتا ہے۔“
”تو کیا اب اسے دھونا بھی پڑے گا؟“
”ہاں۔“

”تو پھر اٹھائیے اسے اپنی کمر اور لے چلے...
”میں رضوان کو جواب دینے کی بجائے دل...
”کی طرف بڑھنے لگی۔ برآمدے میں پہنچے تک میں...
”دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ رضوان بیہوش لازم کر...
”میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہوگا۔ اس کے قدموں کی...
”لیے نہیں کس کتنی تھی کہ وہ جی کر پ سول کے م...
”تھا۔“

”یہ بہت اچھا ہوگا کہ برآمدے کا کوئی جب...
”تاریکی میں اپنی پیادہ میں لیے ہوئے تھی۔ برآمدے...
”نے پہلی مرتبہ سرگرم دیکھا اور توقع کے مطابق رضوان...
”پیچھے پایا۔“

”برآمدے میں دو دروازے تھے۔ میں نے دروازے...
”دونوں کی کوئڈ سے بند پایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ...
”والا اندر سے نہیں نکلا تھا بلکہ روش کو اندر سے آ...
”سے یہ بات بھی ثابت ہوتی تھی کہ کال ہیل سرورٹ ک...
”بجتی ہوگی۔“

”رضوان نے بیہوش لازم کو برآمدے کے فر...
”اور پھر میرے بالکل قریب ہو کر سرگوشی کی یہ غلام

”ملا کر دروازوں کے قریب دو دروازوں کا جائزہ...
”میں کا میں نظر نہیں آیا۔ اب یہی ممکن تھا کہ...
”لے، سو میں نے ایک دروازے پر دستک...
”ن۔ شک کا بھی جواب نہ ملا تو میں نے...
”آزما دیا۔ اسے بھی دو مرتبہ کھٹکھٹانا پڑا تھا...
”کارروائی۔“ کون ہے؟“
”میں گھڑی کی گر نہیں تھی۔ وہ بھی کوئی لازم...
”کال ہیل کوئی آواز سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ...
”میں ہے۔“

”کون ہوگا؟“ ایک وہ باب میں کھولے۔
”ہے؟“ دروازے کی دوسری جانب سے پھر...
”یہاں تک کھولنے والے کی آواز سننی ہی تھی۔ اس...
”لی آواز کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔ اسے...
”کی صاحب سے ملنے آیا ہے۔“

”لی اصل آواز نے میں خاموشی حد تک کامیاب ہو گیا...
”تھی وہ لازم محسوس نہیں کر سکا ہوگا جو دروازے...
”اور تھا جیسے آواز میں سے اٹھ کر آوازیں...
”مندی طرح پیدا نہیں ہوتا۔“

”دوسری دوسری جانب سے دروازہ کھول دیا گیا...
”میں ایک بیگ بھی...
”قابا در لازم آئی پر سورہا ہوگا۔ یہ وہی لازم تھا...
”میں دیکھ رہی تھی جب پہلی مرتبہ شائق پیچھے...
”تھا۔“

”یہ کہ رضوان اس غریب کی کھڑکی پر پہنچے اپنے...
”سے ملنے آواز کی کڑواں، میں نے اس کے سینے...
”پر گرا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔“

”کھولنے والے لازم نے جو دو نقاب پوشوں کو چاہا...
”کے لیے برہنہ پایاں اُڑنے لگیں اور پشت سے...
”کھلا ہوا گیا۔“
”میں نے سرگوشی کی۔ اگرچہ چپکے چپکے تو...
”ان بولا اس عمارت میں اور کتنے لازم ہیں؟“
”جو کھانا؟“ لازم ہوا گیا۔
”سرورٹ کو اندر میں رہتا ہے؟“

”لازم نے اثبات میں سر ہلایا۔“

”تم دونوں کے علاوہ کوئی اور لازم؟“

”خدا سناں!“

”کہاں ہے؟“

”وہ... بے... شام کو... چھٹی کر جاتا ہے۔“

”تمہارا صاحب کہاں ہے؟“

”وہ... وہ... سورہے ہیں جی!“

”میں ان کے کمرے تک لے چلا۔“

”ظہر!“ میں نے رضوان سے کہا۔ پہلے ہو چکا کہ باغ

”کس کے نہیں پڑا تھوڑے دو۔ وہ کسی وقت بھی جوش میں...
”سکتا ہے۔“

”رضوان سر ہلا کر بیہوش ہو چکا کہ طرف متوجہ ہو گیا۔ اس...
”نے اپنی جیب سے سٹیلون کی ایک ڈوری نکالی اور جو کھار کے...
”ہاتھ پر چاٹنے لگا۔“

”میں... وہ... لازم نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے...
”اسے ڈانٹ دیا۔“

”خاموش کھڑے رہو جب تک تم سے کچھ پوچھا نہ جاوے،...
”اپنی زبان بند رکھو۔“

”لازم کے ہونٹ خوف و گھبراہٹ سے خشک ہو چکے تھے...
”کپکپا کر رہ گئے۔“

”رضوان نے اپنے کام سے خارج ہونے میں بڑی بیوقوف دکھائی۔...
”اس نے بیہوش ہو چکا کہ باغ کے علاوہ اس کے منہ پر ٹیپ...
”بھی چپکا دیا تھا کہ وہ کسی قسم کی آواز نہ نکال سکے۔“

”اب تم نہیں اپنے صاحب کے بیڈروم تک لے چلاؤ، میں...
”نے کھٹکنا انداز میں لازم سے کہا۔ دروازہ اندر سے بند ہو گا لہذا...
”تم ہی دستک دے کر اسے کھلاؤ گے۔ اگر تمہارا صاحب دروازہ...
”کھولے بغیر اندر سے پوچھے کہ کیا بات ہے تو اسے بتاؤ گے کہ...
”پوس کا ایک آفسس اس سے ملنے آیا ہے۔ پھر میں نے قدر سے...
”وقف سے پوچھا۔ سمجھ گئے؟“

”لازم نے دروازے اثبات میں سر ہلانے لگا۔“

”تو پھر چلا۔“

”لازم مڑا تو میں نے اسے بڑھ کر لیا اور کی نال اس کی کر...
”سے لگا دی۔ رضوان نے بیہوش ہو چکا کہ برآمدے سے ٹھیک...
”کہ اندر گیا اور دروازہ بند کر کے میرے ساتھ چلنے لگا۔“

”اچھا ہی ہوا کہ آپ ناٹیک کے درمیں نہ ہوئیں۔“ رضوان

بڑھایا۔

”کیوں؟“ میرے منہ سے میساختہ نکل گیا۔
”بچاری دنیا کی مارٹ ڈاؤن ہو جاتی۔ ٹیلوں میں اسے
کوئی ٹکڑی بھی نہ پوچھتی۔“
”بس چپ رہی۔ ظاہر ہے، یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ ایسی
بے نیکی قسم کی دنگ چھوڑ کر نکال جاتی۔ وہ گیارہ رمضان، تو وہ کم از کم چھ
سے اس قسم کی کڑواہی کسی وقت بھی کر سکتا تھا۔ توقع عمل کی تیز
اُس نے خود پر بھی لاگو نہیں کی تھی۔“

ملازم جب ایک کمرے کے دروازے پر چڑھا تو ہم بھی رکتے
ملازم نے میری طرف دیکھا تو میں نے اُسے دستک دینے کا اشارہ
کیا۔ ملازم کے چہرے سے تذبذب پیدا تھا لیکن جب میں نے اُسے
آنکھیں دکھائیں تو اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ پھٹھایا۔
کوئی جواب نہیں ملا۔

میرے اشارہ کو نہ پر ملازم نے دروازہ پھر پھٹھایا۔ اس مرتبہ
اندر سے مشتاق چنگیزی کی آواز سنائی دی۔ ”کیا بات ہے؟ کون
ہے؟“

”میں ہوں صاحب!... ستارہ... ملازم نے اپنا نام بتایا۔
”آپ سے ایک پلرس آؤں گے آپا ہے؟“

”اس وقت؟“ مشتاق چنگیزی کے لہجے میں حیرت تھی۔
ایک بجے میں باغی منٹ باقی تھے۔

”کیا وہ آگیا ہے؟“ مشتاق چنگیزی نے فوراً ہی دوسرا
سوال کیا۔

ستارہ نے میری طرف دیکھا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
”جی ہاں صاحب!“ ستارہ نے جواب دیا۔

مکرم سے میں کچھ نفس و حرکت محسوس ہوئی، اور پھر قدموں کی
آوازیں دروازے کی طرف آتی سنائی دیں۔ دروازے کا لوٹ
گرنے کی آواز آئی، اور پھر دروازہ کھل گیا۔ مشتاق چنگیزی نے
شب خرابی کے لباس پر کھانا پہن رکھا تھا لیکن ابھی اُس
کی بیٹھ نہیں باندھی تھی۔ دروازہ کھولتے وقت اُسے ظاہر ہے
کہ صرف ستارہ کے نظر آنے کی توقع ہوگی لیکن وہ نقاب پوش
بھی رکھائی ہے تو اُس کے جسم سے اس طرح جھٹکا کھایا جیسے
ایک تیز شاک لگے ہو۔

”بہن! زاپ!“ رمضان گرجا۔

مشتاق چنگیزی نے گہرا کھٹکھٹا اٹھا دیے۔ اُس کے چہرے
کا رنگ متعجب ہو گیا تھا۔

”دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ! رمضان نے ایک

اور حکم صادر کیا۔

”تم لوگ... تم لوگ کون ہو... کیا ہا
کی آواز کانپ رہی تھی۔

”میں سرخ کا ڈیڑھ ٹیلوں اور تھارہ
کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا صرف رہی کروں گا

فضول قسم کی بحث میں الجھنے لگے تو تھا
سے کردار ہی جانے لگی۔

”میں...“

”منہ دوسری طرف کرو،“ رمضان نے
مشتاق چنگیزی نے اپنا منہ دوسری

”شائش! تم نے اب اپنے منہ سے
نے کہا اور اپنی جیب سے ٹائیلوں کی ایک

بڑھا۔ مشتاق کے قریب پہنچ کر وہ بولا۔
”بچو لاؤ... اچھی کرنا“

مشتاق نے خاموشی سے تفصیل کی
باندھنے لگا۔

دس منٹ کے اندر اندر مشتاق
میں بندھے پڑے تھے۔ اُن کے نونہل ہونے

بولنے سے دنگ دیا گیا تھا۔ ان مرحلوں سے
رمضان اپنا اصل کام شروع کرنے کے لیے

کام کا آغاز ہمیں مشتاق چنگیزی ہی کے
لہذا مشتاق کو اُس کے ملازم ستارہ کے ساتھ

نکال کر ڈال دیا۔ دراصل میں نہیں جانتی تھی
وہ مشتاق چنگیزی کی نظر میں بھی آئے۔

وہ کام یہ تھا کہ ہمیں مشتاق کے گھر کی
ممکن تھا اُس تلاش میں جس میں کوئی ایسی چیز

کے ماحول کے بارے میں کوئی نشاندہی کر سکی
میر نے رائیگ ٹیبل کی تلاش لینا شروع کر

الماری پر ہلایا بولا۔ وہ الماری کپڑوں کی نہیں کسی
نائیں اور کاغذات جیسے ہوئے تھے۔ اور

درازوں میں کاغذات ہی کو تھپٹ کر رکھا تھا۔ میرا
ہی نازغہ جو کچھ ایک دو درازوں میں بہت زیادہ

تھے اور پھر اُن میں کوئی کام کی چیز یا تھکے نہیں لگے
میں نے مینر کے بعد ایک شلیف اور دوسری

شروع کیا۔ رمضان بدستور الماری ہی میں الجھا
کاغذات سے بچی پڑی تھی۔

میرا منہ مجھے جاہلوں کا ایک گھٹا ملا تو
دست متوجہ ہوئی جو بہت سی دائیں جانب
میں جاہلوں کو آزمائے کے بعد ایک عجیب
نکھول کر میں نے اُسے تھپٹ کر تاشوع
میں میں نہیں تھیں ایک ناکل تھی جس میں
گہکے تھے۔ ایک پتے سے جس میں کچھ
تھا۔ ”ایک منی“ سے متعلق تھا یا ایسا
نہ تھی اُس سیف میں موجود تھے اور
ماری بھی تھا جو مشتاق چنگیزی نے

سیف میں بھی نہیں مل سکی جو مشتاق چنگیزی
اس میں بھی نشاندہی کر سکتی میں نے اُن کی

ہنے دیا اور سیف بند کر کے جاہلیاں
کچھ رکھ دیں۔

”کچھ نہیں ملا،“ میں نے رمضان کے
الماز میں کہا۔ ”تم کہاں تک نہیں؟“

الماری دیکھی ہے؟“ رمضان نے ٹھنڈا
کچھ اُمید ہے کہ اس میں سے کچھ ملے گا

”اب؟“

”کے کاغذات بھی ہیں الماری میں اور وہ
میں پونسی ڈال دیا گیا، جو بعض اِس خیال

”ام آماش!“

”آد بکار!“

دوسرے کمرے کو دیکھتی ہوں۔ ”تم میری کون

”سے نکلی۔ رابڈاری میں پڑا ہوا مشتاق چنگیزی
رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو

”ٹپ کی وجہ سے وہ بے بسی کا شکار تھا۔
میں نے نظر ڈال کر دوسرے کمرے میں جا گئی۔

”میں نے دیر میں سارے مکان کی تلاش کی،
میں اُس الماری کو دیکھ کر سبب میں وہاں

”میں نے بند کر دیا تھا۔
”میں نے اُس سے پوچھا۔

”کوئی ایسی چیز تو نہیں مل سکی کہ مشتاق کے ماحول پر روشنی
ڈال سکتی لیکن ایک خالی لغافہ ملا ہے جو شاید کسی کام آسکے۔“
”خالی لغافہ...“

”ہاں!“ رمضان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی
بول پڑا۔ ”یہ ڈاک کا لغافہ ہے۔ ٹر میں اس کوئی خط وغیرہ نہیں
ہے۔“ رمضان نے ایک بوسیدہ سا لغافہ میری طرف بڑھایا۔
میں لغافے کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اس پر ایک عورت
خائستہ حبیب کا نام اور بتا لکھا تھا۔ وہ بتا دیتی تھی کہ اٹھاؤ
اُس پر لکھ دیکھی وہیں کے لکے ہوئے تھے۔ گویا وہ کوئی نونہل خط
رہا ہوگا۔

”اس پر تیس سال پہلے کی مہر لگی ہوئی ہے۔“ رمضان بولا۔
میں اُس وقت ٹکٹ پر لگی ہوئی مہر کی کا جائزہ لے رہی

تھی۔ لغافے کی بوسیدگی کے باعث وہ مہر بھی دھندلی ہو گئی
تھی لیکن خاصا غور کرنے کے بعد میں وہ تاریخ پڑھنے میں

کامیاب ہو گئی۔ وہ رمضان کے بیان کے مطابق واقعی تیس سال
پہلے کی تاریخ تھی۔

”ہوں!“ میں نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ اس کا امکان
تو ہے کہ یہ لغافہ کام کا ثابت ہو جائے۔ یہ سوال چاہا اہم ہے

کہ آخر یہ لغافہ مشتاق چنگیزی کے پاس کیوں ہے؟“
”باقی گھر کا جائزہ لے لیا آپ نے؟“

”ہاں، مجھے کوئی چیز نہیں مل سکی۔“

”تو پھر اب میں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ بحث دہانہ
اپنے گھر پر بھی ہو سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے، آؤ!“ میں نے کہا اور لغافہ اپنی جیب میں
رکھ کر دروازے کی طرف مڑی۔

”مشتاق وغیرہ کا کیا رہا ہے؟“

”انھیں ہم پونسی پھر پھر چلے جائیں گے۔ جو کچھ راکو اب
مک ہو ش آچکا ہوگا۔ اُسے دوبارہ میسوس کر کے اس کے

بات پر تیز کراد کر دیں گے۔ اُس کے بعد جب اُسے ہوش آئے گا
تو وہ خود ہی اپنے مالک اور اپنے ماحول کی رسیاں کھول دے گا۔

جب ہم کمرے سے نکلے تو مشتاق چنگیزی نے بڑی لمبی
سے ہیں جلتے ہوئے دیکھا۔

میر وئی دروازے کے قریب جو کچھ در پڑا ہوا تھا اور
میری توقع کے مطابق اُسے ہوش آچکا تھا۔ اُس نے خوفزدہ نظر

سے ہماری طرف دیکھا۔ رمضان نے اپنا ریلو ڈکال کراؤں کے کتے
کو ایک بار پھر جو کچھ در کی کپٹی پر آڑ دیا۔

”یہ بے چارے خواہ مخواہ سزا جھگڑ رہے ہیں“ میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

رضوان نے جتنی بھڑکی سے جو کدھر کو باندھا تھا اتنی ہی بھڑکی سے نالوں کی ڈھریاں کھول بھی دیں۔ اُسے آزاد کر کے ہم مشتاق چنگیزی کے گھر سے نکلے۔ گھر سے نکلنے وقت ہم نے نقاب میں اپنے چہرے سے انداز لگائیں۔

دراذیر بعد ہماری کارڈیلاں راستوں پر فرکے ٹھہر رہی تھیں۔

میں نے رضوان کو اُس کے گھر ہی پر آنا۔ راہ میں ہم دونوں گفتگو کرتے رہے تھے مگر وہ کسی اعتبار سے بھی تیوخر نہیں تھی۔ یہ اچھا دامن باتیں کرنے سے نہیں سلجھ سکتا تھا کہ وہ کی ایک عورت شائستہ عیب کو مٹنے والے کسی خط کا لفظ، مشتاق چنگیزی کے کاغذات میں کہاں سے آگیا؟

رضوان کے گھر سے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے عرصہ میرا ذہن اس سوال میں الجھا رہا اور سترے بیٹے کے بعد میری اس کو ذہن سے نہیں جھٹک سکی۔ یہاں تک کہ مجھے نیند آ گئی۔

صبح میں نے حسب معمول اپنے رزم کی ڈریسنگ کی اور ناشتے وغیرہ کے بعد دفتر روانہ ہوئی۔ دفتر پہنچے ہوئے تھے آدھا گھنٹہ گزرا ہوا کہ رضوان کا فون آگیا۔

”خیریت ہے“ میں نے پوچھا۔

”رات ہی سے میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے“

”درد؟“

”یعنی وہ لفظ....“

”اوہ! میں نے ایک طویل سانس لیا۔ رضوان اب تک میں ایک ہی نتیجہ پہنچ سکی ہوں۔“

”بس، تیوخر معلوم ہو جائے تو میرے پیٹ کا درد ختم ہو جائے گا۔“

”نہیں، وہ اس تہہ کا نتیجہ نہیں ہے کہ تمہارے پیٹ کا درد بالکل ختم ہو سکے۔ دراصل اب مجھے کچھ لوں محسوس ہونے لگا ہے کہ سنگیتا نے متعلق جو کافی اب ہماری نگاہوں کے سامنے پھیل جاتی ہے، اُس کا آغاز شاید برسوں پہلے دوڑی میں ہوا تھا اور اس آغاز کا پتا دوڑی سے چل سکتا ہے۔ کیا تم میری خاطر ایسا کر سکتے ہو کہ....“

”آپ کی خاطر تو بہت کچھ کیا جاسکتا ہے“ رضوان نے خوشی سے کہا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم دوڑی کا ایک جیکر لگا آؤ!“

”بس جیکر لگانے سے کام چل جائے“

”کسی وقت سنجیدہ بھی ہو جایا کر!“

”میں تو....“

”سنو!“ میں اُس کی بات کا فنی ہوں کہ تم دوڑی جا کر اُس عورت شائستہ معلومات حاصل کرو۔ نہ جانے اب وہ اگر مر چکی ہو تو بھی تمہیں اُس کی زندگی کے کرنا ہوگی۔ وہ بالتم ایسے لوگوں سے ہے کہ کارالپر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا شکیل کے والد سے بھی خاصی مدد مل سکتی ہے۔ وہ اکثر شکیل سے معلوم کر کے بتا دیتا ہے کہ تم دوڑی چلے جاؤ!“

”میں کل ہی چلا جاتا ہوں۔“

”دینا کا بندوبست میں فوراً کر دو۔“

”خاتون! مجھے معلوم ہے کہ آپ لیکن ایسے پھولے ٹھونے کام تو یہ ہیں۔ رضوان نے شاید ڈرتے بنا کر کہا تھا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر والد کا پتا لے کر تمہیں فون پر بتا دوں گا۔“

”اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو ڈاکٹر میں تمہیں وہاں کام کے لیے بھیج دے گا۔“

”میں نے نہیں کہا کہ میں ڈاکٹر کے لیے نہیں چلیں۔“

”بہت بے درد ہیں آپ!“

”لے کر کہا ہے اچھا خیر میں تیار ہوں۔“

”آج رات تک ڈاکٹر شکیل کے والد کا پتا“

”ٹھیک ہے۔ میں نے سلسلہ سنگیتا دفتر میں موجود تھی لیکن کمرے میں بھی نہیں بلایا۔

”شام کو جب میں دفتر سے گھر کی طرف دیکھا کہ جیس فریڈرک کارمیر نے تو واقعی شاید ہاتھ دھو کر نئے سوچا، مگر کیوں؟ یہ ایک نئی بات کا نامزدہ آخر مجھ میں اتنی دلچسپی کیوں؟

”اُس نے گھر تک میرا نقاب کہا جب اندھی اکیلے گئے تو میں نے ہاڑوں۔ وہ میری محبوب تھی اور خوب

کی دلد سے بھی محروم ہو جانا کتنا اذیتناک ہوتا ہے؟ اس کیفیت کو الفاظ کی گرہ میں نہیں باندھا جاسکتا۔

”شام کو جب میں دفتر سے گھر گئی تو جیسی فریڈرک میرے نقاب میں لگا ہوا تھا۔

”اُس کے بعد یہ معمول ہی بنا رہا میں جہاں بھی جاتی جیسی فریڈرک سلسلے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا۔

”رضوان کو دوڑی چلے ہوئے چار دن گزر گئے لیکن اُس کی طرف سے کوئی اطلاع بھی نہیں ملی۔ اطلاع ملتی بھی کیسے؟ میں نے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ مجھے نہ فون پر کچھ بتائے اور نہ خط لکھے بلکہ خود واپس آنے کے بعد ہی مجھے مکمل رپورٹ دے۔

”اس دوران میں میری کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں رہی۔ گھر کے دفتر اور دفتر سے گھر! کبھی کبھی میں شام کو تقریباً کسی کلاب یا ہوٹل میں چلی جاتی تھی اور جیس فریڈرک اس وقت بھی میرا سایہ بنا رہتا تھا۔ میں خود اُس سے کوئی چیر چھا نہیں کرنا چاہتی بلکہ مجھے اُس کی طرف سے کسی اقدام کا انتظار تھا۔ یہ وہ انتظار تھا کہ مجھ کو بے انتظار کی طرح طویل ہوتا چلا جا رہا تھا۔

”اُن دنوں میں میرے شے کا زخم مندمل ہو چکا تھا اور اس پر کھنڈا جانے کی وجہ سے ڈریسنگ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔

”دو دن اور گزر گئے۔ اب مجھے رضوان کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اتنے دن میں تو اُسے یقیناً ٹھونے چلے جاتے۔ پھر جب آٹھواں دن آیا تو میں بہت پریشان تھی۔ اُس دن میں جیسے ہی دفتر پہنچی، سنگیتا میرے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے میرے قریب آکر گلاب کا ایک پھول میری طرف بڑھایا۔

”دیکھ کیا؟“ میں نے تعجب سے بولی۔

”گلاب ہے بانو! دیکھیے کتنا خوبصورت ہے۔ ہمارے گھر میں گلاب کا ایک گلاب ہے۔ آج جب میں گھر سے روانہ ہو رہی تھی تو اُس میں سے گلاب ہوا نظر آیا۔ مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اسے ٹوڑ لیا۔ اُسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ گلاب میں آپ کو دوں گی۔“

”شکریہ!“ میں نے مسکراتے ہوئے گلاب اُس کے ہاتھ سے لے لیا لیکن میرے دل کو ایک دلچاسا سا دکھا۔

”سنگیتا کمرے سے چلی گئی۔ میں اُس سے کچھ کہہ سکی نہیں سکی اور بس اُس گلاب کو دیکھتی رہی جو میری آنکھوں میں دبا ہوا تھا۔ لوگ عموماً عقیدت یا محبت کے جذبے کے تحت پھول کسی

کی نذر کرتے ہیں لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس بات میں ہونا چاہیے۔
 مجھے میں ملی ہوئی چیز مٹانے نہیں کی جاسکتی اور پھول ایسی چیز
 ہے جسے مٹانے ہونے سے بچنا ناممکن ہے۔ میں نے بھی اس
 پھول کو مٹا دیا۔ ہونے سے بچانے کے لیے ایک کتاب میں رکھ دیا تھا
 لیکن اس طرح پھول محفوظ ضرور ہو جاتے ہیں لیکن ایک دن کتاب
 جب وہ بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور ان کی یہ حالت دیکھ کر
 بلا کر ہمسوس ہوتا ہے۔

بعد میں ایک عید کے موقع پر سنگیتانے مجھے ایک عید کا ڈ
 بھی دیا تھا۔ وہ پھول آج بھی اس عید کا رڈ میں میرے پاس
 محفوظ ہے اور جب سبھی میں اس کی خشک پتھری کو دیکھتی ہوں
 تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی نے میرا دل مسوس کر رکھا ہو۔
 اس روز جب سنگیتانے مجھے وہ پھول دیا تو میں اس خیال
 سے بہت آداس رہی کہ ایک دن یہ پھول مر جھالے گا۔
 اگلے دن اوار تھا اس لیے میں دفتر نہیں گئی تھی یہی میں
 بڑی اس پھول کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ سنگیتانے مجھے کس
 جذبہ کے تحت دیا تھا؟ عقیدت کی وجہ سے یا محبت کے باعث؟
 تیسرے بہر تک میری طبیعت ان خیالوں سے آگئی تھی کہ
 میں گھر سے نکل کھڑی ہوں۔

جیس فریزر اس روز بھی میرے نقاب میں لگا ہوا تھا
 لیکن گزشتہ دنوں کی طرح اس روز بھی میں نے اسے کوئی اہمیت
 نہیں دی۔ میرا دل بہت گھبرا ہوا تھا۔ میں شہر کے ایک خوبصورت
 ہوٹل کی طرف جاسکتی اور اس جگہ کا رخ کیا جہاں سوئٹنگ
 ہوتی تھا۔

عورتیں اور مرد پول میں ڈکیاں لگا رہے تھے اور تڑپ رہے
 تھے۔ عورتوں میں زیادہ تعداد فریکوئن کی تھی۔ پول کے گرد پختہ
 فرش پر وہ لوگ ٹیم دراز تھے جو ہنپا تھے اور اب دوسروں کی
 خوش فعلیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ
 میز پر بھی لگی ہوئی تھیں جن پر بیٹھے ہوئے لوگ مکمل لباس میں
 تھے۔

انہی میں سے ایک میز پر مجھے مشتاق چنگیزی نظر آیا میں نے
 دیکھ کر جو کچھ اس نے اور پھر بے اختیار میرے قدم اس کی طرف بڑھتے
 چلے گئے۔
 مشتاق چنگیزی پول میں ڈکیاں لگانے والوں کی طرف متوجہ
 تھا اور اس کے ہوشوں پر مسکرتے دیکھ رہی تھی لیکن جب اس نے
 مجھے دیکھا تو جو تک پڑا اور اس کے ہوشوں سے مسکراہٹ کا نور
 ہو گئی۔

”ہیلو! میں سکائی۔“

”ہیلو! میں سکائی۔“

”عجیب اتفاق ہے کہ آپ۔“

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ آپ؟

”ہاں! ہاں! تو کیا ہی ہوں۔“

مشتاق چنگیزی کا لفظ ”کی“

ہی اس کے معنی یہی تھے کہ میرا

ہمارے قریب آگئی تھی۔ اس نے کہا۔

پھر مشتاق سے انگریزی میں کہا۔

وہ یوں ہی تھی لیکن میں اس کے

اس کی عمر سے دو گنا سال کے لگ بھگ

میں اس کا جسم اس طرح دھک رہا تھا کہ

گئی۔ وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اسے صرف

محسوس ہونے لگے۔



جب وہ جانے کے لیے مڑی تو یہی
 سایہ چور تھا تو چلتا ہے۔ اس لڑکی کے

کر دیا تھا کہ میں مشتاق چنگیزی کی موجودگی کی گہری
 جیس فریزر کو بھی بھلا دیا تھا جس کی نگاہ میں

کو بہت دور سے پڑھ رہی تھی میں نے اسے اس
 لڑکی اس کے قریب سے گزر کر گئے تھے۔

جیس فریزر پر نظر پڑتے ہی میں نے سمجھا
 ہوئی نگاہ کو کونسا مشتاق چنگیزی کے چہرے پر

”شاید آپ میری خدمت کو پہچانتے کی
 مشتاق چنگیزی نے اسے دیکھتے ہوئے مجھے

”اے... اے... میں نے خود کو دیکھ لیا
 ”میرا خیال ہے کہ میں کبھی یہاں پہلے اس سے

”میرا خیال ہے کہ سونیا بھی یہاں نہیں
 نے مر لے میں کہا۔ وہ اطالوی ہے اور خود اس

زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر
 پڑا ہے۔“

”تو پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ملتے جلتے چہرے
 میں پائے ملتے ہیں۔ آپ سے اس اطالوی لڑکی کی
 کیسے ہو گئی مشتاق؟“
 ”کیا آپ اس کے بارے میں بھی کوئی خبر سنا

”میں نہیں پڑی۔ یہ تو میں نے ریٹیلنگ
 کر دیں گی، اگر آپ اس کا جواب نہ دیتا
 ”اے... اے... میں نے بھی جانتی ہوں۔“
 ”شکر ہے! مشتاق چنگیزی نے ایک ایک

”میں اراض معلوم ہوتے ہیں مشتاق! میں
 آپ کا خیال ہے کہ میں کسی طور سے آپ کے لیے
 ”میں ہوں۔“

”میں شاید مشتاق کو احساس ہو کر اب تک
 میں نہیں رہا ہے۔ اب اس نے سمجھا لیا اور
 ”میں کبھی یہ بات نہیں کر سکتا تھا

”میں محسوس ہوتا ہے کہ میں کبھی بھی
 ”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

”منظور!“ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبا دیا۔ مگر کے نرم ہاتھ
 کے ٹکس نے میرے رگ پہلے میں سرسری ایک ہر دھڑکائی

تو پھر میں اُس کینخت کے بارے میں سوچوں بھی
سوچا اور اُسے ذہن سے جھٹک کر بھر سونیا کر
جئے لگی۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ اُس ہو مل
مستقر ہے یا تمام معلوم کر لئے ہیں کوئی حرج نہیں

جی کرئیں نے خواب گاہ میں ہی کھانا منگوالیا۔ کھانا
 ہی ملازمہ ڈاک کے دولٹے سے بھی لائی۔
 اچ گیا یہ بچے کی ڈاک سے آئے ہیں۔ اُس نے بتایا

رضیہ، میری بہن، مجھے دنیا میں کوئی بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا اور میں اس بات سے باخبر تھی کہ رضیہ دل کو گرائی سے صوفان کو چاہتی ہے۔ یہ اس کا اپنا ایک فلسفہ فاضل تھا کہ وہ صوفان سے خدائی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ صوفان کو بڑی شغف سے چاہتی تھی۔

ہنڈی سے اس طرح جبکہ کئی قبیلوں کے معلوم ہونا تھا کیسے میری
 ہتھکڑیاں بائیں کمر ہنڈی میں کوئی منقش طاقبت ہے۔ میں
 اُسے نیچے کی طرف کھینچے جا بیٹھے چلی گئی۔ یہاں تک کہ ہیرا کی تھپاٹ
 گرائی میں اُس سے فرش ٹک رہی تھی۔ میں نے عسوی کیا تھا کہ سونیا
 اب اپنا ہاتھ چھڑکے گی کہ گوش بھی تھپاٹ رہی تھی۔ میں نے
 اُسے ایک ہنڈی سے کچھ اور نیچے کیا جب کہ خود ذرا سا اچھڑا گئی۔
 اب میں نے سونیا کے گھگھے میں بائیں ڈال دیں۔ جو اب سونیا کچھ سے
 امریل کی طرح لپٹ گئی۔

پانی کی گھڑی میں ایک بھڑک رہی تھی۔ سسکوں کی زبانی
 ہمیں چاٹ رہی تھیں۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ ہم تادیر تک
 اُنک سے کھیلنے رہیں لیکن پانی کی گھڑی میں یہ ناممکن تھا۔ آخر
 ہم تک سانس روک کتے تھے جبھہ سے پہلے سونانے بہت
 ہار دی۔ سانس روکے رکھنا اب اُس کی برداشت سے باہر
 ہو گیا تھا۔ وہ اچانک مجھ سے جدا ہو گئی اور تیزی سے سطحِ

کی طرف اٹھنے لگی۔ اب میں نے بھی اپنے جسم کو ڈھبلا چھوڑ دیا اور درہ گیس بھروسے موٹر غبارے کی طرح اوپر اٹھ چلا گیا۔ میں سونیا کے قریب ہی سطح آب پر اٹھ بھری۔ سونیا بہت لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ پانی میں بھیکا ہوا بونے کے کباڑوں اُس کا چہرہ انگارے کی طرح دھک رہا تھا۔ یہ پیش اُن جذبات کی تھی جو پانی کی گہرائی میں براہِ گھنیز ہونے سے مگر نکتہ آسودگی اُن متحدہ نہیں بن سکتا تھا۔ غالباً کچھ ایسی ہی کیفیت اُس وقت میرے چہرے پر بھی ہوں گی۔

ابروئے نیچ کر بتایا کہ میں نے پھر ایک پوائنٹ جیت لیا ہے
سو نیامیری طرف دیکھتے ہوئے عیب سے انداز میں اس
پڑی سائیکل پر تڑپتا جیسے وہ ابرو کی حمایت پر پہنچی ہو۔ وہ بے خوف
میرا کی کہ پوائنٹس گن رہا تھا اور ادھر تک کچھ دوسرے ہی پوائنٹس
پر حملہ کر رہے تھے۔
میں نے ایک جھپٹی سی نظر نشانہ چگنی پر بھی ڈالی تھی اور
اندازہ کر لیا تھا کہ وہ حقیقت کو بگڑی طرح سمجھ رہا ہے۔

جب میرے ادرسون کے ماسس پوری طرح کاغذ میں آ گئے
تو ہر ایک بار پھر پانی کی لگائی میں چلے گئے۔ خود آج صوف میں
پایا تھا کہ گڑیاں ناپی حائیں، آنکھیں گڑیاں جہاں استاروں
کا ترنم بھونچتا ہے اور نقل کرتے ہوئے چلتے ریاضِ دواں ہوتے
ہیں لیکن یہاں پہنچ کر لیں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ناقص نقل
کے دہانے پر کھڑے ہو گئے ہوں۔ آگ کا کام جلتا ہے مگر ایک

وہاں سے اُٹھ کر ہٹول کے اسٹیک بار میں جا بیٹھے سو نیا نے کافی کا آرڈر دیا۔

”سنا، بشتاق سیٹ ایجے میں بولا۔ ”کیا آج کارپورٹ گرام سس کرنے کا ارادہ ہے؟“

اب میں اس مقدمہ کو کوئی
 اسے لوانا چکنا۔ کیا میں اس مقدمہ کو کوئی
 اسے لوانا چکنا۔ کیا میں اس مقدمہ کو کوئی

”اوہ... یہ کہاں جا رہے ہیں؟“ میں نے چونک کر سوچنا سے بڑھیا۔

”مشتاق نے اچانک پروگرام بدل دیا۔ اُسے میرے ساتھ تفریح کرنے جانا تھا لیکن ابھی اُسے کوئی خاص کام یاد آیا۔ اُس کا خیال ہے کہ اس کام میں البرٹو اُس کی کچھ مدد کر سکتا ہے، اسی لیے وہ البرٹو کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن ابھی جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو آپ کیا ذہنی طور پر ہاں سے غائب نہیں؟“

”ہاں!“ میں نے سسکا کر کہا۔ ”میں تمھارے مریض میں مونی ہوئی تھی اور جب انسان سرور کی حالت میں ہو تو اُسے ارد گرد کا ہوش نہیں رہتا۔“

لیکن مجھے اتنا ہوش ضرور تھا کہ میں نے اُس مارٹری دالے لنگڑے کو بھی اسٹیک بار سے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ کم از کم مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ البرٹو اور مشتاق کے پیچھے گیا ہو۔

مگر کیوں؟ یہ ایک اچھا سوال تھا۔ وہ تو ہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کی کوئی راہ نکالے لیکن وہ مشتاق کے پیچھے چلا گیا۔ وہ اُس وقت بھی مشتاق کے پیچھے گیا تھا، جب مشتاق باغ و زم کے بہانے جیسے فریڈ کے پیچھے گیا تھا۔ لیکن ایسا تو نہیں کر یہ سب لوگ مل کر مجھے قتل کرنے کے لیے کوئی لاغر عمل مرتب کرنا چاہتے ہوں؟

”آپ پھر کہیں کھینگیں؟“ سونیانے مجھے ٹوکا۔

”اں... اں...“ میں چونکی اور اُس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکراتے لگی۔

”کیا خیال ہے؟“ وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

”کیسا خیال؟“

”میدان صاف ہو چکا ہے“

”تو پھر؟“ میں نے اُس کی بات سمجھنے کے باوجود اٹھا کر لیا۔

”اور کمرے میں چلے ہیں“

”ایک منٹ! میں ذرا پانی پی لوں!“ میں نے بڑبڑاتا ہوا کہا۔

”لیکن ابھی آپ نے کافی پی ہے؟“ سونیانے باد لایا۔

”کوئی حرج نہیں، مجھے اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ اس وقت مجھے دجانے کیوں بہت زردی پیاں لگ رہی ہے۔ ملق خشک ہو رہا ہے۔“

لیکن بات صرف اتنی تھی کہ میں سونیکہ کے کمرے کا رخ کرنے سے پہلے کچھ سوچنے کی ہمت چاہتی تھی۔ باقی پینے کے بہانے مجھے یہ ہمت مل گئی تھی مجھے مشتاق کا اچانک چلا جانا ناخوش و ناگوار محسوس ہوا تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ جان بوجھ کر مجھے اور سونیانو کو

تہنہ کا موقع دیا گیا ہے لیکن یہ میری لوگ میری اس کمزوری سے کس طرح نا اہل زیادہ سوچتے تھے کہ میرے پاس نے اتنی احمقانہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ قتل رخ کرنے کی بجائے اُسے اپنے گھر لے آؤ؟“ میں کھڑی ہو گئی۔ ”سوئیانا! لیکن جب میں اُسے لے کر چلی آؤں تو وہ جا رہی ہیں براستہ تو اور دھر ہے؟“

”تم آؤ تو مہربا!“

وہ سوالات کی پوچھا کرتی رہی لیکن میں نہیں دیا اور اُسے جے جے کی کار میں بٹھا دیا۔

”کیا آپ کمپس اور چل رہی ہیں؟“

”ہاں!“ میں نے اسٹیرنگ بٹھاتے ہوئے اپنا گھر دکھانے کے لیے پل سر ہری ہوں۔

”اوہ گ!“ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تم دھڑکا کر اتر جاؤ کہ نہ جانے کب آجائے؟“

سونیکہ کے اس جواب سے میں نے سمجھ لیا کہ میرے لیے کوئی جال بچھا بھی رہے ہیں اور اس کا کوئی کام لینا چاہتے ہیں، تو میں کم از کم سونیا کو اس اگر وہ ان لوگوں کا آزاد کاربستی تھی تو نا دوستی میں! کارینز رفتاری سے ٹولفیش کی طرف روانہ ہوئی۔

”یہ... یہ...“ سونیانہ کھینکتے ہوئے بچے پالنے لگی۔

”کیا بات ہے ڈی؟“ میں نے بائیں ہاتھ سے اٹھ دیا۔

”تم جو پھر کتنا جانتی ہو، وہ بے دھڑک کر آؤ۔“

”میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ... یہ کار...؟“

غالباً اُسے اپنا سوال پھر نایاب سا معلوم ہوا تھا۔

”ہاں!“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”یہ میری ہی کار ہے۔“

میرا گھر دیکھ کر بھی تعجب کرو گی اور اُس کے بارے میں کوئی گویا لہذا میں ابھی سے بتا دوں کہ وہ گھر بھی میرا ہی ہے۔

”تو کیا یہاں کے فری لانسرز جرنلسٹ اتنے ہی افسوس ہیں؟“

”نہیں، ہمارے صحافیوں کو مالی سکون حاصل نہیں میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ میں اس پیشے میں مالی منفعت لیے نہیں آئی ہوں۔ میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ اگر صرف اسے اخبار محل سکنا ہو تو میں پچیس پچاس اخبار ایک

پیشہ میرا شوق ہے۔ وقت گزاری کا ایک اس طرح تم جیسی مریبا داروں سے دوستی میں میرے سے ہنسی۔“

”تم نے لگی کہ میں ایک بہت بڑی قسم کی ارد بار دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ات گزاری کے لیے چھوٹی نہیں لیکن سونیا نظر نہ لگی۔ ”ابھی باتوں میں گھر گیا اور میں نے جاکر کھڑی کر دی۔“

”مررت!“ سونیانہ کار سے اترتی ہوئی بولی اُس گھر پر تھا۔

”اندر تو جتنے مقصود بہت ہی زیادہ پسند آئے گا تاہم تمام کر رہا ہے کی طرف بھی جاساں۔“

”میں ایک کمرے کا تول تو مقصود کچھ طلسماتی کر رہے ہو بلورم کہتی ہوں۔“

”وہ کچھ کہتے کہتے مرگ گئی۔“ اُس کی خاموشی کا سبب یہ تھی جس نے مجھے بھی پٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”اب نیکی تھی جو برا تدبیر کے سامنے آؤ گی اور اُس کی کردیکھ کر میں چونک گئی۔ وہ نیکی تھی، لیکن اس دم ہوتا تھا جیسے اُسے تن مدل کا ہوش نہ ہو۔ وہ یہی تھی اور آنکھیں ہنگاموں کی طرح دھبہ رہی تھیں۔

”تم نے بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔“

”سنا کا تاہم پھر دیکھتا ہوں برا تدبیر سے اتری لیکن پینے سے پہلے ہی نیکی نیکی سے اترتی تھی۔“

”اُس نے ایک دلورہ بیچ مارا اور مجھے سے انکوائری۔“

”اسپا اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے سنبھال نہ لیا ہوتا تھا۔“ اُس کا سارا جسم کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہلکا ہوا دھبے میں بھسکی ہوئی تھی۔

”گہرا جان باؤ!“ میں حقیقتاً بوکھلا گئی تھی۔

”آپ مجھے زبردستی دیکھیے؟“ نیکیانہ جھجھک کر بولی۔ ”اب میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں تو تنہا یہ فذاب زندگی کرتی۔“

”تو جان! آخر ہوا کیا ہے؟ تم تو مجھے بھی زورس کیے ہو گے۔“

”سنگیانے اپنا سر میرے شانے

پر تھوڑا سا روتی رہی۔

”کون چلا گیا جان؟“

”شکیل... میرا شکیل چلا گیا۔“

”تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ اگیا ہے تو اس بھی آجائے گا۔ اگر ناراض ہو کر گیا ہے تو بھی میں اُسے نالاؤں گی۔ تم اپنی جان کیوں ہلکا کر رہی ہو؟“

”آپ اُسے نہیں لاسکتیں... آپ اُسے نہیں لاسکتیں۔“

”اس نے ہاتھوں کی طرح مجھے سمجھوڑا ڈالا۔“ اُسے تو بڑے بڑے ڈاکٹر بھی نہیں لاسکے۔“

”میرا تھا اٹھکا۔“

”وہ دیا ہی سے چلا گیا ہے باؤ! وہ دنیا ہی سے چلا گیا ہے۔“

”سنگیانے!۔۔۔ اب ایسا تھا کہ میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ میری بند لیاں سنسانے لگیں اور دل بھی جیسے دھبے لگا۔“

”شکیل مر گیا! یہ میں آسانی سے کیوں کر مان لیتی۔ وہ خوبرو نوجوان، وہ متذبذب شخص جس نے ایک ہی ملاقات میں مجھ پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ آخر وہ اچانک کیسے مر گیا؟“

”سونیا میرے قریب خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ میری اور سنگیانہ کی باتیں اندو میں ہوئی تھیں اس لیے سونیانہیں سمجھ سکی ہوگی۔ آخر وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ ”کیا کوئی ٹرپ بھٹی ہو گئی ہے؟“

”سنگیانہ میرے سینے میں مڑ چھپائے رٹے جارہی تھی۔

”ہاں سونیا!“ میں نے تھنڈا سانس لے کر کہا۔ ”بہت بڑی ٹرپ بھٹی ہو گئی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتی کہ بڑی کچھ کتنی عزیز ہے اور وہ شخص جو اس لڑکی کو بہت عزیز تھا، اچانک اس دنیا سے چلا گیا۔ سونیا! میں اس وقت تم سے مندرست ہو چلاؤں۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں تمھیں داپس بول چھوڑنے سے بھی نہیں جا سکتی۔“

”کوئی بات نہیں، میں خود چلی جاؤں گی۔“

”میرا خیال ہے کہ تم ابھی نیکی میں چلی جاؤ۔“ میں نے اُس نیکی کی طرف اشارہ کیا جس میں سنگیانہ مل آئی تھی۔

”ہاں ہاں، میں کسی طرح بھی چلی جاؤں گی۔ آپ ٹکڑے کریں اور اس ستم زدہ بے بسی کو سنبھالیں۔ میں بعد میں کسی وقت آپ سے مل لوں گی۔“

”موقع ملے ہی میں تمھیں فون کروں گی۔“

سونا سے سڑھا ہوا ہمدردانہ اڑاؤ میں سنگیتا کے شانے پر
 ہتھی کی اور آگے بڑھ کر ہتھی میں بیٹھ گئی۔
 سنگیتا نار و دھار دے جارہی تھی۔ اس کی بجلیاں بندھ
 گئی تھیں اور وہ نڈھال ہوئی چلی جا رہی تھی۔ میں اسے سہارا
 دیے ہوئے ڈانگ روک میں لے آئی، اسے ایک صوفے پر لٹایا
 اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر آہستہ آہستہ اس کا کال ہتھی لڑی۔
 میں اس سے ملو کر نچا چھی تھی کہ تشکیل کی قوت کب اور کیسے
 واقع ہوئی لیکن وہ اس حال میں تھی ہی نہیں کہ تفصیل سے کوئی
 بات بتا سکتی تھی اس لیے میں نے اسے روئے دیا۔ میں نے اسے چپ
 کرانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ میں چاہتی تھی کہ اچھی طرح رد کر اس
 کے دل کی ہڈیاں نکل جائے۔
 مجھے جرات منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ اس عرصے میں وہ اتنی
 نڈھال ہو گئی تھی کہ تقریباً غشی کا عالم ہو گیا تھا۔ میں نے ملاز سے
 پانی دے کر اسے پلایا۔ اس نے مشکل و دشوار گھونٹ لیا اور گھٹیں
 بند کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگی۔
 ”سنگیتا“ میں نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چومتے
 ہوئے کہا ”اپنے دل کو سنبھالو چندا بہت سے کالو۔ آخر یہ سب
 کیسے ہو گیا کچھ تو بتاؤ!“
 سنگیتا نے لوئے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹ لپکا کر رہ
 گئے اور آنکھوں کے گوشوں سے پھر نئی ہلکے لگی۔
 میں نے بار بار سے انداز میں اسے ڈانٹا۔ اب اگر وہ اس
 تو میں بھی تم سے روٹو جاؤں گی۔
 سنگیتا نے بے انتہا میری کمر میں ہاتھ ڈال دیے اور میری
 گود میں مٹے بچپن کر سکے لگی۔ میں نے اس کی بیٹھ چھپکے ہوئے
 کہا ”بہت... چندا... بہت!“
 آخر میں مشکل تمام سنگیتا کو بولنے پر آمادہ کر سکی۔ اس نے
 ایک ایک کر سبکیاں لیتے ہوئے مجھے بتایا کہ ایک حرکت بہت دور سے
 تشکیل کی کار سے شروع کیا ہوا کر گیا تھا۔ اس حرکت کے نتیجے میں کار
 کا سہیہ بگ تشکیل کے سینے میں دھنسا گیا تھا اور اس کی ساری پسلیاں
 ٹوٹ گئی تھیں۔ اسے جاں کی کے عالم میں ہاسپٹل پہنچا گیا تھا جہاں
 کئی ڈاکٹروں نے اس پر فوری طور پر قریبی قریبی دیکھ کر کسی کامیابی سے
 ہلکا نہیں ہو سکے تھے۔ ہاسپٹل پہنچنے کے بعد پانچ منٹ کے اندر
 ڈاکٹر تشکیل کی روح قفسی نصری سے پرواز کر گئی تھی۔
 یہ سب کچھ سنتے ہی میرے ذہن میں اس خیال نے سر اٹھایا
 کہ تشکیل کی قوت ایک اتفاق حادثے کا نتیجہ تھی یا اسے سازش کے

تحت ہلاک کر دیا گیا تھا؟ سازش کا امکان
 کرنے کی کوشش اس سے پہلے بھی ہو چکی تھی
 علیحدہ رکھنے کا سامان کیا گیا تھا اور ڈاکٹر
 ایک سہارا تھا ممکن ہے کہ وہ سہارا بھی
 میرے استفسار پر سنگیتا نے یہ کہی
 آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ وہ شاید بگ
 نے تشکیل کی کار کو گزرتے دیکھا۔ تشکیل کی نظر
 اس لیے وہ گزرا جلا جاتا لیکن سنگیتا نے اسے
 بیٹھی۔ تشکیل نے چونکہ سنگیتا کی طرف
 سامنے سے ایک ٹرک دیکھا تو اٹھ آیا اور تشکیل
 ہوا گزرا گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے وہاں گئے کی
 تھی اور فرار ہو گیا تھا۔
 تشکیل کی بچی ہوئی کار سے اس کو
 ایک کلاشیں ہاسپٹل پہنچا گیا تو سنگیتا بھی اس
 پولیس فوراً ہاسپٹل پہنچ گئی لیکن تشکیل کی کار
 کا بیان نہیں لیا جاسکا اور ڈیوٹی ہوئی کی حالت میں
 سے کوچ کر گیا۔
 ”کیا کسی نے اس ٹرک کا پیچھا نہیں کیا؟“
 سے پوچھا۔
 ”مجھے علم نہیں!“ سنگیتا نے جواب دیا۔ اہا
 کے سوتے خشک ہو چکے تھے اور وہ میرے برابر
 اس کا چہرہ بالکل سفید اور پتھر لیا ہوا سا لگ رہا تھا
 خلا میں تک رہی تھیں، جیسے وہ وہاں اپنے کھلم
 کو ڈھونڈ رہی ہو۔
 ”اس نے اس ٹرک کا پیچھا نہیں کیا؟“
 ”اس کا نمبر تو نہ جانے کیسے یہ ہے ذہن پر
 تھا لیکن پولیس کو وہ مشاوری اور پوری ملی ہیں۔ ان کو
 نے کچھ اور نمبر بتایا ہے۔ پولیس میرے بیان کردہ نمبروں
 ان دونوں کے بتاتے ہوئے نمبروں پر اعتبار کر رہی
 ”کیوں؟“ میرے ذہن میں کچھ شکوک ابھرے
 ”پولیس آفیسر کے خیال کے مطابق میں چونکہ ڈاکٹر
 تعلق رکھتی تھی اس لیے وہ حادثہ دیکھ کر میرے حواس
 ہیں جب کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں
 دوسرے پر کہ وہ دونوں آدمی چونکہ ایک دوسرے سے کوئی
 رکھتے مگر ان کا بیان ایک سا ہے لہذا میری بات ان کے

تولنے کی جائے گی۔“
 ”ہوں!“ میں سر ہلا کر سوچنے لگی کہ اب مجھے اس معاملے
 کی چھان بین کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔ میں نے سنگیتا سے کہا ”جو
 میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑاؤں۔“
 ”نہیں! ہاؤ آپ کیوں تکلیف کرنا چاہتی ہیں میں خود
 ہی چلی جاؤں گی۔ جس طرح یہاں آگئی، اسی طرح اپنے گھر بھی جا
 سکتی ہوں۔ نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس کے تحت میں اپنے
 گھر جانے کی بجائے سیدھی آپ کے پاس آگئی!“
 ”وہ جذبہ...“ میں خفیف سی کمرانی۔ ”میں جانتی ہوں
 وہ کون سا جذبہ تھا! وہ جذبہ محبت کا جذبہ ہے سنگیتا جسے تم
 عقیدت کا نام دیتی ہو۔ تمہارے لاشوں میں تکلیف کا خوف بسا ہوا ہے
 جس کی وجہ سے تم نے اپنی محبت کو عقیدت کا نام دے لیا ہے۔“
 ”آپ غلط کہہ رہی ہیں!“ سنگیتا نے احتجاج کیا۔
 ”نہیں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، لیکن تم بھی غلط نہیں کہہ
 رہی ہو۔“
 سنگیتا ملتا ملتا بکھینچ گئی۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آ
 سکتی تھی۔
 ”میری بات ذرا اچھی ہوئی ہے، میں نے کہا اگر میں
 اسے اور زیادہ اچھا کر لوں تو یہ کہوں گی کہ جب تم یہ کہتی ہو کہ تمہیں
 شہ سے بہت نہیں تو تم اپنے نہیں باطل کہتی ہو۔ سنگیتا پانچواں
 دراصل یہ ایک نفسیاتی الجھاؤ ہے۔ سماج کا ہر فرد تو تمہارے
 لاشوں میں بسا ہوا ہے اس لیے تم مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کر سکتیں۔
 تمہیں خود بھی اس کا یقین ہے کہ تمہیں مجھ سے بہت نہیں بلکہ صرف
 عقیدت ہے۔ لیکن اگر کبھی تمہارے لاشوں سے شوق کا تعلق پیدا ہو گیا
 تو تم جان جاؤ گی کہ تمہیں مجھ سے صرف عقیدت نہیں بلکہ محبت بھی
 ہے۔“
 ”نہ جانے آپ کیا کہہ رہی ہیں!“ سنگیتا کی آواز بھڑائی
 ہوئی تھی۔
 ”ہاں، میری باتیں تھوڑی سی پیچیدہ ہیں اور ایسے بھی
 اس وقت تم ذہنی طور پر آپ کیٹ ہو لہذا چھوڑو اس کو غور
 کو، آؤ چلو!“ میں اس کا ہاتھ بڑھ کر گھمڑی ہو گئی۔ میں تمہیں
 تمہارے گھر پر چھوڑنے کے بعد اس ایک سیڈنٹ کی چھان بین کے
 لیے جاؤں گی۔“
 ”آپ کیوں پڑتی ہیں اس جگہ میں؟ پولیس خود ہی نمٹ
 لے گی۔“

میں نے سنگھ کا یہ بیانا مناسب نہیں سمجھا اگر میرے ذہن میں کہ شہادت پیدا ہو چکے ہیں! میں اُسے کرنا نہیں چاہتا۔
 کی طرف روانہ ہو گئی۔ راہ میں، میں نے عقب نما آئینے پر کڑی نظر رکھی۔ میں جانتا چاہتی تھی کہ میں فریڈر سے میرے تعاقب میں ہے یا نہیں! جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرے تعاقب میں کوئی بھی نہیں بچتا۔

سنگھ میرے بار کی نشست پر بالکل خاموش بیٹھ بیٹھا تھا۔
 تھی اور اُس کے چہرے پر افریقہ کی داہیں بادل چھایا ہوا تھا۔ جب کار اُس کے گھر کے قریب پہنچ گئی تو میں نے اُس سے پوچھا: "تمہارے والد کو کونسا ایسا حادثہ کا شکار نہیں ہو گا؟" "میں جی بتاؤں گی جا کر! وہ پریشان ہوں گے کہ مجھے اتنی دیر کیوں ہو گئی!"

"اچھا ہاں،" میں نے کار روک کر اُس سے پوچھا: "یہ حادثہ کس وقت ہوا تھا؟" "جو بھیجے،" سنگھ جی سے مجھے یہ بتا چلا کہ وہ حادثہ کہاں پیش آیا تھا! میں اُسے جو بڑی جتنی سہم بردوان ہو گئی۔

رات ہو چکی تھی اس لیے میں نے پہلے صبح کے ایک بول کا رخ کیا۔ سوئنگ کی ورزش کے باعث مجھ کو خاصی تھک کر رک رہی تھی اور فی الحال میرا بالائی اُردہ میں بٹھا کر گھر جاؤں۔

بول میں کھانا کھانے کے بعد میں نے اُس علاقے کا رخ کیا جہاں ڈاکٹر فیکل ایک حادثہ میں ہلاک ہوا تھا۔ علاقے کے پولیس اسٹیشن میں اس، ایچ ماڈ کے کمرے تک پہنچا میرے لیے دشوار تھا۔ پولیس والوں نے مجھے ایک قیمتی کار سے اترتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے جب میں بے دھڑک اس، ایچ ماڈ کے کمرے میں داخل ہونے لگی تو کسی کو بھی مجھے روکنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"ایس، ایچ، او مجھے دیکھتے ہی اپنی کسی سے کھڑا ہو گیا میرے لیے اجنبی تھا لیکن میں نے اُتر کر دیکھا ہے کہ ایسے لوگ مجھے دیکھ کر خوفناک ضرور گھڑے ہو جاتے ہیں، نہ جانے کیوں!"

میں نے کسی گفتگو کے بغیر اپنا کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرا نام اچھک کر چونک پڑے گا۔ کار پی کے عین پولیس میں تو میں نے شہان کی طرح شہور ہو چکی تھی۔ کوئی میرا صوبہ آشنا ہو یا نہ ہو لیکن میرے نام سے ضرور واقف ہوتا تھا۔

"ایس، ایچ، او میرا کارڈ پڑھ کر رکھو اور کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: "شریف رکھیے! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے یہاں قدم نہ بڑھ فرمایا۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ آپ کیا

چینا پسند کریں گی؟"
 "کوئی شکلف نہیں آفیسر! میں اسی گراؤ ہی ہوں میں نے کسی پریشانی سے اپنے حاشے کی تفصیلات دے دی ہیں!"

"اس سے پہلے کہ اس، ایچ، او ہاں، دیکھو! یہ جتنی بھی افریقہ کی طرف سے ہو چکا ہے۔" "یہ کیا ہے،" میں چونک پڑی۔

"اوہ! وہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ہونے لگا۔ "تمہارا دل میں اس قسم کی آوازیں تو دراصل ابھی ایک آدمی کو کچھ دیر پہلے لایا تھا۔ اُس سے پوچھ چکے ہیں کہ جادو ہے۔ پوچھ چکے کہ اس نے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے یا نہیں؟ اس کی کسی حادثے کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔" "کی ضرور کارڈ مارک کا ایک ہیڈنٹ ہے؟"

"جی ہاں،" میں نے جواب دیا۔ "اگر اسے، وہ میری فرم میں آ کر نہ دلی ایک مارک ہوگا۔" "اوہ! مجھے افسوس ہے کہ یہ حادثہ آپ کے

ہوا ہو گا۔ جانے والے کو ٹوٹ کر نہیں آتے لیکن یہ جانے والے کے جرم کو گرفتار کرنا اور انصاف اُسے فراوانی سزا دلوانا، آپ کو یسٹن کرنا ہے۔ ہم نے اُس مارک کو گرفتار کر لیا ہے۔ ابھی سٹی تھی۔ اُس سے پوچھ چکے ہیں کہ جادو ہے یا نہیں؟ ہم نے ان دونوں آدمیوں کو بھی بلایا ہے جنہوں نے نوٹ کیا تھا!"

"خوب!" میں نے کہا۔ "کیا لیکن ہے کہ میں ایک نظر دیکھ سکوں؟"

"ہاں ہاں،" بولیں، ضرور آئیے! "وہ کمرے میں اُس کے پیچھے مجھے کمرے سے نکل کر پھینچ گئی۔ سلاخوں کی دو سرے جانب افریقہ کی طرف

ہی تھا۔ جسے میرے ادرے قطع سے وہ چھاپا ہوا تھا۔ اُس کی عمر چالیس بیس تھیں اس کے گہنگ لباس کا تھا لیکن اُس وقت بھی جتنی بنا ہوا تھا اُس پر غور و نگاہ کی تمام علامات موجود تھیں۔

"ایس، ایچ، او کو دیکھ کر سب اسے پکڑا کر لے آئے۔" "یہ سب پکڑا کر لیا گیا ہے،" اس، ایچ، او لڑا۔ "ڈاکٹر فیکل کہیں کی تحقیقات انہی کے سپرد کی

جیسا ہوا ہے۔ تم نے ان کا نام تو سنایا ہو گا؟" "ہاں ہاں،" غلام سجاد کی جھپٹ گئی۔ "ایچ، او پھر بولا: "یہ ڈاکٹر فیکل کی موت میں اس قسم کی تحقیقات کی گئیں کہ ان کی فرم میں ملازم ہے؟" "تھا،" غلام سجاد نے سر ہلایا۔ "وہ لڑکی... کیا نام ہے؟" "اب... سنگھ!"

"یہ میرے اقرار پر حرم کر لیا ہے؟" میرا خیال چکر کھینچنے لگا۔

"میں تو یسٹن کیا لیکن وہ تو اس کے باپ کو بھی کرنا پڑے گا۔" "دونوں آدمیوں کو بلوایا ہے جنہوں نے اُس کے مارک کا حوالہ دیا۔ وہ دونوں اب آتے ہی ہوں گے۔ اگر انہوں نے اُسے گرفتار کیا تو پھر میں اس سخت کی ساری بھاری پسلیاں مارا حساب اس کے ہاتھ میں رکھ دوں گا!"

"اس میں میں تو آپ لوگوں کو خاصی سہاوت حاصل ہے،" "یہ میرے چھپتے ہوئے لیجے میں کیا لیکن غلام سجاد میرے کا اندر سے پھٹا کر بولا: "مارک کے آگے تو بڑے بڑے

تے ہیں جی!" "اس جہوت کا اپنے بارے میں کیا بیان ہے؟" میں نے ان کا اشارہ کیا۔

"میں کار بننے والا ہے۔ وہاں کسی بڑے زمیندار کے ہاں سے ملازم تھا۔ وہ سال ہوئے اُس زمیندار کا لڑکا تھا۔ سیداری میں مر گیا۔ اس ڈولر کا نام اکرم دین ہے۔ زمیندار اس کے ہاں تھا۔ اس نے زمیندار سے کہا کہ اب وہ ضرور میرے ہاں کی موت کا غم نہیں بھگائے گا لہذا انصو سے

ملا جانا چاہتا ہے۔ زمیندار نے پوچھا کہ وہ وہاں سے مار کر لے گا تو اس نے مارک چلانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس گھر میں اس کی ملازمت بہت بڑی تھی اس لیے اس کے عوض مالک نے اسے ایک مارک دلا دیا اور یہ لایا۔ یہاں یہ بوری ڈھونڈنے کا کار کرتا ہے!"

"کیا بتاتے... اُس وقت کہاں تعاقب حادثہ ہوا؟" "میں نے کہا کہ میں اپنے گھر پر تھا لیکن ایسی باتیں تو سب جسم

اب نے اس کے بیان کی تردید کا مواد حاصل کر لیا ہے،" "میں بھی حاصل ہو جائے گا،" غلام سجاد نے بڑی اصرار دانی سے پوچھ کر بولا: "لیجیے، وہ دونوں آ ہی گئے!" "اب سب ایڈمیں کو ساتھ لیے ہوئے لاک آپ کی طرف آ

رہا تھا۔ وہ دونوں جوان العمر تھے اور ان کا تعلق اوسط طبقے سے معلوم ہوا تھا۔ میں نے انہیں بہت عرصے سے دیکھا میں ان کے بٹشرے سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کس قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں!

غلام سجاد نے ان دونوں کو سلاخوں کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا اور ایک ہاتھ سلاخوں کے اندر ڈال کر ڈاکٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ وہ شخص جس کے مارک کا نمبر آپ لوگوں نے بتایا تھا۔ کیا آپ اسے شناخت کر سکتے ہیں؟" "ہاں جی،" وہ دہی ہے، ایک آدمی بولا۔

غلام سجاد نے دوسرے کی طرف دیکھا: "آپ کیا کہتے ہیں؟" "جی ہاں،" جی تو کسی... وہ دوسرے آدمی نے بھی تصدیق کر دی۔ "میرے ہونٹوں پر تلخی کی سرگرمی پھیل گئی۔ میں بڑے دھوکے سے کہہ سکتی تھی کہ وہ دونوں آدمی بھوٹ بول رہے تھے لیکن میں نے اس بات کو اپنے دماغ ہی میں لکھا ان زبان پر نہیں آتے دیا۔

"وہ کچھ آپ نے،" غلام سجاد نے نامیاز انداز میں میری طرف دیکھا، اور میری آن دونوں سے بولا: "آپ لوگوں کو کچھ دیر کرنا پڑے گا۔ شناخت کے سلسلے میں کاغذی کارروائی ابھی مکمل کرنا ہوگی۔" "اچھا... مجھے اب اجازت دیجیے،" میں نے اس کا ہاتھ ادا سے کیا۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت ہے؟" "بس، شکریہ!"

"ایس، ایچ، او مجھے چھوڑنے کے لیے باہر تک آیا اور جب میں کار میں بیٹھ کر اُس نے ہاتھ ہار کر کہا: "آپ مطمئن رہیں۔ ڈاکٹر فیکل کا قاتل اپنے اپنے گھر سے نہیں بچے گا!"

"وہ توصاف ظاہر ہو رہا ہے،" میں نے اس کے کہا لیکن اس، ایچ، او میرے جلد کی گرائی ٹک نہیں پہنچ سکا۔

میں کار کو حرکت میں لے کر اُس وقت نما آئینے میں پولیس اسٹیشن کا جائزہ دیتی رہی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب میری کار کی طرف کوئی نہیں دیکھ رہا ہوگا تو میں رگ گئی۔ میں نے آئینہ شکر دیا لیکن میٹر بریک نہیں لگایا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری لائش کے باعث ڈرائیو سے کار کی موجودگی کو محسوس کیا جاسکتا۔

میں عقب نما آئینے میں پولیس اسٹیشن کی طرف دیکھتی رہی۔ مجھے تقریباً پون گھنٹے انتظار کرنا پڑا تھا۔ پون گھنٹے بعد میں نے ان دونوں آدمیوں کو پولیس اسٹیشن سے نکلتے دیکھا جو میرے خیال کے مطابق فراڈ گواہ تھے۔

”کیا آپ سچی کہے اس ڈھیر کو دیکھنے چلیں گی بانو؟“ سنگیتا کی آنکھوں میں کرب ملک رہا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میں پر درپوں کی بیس نے لڑنے ہوئے ہونٹوں سے سنگیتا کی پشیمانی چوم لی اور اس کا ہاتھ تمام کاربنی کار کی طرف بڑھتی ہوئی آہستہ سے لولی ”آؤ چلیں!“

جب کا پانچاٹھ سال سے نکل کر مرگ پر ڈال ڈال ہوئی تو میرے اور سنگیتا کے ہونٹوں پر سکوت خیمہ تھا لیکن دل کی گہرائیوں میں جیسے پچھلے ہوئے لاوے کے کبریاں آئندہ ہی تھیں سنگیتا کی اس وقت کی حالت دیکھ کر میں نے دل میں بدل میں سہم کھانی کو میں شکیل کے متاثر کو ٹھونڈ کر اُسے گھسیٹتی ہوئی اس منزل تک سے جاؤں گی جہاں انسان کو اپنی زندگی ایک بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور موت کا بھیسا ملک چہرہ ایک نوعیت عورت محبوب کا رعب دھار رہتا ہے۔

میں اس روز ڈاکٹر شکیل کے گھر میں داخل ہوئی تو جیسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی قبرستان میں داخل ہو گئی ہوں۔ درہم سے اُداسی ملک رہی تھی۔ یہ درمل موقع تھا جب میں بڑے فکریں کے گھر میں داخل ہوئی تھی پہلی مرتبہ جب میں نے یہاں قدم رکھا تھا تو شکیل کی مسکراہٹ پر استیصال کرنے کے لیے میرے ہونٹوں پر کراغ تھا؟ وہ سکرلے والا اندر کسی کمرے میں ادبی نیند سو رہا تھا اور اس کی سکہ میرے سارے بدن میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سکہ اس لیے تھی کہ وہ میری محبوب کا محبوب تھا۔

گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے جو شکیل کے آخری سفوفوں شرکت کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے میں نے شکر کے بہت سے معتز زین کو پہچان لیا۔ ان میں کئی بڑے بڑے ڈاکٹر بھی تھے۔ ان سب کے چہروں سے مسزن دلال ٹپک رہا تھا اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ شکیل ایک بڑے علمبردار شخص تھا۔

سنگیتا نے مجھے ایک آدھیر طعنه غنیمت کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا اور میرے دل نے مجھے بتایا کہ یہی ڈاکٹر شکیل کا باپ ہے۔ جوان اولاد کی عزت کا لڑخ اس شخص کے چہرے پر بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کی کھجلی جوتی کر رہی تھی کہ وہ جوان اولاد کی لاش اٹھائے ہوئے ہے۔

”چاچا جی!“ سنگیتا نے اس شخص سے یہ انعام لے لیا۔ یہ میرا بواہو ہیں۔ میں ان کی فرم میں ملازم ہوں۔ شکیل بھی انہیں جانتے تھے۔ بالو! یہ شکیل کے۔“

”میرا نام کنبیل رضانا ہے، لوڑھے باپ نے مجھے بتایا تو مجھے اُس کے لہجے کے آثار چھڑا دیں کسی صواری دیریناں پھیلی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اُس نے آہستہ سے میرے شانے پر ہتھیلی دی اور کہا۔

”بیٹھ جاؤ بیٹی! میرا شکیل اندر آخری منزل کے لوگ اُسے الوداع کہنے جائیں گے۔ یہاں اور میں اُن سے تو نہیں کرچکا ہوں، اب تم سے بھی کرنا چاہتا ہوں۔“

واپسی تک سنگیتا کی خیال رکھنا۔ دیکھو تو اس نے اپنی رکھی ہے اگر شکیل سے اس حال میں دیکھو دیکھو بیٹھنے کا“

اُس وقت سنگیتا کو دھار میں مار کر درپڑنا ہوا نے دیکھا کہ اُس نے اپنا چنچلا ہونٹ بڑی زور سے دھکا دیا تھا“

میں سنگیتا کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ کی طرف دھکا دیا تھا کہ خود بھی بدبو نہ پھیلے۔ سنگیتا کا حیاں بٹا رہی تھی۔ جیسی آواز میں اُس سے پوچھا۔ ”کیا تمہارا نہیں ہے؟“

”چاچا جی کے پیچھے جو نشست ہے اُس پر چاہی سنگیتا نے بتایا۔

اب میں نے رام لال کی پہلی مرتبہ دیکھا۔ وہ بھی میں رہا تھا لیکن جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس کی بی بی۔ سب لوگوں کی طرح وہ بھی حزن و ملال کی تصویر اُس کے چہرے پر زمانے کی ستم گری کے نشانات بھی جا سکتے تھے۔

پچھلے دنوں میں میری پرورش رہی تھی کہ رام لال ملاقات ہوا اور میں اُس سے کچھ باتیں کر سکوں لیکن اب بواہا تھا اور حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اُس سے اُس موقع پر کر سکتی۔

کوئی نصیحت گھنٹے بعد ایک شخص نے کھڑے ہو کر آہستہ ”جو حضرت مرحوم کا دیدار کرنا چاہیں وہ اندر چلیے جائیں۔“

لوگ ایک ایک کر کے اندر جانے لگے۔ اُس وقت میں سنگیتا کے چہرے پر زلزلے کی کسی کیفیت بھی نہیں منظر ام اپنی جگہ سے اٹھنے لگی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

”سنگیتا!“ میں نے اُسے آہستہ سے پکارا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک بھپکا لے کر میرے طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اپنے خالق سے کوئی مسئلہ رہی ہو۔

”سنگیتا!“ میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اپنے شکیل کو آخری مرتبہ دیکھنے نہیں جاؤ گی؟“

سنگیتا نے جیسے ایک جھپٹے کے ساتھ میری طرف دیکھا

”نہیں!“ اُس کے چہرے پر رحمت ناپسندگی تھی۔ میں شکیل کو دیکھ رہی تھی وہ جیسا وہ تھا۔ میں کنبیل نے چہرے کو اپنے تصور میں نہیں رکھنا چاہتی“

میں پوچھی۔ میں نے موس کی ہاتھ کا ڈاکٹر دیکھا تو سنگیتا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر انکار کرنے لگے۔ عین ممکن تھا کہ اُس کا ہاتھ پڑ جاتا۔

لی رہا کی رسم پوری ہونے کے بعد جب شکیل کا جنازہ میرے پاس کی آنکھوں میں نہیں تھی جس میں آئینہ ہوں۔ میں نے وہ نیکون اُسے دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا کہ ایک جسم نہیں گئی ہے۔ وہ ایک ایسا انسان نظر آ رہی تھی

”ابا!“ شکیل جلا گیا۔ اُس کے ساتھ سب مرد چلے گئے۔ میں نے اُس کی طرح سناکتی اور سنگیتا کی طرف دیکھا۔

”ابا!“ سنگیتا نے میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا۔ ”آپ میں مجھے مسکتے نہیں ہو رہے ہیں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرا دل ہے۔ میں زندہ ہوں۔“

”نہ زندہ لاش نظر آ رہی ہو“

اُس نے کافوق پڑا ہے! دنیا میں زندہ لاشوں کی کسی تو میں کو رہنے گا؟ کس کس سے عمر دی کیجیے گا؟“

”میں رہ گئی۔ اس کے علاوہ کیا کر سکتی تھی!“

”اؤ گھنٹے میں سب مرد واپس آئے۔ بڑھاکنبیل رضانا حال تھا۔ کچھ لوگوں نے اُسے فوراً بتادیا۔

”میں کوئی کام کرنا تھا مگر نہیں کر سکی۔ جی نہیں چاہا رہا تھا۔“

مرد و کنبیل جیادوں۔ شام ہوتے ہوئے سب لوگ رخصت ہو گئے۔ اب صرف چار افراد باقی تھے، میں اور سنگیتا، رام لال اور بابا قیاد صرف ملازمین تھے۔

”گیتا!“ کنبیل رضانا نے کہا۔ ”تو بالکل چھپ ہے بیٹی! آخر میں میں کوئی رہے گی؟“

”اُس آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی چاچا جی!“ سنگیتا نے بولی آواز میں کہا۔

”ہے بارے میں؟“

”ان!“

”میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی؟“

”میں کرب آپ اس جہاد لوباری میں تنہا جا رہی تھی۔ میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں چاچا جی! ان درود لوبار کو دیکھتے رہنا اب میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ میں بڑی مشکل سے مضبوط کر رہی ہوں میں بڑی خوش قسمت تھی خود پریت ابو پائے ہوئے ہوں۔“

”مجھے تیری حالت کا تو اب اندازہ ہے بیٹی! میں تجھے نہیں روکوں گا۔ تنہائی تو اب میرا مہتر ہے۔ ویسے میرے کچھ اعزاء تو دوسرے شہر میں رہتے ہیں، انہیں میں نے ٹیکسٹام بھجوا دیے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک اُن میں سے کچھ لوگ جائیں اور میری ظاہری تنہائی دور ہو جائے لیکن بیٹی! میں تو اندر سے تنہا ہو گیا ہوں۔ اس تنہائی کو تو کوئی دیکھ رہے نہیں کر سکتا۔“

سنگیتا کچھ نہیں بولی۔ بولتی بھی کیا! اُس نے اپنے باپ سے کہا۔ ”چلیے تاجا جی!“

”اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ دونوں کو پنچا دوں۔ میں بولی۔

”شکر ہے!“ رام لال نے سہاٹ لیجے میں کہا۔ ”میں کنبیل کی کنبیل کے“

”جیسی کی کیا ضرورت ہے؟“ کنبیل رضانا بولا۔ ”میں دراجوڑ سے کہے دیتا ہوں کہ وہ کنبیل چھوڑ آئے۔“ کچھ کنبیل رضانا نے ایک ملازم کو آواز دی اور اس سے کہا کہ ڈاکٹر سے گاڑی منگوائے۔

مجھے اب یہاں اپنی موجودگی کچھ غیر مناسب سے معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے پہلو بدلا۔ میں اب اٹھ کر کنبیل رضانا سے اجازت لینا چاہتی تھی کنبیل رضانا نے نظر لی۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رُکوں۔

مجھے اُس کا اشارہ بڑا عجیب سا لگا۔ یہ اشارہ اُس نے مجھے رام لال سے نظر بچا کر کیا تھا۔

ملازم نے اُس کا رہنا کہ ڈاکٹر سے گاڑی تیرے سے نکال لی ہے۔

”رام لال اور سنگیتا کھڑے ہو گئے۔

”بانو!“ سنگیتا نے کہا۔ ”میں ابھی کچھ دن تک دفتر نہیں آ سکتی گی۔“

”اس کی ضرورت کو؟“

”رام لال!“ کنبیل رضانا بولا۔ ”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ کیا تم کل کسی وقت آ سکو گے؟ تم کو تو میں خود آجاؤں۔“

”میں کل صبح ہی آؤں گا لیکن تم جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہو، میں اُس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

کنبیل رضانا نے بحث شروع کرنے کی بجائے پوچھا۔ ”تم کس

وقت تک اُجھاڑ دے گا۔

”وہ کب تک؟“ رام لال نے جواب دیا۔ ”میں تعین اس وقت نہا پھڑک رہا ہوں۔“
”ہاں؟“ سنگھ نے مجھے پوچھا۔ ”کیا آپ ابھی نہیں گئے؟“
”نہیں، میں اب بھی چلوں گی۔“
”منا سب یہی تھا کہ میں رام لال اور سنگھ کے سامنے یہاں رگوں میں نہ رخصت ہوں۔“
”وقت کفیل رضا کو اتار کر دیا کہ میں پھر آؤں گی۔“

”رام لال کے سامنے تو میں وہاں سے رخصت ہو گئی لیکن بندہ میں منٹ تک کار کو اڑھوڑانے کے بعد دوبارہ وہاں پہنچی۔“
”میں تو پہنچی؟“ کفیل رضا نے غصہ سے اس سے کہا۔ ”وہاں رہ باتیں رام لال کے سامنے نہیں کی جاسکتی تھیں جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔“
”تم میرے لیے اُمید نہیں ہو۔“ میرا مطلب ہے کہ میں تم سے نام سے واقف تھا۔ وہ دہی میں مجھے ایک نوجوان نے ملاقات کی تھی اور اُس نے تمہارا حوالہ دیا تھا کہ تم رام لال کے معاملے میں پوری رہی ہو۔“

”اور وہ نوجوان آپ سے ملتا تھا؟“

”ہاں، کیا اُس نے تعین اس ملاقات کے بارے میں پوچھا؟“

”نہاں؟“

”وہ ابھی دہی سے لوٹا ہی نہیں ہے۔“

”اتھا؟“ کفیل رضا کے لیے میں حیرت تھی۔ ”تو پھر وہ کہاں گیا؟“

”ابھی وہ اب دہی میں تو نہیں ہے۔“

”آج کل مجھے اُس کی تشنگی نے بھی پریشان کر رکھا ہے۔“

”مجبب معاملہ ہے۔“ کفیل رضا جیسے دڑھکیا۔ ”وہ ظاہر بات

ذہین ہے۔ میں نے اُسے بہت پسند کیا تھا۔“

”آخروہ کہاں چلا گیا؟“

”میرا خیال ہے کہ آپ اس سلسلے میں اپنے ذہن کو اُجھاڑیں۔“

”مجھے اُمید ہے کہ دو ایک روز میں اُس کی طرف سے کوئی نہ کوئی

اطلاع موصول ہو جائے گی۔“ میں نے کہا۔ ”دراصل میں حلقہ جلد

اُسے اُس موضوع کی طرف لے آنا چاہتی تھی جو حقیقتاً بنیادی

جینیت رکھتا تھا۔“

کفیل رضا نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ ”اور پھر لڑاؤ تمام لال

کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں؟ میں ابھی اُس کے بارے میں

بات کرنا چاہتا تھا۔ ہر چند کہ شکیل کا چہرہ اس وقت بھی میری

آنکھوں میں گھوم رہا ہے لیکن میں دوسرے معاملات پر توجہ دیتی

گفتگو کر رہا تھا۔ دراصل میں خود چاہتا ہوں کہ پٹنہ

اُدھر کی باتوں میں اُٹھانے کی کوشش کروں۔“ کفیل

توقف کیا۔ ”پھر کہا۔“ رام لال کے حالات مجھے کچھ

معلوم ہوئے تھے اور یہ باتیں رضوان سے معلوم ہو رہی تھیں

یہ بھی ایک حیرت انگیز بات ہے کہ رام لال نے اپنا

مشاققہ جینیت نام کے کسی شخص کو سونپ دیا ہے۔

سلسلے میں رام لال سے گفتگو کر رہا تھا۔

”لیکن وہ کسی سے بھی اس سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا

”مجھ سے تو اُسے بات کرنا ہی پڑے گی۔“ کفیل

دے کر کہا۔ ”آخر میں اُس کا انتخاب نا دوست ہوں۔“

”ایک دوسرے پر کچھ حقوق حاصل ہیں۔“

”خدا کرے کہ آپ اُس سے کچھ معلوم کرنے کے لیے

چرواہے میں جیسا کہ وہ خود نہیں بتائے، میں اپنے

کو سمجھنے کی کوششیں جاری رکھنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں اُن کا ہر ہے کہ صرف وہی پرکھائیں کہ

”رام لال سے کچھ معلوم ہو۔“ کفیل رضا نے کہا۔ ”اور پھر چاہنا

”تمہیں شائد حسیب کا نام کیسے معلوم ہوا تھا؟“

”رضوان نے آپ سے اُسی کے بارے میں پوچھا۔“

”ہاں؟“ کفیل رضا نے جواب دیا۔ ”اور میں نے رضوان

بھی یہی سوال کیا تھا کہ اُسے شائد کا نام کیسے معلوم

نے جواب دیا تھا کہ اُسے تم سے معلوم ہوا تھا اور

اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم۔“

”میں آپ کو ہر دو باتوں کی کچھ شائد حسیب

کیسے معلوم ہوا لیکن... غالباً یہ گستاخی ہو گئی ہوگی۔“

”آپ میری اُن باتوں سے حیرت کریں۔ میں بہت عرصے سے معلوم

ہوئے ہیں۔“

”ہے نہیں بلکہ...“ کفیل رضا نے غصہ سے اس سے

کہا۔ ”اور بلاشبہ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ برسرِ

بات ہے۔ شکیل اُن دنوں ایک سال کا تھا۔ وہ دہی میں

تہا رہتی تھی اور میرے خیال کے مطابق اُس کی شخصیت

تھی۔ میں اکثر رام لال سے کہا کرتا تھا کہ وہ اُس لڑکی سے

ختم کرنے۔“

”اور؟“ میں نے چونک کر کہا۔ ”وہ رام لال کی ”بہت

”بہت گری دوست؟“

”صرف ”دوست؟“ میں نے دہرائے کر پوچھا۔“

”نور کچھ نہیں کہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب

ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ لڑکی ”بہت گری دوست

”میں لال کی پشیمانی کا سبب جاننے کی کوشش

میں بتائے دیتا ہوں کہ شائد اس نے رام لال

کی باتیں سنی۔ اُن کے تعلقات دوستی کی حد سے

بڑھ گئے۔“

”کاشف پر میرے منہ سے نکلا۔“

”میں نے اُس شخص سے رام لال کے کچھ کچھ کچھ

”میں نے رام لال کی اُس کی خواہشوں کو بھی نظر انداز

”میں بہت حال میری نظریں تو روشن تھیں۔“

”اُس کو خوبصورت خاندان کے مال سے نکالنا

”میں میری کچھ باتیں آتی تھیں۔ رام لال اُس

”میں نے کہا تھا اور اُس نے کہا کہ وہ لہذا بالکل برابر

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”میں نے کہا تھا۔“

”پھر اس سے پہلے کہ کفیل رضا مزید کچھ کہتا، میں ملازم کے

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

”میں نے ملازم سے پوچھا۔“

سے ملنے کے لیے تھے والا کماں کھڑا ہے!

”کماں ہے؟“ ملازم میری طرف مڑ کر سر جھٹکتا ہوا بولا وہ صاحب تو شاید جا چکے ہیں۔

میں بہت تیزی سے باسوچی لیکن مجھے وہاں کوئی نہیں دکھائی دیا۔ میں حوالہ انداز میں ملازم کی طرف دیکھنے لگی۔

دو میں کیا عرض کروں؟ مجھ صاحب! ملازم پریشان سا تھا۔ ”میں ان صاحب کو اس جگہ کھڑا ہوا چھوڑ گیا تھا اس نے اشارے سے بتایا۔

”ان صاحب کا تعلق کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

ملازم نے علیہ بتایا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔ وہ وہی خوفناک دائرہ والا تھا۔ میں پھر اس طرح چونک ہو گئی جیسے کوئی ہرئی شکاری کی موجودگی کو محسوس کر لیتی ہے۔ رومال سے ڈھکے ہوئے پستول کے دستے پر میری گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی میری نگاہ ہر سمت میں اندھیرے کا سینہ چاک کرنے لگی اور ملازم کھڑا ہوا میرا منہ تکتا رہا کہ اب میں کیا کرتی ہوں!

مجھے اس طرح چھٹک بھڑکانا اور اسے بھڑکانا کسی وجہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا اور جب اس وجہ کے متعلق میرے ذہن میں ایک جیسے نے اترنا شروع کیا تو مجھے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ دوسرے لمحے میں میں نے اپنے تمام جسمانی ہونے والے کے طرف بڑھ کر دیکھا۔ ”ملازم میرے پیچھے دوڑا چلا۔ ہاتھ۔

جب شہر کے کچے زمین پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ شہر یہ تھا کہ میری عام موجودگی میں نفیل رضا کا کام تمام ہو چکا ہوگا۔ وہ مجھے غالباً کچھ اہم معلومات فراہم کرنے والا تھا لہذا معلوم دشمن نے یہ سوچا ہوگا کہ مجھے وہاں سے ہٹا کر اس کام تمام کر دیا جائے میری موجودگی میں دشمن کو اپنی ناکامی کا اندازہ نہ رہا ہوگا۔

میں دوڑتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی جہاں میں کھینچ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں میرے ذہن میں شہر یہ تھا کہ مجھے وہاں نفیل رضا کی تلاش ملے گی لیکن مجھے کمرہ بالکل خالی ملا۔

تو کیا اغوا؟ میرے ذہن میں دوسرا شہر اٹھا۔

اور پھر اگلے دس منٹ میں میرے دوسرے شہر کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے انداز مولوں سے سارا گھر جھان ڈالا تھا لیکن وہاں کھینچ رہا تھا کی صرف ایک جگہ ہی مل سکی تھی۔ وہ جگہ میں گھر کے ایک عقبی کمرے کی کونڈی کے پاس تھی اور اس کمرے کی گھر کے کونڈی کے ایک طرف پھینک دیا گیا تھا۔

میں نے فوراً ٹیلیفون پر علاقے کے پولیس اسٹیشن کو اس واردات کی اطلاع دی۔ اس کے بعد میں وہاں بمشکل ایک منٹ

رہی تھی۔ میں نے ملازم سے کہا تھا۔ ”پولیس آگے آگاہ کر دینا اور بتا دینا کہ میں ایک ضروری کام تھا بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔“

پھر میں نے ملازم کے جواب کا انتظار کیا۔ ”جی ہاں!“ میں نے بولی ہوئی بات کو سمجھا۔ رات کا آغاز ہونے لگا تھا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ملازم نے ٹریفک کا شور مچا دیا تھا لیکن میں تھی اللہ کا کار جلائی ہوئی شش قدم چکنی کے گھر کی طرف بڑھتی تھی۔ طور پر فصل کیا تھا کہ شش قدم کو اس وقت ملازم جب میں شش قدم چکنی کے گھر پہنچی تو اسے اس کے ملازم مجھے پہچان لیا اور پھر مجھے ہی بولا۔

”کیسے نہیں ہیں؟“ میں نے تیزی سے ”تیسرے پہر گئے ہوئے ہیں“

میں بہت غور سے ملازم کے چہرے کا جائزہ لے کر اس کے لیے پھر بھی خاص طور سے دھیان دیا تھا۔ برقیٹیں لگیا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ شش قدم موجود ہو اور ملازم مجھے ملنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں جتنی تیزی سے یہاں آئی تھی اتنی ہی اس کے گھر کی طرف لوٹ گئی۔ میرے اندازے کے مطابق ہاتھ تھی اور گھر کا دروازہ میں مہر وفت تھی۔

شکیل کے ملازم نے پولیس آفیسر کو میرے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے پولیس آفیسر نے فوری سے میری پھر بولا دیا کہ آپ وہاں میرے بھائی جن کا نام تاتا ہے۔ ہوتا ہے تاکہ آپ یہاں کی کار پر۔۔۔

”میں سو فیصد وہی بھیج دیا ہوں؟“ میں نے ہونے کہا۔

”کیا موجودہ معاملہ میری سلسلے کی ایک کڑی میں جڑی نہیں ہوں آفیسر!“

”اوہ! امیر! مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ کو یہ آفیسر جلدی سے کہا۔ دو میں اس آپ کا خیال ہاں۔ اگر وہ خیال کہ ایک بات ہے تو میں اس کی کسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔“

”آپ اس وقت یہاں کیسے موجود ہیں؟ کیا آپ کو پہلے سے جانتی ہیں؟“

میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ دراصل ڈاکٹر شکیل کی ان کی آخری رسوم میں شرکت کے لیے آئی تھی لیکن حال حالت دیکھ کر مجھے سے ایک سانس نہیں کی رہی۔

”کیا بات لے چکا ہوں ان کے حیاتات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والدین نے یہ ضروری سمجھا تھا کہ پہلے آپ ان سے بتا دیں۔“

”تو یہی ظاہر کرتے ہیں۔“

”کان آپ سے خائف یا مغموم تھے!“

”موت میں ہو سکتا ہے جب پہلے کبھی وہ آپ سے اس بات پر انھیں رک پڑتی ہو۔“

”موت میں ہو سکتا ہے لیکن میں کہ نہیں سکتی کہ وہ۔“

”موت میں ہو سکتا ہے لیکن میں کہ نہیں سکتی کہ وہ۔“

”موت میں ہو سکتا ہے لیکن میں کہ نہیں سکتی کہ وہ۔“

میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے سہارے لیا اور ساتھ پیس میں بولی۔ ”ہیلو! ہانا اسپیکنگ!“

”میں آپ کا ایک مخلص ہوں رہا ہوں لیکن آپ کو اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔“

”میری پیشانی پر کھینچی ہوئی پید ہو گیا۔“

”ہیلو!“ آواز بھی رسائی دی۔

”ہاں میں سن رہی ہوں۔“ میں نے کہا لیکن میں سننے کے ساتھ ساتھ ہونے والے کپ و لپے اور آواز پر بھی غور کر رہی تھی۔

”میں جو ناماریکٹ کے علاقے سے ہوں رہا ہوں۔ کیا آپ اسی وقت فوراً عمل میں آ سکتی ہیں؟“

”فوراً؟“

”جی ہاں! لیکن پھر بال کٹر سینا۔۔۔“

”اس علاقے کے سارے سینا میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں وہاں۔۔۔“

”کیوں آؤں؟“ دوسری طرف سے بولنے والے نے میرا جملہ پورا کر دیا۔

”ہاں میں ہی کہنا چاہتی تھی۔“

”اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں آجائیں تو اس سے آپ کو خاصا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”کیسا فائدہ؟“

”یہاں ایک تھوڑی قسم کا چلنے والا ہے۔ یہاں جس اور چلنے کا دور چلتا رہا ہے۔ یہاں پیچھے والے زیادہ تر افراد تو جرائم پیشہ ہوتے ہیں یا ان کا تعلق مزدور طبقے سے ہوتا ہے۔ ہر وقت ریکارڈ ٹنگ ہوتی رہتی ہے اور ہر لمحے اس موسیقی پر تھکتے رہتے ہیں۔“

”میں ان ساری تفصیلات کا مقصد کچھ سے ظاہر ہوں۔“

”میں اب مقصد ہی کی طرف آ رہا ہوں۔ کیا آپ کو خوشی نہیں ہوگی اگر آپ ایسے کسی مقام پر شش قدم چکنی کو بیٹھا ہوا دیکھیں؟“

”اوہ!“ میں نے بیباک سے بیباک سے۔

”میں نے بھی اعلان دینا تھا۔“ دوسری طرف سے کہا گیا، پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن میں یہ سہارے کو کاتے سے لگنے لگتی تھی کہ میری رگڑ گئی میں ذرا دیر کے لیے بیوی ہی تھی کہ میں کما ہوں! فون پر بولنے والے کی آواز اب بھی میرے کاتوں میں گونج رہی تھی اور مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آواز جیسے فون پر تھی وہ غالباً اپنی آواز کو بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے اس پر اسرار انداز میں ملنے والی وہ اطلاع اگر درست تھی تو یقیناً اس سے ناگہا اٹھایا جاسکتا تھا لیکن یہ بات بھی ممکن

یابعد از قیاس نہیں تھی کہ مجھے جاننے کے لیے کوئی جال بچھایا جا رہا ہے۔
خیر کچھ ہی ہوئیں وہاں ضرور جاؤں گی۔ میں نے یہ فیصلہ بالکل اچانک اور بڑی سرعت سے کیا۔ پھر اسی وقت مجھے یہ احساس بھی ہو گیا کہ میں کہاں کھڑی ہوں! پلرس آفیسر طرے عورت سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔
جب میں نے لیور کو کہہ کر پلٹ کر رکھا تو میرے ذہن میں ایک لائحہ عمل کا خاکہ بھی ابھر چکا تھا۔



میری کار برق رفتاری سے بندر دروازے کی چلی جا رہی تھی۔ غالباً وہ دس اور گیارہ بجے کا درمیان کی وقت تھا اس لیے ٹریفک میں آزدیام کی کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جب کہ میں ذہنی طور پر بھی پوری طرح ڈرائیونگ کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ خیالات کا ایک بھنور میرے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوا تھا۔ ٹیلیفون پر سنانا دینے والی وہ آواز میرے ذہن سے متناہیس کی طرح چبکی ہوئی تھی۔ اسی آواز کی دی ہوئی اطلاع کے باعث میں اس وقت جز نامار کیٹ کے علاقے کی طرف جا رہی تھی اور مجھے شبہ تھا کہ وہ آواز خیر فرینک کی تھی۔

جز فرینک ایک تیز چلنے والی گاڑی کا حاملہ جو ان دنوں میری نگراں کرتا رہا تھا اور قرائن سے یہ بات بتا چکی تھی کہ وہ مشتاق کا لارنڈ تھا لیکن اس وقت اس نے مجھے جواب دہی دی تھی وہ درست ہونے کی صورت میں مشتاق چنگیزی کے لیے نقصان نہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اس اطلاع کے مطابق چنگیزی اس وقت جو نامار کیٹ کے علاقے کے ایک تھوڑے چائے خانے میں موجود تھا۔ آخر کیوں؟ ایک اچھا خاصا بڑھا لکھا اور پیسے والا شخص اگر ایسے مشتبہ مقامات پر دیکھا جائے تو یہ کوئی نظر انداز کی جانے والی بات نہیں تھی۔

میں نے جو نامار کیٹ کا قصد اس فیصلے کے ساتھ کیا تھا کہ اگر وہاں مشتاق چنگیزی موجود ہو تو میں راست اقدام کروں گی۔ اب صورت حال ایسی نہیں تھی کہ کھنٹنگوانی سے کام چلایا جاتا۔ میرے خیال کے مطابق تشکیل کے باپ کفیل رضا کے اغوا میں مشتاق ہی کا ہاتھ تھا کفیل رضا کے اغوا کی سازش عین اس وقت تکمیل پزیر ہوئی تھی جب وہ مجھے شائستہ حبیب اور

رام لال کے ہمبی سے متعلق کوئی نام جب میری کار راگس مینا کے قریب کا احساس ہوا اور میں نے نام جھٹک دیا۔ اب ضرورت اس بات کی حاضر و ماض نہوں۔ میں ایک ایسے ملا مجھ جیسی عورت کے جو در پوری شہرت سے بچنے اور جرائم پیشہ افراد کا ایک گروہ ہے۔ عین ممکن تھا کہ وہاں کے راکھوں چونک چونک کر میری کار کی طرف دیکھ کر اس طرح الجھی ہوئی تھی کہ میں نے کسی کی آگاہی تو مکمل مینا کے ساتھ کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں کو ڈرا کر ہم جیسے ہوتا اس لیے میں ٹیڑھ مینا کے ساتھ منزل چند قدم کے فاصلے پر تھی۔

جب میں نے کار سے اتر کر دروازے میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو میری طرف ان سب کو نظر انداز کر رہی ہوئی اس جانے سے نامی گانے کی آواز آ رہی تھی۔

چائے خانے کے سامنے ایک میپ آدمی اس سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ ان دنوں تھیں جو یقیناً جس کی تھیں۔ ہوا کے نے ان کی بویہ کی ٹانگ تک پہنچا دی تھی۔ ان وضع قطع سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ جال رکھنے میں مہمغوں نے ایک مرتبہ چونک کر رہی تھی۔ منی خیر انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے میں چائے خانے کے قریب پہنچی تو وہاں رہا تھا مجھے صاف سنا دینے لگا۔ وہ شہر جاس کی منزل تھی۔

راہ طلب میں کون کسی کا اپنے بھی چاند سے ٹھٹھ سے رشک خرا لال سب میں اگر عام حالات میں اس وقت اس رکھتی تو شاید مجھے نامی آجاتی اور اگر نامی اس جاتے تو اپنا مرہب لیتے کیونکہ ان کی اس منزل پیش کر رہے تھے۔ میں نے اس قسم کے جانے خالوں کے لیکن وہاں قدم رکھنے کا اتفاق مجھے پہلی مرتبہ ہوا

میں مسکریا۔ وہاں کسی بھی چیز کی کوئی بات نہیں تھی۔ مشتاق چنگیزی کی تعداد زیادہ تھی اس فرینک پر بھی ل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہی تھا کہ وہ ماڈل کا فرینک تھیں۔

لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بعض کے انفرورڈ میجر سے بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ان ان کی گردن میں بانیں ڈال رکھی تھیں۔ یہ تھیں کہے ہوئے دونوں بیچروں میں سے اہم تھا لیکن دوسرے پر دوسری نظر ڈالنا بھی مجھے

ان قدم رکھا تو اس کا جیسے کسی جاوہر نے پھونک کر بنا دیا ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ سبھی دم بخور ہو گئے۔ ان میں بند کر دیا تھا اور بن لوگوں نے اپنے ساتھی میں بانیں ڈال رکھی تھیں وہ سیدھے ہو کر بیٹھ کر باتوں کا سلسلہ سیکڑت لگ گیا تھا اور اب اس نے چائے میں صرف حبیب ولی عسکری کا آواز

کی تسمانی ہے کیسے کہیں کیسے سمجھائیں اب درخشاں کہیں دھول کے لیے ہیں

ہم کے لیے اس بڑی طرف بڑھتی چلی گئی جس ایک کرسی پر مشتاق چنگیزی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں تھی اور وہ بھی یہاں کے ماحول میں غرا رہا تھا لیکن میری بات اور تھی۔ ایک تو صورت ان کے خیال کے مطابق ان میں خامی تو بصورت غرا آتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری وضع قطع بھی اور توں جیسی نہیں تھی۔ میرا قسم تھی سبک کی اس تھا اور بانیں ہاتھ کی گلائی ایک خوبصورت پر ہوتی تھی۔ بوجھ اس لیے کہ برس میں ایک بھلا ہوا تھا۔

مشتاق چنگیزی کے سامنے ایک کرسی خالی پڑی ہوئی لیکن اس سے اس پڑھ گئی۔

چائے خانے میں داخل ہوئی تھی، اسی وقت مشتاق رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی اور جب اسے بھی تو وہ یہ حال مضطرب ہو چکا تھا۔ مشتاق: "میں نے زہر پٹی ہی مسکراہٹ کے ساتھ کرتا ہوں خیر سے ہوئے"

راہ طلب میں کو۔ حبیب ولی عسکری کا آواز چائے اس کے ملنے میں ایک گئی اور اصل جو شخص کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا دیکھا کہ اس نے دیکھا کہ اسے سوتی اٹھادی تھی اور اب چائے خانے میں ایسا تھکا لاکر کوئی مرگوشی کی کتاؤ سنانی دے جاتی۔

میری بات کے جواب میں مشتاق چنگیزی کے ہونٹ متحرک تو ہوئے تھے مگر کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ "خیرت! میں نہیں پڑی۔ کیا مجھے دیکھ کر تمھاری قوت گروائی سلب ہو گئی ہے؟"

"تم.... تم.... مشتاق چنگیزی کی آواز میں لرزش تھی۔ "ہاں ہاں، میں عبات پوری کروں۔" "تم یہاں کیوں آئی ہو؟" "یہ سوال تو میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔" "تم میرے پیچھے پڑ کر اپنی شامت کو حکومت سے رہی ہو انور۔" "خوب! میں نے بڑے ٹیکے انداز میں کہا: "تو تم نے آخر اعتراف کر ہی لیا کہ تم میرے حمل نام سے واقف ہو۔"

مشتاق نے بڑی سختی سے ہونٹ بیچنے لیے۔ اپنی اس حماقت پر اس نے خود کو اس میں گالیاں لڑنے کی ڈالی ہوئی گی۔

"خیر! میں نے شائستہ حبیب لکھا۔ میرا خیال ہے کہ اب میں کھل کر بات کر لینا چاہیے کیونکہ یہ وقت ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ میں جانا چاہتی ہوں کہ کفیل رضا کہاں ہے؟"

"کون کفیل رضا؟"

"ڈاکٹر شکیل کا باپ۔"

"کون ڈاکٹر شکیل؟"

"کون کی باتیں کر رہی ہو؟"

"سنوشتاق! میں نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا: "دوسل اچھی ٹیک تم پوری طرح نہیں جان سکتے ہو کہ میں کیا ہوں۔ جو لوگ مجھے صرف صورت سمجھتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ میں تمھیں اسی وقت اسی جگہ، منگے کرے تمھاری کھال آتا سکتی ہوں اور اس کے لیے مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کام میرے صحت ان ہاتھوں سے ہو جائے گا جو بہت نرم و گداز نظر آتے ہیں۔"

"بالا! تم حد سے بڑھ رہی ہو! مشتاق غریبا وہ اچانک جیسے پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ سنبھلنے سے پہلے اس کی نظر ایک مرتبہ دروازے کی طرف لگی تھی۔

میں نے کن آنکھوں سے دیکھا کہ تین لمبے تڑپنے آدمی چائے خانے میں داخل ہو چکے تھے اور تینوں ہی کا ملبہ روایتی

ہیں۔ اس کے لئے ان تینوں کی آمد سے قطعی سے خبر ہوں۔ میں نے مشتاق کو گھورتے ہوئے کہا: ”ابھی میں حد سے نہیں جڑھی جب یہ صوفیوں کی تو اس عجب تھادی چیزوں کے سوا کچھ نہائی نہیں دے گا۔“

چائے خانے میں بدستور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب کی توجہ باری طرف تھی۔ وہ بزمِ نوش تھے اور غالباً یہ سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کہ میری اور مشتاق کی گفتگو کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے۔

”بابو! مشتاق نے میرے سخت لہجے میں ایک ”تھیں“ نہیں بھونکا جیسے کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں سے لوگوں کی لاشیں بھی غائب ہو جاتی ہیں۔“

”اگر تھادی لاش بھی غائب ہو گئی تو مجھے ڈانٹوں اور سزا دیں گے۔“
”نہ تم سزا دے گی میں کہنا لیکن میں اس بات سے بے خبر نہیں تھی کہ وہ تینوں نوادرِ خندہ سے میرے عقب میں پہنچ کر ٹک جکے ہیں۔ ان میں سے دو تو دی تھے جن میں نے چائے خانے کے باہر جیب کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔“

”بابو! مشتاق نے ان کو رکھا۔“ ہر دو گواہ کہ تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔ میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔“
”اُس کے بعد آخری وارننگ کتنے دیکھے دو گئے؟“ میں نے پھر اس کا مذاق اڑایا لیکن میں تہہ بہ تہہ کا متبادل کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔

مشتاق نے میرے عقب میں کھڑے ہوئے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے سنبھالیں۔ ”ادھر اُس نے اشارہ کیا اور ادھر میرے دائیں ہاتھ نے بڑی سرعت سے حرکت کی۔ مشتاق کے نہیں گال پر ایسا زانے کا طمانچہ پڑا تھا کہ وہ اپنی کرسی سمیت گرتے گرتے پچا

لبوں میں لے کر دو کرسی سمیت بائیں جانب گرا ہوا بدلہ میں بیڑیاں یہ تھا کہ عقب سے مجھے دوپٹے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا یہ قیاس سرفیصد درست ثابت ہوا۔ ادھر میں نے خود کو بائیں جانب گرایا اور ادھر مجھے دوپٹے کی کوشش کرنے والا اپنے ہی زور میں میرے بدن پر مارا۔ فوراً ہی میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو حرکت دی۔ میرے بدن پر اونچے گرنے والے کی پسلیوں پر ایک جھری پڑی اور وہ اچانک جانب مٹتے ہوئے اُڑی۔ آدمیوں کو گراتا ہوا خود بھی فرش نہیں ہو گیا۔

میں گری بھی تھی اور میں نے لات بھی رسید کی تھی اس لیے میری ساڑی اور پٹی کوٹ اوپر رکھنے تھے لیکن ایسے ہی تو قوتوں پر عمل کیے کہ اندیشے کے تحت میں ایک چست قسم کا رعبہ صوفی بننے رہتی ہوں۔

لات رسید کرنے کے فوراً بعد میں میرے جسم میں اسے تنگ گئے ہوئے اس ساڑی کے دھکے کھینچنے لگا۔ یہی میری ساڑی تھی۔

مجھے دوپٹے کی ناکام کوشش کر کے ساتھی مجھ پر چھپے اور مجھے جھوڑ کر اس کے اٹل گئے۔ یہ باتھو اتنے خوفناک ہوتے ہیں کہ مرغ پسلی کی طرح تڑپ جاتا ہے۔ اس میں اُن دونوں کی چھٹیں اس طرح کوٹھکھٹکیں گئیں کہ ایک ہمت سے اسپیکر کھول دیے جائے۔

”جس نے مجھے دوپٹے کی کوشش کی تھی! پکا۔“ میں نے اُس کی ذمہ داری کے لیے تیزی اور پھر ایک لمحے میں نے خود کو مشتاق جیکبڑی کے میرے جسم میں غصے کی شعل جل اُٹھی۔ یہی نفس میری دانست میں خشک کی موت بھی اسی کا کیا۔

محبوب کے محبوب کا قاتل تھا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا۔ اُسے بہت ہی خوفناک مزاحیہ تکنیکی اعمال میں سینے پر نو پتھر تو رسید کر ہی رہا۔

وہ دو کھلیا ہوا سا کھڑا تھا۔ میرے دونوں ہاتھوں نے چائے خانے میں انفرقاری کچھ گئی تھی۔ اٹھانے کسی عورت کو روٹنے ہوئے دیکھا ہو۔ کوئی بھی جس کے چہرے پر حیرتِ مخمور ہو گئی ہو۔

میں نے جس کے شانہ پر کراٹے کا ہاتھ مارا۔ خوفناک ارادے سے میری طرف بڑھا۔ اُس نے ایک لوک کی بوتل اٹھا کر توڑ ڈالی تھی اور اب اُس کی گردن کی طرف سے پکڑے ہوئے میری طرف بڑھ گیا۔

اس کی ٹانگوں میں اس طرح پکڑ لیا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے مجھ پر جست دو کر زمین کے رے رے سے غصے کی ٹانگوں کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ چٹ گرا۔

”ننگی تھی، وہ پختہ فرخ پر اوندھا گرا تو اُس نے سنی ہو گئی۔“
”وقت چائے خانے کے باہر کوئی بیچتا۔ پولس“

”وہ کھلا کر گئے۔ وہ قلم سخت جان تھے۔ وہ اُڑ پاتے۔ ان تینوں کے علاوہ مشتاق جیکبڑی کی کمر بستہ تر تھی اور اس معلوم ہو رہا تھا جیسے اٹھنا چاہتے ہوں۔“

”ان تینوں کی تھی کہ میں اپنے پرس میں سے پول میں ڈال رہے تھے۔ روکنا چاہتی تھی اور کوئی شخص اس اچانک تارکی نہ چھاجاتی۔ غالباً ان تینوں نے گڑا ڈال دیا تھا۔“

”پولس تیزی سے ایک کونے میں سمیٹ لیا کہ وہ ایک کونے میں تھی۔ اگر میں ایک طرف نہ ہو جاتی تو اگر رہتی۔“

”پولس اب رہی نہیں۔ چائے کی پیالیوں اور کھینکے سناٹی دے رہے تھے۔ دو چار آدمی کھینچ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر رہا تھا۔ وہ کہہ کر کم پرس جس نوشی کے جرم میں تھے۔“

”پولس والوں کے جینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پولس والوں کے جینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پولس والوں کے جینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پولس والوں کے جینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔“

پولیس والوں نے ڈار میں جلائی تھیں۔ ان میں اس انفرقاری ہفت ابویا میں میں کچھ وقت لگا اور اتنی دیر میں خاصے آدمی فرار ہو چکے تھے۔ صرف گیارہ آدمیوں کو گرفتار کیا جاسکا۔

”نائب امینان سے ایک پختہ پڑھو گئی تھی، ایلا اور اپنے پرس میں رکھ لیا تھا اور اس کی بھی تھیک کر لی تھی۔“

جب فیروز جوڑ کر بال روشنی کی گئی تو میں نے گڑا زار شدگان پر نظر ڈالی۔ ان میں مشتاق جیکبڑی نہیں تھا۔ وہ تین غڑے ہوئے بوجھ پر حملہ آور ہوئے تھے ان میں سے بھی ایک غائب تھا اور باقی دونوں غڑے دو تھے جن میں نے چائے خانے میں داخل ہوئے وقت ایک جیب کے قریب کھڑا ہوا دیکھا تھا۔

”پولس انیس تیزی سے میری طرف آیا اور بلا۔“ میں نے کپ کے کھینچے، جھلک میں یہ قدم اٹھا تو ایک ناب میری کچھ میں نہیں آ رہا۔ کہ ان لوگوں کو یہ کیا جاسکے گا۔ آپ کو یقین ہے کہ ان لوگوں نے مشرخیل دینا کو اٹھا لیا ہے؟“
”مجھے کوئی یقین ہے مگر ایک گڑبڑ ہو چکی ہے۔“
”وہ کیا؟“

”دو آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ جن لوگوں کو آپ نے پکڑا ہے ان میں سے صرف دو آدمی ہمارے کام کے ہیں۔ میں نے ان سے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں بتایا اور پھر کہا کہ باقی لوگوں کو کپ چھوڑ دیں۔“

”اور ان دونوں کو کپ کا ساچ گٹاؤں؟“
”نقص امن کا ساچ تو جہاں لگایا جاسکتا ہے جن لوگوں کو آپ نے پکڑا ہے ان میں سے کوئی آدمیوں کو کپ اس بات کا گواہ بننے پر آمادہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نے یہاں ہنگامہ بگایا تھا۔“
”اور کھیل ڈالا معاملہ؟“

”اب یہ کام آپ کا ہے کہ ان دونوں کو زبان کھولتے پر مجبور کر دیں۔“
”پ۔“

”مجھے فون پر کسی نے یہی بتایا تھا۔ افسوس تو اس آدمی کے فرار ہو جانے کا ہے جس سے میں نے یہاں انکارات کی تھی۔ مجھے فون پر اُسی کا خط لکھ دیا تھا۔ جب میں نے اُس سے گفتگو کی تو وہ ہنسنے لگا۔ اُسی کے اشارے پر ان لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ مجھ پر حملہ جی اس بات کی دلیل ہے کہ میں صحیح آدمی تک پہنچی تھی۔“
پولس انیس چند لمحوں میں چلا گیا اور پھر لانا چھائی حال تو میں

ان دونوں کو ملے جانا ہوں لیکن بہتر ہوگا آپ ان کے خلاف یہ ایسا آئی، تو
 کوئی ایسی دین کہ انھوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اگر انھوں نے اس کا
 تعلق ثابت نہ کر سکتے تھے تو آپ کی ایف، آئی، اے، اینک گرفتاری کا ایک
 مضبوط جواز بن جائے گی۔

”مضبوط جواز تو یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے جس کے نقشے میں
 ہمارا مار دھاڑی، اپنی جان بچانے کے لیے اس چائے خانے کا
 مالک بھی دونوں کے خلاف گواہی دینے پر مجبور ہوا جائے گا۔ انھیں
 واصل میں اس معاملے میں سلوٹ ہونے سے گریز چاہتی ہوں میں
 آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے تعاون کریں۔ میں تو
 انوائسٹنگان کو گرفتار کرنے کے بعد بھی اپنا نام پرے میں رکھنا چاہوں
 گی تاہم مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو گرفتار کرنے میں مجھے زیادہ عرصہ
 نہیں لگے گا میں نے ان دونوں مفروضوں کو پہچان لیا ہے اور بہت
 جلد انھیں دھوکہ دلاؤں گا پھر انھیں گرفتار کرنا آپ کا کام ہوگا۔ میں تو اکثر تیک
 پس پیورہ پر رہنا چاہتی ہوں۔“

پولیس آفیسر کچھ سوچ کر مجھ سے تعاون کرنے پر پوری طرح تیار
 ہو گیا اور میں اُسے رسمی کارروائی پوری کرتے ہوئے چھوڑ کر وہاں
 سے روانہ ہوئی۔

اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ مشتاق چنگیزی نے اپنے گھر کا رخ کیا
 ہے یا نہیں؟ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اس پر نگہ آرائی کے بعد وہ
 ہو کھلا کر بد پوش ہو جاتا۔

لیکن اس بات کو چیک کرنے سے پہلے میں اپنے گھر کا رخ کرنا چاہتی
 تھی۔ مشتاق چنگیزی کے غنڈوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میری مادی
 پر غماص دیتے آگئے تھے اور میں مشتاق چنگیزی کے گھر جانے سے پہلے
 اُسے تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

جب میں گھر پہنچی تو ملازمہ نے بتایا کہ مشکل ایک منٹ پہلے
 کسی کالون آیا تھا لیکن میری عدم موجودگی کا علم ہونے کے بعد فون
 کرنے والے نے اپنا نام بتائے بغیر فون کٹ کر دیا تھا۔

کچھ سے تبدیل کرتے ہوئے میرا ذہن اس سوال میں الجھ رہا کہ
 فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ کیا جیمز فریزر؟

اُس شخص نے اب میرے ذہن کو بہت بُری طرح اُلجھا دیا تھا۔
 میں تو اُسے مشتاق چنگیزی کی کاسٹھی سمجھتی رہی تھی لیکن آج کا واقعہ کچھ
 اور ہی ثابت کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے مشتاق چنگیزی کے بارے میں بالکل
 درست اطلاع دی تھی اور میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہاں میرے
 لیے پہلے سے کوئی جال نہیں بچھا یا گیا تھا۔

کچھ سے تبدیل کر کے میں مشتاق چنگیزی کے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔
 اب رات خاصی گزری تھی اور سڑکوں پر بہت سے ناخوشگام رہ گئے

مشتاق۔
 کار کی آواز میں کشتاق چنگیزی کا ایک
 نکل آیا اور میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا مشتاق
 ”جی ہاں۔“

یہ جواب ایسا تھا کہ مجھے جھٹکا سا لگا اور میں
 بولی: ”اگے؟“ مجھے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں
 ”جی ہاں“ میں انھیں آپ کی آمد سے آگاہ کر
 بیدار ہو کر میں آپ ڈیوٹی روم میں تشریف لے
 میں استعجاب کے عالم میں اُس کے بُرے معاملہ
 میں بھٹا کر چلا گیا اور میں سوچتی رہی کہ مشتاق کی پہلی
 اپنے گھر واپس آکر ٹھہری وہ پوری کا شہوت دیا ہے۔
 مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مشتاق
 لباس پر گڈون پہنے ڈیوٹنگ روم میں داخل ہوا۔

”خوش آمدید باؤ؟“ اُس کی مسکراہٹ ملنے پر
 ”خوب؟“ میں نے اُسے گھومتے ہوئے کہا: ”اگر آپ
 گفتگو کر سکتے ہیں کہیں؟“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں“ مشتاق نے اہم
 اطمینان سے میرے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا میں
 انتظار کرتا رہی وہ دیکھا تھا۔

میں چند لمحوں اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور
 کہاں ہے؟“

”جہاں اُس کی رضا ہو گی وہیں ہوگا“ مشتاق نے
 پھر اس طرح قہقہہ لگایا جیسے اپنے نقشے سے بہت
 ”نی الحال تو وہ جہاں بھی ہے، تمھاری رضا کے
 نے؟“ گھومتے ہوئے کہا: ”لیکن تمھاری یہ رضا تمھاری
 سکتی ہے۔“

”خوب؟“ مشتاق مسکرایا: ”غالباً آپ نے کوئی فقرہ
 مجھے اُس کے اس مختصر انداز پر غور آسکتا تھا لیکن
 کو تو ایسا نہ تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ میں غنڈے کے
 ساتھ گفتگو کر کے مشتاق کے گھر سے کوئی ایسی بات لے سکوں
 میری رہ نمائی کر سکے۔“

”میں نے کوئی فقرہ نہیں کہا“ میں مسکرائی: ”فقرے
 میں پولیس کرتی اگر تم چاہتے تھے تو جہاں سے چاہتے
 ”جائے خانے سے جہاں ڈلیا جاتا؟“ مشتاق نے
 مختصر انداز میں کہا: ”آپ کہاں کی باتیں کر رہی ہیں نا؟
 کا چاہئے غنا اور کیا ہو سکتا ہے میں تو آج سارا دن اپنے گھر

کے گھر میں۔“
 میں موجود لوگ بھی اس بات کی گواہی دیں گے
 تھے۔“

چنگیزی نے زور دے کر کہا: ”یعنی آپ نے مجھے
 کے لیے کرانے کے کچھ گواہ بھی جمع کر لیے ہیں؟
 ”کہاوی گئی ہو گی؟“ وہ ہنستا ہنستا کہیں۔
 ”جی ہاں“ آپ کو تو مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے۔
 میں اپنی کار پر گواہیاں چلاؤں اور پھر اُس سے
 غائب ہو کر قاتلانہ حملہ میری اہم کار کیا تھا پھر اب
 کا ہے لیکن یہاں حرکتوں سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا
 ال سکتی ہے کیونکہ میں ضمانت نامہ قبل از گرفتاری

میں بہت زیادہ مطمئن نظر آئے ہیں؟“ میں نے ایک
 ”لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ چنگیزی کی مسیحہ بانو
 پہل پھول میں سکا۔“

”میں متحیر نہیں لی ہے۔ آپ خود ہی مجھ سے آنکرائی
 ایک نہیں سمجھ سکتا ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟“
 وہی ہے جسے چھپانے کے لیے تم نے کیل فضا

ن کر انھیں کو ایسا عدالت میں اس قسم کے بے بنیاد
 آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔“

میں ہوشیار چنگیزی: ”میں نے اُسے گھومتے
 نامہ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔“
 ”کیا خوشگوار موڈ کیلکٹ بدل گیا اور اُس کی پیشانی
 وہ سرد ہے میں بولا: ”یہ میں ایک نیا لوازم

میں کی ہر چیز پر غور کر رہا ہے۔“
 مشتاق چنگیزی نے غراپا: ”لام لال نے اُز خود یہ سب کچھ
 ہے۔“

”تم نے اُس پر کیا باؤ ڈالا تھا؟“
 ”میں نے باؤ ڈال دیا“ میں نے مشتاق چنگیزی سے غراپا
 میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس موضوع پر مجھ سے
 ان ضرورت نہیں ہے۔ اگر لام لال کو مجھ سے کوئی شکایت
 اپنے ہمراہوں کو سب کچھ بتا دیتا۔“

جاسکتی ہیں، ”مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے ہوئے

کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔
 یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے رام لال کے ذکر پر مشتاق چنگیزی
 کو مشتاق چنگیزی کو رام لال سے متعلق نفرت ہے۔
 مگر کیوں؟

یہ ایک اہم سوال تھا۔ مشتاق چنگیزی کو تو رام لال سے نفرت
 ہونا ہی نہیں چاہیے تھی کیونکہ اُس کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ لام لال
 ہی کا دیا ہوا تھا۔

میں ڈھنگ روم میں بیٹھی یہ سب کچھ سوچتی رہی اور مشتاق چنگیزی
 اندرونی دروازے سے دوسری طرف چلا گیا۔ اُس نے میرے ذہنت
 ہونے کا بھی اعظا نہیں کیا تھا۔

دفعۃً ایک تیز چرخ کی آواز جھلکے میں گونج اُٹھی۔ وہ سونیوینڈر
 مروانہ بیچ تھی اور پھر وحشیانہ سا مقدمہ سنا دی راتھا۔
 میں صوفے سے اچھل پڑی۔

وحشیانہ انداز میں قہقہے لگاتے ہوئے کوئی شخص چنچ چنچ کر کہہ
 راتھا: ”بل گیا، بل گیا، مجھے راستہ مل گیا۔“

وہ آواز دو چنچ اور دو قہقہے کسی ایسے ہی شخص کے ہو سکتے تھے
 جو پیاسا بچپن سال کی عمر کا ہو۔

میں اپنے جیس کو باندھ کر اور بے تشا اندرونی دروازے کی
 طرف بھج گئی۔

لیکن میں دروازے کو کھول نہیں کر سکی۔ مشتاق چنگیزی اچانک
 دروازے میں آکر ہوا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میری راہ روک
 لی تھی۔ وہ مجھے گھورتا ہوا بڑے غصے سے بولا: ”میں کہتا ہوں تم یہاں
 سے فوراً چل جاؤ۔“

وہ وحشیانہ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ ”مل گیا مجھے
 راستہ مل گیا۔“

”یہ کون چنچ رہا ہے؟“ میں نے مشتاق کو گھومتے ہوئے پوچھا۔
 ”تم اپنی حد سے تجاوز کر رہی ہو جا رہی ہو۔“ میں نے انھیں
 میں گھر کو معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔“

میں نے اُس کی کبواس پر وہاں نہیں دیا میرا ذہن اب بھی
 اُس وحشیانہ آواز کی طرف لگا ہوا تھا اور میں اندازہ لگائے کی کوشش
 کر رہی تھی کہ وہ آواز کیل فضا کی تو نہیں ہے؟

نہیں! وہ کیل فضا کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کوئی اور ہی تھا
 جو اب چنچ چنچ کر کہہ رہا تھا۔ مجھے چھوڑ دو میں اب اس تہ خانے
 میں نہیں جاؤں گا۔ چھوڑ مجھے۔“

شاید اُس آدمی کو کسی نے پھوٹا تھا۔ میں اُس معلوم شخص کو

دیکھنے کے لیے اتنی بے چین ہو گئی تھی کہ میں نے ہر احتیاط کو گوارا نہ ملا۔ طاق رکھ دیا اور مشتاق چیخ بڑی زور سے دھکے لے کر اندر گھس گئی۔
 مشتاق چیخ بڑی زور سے کرتے کرتے بڑی مشکل سے بندھ گیا۔ میں آواز کی سمیت دوڑتی چلی گئی۔ مشتاق میرے پیچھے لپکا رہا تھا کہ وہ چیخا نہ تم اچھا نہیں کر رہی ہو باؤ! میں پولس میں تمھارے خلاف رپورٹ کروں گا۔

اگر وہ پولس کی بجائے میرا براہ مہملکت کی دھمکی دیتا تو میری اس وقت زد لگتی۔ میں ہر قیمت پر اس معلوم شخص کو دیکھنا چاہتی تھی جسے مشتاق چیخ بڑی نے غالباً کسی تھکنے میں قید کر رکھا تھا۔

بنگلے کی وسعت زیادہ نہیں تھی اس لیے میں جلد ہی اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں ایک ڈیوٹیلے ڈیوٹیاں مشتاق چیخ بڑی کے گھر چلو ملازمین سے خبر دے رہا تھا۔ تینوں ملازمین اسے بڑی طرح جکڑے ہوئے تھے اور اسے گھسیٹ کر وہاں سے لے جانا چاہتے تھے لیکن اس ڈیوٹیلے پتلے بڑے میں اس بھائی طاقت تھی کہ تینوں ملازم اپنے اپنے ہو چکے تھے۔

”میں اب وہاں نہیں جاتاؤں گا۔“ بڑھا چیخ رہا تھا۔ ”میں اب“ وہ لکھتے خاموش ہو گیا اور مجھے گھونٹ لگا۔ تینوں ملازم بھی مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے تھے۔

میرے پیچھے پیچھے مشتاق چیخ بڑی بھی کمرے میں داخل ہو گئیں اب پوری طرح چوٹ تھی کہ اگر مشتاق چیخ بڑی جلد کمرے تو میں اپنا دھانسا کر نکلوں۔

لیکن مشتاق نے مجھے گھونٹے ہوئے حرف اٹھا کہا۔ ”میں تم سے قانونی طور پر غمٹوں گا میرے باؤ! اور مجھ پر بڑے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ملازمین سے کہا۔ ”انھیں چھوڑ دو!“

ملازمین نے بڑے کو چھوڑ دیا۔ بڑے نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کی۔ وہ دیر مجھے گھونٹے سے باز رہا۔ ”مجھے کسی آنکھوں میں دسی ہی دشت نظر آ رہی تھی جیسی کسی پاگل کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے۔

”آپ باہر نکلیں گئے، انکل! مشتاق چیخ بڑی نے بڑے کے کمرے پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے کہا۔

”بیوقوف! بڑے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”آخر چہ ذہنی توازن سے باہر آ جاتا ہے؟

”لیکن آپ کو راستے کیسے ملا ہے؟

”مجھے چڑے کو مل جاتا ہے۔“ بڑے نے کہا۔ ”اب وہ بدستور غم غریف میری طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ جو کڑی ہے؟

”یہ کوئی نہیں ہے۔ بس اپنی خواہ گاہ میں جیسے!“

”خواہ گاہ!“ بڑے نے پھر پتہ کھانکھا۔
 کوئی گھر ہے؟ درویشانہ نہ...
 ”لیکن ڈاکٹر نے یہی تو کہا تھا کہ آپ...“
 مجھے۔ آپ بھول گئے کہ کھلی نفاذ آپ کی...
 ثابت ہو سکتی ہے؟

”اسے ہاں! یہ تو میں واقعی بھول گیا تھا۔“
 ”بس تو صبر اب پیلے دیں!“
 ”چلو! بڑھا کچھ خوفزدہ ہو گیا۔ ”یہاں لکھا پنچا رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے...“
 گارہی ہو سو تو کہاں بھول جائے؟

مشتاق نے بڑے کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔
 دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ بڑے کو اس کر لیا تھا۔ دروازے سے گزرتے وقت اس سے کہا۔ ”انھیں برآمدے تک چھوڑ آؤ!“ اس کی طرف تھا۔

میں خود ہی باہر جانے کے لیے مڑ گئی۔ کہا۔
 ملازمین کے دھوکے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔
 طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس میں سوچ رہی تھی جسے مشتاق چیخ بڑی نے انکل آج ہی میرے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ اس میں موجود ہے۔ اب یہ بات دریافت طلب تھی۔
 نے بنوایا تھا یہ وہ اس بنگلے میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ سنگت سے معلوم ہو سکتی تھی کہ یہ پتلے تو اس بنگلے سنگت سے ہی بنے تھے۔

لیکن بڑے کے پاس میں مجھے کون بتاؤ؟
 میں نے برآمدے میں ٹوک کر ملازمین کی طرف پاگل بڑھا تھا۔ تمھارے مالک کا بچا ہے؟

”ہاں!“ ایک ملازم نے جواب دیا۔ ”صاحب کو اپنے چچا کو پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ اس لیے وہ پر رکیوگن کا علاج کرا رہے ہیں۔“
 ”کس ڈاکٹر سے؟“ میں نے پوچھا۔

جواب میں اس نے دماغی سرائی کے ایک ملازم نے وہ نام ایک آدھ بلسا تھا۔

”کیسے بے زیر علاج ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
 ملازم کچھ جواب دیتے ہی وہ اٹھا کہ اس کے ماما کو کاڈے کر چھپ کر دیا اور پھر مجھ سے بولا۔ ”آپ یہ سارا“

”وہاں تسم کا تھا میں نے اس پر ایک گہری دھڑکی طرف دیکھنے لگا۔ میں برآمدے سے طرف بڑھی۔
 میں نے ان کے گھر کی طرف جاری تھی تو میرے ایک تھوڑے بڑھے کی تھی۔ یہاں اُس کا ایک لڑکے شائق چیخ بڑی کے بیان کے مطابق اُس کا ”کل“ لڑکے تھی کہ واقعی کوئی ڈاکٹر اس کا لڑکے چیخ بڑی نے کسی وجہ سے اس بچے کو بھٹے کر دیا تھا۔

”انکل! تمھیں کوئی تفتیش طلب نکات کو دوسرا کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ میں اس کے پاس تھی اور اُس ڈاکٹر کے گھر میں کا نام اُس نے بتایا تھا۔ سنگت سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی۔

”میرے تھوڑے دن اور بھی کئی باتیں دیکھنا چاہیں گی کہ وہاں اصل ٹوک کے ڈاکٹر کے لیے جس ٹوک کا نمبر بتا چکی تھی اُس کا بتا جانا کہ نہ سہی مگر اس میں کچھ وقت تو بھر جانا۔“
 میں دہلی ہوئی جب میں گھر پہنچی تو ملازم نے بتایا کہ وہ گناہوں کا دل دومیرہ چھڑائی تھی اور پہلے میں فن کرنے والے نے اپنا نام بتائے بغیر

”میں پڑھتی ہوں اُس پر اسرار شخص کے بارے میں نے کون مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ہمت کیا۔ شاید وہی ہو جو جیمز فریزر ڈاکٹر دیکھا جائے۔“
 بات کرنے کے لیے بے چین ہے تو فوراً

”میں غنڈوں کا خیال آیا جنھیں میرے سینا کے قریب کرتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اُس کی طرف سے کوئی دھمکی نہیں ہوئی تھی۔“
 ”میں غنڈوں کا خیال آیا جنھیں میرے سینا کے قریب کرتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اُس کی طرف سے کوئی دھمکی نہیں ہوئی تھی۔“

”میں غنڈوں کا خیال آیا جنھیں میرے سینا کے قریب کرتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اُس کی طرف سے کوئی دھمکی نہیں ہوئی تھی۔“

”وہ اصل انھیں اس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں، تاہم انھیں جتنا معلوم تھا وہ میں معلوم کر چکا ہوں۔“
 ”یعنی؟“

”وہ دونوں اس بات سے تو باخبر ہیں کہ آج رات ایک شخص کو اغوا کیا گیا ہے لیکن وہ اغوا ہونے والے کے نام سے بے خبر ہیں۔“
 ”کیا بات ہوئی؟“

”جو شخص نے انھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اُسے اغوا کیا جانا ہے وہ کون ہے؟“

”میرے جوش کون ہے؟“

”انفرادی کے خاتمے کا ایک بڑا شخص ہے۔ بلیک سٹریڈ ہے اور دومیرہ کا سزا یافتہ ہے۔ پولس انھیں نے بتایا۔“ اس نے اُن کو کفیل رضا کے اغوا میں اپنا معاون بنایا تھا اور معاوضے میں بائیں تھیں مگر اُن دونوں نے یہ خبر بتایا ہے کہ ہنگامے کے وقت جانے والے میں وہ شخص بھی موجود تھا اور آپ اُس کے پاس جا کر بھی نہیں۔ آخر وہ کون تھا؟“

”مجھے یقین نہیں کہ اُس کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا۔ میں جانتی تھی کہ پولس انھیں مشتاق کے بارے میں کون سا سوال پوچھ رہے ہیں۔ یہ وہ دن اُس آؤں کے نام سے ہے۔ بڑے ہیں جس نے کفیل رضا کے لیے جوش کی ذمہ داری کی کر لی تھی۔ لہذا میں خود ہی اُس سے ایک بات پوچھ بیٹھی۔ آپ نے اُن دونوں سے یہ بھی پوچھا کہ وہ شخص اُس چائے خانے میں کیوں بیٹھا ہوا تھا؟“

”میں نے اس بارے میں پوچھا تھا۔ اُن دونوں نے بتایا کہ وہ وہاں جوشی کی کارستانی کر رہا تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا کہ انھیں میں اس شخص نے خود شرکت نہیں کی تھی اور طے یہاں تھا کہ جوشی سے وہ اُس چائے خانے میں ملاقات کرے گا اور وہاں سے جوشی اُسے اُس جگہ سے جانے لگا جہاں کفیل رضا کو قید کیا گیا ہے۔ اُس شخص نے یہی طے کیا تھا کہ قید خانے کا مسئلہ بھی خود جوشی ہی کو حل کرنا ہے۔ اغوا میں صرف یہی دونوں آدمی جوشی کے ساتھ تھے۔ انھوں نے ایک جیب استعمال کی تھی جس میں کفیل رضا کی ہوسٹس چلا ہوا تھا۔ جوشی نے ٹیبلٹ کے قریب اُن دونوں کو اپنی جیب سے اُتار دیا تھا اور اُن سے کہہ دیا تھا کہ وہ اُسی چائے خانے میں اُس کا انتظار کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن دونوں کو اُس جگہ کا علم نہیں جہاں کفیل رضا کو قید کیا گیا ہے۔“

”میرا آپ کا کہہ رہی ہیں؟“

”میں جوشی کے گھر پر چھاپہ مارنے کے لیے اسکو اتار تیار ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو ڈارنگ! لیکن بعض نرم بہت تکلیف دے کر ٹھیک ہوتے ہیں۔“

”اے! بتاتے آئے۔“

”میرے احساسات کے مطابق سنیگیتا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ جیسے میں نے یہ سنا ہے۔ یہی کوشش کروں گی کہ اس کو اس نرمی کی تکلیف کو زیادہ شدت سے محسوس نہ کرے۔“

”وہ بہت بیداری لڑی ہے۔ مجھے بہت اچھی لگی۔ آپ مجھے بھی اس سے مدد دے گا۔“

”اگر تم چاہتی ہو تو ضرور ملناؤں گی۔“

”اور... آج رات کو آپ کا کیا پروگرام ہے؟“

”کیوں؟“

”میں سوچ رہی تھی کہ رات کو آپ کے گھر جاؤں۔ یہاں ہوں میں ایسی لڑی لڑی کر دوں گی۔“

”اکیلی؟“

”ہاں۔“

”سوئیاتے جواب دیا۔ آج رات کو میں اکیلی ہی ہوں۔ البرٹو ابھی تھوڑی دیر میں حیران آباد جا رہا ہے۔“

”جدا آباد؟ کیوں؟“

”میں یوں ہی گھومنے کے لیے۔ مجھ سے بھی کہہ رہا تھا کہ چلو لیکن میں وہ شراک مرتبہ دیکھ چکی ہوں اور اب دوبارہ اسے دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ البرٹو کو اس شہر میں نہ جانے کیا چیز جھاگتی ہے؟“

”وہاں کی صرف ایک ہی چیز کراچی میں رہنے والوں کو بھاتی ہے؟“

”وہ کیا ہے؟“

”یہ کچھ بھی بتاؤں گی۔ اچھا تو کچھ کرب آ رہی ہو؟“

”نوبے تک آجاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آنے سے قبل مجھے فون ضرور کر لینا۔“

”اچھا۔“

میں نے مسرور ہو کر دیا اور چند لمحوں کے لیے ملری پریشانیاں میرے ذہن سے دور چلی گئیں۔ میں لگناتی ہوئی ہاتھ روم کی طرف بڑھی۔ پھر چند دن میں جو کتنا ہوئی تھی، وہ بس آج رات ہی کو ختم ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا اور ہاتھ روم میں داخل ہو کر ہاتھ شب کاٹ لیں۔

تیار ہو کر جب میں ناشتہ کرنے بیٹھی تو دس بج چکے تھے۔ چائے کی دوری پمالی پینے ہوئے میں نے اپنے دفتر فون کیا اور سیکریٹری سے کہہ دیا کہ آج میری دفتر میں آسکوں گی۔

چائے کا وہ دوسرا کپ ختم نہیں ہونے لگا۔

کی آمد سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ سنیگیتا معلوم پریشان تھی ہے۔

”اوہ!“ میں چائے کی بجائے کوئی کتنا باجیٹ کر رہی تھی۔

”میں کیوں نہیں کرتی؟“

پھر میں نے سنیگیتا کا غصہ سننے میں ایک تیر کی طرح اپنی فراگاہ سے نکل کر ڈارنگ روم کی طرف چلی گئی۔

سنیگیتا مجھے دیکھتے ہی صوفے سے کھڑی ہو کر دیکھ کر مجھے دھچکا مارا۔ وہ بالکل بڑی ہوئی ملک پروردہ ہمارے محل کو خراب کیا۔ ایک کپ بیکٹ۔ ہاتھ لگا کر نے جو لباس پہن رکھا تھا اس پر بھی اس نے کشت کیا تھا۔

مجاہدہ کل پسنے ہوئے تھی۔ گویا اب تک اس ہوش نہیں آیا تھا۔ یہی لباس وہ سوتے ہوئے جس میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ اس رات کو ایک ہی سوئی تھی۔ اس کی مرض انھیں سوئی سوئی کی نظر آ رہی تھی۔

”سنیگیتا!“ میں دیتا ہوا آگے بڑھی اور اس سے لگا لیا۔ ”یہ تو نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں بانو!“ اس نے چہرے میں کہا۔

”آؤ آؤ کچھ جانا ایک مضحکہ خیز بات ہی کہو۔“

”اُس وقت میں نے سنیگیتا کی آواز کو سن کر جو کہہ کر اس نے کہنے کے لیے مجھے کوئی اور لفظ نہیں مل رہا تھا۔“

”سنیگیتا! ادھر!“ میں نے اس کا سر اوپر اٹھا کر لیا اور کہا۔ ”میں تجھے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔“

”ہوئی تھی کہ شاید میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں بانو!“ اس نے کہا۔

”لیکن سکرابٹ میں جو کرب پہنا تھا، اُس نے مجھ پر آپ کی بات سب سے بالو کہ جب مجھ پر کوئی تھی تو پہنا اپنے ارد گرد چھپی ہوئی تاریکی میں مجھے صرف آپ ہی ہوا نظر آتا ہے اور میں آپ کے پاس دوڑی چلی آئی۔“

”یہ دل کی بات ہے بھئی! اُس کا اعتراف نہ کرو!“

”میں تو جانتی ہوں کہ تم سے دل میں کیا ہے۔ لیکن واقعہ ہو گیا جس نے مجھے اتنا پریشان کر دیا ہے؟“

”میں نے اسے مجھے خیال آ گیا تھا کہ سنیگیتا کو کھیل رضا کے اغوا کا پتا چلا۔“

”آپ کو اس بات سے باخبر ہیں؟“ سنیگیتا نے کہا۔

”ایسا کیا تھا تو آپ وہی تھیں؟“

”کی تھیں؟“

”جی ہمت نہیں کہ وہاں جاسکوں؟“ سنیگیتا نے عرض کیا۔

”اُنھوں نے واپس گھر آکر مجھے بتایا اور پھر کہا کہ اُسے گئے۔“

”میں چوٹی۔“

”نہ کہنا۔ آپ کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا۔“

”میں نے لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”میں نے کچھ ایسے کاغذات تھے جن سے پولیس کو ان کے گھر پر تھاپس شکیں کے ملازمین سے بھی پوچھ کر پتہ چل گیا۔“

”میں نے لیکن میں اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایسے موقعوں پر لفظ تو جیسے کیس کھو جاتے ہیں۔ میں یہ بھی کہوں گی کہ جس کی دنیا ٹھیک چلی ہو، اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے کوئی لفظ ترجیح دے دیا نہیں ہو سکا اور شاید کبھی نہیں ہو سکے گا۔“

”ناشتہ آیا تو سنیگیتا نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ کچھ کھانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا ہے بانو!“

”مجھے یقین ہے کہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن زندگی کے لیے دائرہ گندم ضروری ہے۔ اب تم شاید یہ کہو گی کہ تمہیں زندہ رہنے کی آرزو نہیں۔ اُس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ ڈاک وقت کے دکھانے سے تم نہیں سکتیں۔ چلو کھاؤ!“ میرے لیے میں پیار بھری سختی تھی۔ میں نے خود ہی ایک سلاش اٹھا لیا اور اس پر چھن لگائے۔

”پھر میں نے اپنے ہاتھ سے وہ سلاش سنیگیتا کو کھلائی۔“

”پھر تمہیں رگائے کے لیے وہ سلاش اٹھا لی تھی تھا کہ سنیگیتا نے کہا۔“

”پلیز بانو! اب میں نہیں کھا سکوں گی بس ایک کپ چائے دے دیجیے۔“

”میں نے سلاش چھوڑ دیا اور پھر بولی۔“

”اچھا ایک اٹلا ہوا ڈاڈا اور کھلاؤ!“

”میرے شدید ہمارے پر سنیگیتا بمشکل تمام ڈھا ڈھا نکل سکی اور وہ بھی بانی کے سہارے! پھر میں نے اُسے جانے نہا کر دی اور اس روز مجھے پہلی مرتبہ یہ تجربہ ہوا کہ محبوب اگر تم کو توڑے اپنے ہاتھ سے کچھ کھلا پلا کر کتنی آسودگی، کتنی مسرت اور کتنی ملائمت حاصل

جیسا تیسرا نشانہ کرانے کے بعد میں سنگیت کو اپنے ساتھ لے کر ہسپتال کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں، میں نے اُس سے پوچھا "تمہارے پیانچو کہاں ہیں؟"

"ہسپتال ہی میں ہیں۔ میں انہیں وہیں چھوڑ کر آپ کے پاس آئی تھی۔"

اُس کے بعد میں نے ہسپتال پہنچے ایک سنگیت سے کئی باتیں کی۔ میں اُس سوال سے اُلجھی ہوئی تھی کہ کنفیل رضا کے ہاگ چو جانے میں کوئی راز تو نہیں ہے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ان ہاگ ہاگ کا سبب بیشک کی موت کا حد مرہ ہے۔ ہاگ کر دینے والا ایسا جھکا تو داغ پر فوری طور سے گفتگو سے اوریہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ کنفیل رضا نے اس صدمے کو کسی نہ کسی طرح جھیل ہی لیا تھا۔ اُس نے گزشتہ رات مجھ سے جو باتیں کی تھیں، وہ کوئی ایسا شخص ہرگز نہیں کر سکتا جس کا داغ کسی صدمے کی زد میں ہو۔

ہسپتال پہنچ کر جب میں اور سنگیت کا رے آترے تو اچانک مجھے ایک بات یاد آئی۔ میں نے سنگیت سے کہا۔ "اوسے ہاں ایک بات تو بتاؤ۔ تم جس گھر میں رہا کرتی تھیں، میرا مطلب ہے جہاں اب مشتاق رہتا ہے، کیا اُس گھر میں کوئی نہ خانہ بھی ہے؟"

"جی ہاں، سنگیت نے جواب دیا۔ "پینتھ کی جنگ کے بعد ہی اپنی تباہی کے وہ نہ خانہ بنوایا تھا اور اُن کی یہ احتیاط اکثر کی جنگ میں ہمارے کام آتی تھی۔ کئی مرتبہ رضائی حملوں کے وقت ہم اُس نہ خانے میں گھسے تھے۔"

"ہوں۔ میں سر ہلا کر رہ گئی۔"

"آپ نے بڑی عجیب سی بات پوچھی؟" سنگیت بولی۔

"میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گی کہ میں نے تم سے یہ کیوں پوچھا تھا۔"

سنگیت نے ہلکا سا ہنس لیا کہ میں اُسے کسی وقت بتاؤں۔ ہسپتال میں میرا دور آرام لال کا آمناسا ہوا لیکن ہم ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوئے۔ میں اُن دونوں ڈاکٹروں کی باتیں سننے لگی کہ کنفیل رضا کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی باتوں سے مجھے پتا چلا کہ کنفیل رضا کو وہاں سے نینس ہسپتال منتقل کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

"درستی ہے، میں آگے بڑھ کر ایک ڈاکٹر سے مخاطب ہوئی۔

"میں کنفیل صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

دونوں ڈاکٹر میری طرف متوجہ ہوئے۔

ایک نے مجھ سے کہا۔ "آپ سے اُن کا وہ میرے ایک بزرگ ہیں، اور میں مراسم اُن کے لڑکے ڈاکٹر عقیل سے لے کر آپ اُن سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟"

"میں اُن کی حالت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر نے چند لمحوں کے بعد چار اور پھر اُن میں نے سنگیت سے کہا کہ وہ وہیں ڈاکٹر کے ساتھ ہوں۔ ایک کمرے کے دروازے پر۔

"وہ اسی کمرے میں ہیں۔ آپ اللہ پہل جائیں گا۔ گھر لانے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اُن کا صدمہ نہیں پہنچا ہے۔"

میں سر ہلا کر رہے کہ دروازہ کھلتی ہوئی بستر بالکل سامنے ہی تھا اور کنفیل رضا اُسے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی نظروں داغ سے ہی کھل کر اُس پر رہے کہ اُس نے مجھے دیکھ لیا ہو گا لیکن اُس نے تغیر نہیں پیدا کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ وہیں چند قدم آگے بڑھی۔ میرے پیچھے خود کار دروازہ بند ہو گیا۔ میں بستر کے بالکل قریب پہنچ گئی لیکن اس وقت وہ بڑا۔

"کنفیل صاحب! میں نے اُسے آہستہ سے اب وہ چونکا۔ اُس کی نظروں مجھ پر بھی پڑ گئیں۔

کہ اب وہ مجھے دیکھ بھی رہا ہے۔" تمہا، اُس کی بات پر میں نے "میرا خیال ہے کہ میں تمہیں کہیں دیکھ رہا ہوں۔" کل رات میں آپ کے گھر پر آپ سے اُسے نہیں۔ کنفیل رضا ہنس پڑا۔ یہ ناگوار خام کو تو میں کو وہ قیامت میں تھا۔ دراصل میں نے بوطیقہ میں پڑھا تھا کہ دوس اور مارکیٹ کی کشیدگی ہے لہذا میں اس سلسلے میں مذاکرات کرنے کے لیے امراء اعلیٰ کے پاس گیا ہوا تھا۔ اُس کا بھی یہی خیال اور مارکیٹ کی کشیدگی ہماری نظم اندیشی پر پڑے خراب ہو سکتی ہے۔ بڑے خود غرض کے بعد ہم نے ملے کیا کہ بڑی طاقتوں کی شادی کر کے انہیں خاندانی منقسم

ہے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کنفیل رضا میری طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے انتہائی اہم بحث کر رہی ہو۔

میں نے کھڑی اُس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔ کنفیل رضا چند لمحوں کے بعد بڑے بڑا گناہ انداز میں سکڑا کر آگے بڑھتا ہوا مجھے اُن کی باتیں سننے لگا۔ "امراء اعلیٰ اعلیٰ نے اُس سے کیا ہے؟ کنگریا کارلوں اور مارکیٹ کی شادی کا وہی معاملہ ہے۔ بس پھر یہ ملے گا کہ بند کی کشیدگی کے نیچے میں پھر پھرتے رہے۔ کنفیل رضا کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ اُس کی توقع بے بسی کے تصور سے محفوظ ہو

ہے کہ کہاں وقت ضائع کرتے سے کوئی فائدہ نہا کوئی دھنگ کی بات کرنے کے قابل نہیں

ہے کہ بڑا۔ کنفیل رضا کو گناہ سنجیدہ ہو کر بولا۔ "کہ اُن کی آج رات ہو گئی۔ پھر جب میں نے دہلی کا قصد کیا تو گھر کا ڈی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ اتفاق سے اُس میں بھی پٹرول کی بہت شراکت ہے۔ کیونکہ اُن کی بنات کے تعلقات کچھ خراب ہو گئے ہیں۔ جہاں امراء اعلیٰ سے آج غائب ہوئے۔ وقت پٹرول کا بندوبست کر دیا ہے آیا۔ اب تمہاری بتاؤ کہ کل رات تم سے میری ملاقات ہوئی ہے؟"

میں نے کہا کہ وہ ہیں۔ میں نے آہستہ سے کہا اور اُنہی کے لیے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میں نے کنفیل رضا سے مجھے پکارا۔ "آج میں غم دیکھنے جاؤں گا۔ روٹیں کروا دینا۔ بڑی اچھی فلم ہے۔ کیا نام؟"

اُن کے ہاں ہسپتال میں اس کیس پر کام نہیں ہو سکتا۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں کو اپنے گھر سے جانیں اور میری طور پر اُن کا علاج

"جی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے مگر یہ معاملہ چونکہ پورے ملک پہنچ چکا ہے اس لیے آپ کو پورے اس کی اجازت لینا ہوگی۔"

"اُس کی طرف سے آپ فکر مند نہ ہوں۔ وہ میں کروں گی کیا اس وقت کوئی پورے اس فیئر ہسپتال میں موجود ہے؟"

"اب تو کوئی نہیں ہے۔ آپ کی آمد سے کوئی پندرہ منٹ پہلے وہ لوگ یہاں سے گئے ہیں۔"

"کیا میں آپ کا خون استعمال کروں؟"

"ضرور۔"

میں نے فون اپنی طرف کھسکا یا اور ہوم سیکریٹری کے بڑے کمرے میں گئی۔ دوسری طرف سے خود ہوم سیکریٹری نے رسیور اٹھایا تھا۔ میں نے اُس کی آواز پہچان لی اور کہا۔ "میں بالوں بی ہوں؟"

"اوہ! بالو! خیر توبہ ہے؟"

"ایک چھوٹا سا کام تھا آپ سے۔"

"ہاں ہاں، کیسے؟"

میں نے اُسے مختصر کنفیل رضا کے بارے میں بتایا اور پھر کہا۔ "اب میں کنفیل رضا کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں تاکہ وہ اپنی امراض کے کسی ماہر سے اُن کا علاج کروا سکوں۔ ہسپتال ولسے کہ رہے ہیں کہ مجھے اس سلسلے میں اُس سے اجازت لینا پڑے گی۔"

"اوہ! تو بڑے معاملہ! اچھا، ٹھیک ہے۔ میں ابھی اس سلسلے میں ڈی آئی، جی کو فون کیے دیتا ہوں لیکن آپ اس معاملے میں کیوں پھنس گئیں؟ کوئی خاص جگہ تو نہیں ہے؟"

"ابھی تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی خاص جگہ ہے یا عام جگہ۔۔۔ میں اس معاملے میں اپنی ایک دوست کی وجہ سے پڑی ہوں۔ اس سلسلے کی تفصیلات میں آپ کو پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ فی الحال تو آپ میرا یہ کام کر دئیے۔"

"میں ڈس نکلتے کرنے کے بعد صبح سے پہلے ڈی آئی، جی ہی کو فون کروں گا؟"

"شک ہے۔ میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

ڈاکٹر بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور شاید جاننے کا خواہش تھا کہ میں نے کس سے گفتگو کی تھی۔

"یہ ہوم سیکریٹری تھے۔ میں نے اسے بتایا۔"

"اوہ! اچھا، ڈاکٹر نے سر ہلایا غالباً وہ سوچ رہا ہو گا کہ یہ عورت خاصی بارشوخ معلوم ہوتی ہے۔"

”ڈاکٹر انڈرگرس وقت موجود نہ ہوں گے“ میں نے اس طرح پوچھا جیسے اپنا خیال ظاہر کر رہی ہوں۔

”جی ہاں“ ان کی ڈوڑھی صبح چار بجے ختم ہو جاتی ہے۔ آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟“

”وہ بہت لمبے سے میرے کمر فرمایاں۔ میں ان سے ایک مشورہ لینا چاہتی تھی۔ خیر اب آپ ہی سے لینے لیتی ہوں۔ ذرا یہ بتائیے کہ میں کفیل صاحب کے علاج کے سلسلے میں کس ڈاکٹر سے رجوع کروں؟ ایک نام میرے ذہن میں ہے۔ آپ ان کے بارے میں اپنی رائے بتائیے؟“ میں نے اس ڈاکٹر کا نام میسا جو بیتہ، ملر پریشان چیگزیری کے گھر میں موجود ایک بوڑھے کا علاج کر رہا تھا۔

”ان کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ دراصل وہ ابھی حال ہی میں باہر سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔“

”گویا زیادہ تجربے کا بندھن ہے؟“

”میں اس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔“ ڈاکٹر نے متاثرہ وہ جواب دیا۔

”ان کا فون نمبر معلوم ہے آپ کو؟“

”ڈاکٹر کی منزل میں مل جائے گا۔“ ڈاکٹر نے کہا اور خود ہی ڈاکٹر کی آٹھا کروزن غیر تلاش کرنے لگا۔

میں نے فنگو ڈاکٹر سے اس کے کمرے ہی میں بیٹھ کر گزری تھی جبکہ رام لال اور گیتا باہر تھے۔

ڈاکٹر نے فون غیر تلاش کر کے مجھے بتایا اور میں فون پر وہ نمبر رنگ کرنے لگی۔ رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے وہی ڈاکٹر مل رہا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام بتایا اور عرض و غایت بیان کی۔ اس کے جواب میں وہ بولا۔ ”آپ کلینک آگے آکر مجھ سے مل جیئے تاکہ میں اس سلسلے میں ضروری کوائف معلوم کر سکوں۔“

”آپ کلینک میں کب تک ہوتے ہیں؟“

”آپ شام کو پانچ اور صبح کے درمیان مجھ سے مل جیئے۔“

”بہتر ہے۔“ اچھا ہاں! ایک بات یونیورسٹی میں تذکرہ پوچھ رہی ہوں۔ جن صاحب نے مجھے آپ کا نام بتایا تھا انہی سے مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی تھی کہ آپ شش چنگیزی صاحب کے چچا کا بھی علاج کر رہے ہیں؟“

”پچھانیں، وہ مشتاق صاحب کے نام۔“

”اچھا اچھا“ مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی۔

”لا سبب کیا ہے ڈاکٹر؟“

”وہ سر کے بل گر پڑے تھے جس سے اس خاص حصے پر بڑی شدید ضرب آتی تھی۔“

”اوہ! اچھا! غیر تو میں شام کو پا لیتی۔“

”آؤں گی۔“

”ضرر دشریف لائے! دوسری طرف منقطع ہونے کی آواز آئی۔“

”اچھا ڈاکٹر! شکریہ۔ میں پھر ہی ہوتی ہوں۔“

”کوئی آئی، میں نے متعلقہ پولیس افسران کو اس کی اطلاع دی ہو گی۔ آپ ان سے رابطہ قائم کر کے اس کی اطلاع دیجیئے گا۔ میں ایک شخص کے بعد پھر ان کی تلاش میں سے اپنے گھر منتقل کروا سکوں۔ ویسے منتقلی کی ٹھکانہ کی ٹھکانہ اور انتظام میں ہر کچھ میں تو جانتی ہوں۔“

”تم کے ذہنی مشغول کو کس طرح قابو میں رکھا؟“

”آپ فکر نہ کریں۔ میں سب بندوبست کروا رہی ہوں۔“

میں نے جو کہ ڈاکٹر کے سامنے ہی ہوم سکین کی تھی اس لیے وہ ہر طرح سے کوآپٹ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

”باہر کر سیں نے سنگیت کو بتایا کہ میں نے کس سلسلے میں کیا انتظامات کیے ہیں، پھر میں نے رام لال کو بتایا۔ آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑاؤں؟“

”ساری کارروائیوں کے دوران میں میرے ساتھ ہی رہنا۔“

”رام لال نے سنگیت کی طرف دیکھا۔ سنگیت اس کی بولی جی ہاں بتا جی ایسے تو ان حالات میں بالترتیب رہنا چاہیے۔“

”شکریہ ہے۔“ رام لال گھر ہوتا ہوا بولا۔

”گھر چلا جاؤں گا۔“

”لیکن جب میری گاڑی موجود ہے تو آپ رکنڈ ہو چکے کیوں دھتکتے کھانا چاہتے ہیں۔ اس وقت یہ سب کنوینس ملنا آسان نہیں ہو گا۔“ دراصل میں یوں بھی اصرار تھی کہ اس طرح مجھے رہنے میں رام لال سے کچھ باتیں مل جاتی ہیں۔

لیکن رام لال آمادہ نہیں ہوا، کہنے لگا۔ ”خود تنہا ہی“

میں کوئی حرج نہیں، بہ نسبت اس کے کہ وہ منزل پر پہنچے۔“

”کوئی تکلیف نہیں ہو گی؟ میں نے بھاری سے کہا۔“

”میری بات کر دو خوراکتنا نہیں جاتا اور سنگیت کو رکھ کر بولا۔“ اچھا تو اب میں چلتا ہوں۔ جیسے تے فارغ ہو، گھر آجانا۔“

اس نے سنگیت کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا اور اٹھ کر نکلی۔

”سنگیت کی طرف دیکھا تو اس نے نظر اٹھائی۔ اس نے منہ کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے سے بولی۔“

”ہاں! سنگیت نے بڑی تیزی سے کہا۔“ صرف میں ہی ہوں ہے وہ زمانے کی ٹھکروں میں ڈال سکتے ہیں۔“

”تم اس کی پروا مت کرو۔ میں بہت جلد زمانے کو تمہاری ٹھکروں میں لاؤں گی۔ اب تم ذرا صبر سے کام لو۔ مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔“

”میرے تعاون کی؟“

”ہاں! میں تمہیں ہسپتال پہنچا کر ایک کام سے علی جاؤں گی۔ تمہیں ہسپتال والوں کے تعاون سے انکل کفیل کو میرے گھر منتقل کروانا ہے۔ میں اس سلسلے میں فون پر اپنی ملازمتوں کو بھی ہدایت کروں گی۔ تم گھر پر اس وقت تک رکتا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں۔ اور ہاں! سنگیت کے گھر کا کیا ہو گا؟ وہاں اب صرف ملازمین رہ گئے ہیں۔“

”وہ سب ملازمین اعتماد کے آدمی ہیں لیکن اب انہیں رکھنے سے فائدہ بھی کیا! اگر ممکن ہو تو ان کا حساب کر کے گھر کو منتقل کر دیا جاتا۔“

”تو یہ ممکن کیوں نہیں ہے؟“

”ان لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟ انکل کفیل تو اپنے بوش میں نہیں ہیں۔“

”وہ سب تو خیر ہو جائے گا لیکن اس کام کو فی الحال دو ایک روز کے لیے ملتوی رکھو۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

میں نے سنگیت کو ہسپتال پہنچا دیا اور وہیں سے ٹیلیفون پر اپنی ملازمتوں کو ضروری ہدایات دے دیں۔ اس کے بعد میں سنگیت کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میری منزل ایک ریسورٹ تھی

ہوئی اور میں کہا۔ ”وہ تو اب انہیں کے گھر چلا جائے۔ یہ حالات یہے دماغ کو پریشان کر دیتے دے رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے! انکل کفیل انہی کے گئے اور جب ملے تو پانچ بجے ہو چکے تھے۔ بھگوان دکر سے آپ کو کچھ ہو گیا تو میں خود کشتی کر بیٹھوں گی۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ اب دنیا میں سنگیت کے بعد صرف آپ ہی میری ہیں۔ مجھے تو اپنے پتا جی اب اپنے پتا جی نہیں محسوس ہوتے۔“

”جذباتی نہ بنو تمہارے پتا جی اب بھی تمہاری پتا جی ہیں اور ہمیشہ تمہارے رہیں گے۔ یہ ان کی کوئی غمخیز ہے جس نے انہیں ایسا بنا دیا ہے۔ ان کے لیے بھی اب دنیا میں تم ہی ہو۔“

”ہاں! سنگیت نے بڑی تیزی سے کہا۔“ صرف میں ہی ہوں ہے وہ زمانے کی ٹھکروں میں ڈال سکتے ہیں۔“

”تم اس کی پروا مت کرو۔ میں بہت جلد زمانے کو تمہاری ٹھکروں میں لاؤں گی۔ اب تم ذرا صبر سے کام لو۔ مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔“

”میرے تعاون کی؟“

”ہاں! میں تمہیں ہسپتال پہنچا کر ایک کام سے علی جاؤں گی۔ تمہیں ہسپتال والوں کے تعاون سے انکل کفیل کو میرے گھر منتقل کروانا ہے۔ میں اس سلسلے میں فون پر اپنی ملازمتوں کو بھی ہدایت کروں گی۔ تم گھر پر اس وقت تک رکتا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں۔ اور ہاں! سنگیت کے گھر کا کیا ہو گا؟ وہاں اب صرف ملازمین رہ گئے ہیں۔“

”وہ سب ملازمین اعتماد کے آدمی ہیں لیکن اب انہیں رکھنے سے فائدہ بھی کیا! اگر ممکن ہو تو ان کا حساب کر کے گھر کو منتقل کر دیا جاتا۔“

”تو یہ ممکن کیوں نہیں ہے؟“

”ان لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟ انکل کفیل تو اپنے بوش میں نہیں ہیں۔“

”وہ سب تو خیر ہو جائے گا لیکن اس کام کو فی الحال دو ایک روز کے لیے ملتوی رکھو۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

میں نے سنگیت کو ہسپتال پہنچا دیا اور وہیں سے ٹیلیفون پر اپنی ملازمتوں کو ضروری ہدایات دے دیں۔ اس کے بعد میں سنگیت کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میری منزل ایک ریسورٹ تھی

جس کے مالک کے بارے میں مجھے پتا چلا تھا کہ اس کے کئی ٹک چلتے ہیں۔ باہمی ٹکوں میں سے ایک ٹک کا تہودہ تھا جس کا تہیجے سنگیتا سے معلوم ہوا تھا۔

ریسورٹ کے مالک کا نام آئی، کچھ عمارتیں تھا اور اب مجھے یہ بات معلوم کرنا تھی کہ مشتاق چنگیزی سے اس کا کیا تعلق ہے کہ وہ مشتاق کا آڈا کا رن گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں پہلی مرتبہ یہ خیال بھی آیا کہ میرا شہر غلط ہی ہو سکتا ہے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ تشکیل کی موت میں مشتاق چنگیزی کا تہودہ ہو۔ پہلے تو میں نے بس جذباتی طور پر سوچ لیا تھا کہ تشکیل کو ہلاک کرنے والا مشتاق چنگیزی پر گواہ کیونکہ وہ تہودہ دھوکہ سنگیتا کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میری یہ سوچ کسی مقصد و غرض کے بغیر تھی لیکن اب میرا ذہن دو دلوں ہی پہلوؤں پر مرکوز کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔

سوسائٹی کے علاقے میں وہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ریسورٹ تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اب بھی وہ ریسورٹ ہے یا نہیں لیکن اس زمانے میں اس ریسورٹ کی زیادہ تر آمدنی ان دنوں جوڑوں کی وجہ سے ہوتی تھی جو ملاقات کے لیے ٹھکانے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں ایسی دلیکال بھی نظر آتی تھیں جنھیں گاہک کی تلاش ہوتی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ اس علاقے کے بعض ریسورٹس اس قسم کی ایکوں کو اپنے غنیمت کے لیے بھی گرا لے پڑے دیتے ہیں تاکہ ”طلب و رسد“ کے مراحل طے ہوں۔ میں وقت کا ”زیادہ“ نہ جو۔

میں اس ریسورٹ میں دو ایک مرتبہ جا چکی تھی لیکن آج وہاں جانے کا ایک خاص مقصد تھا۔ میں نے گاڑی ریسورٹ کے سامنے رکھی اور دروازہ لاک کر کے ریسورٹ میں داخل ہوئی۔ اس وقت وہاں خاصی بیڑ بھاڑ نہیں تھی جتنی اس علاقے کے بر ریسورٹ میں شام کے وقت ہوتی ہے۔

میں کا ڈنٹر بیٹھے ہوئے آدمی پر ایک گری نڈر ڈاسٹی ہوئی بائیں گوشے کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا یہی شخص اس ریسورٹ کا مالک ہے یا یہ کوئی ملازم ہے؟

ڈنٹر تو میں نے اسے چائے کا ڈنڈا دیا اور درگاہ کے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ وہاں دو ایک لوگ بھی بیٹھے لیکن ان کے چہرے اتنے دلکش نہیں تھے کہ میری زیادہ توجہ حاصل کر سکتے۔

ڈنٹر چائے کے ساتھ کچھ سیسیس بھی ملا میں نے چائے اس کے ساتھ ”سنو““
”جی ہاں“ وہ میری طرف مڑ کر تہودہ تھا
”اشرف صاحب کہاں ہیں؟“ میں نے
”کون اشرف صاحب؟“
”اس ریسورٹ کے مالک“
”اس کے مالک تو عمارتیں صاحب ہیں۔“
”کاؤنٹر کی طرف دیکھا تو وہ بیٹھے ہیں۔“
”اچھا؟ میں بھی چکی کو کیوں ملازم ہیں۔“
اس ریسورٹ کے مالک؟
”جی نہیں۔“

”اوہ تو مجھے کسی نے غلط بتایا تھا۔ پلائیو اس کا شکریہ“ میں نے ڈنٹر کو متاثر کرنے کے لیے مسکراہٹ سے نوازا۔
”کوئی بات نہیں میڈم! ہم تو آپ کے مقام و انت نکال دیے۔“

میں سر ہلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تاکہ کی آمد میں دلی مزید ٹھانہ ہو سکے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے ایک چکن پنس بنانے لگی۔ میں نے اس بات کی تصدیق تو کر لی تھی کہ وہاں جو اشخاص ہی عمارتیں ہیں۔ اب میں نے ایک مرتبہ دیکھا۔ وہ پینتالیس چار سال کا ایک گھٹے ہوئے جسم کا شرس و سفید تھی اور وہ قیص بٹلون پہنے ہوئے غامض معلوم ہو رہا تھا۔

چلتے پتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ مشتاق چنگیزی

کے تعلق یا عدم تعلق کا سراغ کیسے لگایا جائے۔ یہ سوچتے ہوئے میری نظر ایک شخص پر پڑی جو ریسورٹ میں داخل ہونے کا ڈنٹر کی طرف بچا چلا گیا تھا۔ اس کی وضع قطع ایسی تھی کہ میں توجہ دینے کے لیے مجبور ہو گئی۔ وہ شلوار قیص پر کوٹ پہنے ہوئے اسے دیکھ کر مجھے ان دونوں جوئے گاؤں کا خیال آ گیا۔ اسٹیشن پولیس کو غلط راہ پڑانے کے لیے ٹک کا نمبر غلط بتایا تھا اور اس

مطابق ان سے یہ غلط بیان دلوئے والے کی وضع قطع بالکل تھی جیسی وضع قطع میں یہ نوادر تھا۔
وہ کا ڈنٹر جاکر جاکر کا اور کاؤنٹر پر کمیناں ٹیک کر آئے گا

ہیں عمارتیں کے کچھ کہہ رہا تھا اور عمارتیں کے چہرے بھی تھے۔ اس وقت میری چنگیزی جس نے یقین کیا ہے جس نے ان دونوں آدمیوں سے جوڑی گواہی دہی طور پر فیصلہ کیا کہ اس آدمی کی ٹھکانی کر دی گئی۔
”میرا نشانہ سے بڑھا اور اس سے کہا کہ وہ یہاں لے آئے وہ اس کا ایک ڈنڈا دیا۔ مجھے چاہیے کہ ایک میں فوراً رہا رہی ہوں۔ میں جانے کی نفع پائی اس میں اس شخص سے پہلے ہی ریسورٹ سے اور مجھے یقین تھا کہ وہ بھی جلد ہی ریسورٹ سے انڈر مارف بتا رہا تھا کہ وہ عمارتیں کوئی افلاک

تھا ہے۔
”اس جا بھی اور اس ٹھکانہ پر آدمی کے ہمارے کی ہیں جا بھی تھی کہ اس شخص کے ٹھکانے کا پتا میں ان جھوٹے گواہوں سے اس کی شناخت بھی ان خیال تھا کہ وہ دونوں جھوٹے گواہی طرح میرے کسی وقت بھی میرے خلاف جانے کی ہمت نہیں

کرتے۔ بعد میں میں نے اس مشتبہ شخص کو ریسورٹ سے

وہاں ایک ٹیکسی میں آیا تھا اور ٹیکسی وہاں کی ہوئی تھی۔

میرا زمانہ ہوا تو میں نے اپنے اپنی کلاس کے تقاب میں

کا انداز دیکھ کر لاؤنڈی بیچ کر ہوا۔ ٹیکسی کو ایک مکان کے

پارک میں لے آئی۔ زبردہ ہمت کہ آدمی بھی مشتبہ شخص

کر مکان کے چھانک میں چلا گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

میں نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے گریہ ادا کر دیا تھا۔

میں نے کار کو بدستور کر دیا۔ اس مکان کے سامنے سے گزرا۔

ان کا نمبر دیکھنا چاہتی تھی۔ نمبر کے ساتھ ہی مجھے مٹ بیٹھی

کی شناخت کا وقت طے کر لوں۔ ان میں سے ایک لیاقت آباد ہیں اور دوسرا تین ہفتی کے قریب رہتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ دونوں تشریف ملازمت پیشہ ہیں لہذا اس وقت اپنے گھر لوں پر نہیں ہوں گے۔

میں سیدھی اسپتال پہنچی۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ مختوری دیر قبل کفیل رضا کو میرے گھر کی طرف روانہ کیا جا چکا ہے اور سنگیتا بھی اسپتال کے ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کفیل رضا کو لے کر گئے ہیں۔

اب میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔

سنگیتا برآمدے میں ٹھہر کر میرا انتظار کر رہی تھی۔ اسپتال والے شاید واپس جا چکے تھے ورنہ ان میں سے کوئی تو نظر آتا جس کے علاوہ وہاں اسپتال کی کوئی گاڑی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”آپ بہت جلدی انٹیں؟“ سنگیتا نے کہا نہ جانے کیوں میرا خیال تھا کہ شاید آپ میں چار گھنٹے میں تو نہیں۔ میں بھی ہاں آٹے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ مشکل سے پندرہ منٹ گزرتے ہوں گے۔“

”تمہارے انکل کس کمرے میں ہیں؟“

”آپ کی خواہش کے برابر والے کمرے میں“ سنگیتا نے جواب دیا۔

”ملازمہ نے بتایا تھا کہ اس کمرے میں آپ کبھی بھی اپنے کسی عہد کو

مختوری ہیں اور آپ نے انکل کے سلسلے میں بھی اپنی ملازمہ کو نوٹ پر

یہی ہدایت کی تھی۔“

”ہاں“ میں سنگیتا کا ہاتھ تھامے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

نصو نے پڑھ کر میں نے ملازمہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ کھانا میز پر لگا

دیا جائے۔ پھر میں نے سنگیتا سے پوچھا۔ تمہارے انکل نے یہاں آتے

ہوئے کوئی مزاحمت تو نہیں کی؟“

”اس کے برخلاف وہ بہت خوش ہیں۔“ سنگیتا نے بتایا۔ اسپتال کو

”آؤ؟“ میں نے سلیکٹا ہے کہ اور کھڑی ہو گئی تو کھانے کے بعد نہیں
تھیں تھیں مگر چھوڑاؤں گی“
سلیکٹا ہے پھر سے میں معلوم ہوا جیسے وہ کھانے سے انکار کرنا
چاہتی ہے لیکن میں نے اسے اپنی نیکی نظر سے دیکھا کہ خاموشی سے اٹھ
کر میرے ساتھ ڈائننگ روم میں آئی۔
میں نے بھی ذرا ہی دیر قبل ریسٹورنٹ میں ایک پیس لکھا رکھا تھا
اپنی جی اس لیے مجھے زیادہ ہجوم نہیں لگ رہی تھی لیکن میں نے غصہ اس
لیے کھانا ضروری سمجھا کہ میرے ساتھ سلیکٹا بھی تھوڑا بہت کھا لیتی۔
کھانے کے بعد میں اسے لے کر لائنڈ جیکب لائینز کی طرف
روانہ ہوئی راستے میں، میں نے سلیکٹا سے پوچھا: کیا اپنا پل میں کوئی پولیس
آفیسر آیا تھا؟“
”جی ہاں وہ تو مجھے ساتھ ٹریک لیا تھا اور آپ ملنے کے لیے
بے چین تھا۔ ممکن ہے وہ پھر آئے۔“
”اچھا اب تم آپ آؤ گی؟“
”میں بہت تھکن محسوس کر رہی ہوں شاید آج نہ آسکوں لیکن کل
میں ضرور آؤں گی۔“
”ٹھیک ہے تم گھر جا کے جانا میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ دوشنبہ
رات تم ایک پل بھی نہیں سونیں۔“
سلیکٹا چپ رہی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میرے بالکل
صحیح اندازے کی تردید کر سکتی۔
میں نے اسے اس کے گھر چھوڑا اور رام لال کا سنانا کیے بغیر
لوٹ آئی۔ میں اب اس شخص سے ملنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مجھے ڈر
تھا کہ اس کے خشک رویتے کے جواب میں میرے منہ سے کوئی سخت
بات نکل گئی تو سلیکٹا کو تھوڑی بہت تکلیف ضرور پہنچے گی۔ رام لال
ہر کیف اس کا باپ تھا۔
وہاں سے واپس رہیں نے اس پولیس آفیسر سے ملاقات کی جس
نے کفیل رضا کے اغوا کی تفتیش کا آغاز کیا تھا۔ وہ اب پہلے سے بھی
زیادہ سبک سحر ہو کر مجھ سے ملا غالباً اسے معلوم ہو چکا ہوگا کہ ہوم سیکریٹری
مجھے میرے طرفداروں میں سے ہے۔
”جوشی روبروش ہو گیا؟“ اس نے مجھے بتایا۔
”میں ہی تو کچھ دن پہلے ہی تھی۔ میں نے سہرا لگا کر لیا۔“
”لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کفیل رضا ہاسٹل کے قریب پڑے۔
جوئے کیسے ملے؟ ... اور پھر یہ کہ وہ بالکل بھی ہوئے تھے۔“
”بیر اندازہ ہے کہ انہیں کوئی ایسی ذہنی پہنچ نہ تھی جس نے

ان کے دماغ کو متاثر کیا ہے۔“
”لیکن اس حرکت کا مقصد؟“
”یہ تو آپ کو معلوم کرنا ہو گا۔“
”لیکن ... پولیس آفیسر کچھ کہتے تھے کہ ...“
”لیکن کیا؟“
”میرا خیال ہے کہ آپ اس معاملہ کو
رہی ہیں۔ اگر آپ مجھے وہ سب کچھ بتا دیں
شاید میری تفتیش زیادہ تیزی سے آگے بڑھ سکے۔“
”نی الحال اب جوشی کو ڈھونڈنا ہے۔ اگر وہ
سارا کیل ختم ہو جائے گا۔ اچھا میں اب چلتی ہوں۔“
پولیس آفیسر بڑی بے بسی سے میری طرف
اس کے اس انداز پر ہنسی آتے آتے رہ گئی۔
دوسری ملاقات میں نے اس پولیس آفیسر
مادے کی تحقیقات کرنا تھا۔ وہ بھی بڑے صاحب
ملا۔ چونکہ شکیل اور کفیل رضا میں ایک تعلق
ہر دو معاملات کی تمام خبریں، دونوں کیسز پر
افسران کو معلوم تھیں شکیل کے مادے کی تحقیقات
افسر کو بھی یہ علم ہو چکا تھا کہ مجھے ہوم سیکریٹری
حاصل ہے۔
اس پولیس آفیسر نے مجھے بتایا کہ جس طرح
گرفتار کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی اقرار کر نہیں کرے گا۔
”اُسے آزاد ہونا بھی نہیں چاہیے۔ میں نے
”آپ نے ایک ایسے شخص کو کھڑا کیا ہے جو بے قصور
”جی، پولیس آفیسر چونک پڑا۔ ”لیکن وہ ...“
”اگر آپ میری ایک خواہش پوری کرنے کا
آپ کو بہت اہم معلومات فراہم کر سکتی ہوں۔“
”مجھے بھلا کس بات سے انکار ہو رہا ہے؟“
”تو پھر سنئے: وہ دونوں جھوٹے گواہ ہیں۔ اُن
کو یہ جھوٹی گواہی دلوائی گئی تھی۔“
”واقعی؟“ پولیس آفیسر اچھل پڑا۔
”اس میں شک نہ ہو جھوٹ نہیں ہے۔“
”تو پھر میں ان دونوں کی کھال اڈھیر ڈالوں
آفیسر نے ہنسنے کہا۔
”پس یہی تو میں آپ کو نہیں کرنے دوں گی۔“

وہ میں نے اُسے بتا دیا لیکن بعض سوال ایسے بھی تھے جن کا
جواب میں نہیں دے سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ مجھے کفیل رضا
کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔
آخر میں پابا کل دوبر کو ڈاکٹر لیجان میرے گھسار کر
کفیل رضا کا معائنہ کر گئے۔
اس ملاقات کے بعد میں اتنی تھک گئی تھی کہ سیدھی
اپنے گھر ہی پہنچی اور ایک بلکا چھلکا لباس پہن کر ستر پر چڑھ کر سوئی۔
ساتھ سے سات بجے سو نیا کا فون آیا اور اس نے مجھے بتایا
کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے تک آ رہی ہے۔
”آج صبح؟“ میں نے کہا کہ ماؤ تھیں چوم لیا۔
سوا آٹھ بجے تک میں ستر پر ہی لیٹی رہی۔ اس دوران میں
صرف ایک مرتبہ میں نے ملازمہ کو بلا کر کفیل رضا کے بارے میں
پوچھا تھا۔
”وہ بالکل سلیٹن اور خوش ہیں۔ ملازمہ نے بتایا تھا۔
سوا آٹھ بجے میں ستر سے اٹھی تاکہ سو نیا کا استقبال کرنے
کے لیے تیار ہو جاؤں۔ کئی روزہ تھکن کو میں آج رات چھوڑ
کر پھینک دینا چاہتی تھی۔
ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو میرا اٹھا
ٹھنکا۔ کیس سو نیا نے میرے پاس آنے کا ارادہ ملتوی نہ نہیں
کر دیا؟
بہر حال میں نے دسیور اٹھایا اور ماؤ تھیں میں کہا۔
”باؤا پیکنگ؟“
”میں تمھارا ہمدرد بول رہا ہوں، دبی نامعلوم آواز سناؤ
دی۔“
میں نے براس مٹھ بنایا اور کہا: اس وقت تم مجھے کتنی
بی سنی خیر اطلاع کیوں نہ دو؟ میں گھر سے کیس نہیں مٹاؤں گی؟
”کیونکہ سو نیا نے اسے کا وعدہ کر لیا ہے؟“ دوسری طرف
سے طنز بہ انداز میں کہا گیا اور پھر وہ بڑے سخت لہجے میں بولا۔
”اگر تم نے آج کی رات سو نیا کے ساتھ گزار دی تو اپنی موت کی
ڈنٹے وار تم خود ہو گی؟“
اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ
منقطع ہو گیا اور میں دسیور کو گھوڑنے لگی۔ مجھے یقین نہیں آ
رہا تھا کہ میں نے وہی سنا ہے جو کہا گیا تھا۔ بھلا سو نیا کے
ساتھ رات گزار کر میں موت کا شکار کیسے ہو سکتی تھی؟

مجھے اس سوال پر غور کرنے کی زیادہ ہمت نہیں مل سکی۔ میری ایک ملازمہ نے اگر اطلاع دی کہ سوینا آئی ہے۔ مجھے یوں لگ گیا جیسے طیفیوں والی آواز میرے کانوں میں گونجنے کی جوت تھادی موت آئی ہے بالو تھادی موت آئی ہے۔ میں نے ذہنی خلفشار کے باوجود اپنے چہرے سے نگرہ واد کا غبار اڑایا اور اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سے پاک سوینا کا استقبال کرنے کے لیے اپنے خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سوینا خامے کش درگہ ریان کی بیگٹ نایقہیں اور جین میں ملبوس تھی، وہ صوفے سے اٹھ کر دالمانہ میری طرف بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

اگر چاہیں آپس میں ٹکرا جائیں تو شعلہ یقیناً بجھ جائے گا۔
 کچھ ایسی ہی کیفیت اُس وقت میری ہوئی۔ میرے وجود میں جو شعلہ
 لپکتا تھا، اس نے سارے ذہنی خلقتار کو خاکستر کر دیا۔
 "سونیا ڈارلنگ! " میری سرگوشی جذبات سے بوجھل
 تھی، پھر مجھے بتا بھی نہ چکا کہ میری تشنہ لبی تک سونیا کے ہونٹوں
 کی رسد کب ہوئی اور وہ دریائے لطافت کتنی ذریعہ تک محوِ طلب
 کو سیلاب کرتا رہا۔ ان سنسناتے ہوئے لہجوں میں میری اودھ سونیا کی
 آنکھیں بند تھیں لیکن باتوں کی انگلیاں اپنی پوری توانائی کے
 ساتھ لپٹی بیداری کا ثبوت دے رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا
 جیسے وہ کمرۂ جمال سے ماسوا کو بھی مسخر کرنے کی معتد بہ صلاحیت
 رکھتی ہوں۔

ہم دونوں کو ایک آواز نے چونکا دیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر
آواز کی سمت دیکھا تو مجھ اپنی ملازمہ کی ایک ہنسی سی جھلک نظر آئی۔
وہ غالباً ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی لیکن داخل ہوتے ہی اسے
اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں اپنی غلطی تسلیم نہیں کروں گی کیونکہ
یہ آج کے انسان کا شیوہ نہیں۔ اس پیر وہ پلاٹ کر بھاگتی تھی تو
غالباً اس کا سر دروازے سے ٹکرا گیا تھا۔ اسی ٹکراؤ کی آواز میں نے
اور سونینے سنی تھی۔

ملازمہ کی بولکھلا برٹ پر مجھے ہنسی آئی اور میں نے سو نیکیا
 طنز دیکھا۔ مجھے ہنسنے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر ایسی
 سُرخئی تھی جیسے وہ تپ رہی ہو اور اس پیش کے باعث اس کے
 چہرے پر پسینے کی ٹھک پیدا ہو گئی تھی۔

”آؤ!“ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور پلوروم کی طرف
چل پڑی۔

بلکہ وہم جہاں میں بے خوف و خطر اپنے مشام جہاں کو خطر کر سکتی تھی۔ اس کو موجود تھا اور میں اس کمرے کی فضا کو سانس لیتا بیٹھتی تھی۔

جب بھی کوئی نئی لڑکی پہلی مرتبہ اس کے
مہموت سے ہو کر رہ جاتی تھی۔ اُن اش و جان
ہی کہیں دیکھا جاسکے۔ کچھ ہی حال سوئے گا
پر آواز لیں میری پیشین گوئیوں کو بس دیکھو
اس کے جذبات میں جبراً ہٹائی جو کیفیت
اس کو بخور محسوس کر سکتی تھی۔

میلنے کے کارواز بند کر لیا اور
بڑھی جس میں کئی بوٹی خالصتہ بڑوں
سیال مقید تھے۔

”تم کیا پسند کر دو گے سو نیا؟“ میں نے
سو نیا چوکی اور اس کی توجہ پائینٹنگ
کیسٹ پر مرکوز ہو گئی۔ اس نے مختلف

معنی خیر اور مسرومانداز میں اپنے سر کو خفیہ پھر بلوی "مشیتِ بین"۔
 "گدگد" میں نے سونیا کے انتخاب پر خیر
 دو گلاسوں میں شیعہ بین بنانے کے بعد
 نرم و گداز فوم پر بیٹھ گیا جو سارے کمرے میں
 نام کی کوئی چیز اس کمرے میں نہیں تھی۔

”پہلا جام“ میں دے سونیا کے گلاس
 ہوئے کہا۔ ”تھارے پارہ صفت بدن کے
 دو آپ کی مقناطیسی شخصیت نے نام لیا
 ”گویا اختلاف رائے کے نام“ کہیں نہ
 مٹنے سے لگا لیا۔

سوینا ایک لمبا گھوڑے کے ربوٹی ہے۔
اس کے لیے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں چکراتی
ہوں، ”ہاں، تمہارا خیال بالکل درست ہے۔
ایسی بھی ہے جو تمہیں محسوس نہیں ہو پڑتی ہوگی
” وہ کہنے کو خوش ہو رہے ہیں۔
”خوش بندوں اور دلچسپ حضرات کی ہمراہی
” تو تو گویا مجھ سے پہلے...“

دو نیا "میں نے اس کی بات کاٹے ہوئے ٹکڑے لکھا۔" یہ کمرہ
 کے کازوں کا امین ہے۔ میں حسن پرست ہوں اور
 کاتب رجاء صلی اللہ علیہ وسلم کا واحد شوق ہے۔ بعض وقت
 مجھے خطرات میں بھی ڈال دیتا ہے۔ میں نے یہ کیکے ہوئے
 نیا کاز لٹن دیکھا لیکن وہ مصروفیت کا پیکر بنی ہوئی تھی۔
 "خفلات؟" اس نے سادگی سے لہجھا۔

لوگ اس میرے دشمنوں کی آواز بن کر مجھے موت کے منہ
کی کوشش کر رہی ہیں۔
یہ میری سب بات کا بھی کوئی ردِ عمل نہیں ہوا اور میں
کے مجھے خونِ غلطِ اللہ کی بھی تھی یاسوئیا میں اپنے
تلاویز کے غیر معمولی صلاحیت ہے؟
آپ کے کسی دشمن ہیں؟ وہ طے ہے تو یہ ہے۔
خیال ہے کہ آج کی دنیا میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن
میرے دشمنوں کی تعداد تو کچھ زیادہ ہے۔
یقین نہیں کر سکتی۔
یوں ہے۔

اتنی اچھی تھی کہ آپ کا دشمن تو کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے
 مارا سوئے تھن ہے کہ کچھ بہت اچھا کچھ رہی ہو۔ ویسے
 اؤں کو آج کچھ دنیا میں اچھے انسانوں ہی کے دشمن نہ رہا
 اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بُرے آدمیوں کا دشمن
 مل ہوتا ہے۔ بُرے آدمیوں کی طرف سے جو الی کارروائی
 ہو رہی ہے جبکہ پیچھا رہا اچھا آدمی ظلم و ستم کا شکار ہونے
 لگوس رہتا ہے ۛ

ہایم کی باتوں پر دلچسپی لینے لگی اور بولی بے لولہ ایسی
 کہ ہوں گی جنہوں نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے؟
 آگئے کی ضرورت نہیں پیشوائیؑ میں ہنس کر بولی دے دیے
 ہوں گی۔ ان میرے چند ایسی ہی تھیں جو نادانستہ طور
 پر کا کاروبار میں تھیں۔

انہ کے طور پر کہیے ؟ عسویانہ نے فرمایا۔
 انگلو کو کہتے ہیں کہ اس موڑ تک لانے کی کوشش کر رہا
 ہے مگر میں نے دشمنوں کی آواز کا یہ ہے تو میں اس طرح یہ جان
 نے کے قسم کھا جاں بھیا ہے ؟
 اسی میں عسویانہ کے سوال کا جواب نہیں دینے والی تھی کہ
 یہ سب کھوئی۔ دستک کیا ہوئی تو دروازے کو مرمی طرح

پہلے ڈالا گیا۔ میرے خیال کے مطابق یہ کسی ملازمہ ہی کی حرکت تھی۔ پھر
تھی۔ میں اس بات پر یقین کر گیا کہ میرے لیے جو فیصلہ لگایا گیا، لیکن دوسرے ہی
لمحے میں میں نے سوچ لیا کہ وہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ وہ نہ کوئی بگ
ملازمہ اس بات پر یقین کی جگہ نہیں کر سکتی تھی۔
اس وقت میں شیمین کا اداکار اس خالی کمرے میں تھی، وہ
نے ایک طرف دیکھا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی۔

”آپ کی ملازمہ بڑی بدتمیز معلوم ہوتی ہے“ سویتا نے بھوکا کیا۔
میلنے سے اس نے تبصرے پر کوئی تبصیر نہیں کیا اور دروازے کی طرف
بڑھی۔ دروازہ کھولتے وقت میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی خیال
نہیں تھا کہ ملازمہ مجھے کوئی غور محفل اٹھانا چاہتی ہے لیکن جیسے
ہی میں نے دروازہ کھولا، مجھے اپنے اعصاب پر زنا تھا اس عروس پر۔
دروازے کے باہر کوئی ملازمہ نہیں بلکہ وہی ”خطانگہ دلہن“ تھی۔
کھڑکتا اس کی کیفیت دروازے کی طرف تھی اور اس نے اپنے سر کو
بائیں جانب ڈراں سما رکھا تھا۔ میری نظر اس کے چہرے کا بہت کم
حصہ دیکھ سکتی تھی۔

”ابھی تک آپ خیرت سے ہیں؟“ اس کا لہجہ بہت جیسا ہوا تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا اور تیزی سے سونیا کی طرف لوٹی۔ میں نے اس سے کہا: ”تم پہو میں ابھی آتی ہوں!“

اسی وقت دروازے کو بھر بہت ندر سے پٹا گیا۔

”یہ کیوں تیرے لیے؟“ سونیا نے مڑ بٹنا کر کہا۔

”میں، ابھی اس کی بد تیزی کا مزہ چکا کرتی ہوں،“ میں نے کہا اور دروازے کی طرف تڑکی۔

سوئیڈن نے پوچھا: ”کیا آپ کو دیر لگے گی؟“
 ”بیس زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ“
 سوئیڈن نے سر ہلا کر شینین کا گلاس منہ سے لگا لیا۔
 میں دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلنے لگا اور سچائی ہمتی
 سے دروازہ بند ہی کر دیا۔

دارمی دالاب پھر کسی پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔
 ”میری طرف رخ کرو“ میں نے مٹہہ ہانک کر کہا۔ اس خیال کو
 اپنے ذہن سے جھٹک دوکر اگر کس نے اتنے قریب سے تھا ہاتھ پر
 دیکھ لیا تو تعجب سے پچان لوں گی۔ تم جیسے پہلے کسی پیمانہ پر ہی۔
 میری نظریہ عرصے تک دھوکا نہیں کھا سکتی ہے
 ”آپ کی فکر بڑی کا تو میں تیرے دل سے نکل ہوں“ وہ میری طرف

نواں ہوا تھا اس لئے کہ بولا۔ اس مرتبہ وہ اپنی اصل آواز میں بولا
تھا اور وہ آواز صنوں کی تھی۔
”ڈراٹنگ روم میں آؤ! میں نے کہا اور بائیں جانب گئی۔
میں اپنے عقب میں دونوں کی آواز سن رہی تھی۔ ڈراٹنگ
روم میں پہنچ کر میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور پھر صنوں کو گھورتی ہوئی
ہوئی۔“ مرتبہ اس کے سر تک پہنچے کیسے؟ کسی ملازم نے تھیں
روکنا نہیں؟“
”وہ کہیں کیسے نہیں اُن سے اپنی اصل آواز میں بولا تھا اور وہ
سب جانتی ہیں کہ آپ سے میرے تعلقات کچھ ایسے زیادہ جائز بھی
نہیں ہیں۔“ وہ گہرے ایک آپ کو اس معاملے میں آپ کی سی ملازمتوں
نے اب حیران ہونا چھوڑ دیا ہے، عادی ہو چکی ہیں ان باتوں کی!“
”میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم نے ملازمتوں پر اپنی شخصیت
کو بے نقاب کر دیا ہوگا!“
”آپ تو خاصی جھڑپ لگائیں!“ صنوں تسخرانہ انداز میں ہنسا۔
”آخر اس سارے ڈرائے کا مقصد کیا تھا؟“ میں اچانک
غافل۔
”دیکھئے مختصر!“ صنوں انگلی اٹھا کر بولا۔ ”دونوں دھڑلے
سے کام نہیں چلے گا۔ ذرا پار محبت سے کام لیجئے۔ اس سے مزید مطلب
نہیں کر آپ مجھے ابی کو دینا چاہ کر پیار کرنا شروع کر دیں بلکہ۔“
”وہی تھیں وقت ضائع کرنے کی عادت ہو گئی ہے!“ میں نے
جھنجھلا کر کہا۔
”ارے تم تو خود اپنے آپ کو ضائع کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔ بدلتے
ہوئے کو آئے لیکن اب تک باپ بننا تو کجا کسی شخص سے نہیں
بن سکے!“
”اچھا تو...“ میں غصے میں، ”کہ ایک جھجکے سے کمری ہو گئی۔
”اور رہ... بیٹھے! بیٹھے!“ صنوں نے جلدی سے میرا ہاتھ
پکڑ لیا اور مجھے صوفے پر بٹھا کر خود بھی میرے برابر بیٹھنا بولا۔
دونوں صوفوں سے آگے میں کو غصہ خرام ہوتا ہے، امڈنا بھی،
اختلاف بھی اور... خیر چھوڑ دے! ہاں تو وہ... کیا نام اس کا؟
سونیا... ماشاء اللہ بڑی پیاری بچی ہے۔ خدا اس کی عمر دوڑ کرے۔
فی الحال آپ نے اس سے کس حد تک ملاقات کی ہے؟“
”وہ حد سے بڑھ کر کیا مراد ہے؟“
”یہ ماشاء اللہ!“ صنوں اپنی انگلی دائیں اور بائیں بولا۔
شہر آئی ہے جتنا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ جائیے نا!“
”تم بعض اوقات زخموں کی طرح چلنے کیوں لگتے ہو؟“ میں

چلنے۔
”میں اکثر اوقات بھی زخموں کی طرح پلک مٹاتا
اس لیے نہیں پلکتا کہ پھر آپ کی جنگ ملک مانا ہے
مترہ تو میں نے یہ ملک سوچ ڈالا تھا کہ اپنے جسم میں
کر کے عالمی مقابلہ میں شریک ہو جاؤں!“
”اوہ!“ میں نے دانت پیسے۔ ”صنوں! اگر
مٹھ سے ایک بھی غیر سنجیدہ جملہ نکلا تو میں ضرور یہاں
جاؤں گی۔“
”اچھا!“ صنوں نے بالواسطہ انداز میں کہا۔ ”اگر
حد تک بڑھ سکتی ہے تو میں سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔“
میں اسے گھورتی رہی۔
”سنجیدگی سے دیگر احوال یہ ہے؟“ صنوں پوچھا۔
”اسے اس کو اپنے نکاح میں لیا تو آپ کو ہلاکت
ہو نا پڑے گا۔ یہ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عرض کیا ہے
میں نے اس کے سسرانہ انداز میں ان کو نظر آنا
کہا۔ یہ بات تم نے شلیفون پر بھی کی تھی!“
”لاؤ ڈاکٹر پر بھی عرض کر سکتے ہوں۔“
”تم نے کیسے جانتے ہو کہ وہ میری ہلاکت کا سبب
ہے؟“
”یہ جاننے کے لیے مجھے یوگا کی مشقیں کرنا پڑیں گی۔“
”تم پھر بیٹھ لگے۔“
”میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یہ جاننے کے
بہل کھڑا ہونا پڑا تھا اور یوگا کی مشقیں اسی طرح کی جاتی
سونیا نے ہنسنے میں جو کہہ کر لے پرے رکھا ہے، اس
وئے کرے ہیں تاہن ہوں۔ ان دونوں کرلوں کی
میں فرش کے قریب ایک جھوٹا سا سورج ہے۔ میرا
مجھے اس سورج سے کوئی واضح فائدہ نہیں ہے۔
میں پہنچا یا گیا ہوگا۔ بعد میں انتظامیہ کو وہ سورج
کا خیال نہیں رہا۔ خیال کیا میں رہا، جسے وہ
ہے ان کے متعلق نے اندر سورج ہوتا نہ مجھے
ہونا پڑا نا۔“
”یعنی تم سورج سے کمرے میں جھانکتے رہتے ہو؟“
”الحمد للہ!“
”لیکن یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ سونیا
ہلاکت کا سبب کیسے بن سکتی ہے؟“

اس کا سبب یہ ہے کہ گردن سے نیچے نیچے اس کے سارے
اب نام کی قسم کے حملوں کی ناش کی گئی ہے جو بہت تیزی
کے ساتھ آتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی گڑبگڑ نہیں ہوتی اور
اس کے ذریعے جسم میں داخل ہو کر کوئی نقصان نہیں پہنچاتا
وہ زبان باہر توڑے سے سس ہو جائے تو اس کے ہلکے
سانے آجائیں گے۔“
”جی ہاں، مگر اسے میں پہنچنے کے بعد لاپرواہ ہونا ہے۔“
”ہاں۔“
”یہنا کیوں نہیں؟“
”وہ اس لیے نہیں کہ میں ان لوگوں کی ہمہ باتوں سے کسی
پہنچ نہیں سکتا۔“
”اس لوگوں کی باتوں سے؟“
”یہ مشتاق اور جس فریڈ کی باتوں سے؟“
”ہاں۔“ میں کچھ سوچنے لگی۔
”لیکن ایک بات واضح کر دوں!“ صنوں پھر بولا۔ ”سونیا
میں میں شریک نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
”کیسے ہو سکتا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔
”اس طرح ہو سکتا ہے کہ سونیا میرے پر حمل کرنے کی
بے جا کوشش کرے اور میں اسے روک دوں۔“
”یہاں سے کہیں گھومنے پھرنے نہ جانا ہو تو وہاں گھنٹے کے
بالی ہے۔ آج البرٹو نہیں تھا اس لیے وہ سو گئی۔ البرٹو
کا خاکہ حیدر آباد جا رہا ہے لیکن دراصل وہ کراچی میں
ہے ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ سونیا اب سو گئی ہوئی تو
اس کے سرے میں داخل ہوئے۔ اس کے سرے کی ایک چابی
اس کے پاس بھی رہتی ہے جسے فریڈ نے اپنی جیب سے
مال نکال کر چند سیکنڈ تک خواب دہ سونیا کی ناک کے
تھا اور پھر اعلان کیا کہ اب سونیا آؤ مجھے گھنٹے تک
میں نہیں آسکے گی۔ اس کے بعد لاپرواہی سے سونیا کے کپڑے
اور اس کے جسم پر اس حملوں کی ناش کی جس کی نشانی اسے
میں ملتی تھی۔“
”لیکن یہ البرٹو ان لوگوں کا لڑکائیوں کیا؟“
”وہ دیکھتے ہیں تو یہ تو فساد ہی ہے لیکن جب کسی بات
میں اس کا بے توجہی شدت سے کہتا ہے۔ آج کل وہ صحت کی
میں بل رہا ہے اور یہ آگ اس کے دل میں مشتاق چھڑک رہی

نے پھر کائی ہے۔“
”دین من مددس سے؟“
”آپ سے؟“
”مجھ سے؟“
”جناب!“ صنوں نے جھپٹ کر کہا۔ ”البرٹو آج کل اس
آگ میں مل رہا ہے کہ آپ اس کی مجبور دل نواز جگہ نواز پھیلنے پھڑپھڑانا
کو اپنے نکاح میں لینے پر تیار ہو گئی ہیں۔“
”تو کیا...“
”تھک رہے!“ صنوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”آپ
مجھ سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کر چکی ہیں۔ اب میرے ایک
سوال کا جواب دیجیے۔ آخر آپ نے مجھے کب اور کیسے پہنچایا؟“
”اب ان سوال و جواب کو تھوڑی دیر بعد تک کے لیے قوی
کر دو۔ مجھے بھی تم سے ابھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے لیکن پہلے میں ذرا
سونیا کے مسئلے سے غمت لوں۔“ میں نے گھڑے ہوئے ہونے کہا۔
”میں اس حمل کا تجربہ کرنا ڈانگی جس کی ناش سونیا کے جسم پر کی
گئی ہے۔“
”یہ کام آپ کیسے کریں گی؟“
”تم یہاں صبر سے بیٹھو اور میرا انتظار کر دو۔“
”غالباً اس موقع کے لیے کوئی آیت بھی ہے؟“ صنوں نے
ٹھنڈا سا سن لے کر کہا۔
”یقیناً ہے۔“ اور تم یہاں بیٹھے ہوئے اس کا ورد کرتے رہو۔ میں
یہ کتنی ہوئی ڈراٹنگ روم سے نکل آئی۔
صنوں نے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کا ایک خوشگوار پھول
تھا کہ سونیا اس سازش میں دانستہ ملوث نہیں تھی۔ اگر سونیا تو اب میرے
ہاتھوں اس کی درگت ضرور تھی۔ ڈیویس روت لڑکیوں کو سزا دیتے ہوئے
مجھے دکھ تو ہوتا ہے لیکن میں انھیں معاف کر دیتی ہوں۔
جب میں پوچھا کہ میں داخل ہوئی تو سونیا اپنا گلاس نکال کر
کے بعد میری غمچین پر بھی دھاوا بول چکی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے
لگی۔ ”آپ کی جھوٹی خراب زیادہ نشہ آور ہے۔“ وہ ہنسی بھی اور اس
کا چہرہ مزید تھما تھا۔ اس کی آنکھوں میں غماز سا شفق پھول رہی
تھی۔
”سونی ڈراٹنگ! اب ذرا یہ گلاس رکھ دو!“ میں نے کہا۔
”کیوں؟“ وہ شکایت آمیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔
”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔“

” شراب باتیں کرنے میں عار ج تو نہیں ہوتی!“
 ” اگر گفتگو بہت زیادہ پیچیدہ ہو تو شراب سے نزات کچھ بھلائی
 مزہ دیتے ہیں“

” لیکن اس معاملہ میں پیچیدہ باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“
 سوئیانے منہ بنا کر کہا
 ” اس معاملہ میں زیادہ پیچیدہ باتیں کرنا واقعی کوڑھ دیتی ہے لیکن
 ضرورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ہمیں کوڑھ دیتی کاشمیر دینا ہی
 پڑے گا۔“

میرے پرے پرچھائی ہوئی لہری سونیکا کو دیکھ کر سونیکا کو کچھ تعجب
 ہوا اور پھر وہ یسٹین کا گلاس ایک طرف رکھ کر بولی ” آخر ایسی کیا
 قیامت ٹوٹ پڑی کہ آپ اس خوبصورت رات کو غارت کرنے پر
 تلی ہوئی ہیں؟“

” مجھے یاد تو قی زائر سے اطلاع ملی ہے کہ اگر میں نے اس
 رات کو زیادہ خوبصورت بننے کی کوشش کی تو میرے لیے
 اجل موت ہی جائے گی۔“

” وہ کیسے؟“ سونیکا کے چہرے پر استعجاب کا آثار گہرا ہو گیا۔
 میں بہت خور سے اس کا جائزہ دیتی رہی تھی۔ اب مجھے کئی
 یقین ہو گیا کہ سونیکا کو اس خوفناک حقیقت کا باطل احساس نہیں۔
 ” وہ ایسے ہی جاناں!“ میں نے خندنا سا اس سے کہا۔
 ” کہ میرے کچھ دشمن تمھارے ذریعے سے میری موت کا سامان کر
 چکے ہیں۔“

” میرے ذہنیے سے؟“ سونیکا الجھل پڑی۔
 ” ہاں، میں نے ذہن سے کہا۔“ تم اس وقت میرے لیے ایک
 ذہنی راز کی ہو!“
 ” کیا کوئی عرصہ تھا؟“ سونیکا نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔
 ” فی الحال تمھارے لیے ایک مٹا جی ہے لیکن میں اسے
 ابھی سکھانے دیتی ہوں۔“ اور پھر میں نے اُسے وہ سب کچھ بتا دیا جو
 مجھے جوانان سے معلوم ہوا تھا۔

سونیکا نے وہ سب کچھ باطل خاموشی اور بڑی حیرت سے سنا۔
 اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوا تھا جیسے اسے میری باتوں پر
 پوری طرح یقین نہ آیا ہو۔ میرے خاموش ہو جانے پر وہ بڑھڑکانے لگی
 انداز میں بولی ” اگر یہ سب کچھ آپ کے علاوہ کسی نے کہا ہوتا تو
 میں اس پر بڑبڑا اعتبار نہ کرتی؟“
 ” تمھیں اب بھی پوری طرح اعتبار نہیں آیا ہے لیکن میں

کوئی ایسا بندہ دست کرنا پڑے گا کہ اس معاملہ کی
 ” بندوبست کیسا؟“
 ” باقہ درم میں چلو“
 ” ارہ!؟“ سونیکا نے سر ہلایا۔
 ” کیا تم بھیجیں؟“
 ” آپ چاہتی ہیں کہ میں پانی سے اپنا جسم دھواں؟“
 اس بات کی کاتجربہ کر لیں۔“

” تم ذہن میں ہی ہونا، فوراً سمجھ گئیں۔“ میں نے اس
 ہونٹے میں کر کہا۔
 باقہ درم میں داخل ہو کر میں نے اس سے کہنے لگا
 ” لیے کہا اور باقہ درم کاٹل کھولنے لگی۔ جب ایک تالی
 پانی بھر گیا تو میں نے نئی بند کر دی۔

” اب تم میں بیٹھا جاؤ۔“ میں نے سونیکا سے
 پندرہ منٹ تک اپنے جسم کو کچھ بھی طرح کر گزرتی رہو۔
 احتمال بالکل نہیں کرنا۔“
 سونیکا نے میری ہدایت پر عمل شروع کیا۔ اور پھر
 کر رہی تھی کہ اس کی طرف نہ دیکھوں۔ جذبات کے تالوں
 کا سبب بعینہ ہی کی مضرب بنتی ہے۔

جب میں سونیکا نے اپنا جسم دھویا، اتنی ہی دور
 نے شیشہ پر ایک بڑی شیشی خالی کر کے گرم پانی سے اچھی
 دھو کر آئی تھی۔ جب سونیکا سے محل آئی تو میں نے
 ٹب کے پانی سے بھری اور باقی پانی ضائع کر دیا۔
 ” اب تم کچھ بھی طرح غسل کر ڈالو۔“ میں نے سونیکا
 ” میرا مطلب ہے کہ صابن وغیرہ استعمال کرو۔ اس کے علاوہ
 ایک کیمیکل بھی پانی میں ڈال دیتی ہوں۔ وہ کیمیکل تمھارا
 ہر قسم کے اثرات کو ختم کرنے لگا۔ اس کے بعد تم کو کچھ
 یاچی جائے تو تین بیٹائی رہنا۔ میں اب کچھ دیر بعد ہی
 سکون لگی۔“

” آپ جب بھی تو میں گی مجھے جانتا ہوا پائیں گی؟“
 کہا اور کچھ سوچتی رہی۔ ظاہر ہے یہ صورت حال اتنی
 کہ وہ اس پر ٹوڑ کر گئی۔
 میں اس کے اقامتہ غسل کا بندوبست کر کے باقہ
 نکل آئی۔ شیشہ کی رہنمائی میرے ہاتھوں میں تھی جس میں
 پانی سے لیا تھا جس کے بارے میں تجزیاتی رپورٹ مجھے کئی

تھی۔

اب درم میں نزلوں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا
 بنا کر بولا کہ کیا کسی محتاط طریقے سے سناج کر کے کوئی
 حل باتیں کرنا؟“ میں نے شیشہ کی شیشی سے منظر تبدیل پر
 کہا۔ ” اس میں وہ پانی ہے جس میں سونیکا کا جسم دھویا گیا
 ان کی تجزیاتی رپورٹ سے میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ
 اس کا تھا۔“

” آپ اپنے اس خادم کے پر کوڑھیے، میں کل صبح ہی
 اس کی بیسٹری میں پتہ چلا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ دیکھنے
 اس کی رپورٹ مل جائے گی۔“

” ٹھیک ہے، میں نے صوفے پر ڈال لینا اس سے بیٹھتے ہوئے
 سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا۔“ وہ بیٹھا جا کر میرا سر
 اس سے کہنے کے بعد یہ ڈرامہ کھیلنے کی کامیاب صورت تھی۔
 وہ ڈرامہ ” جوان بننے لگا۔“ خیر وہ تو ایک ہی کہانی ہے
 جانے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس سے پہلے آپ میرے ایک
 خواب دیکھیے۔ میں یہ جانتے کے لیے بہت بے چینی ہوں کہ
 مجھے بچانا کیسے؟ ... اور بچانا؟“

” جب تم نے وزن کر کے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ تم نے کئی دن
 ہسپتال تک پتہ چلا دیا ہے تو میں نے گفتگو کو زیادہ سے زیادہ
 نے کتنی ہی آواز پر گزرا تھا۔ اصل پہلے تو میرے ذہنی
 خیال تھا کہ جس فریڈ اپنی آواز لگا کر بولنے کی کوشش کرتا
 کہی اس وقت مجھے پہلی مرتبہ ایک ادنیٰ خیال آیا، یعنی یہ کہ کوئی
 جس فریڈ کی آواز کی نقل بھی تو کر سکتا ہے، جب اس
 کے منت میں نے تمھاری آواز پر گزرا تو مجھے تھوڑے لمحے

ایک جھلکا اُسوس ہو گئی۔ دراصل مجھے ڈرامہ شیشی سا
 میں ہوتا رہا تھا کہ جس فریڈ میری موافقت میں کام کرے۔
 میں شام جب تم نے مجھے پھر فون کیا اور سونیکا سے ہر شہید
 کی ناک کی تو میرا راز کو محسوس کر کے ہنسنے لگی اور تم نے
 آپ کی بجائے تم کہ تم کو مخاطب کیا۔ یہ تمھاری عجیب غریب
 ہے کہ جب تم مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کسی موقع پر غلط
 ہو تو انداز تو مخاطب بدل دیتے ہو۔ بس پھر میرا ہوا سہا سہ
 کہ تم کو یہ کیا خیال ہے؟ بات مجھے ابھی تک انھیں میں ڈالے ہوئے
 میں نے رسالہ ڈرامہ کیوں کھینچا تھا؟“

” اس کے دو مقدمہ تھے یہ رمضان نے بائیں آنکھ دیکھ کر کہتے

ہوئے کہ: ” ایک تو یہ کہ میں اپنے پندرہ شہادت کے خلاف کوئی ثبوت
 حاصل کرنے کے چکر میں تھا اور دوسرے کہ آپ میری کشمکش سے
 پریشان ہو کر ذہنیہ کو سورت حال سے آگاہ کروں۔“ آخر میں کب تک
 ہمارے گن گن کر تائیں گزراؤں۔ ایسی گنگمل محبوبہ تو شاید تاریخ پر بھی
 نہ رہتی ہوگی۔“

” اگر تمھارے صوف ہی دو مقاصد تھے تو ان میں سے ایک تو
 یقیناً پورا ہو گیا۔ رضیہ کو میں کوئی طویل ٹیلیگرام سے کئی ہوں، اگر رضیہ
 کہ میں نے پہلے کہا تھا، رضیہ ایسے علاقوں میں ہے جہاں ڈاک دینا
 کوئی بندوبست نہیں۔ میرا وہ ٹیلیگرام ایک اور شخص کو ملے گا جو اسے رضیہ
 تک پہنچائے گا۔“

” رضیہ ان ویلنوں میں آخر کیا جھک راتی رہتی ہے؟“ رضوان
 نے کچھ جھنجھاکا کر کہا۔

” اسے ان ویلنوں سے چار بارے اور وہاں اس پر فتنے ملا رہے ہیں
 بدست ہی ہیں جس سے اسے ہر قیمت پر ہمدرد ہونا پڑتا ہے۔“
 ” یعنی سائبر کی حیثیت سے ہے؟“

” ہاں۔“
 ” تو پھر آپ کی میں بھی اس کے ساتھ دوں چلا جاؤں گا؟“
 ” مجھے یہی نہیں پتہ کہ میں انھیں ڈکال نہیں شاید تم وہاں کو
 خطرناک اور شخص زخمی کو برداشت نہیں کر سکو گے۔ خیر، یہ بعد کی بات
 ہے۔ تم اور رضیہ خودی کوئی فیصلہ کر لینا۔ مجھے تو تم پر تیار ہونے
 ” وہی میں کیا تم مارے تھے؟“

” آپ کو کلین رضیہ سے کچھ کچھ معلومات تو حاصل ہوئی ہوں گی
 ” ہاں، اس نے بتایا تھا کہ تم اس سے ملے تھے۔“
 ” اس نے شائد مجھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“
 ” اس کے بارے میں میں بھی بتایا تھا۔“
 ” کہاں تک؟“

” وہ اپنے اڑا سے پہلے مجھے یہاں تک کہانی سنا چکا تھا کہ
 شائد مجھ کے بارے میں حالات میں قتل کر دی گئی تھی۔“
 ” ہوں؟“ رضوان نے سر ہلایا۔ قتل کے بعد کی اب باتیں شاید
 کہیں رضوان کو معلوم ہی نہیں ہوئی ہوں گی۔ وہ باتیں مجھے وہاں کے
 ایک مترجمی سے معلوم ہوئی تھیں۔ وہ ایک ہندو ہے اور بڑی کے
 ایک ورنے کا ماننا نہ ہے۔ اس نے شائد مجھ کے قتل میں
 خاص طور سے دلچسپی لی تھی۔“

میں آگے جھک کر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ رضوان اب
 کئی منٹیں بیٹھنا شروع کرے والا ہے۔

رضوان نے کہا: "جب شائستہ حبیب کو قتل کیا گیا تو وہ حامل
نقی۔ جب اس کی لاش ہاسپٹل سے مائی گئی تو جانک ڈاکٹر وول
نوا حساس ہوا کہ پراس کے پیٹ میں زندہ ہے۔ انھوں نے فوری
اپر پریشین کر کے پیچھے کو منتقل کر کے پیٹ سے نکال لیا اور کڑی
بار دریا نیال پوری ہونے کے بعد پچھتے کو اس کے وارث کے
والے کو دیا گیا۔
"وارث؟"

"ہاں" رضوان نے جواب دیا: "شائستہ حبیب کا ایک بھائی
تھا جس نے وہ بچہ اپنی قوتیں میں لے لیا تھا اور اس کی پرورش
کی تھی۔
میرے ذہن میں ایک شہر کسی رے سے کیڑے کی طرح بھلایا
اور میں رضوان کے بولنے کا انتظار نہ کر سکی۔ میں نے بڑی بے مبری
سے پوچھا: "کیا وہی پتھر شتاق پیگزی ہے؟"
"ہاں" رضوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "شتاق پیگزی
ہی شائستہ حبیب کا لڑکا ہے۔"

اس سنی خیر انکشاف کا رد عمل ہو کر مجھے اپنے اندر ایک
حبیب ستا پھیلنا محسوس ہونے لگا۔ اس منٹ میں مجھے ایک
بچے کے رٹنے کی آواز سنائی دی جو بیل ہونے سے پہلے ہی
ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا۔ مجھے اس سے جلد ہی محسوس
ہوئی کہ جب وہ جوان ہو کر میرے تھوڑے پرے پر اچھڑا تو میں
کشمکش کا شکار ہو گئی۔ میری عہد دی کوئی دوسرا روپ دھارنے
کی کوشش کرنے لگی لیکن میں اذعان نہ تھا کہ اس کا وہ دوسرا روپ
کیا ہے؟

"واپس آجائے" رضوان خامی بند آواز میں بولا۔
"آں" میں چونک کر بڑی
"شاہد آپ نہ آؤں مگر میں جی" رضوان نے نہ بنا کر کہا۔
"نہیں" میں نے غصہ سانس لے کر کہا: "میرے خیال میں
کسی بچے کے رٹنے کی آواز گونجنے کی تھی۔"

"یہ ایک خوش آمد بات ہے" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ "جب
کسی عورت کے کالوں میں بچے کے رٹنے کی آواز گونجنے لگے تو سمجھو
کہ...
"تم نہ پھر خرافات شروع کر دو!"
"جب آپ بیٹھے بیٹھے غائب ہونے لگیں تو پھر میں اور کیس
کھل گا۔"

"اچھا تم آگے چلو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا
کہ وہ بچہ شتاق پیگزی ہے؟"
"استدلال تو مجھے اس کتاب میں معلوم ہوا تھا کہ
کے بچے کی پرورش اس کے ماموں صادق حبیب
نے کی تھی۔ پھر میں کسی دسویں طرح ڈھونڈتا ہوا
تک پہنچا جہاں صادق حبیب کی رہائش تھی۔ وہاں
چلا کہ وہ دونوں ماموں مہمان تھے، خاصا عرصہ پہلے
غائب ہو گئے تھے۔ وہ دونوں وہاں بڑی تندرستی
گزار رہے تھے۔ مہمان خانہ کا باغیچہ تھا۔ میں بڑی
بعد اس کی ایک تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔
چار دیوے کے ایک دوست کے پاس تھی۔ جب میں
دیکھی تو اسے پہچان گیا۔ وہی چار دیوے ہائے ملک
بنا ہوا ہے۔ یہ لڑخاں ہے کہ ہمارے ملک میں اس
قانونی نہیں ہے، وہ یہاں آسٹن ہوا ہے لیکن اس
کے بانی میں نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں ہے۔
"وہ بھی مشتاق پیگزی کے گھر میں موجود ہے۔
نے سر ہلا کر کہا: "اور باگلی ہو گیا ہے۔ مشتاق پیگزی اس
بھی کو وارث ہے لیکن میں اس سلسلے میں الجھن کا شکار
گئی ہوں۔"

"آپ کو اس کے ماموں کا علم کیسے ہوا؟" رضوان
سے پوچھا۔
"میرا خیال ہے کہ وہ اتفاق ہی تھا۔"
"یعنی؟"

میں نے رضوان کو اس رات کا واقعہ سنایا جب میں
گھر کے میں اس باگل بوڑھے کو دیکھا تھا۔ وہ واقعہ سنائے
بعد میں نے رضوان سے سوال کیا کہ وہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب
کھیل رہا تھے گھر میں اس سے گفتگو کر رہی تھی تو تم نے معلوم
کر لیا ہے مجھے باہر کھینچ لیا تھا؟"

"بس شرارت ہی سمجھو۔ میں آپ سے ملنے کا کوئی
نہیں رکھتا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ جب آپ کو ملازم سے میرا
معلوم ہوگا تو آپ میرا نہیں کا شکار ہو جائیں گی لیکن یہ شرارت
شرارت بڑا کام کرتی تھی۔ میں نے ایک حبیب کو عمارت کے عقب
میں جاتے دیکھا تھا اس طرف لپکا اس طرح میں ان لوگوں کے
پچھے لگ سا جو فیل رہنا کو اٹھا کر کے لے گئے تھے۔ اگرچہ

ایمان کرنے کے لیے وہ شرارت نہ کی ہوتی تو غالباً
بات سے بے خبر ہو کر کھیل رہا تھا۔
اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہو کر رہ گیا ہے۔
مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ باگلی ہو گیا ہے اور آپ
سے اپنے گھر لے آئی ہیں۔
اس کے علاج کے لیے میں نے اسی ٹاکس سے رجوع
مشتاق پیگزی کے ماموں کا علاج کر رہا ہے۔
اب ان حالات سے آپ کسی نتیجے پر پہنچیں یا نہیں؟"
انہوں نے کہا: "جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہی نتیجہ تم
پر گئے۔"

میرا خیال تو یہی ہے کہ مشتاق پیگزی، رام لال کی نابالغ
شائستہ حبیب سے رام لال کے ناجائز تعلقات کو قطعاً
ہو تو ان قیاس ہے کہ اس حمل کا ذمہ دار بھی رام لال
بات صادق حبیب کے علم میں بھی ہوگی لہذا جب
ہاں ہو گیا تو اس نے اپنے مہمان کو اس حقیقت سے
باہر کسی طرح وہ دونوں رام لال کا سرخ رنگا یہاں
مشتاق پیگزی نے رام لال سے مل کر اسے بتا دیا ہوگا
اس کا ناجائز بیٹا ہے اور یہ کہ اگر رام لال نے اپنی تمام
مادی یاد اس کے خوالے نہ کر دی تو وہ اس راز کو انکشاف
مادی عزت خاک میں ملا دے گا۔

ہاں! "میں نے سر ہلایا: "بات کچھ ایسی ہی ہے لیکن اس
میں ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو۔"
"مطلب یہ کہ مشتاق پیگزی کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت
کی موجود ہوگا۔ بعض کہہ دیں گے کہ نہیں چلتا کہ وہ اس کا
ہے اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک شبہ اور میری پید
ا ہے۔
یعنی یہ کہ شائستہ حبیب کے قتل میں بھی رام لال کا ہاتھ

ہاں! "میں نے کہا کہ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا
سکتا۔ میں ممکن ہے کہ مشتاق پیگزی کے پاس رام لال کے قاتل
کا بھی کوئی ثبوت موجود ہو۔ رام لال نے اب تک ذرا بھی
میں نہیں کہا کہ مشتاق پیگزی اس کی زندگی کے سارے سرمائے
ان کی بیٹی لیا ہے۔ رام لال کی یہ خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ
ت خائف ہے اور اس راز کو رقت پر چھپانا چاہتا ہے۔

جو مع ثبوت، مشتاق پیگزی کی ہے پاس ہے۔"
"تو اب یہ عقدہ کس طرح کھلے گا؟"
"تم نے جو یہ بیس بدل کر ڈرامہ پید کیا تھا تو اس سے تم کیا
تیر مار سکتے؟"
"یہ اسی خیلے کا قہر ہے کہ میں اس وقت آپ کو سونپا
کے جسم کی ہلاکت خبری سے آگاہ کر کے مشتاق کی عزت کر کے
میں سونپا اب رہا اور جس فزیر کا کو بس بنا۔ اس کے علاوہ بھی
ایک بات میں علم میں آئی ہے جو میں نے ابھی آپ کو نہیں
بتائی۔"
"یعنی؟"

"بظاہر تو جیس فزیر مشتاق پیگزی کا دوست بنا ہوا ہے
لیکن دراصل وہ اپنا ہی اتویدہا کر کے کی غرض ہے۔"
"لیکن تم ہو کر کسی طرح مدد سے ہونے کا نام ہی نہیں لیتے؟"
میں نے اختیار کیا کہ فقرہ کس لکھی۔
"ہوں!" رضوان نے انھیں نکالیں: "تو پھر کسی طرح گفتگو
کی جائے؟"

"آئی ایم سوری" میں نے جلدی سے کہا: "زبان پھل
گئی تھی۔"
"کسی دن آپ بھی پھل جائے خاتون!" رضوان نے ٹھنڈا
سانس لے کر کہا: "بقول شاعر: ہر جہی تو پست ہیں راہل میں!"
"ہاں تو ہم جیس فزیر کے کسی مقصد کی طرف اشارہ کر رہے
تھے؟"
"جی نہیں" اب میں صرف آپ سے اشارے بازی کے بوڑ
"مطلب یہ؟"

میں ہوں۔"
"مجھ سے اشارے بازی کے تعین کیا ملے گا؟"
"آپ چاہیں گی تو بہت کچھ ملے گا۔ رضوان نے کہا اور پتوں
کی طرح انگوٹھا چمکنے لگا۔
میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا: "تو اب تم سنجیدہ نہیں
ہو گئے؟"
"میں بہت سنجیدہ ہوں۔ پہلے بھی سنجیدہ تھا لیکن بیچ میں رضی
پہچان پڑی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں آپ کی کوشش کے وفات ہونے کی
قسم کھاتے رہتا۔
میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر دیکھ رہی تھی۔ غلطی میری ہی تھی۔ اپنی
خامی سنجیدہ گفتگو کرتے کرتے میں نے رضوان پر فقرہ کس دیا تھا؟
اب رضوان کے "شرعے" کے امکان نظر نہیں آ رہے تھے۔

اب وہ کہ از کم آج تو ہرگز اس بات کا اعتراف نہ کرنا کہ جیسے فیروز کیا مقدر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

”اچھا تو اب تم اپنی یہ پیشی لے کر وضع بھجاؤ؟ میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی تھی مجھے کل دس بجے تک اس کی رپورٹ مل جانا چاہیے۔“

”ذرا پتا چھوڑنا غافلانہ؟“ رضوان نے کھڑک سے پوچھے

”کہا آپ اس طرح مخاطب کر ہی ہیں جیسے مجھے نہ صرف آپ کے سٹوہر ہوئے کا شرف حاصل ہو گیا ہو بلکہ میری پیشانی زن مرید کے انفاظ سے بھی جگمگا اٹھی ہو؟“

میں نے ایک سٹوڈنٹ اسٹائس لیا اور بڑی کجاحت سے کہا ”مخبر رضوان صاحب قید! میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے اگر کل صبح دس بجے تک اس بات کی بجائے میں رپورٹ مل جائے تو میں آپ کی سات پشتوں کی احسانندی کا پوچھ اپنے اوپر لاد لوں گی؟“

”بلئے؟“ رضوان نے سٹوڈنٹ اسٹائس لیا ”کاش آپ میری سات پشتوں کی بجائے صرف میری واحد پشت کا کلو بھ اپنے اوپر لاد سکیں؟“

”اب کیا میں تمہاری خاطر مدارت شروع کروں؟“ میں نے بے کسمتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ پیچھے کی طرف موڑ کر اپنے سینہ لال کے اسٹریپ پر ہاتھ رکھا۔

”آپ کے یہ بہت خوبصورت ہیں؟“ رضوان نے جلدی سے پلکیں چپکا لیں۔

اور تب میں نے سچے سینڈل ٹانڈیا۔

”بہتر ہے۔ کل آپ کو پانی کے پائے میں رپورٹ مل جائے گی؟“ رضوان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اس نے اٹھ کر پانی کی بوتل اٹھا لی اور پیسے نیچے قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف چڑھ گیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میرے سر پر سٹوڈنٹ کی پکپکائی ہوئی جھلکی اس نے دروازے پر تک کر پلٹ کر میری طرف دیکھ کر نیم فوجی انداز میں سنجیدگی سے سلام کیا اور ہر جلدی میں چند لمحوں اپنی جگہ پر کھڑی رہی اور پھر مڑ کر پلوروم کی طرف چل دی۔ اب آج کے لیے میری مصروفیت کی دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ ان حالات پر غور کروں جو مجھے رضوان سے معلوم ہوئے تھے اور دوسرے یہ کہ سونیا کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔

ترتیب کے اعتبار سے یہ دوسرا کام اولیت حاصل کر سکتا تھا۔

جب میں پلوروم میں داخل ہوئی تو میں نے اپنے میں دھت تھی۔ اس نے کد وقت میں اس نے ڈلی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور دونوں بازوؤں پر قدموں سے میری طرف بڑھی۔

”بہت دیر۔۔۔ کوئی۔۔۔ آپ نے؟“ اس کے ہاتھ اٹھ گئی تھی۔

اس وقت عالم یہ تھا کہ میں تو اسے اپنی آغوش میں اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا لیکن مجھے اس میں اس کی سخت نہیں رہ گئی تھی کہ مجھے سنبھال سکتی کہ ہم دونوں ہی نرم و دلگذا قوم پر دھک گئیں۔ اگر میں کوئی احتجاج کرنا بھی چاہتی تو مجھے اس کی صحت نہیں ہوتی کہ ہونٹوں نے میری گویائی پر ہر سرسکوت کر دی تھی۔

جنابت کا اسٹینڈنٹ ہم کرتی ہوئی پھول سے بہا اور پھر اس طرح موم کی پلٹ پھول پڑنے پر زمین سے لگتے ہیں، اسی طرح ہمارے جسم بھی پیچھے لگے۔ ہم اس کے اس احتجاج نے ہم دونوں کو بے لگا کر دیا اور میری سرسرت ہمارے لیے حسرت میں لگی کچ

کون کھوے گا ترے ہر ذریعہ بعد ہم دونوں ماضی میں اتنی دھچکے گئے جس کا تہذیب و ارتقا کے مہم سے بھی آتش نہا نہیں تھا جب میں کوئی جواب نہیں تھا جب حیوانی جذباتوں کی تسکین میں رکاوٹ نہیں تھی اور جنابت کا ریلوے جہاز ہوتا تھا۔ جہاز جاتا تھا۔ سو میں پلوروم میں اسی عہد میں چلے گئے اور وقت تک اپنے عہد میں نہیں ٹوٹے جب تک جذبات کی کام نہیں کھڑکی۔

سونیا تو ایسی تسلی کر دینا کہ وہاں میں جا ہی لیکن آٹھوں نے سونیا کو بھی بہت دور تھی۔ میرے سر کے جذبات کے متعلق چکے تھے لیکن میرے ذہن میں نے خیالات کے لیے اب گویا کچھ کھولی تھی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ شوق میں اور لال میں سے عالم کون ہے اور غم کون؟

مشاق چٹوڑی اگر خون کے ایک ناچار قطرے کا شوق تھا سلسلے میں خود اس پر تو توئی کوئی عالم نہیں ہی پاسکتی تھی! کیا تھا اس کی ماں نے یلام لال نے اب سوچنا یہ تھا کہ

اسے جگایا تو اس کی آنکھوں میں پھیل ہوئی سرخی مجھے بتا گئی کہ رات کا غماز کم تو ہو گیا ہے لیکن ختم نہیں ہوا۔ اس نے ایک بلکھیر میری گردن میں بائیں چائلر کر دینا چاہی لیکن میں نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھادیا۔

”صبح ہو چکی ہے جان من! غسل کرو تو تھلا یہ ختم ہو؟“ میں اسے باغیچہ میں دھکیل کر پلوروم سے نکلے اور اپنی خواہگاہ میں پہنچ کر خود بھی باغیچہ میں جا کھسکی تھکے ہوئے کے بعد میں نے ملازمہ سے ناشتے کے لیے کہا اور اس سے لکھل پھل کے پائے میں بھی پوچھا۔

”وہ ناشتہ کر چکے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں؟“ ملازمہ نے کہا اور سرکاری۔

”میکروں؟“ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ ”اس میں مسکراہٹ کی کیا بات ہے؟“

”وہ تمہارے پوچھ رہے تھے کہ آج اخبار میں بھارتی کی وزیر اعظم الزبتھ ٹیلر کی تصویر کیوں نہیں چھپی؟“

”میرے قلم نے کیا جواب دیا؟“ میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”میں نے کہا تھا کہ اخبار والوں سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے اور یہ جواب سن کر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اس طرح مسکرائے تھے جیسے مسکراہٹ میں سچ انداز کے کی داغ بوب ہے ہوں؟“

”میں؟“ اچھا جاؤ؟“

ملازمہ کے جانے کے بعد میں نے میرے پلوروم کا رخ کیا اور سونیا کو اپنے ساتھ خواہگاہ میں لے آئی۔ نہادھو کر سونیا معمول کے مطابق ہو گئی تھی یعنی اس پر شراب کا کوئی اثر باقی نہیں رہا لیکن وہ مصروفیت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

”میں نے ناشتہ منگوا دیا ہے۔ یہیں بیٹھ کر ناشتہ کر لیں گے؟“ میں نے کہا۔

”وہ صرف ہلا کر رہ گئی۔“

میں اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی ”تم کیسا سوچ رہی ہو؟“

”ابرو؟“ سونیا نے دانت پر دانت جھاکر کہا ”میں اسے مڑا چکھ کر رہ گئی؟“

”مکس بات کا مڑا؟“

”اس نے آپ کے دشمنوں کا انکار بن کر مجھے بھی اس میں ملوث کر دیا تھا لہذا میں اسے اس کی مزاحمت کر رہی؟“

”میری خاطر تمہیں ایک کام ضرور کرنا ہو گا؟“

”وہ کیا ہے؟“

”جب تک میں اجازت دوں تاہم اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی! میں اپنے دشمنوں کو دھوکے میں رکھ کر مارنا نہیں چاہتی ہوں!“

سونیا اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی ہو۔

”یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے“ میں پھر بولی ”تم سمجھ نہیں سکو گی، اس لیے میں دلیا جا رہی ہوں جو جیسا میں کہوں۔ تم ابھی اپنے ہونٹ بھی داپس نہیں جھاؤ گی۔ تمہیں دس بجے تک یہاں رکنا ہے۔“

”دس بجے تک کیا ہو جائے گا؟“

”مجھے اس بات کی ضرورت ہے کہ رپورٹ مل جائے گی جس سے کل رات تم نے اپنا جسم دھویا تھا۔ اس رپورٹ سے یہ بات معلوم ہو سکے گی کہ وہ حملوں کو برکرا انڈر ڈال سکتا تھا۔“

ملازمہ ناشتہ لے کر آئی۔ ناشتے کے دوران میں سونیا مجھے کریدنے کی کوشش کرتی رہی لیکن میں نے کوئی ایسا جواب نہیں دیا جس سے سونیا پر مشتاقی چھیڑی کی شہادت آشکارا ہو جاتی یا اسے ان معاملات کا کچھ اندازہ ہوتا جس سے میں دوچار تھی۔

دس بج کر دس منٹ پر رضوان میرے گھر پہنچا۔ وہ اس وقت اپنی اصل شکل و صورت میں تھا۔ میک اپ و دیگر ختم کر چکا تھا کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے عجیب سی نظریں سونیا کی طرف دیکھا اور پھر سندرگہ زبان میں بولا ”غالباً آپ دونوں شدید عروسی مناجی ہوئیں؟“

”مطلب کی بات کرو؟“ میں نے بھی سندرگہ ہی میں کہا۔

”رپورٹ لے کر آئے ہو یا نہیں؟“

”بالکل لے کر آیا ہوں جناب؟“ رضوان نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا ہے جو تھکے ہوئے ہے، اگر آپ وہ حملوں چیک بھیجیں تو اس وقت کیفیل رضا کے پیش کردہ مسائل پر مکمل سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں؟“

”کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر کہا۔ یعنی میں پاگل ہو جاتی؟“

”جی جناب؟“

”وہ کوئی ایسا نہ نہیں تھا جو مجھے ہلاک کر سکتا ہے؟“

ڈالی۔ وہ ٹیکیکل ٹرژ میں تھی لیکن اس کے ہاتھ میں بھی نائٹ کوز باگی تھا۔ اس کے مطابق اس کا ہاتھ میں کچھ ایسی چیزیں ہونیں سے مدد ملتی تھی۔ اس نے ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی تھیں۔ ان کی تمام زبان کے ذریعے معدے تک پہنچنے کے بعد وہاں ہوتی تھیں لیکن ان کا یہ انداز ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں دماغی سخت لڑکھال ہو جانا یقینی بات تھی۔ رپورٹ پڑھ کر میں نے اس نکتے کو خاص کر دیکھا کہ اس حملوں کا انداز ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سونا خفا مشورہ بیٹھی ہوئی پولو بدلتی رہی تھی۔

سندرگہ زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اس لیے ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی ہوگی۔

رپورٹ میں نے اپنے پرچہ میں رکول اور ”ذرا میرے ساتھ آؤ؟“

”اچھا کہاں؟“ رضوان نے ہانک لگا لی۔

”میں آتی ہوں۔ تم ہمیں بھیجی؟“

میں سونا کو دوسرے کمرے میں لے آئی۔

”تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس بات کی رپورٹ ہو گا؟“ میں نے سونیا سے کہا۔

”زہر ہے؟“ سونیا نے کچھ خوفزدہ سے انداز میں ایک قسم کا زہر بھی سمجھ کر صرف دماغ پر ہمارے

میں نے اسے بتایا کہ اگر میرے ہونٹ یا زبان اس چھ لیتے تو میں پاگل ہو جاتی۔

”میں ان لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کروں گی؟“ سونا دانت جھکا کر کہا۔

”لیکن فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی؟“

دوسری بار کہہ رہی ہوں۔ میں نے اسے گھورتے پھر پوچھا۔ ”کیا اب تو اس وقت میں موجود ہوں؟“

”اس نے کہا تھا کہ دوپہر تک ٹوٹ آئے گا۔“

”بس تو اب تم اپنے ہونٹ جاؤ اور اگر وہ فافہ نہ ہو۔“

میں گزاری تھی لیکن تم ایک کمرے میں کیل پڑی ہو جبکہ میں کسی ضروری کام سے اچانک کہیں چلی گئی تھی

”نقص ہے؟“

”کی بات ہے، مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں سمجھ سکتے۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

”میں نے اسے خوار کیا۔ میں پھوٹا اور بولی۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر اسی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

کس حد تک مماثلت ہے؟
 "اور مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اسے وہ معلوم نہیں دیا جائے گا تو اس کی دماغی حالت متشکک ہو جائے گی اور اس سے یہ معلوم کیا جاسکے گا کہ حقائق کیا ہیں یعنی اس بوڑھے کو مشتاق کے خلاف استعمال کیا جاسکے گا؟"
 "ہاں۔"

"کیا یہ ممکن ہوگا؟"
 "اس سوال کا جواب تو بعد کے حالات ہی سے کہیں گے؟"
 "میرزاخان اسے مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کی منصوبہ بندی مجھ سے بہتر آپ کر سکتی ہیں؟"

"وہ کیسے؟"
 "آپ سبھی اس سے متعلق اس کا نقشہ بھی معلوم کر سکتی ہیں اور اگر اس نے خانے کو کھولنے کا کوئی خفیہ طریقہ ہے تو وہ بھی؟"
 "میں سوچ میں پڑ گئی۔" رضوان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ان معلومات کی روشنی میں ہی مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا جاسکتا تھا۔
 "ٹھیک ہے۔" میں نے فیصلہ کر لیا اور اس نے کہا "میں ہی کوئی منصوبہ بناتی ہوں۔ تو پھر تم آج ایک اور کام کر ڈالو؟"

"وہ کیا؟"
 "میں نے اسے آئی، ایچ، مامری اور ٹیکسٹائل کے پاس سے تفصیل سے بتایا اور پھر بولی "میں نے پولیس کو بھی ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب یہ معلوم کرو کہ میری فراہم کردہ معلومات سے پولیس نے کیا فائدہ اٹھایا؟"
 "یہ معلومات دینے کے بعد میں آپ سے کب ملوں؟"
 "مجھے فون کر لینا۔" میں یہ کہتی ہوئی گھڑی ہو گئی۔ "مجھے ڈاکٹر ریکان کو لینے جانا ہے۔ تمیں کہاں ڈاکٹر کو روک دوں؟"
 "میں سب سے پہلے نوٹس شیل سے۔ یہ خود چلا جاؤں گا؟"
 "ٹھیک ہے۔" مگر۔۔۔ اودہ! "بھلے ایک ایسا خیال آیا کہ میں ایک لمحے کے لیے بھٹکنا ہی لگی۔"

"کیا بات ہے؟" رضوان نے میری پریشانی پر پڑی ہوئی سیٹوں کو دوسرے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "میں نے ایک پہلو پر دوسرا سوچا ہی نہیں تھا۔" میں آہستہ سے بولی۔
 "کس پہلو پر؟"

"کفیل رضا اس وقت میرے گھر میں کھانا کھا رہا ہے۔ وہ یقیناً اس صورت حال سے ہلکا ہلکا ہے۔ میں اس کے ماموں کو اغوا کرنے کے لیے اس طرح وہ بھی کفیل رضا کو یہاں بند کر سکتا ہے؟"

"آپ نے بہت بد وقت اور بہت بڑا کام کر دیا ہے۔" رضوان نے کہا۔
 "میں آج اس کے ماموں کو اغوا کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہوں۔"

"میرزاخان؟"
 "آج کل اس سلسلے میں کوئی کام نہیں ہو رہا۔" رضوان کو صورت حال سے پوری طرح واقف تھا۔
 "میں نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔"

"میں انکل کو دیکھنا چاہتی ہوں بلو؟" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"چلیے؟"
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"پاس گاڑی موجود ہے تو پھر اس سے کیا ملے؟"
 "میں چھوڑنے کی زحمت میں پڑیں؟"

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"کے کمرے کی طرف بڑھے۔" راجہ میں اپنا کمرہ ڈاکٹر رضوان نے رک کر کہا۔
 "اگر کوئی بڑا زمانہ تو میں عرض کروں گا کہ میرے سامنے ان کے کمرے میں صرف ایک شخص جاتے۔ زیادہ سے زیادہ سب نہیں ہو سکتے۔"
 "ٹھیک ہے ڈاکٹر؟" میں نے کہا۔
 "پھر رضوان اسے بولی۔
 "تم دونوں ڈاکٹر رضوان کے پاس آؤ۔"

"میں اور ڈاکٹر رضوان۔" میں نے کہا۔
 "ڈاکٹر رضوان؟" میں نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔
 "میں نے اسے دیکھ لیا۔" اودہ نے کہا۔

ڈاکٹر رحمان نے کھنکار کر گلہ صاف کیا اور بولا: "مجھے ہڑائی نس
 ازراہ القیاس نے مہیا ہے۔ میں اس کا نامزد ہوں اور آپ سے اسی
 مسئلے پر گفتگو کرنے آیا ہوں۔۔۔"

"دشمن؟" کفیل رضانے ہونٹوں پر انگلی کر کر کے بولنے
 سے روک دیا اور پھر کہا: "وہ باہر صرف تھیلے میں کی جاسکتی ہیں؟"
 اس کے بعد وہ میری طرف دیکھ کر بڑے سخت لہجے میں بولا: "اب تم
 جاسکتی ہو؟ وہ مجھے گویا ہوش کی انتظامیہ سے متعلق سمجھ رہا تھا۔
 میں نے خودیاد مر لایا اور درد و دانے کی طرف موگئی۔"

"اور اہ!،" کفیل رضانے ایک لگائی کی چائے ضرور بھجوا دینا؟
 میں باہر آگئی۔ میں نے ایک ملازم سے اس کمرے میں چلنے
 لے جانے کے لیے کہا اور میرا ڈرائنگ روم میں پہنچی جہاں رضوان اور
 سنگیت چپ چاپ بیٹھے اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے میری ہیٹ
 پر انھوں نے ایک وقت نظر نہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"تمہیں ابھی یہاں اور رکنا پڑے گا رضوان؟" میں نے کہا۔
 "میں ڈاکٹر رحمان کو واپس چھوڑنے میں جھانوں گی؟"
 رضوان ہر ملازمہ گیا۔ غالباً وہ سنگیت کے سامنے کسی قسم کی
 نوک جھونک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر رحمان کوئی دن گئے بعد کفیل رضا کے کمرے نکلا۔
 "کیا چلیں ڈاکٹر؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں، چلیے۔"

"تم بھی چلو سنگیت؟" میں نے کہا "تم کو میں تمہارے گھسہ پر
 ڈرا کر دوں گی؟"

"نیکس۔۔۔ میں انکل کو دیکھنا چاہتی تھی۔" سنگیت نے بچا پاتے
 ہوئے کہا۔

"ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آیا ہے۔ کیا روگ دیکھو؟"
 میں بولی لیکن جب سنگیت کے چہرے پر شرمندگی پھیلنے لگی تو کہا۔
 "بچو چلو دیکھو۔" میں تمہاری منتظر ہوں۔ جلدی آنا؟"

"میں بس پانچ منٹ میں آ جاؤں گی؟"

سنگیت انکل اندر چلی گئی تو میں نے ڈاکٹر رحمان سے کہا "تشریف
 رکھیے ڈاکٹر! اگر ہم پانچ منٹ بعد چلیں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا؟"

"نہیں نہیں حرج کی کیا بات ہے؟" ڈاکٹر بیڑہ لگا۔

"اس کیس کے بارے میں آپ نے کوئی رائے قائم کی؟" میں
 نے پوچھا۔

"دو باتیں میرے لیے الجھن کا باعث بن گئی ہیں۔"

"یعنی؟" میں سنبھل کر چیخ گئی۔

"مشتاق چیخو میری صاحب کے ساموں اور کھانیاں
 پانچ کلین ہیں بے حد مہمالت ہے۔ اس کے
 قدر مشترک مجھے بھی سنبھل صاحب کے بارے میں
 متاثر ہو رہی تھی۔ میں لیکن مشتاق چیخوں؟
 مجھے گفتگو کے دوران میں کسی موقع پر دھڑکی
 ہیں؟"

میں نے اس موقع پر ڈاکٹر رحمان کو ہٹا دیا
 کہ مشتاق چیخو میری کا پوڑھا ساموں بھی دینی سے
 رضوان بھی بڑی دلچسپی سے میری اور ڈاکٹر
 رہے تھا اور اس کے چہرے پر کھری سنجیدگی تھی۔

ڈاکٹر رحمان نے میرے بولنے کا انتظار کیا
 معلوم کروں گا اس قدر مشترک کا پس منظر کیا ہے
 اگر میں یہاں ایک نرس تینا ت کروں تو آپ کو کوئی
 نہیں ہوگا؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈاکٹر! اظہار ہے کہ
 کے سلسلے میں جو بھی اقدام اٹھائیں گے وہ اس کی بہتری
 اٹھائیں گے؟"

"دراصل یہ سوال میں اس لیے کر بیٹھا کہ مشتاق صاحب
 پسند نہیں کیا تھا؟"

"دیکھو؟"

وہ دو دن تو انھوں نے بتائی اور دن میں سمجھ رہا۔ وہ اس
 کو وہ اپنے ساموں کی دیکھ کر خود ہی کریں گے؟

میں سمجھ گئی کہ مشتاق چیخو میری نے نرس کی موجودگی
 کیوں سمجھا ہوگا۔ نرس کی موجودگی میں اسے اس کاموقع نہیں
 تھا کہ وہ بوقت ضرورت اپنے ساموں کو وہ حوصلہ پلا سکتا
 "خیر؟" ڈاکٹر رحمان بولا تو آپ کو اعتراض نہیں
 "قطعاً نہیں؟"

"تو پھر میں آج ہی ایک نرس کو یہاں بھیج دوں گا؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں؟"

گفتگو ہمیں تک پہنچی تھی کہ سنگیت آگئی اور تمہیں
 روز ہو گئے پروگرام کے مطابق میں نے رضوان کو وہ
 راہ میں ڈاکٹر رحمان نے لگتا ہے پوچھا "میرا کفیل
 آپ کو یہاں لایا تھا؟"

لیٹا نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا: "جیسے ہی میں کمرے
 میں گھس گیا تو مشتاق چیخو میری نے کہا: "تم کو میں نے اس
 سب سبھا کہیں ہوئی کی ملازمہ ہوں۔ میرا یہ جواب
 مجھے حکم دیا کہ میں ان کے کمرے کی جھڑپ کر دوں
 ان کے عمر کی تبدیلی اور کمرے سے نکل آئی یہ سب
 لگتا تھا کہ انھیں بھڑائی تھی۔"

میں نے اس طرح سر ہلایا جیسے سنگیت کا جواب اس کے
 کرنے کے بعد میں نے کار کا رخ سنگیت کے کمرے کی
 ایک منٹ میں اس سے ڈاکٹر کفیل کے بارے میں
 کی تھی اور کرنا بھی نہیں جانتی تھی۔ مجھے خوب احساس
 نے دلوں کا ذکر جو دیا جاتا ہے تو دل بیتاب کی تڑپ
 ہے۔ آئینہ پلکوں کی دیواریں توڑ کر بے خانہ سانس
 لگتا تھا کہ حالت بھی یہی بتا رہی تھی کہ آئینوں سے
 اس کے بدن کی ماریاں تھیں تیرے چہرے پر
 ہر درد و غفلتوں نے گھرائے تو برس پڑیں گے۔

اس سے اس کے گھر کا ذکر جو دیا جاتا ہے پھر
 میں نے اس سے پوچھا: "دل جوتہ خند ہے؟" میں اس کے
 دل سے جاننا چاہتی ہوں؟

"میں آپ کی کیا مراد ہے؟"

ڈاکٹر رحمان اس گھر میں قدم رکھوں تو مجھے اس تہ خانے
 کے لیے کہاں کہاں سے گزرنے اور کیا کیا کرنا پڑے گا؟
 ہے اس تہ خانے کو راستہ خفیہ طور پر تو ہمیں
 یاد دہانی کی ضرورت ہے؟

یاد دہانی کی ضرورت نہیں۔ پتہ چلی کہ خواب گاہ میں کوچ پورڈ
 کے لیے ایک رنگ کا ایک پیش جن بھی ہے۔ اس کے دبانے
 کے راستہ نکل جاتا ہے؟"

اس ماکہ ہے جسے تمہارے پتہ چلی کہ خواب گاہ کے طور پر
 ہے؟"

لیٹا نے اب اپنے گھر کا نقشہ مجھانے کی کوشش کی پھر میری
 ت آسانی سے آگیا کیونکہ میں ایک مرتبہ وہاں جا چکی تھی۔

ملک ہے، میں سمجھ گئی۔ میں نے سر ہلایا۔

لیٹا نے دیکھ کر بولی: "آپ نے مجھے قسمی الجھن میں
 آپ نے ایک بار پہلے میں اس تہ خانے کے بارے میں

پوچھا تھا۔ آج آپ نے میرے گھر کا نقشہ پوچھ ڈالا؟"

"تم یقیناً انھیں میں پڑھتی ہوگی لیکن۔۔۔ بہتر ہوگا کہ فی الحال تم
 ان باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرو میں جانتی ہوں کہ
 اس قسم کا مشورہ دینا بہت آسان اور اس مشورے پر عمل کرنا بہت
 مشکل ہے۔ تاہم اس کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے میں تمہارے
 گھر کی محاللات کے سلسلے میں اب تک بہت کچھ جان چکی ہوں لیکن
 تمہیں اندھیرے میں اس لیے رکھا ہے کہ تمہارے ذہن پر ایک
 بے وجہ دباؤ کا اضافہ نہ ہو سکے۔ بے وجہ دباؤ میں اس لیے کہ رہی
 ہوں کہ تم خود اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ جو کچھ کرنا ہے مجھے
 ہی کرنا ہے اس لیے تم حالات کے اس بولہ کو فی الحال میری ذات تک
 محدود رہنے دو میرا خیال ہے کہ اب بس دو دین روز میں مائے ملاللات
 صاف ہو جائیں گے اور اس کے بعد میں تمہیں بھی سب کچھ بتا
 دوں گی؟"

"ہاں! مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے آپ میری خاطر
 بے شمار الجھنوں میں جھپٹیں گئی ہیں؟"

"پگلا!،" میں دھیمے سے منہ چڑی تو یہ بات اس طرح
 کہہ رہی ہے جیسے یہ انھیں میرے لیے کوئی مصیبت ہوں۔ جب
 میں ان الجھنوں کو ختم کر دوں گی تو مجھے کتنی راحت ہوگی اس کا تو ذرا
 اندازہ نہیں کر سکتی۔ اگر کسی سے محبت ہو تو اس کی خاطر اپنے پسے و دور
 کو آگ میں جلا کر بھی لذت حاصل ہوتی ہے؟"

اس کا تو میں اندازہ کر سکتی ہوں، بانو؟" سنگیت نے ٹھنڈا سانس لے
 کر کہا کہ انگلی کی خاطر مجھے کسی آتش فشاں میں جھپٹ جانا پڑتی تو
 وہ یقیناً میرے لیے ایک مقام راحت ہوتا۔" سنگیت کی آواز
 بھڑائی۔

"میں تو پھر یہی بات میرے ساتھ بھی ہے۔ میں بھی اس مقام لذت
 تک رسائی چاہتی ہوں؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، تو آپ کو مجھ سے اتنی محبت کیوں
 ہو گئی ہے؟"

"تمہاری سمجھ میں یہ بات اس لیے آتا ہے کہ تم شکیل کو
 اتنی ہی محبت سے چاہتی تھیں؟"

"مہیا جی تھی نہیں بانو! بکلاک بھی چاہتی ہوں لیکن وہ بات
 اور ہے۔ عورت سے عورت کی اتنی محبت سمجھ میں نہیں آتی؟"

"بھراؤ نظر ہے کہ فرق کی بات ہے۔ دیکھو تو باؤ ڈگر ممال
 کو بیٹھی سے اور بیٹی کمرال سے محبت کیوں ہوتی ہے؟"

”وہ جذبہ دوسرا تو ہے“

”اے محبت میں ہندوں کا فرق تو ہوتا ہے۔ باپ کو بھی بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن جب کوئی دوسری عورت سے جنت کرتا ہے تو وہ باپ اور بیٹی کی محبت سے جدا ہوتی ہے۔ یہاں تھیں ہندوں کا فرق نظر نہیں آتا؟“

سنگت جواب ہوئی اور میرا اس بحث کو مزید بڑھانے کا وقت بھی نہیں رہا۔ سنگت کا گھر قریب آلیا تھا۔ میں نے اسے چڑھائی کے نیچے چھوڑا اور اس تنگ راستے پر بڑی مشکل سے گاڑی کو بیک کر کے اپنے گھر کی طرف واپس روانہ ہوئی۔

جب میں گھر پہنچی تو رضوان نے بتایا کہ سونیا کا فون آیا تھا۔

”کیا کہہ رہی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”بس آپ کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے بتایا کہ آپ موجود نہیں ہیں تو اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ مجھے اس نے بالکل گھاس

نہیں ڈالی“

”اس کے پاس ہوگی نہیں؟“ میں سہلائی۔

”ظاہر ہے، رضوان نے کہا: وہ تو کل رات کپ ماری کی مادی

ہم غم کر چکی ہیں۔“

مجھے خدشہ ہوا کہ اس نوک جھونک میں خاما وقت مناسٹ ہو

جائے گا لہذا میں نے جلدی سے کہا: ”میرا خیال ہے کہ اب اس کام

کے لیے روانہ ہو جاؤ؟“

”کس کام کے لیے؟“

”بھول گئے! میں جانتا جا رہی ہوں کہ شکیل کے معاملے میں پولیس

کمان تک پہنچی ہے!“

”او، کسے! میں چلاؤ، رضوان! تمہ جملہ تہاؤں اٹھا اور نصرت

ہو گیا۔“

کچھ دیر بعد میں نے کھانا کھا لیا اور چائے پی۔ میں اس دوران

میں برابر سوچتی رہی کہ سونیا نے مجھے یونہی ٹیلیفون کیا تھا یا

وہ کوئی خاص بات بتانا چاہتی تھی؟ آخر اس نے دوبارہ فون کیوں

نہیں کیا؟ اس اجنبی سے نکات پانے کے لیے مجھے دھوکہ دینا پڑا

کہ میں خود اسے فون کروں لیکن ابھی میں اس فیصلے پر عمل نہیں کر

پائی تھی کہ ایک ملازم نے مجھے کسی لڑکی کی آمد سے باخبر کیا۔

”لڑکی؟“ میں نے پوچھا۔ اس نے ”نایا کیا بتایا ہے؟“

”مساعدہ“ ملازم نے جواب دیا: ”وہ کہہ رہی ہے کہ اسے

ڈاکٹر نیرمان نے بھیجا ہے۔“

”اوہ! اچھا!“ میں اٹھی اور ڈرائنگ روم

ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوں وہ لڑکی

معلوم ہوتی تھی صورت شکل اور جسمانی اشیاء

قریب نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھے سلام

سے جواب دیتے ہوئے اس کے سر پر پا کا ہاتھ لگایا

”مجھے ڈاکٹر نیرمان نے بھیجا ہے۔“ وہ بولی

کے مطابق مجھے ہر وقت کیفل صاحب کے کہنے

”ہوں؟“ میں نے کچھ فکر کرتے ہوئے سر

”مگر تم اس کہنے میں اپنی ہر وقت موجودگی کے

سے کیا کوئی؟“

”میں انصاف بتاؤں گی کہ مجھے ان کی حفاظت

پاس رہنا ہے کیونکہ انھیں سی، آئی، اے وغیرہ کے

سے شدید خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ میں ان سے

مجھے ان کے پاس بحیثیت نرس رہنا ہے تاکہ کسی

بھڑکے ہوئے نہ کر سکیں۔ یہ ہمارے کرنے سے مجھے اس

جائے گا کہ میں ڈاکٹر نیرمان کی تجویز دو اینٹوں کے

سکوں“

”لیکن وہ اس بات پر حیران ہوں گے کہ انھیں

دینے کی کیا ضرورت ہے؟“

”میں انصاف بتاؤں گی کہ وہ صرف طاقت کی دوائیں

انھیں اس لیے دی جا رہی ہیں کہ نرس کی حیثیت سے

مشتبہ نہ ہوں پائے۔“

”گڈ!“ میں ہنس پڑی۔ ”ڈاکٹر نیرمان ہمت نہیں ہارے

اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہاگلیں کے حاجیوں کو کیا کیا

آتی ہوں گی اور انھیں کیا کیا ہفتکندہ سے استعمال

ہوئے گئے۔“

مساعدہ ہر مسکرا کر ہنسی اور اس کی مسکراہٹ بھی

میں نے سوچا منعت ملنے پر کچھ وقت اس لڑکی کے ساتھ

جاسکتا ہے۔

”چلو، میں تمھیں کیفل صاحب کے کہنے تک پہنچاؤں

نے اس سے کہا اور وہ میرے ساتھ ہوئی۔ مجھے ایک خیال

نے اس سے سوال کیا کہ تم جو عیس گفنے میں رہو گی؟“

”جی نہیں، رات کو جب کیفل صاحب سو جا کر

اپنے گھر چل جائیں گے گی۔“

نے پراکتھا کیا اور اسے کیفل رضا کے کہنے

میں آئی۔ میں نے ٹیلیفون پر ڈاکٹر نیرمان سے

بات کی تصدیق کی کہ مساعدہ نامی نرس کو انھوں

ادعرف اس بات کی تصدیق کی بلکہ مساعدہ کا ٹھکانہ

دل اس میں پوری طرح چھوڑ کر رہنا چاہتی تھی۔ مجھے

کہا کہ شتاق چھوڑی کیفل رضا کی فکریں ہوگا۔

سے گفتگو کرنے کے بعد میں ایک صبح ملٹن ہو

وان کرکس نے اپنے ذہن میں رکھا کہ شتاق چھوڑی

ہو جانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بہر حال یہ کوئی فوری

کارروائی کا زمانہ نہیں میں شتاق چھوڑی کو کچھ نہ

میں نے گفتگو ختم ہوئے ایک منٹ میں نہیں گوارا

میں نے فوراً ریسیور اٹھایا۔

”ہلک“

”ہاں، دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں مدعو ہوا تھا کہ تم ایک بار فون کر چکی ہو؟“

”معلوم ہوا تھا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔“

”اس بات پر ہارے سے ملاقات ہو چکی؟“

”وہ اس وقت کیوں گیا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہی

لے گیا تھا۔ میں نے اسے لے کر وہ سب کچھ جان کر

اتھا۔ غالباً اب وہ اپنے اٹنی آؤں کو اس ناکامی

کا پہلو

سکتا ہے۔“

”بتائیں گی آپ مجھے؟“

”میں میں شتاق چھوڑی کا ہفتکندہ نہیں ہے؟“

”بے اختیار ایک طویل ماس ایڈ فوری طور پر میرے

میں نکل سکا تھا۔

”دینا نے مجھے پکارا۔“

”میں بولی۔“ یہ مشہد تھا اسے ذہن میں کوں پڑا ہوا؟

”چھوڑی ہی ایک ایسا شخص ہے جو ان دنوں میرے

ت قریب رہا ہے اس لیے میرے خیال میں کلکان

اس کا آواز نہ کرے گا۔“

”میں میں بولوں گی سوئی! اہل، وہ آدمی شتاق

میں سے

ہی ہے لیکن وہی بات میں پھر کہوں گی کہ تم اپنے طور پر یعنی میری

اجازت کے بغیر ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ تم ان

لوگوں کی فکریں انجان ہی بنی رہو۔ ممکن ہے اس طرح کسی موقع

پر تم میرے کام آ سکو!“

”اچھا!“ سونیا نے غصہ اسانس لیا اور میری جلدی سے بولی: ”اوہ!

شاید اہم ہو گیا۔“ تنگ ہو رہی ہے۔ پھر فوراً دوسری طرف سے سلسلہ

منقطع کر دیا۔

میں چند لمبے ریسیور کو دیکھتی رہی اور میرے آہستہ سے کیڑا

ہر کہہ دیا۔ میں اپنے تئیں دوسرا فون سو نیا کو بائیں کرتے ہوئے

دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی تئیں دوسرا زمانہ تک میں دسٹر

لیٹ گئی اور کلکان کے باعث غیر شعوری طور پر آنکھیں بند کر لیں۔

چار بجے تھے جب میں عالم غنوں کی چوٹی میرے پونچنے

کاسبب دسک کی آواز تھی۔ غالباً کوئی ملازم ہی ہوئی، میں نے

یہ سوچتے ہوئے ملز آواز میں کہا: ”لوگن ہے؟“

”مخادم۔۔۔“ بلکہ خادم حسین نے رضوان کی آواز سنائی دی۔

”اوہ!“ میں جلدی سے اٹھ بیٹھی: ”اندھا آ جاؤ!“

میری ملازمائیں اب رضوان سے اتنی مانوس ہو چکی تھیں کہ اسے

براہ رست ہر سے کر کے تنگ پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ میں نے ایک رائٹنگ میز کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا: ”بیٹھو!“

”آپ کی خواہش کے مطابق میں آؤں گا اس مجھے ٹیڑھ آٹھ نہیں بھائی، رضوان

نے فٹ نہ بنا کر کہا۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھتی تھی اس لیے میں اسے پوچھ بیٹھی۔

”بھئی اس کی؟“

”میں کبھی کوئی مردانہ سرگوشی میں سنا ہی دینا چاہیے۔“

”بھئی اس کی؟“ میں نے اسے گھور کر دیکھا: ”میرا خیال تھا

کہ تم فوراً کام کی باتیں شروع کر دو گے!“

”کام کی باتیں کیا خاک کروں۔“ وہاں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی دوسرا

ہی گل گل رہا ہے۔

”کیا مطلب؟“

”متعلقہ پولیس اسٹرک انڈاز۔۔۔“ تجا ہے وہ کچھ پریشان، بلکہ زور

ہو۔ آپ کے بیان کی روشنی میں۔۔۔“ میں نے اسے دیکھا: ”اور اگر کیا بھی

گیا ہے تو غالباً اس کے نتائج کو درست نہیں لایا جائے گا۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“ میں متعجب تھی۔

”میں بالکل بڑکے عسکرین کر باہوں خاتون ایس دعوے سے کہہ رہی ہوں کہ اس کیس کو ناقابل سے قرار دے کر فائل بند کر دی جائے گی یا پھر اس کے بعد غور و خوض کر کے مزاد کو دی جائے گی جو فی الحال گرفتار ہے۔“

”آخر یہ انقلاب کب آئے گا؟“ میں بڑبڑائی۔

”بعض انقلاب ایسے ہی ہوتے ہیں جو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتے۔“ وہ صوفی نے کہا۔ ”خیر ان باتوں پر نوک پر غور کرتی رہیے گا۔ پہلے آپ مجھے رات کے پورے گرام سے آگاہ کر دیں۔“

”وہ تو طے ہے۔“

”کتنے بچے؟“

”ہم ٹھیک بارہ بچے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”تو چھاب میں چلتا ہوں، بہت مشک کیا ہیں، آرام کروں گا؟“

میں نے رضوان کو نہیں روکا۔ روکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی اور میرا ذہن بھی بہت بڑی طرح الجھ گیا تھا۔ صورت حال کی یہ عجیب وضو بہت گھبرانے والی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس شخص سے کچھ نہیں تھا۔ آخر فوجیوں پر کیا کیا دباؤ ہو گیا کہ وہ اس معاملے کو دبانے پر تیار ہو گئے۔ میرے خیال کے مطابق مشتاق جیجوری اتنا باروخ نہیں تھا کہ کسی معاملے کو اس طرح ڈوبا سکے۔ تو میرا کیا ہوا یہی خیال درست ثابت ہو گا کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں مشتاق کا ہاتھ نہیں ہے؟

بہت دیر تک میں اس مسئلے پر غور کرتی رہی۔ یہاں تک کہ میرے سر میں شدید درد ہونے لگا۔ میں نے ملازم سے کافی بنا کر پی تو کچھ سکون ملا۔ اسی وقت ملازم نے مجھے ایک ملاقاتی کا رونا کر دیا۔

کارڈوڈیکر میں تیراں رہ گئی۔ یہ ملک ایک مشہور معروف شخصیت کا کاروبار تھا، خان آف کالاگوٹ!

لیکن میں ذاتی طور پر خان آف کالاگوٹ سے واقف نہیں تھی۔ کبھی کسی بڑی سرکاری تقریب میں ایک دو جملہ دیکھنے کا اتفاق تو ہوا تھا لیکن تنہا یا بہت چیت کی نویت کبھی نہیں آئی تھی۔ میں بیخیالی میں کھڑک کر گھومنے جا رہی تھی کہ ملازم نے مجھے چونکایا۔

”میں انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا آئی ہوں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔“

میں خیالات سے جو بھی لورا اٹھ کر لیے بے دنگ بھرتی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ بہت جلد میں ڈرائنگ روم میں گئی۔

خان آف کالاگوٹ ایک صوفی پر پٹیا ہوا تھا۔ اس نے مجھے

دیکھا لیکن کھڑا نہیں ہوا۔ اس کی حرکت ایسا لیکن میں نے چہرے سے اپنی ناگوری کا اظہار اس کے قریب پہنچ کر سٹاپ کیسے میں ہاں ہاں۔

”تم ہی صبر کرو جو؟“ اس کا لہجہ بھی ایسا ہنس مٹا تھا۔

”جی“ میں نے ہنستے ہی پوچھ لیا۔

”میں تم سے صرف دو ایک باتیں کر کے اس کے انداز سے مخاطب ہوں کہ تبدیلی چڑھ گئی۔ میں اس کی طرف سے مٹے پیر کر رہا ہوں۔“

پر ڈیڑھ ایک بیٹنگ پر نظر جھکا کر بولی کہ وہ الفاظ میں کوئی میسر پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔

”بہت خوب؟“ خان آف کالاگوٹ نے کہا۔

”کما۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ تم کس سے ہم کام کر رہی ہو؟“

میں غائب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بات سے خوب الجھی طرح واقف ہوں کہ اس شخص سے گفتگو کرنے پر غصے میں ہے۔

”گھر آیا ہے؟“

”اچھا؟“ وہ غریباور میں نے محسوس کیا تھا۔

”سے کھڑا ہو گیا ہو لیکن میں نے اب بھی اس کی وہ بدستور تیار ہوا۔“

”اب تو اندازہ ہو گیا؟“ اس کا جلدی تھا۔

”تو سنو؟“ خان آف کالاگوٹ نے نغز لگاتے ہوئے بڑی جانتی ہوئے غور و خوض کر کے کہا تھا۔

یہ بات ایسی تھی کہ میرے جسم میں جیسے کھٹ سے خان آف کالاگوٹ کی طرف گہری جڑیں بکھری ہوئی تھیں۔

”خوب؟“ میں غصائی ہوئی۔ ”تو یہ تم ہو جس نے کرنے کے لیے پولیس پر دباؤ ڈالا ہے؟“

”ہاں میں نے دباؤ ڈالنے کے لیے مجھے ہوا۔“

”میں تم سے بحث کرنے نہیں ایک سیدھا سادہ سودا کرنے آیا ہوں۔ تم اس بات پر اصرار کر رہے ہو کہ سودا کرنے میں سے انڈر ووش سے جتنی نہیں لے سکے گا۔ میں تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے ایک گھنٹہ دیتا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد میں تم کو فون کروں گا۔ اس وقت تم مجھے جو جواب دو گی، اس کو میں تمہارا آخری جواب سمجھوں گا اور اس کے بعد اپنا فیصلہ سنائوں گا۔“

”خوب؟“ میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ ”تم اس طرح بول رہے ہو جیسے تاجر مطلق ہو۔“

خان آف کالاگوٹ نے بڑی سختی سے میری طرف دیکھا پھر نہایت اطمینان سے بیرونی دروازے کی طرف مڑا اور جیسے جیروکار انداز میں قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں خراہ کر گئی کہ میں نے یہی پہچان لیا تھا۔ بڑی تیزی سے باہر کی طرف پھری۔ جب میں نے دروازے کا دھڑکا تو خان آف کالاگوٹ، سیاہ رنگ کی ہارڈیز کی پچھلی نشست پر بیٹھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہی باورچی خانے کے دروازے بند کیا اور تیزی سے گھوم کر ڈرائنگ روم میں پڑھا بیٹھا۔

میں نے اس کے کمرے پر کالاگوٹ کا چھوٹا سا فلیگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ میں خاموشی سے دروازے کے ہی میں کھڑی رہی۔ حالات کی اس کردت نے مجھے وقتی طور پر تو بلا ہی ڈالا تھا۔

خان آف کالاگوٹ کے اس دعوے میں کوئی غلطی نہیں تھا۔ انڈر ووش استعمال کرنے کے سلسلے میں میں اس سے بے آسانی سے جتنی نہیں لے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اگر میں کسی سے یہ ذکر بھی کرتی تو خان آف کالاگوٹ، غیر قانونی مرکز میں موت دے دے تو بھی کوئی اس پر یقین نہیں کرتا۔

صورت حال انتہائی پیچیدہ اور خطرناک ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں یہ سب ملے ہوئے تھا کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں مشتاق جیجوری کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتی تھی کہ مجھے اپنی زندگی میں خان آف کالاگوٹ سے زیادہ خطرناک مقابل کبھی نہیں ملا تھا۔

خان آف کالاگوٹ سے اپنی محاذ آرائی کے بارے میں سوچتے سوچتے، میرے ذہن کے تاریک گوشے سے گویا ایک

”میں تم سے بحث کرنے نہیں ایک سیدھا سادہ سودا کرنے آیا ہوں۔ تم اس بات پر اصرار کر رہے ہو کہ سودا کرنے میں سے انڈر ووش سے جتنی نہیں لے سکے گا۔ میں تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے ایک گھنٹہ دیتا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد میں تم کو فون کروں گا۔ اس وقت تم مجھے جو جواب دو گی، اس کو میں تمہارا آخری جواب سمجھوں گا اور اس کے بعد اپنا فیصلہ سنائوں گا۔“

”خوب؟“ میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ ”تم اس طرح بول رہے ہو جیسے تاجر مطلق ہو۔“

خان آف کالاگوٹ نے بڑی سختی سے میری طرف دیکھا پھر نہایت اطمینان سے بیرونی دروازے کی طرف مڑا اور جیسے جیروکار انداز میں قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں خراہ کر گئی کہ میں نے یہی پہچان لیا تھا۔ بڑی تیزی سے باہر کی طرف پھری۔ جب میں نے دروازے کا دھڑکا تو خان آف کالاگوٹ، سیاہ رنگ کی ہارڈیز کی پچھلی نشست پر بیٹھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہی باورچی خانے کے دروازے بند کیا اور تیزی سے گھوم کر ڈرائنگ روم میں پڑھا بیٹھا۔

میں نے اس کے کمرے پر کالاگوٹ کا چھوٹا سا فلیگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ میں خاموشی سے دروازے کے ہی میں کھڑی رہی۔ حالات کی اس کردت نے مجھے وقتی طور پر تو بلا ہی ڈالا تھا۔

کونہ لایا اور شور کی سطح تک اٹکیا۔ وہ خیال مجھے نہایت برداشت
 سوچا تھا۔ اگر اس میں درجہ جاتی تو پھر اس پر مل در آمد لیکن نہ
 ہوتا۔ خان آف کالا گوٹ کی فکر کرنا تھا کہ وہ مجھے ایک گھنٹے بعد فون
 کرے گا اور ابھی اسے گئے ہوئے صرف پانچ منٹ گزرے تھے۔
 باقی پچھن منٹ میں بڑی آسانی سے ایسا بندوبست کر کے تھی
 کہ جب خان آف کالا گوٹ مجھے فون کرے تو میری اور اس کی گفتگو کا
 ایک ایک لفظ غلط ہو جائے۔ میں بعد میں اس ٹیپ کو کسی موقع
 پر خان آف کالا گوٹ کے خلاف استعمال کر سکتی تھی۔ ہر جگہ اس
 ٹیپ کو عدالت میں کسی ٹھوس ثبوت کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا
 تھا لیکن اس کے ذریعے سے عام لوگوں کی نظر میں خان آف کالا گوٹ
 کی شخصیت منہ بٹائی جاسکتی تھی۔

محفل کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن میں نے بڑی تیزی سے
 ساری تیاری مکمل کر لی۔ میں نے ایک خاص قسم کا ٹیپ ریکارڈر
 اپنے ٹیلیفون سے منسلک کر دیا۔ یہ ٹیپ ریکارڈر میرے پاس
 اس وقت سے ہے جب میں انٹرویو میں تھی۔ اس کی خصوصیت یہ
 ہے اسے ٹیلیفون کے تار سے براہ راست منسلک کیا جاسکتا ہے
 اور اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ اس کا مائیکروفون مائیکرو
 کے قریب رکھا جائے۔ براہ راست منسلک ہونے کی وجہ سے
 آواز بہت صاف ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

یہ تیاری کرنے کے بعد میں اطمینان سے خان آف کالا گوٹ
 کے فون کا منتظر کرنے لگی۔ گو جال بھیللا اچھا چکا تھا اور صیاد
 کو اپنے صید کی آمد کا انتظار تھا۔

یہ انتظار اپنے وقت پر ختم ہوا۔ یعنی خان آف کالا گوٹ کی
 رخصت کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اس کی
 طرف اس طرح دیکھا جیسے مجھے حال کی طرف آتے ہوئے پرندے کے
 پروں کی آواز سنائی دی ہو۔ پھر جب دوسری بار گھنٹی بجی تو میں
 نے اتنی احتیاط سے رسیوں اور ٹھٹھیا جیسے حال کی ڈوری کھینچنے کے
 لیے تیار ہو گئی ہوں۔

رسیوں اور ٹھٹھیا ہی ٹیپ ریکارڈر کی ایک لائن جمل اٹھی
 تھی اور اس میں لگا ہوا ٹیپ گروڈش کرنے لگا تھا۔

”ہیلو“ میں نے مائیکرو فون سے کہا اور دیکھا کہ ریکارڈر
 کی پڈل نے حرکت کی۔ گویا اس نے میری آواز کو سچے کر لیا تھا۔

”کون بولا۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا اور ٹیپ
 ریکارڈر کی پڈل نے پھر حرکت کی۔

میں نے دوسری طرف سے بولنے والے کا
 وہ خان آف کالا گوٹ ہی تھا۔

”صوبہ بانو اسپیکنگ“ میں نے مائیکرو
 ”گڈ ایننگ“ بانو! میں خان آف کالا گوٹ

اس کا بوجھ حد سبز ہوا تھا۔ اس کو دوسرے ہاں کی
 بھی نہیں تھی جو میں ایک گھنٹے قبل سچے کلمے

”فرمائیے“ میں نے سپاٹ کیے۔ میں کہا
 ”آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“ اس نے پوچھا

”کس بارے میں؟“

”اسی سوچے کے بارے میں“ خان آف کالا گوٹ

”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرف ہاں یا
 دے دیجیے!“

”میں اس سوچے کے بارے میں ایک اہم
 کرنا چاہتی ہوں“ میں نے کہا۔

”مجھے انکس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی
 کالا گوٹ نے بتوڑ بڑے غلیظ لہجے میں کہا۔ میں

میں ٹیلیفون پر کوئی بات کھل کر نہیں کر سکتی۔ پڑش
 ہر بات راز میں رہنا چاہتا۔ اور اس لیے میں نے

سطح پر آپ سے خود ملاقات کی تھی۔ ماری فیصل
 ہو چکی ہے۔ اب تو مجھے صرف جواب کا انتظار ہے۔

”لیکن میں بعض نکات پر مزید گفتگو کرنا چاہتی
 بدل کر بولی۔ خان آف کالا گوٹ کے اس مختار انداز

تدوین پر اس میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھے اپنی ساری
 خاک میں ملتی نظر آ رہی تھی۔

خان آف کالا گوٹ بولا ”معاف کیجئے گا، میں
 نکتے پر بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ تو

جواب دیں“

میں نے تنگ آکر سوچا کہ خود ہی اصل مسئلہ کو
 یہ سوچتے ہی میں نے اس پر کل بھی کر ڈالا۔ میں یہ بتانا

تخلیل کو ہلکا کرنے والے اس ٹرک ڈرامیور...“

خان آف کالا گوٹ نے میری بات کاٹ دی۔ وہ
 سے لہجے میں بولا ”آپ نے کیا باتیں چھیڑ دیں؟ کون

اور کیسا ٹرک ڈرامیور؟ میں تو آپ سے اس سوچے
 میں بات کرنا چاہتا تھا جو آپ کی فرم سے ہو سکتا ہے

میں سوچے کی بات کی تھی، اس کا مرکزی
 لایا ہے“ میں نے پوچھا۔

”میری کچھ باتیں اس کا خان آف کالا گوٹ
 نے کہا۔ شاید آپ وہ سودا کرنے کے موڈ میں

ہو رہے تھے کہ نفی میں جواب دے کر بیسور رکھ
 کیجئے گا، آپ اپنے کچھ بے شکلی باتیں شروع کر دیں

میں نے کہا کہ باتیں ہوتے ہیوں گھر بار سے ہو؟
 آخر میں تھی۔

”ہاں، ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف نہیں
 غالب کر سکتیں۔ غالباً آپ وہ سودا کرنے کے موڈ

میں تھے اس بات پر حیرت ہے کہ آپ کتنی جواب دینے
 کی باتیں شروع کر بیٹھی ہیں“

”میں غراں“ تم مجھ سے ملنے کے پوچھتاؤ گے؟“
 نے اس وقت بہت زیادہ پی رٹھی ہے اور اپنے

لوگوں میں لڑا اب میں آپ سے مزید کوئی بات نہیں
 ہلے کہ میں پھر کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع

کہتے وقت مجھ پر جو رد عمل ہوا وہ عجیب و غریب
 ہے۔ میں آہستہ سے ہنس بڑی تھی۔ فون پر گفتگو

خان آف کالا گوٹ کی اختیار پبندی نے مجھے دسے
 کا لکھا کرنا تھا لیکن گفتگو کے اختتام پر میری بھولہ

تھی۔ خان آف کالا گوٹ سے مقابلے کا یہ انداز مجھے
 معلوم ہوا تھا۔ یہ میری ایک بچکانہ حرکت تھی کہ میں نے

کوئی ایک معمولی خرم کی طرح ٹریٹ کرنا چاہا تھا کہ وہ
 کے لیے سے تپندہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے

کا ایک معزز ترین شخص سمجھا جاتا تھا، اسے لیتا ہے کہ
 اب جیسے تھا۔ میں اسے اتنی آسانی سے اپنے جال میں

میں تھی پھر اپنے اس پہلے نام اقامت کے بعد مجھے
 اس جو رہا تھا کہ بہت دن بعد اچھی خاصی ذہنی ورزش

پر پیدا ہو گئے تھے۔

ایک میانہ مین میرے سامنے تھا جس میں مجھے اپنی
 امانتیں۔ مشتاق چنگیزی والے معاملے کو تو میں اب

بکر رہی تھی۔ راز ہائے سرپرست تو کھل ہی چکے تھے۔ اب ان

کے بارے میں صرف ثبوت حاصل کرنا تھا اور میرے خیال کے مطابق
 مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کے بعد ثبوت بھی مل جاتا۔

آج رات مشتاق چنگیزی کے ماموں کو اغوا کرنا تھا اور میرے
 خیال کے مطابق یہ کوئی بہت بڑی مہم نہیں تھی۔ اس کو مشتاق چنگیزی

کے ماموں صادق صبیح اور فکیل رضا کا مدد نامی توازن درست
 ہونے میں چند دن لگتے۔

ان چند دنوں میں مجھے کیا کرنا تھا؟ فی الحال میں اس کے
 بارے میں کوئی حتمی اندازہ نہیں رکھا سکتی تھی۔ اس کا تمام تر اختیار

حالات پر تھا۔ ایک امکان یہ ضرور تھا کہ مجھے اس عرصے میں تھان
 آف کالا گوٹ سے برسر پیکار رہنا پڑتا۔

میں ایک آرام کر رہی تھم راز ہو گئی اور رات کی مہم کی
 منصوبہ بندی کرنے لگی۔ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ہی مجھے کوئی

ایسا اختتام بھی کرنا تھا کہ فکیل رضا محفوظ رہ سکے۔ مجھے یقین تھا
 کہ مشتاق چنگیزی، فکیل رضا پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے شہر بھڑک

ہو گا میری عدم موجودگی میں یہ کام اس کے لیے آسان ہو جائے گا
 میں فون کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔

ساتھ فون کے ٹک میں اپنے کمرے پر جا رہی اور میں نے
 اپنے ذہن میں ساری منصوبہ بندی کر لی۔ ساڑھے نو بجے ایک

ملازمہ میرے کمرے میں آئی اور اس نے بتا کر ساجدہ فانی وہ نرس
 جو فکیل رضا کی دیکھ بھال کے لیے آئی ہوئی تھی، اب جانے کی اجازت

چاہتی ہے۔

”کیا اسے کھانا کھلایا گیا؟“ میں نے پوچھا۔

”نرس کو؟“

”ہاں“

”جب فکیل صاحب کو کھانا بھیجا گیا تھا تو اس سے بھی پوچھا
 گیا تھا اگر اس نے نہ کھانا کھایا تو اسے اپنے گھر پر کھائے گی“

میں نے دو ایک لمبے سوچا اور پھر بولی ”اسے میرے کمرے
 میں بھیج دو اور تم ڈانٹنگ ٹیبل پر دو آدمیوں کے لیے کھانا لگواؤ۔

فصلہ وقت گزر گیا لیکن مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ میں نے بھی ابھی تک
 کھانا نہیں کھایا“

ملازمہ سر ہلک کر بولی ”اور میں سوچنے لگی کہ ساجدہ کو کھانے
 کے لیے بے اصرار روک لوں گی۔ میں نے اس پر پسلی نظر ڈالتے ہی

سوچ لیا تھا کہ فرسٹ کا کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جاسکتا ہے
 اور اس وقت مجھے فرصت تھی بلکہ میں ذہنی طور پر بے ہوش بھی تھی۔

اس تکان کو دور کرنے کی سرے پاس صحت دوہی صورتیں ہوتی ہیں
خمار و کیفیتِ حاشیہ و جمال! ساجدہ زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی
لیکن ایک آدھ بار اس کے ساتھ کچھ غمور لئے گزارے جاسکتے تھے۔
دورانے پر دستک ہوئی تو میں نے بلند آواز میں کہا: "آجوا"
دورانہ کھلا اور ساجدہ اندر آئی۔ اس نے آتے ہی سلام کیا
اور بولی: "ابیں اجازت چاہوں گی یا نا؟"
"میں نے سنا ہے کہ تم نے کھانا نہیں کھایا؟"
"کیا فرق پڑتا ہے، گھر جا کر کھا لوں گی؟"
"کیا گھر پر کوئی تمھارے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوگا؟" میں
نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
"نہیں یا نا؟" ساجدہ نے پچھلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"میرا انتظار کرنے والا شاید بھی پیدا ہی نہیں ہوا؟"
"اوہ! کیا تم کنواری ہو؟"
ساجدہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور وہ نفع چھاکر
بولی: "میرا پاپو سوتلا ہے یا نا؟ وہ بہرگز گوارہ نہیں کر سکتا کہ میری
شادی ہو جائے۔ میری ملازمت سے ہی گھر کے اخراجات پورے ہوتے
ہیں۔ اگر میری شادی ہو گئی تو پھر وہ اخراجات کون پورے کرے گا؟"
"تمھارا باپ کچھ نہیں کرتا؟"
"اسے صحت دوہی کام آتے ہیں۔ چرس پینا اور میری ماں کو
مارنا پینا۔ کبھی کبھی تو وہ کچھ بھیجے ہاتھ جوڑ بٹھکتا ہے۔"
"اوہ!؟" میں ساجدہ کا مزہ سن کر رہ گئی۔
یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ غریب گھرانوں کی لڑکیاں
عموماً بچی ہوتی ہیں۔ کم از کم میں بھی غریب لڑکیوں سے ملے ہوں
وہ گھریلو طور پر کسی نہ کسی رنگ میں مبتلا ملی ہیں۔ ساجدہ بھی انہی میں
سے ایک تھی۔ میرے انداز سے کے مطابق اس کی عمر بیس سالانہ
ہوئی لیکن اس وقت تک اس کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ ہر چند کہ
شادی نہ ہونا، میرے نزدیک تو ایک اچھی بات ہے لیکن ہمارے
معاشرے کی لڑکیاں اس پہلو کو اپنی زندگی کا ایک خوشگوار پہلو سمجھتی ہیں۔
"تو کچھ اجازت ہے یا نا؟" ساجدہ پھر بولی۔
"جب گھر پر کوئی تمھارا منتظر نہیں ہوگا تو تمھیں اتنی جلدی کیوں
ہے؟ کیا تمھارے باپ کو اس پر بھی کوئی اعتراض ہوگا کہ تم دیر سے
گھر نہیں؟"
"جی نہیں! ساجدہ تنہی سے بولی: "وہ تو خود ایک مرتبہ بڑی
ڈھٹائی کے ساتھ مجھے کہہ چکا ہے کہ میں رات کو دیر سے گھر آیا

کروں کیونکہ اس طرح آمدنی میں اضافہ ہو
بات پر اس کا منہ ٹوچ جاتی لیکن اگر وہ میری ماں
میں ایک بار پھر ساجدہ کا مزہ سن کر رہ گئی
ایک نفع بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ اسی قسم کی بات
میں حریفانہ برتری کا حق دے کر کہتی ہوں۔
"تو اب میں جلتی ہوں؟" ساجدہ پھر بولی
شاید وہ اپنے گھر کی مسائل پر زیادہ
تھی۔
"نہیں" میں کھڑی ہوئی اور میں نے اس
"تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گی اور اس کے بعد
ساجدہ کا ہاتھ بڑا گندہ تھا میں نے اس
محسوس کیا۔ ساجدہ کچھ نہیں بولی۔ اسے کھانے کی
کے سلسلے میں مجھے زیادہ اصرار بھی نہیں کرنا پڑا تھا
جب ہم کھانے کی میز پر پہنچے تو میری ملازمت
"ایک پیگ بناؤں یا دو؟"
"کیا تم پینا پسند کرؤ گی؟" میں نے ساجدہ
"میں کھانے سے قبل ایک دو پیگ پی لیتی ہوں"
"نہیں یا نا؟" اشکریہ!؟ ساجدہ جلدی سے
سطح میں معذرت چاہوں گی۔ میں نے کبھی نہیں
کہ اس کی عادت ڈالوں! میں اس خرچ کی تحمل
"بس ایک پیگ لاؤ؟" میں نے ملازمت سے
ساجدہ نے اس طرح اطمینان کا سانس لیا
کہ کرتا اس کے لیے باعث تسکین ثابت ہوا ہو میں
برابر کی کرسی پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ کو اپنی آٹھ
پھیل کر اس کی ٹانگوں کا جائزہ لینے لگی۔
"کیا دیکھ رہی ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا۔
"کیوں نہ فیصلے؟"
"کیا آپ پاسٹری جاتی ہیں؟"
"بس بولیں کچھ شوق ہے۔ فرصت کے لمحوں
موہوتوں کی گت میں بھی دیکھتی رہتی ہوں؟"
اتنے میں ملازمت میرے لیے پیگ بتلائی۔ میں
لیے گھونٹ کے کرگلاس میں برکھ دیا اور ساجدہ کا
دیکھتی رہی۔
"کچھ بتائیے نا!؟" ساجدہ نے ہر اشد قیاسی لیے میرا

ایک بات دیکھ رہی ہوں؟"
اپنے جذبات کی تسکین کے لیے کچھ دوسری باتیں
میں نے یہ کہتے ہوئے غور سے اس کی طرف دیکھا۔
میں نے ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔ دراصل میں نے
کہ یہ کچھ دیکھنا تھا اور غالباً مجھ سے اندازے کی غلطی
ہوئے جو نے کا سبب یہ ہے کہ میں عورت کے جذباتوں
میں واقف ہوں اور معاشرے کا یہ پہلو بھی میری نظر
پر بعض مسائل کے باعث ہمارے یہاں کی چیز
نہیں ہو باقی اور ان کے جذبات آتش فشاں بنے
ہر نتیجے میں وہ لڑکیاں جنہیں خاندان کی بدنامی کا
اس ترکیش پر چل پڑتی ہیں جو میری پسندیدہ روش
میں رکش ان لڑکیوں کے لیے ایک مجبوری ہوتی
ہیں انھیں بدنامی کا خوف نہیں ہوتا۔ شادی کے
یہاں جو مسائل اور پیچیدگیاں ہیں، ان کا اثر عمل
نے پر جو چکا ہے مگر تو گولہ اس کی طرف سے
میں ہیں۔ اگر کوئی اس کی نشاندہی کرے تب تو میں دقت
ہے۔
ساجدہ کے چہرے کی سرخی نے مجھے بتایا کہ اس کے
اپنے اندازہ ٹھیک ہی نکلا۔
میں آپ کا.... مطلب نہیں سمجھتی۔ وہ بھلا گئی۔
ل کو اس طرح برکتے لگے ہو کہ بدنامی کا سامان نہ
میں نے مسکرا کر کہا اور گلاس اٹھا کر پھر دو
لے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
ڈھرتے لگی تھی۔
نہیں؟ میں نے ہنس کر کہا کہ میں اس معاملے کو اس
دیکھتی جس نظر سے ہمارا اندھا معاشرہ دیکھنے کی کوشش
بتاؤ، تم نے کتنی لڑکیوں سے گہری دوستی کی ہے؟
"بس ایک سے؟" ساجدہ نے نظر بھجوا کر
میں کی یہ باتیں انگریزی میں ہوتی تھیں تاکہ ملازمائیں
ہر کھانا دیکھ سکیں۔
"سلائیگ ختم کیا تو کھانا کھا یا چکا تھا۔"
"میں نے ساجدہ سے کہا اور ملازمت کو دھرا

پیت بنانے کی ہدایت کی۔
کھانے کے دوران میں انہیں دوسرے پیگ سے ہلکی ہلکی بات
دیتی رہی۔ ساجدہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔ وہ کوشش کر رہی
تھی کہ مجھ سے نظر نہ ملنے پائے۔ میں اس کی اس کیفیت سے
لطف اندوز ہوتی رہی۔ میں فیصلہ کر چکی تھی کہ کھانے کے بعد
اسے بلورم میں لے جاؤں گی۔ مجھے رات کی جس ہم پر روانہ ہونا
تھا، اس میں ابھی دیر تھی۔
لیکن مجھ کو اس بکثرت رضوان کا جو وقت سے پہلے ہی
ٹپک پڑا۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ اگیا۔
"ابھی سے کیسے لگتے؟" میرا منہ بن گیا۔ حقیقتاً اس کی آمد
سے مجھے بڑی کوفت ہوئی تھی۔
"کیوں!؟" اس نے نکھکیوں سے ساجدہ کی طرف دیکھ کر
کہا۔ "میرے نے سے آپ کے کسی خاص پروگرام میں خلل پڑا ہے؟"
میں تو اس لیے جلدی لگیا تھا کہ آپ کے مرتب کردہ لاٹھ عمل
سے مجھے بھی کچھ واقفیت ہو جائے۔
"اتھیا یا نا؟" ساجدہ جلدی سے کھڑی ہوئی بولی۔
"میں اب چلوں گی؟"
اسے روکنا اب بیکار تھا لہذا میں نے پوچھا: "کل کس
وقت آؤ گی؟"
"صبح ہی آجاؤں گی، آٹھ بجے تک!"
"ٹھیک ہے"
ساجدہ چلی گئی اور میں رضوان کو گھونٹنے لگی جس کے
ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تاج سی تھی۔
"مجھے افسوس ہے کہ رات کا پروگرام آپ کو صرف میرے ہی
ساتھ بنانا ہو گا۔ وہ لا۔
میں نے مناسب بھی کر کے جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنے کی بجائے
سنبھدی سے باتیں شروع کر دیں۔ درنہ رضوان مجھے نفع نہ دیتا۔
"سنو!" میں نے کہنا شروع کیا۔ رات کے اہل پروگرام پر
عمل کرنے سے پہلے ہمیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔ جب ہم ہونٹوں
ہی یہاں نہیں ہوں گے تو کھیل رضا کی حفاظت کرنے والا کون
ہوگا؟
"وہ شمع کیا کچھ جسے روشن خدا کرے؟" رضوان نے شان فلان
جھونٹے ہوئے کہا۔
"ہم جیسے لوگوں کو کھنٹوں کی باتیں زیب نہیں دیتیں، میں

نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "میرے ساتھ آؤ!"
 "کہاں؟" رضوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"پہلے تو میری خواہجہ میں چلو!"
 "رہے نصیب!" رضوان چکا۔ "ارے ہم تو کب سے اس آرزو میں مر رہے ہیں!"

میں خاموشی سے چلتی رہی۔ اس وقت ایسے موڑ میں قطعاً نہیں تھی کہ رضوان سے جو چہیں لڑاؤں لہذا خاموشی ہی مناسب تھی۔ اگر میں بولتی تو گواہیوں ہوتا کہ تو نہیں ہوں دوبدو کی!

جب میں خواہجہ میں داخل ہو کر الماری کی طرف مڑی تو میں نے اسی آواز سنی جیسے رضوان نے انداز کے بعد دروازہ پرٹ کر لایا۔ وہیں نے اب بھی اس کی اس شرارتی حرکت کو کھٹ نہیں دی اور الماری کھول کر اس میں سے اپنے کچھ کپڑے نکالنے لگی۔

"ہائے!" رضوان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "جب آپ کپڑے تبدیل کر رہی ہو تو کتنا جاں فرما منظر ہوگا!"

میں نے وہ سارے کپڑے رضوان کی طرف اچھال دیے۔ رضوان نے بے اختیار یں دو ہون ہاتھ پھیلا کر ان کپڑوں کو دبوچ لیا۔ ان میں سے دو ایک کپڑے گر بھی گئے۔

"ہائیں!" رضوان آنکھیں پھاڑ کر بولا: "تو کیا آپ یہ لباس مجھے پتہ نہ فرم کر چاہتی ہیں کہ آپ کسی لڑکی سے محو لڑنیا ہیں!"

"قرآن کپڑوں میں بہت اچھے لوگے!" میں نے ہنس کر کہا اور الماری کا ایک اندر دنی خانہ کھولنے لگی۔ اس خانے کو کھولنے کے لیے نمبر سسٹم تھا تاکہ اسے ہر شخص نہ کھول سکے میں نے اس خانے میں رکھی تھی اسی اہم چیزوں میں سے صرف ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور پھر جب میں خانہ بند کر کے پٹی ترچھے نے اعتقاد ہنسی اٹھی۔ رضوان نے اپنی قمیص اتار کر میرا ایک بلاؤز پہن لیا تھا۔

رضوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا: "میں نے یہ پہن تو کیا کر اس میں دو مقامات پر کچھ کی محسوس ہو رہی ہے" "تم بعض اوقات بذلتہ سنج بننے کی کوشش میں ایک لمحہ جو کہن کر رہ جاتے ہو" میں سنجیدہ ہو گئی۔ "جلدی سے اپنی قمیص پہننا اور یہ سارے کپڑے اٹھا کر میرے ساتھ آؤ!"

"ارے تو کیا لاندھی لے جانا ہیں!"
 "بس دیکھتے رہو، کہاں سے جانا ہیں!"
 اپنی "میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے"
 "لا حول ولا قوت!" میں نے سوجھا تھا کہ
 کچھ لاٹ مارنے لگے ہیں۔ رضوان نے مڑا
 اتارنے لگا۔

میں نے دروازے کے پرٹ کر گئے اور دروازہ نہیں کھولا جب تک رضوان نے نصیب اٹھا رکھا تھا میں رضوان کے بال بال کھینچ کر گئے۔
 "اب یہ سب کپڑے اٹھا کر میرے ساتھ"

کہا اور دروازہ کھولا۔

"چلیے!" رضوان نے نہ پھٹکا کر کہا۔ اس روٹھے ہوئے بچے کا ساتھ جیسے جا لیتا تھا۔

لیکن میں جانتی تھی کہ اس کا وہ انداز الٹنگ وہ میرے پیچھے چلتا رہا اور میں کفیل رضوان دروازے پر جا رہی۔ وہ بھی میرے پیچھے لگ گیا۔
 "گھر کا اندر کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن اندہ چھایا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کفیل رضوان گری ہے۔ اب میں نے دروازے کے جینڈل پر ہاتھ آہستگی سے گھما تے ہوئے دباؤ ڈالا۔

دروازے میں پھری پیدا ہوتے ہی اندر ناٹھ لبک کی تڑم رہتی میری آنکھوں پر غماص نے آہستہ آہستہ دروازے کو کھٹ کے قریب کھولا اور داخل ہوئی۔

کفیل رضوان کا بستر بالکل سامنے تھا۔ میں نے اسے کروٹ سے لیٹے ہوئے دیکھا۔ اس نے شانوائی ہیک تھی اور جاوڑ کی حرکت سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ بھی لیٹ رہا ہے۔

میں نے رضوان کو اندر آئے کا اشارہ کیا اور جب گیا تو میں نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ رضوان کے چہرے سے اب ابھرنے لگی تھی۔ اس تیش لہا ہو گا کہ آخر میں کرنا کیا جاتی ہوں۔ اس کی حیرت رفع کرنے کے لیے کچھ کہنا پڑی

ی بات اس کی سمجھ میں آ رہی جاتی۔ میں دے تدموں کے بستر کی طرف مڑی۔ بیلا رنج کفیل رضوان کی پشت کی طرف قریب رک کر میں نے وہ شیشی کھولی تو میں اپنی نکال کر لائی تھی اس میں ایک بے رنگ سیٹیل وہ میں نے بہت کم مقدار میں اپنے وہاں پر ڈالا اور کھل کر وہاں کفیل رضوان کی ناک کے قریب لہانے میں نے کوئی نصف منٹ تک جاری رکھا اور پھر اب اس طرف پھینک کر رضوان سے بولی: "اب یہ صبح تک نہیں آسکتا!"

میں نے یہ ہوش ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہوں۔ وہ اسی طرح آنکھیں چڑھائیں اور اس طرح دنگ لایا۔
 "تو کر گرنے والا ہو مگر ظاہر ہے کہ وہ بھی الٹنگ ہی تھی۔ وہ اس میں ایک چیز تو کھولی ہی تھی" میں اچانک بولی۔
 "گواہی میں آئی تھی ہوں!"

میں نے باہر آئی اور اس سوراخ میں پہنچی۔ وہاں سے ایک تو شگ نکالی اور دوبارہ کفیل رضوان کے سرے میں پہنچ کر ایک میں نے بید کے نیچے فرش پر پھینچی اور پھر اس رضوان سے بولی: "اب تم میری کچھ مدد کرو۔ فی الحال میں کرسی پر ڈال دو اور کفیل رضوان اٹھانے میں میری مدد اسے بید کے نیچے تو شگ پر لٹانا چاہتی ہوں!"

اس کے بعد آپ سر کے بل کھڑی ہو جائیں گی! رضوان نے یہ پلکیں جھپکا کر بولا۔
 "سنا یہ نہیں ہی سر کے بل کھڑا ہونا پڑے" میں نے کہا۔
 وہی طور پر تو میں اب بھی سر کے بل کھڑی ہوں۔ آخر آپ کر لیں؟
 "اب تک کچھ بھی میرے پتے نہیں پڑا!"
 "ٹھانے گا" بھی بڑھا جائے گا" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "تم وہم نہ کرو!"

رضوان نے ایک ٹھنڈا سا سانس لے کر کپڑوں کا ڈھیر کر دیا اور پھر بستر کے قریب آ گیا۔ میں نے کفیل رضوان کی جاوڑ لی اور پھر اسے رضوان کی مدد سے بستر سے اٹھا کر فرش پر لائی تو شگ پر لٹا دیا۔ اس کے بعد میں نے بید کے گرد لپکا کر اسے رضوان کے سر پر لٹا کر لولی۔ "گڈ! اب ناگن ہے کہ دیکھتے بغیر کفیل رضوان کو تلاش کیا جاسکے!"
 رضوان کے چہرے پر اب ایسا ناگن تھا جیسے میرے مقصد کو

کچھ سمجھ گیا ہو۔

میں نے خود ہی بڑھ کر سارے کپڑے اٹھائے جو رضوان نے کرسی پر ڈال دیے تھے۔ تہ کیے ہوئے ان کپڑوں کو کھول کر میں نے کھول دیا اور پھر انھیں بستر پر اس طرح سیٹ کیا کہ ایک انسانی مجسمہ سا بن جائے۔ پھر اس "مجسمے" کو میں نے جاوڑ اٹھا دیا۔ اب دیکھنے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ بستر پر کوئی شخص جاوڑا دڑھ لیا ہوا ہے۔

"کیا خیال ہے!" میں نے ہائیں آنکھ دبا کر رضوان کی طرف دیکھا۔

"بھلا سی حرکت ہے!" رضوان نے نہ بنا کر کہا۔
 "دوشتاق چنگیزی جیسے انا کیوں کے لیے یہ بہت کافی ہے۔" رضوان نے کرسیوں اور پوری کیے دیتی ہوں!"
 میں رائٹنگ ٹیبل کی طرف گئی اور چھوٹا سا پیڈ اٹھا کر اس پر لکھنے لگی۔

مائی ڈیر چنگیزی! مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی میں تم یہاں آؤ گے لیکن تمہیں نہایت باہمی کا شکار ہونا پڑے گا۔ اب اگر تم جاؤ تو کپڑوں کا یہ ڈھیر اپنے ساتھ لے جاؤ کفیل رضوان تو میں نہیں اور منتقل کر چکی ہوں۔ وہاں تک تمہاری سائی گن نہیں۔ جسے میں اپنی تحویل میں لے لوں اسے کوئی بھی مجھے نہیں چھین سکتا۔

تمہاری خیر اندیش
 صبیحہ بانو

پہنڈ میں سے وہ کاغذ پھاڑ کر اس پر بستر کے قریب پہنچی اور اپنے اس دلچسپ خط کو کیسے سے پن کر دیا۔

"کیا سمجھ!" میں ہنس کر رضوان سے بولی: "یہ خط پھٹنے کے بعد دوشتاق چنگیزی کے فرشتے میں بھی سوچ سکیں گے کفیل رضوان بستر کے نیچے موجود ہے!"

"رضوان نے تمہیں کہہ کر یہ خط پھاڑا اور پھر سر ہلا کر بولا: "مٹاؤ جیسے انڈی تو واقعی غم لکھا جائے!"

"بس تو پھر اب ہم اپنی ہم پر برسے آرام سے رہنا ہو سکتے ہیں!"

"کیا اتنا وقت ہو چکا ہے؟" رضوان اپنی رست واپس پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

”ہاں اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے“ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تم کھانا تو کھا کر آئے تھے نا!“

”الہ لہذا“ رضوان نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”چالیس فیصد تو بھینس بھی ہو چکا ہے“

”یہ ابھی بات ہے۔ تیز نقل و حرکت کے لیے ضروری ہے کہ پیٹ کچھ خالی ہو۔“ میں نے اپنی خوابگاہ کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں سے میں نے کچھ ضروری چیزیں لیں اور پھر رضوان کے ساتھ باہر آگئی۔“

”تمہاری موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں ٹیکسی سے آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کی کار کام میں آئے گی اور الہ بھی یہ آپ مجھے دراپ بھی کر دیں گی لہذا موٹر سائیکل لانا بے فائدہ تھا۔“

”خاصے عقائد ہوئے جارہے ہو!“

”دراصل ان دنوں آپ وہاں کچھ خوشگوار ہے۔“

جب ہم کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو میں نے رضوان سے کہا۔ ”یہ بات اب سب سے چالکی سے کوڑا کٹر شکیل کی ہلاکت میں کم از کم مشاق چنگیزی کا ہاتھ پھرنے نہیں تھا۔“

”اس کا ثبوت کہاں سے ملا؟“

”خان آف کالا گوٹ کا نام تو قرآن میں ہی ہوگا!“

”ظاہر ہے کیوں!“ رضوان انہی ہوئی نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔

”وہ آج میرے پاس آیا تھا؟“ میں نے کہا اور پھر وہ مادی باتیں دہرائیں جو خان آف کالا گوٹ سے ہوئی تھیں۔ رضوان نے وہ سب کچھ بڑی بے یقینی کی حالت میں سنا۔ اگر میری بجائے کوئی اور شخص یہ باتیں بتاتا تو رضوان کو سب سے زیادہ یقین نہیں آتا۔

جب میں چپ ہو گئی تو بھی رضوان خاموش رہا۔

”کوئی تصدیق نہیں کیا تم نے؟“ میں بولی۔

”کیا تصدیق کروں؟“ رضوان نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میری کھوپڑی تو گواہی دیتی ہے“

”کچھ بھی حال میری ہی ہوتا تھا جب وہ ۱۰ روپ میں میرے سامنے آیا۔“

”تو وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ آپ نے اس ٹوک ڈال دیا کہ بارے میں کس کس کو بتانا ہے؟“

”ہاں“ میں نے کہا۔ ”اس نے اپنے انور سوخ سے کام

لے کر لوہے میں تو اس کیس کو دبا دیا ہے۔“

”سب بابت کرنا چاہتا ہے کسی اور جانب سے؟“

”ایسا وہ اسی صورت میں کر سکتا ہے جب اسے اس بات کو کہاں تک مواد سے چلیں؟“

”اور آپ اسے یہ بات بتانے سے انکار کر رہے ہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ آپ نے اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتایا!“

”میں تمہاری اس بات کے جواب میں کہ نہیں کہوں؟“

”موجودہ حالات میں بہتر یہی ہے کہ تم انکار کرنا واقف رہو۔“

”مگر میں جا کر اس خان کے پیچھے کو تباہوں؟“

”مفضلو باتیں نہ کرو۔ تم جانتے ہو۔ میں تم پر ہاتھ نہیں ہوں جتنا اپنے آپ پر۔ موجودہ حالات میں تمہاری اس تمہارے حق میں بہتر ہوگی۔ نہیں تمہیں عظمت میں چاہتی؟“

”جرا کرم ہے آپ کا!“ رضوان نے سنا نہ کیا کہ ”فی الحال میری ساری تو بہ مشاق چنگیزی کے ساتھ طرف ہے۔ اس سے سننے کے بعد سب سے پوری کہ خان آف کالا گوٹ کے بارے میں سوچ سکوں گی۔ کیا اس مرتبہ مجھے خاصے پائین پائیں ہیں؟“

”باد چرخ خانے کا کام بھی آتا ہے آپ کو!“

”میں دنیا کا ہر کام جانتی ہوں۔“

”سوئے ایک کام کے“ رضوان نے جلدی سے مزید مکمل انسانی کی محنت نہیں کر سکا۔

”سارے بارہ بجے تھے جب میں نے اپنی کار نشان خان کے بنگلے کے قریب ایک گلی میں کھڑی کی۔ میں اور رضوان ہاتھ ساڑھ کے دروازے لاک کر کے اتر آئے اور مشاق کے کمرے طرف بڑھے۔

”کیا ڈرائیوٹ ایکشن؟“ رضوان نے پوچھا۔

”ہاں“ میں نے جواب دیا۔ ”بالکل اسی طرح جیسے ایک پہلے کیا تھا۔“

”کیا اس واقعے کے بعد مشاق چنگیزی میں متعلق نہیں ہوگا؟“

”اگر ایسا ہوتا تو سوچ میں گئے کہ دوسری صورت کیا ہے۔“

میں اپنی خوابگاہ میں ہوش بڑا تھا۔

رضوان آہستہ سے بولا۔ ”شاید میرا غالب نے ایسی ہی کسی پکیشن میں پڑا رکھا تھا کہ الہ بھی یہ ماجر کیا ہے۔“

میں سب سے حد تک متحرک ہو گئی تھی اس لیے میں نے رضوان کی بذلہ سخی قطعی دھیان نہیں دیا اور بولی۔ ”آؤ اب اس تہ خانے کو بھی دیکھ لیں۔ نہ جانے وہاں کیا ہوا ہوگا؟“

میں اور رضوان اس کمرے میں پہنچے جسے کبھی ڈراما لال اپنی خوابگاہ کے طور پر استعمال کیا کرتا تھا۔ تہ خانہ کھولنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ مجھے اس کا طریقہ دستگیری سے معلوم ہو چکا تھا۔

تہ خانے میں بھی تاریکی تھی۔ میں اور رضوان اس کی ٹیڑھیاں اترنے لگے۔ میں ڈرائیو کی روشنی نیچے چھینک رہی تھی۔ وہاں مجھے صادق حبیب تو دکھائی دینے لگا۔ ایک ایسی صورت مزور نظر آئی۔ وہ شخص تہ خانے کے فرش پر وسط میں کھڑا تھا۔

”صادق حبیب کی جگہ کوئی نیا قیدی؟“ میں بڑبڑائی اور میں نے اپنا ریو لوور بس میں رکھ لیا۔

رضوان نے مجھے مطمئن دیکھا تو اس نے بھی اپنا ریو لوور حبیب میں ڈال لیا اور یہی ہم دونوں کی غلط تھی۔ جیسے ہی ہمارے پیروں نے تہ خانے کے فرش کو چھوا، اس اجنبی نے دھنناہ انداز میں ہم پر حملہ کر دیا۔ اس کا پہلا نشانہ یہ تھی کہ میں نے تیزی سے جھپٹا دے کہ خود کو اس کی زور سے پالیا۔ پھر جو اپنی کارروائی بھی کرتی لیکن مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ رضوان نے اس اجنبی کو اتنے تسلسل کے ساتھ اپنے گھونسلوں کا ٹارگٹ بنایا کہ وہ شاید اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے کچھ بھانپ نہیں دے رہا ہو۔ آخر وہ ڈھیر زور کر رہا۔ اس کے چہرے پر ہمت نہ نیل پڑ گئے تھے اور ہو تھوڑے سے خون رستے لگا تھا۔

”بلاد جہ آتی و زرشش کردادی۔ آخر ریو لوور پر تیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی تقلید میں تمہیں نے بھی ریو لوور حبیب میں ڈال لیا تھا؟“ رضوان جھاسا سنا۔ ”کیا کر لولا۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ تنہا شخص اتنی جارحیت پرائے گا جیکم دیکھتے۔“

”بعض لوگ عورتوں کی گتت نہیں کرتے۔ اس کا خیال ہوگا کہ اسے ہونٹ چھوئے ہی تمنا ہوگا۔“

”اب اس سے پوچھو کہ صادق حبیب کہاں ہے؟“

مدہوش کے سے عالم میں رہا یعنی، فرش سے اٹھ کر کوشش کر رہا تھا میری ٹارچ کی روشنی اس کو زدیں لیے ہوئے تھی۔ رضوان نے اسے پہنچ کر اس کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے کھڑا کر دیا پھر لٹھ پھرتا ہوا بولا: "وہ کہاں ہے جو اس نے خلع میں بٹھا ہے؟"

"میں... میں کچھ نہیں... جانتا ہے، جنہی نے ہانپتے ہوئے کہا: "جب میں تمہارے چہرے کا ٹھیکہ تباؤں گا تو تم سب کچھ جان جاؤ گے۔" رضوان نے دائیں ہاتھ کا گھونسا تان کر کہا۔

"بھڑو! بھڑو! احدا کے لیے!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر گھٹکیا لیا "شاید تجھے غلط فہمی ہو گئی تھی؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"تم... شاید... ان لوگوں میں سے نہیں ہو... جنھوں نے مجھے ہمال قید کیا تھا... بلکہ... تم لوگ... شاید وہ ہو..."

جن کے لیے میرے پاس ایک پیغام ہے؟

"کیا گھوٹے لکھا تھا کہ اس کا دم ارغ پلٹ گیا ہے؟" رضوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے متعجبانہ انداز میں کہا۔

"اس کی پوری بات تو سنو! دیکھو یہ کتنا کیا ہے؟"

"کو بیٹے!" رضوان نے اس کا گریبان پھینچا "جو کچھ نکلے، جلدی سے بیک ڈالو!"

"ان لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جلد یا بدیر یہاں ایک عورت آئے گی۔ اس عورت کو مجھے یہ پیغام دینا تھا کہ ٹیلیفون پر سو دسے بازی نہ ہونے کی سزا ہے کہ وہ عورت ایک گھنٹے کی قید بھگتے؟"

"کیا بات ہوئی؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم"

دفعۃً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ میں نے بڑی تیزی سے ٹارچ کا رخ جھٹ کی طرف کر دیا۔ میری اس حرکت کے ساتھ ہی رضوان اور اس اچھنی کی نظر بھی جھٹ کی طرف گئی۔

"ارے!" رضوان تقریباً پھل پڑا۔

جھٹ کا وہ شگفتہ بند تھا جس سے ہم تہ خالے نہیں آئے تھے۔

"خوب!" میں ہنس پڑی "گویا وہ مجھے پھینچوٹ دے گیا!"

"کون؟" رضوان کے منہ سے نکلا۔

"وہی، جس کا ذکر راستے میں ہونا رہا تھا۔ ملک کا وہی معزز شخص جس نے ٹیلیفون پر مجھ سے ہاں یا نا میں جواب مانگا تھا۔"

"اوہ اباخان..."

"پورا نام لینے کی ضرورت نہیں، میں اس کی دیکھ رہا ہوں اس نے سودا نہ ہونے کی وجہ سے مجھے..."

"یعنی ہم یہاں ایک گھنٹہ تک قید رہیں گے؟"

"قطعاً نہیں،" میں نے جواب دیا "خانا،"

میں اندر سے بھی تہ خالے کا راستہ کھولنا چاہتا تھا۔

"وہ لوگ اس بات سے بھی واقف ہیں،" میں نے انہوں نے کہا تھا کہ اگر تہ خالے کا راستہ کھول دیا، تو

سے دو چار ہونے پڑے جو ان لوگوں نے تہ خالے کی اور پرانے کمرے میں بھر دی ہوگی۔ ان کا کتنا تھا کہ ایک گھنٹے میں اس کمرے سے خارج ہو جائے گی اور اس تہ خالے سے نکلنا ممکن ہو گا؟"

"اوہ! اب میں اچھ گئی۔"

"لیکن یہ ایک گھنٹے کی قید کیا کیوں ہے؟"

جھینلا کر کہا۔

"شاید وہ مجھے یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ میں سامنے بالکل بے بس ہوں اور وہ اس پر قادر ہے کہ جو سلوک بھی کرنا چاہے، کر گزرے؟"

"کاش وہ آپ کے ساتھ کوئی مبارک سلوک کر لے؟"

رضوان نے ٹھنڈا سا سنسنے کے کہا اور اپنی باقی ماکر سے مجھے گایا "آپ بھی تشریف رکھیں۔ یہاں ایک گھنٹہ لوگوں میں نے ٹارچ کے روشن دائرے کو لایا، ہر گردش وہ سوچے ناخن کرنے میں کامیاب ہو گئی جولاٹ کا تھا۔ میں نے دبا کر تہ خالے کی روشنی سے آشنایا اور ٹارچ بچھا دی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ ایک گھنٹہ ڈھور ہونے کی بجائے کرنے میں گزارنا چاہیے۔" رضوان نے کہا اور پھر اجنبی سے "تم بھی بیٹھو دوست!... اور ذرا تباؤ کو کھتا تھا احدا کا کیا ہے؟ تم کون ہو اور اس تہ خالے میں تمہاری موجودگی کی منتظر کیا ہے؟"

"میں ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ ہوں،" اجنبی نے اپنے ہاتھ سے رستے والے خون کو صاف کرتے ہوئے کہا "ایک ویران علاقے سے ان لوگوں نے مجھے اغوا کیا اور یہاں لے آئے۔ میری کمائی اتنی ہی ہے۔"

"وہ کہتے تھے؟"

ان کو بچھ کر کہیں دیکھو تو پوچھا "لوگے؟"

"کہ نہیں،" اجنبی نے جواب دیا "وہ ایک تاریک علاقے میں تھا۔"

اس میں اس عمارت میں لایا گیا جو کتا تب تو یہاں ان لوگوں نے اپنے چہرے پر لٹکائے ہیں جھینلا کر کہا "لوگوں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں ایک عورت یہ نہیں ایک پیغام دیا گیا تھا؟"

"ہم پر حملہ کیوں کیا؟"

تھا کہ وہ عورت تنہا ہوگی لیکن جب تم بھی ان کے قریب آئے تو انہی لوگوں میں سے ایک نے تم کو روک دیا اور بھی رکھ لیے تو میں نے سوچا کہ اگرچہ میں جاؤں؟"

"ابا! دی وی وے، تمہارا نام کیا ہے؟"

ان میں یہ گفتگو ہوتی رہی اور میرے کان اس میں نہیں رہے لیکن میرا ذہن بھی برابر کام کرتا رہا۔

میں نے خان آت کا لاگوٹ کے بارے میں سنجیدگی سے غلات باقاعدہ صفت آرا ہو چکا تھا صادق حبیب کے بارے میں اس نے مجھے بہت گہری چوٹ دی تھی۔

میں نے اس وقت شش پاؤں کی غلات کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے صادق حبیب کی کامیاب ہوتا۔

میں نے خان آت کا لاگوٹ مجھے اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ میں سے سو دسے بازی کروں، یعنی اسے تبادلوں کے بارے میں پوچھنے کے علاوہ کس کس کو کیا

کے لیے خان آت کا لاگوٹ کا اضطراب ظاہر کیا تھا

میں بہت کا حامل ہے۔ بات صرف اتنی نہیں ہو سکتی تھی اور کو کچھ واقف تھا۔ پس یہ کوئی بہت ہی ہوشیار اور بات اور اب خان آت کا لاگوٹ نے مجھ سے کہا کہ اس کے لیے مجبور کر دیا تھا کہ میں اس کے بچے

خالف کی باتوں اور اقدام سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ خائف کا معاملہ پورے سابق دسباق کے ساتھ اس کے علم میں آچکا تھا اور یہ بات اس کا ثبوت تھی کہ اس کے رسائل بڑے وسیع و منہو تھے

فریڈول، رضوان سے پوچھ رہا تھا "تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ تم دونوں کون ہو اور ان نامعلوم لوگوں سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟ یہ بات بھی بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے تم دونوں کو یہاں صرف ایک گھنٹے کے لیے قید کیا ہے۔ اور مجھے بھی محض اس لیے اغوا کیا گیا کہ میں ان کا ایک پیغام رسالہ بن جاؤں۔

ایک گھنٹہ بعد تو مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ رہا ہی جالے گی؟"

رضوان اس کی ان باتوں کے جواب میں آئیں بائیں شاخیں اُڑا

نے نکالیں میں کچھ کہتی تھی کہ محض یہ پیغام رسائی کا فرض انجام دلوانے کے لیے فریڈول کا اغوا حاصل کیا یعنی رکھا تھا۔ یہ پیغام مجھ تک ایک مختصر خط کے ذریعے بھی پہنچ سکتا تھا جبکہ اس کام کے سلسلے میں فریڈول کو اغوا کر کے یہاں رکھنا قصداً نہ تھا کہ اس کی بات معلوم ہوتی تھی۔ دراصل اس طرح خان آت کا لاگوٹ نے اس معاملے کو ڈرامائی رنگ دینے کی کوشش کی تھی تاکہ میں اس سے مرعوب ہو جاؤں۔

اور اس مقام پر خان سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ جب اس کے رسائل لا محدود دیکھے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کی عورت کا نام جس سے مرعوب ہونا نہیں سیکھا۔

"ایک گھنٹہ پورا ہو چکا ہے خاتون!" اچانک رضوان نے بانگ لگائی۔

"اوہ!" میں اپنے خیالات سے چونکی اور پھر میں نے اپنی رستہ داچ پر نظر ڈالی۔

"کھویے اب تہ خالے کا راستہ!" رضوان پھر بولا۔

اس کے ساتھ ہی فریڈول بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے تہ خالے کا راستہ کھولا اور دم تینوں اوپر پہنچ گئے۔ مشتاق چٹینزی اور اس کے ملازمین اب تنگ بیہوش پڑے تھے۔

"آخر یہ کون کس کا ہے؟" فریڈول بولا۔

"کم از کم میری سسرال والوں کا نہیں ہے،" رضوان نے لاپرواہی سے شانے جھٹک کر کہا۔

فریڈول کچھ کھسیاٹے ہوئے اسے انداز میں چپٹ ہو گیا۔ وہ ہم دونوں کے ہارے میں جانے کے لیے خاما مضطرب تھا لیکن اسے بہت نہیں ہو رہی تھی کہ کم سے کم اس قدر رات کر سکا۔

میں نے جھٹکے سے نکل کر فریڈول سے کہا "میرے پاس گاڑی

ہے اور ہم لوگ بڑی روڈ کی طرف جاؤں گے۔ کیا تمہیں اسی طرف
 کہیں جانا ہے؟“
 ”آپ کی توجہ ہوگی، اگر آپ مجھے آرام باغ تک چھوڑ دیں۔
 وہاں سے میں پیدل چلا جاؤں گا۔ میں ڈیشو بال پر رہتا ہوں،
 لیکن کیا آپ لوگ پولیس کو اس معاملے کی رپورٹ نہیں کریں گے؟“
 ”نہیں“ میں نے جواب دیا۔ ”میں خواہ مخواہ کسی افسر میں
 پڑنے کا شوق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم چاہو تو اپنے طور پر ایسا کر لو،
 میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“
 ”مجھ جیسے غریب لوگ تو اس قسم کے معاملات میں پولیس سے
 دور رہتے ہیں۔ مجھے بہر حال کوئی بڑا نقصان تو پہنچا نہیں؟“
 ”تمہاری مرضی؟ میں نے بھی لاپرواہی سے کہا۔
 جب ہم اس گلی کی طرف بڑھ رہے تھے جمال میں نے اپنی کار
 کھڑی کی تھی، تو میں نے بکوجی زبان میں رضوان سے کہا۔ ”جب ہم کار
 کے قریب پہنچیں تو تم کاردار اس شخص کے درمیان میں اس طرح حاکم
 رہنا کہ میری گاڑی کے نمبر پٹیٹ نہ دیکھ سکے۔“
 ”ٹھیک ہے“ رضوان نے سراسر بکوجی ہی میں کہا۔ ”میں نے
 بھی اس کے بارے میں سوچ لیا تھا۔“
 چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ فریڈل جب تک کہہ کر دروازے تک
 نہیں پہنچا رضوان نے ڈی جیکبسنی کے ساتھ سے نمبر پٹیٹ پر نظر
 ڈالنے سے خود ہم کو گدہ نہیں دے کر توجہ میں رضوان سے کہا کہ فریڈل کے
 ساتھ پچھلے ہی نشست پر بیٹھے فریڈل کی طرف سے کسی خطرے
 کا امکان تو نہیں تھا لیکن میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہنا
 چاہتی تھی۔
 میں کار کو حرکت میں لائی اور اسے گلی سے نکال کر شاہراہ پر
 ڈال دیا۔ ٹھیک اسی وقت نیس کے عقب میں کسی گاڑی کی پٹلاش
 چلی۔ پھر وہ گاڑی فرسٹے مہرئی ہوئی مجھ سے آگے نکلی اور پھر اس
 نے اس طرح میری سائڈ بان کو مجھے فل بریک لگانا چاہا۔ رضوان
 اور فریڈل اس دو چپکے سے بمشکل منہل سکے۔
 ”خدا غارت کرے“ رضوان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
 پیچھے سے آنے والی وہ کار بھی در آگے نکل کر ایک دو چپکے
 سے رکی اور پھر بڑی تیزی سے پیچھے آکر میری کار کے بالکل برابر میں
 رک گئی۔ اس گاڑی کو دیکھتے آئے دیکھ کر میرے ذہن میں خطرے کا
 احساس جاگ چکا تھا۔ میں نے بڑی چھری سے اپنا لیوٹر نکال لیا۔
 ”ہیلو باؤ!“ دوسری کار سے ایک آواز آئی۔

میں نے بے اختیار ایک لمبا سانس لیا
 کی تھی۔
 ”ایک بے رحم افسر ہوگی؟“ خان ہم لایا
 راظنر تھا۔
 ”اور میں ہمیشہ مع انخیر رہوں گی؟“ میں
 سے کہا۔
 ”اب اس سوئے کے باسے میں کیا کرو؟“
 ”جو تم سمجھ چکے ہو؟“
 ”یعنی اب بھی اپنی خنجر پر تکی ہو؟“
 ”اگر تم اسے غنہ کا نام دینا چاہتے ہو تو وہ
 نہیں؟“
 ”میں تم پر دامن کر دوں کہ اس وقت میں
 معمولی سا دزد ہوں؟“
 ”اس وقت کا اشتہار کر دوں جب میں تمہیں
 وہ وقت بہت زیادہ دور نہ سمجھو؟“
 ”میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید مہلت بھی
 ”اگر تمہیں وقت ممانع کرنے کا شوق ہے
 دوسری کار کا انجن بدستور مٹا رہا تھا۔
 کیونکہ میرے اس جواب کے ساتھ ہی وہ حرکت
 سے اپنی بد نظار بڑھائی چلی گئی۔
 ”آپ اسے یوں ہی نکل جانے دیں گی؟“
 کر کہا تھا۔
 ”پھر کیا کروں؟“ میں سکون سے بولی۔
 شروع کر دوں اور قانون کی گرفت میں پھنس جاؤں
 ”لیکن...“ رضوان اپنی بات پوری نہیں
 نہیں آسکا ہو گا کہ کیا کہے!
 اب میں بھی اپنی کار کو حرکت میں لے آئی۔
 ”میں نے اس کا کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔“
 ”بیکار ہے؟“ میں نے جواب دیا۔ ”اس کا
 نمبر پٹیٹ استعمال کی ہوگی؟“
 ”وہ جعلی نمبر پٹیٹ کیوں استعمال کرتے گا؟“
 وہ جانتا ہے کہ آپ اس سے واقف ہیں؟“
 ”جعلی نمبر پٹیٹ کا استعمال ان کی وجہ سے
 پیچھے بیٹھے ہوئے فریڈل کی طرف انگوٹھے سے

پہنچا ہو گیا۔
 میں نے اسے کئی مرتبہ روک دیکھا لیکن رضوان بدستور پھرتوں کی جوا ”چپک“
 کرتا رہا۔
 ”میں اب آ جاؤ!“ میں نے کھڑکی سے سر نکال کر رضوان سے کہا۔
 ”اب وہ اتنی دور نکلیا ہے کہ نمبر نہیں پڑھ سکتا۔“
 رضوان سیدھا کھڑا ہوا میں نے دودھ جاتے ہوئے فریڈل پر
 ایک نظر ڈالی اور میرے کمرے پر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں کار کو
 حرکت میں لے آئی اور اسے آرام باغ کی طرف موڑ دیا۔ چکر کاٹ کر میں
 مرکزی سڑک پر آ گئی اور پھر میں نے رضوان سے کہا۔ ”مجھے تم کو آنا شاید
 کوئی کام پڑ جائے۔“
 ”آج کے واقعات مجھے آسانی سے نہیں مرنے دیں گے۔ یقیناً
 دیر سے زندہ آؤں گی لہذا آج بھی دیر سے کھٹے گی۔“
 ”جب بھی جاؤ، میرے چلے آنا۔ ناشتہ بھی وہیں آکرے کر لیا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 رضوان کو اس کی بڈنگ کے سامنے ایک کمرے کی طرف
 روانہ ہو گئی۔ اب میرے ذہن میں سب سے اہم سوال مارتھ جیمز
 کی بازیافت کا تھا اور یہ معلوم ہونا آسان بات نہیں تھی کہ ان کی کار کوٹ
 نے اسے کن پر دوں میں چھپا کر رکھا ہو گا۔
 جب میری گاڑی اپنے گھر کے وسیع و عریض احاطے میں داخل
 ہوئی تو میرے ذہن کو خوب کاما مارا گہرا آئس کے سامنے پولیس کی دو
 گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کچھ پولیس والے بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے
 ذہن میں مختلف اندیشوں کے بال چمکانے لگے۔
 میری گاڑی کو دیکھتے ہی ایک پولیس والا ہرست تیزی سے اندر
 چلا گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی کو میری آمد کی اطلاع دینے
 گیا ہو۔
 میں نے پولیس کاروں کے پیچھے اپنی گاڑی روکی اور انجن بند
 کر کے ہونٹ چھینے ہوئے نیچے اتار آئی۔ میرے قدم برآمد کے کھڑکی
 بڑھ رہے تھے اور ذہن گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں خود کو اس کے
 لیے جی آمادہ کر رہی تھی کہ سٹیگن ترین صورت حال کا سامنا بھی آسانی
 سے کر جاؤں۔
 جیسے ہی میں نے برآمدے میں قدم رکھا وہاں کھڑے ہوئے
 پولیس والے ادھر ادھر مڑھٹ گئے لیکن اندر سے برآمد ہونے والے
 ایک ایس بلی نے مجھ سے وارنٹ کی طرف سے بڑھنے سے رک
 دیا۔ وہ میرے اور دولہانے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔
 میں رگ گئی اور اسے گھورتے لگی۔ میں نے اب بھی ہونٹ
 چھینے رکھتے تھے۔

میں نے اسے کئی مرتبہ روک دیکھا لیکن رضوان بدستور پھرتوں کی جوا ”چپک“
 کرتا رہا۔
 ”میں اب آ جاؤ!“ میں نے کھڑکی سے سر نکال کر رضوان سے کہا۔
 ”اب وہ اتنی دور نکلیا ہے کہ نمبر نہیں پڑھ سکتا۔“
 رضوان سیدھا کھڑا ہوا میں نے دودھ جاتے ہوئے فریڈل پر
 ایک نظر ڈالی اور میرے کمرے پر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں کار کو
 حرکت میں لے آئی اور اسے آرام باغ کی طرف موڑ دیا۔ چکر کاٹ کر میں
 مرکزی سڑک پر آ گئی اور پھر میں نے رضوان سے کہا۔ ”مجھے تم کو آنا شاید
 کوئی کام پڑ جائے۔“
 ”آج کے واقعات مجھے آسانی سے نہیں مرنے دیں گے۔ یقیناً
 دیر سے زندہ آؤں گی لہذا آج بھی دیر سے کھٹے گی۔“
 ”جب بھی جاؤ، میرے چلے آنا۔ ناشتہ بھی وہیں آکرے کر لیا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 رضوان کو اس کی بڈنگ کے سامنے ایک کمرے کی طرف
 روانہ ہو گئی۔ اب میرے ذہن میں سب سے اہم سوال مارتھ جیمز
 کی بازیافت کا تھا اور یہ معلوم ہونا آسان بات نہیں تھی کہ ان کی کار کوٹ
 نے اسے کن پر دوں میں چھپا کر رکھا ہو گا۔
 جب میری گاڑی اپنے گھر کے وسیع و عریض احاطے میں داخل
 ہوئی تو میرے ذہن کو خوب کاما مارا گہرا آئس کے سامنے پولیس کی دو
 گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کچھ پولیس والے بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے
 ذہن میں مختلف اندیشوں کے بال چمکانے لگے۔
 میری گاڑی کو دیکھتے ہی ایک پولیس والا ہرست تیزی سے اندر
 چلا گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی کو میری آمد کی اطلاع دینے
 گیا ہو۔
 میں نے پولیس کاروں کے پیچھے اپنی گاڑی روکی اور انجن بند
 کر کے ہونٹ چھینے ہوئے نیچے اتار آئی۔ میرے قدم برآمد کے کھڑکی
 بڑھ رہے تھے اور ذہن گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں خود کو اس کے
 لیے جی آمادہ کر رہی تھی کہ سٹیگن ترین صورت حال کا سامنا بھی آسانی
 سے کر جاؤں۔
 جیسے ہی میں نے برآمدے میں قدم رکھا وہاں کھڑے ہوئے
 پولیس والے ادھر ادھر مڑھٹ گئے لیکن اندر سے برآمد ہونے والے
 ایک ایس بلی نے مجھ سے وارنٹ کی طرف سے بڑھنے سے رک
 دیا۔ وہ میرے اور دولہانے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔
 میں رگ گئی اور اسے گھورتے لگی۔ میں نے اب بھی ہونٹ
 چھینے رکھتے تھے۔

”مس میری بات ہے“ ایس بی کی کا لہجہ سوالیہ تھا۔

میں نے اسے جواب دینے کی بجائے بلند آواز میں بائیں لپک ملائے کر پکال۔ اس کے جواب میں میری دو تین ملازمتیں باہر نکلیں۔ ان کے چروں پر کچھ ایسا لڑو ہی تھیں لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکی کہ کیا واقعہ ظہور پزیر ہو چکا ہے۔

میں نے ملازماؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”مسٹر ایس بی کی کو بناؤ کر میرا نام ہی میری بات ہے“ میں نے یہ اندازہ ایس بی کی پر باور کرنے کے لیے اختیار کیا تھا کہ میں اس سے یا اس کے فوج فرستے سے مرعوب نہیں ہوئی ہوں۔ ایس بی کی میرے اس انداز پر جھنجھلا گیا اور غرا یا کیا آپ یہ جواب براہ راست مجھے نہیں دے سکتی تھیں؟“

”کیا فرق پڑتا ہے“ میں نے لاپرواہی سے شانے جھینے اور پھر بولی ”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میرے گھر پر یہ دھاوا کس سلسلے میں ہو لگا گیا ہے اور پولیس میری اجازت کے بغیر اس چار دیواری کی دیوار کیسے ہوئی؟“

اب ایس بی کی نے گویا جوانی کا رد وائی کی اور مجھے جواب دینے کی بجائے ایک نئے ایس آئی سے بولا ”انھیں بتاؤ کہ ہمارے پاس سرچ فرمٹ موجود ہے اور انھیں یہ بھی بتاؤ کہ یہ کوئی چیز حراست میں نہیں ہے“

”وہ کس خوشی میں؟“ میں نے تسنن لہجے میں کہا۔ ”میں خوشی میں متروکہ ہے“ ایس بی کی نے لفظوں کو بچا بچا کر ادا کرتے ہوئے کہا ”کہ آپ نے کیل رضانا می ایک شخصیت کو غائب کر دیا ہے اور آپ کے خلاف رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کیل رضانا کو ہلاک کروا سکتی ہیں“

میں نے بکھن کر گھر کا اپنی ملازماؤں کی طرف دیکھا۔ ”وہ اپنے بستر سے غائب ہیں“ ایک ملازمہ میری طرف سے بچھ کر بھری سے بولی۔

”لیکن وہ اب بھی اس کمرے میں ہیں؟“ میں نے ایس بی کی کی طرف دیکھتے ہوئے زور دے کر کہا۔

”کیا آپ نے کوئی عملی پڑھ کر انھیں دوسروں کی نظر سے اجیل کر دیا ہے؟“ ایس بی کی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میرے ساتھ آئیے“ میں نے کہتے ہوئے بڑے جبر و قار انداز میں دروازے کی طرف قدم بڑھائے اور ایس بی کی اس طرح ایک طرف ہٹ گیا جیسے میری اس حرکت کو مستحضرے پرانے سے تعبیر کر رہا ہو۔

دیسے اب مجھے خود بھی اتنی نہیں نیچے موجود ہو گا اور مجھے اس سیرٹ اپ کا ہاتھ محسوس ہو رہا تھا۔

میرے ساتھ ساتھ ایس بی کی بھی اس میں نے بستر کے قریب جا کے جھانک کر کہا تھا ”وہ تو شک جو میں نے اس کے لیے اٹھا لیا“

”کیا آپ کوئی چرما دیکھ رہی ہیں؟“ ایس بی کی میں ہونٹ پیچھ کر کیدی کھڑی ہو گئی وہ دھیر دھیر نظر نہیں آیا جس سے میں اس کی دیکھنے سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس نے نہ صرف مرنے کا خواہاں ہے بلکہ

گھومتے ہوئے کہا۔ ”دیکھنے سے نہیں بلکہ آپ نے انھیں کہا کہ آپ خود اس کا امتحان کر چکی ہیں۔ آپ نے نہ صرف وہ اس کا محسوس ثبوت ہے“

میرا سارا جسم سن گیا یہ تو گویا میں اپنے ہی میں چھپنے لگی ہوں۔

”میرے خلاف رپورٹ کس نے کی تھی؟“

”مرتب چیگز کی نے جن کو آپ نے خط لکھا تھا“

”کیا؟“ میں حیران رہ گئی ”چیگز کی نے یہ لکھا“

”جی ہاں“

”وہ کہاں ہے؟“

”آپ سوال کرنے کی مجاز نہیں ہیں میرے ساتھ چلیے“ ایس بی کی کے لہجے میں سختی آگئی۔

میں نے ذرا توقف کیا تاکہ اپنے اندر دل کی باتوں۔ آخر میں نے چر سکون انداز میں کہا ”میں چلنے سے قبل ایک فون کرنا چاہتی ہوں“

”پولیس پر پڑا کر پوچھ کر آپ درجن بھر فون کرنا فی الحال آپ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی میں نے محسوس کیا کہ ایس بی کی کے لہجے میں ڈرا نہیں تھی۔ وہ کسی قیمت پر مجھے فون نہیں کرنے دے گا۔ اس کا کہنے کسی ایسے نام کو فون کر دوں جو میری کامیابی کو میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے روکے۔ صورت حال میرے لیے نامساعد ہو چکی تھی۔ مجھے

دھان آف کا لاگوٹ کے دباؤ میں ہے اور مجھے ہرگز نہیں کہنے دے گا۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”میں دروازے کی طرف مڑی۔ ایس بی کی میرے پیچھے پیچھے لگا۔ غالباً اس نے اپنے ماتحتوں کو کچھ اشارے کیا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے داییں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس واقعہ حاصل نہیں ہو سکا کہ میں چپکے سے کسی ملازمہ سے کون کرنے کے لیے کہہ دیتی۔ ویسے مجھے یہ الطمان تھا کہ وہ باہر نہ ملنے کے باوجود بھی میری ملازمہ خاص ایسا نہ ہوگی۔

”جی ہاں“ وہ لوگ مجھے پولیس کار میں بٹھانے لگے تو میں نے اس کی چابی ایک ملازمہ کی طرف چھینکتے ہوئے کہا ”گڈ ریکو“ میں ہند کر ویلنا۔ زیادہ کہہ نہ سکتی تھی کی ضرورت نہیں بائیں

”ہٹ فون کی“ اس وقت میں نے ایس بی کی کے جنٹوں پر استغناء کی سرکوبت میں اسے میرے اخروے کا کچھ زیادہ اندازہ نہیں تھا جبکہ میں نے اس کو میں پولیس ہینڈ کار میں قدم رکھوں گی تو وہاں کہانے کا دور میرے زیر حراست ہونے کی خیر ازخودوں کو کون نہ جانے گی جو میرے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔

”میں کار میں دونوں لے“ ایس آئی میرے داییں بائیں بیٹھے۔ اس کے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور باقی پولیس والوں نے اس کے ساتھ بیٹھنا۔

”بے یقین تھا کہ اس وقت میری ملازمہ خاص رضانا کا فون نمبر ابھی ہوگی۔

”پولیس کار میں آگے پیچھے روانہ ہو گئیں۔ وہ کار آگے چلی اس میں مجھے لے جایا جا رہا تھا۔ اس میں وقت صرف یہ تھی کہ رضانا آف کا لاگوٹ مجھ پر پے در پے حملے کر کے کھانا بنا چکا تھا لیکن اسے اندازہ نہیں کہ وہ اس طرح میرا اشتعال بڑھا چکا تھا۔ اس نے ابتدا کی طور پر ملازمہ بائیں چل کر گھبراہٹ میں برتری کا سکہ جھانپا تھا لیکن اس مجھے ایک مرتبہ قدم اٹھانے کی مہلت ملتی؛ ویسے ہی اس کی بار بار جانچاں کا کھانا نہ تھا۔ چہرہ دم صرف میرے سامنے تھی میں ناکام رہتا بلکہ مجھے مزید بڑھنے سے روکنا بھی اس

کے پس کی بات نہ ہوتی؛ جیسا کہ مستقبل کے ثابت ہو گیا۔ دفعہ کار کے ڈرائیور نے بریک لگائے۔

”کیا بات ہے؟“ ایس بی کی نے ڈرائیور پر دیا۔

”ہمارے ڈرائیور کی ریک نہیں ہے سر“ ڈرائیور نے جواب دیا۔

”اوہ؟“ ایس بی کی نے متراکب کیا۔

”میں اس متراکب دیکھنے لگی۔ دوسری پولیس کار کی ہینڈ لائٹس قریب ایک خلائف دوڑ رہی تھیں۔

”ڈرائیور کی ریک نہیں چلو۔ وہ زیادہ دیر نہیں ہے“ ایس بی کی نے ڈرائیور سے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ ایس بی کی نے کار میں بیٹھے بیٹھے دوسری کار کے پولیس والوں سے پوچھا۔

اس کار میں بیٹھے ہوئے انسپکٹر نے جواب دیا ”بائیں طرف کا

کچھ لپٹا ہوا پتلا بڑے گھاس اس کی پوائنٹل گئی ہے۔ شاید کوئی کیل وغیرہ گھس گئی ہے“

ایس بی کی نے صرف ”دیکھ لے“ کے توقف سے کہا ”اچھا تو پھر تم لوگ پتلا بدل کر آؤ۔ ہم جتے ہیں“

”اوکے سر“ انسپکٹر نے کہا۔

ایس بی کی کے اشارے پر ہماری کار کے ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی اور تھوڑی دیر بعد ریک بڑھا کر اچلا گیا۔

ابھی ہم ڈیفنس کے علاقے سے نہیں نکلے تھے۔ وہ تقریباً تین بجے کا محل تھا۔ اس کے دریاں چڑی تھیں اور اس سڑک سے میں ایک بڑی پولیس گاڑی آگے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔

ہماری کار ابھی شاہراہ پر نہیں پہنچی تھی کہ ایک ٹرک نے ہمارا راستہ روک لیا۔ وہ چیخ کر پرکھڑا تھا۔ اس کے داییں بائیں

چوڑھوٹی ہوئی تھی سڑک وہ اتنی نہیں تھی کہ پولیس کار گزر سکتی۔ اگر ٹرک کو ایک طرف کر کے کھڑا کیا گیا ہوتا تو گاڑی آسانی سے گزر جاتی۔

وہ کوئی ”بڈ“ ٹرک تھا۔ دو چھان اس کے ایک پیچھے کو تیک لگا رہے تھے۔

”شاید اس کی بھی پوائنٹل گئی ہے“ ہمارا ڈرائیور جیسے نہ نہیں پڑا لیکن پھر شاید فوراً ہی اسے ایس بی کی کی موجودگی کا خیال آگیا اور اس نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا۔

ایس بی کی کی اسے سہرا بہ نر کا ل کر دیا۔

ایس جی کوئی سے سر نکال کر دھاڑا تو اُسے چھو ایک تہم
 ٹوک کوئی سے کہ کھڑا نہیں کر سکتے تھے؟
 جبکہ لگانے والوں میں سے ایک دوڑنا ہوا ہماری کار
 کے قریب آیا اور گھسیٹا ہوا بوللا اُم مانی چاہتا ہے صاب؟
 ”معافی کے بچے، ٹرک ہٹاؤ رستے سے؟“ اسی پل میں دھاڑا
 اچانک اس شخص نے کوئی چیز کار کے اندر پھینکی۔ وہ ایک
 چھوٹا سا عباؤ تھا۔ اس مہار سے کارنڈ شاید نیکی میں دبا کر بند
 رکھا گیا تھا۔ کار میں آئے ہی وہ کھل گیا اور ایک تیز ٹوکاں میں پھیل
 گئی۔ مائیں بی نے بڑی تیزی سے اپنی کار کا دروازہ کھولنا چاہا، لیکن
 شاید کھول بھی لیا لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی کہ وہ اتر بھی سکتا۔
 ادھر تک بھی اپنے پوش و دھواں کھو چکی تھی۔ میرے ذہن میں تخی
 خیال نہ آیا تھا کہ یہ اقدام میرے کسی ایسے ہمدرد کو ہو سکتا ہے جو مجھے
 پولس کے جھینے سے نکال دے جان چاہتا ہے۔
 مگر کون؟ وہ کون ہو سکتا ہے؟
 مجھے اس سوال پر غور کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔



جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک آراستہ ہیرا ستہ اور نہایت
 پُر تکلف کمرے میں نرم دگڑا بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ آرام و آسائش کا
 وہ تمام سامان دال موجود تھا جو کسی عیش پسند انسان کی تو گناہوں
 ہو سکتا ہے۔ کمرے میں ایک یقینی عینیں، تہہ دم تہہ دم ہی خوشبو پھیل
 ہوئی تھی جو غالباً اس کمرے کی دفنائیں اچھرے کی گئی ہوگی۔
 میں ہوش میں آنے کے بعد فوری طور پر بستر سے نہیں اٹھی
 تھی۔ بیہوشی سے پہلے کے واقعات میرے ذہن میں چکر اے تھے۔
 میری نظر اس کمرے میں چکرا رہی تھی۔ دفعہ چھ لیں سوس ہوا
 جیسے وہ کمرہ بہت ہی آہستہ آہستہ ڈنگا رہا ہو۔ ڈنگا بٹ کا لیس
 دیباہی تھا جیسے کسی کشمیری بیٹھ کر توتا ہے۔ میں بے حرکت نظر بیٹھی
 اور اپنی ساری توجہ اس ڈنگا بٹ پر مرکوز کر دی۔ جلد ہی مجھے یقین ہو
 گیا کہ ہیرا ستہ جاس کوئی دم نہیں تھا۔
 میں نے بستر سے اُترنے کے لیے چہرینچہ لٹکائے تو تالین پر
 سیلپر بھی رکھے ہوئے تھے اور میرے ہی تیروں کے سائز کے تھے۔
 میں وہ سیلپر ہن کر کھڑی ہوئی اور اب میں اس دیوار کو بھی دیکھ
 سکتی تھی جو میرے سر ہانے تھی۔
 اس دیوار میں مجھے تین بڑے بڑے سوراخ نظر آئے جن میں
 قیشے لگے ہوئے تھے۔ ان قیشوں کی دوسری طرف مجھے اپنی امریک

لینا ہوا نظر آیا۔ اس نیلگوں یا بی میں کبھی کبھی کوئی چھلکی بھی
 ہوئی سوراخ کے سامنے سے گزر جاتی تھی۔
 اب مجھے خیال آیا کہ میں کسی بھاری جہاز کے نیچے مقفل
 قسم کی آمدور میں ہوں۔ میں ایک جھگے سے پھر بستر پر لیٹی
 سے بیٹھے کا سبب یہ نہ تھی جیسا کہ تھا کہ مجھے کسی بھاری جہاز
 لانے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟ جب میں ہوش ہو رہی
 یہ خیال ذہن میں پیدا ہوا تھا کہ مجھے پولس کے شخص سے ملنا
 شخص میرا کوئی ہمدرد ہی ہو سکتا ہے لیکن اب میں اس خیال
 ذہن سے جھٹکنے پر مجبور تھی۔ میرے ہمدردوں میں کوئی بھی
 تھا جس کے پاس اس کا کوئی ذاتی ہمارا روادار نہ ہو
 سوال ہی نہیں تھا۔ تو پھر کیا اب میں کسی بین الاقوامی
 گمنام ہوں؟ کیا میری ذات سے کسی غیر ملکی طاقت کو دھچکا
 ہے؟ وہ آمدور یا جہاز کسی حکومت کی کا ہو سکتا تھا!
 دفعہ میں نے وہاں جانب کی دیوار میں ایک شخص
 ہوئے دیکھا۔ میری نظر اس طرف جم گئی۔ میں نے ایک شخص
 آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سفید رنگ کے ایسے لباس میں
 عموماً بڑے گھڑاؤں کے ٹرک پر بیٹھتے ہیں۔ اس نے میرے قریب
 ادب سے پوچھا: ”معزز خاتون ناشتے سے پہلے غسل فرما
 یا میڈیٹینا پسند کریں گی؟“
 میں نے اسے جواب دینے کی بجائے سوال دا
 کون ہو؟“
 ”آپ کا خادم؟“
 ”تمہیں یہ فرض کس نے سونپا ہے؟“
 ”میرے آقا نے؟“
 ”تمہارا آقا کون ہے؟“
 ”مجھے اس سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں
 قانون!“ بلکہ نظر جھکاٹے ہوئے جواب دے رہا تھا۔
 ”تمہارا آقا کہاں ہے؟“
 ”وہ آپ سے رات کو ملاقات کر سکیں گے۔ اس
 بجے ہیں۔ رات کے آٹھ بجے تک آپ کو اسی کمرے میں
 ہے۔ یہ نوکھنے گزارنے کے لیے آپ جو چاہیں شہنشاہ
 ہم حتی الامکان کوشش کریں گے کہ آپ کی طلب کردہ
 مہیا کریں۔“
 ”مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے نہ

میں اپنا وہی سوال دہرانے کی جسارت کروں گا کہ آپ
 پسند کریں گی یا نہیں کرنا؟“
 ”کہاں ہوں؟“ میں نے پھر ایک سوال پوچھا۔
 ”ہاں میں ہیں“ بلکہ نے جبری مصیبت سے کہا۔
 ”جیسا کہ روگنی“ پھر میں نے کہا: ”کیا یہ کوئی جہاز ہے؟“
 ”نہیں؟“
 ”اور؟“
 ”نہیں؟“
 ”ہم کیا ہے؟“
 ”میرے آقا کا کمان خانہ؟“
 ”جی جی بلکہ بیٹ میں اضافہ تو ہو لیکن میں نے اسے پتلا
 میں ہی تھا کہ میں اس بلکہ سے جھجک جھجک کر دل سے
 کسی جی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔
 میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ”میں پہلے عمل کروں
 ا کے بعد ناشتہ؟“
 ”مگر ہے۔ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلیے؟“ بلکہ
 میں نے اس خفا کی طرف اشارہ کیا جس سے گزر کر وہ اس
 میں آیا تھا۔
 ”جسے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ بلکہ مجھ سے دوست
 ”اور کوئی پہلے کمرے کی طرح خاصا کشادہ تھا۔ اسے
 کمرے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا کیونکہ وہاں ڈائننگ
 روم کیوں کے علاوہ صرف آرائشی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔
 میں مجھے صرف ایک دروازہ نظر آیا۔ میں نے ادھر ادھر
 ہر بلکہ سے بولی نہ کہاں ہے؟“
 ”مگر نے اسی دروازے کی طرف اشارہ کیا اور بولا: یہ
 ہم ہی کا دروازہ ہے معزز خاتون!“
 ”اس کمرے سے باہر جانے کا دروازہ کہاں ہے؟“
 ”بلکہ نظر جھکا لی اور خاموش کھڑا رہا۔ غالباً وہ میرے
 مال کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔
 میں ایک خفہ طراسانس لے کر یا تھوڑے دم کے دروازے
 پر کھڑی۔
 ”میں کرنے کے بعد مجھے اپنا وہی لباس پھر پہننا پڑا جو
 سے پہنے ہوئے تھی۔ جب میں با تھ روم سے نکلی تو

میں نے دیکھا کہ ڈائننگ ٹیبل پر نہایت پُر تکلف ناشتہ موجود
 تھا۔
 جب تک میں نے ناشتہ کیا، بلکہ بڑے ادب سے ایک
 طرف کھڑا ہوا اور جب میں ناشتہ کر چکی تو وہ بولا: اب آپ اپنی
 آرامگاہ میں تشریف لے جائیے!... اور اب! یہ بھی بتا دیجیے
 کہ آپ کھانا کھانے کے لیے کس وقت کا انتخاب کریں گی؟
 ”بارہ بجے ناشتہ کیا ہے، اب کھانا کیا کھاؤں گی۔ اگر
 ممکن ہو تو شام کی چلنے کے ساتھ کھانا منیس لے آتا۔ کھانا تو اب
 میں رات ہی کو کھاؤں گی۔ اس وقت تک تمہارے آقا نے نالہ
 بھی آجائیں گے۔ میرے لیے میں خفیہ ساراں تھا۔
 ”جی ہاں بلکہ نے سانس لے کر کہا: ”رات کا کھانا آپ ان
 ہی کے ساتھ کھا لیں گی؟“
 میں درپاس اسی کمرے کی طرف بڑھی جہاں مجھے ہوش آیا تھا۔
 جب میں بستر پر کھڑی ہوئی تو میں نے پٹ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا
 لیکن اب وہ خلابند ہو چکا تھا۔
 رات سے پہلے میری اس انجمن کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تھا کہیں
 کسی کی قید میں ہوں۔ جہنم کر میں ایک پڑا سائل کمرے میں تھی
 لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میری حیثیت ایک
 قیدی کی سی تھی اور میری کھوپڑی میں آ رہا تھا کہ میں کس کی قیدی
 ہوں۔ میرے خیال کے مطابق وہ خان آف کالا کوٹ تو نہیں ہو
 سکتا تھا۔ خان نے تو مجھے پولس کے جال میں پھنسانے کے لیے
 پاڑے بیٹھے تھے، پھر وہ مجھے پولس کے شکنجے سے بھول نکالتا؟
 میں بستر پر لیٹی تھی اور صورت حال پر غور کرتی رہی لیکن
 میری کھوپڑی کچھ نہیں آسکا۔ پھر میں رضوان کے بارے میں سوچنے
 لگی۔ وہ لبقنا میری تلاش میں سرگرداں ہوگا لیکن کیا یہ ممکن ہے
 کہ وہ مجھے ڈھونڈتا ہو یا وہاں پہنچ جائے۔
 میں ایسے ہی مختلف النوع خیالات میں الجھی رہی اور تین
 بج گئے۔ اس وقت ایک بار پھر دیوار میں خلابند ہوا۔ میں
 اس طرف دیکھنے لگی۔ ایک شخص ایک بہت بڑے فریم کی ٹرائی کو
 دھکیلتا ہوا اندر آیا۔ اس فریم میں ایک سفید پردہ لگا ہوا تھا،
 جیسے فلم اسکرین!
 اسکرین لانے والا شخص بلکہ نہیں کوئی اور تھا۔ اس نے
 اسکرین کو ایک جانب کی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا اور پھر مجھ سے
 مخاطب ہوئے بغیر واپس چلا گیا۔ دیوار کا خلا پھر مبرا ہو گیا۔

”شکر ہے! میں اس سلسلے میں اپنی خدمت خود
 رکھتی ہوں۔ میں نے مرد بچے میں کہا۔
 لڑکی کے چہرے پر ایک سنگ سا اگر گزر گیا۔
 دس دنے توقف کے بعد میں نے سخت بے
 نے سنا نہیں؟ تم جا سکتی ہو؟“
 ”لیکن۔۔۔“
 ”جاؤ؟“ میں اس غصیلے انداز میں بولی ”کیا تم

والی ہستی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اس نے ایک تحریری سا گاؤں
پس رکھا تھا۔ اور اس کے جمالی خطوط اس طرح جھلکارے تھے
جیسے بادلوں کی کسی بلکلی پر پت سے چاند تھا۔ گتا ہے۔ اس کے
ہاتھوں میں ایک کشتی جس میں شراب کی ایک بوتل اور ایک
گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ کی بلبلیاں گراتی ہوئی آگے
آئی۔ اس نے وہ رُے ایک جھوٹی مسیبتی کی پرتھی اور پھر اس
تپائی کو اٹھا کر میرے ہستر کے قریب لاکھا۔

کچھ سوچ کر کہیں نے بلند آواز میں کہا ”مجھے یقین ہے کہ میری
 ن شامیں ہنگامہ خیز پیچھے ہی ہوگی۔ میں اسی شخص سے
 مل رہی ہوں اور اس سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے شکر کیلئے ہے۔“
 میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ چولہے کی بجلی بند ہو گئی۔
 میں غافل رہ گیا۔ میں اس سے گزرتی دوسرے کمرے میں

لیکن لب جس میں نے حالات کو ایک اور زاویے سے دیکھنا شروع کیا تو بات کچھ گہری سمجھیں آنے لگی۔
 "مشرق کیجیے قانون؟" خان آف کلا گھٹ سپاٹ بجے میں
 بولا۔
 "میں نے اپنی بلیٹیں ریجھ کر اس کو ایک قلب اسٹاکر اس میں
 سے بھجی ہوئی تھیں نہ لگے گی۔"

واقعات کا سلسلہ آپ پر سکڑ زمین میں کچھ اس طرح آ رہا تھا کہ
عالم نے سب سے پہلا چکر تو مجھے ہی دیا کہ مراد قیام صیب کو غائب کر دیا۔
پھر مجھے وہاں تک گھسنے کے لیے قید کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت
میں کلیدیں رکھا کوئی غائب کرے۔ جب اس کا یہ منصوبہ عمل پیر ہوا
تو اسے وہاں میرا ایک خط بھی ملا جو چینی سی کے نام تھا۔ اس خط
کے محتویات سے اسے موقع مل گیا کہ وہ صورت حال کو میرے لیے اور
دیلاؤ بھیج رہا تھا۔ اس نے مجھے بوس کے حال میں پھنسانے کا
سلمان کر دیا اور جب میں اس حال میں بیٹھ گئی تو اس نے مجھے
وہاں سے نکال بھی لیا۔ اس آخری حرکت کے دو منصفہ ہو سکے تھے۔
ایک تو یہ کہ میں اس سے متوجہ ہو چکی جاؤں اور اس کی شخصیت
کو اپنے اوپر چھاپا ہوا محسوس کرنے لگوں۔ دوسرے یہ کہ قانون کی نظر
میں میرا پڑھ پڑھنا اور نہ دیا در جواب ہو جائے۔ مجھے یقیناً ایک مفردہ
پر جرم قرار دیا جائیگا کہ ہوگا۔ اب اگر گناہ کف کا لوٹ مجھے آزاد کر دیتا تو
میر خود کو خاص مشکلات میں گھرا ہوا پاتی۔

ہم یہی لوگوں کے وعدوں کا وزن خوب جانتے
ہے۔ کالنگوٹ مجھے گھونسنے لگا۔

یو! اُس کرے میں پہلے نہیں تھی میں نے اس بُوکو پوری طرح محسوس کرنے کے لیے ایک لباس اس لیا اور اس کے ساتھ کچھ مجھے یوں لگا جیسے میرے دماغ پر غبار سا چھا چلا جا رہا ہو میرے قدم بھی لٹکھڑکھٹے اور میں سمجھ گئی کہ کیا ہونے والا ہے مجھے یہ کوشش کرنے کے لیے کہ میں کس قسم کی گیس جھوڑی گئی تھی میں نے اس وقت صرف یہ سوچا کہ کیسا اب آئیکہ کہاں کھلتی ہے!

پولس کی گرفت سے نکال لے گئے۔

”ہوں! میں! استغفار! نظر سے رضوان کی طرف مکتبی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ رضوان مجھے اب تک کے مکمل کوائف سے آگاہ کر دے۔“

رضوان غیر معمولی طور پر سنجیدہ بھی نظر آ رہا تھا اس نے نفضول باتوں کو نہیں پھیلایا اور مجھے بتانے لگا: ”یہ واقعہ محکمہ پولس کے لیے ایک ہنگامہ خیز واقعہ تھا۔ ہڈی کو اڑھائی میں ایک پھلجی جمع گئی تھی اور ایس، اپنی جعفر کو کسی نہر پر لے ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا۔“

”اس ایس، بی کا نام جعفر جس نے مجھے گرفتار کیا تھا؟“

”ہاں۔“

”اچھا، پھر تم نے کیا کیا؟“

”مجھے سب سے پہلے فکرو لاج ہو گئی تھی کہ یہ خبر اخبارات میں نہ آئے ہائے۔ یہ بڑی بڑی کی بات تھی کہ آپ کو ایک مفور ملزم گرد آجائے۔ مجھے اس فکرو کو ان کے سلسلے میں بہت بھاگ دوڑ کر پائی جہاں تک میں اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر سکتا تھا، وہیں لے گیا اور جہاں مجھے لے بسا کا احساس ہوا وہاں میں نے ان بڑے لوگوں کی مدد حاصل کی جو آپ کے دوست ہیں۔ بہر حال اس گم و دو کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کے کسی اخبار میں بھی وغیرہ نہ اسکی۔“

”تم نے ایک شاندار کارنامہ سر انجام دیا ہے۔“ میں نے رضوان کو تحسین آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ سب چکر کیا ہے؟“

”خان آف کالا گوٹ،“ میں نے ٹھنڈا سا اس کے کہہ کر کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال تھا۔“ رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ ”اور مجھے بھی یقین تھا کہ وہ دایک دن میں آپ کو پھوڑ بھی دے گا۔ اگر آپ حالات سے پریشان ہو کر اس کی بات مان لیں۔“

”کیا حالات بہت گھڑ چکے ہیں؟“

”در اصل آپ کی وہ تحریک آپ کے لیے پھنساؤ بن کر پڑ گئی ہے۔ وزارتِ سطح پہلی اس معاملے میں دلچسپی لے جا رہی ہے اور آئی جی کو براہِ راست حکم ملا ہے کہ آپ کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے۔ کسین بدستور ایس، بی جعفر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ غالباً خان آف کالا گوٹ کا خاص نمبر ہے۔“

”لیکن چیکری نے میرے خلاف رپورٹ کیسے کر دی؟“

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ رپورٹ کرنے والا نہیں ہے۔“

”پھر؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”وہ ارباب چیکری نامی ایک شخص ہے۔“

”وہ کہاں سے نکل پڑا؟“ میری حیرت پر اس نے

”میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ خان آف کالا گوٹ

ہے۔ چونکہ آپ نے مشتاق چیکری کو حوخط لکھا تھا

اسے صرف چیکری کے نام سے مخاطب کیا تھا لہذا اس

کسی بھی چیکری سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔“

”اوہ! میرے گھر سے اتنا ہی نکل سکا۔“

”سو اب آپ کا ایک حریف ارباب چیکری کی

”نہیں۔“ وہ ایس ایک مہر ہے، لیکن اس نے اس

بارے میں پولس کو کیا بتایا کہ میں نے نفیل رشا کو مار

کیا ہے؟“

”اس کا کہنا ہے کہ آپ نفیل رشا سے کچھ کاغذات

لینا چاہتی ہیں اور اگر ان کاغذات پر حوخط ہو گئے تو نفیل

و دجی کے کاروبار کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کی ملکیت

”کیا بچا نہ کمانا ہے؟“ میرا مذہب بن گیا۔

”در اصل اس سلسلے میں خان آف کالا گوٹ کو

سوچنے کا موقع نہیں مل سکا ہو گا۔“ رضوان نے کہا۔

”اب تک اس کے سامنے آیا اور اس نے اس خط کو آپ

استعمال کرنے کے لیے ارباب چیکری کو سامنے کر دیا۔

اسے مل نہیں سکا کہ وہ سوچ سمجھ کر ارباب چیکری سے

مضبوط بیان دلا سکتا۔“

”دفعہ میں نے چونکہ گھر پر بھی نہیں گنگو کر

اس منٹ کر گئے تھے اور اس سے پہلے بھی میرا کچھ وقت

گزر چکا تھا۔“

”مجھے یہاں سے فوراً رخصت ہو جانا چاہیے! میں

کہا اور تیزی سے کپڑوں کی الماری کا رخ کیا۔

”یا وحشت! آخر فوری رخصت کی کیا ضرورت ہے؟“

رضوان بولا۔

”خان آف کالا گوٹ کا مقصد مجھے پریشان کرنا ہی

”تو پھر؟“

”اب تک ایس، بی جعفر کو اس بات کی اطلاع دی جا

گئی ہو۔ وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتا

الماری سے اپنے کپڑے نکالنے ہوئے کہا۔

”اس ہڈی کو اڑھائی میں اپنے کچھ آؤں کو صرف

”میرا وہ لوگ مجھے فوراً فون پر اطلاع دیں

کہ کہ ملا وہ یہاں کا فون نہیں ہے دے دیا ہے۔“

”ایس، بی جب اس کی حوخط کو میرے بارے

”جا جائے تو وہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں ہو۔“

”اس وقت جعفر کو اپنے گھر پر ہی ہونا

”اس کے کرنے سے قبل اسے پولس ہڈی کو اڑھائی

”ہی پڑے گی۔“

”میک کر رہے ہو۔“ میں نے کہا لیکن ان کا

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

”میں نے پوچھا کہ پولس ہڈی کو اڑھائی میں

جھک، گونجنے لگی۔ میں ٹرین میں بندھی یا پشاور جا رہی تھی جب میری پہلی ملاقات غزال سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ تھی، کپڑا ٹیٹ میں تھیں، سوا کوئی تھیں، تھکے شیشے و چھل غزال کے باپ کی نصیحت زائل ہو چکی تھی، اس لیے ہم دونوں نے خود کو ایک لای محسوس کیا تھا اور ہماری تہائی تہائی ٹھیک ہوئی تھی۔ پھر کراچی میں غزال سے ملنا ملاقاتیں ہوئی تھیں اور اس آفت لڑکے نے میرے دو ایک اچھے کام بھی انجام دیے تھے لیکن جب میں تبت چلی گئی تو ملاقاتوں کا سلسلہ ایک طویل عرصے کے لیے ٹوٹ گیا۔ اس عرصے میں غزال کی شادی بھی ہو گئی۔ آخری مرتبہ میں اس سے کوئی چھ ماہ قبل ملی تھی جب وہ اپنے دو بچوں اور اکلوتے شوہر کے ساتھ انگریز پشائی گنگ کر رہی تھی۔

غزال کو دو بچوں کی ماں کے ٹوپ میں دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ ملاقات بہت سراسری سی تھی۔ کھڑے کھڑے چند باتیں ہوئی تھیں۔ غزال نے اپنے شوہر سے یہ انعام بھی لیا تھا اور اپنے گھر کا تاج بھی بتایا تھا کہ میں کبھی اس سے ملنے اس کے گھر آؤں۔ میں ایک مرتبہ گئی تھی لیکن گھر میں تالا لگا ہوا تھا اور میں تالے میں اپنا کارڈ اس کر مٹی آئی تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے غزال ہی کے گھر میں رہنا پڑے جو اب میرے خیال کے مطابق موجودہ حالات میں غزال ہی کا گھر میرے لیے محفوظ ترین ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے رضوان سے نیوٹاؤن چلنے کو کہا۔ غزال وہیں ایک چھوٹے سے خوبصورت بیگ میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر ایک غیر ملکی فرم میں چیف الاؤنٹ کے عہدے پر فائز تھا۔

”تم مجھے گھر کے دروازے پر پھونک کر بیٹے جانا“ میں نے رضوان سے کہا۔

”کیا کس بہت ہی خوبصورت لڑکی کا گھر ہے؟“ رضوان نے چہیتے ہوئے سے پوچھا۔

”ہاں خوبصورت تو وہ ابھی ہے لیکن اب وہ لڑکی نہیں عورت بن چکی ہے۔ دو بچوں کی ماں بن چکی ہے“

”لا حول و لا قوت! پھر بھی آپ نے اس کے گھر کا انتخاب کیا ہے؟“

”وہ دو چھوٹے چار بچوں کی ماں بن جائے، تو بھی اس سے میرا لگاؤ ختم نہیں ہو سکتا“

”آپ کا لگاؤ ہے یا مرئیس؟“

”اگر دوسری طرف خود غزال کا غھر شامل ہمیشہ قائم رہتا ہے۔“

”کیا موجودہ حالات میں آپ کو یہی سہم“

”کیا مطلب؟“

”یہ ایس، اپنی جعفر کے بچہ سے کہ ہمارا یہی سب کچھ جو جسے کہہ میں نے ایک“

”کیسے؟“

”غزال کا ٹیلیفون نمبر مجھے یاد نہیں رہا...“

”میں تمہیں فون کر کے غزال لاؤں گا۔“

”تم بھی ضرورت پڑنے پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکو“

”وہ بچے کے سامنے موٹر سائیکل روک لینا“

”رضوان نے رتنا کر تم کا شروع کی اور مال روک دی۔ وہ مین پھاٹک کے سامنے رکا تھا۔“

”کی حکایت تھی۔ میں موٹر سائیکل سے اتر گئی اور م کرد۔ میں دیکھ تو لوں کہ وہ ہے یا نہیں۔“

”میں نے کال بیل کا بزن دیا اور انتظار کر کے گزر جانے کے بعد میں پھر بزن دیا اور پھر پھر“

”جانب درموں کی آہٹ سنائی دی۔ آہٹ سے“

”کون ہے؟“ اس نے پھاٹک کھولنے سے“

”بھائی کو کھولو! میں غزال سے ملنے آئی“

”یقین تھا کہ عورت کی آواز سن کر وہ شخص کس حد کا خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔“

”بھائی کھل گیا اور میں نے ایک لمبے نرنگے جواکے ہاتھ میں لاسٹی لیے ہوئے تھا۔ غالباً وہ چوڑا“

”نے استعجاب اور سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔“

”نے رضوان کی طرف بھی ڈاٹھی۔“

”غزال ہے؟“ میں جو کچھ اسے مخاطب ہوئی“

”بیگم صاحبہ تو مکیں...“

”ظاہر ہے کہ سوسری ہوئی گی؟ میں نے اس کا“

”ہوئے گا۔ تم انہیں جکاؤ۔ میں دوسرے شہرت آئی“

”بتاؤ کو بھیجوا آئے ہے“

”اب جو کچھ لڑنے ایک مرتبہ میرے اٹیچی کیس کی“

”اے یقین لگ گیا ہوگا کہ میں بروڈی شہر سے آ رہی ہوں۔“

میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ میرے سونے کا بندوبست کرے لیکن وہ منتقل باتیں کیے جارہی تھی۔ ماضی کی جانے کتنی باتیں اس نے دہرا ڈالیں۔ بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو میرے جذبات میں کوئی آثار چھوڑ پھینکا کرتی تھیں اس رات میں اتنی پریشان تھی کہ صبح طور پر غزال کی باتیں سن بھی نہیں رہی تھی۔ آخر اس نے بھی میری اس کیفیت کو محسوس کر لیا اور بولی کہ کیا بات ہے باؤ! آپ کچھ پریشان ہیں؟“

”پریشان؟ نہیں تو! دراصل اب میں سونا چاہتی ہوں بہت تھی ہوئی ہوں“

”اچھا آپ ایک پانچ منٹ بیٹھی! میں آپ کے سونے کا بندوبست کر کے بھی آئی ہوں“ اس نے چٹکی بجا دی اور اٹھ کر چلی گئی۔

پانچ منٹ بعد کہ جب وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس نے وہ پانچ منٹ کیوں لیے تھے۔ اس دوران میں اس نے ضروریات کی تمام چیزیں اس کمرے میں رکھ دی تھیں حتیٰ کہ شراب کی ایک بوتل اور گلاس بھی سرایے موجود تھا۔

”یہ تمہارے گھر میں کہاں سے آئی؟“ میں نے تہمت سے پوچھا۔

”آپ کے رقیب صاحب بیٹے ہیں؟“ وہ ہنسی۔

”میں کچھ ہی گراں نے رقیب کا انفلکس کے لیے اور کیوں انتقال کیا تھا۔ مجھے بھی اس کے ساتھ ہنسی لگئی اور میں نے اس کے کھال پر بڑے زور سے چٹکی لی۔

”ہائے مر گئی“ اس نے مسکراہٹ سے لے کر کہا۔

”اچھا اب دفع ہو جاؤ“

”شب بخیر“ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور کمرے سے چلی گئی۔

میں نے دوا زہ بند کیا اور بستر پر جا کر ڈھیر ہو گئی۔ نیند لا تو ابھی میری آنکھوں میں شائبہ تک نہ تھا۔ میں تو دراصل اس بات کی مہلت چاہتی تھی کہ کچھ سوچ سکوں اور آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کر لوں۔ اس مرتبہ میں ایک ایسے آدمی سے ملنا لگتی تھی جس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے احتیاط سے قدم اٹھانا ضروری تھا۔ ہر چند کہ میں ڈاکٹر فونگ اور اس جیسے بہتر سے خطرناک لوگوں سے ٹکرا چکی ہوں لیکن خان آؤن کا لاگوٹ کی بات بہت مختلف تھی۔ وہ میرے ملک کا ایک معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اسے مجرم قرار دے کر پولیس اس کے لیے گرگڑاں نہیں تھی۔ اس کے برعکس اس نے اپنے حالات پیدا کر دیے

تھے کہ میں خود پورس سے جان بچائے پھر رہی تھی۔

دس پندرہ منٹ بعد میں بستر سے اٹھی اور میں نے ایک پیگ بنا کر پیا۔ یہ کام تو غزال نے بہت ہی عمدہ کیا تھا۔ ایک پیگ فی کس میں خاصی حد تک بڑا سکون ہو گئی اور سو جتنی رہی کچھ آئندہ نکار نہ ہوگا۔ سوچتے سوچتے مجھے چار بج گئے لیکن بالآخر میں ایک لمحہ عمل بندے میں کامیاب ہو گئی۔ اب نیند بھی میری آنکھوں میں آ رہی تھی۔ میں نے نصف پیگ اور پیا جس کے بعد مجھے فوراً نیند آ گئی۔

جب میں جاگی تو میں نے دیکھا کہ گھر کی کڑی کے راستے سے کمرے میں خاصی دھوپ پھیل گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد چلا ہے۔ میں نے گھر کی دیکھی تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ بارہ بج رہے تھے۔ میں جلدی سے اٹھی اور غزال کو بکارتے لگی۔

جب غزال کمرے میں آئی تو میں آنکھیں نکال کر بولی "عفتب خدا کا بارہ بج رہے ہیں۔ تم نے مجھے جگا یا کیوں نہیں؟" "رات آپ بہت تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ آپ کو پوری نیند لے لینے دوں۔ بس آپ جلدی سے غسل کر لیں اور یہ بتا دیں کہ ناشتے میں کیا سبب کر گئی؟" "اب ناشتے کا وقت کہاں ہے؟ بس کچھ ایسا بنا دو بھت کر دو کہ ناشتہ بھی ہو جائے اور کھانا بھی؟" "ایسا ہی ہو جائے گا۔"

اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب میں غسل کر کے کپڑے تبدیل کر کے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو قلعہ پوری اور آؤ کی تکراری دھجھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ یہ چیزیں میں نے غرض سے نہیں کھائی تھیں۔

غزال میرے دائیں ہاتھ کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے ڈیڑھ سال بیٹے کو اپنی گود میں لیے ہوئے تھی۔ میں تجھے کو اس کی گود سے کہ پیار کرنے لگی تو غزال نے کہا "آپ کو بچے پچھے لگتے ہیں؟"

"صرف دوسروں کے؟" میں نے ہنس کر کہا "اور وہ بھی صرف اُن کے جن سے کوئی گراؤ نہ ہو۔ تمہارا دوسرا بچہ کہاں ہے؟" "وہ بچہ نہیں بچا ہے۔ صبح اسکول بس آ کر اسے لے جاتی ہے اور ڈیڑھ بجے تک واپس چھوڑ جاتی ہے؟"

"اور تمہارے شوہر تاملار؟"

"وہ دنگھے۔ ان کی واپسی شام کو ہو گی۔"

"گھر میں کوئی ملازم نہیں؟"

"بس ایک چوکیدار ہے جو دن میں گھر کا دھار مطلب کہ جب تک میرے شوہر تاملار نہ آجائیں رکھتے ہوئے ڈارنگ روم ہے عجیب خوفناک دار ہیں ان ملازمین کے وجہ سے احوال ملازمین کا بد باعث گھر کا سارا کام مجھے خود ہی کرنا پڑتا ہے۔" "تم کھانا واقعی مزے کا کھاتے لگتی ہو؟"

تکراری کام دہرائتے ہوئے کہا۔

غرض کہ یہی اسی اور دھار کی باتوں میں آئی۔ سبھی پی پی اور پھر غزال مجھے لکڑیا رنگ رنگ رنگ رنگ موجود تھا۔ میں نے وضو کر ڈنگ کیا لیکن دوسری رہی۔ وضو نہ کیا کھانا کھانے گیا تھا۔ میں نے کمرے کا فیصلہ کر کے رسیوں رکھ دیا۔ اس سے کھانا اترتا۔ اس سے بات کر کے مجھے ایک کمرے کی تھی اور کچھ پروگرام لے کر تھے۔

وقت گزاری کے لیے میں نے غزال سے اس بارے میں باتیں شروع کر دیں اور غزال نے اپنے تجربات بیان کرنا شروع کیے کہ وقت کا پتہ نہیں کھانا سلسلہ اس وقت آدھا جب باکس گاڑی کے کمرے میں انجن کی آواز سے تپا چلا رہا تھا کہ وہ دین لہری اس آواز کو سنتے ہی غزال جلدی سے اٹھی اور پکلی کی طرف ٹپکی دو نشانہ آ گئی۔

اس کی لڑکی کا نام ہینڈ تھا جسے وہ پیار ہوا وہ دروازہ کھول کر باہر گئی تو میں رسیوں کے نر پڑاؤں کے لئے گئی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی میں ہینڈ کا انتظار کرتی رہی لیکن دوسری طرف ابس گھنٹی بجی ابھی تک اپنے ٹیبلٹ میں پہنچا تھا میں نے سوچا کہ ملازم سے استفسار کروں لیکن ہے وضو نہ لے کر کوئی پیغام چھوڑا ہو۔

میں ابھی اپنے اس خیال کو عملی جامہ نہیں غزال ایک پیاری سی بچی کو لیے ہوئے ڈرائنگ روم نے اس کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ "بانو! یہ ہے میری بچی؟" غزال نے کچھ ایسے

"بانو! یہ ہے میرا خداداد!"

پہلے بغیر وہ سکی کرمان کے جذبات کتنے عجیب

"میں نے پہچان لیا ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا "ابھی چھ پہلے ہی تو اسے دیکھا تھا، جب تم الٹی پرٹ اپنگ... ہاں! وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" "اور انھیں سلام کر دو؟" غزال نے اپنی کچی سے کہا "زیادہ ملاؤ!"

غرض کہ یہی اسی اور میں نے اسے اٹھ کر اپنی گھونٹ بھالیا۔ اس بات سے کراڑی تھی میں نے اسے "اور پھر نظر سے ہونے لگی۔ بڑی پیاری بچی ہے۔۔۔ توت۔۔۔ میرے کٹ کر رہ گئے۔

ان کی پشت بڑا دروازہ اندر سے بند کئے خان آٹ کالاکوٹ اس کے ہاتھ میں لیے ہوئے ریو لو کی نال ظاہر ہے کہ ان اٹھی ہوئی نہیں ہوگی۔

میں نے میری بڑی ہونے کی کیفیت کو محسوس کیا اور بھی سمجھ میں نہ آتا کہ میں نے دیکھ رہی ہوں۔ اس نے جلدی سے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے ایک مذہم چیخ نکل گئی۔ "بانو! خان آٹ کالاکوٹ غزال اس نے غزال کی طرف دیکھ کر ہنس دی تھی "تم نے دیکھ لیا کہ تم کہیں بھی مجھ سے مل سکتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بڑی مشکل سے ایک پہنچ سکا ہوں۔ یہاں پورس بھی آسکتی تھی لیکن میں یہاں آئی ہوں کہ تم سے اپنے آدمیوں کے بارے میں پوچھ لیکر راجا مارا دھار بری کہاں ہیں؟"

مجھے کیا معلوم؟ میں اس کے سوال پر ہنسی تھی۔ "راجا مارا سے کام نہیں چلے گا بانو! خان آٹ کالاکوٹ ابھی نہیں کہا یہ میں اپنے آدمیوں کو قاتل آسانی سے صبر ممکن۔ تم نے آج صبح پانچ بجے ان دونوں کو ان کے گھر لے آکر کہا ہے؟"

میں خان کے ریو لو سے قلعہ غزال سے نہیں تھی لیکن وہ الزام لگا رہا تھا میں اس پر حیران مزہ تھی۔ دوسری طرف غزال کا حال بہت خراب تھا۔ وہ ایک موفے لارچ ڈیسک پر گھٹی تھی جیسے اس میں کٹھن ہونے کی سکت

ہی رہو۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید چڑ گیا تھا۔

"جواب دو بانو! خان آٹ کالاکوٹ پھر غزال میرے

دونوں آدمی کہاں ہیں؟" "میرا خیال ہے کہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں۔ میں نے آج صبح سے کہا۔

"میں یقین کے بغیر کوئی بات زبان نہیں لانا۔ خان کاموڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ میں اس سلسلے میں تم سے بحث کروں۔ میرا فیصلہ ہے کہ اگر تم نے

میری بات کا ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دیا تو میں صحت چھین اس گھر سے نکال لے جاؤں گا اور اس کے فوراً بعد میرے آدمی اس گھر پر گرنیڈز کی بارش کر دیں گے۔ یہ کام میں نے جانے کا ہے۔ یہ عورت! اس نے غزال کی طرف اشارہ کیا "اور اس کے دونوں بچے اس بلے میں دب جائیں گے۔"

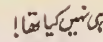
"نہیں! غزال کی آواز کانپ گئی۔" "خان نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، بدستور مجھے گھورتا ہوا بولا "اگر تمہیں اس عورت اور اس کے بچوں سے ڈر ہے پھر وہی ہے تو مجھے بتا دو کہ میرے دونوں آدمی کہاں ہیں؟"

یہ صورت حال ایسی تھی کہ میں چکر کر رہی تھی۔ مجھے محسوس تھا کہ صابری اور شکیار راجا کو مکان غائب ہو گئے ہیں اور خان یہ کیوں سمجھ رہا ہے کہ انھیں میں نے اغوا کیا ہے؟

خان کاموڈ بھی بے حد خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے کچھ کہا ہے اس پہلے بھی گزرتے گا میں خود تو غیر قسم کی صورت حال سے منہ بے تیار رہتی تھی لیکن یہ سنگین موقع ایسا تھا کہ خوالا اور اس کے محسوس ہونے کی جان پرانی تھی میں اس موقع پر اپنی زندگی تو داؤ پر لگا سکتی تھی مگر ان محسوس زندگیوں سے مکمل جانا میرے بس نہیں تھا۔ انھیں بچانے کی خاطر میں خان کو اس کے دونوں آدمیوں کے بارے میں بتاؤ دیتی لیکن مشکل تھی کہ مجھے خود ہی ان دونوں کے بارے میں میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

خوالہ کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی تھی لیکن اس کے دونوں محسوس بچے اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی زندگیاں کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔





کہنے میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں تھی لیکن اس سے
 عین قدم اٹھائی، میں نے خان کے عقب میں دروازے
 پر وہاں مجھے ایک ایسی شکل نظر آئی کہ میں وہ صوب
 گزرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
 خان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ٹیگ رگڑ دیا۔
 کہتے ہیں جتنی کل اور ادھر چھوڑیں لگا بیٹھے کسی دیوار
 قطب شمالی کی تہائی کی نسبت پورے اکا جوڑ کا کریمیری
 پایو۔

یہ دلوں کی نال سے گولی کی بجائے سڑی رنگ کی ایک
شہر اور میری پیشانی سے ٹکرا رہی تھی۔
پیشانی پر ٹھونڈا ہکا جوا احساس ہوا تھا، وہ برقی عزت
میں حسین میں پھیلتا چلا گیا۔ میں ہاتھ پیر والے اور سوچنے
میں نہیں رہ گئی۔ اس ٹھونڈے سے ملاوٹا بجلی جیسے
ملاوٹا برقی رنگ تھا۔ میری ناگوں میں اتنی جان بھی نہیں
کھڑی رہ سکتی۔ میں گر پڑی۔ میری آنکھیں اس وقت
میں تھیں اور میں سب کچھ دیکھ رہی تھی لیکن دماغ
کے باعث میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا دیکھ
رہی تھی۔ آواز میں بھی سن رہے تھے لیکن میری سمجھ
بانتھار گیا۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ یہ میرے لیے ایک
بے تجربہ تھا۔ وہ بیوقوفی نہیں تھی لیکن بیوقوف
بات میں تضاد کسی لیکن میں اپنی اس کیفیت
پر نہیں لکھ سکتی۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں
کہ اس کیفیت کا احساس دلا سکیں۔

ابو حال کب تک رہا؟ اس کا اندازہ بھی مجھے اس
کب میری وہ کیفیت ختم ہوئی۔ اُس وقت میں ایک کرا
میں لیکن خواب گاہ کی فضا پر گرام دھیں تھی۔ شد
یا جسم لینے پسینہ پور ہوتا۔
موان کو میں نے اپنے قریب ہی بیٹھنے ہوئے دیکھا اس
یت میں تبدیلی محسوس کی تو فوراً پوچھا۔ ”اب اس
سوس کر رہی ہیں؟“
جواب بالکل ٹھیک ہوں۔ میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
پاکوئی جھوٹے جہنم؟“
اب کو جلد از جلد معمول پر لانے کے لیے اس کمرے کو مینڈ
میں نے جواب دیا۔ ”میری حالت بھی نو دیکھیے۔“

پینے کے باعث رنوناں کی قمیص بھی اس کے جسم سے چپک ہوئی تھی اور چہرہ بھی پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کہنے سے اٹھتا ہوا بولا: "آئیے! اس کمرے سے نکل چلیے! ادھر ہیں آپ کے سینڈل؟" میں بستر سے اتر کر سینڈل پہن کر رنوناں کے ساتھ تھیں۔ اس کمرے سے نکل آئی۔ یہ عمارت میرے لیے قطعی اپنی تھی۔ اگر میں نے کبھی ایک بار بھی یہاں قدم رکھا ہوتا تو میں اسے نہ بھولتی۔ اُس جتنی کمرے سے نکل کر مجھے سکون کا احساس ہوا۔ رنوناں مجھے ایک بار کمرے میں لے گیا جو ڈرائنگ روم کی طرز پر سجایا ہوا تھا۔

”رضیہ کہاں ہے؟“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 وہ رضیہ ہی تھی جسے خان آف کالا کوٹ کے عقب میں ایک
 کمرے میں حیران رہ گئی تھی اور خان کے اس عجیب و غریب بیوہ اور
 سے نکلی ہوئی مسرورہ نے مجھے شل کر کے رکھ دیا تھا۔
 ”وہ ادھر گئے کہ اندر اندر یہاں پہنچ جائے گی،“ رضوان
 نے کہا اور ایک کانس پر رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھا کر کسی کے نمبر
 ڈائل کرنے لگا۔ میری نظر اس پر جمی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کہتے سنا۔
 ”جو رضیہ... ہاں... باؤ کی حالت بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔“ پھر وہ
 چند لمحوں تک دوسری طرف سے کی جانے والی بات سناتا رہا۔ آخر
 میں اس نے ”اچھا،“ کہہ کر لیسیور رکھ دیا۔ ذرا دیر میں طرف مڑ کر کہہ لیا۔
 ”ایک بہت عجیب و غریب اتفاق ہے۔“ میں نے ٹھنڈا سا سانس لیا۔
 ”کہہ سکتا ہوں؟“

”یہ دوسرا موقع ہے جب رضیہ بلزلی سے یہاں اس وقت آئی ہے جب میں ایک نصیحت میں گرفتار تھی“ ایملے کا اور پھر بولے۔
”اس وقت وہ کہاں ہے؟“

”اب تو اس نے... میرا مطلب ہے میرا خون ملنے کے بعد اس نے خان آف کالٹ کو چھوڑ دیا ہو گا لیکن اس سے پہلے وہ خان کے سر پر مسلط رہی ہوگی۔ خان نے بتایا کہ اگر آپ کو گروم نضا میں رکھا جائے تو آپ اچھے گھنے کے اندر اندر معمول پر آجائیں گی ورنہ ٹھہرائی تین گھنٹے بعد جس لوگ اسکے مین لڈا میں آپ کو لے کر مہار آلیگا۔ آخر آپ اس وقت کیا محسوس کر رہی تھیں؟ آپ کو پہونچ تو نہیں کہا جاسکتا لیکن آپ کا جسم بالکل سبب حرکت ہو گیا۔

”میں صرف جسم بلکہ میری حیاتیات سبھی متنبہ ہو رہی ہیں۔ میں
میرے دماغ نے سب کچھ کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کوئی جدید ترین پتھر

غزل آدم بخود بیٹھ پڑی تھی، اب تک اس
لفظ بھی نہیں نکلتا۔ وہ کہیں مجھے اور کسی فاقہ خان کا
جاری تھی، اس سے دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں
تھا، جیسے انھیں دینیک کی تمام فاقہات سے بچالینا چاہتا
"خان" میں فاقہات پر دانت جھاکر بولی "اور
پہنچا تو یقین جانو کہ تم جیسا ایک بڑے عذاب سے نہ
"خدا کی عذاب" بلکہ ان تھوڑا سا انداز میں
"ہاں" میں نے بڑے یقین سے کہا "میں کب
ہوتا ہے لیکن اس کے ظاہر کی دسالی کچھ اور ہوتے ہیں
سے دو جاریہ بنائے گا" اس کا وسیلہ میں بنوں گی
ہاتھوں سے اسی دنیا میں غارت ختم کان نہ بننا چاہے
"خود غلوں میں ایسا نہیں کروں گا، خان مینا اور
"میں نے تو تمہیں گولی ماروں گا، ان تینوں کو" لیکن
منزور سے جاؤں گا۔
"فولے چلو!" میں نے بظاہر طے سکون سے کہا لیکن
پر میں بے سکونی کا شکار تھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
اتحاد کے ساتھ مجھے یہاں سے جانے کا لاؤ گی کیسے کہ
اس کے ذہن میں کیا تدبیر ہے؟ کیا وہ اپنے آدمیوں کو
مجھے جبراً اٹھانے جانے کی کوشش کرے گا؟
"میں تمہیں سوچنے کے لیے آخری دس سیکنڈ
نے ایک باجی، میں گڑبگڑا ہوا ہوں، اس نے اپنے
الکل سبھا کر دیا۔

اب مجھے بہرا لہجہ درپیش تھی۔ خان نے کہا: تم کو
 مارے گا لیکن ریوا کو سیدھا کر کے نالایق بنا دے گا۔
 کہنے کا ارادہ کر چکا ہے۔
 ”پانچ سینکڑ کرکے ہیں“ خان بولا۔
 اُس وقت غزالے نے پہلی مرتبہ زین کو اس کی
 رہی تھی۔ اس نے کہا: ”بانو آپ... آپ چل جائے!“
 میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ موقوف البیاض
 میں خطرناک ترین قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکی تھی اور وہ
 میں وصول سینکڑ ختم ہونے سے پہلے خان پر جھپٹا اور
 نتیجہ کبھی نہ نکلا!
 ”آٹھ سینکڑ“ خان بولا۔

خان آف کالا گوٹ کے گمشدہ آدمیوں کے بارے میں، لیکن بنیادی
سے سوچنا چاہی جی تھی کہ انھیں کون خائب کر سکتا ہے لیکن مجھے اتنی
مصلحت ہی حاصل نہیں تھی کہ میں اس پر غور کر سکتی۔ خان آف کالا گوٹ،
جس کا نام درماں کلٹر کھجور جیسا پائے گا، کو کوشش کر رہا تھا اور نتیجہ
میں میرے ذہن پر صرف یہ پریشانی مسلط تھی کہ میں اپنے خطرناک حالات
میں غزالہ اور اس کے بچوں کے لیے کیسے کر سکتی ہوں۔

خان آف کالا کوٹ نے اپنی فطرت پر ایک اعلیٰ سی نظر ڈالی اور بولا: "تو اب دینے کے لیے تم کسی مصلحت پرستی ہو؟"

"اگر تمہارے وہ دونوں آدمی غائب ہو گئے ہیں تو تم نے کیوں سمجھ رہے ہو کہ انہیں میں نے غائب کیلئے؟"

”یہ تمہاری شہنائی کا رووائی ہے“ خان نے کہا: ”میں نے تمہیں قانون کے جال میں پھنسا دیا ہے لہذا تم نے یہ جوابی کارروائی کی ہے“ ”تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ مجھے تو اپنی سہلت ہی نہیں۔“ ”سب سے پاس صاف کرنے کے لیے بالکل وقت نہیں ہے“ خان نے غرا کر میری بات کاٹ دی۔ ”میں تمہیں ایک منٹ کی سہلت دیتا ہوں۔ اگر تم نے جواب دے دیا تو ٹھیک“ درز میں وہی کروں گا جو کہہ گا ہوں۔ میں تمہیں اس مکان سے نکال کر لے جاؤں گا اور اس کے راجعہ یہ مکان گینڈ پڑے سے اڑا دیا جائے گا۔ ان تینوں افراد کی موت دوتے وار ہو جی“ خان کا اشارہ غرا اور اس کے بچوں کی طرف تھا۔ ”تم مجھے یہاں سے جبراً نہیں لے جا سکتے“ میں نے بڑے سکون سے کہا: ”تم زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو مجھے کوئی مار دو لیکن میں اس

”تم نے ٹھیک سمجھا۔ خان آف کالا کوٹ نے زیرِ خد کیا میں
میں گئی نہیں اس کو سکتا“

”لہذا تم مجھے ہمارے لئے جاسی نہیں سکتے!“
 ”تمھارا یہ خیال بالکل غلط ہے، جمعیں میرے ساتھ چلتا ہوگا اگر
 اس کے لیے آمادہ ہوئیں تو میں جمعیں تو نہیں مگر ان نئیوں کو تمھاری
 اہوں کے سامنے گولی مار سکتوں۔“

میرے اعصاب کو ایک جھٹکا سالگا۔ میں نے اس پہلو پر توجہ نہ دی۔

بہ جو خان آت کا لاگوٹے نے مجھ پر استعال کیا اور اس کی یاری دہ سے اس میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ خان کے پس پشت کوئی غیر ملکی طاقت کام کر رہی ہے۔ ہمارے ملک کی ٹیکنالوجی تو ابھی اتنی آگے نہیں بڑھی کہ اس قسم کی کوئی دریافت کر سکے، میں نے جواب دیا اور پھر دفعہ اگلے ایک بات یاد آئی۔ میں نے کہا ”غزالہ کے گھر کے باہر خان کے آدمی بھی موجود تھے؟“

”ہاں، رضوان نے سہرا لگا کر کہا، انھیں رضیہ کے آدمیوں نے قابو میں کر لیا تھا۔“

”اوہ اکیا رضیہ اکیلا نہیں ہے؟“

”نہیں، رضوان نے جواب دیا، کئی برادر ملین اس کے ساتھ آئے ہیں مجھے تو وہ ریڈانڈنٹ معلوم ہوتے ہیں۔“

”وہ کون کون سے ہیں؟“

”کل جب میں آپ کو خزانہ کے گھر پہنچا کر اپنے فلیٹ پہنچا تو مجھے اس کی ٹیلیفون کال ملی۔ وہ مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کر رہی تھی۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کتنی بیہودہ بات ہے کہ محبوبہ اتنے دن بعد طے اور محبوب کے بارے میں بات کرنے کی بجائے محبوب کی ہونے والی سالی کا ذکر کرے بیٹھے۔ بہر حال میں نے ضبط سے کام لیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے فلیٹ پہنچ جائے تو تفصیل سے بات ہو چنانچہ وہ فوراً میرے فلیٹ پہنچ گئی۔ طویل بولائی کے بعد میں اس ملاقات میں ایک ووٹ گاٹنے کے موڈ میں تھا لیکن یہ بات! خدا ہی محبوبہ کو شوق کو بھی نہ دے۔ وہ آپ کے ملاوہ کوئی بات کرنے کے کووٹیں نہیں تھی۔ مجھے بتانا ہی پڑا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس کے بعد مجھے سہرا پس منظر سے بیان کرنا پڑا۔ سب کچھ سننے کے بعد وہ دانت پیس کر بولی، میں اس خان کے بچے کو تنہی کا ناچ نچا دیوں گی۔“

”چنانچہ اس نے سب سے پہلے ٹھیکیدار جامو اور صاحبہ کی پر

چھاپا مارا؟“

”ہاں، مگر آپ کو کیسے معلوم؟“ رضوان نے حیرت سے کہا۔

”خان آت کا لاگوٹ مجھ سے انہی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انھیں میں نے غائب کر دیا ہے، میں نے بتایا اور پھر پوچھا میری عادت کس کی ہے؟“

میرے ایک دوست کے لیے جو سیاحت کا بہت شوقین ہے اور جب بھی سیاحت پر روانہ ہوتا ہے تو اپنے گھر کی چابی مجھے ہی دے جاتا ہے۔ وہ دما سے یہ چابی میرے پاس بڑی ہوتی تھی۔ اب رضیہ آئی تو اس کی رہائش کے لیے میں نے اسی جگہ کو انب جانا۔

موجودہ حالات میں اس کا آپ کے گھر میں رہنا سہا

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تم نے“

فوری طور پر باخبر نہیں کیا؟“

”یہ آپ اپنی لاڈلی بی سے پوچھیے گا۔“

مناستے ہوئے کہا۔ انھوں نے ہی نہ مانا۔

ڈرامائی موقع یہی بہرہ باری کے سامنے جانا چاہتا تھا۔

”اچھا، میں ہنس پڑی، اس کا بچپن سہرا

”جی ہاں، رضوان منہ بنا کر بولا، وہ سہرا

کی ہیں۔ باقی کل بڑے ایمپٹیشن ہیں۔“

”فضول گئی ہے اجتناب کرنا کیسے؟“

ٹھیکیدار جامو کہاں ہیں؟“

”اسی گارت کے ایک کمرے میں قید ہیں۔“

”ان سے کچھ معلومات بھی حاصل کریں؟“

”کچھ خاصی تو نہیں۔“

”عام ہی بتاؤ؟“

”ٹھیکیدار جامو نے اس بات کا اعتراف کیا۔“

اس کے ٹرکوں کی نقل و حرکت بڑی پرسرار ہوئی۔“

کہ خود اسے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے ٹرکوں میں،

پہنچایا جانے والا مال کس قسم کا ہے۔ اسے صاحبہ

ملاکرتی ہیں کہ فلاں جگہ سے لکڑی کے اتنے کس، فلاں

فلاں جگہ پہنچانا ہیں۔“

”یہ بات اس نے صاحبہ کی سانسے بتائی تھی۔“

”نہیں، رضوان نے جواب دیا، ہم نے انھیں

سے الگ رکھ کر پوچھ گچھ کی تھی۔“

”گڈ!“

”پھر جب صاحبہ سے پوچھ گچھ کی تو اس نے سہرا

کیا کہ وہ ٹھیکیدار جامو سے کام لیا کرتا تھا۔ پھر جب

کرنا بری سے کہا کہ وہ اسمگلنگ کر لے گا تو اس

بھی کر لیا کہ اس کی لاپٹیں جلتی ہیں۔ اس نے یہ بھی بتا

سے وہ خود اسمگلنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ اس نے اپنی

اسمگلنگ کو کر کے بیرونی دکانوں میں رکھ دی ہیں۔“

”وہ بڑا اسمگلنگ کون ہے؟“

”یہ صاحبہ ہی نہیں جانتا۔ کم از کم اس کا کہنا ہے

کوئی نہ پھر ہدایات ملتی ہیں کہ فلاں وقت پر اتنی لاپٹیں

اپنے آدمیوں کو دے دیتا ہے۔ پھر جب

تجربے میں تو کچھ نامعلوم افراد لکڑی کے ٹرے

س لاپٹوں پر بار کر دیتے ہیں۔ لاپٹیں وہ پاس

اصل برادر دیتی ہیں۔ اس وقت صاحبہ کی کوہ

وہ تمام پاس مسائل سے اٹھو اور فلاں جگہ پہنچا

اس کام کے لیے صاحبہ، ٹھیکیدار جامو سے کام

لے کے پاس کوئی جواز بھی ہے؟ یہ سوال کرتے

ہم دہ کر رہے تھے جہاں میں ایک رات قید رہی تھی

ہنا چلتا تھا کہ اس کی جہازیں رہی تھی۔

اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میرا خیال

جہاز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ خفیہ طور پر لاپٹیں

ہے اور ایک کڑی جہاز کا مالک ہونا دوسری بات!

حکومت کی نظر میں نہ رہا ہوتا۔“

کی ان باتوں کے جواب میں خودی طور پر کچھ نہیں

بیہودہ جہاز خان آت کا لاگوٹ ہی کا ہو سکتا

سے میں معلومات حاصل کرنا پڑی گی۔

”میں صاحبہ سے کیا بتایا؟“

میں ٹھیکیدار جامو کا بیان سہرا کہ وہ محض ایک

ہا کہ کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھی اور ٹھیکیدار

ملاؤ کی جان بچانے کے لیے مجھے میں شامل

کی تھیں۔“

”میں وقت پر وہاں کیسے پہنچ گیا؟“

”اس ٹرک میں موجود تھا جس سے شکیل کی کارڈ لڑی

اٹھ کر سہرا تر کو واپس آیا تھا اور واپس آنے

مگر غلط گواہیاں تیار کر سکے۔“

”ہل درست ہی ثابت ہوا۔“

”جی ہاں۔“

”بلکہ میں جتنی بھی کامیاب نہیں ہے۔“

”میرا جامو کے بیان سے تو اس خیال کی تصدیق ہی

ہے کہ کیا لیکن کیا ان دونوں کے بیان کے ایک

اہم کتبہ ہے؟“

”میں معاملے میں مجھے ٹھیکیدار جامو کا بیان

ہم دہتا ہے لیکن باقی باتوں میں کوئی ٹرک بھرتی

ہے۔ اس کے بارے میں جہاں ٹھیک کرنا پڑے گی؟“

”وختہ لیکڑی سبیل کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور رضوان

بول پڑا۔“ لیجیے! آپ کی لاڈلی انگلیں!“

اسی وقت دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آئی۔

”باجی!“ وہ جذباتی انداز میں تقریباً چیختی ہوئی میری طرف

آئی اور قریب آکر میرے گلے میں جھول گئی۔

”میں نے اس کی پیشانی چومی اور پیٹھ تھپکنے لگی۔

رضوان ٹھنڈا احساس لے کر بولا، ہاشم کوئی اس طرح

ہمارے گلے میں بھی جھول سکتا۔“

میں نے اس کی ”بکواس“ کی طرف دھیان نہیں دیا اور کچھ

دریغ رضیہ سے مرنے ایسی باتیں کرتی رہی جن کا موجودہ معاملات

سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس دوران میں رضوان منہ نیلے بیٹھ رہا۔

کچھ دیر بعد میں اصل معاملے کی طرف آئی اور میں نے

اس سے پوچھا کیا تمھیں میرا ٹھیکہ مل گیا تھا؟“

”جی ہاں، رضیہ نے جواب دیا۔“ اسی لیے تو میں اپنے ساتھ

کئی آدمی بھی لے کر آئی ہوں۔“

”حضرت داغ کی خاطر،“ میں نے مسکرا کر رضوان کی طرف

اشارہ کیا۔

”جی ہاں۔ آپ کے ٹھیکہ گرام سے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا

جیسے کسی نے ان کو گیارہویں آسمان پر اٹھا لگا دیا ہے۔“ رضیہ

نے ضرورتاً آمیز نگاہ سے رضوان کی طرف دیکھا۔

”آپ کی بکا سے!“ رضوان نے منہ بنا کر کہا۔ میں گیا ہوں

آسمان پر لٹکایا تخت الشری کی گیارہویں پرت میں، آپ تو

بس ہلزلہ کی ہمارا ٹوں پر کو دوٹی پھر رہے۔“

”اعتراض کو دوسرے پہلے یا بازیل پر!“ رضیہ ہنس کر بولی۔

”اعتراض! کت تیسری بات پر ہے۔“

”یعنی؟“

”حمہ ان ہمارا ٹوں پر کو دوٹے ہوئے وہ کانا نہیں لایا ہو

گھا کہ آئے موسم رنکھلے سہرا، تو چھٹی نے کر آجا مالما!“

”میں یہ کیسے کاسکتی تھی؟ وہاں کا موسم ہرگز سہرا مالما لگلا

نہیں تھا۔“

ان دونوں میں چونچیں لڑنے کا یہ سلسلہ دراز بھی ہو

سکتا تھا مگر اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رضیہ نے جلدی

سے رسیدور اٹھا لیا اور داغ تھپس میں بولی ”ہیلو!۔۔۔ ہاں

میں ہی بول رہی ہوں... گنگا! تم نے ایک عاقبت اندیشانہ فیصلہ کیا ہے خان!"

میں غور سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ میرے انداز سے کے مطابق وہ خان آف کالا گوٹ سے گفتگو کر رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے گفتگو ختم کی اور مسکراتی ہوئی میری طرف مڑی۔

"سو دایے ہو گیا باجی! وہ بولی۔

"کیسا سو دا؟"

"وہ کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کو ہمارے حوالے کر دے گا جس کے بدلے میں ہم اس کے دونوں آدمیوں کو چھوڑ دیں گے۔"

"یعنی تنگیدار ہمارا دوسرا بھائی کو؟"

"ہاں۔"

"کیا ان سے مزید پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی؟"

"اُن سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے، وہ آپ کو رضوان نے بتا دیا ہو گا۔"

"ہاں وہ تو بتا دیا لیکن میرا خیال ہے کہ انھوں نے کچھ باتیں ضرور چھپائی ہوں گی۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تشدد ہی کے ذریعے اُن کو مزید بولنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے لیکن میں خان آف کالا گوٹ سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اگر وہ ہمارے مطلوبہ آدمیوں کو چھوڑ دے تو اس کے آدمیوں پر بالکل تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"اگر تم وعدہ کر چکی ہو تو پھر ٹھیک ہے میں اب خان سے نمٹنے کے لیے دوسرا انداز اختیار کروں گی۔"

"لیکن اب اس سے اچھے کی ضرورت ہی کیا ہے باجی! کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کے بعد وہ مسئلہ تو ختم ہو ہی جائے گا جس سے آپ کو دلچسپی ہے۔"

"ہاں" میں نے کھوٹے کھوٹے سے انداز میں کہا۔ "سنگیتا کا مسئلہ ٹونٹ ہی جائے گا۔"

"تو پھر اب کیا باقی رہا؟"

"میں اس موضوع پر پھر بات کروں گی فی الحال تم یہ بتاؤ کہ خان سے آدمیوں کے تبادلے کا عمل کس طرح ہو گا؟"

"میرے دو آدمی کرانے کی ایک دین لے ہوئے صدر میں کیے خارج کے سامنے کھڑے ہیں۔ خان کا کوئی آدمی انھیں وہاں اپنے ساتھ لے جائے گا اور کسی جگہ سے ہمارے

مطلوبہ آدمیوں کو اس دین میں منتقل کر دیا جائے گا۔ انھیں کے حریف یہاں پہنچ جائے گا اور آدمیوں کو آزاد کر دیں گے۔"

"ہوں" میں سوچ میں پڑی۔

خان آف کالا گوٹ کو اس مرحلہ پر تھی کہ میرے انداز سے کے مطابق وہ سرکاری بن کھار ہا ہو گا۔ اپنے آدمیوں کو پانچوں خلافت ضرور کوئی خوفناک قدم اٹھانا تھا۔ تیار رہنا چاہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ خان آف کے لیے ایک خطرناک ترین قدم مقابل ثابت ہو گا۔ ایک بار سوچ تحقیق ہونے کے ساتھ ساتھ

کا بھی پروردہ تھا۔ بات میرے ذہن میں دھڑکتی آتی تھی جس کا عمل ایک غیر معمولی نال سے گوئی کی بجائے ایک سرور ہر امنڈل سے نشانہ بنانے والا شخص مثل ہو کر رہ جاتا تھا۔ تجسس کی یہ لہر بھی میرے دماغ میں چلی تھی کہ خان آف کالا گوٹ کیا چیز پاکستان ہے۔ مجھے شہرہ تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز ہرگز نہیں

سے صرف مالی منفعت حاصل کی جاسکے۔ خان آف اتنا امیر و کثیر شخص تھا کہ اسے کسی معمولی چیز کی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان باتوں پر غور کرتے کرتے مجھے سنگیتا کا شمار وہ میری گمشدگی سے خاصی پریشان ہو گئی ہوگی۔

جی مجھے غرا کبھی یاد آئی جس نے گھر میں وہ سارا ڈراما یقیناً اس کے اعصاب ابھی تک اس واقعے سے متاثر ہیں۔ میں نے ضروری کھجور کیٹیفون کر کے اسے طلسم کی

وہ زیادہ نہ گھبرائے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس سے واقف کا ذکر کرے۔ لوگوں سے تو کیا، میں شوہر کو بھی بے خبری رکھنا چاہتی تھی۔

میں نے رضیہ سے کچھ کہنے بغیر ریسپورڈ اٹھایا۔ کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہونے پر جب اس سنانی دی تو میں نے غصے سے کہا کہ وہ واقعی ابھی تک زندہ تھی۔ میں کوئی پانچ منٹ تک اسے سمجھاتی رہی کہ اب وہ خود کو کسی خطے میں محسوس نہ کرے۔ میں

میں نے غارت بھی اُن کی نظر میں آجائے گی۔" یہی بھی خان آف کالا گوٹ کے علم میں آچکی ہوگی۔ کیا

ہاں کا ٹیلیفون نمبر نہیں بتایا تھا؟"

"ابو آقا تو اس کی کال کیسے آئی؟ ادو! آپ کا مطلب

میں نے معلوم کر لیا ہو گا کہ اس نمبر کا ٹیلیفون کس غارت ہے؟"

"میں نے بات ہے۔"

"میں نے کہا کہ یہی نہیں باجی! میں نے اس طرف دھیان

دیا تھا۔" رضیہ نے کہا اور پھر نوادہ سے بولی "تو ناخن با

نہیں تھیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ظاہر صیب اور کفیل رضا

وہ نوادہ جس کا نام جو ناخن تھا، موقوفہ انداز میں سر ہلا کر کمرے سے چلا گیا۔

اس دوران میں رضوان خاموش بیٹھا ہوا۔ اُسے بُرے سے مُرتے بنا رہا اور جو ناخن کے جاتے ہی رضیہ سے بولا۔ تم

جب بھی آتی ہو، ایسے جانوروں کو پکڑ لاتی ہو جن کی زبان میرے فرتے بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

"اسی لیے تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتی میرے ساتھ رہو گے تو تمہیں متعدد درجنی زبانوں سے دوچار ہونا

پڑے گا۔"

"لیکن اس مرتبہ میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری ہونے والی بیوی یوں بڑبڑاتا

ماری کھدیر کی پھرتی رہے۔"

"تم نے مُتہ دھور رکھا ہے!"

"الحمد للہ! کیوں!"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں۔"

"ہر چوڑے کا نام خدا کے گھر میں لکھا ہوا ہے نادان لڑکی! رضوان نے درویشانہ انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں یہ بگ بگ تک ختم کر دو!" میں بولی پڑی۔

"چلیئے ختم کر دی" رضوان نے کہا۔ "اب فرمائیے!"

"کیا تم دونوں یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ اس شلست کے بعد خان آف کالا گوٹ بچلا بیٹھ جائے گا!"

"باجی! رضیہ بولی۔ "اگلاس کے آدمیوں نے ادھر کا رُخ کیا تو میرے غلام ان کی نکال بولی کر ڈالیں گے۔"

"فی الحال وہ اپنے ذاتی مہرے سامنے نہیں لائے گا۔"

"پھر! رضوان بولا۔

"تم بھول رہے ہو کہ پولیس اب بھی میری تلاش میں ہوگی۔ جیسے ہی ایس، پی، جعفر کو میرے بارے میں اطلاع ملے گی کہیں اس غارت میں موجود ہوں، وہ ہمارا چڑھائی کر بیٹھے گا۔"

"ادو! تو کیا اب آپ پھر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ظاہر صیب اور کفیل رضا

کے دستیاب ہونے کے بعد مجھے اب کہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں لیکن ایسا، جی جعفر کی بدتمیزیوں سے بھرتے کے لیے تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔
”یعنی؟“

”میں ایک اہم شخصیت کو یہاں بگاڑتی ہوں۔ اس شخصیت کی موجودگی میں پولیس کا بارے سے بڑا اثر بھی کوئی بدتمیزی نہیں کر سکے گا۔“
”وہ شخصیت...“

”میں رضوان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔“
”میرا اشارہ جسٹس بشیر احمد کی طرف ہے۔“
”ادہ ۱، رضوان کے گھٹے سے نکلا۔ کیا جسٹس بشیر سے آپ کے واسطے ہیں؟“

”جسٹس بشیر کی حجوم ہی میری بہت اچھی دوست تھی اور اسی کی وجہ سے جسٹس بشیر مجھے جانتے ہیں۔ انھیں اس وقت اپنے گھر پر ہی پوچھا جیسے۔ میں نے سنا ہے کہ رعنا کی موت کے بعد وہ بہت ہی گوشہ نشین قسم کے آدمی ہو گئے ہیں۔“

”رعنا کون؟“ رضیہ نے پوچھا۔
”ان کی حجوم ہی تھی۔“ میں نے جواب دیا۔ رضیہ ٹیلیفون کے قریب بیٹھتی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”ڈراڈائل کرو۔“
”ممبر بتائیے!“ رضیہ نے ریسور اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
”میں نے اسے ممبر بتایا اور وہ ڈائل کرنے لگی۔ اسی وقت جونا تھن نے اکر اطلاع دی کہ دونوں قیدیوں کو گھر سے نکال دیا گیا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ رضیہ نے اس سے کہا۔ ”تم جاؤ اور پوری طرح جوکس رہو۔“

جونا تھن چلا گیا اور رضیہ ماؤتھ پیس میں بولی۔ ”ہیلو!... کیا جسٹس صاحب گھر پر تشریف رکھتے ہیں؟... ان سے مختصر مہ صبر بانگو بات کرنا ہے۔ میں ان کی سیکورٹی بول رہی ہوں۔ پھر وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے بولی۔ ”ہولڈ آن رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔“

”رہسور مجھے دے دو!“ میں نے ہاتھ بڑھایا۔
رضیہ نے رہسور مجھے دے دیا اور میں اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ ذرا بعد دوسری طرف سے ایک بارعب آواز سنائی

دی۔ ”ہیلو بشیر اسپیکنگ۔“
”جناب والا! میں صبح ہانول رہا۔“
”ادہ ۱! میں آپ کی آواز سنی۔“
اور ملاقات ہوئے تو اس سے بھی زیادہ۔

”جی ہاں، دراصل میں نے کچھ حوصلہ یہاں رہی تو کسی دوسری پریشانی میں مبتلا رہا۔“
”دو چار ہوں اور اس سلسلے میں آپ کی مدد۔“
”یعنی؟ ایسی کیا الجھن پیش آئی؟“
”دوستی ہوئی ہوئی اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ

بلکہ آپ کو میرے پاس آنا ہوگا۔“
”وہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے ایک۔“
”جب آپ آجائیں گے تو آپ کو تفصیل سے صاحب کو آپ کے پاس بھیج رہی ہوں۔ ان کا نام ان کے ساتھ آجائیں۔ کیا آپ فوراً آسکتے ہیں؟“

”میں آسکتا ہوں لیکن اشتراکاً تو بتائیں کہ کیا؟“
”یہ ایک قانونی مسئلہ ہے جسے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“
”یہ ایک قانونی مسئلہ ہے جسے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

”ارے! وہ کیوں! اچھا خیر، میں آجائے گا اور اس آوی کو کیونکر بچ رہی ہیں؟ میں خود جاؤں گا۔“
”وہ آدمی آپ کی رہنمائی کے لیے جو کجا جانا ہے والا۔“

اپنے گھر پر نہیں ہوں۔ اگر وہاں ہوتی تو گرفتار ہو چکی۔“
”بڑا سنگین معاملہ معلوم ہو چکا ہے۔ آپ ان صاحبیں میں تیار رہیں گے۔“
”شکریہ جناب والا!“

گفتگو ختم کر کے میں نے رہسور رکھا اور رضوان سے کہا۔
”میں جا رہا ہوں جناب والا۔“ والی رضوان منہ نہایت ہر گیا۔
”جسٹس صاحب کا پتا میں تمھیں سمجھا دیتی ہوں۔“
”اس کی زحمت بھی نہ کیجیے! مجھے علم ہے۔“ رضوان نے

”آپ صوفیہ بتائیے کہ میں ان کے لیے گاڑی لے کر جاؤں گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“

”وہ بتائیے گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“
”وہ بتائیے گا۔“

میں اور رضیہ خان آت کلاوٹ کے پار میں بائیں کرتے رہے۔ میں نے رضیہ کو بہت کچھ بتایا اور اس میں اتنا وقت گزر گیا کہ باہر ایک کار کے رکنے کی آواز سنائی دی۔
”وہ میرا خیال ہے کہ جسٹس بشیر آئے۔“ میں گھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

”مجھے باہر جا کر ان کا استقبال کرنا چاہیے۔“
”میرے ساتھ ہی رضیہ بھی باہر آئی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جسٹس بشیر اور رضوان ہی تھے۔ رضوان شاید احترازا ایک قدم پیچھے رہ رہا تھا۔

”میں نے برآمدے سے آکر جسٹس بشیر کا استقبال کیا۔“
”جسٹس بشیر کی نظر رضیہ پر پڑی تو وہ چوڑھا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میری اور رضیہ کی مشابہت سے گوشت خیز ہوتے ہی رہتے ہیں۔“

”یہ میری چھٹی سن ہے جناب والا!“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”اس کا نام رضیہ ہے۔“
رضیہ نے جسٹس بشیر کو سلام کیا تو انھوں نے نہایت شغفنا انداز میں جواب دیا، پھر مجھ سے کہا۔ ”پہلے کہیں ان کا ذکر بھی نہیں سنا!“

”بس ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا کہ ذکر آتا۔“
”میں جسٹس بشیر کو ڈرائنگ روم میں لائی اور میں نے رضیہ سے کہا۔“
”جسٹس صاحب کے لیے بلیک کافی بنواؤ!“
”خوب!“ جسٹس بشیر مسکرائے۔ ”آپ کو کیا دے کہ میں بلیک کافی پیتا ہوں!“

رضیہ نے جونا تھن کو بلا کر اس سے کافی کے لیے کہا۔
”وہاں تو!“ جسٹس بشیر مجھ سے بولے۔ ”میں یہ ماننے کے لیے مضطرب ہوں کہ آپ کس قانونی پتہ پر پھنس گئی ہیں!“

”میں آپ کو بالکل شروع سے بتاؤں گی تاکہ آپ آسانی سے سب کچھ سمجھ لیں۔“
”ٹھیک ہے۔“

چنانچہ میں نے جسٹس بشیر کو آپ جیٹی سنا سننا شروع کی۔ ابتدا ہی اتنی دلچسپ تھی کہ جسٹس بشیر پوری طرح متوجہ ہو گئے۔ اسی دوران میں کافی بھی آگئی، رضیہ نے پائلیوں میں بنانا کڑی دی۔ اس گفتگو کے دوران میں رضیہ اور رضوان بالکل خاموش بیٹھ رہے۔

”میں نے ساری کہانی تو سن و عن بیان کر ڈالی لیکن

خان آت کا لاگوٹ کا نام زبان پر نہیں لائی۔ اس کا ذکر میں نہ لایک
پڑا سر اس شخصیت کی حیثیت سے کیا جو ”جماز“ کے کمرے میں اور پھر
غزالہ کے گھر میں بھی میرے سامنے نقاب پہن کر آئی تھی۔

سب کو پر سننے کے بعد جسٹس بشیر کے چہرے پر تفکر کے آثار پیدا ہو گئے مگر انھوں نے فوری طور پر کوئی مقررہ نہیں کیا۔ ایک جسٹس کی حیثیت سے وہ کوئی فیصلہ بھی عدالت سے نہیں کر سکتے تھے۔

قدسے کو نفقہ کے بعد میں پھر لکھوں گی "میں چاہتی ہوں کہ آپ اس معاملے کو اپنی نگراںی میں نہ پھنسا دیں۔ ایک آدھ دن میں مکمل وضو اور صلاوت حبیبیہ الکل پوش دھواس میں ہوں گے۔ ان کے بیانات کی روشنی میں یہ معاملہ آسانی سے اختتام پذیر ہو چکا ہے گا۔"

"لیکن اس سے زیادہ سنگین شملہ تو مجھے اس شخصیت کا معلوم ہو رہا ہے جو اب تک سامنے نہیں آئی یا جسٹس لشر نے کہا۔"

”اس مسئلے کو آپ قبول جائیں۔ وہ میرا ہیڈک ہے۔“
”یہ آسان نظر نہیں آتا کہ آپ نے تنہا اس خطرناک شخص سے
نپٹ سکیں۔“

”آسان تو نہیں ہے لیکن میں اسے نامکن نہیں سمجھتی۔“
جسٹس بشیر ذرا دیر کچھ سوچتے رہے، پھر بولے: ”کیا“
میں کفیل رضا اور صادق حبیب کو دیکھ سکتا ہوں؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں“ میں نے کہا۔
 اسی وقت ہاں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔
 ”کون آگیا“ دیکھو تو! میں نے چونک کر رعبہ سے کہا۔

رضیہ اٹھ کر دروازے کی طرف لپکتی لیکن اس کے فوراً بعد ہی
ہیں بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ جانا پڑا۔ دراصل باہر سے ایسی ہی
آوازیں سنائی دی تھیں کہ ہم سے کوئی بھی بیٹھا نہیں رہ سکتا

تھا۔ وہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کچھ ٹوٹا آئین میں لڑ پڑے ہوں۔
پھر ایک آواز نکلیاں بکتی ہوئی سنائی دی اور میں نے اس آواز کو

جسٹس بشیر کی موجودگی کے باعث مجھے ایس پی، جعفری طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے میں بے دھڑک برآمد ہو گیا۔

[illegible]

جعفر فرما اے تمہارا ہاتھ چھوڑ بیٹھا، پھر
جنگجو، وہ بھی پھڑپھڑا اٹھا اور وہاں میدان کارنامہ
ایمانک الہی بنی، جعفر نے رلو اور نکال

انگریزی میں بولا: "تم سب لوگ ہاتھ اٹھا دو۔"
ریڈ انڈینز ہراس دھکی بہا، سبھی اڑا،
جب روضیہ نے سبھی جمیع فرسندہ سلطانہ روکے گا۔

روک کر تیزی سے ایک طرف ہوئے۔
اتنی سی جھڑپ میں دو سپاہیوں کو دھک
ایک سپاہی کے حریف پر نینل پڑ گئے تھے اور وہ

ہونٹوں سے رستا ہوا خون خشک رہا تھا۔
 ایس بی، جعفر نے میری طرف دیکھا اور یہ
 بشیر پرٹری۔ یکلوت اس کے چہرے کا رنگ متعجب

جلدی سے ریوالتو اپنے مو لستر میں رکھ کر ایک
 ”بہت خوب“ ماحٹس لشر نے ہمارے ہم
 کے محافظ سب اب تانوں شکن کے رنگ میں!

”نہ... نو سر! ایس ہلے نہ ہو کھلا کر کہا۔
 نے ہم یہ حملہ کر دیا تھا اس لیے ہمیں جوابی کارروائی
 رضیہ اس وقت مدغم آواز میں اپنے آدمیوں

تھی اس نے ایک دم خطر کر کے اعلان کرنے میں پہل مان
 نہیں کی آفیسر! ان لوگوں نے صرف راستہ روکا نہ
 نے جبراً اندر گھسنے کی کوشش کی اور نتیجہ میں انھیں

اختیار کرنا پڑا۔“

اسی وقت حبّیٹس بشیر بیگ بول پڑے۔ ”میں تمہیں کیا حق ہے کہ کسی کے گھر میں زبردستی آؤں؟“

”سر امیرؑ باہن ان کی گرفتاری کاوازط
جغفر نے میری طرف اشارہ کیا۔
”تھم، ہاں سر تھاکر سات ان غم ملکوں کو

ان پر ہاتھ چھوڑ بیٹھے۔ تمھاری اس ناشائستہ حرکت
 یہ بھی ممکن ہے کہ ان غیر ملکیوں کا سفارت خانہ ہمارا
 حقہ آج کرے کہ نہ کہ ان کا سامنا نہیں ہو سکتا۔“

"ایس... ایس سر! ایس بی، جعفری طرح
جٹس بشیر نے ایک طائرانہ نظر تمام لوگوں

سے کہیں کہ سہیں رُک کتاب کا انتظار کرں۔“

۱۰
 میرے ساتھ ہی رضیہ، رضوان اور میں بھی ڈرائنگ
 لے کر چلے گئے۔ مڑتے مڑتے رضیہ نے اپنے آدمیوں

کہ وہ بدستور چلے گئے۔ یہاں سے پیچھے پیچھے ایسے
لوگوں میں آگیا اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا
تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر خاص محظوظ ہو رہی

یہ کیا کہ رضیہ کو دیکھ کر بھی ایسے بلی 'جغفر خاصہ' ہوتا۔
 وہ بالذکر گرفتار کرنے آئے ہیں؟ "حیثس بشیر

ہاں... جی ہاں“

ادبی ہے۔“

...نہ... تو سہرا... میرا مطلب ہے...

ماطلب! انھیں طرح سمجھتا ہوں، جسٹس بشیر نے کل صرت دھماکے کا کو معزز سمجھا جاکے، خود ہوں نہ ہو۔ ویسے... کیا آپ بتائیں گے... آپ

...مجھے کسی نے ٹیلیفون پر اللہ اے دی تھی۔“
نے اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ یہ عجیبہ بالو کے

ش بھی جو سنتی ہے۔ آخر کسی کو کیا ضرورت ہے
 کی لود میں لگا رہے اور ان کا پتا لگا کر آپ کو اللہ

ہی ہاں... جی ہاں... یہ پہلو واقعی قابلِ غور ہے۔
 مجھ میں نہیں آسکا ہر جگہ اس کے علاوہ کھینچ کے۔
 یہ پہلو مریخی غور کھینچ کے صبی مانوس ہے ملک کی

یہ آپ کی اطلاع کے لیے یہی سچی عرض کروں کہ کفیل مینا
سات میں موجود ہے۔ خود صبحی بالانے مجھے یہاں بلایا
حال سے آگاہ کر کے اب یہاں آگاہی کے لئے آئے ہیں۔

جنگیزی کو یہاں لاشیں اور سب کے سلسلے یہ واضح

”میں یہیں ہوں اور آپ کا
فد بہت بہتر... سر!“

ایس پانی، جعفر نے سیلیو
ادھر میں سوچ رہی تھی کہ
گویمیں لاسکے گا؟ غالباً یہ ناممکن

جعفر کے جانے کے بعد میں
آپ یہاں کب تک رکیں گے جناب
زحمت ہو جائے گی۔“

ہوں۔ میرے گھر پہلے ہی کون
کے لہجے میں جو کرب تھا، وہ مجھ

بات سے واقف تھی کہ وہ اپنی میسر
 ”لیکن مجھے ایک بندہ ہلست
 ”کیا؟“

”مجھے اُس نامعلوم پیرسرا کا
مخس ہو رہا ہے اس لیے میں کفیلہ
کا کوئی معقول بندوبست کرنا چاہتا ہوں۔“

جس بشیر نے رسی سے کہا جو رسی
ٹیلیفون کا آتا تا بڑا تھا
بشیر کے سامنے تپائی پر رکھ دیا۔

جس بشیر نے علاقائی
مسئلے سنتری بلوائے۔
یہ اس دوران میں کچھ

مجھے نہیں: علوم تھا کہ مشتاق چہ
نیز اب میں سنگیتا کے باپ رام لال
حالات اس موٹر سائیکل سے کہ میں

جسٹیشیون کرچکے تو
واقعہاں رُکس گئے؟“

”اس وقت تک جب تک
بشر نے فیصلہ کن لمحے میں کہا۔
”کہا آپ محمد کچھ دوسرے

”کہاں جانا ہے آپ کو؟“

”چند ضروری کام ہیں۔ دو ایک افراد سے ملتے ہیں۔
”میرا خیال ہے کہ کئی احوال آپ اس چار دیواری ہی میں محفوظ
ہیں۔ باہر جانا آپ کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔“
”آپ فکر نہ کریں جناب والا! میں خطرات سے پیشتر خوب جانتی
ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر رضیہ سے بولی۔ ”تمہارے پاس کوئی کار
تو نہ ہوگی؟“
”ہے۔“

”کہاں سے آئی؟“
”رضوان کے توسط سے میں نے ایک دین اور ایک کار کررائے
پر حاصل کر لی تھیں۔“
”گڑا۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”کار کی چابی کہاں ہے؟“
رضیہ نے اپنے پرس سے چابی نکال کر مجھے دی۔
”رضوان بولا۔ ”کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟“
”نہیں۔“ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”جہاں مجھے جانا
ہے وہاں مجھے اکیلے ہی جانا چاہیے۔“

رضیہ کھڑی ہو گئی اور اس نے جسٹس بشیر سے کہا۔ ”کیسی زنی
سرا میں باقی کو کار تک چھوڑ کر ابھی آئی ہوں۔“
جسٹس بشیر نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر ان کے چہرے
سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے تہا جانے سے متعلق
رضیہ نے اپنا بیچ کر مجھے کھینک کر کھینچا یا وہ آف دھات
واکس آئی تھی۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ
سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جب میں نے انجن اسٹارٹ کیا تو کبھی رضیہ قریب
ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے انجن
بند کر کے رضیہ سے کہا۔ ”ذرا سناؤ۔“
رضیہ کار کی کھڑکی پر جھجک آئی۔

میں پھر بولی۔ ”اب جبکہ میں جسٹس بشیر کا تعاون حاصل
ہو چکا ہے، یہ ضروری نہیں رہا کہ تم لوگ اس عمارت میں رہو۔
بہتر ہوگا کہ تم لوگ ڈیفنس منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ملازمتاں ہیچود
میں لاندہ انتھارے آدمیوں کو جن وغیرہ کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔“
”جیسا آپ کہیں۔“ رضیہ بولی۔ ”کفیل رضا اور صادق حبیب
کو بھی اپنے ساتھ منتقل کرنا ہو گا۔“

”ظاہر ہے۔“
”اور جسٹس صاحب نے تمہارے سے جو سنتی ہوئے ہیں؟“
”انھیں واپس کر کے ڈیفنس کے تھانے سے بھی منتسری
بلوائے جا سکتے ہیں۔ تم جسٹس صاحب سے کہہ دینا کہ یہ منتقلی

میری ایا پر ضروری ہے۔“
”بہتر ہے۔“

”اچھا تو میں اب چلتی ہوں۔“ میں نے
کرتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنا کام کر کے یہاں
ظاہر ہے تم لوگوں کو یہاں سے منتقل ہو جائے
نہیں لگے گا۔“

”ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ڈیفنس
نے کہا اور پھر بولی۔ ”آپ سنگیت کی طرف ہمارا
”ہاں۔“ میں گاڑی کو آجسٹنگی سے ترک
”میں آج اس کے باپ سے مکمل کر گفتگو کر
پھر میں نے رضیہ کے کچھ بولنے کا انتہائی
نفسا بڑھا دی۔ میں اب تیزی سے پی ہائی
جاری تھی اور میرا ذہن اس فکر میں غلغل
سے کس انداز میں گفتگو کرتا ہے۔

اس سوچ بچار کے باوجود میں غارت
اور درگاہ کے ماحول سے بے خبر نہیں تھی۔ مشرق
آیا تو میں چونکی اور میری پوری توجہ اس
مبذول ہو گئی جس کا عکس میں عقب نما آ گیا
تیسرے پہر کی روشنی میں ابھی شام کا
ہوا تھا لہذا میں اسپورٹس جلانے والے نو
تھی۔ میری اور اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور
تھی۔ جب مجھے ایک سنگل پر گزرنے کا موقع ملا
پچھے بالکل تریب آ کر گڑی اور میں عقب نما آ گیا
کا چہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر
سال ہوگی۔ وہ اتنا خوبصورت تھا کہ اسے دیکھ
سوچے بغیر نہ کہی، کاش وہ لڑکی ہوتا!

سنگل کی سرخ ہی چھٹی زرد مٹی اور ایک سیٹ
یاڈوں کا دباؤ بتا دیتا۔ بڑھاپہ سنائی دیتی تھی۔
آچکی تھی۔ جیسے ہی میں نے چوراہا عبور کیا، ایک
اور سرخ اسپورٹس کے بیچ میں حائل ہو گئی۔

نوجوان کا چہرہ میرے ذہن پر پوری طرح
چکا تھا۔ یقیناً وہ ایک ایسی شکل تھی جو بے شمار
تھی۔ میں انھیں بے پروائی کے معصوم صورت اور
میرے پیچھے کیوں لگ گیا ہے؟
حب میں اس سرخ پر بیٹھی جو صرف پی ہائی

ہاں تھی، اس وقت بھی میں نے سرخ اسپورٹس کو اپنے
ہمارا اب اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ سرخ
کی تعاقب کر رہی تھی۔ میرے لیے اب یہ انجن پڑی
موت میں سنگیت کے گھڑکار بن کرنا چاہیے یا نہیں؟
اور ان کو کون تھا اور اسے میرے پیچھے کس نے لگا تھا۔
میرے ذہن سے کس کی تھی کہ وہ نوجوان کسی جرم پیش
مان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بشرے سے یہ بات صاف
ہم کر رہی تھی شریف اور متول گھرانے کا چشم چرائے تھا۔

”وہ چار اور بہت تیزی سے اس فیصلے پر پہنچ گئی کہ وہ
کہ اس وقت رام لال سے ملاقات کرنا ہی ہے۔ میں
بلکہ روک دی جہاں سے آگے جانے کے لیے مجھے ہی مانگنا
ہوا تھا گاڑی اس پتلی سی گلی میں نہیں جا سکتی تھی جس
سنگیت کے گھر تک نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔

”عقب نما آئیے میں دیکھا کہ وہ سرخ اسپورٹس بھی کچھ
کی تھی۔ میں نے انجن بند کیا۔ گاڑی کے شیشے جڑھلے
اک کر کے گاڑی سے اتار دی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ
نے کے بعد ایک بار بھی وہاں نہیں دیکھوں گی۔ یہ بات
اور ان سنگیت کے گھر تک میرے پیچھے پیچھے آئے گا۔ اب اس

”وہ!۔“
”میرے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی اور دستک دے کر
انتہا کرنے لگی۔ اس وقت میں گویا انتظار کرتے ہوئے
دیکھ سکتی تھی، سو میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے دیکھا کہ
میرے لیے نظر سے بچنے کے لیے ایک کین کی آڑ لینے کی
تھی۔ میں یہ تاخیر دیتی رہی جیسے اب تک اپنے تعاقب

”وہ!۔“
”میرے اندے سے کڑی گھٹنے کی آواز سنائی دی تو میں
اٹھ ہوئی۔ دروازہ کھولنے والی سنگیت تھی۔ اس نے مجھے
کئی کئی چمکنے کی کیفیت نے زیادہ طوالت اختیار نہیں
اس نے بیچ مارنے کے انداز میں ”ہاؤ“ کہا اور مجھ سے
میں کیا اس نے کر رہی تھی۔
پگلا ”ایسا ہو گیا تھا۔“ اس کی پیٹھ پھٹنے لگی۔
”آپ... کہاں غائب... ہو گئی تھیں!“ وہ
کی ہوئی بولی۔
”ہے ہلکے کس جواب میں کچھ کئی، سنگیت کے پیچھے رام لال

اکھڑا ہوا معمول کے مطابق اس کے چہرے سے سزاویں نکلا ہوا تھا
لیکن آنکھوں میں انھیں کے آنکھیں موجود تھیں۔ کفیل رضا کے سلسلے
میں منتقل تو وہ بھی رہا ہو گا۔

میں نے آہستہ سی سے سنگیت کو خود سے جدا کیا اور براہ راست
رام لال کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”مجھے آپ سے کچھ بات
کرنا ہے۔“

”کس سلسلے میں؟“ رام لال کا لمبہ بہت کھڑا تھا۔
”اسی سلسلے میں جس سے آپ اب تک بچتے رہے ہیں۔ میں

مشاق چنگیزی کے بارے میں...“
”مجھے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا۔“ رام لال نے گویا
جھٹکے سے کہا۔ ”آخر کوئی کو اس سے کیا تعلق کر میں نے اپنا بچہ
ایک، یعنی شخص کو کیوں دے دیا؟ میری مرضی میں اپنے گھر
میں آگ بھی لگا سکتا ہوں۔“

”نہیں لگا سکتے۔“ میں قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”کیونکہ
وہ آگ اس پاس کے لوگوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔“
میرا اشارہ سنگیت کی طرف تھا جسے رام لال نے بھی سمجھ لیا اور
چڑھانے والے انداز میں کہا۔ ”تھیں میرے اس پاس کے لوگوں سے
دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔“

”دلچسپی ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے سے قطع نظر جب
دلچسپی ہو چکی ہو تو کچھ کچھ نہیں کیا جا سکتا۔“
”کیا جا سکتا ہے؟“ رام لال نے تیز لہجے میں کہا۔
سنگیت اس ناخوشگوار صورت حال سے گھبرا گئی اور بولی۔
”مگر سناچی...“

”تم خاموش رہو۔“ رام لال نے اسے جھڑک دیا۔
”رام لال!“ میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔
”تم اس معصوم لڑکی کو تو خاموش کر سکتے ہو مگر آستین کے لمبے
کوئی جبر نہیں کر سکتے۔ تو دیکھا کہ تار پے گا۔...“
رام لال کے چہرے پر ہلکے سا شغیر ہو گیا لیکن وہ گرت کر لولا۔
”چلی جاؤ میاں سے!“

سنگیت اسی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی۔ میں نے اس پر ایک
اچھٹی سی نظر ڈالی اور پھر رام لال سے کہا۔ ”آج میں تم سے فیصلہ کر
گفتگو کیے بغیر نہیں جاؤں گی رام لال! اگر تم مشاق چنگیزی کے
سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو میں شائستہ حبیب کے سلسلے میں
بھی گفتگو کر سکتی ہوں۔“

شائستہ حبیب کا نام سن کر رام لال لڑکھڑاسا گیا۔ اگر وہ دوبارہ سامرا نہ لے لیتا تو شاید گری پڑتا۔ سنگت گھر اگر اس کے قریب پہنچی اور اسے سامرا دینے کی کوشش کرتی ہوں تو کھو گئے گی میں بولی "کیا چاہتا ہے؟"

رام لال کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ وہ خالی خالی نگاہ سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں نہ ٹھیک نہ ڈال کر دیکھتی رہی تھی لیکن تھا کہ اب رام لال کھل کر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گا لیکن میرے دیکھتے دیکھتے رام لال کی حالت میں ایک غیر متوقع تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی زردی بڑی تیزی سے معدوم ہو گئی اور اس کی جگہ سرخی نے لی۔ آنکھوں سے گراؤ اور اسے چھوٹنے لگے وہ گرن کر بولے اس مٹور کے بچے کے مجھے سے ملا سب کچھ سمجھیں لیا "پھر بھی میرا زنا افشا کر دیا؟"

میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی میں چاہتی تھی کہ وہ غصے میں ایک سب کچھ بولتا چلا جائے جو میں اس کی زبان سے سنا لیا جاتا تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ایک خاموش ہو گیا۔ اس نے اب اتنی سختی سے ہونٹ بھینچے تھے کہ ہونٹوں کی بجائے اب اس کی گہری سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔

"پتا ہی! سنگت کی آنکھوں سے آئینہ چھوٹ پڑے۔" آخر آپ اپنے سینے میں وہ جوالا بھی کیوں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ ہی کے وجود کو چھوٹنے ڈال رہے ہیں۔ پھر سنگت مجھ سے بولی "آپ چلی جائے پتا آپ کو کھانا کا واسطہ... آپ چلی جائے!"

"آج میں گفتگو مکمل کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" میں نے کہا۔ "تھیں جانا پڑے گا۔" رام لال صلیق بھلا کر جھٹکا "اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ حرام زادی! کتیا اپنی جاؤ ایمان! دافع ہو جاؤ۔" رام لال مجھے گالیاں لگتا ہی چلا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر بڑیاں کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اگر وہ گالیاں کبھی کسی اور شخص نے دی ہوتیں تو شاید میں مشتعل ہو جاتی لیکن سنگت کی وجہ سے مجھے ضبط کرنا پڑا۔

"چلی جاؤ! چلی جاؤ! دافع ہو جاؤ!" رام لال صلیق بھلا کر رہا۔ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔ سنگت اسے جاری تھی۔ اس نے صلیق نظر سے میری طرف دیکھا۔ وہ بھی کسی چاہتی تھی کہ میں وہاں سے ٹوٹ جاؤں۔ میں بھی جانی ہی تھی اور تملنا بھی گئی تھی لیکن سنگت کی وجہ سے مجھے بسا ہوتا پڑا تھا ورنہ میں رام لال کے غیظ و غضب

سے تو ذرا بھی متاثر یا مرعوب نہیں ہو سکتی۔ سے مڑی اور دروازے سے نکل کر تیزی گئی۔ اس وقت میں دروازے کے لیے اس م تھی جو میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ اس کا آیا جب میں اپنی کاریں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر حرکت میں لانے سے قبل میں نے عقب ہا اُدھر سے آنے والے ٹریفک کا جائزہ لیا تھا پر نگاہ پڑے ہی مجھے وہ خونخوار باد آگیا تھا اس کی شکل نہیں دکھائی دی۔ غالباً وہ کس کس، خود کو میری نظر سے پوشیدہ رکھنے میں نے کار ٹوٹی اور واپس روانہ ہو گئی نے دیکھ لیا کہ سرخ اسپورٹس اب پھر میرے تعاقب لعنت ہے اس پر! میں نے دل ہی دل میں کہا سے بعد میں ہی پتھوں کی گدیہ کون ہے۔ فی الحال کہا پرن کرنا ہے جو میں نے سنگت کے گھر سے نکلتے ہوئے وہ فیصلہ کیا تھا کہ اب بنگے ہاتھوں مشتاق چھوٹ کر دو دو ہاتھ کر ڈالے جائیں۔

میری کار تیز رفتاری سے قاصد طے کرتی رہا اسپورٹس نے میرا تعاقب جاری رکھا۔ میں نے مشتاق چنگیزی کے ہنگامے کے احاطے میں اور پھر ان کے برآمدے میں پہنچی۔ اسی وقت دروازہ ایک ملازم باہر نظر آیا۔ غالباً اس نے میری گاڑی کے آواز سن لی ہوگی۔

"تمھارا صاحب گھر پر ہے؟" میں نے اُسے گھر ہوئے پوچھا۔ "مجھے نہیں،" ملازم نے بڑی معصومیت سے جواب میں دیکھ کر آتا ہوں۔ آپ یہیں رکیں!"

"سنو!" میں مڑتے بنا کر بولی۔ "تمھارے اس مجھے یقین دلا دیا ہے کہ وہ گھر میں ہی موجود ہے۔ تم اس کہیں اس سے ایک سو دوا کرنے آئی ہوں۔ اگر وہ چاہتا اس کا سامان اسے واپس مل جائے تو وہ مجھ سے ضرور ملے ملازم کوئی جواب دیے بغیر ٹوٹ گیا لیکن وہ اندر دروازہ پوٹ کر نہا نہیں بھولا تھا۔ میں مڑتے بنا کر وہ گئی اور برآمدے میں ٹھٹھنے لگی۔ اس کا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے

میں نے صادق حبیب کا حوالہ دے کر اس کی بات تو رکھ دیا تھا۔ بدوہ ملازم واپس آیا اور بولا "تشریف لائیے!" انگ روم میں پہنچی جہاں مشتاق چنگیزی میرا "وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔ تو میرے ماموں کو الی تم ہو؟" "نہیں ہے،" میں نے بڑے سادہ سے کہا "ساتھ اگر بابا پر یقین نہ کر۔ تو میری صحت پر کوئی اثر کیا جا رہی ہو؟" "نہیں،" "حق؟"

ایک غاصب کیسے بن سکے؟" غاصب نہیں ہوں،" مشتاق چنگیزی بچھرنے لگا۔ "اس جاس جو کچھ ہے..." "پہنچا تھا ہے،" مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے اور ہر شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کا حق نہ اسے چھیننے کی کوشش کرے۔ اگر میں اپنی چھیننے ب ب ہو گیا ہوں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔" "وہ بچھرنے کی ضرورت نہیں ہے،" مشتاق چنگیزی "اگر بولی "ٹھنڈے دل دماغ سے بات چیت کر دو۔" ماموں کی واپسی چاہتے ہو تو تمھیں بتانا پڑے گا کی دولت پر تمھارا حق کیسے ہو گیا؟"

اس نے پہلے کہ مشتاق چنگیزی کوئی جواب دیتا بلکہ اسے ایک دباؤتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہٹ جاؤ اسے!" "اس اور مشتاق چنگیزی جو تک پڑے۔ وہ آواز رام لال اسے غالباً مشتاق چنگیزی کے ملازم نے رکھنے کی کی ہوگی لیکن وہ اسے رکھنے میں ناکام رہا۔ دروازہ ایک لڑکے کے ساتھ کھلا اور رام لال دندناتا ہوا اس شان سے گھر کے داییں ہاتھ میں پستول تھا۔

ہ اندر آئے ہی گریا۔ تم دونوں میں سے اس اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے!" "میں نے خاص شکایت نہیں ہے،" رام لال نے نے مجھ سے کہا۔ اس لیے تم سے مجھ کو کتنا جانتا لیکن اس کجبت سے آج مجھے فیصلہ کرنا ہی ہو گا۔ رام لال کی خون انگلی ہوئی "تھیں مشتاق چنگیزی پر گم گئیں۔" "تم...،" مشتاق چنگیزی نے کہا۔ "تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر میرے پاس آئے ہو!"

"حرام زادے!" رام لال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "آخر آج مجھے یقین آ ہی گیا کہ ناجائز خون کا تو بھٹا ہمیشہ نیچے ثابت ہوتا ہے۔" میں نے اپنی ساری زندگی کی کمانی مجھے سو ب دی لیکن ٹوٹنے میری زندگی کے اس داغ کو لوگوں پر آشکارا کر ہی دیا۔ "نہیں... تم...،" مشتاق چنگیزی کی زبان میں لگت تھی۔

"میں یہاں کچھ سننے نہیں، فیصلہ کرنے آیا ہوں، کھیل ختم کرنے آیا ہوں،" رام لال نے کہا اور پستول کا ٹریگر دیا دیا۔ کمرے میں دھماکے کی آواز گونجی اور مشتاق چنگیزی کی پیشانی سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ رام لال کا نشانہ بہت سچا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اے عورت! رام لال نے بڑے سکون سے کہا۔ "مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے، بلکہ مجھے اُمید ہے کہ میرے بعد تم میری بی بی کا خیال رکھ سکو گی۔" میں نے نہیں جانتا کہ اس حرام زادے کے قتل کے سلسلے میں تم کی پیشانی کا شکار کس لیے میں تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری حبیب میں اعتراف ناموجود ہے۔"

رام لال کے آخری فقرے سے میں سمجھ گئی کہ اب وہ کیا کرنے والا ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اس کے اقدام سے باز رکھ سکتی۔ رام لال نے پستول کی نال اپنی پیشانی پر رکھی اور ٹریگر دبا دیا۔

اُدھر صوفے پر مشتاق چنگیزی کی لاش لڑکھکی اور اُدھر رام لال فرش پر ڈھے ہوا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہو گیا تھا کہ میں ایک بار بس مشتاق بنی رہ گئی تھی لیکن جب یہ خوفناک کھیل اپنے انجام کو پہنچ گیا تو میں بڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ میں نے آگے پہنچ کر دروازہ اندر سے

فرش پر ڈھے ہوا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہو گیا تھا کہ میں ایک بار بس مشتاق بنی رہ گئی تھی لیکن جب یہ خوفناک کھیل اپنے انجام کو پہنچ گیا تو میں بڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ میں نے آگے پہنچ کر دروازہ اندر سے

بندر کر لیا۔ گولپوں کی آوازوں نے مشتاق چنگیزی کے ملازموں کو شلیہ خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ فوراً اڑھ نہیں گئے مگر لڑنے کے آنے کا احتمال تھا اور ایسی میں ان کی آمد سے قبل کچھ کام کر لینا چاہتی تھی۔ میں نے رام لال کی جیبوں کی تلاشی لی اور مجھے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی۔ وہ رام لال کا اعتراض نامرد تھا۔

اس اعتراض نامرے کے مطابق دوسری میں شائستہ جیبیں نامی ایک لڑکی سے رام لال کے ناجائز تعلقات تھے۔ رام لال اس سے شادی بھی کر لیتا مگر ایک اسے شہید ہو کر شائستہ جیب کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر رام لال کو یہ اندازہ بھی ہو کر شائستہ کا قانونی بین الاقوامی تعلیم مافیہ ہے۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد رام لال، شائستہ جیب سے قطع تعلق کر لینا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شائستہ حاملہ ہو چکی تھی۔ رام لال نے چاہا کہ اسقاط ہو جائے لیکن شائستہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ پھر اسی دوران میں کسی نے شائستہ کو قتل کر دیا۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ شہید رام لال کی طرف جارہا تھا۔ رام لال کسی نہ کسی طرح خود کو قانون کی گرفت سے بچا کر آیا لیکن بالآخر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ دوسری سے منسوخ ہو جائے۔ اس نے اپنے اس فیصلے پر عمل بھی کیا اور کوہا کر ایک خوش گوار زندگی گزارنے لگا لیکن برسہا برس کے بعد اس کی زندگی کا سکون اس وقت ترو بالا ہو گیا جب اس کا گناہ مشتاق چنگیزی کی صورت میں اس کے سامنے آیا۔

مشتاق چنگیزی کے پاس رام لال کا ایک خط تھا جو شائستہ جیب کو لکھا گیا تھا۔ اگر اس خط کی تشہیر کر دی جاتی تو رام لال کسی کو مرنے دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا۔ اس کے علاوہ رام لال پر قتل کا الزام بھی آتا تھا۔ اس صورت حال نے رام لال کو پوچھ لایا اور نتیجہ یہ نکلا کہ مشتاق اسے ہلکے میل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے رام لال سے اس کا سب کچھ عین لیا اور رام لال دم سلاہ کر رہ گیا۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ اسے یہ بات تو منظر تھی کہ وہ نائے کر کوڑے مرجائے لیکن وہ کسی قسم کی بدنامی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ مشتاق چنگیزی نے اس کا راز فاش کر دیا ہے تو وہ شعل ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مشتاق کو قتل کر دے گا۔

اپنے اعتراض نامرے کے آخر میں رام لال نے پولیس سے درخواست کی تھی کہ اس کے اس معاملے کی تشہیر نہ کی جائے تاکہ لوگ اس کی معصوم بیٹی کو ایک مرنے آدمی کی بیٹی کی حیثیت سے شناخت نہ کریں۔

اس کے علاوہ رام لال نے یہ درخواست بھی کر دی کہ وہ دوبارہ روپیہ پيسا کا قانونی طور پر اس کی ہے اور پولیس کا فرض ہے کہ وہ ایک بے سہارا حق واپس دلائے۔

یہ اعتراض نامرے پڑھنے کے بعد میں نے اسے جیب میں رکھا اور تیزی سے ٹیلیفون کی طرف بڑھ گیا۔ ایک تک رصیدہ وغیرہ ٹیلیفون پہنچ چکے ہوں گے۔ اٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر ڈالنے لگی۔ دوسری طرف مجھے بعد رسیور اٹھایا گیا اور آواز سنائی دی کہ "رضیہ!" میں اس کی آواز شناخت کر کے ہوا لوگ خیریت سے مشغول ہو گئے۔

"جی ہاں" اور میں اسے شائستہ آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ ابھی ابھی یہاں پہنچی ہے اور آپ سے ملنے کے لیے ہوں۔ تم سنگیت کو کیسے جانتی ہو؟

"مجھے اس کے بارے میں رضوان نے بتایا ہے۔"

"اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"

"وہ رضوان کو بتا رہی تھی کہ آپ اس سے بتائیے۔"

نہیں لیکن آپ دونوں میں تیز کر لائی ہو گئی اور آپ اس چلی گئیں لیکن آپ کی رخصت کے ذریعہ بعد رام لال سے کہا کہ وہ غلطی کر بیٹھا ہے، اسے ہانپتے گفتگو کر لینا پھر اس نے سنگیت سے کہا کہ وہ جا کر بانو کو بلالائے۔ آپ کو لینے کے لیے آئی ہوئی ہے۔

رضیہ کے اس جواب سے میں سمجھ گئی کہ اصل بات دراصل میری رخصت کے بعد رام لال نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ چنگیزی کو قتل کر دے گا لیکن اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اشتعال کے عالم میں اسے سنگیت سے کہیں نام دے گا۔ گھر سے ملنے کے لیے رام لال نے یہ کہاں پہل میرے گھر پہنچ دیا۔

"ہیلو باجی!" رضیہ نے مجھے پکارا۔

"آں... ہاں!" میں اپنے خیالات سے چونکی اور پھر

کہا "سنو ریتو! جسٹس صاحبہ جی تم لوگوں کے ساتھ"

"جی ہاں"

"اچھا تو ایسا کرو کہ انھیں رضوان کے ساتھ مشتاق

کے گھر بھیج دو۔ میں یہیں ان کی منتظر ہوں۔"

ہاں وہاں کیا کر رہی ہیں؟ رضیہ نے چونک کر پوچھا۔

ہاں کیل ختم ہو چکا ہے۔"

"مطلب؟"

وقت فیصل سے بتاؤں گی، فی الحال تم یہی کرو جس سنگیت کو روکے رکھو۔ اس سے کہنا کہ میں ایک گھنٹے میں

آں ہوں۔ وہ میرا انتظار کرے۔"

آں ورنیک الین کا شکار رہوں گی۔"

الینان سے بیٹھو۔ میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وقت کوئی تیز زور سے دروازہ پٹینے لگا۔

کہ ہے؟ میں نے چونک کر بلند آواز میں پوچھا لیکن

تم کہ وہ پولیس ہو گئی کیونکہ میں نے ذنی جو توڑی کی جگہ

کر لی۔

لے آئے کہ دروازہ کھولا اور ایک انسپکٹر کی سپاہیل کے

گستاخا آج اس سپاہیل کے علاوہ ایک سب انسپکٹر بھی

میں نے مشتاق چنگیزی اور رام لال کی لاشوں پر نظر پڑا۔ میں

لے گھوڑا ہوا بولا کہ آپ ان دو لاشوں کے ساتھ آئیں۔

کیے ہوئے کیا کر رہی ہیں؟

آپ لوگوں کا انتظار؟ میں نے بڑے سکون سے کہا اور ایک

انسپکٹر۔

سہ نام؟

میرا بانو؟

سن کر سارے پولیس والے ٹھہل پڑے اور اس سے

ہوا کہ ان سارے مجھے پولیس میں مشہور ہوئی جا رہی تھی۔

آپ... آپ صبح بانو ہیں؟ انسپکٹر کے منہ سے نکلا۔

ہاں اس میں تعجب کیوں ہے؟

آپ وہی ہیں جو پولیس کو مطلوب ہیں؟

سورما میں بنی ہوئے ہو؟ میں نے نہ زبرد کیا۔ اگر آپ

میں اطلاع کر دیں؟

وہ تو کراہی پڑے گی، انسپکٹر نے کہا اور پھر سب انسپکٹر

ہوا کہ تم اس پی صاحبہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو؟

اس کے بعد انسپکٹر اپنے سپاہیوں کو ہدایت دینے کا لگن لاشوں

یہ پولیس والے مجھے روکنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ میں چاہتی تھی کہ لاپ جلد از جلد اپنے گھر پہنچ کر سنگیت سے ملاقات کر لوں۔ اسے رام لال کی موت کی اطلاع سن کر خود دینا چاہتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گا اور اس عالم میں اس کو صرف میں ہی بچال سکتی تھی۔

رضوان جسٹس انٹر کو کے بہت جلد وہاں پہنچ گیا، میری توقع سے بھی زیادہ جلدی... اور جسٹس انٹر کو پوچھ کر پولیس والے کو کھلا گئے۔ پھر ان کی بولکھلاہٹ میں گھر لپٹ میں شامل ہو گئی جب جسٹس صاحبہ کسی اور سے مخاطب ہونے کی بجائے سیدھے میری طرف آئے اور پوچھنے لگے "کیا معاملہ ہے؟"

دوسری طرف رضوان کسی قدر سکینے کی حالت میں رام لال اور مشتاق چنگیزی کی لاشوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سب کچھ اس کے لیے کسی انتہائی غیر متوقع اور ہچکچاہٹ والی ثابت ہوا تھوگلا۔

میں جسٹس انٹر کی بات کے جواب میں کھڑی ہو گئی اور بولی "ہم

کسی دوسرے گھر سے میں چل کر گفتگو کر گئے۔"

"جیسے، جسٹس انٹر نے کہا اور پھر ایک دم مڑ کر انسپکٹر سے کہا۔

"انسپکٹر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نوسر" انسپکٹر الٹ ہو گیا۔

"شکر ہے، جسٹس انٹر نے کہا اور پھر دوسرے ساتھ برابر وائے

گھر سے میں گئے۔

میں نے دوسری آواز میں انھیں ساری بات بتائی اور اس آخر میں

کالبر دیاب بھی سنا دیا جو میں رام لال کی جیب سے نکال کر بیٹھی تھی۔

"تو یہ معاملہ ہے؟" جسٹس انٹر کی پشیمانی پر سونپیں پڑ گئیں۔

"جناب دولاہ" میں نے کہا "یہ انکیل سے آپ نے سارے

معاملے کو سمجھ لیا ہو گا۔ میرے ذہن میں صرف یہ ایک شخص باقی رہ

گئی ہے کہ مشتاق چنگیزی نے یہ صلاحیت جیب کو ہال کیوں بنا رکھا تھا۔

غالباً یہ عقدہ اسی وقت کھل سکے گا جب صلاحیت جیب ذہنی طور پر دوت

ہو جائے۔"

جسٹس انٹر نے انداز میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"دوسری بات یہ کہ آپ نے سنگیت کو تو دیکھ ہی لیا ہو گا؟" میں

بولی۔

"ہاں، وہ گھر پر آپ کی منتظر ہے۔"

"باب کی خوشخبری کی خبر اس کے لیے انتہائی ہولناک ہوگی۔ میں

چاہتی ہوں کہ جگر خود اسے بتاؤں اور اسے سنبھالوں۔ کیا یہ پولیس والے

بچے جانے دیں گے؟

"کیا لوگ آپ کا بیان لے چکے ہیں؟"

"ابھی تو نہیں لیا،"

"خیر کوئی بات نہیں، باوجود میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ آئیے!"

ہم واپس ڈرائنگ روم میں کھڑے ہوئے جسٹس بشیر نے اسپر سے

کہا۔ "ڈرائنگ روم جارہی ہیں۔ آپ ان کا بیان بد میں لے لیجئے گا،"

"نہیں... نہیں..." انہیں کچھ کہتے ہوئے بچا گیا۔

"دراصل، میں جسٹس بشیر سے کہا ان کو معلوم ہے کہ

ایس بی جعفر صاحب میری تلاش میں ہیں۔"

"آپ اس کی تکذ کر رہے ہیں؟" جسٹس بشیر نے اسپر سے کہا۔

"میں اس سے کبھی آپ کے پاس نہیں جاتا،" جسٹس بشیر نے اسپر سے کہا۔

زہوں۔ وہ ان صاحب کو لینے گئے ہوئے ہیں جنہوں نے بالو صاحب کے

خلاف رپورٹ کرانی تھی۔ میں خود اس معاملے پر نظر رکھتے ہوئے ہوں۔"

"تو پھر ایک ہی سر،" اسپر نے سداوتندی سے کہا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں، ولیا کریں؟"

"آپ چاہیے،" جسٹس بشیر نے ہنسنے سے کہا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکلی اور کار میں بیٹھ کر روانہ

ہوئی۔ پھر جیسے ہی میں نے عقب نما آئیے میں ٹریفک کا تھڑا لیا میری

نظر اس سرخ اسپورٹر پر پڑی۔

اے! میں نے ہونٹ متھینچ لیے۔ یہ کبھی تو میرے لیے ایک مستقل

خوش بن کر رہا ہے۔ آخر یہ کون؟ کیوں نہ پہلے اس سے ہی

لیا جائے!

میں نے فیصلہ کیا اور فوراً بریک لگا کر گاڑی روک دی۔



میری گاڑی کے رکنے ہی سرخ اسپورٹر بھی کچھ فاصلے پر رُک

گئی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کے شیشے پر ٹھاعتے ہوئے عین

آئیے پر نظر ڈالی۔ مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اپنی اپنی کار سے اترنے کا

ادارہ نہیں رکھتا۔ میں اپنی گاڑی کو روک کرے جانی کے چلنے کو اپنی انگلی

پر گھما کر ہونٹیں سرخ اسپورٹر کی طرف بڑھی۔ میں اس وقت پر غور سے

کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح جوش تھی میں

ہوں کہ میرے چہرے سے اطمینان ہی کا اظہار ہوا۔

قدم اتھاڑ ہی تھی جیسے اپنا کسی وقت کار کو دھکے

دہی ہوں۔

اس وقت اس سڑک پر ٹریفک بڑے نام کی

تھکائی نظر آ رہی تھی۔

سرخ اسپورٹر میں بیٹھے ہوئے فوجان نے

میں ہوں تو وہ کچھ مضطرب ہو گیا۔ اس کے

منہ پر ظاہر ہونے لگی۔ وہ فانا آنا گیا۔

میں نے ہی نظر کیا لیکن میں نے اسے اپنی اشارہ کر کے

میں اس کی گاڑی پر چڑھی اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے

سے پوچھ رہی تھی کیا بات ہے پارے لڑکے کی تیس

کا۔ اس کی ادنیٰ باتیں پر میرے پیچھے گئے ہوئے

ہیں۔ جی جی تو... وہ گھبرا کر بولا۔ میں تو آپ

... ناگ... آپ کو... آپ کو غلط فہمی... بولی

"ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ میں نے بس اطمینان

ہونے کہا۔ تو پھر شاید یوں ہو گا کہ میں تمہارے آگے

ماجاں ہے؟"

"جی... جی... یہ کی عرض کر سکتا ہوں۔ تو میں اس

اب لینے کی چک نظر نہ لگتی تھی۔ حالانکہ گرم نہیں تھا۔

"بہتر ہو گا کہ تم اپنی گاڑی سے اتر آؤ۔ میں نے اپنا

میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا، تاکہ ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں

فوجان کے انداز سے بھگمائی۔ صاف ظاہر تھی کہ اس

یا ہو گا کہ میری بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

کھولنے لگا تو مجھے ڈراما پیچھ بٹنا پڑا۔ وہ کار سے اتر آیا۔

دو ایک راگیداروں نے سنی تھیں نظروں سے ہماری طرف

خبرائے نکلے چلے گئے۔

فوجان جب کار سے اتر آیا تو میں نے گہری نظر سے اس کا

دیکھا۔ وہ کرسی پر اتر چھوٹے سے قدم کا مالک تھا۔ اس کے

ذہانت مشرق تھی اور وہ کسی شریف گھرانے کا فرد معلوم ہوا تھا

میرے سامنے کھڑا مجھ سے نظر چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو تم میرا تعاقب نہیں کر رہے تھے؟ میں نے اسے گھر

مرد لیجیو سوال کیا۔

"کر رہا تھا،" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

میں گئی۔ اس کا یہ جواب میرے لیے غیر متوقع تھا۔ فوجان

دھانے کھڑا تھا جیسے اعتراف جرم کے بعد شرمندہ ہو۔

"... میں نہ جانتا تھا کہ اسے کسے کہنا چاہیے۔ وہ اس نے مجھے

اس نظر سے لگا۔

آپ سے سنا تھا کہ اس کا اسکا کہوں۔ فوجان نظر اٹھا کر

بولے۔ "فانا مجھے یہ ناشائستہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کیا

کر رہی تھی؟"

"میں نے ایسا کیا ہی کیوں؟"

بعد تھا۔

"میں چونک پڑی۔ میرے ذہن میں ایک باوجود یہ خیال

میں اس کی ادنیٰ باتیں پر میرے پیچھے لگا رہا ہے۔

"وہ بہت دیر سے لیجیو بولا۔

میں اس نے غور کیا تھا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"دل نہ،"

میں حیرت سے منہ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"وہ نظر اٹھا کر بولا۔

"وہ نظر اٹھا کر بولا۔

"میں نے اس کی بات کی وضاحت کر دیا

میں با وضاحت کر دیا۔ فوجان نے ٹھنڈا سا سنا لیا اور سرائی

میں گھومتے ہوئے کہا، میں ابھی تک خود بھی اپنے ذہن کے

میں سمجھ سکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو دیکھ کر مجھے

حال میں ایک آگ سی کی ہوئی ہے۔ دل میں اس آگ کی

کو دیکھ کر میں سمجھ سکا ہوں لیکن شاید یہ وہی بات ہو جو شیفٹ

میں کر رہی تھی۔

شاید اسی کا نام فوجان ہے شیفٹ

آگ آگ سی ہے سینے کے اندر کی ہوئی

میں اس طرح بول کر اس کا ایک قدم پیچھے ہٹا جیسے فوجان نے

کہا کہ میرے ماتھے پر دم نکل آئے۔

"میں نے میری بول کر ہٹ پر تو پھر میں دی یا شاید اسے غوس

دہا وہ غلا میں گھونٹا ہوا جھپٹائی ہوئی سی آواز میں بول رہا تھا۔

میں آپ کے گھر کے سامنے والے گھر میں ہی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ

میں کی چھوٹی بہن نے گھر پر لیا ہو گا۔ میں نے آپ کو ایک کڑی

میں آپ کو دیکھتے ہیں۔ یہ اور جو... یہ اور جو...

جیسے... ایک بے تاب شخص بن کر گیا تھا... اگر واقعی

بڑی ہیں۔ اگر مجھے جوت ہونا ہی تھی تو آپ کی چھوٹی بہن سے ہونا چاہیے

تھی جو آپ کی تقریباً ہم شکل ہیں۔ آخر آپ کی کو دیکھ کر میرے دل سے

دھواں کھول اٹھا؟"

مجھے یوں لگا جیسے وہ فوجان مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔

میں اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "تم ایک ایسے ادا کا مسلط ہوئے۔"

اس وقت میں نے فوجان کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھے اور پھر

وہ گویا میری آوازیں بولا۔ میں آپ سے درخواست کر دیا کہ میرے

کی پریشانی کیجئے یا نہ کیجئے لیکن خدا کے لیے اسے جوتا قرار دے کر مجھے اذیت

نہ پہنچائیے!"

میں عجیب سی نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ مجھے اس حیرت بھی ہو

رہی تھی اور غصہ بھی اڑ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے،" فوجان بھر پور لہجے اپنے دل سے شک دودھ

لینا چاہیے۔

"کیسا شک؟ میں بے اختیار پوچھ رہی۔

"میں کی میرے ذہن کی فوجان کا ہے،" فوجان نے کہا۔ اس کے سوا

کچھ نہیں ہو سکتا کہ مجھے آپ سے قہر ہوئی ہے۔"

"ہوں؟ میں ہونٹ پیچھ کر اسے گھورتی ہوں۔ تم اب بھی فوجان سے

دودھ پیتے ہو یا تمہارے دودھ کے ذائقہ قہر ہے؟"

"آپ جس طرح چاہیں میرا ذائقہ اٹھائیں، میرے ذہن میں اب کوئی

فرق نہیں آسکتا۔ فوجان نے ٹھنڈا سا سنا لیا کہ کہا۔ "ایہ بات تو ابھی

میں خود ہی کہہ چکا ہوں کہ میری ادب آپ کی عمر میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔"

آپ مجھ سے بڑی ہیں لیکن دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

اس سے پہلے کہ وہ میرا وقت برباد کرنے کے لیے شامیں بھی بیان کرنا

شروع کرتا، میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "سنو! تمہارا نام کیلے؟"

"امیریز؟ برا عجیب نام ہے؟"

"میری ال ایک عرب خاتون تھیں۔ میرا نام انہی نے رکھا تھا اور

وہ میری بہت کم عمری میں انتقال کر گئیں۔"

"اور تمہارے والد؟"

"وہ فیدل گورنٹ میں سیکرٹری ہیں۔"

میں اس سے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کے سکرٹری؟ لیکن

پھر اچانک مجھے وقت کے تھکنا کا خیال آیا۔ مجھے جلد جانا پڑے گھنچنا

تھا جہاں سیکریٹری منتظر تھی۔

امیریز کی شخصیت ابھی مجھ پر واضح نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے کوئی

978

سے چرکری وقت کے لیے اٹھار کھانا مناسب سمجھا۔ میں نے دلچسپی کا قصد کیا اور بولی۔ تمہاری اعتقاد باتوں نے میرے دماغ کو غاص پر لاندہ کر دیا ہے۔ بہر حال اب میں جاری ہوں۔ یہ بارود کرکے اگر تم نے میرے خلاف کاسلہ جاری رکھا تو میں تمہاری عفت بہت جہنم رسید کر دوں گی۔

ابریزہ مجھے خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگایں۔ میں نے اس کے چہرے پر راسیت عموں کی ادھر جھری سی کے کر رہ گئی۔ کیا واقعی یہ فوٹو رنگا مجھے سے جنت کیمنہ لگے گا ہے ؟

میں نے سٹیک کے چہرے پر اپنی کانپھٹکی مارے ادا اس کے منہ میں بھی پانی ڈالنا چاہا۔ اس کے دانت بہت سختی سے ایک دوسرے پر جتے ہوئے تھے۔ اسی لیے بہت سے کہانی اس کے منہ سے اتر کر ادا پر پانی اس کی کانپھٹوں سے برس گیا لیکن وہ ہوش میں آگئی۔ ہوش میں آتے ہی وہ ایک کانپھٹکے مے اٹھی اور چیخ کر بولی، "مجھے تھامی کے پاس سے چلو!"

میں نے ایک بار پھر ادا اپنے بازوؤں کے حصار میں سے لیا اور کہا۔

"خود کو سنبھالو سنبھالتا جاؤ!"

کردہ کل ہی مستثنیٰ ہو جائیں گے۔
 اس سے پہلے کہ میں کچھ کستی ایک ملازمہ ڈرائنگ روم میں آئی
 نے ملکہ آڈائز میں بتایا کہ پولیس آئی ہے۔
 میں نے ملکہ سے اس وقت نہیں کہا کہ رضوان! فوراً صوفے
 مجھے چھوڑ کر نکلنا۔
 میں نے جواب دے کر بیکسر سے ملکہ کو روکا اور ملازمہ سے کہا
 اس کی بجائے یہ؟

”ہیں اسی بات کی توجہ تھی یہیں نے چھپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔
 دوست میں جس صاحب کا کہنا ہے کہ آپ اپنے گھر تشریف لے
 اور آرام کریں۔ غالباً کل ایک سال بعد اصراف اور دلانی ہو جائے گا۔
 ایسی پی بھرنے کے لیے کہ تو زفر سے دیکھا لیکن کچھ اور نہیں۔
 سڑ اور ادبانی پولس والوں کو کے دروہاں سے رخصت ہو گیا۔
 ان لوگوں کے جاتے ہی میں تیزی سے ڈرائنگ روم میں کوئی اور
 داخلے ایک ماہر دروہوں سے باز رہا۔“

”آپ کیسے... جا رہی ہیں؟“
 ”ہاں، لیکن تم نکلنا نہ ہو۔“ رفیعہ فخر اخیال اسی طرح رکھ کر
 جس طرح میں رکھ رہی ہوں۔ میں بھی تمہاری طرف سے بے خبر نہیں رہو
 دیئے گئے ہیں تم میری ذمہ داری میں چلی ہو۔ تمہارے پیاجی نے مجھے بھی
 کہنے سے پہلے اس بات کا اظہار کیا کہ کتاب میں بھی تمہارا آخری سہ
 ہوں۔“

”ہیں... میں... پتاجی کی لائے... اب کس طرح دیکھ سکتی ہوں؟“

ہاں۔ ایس۔ پی جعفر آیا تھا جس بشیر سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے ہلا دیا۔
"اور وہ ڈل گیا؟" فحواں حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے؟"
"دراصل جب میں نے حبش بشیر کو یہ بات بتائی تھی تو انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اب ایسی ہی جعفر اب کو ضرور گرفتار کرے گا۔"
"میں سمجھتی ہوں کہ ابھی اسے اس بات کا علم نہیں ہوا ہو گا کہ اس معاملے پر حبش بشیر کی گرفت حاصل ہو چکی ہے لیکن جلد ہی اسے اس بات کا پتہ چل جائے گا اور وہ ایک بار پھر مجھے پریشانہ دھڑکے گا۔ اسی اندیشے کے تحت میں نے مناسب ہی سمجھا کہ فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤں۔"

"اب آپ کو غائب ہونے کی ضرورت نہیں ہے حبش بشیر نے مجھے فوری طور پر اس لیے بھیجا تھا کہ میں اس کی طرف اس اپنی جعفر کو کچھ دیر کے لیے اٹھا لوں اور وہ آپ کو گرفتار کر کے نہ لے جائے۔"
"اس سے کیا بڑبڑا؟"
"حبش بشیر نے کہا تھا کہ وہ اب بھی کسی کچھ سے کی طرح بے بسی تو نہیں ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے دن اسے آپ کا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری حاصل کر لیں گے۔"

"مگر کب؟"
"وہ خود ہی ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے کر بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔"
"ادھر تو پھر مجھے روپوش ہونے کی ضرورت نہیں؟"
"یقینی نہیں۔"

میں نے جوا سخت سے کہا کہ وہ دن کو روک کر لے۔
"وہ ایک بار پھر روپوش ہو جائے گا اور میں نے جوا سخت سے کہا کہ وہ کفیل رضا اور صادق حبیب کو ان کے کمرے میں پہنچا دے پھر جس دن سے آخر پڑی۔ رضوان تیزی سے چلا ہوا میرے قریب آیا اور بولا "میں جا رہا ہوں۔ کچھ دیر میں آؤں گا۔"

"کمان جا رہے ہو؟"
"میں جلد میں متان پگھڑی کی کار سے بھاگا تھا۔ اب اسے واپس چھوڑ کر کسی میں آؤں گا۔"
"اچھا، ٹھیک ہے۔"
"اگر دوبارہ پولیس کی لیٹار ہو تو آپ انہیں کسی طرح الجھا کر کچھ وقت گزار دیجیے گا۔ اتنی دیر میں حبش بشیر یہاں پہنچ ہی

جائیں گے۔"
"تم اس کی نگر نہ کرو۔ لیکن اتنی دنوں ایک گھنٹہ اور گی۔ یہ کہتے ہوئے میں مسکرا دی تھی۔ رضوان چہل قدمی کرتا۔ وہ مسکراہٹ میرے ہنسنے پر اس خیال سے آگئی تھی کہ باقیہ دو مہینے جا کھوں تو پولیس اس کے سوا کیا کر سکتی؟
"دوم سے میرے نکلے کا انتظار کرے۔"
میں نے رضوان کو بھیجا کہ سے نکلے دیکھا اور دو مہینے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔
"رضیا ابھی تک سنگینا کو تسلی بخشی دے رہی تھی کہ توجہ سے بولی۔ آپ گئی نہیں؟"
"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

"کیوں؟"
"میں نے اسے غصہ اور مادی باتیں بتا دیں جو مجھے دل معلوم ہوئی تھیں۔"
"اچھا تو اب آپ یہاں رکھیں؟" رضیا اٹھتی ہوئی کہا کہ فوراً جا کر دیکھ لوں کہ صادق حبیب اور کفیل رضا کو مناسبہ کرے میں پہنچا دیا گیا یا نہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ دیکھا؟"
"رضیا چلی گئی اور میں سنگینا کے پاس پہنچ گئی جس کی کہیں ہو کر تھیں اور جیسے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بڑی اپنے انہوں کو روکے ہوئے ہے۔
"مجھے نے نہیں چاہیے گا نا تو؟" وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔
"تم رضیا ہی کے ساتھ جانا۔ مجھے یہاں رکنا ہے۔"
"آپ کو پولیس سے بچنا ہے نا؟"
"ہاں۔"

"تو پھر بہتر نہ ہو گا کہ آپ گھر پر نہ رہیں؟"
"ہاں یہ ایک صورت ہو سکتی ہے لیکن مجھے حبش بشیر کا کہنا ہے۔ وہ میرا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے کر یہیں پہنچیں گے۔ سنگینا بہتر سے سہرا لکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ غمزدہ ہوئی تھی۔ میں نے مناسب ہی سمجھا کہ اب تسلی بخشی کا کوئی نہ تھا کہ تم کے الفاظ بھی انسان کو رلا دیتے ہیں۔
کچھ دیر میں رضیا کو آئی اور بولی۔ "سب ٹھیک ہو گا۔"

"اب تم سنگینا کو شش پگھڑی کے گھر لے جاؤ!"
میرے کہنے ہی سنگینا بڑی سے تابی سے کھڑی ہو گئی۔ میں اسے مزید کچھ کہنے کے لیے بندھے رک گیا۔ ان کو زحمت کر کے واپس لے کر دو مہینے آئی اور ملازمہ سے کافی بنانے کے لیے کہا۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ اس کا انتظار کرے۔ لیکن اس کی خواہش ہی نہیں تھی۔ مکان دور لے کر لے کر کافی ہی کی ضرورت کا احساس ہوا تھا۔
"دوسری ملازمہ کو کہنے میں ہدایت کی کہ وہ برآمدے میں کھڑی جائے اور جیسے ہی پولیس کی گاڑی کو چھٹک میں داخل ہوتے ہرے لہو دیے کی انداز رکھے اس کی اطمینان دے۔"

لیکن اس قسم کی گنگائی صحت پرید نہیں ہوئی۔ میں کافی پی رہی تھی۔ اس نے آگے۔ ان کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بہت پریشان تھی اور مجھے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اسے لڑنے تھے۔ میں نے اسے یہ بھی کافی بنائی اور بولی۔ "میں بے حد غمزدہ ہوں کہ آپ میری پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔"

"مجھے اس سب باتوں کی پروا نہیں ہے۔"
"یہ بات ظاہر تو ہو جائے گی کہ آپ ہی سے میرا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے لیں گے۔"
"ہو جائے ظاہر! حبش بشیر نے جتنا کہہ دیا ہے میری بات سن کر اسے کلمہ میں تو خود ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ کل استغناء دے دوں۔"

میں میں ملک پہنچتی تھی کہ رضوان آ گیا۔
"ابھی پولیس نہیں آئی؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"بہتر اور سنگینا کہاں ہیں؟" وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔
"رضیا سنگینا کو اس کے باپ کی لاش دکھانے کے لیے گئی ہے۔"
"اشان کے گھر؟"

"نہیں اب تو لاشیں وہاں نہیں لیں گی۔ میں جب وہاں سے چلا آیا تو دونوں لاشوں کو پوسٹر کے لیے ہاسٹیل لے جانے کی کوشش کرتی تھی۔"
"تو پھر وہاں سے ہو کے ہاسٹیل ہی چلی جائی گی؟"
"میں اور رضوان کی باتوں کے دوران میں حبش بشیر کسی گھری آئی اور دیکھ رہے تھے۔
"اب ملازمہ بڑی تیزی سے ڈرائنگ روم میں آئی اور گھبرائے

ہوئے انداز میں بولی۔ "پولیس والے آ رہے ہیں۔"
"آئے دو! انہیں لے لاپرواہی سے کہا۔ تم خود انہیں یہاں ملازمہ دروازہ کھول کر محل گئی تو پولیس کار کے کچے کی آواز دی۔ میں نے حبش بشیر سے کہا۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ اندر کسی کمرے میں چلے جائیں؟"

"میں میں نہیں بیٹھا ہوں گا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے حبش بشیر نے کہا۔
"ملازمہ کے پیچھے پیچھے پولیس ڈرائنگ روم میں آئی۔ حبش بشیر وہاں موجود پولیس آفیسر کی پی جعفر کے چہرے پر ہندو مذہب کے آثار پیدا لیکن جلد ہی اس نے خود اعتمادی بحال کر لی اور اس بشیر سے غلام ہو کر بولا۔ "میرا اچھے بے حد انوکھے ہے۔"

"ارباب چنگیزی کو نہ لانے کا؟" حبش بشیر نے سمجھتے ہوئے بولے۔
"میں اپنی ہوسفر ایک بار پھر گڑبڑایا لیکن اس مرتبہ بھی جلد ہی بندہ گیا اور بولا۔ "مجھے بہت اذیت ہے۔ یہ احکامات لے ہیں کہ اس کے ساتھ ارباب چنگیزی کو باطل بھیج دیں۔ دوسرے مجھے بہت سختی سے حکم بھی ملا ہے کہ مجھے باؤ کو گرفتار کر لوں۔"

"تم کل صبح اپنا کسی عدالت میں پیش کر دو۔ یہ حاضر ہو جائیں گے گرفتاری کی کیا ضرورت ہے؟"
"مجھے گرفتاری ہی کا علم ملا ہے۔"
"اچھا تو پھر کرو گرفتار۔ حبش بشیر نے لاپرواہی سے کہا۔
اب اس نے جعفر سے ناخاندانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور بڑبڑاتا ہوا بولا۔ "آپ خود کو زیرِ جاست سمجھیں۔"

ظہار سے بولا۔ "کچھ لے کر کھانا میں چل سکتا ہوں۔ من سے ہنس کر پوچھا۔
"خواب والا! اس نے جعفر سے احتجاج کرنے والے انداز میں حبش بشیر کی طرف دیکھا۔ "یہ آپ کے سامنے ہی مجھے رشوت کی پیشکش کر رہی ہیں اور یہ جرم ہے۔"
"تم ٹھیک کر رہے ہو، اب حبش بشیر نے کہا اور مجھے بولے۔ "نا تو آپ کو اپنے الفاظ واپس لینا ہوں گے۔" وہ بہت متحیر تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے اندر کا حبش بشیر ہو گیا ہو گا۔
"آئی ایم سوری۔" میں نے انگریزی میں کہا اور پھر اس نے جعفر سے بولی۔ "میں معافی چاہتی ہوں ابراہیم صاحب!"

پہلے ہی سے تفتیش کے رہی تھی۔

"قانون کی مجبوری کو نہیں دیکھتا، اس نے پیٹے تفتیش سے کہا۔

"میں تو قانونی مجبوری ہی کا ذکر کر رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"قانون نے مجھے باندھ کر کہا ہے کہ میں گرفتار ہوں۔"

"اگر آپ صرف متون میں بات کرنے کی مادی ہیں؟" ایسا پی غزلا۔

"میرے پاس فعلوں وقت بالکل نہیں ہے۔"

"تو پھر میری سننے کی بجائے صرف یہ ملاحظہ فرمائیے! میں نے

ضمانت قبول اور گرفتاری اس کی طرف بڑھادیا۔

اسی وقت رضوان اٹھا اور اندرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس

نے انھوں ہی انھوں میں کچھ اشارہ بھی کیا جس پر بھی نہیں سکی اور انھیں

کاٹھا روک دیا۔

ضمانت نامہ قبل اور گرفتاری دیکھ کر ایسا پی جعفر کے چہرے کی لگ

بدل گئی۔ میں سزا کی ہوئی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"یہ... یہ کیسے؟ جعفر کے منہ سے نکلا۔

"یہ جتنی نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح اپنا اطمینان کریں۔"

"میرا مطلب ہے..."

"میرا خیال ہے کہ آپ اپنا مطلب بیان نہ کریں۔ میں نے اس کی

بات کا تہ سے ہونے کہا۔" وہ پھر آپ کو شکایت ہوگی کہ میں متون میں باتیں

کرتی ہوں۔"

ایسا پی جعفر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے ایک

بار پھر شکست کھائی تھی لہذا اس کے کچھ رد عمل ہونا ہی چاہیے تھا۔ اس

نے ضمانت نامہ بھی لایا اور پھر دوسرے سخت لہجے میں بولا: "کیٹیل رضا

کہاں ہے؟"

اس سے پہلے کہ اس جواب میں کچھ کہتی رضوان ڈانگ روم میں لوٹ

آیا اور جب اس نے میرے قریب آکر میرے کان میں کچھ کہا تب یہ بات میری

سمجھ میں آئی کہ وہ اپنا ایک اٹھ کر ڈانگ روم سے کہیں چلا گیا تھا۔

"کیا فرمایا آپ نے؟" میں نے ایسا پی جعفر کی طرف دیکھا۔

"کیٹیل رضا کہاں ہے؟"

"آپ جانتے کیا ہیں؟"

"میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ پولیس کی حفاظت میں رہے

گا اور کل صبح اس کا کس حالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اب آپ چنگیزی بھی

وہاں موجود ہوگا اور پھر اگر عدالت مناسب سمجھے گی تو آپ کے نام کی جاری

کردے گی تاکہ آپ اگلی پیشی پر عدالت میں حاضر ہو سکیں۔" ایسا پی جعفر نے

کہا۔

"لیکن..."

"میں اس سلسلے میں کوئی حذر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔

ماہل ہے کہ میں کیٹیل رضا کو دستیاب کرنے کے لیے اس کا کھانا

سکتا ہوں۔"

"ارے صاحب آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں! میں نے

کہا یہ میں ہی کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔

"کیسے؟"

"کیٹیل رضا! میں نہیں ہے۔"

"وہ نہیں ہے۔" ایسا پی جعفر نے زور دے کر کہا۔

"آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔" میں نے بہت بے نیکی سے کہا۔

اس موقع پر جوش بشیر نے غیب کی نگاہ سے میری طرف

ہوئے تھے۔ وہ اس بات پر حیران ہوں گے کہ میں کیٹیل رضا کو

ایسا پی جعفر یہاں کی تلاش کے کرنل رضا کو دستیاب کر سکتا

لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں نے جعفر نہیں بولا تھا۔ کیٹیل رضا

جیب! دونوں ہی اب میرے گھر میں تھے۔ رضوان نے اس

بوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے یہ بات سن کر غمی کی کہ میری

میں کام ہونے کے بعد ایسا پی جعفر کی تلاش پر دھاوا بولے گا

تو یہ ہی رضوان ڈانگ روم سے اٹھ کر لڑائی لگاتا اور اس نے ہوا

کی غمی کہ وہ فوراً کیٹیل رضا اور صادق حبیب کو لے کر وہاں سے ہٹا

اگر رضوان نے میرے کان میں یہ بات بتادی تھی اور کہا تھا کہ میں

ایسا پی جعفر کو باتوں میں اچھلے کھولے ہوں تو جتنا مستحق اتنی میری

دور نکل جائے۔

ایسا پی جعفر نے بڑے غصے سے کہا: "میں کسی غلط فہمی کا شکار

ہوں۔ آپ فوراً کیٹیل رضا کو میرے حوالے کر دیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تلاش کے لیے آپ کا اطمینان ہو سکے گا

کھڑی ہوئی ہوئی ہوئی۔" چلیے! تلاش کے لیے چلیے۔"

پھر آدھے گھنٹے کے اندر اندھا میں پی جعفر کی حالت

تھی۔ گھر کا چہرہ چاندی دیکھنے کے بعد میری جب کیٹیل رضا کا کوئی

مل نہ سکا تھا تو غصے سے اس کی گردن کی نیس پھول گئی تھی اور

سرخ ہو گیا تھا۔

"تم نے اسے پھر غائب کر دیا؟" ایسا پی جعفر دبا دیا۔

یہ انداز تھا کہ اب اس کا میرے تن بدن میں آگ لگ

کہا کہ کما مہر اس کی اگر تہذیب کے بجائے بھی نہیں

میں تو فوراً اس گھر سے نکل جاؤ اور آدھ گھنٹہ بھی یہاں قدم نہ رکھنا۔

اب یہاں سے فوراً رخصت نہ ہوئے تو میں بھی دھکے دے کر

دھکے دوں گی۔"

"میرا بھائی! اس کی غزلیا! تم جیسے صاحب کے سامنے قانون

"ہاں۔" جیسے بشیر نے بہت خندے لہجے میں کہا: "انھوں نے

کی قانون کے غلط فہمی کی بے عزتی کی ہے لیکن اگر انھوں نے پولیس

کی عزت کا دعویٰ کیا تو میں گواہی دوں گا کہ کبیل کرنے والا خود

ہاں کا غلط تھا۔"

جسٹس کی اس بات کے بعد ایسا پی جعفر جھگ کی طرح جھٹکتا

میں ابھی تک غصے میں تھی۔ میں نے دو دواؤں کی طرف ہاتھ اٹھا

دے کہا: "ماوا اتم ایک یہاں کیوں موجود ہوا؟"

لہذا تو میں نے احساس سے اس کی جعفر کا چہرہ مفید پڑ گیا۔

پنے انھوں کے سامنے ذیل ہونا پڑا تھا۔ وہ ایک جھکے سے روز

ملا اور تیزی سے نکلا چلا گیا۔ اس کے پیچھے چھپنے کے

بھی رخصت ہو گئے۔

میں دھم سے ایک مونس پڑھ گئی۔ میرا غصہ ابھی تک فرو نہیں

اور میں اس لمحے فیصلہ کر رہی تھی کہ اس کی جعفر کو کچھ سزاوار

ہے۔

"آخر صادق حبیب اور کیٹیل رضا لگے کہاں؟" جیسے بشیر حیرت

میں

عرب میں میں نے تو کچھ نہیں کہا لیکن رضوان نے انھیں ساری

ادبی اور وہ سہرا لگا کر بولے: "ٹھیک ہے، یہ ایک چلے۔ اب

لوگوں کو سزا دے دوں گا۔ آپ خود ہی ان دونوں کو عدالت

روں۔ مشتاق چنگیزی کے نقل ہی کے سلسلے میں ان دونوں کو

ات کیا جا سکتا ہے۔"

میں انھیں اس وقت عدالت میں پیش کرنا چاہتی ہوں جب وہ

پہلے بالکل درست ہو جائیں اور ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا

ہم کی حالت میں ہوں گے۔"

"ہاں... یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" جیسے بشیر نے سہرا

لیکن کیا آپ انھیں اس وقت تک پوشیدہ رکھ سکیں گی؟"

ایسا پی جعفر نے رضوان بول پڑا: "دو دنوں روز تک پولیس کے

کی ایک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" ایسا پی جعفر نے پتا ہوں: "جیسے بشیر نے

میں اور رضوان بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں سے ان

ساخہ ساتھ دو دواؤں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "ایک درخواست

آپ سے؟"

"ہاں اس شوق سے کہیے؟"

"آپ جیسے میری وجہ سے ان پر لٹائیں میں پڑے ہیں اور آپ

نے استغاثہ کے فیصلہ کیلئے میں چاہتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں

میری بھی اب بھی کو شش ہے کہ میں اپنے سلسلے میں آپ سے کسی قسم کا تعلق

نہ چاہوں۔ اس طر اندہ آپ پر اوپر والوں کا باؤ نہیں پڑے گا۔"

"میں اب تو جیسے بشیر نے گھبراؤ میں کہا: "میں فیصلہ کر رہی

نہیں بدل سکتا۔ میں نے آپ کے سلسلے میں کوئی غیر ضمانت دینے نہیں اختیار

کیا تھا۔ آئندہ بھی میں کسی کے سلسلے میں اس قسم کی دہلاؤں کر سکتا

ہوں لہذا اس سے پہلے کہ دوبارہ مجھ پر اس قسم کا کوئی دباؤ پڑے اور میری

آنا مجروح ہو میں اپنے غم سے دستبردار ہو جانا چاہتا ہوں۔ لہذا

کسی قیمت پر نہیں بدل سکتا۔ جیسے کوئی فیصلہ اس کے نہیں کرنا کہ اسے

بدل بھی سکے۔" جیسے بشیر کے انداز میں انسا استقامت تھا کہ پھر میں نے

مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

"رضوان! تم جیسے صاحب کو کچھ پورا ڈاؤ! میں نے بہت سے میں نے

کر کہا اور پھر پورے میں کھڑی ہوئی ایک کار دیکھ کر بولی: "اودہ ایہ کس

کی گاڑی ہے؟"

"یہ اسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ہے جس سے میں ضمانت نامہ لے کر

ہوں۔" ڈاؤ پورے موجود ہے اس لیے رضوان صاحب کو زحمت میں نہیں

پڑتا پڑے گا میں چلا جاؤں گا۔"

"میں ایک... یہ آپ کا گھر؟" اوپر کی ہوں۔ آپ نے میری وجہ

سے بہت زحمت اٹھائی۔"

"مجھے قطعاً زحمت نہیں ہوئی ہے۔ آپ اب بار بار یہ الفاظ زبان پر

لا کر مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔"

اس کے بعد جیسے بشیر رخصت ہو گئے۔ میں اور رضوان ڈانگ

روم میں لوٹے۔ رضوان نے خندہ لاس کے کہ کہا: "جیسے بشیر کا عظیم

الہام ہے۔"

میں نے اس خیال پر کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے پوچھا:

"کیٹیل رضا اور صادق حبیب کو تم نے کہاں مشعل کروا دیا ہے؟"

"وہ واقعی اس جگہ پہنچ چکے ہیں جہاں پولیس کے فرشتے بھی

نہیں پہنچ سکتے۔ وہ ایک بہت بڑے آدمی کے گھر میں مہمان بنے

ہوں گے۔"

”اس برسے آدمی سے تھا کہ کیا تعلق ہے؟“
 ”جب میں کروٹ لڑ رہا تھا تو اس برسے آدمی کی کئی بکھریاں گئیں
 برسے لڑتے ہوئے تھیں۔ اگر میں وہ راز افشا کر دوں تو وہ کسی کو مرتد
 کھانے کے قاتل سمجھے؟“
 ”تم ایسے بیکل کرتے ہو؟“ میں نے رضوان کو گھوڑا
 ”میں نے اس کے کبھی ایک پیا بھی نہیں لیا؟“ رضوان نے مڑو
 بنا کر کہا ”میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں صرف لاش اور
 بدعنوان انسانوں کو دیکھ کر ہلکا ہوتا ہوں اور اب بھی انہی کو دیکھ کر ہلکا
 کرتا ہوں ورنہ ملازمت چھوڑنے کے بعد تو بیوقوف سے لڑیاں
 لڑ کر کروڑوں روپے جیتا ہوں؟“
 ”تو پھر اس برسے آدمی کے راز تم نے اپنے پاس کیوں رکھے پھر؟“
 ”میں؟“
 ”جنھن کس لیے کہ اگر ضرورت پڑے تو اس سے کوئی ایسا کام
 لے سکو جس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے جیسا کہ آج برسے
 صادق حبیب اور کفیل رضوان کے لیے اس آدمی کی کوئی بھی ستر
 گوشہ عافیت اس وقت میں نہیں مل سکتا تھا؟“
 ”ہوں؟“
 ”میں اور رضوان صوفیوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے
 کچھ خیال آیا تو میں بڑبڑاؤں ”رضوان اور سنگیتا ابھی تک نہیں لڑیں؟“
 رضوان اچانک کس گہری سوچ میں ڈب گیا تھا اس نے
 شاید میری بڑبڑاہٹ میں سنی اور پھر اچانک مسکرا کر بولا ”آپ کے
 لیے ایک تحفہ ہے میرے پاس!“
 ”کیسا تحفہ؟“
 ”ایک ایسا تحفہ کہ مشاق چنگیزی رام لال اور صادق حبیب
 کا ممتاز سے نکلے ہوئے پورٹل ہو گیا ہے؟“
 ”یعنی؟“
 ”مشاق چنگیزی کی ڈائری؟“ رضوان نے کہا اور اپنے لباس
 کے اندر پوشیدہ ڈائری نکال کر میری طرف بڑھا دی۔
 ”یہ تمہیں کہاں سے ملی؟“ میں نے جلدی سے ڈائری کو ہاتھ
 لیے پوچھا۔
 ”مشاق چنگیزی کی خواہش ہے؟“ رضوان نے جواب دیا جس
 وقت پولیس وہاں اپنی کارروائی میں مصروف تھی مجھے مشاق کی خواہش
 میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا یہ ڈائری اس کی ساڈی میل پر رکھی ہوئی
 تھی۔ اس کے پاس ہی قلم بھی رکھا ہوا تھا۔ میں سمجھا ہوں کہ جس

وقت آپ وہاں پہنچے تھیں وہ ڈائری ہی کچھ رہ گئی۔ اگر
 آج تک کے اندراجات موجود ہوں۔ اب صادق حبیب
 توازن ٹھیک ہو جائے ہو اس ڈائری سے سب کچھ
 ہے مجھے آتا تو مجھے نہیں ملتا ڈائری کو پوری طرف سے
 جستجو نظر ڈالنے کے لیے میرا خیال ہے کہ اس ڈائری میں
 ساری باتیں موجود ہیں جو آپ جانا چاہتی تھیں مثلاً
 بڑبڑوں سے تیار کردہ وہ دوا خود صادق حبیب کی دوا
 جس سے دماغ کو قوی طور پر تیز تر بنایا جاسکتا ہے
 کہ مشاق چنگیزی نے اپنی مطلب باری کے لیے اس حال
 جب صادق حبیب کو اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ مشاق
 رام لال کو دیکھ کر اس کے اس کا سب کچھ بھینسا جاتا ہے
 اس شریف آدمی نے اس خیال کی مخالفت کی تھی۔ وہ جانتا
 مشاق چنگیزی رام لال سے صرف اتنا ہی مطالبہ کرتا ہے
 حق نہ ہے لیکن مشاق چنگیزی پر انعام کا بھرتہ ہوا
 کی خواہش تھی کہ وہ رام لال کو کمرگوں پر بچھ کر مانگتا ہے
 جب اس نے مسکراتے ہوئے صادق حبیب اس کی راہ میں مزاحم
 لگا ہے تو اس نے صادق حبیب کی دریافت کردہ دوا کو غور و
 پرکھا ڈالا۔ اس طرح اس نے اپنی مانی کرنے کی راہ میں
 بعد میں کفیل رضوان پر بھی یہ دوا آزمائی اور...“
 رضوان بولتا رہا اور میں ڈائری کی ورق گردانی کرتی رہی
 دھیان رضوان کی طرف بھی تھا اور میں ڈائری کے اندراجات
 نظر دوڑاتی جا رہی تھی۔ مجھے انہیں یاد ہو گیا کہ رضوان نے اس
 کہا تھا یہ ڈائری ملنے کے بعد اب صرف ایک بات پوشیدہ رہی
 تھی اور وہ بات یہ کہ شائستہ حبیب کو حقیقتاً سس نے قتل کر دیا
 رام لال نے ایسی اور ہے؟
 میں اور رضوان اس ڈائری کے اندراجات پر گفتگو کر
 تھے کہ رضوان اور سنگیتا واپس آگئیں۔ سنگیتا بہت شعلہ صاف
 اس کی سونے سرخ آنکھیں پوری ہوئی تھیں۔
 ”وہ لوگ لاش کو اسپتال سے جا چکے تھے؟“ رضوان بولی
 ”یہ میں وہاں جانا پڑا۔ پورٹل مارم کے بعد لاش میں کس
 میں نے سر ملنے پر گفتگو کیا اور سنگیتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے
 قریب بٹھالیا۔ وہ بڑھالی حالت میں میرے شانے سے سڑکا
 گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔
 میں رضوان کو صادق حبیب اور کفیل رضوان کے بارے میں بتا

کی کشتی بچ گئی۔ خون میرے قریب ہی تھا میں نے
 ڈاڑھ پیس میں بولی ”سیلو! یا نو اسپیکنگ!“
 ف سے وہ پولیس آفیسر بول رہا تھا جو مشاق چنگیزی
 کے لیے تھے۔ اس نے کہا: ”بازو حاذی میں
 کے کھینے پر آپ کو جانے کی احادیات سے دی تھی لیکن
 انہیں بیان لینا چاہتا ہوں۔“
 ”آفیسر! میں پولیس اسٹیشن آجاتی ہوں؟“
 ”آپ زحمت نہ کریں یہ خود آپ کے دولت کدے
 میں ہے۔“
 ”تو ہوگی!“
 ”میں! آپ بس یہ بتائیے کہ گھر پر پریشان؟“
 ”میں جانا بھی ہوا تو میں آپ کا انتظار کرتی۔ ویسے
 جانا۔ آپ شریف لائیں؟“
 ”میں ماضی ہو رہی ہوں۔“
 ”میں سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں ریسور رکھ
 بولی یہ بہت شریف آدمی ہے۔“
 ”آفیسر! مشاق کے کس کس کس قتل میں کر رہے ہیں؟
 مشاق کی ڈائری رضوان کو پاس کر کے رکھ دی
 میں اسے احتیاط سے دیکھتا ہوں کہ ہاتھ پر گھر کا گرم انداز
 ہوا کہ اس کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے
 آفیسر سے نمٹ لوں جو میرا بیان لینے کے لیے آئے
 میں نے رضوان فوراً ہی اٹھ کر نڈھال چلا گیا۔ جانتے
 رضوان کو بھی اشارہ کر لیا تھا کہ یہ کون چننا سیکھتا ہے
 پہل گئی۔
 ”کہہ دو آرام کرو؟“ میں نے سنگیتا سے کہتے
 ”میں نے کراٹھا یاد اس پر اپنی خواہش کے طرف سے
 طلب باصل خاموش تھی، نہ کہ بول رہی تھی، نہ
 میں سمجھتی تھی میں نے اسے اپنی خواہش میں لے جا
 اور اس کی پیشانی پر چوم کر بولی ”تم آرام کرو۔“
 ”میں آفیسر سے ملتی ہوں۔ اس کے بعد ہم سب
 میں ہمارے سنگیتا بھوک نہ گئے۔“ کاغذ کر کے
 میں نے سنگیتا کو کفیل رضوان کے بارے میں بتا

لیکن وہ اب بھی خاموش ہی رہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے
 تھوڑا بہت کھانا کھانے کے لیے مجھے خاما امرار کرنا پڑے گا۔
 (X)
 وہ رات اور ان کا دل اس طرح گھبرا کر کہ وہ درجن نکان ہو
 گئی۔ وہ پولیس آفیسر تو بیان لے کر چلتا تھا لیکن اس کے بعد
 سنگیتا کو کھانا کھانے میں بڑا وقت صرف ہوا۔ پھر یہ کہ وہ سو
 بھی نہیں سکی اور اس کی وجہ سے مجھے بھی جاگنا پڑا میں رستہ بچے
 میں میں نے مشاق چنگیزی کی ڈائری پر غور ڈالی۔
 اگلے دن اسپتال سے رام لال کی لاش مل گئی اور
 اس کی آخری رسومات پوری کرنے میں خاصا دن گزرا۔
 اس کے لگنے دن کیس عدالت میں پیش ہوا اس
 وقت ہم صادق حبیب اور کفیل رضوان داغی طور پر اصل
 نارمل ہو گئے تھے۔ میں نے صرف انہیں عدالت میں پیش
 کیا بلکہ مشاق چنگیزی کی ڈائری بھی عدالت کی تحویل میں
 دی۔ عدالت نے کیس کی باقاعدہ سماعت کے لیے آٹھ دن
 بعد کی تاریخ دے دی۔
 گویا ایک معاملہ اب پوری طرح منٹ چکا تھا لیکن میں
 سنگیتا سے کہے ہوئے اپنے اس وعدے کو نہیں بھولی تھی کہ میں
 اس کے محبوب ڈاکٹر شکیل کے قاتلوں کو ہرگز معاف نہیں کروں
 گی۔
 ڈاکٹر شکیل کو ہلاک کرنے والا ایک ٹرک ڈرائیور تھا لیکن
 جس نے اس معاملے کو دسے زائد ہے۔ دیکھ رہی تھی۔ اس سارے خوفی
 ڈرامے کی بڑی شخصیت خان آف کالاوٹ تھی اور اب مجھے
 دراصل اسی سے پشیمان تھا لیکن یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔
 خان آف کالاوٹ اتنا اثرنا تھا کہ اب مجھے بہت
 ہی محتاط رہ کر کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اس نے پولیس کو
 اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر شکیل کے کس کی فائل بند کر
 لے لہذا اب اس فائل کو دوبارہ کھولنے کے لیے مجھ پر تھا
 کہ میں جب پہلے خان آف کالاوٹ کی شخصیت کو اصل حاکم کی
 نظریں مشتبہ بنا دوں۔
 میں نے رضوان کو تمام باتوں سے گاہ کر دیا اور اسے تاکید
 کی کہ وہ خاص طور سے اس جہاد کا پتلا جانے کی کوشش نہ کرے
 جہاں مجھے قید کر لیا تھا۔
 میں اس دوران میں سنگیتا کی انفرنگی ختم کرنے کے لیے اسے

اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر جس کی تفریح کا وہاں میں اگھوٹی پھری۔
اس کا بچھا بچھا سا چہرہ دیکھ کر مجھے دیکھ بڑا تھا اور میں چاہتی تھی
کہ وہ جلد از جلد معمول پر آجائے لیکن اُس کا تبار بہت بڑا تھا کہ ایسا
جلدی نہیں ہو سکے گا۔

ایک دن میں سنگیتا کو فلم کی شوٹنگ دکھانے کے لیے
ایسٹرن اسٹوڈیو لے گئی۔ اس روز صبح اُن بھی میرے ساتھ تھیں
یہاں تھا کہ شوٹنگ کے لیے وہاں پہنچیں تو وہاں پہنچ کر اسٹوڈیو کے
باہر سائیکل کے پاس ایک کھڑی کڑی لڑکی تھی۔ وہیں اور بھی کئی لڑکیاں
پارک کی کئی تھیں۔ دراصل اس رات اسٹوڈیو کے احاطے میں کسی
فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی اس لیے وہاں گاڑیاں پارک کر دی گئیں تھیں۔

اسٹوڈیو کے کسی سرکردہ اُڑاؤ مجھے جانتے تھے۔ انھوں نے
ہمارے پیراٹریکس کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا اور مجھے سب سے
زیادہ خوش اس بات سے ہوتی کہ میں نے کسی روز بعد سنگیتا
کے چہرے پر کچھ بھالی دیکھی۔ غالباً اُس نے زندگی میں پہلی مرتبہ
کسی فلم کی شوٹنگ کی تھی اور یہ ایک اتفاق تھا کہ اس فلم میں
کئی بڑے بڑے اداکار تھے اور اداکار حقدے سے جسے مجھے شخص
دیکھنے کی خواہش ہے شمار لوگوں کو ہوتی ہے۔

رات کے دو بجے شوٹنگ ختم ہو گئی تو میں صبح
اور سنگیتا اسٹوڈیو سے نکلے گا۔ ہمارے دواں میں سب سے پہلے
ہم پہنچے۔ ہم اپنی کاکس حریف بنے۔ کار کے قریب پہنچ کر میں
چاہی سے کار سے دو دروازے کلاک کھول رہی تھی کہ بائیں جانب
سے کراہ کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر آواز کی سمت
دیکھا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ابرین تھا۔ ایک چاقو اُس
کے بائیں بازو میں آکر پارہا تھا۔ میں تھا اور خون کی شرٹی اُس کے لباس
پر چھلکتی جا رہی تھی۔ چہرے پر تلکلف کے آثار تھے۔ یہ وہی فوجی تھا
جس نے ایک مرتبہ سڑک پر مجھے سے اظہارِ عشق کیا تھا۔

دفعہ کھڑی ہوئی گاڑیوں میں سے ایک کا زنگی اور فرائے بھری
چلی گئی۔

میں نے... اُسے کھڑے پاؤں اُپر پریشی شکل سے جھپٹا۔ اس
نے آپ پر چاقو پھینک رکھا۔ اگر میں جلدی سے پیچ میں نہ آجاتا تو...
میرا جسم اٹھ اٹھا۔ یہ مجھ پر تالا نہ ملے تھا۔

"نہاں! تم اس لڑکے کو دیکھو! میں نے ابریز کی طرف اشارہ کیا۔
"سنگیتا! تم فوجیوں کے ساتھ بھڑوا"

پھر میں تیزی سے اپنی گاڑی میں بیٹھی
اسٹوڈیو کا چوکھڑا دار کئی دوسرے آدمی اب...
آہستہ آہستہ میں تیزی سے توجہ اس مفروضہ کار کا طرف
روشنیاں اچھی نظر سے اور جلد میں ہوئی تھیں۔

سے اس کے نقاب میں چل پڑی۔
مجھے ہوا تھا اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ مجھے
حالت میں نہ رہی تھی لیکن اب میرے ذہن نے تیزی سے
میں نے ابریز کے بازو میں چاقو پھینک دیکھا تھا اور وہاں
وہ چاقو دراصل مجھ پر پھینکا گیا تھا۔ گراؤ مجھے قتل کر
تھی لیکن اس کشش کو ناممکن دیکھ کر مجھ کو ملا اور وہاں
تھا۔

ظاہری حالات یہ بتا رہے تھے کہ مجھے ہلاک کر
ابریز کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے
کا کھیل ہو گیا۔

میں سب سے زیادہ اس بات پر حیران تھی کہ
اُگیا۔ بعض مجھے جانے کے لیے وہ اپنی جان پر کیوں
اُس کے بازو کے بجائے اُس کے سینے میں بھی بیویوت
نے مجھے جانے کے لیے اپنی زندگی کا خطہ بھی مول لیا
کیا اس کا سبب صرف وہی ہے کہ اُنھار ابریز نے
تھا؟

عشق!

کیا واقعی یہ لڑکا مجھے اتنی شدت سے چاہنے لگا ہے
اپنے آپ سے یہ سوال کیا اور نہ جانے کیوں کچھ خیالات
کچھ ایسا لگا تھا جیسے ابریز نے میرا نسخہ اُٹانے کی کوشش
لیے بڑی مشکل تیزی سے بات کی کہ ایک کم عمر فوجی بہت
میں یہ سب کچھ سوچتی رہی اور اس کا کار کا نقاب
مجھے محسوس ہوا کہ نقاب کو کھڑکے کا احساں ہو گیا ہے کہ

یہ معمولی تیزی اختیار کر لی تھی۔ نتیجے میں مجھے اس سے
انتہا پر ہلکی سی لڑکی ایسا کہ لہجہ میں اس کے قریب نہیں
اس کا کار کا شہر کی طرف ہونے کی بجائے وہاں

ہم دونوں کی کار میں یہ ایسا ہے کہ بڑی تیزی اور اب
دوڑ کا اختتام پاؤں کے قریب پہنچ کر جسے... میں
کچھ اس طرف کیوں بھاگ رہا ہے؟ کیا اُسے وہاں

یا وہ شخص ہو گا کہ میں اس کا دھڑکنے کا آواز

جاری رہا اور مقتدر خیال میرے دماغ میں بکراتے رہے
تو میرے ذہن میں خاص طور سے مجھ پر مبنی۔ یہ وہ
میرے سامنے آیا تھا اور اُن دونوں موقعوں کے برابر
ال تھے۔

اب ابریز میرے سامنے اس دن آیا تھا جب
اُن کو ہلاک کرنے کے بعد رام لال نے خود کشی کی تھی
میں نے ابریز کو تقریباً نو سو گولیوں کی گولیوں کا تار
سے سامنے آیا اور وہ بھی حدودِ سر ڈرامائی صورت حال
میں ظاہر ہوئی کہ وہ پہلے ہی سے اسٹوڈیو کے باہر چوڑے
صاف سے کسی نامعلوم شخص کو مجھ پر چاقو پھینکتے

حالت
نامعلوم شخص پہاڑوں کی طرف بھاگ رہا تھا اور
اُن کے نقاب میں تھی۔ ہم سڑک کو چھوڑ چکے تھے اور ہمارا
پلٹے پر جارہی تھا۔ اس ناہمواری کے باعث
اُن کو ہوتی تھی اور جیسے جیسے ناہمواری میں ہٹاؤ
دیے دیے ہماری رفتار میں مزید کمی ہوتی جا رہی
گرد و مٹیوں تک سناٹا پیدا ہوا تھا اور تاریکی چھائی
اب میرے سر میں حملہ آوری کا کہہ کر گزرتا دیکھ سکتی اگر
روشن نہ ہوتیں۔ اس بد نصیب کے ساتھ یہ بڑی
میں بھاگتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کی ہڈی
میں اور وہ اس غمور تاریکی میں اپنی کار کو کسی مادے

اُن کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور پھر شاید سامنے
اُن کی گاڑی کا کوئی ٹکڑا ہو گیا۔ اسے ڈرائیو کرنے
اُن کو بھجوا دیں۔ ہیڈ لائٹس کے ساتھ ہی ٹیل
میں غلبہ وہ چاہتا ہوا کہ اس کی کار میری نظر سے
اس کی بد نصیبی کا یہ اس سے زیادہ دور

اُن کی ہیڈ لائٹس میں اس کی کار صاف نظر آ رہی تھی۔
داراز کھلتے ہوئے دیکھا۔ اس میں سے ایک آدمی
بھاگ رہا تھا۔

ادار کی کال کے بالکل پیچھے لے مار دو کی اور اُن کی بند
اُن کی آواز آتی تھی کہ میں نے اپنے پرک میں سے پتھر
میں غمور سے پیچھے دوڑ پڑی اور میں نے پیچ کر کہا کہ
اُن کی۔

لیکن وہ نہیں نکلا۔ وہ بالکل خطا اُلوس کی طرح اوپر چڑھتا جا رہا
رہا تھا۔ شاید اُس نے میرے بارے میں اُن کچھ نہیں رکھا تھا کہ اس پریری
دہشت طاری تھی

اپنی بڑی کے سینڈل کی وجہ سے مجھے اوپر چڑھنے میں دشواری
ہو رہی تھی اس لیے میں نے چند سینڈل کے لیے رنگ کا پتے سینڈل مار چکے
اور پھر دوڑ پڑی۔

اب ہم اندھیرے میں تھے مگر وہ چونکہ لندی کی طرف جا رہا تھا
یہ آسان پر بکھرے ہوئے تاروں کے پٹن نظریں دے دے ایک ہونے
کی مانند نظر آ رہا تھا۔ میں بڑی آسانی سے اس کا نقاب جاری دیکھ سکتی تھی
لیکن پہاڑ پر اپنی تیزی سے چڑھنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ میں جلد ہی
پلٹے پلٹے ہوئی اور میرا سر اس جھلے لگا۔ ظاہر ہے کہ میں مالٹ اُس
شخص کی بھی رہی ہوگی جو آگے بھاگ رہا تھا۔

اُن میں پاسی تو بڑی آسانی سے اسے گولی مار سکتی تھی لیکن
ظاہر ہے کہ میں ایک تامل بننے کی خواہش کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ اس
کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ میں اس شخص کو زندہ سلامت پکڑوں۔
وہی مجھے بتا سکتا تھا کہ اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کیوں
کی تھی... وہ میرا کوئی بڑا دشمن تھا یا میرے نئے دشمنوں نے
اسے مجھے ہلاک کرنے پر ہمارا ہاتھ تھا۔

پہاڑ کی تین تو تھائی بلندی طے کرنے کے بعد میری یہ حالت
ہوئی کہ سب سے کسی دشمن کی طرح پھوٹنے پھٹنے لگا اور پسینے کی یہ
حالت ہوئی کہ پتھروں پر قطرے پڑنے لگے۔ یہی حالت چہرے کی تھی
کہ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میری رفتار میں
خاصی مزید کمی واقع ہو چکی تھی لیکن دوسری طرف میرے متعاقب
کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی رفتاری بھی دم توڑ چکی تھی۔

میں نے پیچ کر کھنکھایا۔ میں نہیں پکڑے بغیر واپس نہ جاؤں
گی۔ لیکن الفاظ میرے حلق میں ہی اُلٹ کر گر گئے۔ سانس تنہا چھوٹ
گیا تھا کہ جینٹا اور کتا زبولنا بھی مشکل تھا۔

ہم دونوں کی رفتار بتدریج کم ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود
ہمارا دھیان فاصلہ بھی کم ہوتا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمیں ہوا
مگر میں اپنی مفروضہ زیادہ تیزی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

آخر وہ مجھ کی آگیا جب میں نے بھاگتے ہوئے اس شخص کو
پہاڑ کے تین اوپر دیکھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں ابھی دو تین
منٹ طے۔ لگے۔ اچانک میں نے اس شخص کو لوگ لگا کر گرتے دیکھا خدا
جانے وہ کسی چیز سے ٹکرا گیا تھا یا انکان کے باعث اپنا توازن

برسر انہیں رکھ سکا تھا۔ بہر حال وہ گرا لیکن میری طرف نہیں بلکہ دوسری طرف گرا۔ مجھے اس کی پہنچ سنائی دی اور میرا سارا جسم سناٹا اٹھا۔

”بچاؤ!“ حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس وقت میرے جسم میں طاقت جیسے نئے سرے سے عود کر آئی۔ میں مشکل سے آدھے منٹ میں اوپر پہنچ گئی اور انھیں پھاڑ پھاڑ کر ادرہ ادرہ دھکے لگی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آیا۔

”بچاؤ!“ وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور دنگ کا تہہ توں سے کچھ مزید بڑھی۔ چاند تاروں کی ہلکی سی روشنی میں مجھے دو ہاتھوں کی صرف انگلیاں نظر آئیں جو ایک بچان کی لنگر پر چھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس شخص کا جسم دوسری طرف ٹکا ہوا تھا۔

”اوہ... خدایا!“ میرے منہ سے نکلا۔ میں نے جا ہار جھپٹ کر ان دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا لیکن کچھ لمبا بستی نہ ہو سکی تھی کہ میں تیزی سے حرکت میں آسکتی۔ اس کے علاوہ شاید یہ مجھ سے بے ممکن نہیں رہا تھا کہ میں اس شخص کا وزن سنبھال سکتی اور اسے کھینچ سکتی۔

میں نے اپنی کوشش کو کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ بس اتنا ہوا کہ میری انگلیاں اس قدر نصیب کی انگلیوں سے ٹک رہیں اور پھر کھیل ختم ہو گیا۔ چٹان کی لنگر پر ان انگلیوں کی گرفت ختم ہو گئی اور ایک بھیاں کھینچ سناٹی دی۔

میں چٹان پر اونچے لیٹا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھوں کو دوسری طرف دھکا دیا۔ منہ سے بے باعث مجھے اس شخص کا جسم تو نقص نہیں آیا لیکن دور ہونے والی پہنچ سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ کتنی گہرائی میں جا کر گرا ہو گا۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس جسم کی کوئی بکری بھی سلامت نہیں بچے ہوگی اور اس کا دم بھی فوراً ہی ٹکڑ ٹکڑ ہو گا۔ لیکن ہاتھوں کی بلندی سے ہرگز زندہ بچ سکتا۔

میں وہیں چٹان پر بچت لیٹ گئی اور میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے چھوٹے سانسوں کو بھول کر آنے میں کس پندرہ منٹ ضرور لگ جائیں گے اس کے علاوہ اس شخص کی ہولناک موت سے بھی میرے اعصاب پر ناخوشگوار اثرات مرتب کیے تھے اور نہ جانے کیوں مجھے اس کا موت پر کچھ افسوس ہوا یا ہوا جلائی کسی شخص نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس تلیک دیرانے میں چٹان پر لیٹے مجھے یوں محسوس

ہوا۔ جیسے دنیا کا ہر ذرہ موت ختم ہو گیا ہو۔ میں نے کچھ دیر بعد انھیں کھول کر دیکھا۔ ستاروں کو دیکھا۔ شاید وہ ستارے بگملا گئے ہوں۔ حیرت سے مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سائنس تو باتوں میں آجے تھے لیکن پنڈلیوں کے تھی میں نے اپنا پستول برس میں رکھ دیا اور بیٹھے بیٹھے غور کر دیا۔ اب مجھے ایک بار پھر مل گیا تھا کہ اب تک اسے ہسپتال پہنچایا جا چکا ہو گا۔ زخمی بازوں کی ڈرنگ بھی ہو چکی ہو۔

بہر حال اب میں جلد از جلد ہال کے کمرے چاہتی تھی اس لیے کھڑی ہوئی اور میری طرف سے تیرا تیرا نہ کیا۔ جلد سے چلے گئی۔ میری پنڈلیاں اتنی تھک رہی تھیں کہ اب وقت پیش آرہی تھی لیکن کسی دیکھنے والے سے نیچے پہنچ ہی گئی اور اس طرف قدم بٹھانے لگی۔ کھڑی ہوئی تھیں۔

لیکن میں ابھی اپنی کار سے چند گز کے فاصلے تک ایک آواز میری ہڈیوں پر گونج رہی تھی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ آواز میری طرف سے چل رہی تھی۔ اس آواز میں بولنے کو بھی دیکھا۔ چند قدم آگے آ گیا تھا۔ میں نے جا کر بھونک کر پستول نکال لوں مگر اسی وقت میری بائیں جانب ”خبردار!“ میرے ہاتھ میں روٹا ہوئے تھا۔ ”اوہ میرے ہاتھ میں بھی ہے۔“ میری دائیں ہاتھ میں بھی ہاتھ میں ہاتھ میں ہوں۔ میں نے اس کی کوکھ سے ہونے سنا۔

پھر اس شخص نے ہاتھ لگایا جو میرے ساتھ ہوا وہ ہاتھ خالی تھیں۔ اندر سے میں دکھائی دیا اور تو میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ میں اس طرح کی مچھڑی مچھڑی سے اپنی وقت جا کر اس کے منہ میں تھی۔ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچ سکی کہ ایک حال تھا کہ مجھے بچا گیا تھا۔ مجھ پر قاتلانہ حملہ محض دھکا دھکا لوگ مجھے ختم نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اور کا تعاقب کرتی ہوئی اس دیرانے میں

میں یہ اختیار ایک طویل سانس لے کر گھر وقت جا کر اس کے منہ میں تھی۔ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچ سکی کہ ایک حال تھا کہ مجھے بچا گیا تھا۔ مجھ پر قاتلانہ حملہ محض دھکا دھکا لوگ مجھے ختم نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اور کا تعاقب کرتی ہوئی اس دیرانے میں

میں اس طرح کی مچھڑی مچھڑی سے اپنی وقت جا کر اس کے منہ میں تھی۔ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچ سکی کہ ایک حال تھا کہ مجھے بچا گیا تھا۔ مجھ پر قاتلانہ حملہ محض دھکا دھکا لوگ مجھے ختم نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اور کا تعاقب کرتی ہوئی اس دیرانے میں

باتیں کیوں کر کہہ رہے ہوتے ہیں آج کی رات ہماری رات ہے۔ اس دیرانے میں ہم چاروں ہوں گے اور تم ہوگی۔ یہاں کوئی متحدی وادہ کسی کے لیے نہیں آسکتا۔

”تم کو اس کام پر مامور کس نے کیا ہے؟“ یہ تو ہم کبھی نہیں معلوم کر سکتا اور وہ دشمن کون ہے ہمیں تو اس کام پر مامور کرتے ہوئے ہیں ہماری تصویر دھکی گئی تھی اور ہمارے منہ میں بانی بھڑک رہا تھا۔ میں اس کام کی رقم ادا نہاس ملی تھی اور تم کو کیا پلٹس میں ملی ہو؟ اس نے قہر لگایا اور باقی تینوں آدمی بھی اس کا ساتھ دینے لگے۔

”تم نے ایک نامکس کام کا بیڑا اٹھایا ہے؟ میں نے قطعی خوفزدہ ہوئے بغیر کہا تو ہر سکتا ہے کہ تم چاروں اپنے اپنے یوٹیلٹیوں کی گولیاں میرے جسم پر برساؤ لیکن وہ نامکس ہے جو تم چاہتے ہو میں کو تو سکتی ہوں لیکن وہ نہیں ہو سکتا جو تم لوگ چاہتے ہو!“

”وہ تو ہو کر رہے گا؟“ اس نے بڑے یقین سے کہا اور مزید بڑھا۔ ”میں نے تم سے ملنے کے لیے آج ہی آج کے ساتھ گردان کا حلقہ تنگ ہونے لگا۔“

میں اپنے جسم کو توڑنے لگی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا تھا کہ میں ان سے بھڑ جاؤں۔ ”خداوند تھا اور ان کی باتوں سے بھی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ یوٹیلٹی کا استعمال نہیں کریں گے۔ ان کی کوشش میں بھی ہوتی کہ مجھے کسی طرح بے دست و پا کر دینا کیونکہ ان کا مقصد صرف ہی موت میں پور ہو سکتا تھا۔“

وہ ڈرنا ہی انداز میں دستہ بستہ اپنا حلقہ تنگ کرتے رہے۔ میں اپنی جگہ سے ڈرنا نہیں ملی۔ میں اس موقع کی منتظر تھی جب وہ میرے بالکل قریب آجالتے۔ آخر وہ موقع آ ہی گیا۔ اب وہ مجھ سے بالکل قریب تھے۔ سامنے والے آدمی نے میرا پس بھپٹایا چاہا لیکن میں نے وہی پس پوری قوت سے اس کے روٹا اور اسے ہاتھ پر سے مارا۔ چونکہ میرے پس میں پستول تھا لہذا اس کی ضرب کھار اس شخص کے ہاتھ سے روٹا اور گر گیا۔ باقی تینوں ایک دم مجھ پر روٹ پڑے۔ غالباً انھوں نے اپنے یوٹیلٹی اپنی جیبوں میں رکھ رکھے تھے۔ ان کے دھکے سے میں زمین پر گر پڑی لیکن گرتے گرتے میں نے سامنے والے آدمی کی ٹانگ پر دو کھسکی۔ دو چپ اگرا اور باقی تینوں آدمی میرے

اور لڑ گئے۔ انھوں نے مجھے بے قابو کرنے کی کوشش کی مگر میں نے دوکے بیٹھ میں بہت زور سے کنبان ماریں اور وہ کراہ لٹ گئے۔ تیسرے پر میں نے جودہ کا ایک لڑکا لایا اور وہ فصائیں خاصا اور پرخیں کو کچھ دیر جاگرا۔ میں اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب میں اپنے ہاتھ پر ہلانے کے لیے پوری طرح آزاد تھی۔ میں برقی سرعت سے حرکت میں آئی۔ وہ چاروں لڑائی بھڑائی میں خاصے تھیں۔ وہ واقع ہوئے تھے۔ انھیں شاہ اساتذہ میں تیار کر کے پروڈا اور کرائے کی ماہر ہوں۔ ان کی یہ عالمی تہ لے تہا کہ ثابت ہوئی میں نے پانچ مشقیں ان کی یہ حالت رومی کر ان میں پلنے کی بھی سکتا نہیں روکتی۔ یہی وہ موقع تھا جب میں نے ان چاروں کے دل اور اپنے قبضے میں کر لیے اور ایک پتھر پر بیٹھ کر لیے لیے سانس لینے لگی۔ وہ چاروں قریب قریب ہی بے سدھ پڑے تھے۔

”کیا حال ہے دوستو؟“ میں نے تسخیر اٹانے والے انداز میں کہا۔

ان میں کوئی کچھ نہ بولا۔ یا تو ان میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی یا وہ میرے ہاتھوں سے اتنی مرمت ہونے کے بعد ملتے جمل تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا بولیں؟ میں نے بھی سستائے میں کچھ وقت گزارا اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”اچھا دوستو اب کیا ارادہ ہے؟ کیا اپنی برتری مزید تسلیم کرنا چاہیے؟“

وہ سسٹے لیکن بڑے اب بھی نہیں!

”کچھ تو کہو دوستو!“ میں نے نہایت خوش گوار صبح میں کہا۔

”اگر تم لوگ بدینی خاموش رہتے ہو تو میں تمہیں ہمیں چھوڑ کر چل دوں گی اور جاتے ہوئے اس گاڑی کے چاروں ٹائر بھی کا جاؤں گی، اور ہاں، تم لوگ اس گاڑی آئے تھے؟“ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر وہاں مجھے کوئی اور کار نہیں دکھائی دی۔

کچھ فاصلے پر ایک ٹیلا تھا۔ میں نے انہی انداز میں سر ہلایا اور پھر بولی۔ ”تھک چکے ہو۔ تم لوگوں نے اپنی کار اس ٹیلے کے نیچے کھڑی کی ہے؟“ میں سب اہیں جاتے وقت اس ٹیلے کے پیچھے بھی ہوتی جاؤں گی؟“

میں اس کار کی طرف بڑھی جس میں میں تھے۔ میں نے اپنا پستول نکالتے ہوئے اپنے آداب خیال ہے کہ چار ٹائرؤں کے لیے جاگڑا لیا۔ اب وہ چاروں ایک ایک پتھر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”ہوش آگیا؟“ میں ہنس کر بولی۔

”تم... تم... تم ایک... حیرت انگیز حرکت کرنا ایک نے پانتے ہوئے کہا۔

”تو مجھ پر وہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارا انداز اختیار کیا ہے۔ میں تم چاروں اپنے ساتھ لے جاتا جاچکی ہوں۔ یہ کام میں تم چاروں کو جاگڑا کر ایک دوسرے کو باندھ دوں گا۔ تم میں آوی ہوگا، اس کو میں باندھوں گی اور...“

”ہم نے تمہاری برتری کو تسلیم کر لیا ہے۔“ وہی آدمی یقیناً کسی بے گینگ کی سربراہ ہوا۔ وہ خاصے مخالف تھا۔ مخالف اس کام پر اور کڑا تھا۔ اب ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ میں شامل ہو جائیں اور تمہارے مخالف گینگ کے خلاف کام کریں۔ میں اتنی جلدی تم لوگوں پر اختیار نہیں کر سکتی۔ میں کہانی ان احوال تم لوگوں کو دیکھ کر نابہ جوشی کہہ چکی ہوں۔

”کو باندھ کرے جاؤں گے۔“

”نہیں، بادی نیت پر مجھ پر نہیں؟“

”کسی پر بھی اتنی جلدی مجھ پر نہیں کیا جاسکتا۔“

”تم جس طرح کہو، ہم اپنی دلداری کی ضمانت دیتے ہیں۔“ وہ بولو بول کر بولا۔

”ہوں۔ لیکن کچھ سوچا اور پھر بولی۔“ تو صرف ایک لمحہ ہے۔“

”کیا؟“ اس نے بیانی سے پوچھا۔

”تم میں سے دو تو ان دونوں گاڑیوں میں بیال سے روانہ اور باقی دونوں میری گاڑی میں چلیں۔ ان دونوں کو آگے بھجنا۔ میں پیچھے بیٹھوں گی اور میرے ہاتھ میں پستول ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو...“

”میں منظور ہے، لیکن میں کہاں چلنا ہوگا؟“

”میرے گھر۔“

”اس کے بعد؟“

اس کے بعد ہی سوچوں گی۔“

ان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اسی پہلے جگہ دیا۔ ”ہم تیار ہیں۔“

”اب وہ دونوں آدمی آگے آئیں جن کو میری کار میں چلنا ہے۔“

انھوں نے تدریجاً واز میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کیں اور دو آدمی آگے گئے۔

”ہاں، دونوں آدمیوں کی طرف دیکھی ہوئی بولی۔“ تم دونوں میری طرف پیچھے آؤ۔“

”اگر ہے میں۔“

ان نے آگے آئے والے دونوں آدمیوں کو اپنی کار کی انٹرسٹین خود پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ میرے پستول موجود ہے۔

”ہاں، چاروں چڑی تو میں نے اپنے ہاتھ کو بڑھا کر عقب ٹاٹنے ہاں کر دیا کہیں عقب میں آئے والی کاروں پر نظر رکھ سکوں۔ میں آگے آگے گاڑی اس کی نیلے کی طرف جا رہی تھی جو کہیں نہ وہاں کے پیچھے جا کر میری نظر سے اوجھل ہوگئی لیکن ڈراؤن کے نیلے کے عقب سے ایک کی بجائے دو گاڑیوں کی ہینڈل ٹھٹھانے پر اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی کاروں کی بڑی کی تھی۔

ان گاڑیوں کا ہوا وارے کے دھچکے برداشت کرتی ہوئی بڑھتی آ کر ایک شریک پہنچ گئیں۔ پھر ہم مل کر اسی کے گز کر شریک مدد کر سکتے ہیں۔ ڈرائیونگ کرنے والے کو راستوں کے بارے میں بھی اپنی باری تھی۔ اب میں نے یہ بھی سوچنا شروع کیا کہ آخر میں کون اپنے ساتھ کیوں جا رہی ہوں؟ آخر اس نے کیا کام لیا؟

”ہاں؟“

”میں عقب ٹاٹنے میں نے دیکھ رہی تھی کہ وہ دونوں گاڑیوں میرے پیچھے چلی آ رہی ہیں۔“

”تم کو دیکھنے کے علاوہ میں داخل ہوئے انداس کے بعد میری ہمت ٹھک رہی تھی۔ میں داخل ہوئی۔ اب میرے ذہن میں یہ سوال رونما اور سنگینا گھڑچ پکے ہوں گے یا نہیں؟

”اگر میں نے اپنے قویہ اندازہ لگا کر مشکل ہی تھا کہ وہ کہاں آگے سنگینا اور رضوان کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا تھا کہ وہ اب تک گھڑچ پکے ہوں گے۔ رام لال کی موت کے بعد سے گیتا کی گھر میں تھی۔“

تینوں گاڑیاں آگے تھیں۔ پورے بیس جاگڑیں۔ میرا یہ اندازہ درست ہی تھا کہ رضوان اور سنگینا گھڑچ پکے ہوں گے گاڑیوں کی آواز سننے ہی وہ دونوں باہر آگئے تھے۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ رضیہ دکھائی نہیں دی تھی۔ کیا وہ ابھی تک گھر میں نہیں پہنچی؟ یہ سوال میرے ذہن میں ابھرتا تو میں کچھ پریشان ہوگئی۔

”چلو آؤ! میں نے آگے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو حکم دیا اور ڈرائیونگ کرنے والے کے شانے پر ٹوکا بھی لگایا۔

ان دونوں کے ساتھ ان کے دونوں ساتھی بھی پچلی گاڑیوں سے اتر آئے اور اب پہلی مرتبہ میں نے ان کو دیکھنا شروع کیا۔ ان کے ہوا کیس نے ان کا ٹیکہ بہت بڑی طرف لگا کر رکھا تھا۔ شاید وہ چاروں خود بھی ایک دوسرے کو پہچانے میں دشواری محسوس کر رہے ہوں۔ ان کے چہروں پر ان گنت تپیلے پڑے ہوئے تھے اور یقیناً ان کے جسم کے ان حصوں پر بھی چوبیس ہوں گی جو بال میں پوشیدہ تھے۔ ویسے ان کا لباس بھی مگر جگہ سے پٹا ہوا تھا اور لباس کے بعض حصوں پر خون کے کوئی معمولی سے دھبے بھی تھے۔ غالباً میرے کھڑے ہاتھ کی ضربوں سے بعض اعضا مقابلتہ پر ان کی کھال جھٹ گئی تھی۔

سنگینا اور رضوان نے سمجھا ان چاروں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

”چلو! میں نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھیں حکم دیا۔

ان چاروں کے دلو اور میرے قبضے میں تھے اس لیے ان کی طرف سے کسی شرارت کا استعمال نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی ان کے چہروں پر یہ شکست خوردگی کی تمام علامات دیکھ رہی تھی۔ انھوں نے غالباً اپنے اپنے دل میں تسلیم کر لیا تھا کہ وہ کچھ پرانی برتری کسی طرح بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

میں ان چاروں کو ڈرائیونگ روم میں لے آئی اور اس وقت رضوان نے زبان کھولی۔ ”اس نے عقب سے ہوجھا تھا۔ کیا اس گاڑی میں چاروں تھے؟“

”جی ہاں، تو شاید ایک ہی آدمی کی جھلک دیکھی تھی۔“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن تم نے جس آدمی کی جھلک دیکھی تھی وہ اب زندہ نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ رضوان چونکا۔

”زندہ۔“ ہونے کا مطلب مر جانا ہوتا ہے۔“

”اچھا! میں نے اس وقت تک زبان کھول کر کہا تھا کہ میں جواب تک یہ سمجھتا رہا ہوں کہ زندہ نہ ہونے کا مطلب زندہ ہونا ہوتا ہے۔“

اس وقت رضوان سے چوبیس لڑا نا مناسب نہ ہوا اس لیے میں

ان چاروں سے بولی "تم لوگ بیٹھ جاؤ ایسے ابھی تم لوگوں سے بات کرلوں گی لیکن پہلے کچھ اور معاملات دیکھ لوں گا۔"

وہ چاروں سر ہار کر بیٹھنے کوئے پر ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے اور اس رضوان سے مخاطب ہو گئی۔ "ہیں تو اس کا کہہ کے تعاقب میں لوڈ ہو گئی تھی اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد وہی ہوا تھا جو ہونا چاہیے۔ پولیس آئی تھی اور اس زخمی نوجوان کو ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے لوٹک آپ کو بھی ڈھونڈتی پھر رہی ہے اور اس نامعلوم حملہ آور کو بھی!"

"اس نوجوان کا بیان کیا ہے؟"

"اس کا نام ابریز ہے اور اتفاق سے وہ اس گھر کے سامنے رہتا ہے جہاں ہمیں نے رضیہ کے قیام کا بندوبست کیا تھا۔"

"میں اس کا بیان پوچھ رہی ہوں؟"

"اسے تو کیا آپ کچھ مفید بھی یاد رکھیں؟"

"یہ مفید بات ہے کہ وقت نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے کہ وقت ہے؟ جو آپ کہیں، وہ باندھ دوں!"

رضوان اس کی بے وقت رائی سے عین بھول گئی اور اس نے نیکیا سے مخاطب ہو کر کہا: "تم تاؤ سنگیٹا! ابریز کا بیان کیا ہے؟"

"ایک غم انگیز اور پرکار دوست ہے، سنگیٹا نے بہت سے کہا۔"

ابریز کا بیان ہے کہ وہ اپنے اسی دوست سے لئے اسٹوڈیو پہنچا تھا اس نے اپنی کار کھڑی کی اور چاروں ایک طرف بٹھا۔ اس وقت ہم لوگ چھان سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن ہماری نظر شاید اس پر نہیں پڑی تھی لیکن اتفاق سے اس کی نظر ایک کار پر پڑ گئی جس کی کھڑکی سے ایک ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ ابریز کو اس ہاتھ میں چاقو کی چمک نظر آئی تھی اور اس نے صوفی کیا تھا کہ چاقو کا نشانہ آپ میں لٹاؤ وہ جھپٹ کر آپ کے سامنے ہو گیا۔ اس طرح اس نے آپ کو چاقو سے چلنے کی کوشش کی تھی اور نتیجے میں خود زخمی ہو گیا۔"

"لیکن اس نے مجھے بچانے کی کوشش کیوں کی تھی؟ میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔"

"اس کا کہنا ہے کہ بعض انسانی ہمدردی کے ناتے،" سنگیٹا نے جواب دیا۔

"میں صرف یہی وجہ بتا رہی ہوں کہ اس نے؟"

"اسے اور کیا بتانا چاہیے تھا؟ رضوان بول پڑا اس کی آواز میں استعجاب کی لہر تھی۔

"کچھ نہیں، ٹھیک ہے، میں نے کہا اور پھر ان چاروں بدعاشوں

سے غائب ہو کر بولی "اس نوجوان کے بارے میں میں تم سے کہتا ہوں۔"

"ہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم،" گھر سے باہر نکلتے ہوئے رضوان نے جواب دیا۔

"اگر وہ نوجوان پنج میں نہ آتا تو کیا ہم اس کا پتہ نہیں لگا سکتے؟"

"نہیں، کم از کم میں ہی بتا گیا تھا کہ ماؤں کے گھر کے آگے وہ آپ کو نہ لگے لیکن عموں ہی پر وہ وہاں رہا ہے، یہ بھی کہ اس کے بعد پوچھنا چاہیے کہ وہاں کیا ہوا تھا؟"

تقاب میں دو دن تو ہم بھی آپ کے پیچھے چل رہے ہیں۔"

اب میں پھر رضوان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "وہ ماؤں کے گھر ہے؟"

"اس کی پتیلی میں بھی نہیں، رضوان نے جواب دیا۔"

"کے اپنے گھر چلا گیا تھا۔"

"اسے ان میں سے چوک کر پوچھا، رضیہ کہاں ہے؟"

"پولیس کے علاوہ وہ بھی نہ جانے کہاں کہاں ہو سکتی ہے۔"

"کیا اسے آپ کی تلاش نہیں ہونا چاہیے؟ ہم تو اس لیے گھر کر شاید آپ نہیں سے فون کریں۔"

"ہوں، میں اس سے سر ہار کر کہا: "اب پولیس کو اطلاع دے دوں۔"

گھر پہنچی ہوں۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ وہ چاروں بیٹا باہر انداز میں صوفی ہو گئے۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گئی کہ ان کے سبب کیلئے یہ کہنے کا ہاتھ تھا کہ رضوان سے کہا۔ حضور! چاروں ان چاروں سے بات کرلوں۔"

رضوان رنگ گیا اور ان چاروں کو گھومنے لگا۔

میں نے ان چاروں سے کہا: "بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ میرے پیچھے کس نے لگا تھا؟"

"ہم بتا چکے ہیں کہ ہمیں اس میں شخصیت کے بارے میں کوئی معلوم نہیں۔"

"تو تمہیں کوئی غیبی آواز سنائی دی تھی؟ میں غمناک کہتا ہوں کہ گھر کے لیے گھر کے لیے دے دیے تھے لیکن ہم نے بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ ہم سے یہ کام کسی اور کے ہر کر دانا چاہتا ہے۔"

"یہ گھر کون ہے؟"

اس سے پہلے کہ ان چاروں میں سے کوئی کچھ کہتا، رضوان بول پڑا: "میں گھر کو جاتا ہوں۔ وہی ملکیت کے حلقے میں ایک

"ٹھیک ہے، تم جا کر سو جاؤ مجھے تو میں خامی دیر لگے گی، بے پولیس کا انتظار کرنا ہے۔"

سنگیٹا مزید کچھ کہنے سے انہیں اندر چلی گئی۔

رضوان نے پولیس کو فون کر کے سیدھ روک دیا۔

پولیس کی آمد تک مجھے ان چاروں کو ہسپتال تک لے کر دینا پڑا۔ جب پولیس والے گئے تو میں نے انہیں سارا واقعہ بتایا اور پولیس نے ان چاروں کے ہتھکڑیاں لگا دیں، اسی دوران میں رضیہ بھی آگئی اور رضوان نے چپکے چپکے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

پولیس نے سرنے کچھ سے کہا کہ آپ کو ہمارے گھر کر ہاک ہوا ہے۔"

چلتا ہوا جہاں وہ حملہ آور پھاڑے گھر کر ہاک ہوا ہے۔"

"جیسے" میں نے کہا پولیس سانس لے کر کہا: "ضابطے کی ممانعت کرنی تو مشکل کرنا ہی پڑے گی۔"

رضوان اور رضیہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں روک دیا اور پولیس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

جب میں واپس گھر کوئی تو میں ہو چکی تھی۔ خیرند سے میری جگہیں بوجھل تھیں اس لیے میں رضیہ کو اپنی خواہش بیان کر رہی تھی۔ رضیہ رضوان اور سنگیٹا بھی اس وقت سو رہے تھے۔ اگر انہیں اطمینان نہ ہوتا تو وہ ضرور میرے انتظار میں جاگ رہے ہوتے۔

جب میری آنکھ کھلی تو ایک بچہ چکا تھا۔ تیز دھوپ کھڑکی کے شیشوں سے چمک کر کرے میں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر سیدھی باہر دم میں جا گھسی اور کافی دیر تک شاور کے نیچے کراچی جھانکی کھڑکی کو دھرتی دی۔

رضوان، رضیہ اور سنگیٹا نے میرے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھا یا تھا۔ ہم چاروں سامنے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں گزشتہ رات کی باتیں چھڑ گئیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب کچھ خان آف کالاکوٹ نے کر دیا تھا، میں نے کہا۔"

"پھر تو ہمیں بھی اس کے خلاف کوئی ایسی ہی سخت کارروائی کرنا چاہیے، رضیہ کے لیے میں مشتعل تھا۔"

"جو ش میں نہ آؤ!" میں نے کہا: "اس کے خلاف ہنگامی اقدامات کرنے سے پہلے میں ایک کاہ ضرور کر لینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"خان آف کالاکوٹ کے انشورس کو زور توڑنا ضروری ہے۔"

”کیسے طرح ہو سکتا ہے؟“

”ایک صورت تو وہ ہے جس کا اظہار میں پہلے ہی کر چکی ہوں۔ یعنی یہ کہ زمان آف کالائوٹ کے گھنٹے کے دوران کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ اعلیٰ حکام اس کی طرف سے مشتہ ہو جائیں۔“

”میں اتنے دن سے اس کے چکر میں ہوں لیکن مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی۔ رضیہ نے کہا: ”ایسا معلوم ہونے سے پہلے وہ خود عام طور پر خیال نہیں دیتا اور وہی پردہ ہی رہ کر مچانے کام کروا تا رہتا ہے۔ میں نے اب تک جو چھان بین کی ہے، اس سے میں یہ نتیجہ بھی انداز کر سکی ہوں کہ وہ کسی عریضہ کا کام لاکھ میں ہے جبکہ آپ کہتی ہیں کہ اس نے آپ کو ایک عریضہ جہاز میں قید کر لیا تھا۔“

”ہاں“ میں نے مضبوط لیچے میں کہا: ”وہ عریضہ جہاز ہی تھا۔ میں ضرور اس کا پتہ لگا کر بیرون گی۔ دراصل ابھی تک میں خان آف کالائوٹ پر پوری توجہ نہیں دے سکی ہوں میرا ذہن سنگیتا میں الجھا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ خاصی حد تک معمول پر آ چکی ہیں لہذا اب میں...“

سنگیتا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا: ”مجھے افسوس ہے بلکہ آپ میری وجہ سے برا پریشان ہوتی رہی ہیں۔“

”اس قسم کی پریشانیوں تو میری زندگی میں“ میں نے صبر کر کے کہا: ”میری ذات سے اس قسم کے ہنگامے والہ نہ ہوں تو میری زندگی نہایت بوجھل ہو کر رہ جائے۔“

گفتگو کے مومنوں کو بدلتا ہوا محسوس کر کے رضیہ جلدی سے بول پڑی: ”باجی! اگر آپ خان آف کالائوٹ کی شخصیت کو حوث بنانے میں ناکام رہیں تو پھر دوسری صورت کیا ہوگی؟“

آپ نے اس کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا: ”فی الحال اسے اشارہ ہی رہنے دو تفصیل بعد کسی وقت بتاؤں گی۔“

کھانے کے بعد جب ہم چائے پی رہے تھے تو میں نے کہا۔

”رضیہ! تم ذرا سنگیتا کا خیال رکھنا۔“

”کیا آپ کہیں جا رہی ہیں؟“

”ہاں۔“

”کہاں؟“ رضون پوچھ بیٹھا۔

”دو ایک کام ہیں۔“

رضون منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ اسے

عوامی مکمل جانتا تھا جبکہ رضیہ اس کی مادی

”بالو!“ سنگیتا آہستہ سے بولی: ”م“

تو انکل نفیل کا فون آیا تھا۔ وہ آج شام

دراصل وہ چند دن کے لیے اپنے کاروبار کے

چاہتے ہیں جبکہ مقدمہ کی وجہ سے ان کا یہاں

وہ اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا

”ٹھیک ہے۔ میں ان سے مل لوں گی۔“

”یہ بات میں نے آپ کو اس لیے بتادی ہے کہ

لوٹ آئیں۔“

”میں آ جاؤں گی۔ اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو

کے کھانے پر روک لیتا۔“

”بہتر۔“

چائے پینے کے بعد میں اٹھ گئی۔ گیس سے کار

سے روانہ ہوئی میرا رخ ابریز کے گھر کی طرف تھا۔

صورت تو جوان سے مل کر اس کا شکر ہے ادا کیا

نے گزشتہ رات محض میری وجہ سے زخمی ہونا گوارا

مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس چاقو سے میں زخمی

ابریز کو تو ہر حال اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس

تو اپنی دانست میں میری جان ہی بچانے کے لیے خواہ

ڈالا تھا۔

معلوم صورت ابریز کی شخصیت میرے

بن گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے

میرا دل اب تک اس بات پر یقین کرنے کے لیے آمادہ

تھا کہ ابریز واقعی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔

اس کے گھر پہنچ کر جب میں نے اپنا کارڈ اندر

اُدھر سے آ کر دیئے ہاں ہر نکل کر میرا استقبال کیا۔ وہ

تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا: ”آپ وہی خان

برکل رات قاتلانہ حملہ ہوا تھا؟“

”جی ہاں۔“ میں نے کہا۔

ابریز کا ہلکے بھے نہایت غلیظانہ انداز میں

ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہوا۔ ”فراموشی! آپ نے مجھے

”میں رات ہی کو آئی لیکن صرف اسی لیے نہیں آئی کہ

آرام میں غفلت پڑتا ہوں اس کی کو دیکھنے آئی ہوں۔ اس کے

”آئیں ہوگی؟“

لیٹ وہ تو نہیں لیکن تکلیف بہر حال ہے۔“

”وہ ہوں کہ میری وجہ سے...“

میں نے ابریز کے ہلکے ہلکے سے کہا: ”میرے بیٹے

اس کا انسانی فتنہ تھا۔ میں اس کے اس اقدام سے

بھلا کر دیکھتا ہوں۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”اب اس سلسلے میں اس پر فخر ہے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو!“

”شاید آپ ٹھیک کر رہی ہیں! ابریز عجب انداز میں نہیں بولا۔“

”آخر نے اپنی زندگی داؤ پر کیوں لگائی تھی؟“

”میرے والد کا خیال ہے کہ میں نے انسانی فتنہ پورا کیا تھا۔“

”لیکن میں تمہارا خیال پوچھ رہی ہوں۔“

”میں اب اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ میرا پسند آپ کو جھوٹ معلوم ہو گا۔ جیسے کہ میں

اپنے سچ کی ذلت کو داؤں۔ ابریز عجب سے لیجے میں بولا۔ ”بالو!

میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں اپنے سچ کو دل کی گہرائی میں ہی

دفن کر دوں گا۔“

”میں نے اس وقت عجب سی بے چینی محسوس کی لیکن بالآخر

کہا: ”ابریز! تمہارا شعور ابھی بیدار نہیں ہو سکا ہے۔“

”وہ آپ نے میرے سچ کو جھوٹ سمجھا دیا لیکن میں آپ کے جھوٹ

کو سچ مانے لیا ہوں۔“ ابریز نے پھینکی کی سکرالٹ کے ساتھ کہا۔

اسی وقت ابریز کا باپ داخل آیا۔ اس کی وجہ سے وہ

گفتگو کے درمیان میں اس کی عدم موجودگی میں شاید بہت دیر

تک جا رہی تھی۔

ابریز کے والد نے میری خاطر عداوت میں کوئی گہرائی

رکھی اور مجھے تقریباً پون گھنٹے تک وہاں رکنا پڑا۔ پھر میں یہ کہہ کر

وہاں سے رخصت ہوئی کہ ابریز کو دیکھنے کے لیے کل سچاؤں کی۔

راستے میں میرا ذہن بہت الجھا رہا۔ ابریز کے انداز گفتگو سے

اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے لگتا ہے اور یہ میرے

لیے حد درجہ پریشان کن بات تھی۔

بکہ وہ بعد میں نے اپنی کار اس ہوں کے بارگاہ شہدیں کی

جہاں سونیا کا قیام تھا۔ میں سونیا سے مل کر اس سے ایک کام اپنا

چاہتی تھی۔ وہی کام جس کی تفصیل سے میں نے رضیہ اور رضوان کو

بھی خبر کر رکھا تھا۔

اس کام کے علاوہ میں سونیا کے ساتھ اتنا وقت بھی گزارنا چاہتی

تھی کہ میری گزشتہ دنوں کی کان دور ہو جائے لیکن اس ملاقات

کا اصل مقصد ایک اہم کام تھا۔

میری خوش قسمتی سے اس وقت سونیا اپنے کمرے میں ہو رہی

تھی۔



کا لاگوٹ کے استعمال میں رہتا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اپنا کوئی زہر آٹھ کا بنا رکھا ہو۔

رضوان اور فیرہ نے اس طرح دیکھنے کے جیسے میں انہیں کسی سسٹی نینز لکڑی ہاتھوں کا ترجمہ سنا ہی ہوں۔

آخر رضوان میرا سانس نہ کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اپنا کچھ دیا۔

کا نام آپ ہی روٹی کریں گی۔

”جو موت آپ میں بخاری ہوگئی۔ میں اس کمرے کو فراموش نہیں کر سکتی جہاں خان آف کا لاگوٹ نے مجھے تھکا دیا تھا۔“

”کیوں اس کمرے کو فراموش نہ کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو ڈاکٹر جیسے رجوع کرنا پڑے۔“

”تم مجھے بھول کر رہو۔ میں اب سونے جا رہی ہوں۔“

تیس کل دوپہر سے پہلے ہی سارا بندوبست کر لیا ہے۔

پھر میں رضوان اور رضوان کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چور لکڑی اپنی خواہش میں لگئی۔ شب خوابی کا بالکل سچ کہ جب میں بستر پر لیٹی تو

ماتھے دھکے پڑتے۔ خند ابھی میری آنکھوں سے بہت دیر تھی لیکن میں نے تنہائی میں اس لیے اختیار کیا تھا کہ کچھ نکل سکوں۔

مشاق چنگیزی کا معاملہ منٹ جانے کے بعد اب میرے ذہن پر صرف یہ سوچ باقی رہ گیا تھا کہ ڈاکٹر ٹیکل کی موت کے قتلے دار افراد

کو داپہر نکلنے یا آجی سلاخوں کے پیچھے مٹنے ہوئے دیکھ لوں گا۔ ڈاکٹر ٹیکل سے میرا کوئی جذباتی تعلق نہ تھا لیکن سسٹیک سے تو تھا کہ میں نے

میں نے ڈاکٹر ٹیکل کی موتی ابھی ہی ہوئی تھی۔ یہ تو میرے اختیار میں تھا کہ سسٹیک کو اس کا محبوب کو اس کو اس کے محبوب کے

اشک شونی کے لیے میں اتنا تو کچھ ہی سکتی تھی کہ اس کے محبوب کے قاتلوں کو قتلہ واقعی سزا دلوانے کی جگہ دوڑا سکوں۔

ٹیکل کا قاتل ایک ڈاکٹر کا ڈاکٹر تھا لیکن میں حقیقی طور پر اس کی ذمہ داری خان آف کا لاگوٹ پر ڈال ہی تھی کیونکہ وہ اس لوگ

ڈاکٹر کو کچھ نہ کوشش کر رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کی شخصیت میرے لیے ایک چیلنج بھی بن گئی تھی۔ مجھے ہریت پر اس کی پارسائی اور

محنت آتی کا پردہ چاک کرنا تھا۔ اس طرح سسٹیک سے کیا ہمارا وعدہ بھی پورا ہوجا تا کہ دوسرے کو اس ہامور سے بھی نکالتی ہائی جو خان آف کا لاگوٹ کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

تھی اور دوسری طرف مجھے وہ جہاز تلاش کرنا تھا۔

میں قیدہ بن چکی تھی۔ ان دونوں مسئلوں میں سے کسی

اپنی کامیابی کا یقین تھا لیکن میں اس پہلو پر کسی ہر دو مسئلوں میں ناکامی ہوئی اور خان آف کا لاگوٹ

لیے آہنی دیوار بننے کا تو مجھے ایک میرا سانس تھا۔

وہ قیدارستانہ تھا کہ میں ایک بار پھر اس کو

کر لیتی۔ بہت عرصے پہلے میں ایک اصول ہاتھ کی گام

ہوگئی تھی اور میں غالباً اپنی سرگذشت میں پہلے

کو انٹرویو کے ٹوٹنے میں ابھی ہی چاہتے تھے کہ

انٹرویو میں شامل ہوجاؤں۔

میں اپنے بستر پر لیٹی انہیں بند کیے ہوئے

خود کر رہی تھی کہ دروازے پر کئی سی ڈنگ ہوئی

بیٹھی اور میں نے مہمانتہ جند دار میں پوچھا کہ

”میں ہوں یا تو سسٹیک؟“

”میں حیرت کے عالم میں بستر سے اٹھی اور پہلے

کی طرف بڑھی۔ میری آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ سسٹیک

پاس آئے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ دیوار گیر گھڑی

کر بادہ پیچھے لی والے ہیں۔

ان پر پہنچی سی شکر ہاٹ ابھی تھی۔

ایک نظری امر ہے۔ میں نے کہا۔

ایک کہہ رہی ہیں۔ سسٹیک نے آہستہ سے کہا۔ ”آج

گھر بار ہے۔“ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں دھشت میں گھرے

کار پر نہ نکل جاؤں اسی لیے میں نے فوری آپ کے

لی آئی۔

ایک آئی ہو تو بیٹھی ہیں۔ میں نے سکر کر کہا پھر اس

در بستر پر جا کر بٹھا دیا۔ اس کے گامز ہاتھ کے

ہاتھ کی مسنا اٹھا تھا۔ میں نے اسے بستر پر بٹھانے کے

ایک اٹھ چھوڑ دیا۔ میں تیس جا رہی تھی کہ میرے

پاس میں اس کا وہ جادو سر پر چڑھ کر بولنے لگے۔

ایک اٹھ چھوڑ دیا۔ میں تیس جا رہی تھی کہ میرے

پاس میں اس کا وہ جادو سر پر چڑھ کر بولنے لگے۔

ایک اٹھ چھوڑ دیا۔ میں تیس جا رہی تھی کہ میرے

پاس میں اس کا وہ جادو سر پر چڑھ کر بولنے لگے۔

ایک اٹھ چھوڑ دیا۔ میں تیس جا رہی تھی کہ میرے

پاس میں اس کا وہ جادو سر پر چڑھ کر بولنے لگے۔

”اے! میں چونک پڑی۔“

اب مجھے پھر بڑی شدت سے اس میں ہوا کہ سسٹیک میری آنکھوں

میں سے کسی دقت میں میرے جذبات کا لاڈل سکتا تھا۔ میں نے

اُسے باہر لے کر خود سے جدا کیا اور بولی ”تم اپنے ذہن کی کبے شکر بنانا“

سے پاک کرنے کی کوشش کرو اور جادو اب جا کر سوجاؤ!“

”آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی خواہش سے پہلے جاؤں؟“

”ہاں۔“ میں نے عموماً کیا کہ میری ”دار لڑنے تھی۔“

”آپ مجھ سے خوفزدہ ہیں یا اس تنہائی سے؟“

”سسٹیک!“ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ ان دونوں باتوں کی کجائی سے خائف

ہیں۔“

”میں نفعل ہوں یا میں چھوڑ دو اور جا کر سوجاؤ!“

”بانو!“ سسٹیک نے میری سسٹیک سے کہا۔ ”آپ نے میری خاطر

بہت کچھ کیا ہے اور بہت کچھ کر رہی ہیں۔ میری آنکھیں نہیں آتا کہ

میں اس طرح آپ کا شکر ادا کروں۔ مجھے سب کی ہوسکتا ہے

کہ آپ کے جذبات کو مسترد نہ کروں۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر کہا۔

”اب میں آپ کی خواہشات کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں کروں

گی۔“

مجھے لگا جیسے سسٹیک نے میرے منہ پر ہتھکڑیاں

باندھ دی ہیں۔ میں نے انتظار کیا کہ مجھے پھر سسٹیک کے

گال پر پردہ ہوتا تھا کہ میری طرف دیکھنے میں مجھے سے گھڑی ہوگئی

اور فٹ سے بولی ”تو میری جنت کی آخری حیرت گھڑی ہے کیا۔“

میں یہ سب کچھ اس لیے کہ وہ میری کسی روز بے متحرک کے

تجھے حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گی۔ تو نے میری شہرہ تو نہیں کی

ہے۔ تو نے میرے جذبے کو بڑھلایا ہے۔ تو نے... تو نے... میں

غصے کی گنت میں کھل رہا ہوں۔

”بانو!“ سسٹیک کی گنت میں کامیاب ہوجاؤں گی۔ تو نے میری شہرہ تو نہیں کی

ہے۔ تو نے میرے جذبے کو بڑھلایا ہے۔ تو نے... تو نے... میں

غصے کی گنت میں کھل رہا ہوں۔

”بانو!“ سسٹیک کی گنت میں کامیاب ہوجاؤں گی۔ تو نے میری شہرہ تو نہیں کی

ہے۔ تو نے میرے جذبے کو بڑھلایا ہے۔ تو نے... تو نے... میں

غصے کی گنت میں کھل رہا ہوں۔

”بانو!“ سسٹیک کی گنت میں کامیاب ہوجاؤں گی۔ تو نے میری شہرہ تو نہیں کی

ہے۔ تو نے میرے جذبے کو بڑھلایا ہے۔ تو نے... تو نے... میں

غصے کی گنت میں کھل رہا ہوں۔

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

”لیکن اس دقت...“

”آپ کو میری آمد یہ قیوب ہے!“ وہ میری بات کا

ہوا تھا یہ گیتا نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور اس کے الفاظ اس کے کانوں سے داخل ہو کر اس کے ہونٹوں سے ادا ہونے لگے۔ مجھے صاف کر دیکھیے بانو! آپ کو آپ کے پیار کی قسم مجھے صاف کر دیجیے! میں جو کچھ کہتی ہو وہ میری بہت بڑی بھول تھی۔ اب اس کا اعادہ بھی نہیں ہوگا۔ سنگیتا کے لیے اس انتہائی معزاج پرستی۔

پاکبک میرا غصہ جھاک کر طرح بیٹھا جھانک گیا۔ یہ سنگیتا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بولی: "آخر کوہے ناچ گئی!" سنگیتا کے ہنٹ کانپتے ہوئے اور انھیں شاک برساتی رہیں۔

"بس اب چپ ہو جاؤ!" میں نے اس کے گال پتھیلے تے تاب آئندہ بھی ایسی کئی بات زبان پر مت لانا!"

سنگیتا نے آہستہ آہستہ دھڑکنے میں سر ہلایا۔ اپنی آہستہ سے اس کے ہاتھ ہونے آؤں پوچھنے لگا۔ دھڑکنے کے بازو میں بازو ڈال کر بولی: "چلو میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ آؤں"

"آپ آرام کیجیے! میں جلی جاؤں گی"

"میرے آؤں! اگر کمرے کی ضرورت نہیں ہے جناب کوہے!" میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

سنگیتا مسکادی۔ اب اس کے آہستہ سے ہمارے تھیں کہیں اس کی مسکراہٹ آہستہ سے بھیگتی ہوئی عکس ہوئی۔

میں اُسے اس کے کمرے میں لے گئی! اپنی گود میں اٹھکے اُسے بستر پر لٹایا۔ اسی اوپر چادر ڈھالی، پھر جھک کر اس کی پیشانی کو چومنا اور "شب بخیر" کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے کی طرف جلتے ہوئے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ حرکت کا ہنر بھی کتنا عجیب ہوتا ہے۔ ایک ایسی باتیں جو جاتی ہیں اس میں! ابھی سے سران گمان میں ہی نہیں آیا تھا کہ کسی کی روز گیتا کے گھر پر چار چار مضمون لگی۔

اپنی خواہشاں کے ساتھ پہنچ کر میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے بارہ بجے تھے۔ میں بستر پر لیٹی اور سنگیتا کے بائیں میں سوچتے سوچتے کسی نے منہ کی آغوش میں پہنچ گئی۔

مجھ آتے کی بیز پر رضیہ اور سنگیتا میرے ساتھ تھیں۔ ناشتے کے بعد رضیہ ان اختلافات کے لیے جلی گئی تھی کہ بائیں میں نہیں نے اُسے جہالت دی تھی اس کی دفاعی کے بعد میں اور سنگیتا اسٹڈی میں جا بیٹھے۔

"سنگیتا! بس لیول۔

سنگیتا جو کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی، چونک کر میری طرف دیکھنے

لگی "بی بانو!"

"کل رات میں نے تمہارے بائیں میں ایک

"وہ کیا بانو؟"

"میراں کا ماحول تمہارے لیے بڑا خوشگوار تھا۔

تم کچھ عرصے کے لیے امریکہ چلے جاؤ۔ اس طرح

مل جائے گا۔ وہاں میری ایک بہت باری

تمہارا اسی طرح خیال رکھے گی جیسے میرا خیال رکھ

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا بانو؟"

"ماحول کی تبدیلی ذہن پر ضرور اثر انداز ہو

"لیکن میں ایک نئے ماحول میں خود کو کس طرح

گی۔"

"اس سلسلے میں تمہیں خرچ سے بہت مدد ملے

"یہ خرچ ہے کون؟"

"میری بہت پیاری دوست ہے۔ میں نے اُسے

نہیں دیکھا۔ لیون گنگوہے جیسے مدیاں گزرتی ہیں لیکن

اپنے وجود میں محسوس کرتی ہوں۔ اُسے میرا ایک بڑا

دوست ہے۔ میرے اس قول سے واقف ہے کہ کب مت

توانائی کے ساتھ زندہ رہتی ہے لیکن ایسا ضرور ہے کہ

رکھتی ہے۔ اس سے کہنا کہ وہ کبھی مجھے فون کر لیا کہ

آواز میں کو بھی مجھے اتنا ہی سکون مل سکتا ہے جتنا اس

کو کہے"

"بانو!" سنگیتا مجھے بڑے غصے سے دیکھتی ہوئی بولی

آپ کو بہت عزیز ہے؟"

"ہاں! مجھے اتنی عزیز ہے کہ خود اس کو بھی اس کا

"اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا چہرہ وہی حال میں

آپ دنیا کے کسی بہت بڑے خزانے کا ذکر کر رہی ہوں"

"جو لوگوں کے ہاں ہیں، وہ کسی خزانے سے کم نہیں ہیں

"آپ جھیک کر رہی ہیں، سنگیتا نے ٹھنڈا سا سن

میں ڈوب گئی۔ شاید اسے شکیں یاد آگیا تھا۔

ادھر میں آں گئے ہوئے لمحات میں کھو گئی۔

ساتھ گزرا ہے۔ مجھے اس سے اپنی جلی ملنا تھا

بس میں ہوتی تھی۔

کچھ دیر اسٹڈی میں بیٹھ کر میں اور سنگیتا اتنے تھک

اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔ اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا

میں نے اختلافات جنوں کے سپرد کر دیے۔ میں جانتی تھی کہ

ان میں ہی امریکہ چلی جلتے۔ نئے ماحول میں خود کو

میں نے بحال لیتی لیکن میرا فیصلہ ایک نہایت غلط فیصلہ تھا

اس بجے اس وقت ہوا جب تیرہ گھنٹے تک چکا تھا۔

میں دوسرے پہلے پہلے ٹوٹ آئی۔ اس کے ساتھ رضوان بھی تھا۔

اس کے اختلافات کر کے آئے تھے۔ رضیہ نے بتایا کہ ہم لوگ

نے کے بعد اپنے من پر روانہ ہو سکتے ہیں۔

آپ بستر پر سوچ چک دی تھی اور ہم لاپرواہ میں کھلے منہ

تھے۔ رضوان نے اسے ایسے کر دیا تھا کہ کبھی اس کے خیال

س کے مضبوط بازو ہمارے "ناؤاں" بازوؤں سے زیادہ

اظہار کر سکتے تھے۔

میں نے منہ سے گرو گھٹ دانتوں سے گرش لی اور کر گئے

میں اور رضیہ اطراف و اکنان کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

میری جہالت۔ کئی باری دو دو درختوں کا بھی بدولت کر

اور درختوں میں اس وقت ہمارے بہت کام آ رہی تھیں۔ سان کی

میں درختوں سے ان ہماڑوں کا جائزہ لے لیتے تھے جو سال

از بھر ہونے کی جگہ نہ ملنے کے باعث کھلے منہ میں لور اور

ہوتے تھے۔ سان میں زیادہ تفریح ملنے لگی کہیں کے کارگو شپ کے

الٹے چماتی سامان کے کرتے تھے۔ اس قسم کے جہازوں کو

میں بننے تک سال پر لنگر انداز ہونے کی جگہ نہیں ملتی ہے اور

مندر میں کھڑے رہتے ہیں۔ ان جہازوں کا علاوہ ان کے

سال پر آجاتا ہوتا ہے۔ ہم نے ایسی بہت سی انجین دیکھیں جو

اس کے کارڈوں کو سال کی طرف سے جاری تھیں یا سال سے

کی طرف لاری تھیں۔

دو مینوں کی جہرے میں کسی جہاز کے قریب جا کر اس کا جائزہ

کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں دوسری سے اس کے نام وغیرہ دیکھانی

لے۔

آخر ہماری لاری ان جہازوں سے بھی آگے نکل گئی اور تب رضوان

بان کی کھلی پر پشت نہیں کر سکا۔ اس نے مجھ سے کہا: "ایک بات

پیشہ خاتون؟"

"فرامیجے!" میں نے اس کے سے لیے میں کہا۔

"کیا ہم اس لاپرواہ میں یورپ تک کی دوڑ لگا دیاں گے؟"

"کیا صاف ہے؟" رضیہ نے کہا کہ بولی "خاصا چمپ ایٹو پنسر

رہے گا!"

"اُس وقت کیا ہوگا جب لاپرواہ کا منہ ختم ہو جائے گا؟"

"اسی وقت تو ایک بڑا خرچ ہوگا!"

"تو میرا آپ لوگ مجھے تو یہیں ڈراپ کر دیجیے! میں تیرا ہوا سا مل

کی طرف ٹوٹ جاؤں گا!"

"تمہارے فرشتے بھی اتنا حاملہ نہ کر سکتے تھے!"

"یہ ذکر میں ایک مرتبہ ہوا کہ اس سے بڑا تو اس تک چلا گیا تھا"

"شش!" رضیہ نے ہونٹوں پر انجلی کر کر کر گئی کرنے والے

انداز میں کہا: "اگر کسی اور نے سن لیا تو تمہیں گندہ بند پتیا سے گا"

"بند گاہ سے تو تم گڑھی آئے ہیں۔ اب گندہ بند رہیں سہی! رضوان

نے بے پروائی سے شلے جھک کر کہا: "لیکن تمہیں بھی میرے ساتھ وہاں

چلنا ہوگا۔ تنہائی میں تو سیر لڑی میں بھی نہیں لے گا!"

"وہاں ضرور گناہ جائے گا!" رضیہ نے سزاوارتہ و ترق سے کہا۔

"وہاں تمہارے بھائی بندہ رہوں گے۔ ویسے بھی وہاں کی اظہار کے

پاس اتنے خیر امور و شہر ہوتے ہیں کہ آدمی وہاں اپنا دل تو کیا"

پیسے پھرے اور بگڑنے کو کھلے گئے پر غور ہو جاتا ہے"

رضیہ اور رضوان کی نوک جو کہیں بہت مسرری طور پر ہوتی رہی

میری آہیں اور اطراف و اکنان کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ ورنہ

میری آنکھوں سے لگی ہوئی تھی اور میرے تصور میں وہ جہاز تھا جس کے

ایک کیمین میں نہیں قید رہ سکتی تھی۔

لیکن اب مجھے دو دو دو کوئی ہماڑ دکھائی نہیں دے رہا

تھا۔ میں جہازوں کو ہم پر چھوڑ کر تھے "وہ بھی اب دور بین کے

باوجود بہت تھے تھے سے نظر آ رہے تھے۔ دور بین کے بغیر تو ارضیں دیکھا

بھی نہیں جاسکتا تھا۔

آخر جب چار بجے تو رضوان بھر مجھ سے غلاب ہوا! خاتون!

اگر اب واپسی کا قصد کرنے میں دیر کی تو ساحل تک پہنچتے پہنچتے رات ہو

جائے گی!"

"جھیک ہے!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "موزی لاپرواہ

کل ہم دایں میں ہیں پس گے!"

"اور برسوں بائیں سمت میں!" رضوان نے مڑ کر دیکھا۔

میرے شک میں نے صنعت انداز میں کہا: "میں جب تک ملن نہ ہو

جاؤں اس جہاز کی تلاش جاری رکھوں گی!"

"اور یہ جو غلطی تو کیا سامان ساتھ لیتا تھا؟"

"فی الحال میں نے وہ پروگرام ملتی کر دیا ہے۔ ہاں اگر برسوں تک

لاپنج کے عقب میں سطل آب پر پہنچ چکی تھی اور تیزی سے بڑھ رہی تھی۔
 بڑھ رہی تھی۔ اب اس نے رستہ میں پڑا کھینچا شروع کر دیا تھا تاکہ
 رضیہ جلد از جلد اس لاپنج کے قریب ہو جائے۔
 اس لاپنج کے چاروں آگاہوں کی تمام توجہ ہماری طرف تھی۔
 ان کے سامان و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ "خود" اب ان کے عقب
 سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔
 میں نے بیگٹ والے کو کہہ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اشارہ
 اس نے توجہ دلانے کی تھا اور اس کے ہرٹ میں بدلے تھے۔ غالباً اس نے
 کچھ کا تھا۔ فوراً ہی شین گن سے پھر ایک ہکا سا برٹ مارا۔ اس مرتبہ کچھ
 گولیاں لاپنج سے بھی نہ گرائیں تھیں۔
 "میں رنگ جانا چاہیے" رضوان بولکھلا کر شینا۔ وہ نہ ہماری لاپنج تباہ
 بھی ہو سکتی ہے۔
 "ٹینگ ہے" رضوان توجہ دیکھ کر کہہ رہا تھا۔
 میں دیکھ کر تھی کہ رضیہ سے متعلق لاپنج کا لگاؤ پکڑ لیا تھا اور اب
 اس کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 "بہ رضیہ کی پکڑی گئی گئی" رضوان لاپنج کی رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا
 "وہ جہلی بھی ہے" خبریت سے ہے۔ "میں نے کہا۔
 رضوان نے ایک مرتبہ پلٹ کر تائب کرنے والی لاپنج کی طرف دیکھا
 لیکن وہ زمین کے بغیر وہ رضیہ کو اس لاپنج پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔
 ایمانک میں نے متعلق لاپنج پر قبضہ نہیں دیکھا۔ اس کا سب سے
 تھاکہ رضیہ ان چاروں کو بلا کر تھی مگر اس وقت انھوں نے رضیہ کے ہاتھ میں لالہ
 بھی دیکھا تھا۔
 میں آؤں تو اس نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے لیکن پھر تھکا چکا کہ لاپنج کو تیز
 کر دیا تھا اس لیے وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکا۔
 اور رضوان نے لاپنج روک دی تھی لیکن انھیں ہر نہیں کیا تھا وہ
 اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا تھا اور تیزی سے متعلق لاپنج کی
 طرف دیکھ رہا تھا جواب بہت قریب تک تھی، اتنی قریب کہ اس پر موجود
 افراد بغیر درد میں بھی صاف نظر آتے تھے۔
 "ہائیں" رضوان کے منہ سے نکلا۔ یہ وہاں کیسے پہنچ گئی۔
 "بہ وہاں اس لیے پہنچ گئی کہ رازیل کے لوگ اسے ساری کیسے گئے؟"
 میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔
 متعلق لاپنج ہماری لاپنج کے قریب پہنچ گئی۔
 "تم اپنی لاپنج میں کھو گئے" میں نے رضوان سے کہا اور پھر جواب
 کا انتظار کیے بغیر جوت تھاکہ دھری لاپنج میں پہنچ گئی۔

"اب اس کا کیا حشر کرنا ہے باجی؟" رضیہ نے کہا
 "ابھی بتاتی ہوں"
 وہ چاروں بچکا بچکا سے کھڑے تھے۔ ان کے منہ
 ہر گاہ کسی غیر فانی آسانی سے اور اس طرح سے نہیں کر سکتا تھا
 میں نے ان چاروں کی تلاش کی۔ ان میں سے
 اور ایک کے پاس جا چکا تھا۔ جیسے کہ اس کے پاس سے کوئی
 میں نے وہاں رہا اور وہاں تو سمندر میں بیٹھ گیا تھا
 کہ طرف بڑھی۔ اس میں سے کار تو سوں کی لپٹ نکال کر وہ
 پھینک کر اس کے بعد لاپنج کا شکل جائزہ لینے کے بعد
 وہاں کوئی تیار نہیں ہے۔
 وہ چاروں باہل خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے۔ میں
 سامنے جا کر کی جس نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔
 "تم؟" میں نے اس کے سینے کی طرف اٹھل آٹھل کر کہا
 "تینوں ساتھیوں کے پاس ہو؟"
 اس نے خاموشی سے اشارت میں سر ہلایا۔
 "تو پھر تم ہی میرے تمام سوالوں کا جواب دو گے" میں
 اخلاص سے کہتا تھا۔ میں تم سے یہ تو نہیں پوچھوں کہ تم نہیں ہاتھ
 تھا لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ تم کس عزم تک تھے؟ یعنی یہ کہ
 باسے میں تم لوگوں کو کیا حلیات میں تھیں؟ کیا تم میں ہلاکت کا
 "نہیں"
 "پھر؟"
 وہ چپ رہا۔ رضیہ اس وقت جیکٹ والے کے قریب گئی
 تیزی سے اس کے گال پر اپنے ہاتھ کا ٹھکرا دیا کہ تھی بڑی تیز
 اس کا جانتا نہیں وہاں جاسکی کسی سوال کے جواب میں خاموشی
 رہو۔
 لپانچے سے جیکٹ والے کا ہرٹ پھٹ گیا اور انھوں
 بھی خون پرستے لگا۔ غالباً گال کا اندوہی حصہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔
 رضیہ ٹانگوں پر گھر چھپے ہٹ آئی اور دوبارہ بولی "جواب دے گا
 باسے میں تم لوگوں کو کیا حلیات میں تھیں؟"
 "ہیں... ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تھاکہ تمہیں پکڑ کر لپانچ
 لے جائیں" جیکٹ والے نے ایک طرف تھوکر تھوکر بھرتی ہوئی
 میں جواب دیا۔
 "فرار ہو کیوں؟" میں نے سوال کیا۔
 "ہم سے بس اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں ہیں کالے رنگ کی ایک"

میں کہ ہم تم لوگوں کو اس کا رد کرتے ہوئے کھڑے کر دیں گے"
 میں فرار ہال کس طرح سے جانتے؟ میں نے پوچھا۔
 کہہ کرے کہ کیا وہی کے معاملہ پر پہنچتے تو کس طرح ہیرا
 اس وقت تم لوگوں کے دباؤوں کی نالیں ہماری
 ان تریں تو دیکھنے والے ایک نگاہ پر پا کر دیتے؟
 وہاں کو بیوقوف کر کے لے جاتے؟
 سمجھتے ہیں بھی وہاں موجود لوگوں کی توجہ ہماری طرف
 رہتی؟" میں نے جیکٹ والے کو تیز نفس سے گھورتے
 ہم تمہیں صندوق میں بند کر کے لے جاتے؟" جیکٹ والے
 کہہ کر
 "میں غزنی؟" تم لوگ یہ حماقت ہو کر نہیں کر سکتے تھے۔
 لوگوں کی گرفتاری تین تھی۔ معاملہ یہاں صندوقوں کو چیک
 کھینچے دیا جاتا؟"
 جیکٹ والے کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔
 کے علاوہ یہ کہ تمہیں جھوٹ بولنے کی ہلکی تیر نہیں ہے؟
 چہرہ مٹون لیے ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لوگوں کی لاپنج
 لپانچ نہیں ہے؟
 "وہ... دراصل... جیکٹ والا ہلایا۔
 وہ تیر بولو! جیسے" رضیہ ایک قدم آگے آ کر غزنی تو نہ
 لپانچ ہی مارا کہ تھاکے چہرے کا سمجھتا بنا دوں گی؟
 "دراصل" جیکٹ والے نے اپنے منہ میں بڑبڑاتے پھیرتے
 "میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ تم تینوں کو ہلاک کر دیا جائے؟"
 جیکٹ والے کو گھورتی رہی جو مجھے نظر پڑا تھا۔ اس
 ساتھی میں ہمارے کھڑے تھے۔ ان کے منہ سے اب تک ایک
 میں تھا اور میں بھی ان سے متعلق نہیں ہوئی تھی۔
 "نہیں" میں آہستہ سے بولی۔
 "میں سمجھتی ہوں باجی" رضیہ نے کہا اور وہ اتنی تیزی سے جیکٹ
 لپانچ میں کیسے کوئی آدمی اٹھتی ہے۔ اس مرتبہ اس کا لپانچ
 اور تھاکہ جیکٹ والا کو کھڑا لگا اور تھاکے گئے پھا۔
 لپانچ میں جھوٹ بول رہے جو تھوکر تھوکر ہے؟" رضیہ نے زہریلے
 کیسے چمکانے ہوئے کہا۔ اگر تمہیں ہماری ہلاکت کا حکم ملا
 ہم لوگ اس وقت زندہ نہ ہوتے تھاکہ شین گن کا پہلا ہرٹ
 سے مارا گیا تھا کہ ہماری لاپنج اس کی دوسرے باہر تھی۔

"اور میں بولی بڑی" دوسرے ہرٹ کی گولیاں ہماری
 لاپنج کے ارد گرد پانی میں گری تھیں۔ پھر سلاٹس آنا ہوتا تھا کہ
 اس سے لاپنج کو کسی شکل کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اگر میں ہلاک
 کرنا تم لوگوں کا مقصد ہوتا تو تمہاری شین گن کسی وقت کے بغیر
 گولیاں برسا چکی جاتی اور ہماری لاپنج کے پتھر آؤ جاتے۔
 "لہذا" رضیہ پھر ایک مرتبہ غزنی "اب گلاب بھی تم سے نہیں لپے
 تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری تمام تھیں وہ کھاف تھی ہے۔ اے
 میری آخری وارننگ سمجھو!"
 "آخری نہیں" سیکڑا لاسٹ "رضوان نے اپنی لاپنج سے ہلک
 لگا دی۔ آخری وارننگ تو ان گھوڑوں کو نہیں ہی دہلا کر کہا؟"
 "نہیں" میں نے پلٹ کر رضوان سے کہا "تم اپنی ہی لاپنج
 میں کر گوا؟"
 "اسے بھی مجھے تو کچھ موقع ملنا چاہیے ان لوگوں کی خدمت
 کرنے کا" رضوان نے بڑبڑاتے دیکھا۔
 "بکومت" میں نے اسے ڈانٹ دیا اور دوبارہ جیکٹ والے
 کی طرف توجہ ہو کر بولی "ہاں اب جلدی سے ہل بات بتاؤ الوداع!"
 لیکن اس سے پہلے کہ جیکٹ والا کچھ کتا، رضوان پیچھے اٹھا۔
 بالو ایک لاپنج اس طرف رہی ہے؟
 "کیا" میں چونک کر پوچھی۔
 رضوان وہ زمین انھوں سے چھلنے اس سمت میں دیکھ رہا تھا
 چہرے پر ہم آئے تھے میں نے پلٹ کر اس طرف دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر
 نہیں آیا۔ اب وہ لاپنج ابھی اتنی دور تھی کہ اسے وہ زمین کے بغیر نہیں
 دیکھا جاسکتا تھا۔
 "تم ملحق تو نہیں کر رہے ہو رضوان!" میں نے تیزی سے پوچھا۔
 "کیا ایسے موقعوں پر بھی اس قسم کا کوئی ملحق کر سکتا ہوں؟" رضیہ
 نے جھنجھک کر کہا اور مجھے اس کے لیے سے تینوں ہو گیا کہ وہ جھوٹ
 نہیں بول رہا تھا۔
 "رضیہ! اب ہم کسی بڑے خطرے میں چل سکتے ہیں" میں نے بڑبڑاتے
 زبان میں تیزی سے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم لوگ تیزی سے نکل جائیں"
 "ان لوگوں کا کیا ہوگا؟" رضیہ نے جیکٹ والے کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے پوچھا۔
 "انھیں نہیں لاپنج میں چھوڑ دو۔ مجھے توقع نہیں ہے کہ کوئی
 کام کی بات معلوم ہو سکے" میں نے بڑبڑاتے میں رضیہ سے کہا اور پھر
 ارد میں جیکٹ والے سے بولی "ہم تھیں سمندر میں چھینک کر رہ جاسکتے

ہیں لیکن میری نظریں تو رنگ زیادہ تصور دلائیں ہو۔ وہ تو کوئی اور ہی ہے جس نے قصہ جانے پیچھے لگایا ہے اور میں بہت جلد اس سے بہت اچھی طرح نہیں لے سکتی۔ اس سے بس اتنا کہ دینا کہ میرے بال کوئی تر لٹا لٹائیں ہے۔

جیکٹ والے کے گھر پر جو مردی سی چھائی تھی وہ ختم ہو گئی اور اس کے تینوں ساتھی بھی کچھ شش بشش نظر آنے لگے۔ غالباً ان لوگوں کو اپنے چمکانے کی کئی امید باقی نہیں رہی تھی اور اب وہ قلعی فیروزہ طور پر "بخت" حاصل کر رہے تھے۔

میں نے ایک بار پھر اس طرف دیکھا مگر رضوان دیکھ رہا تھا بہت دور سے ایک سیاہ دھتیا سا سرخ نظر آیا۔

"آؤ رضیہ! میں نے کہا اور چلا گیا۔ لگا کر اپنی لاپٹ پر پہنچ گئی۔ رضیہ نے اپنے دل کی تیرے ہنسن اس طرح نکالی کہ جیکٹ والے کے خنجر پر شک دیا اس کے بعد وہ بھی جھٹ جھٹ لاپٹ پر لگی اور میں نے رضوان سے کہا: "بس اب تیری سے نکل چلو!... وہ دوسری لاپٹ ضرور ہمارے لیے کئی بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔"

رضوان فوراً ہی لاپٹ کو حرکت میں لے آیا۔

میں دور سے ان تینوں سے لگا کر دوسری لاپٹ کی طرف دیکھنے لگی جو بہت تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی لیکن میں دودھین کے وجود پر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ اس لاپٹ میں کتنے آدمی تھے۔

"یہ تو کچھ گنہ گار ہیں! رضوان بڑبڑایا ان چاروں میں سے کم از کم ایک آدمی کو پکڑ کر لے چلتی۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو تا۔ میرا اصل شکار کئی پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے اس کے لیے معمولی کارندہ تو یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"تو پھر اتنی دیر تک کیوں لوچھ لوچھ کرتی رہیں؟ بڑا دیر جی وقت برباد کیا۔"

"میرے صفت یہ جاننا چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو ہمارے بارے میں کیا ہدایت ملی تھیں۔"

"لیکن یک ہی بھی نہیں معلوم کر سکیں!"

"کوئی خاص فرق نہیں پڑتا! البتہ اب میرے ذہن میں ایک اور شہر ضرور پیدا ہو گیا ہے۔"

"وہ کیا باہی؟" رضیہ جلدی سے پوچھ بیٹھی۔

میں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ میں ایک بار پھر دودھین آنکھوں سے لگا کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ لاپٹ ابھی جیکٹ والے کی لاپٹ تک

بھی نہیں آئی تھی اور جیکٹ والا اپنی لاپٹ کو ابھی تک لایا تھا۔ غالباً وہ دوسری لاپٹ کو اختیار کر رہا تھا۔ ہماری لاپٹ اپنی انتہائی رفتار کے ساتھ بال بال آ رہی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں باہی! رضیہ بھول رہی، اسے کہہ دیا۔"

کیا نیا شہر پیدا ہو رہا ہے؟

"پہلے تو میں ہی سمجھ رہی تھی نا کہ مجھے کسی جازم میں ہوں۔"

"اب میں سوچ رہی ہوں کہ وہ کوئی آبدوز نہیں ہو سکتی۔ بہت شاندار! رضوان نے تصور لگایا۔

"کیا مطلب! میں اس کے انداز پر جھنجھلا رہی۔

"مطلب یہ کہ آپ نے شاید حال ہی میں کوئی دستہ ناول پڑھا ہے۔ رضوان نے تصور اڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ بیسودہ بات تم دوسری بار کہہ رہے ہو!"

"دوسری بار کیا! میں تیری اور پھر رضیہ کی بات کر رہی ہوں زیادہ مذاق کر رہی تھی تو پھر اپنی اور چھٹی بار بھی کہہ دوں گا۔

"میں مذاق کر رہی ہوں؟" میری جھجھلاہٹ بڑھ گئی۔

"یہ مذاق نہیں ہو کیا ہے۔ اگر کوئی آبدوز ہمارے گرد تو کیا ہماری بحریہ کو اس کا علم نہ ہوتا؟"

"ضروری تو نہیں کہ وہ آبدوز ہمارے ہی ہمدردی والا ہو۔ پھر رہا ہو!" میں نے بتور جھجھلاہٹ سے ہنسے انداز میں کہا۔

سمند میں بھی ہو سکتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ اب آپ جاسوسی ناول لکھنا شروع کر رہے ہیں۔

اس آہستہ پر میری جھنجھلاہٹ اتنی بڑھی کہ میں خاموش رہی۔ بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے میری اور وہ

رک جھڑک میں قلعی حتم نہیں لیا اور دودھین میرے آہستہ سے عقب کا جائزہ لینے لگی۔ ذرا ٹوک کر اس نے کہا: "ہمارے کہ وہ دوسری لاپٹ جیکٹ والے کی لاپٹ کے قریب بہت

رنگ جھٹی ہے۔"

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی ہوں۔"

اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔ ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپنا شروع ہو گئی۔

ایسا ہے آپ نے کہاں غائب ہو گئے ہمارے دن؟"

اب ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب فوراً میرے بڑوں کو آجائے!"

پر لپٹ کیا ہے؟"

اب آپ آجائے۔ اپنے گھر پر کہہ کر لے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

میں نے سوچا۔

ہاں....

میں کہیں کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

میں کا بیاب ہو جاؤں گی تو....

تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہو رہا تھا۔

میں ٹپکی بجاتے سب کچھ کہہ رہی ہوں۔"

آخر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

سب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں

پہاںیں آ رہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سسل سسل

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن

اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے

اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے

تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی

ہوں۔" اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر

ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔

ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپنا شروع ہو گئی۔

ایسا ہے آپ نے کہاں غائب ہو گئے ہمارے دن؟"

اب ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب فوراً میرے بڑوں کو آجائے!"

پر لپٹ کیا ہے؟"

اب آپ آجائے۔ اپنے گھر پر کہہ کر لے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

میں نے سوچا۔

ہاں....

میں کہیں کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

میں کا بیاب ہو جاؤں گی تو....

تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہو رہا تھا۔

میں ٹپکی بجاتے سب کچھ کہہ رہی ہوں۔"

آخر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

سب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں

پہاںیں آ رہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سسل سسل

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن

اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے

اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے

تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی

ہوں۔" اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر

ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔

ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپنا شروع ہو گئی۔

ایسا ہے آپ نے کہاں غائب ہو گئے ہمارے دن؟"

اب ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب فوراً میرے بڑوں کو آجائے!"

پر لپٹ کیا ہے؟"

اب آپ آجائے۔ اپنے گھر پر کہہ کر لے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

میں نے سوچا۔

ہاں....

میں کہیں کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

میں کا بیاب ہو جاؤں گی تو....

تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہو رہا تھا۔

میں ٹپکی بجاتے سب کچھ کہہ رہی ہوں۔"

آخر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

سب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں

پہاںیں آ رہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سسل سسل

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن

اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے

اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے

تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی

ہوں۔" اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر

ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔

ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپنا شروع ہو گئی۔

ایسا ہے آپ نے کہاں غائب ہو گئے ہمارے دن؟"

اب ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب فوراً میرے بڑوں کو آجائے!"

پر لپٹ کیا ہے؟"

اب آپ آجائے۔ اپنے گھر پر کہہ کر لے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

میں نے سوچا۔

ہاں....

میں کہیں کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

میں کا بیاب ہو جاؤں گی تو....

تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہو رہا تھا۔

میں ٹپکی بجاتے سب کچھ کہہ رہی ہوں۔"

آخر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

سب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں

پہاںیں آ رہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سسل سسل

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن

اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے

اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے

تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی

ہوں۔" اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر

ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔

ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپنا شروع ہو گئی۔

ایسا ہے آپ نے کہاں غائب ہو گئے ہمارے دن؟"

اب ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب فوراً میرے بڑوں کو آجائے!"

پر لپٹ کیا ہے؟"

اب آپ آجائے۔ اپنے گھر پر کہہ کر لے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

میں نے سوچا۔

ہاں....

میں کہیں کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

میں کا بیاب ہو جاؤں گی تو....

تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہو رہا تھا۔

میں ٹپکی بجاتے سب کچھ کہہ رہی ہوں۔"

آخر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

سب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں

پہاںیں آ رہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سسل سسل

کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے لیکن

اب اس کو سنایا کرتی رہی کہ کبھی سے اب اس کی مرتبہ اس نے

اس کی جب بھی گھر لوٹوں، اسے فوراً فون کر لیں۔

اس کی میں نے سر ہلا کر سنی تھی کہ یہ چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دوں میں پہنچے جہاں میرے سر پر ٹیلیفون لگا تھا۔

ہم کہہ کر سبوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشیوں کا انتظار کر رہے

تھے۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سٹیک کو فروغ دے رہی

ہوں۔" اس کی بھیجنا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

اس نے رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

ال خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ دین پر

ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔

"وہ رضوان کے منہ سے آتا ہی نکلا۔

اس وقت دو طائرانوں نے کھانے کی ڈشیں لگا کر شروع کر دی۔

ایک ٹرائی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونیا کو فون کیا۔

"ہاؤ! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر ت

لیکن میں فضول باتیں سننے کے موڑ میں نہیں تھی میری کاچھلک
نے نکلی تھی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اب رضوان ساری لذت میرے
گھر پر ہے گا اور رضیہ سے کب شپ کرنا ہے گا۔ کب شپ نہ زیادہ
کسی بات کا قطعی اندیشہ نہیں تھا۔ رضوان مجھ سے بائیں نوایں طرح
کرنا تھا جب وہ رجاہ آباد سے لیکر وہ فطرت آیا نہیں تھا۔ اس
کے علاوہ وہ اپنی عزیزان رضوان بہن رضیہ سے بھی خوب واقف
تھی مجھے یہی معلوم تھا کہ رضوان اور رضیہ ایک دوسرے کو بہت
ثقت سے جانتے ہیں اور رضوان واقعی شادی کا خواہشمند ہے لیکن
اس سلسلے میں رضیہ کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کو جس سے محبت ہو اس کی
قربت حاصل نہ کرے۔ گلاب کا پھول بھی اگر زیادہ دیر تک کالیں
لگا رہے تو پھر اچھا نہیں لگتا۔ رضیہ کا یہ انداز فکر رضوان کو سرپیٹنے پر
جبور کر رہا تھا۔

میں ان دونوں کی طرف سے ملتی تھی اس لیے سونیا کے ہونٹوں
کی طرف جلتے ہوئے میں نے ان دونوں کے بارے میں نقلی نہیں سوچا۔
میرے ذہن میں تو وہ اور پھر کچھ لڑا تھا جس سے ان میں مندرجہ بالا
ہوئی تھی۔ رضیہ کی خوشامیاری سے وہ صوبہ مال پڑی آسانی سے
ہمارے قایم ہو گئی تھی لیکن اگر اتنی تو کیا ہوتا ہے میں اسی سوال
پر غور کر رہی تھی میرے یقین کے مطابق تو وہ خان آف کالا گڑھ
ہی کے آدمی تھے اور مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے
گرفتار کر کے کہیں لے جاتے۔ خان آف کالا گڑھ مجھے قید کر کے مجھ سے
اُن پرکوں کا انتقام لینا چاہتا تھا جو میں نے اُسے لگائے تھے۔ یہ
میرے ذہن میں یہ شبہ بھی سر اٹھا رہا تھا کہ خان آف کالا گڑھ

کسی جہانگیرا کے آبدوز کا بھی مالک ہو سکتا ہے۔ اُس نے عجیب
مجھے اس طرح مندرجہ جانتے ہوئے دیکھا تو شاید اُسے شبہ گرا ہو کہ میں
اس کی آمد کے بارے میں کچھ جان رہی ہوں چنانچہ اس سلسلے میں اُس
نے ضروری سمجھا کہ مجھے چھاپ بیٹھے۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا لیکن میں جانتی تھی کہ وہ اب
بھی نیلا گڑھ پر نہیں بیٹھے گا کسی وقت بھی اس کی طرف سے کوئی دوسرا
قدم اٹھ سکتا تھا اور میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح چوکس
تھی۔

جب میں ہونٹل پہنچی تو سونیا بڑی لمبی لمبی سے میرا انتظار کر
رہی تھی۔ وہ چھوٹے ہی بولی۔ "میں نے بازی جیت لی، اس کی
آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے کسی نے کوہ پامپا میں لہر کھول دی ہو۔
"آخر اتنی جلدی نہیں کیے گا کیسا مایوس ہو گئی ہے؟"
"مغص اس لیے کہ میں ایک جبریل کی ہوں؟"

"کیا مطلب؟"

"معاف کیجئے گا بانو! آپ کی قوم آج تک امام
ہے۔ یہاں کے بڑے بڑے گھروں کے لوگ بھی مندرجہ
مل بیٹھ کر فرعون کرتے ہیں۔ انھیں تو کم از کم خوش
ہیں۔ ان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا جب وہ اپنے
کاروں کے گھر روانہ ہوئی تو میں نے نفٹ لینے کے لیے اُس
سے اشارہ کیا۔ اس نے فوراً گاڑی روک دی۔ میں نے اُس
اشارہ کاغذی منتقلی بول جا رہی تھی لیکن وہ مجھے راہ میں
بول میں اس نے مجھے یہ منگنی کی کہ وہ مجھے بول تک
رہتے ہیں اس سے میری بات بہت بہتر ہو رہی۔ میں نے
ایک نالرسٹ ہون اور مجھے چونکر مشرقی حوال میں ایک
باس لیے میں مشرقی طرز معاشرت دیکھنے کے لیے پاکستان
"گڑا! میں ہنس پڑی۔ وہ خوبصورت چھوٹا بچہ
"وہ میری اس حیثیت سے کچھ خوب بھی ہو گئی۔
نے اسے جانتے پیٹنے کے لیے روک لیا اور دم میں خاص
اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے بھی خود کو نمایاں کر
بتایا کہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ اس نے وہاں
کل مجھ سے ملنے کے لیے خود آئے گی۔ جب وہ جاوے گی تو
کمرے سے اس کی تصویر بھی لے لی۔"

"کہاں ہے تصویر؟ میں نے نہ مل سکی ہے۔
"میرے پاس ہے اور کہاں ہوگی؟"
"دیکھاؤ؟"
سونیا نے میری بیٹائی محو کرنی اور میرے پاس
اس کی تصویر دیکھنے کے لیے اتنی لمبی عین کھولیں ہیں؟"
"ہاں میں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"آپ نے واقعی اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟"
"کبھی نہیں۔"

"پھر آخر آپ نے یہ پتہ کیوں ملا یا ہے؟ میں تو کبھی
نے اُسے نہیں دیکھا یا ہے اور وہ آپ کو پسند آگئی ہے۔
بھی واقعی بڑے کاٹنے کی چیز۔"
"تم تصویر تو دیکھاؤ؟"
سونیا نے اپنے بستر کی سائڈ ٹیبل کی دروازے سے
مجھے دیکھا۔ وہ واقعی بہت خوبصورت تھی اس کے نقش
خان آف کالا گڑھ کی چمک موجود تھی لیکن بارے نام
معلوم کر کے ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"گڑا! میں نے پسند کی ہے کہ طور پر سر لایا۔
"لیکن وہ اس تصویر سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔"
"تو پھر تم اس سے مجھے کب ملوادی ہو؟"
"کل شام کو کر لیجیے۔ اس نے مجھے اپنے آنے کا وعدہ کیا
ہے۔"
"لیکن میں اس سے اپنے اعلیٰ چہرے مہرے کے ساتھ نہیں
لوں گی۔"
"پھر؟ سونیا نے تعجب سے کہا۔
"میں خود کو خالصتہ طور پر اس کے اندر کی گہرائی کے اندر
دلوں کو اپنے گھر پر چڑھ کر لے۔"
"وہ خود ہی کمرہ رہی تھی کہ مجھے اپنے گھر پر چڑھ کر لے گی۔"
"وہی گڑا! تم اس سے میرا تعارف کیسے کرنا کہیں ایک
بہت ہوں اس طرح وہ بہت جلد مجھ سے قریب ہو جائے گی۔ یوں
اب غرض کو اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوتی ہے لیکن
میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگوں میں یہ مرکز کچھ زیادہ ہی ہے۔"
"آخر یہ جگہ کیا ہے بانو؟" سونیا کے چہرے اور ہچکے سے الجھن
حاضر تھی۔

"میں ان لوگوں کی فکر میں ہوں جنہوں نے نہیں اُن کا بنا کر مجھے
اُن کا کرنا چاہا تھا۔"
"لیکن وہ خوش آتی چیز کی کامیاب تھا۔ سونیا نے حیرت سے
کہا۔ "اور مذاق چنگیزی قتل ہو چکا ہے۔"
"مذاق چنگیزی کے لیے پشت کچھ اور لوگ بھی تھے جو اب
میری عمر کی نہیں ہیں اس سے پہلے کہ وہ اپنے عقیدے کا کامیاب
ہو جائیں۔ ان کا قتل نہ کرونا چاہی ہوں۔"
"وہ لوگ کون ہیں؟"
"مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ان لوگوں کو خان آف کالا گڑھ کی
بہت حاصل ہے۔"
"انگ رخان کو بہت معزز و شرفیت ہیں؟"
"ہاں ملک میں ایسی ہی شخصیات بہت ہیں جن کے چہروں
پر رقبہ انارکھ ہے جیسے تو لوگ انشت بدل رہے جا رہے تھے۔"
"آپ کا انداز گفتگو طبعاً عوامی سا ہے۔"
"کیا مطلب؟"

"کیا آپ یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے اصل دشمنوں میں
خان آف کالا گڑھ سرفرازست ہے۔"

"ہاں۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "حقیقتہً
یہی ہے۔"
"پھر تو اس کے گھر میں جانا آپ کے لیے بہت خطرناک
ہوگا۔" سونیا نے پر تشویش انداز میں کہا۔
"میں ایسا ایلیس بدل کر جاؤں گی کہ کسی کے فرشتے بھی مجھے
پہچان نہیں گے۔"
"اور اگر پہچان ہی لیا گیا؟"
"دیکھا جائے گا میں خطرات سے کبھی نہیں ٹھہراتی لیکن
باتیں جاننے کے بعد تم تو خود وہ نہیں ہو گئی ہو؟"
"میں نے خوفزدہ ہو کر انہیں دیکھا اور پھر آپ کے ساتھ
موت کے نہیں بھی چھانکے گئے۔ یہ تیار ہوں۔ یہ کتنے
نے میری گردن میں ہاتھیں حاصل کر دیں۔"

ایک مکتی ہوئی لذت کی خوشبوؤں کو اپنے پیشے ریشے میں
ہونے کے بعد جب میں گھر پہنچی تو رضیہ ابھی سو رہی تھی لیکن نکلتے
دھیرے دھیرے کپڑے تھے۔ وہ ناشتہ بھی کر چکی تھی لیکن اسے میرا انتقال تھا
وہ بولی "ملازمہ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ رات کی گھبراہٹ میں
گئی تھیں اور ملازمہ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ آپ آتی
ہوں گی لہذا میں نے سوچا کہ ناشتہ آپ کے ساتھ کروں۔"
"رضیہ ابھی سو رہی ہے؟"

"ہاں ملازمہ نے بتایا تھا مجھے کہ وہ اور رضوان صراحتاً
تین چار بجے ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
رضوان صاحب کے جانے کے بعد ہی رضیہ بی بی سوئی ہوں گی اس
امکان کو ہے کہ وہ درنگ سو رہیں گی۔"
"اُٹھو دو دنوں ناشتہ کر لیں۔"

"رضیہ بی بی کو جگانا دیا جائے؟" میں نے گھبراہٹ سے پوچھ لی۔
"نہیں اسے سوئے دو۔ اچھا ہے وہ اس کی نیند پوری کرے۔
اس روز سگیتا سے بس میری اتنی ہی گفتگو ہو سکتی یا ناشتہ
میر پر چند دسی باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد میں تیار ہو کر اپنے
کی طرف چلی پڑی تھی میں خامے دن بعد دو پہنچی تھی اس لیے بہت
سہی فائیں میری میز پر ڈھیر تھیں۔ میں اتنا زیادہ کام کرنے کے بعد
میں نہیں تھی لہذا میں نے اپنی چمکر ہدایت کر دی کہ وہ خود بھی فائیں
دیکھ کر اپنے طور پر مناسب فیصلے کرے اور میرے دستکروں کے لیے
فائیں میرے گھر بھیج دے۔ میں نے صرف ایک آدھ فائل دیکھی جو

مجھے ہی دکھنا چاہیے تھی۔ اس کے بعد میں نے رضوان کو فون کیا۔
دوسری طرف مکی مرزبٹ محض سچینہ کے بعد ریسور اٹھا گیا اور رضوان کی
بھرائ ہوئی آواز سنائی دی۔ ہے۔ بے گلو۔ ج

خالۃ امریکی لہجے میں انگریزی بولی۔
 ”نہیں نہیں، ہسونا نے جلدی سے کہا، ”کہہ لیں، لاہ
 تو نہیں ہوئی۔“

”مجھے وہ ہنگامہ آرائیاں پسند نہیں ہیں جن سے جہان پھیلے۔
 ہر کوئی تقریب میں تو کوئی جہان نہیں جوتا کوئی سنسنی خیزی نہیں
 بلکہ ہنگاموں میں تو صرف مسرت ہی مسرت ہوتی ہے کون؟

اور اس قسم کے دوسرے پراسرار علم کی باتقاعدہ طالب علم پر بھی ہو اور
 "وای" "مونیا کو بخت حیرت ہوئی تھی۔
 "ہاں اور حسن، مگر ہرگز کو نہ تھیں، دوسرے ہرگز

میں خوف دہراں نہ پھیلا جائے۔ البتہ انہیں بے کوگوں کے مستقبل میں صرف خوفناک باتیں تحریر ہوتی ہیں! یقیناً اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں اس کی قائل ہوں کہ کوگوں کو صرف ان اچھی باتوں سے خوش کیا جائے۔

"خوب! ذریں مجھے ایسی نظر سے دیکھنے لگی جس سے عقیدت مقرر ہو جاتی تھی۔"

"ادرب! سوینا کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ میں اپنی دونوں معززہ ماؤں سے درخواست کروں گی کہ وہ میرے ساتھ نیچے لینگا جاؤں۔ میں ملیں۔ ہم جائے دیں پلٹ گئے۔"

ذریں نے کھڑے ہو کر مجھ سے کہا: "تشریف لے پیسے ڈیم!"

"ہاں ہاں چلو!"

مہرتوں کرے سے نکلے سوینا نے کوہ قتل کیا اور ہم منبروں رفٹ کے ذریعے نیچے اتر کر لینگا بار میں بیچے۔ سوینا نے چائے ساتھ بے شمار لوازمات منگالیے۔ چائے پینے کے دوران میں ذریں نے مجھ سے پوچھا: "سوینا نے تو کپ کا پناہ تھ ضرور دکھا یا ہوگا!"

"بھی نہیں۔ میں نے کہا۔ سوینی نے آج تک یہ خواہش ظاہر نہیں کی۔"

"واقعی! ذریں نے تعجب سے سوینا کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ سوینا نے سکر کر کہا: "در اصل میں اپنی زندگی کے ان واقعات سے آگاہی چاہتی ہوں جو میرے مستقبل پر بڑے اثرات مرتب کر سکتے ہیں لیکن میں مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی۔ لیکن اچھے واقعات بھی تو جانے چاہیں! اس سے ادبی کا حوصلہ بڑھتا ہے۔"

"میرا حوصلہ ویسے ہی بہت بڑھا ہوا ہے۔ سوینا نے ہنس کر کہا۔

"مگر انہیں تو میڈیم کو اپنا تھ ضرور دکھاؤں گی۔"

میں آہستہ سے ہنس پڑی اور پھر بولی: "اس لیے تو میں شہرت سے بچتی ہوں۔ ان شہرت کے باعث ہر ملاقاتی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا تھ دکھا جائے۔"

"اگر آپ اس سے بچنا چاہتی ہیں تو میں اصرار کر کے آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔"

"میں خیر پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے جلدی سے کہا: "میں تھارہ تھ ضرور دیکھوں گی لیکن کرے میں واپس چل کر! یہاں تو میری لوگ ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ذریں خوش ہو گئی۔

چائے پینے کے بعد ہم منبروں واپس کمرے میں آئے۔

میرے ذریں بیٹھی۔ اس کے قب کے ہمارا کمرہ ہمارا

خارج کرنے کی لیکن میں نے خود کو تالو میں رکھا۔

"اب بتائیے! ذریں نے اپنا تھ میری گود میں

میں سمجھنا انہی۔ میں نے اس کا تھ اپنی گود سے اٹھا

ہاتھوں میں لے لیا۔ بلاشبہ وہ ایک ایسا بک مٹا تھا

گد گدی ہوئے گئے۔ میری نگاہ اس کی کمرے کی تصویر

جگہ میری پیشانی پر ٹکڑوں پر گئیں۔ میں نے ہانک سوینا

ایک کاغذ دینا۔"

سوینا نے جلدی سے ہٹل کا بیڈنگ کال کر کے

اپنا کالنگ کال کر اس بیڈ پر کچھ نمونوں کی جمع تقریر کر کے

دس دس تک لے کر کام جاری کیا۔ ذریں نے اشتیاق

طرف دیکھ رہی تھی اور سوینا کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ یہ

سے غلط ہو رہی ہو۔

دس منٹ بعد میں نے ایک ٹیل فون سانس لے کر ذریں

دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی: "پرسوں تمہارا ایم پیڈ ہے؟"

ذریں اس طرح اچھل جیسے صوفے میں گر کر دوڑ گیا ہو۔

"مائی گاڈ! اس کے کمرے سے نکلا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

کیا پاسٹری سے یوم پرائیسی کا بھی پتہ چل جاتا ہے؟"

"میں پاسٹری کے علاوہ اس کی اپنی کمرے کے دوسرے علوم پر بھی

رکھتی ہوں اور جب میں کسی کا تھ دیکھتی ہوں تو ان سارے علوم

بروئے کار لا کر کسی بھی نتیجے پر پہنچتی ہوں۔"

"اوہ... اوہ... شاندار! ذریں نے ہلہولہا۔ اس کی

آنکھیں کچھ نہیں تھیں اور اس کے چہرے کی شہرت بڑھ گئی تھی۔

"کیا واقعی پرسوں تمہارا ایم پیڈ پتہ چل گیا ہے؟ سوینا پوچھ

"ہاں۔ ذریں نے اپنا پرکھ کر مجھے کہا: "پرسوں میں

سارے گھر۔ میں تمہارے لیے گاڈ لے کر آئی ہوں۔ یہ لو! اس

گاڈ سوینا کی طرف بڑھایا۔ اس پر تھانہ نام لکھا ہوا ہے۔ یہ تھانہ

میں نہیں مل دے گاؤں گی۔ تھانہ کو بیچا دینا۔ میڈیم! وعدہ

کر آپ میری ساگرہ میں ضرور آئیں گی۔"

"میں ضرور آؤں گی۔ مجھے ہنگامہ لائی ہے بہت دیر ہو

"لیکن کچھ دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کس میں نہیں

کی ہنگامہ آرائیاں پسند میں ہیں!"

راہ میں ہانک مجھے پریشان کیا میں پرسوں کے لباس سے نہیں مل

تھی اس لیے مجھے غم نہیں تھا کہ اب اس کے ذہنی حالت کیسے ہوگی! اس

وقت میں مجھ سے ملے ہوئے تھی لہذا اس سے ملنے چاہی نہیں سکتی تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ گھر پہنچ کر اس کی خیریت معلوم کروں گی۔ اس

کے ساتھ جذبات میرے لیے دو بار اشتیاق میں لیکن اس کی خیریت دریافت

نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔

گھر پہنچی تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا میں نے وضو کر کے کمرے

کھانا کھائے۔ پھر میں اپنے کمرے میں آئی اور میں نے ابریز کے گھر

دیکھ کر کہنے والا کوئی لازم تھا میں نے اسے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میں

ابریز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

"ہولڈ آن، کہیے۔ میں نے لازم کی آواز

پھر مجھے کوئی ایک منٹ بعد ابریز کا آواز سنائی دی۔ "ہیلو! بڑا

سپاٹ سالو تھا میں آواز پہچان نہیں سکی۔

"ابریز! میں نے پوچھا۔

"بول رہا ہوں۔"

"بہت شرمندہ معلوم ہو رہا ہے، کیا ابھی ذہن میں تکلیف باقی ہے؟"

"کون سے ذہن کے بارے میں پوچھ رہی ہیں آپ؟" ابریز نے غصہ

سانس سے پوچھا۔

"کیا تمہیں ذہن آئے ہے؟" میں نے اعتبار پوچھ بیٹھیں۔ دراصل

میں فوری طور پر ابریز کے جملے کی سنی تھی میری سمجھ میں نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں۔ ابریز نے پھر غصہ سانس لیا۔ ہر حال بازو کا ذہن تو بڑی

تھیک مندرمل ہو چکا ہے۔ وہ گیارہ دس ذہن تو شاید وہ بھی نہ

"اوہ! اب میں اس کا مطلب سمجھ گئی اور میرے ذہن سے اس آسانی

نکل سکا۔

"بڑی غایت کر آپ نے دو دن بعد میری خیریت تو پوچھ لی! ابریز

بولے۔

"مجھے انہوں ہے۔ دراصل میں کل بہت زیادہ مصروف رہی۔"

"لیکن جس نے مجھے ایک نہ دکھائی دینے والا ذہن لگایا ہے اسے

میں ایک کل کے لیے بھی اپنے ذہن سے غور نہیں کر سکا۔ یہ ادب ہے کہ

اس شفاک ہستی کو میرے اس جذبہ کا احساس ہی نہ ہو۔"

میں نے اس وقت بڑی بے بسی محسوس کی۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا

کہ میں کیا کہوں! پہلے بھی بہت سے مرد مجھ سے اس قسم کی باتیں کرتے

دیکھ میں اور میں انہیں آدھے ہاتھوں میں دہی ہوں لیکن ابریز کے

مصلحت میں میری زبان کے آگے جیسے کسی شرس چٹان مائل ہو جاتی تھی۔

شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ابریز کے جذبات میں کلا کی شدت تھی۔ اگر
 شدت کا اعتبار کرنا میرے بس سے باہر تھا۔
 "ابریز!" میں نے زک کر کہا۔ "بستر، نکالو۔۔۔ تم۔۔۔ اپنے اس زخم
 کو زخمی کرنے کی کوشش کرو! جو زخم کھانی نہیں دیتے، ان کا علاج
 ہی ہے کہ انہیں فروغ کر دیا جائے!"
 "یہ صرف پب کی کہ سکتی ہیں کہ آپ نے شاید وہ زخم بھی نہیں
 کیا۔ جو لوگ یہ زخم کھاتے ہیں، انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے زخم
 فروغ نہیں کیے جاسکتے۔"
 "ابریز!" میں نے سخت اسان لایا۔ "تجارتی چھوڑ دو۔ یہیں اس
 وقت کوئی بحث کرنے کے سزاؤں میں نہیں ہوں۔ کس وقت تم سے ملنے
 آؤں گی؟"
 "کس وقت؟"
 "یہ بتانا تو مشکل ہے۔"
 "دو ہر مل میں ایک۔ اتنا خندہ رست ہو جاؤں گا کہ گھر سے نکل سکوں۔"
 اگر آپ وقت بتاؤں تو میں اس وقت کہیں نہ جاتا ہوں۔
 "اتھلیں گل دیکھ کر آؤں گی؟"
 "میری آنکھیں دو دن سے ہی کی طرف نکلاں نہیں گئیں۔"
 "اتھلیں میں سے مسئلہ منقطع کر دیا۔"
 جب میں کھانے کی میز پر پہنچی تو شاید میرے چہرے سے الجھن اور
 تنکرا کا اظہار ہوا تھا۔ رضیہ مجھ سے پوچھتی تھی کیا بات ہے حاجی! آپ
 کچھ پریشان معلوم ہو رہی ہیں!"
 "اے۔۔۔ نہیں تو!" میں نے چونک کر کہا۔
 "آپ کے چہرے سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔"
 "نہیں، کوئی خاص بات نہیں، میں نے کہا اور کئی گھنٹہ کر
 بیٹھ گئی میں نے ابریز کے ہاتھ میں کچھ نہیں بتانا چاہی تھی۔
 کھانے کی میز پر بیٹھتا ہی جو مرضی اور سر ہیکانے نہیں تھی۔
 "رضیہ تو نہیں آیا تھا؟" میں نے کھانے کے دوران میں رضیہ
 سے پوچھا۔
 "وہ خود تو نہیں آیا مگر اس کا فون آیا تھا۔"
 "کوئی خاص بات؟"
 "وہ برس گیا تو امریکہ جیسے کے اختلافات میں لگا ہوا ہے۔ وہ
 بتا رہا تھا کہ کل ملک سارے اختلافات ہو جائیں گے۔ یہ پرسوں صبح کی
 فلاٹ سے امریکہ جاسکتی ہیں۔"
 "مگنا!" میں نے سر ہلایا۔ "تم ایک کام اور کرو!"

"کیا؟"
 "سنگیٹا کے ساتھ ہی تم اپنے ساتھیوں کو بھی واپس لانا۔"
 "جو ناخن وغیرہ؟"
 "ہاں۔"
 "کیوں؟"
 "یہاں اب ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ وہ
 لائی تھیں اس وقت تو وہ کچھ کام آگے لیکن اب وہ بیکار
 وہابی وضع قطع اور دل و دماغ سے اتنے نمایاں رہتے ہیں کہ ان
 کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔"
 "جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" رضیہ نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتی
 کہ وہ اب کی کوئی بھی چیزوں صبح کی فلاٹ میں اپنی دوشیزا لائیں
 اس کے بعد کھانے کی میز پر کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔
 دوسرے دن میں نے سونیا کا فون وصول کیا۔ وہ مجھے ہاتھ پر
 کڑیوں میں اور فون نامہ آسے سے ملتی تھی۔
 "تم نے اس سے سنانوں کے بارے میں بھی پوچھا؟" میں نے
 "میں آپ کو پوری تفصیل لے سکتی ہوں۔"
 "بتاؤ!"
 "فون پر ہی؟"
 "ہاں، شاید میں آپ سے کھانے سے پاس نہ آسکوں۔"
 "اتھلیا تو سنیں!"
 سونیا نے وہ نام بتانا شروع کیا کہ میں نے زک کی ساگر میں آنا
 ان میں سے چھ سات نام میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیے۔
 "بس ٹھیک ہے۔" میں نے انہیں آخو میں کہا۔ اب تم سے مل رہی ہوں
 ہوگی۔"
 "آپ میرے بول کر بایا جائے گا۔ یہاں سے ہم ساتھ ساتھ نہیں
 گھر چلے پھریں گے۔"
 "اؤں گے۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منتقل کر دیا۔
 وہ پھر کے کھانے کے بعد میں ابریز سے ملنے کے لیے اس کے
 گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس خواہش کو نوجوان
 نے بکھریاں کھانا پیسے کہ اس کے جذبات کی شدت نے مجھے کچھ نہ کہ
 متاثر فرمادیا تھا۔



دھانے کھانے اس وقت مجھ پر بھی انفرنگی کی چھائی تھی میں نے
 کو پکارا کیا۔ اس کی بیٹھتی تھی اور کہا شاید میں جلد ہی امریکہ
 اس۔ ویسے مجھے امید ہے کہ قریب قریب میری کسی مونس نہیں ہونے
 گی۔ میں نے اس کے نام جو خط لکھ کر دیا تھا، وہ تم نے اتھاڑے
 لیے؟"
 "جی۔ سنگیٹا بیکار لیتی رہتی ہوئی ہوئی۔"
 "اور اس کا پتا بھی؟"
 "جی۔"
 "ویسے اس میں بھی ہے کہ وہ تمہیں لینے کے لیے خود ایلر پورٹ پہنچ
 نہ گی۔ میں نے گئے ایک ٹریل ٹیکس بھیج دیا ہے۔ اس کے علاوہ
 یوں ہی پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ جو ناخن وغیرہ بھی کھائے
 انہوں نے۔ وہ وہاں ایک دن رکنے کے بعد ساتھ امریکہ جائیں
 گی۔"
 "مجھے اس بات کے برا کوئی دکھ نہیں ہے کہ اپنے سب پیاروں
 کو ہارنے کے بعد آپ سے بھی پھرتی جا رہی ہوں۔ سنگیٹا کے
 روتی کی رفتار بڑھ گئی۔
 "تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے تو نہیں بچھڑ رہی ہوئیں تو نہیں کچھ
 دے کے لیے یہاں سے بھیج رہی ہوں تاکہ ماحول کی تبدیلی تم پر اثر نہ
 ملے۔ تم بڑبڑا کر کے۔ مجھ سے بعد تم واپس آ جانا۔ ویسے میں نے کہا نا
 اس خود ہی بہت جلد امریکہ آؤں گی۔ اندیشہ ہے کہ ایک کام کی وجہ
 سے مجھے امریکہ کا رخ کرنا ہی پڑے گا۔"
 اسی وقت میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر
 سنان کی آواز سنائی دی۔ "سنان گاڑی میں دھکا جا چکا ہے خانو!"
 "آؤ چلیں۔" میں نے سنگیٹا کا شانہ جھک کر کہا اور اسے بازو
 کے سامنے سے دروازے کی طرف لے چلی۔ سنگیٹا دوام سے اپنی
 گیس خشک کرنے لگی۔
 دو گیس میرے گھر سے روانہ ہوئیں۔ ایک گاڑی میرے ساتھ
 سنگیٹا، رضیہ اور رضوان تھے جبکہ دوسری گاڑی جو ناخن وغیرہ تھے۔
 ان کو گول کوٹیا سے میں سوار کر کے جب ہم لوگ واپس گھر کی
 طرف روانہ ہوئے تو یہ راول بہت دھچک دھچک سا تھا۔ جس گاڑی
 جو ناخن وغیرہ آئے تھے اسے اب رضیہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ رضوان
 ہاتھ نہ لگا کر اس کے ساتھ جانے کی بجائے میری گاڑی بیٹھ گیا تھا۔
 تھے میں وہ مجھے چھیننے لگا۔ "آپ اپنی محبوبہ کی مبرا کی سے بہت
 اس ہیں۔"
 "فضول باتیں نہ کرو!"

"اس میں کیا فضولیت ہے؟"
 "رضوان! میں تو خوشی چاہتی ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔"
 "نوجوانوں کو ٹھیک سیٹ پر بیٹھے رکھیں۔ دیکھو!"
 "کیوں!"
 "میں سیدھا تھرستان چلا چلوں گا۔"
 "اب اگر تم نے کچھ اس جلدی تو میں دروازہ کھول کر تمہیں
 گاڑی کے باہر رکھ دوں گی۔" میں نے غصے سے بولے کلمہ۔
 "آپ کو تو سچ ہی غصہ آگیا۔ رضوان نے نہ پایا۔ میں تو عرض
 اس لیے آپ کی گاڑی بیٹھا تھا کہ آپ کا بھی بلا سکوں۔ آپ کی
 اُداسی دیکھ کر میرا دل کی جا رہا تھا۔"
 میں کچھ نہیں بولی اور پھر رضوان بھی چپ ہو گیا۔
 گھر پر کڑی سی جی اپنی خانگاہ میں تھی اور بستر پر دوڑا ہوئی۔
 میں نے انہیں بند کر دیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ لڑخال
 تھا کہ اگر میں دبا دھکے تو سونوں کو دل کا پوچھ بکا، وہ جانے گا۔
 دراصل مجھے آج جو دم دیش تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس پوری
 طرح چاق و چوبند ہوں۔ آج شام مجھے زک کی ساگر میں شرکت
 کرنا تھی اور وہاں بہت کچھ کرنا تھا۔
 دو تین گھنٹے کی تیندے کے کچھ میں اسی تپانے انداز سے کے
 مطابق خامی تبدیل کی تھی۔ مسئلہ کر کے پڑے تبدیل کرنے کے بعد میں نے
 خود کو پوری طرح چاق و چوبند پایا۔
 چار بجے میں نے اپنا ٹیکس آپ شروع کیا اور پانچ بجے تک
 میں ایک بائیس "ڈیٹم ریٹاؤن" میں تھی۔
 میں نے ایک گیس لی اور سونائے بول کی طرف روانہ ہو گئی۔
 زک کی موت چھ بجے کی تھی اس لیے میں نے سونیا کے ساتھ کچھ وقت
 اس کے بول میں گزارا۔ سونیا آج بھی اس بات پر خوش کا نظارہ
 کر رہی تھی کچھ میوہ بانو کی حیثیت سے شناخت کیا جاسکتا ہے لیکن
 میں نے اس کی خوشی کے جواب میں غلطی پریشانی ظاہر نہیں کی۔
 وقت مقررہ نیم دوڑن زک کے گھر "خان دلا" پہنچ گئے۔
 خان دلا بہت بڑی عمارت تھی اور اس طرح بھی ہوئی تھی
 جیسے وہاں کسی کی شادی ہو۔ اسی سے خان آف کا لاگڑا کی جگہ
 اور اس کی روایتی وضع داری کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔
 پنجاب پرزوں اور خان آف کا لاگڑا ہاتھوں کا استقبال
 کر رہے تھے۔ زک نے بہت لمبا کمر سے صاف فرمایا۔
 "ساگر ہمارا گھر ہوئی ہے!" سونیا نے کہہ کر پکٹ ڈالیں
 کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یوسوئی!" زئیں نے پکٹ لیتے ہوئے کہا دیکھو وہ پکٹ اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک سفید پوش خادم کے حوالے کر دیا۔

"اور میری طرف سے یہ لفظ؟" میں نے زئیں کی طرف ایک لفظ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے اس قسم کا تحفہ تمہیں کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ تحفہ میں نے خود بنایا ہے اور اس میں میری دردناک صورت ہوتی ہیں۔"

"اسی کیا چیز ہے؟" زئیں نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا ناخن؟"

"اورہ... سوئٹ!" زئیں نے ہنسی بھینچ کر کھپکھپائی دھڑکی سے سر جھٹکا کہ میرے لیے اپنے دل کو نہانا مشکل ہو گیا۔ "یہ تو میرا نام!" وہ پھوٹتی میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ کبھی بھی کوئی نہیں دے سکتا۔"

"میں مسکرا رہی تھی۔ زئیں نے وہ لفظ خادم کے حوالے کرنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا اور دیر لگا ہاتھ قائم کر بیٹھی ہوئی بولی۔ "آئیے! میں آپ کو اپنے ڈبڑے سے ملاؤں؟"

"لیکن اس وقت ڈبڑی وہاں موجود نہیں تھا۔"

"اورہ!" زئیں کے منہ سے نکلا۔ ڈبڑی شاید کسی جہان کے ساتھ اندر چلے گئے۔ آئیے! آپ بھی اندر چلیے! تم بھی آؤ نا سوئی!"

وہ ہم دونوں کو اندر لے گئی۔ جہانوں کی تعداد دھاتی تین سو کے لگ بھگ تھی۔ میری نظر حیران پہ پھیل چکی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ وہاں شہر کی "گریم جینڈری" موجود ہے سو باقی دواڑ کے علاوہ دو ایک مرکزی دہلیز بھی موجود تھیں۔

زئیں نے مجھے اور سونیا کو ایک جگہ بٹھایا اور بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔ دراصل کچھ جہان آنا باقی رہ گئے ہیں۔"

لیکن وہ کچھ جہان آئے ہیں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس کے بعد اگر کوئی تقریب شروع ہوتی تو وہ سویم بیٹوں سے کھرا ہوا خوبصورت لڑکے کاٹنے ہوئے زئیں نے مسکرا مسکرا کر دتیں مڑتے میری طرف دیکھا تھا۔ پھر ترائیوں کے شور میں "میتھن" بھڑکے ڈبڑے کی آوازیں گونجیں۔ اس کے بعد وہ ایک کھانا پیش کیا۔

ہوئی۔ اس وقت وہ جہان کے دھڑکے دھڑکے نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن میں نے اسے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں دیکھا جس سے اندازہ ہوتا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔

خطرہ تو واضح ہے دروازوں میں لوگ ڈبڑوں کی بات گئے تھے۔ میں اور سونیا ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ کامزے رہی تھیں کہ زئیں اور خان آت کالاکوٹ طرف بڑھتے نظر آئے۔

"اورہ!" سونیا نے نہ جانے کیوں بے چینی سے ہاتھ میں بڑے اطمینان سے کھڑی رہی۔ خان آت کالاکوٹ اور زئیں ہمارے قریب آ گئے۔

"ڈبڑی!" زئیں نے اپنے باپ سے کہا۔ "ہم بھی میڈم رینا کو جس جن کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا؟"

"اچھا اچھا!" خان آت کالاکوٹ سر ہلاتا ہوا مسکرایا۔ "اور میڈم! یہ میرے ڈبڑے ہیں؟ زئیں پھر لہ۔"

"وگھیر ڈو، میڈم لہ!" میں نے مصافحے کیے خیال طرف ہاتھ بڑھایا۔

"سی ڈو، میڈم!" خان نے ڈبڑی نرمی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میری نے بتایا تھا کہ آپ نے ان کا زچہ کیا کیا؟"

"جی ہاں، لیکن میں نے اس میں کچھ باتوں کے اندازہ گریز کیا ہے۔"

"ہاں! یہی نے مجھے بھی بتایا تھا کہ آپ ایسی باتیں پسند نہیں کرتیں جو ناخوشگوار ہوں؟"

"جی۔"

"اچھا! میں ذرا دوسرے جہانوں کو دیکھوں؟ خان آت کالاکوٹ نے سعادت خواہانہ لہجے میں کہا اور دوسری طرف وگھیر ڈبڑی ہاتھ پاس ہی رک گئی۔

"میڈم!" وہ مجھ سے بولی۔ میں نے دوسرے لوگوں سے آپ کا تعارف اس لیے نہیں کرایا کہ پھر آپ ایک سوئم میں جاسیں۔ شخص چاہتا ہے کہ آپ اس کا ہاتھ دیکھیں؟"

"زئیں بہت اچھا کیا۔ ایسی محفلوں میں لوگوں کو ناچنے کے لیے جان کا عذاب بن جاتے ہیں۔ مجبوراً مجھے خشک رہنا پڑتا ہے۔"

کرنا پڑتا ہے۔ نتیجے میں لوگ مجھے مغرور داد دینے جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازتے گئے ہیں؟

زئیں ہنسنے لگی۔

"مجھے تمہارا گھر بہت پسند آیا" میں بولی۔

"و واقعی؟"

"میں نے اتنے اچھے گھر نہیں کبھی جیسے میں۔ ویسے میری

کے سامنے بھی نہیں تھا۔

"میں آپ کو کھانا ڈال!"

زئیں نے بڑبڑائی۔ میں نے کھڑکی تعریف کی ہی اس کے وقوع پر پیریزان اخلاقیات پر اگھر دکھانے کی ہے۔ زئیں نے بھی یہی کیا تھا اور میری مزاحمتی

سوئی! زئیں بولی۔ کیا تمہیں میرا گھر چاہیے بلکہ؟

گھر کچھ بھی اگر کسی کو اچھا نہ لگے تو وہ حد درجہ کو فحش ہے۔ سونیا نے ہنس کر کہا۔

"آؤ! نام بھی!"

میں نے مجھے اور سونیا کو اپنا گھر دکھانا شروع کیا۔ جبکہ

لوگوں طرز کا فریج دکھائی دیا۔ دیواروں پر آئیناں

کی صفائی کے مشینری تھیں۔ ٹھنڈی ہیرس چیز سے

کی بے پناہ امارت کا انہار برہنہ تھا۔

زئیں اچانک رنگ گئی اور مسکرا کر بولی۔ "اس نے ہے؟"

"جانا منع ہے!" میں نے تعجب سے دہرایا۔

"اس سے آگے جانے کا راستہ ہی کہاں ہے؟"

"ہاں! کی الماری دیکھ رہی ہیں آپ؟"

"اس بہت خوبصورت ہے؟"

"اس کی الماری سلاڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف ہوا کرتے جانے کا راستہ سامنے آ جاتا ہے۔"

"اچھا!" میں نے دھمپے سے پوچھا۔ لیکن یہ سلاڈنگ ڈور

بہت کس طرح سرکتی ہے؟

"مجھے بھی نہیں معلوم! یہ صرف ڈبڑی جانتے ہیں یا

خاص ملازم؟" زئیں نے بتایا۔ گھر کے کسی فرد کو

بہت جاننے کی اجازت نہیں ہے۔ دراصل اس طرف

داخل خاص ہے اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے

کہ دفتر میں قدم رکھیں؟"

"ہاں!"

"ی وقت مردانہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے

طرف دیکھا۔ وہ خان آت کالاکوٹ تھا۔

"تم اور دھڑکیوں آئی ہو ہے بی! وہ سر دیجے ہیں بولا۔

"میں... میں میڈم کو گھر دکھانے ہی ڈبڑی!"

"لیکن... خان آت کالاکوٹ کچھ غصے میں نظر آ رہا تھا۔

اس نے اچانک اپنی بات ادھر ہی چھوڑ دی اور مسکرا کر مجھ سے بولا۔ "میڈم! آپ کو سہارا گھر پسند آیا؟"

"بہت شاندار!"

"آپ نے نیلا ایکویم دیکھا؟ میں نے بڑی خوبصورت تجلیا

جمع کی ہیں؟"

زئیں جواب میں بول پڑی۔ میں ابھی میڈم کو اس طرف

نہیں لے گئی۔

"تو اس طرف سے جاؤ!" خان آت کالاکوٹ نے بڑے

عام سے انداز میں کہا لیکن میں نے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکی کہ اس کے لہجے میں حکم تھا۔

"آؤ! میڈم!" زئیں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے جلدی

سے کہا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

ہم دونوں کے ساتھ ہی سونیا نے ہم کو بڑھا دیا۔

"دیکھا آپ نے؟" کچھ دور آنے کے بعد زئیں نے سرگوشی

کرنے والے انداز میں کہا۔ ڈبڑی اپنے دفتر خاص کے قریب کسی

کو پھٹکے بھی نہیں دیتے۔ وہ بعد میں مجھ پر بہت ناراض ہوں

گئے۔"

"تو پھر تم ہیں اور ہلائی ہی کیوں تھیں؟" سونیا بول پڑی

"جس لیے خیالی میاے آئی تھی؟ زئیں نے ٹھنڈا سا سناس

لیا۔ میری طبیعت کچھ کندہ ہو گئی ہے اب! میڈم! اگر آپ

بڑا نہ مائیں تو اب ہم واپس جہانوں میں چلیں؟"

"ہاں ہاں، چلو، کوئی حرج نہیں ہے؟"

"ہم واپس جہانوں میں آ گئے۔ اگر کڑا تذکرہ سڑوں میں

راک این رول بجا رہا تھا۔ لوگوں کے ہر آہستہ آہستہ اس ضمن

پر تھکر رہے تھے۔

ذرا دور بعد زئیں ہم سے جدا ہو کر کسی طرف نکل گئی۔

لے سونیا سے کہا۔ "میں کچھ دیر جا رہی ہوں؟"

"کہاں؟" سونیا نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے خان کا دفتر خاص ضرور دیکھنا ہے؟"

"کیا آپ کسی خطرے میں کو رہنے کی قسم کھا چکی ہیں یا تو؟"

"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلو ورنہ میں رکی رہوں؟"

”میں آپ کے ساتھ چلوں گی“ سونیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
 ”تو آؤ!“



تمام مہمان اپنی اپنی محسن میں مگن تھے کسی نے ہماری طرف دھیان بھی نہیں دیا۔ ہم عمارت کے اُس حصے میں نکل آئے جہاں یہ دیکھ کر چونک گئی کہ کتوں کی اُماری کسی قدر سر کی ہوئی تھی اور اتنا راستہ جو کیا تھا کہ ایک آدمی اُس علاقہ میں سے گزر سکے۔
 ”اوہ! ہمیشہ غصے سے نکلا ہے غالباً کوئی ابھی اندر گیا ہے“
 ”وہ خان آت کالاکوٹ ہی ہو گا“ سونیا نے سرگوشی کی۔
 ”اس کا ملازم خاص بھی ہو سکتا ہے“ میں نے کہا۔ بہر حال آؤ! ہمیں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر آگے چلے۔
 وہ ایک پتلی سی راہداری تھی جہاں چلتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں پتھر کی تختوں پر چل رہی ہوں۔ ان تختوں کے نیچے خلا محسوس ہو رہی تھی۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریل کے دو ٹکڑوں کے درمیان راستے پر چل رہی ہوں۔
 اس راہداری کی طوالت بیس پچیس فٹ کے لگ بھگ تھی۔ آخر میں راستہ مسدود تھا لیکن جیسے ہی ہم اختتام پر پہنچے، ہمارے سامنے خلا پیدا ہو گیا۔ اس کے پیدا ہونے کا سبب ظاہر ہے کہ کوئی خود کار نظام ہو گا۔ مہا اور سونیا اس خلا سے بھی گزر گئے۔ جیسے ہی ہم دوسری طرف پہنچے، ہمارے عقب میں خلا بند ہو گیا اور اس جگہ کا ماحول دیکھ کر میں چونک پڑی۔
 وہ ایک کشادہ کمرہ تھا جس میں ڈانگ جھیل اور ڈانگ جیز کے علاوہ صرف آرائشی سامان تھا۔ بائیں جانب ایک دروازہ تھا اور سامنے والی دیوار میں خلا نظر آرہا تھا۔
 میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑے دیکھ کر دونوں اس خلا کی طرف بڑھی۔ میں نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ میں سونیا کے ساتھ تیزی سے اندر چلی گئی۔
 یہ وہی خواب گاہ تھی جہاں میں ایک مرتبہ قید رہ چکی تھی اور جس کے بارے میں میرا یقین یہ تھا کہ وہ کوئی بحری جہاز تھا۔
 ”خوش آمدید باؤ!“ کہے میں خان آت کالاکوٹ کی آواز گونجی اور میں دھم سے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

”میں نے... سو نیلے کتنا چاہا۔“
 ملکات تھی ہوئی بولی میں ہر حال میں ملحق رہنے اور جو کچھ بھی گزرتا ہے وہ زندگی کی کئی کا اعلان کرتا میں کوشش کرتی ہوں کہ اس گزرتے ہوئے لمحے کو بڑھا دے۔
 غلے لمحوں کو بھی تو سوچنا چاہیے! سونیا نے اس طرف سے انداز پر جھنجھٹا ہٹ اور بکھلا ہٹ کا نشانہ ہو۔
 ان لمحوں کے بارے میں کیا سوچنا چاہیے؟ میں سونیا کی لطف اندوز ہو کر بولی۔
 ”وہ کتنے ناخوشگار ہو سکتے ہیں!“ اس مرتبہ سونیا بکھلا ہٹ کر بولی۔ ”آپ ایک خطرناک دشمن کی قید میں ہیں۔ میں نے تمہارا آپ کا ایک آپ زیادہ کامیاب نہیں ہے اور یہ کیا جاسکتا ہے۔“
 ”میں بدستور سکون سے بولتی رہی“ میں جس دشمن کی اس کی قید میں ایک بار پہلے بھاری ہو چکی ہوں مجھے خوب دشمن سمجھے سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ مجھے ہلاک تو ہرگز نہیں اس کی ان نفسیات کو خوب سمجھ چکی ہوں۔ اسے میری وجہ سے ہر بار وہ اپنے بڑے لگا کر حساب برابر لگاتا تھا۔
 ”مکالمات سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ ہلاک تھی وقت کرتے ہیں جب اس کے سرواڑی چارہ کار دشمن بھی میرے ہاتھوں آتا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”آپ کو کچھ سوچنا تو چاہیے۔“
 ”وہ؟“
 ”اس قید سے کس طرح نکلا جاسکتا ہے!“
 ”جی ہاں! میں ہی وقت آنی لے گی جب ہمارا دشمن جہاں چاہے گا۔“
 ”میں نے کتنا انتظار کیا ہے کہ میں خود اتر کر اس کے بعد تم سے مل سکوں گا۔“
 ”میں تمہارا انتظار کروں گی خان!“ میں سکون سے بولی۔
 ”خان آت کالاکوٹ کی آواز مجھ میں سنائی دی۔“
 ”سونیا بڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔“
 ”جیسے یہ خوف کے آثار بھی تھے۔“
 ”آؤ! وہاں!“ میں نے اپنے بازو کشادہ کرتے ہوئے ”دعوت دی۔“

”سے ذرا بھی لطف اندوز ہو سکوں“ سونیا نے جڑ پکڑے انداز میں کہا اور ایک ایسی گھسیٹ کر کھینچے سے اس پر بیٹھ گئی۔
 ”میں ہنسنے لگی، پھر میں نے کہا، ”اچھا تو میں خراور آرام کر لیں!“
 ”میں نے ان گھسیٹ بند کر لیں۔“
 ”کمرہ دھیرے دھیرے چمکولے لیتا رہا۔ وہ چمکولے ایسے تھے کہ انھیں بہت توجہ دینے پڑی محسوس کیا جاسکتا تھا۔ اگر میں اندر نہ ہوتا تو میں ہر شے ہوتا جاتا تو میں ان چمکولوں کا احساس نہیں ہوتا۔ شاید ساری دنیا میں اس نوعیت کا کوئی گھر کسی عمارت میں نہیں بنایا گیا ہو گا۔“
 ”اب وہ کمرہ میرے لیے کوئی عجوبہ نہیں رہا تھا۔ میں کچھ بھی نہیں کر کے کوہنہ کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہو گا۔“
 ”سونیا سے زیادہ دیر تک چپ نہیں رہا گیا اور وہ بول پڑی باؤ! آخر آپ مجھے الجھنوں میں کیوں مبتلا کر رکھنا چاہتی ہیں؟“
 ”میں نے ان گھسیٹوں کو اس کی طرف دیکھا اور بولی: ”کیوں! میں نے تمہیں کس الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے؟“
 ”آخر آپ بتائی کیوں نہیں کہ یہ ماجرا کیلئے ہے۔ ہم آخر کہاں ہیں؟ ہم ایک عمارت میں تھے لیکن اب میں خود کو کسی جہاز میں محسوس کر رہی ہوں۔ یہ گول گھر کیوں سے نظر آتا ہے؟“
 ”آخر یہ سب...“
 ”سب شے بڑی ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”یہ کمرہ اور اس سے منسلک کمرہ، یعنی دو دونوں کمرے ہیں تو خان ولا میں ہیں لیکن ان دونوں کمروں کے فرش، چھت اور دیواروں باقی عمارت سے الگ ہیں۔“
 ”سونیا نے میری باتیں سن کر کوئی استفسار تو نہیں کیا لیکن یہاں کے چہرے کی الجھن سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ میری بات نہیں سمجھ سکی تھی۔
 ”اسے یوں سمجھو!“ میں نے وضاحت کی: ”تم ٹھیک کے ایک کونے میں بائیں طرف اور ایک گیند کو معمولی سے وزن کے ساتھ اس زمین میں ڈال دو۔ اس وزن کی وجہ سے وہ گیند نہ تو پانی کی سطح پر رہ سکے گی نہ بالکل تین پانی جائے گی بلکہ جگہ میں رہے گی۔ ان دونوں کمروں کی شکل اس گیند کی سی ہے۔ ان کمروں کے گرد خلا ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ اردہ خلا کا قسم کا ایک کمرہ ہے جس میں پچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ اس نامک کے کمرہ کا دھارا پانی پھرتے تو وزن کی درستی پر بہت زیادہ توجہ دی ہوگی ورنہ یہ کمرے اس پانی میں بہت زیادہ متحرک رہتے۔“

ابھی تک کوئی بھی اس کمرے میں نہیں آیا تھا جبکہ میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی داخل اندازی کرے اور ہم دونوں نہ بارہ چوٹیں کھائے سے محفوظ ہو جائیں۔ ویسے اگر داخل اندازی نہ ہوتی تو میں اس ڈرامے سے کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوتا۔ میں یہ یقین ہو چلا کہ اس کمرے میں خفیہ مگر دونوں وغیرہ فٹ بندیں ہیں اور اس یقین کے بعد ہم نے خوف و خطر ہر قسم کی گفتگو کر سکتے تھے۔

رضوان نے میری گردن بڑے زور سے دبائی تھی لیکن جیسے ہی میں نے اپنی دونوں گتیاں اس کے سینے پر رکھ کر کھیر پور دبا ڈالا۔ رضوان کے منہ سے چیخ نکلی اور اس طرح مجھے محاورہ نہیں بلکہ حقیقتاً گلو خلاصی ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کو رضوان کے جسم پر اس طرح مچھلا جیسے اسپرنگ والے گڈے پر اچھلا جاسکتا ہے۔

اس طرح میں کسی سمارے کے بغیر اپنے پیروں پر سیدھی کھڑی ہوئی اور کچھ خوشخبری کا دوبارہ اچھلی۔ اس دفعہ میری لطف رضوان کا سینہ تھا لیکن وہ بڑی تیزی سے کڑھ کر میری زرد سے نکل گیا۔

اب میں فوراً ہی اس کی کمرے کو دی اور کھڑک کھڑا ہاتھ رضوان کے شانے پر مارا۔ یہ ہاتھ میں سے جان بوجھ کر ڈھکیلا رکھا تھا اور نہ رضوان کے شانے کی ہڈی، دوسری طرف نہ فریاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، پھر کبھی وہ نہ جانتی تھی کہ رضوان کے منہ سے چیخ نکلی گئی۔

ٹھیک اسی وقت کمرے کا دروازہ ایک پھر شور مارتا کہ ساتھ کھلا اور ایک آدمی اندر گھستے چلے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریلو اور تھا۔

”خبردار!“ وہ گرجا۔ ”حم دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ!“

میں نے چوٹیں جوئے انداز میں مڑھ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر فوراً رضوان کو کھینچ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

رضوان پھرتی سے اٹھا اور غصے میں پھر ہوا میری طرف پہنچا لیکن فوراً ہی دھڑکی ہمارے بیچ میں حائل ہو گئے۔ انھوں نے رضوان کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

”بس اب جھگڑا ختم!“ ریلو اور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

رضوان کھاجانے والی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”اے ساتھ لے چلو!“ ریلو اور والے نے ان دونوں آدمیوں سے کہا اور رضوان کو پکڑے ہوئے تھے۔

”میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں!“ رضوان نے کہا۔ ”مجھے جلد از جلد تمھارے پاس سے ملنا ہے“

”رضوان! میں نے لکارتے والے انداز میں کہا حماقت کرنے جا رہے ہو اور میں اسے کبھی معاف نہ کروں گا۔ رضوان نے بڑی حماقت سے میری طرف دیکھا جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑا۔

ان لوگوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور کمرے چلے گئے۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

میں چند لمبے لمبے خیالات میں گم ہوئی اور طرف دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر تھکے ہوئے اور دھجی ڈھیر ہو گئی۔ اب میرے ہونٹوں پر خفیہ کھیل رہی تھی۔ رضوان کی اس پلاننگ نے میرا دل اب اس میں اتنا تو رہ گئی تھی لیکن اس بات کا پاس پیدا ہو گیا تھا کہ رضوان یہاں سے نکلنے کے بعد میرے لئے کہا۔ اب سارا انحصار اس بات پر تھا کہ خالہ رضوان پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے؟

میں بستر پر اور دھجی لیتی ہوئی اس ڈرامے میں جو رادیر قبل اس کمرے میں کھیل گیا تھا۔ میں کہہ سکتی تھی کہ رضوان دل ہی دل میں مجھے اس بڑا کھلا کر رہا ہوگا۔ واصل میرے ہاتھوں نے اس فز میں بھی پہنچ گئی تھیں لیکن میں ایسا کرنے پر ہمارا البانہ کرتی تو وہ ڈراما جاندار نہ بن پاتا۔ ویسے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس گردن اس بُری طرح دبوچی تھی کہ اس کی انگلیوں کی میری گردن میں اب تک جھلن ہو رہی تھی۔

وہ جب تک میں بستر ہی پر لیٹی رہی۔ اس کے بعد بھی کیا سستی تھی؟ مجھے کسی ایسے تو عمل کا انتظار کے کسی عمل کا نتیجہ ہوتا۔

دوبارہ کمرے کا دروازہ کھلا تو میں نے فوراً اس کی طرف دیکھا لیکن صورت حال کی کسی خاص تبدیلی کا نشانہ نہ دیکھا۔ میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ کھانا بتائی پر رکھ کر وہ مجھ سے بولا۔ ”باس کا پیغام آیا۔“

وقت کھانے پر آپ کا ساتھ دینے میں اس کیسے گئی ایک ہی کھانا کھائیں۔“

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس میں نے اسے پکارا۔ ”سنو!“

”کھانا!“ پٹھان نے بڑا غار دیکھ کر کہا۔ وہ سیاہ ایک خوبصورت چترنگ لائے ہوئے تھے۔ وہ قریب آ کر مجھ سے مل گئے۔ ”میں نے کچھ برسوں بعد ملنے کے لیے لٹیر میں کالہ دھجی کا ہاتھ لیا۔“ وہ بڑا دلورانی لوگوں کی طرح جوابی مادیکیاں بھی انگریزی میں ہی بولتے تھے۔

”میں نے ملو نالہ!“ میں نے زریں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ”آپ بہت پیاری ہیں۔“ رضی نے زریں سے صحافی کرتے کہا۔ ”آپ کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزارا ہے۔“

”میں کوشش کروں گی کہ میرے گھر میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔“

ایک قلی رضیہ کا سوٹ کیس اٹھانے اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ ”آداب چلیں۔“ میں نے رضیہ اور زریں سے کہا۔

”ہم رنگ اسٹیشن سے نکلے اور زریں نے اس طرف رخ کیا۔ جہاں نے بنی کا پادک کی قلی۔ اس نے گاڑی کی کھولی اور قلی نے اس میں اس میں رکھ دیا۔ قلی کو زحمت کے کم کار میں بیٹھنے لگے۔

”میں اس کے فیر کے کچھ بیٹھ پڑوں گے کہ برابر میں بٹھایا اور اس نشست پر بیٹھ گئی۔“

”زریں! تم مجھے صدمہ آ رہا دینا۔ وہاں سے میں کیسی کروں گی؟“

”میں اس وقت کہا جب زریں کا حرکت میں لا گئی تھی۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ زریں نے کہا۔ ”پہلے میں آپ کو کے فیر میں آنا دوں گی اس کے بعد نالہ کو اپنے کمرے جاؤں گی۔“

”زالہ! میں بڑی بے تکلفی سے تمھارا نام لے رہی ہوں۔“

”میں گھر میں مجھے تکلفات سے بڑی دشت ہوئی ہے۔“

”کچھ ہی انداز میں میں بھی سوچتی ہوں۔“ رضیہ نے ہنس کر کہا۔

”نالہ!“ میں پیچھے سے بولی۔

”جی ہاں!“

”میں فون پر تھیں آپھی طرح سمجھا جی ہوں کہ تمیں زریں کے کیا کرتا ہے۔“

”میں سب کچھ زریں میں کہتی ہوں۔“ آپ نگر نہ کریں۔“

”یوں سمجھو کہ تمھارا ایک امتحان ہے۔“

”میں یہ سمجھنے کے لیے مدد خواہی کی بات ہے کہ آپ میرا امتحان دے رہی ہیں۔“

”اور زریں!“ میں پھر بولی۔ ”تم نے بھی اپنے گھر والوں کو

نالہ کے پاس سے میں بتا دیا ہے نا۔“

”جی ہاں۔“ وہ سب ان کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انہیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ میری ممان دوست پاسٹری کی حد تک ہے۔“

”پاسٹری ہر شخص کی کمزوری ہوتی ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”ہم باتیں کرتے رہے۔ کار دوڑتی رہی اور ہنس رو ڈھکیاں دہاں کار سے انگریزی اور وہ دونوں چل گئیں۔“

جب میں فلٹ کا نقل کھول رہی تھی تو اندر سے سیلفون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں ملبے سے دروازہ کھول کر اندر پہنچی اور پھر محبت میں اسے دیکھنے کے بغیر فون کی طرف نہیں دیکھا۔

”میں نہیں چاہتی تھی کہ رنگ کرنے والا ایس ہو کر دس کلکٹ کر لے۔ نہ جانے کس نے فون کیا ہو۔“

”میں میرا ذہن ایک فلٹ کا شکار رہتا۔“

”میں نے زریہ پر اشارہ کرنا سے لگا یا تو مجھے ہو گیا کہ وہ کچھ طرف سے سلسلہ منتقل نہیں ہوا تھا۔“

”ہیلو!“ میں نافذہ میں میں بولی۔

”تم کہاں تھیں بازار میں تھیں دوسری طرف دنگ کیا ہے؟“

”دوسری طرف سے ایک ایسی آواز سنائی دے رہی تھی کہ میرے ماتھے پر ٹھنکیں پڑ گئیں۔ وہ آواز خان آف کلاوٹ کی تھی۔

”ہیلو!“ میری خاموشی پر اس نے مجھے پکارا۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے سوچے میں کہا۔

”ایک معمولی سا سوال کرنا خاتم ہے!“

”کیسا سوال؟“

”تم نے رضوان کے فلٹ میں کیوں پناہ لے رکھی ہے؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح میری نظر سے اوچل ہو جاؤ گی؟“

”میں تم سے ڈرتی ہوں کہ تمھاری نظر سے اوچل ہونے کی کوشش کروں۔“ میں نے تیز جیسے میں کہا۔

”پھر آخر رضوان کے فلٹ میں کیوں قیام ہو؟“

”مزدوری نہیں ہے کہ میں تمھارے ہر سوال کا جواب دوں۔“

”ہاں، ضروری تو نہیں ہے۔“

”پھر تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟“

”یہ جاننے کے لیے کہ شاید تم کچھ دماغ پر تیار ہو گئی ہو۔“

”کیسا کچھ دماغ؟“

”میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ تمھیں ایک ٹیکسٹ کی تھی مگر تم

میری راہ میں آنے کی کوشش نہ کرو تو یہ تھا سے حق میں بہتر ہوگا
لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کوئی بڑا جال پھیلانے کی فکر میں
ہو اور وہ جال غالباً میرے ہی لیے ہوگا۔
"غالباً نہیں بلکہ... یقیناً؟" میں نے زور سے کہا۔ اس
وقت سے دور جب تم اس جال میں کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑا
ہے ہو گے۔
"بہت خوب!" خان آف کالا گوٹ نے قہقہہ لگایا۔ کیا تم ابھی
تک سہیلیاں پھڑپھڑا ہٹ نہیں بھول گئیں؟
"میں تمہیں بھی اسی طرح پھڑپھڑانے کا موقع ضرور دوں گی
خان!" میں نے کہا اور سختی سے دت پر دانت بجالا دیے۔
"دوسری طرف سے خان آف کالا گوٹ نے پھر ایک قہقہہ لگایا
اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔
میں نے دانت جینچے جینچے دوسید رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے
کوس پر بیٹھ گئی۔ یہ سوال میرے ذہن میں کبھی طرح پسینے لگا تھا کہ
اس وقت خان آف کالا گوٹ نے مجھے فون کیوں کیا تھا؟ بات صرف
اتنی نہیں ہو سکتی تھی جو اس نے فون پر بظاہر کہی تھی۔
اس فون کال سے مجھے کم از کم یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ خان آف
کالا گوٹ میری طرف سے بے خبر نہیں ہوا ہے۔ اب میرے لیے ایک
پریشان کن سوال یہ تھا کہ دوسری نقل و حرکت پر کس حد تک نظر
رکھ سکا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس درارے سے بھی باخبر ہو گیا
ہو جس کا ایک کوارٹر میں نے رضیہ کو بنایا تھا؟ ایسی صورت میں رضیہ کی
زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔
میں نے بے خوفتہ انداز میں سیوا لٹایا اور خان آف کا فیر ڈائل کرنے
لگی۔ دوسری طرف سے ایچ جی کی فون آئی تو میں نے کر ڈیل دیا اور
کوئی نصف منٹ بعد پھر دنگ لگا۔ اس مرتبہ دوسری طرف گفتگو بھی
اور سیوا لٹائی گئی۔ سیلو! "آواز آئی جو زریں کی نہیں تھی۔
"مجھے تمہیں سے بات کرنا ہے۔"
"تپ کون ہیں؟"
"روڈز ایکسٹراڈیٹ!" میں نے دہی فضا میں نام بتا دیا جو میرے اور
زریں کے مابین طے ہو چکا تھا۔
"ہولڈ آن رکھیے! میں زریں کو بلائی ہوں۔" دوسری طرف
سے کہا گیا۔
مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جلد ہی دوسری طرف سے زریں
کی آواز سنائی دی۔ "سیلو!"
"بس میں نے نہ جاننے کے لیے فون کیا تھا کہ تم گھر پہنچ گئی ہو۔"

"نارہ کہاں ہے؟"
"میرے برابر میں کھڑی ہے۔"
"ذرا فون سے دو۔"
"اچھا۔"
ایک لمبے لمبے میں نے رضیہ کی آواز سنی۔
"رضیہ!" میں نے آواز دہرائی کرتے ہوئے کہا۔ میں
یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ حالت کی ایک نئی کھینچ
آئی ہے جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ تم وہاں کسی خطر
بھی دوچار ہو سکتی ہو۔
"آپ فکر نہ کیجیے!"
"تمہارے پاس پستول تو ہوگا؟"
"جی ہاں۔"
"پوری طرح ہوشیار رہنا۔"
"اواکے۔"
میں نے کھونٹے کھونٹے سے انداز میں ریسور رکھ دیا
خطرے سے آگاہ کرنے کا وعدہ میں پہلی طرف ملتی نہیں ہو
لیکن اب اس نا مطمئن "کا کوئی سدا رک نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے
شیر کی کھانسی چھوٹ گئی تھی اور یہ کہ میں شکام کی طرح اس کی
ثبات ہو سکتی۔ دیے یہ ضرور تھا کہ رضیہ کوئی بچی گویاں کیلے ہو
تھی۔ وہ خان آف کالا گوٹ کے لیے نوچے کا چٹائی ثابت ہو
طو سے اس لیے بھی کر رہی تھی کہ اسے خطرے سے آگاہ کر دیا
دوسری برج میری آنکھیں یقین کی گمشدگی کی شکل میں نکلا
کے عالم میں ریسور اٹھایا۔ "سیلو!"
"کیا ناؤ بول رہی ہیں؟" دوسری طرف سے ایک تڑپتی آواز
پوچھا۔
دوسرے ہی لمحے میری ساری خود گی بڑا ہو گئی کیونکہ میں
ماہ پارہ کی آواز پہچان لی تھی۔ "ہاں" میں بالوں بول رہی ہوں تاکہ
ہیں؟ "میں جان بوجھ کر بھان بن گئی۔
"آپ نے میری آواز نہیں پہچانی۔ اسے میں ماہ پارہ ہوں
نے اس طرح کہا جیسے میرا اور اس کا جنم جہنم کا ساتھ رہا ہو۔
"ادھ۔" اچھا؟" میں نے سٹاٹ لے کر کہا۔ یہ تمہیں
خبر کیجئے معلوم ہوا؟"
"رضوان بھائی نے بتایا تھا۔ ذرا دیر پہلے وہ فون کر چکے
مجھے سے سلطان بھائی کے پاس میں لے پوچھ کر کہے۔ میں نے
بتا دیا کہ جہاں جان کی فون کال سے صرف پانچ منٹ قبل وہ

خبر روانہ ہوئے تھے۔ پھر میں رضوان بھائی سے آپ کی تقریریں
نواہوں نے مجھے یہ خبر بتایا اور کہا کہ میں آپ کی تقریریں آپ
کروں۔" وہ ہنسنے لگی۔
"میں نے ہونٹ پیچھنے لیے۔ یہ رضوان نے میرے ساتھ دوسری
لی کی تھی کہ اس میں یقین غلامی کو دیکھ کر پیچھے لگانا چاہتا تھا۔
"ہیلو! دو پیچھ لولی! آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟"
"سن رہی ہوں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ کیونکہ
میں بہ نسبت سناٹا ہی بہتر ہے۔
"کیا مطلب؟" وہ تیز سے بولی۔
"پتا نہیں میں کیا کہہ رہی" میں نے جلدی سے کہا۔ میں دراصل
میں ہوں مابھی ملیغین کی گمشدگی ہی سن کر آنکھ کھلی تھی۔
"ادھ! تو آپ ناشہ دیکھ کر کیجیے۔ میں ذرا دیر بعد پھر فون کر لیں
میں ذہن کن مزدوری ہے؟ غیر ارادی طور پر میرا جوش شک ہو گیا
ہلانے آپ کی شخصیت میں کیا جادو ہے؟" اس نے شاید غرائز
نے انداز میں کہا تھا۔ میں رات بھر آپ کو خواب میں دیکھتی رہی۔
ماہ پارہ ہے کہ آپ سے بات کرتی رہوں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ
"ہاں!"
"میں نے ہونٹ پیچھ کر کہا۔ میں بہت جلد تم سے
لی۔"
"آپ؟" اس نے جسے اشتیاق سے پوچھا۔
"میں تمہیں فون پر بتا دوں گی۔ تم مجھے فون مت کرنا۔"
"بہتر ہے۔ آپ کو میرا فون نمبر تو معلوم ہی ہوگا!"
"اے مجھے علم ہے۔" میں نے کہا اور پھر جلدی سے ریسور
اس کی آواز لاکھ سڑیل سی لیکن اس آواز کو سن کر سو رہا ہوں
میں تھا۔ اس لیے میرا دشت تیس کر سکتی تھی۔ مجھے وہ کہہ کر رضوان
نے لگا۔ "مجھے یقین تھا کہ اس نے بعض شرارتیں اس کی ماہ پارہ"
پیچھے لگایا ہے۔ میں سوچنے لگی کہ رضوان کو اس کی سسزا
کی جلدی ہے۔
میں کر کے میں نے کپڑے تبدیل کیے اور صدر کے ایک
خبرے ناشہ کر کے دپس نفیٹ لگائی۔ دراصل رضوان کا فون
تھا۔ اس نے سلطان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی تو
میں نے متعدد ہو سکتا تھا کہ وہ اسے مجھ سے ملنے کے لیے کوئی پتہ لگا
نہیں لگا۔

طرے کرے۔
لیکن رضوان سے پہلے میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔
"تم کہاں سے بول رہی ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"خان دلا سے۔"
"کوئی خاص بات؟"
"ابھی تک تو میں کوئی خاص بات نہیں معلوم کر سکی۔"
"اس وقت تمہارے قریب کون ہے؟"
"کوئی بھی نہیں۔ میں کسے میں تمہا ہوں۔" رضیہ نے کہا۔ آپ
کو میں نے عرض اس لیے فون کر دیا کہ آپ میری طرف سے پریشان نہ
ہوں۔ میں پوری طرح ہنس رہی ہوں۔
"خان دلا کے لوگوں کو تم سے کیا پایا؟"
"خان آف کالا گوٹ کے علاوہ یہ کسی ایسے لوگ ہیں۔ یہ سب مجھ
سے بہت جلد مکمل مل گئے ہیں البتہ خان آف کالا گوٹ سے میرا سامنا
دو ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔ یہ شخص کی طرح بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے
دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جیسی چونک چمک اٹھتی ہے۔ اس کی بے خوفتہ
کو بھی خیال نہیں کہ اس کی بچی کی دوست ہوں۔
"وہ شاید بھلے شہر کا لیکن ترین انسان ہے۔"
"میں تو اسے انسان کہنے کی ہوس دارا نہیں۔"
"اچھا بس! فون پر زیادہ گفتگو نہ کرو۔" میں نے بھلنے والے
انداز میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ احتیاط برتن جائے۔ جب تک کوئی خاص
بات نہ ہو مجھے فون مت کرنا۔"
"میں نے تو عرض اس لیے فون کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔"
"اگر میں پریشان ہوں گی تو بھی براہ راست تمہیں فون کرنے کی
بجائے زریں کو کال کر لیا کروں گی۔ تم مجھے فون کرنے کے سلسلے
میں محتاط ہی رہو۔"
"بہتر۔"
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور نام کسی پریم دروازہ پر کھینچ
بند کر لیں۔ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی پھر رضوان کا فون آئے گا اور میں
اس کی منتظر رہی۔
مگر فون کی بجائے خود رضوان آدھکا کال بیل کی آواز سننے کے
بعد میں دروازہ کھولتے وقت پوری طرح جوش تھی۔ میں نے ایک ہاتھ
میں رکھ لیا اور بھی سنبھال رکھا تھا۔
"قلیماں سالی جی!" اس نے ٹوٹتی سے کہا لیکن تفریح کے
ساتھ اس کے لیے میں حیرت بھی محسوس کر رہی تھی۔ آپ نے میرے استقبال

کے لیے رہا اور کیوں سنبھال رکھا ہے؟
 "استیلا" میں سے جواب دیا "خان آف کلاکوٹ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں کیا قیام ہوں۔"
 "کیسے؟"
 "ظاہر ہے کہ اس کے آدمیوں نے میری نقل و حرکت پر نظر رکھی ہوگی۔"
 "آپ کو اس کا کیا کیسے چلا؟"
 "خود خان نے مجھے فون کیا تھا قیام دروازہ تو بند کر دو۔"
 رضوان نے دروازہ بند کیا اور پھر ہم دونوں نشست کے کمرے میں بیٹھ گئے میں نے اسے اس گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتایا جو فون پر خان آف کلاکوٹ سے ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ سن کر رضوان کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ بولا۔
 "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رضیہ..."
 میں خود بھی رضیہ کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ متفکر و متخی لیکن رضوان کو پریشان سے بچانے کے لیے میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
 "رضیہ انارڈم گزشتہ نہیں جے خان آف کلاکوٹ آسانی سے جبا کئے۔"
 "سہم... میں اس کی طرف سے بالکل بے خبر نہیں رہا ہے۔"
 "اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکتے تو ضرور کرنا۔"
 "میں سوچوں گا۔ رضوان نے کہا اور ہاں! میں نے سلطان کے گھر فون کیا تھا۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ دفتر چا چکے۔ میں اس کے دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ نواب شاہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب وہ نواب شاہ سے آئے گا تو میں آپ سے اس کی ملاقات کر سکوں گا۔"
 "اسے نواب شاہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"
 "وہاں ایک ہی گھر کے سات افراد کا خرابیہ قتل ہوا ہے اور سلطان کو اس کی رپورٹنگ کے لیے نواب شاہ بھیجا گیا ہے۔ اور یہ تمہیں کیا حرکت کی؟" میں انہیں نکال کر بولی لڑائی سیاہ پانچو ٹینڈن نمبر کیوں نہ دیا؟"
 "اصل بعد میں میں نے سہا کہ آپ کا دل کیوں چھوٹا گیا جائے؟ رضوان نے مضحکہ خیز سنجیدگی سے کہا کہ وہ سلطان کی بہن سی لیکن ہے تو سہیل ہی! اگر آپ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر سکتے ہیں تو میں کیا بکاب میں بڑی کیوں ہوں؟"
 میں دانت پسین کر بولی رضوان کے بچے...
 "نہ نہ" رضوان نے جیسے گھبرا کر میری بات کاٹی۔ "رضیہ سے

پہلے پھر میرے بچوں کا تذکرہ ہرگز نہ کیجیے۔ وہ اس گزرا بھی ان سکتی ہے۔"
 "میں اس سلسلے میں تمہیں سزا دینے پر تیار نہیں ہوں۔ اسے کتہ میں بھی بڑا ہلازمہ رضوان نے فون پر کہا کہ ایسے بانی دی ہے! اب لاواہ کیا ہے؟"
 "کس سلسلے میں؟"
 "صرف رضیہ کی رپورٹنگ کا انتظار کرنا ہے یا کچھ اور بھی؟"
 "میں اس امکان پر غور کر رہی ہوں کہ گنڈا واس آڈیوں میں کچھ ہراس پھیلا جائے۔"
 "اس سے کیا ہوگا؟"
 "وہ لوگ جیسی ویدو لیری سے ہم لوگوں کی نقل و حرکت نظر رکھتے ہوئے ہیں۔ ان میں ٹھوڑی سی پچا پھاٹ پیدا کر دیا جائے تو بہتر ہے۔"
 "یہ کس طرح ہوگا؟"
 "کچھ دیر کے لیے بھڑالی بن جاؤں گی۔"
 "یہی؟"
 "گنڈا کے قافلے میں جا کر منگھر کیوں گی۔ کچھ لوگ کھان کی کوسں میں کچھ میز توڑوں گی اور پھر وہاں سے قحطی نظر آؤں گی۔"
 "پچا کاندسی بات ہے۔"
 "دیکھی کبھی پچا نہ کر سکتی تھی کرنا پڑتی ہیں۔ اس حرکت سے خان آف کلاکوٹ کو براہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ میں اس پر عجب نہیں ہوں۔"
 "آپ جائیں؟" رضوان نے بے پروائی سے شانے جھلکے۔
 "اور اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میں نے گھر پر بیٹھ گیا۔ خط آنے میں کتنا نام۔"
 "جھگڑا" رضوان نے ٹھنڈا سا لہجہ سے کہا کہ آپ اسے ہر کیے پیچ کر بھی بھیجی ہوگی نہیں ہیں۔"
 "وہ جوئے کی چیز ہی نہیں ہے۔"
 "البتہ آپ پر تمہارے" رضوان ٹھنڈا سا لہجہ سے کہا کہ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گئی۔ جب کلا نہ ہو تو آرام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔
 "دیکھ کر تو میں نے ایک ریشورٹ میں جا کر کھانا کھا لیا۔ واپس آگئی۔ میں رضیہ کی طرف سے کسی خاص رپورٹنگ



یہاں معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے اس کے لیے صبر کرنا وقت لینے کا۔
 اب شام ہو گئی تو مجھ پر کانٹا بٹ کا شہید دورہ پڑا اسی وقت رضیہ کے کمرے میں پہل کر گھر کے قمار خانے میں جنگا دریا میں فورا اٹھی اور وہاں کے لیے تیار ہونے لگی۔ تیار ہو کر اپنے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کانٹا بٹ کی طرف بڑھ گئی۔ مشکل اور بھرپور اور اوزن نکال کر دوڑنے کی طرف بڑھ گئی۔
 "ان؟" میں نے دوڑنے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔
 رضوان نے باہر سے آواز دی۔ اس کے کنبے سے گھر اسٹاپ ہو گیا۔
 میں نے دیوار اور رک کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔
 "ارٹ تو ہے؟" میں نے چھوٹے ہی پوچھا۔
 "پہلے کس گئی ہوئی تھیں؟"
 "نہیں تو کیوں؟"
 "ابھی رضیہ نے آپ کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔" وہ اس وقت شاید کس باجہ روم میں تھی شاید وہاں نے ایک کھول رکھا تھا۔ اس کے شہر میں فون کی گھنٹی نہیں مل ہوگی۔
 "جہاں دوسری بار اس نے مجھے فون کیا تھا؟" رضوان بولا۔
 "آزبات کیا ہے؟"
 "اس نے اطلاع دی ہے کہ خان آف کلاکوٹ کے حکم سے اسے پارہ کو قتل کروایا جائے گا۔"
 "میں نے ادھر پر نہیں ہاں کی سوتیلی بیٹی ماہدہ کی خوبگاہ، اپری میں رات کے دو بجے اس کی خوبگاہ کے بند دروازے کے پیچھے کی آواز سنی تھی۔ خاخر کے فوراً بعد ایک سوتیلی بیٹی کی لورچر ایک رات کو توڑا ہوا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دیوار تھا لیکن اس کے سے گھر لپٹا اور پریشانی حشر مچ گئی۔
 "لوہ گاہ کے کنبے ہوئے دوڑنے سے ایک بیڑہ نظر آتا تھا جس پر ایک لڑکی اور دو بڑی بڑی تھی جیسے وہ لاش ہو۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی شخص کی گولی کا شکار ہوئی ہوگی جو دیوار لپٹے ہوئے تھا۔
 "میں نے ادھر بھونکی کی طرف دیکھا جہاں رضوان موجود تھا اور وہ نکاحی نے ادھر کھینچ کر لے لی تھی۔
 "پہنچا بہت جلد ہو گیا ہے رضوان؟" میں نے کہا۔ اسے ڈانڈا کرنا کہیں چھوٹا کر سکوں اور یہاں کے لیے کہتے ہوئے میں جڑی مٹی اور اس آدمی کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رسی سے دکھلا ہوا وہ شخص میرے میرے ہی سے جڑی مٹی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے فرخ سے اس کا دیوار لپٹا دیا ایک قریبی مٹی پر ڈال دیا۔
 "رستی آہستہ آہستہ نیچے ہوئے گی اور پھر میرے ہی اس شخص کے پیر،

زمین سے ٹپکے، میں نے اس سے کہا "خود را تم اپنے ہاتھ رسی پر اسی جگہ رکھو جو ہاں وہ ہیں۔ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو رسی کو پھلاؤ پھینچ لیا جائے گا۔"

اگر میں نے اسے یہ تاکید نہ کی ہوتی تو یقیناً وہ فرش سے پیر گئے، اسی پھندے کو اپنی گردن سے لٹکانے کی کوشش کرتا۔ پھندے کی وجہ سے اس کا چہرہ لال سمیٹا ہوا تھا۔ میں نے پھندے کو اسی کی گردن پر ڈھیلا کیا تو وہ بے بسے ماس لے گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم بول سکتے ہو۔ میں نے کہا۔

"آں... آں... آں... اس کے منہ سے پھنسی پھنسی کی آواز نکلی۔

"تو تمہیں ماہ پارہ کو قتل کرنے پر آمادگی کیا تھا؟"

"نہ... نہیں... میں تو ہوں... چوری کرنے آیا تھا۔" اس نے ہنسنے ہوئے کہا "میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"وہ گولی پھینکے کی آواز اور وہ چیخ کسی کی تھی؟"

"جیسے... مجھے نہیں معلوم۔"

"تم اس کمرے میں تھے اور تمہیں ماس کے بالے میں نہیں معلوم؟"

میں نے ہنسنے لگا۔

"میں... میں قسم کرتا ہوں... میں سچ کہتا ہوں... وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ جب میں اس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا ہوا تھا تو وہاں تکیہ تھی۔ پھر اندر پہنچنے کے بعد جیسے ہی میں نے دروازہ بند کر دیا، کمرے میں روشنی ہو گئی۔ میں اچھل پڑا اور اس وقت میری نظر ملنے پر پڑ پڑی ہوئی ایک لڑکی پر گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ تھی یا مردہ! پھر اس کمرے میں ایک فائرنگ آواز گونجی اور ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ مجھے نہ تو فحاش کرنے والا دکھایا گیا تھا اور نہ وہ چیخنے والی نظر آتی تھی۔ میں اس موت منہ سے اٹھ گیا اور فوراً دروازہ کھول کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

خدا کی قسم، بس اتنی ہی بات ہے۔ میں چوری بھی نہیں کر سکتا۔

"میں تمہاری سب باتوں پر یقین کیے ہیں لیکن یہ بات قطعی غلط ہے کہ تمہاں چوری کی نیت سے آئے تھے؟"

"میں سچ کہتا ہوں۔"

"مذہب! میں نے اوپر دیکھا۔"

مذہب میرا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے فوراً رسی اور پھینچ لی اور میری توقع کے مطابق وہ شخص اپنا مارواڑ اپنی کلاں پر ڈال کر رسی سے لٹک گیا۔ باروہ ایسا نہ کرتا تو پھینچ اس کی گردن پر پھینچ جھکتا۔ میں نے پھینچنے کو ڈھیلا کر دیا تھا لیکن اسے اس کی گردن سے لٹکا نہیں سکتا۔

میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور چڑے اٹھیں۔

طرح زیادہ دیر تک بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ گھسنے آدھ گھسنے میں اس کی قوت چلب دے جانے کی اور تم رسی پر اپنے ہاتھ لگا کر رکھو گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ چندا پھر نہ ہو جائے گا۔ تم اس کے باعث مر جاؤ گے کی تم نے اسے نہیں کیا جیسا میں نے کیا۔ کتنی اذیت تک ہوتی ہے؟ تم اس اذیت تک موت سے... ہوا پھر بول کر اپنی زندگی بچا لیتے ہو؟

"م... میں..."

"صرف ہٹکنا ہے کہ میں نہیں ہوگا میں صرف ہٹکنا ہوں۔" مجھے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں۔ یہ تو میں ہانتی ہوں کہ ماہ پارہ کو قتل کرنے آئے تھے لیکن جب تک تم اس کا انکار نہ گئے میں کوئی دوسرا سوال نہیں کروں گی۔

وہ خاموش رہا اور رسی سے لٹکا ہوا پتلا رہا۔ اس کے پو غوف کے تاثرات تھے۔

"مشیک ہے میں نے اطمینان سے ایک موٹے پریشنے سے" میں تمہارے بولنے کا انتظار کر لوں گی۔ مجھے فیضہ جلدی نہیں ہے۔ اور پھر کتنی ہوئی بولی "تم بھی نیچے آ جاؤ مرنوں! رسی کا برا گیری کی سے باندھ دو!"

"نہیں... مٹھو! رسی سے لٹکا ہوا شخص پیچھے ہٹا ہوا بتا دوں گا میں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں چھپی کرنے آئے تھے؟"

"نہیں" میں ماہ پارہ کو قتل کرنے آیا تھا۔" اس نے مڑوہ میں کہا۔

"گڈ! میں مرنے سے کھڑی ہو گئی اور پھر اوپر دیکھتی ہوئی بولی "اسے نیچے کرو!"

مذہب نے آہستہ آہستہ رسی کو ڈھیل دی۔

میں نے اپنے شانے سے کہا۔ جب تمہارے پیر فرش سے لٹک رہا تھا تب بھی تم رسی ہی کو پکڑے رہنا۔ جب تک تم میری رسی کو متھو متھو جاتے تم پھندے کو اپنی گردن سے لٹکانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اس کے پیر فرش سے لٹک گئے لیکن اس نے میری تنبیہ نہ کی۔ نہیں کیا، یعنی پھندے کو اپنے گلے سے نہ لٹکانے کی کوشش نہیں کی۔ "ہاں" میں بولی "تم ماہ پارہ کو قتل کرنے آئے تھے؟"

"ہاں!"

"اس کام کے لیے تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

میں نے یہ سارا کٹھا لگا۔ اسی لیے پھیلا ہوا تھا کہ مجھے کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔ اب اگر مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تو تم بہتر نہیں جاؤ۔ میری بلا ہے۔"

"لیکن میں بتاؤں کیسے؟" مجید نے بڑی بے بسی سے کہا "مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔"

"اگر معلوم نہیں ہے تو یہ تمہاری بد قسمتی ہے۔ اگر تم کچھ ماننے پورے تو اس وقت تمہیں زندگی مل جائی۔ علم واقفیت کی بنا پر اب تمہیں موت سے گلے ملنا ہوگا۔"

"مجید!"

"تمہیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں!"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا غلط آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں!"

"گڈو جانتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اسے تو جانا چاہیے؟"

"صرف خیال ہے؟ یقین نہیں؟"

"اں بس خیال ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو یا میں جھوٹا گئی؟" تم بھی اس بڑے آدمی کا تھے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ماہ پارہ کو قتل کرنے کے لیے کیوں کرتا تھا؟"

"نہیں نہیں!" مجید نے گڈو کو اپنے والے انداز میں کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ نہیں معلوم۔"

"مذہب!" میں نے مخصوص انداز میں پکارا۔

یہ ایک اشارہ تھا جسے مذہب نے فوراً سمجھ لیا اور ایک بار پھر رسی ل۔ میرا اب ایک بار پھر فرش سے ایک فنٹ اوپر لٹکا ہوا تھا۔

میں نے مذہب سے کہا "میری کو کسی چیز سے باندھ کر نیچے آ جاؤ!"

"میں مر جاؤں گا! مجید بلبلا رہا۔"

"مجھے تمہاری زندگی باموت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" میں نے اسے شالے سے جھٹک کر کہا "میں تو میں یہ جانتی ہوں کہ تم مجھے کوئی فائدہ نہ دو۔ مگر میں دے سکتے تو مر جاؤ۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔"

میں نے یہ سارا کٹھا لگا۔ اسی لیے پھیلا ہوا تھا کہ مجھے کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔ اب اگر مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تو تم بہتر نہیں جاؤ۔ میری بلا ہے۔"

"لیکن میں بتاؤں کیسے؟" مجید نے بڑی بے بسی سے کہا "مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔"

"اگر معلوم نہیں ہے تو یہ تمہاری بد قسمتی ہے۔ اگر تم کچھ ماننے پورے تو اس وقت تمہیں زندگی مل جائی۔ علم واقفیت کی بنا پر اب تمہیں موت سے گلے ملنا ہوگا۔"

"مجید!"

"تمہیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں!"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا غلط آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں!"

"گڈو جانتا ہے؟"

"مجید!"

"تمہیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں!"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا غلط آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں!"

"گڈو جانتا ہے؟"

"مجید!"

"تمہیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں!"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا غلط آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں!"

"گڈو جانتا ہے؟"

"مجید!"

"تمہیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں!"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا غلط آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں!"

"گڈو جانتا ہے؟"

"تمہاری وہ بڑی وقت اطلاع کام آگئی اور ہم نے ماہ پارہ کو پالیا۔"
 "میں نے رمضان کو بھی فون کیا تھا لیکن ملازم نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ میں تعصیلات جانا چاہتا تھا مگر..."
 "تم اپنے دماغ کو دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ اور صرف خان دلا کے ماحول پر کڑی نظر رکھو۔"
 "آج شام کو شام میں اور دوسری آپ سے ملنے آئیں۔"
 "کیا یہ بات خود زریں نے کہی تھی؟"
 "جی ہاں۔"
 "تو شک ہے، آجانا۔"
 "اچھی بات ہے۔ تو پھر شام کے لیے خدا حافظ۔"
 "خدا حافظ۔"
 "سلسلہ منقطع کر کے میں بستر سے اٹھی اور ہاتھ دھو کر غسل کیا۔ تیار ہونے کے بعد میز پر نشستہ ہو کر فلیٹ آئی کہ باورچی خانے میں تیار کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد ایک آرام کر کے پردار ہو گئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رمضان کی طرف سے مجھے ابھی تک اطلاع نہیں ملی تھی کہ اس نے ماہ پارہ سے کیا معلومات حاصل کیں۔ رضیہ سے ملنے والی ایک گھنٹہ پہلے کی اطلاع کے مطابق وہ سو رہا تھا۔"
 "میری راست میں یہ بات معلوم ہونا بہت ضروری تھی کہ پروفیسر مناس ان دنوں کیا تجربہ کر رہا تھا کیونکہ میرے خیال کے مطابق اس کا تجربہ کا سبب وہی تجربہ بنا تھا۔"
 "میں بیٹھی ان باتوں پر سوچتی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزارا تھا کہ سال بیل بننے لگی۔ میں ایک دم اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ آنے والا شخص رمضان ہی ہو سکتا ہے۔"
 "میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ رمضان ہی تھا۔ اس کے اندر آنے کے بعد میں نے دروازہ کھولا اور بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم کوئی اہم اطلاع لے کر آئے ہو گے۔"
 "ہاں تو خبری اہم معلوم ہوئی ہے۔" رمضان نے صوفے پر بیٹھ کر بولے۔
 "کس۔"
 "ماہ پارہ سے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔
 "ہاں۔"
 "پروفیسر مناس کے تجربے کے متعلق؟"
 "ہاں۔"
 "اب جلدی سے بتا بھی چکو۔"

"وہ ایک مددگار خطرات کا حل اور ایسا کر چکا ہے۔"
 "یعنی؟"
 "وہ ایک ایسا حل ہے جو ہوا گتے ہی بھاپ بن گیا اور بھاپ بننے ہی پر ہمیں موجود ساری آکسیجن کو ہمارے اس عمل میں ایک سیکنڈ بھی نہیں گنتا۔"
 "میں اسی نقطہ سے رمضان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اس کو پوری طرح سمجھ نہ سکی ہوں۔"
 "رمضان پھر بولا۔ "یوں سمجھیے کہ اس کرے میں جو فٹ پاؤں فٹ پاؤں چھوڑ دیا جائے، اس عمل کی چند قطرے بھاپ تو وہ فوراً بھاپ بن کر اس کرے کی ساری فضا میں پھیل جائے گی۔ یہاں جو ہوا موجود ہے، اس کی آکسیجن کو چشم زدن میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کرے میں بھی جاندار ہوگا، اور جانے کے باعث ہلک ہو جائے گا۔"
 "ماں کاٹھ میرے منہ سے نکلے۔ لیکن وہ خطرناک تھا۔ کتنی دیر تک قائم رہتی ہے۔"
 "بہ مشکل دس سیکنڈ۔"
 "تب تو وہ کوئی بہت زیادہ خطرناک ایجاد نہ ہوئی۔"
 "بعد مزید پتہ اس کرے میں آجائے گی اور دس سیکنڈ تک سانس لینے سے انسان مر نہیں سکتا۔"
 "لیکن اگر یہ کرے ہر طرف سے بند کر دیا جائے تو مزید پتہ آئے گا۔ اس کے لیے اگر انسان یا کڑوا سانس گھٹ جانے کے باعث مر جائے، ایسی تو بہت سی زہریلی سیسے ایجاد ہو چکی ہیں جو اگر کسی جگہ پر چھوڑ دی جائیں تو وہاں جو ہوا موجود رہ جائے ہلک ہو جائے گی۔"
 "ہاں، رمضان نے سر ہلایا۔ پروفیسر مناس کی یہ ایجاد ایک نئی قسم کی زہریلی گیس ہے لیکن پروفیسر ان دنوں اس کو مشکل میں معروف تھا کہ اس عمل سے پیدا شدہ بھاپ کی معیاد کو دس سیکنڈ سے بڑھا کر دس منٹ کر دے۔ وہ اس عمل سے بے گام چاہتا ہے کہ اگر کسی شہر پر اس عمل کی بوجھار کر دی جائے تو آکسیجن کو جلا دینے والی وہ بھاپ دس منٹ تک قائم رہے، یعنی کسی شہر تک وہ اس شہر کی طرف آنے والی ہوا کی آکسیجن کو جلا کر دے اور پھر ہے کہ کسی بھی جاندار کو ختم کرنے کے لیے دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔"
 "سوال یہ ہے کہ پروفیسر کو اس سلسلے میں کوئی کام ملے گا۔"
 "ہوئی بھی یا نہیں؟"
 "پچھلے دنوں اس نے ماہ پارہ کو بتایا تھا کہ وہ بہت تیز"

"ہاں اسے طرف بڑھ رہا ہے اور اگر اس تیزی کو کسی پیمانے سے کم کر دیا جائے تو اسے یوں کہیں گے کہ اس کا بیرونی عمل کرنے کے لیے سو قدم اٹھانا ضروری ہیں تو پروفیسر اسٹیٹسٹا چکا تھا اور اب صرف میں قدم اٹھانے کی دیر تھی۔"
 "ہاں، میں سوچ میں ڈوب رہی تھی کہ رمضان کی طرف دیکھتی رہی۔"
 "رمضان پھر بولا۔ "وہ پروفیسر کو کھانا حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً مددگار خطرات کی ایجاد ہوگی۔ کسی شہر پر بھاری کر کے اسے تباہ کر دے۔ بستر پر بے کوشہ پراس عمل کی بوجھار کر دی جائے اور ہر ذی حمت کی نیند سلا دیا جائے۔"
 "میں عمل سرور پر دشمن کی فوج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے۔"
 "نہ ہر ہے۔"
 "لیکن....." میں سوچتی ہوئی بولی۔ "اگر خان آف کالگوتھ نے پروفیسر مناس کو اس ایجاد کی بنا پر فوٹ کیا ہے تو آخر کیوں؟ خان اس ایجاد کا کیا فائدہ چاہتا ہے؟"
 "وہ خود اس سے کوئی کام لے کر لے لیکن وہ اس ایجاد کو کسی بھی ملک کے ہاتھ تک نہ کرنا حاصل کر سکتا ہے۔"
 "بہرہستہ وہ کوئی اور کسی بات سوچ رہا ہو۔"
 "یعنی؟"
 "اس کے بارے میں لی ایف ایف میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتی لیکن یہ اندازہ ہے کہ اس نے کچھ اور سوچا ہو۔"
 "تو پھر؟"
 "تو پھر کیا؟"
 "مطلب یہ کہ اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"
 "ہمیں اس کا پتا لگانے پر زور دینا ہوگا کہ خان آف کالگوتھ نے پروفیسر مناس کو کس رکھا ہے؟"
 "ہمیں اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ پروفیسر مناس نے لی ایف ایف ایجاد منسلک نہیں کی۔"
 "تو پھر؟"
 "کیا وہ یہ گوارا کرے گا کہ خان آف کالگوتھ کے لیے کام کرے؟"
 "تشریح کے لیے انسان سے بہت کچھ کر لیا جاسکتا ہے۔"
 "ہاں۔"
 "میرا خیال ہے کہ اب تم واپس گھر جاؤ۔ تمہارا دہان رہنا اس میں ضروری ہے کہ خان آف کالگوتھ کا تھماہ پارہ تک پہنچ سکے۔"
 "رمضان کو رخصت کرنے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک فلیٹ ہی

"میں رہی۔ دراصل میری کچھ نہیں آ رہا تھا کچھ کہاتھا۔"
 "چاہیے۔ میں اس روز کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار رہی۔ ایک طرف تو میری گویا ایک آدمی نے داری کھلی کہیں خان آف کالگوتھ کے سلسلے کوئی فیصلہ کر کے تھا اٹھا لیکن دوسری طرف میں ایک عجیب سی یا سبک کا شکار بھی تھی۔ غرض ایک ایک احساس مجھ بے چینی کیے ہوئے تھا۔ جب میں نے اپنے ذہن کو کٹھن لکھنے اندازہ ہوا کہ میری یہ بے چینی محض شگفتگی کا درجہ ہے۔ مگر یہ کہ جس کا اس نے مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ اگر وہ فون کر لیتی تو اس سے دو باتیں کر کے مجھے قرار دیتا تھا پھر میں کسی بھی نے داری کو کھول کر آنے کے سلسلے میں سلندری کا شکار نہ ہونے پاتی۔"
 "وہ دن میں نے فلیٹ ہی میں بستر پر پڑے گزار دیا۔ کبھی شگفتگی کی یاد میرے دل و دماغ کو ڈسنے لگی اور کبھی اپنی ذمہ داری کا احساس میرے دماغ کے لیے نیڑے کی آبی ہناتا۔ میں نے دوسرا کھانا بھی نہیں کھایا، بس تیسرے پھر غسل کر کے کپڑے تبدیل کر کے بعد جانے کے ساتھ دوپٹر ٹھٹھکا لیا۔"
 "شام کو زریں اور رضیہ مجھ سے ملنے آئیں۔ ان کے امداد باعث میرا ذہن بھی بھول گیا کسی حد تک کم ہو گیا۔ زریں مجھے بڑی گرم جوش سے ملی۔ اس نے کہا۔ "آپ نے کچھ ایک بڑی اچھی درست فراہم کر دی ہے۔ اس کا اشارہ رضیہ کی طرف تھا۔"
 "لیکن تمہاری اس درست سے کوئی کام بھی کیا؟" میں نے یہ سوال تو زریں سے کیا تھا لیکن میری غرض رضیہ کی طرف تھی۔
 "میں زریں کے تمام گھر والوں کے ہاتھ دیکھ چکی ہوں۔ رضیہ نے کہا۔ "مگر اس میں مجھے کوئی ہاتھ بھی دیا نہیں نظر آیا تو زریں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے۔"
 "میں پہلے ہی کہتی تھی۔" زریں چمک کر میرے گھر کا کوئی فرد یعنی میرا عزیز میرے لیے کچھ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"
 "تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم نے سب کے ہاتھ دیکھ لیے ہیں؟" میں نے غور سے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 "صرف ایک، سستی ایسی ہے جس کا ہاتھ میں اب تک نہیں دیکھ کر۔"
 "وہ کون ہے؟"
 "زریں کے والد خان آف کالگوتھ۔" رضیہ نے جواب دیا۔ انھوں نے کبھی میرے پاس نفی سے دیکھی کا اظہار نہیں کیا۔"
 "دیکھا؟" میں نے زریں سے بولی۔ "ابھی ایک ہاتھ باقی ہے۔"
 "یہ آپ کی کہہ رہی ہیں بیٹم؟" زریں حیرت سے بولی۔ "بھلا میرے

ڈیڑی میرے لیے کس طرح نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں؟
 • لیکن وہ زبان کو میں دینا کہ سب سے بڑا بھگتی ہوں
 میں نے تمہیں کہہ میں کیا اور تمہارے ہاتھ کی لکڑیوں نے مجھے مای
 بتایا ہے کہ تمہارے گھر کا ہی کوئی فرد تمہارے لیے نقصان دہ ثابت
 ہو گا۔

• لیکن میرے ڈیڑی... "زین بہت الجھ رہی تھی۔
 "چونکہ نادرہ نے ان کے علاوہ سب کے ہاتھ دیکھے ہیں اور
 ان میں سے کوئی بھی تمہارے لیے نقصان دہ نظر نہیں آتا اس لیے
 میں شبہ کر سکتی ہوں کہ تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہونے والی
 وہ شخصیت تمہارے والدہ کی ہو سکتی ہے۔ اگر مجھے یا نادرہ کو تمہارے
 والدہ کا ہاتھ دیکھنے کا موقع مل جائے تو میرے اس شبے کی تصدیق یا
 تردید ہو سکتی تھی۔ ویسے زیادہ امکان تصدیق کا ہے۔ کیا ایسی
 کوئی صورت ممکن ہے کہ تم اپنے والد کے ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟
 "آپ نے تو مجھے بہت پریشان کرنا میں مد!" زین بھڑکی ہوئی
 آواز میں بولی۔

• مجھے انسو سے دیکھ میں کیا کروں، میں جھوٹا نہیں بولی سکتی
 میں نے تمہارے ہاتھ میں جو کچھ دیکھا تھا، وہی تمہیں بتا دیا۔ میں نے
 کہا اور پھر رُک کر بولی: کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی طرح اپنے والد کے
 ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟
 زین نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔
 میں نے کن آنکھیں سوئے رفیعہ کی طرف دیکھا۔ وہ زین کی چہرے کا جائزہ
 لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد زین نے ایک طویل سانس لے کر کہا: میں
 کوشش کروں گی۔
 • کس طرح؟

• یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے! میں سوچوں گی کہ مجھے اس سلسلے میں
 کیا کرنا چاہیے۔

میں نے اس سلسلے میں زین کو زیادہ کریم نامناسب نہ سمجھا
 اور بولی: "تجربہ جو چھوڑ دان باتوں کو! اقتدار اٹھ جوتے ہیں اور
 اطمینان بہ مشکل ہی تہی کیا جا سکتا ہے لہذا اس سلسلے میں تیل آؤ
 وقت پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیسا
 خفا کروں؟"

• تنگناں کی ضرورت نہیں میڈم! زین نے پھر بھی سی مسکراہٹ کے
 ساتھ کہا: میں آپ سے ملنے کو چاہتا تھا اس لیے میں بہت جلدی میں آئی
 ہوں۔ اب مجھ اور نادرہ کو اجازت دیجیے!
 • کیوں! آخر اتنی جلدی کیا ہے؟

• میں نے آج رات اپنے کالج کی کچھ لڑکیوں کو کھانا کھا
 دراصل میں کالج میں نادرہ کا تذکرہ کر رہی تھی۔ نتیجہ...
 قریبی دوست نادرہ سے ملنے کی شتات ہو گئیں۔
 • گویا اس دعوت کا بوجھ تمہیں نادرہ کی دھم سے تھا
 میں نے ہنس کر کہا۔

• اس میں بوجھ کی تو کوئی بات نہیں۔ آج ہے کچھ...
 زرا دلچسپی سے گزر جائے گا! زین کھڑی ہو گئی اور نادرہ اس کے
 سے رفیعہ نے بھی کھڑا ہو جانا مناسب سمجھا۔
 • ارے! میں بولی: تم تو رائل ہی تیار ہو رہی ہو! ہاں...
 "وقت کم ہے نا! زین نے کہا: کچھ ہی دیر میں میرے
 کی لڑکیاں گھر پہنچنا شروع ہو جائیں گی!"
 میں ان دونوں کو چھوڑنے کے لیے دروازے کی طرف گئی۔
 دیکھ کر زین کی طرف جھٹکتے ہوئے سرگوشی کی: تنگناں آؤ گے!
 زین مسکرائی اور پھر اہستہ سے بولی: فون پر بتا رہی ہوں
 رفیعہ ہار کی طرف متوجہ ہوئی تو میں ایسی ہی گئی جیسے میں
 زین سے کچھ کہنا نہ ہو۔

ان دونوں کو نصرت کرنے کے بعد میں پھر آرام کرنے
 دراز ہو گئی اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی کہ میں نے جو
 چھینکا ہے، وہ سیدھا پڑے گا یا لٹائے میں نے خان آت کا کار
 کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے خود اسی کی لڑکی کو آواز دیا
 کا پروگرام بنایا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میں اپنے ذہن میں
 لاکھ جمل مرتب کر چکی تھی، وہ کس حد تک کارگر ثابت ہوتا
 اندھیرا ہو چکا تھا لہذا میں نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور
 نگہ کر رات کا کھانا کھانے کے لیے مجھے کسی ریسیٹورنٹ کا کھانا
 فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں رہا تھا کہ زین سے دوبارہ
 ہو لہذا میں سوچنا پڑا کہ کس والا بروپ نہ کیا اور صبر سے
 فلیٹ سے نکلے۔

ایک ریسیٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے میں نے فیصلہ
 آج ہی گڈو کے قمار خانے میں کچھ ہنگامہ کر لیا جائے۔ میری
 گزشتہ رات کو تھا لیکن میں وقت پر رضوان سے ماہ پارہ
 میں اطلاع مل گئی تھی اور میرا ہنگامہ ہی پروگرام "دھرا کا
 گیا تھا۔
 کھانے کے بعد میں گڈو کے قمار خانے کی طرف روانہ
 وہ جگہ میری دیکھ بھال ہوئی تھی۔ مجھے وہاں ایک مرتبہ
 جا چکا تھا۔

باہر سے تو اس قمار خانے پر ایک ریسیٹورنٹ ہی کا بورڈ لگا
 تھا لیکن ایک اندرونی دروازے سے گزر کر اس مال میں پہنچا
 ہوا مسکنا تھا یہاں لیے جانے پر قمار بازی ہوتی تھی۔ اس قمار خانے
 اس شخص تو نہیں تھا لیکن اس شہر کا جی میں بہت سے دھندلے
 لیے ہیں جنہیں ناجائز ذرائع کے بل بوتے پر چلایا جاتا ہے۔ کہیں
 درسونگ کا استعمال ہوتا ہے اور کہیں رشوت کی گرم بازاری کام
 آتا ہے۔ مجھے میں نہیں تھا کہ گڈو کی ذریعہ استعمال کرتا ہے اور مجھے
 معلوم کرنے کی کوجہ نہیں تھی۔

مجھے بھی یہی حال اس میں داخل ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ
 وہاں موجود کوئی اشخاص کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ غالباً وہ
 وہ اس قمار خانے کی انتظامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور مجھے اچھے طرح
 جانتے تھے۔ میں نے ان میں سے دو آدمیوں کو بڑی تیزی سے ایک
 دروازے کی طرف رٹھے دیکھا جس پر "شعبہ" کی تختی لگی ہوئی تھی غالباً
 گڈو کا کمرہ تھا اور وہ دونوں آدمی گڈو کو میری آمد سے مطلع کرنے
 گئے تھے۔

میں نے کسی طرف کوئی خاص نوٹ نہیں دی اور ایک ایسی
 پروردگار کی جہاں فلیش ہو رہا تھا۔ ہو گئے کھیل رہے تھے وہ مجھے
 دیکھتے ہی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں لیکن سے کہہ سکتی
 ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا، یہ محض میری شخصیت
 تھا جس کے رعب میں ان کو وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

• کیا آپ کیلنا پسند کریں گی؟ ان میں سے دو آدمیوں نے
 ایک ایک وقت تجاہل کیا۔
 "جی نہیں شکریہ! آپ لوگ تشریف لے جائیں اور کھیل جاتی لیں۔
 کل الحاح صرف دیکھنا پسند کروں گی! میں نے مسکرا کر کہا۔
 ان لوگوں میں ایک شخص شاید قمار خانے ہی کا آدمی تھا۔
 اس کے چہرے سے غناوت مترشح تھی اور وہ مجھے عجیب سی نظر سے
 دیکھ رہا تھا۔

ان لوگوں نے ایک باہر چلے گئے اور ایک کھیلوں لیکن جب
 آواہ نہیں ہوئی تو انہوں نے دوبارہ کھیل شروع کر دیا۔ میں
 دیکھی سے کھڑی ہوئی لیکن دیکھتی رہی لیکن میں اپنے اوپر گرد کے
 ال سے جی بے خبر نہیں تھی۔ شہر کے کمرے سے وہ دونوں آدمی
 میں آچکے تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انتظامیہ سے
 متعلق ہر شخص مجھ پر مڑ کر نظر کرتے ہوئے ہو۔
 میں چندہ میں منٹ تک کھیل دیکھتی رہی اور اتنی دیر میں

مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہاں بے ایمانی ہو رہی تھی۔ قمار خانے کا آدمی
 پتے باز تھا لیکن ہو لوگ اس کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ اس کی پتے
 بازی کو پرکھ نہیں سکتے تھے۔
 میں ہنستی ہوئی قمار خانے کے آدمی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور
 کھیل دیکھتی رہی۔ پھر ایک موقع پر جب وہ پتے باز رہا تھا تو
 نے اچانک اس کے جھکے کر اس کی دائیں کلائی تھام لی۔
 اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔
 "بے ایمانی میں چلے گی! میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے
 ہوئے کہا۔

• کیا مطلب! "وہ غریبا۔
 "مطلب بھی سمجھاؤ! میں نے طنز پر سی مسکراہٹ کے ساتھ
 کہا: "میرے لیٹال ہے کہ بے ایمانی کا مطلب ایسا نڈاری نہیں ہوتا!"
 بے ایمان قمار باز نے ایک جھکے کر اس کی کلائی چڑھائی چاہی
 لیکن اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ گرفت کسی معمولی عورت کی
 نہیں تھی۔

ہو لوگ اس قمار باز سے کھیل رہے تھے، ہجرت سے میری طرف
 دیکھنے لگے۔
 "سنو!" میں نے قمار بازی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا: تم
 نے ان شریف آدمیوں کی آنکھوں میں بہت دھول بھونکی ہے۔
 بہتر ہو گا کہ تم وہ سب کچھ واپس کر دو تو تم ان سے جیت چکے ہو!
 "خبردار! قمار خانے میں ایک آواز گونجی۔

میں نے چونک کر آواز کی طرف اس لیے بھی دیکھا کہ وہ میرے
 لیے ایک تنگناں آواز تھی۔ ابریز کی آواز! میں نے اس کے ہاتھ
 میں پستول دیکھا۔ وہ اس سے ان تینوں آدمیوں کو کوکر رہا تھا جو
 عقب سے مجھ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔
 ابریز کو وہاں دیکھ کر مجھے تعجب تو ہوا تھا لیکن میں اس وقت
 ابریز کی موجودگی پر غور کرنے کی بجائے میں نہیں تھی۔ میں نے
 قمار بازی کی کلائی پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا: "کیا تم نے سنا
 نہیں؟"

پھر اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے قمار باز اٹھ کر کچھ پر چھٹ
 پڑے گا لیکن اسی وقت ایک آواز سنائی دی: "میں فیروز باجی گئے
 کی ضرورت نہیں ہے!"
 میں نے کن آنکھوں سے دیکھا۔ وہ گڈو تھا جو اپنے کمرے سے
 نکل کر ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

میں نے ابریز کی آنکھوں میں الجھن دیکھی۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ گڈو کو میرے قریب آنے دے یا نہیں۔
میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ پرسکون رہے۔
گڈو قریب آگیا اور بولا: "کیا معاملہ ہے؟"
"بہت چھوٹا معاملہ ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے جھٹک کر کہا: "میں وہ رقم واپس کرنا چاہتی ہوں جو بے ایمانی سے جیتی گئی ہے۔"
"وہ رقم کتنی ہے؟"
"میرا خیال ہے کہ جیتی ہوئی رقم کا نوے فی صد حصہ بے ایمانی سے جیتا گیا ہے۔"
گڈو نے فیروز کے سامنے جس شرط پر رقم کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر ان لوگوں کی طرف بڑھا دیا جو فیروز کے سامنے بیٹھ ہوئے تھے پھر اس نے اپنی نوگوں سے کہا: "آپ لوگ اس میں سے اپنی رقم نکال لیں۔"
فیروز ہونٹ ہینچے بیٹھا رہا۔ اب میں نے اس کی کلاں بھی چٹو دی تھی اور اسے تصغیک امیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔
"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پر دیا۔" میں نے متحزن اڑانے والے انداز میں بولی: "اگر میں تمہاری کلاں چٹوڑ دیتی تو تم صاف بچ جاتے۔"
"کیا آپ میرے کمرے میں چلنا پسند کریں گی؟" گڈو مجھ سے بولا۔
"کیوں؟"
"میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے اگر آپ کمرے میں نہ چلنا چاہیں تو ہم ہال میں بھی کسی خالی میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔"
"میں نہیں تمہارے کمرے میں چلی چلتی ہوں۔" میں نے نفی فونی کا مظاہرہ کیا۔ میں یہاں ان نوگوں کو کسی باؤر کرنے تو آئی تھی کہ میں ان سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوں۔
"تشریف لائیں! گڈو نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ بھی آئے۔ اس نے ماحول کو ساڈا ساڈا کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میرا اشارہ ملنے پر وہ میرے اور گڈو کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں ابھی تک اس الجھن میں تھی کہ وہ یہاں قمار خانے میں کیسے پہنچ گیا۔
ہم گڈو کے کمرے میں داخل ہوئے جو اوسط طریقے سے ڈیجیٹ

تھا۔ گڈو گڈو کر مین کے پیچھے اپنی رولنگ چیرنگ گیا۔
سلنے پڑی پہلی پرسکون کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا: "تشریف اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے یہ ہماری پہلی ملاقات ہو اور درمیان کسی قسم کے اختلافات نہ ہوں۔
میں اور ابریز بیٹھ گئے۔
"آپ کی میاں آمد کا مقصد؟" یہ سوال کرتے ہوئے کے لیے میں نے اپنی سی سختی اگلی تھی جسے میں نے پوری محسوس کیا اور تیوری پڑھا کر بولی۔
"یہ قمار خانے سے اور یہاں کوئی بھی آسکتا ہے۔"
"میاں لوگ ہوا کیلئے آتے ہیں لیکن آپ ہوا کیلئے نہیں آتے تھیں۔"
"میں ہوا کیلئے ہی آئی تھی۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔
"ہوا کیلئے سے پہلے میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ یہاں ہوا تو نہیں ہوتی؟"
"آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ہر قمار خانے میں ہوا ہوتی ہے۔"
"میں یہاں کے تمام قمار خانوں کو ایسا انداز رکھتا ہوں کہ گڈو بڑے اطمینان سے کہتا ہے کہ یہ قمار بازی ہی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس میں ایسا انداز نہ کھیل ضرور ہونا چاہیے اگر تم نے اپنے قمار خانے کے طریقوں میں تبدیلی نہیں کی تو میں یہ روزانہ ہی اگر ہنگامہ کر دیا کروں گی۔"
"ہاں؟" وہ مجھے گھورنے لگا۔
"خوب!" میں طنز بے انداز میں مسکرائی: "تو تم نے اکرٹ کر کہا کہ تم مجھے چاہتے ہو؟"
"اور میں یہی جانتا ہوں کہ آپ یہاں اس لیے نہیں آئی کہ یہاں جوئے میں بے ایمانی ہوتی ہے۔"
"پھر کس لیے آئی ہوں؟"
"یہ تو آپ ہی بتائیں گی۔"
"تو سنو گڈو! میں نے مزید اڑانے کی طرف جھک کر بولی: "میں تمہارے اس قمار خانے کو بر باد کرنا چاہتی ہوں۔"
"میں نے اس وقت صورت حال کو سنوارنے کے لیے بہت سے کام لیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہمیشہ ہی اتنے کمزور کامیاب کروں گا۔"
"اگر کسی قسم کی دھمکی ہے تو میں ابھی بہرہ ور ہونٹ اٹھا کر لے

چھوڑا سکتی ہوں۔"
"آپ کو بھٹانا پڑے گا ہاں؟"
"یہ وقت بتانے کا کہ بھٹانا اس کا مقصد ہے۔"
"آخر آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟"
"میں تمہیں باؤر کرنا چاہتی ہوں کہ وہ شخص بھی میرا کہ نہیں بگاڑ سکتا جس کی پشت پناہی تمہیں حاصل ہے اور جس کی وجہ سے تم اتنے اچھے ہو۔"
"مجھے کسی کی پشت پناہی حاصل نہیں۔"
"فی الحال تم اس سے انکار کر لو لیکن میں تم سے اس کا اقرار کرانے کے لیے رہوں گی۔"
گڈو مجھ کو تار تار دیکھتا رہا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کنجنا چاہیے۔
"ابریز نے اس دوران میں بالکل خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔
"ابھی اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا اس نے بس ایک آدھ مرتبہ ہنسی سی نظر ڈالی تھی۔"
"چلتا تو اب میں چلتی ہوں۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"بہت تمہیں نصیحتیں ہو جائے کہ تمہارا پاس بھی میرا کہ نہیں بگاڑ سکتا۔
"زیر تم مجھ سے مخالفت کر لینا اگر تم اس غیبت کا آواز کار بننے کی بجائے میرے سامنے بن جاؤ تو زیادہ فائدے میں رہو گے۔"
"آپ اس کمرے سے جا رہی ہیں یا قمار خانے سے؟"
"فی الحال تو میں قمار خانے ہی سے جا رہی ہوں تم اپنے دوستوں کو سمجھا دو کہ بے ایمانی کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ میں دوبارہ کسی وقت یہاں آؤں گی تاکہ میں نے اس سلسلے کو جاری دیکھا تو پھر اس ہال کی تباہی کے ذمے ورتہ خود ہو گے۔"
گڈو کے ہونٹ کھلے اور بند ہو گئے۔ وہ نہ جانے کیا کہتے کہتے لپک گیا تھا۔
"آؤ ابریز!" میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔
"ایک طرف سے بلے پر چر میں نے پہلے تو شیشی کی تلاش کی اور پھر اُدھر ایک نظر ڈالی اور پھر چونک کر ابریز سے بولی: "اسے ان تو بانی کار میں ہو گے! میں شیشی دیکھ رہی تھی۔"
"میں سمجھا آپ کہ اب وہ تلاش کر رہی ہیں۔ یہی گاڑی اُدھر کھڑی ہے۔" ابریز نے ایک طرف اشارہ کیا۔
"ہم اس طرف بڑھے۔ میں ابریز سے کئی باتیں کرنے کیلئے چلیں مگر میں نے اس وقت تک ٹھہر کے کام لیا، جب تک ہم کار

میں نہیں بیٹھ گئے۔ ابریز نے اپنی اشارت کیا اور بولا: "کمال جیوں برس رو۔"
"کار حرکت میں آگئی۔"
"تم اس قمار خانے میں کہاں سے آئے؟" میں نے اپنے پیچھے سر جھکاتے ہوئے سوالوں میں سے پہلا سوال: "زبان آتش کیا۔"
"آپ کے پیچھے پیچھے؟" ابریز نے بول دیا۔
"تو تم میرے تعاقب میں تھے؟"
"جی ہاں۔"
"مگر کیوں؟"
"بس جب آپ کو دیکھنے کے لیے دل چلتا ہے تو میں لیا ہوا کرتا ہوں لیکن آپ کو اس کا پتا نہیں چلنے دیتا کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ بس چپ چاپ خاموشی سے آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور چلا جاتا ہوں۔" ابریز نے جھانکنا بات: "ابریز جیسے سے انداز میں مسکرایا۔
"مجھے دیکھ کر تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟"
"سکون۔"
"گو یا میں کوئی مسکندہ ہوں؟" میں مسکرائی۔
"مسکندہ دو تو میں نہیں کہوں گا لیکن میرے لیے میسا فزوریہ یہ اور بات ہے کہ آپ کو اپنی میسائی کا اندازہ نہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے جو سکون ملتا ہے اس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتیں اور آپ سے باتیں کر کے مجھے جو آسودگی حاصل ہوتی ہے اس کا انکار کرنے کے لیے تو میرے پاس الفاظ نہیں۔"
"تمہارا یہ کیس میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" میں نے ٹھنڈا سا لہجہ لے کر کہا۔
"آپ ہی کیا، خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔
"کبھی کبھی میں نے یوں بھی سوچا ہے کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔"
"میں تم پاگل نہیں ہوں۔"
"آپ کی زبان سے یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مجھے پاگل یا بے وقوف ہی سمجھتی ہوں گی۔" ابریز نے ہنسی سے کہا۔
"میں چند لمبے خاموش رہ کر بولی: "میں اپنے اس جذبے کو کیا نام دیتے ہو؟"
"چیلے تو میں اسے صرف محبت سمجھتا تھا۔"
"اور اب؟"
"اب؟" ابریز نے ہچکچاتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے کہ یہ شاید عشق ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔"

میں کچھ ٹک کر بولی و تمہاری کیا حالت ہوگی اگر اچانک میں
یکہ دول کر میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں؟
"میں فوراً انکار کر دوں گا"
"کیا؟" میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"جی ہاں۔ میں انکار کر دوں گا"
"مگر... مگر... کیوں؟"

"اس کی کسی وجہ نہیں۔ میری اور آپ کی عمریں بہت
تفاوت ہے۔ میں دنیا کی نظر میں آپ کو تماشا نہیں بنانا چاہتا اور
نہ خود تماشا بنانا چاہتا ہوں۔ دوسرے میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ کس
کی موت کا دوسرا نام شادی ہے؟
"مائی گاڈ! میرے منہ سے نکلا! تمہاری اور میری کی موت تو
بالکل یکساں ہے۔ اگر تم میری بجائے اس کی طرف توجہ دے گئے
ہو تو خوب گزر جاتی۔"
"مجھے نہیں معلوم کسی اور کے ساتھ میری کسی گزرتی لیکن
اب مجھے بڑے عسوس ہو رہا ہے کہ اگر آپ بھی مجھ سے دور ہو گئیں
تو آپ کے بارے میں سوچ بچار کیسے کرے دماغ کی شریانیں چھٹ
جائیں گی؟"

"اچھا چھوڑو اس موضوع پر ہم پھر کسی وقت اطمینان سے
گفتگو کریں گے۔ لیکن اچانک کچھ کام کی باتیں ہو جائیں تو میرے
ابریز چپ رہا۔ غالباً وہ میری اگلی بات کا منتظر تھا۔
میں نے پوچھا: تمہارے خیال میں تمہارے پاس پستول کہاں سے
آگیا؟"

"میری جیب میں تھا"
"لیکن کیوں تھا؟ تم تو مجھ دیکھنے کے لیے میرے پیچھے لگ
ہوئے تھے؟"

"ہاں لیکن مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کچھ ایسے خطرات
سے کھیل رہی ہیں جو میرے لیے اچانے ہیں۔ ایک مرتبہ میرے
سامنے آپ پر قاتلانہ حمل ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی ایسی
باتیں میرے سامنے ہیں آئی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ
کسی وقت بھی کسی بڑے خطرے سے دوچار ہو سکتی ہیں۔ اس
وقت آپ کی اور تمہارے خاندان کے ہالک کی باتوں سے بھی میرے اس
اندازے کی تصدیق ہو گئی کہ آپ نے خود کو کسی خطرناک معاملے میں
پھنسا رکھا ہے یا حالات کے تحت چھپن لگی ہیں۔ ہر دو صورتوں
میں خطرات آپ کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔"

"اور تم مجھے ان خطرات سے بچانے رکھنا چاہتے ہو؟"
مسکرائی۔
"مگر ان کمزور کوششوں کو ترک کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیا تمہارے ذہن میں کبھی اس شبیہ نے بھی سر اٹھایا؟"
"میں کسی بڑے خطرے سے متعلق ہو سکتی ہوں؟"
"یہ شبیہ مجھے نہیں ہٹیں ہوا؟"
"کیوں؟"

"میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بس یوں کچھ لکھ لکھ
آپ کے بارے میں کوئی غلط بات کبھی سوچ ہی نہیں سکتا۔ ہاں اس
میرے ذہن میں ایک خیال ضرور ابھر رہا ہے۔"
"وہ کیا؟"
"کہ شاید آپ حکومت کے کسی ایسے شعبے سے تعلق رکھتی
جس کا تعدادم ہرگز پیشہ افراد سے ہوتا رہتا ہے۔"
"اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں کسی بھی سرکاری
ملازمت میں نہیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو مجھ پر وہ حالات سے بچنا
پارے بہت آسان بات ہوتی۔"

"موجودہ حالات؟"
"میں کسی وقت اس کے بارے میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گی
لیکن ہے تم میرے کچھ کام آسکو۔ لیکن خیال ہے کہ میں تم پر کامل
کر سکتی ہوں؟"
"اس اعتبار کا شکریہ۔ میں ایک بات کہوں؟"
"کہو؟"

"آج آپ سے باتیں کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔"
"کیوں؟"
"آپ نے ایک بار بھی میرا مذاق نہیں اڑایا۔"
"ہوں؟" میں مسکرائی پھر میں نے ایک طویل سانس لیا اور
شاید کچھ کہتے کہتے کہیں گئی کیونکہ ابریز نے کارروک دی تھی۔ وہ
کافلیٹ آچکا تھا۔ میں نے ابریز سے کہا: کل کسی وقت میں تم سے
تفصیلی ملاقات کروں گی۔"

"نہیں نصیب۔"
"میں دروازہ کھول کر اترنے لگی اور دیکھ کر فم ٹک کر بولی
"اچھا اب تم اپنا خیال رکھنا۔"
"کیا مطلب؟"
"جو لوگ مجھ سے قریب ہو جاتے ہیں انہیں بھی دیکھنے کی نظر

"دچار ہونا پڑتا ہے جن سے میں ہوتی ہوں۔"
"آپ میری طرف سے فکر مند نہ ہوں۔ اگر میں اس دنیا میں
نہ ہوتا تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ابریز کے لیے یہ ایسا ہی ٹک
تھی۔
"میں نے اس گفتگو کو طویل کرنا بے کار سمجھا اور صرف اتنا کہنا
پڑا: "میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔ اسے میری خواہش سمجھو۔"
"شاید آج میرا ستارہ بہت عروج پر ہے۔ ابریز مسکرایا۔
"کیا مطلب؟"

"آپ کے منہ سے ایسے جملے سننے کو دل ہے میں کہ میرے خون کی
میں تیز جوتی جا رہی ہے۔ اگر آپ مجھ سے ایسی ہی باتیں کر لیں
اور ایک بار پھر مجھ میں زندہ رہنے کی شگ پیدا ہو جائے؟
میں نے ہنس کر اسے خدا حافظ کہا اور کار سے اتر کر دروازہ
کریڈ پھر میں ملنگ کے گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی اور ابریز
کا رخ بڑھانے لگا تھا۔

"خلیت میں پہنچ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور دھیر دھیر
کئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی میں نے پلازینا پلیر اٹھایا اور رات
کے میں بولی: "ہیلو!"
"میرا اندازہ نہیں تھا کہ تم خلیت پہنچ چکی ہوگی۔ یہ خان آف
اور گٹ کی آواز تھی جسے میں نے میری پیشانی پر کھینکی دیکھیں
کہ میں بولی نہیں تھی اس لیے تو فون ہوتے ہی دوسری طرف سے
"اگلا! ہیلو!"

"کیا بات ہے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔
"مگر وہ تو تمہارے میں ہنگامے کرنے سے تمہیں کچھ حاصل
ہیں ہوگا؟"
"صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے تم نے؟"
"نہیں وہ دوسری بات ہے۔"

"جلدی سے کہہ دو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"
"میں ماہ پارہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟"
"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"
"تم نے اسے کہاں پھنسا یا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم اسے خلیت
میں پھنسا نہیں سکتیں اور اسے اپنے گھر پر اس لیے نہیں چھوڑ دی کہ
ابھی میرے علم میں ہے اور تم اس کی حفاظت کے لیے وہاں نہیں جاتے۔
خان آف کالوٹ کی غلط فہمی پر میں زیر لب مسکرائی۔
وہ بولتا رہا: "تم نے اسے ایسی جگہ پھنسا یا ہوگا جو میرے

"علم میں نہ ہو؟"
"تو پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں آسانی سے اس کے بارے
میں بتا دوں گی؟"
"آسانی سے تو نہیں بتاؤ گی، تو میں جانتا ہوں۔"

"تو پھر اس موضوع پر گفتگو کرنے سے ناگوار؟"
"اگر تم نے ماہ پارہ کو میرے خوالے میں کیا تو کل کسی وقت اس
کے باپ پر دھیر مٹا کر اس کی لاش تمہارے گھر کے دروازے پر
پڑی ہوگی؟"
"یہ ایک احمقانہ دھمکی ہے خان خاناں! میں نے جیسے ہوئے لہجے
میں کہا: "تم اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے کہ پروفیسر کو اس طرح خائن
کر دو۔ تم نے اسے اٹھایا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی خاص مقصد
ہوگا۔"

"بھئی بات ہے؟" خان میرے جواب پر شاید پتہ چلا کہ تو پھر کل
نیک انتظار کر دو۔
"کل کیا ہو جائے گا؟" میں معنی اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔
"کل تک میں اس تہاں ہو جائی گا کہ تم سے بہ آسانی سوئے بازی
ہو سکے۔"

"سودے بازی؟"
"خان آف کالوٹ نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور
میں دھیر دھیر ہاتھ میں تھامے ہوئے ٹکڑے سے ہاتھ میں کی طرف دیکھتی
رہی۔ یہ میری مجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ ایک خان آف کالوٹ کسی
قسم کی سوئے بازی کرنے کی پوزیشن میں آسکتا ہے؟
دھیر دھیر کو کر لیں پر رکھ کر بھی میں اسی الجھن میں گرفتار رہی اور
بستر پر لیٹ کر اس کے بارے میں غور کرتی رہی۔ بار بار صرف
ایک ہی خیال میرے ذہن میں آ رہا تھا کہ خان آف کالوٹ میرے
کسی قریبی ساتھی کو اڑانے کی کوشش کرے گا تا کہ اس سے وہ پارہ
کا تار در کر سکے۔ میرے اتنے قریبی ساتھی صرف دونوں اور دینے ہی
تھے اور اب شاید ابریز بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ دینے در دونوں پر
بٹھ کر ڈانٹا تو خان آف کالوٹ کے لیے کچھ آسان بات نہ ہوتی لیکن
ابریز کو وہ بڑی آسانی سے اٹھا کر اسکا تھا۔

"میں نے ٹیلیفون اٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگی
اس سلسلے میں دونوں سے بھی مشورہ کر لینا چاہتی تھی۔ لائن ملنے
پر مجھے دوسری طرف سے دھونان کی آواز سنائی دی۔
"میں نے ماؤتھ پیس میں کہا: میں باؤنول رہی ہوں۔"
"بولتی رہیے! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

• بخیدگی سے سنو! ابھی خان آت کلا گوٹ نے مجھے خون کیا تھا۔
 • اوہ! کیوں! " رمضان فوراً سبز ہو گیا۔
 میں نے اسے دو پوری گفتگو بتائی جو خان آت کلا گوٹ سے ہوئی تھی۔ رمضان وہ سب کچھ سن کر ذری طور پر کچھ نہیں بولا۔
 دل سے توقف کے بعد اس نے کہا: "گویا مجھے پوری طرح پختہ رہنے کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ماہ بارہ کے سلسلے میں تباہی کا مال حاصل کرنا چاہیے گا۔
 " ضرورت تمہیں بلکہ میں ابریز کو بھی ہوشیار کرنے کے واسے میں سونپ رہی ہوں۔
 یہی خان آت کلا گوٹ ابریز کو اتنا اہم سمجھ سکتا ہے کہ آپ اس کے عوض ماہ بارہ کو آزاد کریں؟
 " بعض وجوہ کی بنا پر خان یہ سمجھ سکتا ہے۔
 " بعض وجوہ؟ آپ ابریز کی طرف کچھ ملاحظہ ہوگی ہیں؟
 دیئے وہ لڑکا ہے خاصا چونا۔
 " کیا ہنگ ہے جو؟
 " میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آخر آپ کا دل پیچ ہی گیا؟
 " کیوں نہ کر؟ میں نے یہ خدا کرنا چاہا تھا کہ اسے دانتے کی بنا پر لیا گیا تھا۔ آج میں لگدو کے تھماؤں میں بھی گئی تھی اور وہاں ایک چھوٹے سے بچے میں ابریز میں دخل اندازی کر رہا تھا۔
 " اوہ! وہ کیا معاملہ ہے؟ " رمضان نے چونک کر پوچھا۔ ذرا تفصیل سے بتائیے۔
 " جوا میں نے تفصیل سے سارا واقعہ بتا دیا۔ سب کچھ سننے کے بعد رمضان نے ایک طویل سانس لیا اور پھر کہا: " ابریز کی طرف سے کسی تشویش تو اب واقعی حق بجانب ہے لیکن یہ بات بھی طے ہوئی کہ یہ لڑکا ابریز آپ کی خاطر اپنی جان بھریختے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کا دل پسج ہی جاتا چاہیے۔
 " کیا مطلب؟
 " آپ بہت سے مردوں کے دل توڑ رہی ہیں اب اس بے چارے پر تو رحم کر ہی ڈالیے گا۔
 " میں نے یہ بکواس سننے کے لیے تمہیں فون نہیں کیا ہے۔
 " میں خانا۔
 " پھر کیا سننے کے لیے فون کیا ہے؟ راگ درہلری؟

• میں تمہیں بس چرنا کرنا چاہتی تھی۔
 " میں چونکا ہو گیا، آپ نگر کریں۔ اب یہ وہ تجربہ کار کا مضمون آپ کے نقش میں گرفتار ہو۔
 مصیبت کر رہا ہے۔
 " اب میں اسی کو فون کر دوں گی۔
 " ایک اطلاع بھی سن لیجیے۔
 " کیسی اطلاع؟
 " رضیہ نے آپ کو فون کیا تھا لیکن جب آپ نہیں ملے ہنگ کیا۔
 " تمہیں تو وہ رنگ کرتی ہی رہتی ہوگی۔
 " لیکن اس وقت موت اس لیے ہنگ کیا تھا کہ آپ پہنچا دوں کہ شام ایک فیصلہ خان دلائم آیا ہے۔
 " کلا گوٹ کا کہاں ہے؟
 " فیصلہ خان دلائم آیا ہے۔
 " مصلح اس لیے کہ وہ ایک فیصلہ ہے۔
 " ہوں! دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے رضیہ کی حفاظت کے سلسلے میں کیا کیا؟ تم نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھا گے۔
 " ابھی تک میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکا ہوں لیکن میں نے ایک کو ایک بات کی سیکرہ ضرور کر دی تھی۔
 " کس بات کی؟
 " یہ کہ وہ مجھے ہر گھنٹے بعد فون کرتے رہے مگر کبھی اس کا فون نہیں آیا تو میں سمجھ لوں گا کہ وہ کسی پکڑ میں پھنس گئی ہے۔ اس طرح تک ہر وقت حرکت میں آسکوں گا۔
 " ٹھیک ہے۔
 " کیا اس کا امکان نہیں کہ خان آت کلا گوٹ نے رضیہ کو پھانسی لیا ہو اور وہ اسی پر ہاتھ ڈال کر ماہ بارہ کا تدارک پائیے؟
 " میں اس امکان کو بیکسر نظر انداز نہیں کرتی لیکن اگر اسے ضرور جانتی ہوں کہ رضیہ کوئی ترنوال نہیں ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا خان کے لیے کوئی آسان بات نہیں ہوگی۔
 " تہرمل ہیں اس کی طرف سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔
 " اس کی طرف سے باخبر رہنے کے لیے میں نے تمہارا فون ڈیوٹی لگا تو دی ہے۔ میں نے ہنس کر کہا اور مسلح قطع کر دیا۔
 " اس کے بعد میں نے ابریز کو فون کیا۔ میری آواز سن کر وہ اس میں تھیں جس سے اسے دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ وہ بولا کیے لیا آپ نے؟ اس کے لیے سے مستر تھی پڑی تھی۔
 " ابریز میں بخیدگی سے بولی۔ آج تم نے جو کچھ کیا، اچھا نہیں ہے۔
 " مجھے سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معافی کا خواست گزاروں۔
 " مجھے میری غلطی سے آگاہ ضرور کر دیجیے۔
 " تمہیں قمار خانے میں پستول میں نکالنا چاہیے تھا۔
 " یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ آپ پر پستول پڑتے اور میں کشائی دیتا۔
 " میں ہر قسم کی صورت حال سے بچنے کے لیے تیار نہ ہوتی تو میں اس پتھر پھینکا کہ آغا ز ہی نہیں کیا ہوتا۔ یہ تو کچھ ہو گیا، وہ ہو گیا۔
 " کلمہ ذرا بڑھتا رہنا۔
 " کیا مطلب؟
 " وہ لوگ تم پر وار کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔
 " اوہ! دیکھا جائے گا۔
 " جوائی کے ہوش میں۔ آؤ! احتیاطاً ہر حال اچھی چیز ہوتی ہے۔
 " اب آپ ہی یہ کہہ رہی ہیں تو میں محتاط رہوں گا۔
 " ہاں۔ میں یہی چاہتی ہوں کہ تم دو ایک دن ذرا محتاط رہنا۔
 " میری خاطر آپ کی یہ فکر مندی میرے لیے باعث مرثیہ ہے۔
 " میں نے اس دو شاک موٹر پر گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا اور مسلح قطع کر دیا۔ آخر میں میں نے موت " شب بخیر " کہا تھا۔
 " پھر حالات کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے کرتے کسی وقت مجھے فینڈا لگی اور صبح تک میری فینڈ میں کوئی غلطی نہیں پڑا۔ اسکی دوفر سے فائنڈ ہونے کے بعد میں نے ناشتہ کیا اور ریشا ڈکس کا رطب دھار لیا۔ آج چھٹی کا دن تھا اس لیے یہ بات سن کر میں بھی کڑی زبان سے دھمک پڑتی۔
 " دس بجے تھے جب میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔
 " باجی! رضیہ نے کہا: میرے پاس ایک سنسنی خیز اطلاع ہے آپ کے لیے۔
 " یہ فقرہ فضا پریشان کن تھا لیکن رضیہ کے لیے میں ہوسکون تھا اس کے باعث میں بھی پرسکون رہی اور میں نے کہا: وہ کیا اطلاع ہے؟
 " رمضان سے آپ کو خان آت کلا گوٹ کے غیر ملکی مہمان کے

باسے میں تو اطلاع مل ہی گئی ہوگی۔
 " ہاں! اس نے مجھے بتا دیا تھا۔
 " اب آپ کے لیے سنسنی خیز اطلاع یہ ہے کہ رات کو ڈھائی بجے خان آت کلا گوٹ اسے اپنے ساتھ پہلی کوپٹر میں کہیں لے گیا تھا۔
 " پہلی کوپٹر میں؟ میں پوچھی۔
 " جی ہاں۔ غالباً آپ کو اس کا علم نہیں کہ خان آت کلا گوٹ کے پاس ایک پہلی کوپٹر بھی ہے۔
 " مجھے واقعی اس کا علم نہیں۔ تم نے ایک نئی اطلاع دی ہے۔
 " اس پہلی کوپٹر کو کھڑا کرنے کے لیے خان دلا کے پائیں باغ میں ایک جگہ لگائی گئی ہے۔
 " کیا خان آت کلا گوٹ اس پہلی کوپٹر کو خود اڑا کر لے گیا تھا؟
 " جی نہیں۔ خان آت کلا گوٹ کا ایک گونگا بیٹہ جاب سے خان نے شاید اپنے ہی مطلب کے لیے نواب زری کی تسلیم دلائی ہے۔ اس کا نام عارف ہے اور وہی اس پہلی کوپٹر کو اڑا کر لے جاتا ہے۔
 " ہوں! میں پرنفک انداز میں بولی پھر کل رات وہ پہلی کوپٹر واپس کب آیا تھا؟
 " پانچ بجے کے قریب۔
 " گویا کوئی ڈھائی گھنٹے بعد۔
 " جی ہاں۔
 " وہ نیز ملکی خان آت کلا گوٹ کے ساتھ ہی واپس گیا تھا؟
 " جی ہاں۔
 " تمہیں اس کا نام نہیں معلوم؟
 " پورا نام تو نہیں معلوم۔ رضیہ نے کہا: خان آت کلا گوٹ اسے سٹراب کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔
 " سٹراب؟ میں نے زیر لب کہا۔
 " جی ہاں۔
 " وہ اب بھی خان دلا میں ہے؟
 " جی ہاں۔
 " تمہیں کچھ اندازہ ہو کہ خان دلا میں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے اور خان اسے پہلی کوپٹر میں کہاں لے گیا تھا؟
 " میں! میں! اسکی دونوں ہی باتوں کے واسے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔
 " پتا لگانے کی کوشش کرو۔

جواب میں رضیہ نے کچھ کہا تھا لیکن میں سن نہیں سکی کیونکہ اچانک سچ اٹھنے والی کال بیل نے مجھے جھوٹکا دیا تھا۔
 "تھوڑا سا رخصت ہو کر نکلتی تھی۔ میں نے دوسری اطلاع کا انتظار کر دیا۔" میں نے جلدی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر کے دروازے کی طرف بڑھی۔ کون ہو سکتا ہے؟ میں سوج رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے کال بیل کا بزن دبانے والے سے پوچھا: "کون ہے؟"
 "میں زریں ہوں میڈم! باہر سے آواز آئی۔"
 "اوہ!" میں نے دروازہ کھول دیا۔
 "زریں سکرانی ہوئی اندرائی ادیس نے دروازہ بند کر پھل دیا۔"
 "نہیں! اس گھر کی چھوٹی ہوں۔ آپ کی خواہش جو بھی کریں تمنا آؤں!" وہ معنی نیر انداز میں سکرانی۔
 "ہوں! بلکہ! میں بھی سکرانی ہوں اس کے گٹھے میں ہاتھ ڈال کر اس کے عارض پر اپنے جذبے کا اظہار کر بیٹھی پھر اسے خواب گاہ میں لے گئی اور بس توڑ پھوٹا ہوئی ہنس کر بولی: "اب تم کوگی نہیں تھیں وہی مخصوص اور سچ اسکاوش بٹاؤں!"
 "یہ فراموش تو نہیں ہمیشہ کیا کر دلی!"
 "تو بیٹھو! میں ابھی لاتی ہوں تاکہ!"
 "میں بھی آپ کا ایک کام کر کے لاتی ہوں!"
 "کون سا کام؟"
 "آپ نے کہا تھا کہ آپ کو ڈیڑی کے ہاتھ کا عکس چاہیے!"
 "میں تو ڈیڑی کے لے کر آئی ہوں!"
 "وہ کیسے؟ میں نے چونک کر پوچھا۔
 "میں نے کل رات خود ان کے ہاتھوں کے فوٹو لیے تھے اپنے کمرے سے!"
 "کیسے ممکن ہوا؟" میں اور سچ اسکاوش "بھول کر زریں کے قریب بیٹھ گئی۔
 "بہت آسانی سے!" زریں سکرانی: "دراصل رات کو ڈیڑی سونے سے پہلے دودھ کا ایک گلاس مزدور پیتے ہیں۔ برسوں پہلے جب میں چھوٹی سی تھی تو میں نے جنڈکی تھی کو ڈیڑی کو دودھ کا گلاس خود پی کر دیا۔ اس وقت میری یہ چند پوری کر دی گئی اور پھر میری یہ فوٹو بن کر رہ گئی۔ بچپن سے آج تک! دودھ کا گلاس میں ہی ان کے کمرے میں پہنچائی ہوں۔ جو میں گھنٹوں میں یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ڈیڑی میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش

آتے ہیں چنانچہ کل رات میں نے ان کی اس شفقت سے "وہ کس طرح؟"
 "جب میں دودھ کے گلاس کے کمرے میں گئی تو میں نے اپنا کمرہ بھی لٹکا رکھا تھا۔ جب انھوں نے اس کے کمرے میں نے کہا میرا ہی چاہ رہا ہے کہ آج آپ کی کچھ تصویریں میری بات میں کر دے ہنس دینے اور تصویریں کھینچنے پر انھوں نے ان کی کئی تصویریں بنائیں اور پھر اس خواہش کا اظہار کر میں ان کے ہاتھ کی بھی کچھ تصویریں بناؤں گی۔ انھوں نے سے پوچھا: "وہ کس لیے؟ میں نے کہا کہ آپ کے ہاتھ بہت خوب ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ ہنس گئے اور پھر میرے گال پر ہاتھ لگا کر بولنے لگیں: "میں کتنی کر میرے ہاتھ اچھے، ان کے فوٹو کرنا تو درست کو دھکے کی! ان کی اس بات پر میں حینیب گئی کیونکہ میں نے میرے دل کا پورا پورا خیال انھوں نے اپنے اپنے فوٹو کرنا دیکھنا ہے۔ یہ بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا چنانچہ میں نے وقت وہ فوٹو کرنا لے کر آئی ہوں!"
 "آئی جلدی تو دلچسپ کیسے ہو گئے؟" میں نے تعجب سے کہا۔
 "میں نے خود تو دلچسپ کیسے ہیں۔ گھر میں میرا ذاتی ڈاکٹر ہے مجھے فوٹو گرانی کا شوق، جنوں کی حد تک ہے میڈم!"
 "زریں نے اپنا بڑا کھولا اور اس میں سے ایک افادہ کر میری طرف بٹھا دیا۔ میں نے لفاظی سے کہا: "میں بیل ہوں اور کھڑی ہوتی ہوں بولی: "میں تمھارے لیے اور سچ اسکاوش کا "بالکل بنالائے میں نے خواہ خواہ دہر کر دی!"
 "میں ہنسنے لگی ہوں لیکن کھل چلی گئی۔
 "کچھ دیر بعد جب ہم اور سچ اسکاوش کے گلاس بنی رہے تھے زریں بولی: "رات کو جب میں نے فوٹو ڈیڑی کے ساتھ وہ میرے ساتھ ڈاکٹر دم میں تھی۔ رات کو ہم دونوں نے بہت سی خواب گاہ کا رخ کیا تھا!"
 "اب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ رضیہ نے ڈھائی بجے ہاتھ کیسے دیکھ لیا تھا جب کہ اتنی رات گئے اسے خواب خرگوش میں ہونا چاہیے۔
 "نادرہ یہ فوٹو دیکھ کر ہے! زریں نے بتایا: "میں نے اس کی اس کی رائے پوچھی تھی لیکن وہ کہنے لگی: "اس سلسلے میں میرا ہی سے بات کرنا!"
 "ہوں! میں نے سنا ڈیڑی سے لفاظی اٹھا کر اس میں سے فوٹو کرنا نکال لیے۔ بلاشبہ وہ بڑے صاف فوٹو کرنا تھے جن سے

زریں کی مہارت کا پتا چلتا تھا۔ ہاتھوں کی کیڑوں بالکل صاف نظر آرہی تھیں۔ ان کی دلی سے مجھے بتایا کہ وہ ایک شاعر اور شاعرانہ آدمی کی گمان بیان کر رہی ہیں۔ میں خاموشی سے ان کی کھیل کو پرکھتی رہی۔
 "آخر زریں نے صاف ہو سکا اور وہ بولی: "اب بتائیے چلیں!"
 "آں! میں خیالات سے چونک کر اس کی طرف نہ کھنکھتی۔
 "بتائیے!" وہ بولی: "کیا یہ ہاتھ کسی ایسے آدمی کے ہو سکتے ہیں جو کبھی میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے؟"
 "مجھے انوس ہے کہ میں تمھارے اس سوال کا جواب اثبات میں دے دوں گی!"
 "کیا! زریں اچھل پڑی۔ اس وقت اس کا گلاس ساڈیٹیل پر رکھا ہوا۔ ہونا تو یقیناً اس کے ہاتھ سے گر جاتا۔
 "ہاں زریں!" میں نے ٹھنڈا سا سنسنے لے کر کہا: "یہ وہ شخص ہے جو تمھارے مستقبل پر اثر انداز ہو گا!"
 "آخر کیسے؟" زریں نے پوچھا۔
 "ایسے کس۔۔۔ میں بولتے بولتے "اسٹاپ پب ہو گئی۔
 "ہاں ہاں! کیسے! زریں کی بے تابی بڑھی۔
 "خدا کی قسم میری باتوں پر یقین نہ آئے!"
 "میں تو آپ کی اس بات پر بھی یقین کر چکی ہوں جو ابھی آپ نے کہی ہے! زریں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
 "اگر تمھیں میری اس بات پر یقین آ گیا ہے تو پھر اس بات پر بھی یقین کر لو کہ تمھارے والد ایسے کردار کے آدمی نہیں ہیں!"
 "زریں اس طرح میرا منہ مٹھنے لگی جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔
 "میں زور سے کر بولی: "وہ کئی اعتبار سے ایک بڑے آدمی ہیں!"
 "کس اعتبار سے میڈم؟" زریں نے منہ میں آواز میں پوچھا۔
 "تو اپنے ڈیڑی کو بہت اچھا آدمی سمجھتی ہوں!"
 "میں بھی سمجھتی ہوں! آدمی سمجھتی ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایک دن آئے گا جب ان کی وہ سب برائیاں لوگوں کے سامنے آجائیں گی اور تم اس میں شرم محسوس کر دلی کر تم خان آگ کا گوشت کی بیٹی ہو!"
 "کاش میں وہ دن آنے سے پہلے ہی مر جاؤں!"
 "نہیں! میں نے اسے اپنی انگوٹھ میں پیٹتے ہوئے کہا: "تم

زندہ رہو گی! میں نے ان کی دلی میں ایک کیڑی سی دیکھی ہے کہ میں زیادہ متفکر نہیں ہوں!"
 "کون کی کیڑی؟"
 "ایک کیڑی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کی جانے تو اپنے دلے بڑے وقت سے بچا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلے میں میں نہیں بہت کچھ کرنا ہو گا!"
 "میں اس کے لیے اپنی جان پر بھی کھینے کو تیار ہوں!"
 "جان پر کھینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی جان! میں نے اسے بار بار کرتے ہوئے کہا۔
 "آخر کچھ بتائیے تو کسی کو مجھے کیا کرنا ہو گا؟"
 "دراصل سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تمھارے والد کس قسم کی برائیوں میں ملوث ہیں!"
 "کیڑوں سے اس کا پتا نہیں چلتا!"
 "نہیں! میں نے جواب دیا: "کیڑوں کی زبان بہت مبہم ہوتی ہے۔ ان کیڑوں میں زندگی کا ہر واقعہ درج نہیں ہوتا!"
 "زیادہ پریشان نہ ہو۔ وہ سب کچھ تم بہت آسانی سے کر لو گی جو میں تمھیں بتاؤں گی! بس ایک ڈرا سکون سے غور کرو! آگ کا گلاس سکون سے میری جوتہ دیتی، وہ زریں نے بھی سمجھ لی اور پھر ہم نے ایک گھنٹہ بڑے سکون سے گزار دیا۔
 "میرا خیال تھا کہ زریں اب پوری طرح میری گرفت میں ہے اور میں اسے پوری آسانی سے خان آگ کا لاگوٹ کے خلاف استعمال کر سکوں گی۔
 "تم سب سے پہلے تو اس کا۔۔۔" میں نے زریں سے کہا: "گھر جا کر نادرہ کو میرے پاس بیٹھ دو۔ میں نادرہ کو سمجھا دوں گی کہ ان حالات میں کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ جیسے کہ تم اس پر عمل کرتی رہو۔ میں پوری کوشش کر دلی کہ تمھارے والد کو ان غلطیوں سے نکال لوں تو تمھارے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!"
 "کاش ان غلطیوں کا علم ہو سکتا کہ میں میرے والد چھنے ہوئے ہیں! زریں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
 "گھر نہ کر! وہ سب معلوم ہو جائے گا! میں نے اس کا ہاتھ چپک کر اسے تسلی دی وہ اس معاملے کو ادھوا رہی تھی۔ میرے فقرے میں جو عزم پر مشتمل تھا اسے زریں نہیں سمجھ سکتی تھی۔
 "میڈم! میں نے جیسے جیسے میں کہا: "آپ کی بات ہے کہ میں نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر آپ کی جگہ اور کوئی یہ بات کہتا تو میں

اس سے جھگڑا بیٹھتی۔
 "مگر ان باتوں کی بھٹک بھی تھا ہے والد کے انہوں میں نہیں
 پڑنا چاہیے۔ انہیں تنہا رہنے سے بھی کسی قسم کا شبہ ہوگی تو
 بات بگڑ جائے گی۔"
 "آپ اطمینان رکھیں مجھ سے یہ بے وقوفی سرزد نہیں ہوگی۔"
 "میرا خیال ہے کہ اب تمہیں جانا چاہیے۔ خاصی دیر ہو گئی ہے۔"
 "زیریں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی ہیں لیکن چھوٹے کے لیے
 دوڑنے تک کئی ماں نے کہا تو میں ناؤ کو بیچ دوں؟"
 "ہاں۔"
 اسے رخصت کرنے کے بعد میں موٹے پٹیٹی سوئیچ دی کہ ابھی
 تک تو صورت حال اس طرح میرے قابو میں ہے جس طرح میں چاہتی
 تھی۔ زیریں کو میں نے اپنی سختی میں لے لیا تھا اور اب رضیہ کے
 ذیل سے اس سے بہت کچھ کام لے سکتی تھی۔
 کچھ دیر بعد رضیہ نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا: زیریں
 بتا رہی تھی کہ آپ نے مجھے بلایا ہے۔"
 "ہاں کیا تم فون والا سے بول رہی ہو؟"
 "جی نہیں۔ وہاں سے تو جیل پڑی ہوں۔ راستے میں خیال آیا
 کہ آپ سے فون پر رابطہ قائم کروں۔ زیریں نے مجھے یہیں بتایا تھا
 کہ آپ نے مجھ سے ملنے وقت بلایا ہے۔"
 "چلو چھا ہو کہ تم نے فون کر لیا۔ اب تم گھر پہنچو، میں وہیں آ
 رہی ہوں۔"
 "وٹیفنس؟"
 "ہاں۔"
 "ادو کے باجی۔"
 میں نے سلسلہ منقطع کیا اور فلیٹ سے نکل آئی میں نے رضیہ
 سے گفتگو کرنے کے لیے اپنے گھر کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ وہاں
 گفتگو میں رضوان بھی شریک ہو جاتا۔ بعض اوقات وہ جھوٹک
 میں بڑے پتے کی بات کر جاتا تھا۔
 فلیٹ سے نکل کر مجھے خیال آیا تو میں دوبارہ فلیٹ میں
 داخل ہوئی۔ اب زیریں سے ملاقات کا امکان نہیں رہا تھا اس
 لیے میں نے رٹنا کو گھن دالا ہر وہ پتہ ختم کیا اور اس کے بعد پھر فلیٹ
 سے نکل آئی۔ میں نے ایک ٹیکسی کی اور وٹیفنس کی طرف روانہ
 ہو گئی۔
 جب میں گھر پہنچی تو رضیہ وہاں موجود تھی۔ ایک ڈکس بیگ

کو میں نے پورے صبح میں کھڑا دیکھا اور سمجھ گئی کہ یہ وہی کام ہے۔
 "زیریں نے رضیہ کے لیے وقت کر دی ہے۔"
 رضوان اور رضیہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کھڑے تھے۔
 "سنیے خاتون! رضوان مجھے دیکھتے ہیں غریب یا آپ کو؟"
 کا بندوبست کر لیں۔ میں اب زیادہ دن تک یہاں قید نہیں رہ
 "اگتے گئے؟" میں مسکراتے ہوئے حال حال ہوا دیکھی تو پوچھا
 "اور میری زندگی کے لیے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔"
 "کیوں؟"
 "وہ کہتی ہے کہ میں ہر وقت اس کے ساتھ نہ خانے نہ
 رہا کروں۔"
 "تو ہاں کروں میں منع تو نہیں کیا۔" میں مسکراتے ہوئے بولی۔
 "میں تم کو بہت مروت لوگوں کی محبت میں رہنا پسند کرتے ہوں۔"
 "ہوں؟ رضوان غریب! تو آپ مجھ سے انتقام لے رہی ہیں۔"
 "میں انتقام نہیں لے رہی ہوں، تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔"
 آنکھ تک لٹو دے پھر تے رہو گے۔ میں چاہتی ہوں کہ ماہ پارہ
 سے تمہاری شادی ہو جائے اور پھر تم ہنس خوشی رہنے لگو۔"
 "ہنس خوشی؟" رضوان نے ہونٹ چمچنے لیے اور مجھ کو گھونٹے گا
 اب مجھے نہیں آگئی اور پھر میں نے مزید وقت ضائع کرنا نہ
 سمجھ کر رضیہ سے کہا: میں نے تمہیں یہ سمجھانے کے لیے بلایا ہے کہ
 تم کو ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔ زیریں اب پوری طرح میری گرفت
 میں ہے اور اب ہم اس سے بہت کام لے سکتے ہیں۔"
 "میں نے مجھے ان باتوں کے بارے میں بتایا تھا جو آپ اس سے کر
 چکی ہیں۔ رضیہ نے سر ہلا کر کہا: وہ بہت افسردہ تھی۔"
 "تو سب سے پہلے تمہیں اسی پر زور دینا ہوگا کہ اس کی افسردگی
 ختم کر دو۔ اپنی افسردگی کی وجہ سے وہ خان آت کا لاگوٹ کی توجہ کا
 مرکز بن سکتی ہے۔"
 "میں اسے بے حال لوں گی۔"
 "اور اس کے بعد تمہیں خود ہی یہ دیکھنا ہوگا کہ اسے خان آت
 کا لاگوٹ کے خلاف اس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔"
 "میں آپ کو بتاؤں کہ میں اس کام کا آغاز کر چکی ہوں۔"
 "وہ کیسے؟"
 "کل رات اس نے میرے سامنے ہی وہ فوٹو ڈیولپ کیے تھے۔
 اس لیے تو میں نے اتنی رات گئے اس بلی کو پٹر دیکھ لیا تھا! میں
 نے کل رات ہی جب زیریں سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے

بتایا کہ اس کے والد کبھی کبھی رات کو اچانک اپنے ٹیکسائل بل کے معائنے
 کے لیے جاتے ہیں تو کار کی بجائے سٹی کو پٹر استعمال کرتے ہیں۔
 اس کے لیے انھوں نے حکومت سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر لیا
 ہے۔"
 "ہوں۔"
 "ان باتوں کے بعد زیریں کے سامنے تو میں اپنی خواب گاہ میں بیٹھ گئی
 تھی لیکن کوئی ایک گھنٹے بعد بائیں باغ کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی
 جہاں سے میں نے سٹی کو پٹر کو اڑتے دیکھا تھا۔ پھر میں وہیں ایک
 کچ میں پہنچی رہی تھی۔ واصل میں دیکھنا چاہتی تھی کہ سٹی کو پٹر
 کب! پس آئے۔ جیسا میں نے آپ کو بتایا کہ سٹی کو پٹر یا کچ بنے
 کو لٹا تھا۔ زیریں نے اس میں سے صرف تین شخصیتیں اترتے دیکھی تھیں۔
 خان آت کا لاگوٹ، وہ غیر ملکی مشرب اب اور خان کا لاگوٹ جیٹیا عاز
 "ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔ تمہیں یقین ہے کہ خان کو وہاں پر
 تمہاری موجودگی کا شبہ نہیں ہو رہا تھا؟"
 "اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔"
 "جیٹیا تو آج سے تم نے کیا کام شروع کیا ہے؟"
 "میں نے زیریں سے اسی بلی کو پٹر کا ذکر چھڑ دیا تھا اور آج
 اس کے چرسے کے تاثرات کل رات کے تاثرات سے مختلف
 تھے۔"
 "تم نے کیا کیا تھا اس سے؟"
 "یہی کہ کیا واقعی خان آت کا لاگوٹ اس بلی کو پٹر میں اپنی
 ٹیکسائل بل کے معائنے کے لیے جاتا ہے یا اس کی منزل کوئی اور
 معلوم ہو رہی ہے؟"
 "پھر اس نے کیا جواب دیا؟"
 "میں نے کہا کہ کل رات کی بہ نسبت آج وہ مذہب کا شکار
 تھی۔ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ صورت حال پر جو ایک نئی روشنی
 پڑی ہے، اس کے باعث اب وہ اس بارے میں یقین ہے کچھ
 نہیں کہہ سکتی۔"
 "جہاں؟" میں سالیہ انداز سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔
 میں چاہتی تھی کہ اگر کوئی ادب بات ہو تو رضیہ وہ بھی بتا دے۔
 رضیہ نے کہا: میں نے زیریں پر زور دیا ہے کہ اس بلی کو پٹر
 کی اصل منزل کا پتا چلانا ضروری ہے۔ زیریں اس سلسلے میں عازت
 سے کام لے سکتی ہے۔"
 "وہ کس طرح؟"

"عارف لاکھ گڑگا اور ہر کسی لیکن انھوں کی زبان سے اس
 نے زیریں کو اکثر یہ بتایا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔"
 "ادو! یہ نکتہ تو واقعی بہت کام کا ہے۔"
 "محبت کے نتیجے میں واقعی بہت کام کے نتیجے میں؟ رضوان بول
 پڑا۔ لیکن آپ نے بھی اس سے پہلے صبح زود بے سے غور نہیں کیا؟"
 "صبح زود سے یہ کیا مطلب؟" میں نے گھونٹنے لگی۔
 "میں کبھی رضیہ کی عدم موجودگی میں اس مسئلے پر گفتگو کرنا
 نہیں چاہتا۔ کچھ رضیہ کی طرف متوجہ ہو گئی اور بولی: عارف
 کے اس جذبے کا زیریں پر کیا رد عمل ہوا؟"
 "وہ اب تک تو عازت کو نظر انداز کرتی رہی ہے۔"
 "لیکن اب اسے عازت پر نو ذہن پڑنے لگی۔"
 "ظاہر ہے کہ اس بلی کو پٹر کی اصل منزل یہیں عارف ہی سے
 معلوم ہو سکتی ہے۔"
 "اس غیر ملکی باب کو اس بلی کو پٹر میں کہاں لے جایا جاسکتا
 ہے۔"
 "مجھے ایک شبہ ہے۔ رضوان بول پڑا۔
 "کیا؟" میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
 "شاہد خان آت کا لاگوٹ اسے وہاں لے گیا ہو جہاں اس
 نے پروفیسر مناس کو رکھا ہوگا۔"
 "اس کا مطلب تو یہی ہو کہ وہ کسی غیر ملکی طاقت سے پروفیسر
 مناس کے تجربے کا سودا کرنا چاہتا ہے۔"
 "اس نتیجے پر آپ پہلے بھی سوچ چکی ہیں۔"
 "ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔ اور میں یہ سودا مکمل ہونے سے
 پہلے پہلے پروفیسر مناس تک پہنچنا چاہیے۔"
 "اور خان آت کا لاگوٹ، ماہ پارہ تک پہنچنے کی نگرانی ہے۔"
 بولی۔
 "ہاں! اس نے کہا تو یہی تھا۔ رضوان نے کہا۔
 "کیا مطلب؟"
 "یہ بات اچھی میرے ذہن میں آئی ہے کہ ماہ پارہ تک
 پہنچ کر اسے کوئی نامزد نہیں ہو سکتا۔"
 "کیوں؟" رضیہ نے گھونٹنے لگی۔ آخر اس نے ماہ پارہ کو قتل
 کرانے کی کوشش کیوں کی تھی؟"
 "اس کوشش کا مقصد تو یہ ہوگا کہ ہمیں پاپائے پروفیسر مناس
 کے تجربے کا علم نہ ہو سکے۔"

رمضان کی بات کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی۔ میں نے پکلیں
 چھپکا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی تو اب اس نے مجھے دھکی کیوں
 دی تھی کہ وہ جلد ہی ماہ پارہ کا سودا کرنے کی پوزیشن میں آجائے گا
 اس کا ایک مقدمہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ماہ پارہ کی مخالفت
 کے چکر میں پڑی رہ جائیں اور دوسری طرف وہ پروفیسر منہاس کے
 تجربے کا سودا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ دو
 ایک دن اس کی طرف پوری طور پر متوجہ نہ ہو سکیں۔
 ہوں میں مسکرائی، "بعین اوقات تمام غامضی تختہ بازی کی باتیں
 کرنے لگتے ہو۔ میں تمھارے اس خیال سے پوری طرح متفق ہوں کہ
 اب اسے ماہ پارہ کے اصول سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسے اندازہ
 ہوگا کہ جو بات وہ چھپانا چاہتا تھا وہ اب ہمارے علم میں آچکی ہوگی۔
 اس کے بعد اس کے لیے ماہ پارہ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔
 "تو اب مجھے کیا کرنا ہوگا باجی؟" رضیہ نے پوچھا۔
 "تمھارا ایک کام تو وہی ہے کہ خان آٹ کا لاگوٹ پر نظر رکھو
 اور دوسرا کام تم خود ہی کر سکتی ہو۔ زمین اور عارف کے ذریعے یہ
 معلوم ہو رہا ہے کہ وہی ہے کہ خان آٹ کا لاگوٹ اس پہلی کوپڑی کی کھلا
 آتا جاتا ہے۔
 "کچھ اور تو میں کتنا ہے آپ کو مجھ سے؟"
 "میں نہیں دیکھوں؟"
 "زور سے کھانا کھا کر اس کے وقت تک ٹوٹاؤں۔"
 "ٹھیک ہے تم جاؤ۔"
 رضیہ کھڑی ہو گئی۔
 اس کی بولی کے بعد میں نے طائر سے کہا کہ میرے
 اور رمضان کے لیے کھانا لگایا جائے۔
 "ماہ پارہ کو بھی بکالایے کھانے کی مینو پر۔" رمضان شرارت
 سے مسکرایا۔
 "اگر تم اس کے بغیر اس ہو تو میں جلی جاتی ہوں۔ تم اسے
 بلا لکھانے کی مینو پر۔
 "میں تو اس لیے کہ رہا تھا کہ وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہے۔
 کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہے۔
 "اس کے بھائی کا کیا ہوا؟"
 "وہ آج ہی ذاب شاہ سے ٹوٹا ہے۔ خون پراس سے میری
 انگلی جو جی ہے۔ وہ ماہ پارہ کے سلسلے میں بھی پریشان ہو گیا تھا

لیکن میں نے اسے مطمئن کر دیا۔ آج تیسرے پروردگار ماہ پارہ
 آئے گا۔
 کچھ دیر بعد میں اور رمضان کھانے کی مینو پر پہنچ گئے۔
 اس دوران میں ذکر پروفیسر منہاس ہی کا رہا۔
 "میری سمجھ میں نہیں آتا۔" رمضان بولا۔ "خان آٹ کا کام
 پروفیسر کی اس ایجاد کے کوئی تفسیر دولت حاصل کر سکتا ہے۔"
 "تمھاری یہ بات وضاحت طلب ہے۔"
 "خان آٹ کا لاگوٹ کے پاس دولت کی کی نہیں اور اس
 ایجاد کے عوض اسے رپوں روپیا تو میں مل سکتا۔"
 "تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔"
 "تو پھر ثابت ہو کہ بات پیسے کی نہیں بلکہ نظر اسط
 کی ہے۔"
 میں نے اس وقت جلدی جلدی پکلیں چھپکائیں شاید
 وہی بات کہنے والا تھا تو میں سوچی چکی تھی۔
 "میرا مطلب ہے۔" رمضان پھر بولا۔ "خان آٹ کا لاگوٹ کسی
 خاص نظریے کا حامی ہے اور اسی نظریے کے لیے کام کر رہا ہے۔
 اب وہ لگتا ہے سوال کہ وہ کون سا نظریہ ہے تو میرے خیال کے مطابق
 دنیا میں موت دو ہی نظریے استیلاش ہو سکے ہیں۔
 "استیلاش۔" میں مسکرائی۔
 "ہاں۔" رمضان نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ
 بات کی وضاحت کے لیے اس سے بہتر نظریہ استعمال نہیں کر سکتا
 تھا۔ اس وقت دنیا میں موت دو ہی نظریات کام کر رہے ہیں
 سرباز دار نظام اور اشتراکیت۔ لہذا خان آٹ کا لاگوٹ بالکل
 ہلاک کا باعث بنے ہو تو یہ ملک۔ اب میں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ملک
 کس ہلاک کے لیے کام کر رہا ہے۔ باب کی شغفیت سے تیار ہوں
 سکتا ہے کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ
 جس ملک کا باشندہ ہو، اسی کے لیے کام کر رہا ہو۔ مقدار چھپا
 جاتے ہیں کسی بھی امریکی ملک کا باشندہ روس کے لیے اور کسی
 روسی ملک کا باشندہ امریکہ کے لیے کام کر سکتا ہے۔
 "ہوں میں مسکرائی۔ میں نے کہا تھا کہ جب تم سنجیدگی
 باتیں کرتے ہو تو پوچھی خامی ذہانت کی باتیں کر لیتے ہو۔
 رمضان نے میری چوٹ پر کوئی چوٹ نہیں کی۔ "میں اس
 مرتبہ مجھے دیکھا اور بولا۔ "آج کل یہ دونوں ہی ہلاک ہمارے

ملک پر اپنا تسلط جانے کی فکر میں ہیں۔ خصوصاً روسی ہلاک اس
 سلسلے میں خاصا نمایاں ہوا ہے کیونکہ ابھی تک اسے یہاں، امریکی
 ہلاک سے زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ پس معاہدہ واشنگٹن
 کے بعد اس کا زور کچھ چھل رہا ہے اور ہمارے گولوں میں امریکی سفارت
 کچھ مضبوط پیدا ہو گئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ روس کی
 کوئی بہت بڑی کامیابی نہیں ہے۔
 "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خان آٹ کا لاگوٹ روسی ایجنٹ
 ہے؟"
 "میں نہیں کسی ثبوت کے بغیر یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔
 میں تو صرف حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔
 "م حالات کا تجزیہ کرنا ہمارے اکابرین کا کام ہے۔ میں صرف اپنے
 کام سے کام رکھنا چاہیے۔"
 "یہاں کوئی سی، آئی، ڈی دلائل نہیں دیکھا ہوا ہے جو آپ اس
 موضوع پر بات کر کے پورے ڈر رہی ہیں۔" رمضان نے مزید ہلکا کرنا۔
 میں ہنس کر مڑنے لگا۔ "ہم کھانا کھا چکے تھے۔
 "چائے ڈرائنگ روم میں نہیں گئے۔" میں نے کہا۔
 ہم ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور ملازم نے چائے وہاں پہنچا
 دی۔ چائے پینے کے دوران میں رمضان نے پوچھا۔ "اب آپ کیا
 پروگرام ہے؟"
 "میں اب چائے پی کر جاؤں گی۔"
 "کہاں؟"
 "واپس فلیٹ۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے امریکہ کے لیے کال
 ٹیک کرنا ہے۔ سنجیدگی سے اب تک مجھے کوئی فن نہیں کیا۔ نہ
 جانے کیا بات ہے۔"
 "ہائے۔" رمضان نے ایک دلدل دوڑا۔ "بھری دیکھیں یہ قزاقی
 ہے۔ اب ذرا اٹھو کیسے کہ مجھے رضیہ سے جھگڑا ہے کہ آپ نے مجھ پر
 کتنا ظلم کر رکھا ہے۔"
 "تم دونوں تو یہ فیملیوں پر باتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ میں یہ کہتے
 کہ ایک دم جو کچھ پڑی اور بولی یہ ہو گئی ہے؟"
 اب رمضان نے بھی تنک سکڑی وہاں ہے تو؟ وہ بولا۔
 بوڑھی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اسی وقت باہر سے کسی ملازمہ
 کے چہنچے کی آواز سنائی دی۔ میں نے ایک جھپٹے سے پیالہ دکھائی
 اٹھ کر دوڑنے کی طرف بھاگی۔ میرے پیچھے رمضان بھی تھا۔ اس پر کیا
 گزری؟ مجھے نہیں معلوم لیکن میرے قدم ڈنگ سے گئے تھے۔ اس

ہوئے میرے ذہن پر کچھ عجیب سا اثر مرتب کیا تھا۔
 جیسے ہی میں برآمدے میں نکلیں میں نے اپنی ایک ملازمہ کو
 وہاں ڈھیر کی صورت میں پڑا دیکھا۔ دو آدمی بھی نظر آئے جنہوں نے
 اپنے چہروں پر گیس ماسک پڑھا رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں
 ہسٹریکس گن تھیں۔ ان گنوں سے کسی مالٹے کی بہت تیز بوچھاڑ ہو
 ہو رہی تھی اور فلیٹ اس کی ہونے ساری فضا کو مسموم کر دیا تھا۔
 میں نے جا کھانڈا اور بالو پورس سے نکال کر لیکن میرے ہاتھ
 لاپٹ کر گئے۔ میری پنڈلیوں میں جیسے جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔
 میں نے کسی چیز کا سہارا لیتا جا با ستر نامہ روسی اور گر پڑی۔ میرا
 خیال ہے کہ میں نے رمضان کے گرنے کی آواز بھی سنی تھی اور وہ کوش
 ہونے سے قبل میرے ذہن میں آخری خیال یہ آیا تھا کہ پروفیسر منہاس
 کی ایجاد کا پہلا تجربہ ہی ہم دونوں پر تو نہیں کیا گیا؟



جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اور رمضان کو ایک
 کشادہ کمرے کے دو مختلف بستروں پر پایا۔ چند لمحوں تک
 میں بستر پر پڑی رہی کیوں کہ میرے ذہن میں بے ہوشی
 سے قبل کے واقعات چکرانے لگے تھے۔ پھر جب مجھے سب کچھ
 یاد آ گیا تو میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بہ نظر غائر اس
 کمرے کا جائزہ لینے لگی۔
 دوسرے بستر پر پڑے ہوئے رمضان کی حالت سے
 اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔
 میں بستر سے اٹھ کر دوڑنے تک گئی اور توجہ کے مطابق
 اسے کھولنے میں ناکام رہی۔ وہ باہر سے بند تھا۔ لگو یا اب
 ہم دشمن کی قید میں تھے اور دشمن ظاہر ہے کہ خان آٹ کا لاگوٹ
 کے ہوا کون ہو سکتا تھا؟
 اب میں رمضان کے بستر کے قریب گئی اور اسے ہلایا۔
 اس کے سانس اعتدال سے چل رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ
 اسے ہوش آنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اس کی
 طوت سے مطمئن ہونے کے بعد پھر اسی بستر پر جا بیٹھی جس
 پر میری آنکھ کھلی تھی۔

بہر حال میں نے خان کے اس جواب کے سلسلے میں اپنے
 دماغ پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالا اور بے پروائی ظاہر کرنے کے سے
 انداز میں خان نے اچانک ناشتے میں مصروف ہو گئی۔ دوسری طرف
 رضوان ماحول سے گویا بالکل بے خبر ہو کر ٹوسٹ اور انڈوں
 سے انصاف کرتے میں منہمک تھا۔
 جو شخص ہیں لے کر آیا تھا وہ دروازے ہی پر ایسا تادہ
 تھا اس کمرے کے دو دروازے تھے اور دوسرے دروازے
 پر بھی ایک آدمی مستعد کھڑا تھا۔ اس آدمی کے کوٹ کی پھولی ہوئی
 جیب ظاہر کر رہی تھی کہ میں ریوالتور موجود ہے۔
 ”تو تم نے دیکھا صبیہ بانو!“ خان آت کالاکوٹ قتلے
 وقت سے لولا میں نے کہا تھا نا کہ میں بہت جلد ماہ پارکسوں
 کرنے کی پوزیشن میں آ جاؤں گا۔
 میں کوئی جواب دینے کی بجائے اسے گھورتے لگی۔ میری خیال
 تو یہ تھا کہ خان نے میرے گھر کے ترخانے سے شاید ماہ پارہ کو
 بھی برآمد کر لیا ہو گا لیکن اس فقرے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی
 تھی کہ خان کے آدمیوں کے ہاتھ ماہ پارہ تک نہیں پہنچ سکے
 تھے۔
 میں نے خان کے ہونٹوں پر ناتواں مسکراہٹ لرزاتے
 دیکھی۔
 خوب! میں نے دھیر سے کہا ”گویا تم میرے حوض
 ماہ پارہ کا مطالعہ کر رہے ہو!“
 ”تم دونوں کے حوض!“ خان نے لفظ ”دونوں“ پر زور دیا۔
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے لیے اب ماہ پارہ کی کیا
 اہمیت باقی رہ گئی ہے؟“
 ”اب کا کیا مطلب ہوا؟ پہلے اس کی کیا اہمیت تھی؟“
 ”پہلے تو تم یہ نہیں چاہتے ہو گے کہ میں اس سے بڑھ کر مناس
 کے تجربے کا علم ہو سکے!“
 ”ہوں!“ خان نے سر ہلایا ”تم نے ٹھیک سوچا۔ پہلے تو میں
 واقعی صرف اسی نکتے پر سوچ رہا تھا لیکن اب صورت حال
 دوسری ہے۔“
 ”یعنی؟“
 ”کیا تم مفہمت کی نقصان گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو؟“
 ”کیا مطلب؟“
 ”اگر...“

اس وقت رضوان نے اتنے زور سے ڈکار کر کہ
 کالاکوٹ چونک گیا۔ رضوان نے ٹوسٹ اور انڈوں کا کمر
 بے باق کرنے کے بعد ڈکار کی تھی اور اب ٹی پاٹ کی طرف
 ہو گیا تھا۔ اس نے میری باخیاں آت کالاکوٹ کی طرف دیکھ کر
 نہیں کی تھی۔ اس کی اس حرکت پر نہ صرف خان جھنبایا بلکہ
 بور ہو گئی تھی۔
 بلت کو بڑھنے سے روکنے کے لیے میں خان کی طرف
 ہو کر بولی ”تم کیا کہنا چاہتے ہو خان؟“
 ”میں“ خان نے ایک طویل سانس لے کر رضوان کے گھر
 سے نظر ہٹا لی اور مجھ سے کہا ”اگر تم ماہ پارہ کا پتہ نہ لے
 ہو جاؤ تو میں بھی تمہیں بتا دوں گا کہ اب میرے لیے ماہ پارہ
 کی کیا اہمیت ہے۔“
 ”گو یا مشروط؟“
 ”ہاں۔“
 ”اگر میں انکار کر دوں؟“
 ”تو میں ماہ پارہ کی اہمیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں
 گا لیکن تمہیں تو بالآخر ماہ پارہ کا پتہ بتا ہی پڑے گا۔ تم یہاں
 سے کسی قیمت پر بھی نہیں نکل سکتے صبیہ بانو! اس عمارت
 سے صرف وہی لوگ نکل سکے ہیں جنہوں نے میری بات مانی
 ہے۔ انکار کرنے والوں کے ڈھانچے اس عمارت میں اب بھی
 موجود ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کا دیدار بھی کروا سکتا
 ہوں۔“
 ”واہ! ہر رضوان نے ہانک لگائی! کیا شاعرانہ بات ہے! ا
 ڈھانچوں کا دیدار! سبحان اللہ!“
 ”میرا خیال ہے“ خان آت کالاکوٹ غمزہ کیا ”تمہارے
 اس منحرفے ساتھی کو ڈھانچے میں تبدیل کرنے کا انتظام تو میں
 مشکل کر ہی دوں۔“
 ”خان!“ میں نے اس کے ذہن کو رضوان کی طرف سے
 ہٹانے کے لیے کہا ”میں تمہیں ماہ پارہ کے بارے میں ہرگز کچھ نہیں
 بتاؤں گی۔ تم آخر تک مجھے اس عمارت میں قید رکھ
 سکتے ہو؟“
 ”جب تک تم ڈھانچہ خازن جاؤ!“
 ”کیا تم اتنا طویل انتظار کر سکو گے؟ میں مسکرائی۔
 ”کیا مطلب؟“ خان مجھے گھورتے لگا۔

میرا خیال ہے کہ تم اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتے۔ تم
 ماہ پارہ کو پا چاہتے ہو؟
 خان آت کالاکوٹ نے ایک طویل سانس لیا اور پھر مجھے
 بولا ”تو تمہیں اندازہ ہے کہ میں اس سلسلے میں جلدی
 کرنے کی بات ہے۔“
 ”سو نا!“ خان کرسی سے کھڑا ہو گیا ”مجھے واقعی جلدی
 ہے... میں تمہیں شام تک کی ہمت دیتا ہوں۔ ابھی
 صبح مجھے کوفیٹر کے لوگ تمہیں ان حالات میں کیا کرنا چاہیے!
 شام کو بھی تمہارا جواب انکار میں ہوا تو پھر تمہیں ہر درج
 تک اور ذہنی تباہی صورت حال کا سامنا کرنا ہو گا۔“
 اس کے بعد خان آت کالاکوٹ نے میرے جواب کا
 نہیں کیا۔ وہ تیزی سے دوسرے دروازے کی طرف
 چلا۔
 ”سنو!“ رضوان نے ہانک لگائی ”گھر پہنچ کر اپنی خیریت
 مزور بھیجنا۔“
 خان آت کالاکوٹ ایک جھٹکے سے نکلا۔ ایسا معلوم ہوا
 ہے وہ بلیٹ کو رضوان کے سلسلے میں کوئی سخت حکم صادر
 کرنے کا جس کی تعمیل کرنے کے لیے اس کے دونوں آدمی حرکت
 کر رہے ہیں۔ گے نین پھر جانے کیا سوچ کر وہ پلے لیٹر آگے
 حائل دروازے سے نکل گیا۔
 ”ہائے!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا ”بڑے بے مروت
 حسن والے!“
 مجھے رضوان پر کچھ غلامی کے باوجود خان آت کالاکوٹ
 کے لیے حسن والے کی پہچان پر ہنس نہیں آتی۔
 جو شخص نہیں بیان لایا تھا بلند آواز میں بولا ”اب تم
 دونوں بھی واپس چلو!“
 ”چلو جی!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا ”ہائے
 محبوب کی رخصت کے بعد یہاں کیا خاک رونق رہ گئی ہے۔“
 میں رضوان کا ہاتھ پکڑ کر اس دروازے کی طرف بڑھی جس
 سے ہم یہاں آئے تھے۔ وہ آدمی ہمیں راستہ دینے کے لیے ایک
 دن ہٹ گیا۔ جب ہم دروازے سے گزر گئے تو وہ بھی ہمارے
 پیچھے پیچھے آنے لگا۔ اب پھر اسی پتلی سی ریلواری میں چل
 رہے تھے جس کے اختتام پر ہمارا قید خانہ تھا۔

اگر میں جیسا ہی لگتا ہوں، اس کے بغیر بھی اس آدمی کو
 ٹھکانے کا سستی مٹی جو ہمارا رہر تھا لیکن اس کے بعد وہیں
 کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس عمارت سے نکلنے میں میں کن کن کاؤں
 کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یقیناً وہ کاؤں میں ایسی ہی ہو سکتی تھیں کہ
 ان سے گزرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا۔ اپنی رکاوٹوں کی
 وجہ سے خان آت کالاکوٹ کو بھی اطمینان ہو گا ورنہ وہ ایک
 تہیہ شخص کو ہمارا محاذ بنا دیتا۔
 جب وہ شخص ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر جانے لگا تو
 رضوان نے جلدی سے کہا ”سنو جی! یہ تو بتاتے جاؤ کہ وہاں
 کے کھانے کا مینو کیا ہے؟“
 اس شخص نے جواب دینے کی بجائے دھڑے دروازہ
 بند کیا اور پھر باہر سے تھقل گئے کی آواز سنائی دی۔
 ”سلی! کم سخت لو! سلی! کاکتہ بھی کم سخت۔“ رضوان نے
 ٹھنڈا سانس لیا اور دھم سے بستر پر گر گیا۔
 ”اب مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے!“ میں
 اسے گھورتی ہوئی بولی۔
 ”شبہ کی وجہ؟“ رضوان نے طری معصومیت سے پوچھا۔
 ”کیا محض اس لیے کہ تمہارا منہ کے باوجود میں نے بھی تم آپس
 انہما پر عشق نہیں کیا!“
 ”خیر مجھ سے انہما پر عشق کر کے تو تمہیں یقیناً جوتے کھانا
 پڑیں گے مگر خان سے تم جس طرح پیش آ رہے تھے وہ تو منوفیہ
 احمقانہ فعل تھا۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ انہما ہم بالکل بے بس
 ہیں؟“
 ”کاش! آپ کو عشق کی بے بسی کا بھی احساس ہو سکے!“
 ”کیا بات ہوئی!“
 ”مجھے خان آت کالاکوٹ کی مونچھوں سے عشق ہو گیا ہے۔“
 رضوان نے خیر سیرنگ کے ساتھ لڑائی جب وہ غصے سے لڑتی ہیں
 تو مجھے وہ گینا یاد آ جاتی ہے جو لٹکا شائرمیں میری کار کے نیچے آکر
 مڑی تھی۔
 ”تمہارا دماغ مزور چل گیا ہے!“ میں نے منہ بنا کر کہا۔
 ”چل نہیں گیا بلکہ دوڑ گیا ہے۔“
 ”مجھے یقین ہے۔“ میرا منہ بنا رہا۔ میں ان حالات میں
 رضوان سے سید گ ل کی توقع کر رہی تھی لیکن وہ مسلسل بہک
 رہا تھا میں نے مناسب ہی سمجھا کہ اس کھٹن صورت حال سے

پہننے کے لیے رضوان سے مشورہ کرنے کی بجائے صرف اپنے طور پر سوچوں۔

جب میں نے رضوان کی بے سنی باتوں کو زوروش کر کے اپنے طور پر سوچنے کا فیصلہ کیا تو میرے ذہن میں پہلا سوال یہ اُبھرا کہ اس وقت رضیہ کی سوچ رہی ہوگی؟ اسے اس بات کا علم تو میری ملازمتوں سے ہو گیا ہوگا کہ کل رات میرے گھر پر کیا واقعہ پیش آیا تھا اور وہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ بھی کئی ہوگی کہ مجھے اور رضوان کو اغوا کرنے والے خان آفٹ کا لاگوٹ ہی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ابد حینہ اس فکر میں ہو گئی کہ کسی طرح ہم تک پہنچ جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ خان آفٹ کا لاگوٹ کا نائب کر کے آگ خان آفٹ کا لاگوٹ اسی مقام تک پہنچنے کے لیے تیلی کو پٹر استعمال کرتا رہا ہے تو اس بات کا تو یہ امکان تھا کہ حینہ ہم تک پہنچ جائے گی۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ ایسے ہنگامی حالات میں وہ بڑی تیزی و طراری کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ ایسی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر بھی لیتی کہ ہم تک پہنچ جائے لیکن اس میں کچھ دیر لگنے کا احتمال ضرور تھا۔ یہ بات ممکن تھی کہ وہ آج رات کی بجائے کل رات یہاں پہنچتی خبب کر خان آفٹ کا لاگوٹ نے مجھے صرف آج رات تک کا وقت دیا تھا۔

ماہ پارہ میرے گھر کے ترخانے میں قیدی اور یہ ناممکن تھا کہ میں خان آفٹ کا لاگوٹ کو اس کے بارے میں بتا دیتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ رضوان کی عدم موجودگی کے باعث میری ملازمت خاص ماہ پارہ کو خور و نوش کا سامان پہنچانے کے لیے جب نہ ترخانے میں جائے گی تو میں ممکن ہے کہ ماہ پارہ رضوان کو نہ پا کر پے سے باہر ہو جائے اور ترخانے سے نکلنے کی کوشش کرے۔ وہ ترخانے کی قید سے عاجز تو تھی ہی اور یہ بات مجھے رضوان بتا چکا تھا۔

غرض یہ کہ جب میں نے سوچنا شروع کیا تو بہت سی الجھنیں میرے ذہن میں در آئیں اور فوری طور پر ان کا کوئی حل بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

میں نے رضوان کی طرف دیکھا جو میری طرف ایسے انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے مجھے کچھ چاہا جائے گا۔

میں حیرت سے بولی نہ کیا دیکھ رہے ہو؟

”تمہاری غیبت صورت۔“ رضوان بیخ کر بولا۔

میں بھونچا رہ گئی۔ رضوان کا یہ طرزِ تسخاط میرے لیے

دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اُس نے بھی اس طرح میری

”تم بہت گھٹیا عورت ہو“ رضوان دانت بھستا

تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ شکلات سے دوچار ہونا پڑا۔

جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں مار ڈالوں۔ اپنے ہاتھوں سے گرا

گھونٹ دوں۔“

”تمہارا صاغ تو سچ بچ چل گیا ہے؟“ میں غزاق ہو کر

ہو گئی۔

”ہاں سچ چل گیا ہے میرا دماغ۔“ رضوان نے

”تم برسوں سے مجھے بے وقوف بتا چلی آ رہی ہو اور میں

محبت میں بے وقوف بننا چلا رہا ہوں۔ جب سے مجھ کو

آیا ہے میں بھلا ہٹ کا شکار ہوں اور مسلسل سوچ رہا

کہ تم محبت کے معاملے میں مجھے بے وقوف بنا کر ہمیشہ اپنا

کر رہی ہو۔ تم نے مجھے ہمیشہ اپنا آلا کار بنایا ہے اور میں

میں پھنسا رہا ہوں۔ آج مجھے یقین آ گیا ہے کہ خان آفٹ کا

جیسی شخصیت سے کتنا تم جیسی عورتوں کے بس کی

نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اب میں اس معاملے میں

لاگوٹ کا ساتھ دوں۔“

”کیا کو اس کے چاہیے ہو؟“ غصے کی وجہ سے

مجھے میں اندیش پیدا ہو گیا۔

”یہ کو اس نہیں ہے۔ میں خان آفٹ کا لاگوٹ

کے بارے میں بتا دوں گا۔“

”رضوان! میں غصے سے کانپتی ہوئی بولی۔

کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔“

”میرا دماغ بالکل قابو میں ہے۔“

”یہ مت بھولو کہ میں تمہاری ساری بڑیاں نہیں

ہوں۔“

”میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر نہیں

اٹھنا پڑے گا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو

تمہارے ہاتھوں پہنچتے رہے ہیں۔ اب تمہیں تجربہ نہیں ہوا

کیا ہوں۔“

مجھے رضوان پر غصہ تو آ رہا تھا لیکن میں متعجب

یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں رضوان کے منہ سے

ہوں وہ حقیقت ہے کہ میرے سامان گمان میں

اگر رضوان مجھ سے اتنے ہنسک آمیز طریق پر گفتگو کر سکتا

میں ان فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ”مجھے اب تم سے یا تمہارے

کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں خان آفٹ کا لاگوٹ کو

اپنا بتا دوں گا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ جس جگہ ماہ پارہ کو رکھا

ماہ پارہ کی باتیں سن کر یا تمہارے یا خان آفٹ کا لاگوٹ

میرے ہوتے تو مجھ سے نہیں ہو سکتے تھے۔ تو ممکن ہے کہ میں خود خان

آفٹ کو اس جگہ سے جاؤں جہاں ماہ پارہ قید ہے۔“

میں ان باتوں نے مجھے اور پوچھا کیا میں اسے گھولنے

نے ایک ایسی بات کہی تھی جس کا کوئی سرپرست ہی نہیں

ماہ پارہ جس جگہ قید تھی اس جگہ اپنا بتانے میں کوئی پیچیدگی

مجھے نہ تھی کوئی دشواری ہو سکتی تھی۔

”کہہ رہی ہو جیسے بانو۔“ رضوان زور سے کر بولا۔ میں اب

کا لاگوٹ کی اس دیرانے میں ضرورے جاؤں گا جہاں

ماہ پارہ کیسی ماہ پارہ کو قید کر رکھا ہے۔“

اس طرح اچانک بجلی کا کوئی لڑا لپک جاتا ہے اسی طرح

ایک لمبی سیرے دماغ میں آگئی اور ماہ پارہ محبت کے

میرے جی چاہا کہ رضوان کو جوچوں۔ رضوان نے خان آفٹ

کو پھانسنے کے لیے اچھی خاص ماہ پارہ کو ڈال دیا تھا۔ غالباً

ماہ پارہ تھا کہ اس کے سر میں کوئی خفیہ مائیکروفون ضرور

اس کے سر میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ خان آفٹ

کو آتی ضرور سن رہا ہوگا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ

مائیکروفون کے علاوہ کوئی پوزیشنڈ ٹیلی ویژن آئی بھی ہو جس

میری نقل و حرکت پر نظر رکھی جا رہا ہو۔ اسی اندیشے کے

نے مجھے کوئی اشارہ بھی نہیں کیا تھا جس سے میں سمجھ سکتی

تھی کہ میں رہا ہے۔

لیکن میں رضوان کا مقصد سمجھ چکی تھی تو یہ ضروری ہو گیا

اس دماغ میں اپنے کردار کو کبھی پورے بناؤں۔ میں نے رضوان

کو بتائے کہ ماہ پارہ دماغ کو ٹھنڈا رکھو اور سوچو کہ تم کی

نے جو کچھ بھی کہا ہے، بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ رضوان

”تم اپنے فیصلے پر غور کرنا کہ تو بہتر ہو گا۔“

”... رضوان کا انداز بڑا ٹیکہ تھا۔“

”ورنہ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔“ ورنہ مجھے بھی

بعد میں افسوس ہو گا کہ میں نے تمہارے ہاتھ پر زور ڈالے۔“

”یہ دم ختم نہیں؟“ رضوان نے بڑے مجھے ہونے لگے میں کہہ

”میں اس کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتی ہوں میں تمہیں اس قابل نہیں

رہنے دوں گی کہ تم خان آفٹ کا لاگوٹ کو ماہ پارہ تک لے جا سکو۔“

”اؤ تو مجھے یہ حسرت بھی پورے کر دو۔“ رضوان نے ایک قدم میری

طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”آج میں بھی دیکھ لوں گا کہ تم جو ذکر کرنا

کتنی بڑی ماہ پارہ ہو۔“

”رضوان! اپنی شامت کو دھکات نہ دو تو بہتر ہے۔“

”نہیں جیسو۔ بانو! آج تو یہ معرکہ ہو کر رہے گا۔ میں بھلاہ سی

آج میں وہ آگ بھی بکھا لینا چاہتا ہوں جو برسوں سے میرے سینے

میں دھک رہی ہے۔ تم مجھے بہت ترپا رہے۔ آج تمہیں کھار

ایک مرد کی برتری کا قوتاً قائل ہونا بھی پڑے گا۔“

میں حقارت آمیز انداز میں منہ بڑی۔

”ابھی تمہاری منی، تمہاری کہ میںوں میں تبدیل ہو جائے گی۔“

رضوان یہ کہتا ہوا میری طرف جھپٹا۔

اؤ دھرا چانک مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ معرکہ آرائی نے میری

ثابت نہ ہو۔ یہ ہماری خام خیالی بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے سر میں خفیہ

مائیکروفون یا خفیہ ٹیلی ویژن آئی ہو سکتی ہے۔ ان دونوں چیزوں

کی عدم موجودگی کے باعث یہ سارا ڈراما غلاب ہی ہوتا اور کیڑا لڑے

میں جان ڈالنے کے لیے مجھے اور رضوان کو جو میں ملا رہی تھا ناظرین

رضوان نے قریب آتے ہی مجھے اپنی گزرت میں مگڑ لیا چاہا لیکن

میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو اتنی تیزی سے حرکت دی کہ رضوان اس

سے لچر چپٹ گرا۔

”یہ پہلا سبق ہے۔“ میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”ابھی اگر

تمہیں ہوش نہ آتا تو یہ تمہاری بد نصیبی ہوگی۔“

رضوان کوئی جواب دینے کی بجائے بڑی جھرتی سے اٹھا اور

کسی ارنے جیسے کی طرح تیر کر منہ میری طرف آیا۔ میں نے تیزی سے

اس کی زد سے نکل جانا چاہا لیکن رضوان نے بات پہلے ہی سوچ چکا تھا

کہ میں ایسا کروں گا چنانچہ وہ داست، بائیں ہاتھ کے بل اس طرح

بسلپ ہوا کہ اس کی دونوں ٹانگیں میرے پیروں تک پہنچ گئیں۔

نے بڑی تیزی سے اپنی دونوں ٹانگوں کو میری پیٹھوں میں اٹھیا کر

اس طرح حرکت دی کہ اس کے اوپر گری اور اس نے دونوں ہاتھوں

سے میری گردن دبوچ لی۔

ابھی تک کوئی بھی اس کمرے میں نہیں آیا تھا جبکہ میں جا رہی تھی کہ جلد از جلد کوئی داخل انداز کی کمرے اور ہم دونوں نے یہاں وہ چوٹیں کھائے سے محفوظ ہو جائیں۔ ویسے اگر وہ داخل انداز نہ ہوتی تو کبھی اس ڈرائے سے کم از کم ایک نائڈ ضرور ہوتا۔ ہمیں یہ یقین ہو جاتا کہ اس کمرے میں خفیہ مگر دونوں وغیرہ فٹ نہیں ہیں اور اس یقین کے بعد ہم نے خود دخل ہر قسم کی گفتگو کر سکتے تھے۔

رہنوائے میری گردن بڑے زور سے دباؤ تھی لیکن جیسے ہی میں نے اپنی دونوں گتیاں اس کے سینے پر رکھ کر بھر پور دباؤ ڈالا، رہنوائے کے منہ سے چیخ نکلی گئی اور اس طرح مجھے حاورۂ نہیں بلکہ حقیقتاً گلو خلاصی ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کو رہنوائے کے صبر پر اس طرح اچھلا جیسے اسپرنگ والے گڈے پر اچھلا جا سکتا ہے۔ اس طرح میں کسی سمارے کے بغیر اپنے پیروں پر سیدی جی کھڑی ہوئی اور کچھ فوراً ہی دباؤ ہار اچھلا۔ اس واقعہ میرا فٹ رہنوائے کا سینہ تھا لیکن وہ بڑی تیزی سے گڑے کے زیریں زور سے نکل گیا۔ اب میں فوراً ہی اس کی کمر پر کودی اور کچھ ایک کھڑا تھا رہنوائے کے شانے پر ملا۔ یہ ہاتھ میں نے جان بوجھ کر ڈرا ڈھیل رکھا تھا اور نہ رہنوائے کے شانے کی ہڈی، دوسری طرف فریاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، پھر بھی وہ منہ اپنی شدید قس کی رہنوائے کے منہ سے چیخ نکلی گئی۔ ٹھیک اسی وقت کہے کا دروازہ ایک پشور آواز کے ساتھ کھلا اور کئی آدمی اندر آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریو اور تھا۔

”خبردار!“ وہ گرجا۔ ”ہم دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ!“

میں نے چونکے ہوئے انداز میں مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور کچھ فوراً رہنوائے کو پھیر کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ رہنوائے پھر تیزی سے اٹھا اور غصے میں میری پوزیشن پر ایک لیکن فوراً ہی دوا دی ہمارے بیچ میں حائل ہو گئے۔ انھوں نے رہنوائے کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

”بس اب جھگڑا ختم!“ ریو اور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ رہنوائے کھا جلنے والی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”اسے ساتھ لے جاؤ!“ ریو اور والے نے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو رہنوائے کو پکڑے ہوئے تھے۔

”میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں!“ رہنوائے نے کہا۔ ”مجھے جلد از جلد کھائے باس سے ملنا ہے!“

”رہنوائے! میں نے لاکر آنے والے انداز میں کہا: ”تم حاکمات کرنے جا رہے ہو اور میں اسے بھی معاف نہیں کیا۔“

رہنوائے نے بڑی تحارت سے میری طرف متوجہ کر دیا جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑا۔

ان لوگوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور رہنوائے کو چلے گئے۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

میں چند لمحوں کے خیالات میں کوئی ہونی اور دروازے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر تھکے ہوئے انداز میں اندر آئی۔ اب میرے ہونٹوں پر خفیت سی کھیل رہی تھی۔ رہنوائے کی اس پلاننگ نے میرا جی خوش کر دیا۔ اب میں یہاں تنہا تو رہ گئی تھی لیکن اس بات کا فائدہ پیدا ہو گیا تھا کہ رہنوائے یہاں سے نکلنے کے بعد میرے لیے سکے گا۔ اب سارا غصہ اس بات پر تھا کہ غافلانہ رہنوائے پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے؟

میں بستر پر اونچھی لیٹی ہوئی اس ڈرائے پر جو در اوپر قبل اس کمرے میں کھیل گیا تھا۔ میں نے یہ دیکھ سکتی تھی کہ رہنوائے دل ہی دل میں مجھے اس وقت بڑا بھلا کر رہا ہوگا۔ دراصل میرے ہاتھوں اسے دوا کی فزین بھی پہنچ گئی تھیں لیکن میں ایسا کرنے پر مجبور نہیں ایسا نہ کرتی تو وہ ڈراما جان دار نہ بن پاتا۔ ویسے رہنوائے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس گردن اس بڑی طرح دبوچی تھی کہ اس کی انگلیوں کی میری گردن میں اب تک جھلن ہو رہی تھی۔

دو بج کر میں بستر پر لیٹی رہی اس کے ملاوہ بھی کیا سنتی تھی؟ مجھے کسی ایسے وقت کو کا انتظار تھا کہ کسی عمل کا نتیجہ ہوتا۔

دو بج کر کمرے کا دروازہ کھلا تو میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا لیکن صورت حال کی کسی خاص تبدیلی کا اندازہ نہ لگا سکی۔ وہ شخص میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ کھانے کی تیاری پر رکھ کر وہ مجھ سے بولا: ”باس کا پیغام آیا ہے کہ وقت کھانے پر آپ کا ساتھ دینے نہیں آسکیں گے۔“

ایک ہی کھانا کھا لیں!“

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس اس میں نے اسے پکارا: ”سنو!“

”وہ پلٹا ہی جی!“

”کیا کھانے سے قبل دختہ لاکر آتا ہے؟“

”مجھے اس سلسلے میں ہدایت لینا پڑے گی!“

”کس سے؟“

”ماسٹر سے!“

”ماسٹر کون؟“

”جو یہاں کا انتظام ہے۔“

”یہ کون سی عمارت ہے؟“

میرا خیال تھا کہ وہ بے اختیار ہی میں میرے اس سوال کا جواب دے بیٹھے گا لیکن میرا یہ اندازہ قطعی غلط ثابت ہوا۔ اس نے دے دے کر کہا: ”میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”اچھا!“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”تم اپنے ماسٹر کو پوچھو۔“

”میں جا کر معلوم کرتا ہوں۔“ مگر مجھے اجازت مل گئی تو میں اس وقت میں مطلوبہ شخصے لے آؤں گا اور اگر میں نہ آؤں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ مجھے اجازت نہیں ملی۔“

”تھک ہے۔“

وہ شخص چلا گیا۔ اس کا انداز نہایت خدامانہ ہی تھا۔

اب ان لوگوں کو ہدایت کر دی گئی ہوگی کہ میرے ساتھ کوئی سخت دیکھا جائے۔

دس منٹ کی بجائے پندرہ منٹ گزر گئے لیکن وہ آدمی ابھی نہیں آیا۔ میں سمجھ گئی کہ اسے اجازت نہیں ملی ہوگی۔

میں نے کھانا کھا لیا اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔ اب وقت کھانے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔ رہنوائے نے بدبوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق اب تک کچھ کچھ ہونا چاہیے تھا لیکن کچھ نہیں ہوا تھا۔

تیسرے پیر کا وقت ہو گیا لیکن صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اب میرا ذہنی انتشار خاصا بڑھ چکا تھا۔ میں اٹھ کر کمرے میں چلنے لگی۔

چھ بجے کے قریب کمرے کا دروازہ کھلا اور وہی شخص اندر آیا جو دو بج پر کمرے کے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔

”آپ کے لیے ایک خط ہے۔“ اس نے ایک لفافہ میری طرف ڈھکیا۔

”کس کا خط ہے؟“ میں نے تعجب سے پوچھا اور لفافہ اس

کے ہاتھ سے لے لیا۔

”پڑھ کر دیکھ لیجیے!“ اس نے کہا اور کھانے کے خالی رہنے اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ میں نے فوراً لفافہ چاک کر کے اس میں سے وہ سفید کاغذ نکال لیا جس پر ڈیڑھ جملے یہ عبارت درج تھی۔

صیبر بانو! تمہارا ساتھی بہت چالاک ثابت ہوا۔ وہ کچھ آدمیوں کو اطلاع دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو چکا ہے مگر یقین جانو کہ وہ اب بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ اب بھی اس بات سے خبر ہے کہ تم کہاں ہو۔ یہ اطلاع میں تم کو اس لیے دے رہا ہوں کہ اطمینان سے بیٹھیں نہ رہو بلکہ سوچو کہ تمہیں کیا فیصلہ کرنا ہے۔ رات کے کھانے پر میں تم سے ملاقات کروں گا اور تمہارا جواب سننے کے بعد مجھے اپنا فیصلہ عمل طے کرنا ہے۔ تم دونوں نے جو ڈراما کھیلا وہ واقعی خوب صورت تھا۔ میری طرف سے مبارکباد!

”خان“

وہ خط پڑھ کر میں زور پر یک سکتے کی کلمات میں کھڑی رہ گئی۔ وہ جو میں نے امید دل کی ایک چوٹی کی مائت بنائی تھی جیسے ایک زلزلے کا شکار ہو کر منہم ہو گئی۔ صرف اتنی بات تو اطمینان بخش تھی کہ وہ ان اس قید خانے سے نکل گیا تھا اور اب وہ رنجبہ سے مل کر گیا ایک اور ایک گیارہ بن جاتا لیکن یہ بات وہ تو قس سے نہیں کہی جا سکتی تھی کی گیارہ کا وہ ہنر میرے لیے کب بامداد زمانہ ثابت ہو سکے گا۔ وقت تو بہت کم رہ گیا تھا۔ رات قریب تھی اور مجھے خیال آتا کہ لاگوٹ کو جواب دینا تھا۔ میرے منہ کی جواب کا رد عمل قیاس میرے لیے کوئی پریشانی نہ لگا۔ مجھے رات تک کی مہلت دینے کا مطلب یہی تھا کہ اس کے بعد خان آت لاگوٹ کوئی سنت نہ دے گا۔

میں نے خط پھاڑ کر ایک کلاں کھینک دیا اور بیٹھیں۔ وقت رات کی آہیں اپنے طور پر کیا قدم اٹھا سکتی ہوں لیکن رات کا اور زمانہ آت لاگوٹ کی کارروائی کا انتظار کر دیا اس سے پہلے ہی کہ کچھ گزرنے کی کوئی کوشش کی جائے؟ پھر سب سے اہم سوال یہ تھا کہ کیا کوشش کی جا سکتی ہے؟

اس پہلو پر غور کرتے ہوئے مجھے کچھ زیادہ وقت نہیں گزارنا تھا کہ ایک باجیہ کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کی آواز کی شکل نظر آنی جو دو بج پر کمرے کے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔

”نہیں تو! میں نے کسی حالت میں ہنس پڑی ہے میں نے کچھ زیا دہ تو نہیں پائی“

”جناب! میرا ہر بول بڑا بولکل میں مشکل سے بھٹوڑی سی بچی ہوگی۔“

”خوب!“ خان آٹ کالا گوٹ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری جیسے یہ معلوم کر کے اسے خوش ہوئی ہو۔

”ادھر تیں بھی دل میں اس بات پر خوش ہو رہی تھی کہ اس کمرے میں ٹیلی ویژن آئی پور شدہ نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو یہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو جاتے کہ میں نے دست کرنا کا بڑا حقہ بستر کے لگے کوہ پلا“ دیا تھا۔

”میں خان آٹ کالا گوٹ کی اجازت کے بغیر ڈائینگ ٹیبل کے دوسرے سرے کی کرسی پر بیٹھ گئی اور تالوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔“

”یہ خوشیوں تو میری اشتہا کو ادھر بڑھا رہی ہیں!“

”خود گرد!“ خان نے کہا اور خود بھی ایک تاب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

کھانے کے دوران میز پر دو دنوں نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی اس طرح کھانے میں مصروف ہو گئی تھی جیسے خان آٹ کالا گوٹ کی موجودگی کچھ بھول گئی ہو۔ میں اس وقت نشے میں ہونے کی بہت شاندار ایملنگ کر رہی تھی لیکن مجھے خوب احساس تھا کہ خان آٹ کالا گوٹ بڑی گہری نظر سے میرا جائزہ لے رہا ہے۔

کھانے کے بعد میں نے اس طرح مسکرا کر خان آٹ کالا گوٹ کی طرف دیکھا جیسے وہ میرا کوئی دیرینہ دوست ہو۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی صید بانو!“ وہ بڑی شائستگی سے بولا۔

”نہیں، تپتی نہیں!“

”کیا تم نے اس بات سے اندازہ نہیں لگایا کہ میں ایک اچھا دوست ثابت ہو سکتا ہوں؟“

”بے شک!“

”تو پھر تمہیں مجھ سے مفاہمت کر لینا چاہیے۔“

”ماہ پارہ کے سلسلے میں؟“ میں ہنس پڑی۔

”ہاں!“

”... وہ... اس کا کیا ہوا؟“ میں اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگی جیسے کوئی نام بھول رہی ہوں۔ مجھے اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ خان آٹ کالا گوٹ میرے نشے میں ہونے کا یقین

آگیا ہو گا میں نے جو تکہ ہونے انداز میں اپنی پیشانی سے اس اور بولی۔ ”ہاں! میں رضوان کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“

”وہ؟“ خان آٹ کالا گوٹ مسکرایا۔ ”بلاشبہ تم دونوں نہایت خوبصورت ڈراما کھیلنا تھا۔ میں دھوکا کھا ہی گیا۔“

”لیکن... بعد میں...“ ہوا گیا تھا؟“

”میرے آدھی رضوان کی آنکھوں پر چڑی باندھ کر اسے لے گئے تھے۔ اس لیے وہ اب بھی اس بات سے بے خبر ہیں۔“

”کس حد تک کیا گیا تھا؟“

”وہ تمہارے آڑیوں کے ہاتھ سے کس طرح نکلا؟“

”جو تک اس پر بڑی حد تک اعتماد ہو گیا تھا۔ اندازاً ماہ پارہ تلاش میں اس کے ساتھ صرف دو آدمی بھیجے گئے تھے۔ ان دونوں آدمیوں کو بھی اس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ لہذا وہ دھوکے میں مارا کھائے۔ رضوان انھیں بے ہوش کر کے لے گیا۔“

”خوب!“ میں آہستہ سے ہنس پڑی۔

”لیکن... جیسا کہ میں نے تمہیں خط میں لکھا تھا، وہ اس مقام سے بے خبر ہے جہاں اس وقت تم موجود ہو۔“

”ہوگا!“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”مجھے اب اس پر دامنیں ہے۔ تم یہ تو بتاؤ کہ تمہیں ماہ پارہ کی اتنی شدید مرنا کیسے پڑی؟“

”جلو تائے دیتا ہوں، حالانکہ تم نے ابھی تک اس مسئلہ میں دو قسمی تھے۔ اس کا کوئی وعدہ نہیں کیا ہے۔“

”میں سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ پرانی زمانہ ان دنوں ایک خاص تجربے میں مصروف تھا اور میں نے اس کی اس ایکاد سے ناغہ اٹھانے کے لیے اسے انکوائری کیا۔ اس ایکاد کی گلی میں جو کسرہ گئی تھی، وہ ابھی تک باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جلد از جلد ملے پوچھے لیکن پروفیسر کاس میں دیر لگ رہی ہے۔“

”وہ تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا؟“ میں توجہ سے بولی۔

”میرے لیے کام کرنے پر ہی کو تیار ہونا پڑا ہے۔ صرف تم ہی کچھ دیر لگا دی ہے۔“

”اچھا تو ہاں، ذکر شاید ماہ پارہ کا تھا۔“

”دراصل پروفیسر ماس کے کام کی رفتار بہت سست ہے اور اس کے بیان کے مطابق وہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ

دن میں ماہ پارہ اسے اسسٹ کرتی رہے۔ اس کا کتا ماہ پارہ اچانکے کو وہ اس کام کو بہت جلد تکمیل تک پہنچا۔“

”ادہ... اچھا!“ میں نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا۔

”انداز میں بہت نرم ماہ پارہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں!“

”تم کس ملک کے لیے کام کر رہے ہو خان؟“

”خان آٹ کالا گوٹ نے جو تکہ ہونے انداز میں میری طرف بولا۔ ”یہ خیال تمہیں کیوں ہوا کہ میں کسی ملک کے لیے کام کر رہا ہوں؟“

”کہا ہے کہ ایسی چیزوں سے تم خود کو کوئی ناغہ نہیں کرو۔“

”نہ خان آٹ کالا گوٹ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ بہت جلد ہی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہو گیا کہ مجھے لگتی ہوئی ہے۔ میں ذرا دیر کے لیے نشے کی ادکاری پھیل چکا ہوں۔ انداز میں باتیں کرنے لگی تھی اور خان آٹ کالا گوٹ اسے محسوس کر لیا تھا۔“

”وہ آہستہ سے بولا۔“ اس کا فیصلہ تو مستقبل ہی کرے گا۔ کیا تمہیں میں خود کو کوئی ناغہ اٹھاسکتا ہوں یا نہیں!“

”مستقبل!“ میں نے اس طرح ٹھنڈے اس میں جیسے ظاہر کرنا ہوں کہ میری ذہنی زندگی کچھ بہک رہی ہے۔ ”یہ مستقبل بھی بڑی جتن ہے خان!... اس کے لیے انسان کیا کچھ کرے؟ اور کیا کرے؟ لیکن وہ سب کچھ نہیں ہو پاتا جو انسان چاہتا ہے۔“

”میں اپنے مستقبل کے لیے کچھ خواب دیکھتے تھے جو پورے نہیں گزرتے۔ اپنی قوم اور وطن کے لیے نہ جانے کیا کچھ کرنا چاہتا لیکن اپنے میرا ساتھ نہ...“ ادہ! میں اپنی پیشانی رگڑنے لگی اور پھر بولی۔ ”میں کیا فغول باتیں کر رہی تھی؟“

”بغفلت باتیں نہیں ہیں صید بانو!“ خان آٹ کالا گوٹ نے زور دیا۔ ”یہ قوم اس قابل ہی نہیں ہے کہ تم اس کے لیے کچھ سوچو!“

”غایت تک یہ کہہ رہے ہو!“ میں نے ٹھنڈے اس سے کہا اور بولی۔ ”پیشانی میری کس طرح سے لگادی؟“ مجھے اب کچھ شیندار رہا ہے۔“

”لیکن تم ہوتی آواز میں کہا۔“

”لیکن سونے سے پہلے تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہے۔“

”کون سا فیصلہ؟“ میں نے سر اٹھایا اور اس طرح آنکھیں لڑکھائی۔ ”میں اس کی طرف دیکھنے لگی جیسے اپنی ذہن کو کچھ بھگانے کی کوشش

کر رہی ہوں۔

”ماہ پارہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا؟“

”میں اس کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہوں؟“

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟“

”خان!“ میں نے اس طرح کہا جیسے اپنے نشے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ”اس وقت مجھے لوں گے۔ رہا ہے جیسے میرے خیالات میں کوئی انقلاب آگیا ہو۔ اس وقت پہلی مرتبہ میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں لیکن... لیکن...“

”لیکن کیا؟“ خان آٹ کالا گوٹ نے بے تاب سے پوچھا۔

”میں محنت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔“ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت اور دیکار ہو گیا۔

خان آٹ کالا گوٹ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کی کسی کیفیت نظر آئی لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پایا اور بولا۔ ”لیکن میں تمہیں سوچنے کے لیے فوراً دن دے چکا ہوں۔“

”یہ دن صرف یہ سوچنے میں گزر گیا کہ میں یہاں سے کس طرح فرار ہو سکتی ہوں لیکن ابھی ذرا دیر پہلے... ہاں... ابھی کچھ دیر پہلے... جو سب مستقبل کا ذکر ہو چکا تھا... اس وقت سے میں اپنے ذہن میں ایک عجیب و غریب سامان کر رہی ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں ماضی میں اپنی زندگی کے بہترین سال ضائع کر چکی ہوں۔“

”تو پھر اب تمہیں کیا چھپا ہٹ ہے فیصلہ کرنے میں؟“

”مجھے اپنی زندگی کا راستہ بدلنے کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اور یہ فیصلہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ میں اسے محنت میں کر سکوں۔“

”تم سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہتی ہو؟“ خان آٹ کالا گوٹ اپنی جھنجھلاہٹ کو ضبط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

”میں نے کہا۔“ میرا خیال ہے کہ میں تمہیں کل صبح جواب دے سکوں گی۔“

”نامکن!“ خان آٹ کالا گوٹ نے میرے گھونسا مارا۔ ”تمہیں آنا وقت دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ میں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر ابھی تیری میں جاؤ!“ میں نے بڑے اطمینان سے کہا اور ایک بار پھر اپنی پیشانی میرے پڑا دی۔ میں نے غلہ ہر کرنا

چاہ رہی تھی کہ نہ کسی دھبے سے نہ آؤں بہت بوجھل ہے۔
خان آف کالاگوٹ کو اب شاید دھکیوں پر اتارنا چاہیے
تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ خود پر قابو پائے رکھنے کی پوری پوری
کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نرمی سے کہا: ”بس صبر کرو! اب
تم زندگی کے جس نئے رخ کی طرف جانا چاہتی ہو، وہ نیا رخ
تمہارے بھی عمل کا متقاضی ہے۔ تم اگر جلدی کر دو گی تو یہ اصل
تمہارے ہی حق میں بہتر ثابت ہو گا۔ تم اس سے بہتر سے فائدہ حاصل
کر سکو گی جبکہ تاخیر کی صورت میں وہ فائدہ کچھ کم ہو جائیگا۔ میں
اس کا باعث نہیں اچھی نہیں سمجھا سکتا۔ تم کو یہ تم سے
جھوٹ نہیں بول رہا ہوں!“

میں نے میری بچی بولی اپنی پیشانی اٹھائی اور خان آف کالا
گوٹ کی طرف دیکھنے لگی، پھر میں نے بھڑائی بولی آواز میں کہا: ”کچھ
بھی ہو گا، میں سوچنے کے لیے کچھ وقت ضرور چاہوں گی۔ تم مجھے
سوچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنا وقت دے سکتے ہو؟“
خان کے چہرے سے خفگی سی جھلک اٹھ رہی تھی۔ اس نے
اپنی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر بولا: ”مجھے ابھی ایک ضروری
کام سے جانا بھی ہے۔ مجھے اس میں دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔
میں یہیں سوچنے کے لیے اس آواز ہی وقت دے سکتا ہوں!“
”دو تین گھنٹے؟“ میں نے جیسے سوچتے ہوئے کہا: ”پلو ٹھیک
ہے۔ میں تین گھنٹے بعد یہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی!“
”اس بات کا ارکان بھی ہے کہ میں تین گھنٹے بعد بھی نہ آسکوں!“
”تو؟“

”اس صورت میں تم اپنے جواب سے میرے ایک آدمی کو آگاہ
کر دیتا۔“
”نہیں آدمی کو؟“
خان آف کالاگوٹ نے دوسرے دروازے پر کھڑے
ہوئے آدمی کی طرف دیکھا اور ٹھکانا انداز میں بولا: ”ماسٹر کو
جلا کر لاؤ!“

وہ آدمی چلا گیا۔ میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ کسی ماسٹر
کا ذکر نہیں کرتی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس مقام پر خان
آف کالاگوٹ کا نائب ہے لہذا اسے ماسٹر کہا جاتا ہے، پھر بھی
میں نے بڑی سنجیدگی سے آواز میں خان آف کالاگوٹ سے پوچھا۔
”یہ ماسٹر کس اسکول میں پڑھتا ہے؟“
خان کے ہونٹوں پر خفگی سی مسکراہٹ چھل گئی اس

نے میرے سوال کو نشے کا سبب سمجھا تھا۔ وہ بولا:
”ان آدمیوں کو پڑھاتا ہے جو یہاں شیتیں ہیں۔“
”واہ! میں نے کھل کر کہا، تمہارے لگاؤ!“
”گویا،“ خان بھی مسکرا رہا تھا۔
میں سنجیدہ ہو کر بولی: ”یہ اسکول تمہارے
رکھنے والا!“
”خاصا عرصہ ہو گیا!“

”ہوں؟“ میں نے ایک بار پھر اپنی پیشانی اٹھا کر
ٹکا دی۔
خان چپ بیٹھا رہا۔ دروازہ بعد دروازوں
کی آہٹیں سنائی دین لگیں میں نے میری سطح سے
پھر میں نے بھی محسوس کیا کہ دونوں آدمیوں میں
کے قدموں کی آہٹ دروازے ہی پر گرنے لگی تھی،
کے قدموں کی آہٹ مین کے اس سر سے پر گرنے لگی تھی
آف کالاگوٹ بیٹھا ہوا تھا۔
”بانو! خان آف کالاگوٹ نے دل سے بلند آواز میں
پکارا۔
”آں!“ میں نے گویا چمک کر سر اٹھایا۔
”یہ ماسٹر ہے۔“

میں نے اپنی آنکھوں کو حسی الارکان نشیلا بنانے کی
کی اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو خان آف کالاگوٹ کے
پر مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ چالیس بائیس سال کا ایک لمبا مڑنگا آدمی تھا،
کے بال خاصے لمبے تھے۔ وہ تھا تو مقامی لیکن اس نے
کافصوں بایں پہن رکھا تھا مگر کڑے اور جوڑو وغیرہ
والے کوچ پہنتے ہیں۔ اس کی تیز چمکی آنکھیں میرے چہرے پر
ہوئی تھیں۔

”یہ... یہ ماسٹر ہے!“ میں سسخت انداز میں نہیں
میرے اس انداز پر ماسٹر کے چہرے پر سرخ سی جھلک
تھی مگر غالباً خان آف کالاگوٹ کی موجودگی کے باعث
کچھ نہیں کہہ سکا۔

خان آف کالاگوٹ نے میرے مذاق کو نظر انداز کر دیا اور
بولا: ”ہاں بانو! تم تین گھنٹے بعد اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔
مجھے اطلاع دے دے گا۔“

”یوں پر؟“
”ابھی دیر ہے۔“ خان نے جواب دیا۔ ”تم اس کے بارے
”چو!“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔
”میں چلو گا۔“ خان کھڑا ہو گیا۔
”اے!“ میں نے ہاتھ ہلایا اور ایک بار چہرے پر سر ہلا کر دینا

میں ”خان بول چلا۔
”میں تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
”میں نہیں بیٹھو گی!“ اپنے کمرے میں جاؤ!“
”جہاں؟“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور کھڑی ہو کر
”تمہارے“ میں نے واپس اس دروازے کی طرف چل پڑی تھی
”کھڑا تھا۔“ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے راستہ دیا اور پھر
”مجھے چھپنے لگا۔“ مجھے میرے ”قید خانے“ میں چھوڑ کر جب
”سجائے لگا تو میں نے اس سے کہا: ”سنو!“
وہ سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔
”کیا تمہارا سو ڈال کے گا؟“ اب میں اس بوتل میں پتھوڑی

”ہاں! میں نے گویا چمک کر سر اٹھایا۔
”یہ ماسٹر ہے۔“
میں نے اپنی آنکھوں کو حسی الارکان نشیلا بنانے کی
کی اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو خان آف کالاگوٹ کے
پر مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ چالیس بائیس سال کا ایک لمبا مڑنگا آدمی تھا،
کے بال خاصے لمبے تھے۔ وہ تھا تو مقامی لیکن اس نے
کافصوں بایں پہن رکھا تھا مگر کڑے اور جوڑو وغیرہ
والے کوچ پہنتے ہیں۔ اس کی تیز چمکی آنکھیں میرے چہرے پر
ہوئی تھیں۔

”یہ... یہ ماسٹر ہے!“ میں سسخت انداز میں نہیں
میرے اس انداز پر ماسٹر کے چہرے پر سرخ سی جھلک
تھی مگر غالباً خان آف کالاگوٹ کی موجودگی کے باعث
کچھ نہیں کہہ سکا۔
خان آف کالاگوٹ نے میرے مذاق کو نظر انداز کر دیا اور
بولا: ”ہاں بانو! تم تین گھنٹے بعد اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔
مجھے اطلاع دے دے گا۔“

مجھے یہاں سے فرار کی کوشش کرنا ہی تھی۔ رضیہ اور رضوان کا انتظار
اب زیادہ وقت گزرنے تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی اب مجھے
کم از کم آہٹات الگ کی طرف سے کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اگر
وہ یہاں پہنچے تو خان آف کالاگوٹ کے تعاقب میں پہنچ جائے لیکن
اب تو خان آف کالاگوٹ یہاں سے واپس بھی جا چکا تھا۔
”آدھے گھنٹے تک میں اسی مسئلے سے الجھ رہی کہ مجھے یہاں سے
فرار ہونے کے لیے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔
”آدھے گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی کی شکل نظر
آئی جو میرے لیے سوڈے لے کر آیا تھا۔ یہ میرے لیے ایک نئی شکل نظر
”یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے بے پوش کر کے میں ایک مرتبہ یہاں سے
فرار ہونے کی ناہم کوشش کر چکی تھی۔“

”اجنبی نے سوڈے کی بوتلیں تپائی پرتھیں تو میں اس سے
بولی: ”نہیں، وہاں نہیں، یہاں لا کے رکھ دو!“ میں نے ستر کی
سائڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ بوتل بھی سائڈ ٹیبل ہی پر رکھی
ہوئی تھی۔

”اجنبی، سوڈے کی بوتلیں اٹھا کر سائڈ ٹیبل کی طرف لے آؤ
میں نے دھت زری کی بوتل اٹھائی اور اس کا ڈھکن کھولے لگی۔ میرا
انداز ایسا تھا جیسے میں پینے کے لیے بے چین بیٹھی ہوں لیکن میری
اس حرکت کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ وہ مقصد اجنبی کی آنکھیں
اس لیے نہیں اٹھا کر کھینچنے کے لیے بے چین بیٹھی ہوں لیکن میری
ہو چکا تھا کہ میں نے پوری قوت سے اس کے سر پر بوتل دے ماری تھی۔
میں نے اس گل میں اتنی قوت استعمال کی تھی کہ بوتل کی گردن ٹوٹ
کر میرے ہاتھ میں رہ گئی تھی اور بوتل اس کے سر پر سے اچھل کر فرش
پر جا گری تھی۔ وہاں چونکہ تالین بچھا ہوا تھا لہذا اس کے ٹوٹنے
سے آواز نہ رہی تھی۔

”اچھی بات ہے۔“
وہ چلا گیا اور دروازہ باہر سے مقفل ہو گیا۔
میں نے آدھے گھنٹے بعد سوڈا بلا دیا۔ وہ نہیں منگوا یا تھا۔
”میں نے گھنٹے کی مہلت میں اسے کچھ سوچنے کے لیے حاصل کی تھی
”وہ اس لیے منگوا یا تھا کہ سوڈا لانے والے پر ہاتھ صاف کر کے
”کچھ کچھ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں۔“ اس بات
”کچھ کچھ انداز تو ہو ہی چکا تھا کہ اس وحشیانہ پلٹ کی برقی رند
”مسٹر کس طرح مقفل ہو گیا؟“
”وہ شاید ابھی اپنی جگہ بانی تھا کہ اس زنداں سے نکلنے کے
”میں خود کو کہاں پاؤں گی؟“ اگر یہ اندرون سندھ کا غلاتہ ہوا
”خان آف کالاگوٹ کی دسترس سے نکلنا خاصا مشکل ہو جائے گا۔
”یوں کہ اندرون سندھ تو اس کا اندر دوسرے بہت ہی زیادہ تھا۔
”میں قدم قدم پر خود کو اس کے گروں کے حال میں پاتی لیکن اب
”حالات اس پہنچ پر آگئے تھے کہ بڑے سے بڑا خطرہ محول کر کے

میں نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے چلتی ہوئی گولہ باری طے کر کے آہنی دروازے تک پہنچ گئی۔ دھاتی پیٹ پر قدم رکھنے سے پہلے میں اس کے قریب جھک گئی اور اس کے بائیں کونے کا جائزہ لینے لگی۔ اتنے قریب سے بغور دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کونے میں کوئی بچہ ایچ کا ٹکڑا کر کے اس دھات کا ہرگز نہیں ہے جس دھات کی باقی پیٹ بھی لیکن اس ٹکڑے پر اتنی خوبصورتی سے رنگ لگایا تھا کہ وہ اس دھاتی پیٹ سے الگ کوئی چیز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور انگلی سے اس ٹکڑے کو چھوا۔ اس لمس سے مجھے کوئی برقی جھٹکا نہیں لگا لیکن میں نے برقی زخمی ضرور محسوس کر لی۔ اس کے بعد میں نے دھاتی پیٹ کو چھو کر دیکھا اور جھٹکے سے میرا ہاتھ تعجب نہ لگایا۔ دھاتی پیٹ میں کرنٹ موجود تھا۔ اب میں سیدھی کھڑی ہوئی اور میں نے اپنے بائیں ہیکل کی طرف اس چھوٹے ٹکڑے پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔ اس دباؤ کے ساتھ ہی میرے اس پیر نے دم سم "کلک" کی آواز محسوس کی۔ اب میں نے اس پر سے ہیر مٹا لیا اور جھک کر ایک باہر پڑا انگلی سے اس دھاتی پیٹ کو چھوا۔ اس مرتبہ مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا۔ برقی رد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اب میں نے کھڑے ہو کر اپنا دایاں پیر بھی دھاتی پیٹ پر رکھ دیا۔ برقی رد یقیناً منقطع ہو چکی۔ اب میں نے اپنا دوسرا پیر بھی دھاتی پیٹ پر رکھ دیا اور جب میرے جسم کا دباؤ اس پیٹ پر پڑا تو آہنی دروازہ کھٹکھٹا گیا۔ میں ہڈا کے تیز جھونکے کی طرح اس میں سے گزری اور میں نے خود کو ایک ہنگامہ خیز طوفان میں گھور دیا۔ میرے سامان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس طرف آتے ہی میں اس قسم کی طوفان سے دوچار ہو سکتی ہوں۔



یہ وہی کہہ رہا تھا جہاں آج دم تیرہ خان آف کالائٹ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ گمراہی وقت اس کر کے کی گویا صورت پہچاننا مشکل تھی۔ ڈائمنگ ایلمنٹی پری تھی اور کرسیاں اُدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں آرائش و زیبائش کا جبر سامان تھا، وہ بھی اس طوفان کی تندرہ ہو گیا تھا جس سے اب بھی دوچار ہو چکی تھی۔

ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی میں آہنی دروازے سے گزرا میں پہنچی تھی، مجھ پر دافرد جھٹکا پڑے تھے۔ انھوں نے دروازے کو کھٹکے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"ہا جی! رضیہ جی پر نظر پڑتے ہی جیج اٹھ اٹھی۔ حیرت کا وہ جھٹکا رضیہ اور مجھ دونوں ہی کو مارا۔ کہے میں موجود چار افراد پہلے رضیہ سے بچے تھے۔ میں سے دو مجھ سے بچ گئے تھے اور بقیہ دو رضیہ کو کام کر کے کوشش کر رہے تھے۔ رضیہ کو وہ چاروں مل کر گالہ مار رہے تھے تو پھر دافرد اس کا کیا بچاؤ کر سکتے تھے لیکن اچانک میں میری آنکھ کے سبب رضیہ میری طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ نے پیچ کر مجھ پر دیکھا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب وہ دونوں بچے پڑے تھے۔ رضیہ کی طرف متوجہ ہونے کے سبب میں نے پورا افسانہ "زکر سکر تھی اور ایسا ہی رضیہ کے ساتھ ہی آدھروہ دونوں رضیہ پر چادی آنے لگے تھے اور اس خاطر دلاوت نہ ہونے کے سبب وہ دونوں بھی اب وہ حملہ آور ہو گئے تھے جنھوں نے مجھے پہلے ہی پکے پکے زمین کر دینا چاہا تھا۔

"رضیہ! سنبھلو!" میں نے اپنے اوپر حملہ کرنے والے سے ایک کے سینے پر فٹان لگ لگ لگاتے ہوئے پیر میں نے دیکھا تھا کہ ایک شخص "کرس" اٹھا کر رضیہ کی سسے پر حملہ کرنے والا تھا اور رضیہ دوسرے سے نہ ہوا۔ مگر میرا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ رضیہ اس شخص کی طرف سے نہیں تھی جو اس کی پشت سے حملہ کرنے والا تھا۔ رضیہ اپنا موجود شخص کا جبر اسلحہ ہوتی ایک دم مڑی تھی اور میرا لات پیچھے والے شخص کے پیٹ پر پڑی تھی۔ جس شخص کے سینے پر میری فٹان لگ لگ پڑی تھی وہ بارہ اٹھا نصیب نہیں ہوا مگر دوسرا فرد جان مار ڈالتا تھا وہ اپنے ساتھی کا حشر دیکھنے کے باوجود مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کمر کر رہا تھا۔ اس کا اٹھنا ہوا سا کھڑا ہاتھ میرے شالے پر پڑا

میں جھکائی دے کر نکل گئی تھی۔ یہ بات میرے لیے یقیناً حیرت کا سبب تھی کہ وہ چاروں غیر مستحق تھے مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا، اس کا احساس مجھ کے کہ ہی ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ انھوں نے رضیہ سے دم لٹائی کیوں پسند کی؟ کیا وہ غیر مستحق تھے؟ اور کیا رضیہ کے

میں نہیں تھا؟ رضیہ نے اتنی ایسی غلطی کیوں کی؟ یہ تو اسی وقت بتا چل گیا تھا جب میں نے اپنے مقابلے پر اتنا شخص کو زمین چٹواری تھی کہ وہ لوگ خیر سچ بہر حال تھے۔ اس شخص کے کوٹ کی ابھری ہوئی زیب سے دیو لوہہ دور جا کر اٹھا لیکن رضیہ کیوں غیر مستحق؟ یہ مسئلہ ابھی

اس دوران میں رضیہ نے بھی ایک شخص کو گرا لیا تھا۔ اب تین افراد بے ہوش پڑے تھے اور چوتھا شخص اپنے تین بھائیوں کا حشر دیکھ کر کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف بھاگا تھا۔

"دک جاؤ درنگوں مار دوں گی!" میں نے لیک کر بے پٹوں کا ریلو اور اٹھانے ہوئے پیچ کر کہا۔ مجھے خطرہ یہ تھا کہ اس شخص کمرے سے نکل کر باہر سے دروازہ بند نہ کر دے۔ یہ خطرہ شاید رضیہ نے بھی محسوس کر لیا تھا اس لیے وہ بچنے والے کے پیچھے بھاگی تھی۔ فرار ہونے والا ان کا نہیں بھاگتا تھا وہ دروازے سے نکل گیا تھا۔ میں اس پر اس کی طرف سے دافرد کر سکی تھی کہ فوراً ہی رضیہ سامنے آگئی تھی۔ اندازے میں اس میں غلطی تھی۔ بول ناگ مارتا جے کے دوچار کر سکتی تھی۔

بہر حال رضیہ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ معذور شخص اور رضیہ آگے پیچھے جھگڑتے ہوئے اس کمرے میں گئے تھے اور میرے لیے بھی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ انہی کے پیچھے جاؤں۔

دوسرے ہی لمحے میں بھی اس کمرے سے بھاگتی ہوئی نکل۔ ایک چوڑی سی راہداری تھی۔ رضیہ اس شخص کو چپا لینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ رضیہ! نادہ رہی کے میک آپ میں تھی جس مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ خان و لاہی کے بیچ ہی وہاں پہنچی تھی لیکن رضوان کہاں تھا؟ کیا اس نے رضیہ کو رابطہ قائم نہیں کیا تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو کیوں؟ رضوان اس کیوں نہیں ملا؟ میں نے تو سوچا تھا کہ وہ دونوں ہی وہاں تھے

مگر پچھلی گے مگر رضیہ فی الحال تنہا نظر آ رہی تھی۔ کہیں رضوان ملاقات کے کسی حصے میں تو دشمنوں سے نبرد آزما نہیں تھا؟ میں نے جتنے میں اس لیے تھے۔ یہ جانب تھی کہ مجھے ان چاروں میں باسٹر میں آیا تھا۔ وہاں ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس سے میں بہر حال

میں جب تک دوڑتی ہوئی رضیہ کے قریب پہنچی، اس نے فرار ہونے والے کو غفلت کی نیند سلا دیا۔ یہ نیند صرف بے ہوشی کی حسد کے کشتی باوہ واقعی ابدی نیند ہو گیا تھا، اس بات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رضیہ ابھی اٹھ کر کھڑی نہ ہو چلائی تھی کہ کمرے کا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ میں نے زمین پر لیٹنے میں دیر نہیں کی تھی اور لیٹے لیٹے اس طرف ایک فائر بھونک رہا تھا جس طرف سے گولی چلائی گئی تھی۔ رضیہ نے بھی میری تقلید کی تھی۔

اس راہداری میں دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک کمرے کا دروازہ راہداری کے اختتام پر بالکل سامنے تھا۔ گولی ادھر ہی سے آئی تھی۔ اس کمرے کا دروازہ کھولا ہوا تھا۔ "ریلو اور بھیک دوسریہ بانو" در نہ تم دونوں کو بھونک دیا جائے گا۔" اچانک میں نے راہداری کی دوسری سمت سے ایک بھاری آواز سنی۔ اس کے ساتھ یہ یقین دلانے کے لیے کہ دھمکی دینے والا اپنے وعدے میں سچا ہے فوراً ہی ایک فائر ہو چلائی جانے والی گولی میرے اور رضیہ کے سر کے لیے ایک زنا ناسا پیدا کرتی ہوئی گزر گئی۔ چند لمحوں بعد ہی وہی بھاری آواز پھر گونجی۔ تم دونوں بائیں سے گھر چکی ہو دوسریہ بانو! بہتر یہی ہے کہ ریلو اور بھیک دو! میں نے اسی طرف سر اٹھا کر دیکھا جو کمرے کا آواز آئی تھی۔ وہ آواز راہداری کے دوسرے سرے پر پہنچے ہوئے ایک کمرے سے آ رہی تھی اور اس کمرے کا دروازہ بھی کھولا ہوا تھا جس سے ریلو اور کی نال باہر تھا جب کہ وہی تھی۔ دھمکی دینے والا اسی دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس لیے میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

"ہا جی! ریلو اور بھیک دیں!" اچانک رضیہ نے مگر کوئی کی۔ میں نے خود بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ وہ لوگ اسی صورت میں نکل کر سامنے آ سکتے تھے۔ یقیناً رضیہ بھی بات سمجھ چکی تھی کہ وہ لوگ مجھے اور اسے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ ان چاروں نے مسخ ہونے کے باوجود ریلو اور کستال نہیں کیے تھے، اس کا سبب بھی یہی رہا ہوگا۔ خان آف کالائٹ بہر حال اس وقت تک مجھے ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک مجھ سے ماہ پارہ کے بارے میں نہ پوچھ لینا لیکن انھوں نے رھبر کو کیوں زندہ چھوڑ دیا تھا؟ یہ میں ابھی سمجھ نہیں پاتی تھی۔

اگر میں ریلو اور بھیک کے کا فیصلہ نہ کرتی تو یہ امکان ضرور تھا کہ

وہ لوگ جب تک کہ محتاط نافرنگ شروع کر دیتے اور اس نافرنگ کے نتیجے میں مزدوری نہیں تھا کہ تنبیہ میرے قے میں ہی نکلتا۔ اس محتاط نافرنگ سے میں اور رضیہ ہلک دم بھی ہوتے زخمی تر ہو ہی سکتے تھے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ ہم دونوں ہی کو تینہ ہی بنانے میں کامیاب ہو جانے۔ زخمی حالت میں، رضیہ اور میں ہرجاں ان کا مقابلہ نہ کرتے۔

سب سے پہلے یہ ساری باتیں سورج کی تھیں اور
مشاہدہ فیض بھی اسی نتیجے پر پہنچی تھی۔ اس نے یونہی تو مجھے دیو اللہ
بھیکنے کا شوق نہیں دیا ہو گا۔

”میں ریو اور پھینک رہی ہوں یہ لو! میں نے بلند آواز میں کہا اور اس طرف ریو اور پھینک دیا بعد سے دھکی مینے دالے کے آواز آئی تھی۔

”تم نے ریو اور ہینک کر تینا عمل مندی کا ثبوت دیا ہے
صیغہ بانو، جو اب میں پھر وہی بھاری آواز سنائی دی اور اسی کے
ساتھ کر کے کا دروازہ کھلا۔

میں نے کرے سے نکلنے والے شخص کو ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ماسٹر تھا۔ اُسی کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی کرے سے نکلا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں ریلوے اور تھے۔

میں اور رضیہ دونوں ہی ایک دم اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے اور ہمارا رخ ماسٹر کی طرف تھا۔

”دوسری طرف بھی دیکھ لو صبحہ بانو!“ ماسٹر کی بھاری آواز

سنائی دی۔ اس کے شانوں پر بڑے بڑے بال لہرا رہے تھے اور جسم پر دہی مخصوص لباس تھا جو پہلے بھی نہیں دیکھا چکی تھی۔
میں نے ٹیگٹ کر دیکھا۔ راہداری کی دوسری سمت سے بھی

دو افراد ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ اُدھر ہی سے گولی چلائی گئی تھی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی دیواروں تھے۔ گویا مجھ اور رضیکو کو دونوں جانب سے مسلح افراد نے گھیر لیا تھا اور کوئی راہ بفر

نہیں تھی مگر اس قسم کے حالات سے تو میں ماضی میں متعدد بار
دوچار ہو چکی تھی۔ رضیہ کے لیے بھی یہ کوئی ایسی تشویش ناک

طرح باتھی تھی۔ جب میں دوبارہ ماسٹر کی طرف مڑی تو میری اچھستی
ہوئی نگاہ رضیہ کے چہرے پر پڑی۔ اُس کا چہرہ پُر سکون تھا۔

سے بچ کر لڑوہے تھے۔

اس بار بھی میں نے ماسٹر کو بل کر لے کر موقع دیا اور اسے چڑانے کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے پھر کمر بھر میری جانب جھٹ لگائی اور میں اسی لمحے میرے پیروں نے بھی زمین چھوڑی۔ میرے اور ماسٹر کے جسم فضا میں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور اس ٹکرائے میں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ میں تو اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ مجھ پر جھٹ لگائے گا لیکن شاید اسے یہ توقع نہیں تھی کہ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرانے کی جھٹکوں گی۔ میں نے اس کی اس لاعلمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ جیسے ہی میرا جسم اس کے جسم سے ٹکرایا تھا، میں نے اپنے دونوں ہاتھ ٹاکر کی تھیلیوں اس کے سر پر مار دی تھیں۔ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکر کر زمین پر شانے کے بل گر گئی تھی اور وہ تیرا کر ایک طرف جا رہا تھا۔

میں اس پر توجہ نہیں پر گرتے ہی اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر ماسٹر پرتی کا منہا ہونے نہ کیا تھا۔ میری کھڑی تھیلیوں کی ضرب نے اس کے منہ کی گتیاں ہلا کر رکھ دی ہوں گی۔ وہ یقیناً سخت جان تھا برائے شید ضرب سہر گیا تھا وہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید کافی دیر میں اٹھ کر کھڑا ہو سکتا۔ ماسٹر اٹھ کر کھڑا تو ہو گیا تھا مگر بار بار اپنے سر کو جھٹکے رہا تھا۔

”آؤ ماسٹر! ہاں کھڑے کے سینک مار رہے ہو!“ میں نے ہنس کر کہا اور اسی کے ساتھ اسے دوبارہ جھٹ لگانے پر ہانسا کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

”میں نیچے ذمہ نہیں چھوڑوں گا“ ماسٹر نے مجھ پر اپنی تیز چمکی آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔

”یہ ارمان بہت سے لوگ اپنے سینوں میں لے کر مر گئے ماسٹر! اور شاید تم بھی مر جاؤ!“

”دھرمیر! لفظ پورا ہوا اور دھرمیر نے مجھ پر چھلانگ لگادی۔ اس بار میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ ماسٹر کو یہی توقع تھی کہ وہ مجھ کی طرف فضا میں پہلے کی طرح فضا میں اس کے جسم سے ٹکرائے گی اس لیے اس بار اس کے دونوں پاؤں آگے تھے اور وہ کان سے چھوٹے ہوئے کسی تیر کی طرح دیکھ کر آ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کا بھاری جسم میرے قریب آیا، میں نے پہلی کی تیزی سے ہینزا بلا اور دھرمیر میری دائیں ٹانگہ لٹکی۔ میرے جوتے کی ٹوک پوری قوت سے اس کی کمر پر پڑی تھی اور اسی کے ساتھ میں

تیزی سے پیچھے ہٹ کر لڑوہے جا گئی تھی۔ اس بار اس سے چہرے بھی لٹک گئی تھی۔

ماسٹر کمر کے بل زمین پر آ رہا تھا اور گر کر بار بار زمین میں اچھل رہا تھا۔ اسی وقت میری نگاہ ماسٹر کے اس سامنے جو میری ایک ضرب بھی نہ سہر سکا تھا۔ وہ میرے قریب ہی تھا اور بے ہوش تھا۔

ماسٹر کو اب میں اٹھنے کی ہمت نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے ایک ہی لمحوں کے بغیر اس کی طرف چھٹی۔ اگر میں اس پر لگتی تو یقیناً حماقت کرتی کیوں کر میری توقع کے خلاف وہ ایک دم ہٹ کر اس جگہ سے ہٹ گیا تھا تو کچھ بڑا جھوٹا ہوا پیرول پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے غالباً یہی سوچا ہو گا کہ میری جھٹکوں کی اداریوں نے اپنے ہی ذریعہ میں ہلا کر رکھ دی۔ میں نے اسے اس جگہ پر جھٹک دیا۔ اس کے پیٹے اس پر جھٹکے ہی لگائے کا فیصلہ کیا تھا کہ مجھے میں اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔

اسے کھڑا ہونا دیکھ کر میں ایک جھٹکے سے لگ گئی تھی۔ میں اس وقت میری حماقت سے پے در پے دوہرا کر لٹکائی تھیں۔ میری نگاہ غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھ گئی تھی۔ میں نے اس کی دی تھیں۔ رفیعہ اپنے حقے کا کام پتھر کے ساتھ میری طرف آ رہی تھی۔ اس نے اپنے مقابل دونوں کو زمین پر لٹایا تھا۔ وہ دونوں زمین پر بے رحمہ پڑے تھے۔ میں نے رفیعہ کے ہاتھ میں لڑوہے دیکھا تھا جو یقیناً اس نے اس دونوں میں سے کسی کی جیب سے نکالا ہو گا۔

ماسٹر کی پشت اور فیک کی طرف تھی۔ میرے ذہن میں یہ ظاہر کیوں نہ خیال آ گیا کہ میں رفیعہ ماسٹر پر گولی نہ جلا دے۔ میں نے اس کی ہڈیوں کو توڑ دیا۔ ”رفیعہ گولی نہ جلا نا“ میرے اصرار کے درمیان صرف دو عین گز کا فاصلہ تھا۔ ماسٹر میری بات سن کر اچھل پڑا، پھر دوسرے ہی لمحے وہ کھپکھپ کی طرح زمین پر گر پڑا تھا اور گر کر ہی اس نے اپنا جیب میں ڈال دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے رفیعہ کے لڑوہے نے شعلہ انگن دیا تھا اور ماسٹر کی طرف سے غافل نہیں تھی اور یقیناً اس نے ماسٹر کی جیب میں ہاتھ ڈالنے دیکھا تھا۔ ماسٹر اسی لیے اپنی جیب سے ہاتھ نکالنے میں ناکام رہا تھا اور گولی کھانے کے بعد چر کر دوسری طرف اٹھ گیا تھا۔ اگر گولی چلانے میں رفیعہ سے ایک لمحے کی

خیر ہو جاتی تو ماسٹر اپنی جیب سے لڑوہے نکال چکا ہوتا۔ رفیعہ کے پاس اس صورت حال میں اس کے بسوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میرے منہ کرنے کے باوجود وہ ماسٹر کو نشانہ بنا دیتی اور اس نے یہی کیا تھا۔

مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ ماسٹر صرف آخرت پر روانہ ہو چکا ہے۔ ہر چند کہ رفیعہ نے اس کے بازو کو نشانہ بنایا تھا مگر گولی بازو کا گوشت جھاڑتی ہوئی اس کے سینے میں اتر گئی۔ اگر رفیعہ اس زلزلے سے فائدہ نہ کرتی تو گولی سیدھی پلٹی اور اس صورت میں مجھے بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا کیوں کہ میں ماسٹر کے سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ کے سینے چوٹ تو نہیں آئی بائی؟“ رفیعہ نے میرے قریب پہنچ کر پوچھا۔ اس کے لمحے میں ہلاکت تھی۔ ”پگلی! میں ہنس دی“ تو تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے، پھر اس نے بات بڑھ کر کہی۔

میں نے ایک ہی نظر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ رفیعہ زخمی نہیں ہے۔ اس لیے اس سے کچھ پوچھنا میری ضرورت نہیں سمجھا تھا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس عمارت میں ہی آٹھ افراد تھے جن میں سے دو ایک مر چکے ہیں اور رفیعہ بے ہوش ہیں“ میں نے تاثر طلب انداز میں رفیعہ سے کہا۔

”ہاں، میرا خیال بھی یہی ہے باجی! اگر اور لوگ بھی ہوتے تو بتیسا اس ہنگامہ آرائی کے بعد خاموش نہ بیٹھتے۔“ رفیعہ نے جواب دیا۔ ”پھر فوراً ہی بولی“ ہاں یہاں ذریعہ کسی کمرے میں ضرور بند ہو گیا۔

”ذریعہ! میں چونک کر بولی۔“ ہاں وہ میرے ہی ساتھ آئی تھی۔ ”رفیعہ نے بتایا۔ میں نے اس وقت یہ وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ ذریعہ، رفیعہ کے ساتھ کس طرح وہاں پہنچ گئی تھی اور وہاں کس طرح قید ہو گئی تھی۔ یہ ساری باتیں بعد میں ہو سکتی تھیں۔

”رفیعہ! ذریعہ کی تلاش سے پہلے ہی ضروری ہے کہ ہم ان زخموں کو زخمی نہ کر کے کسی کمرے میں بند کر دیں“ میں نے کہا۔ ”اگر اس دوران میں ان میں سے کسی کو ہوش آ گیا تو ہمارے لیے کوئی مشکل کھڑی کر سکتا ہے۔“

رفیعہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور دھرمیر دونوں نے ان آٹھوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بغیر موقع کرنے کے بعد راہداری کے ایک کمرے میں ڈھکیے ہوئے جانوروں کی طرح ڈال دیا۔

کے بعد باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ان میں سے چار کو ہم بڑے کمرے سے گھسیٹ کر لائے تھے۔ آٹھ افراد میں سے تین جہنم رسید ہو گئے تھے، یقیناً بھی تک بے ہوش تھے۔ ان تین میں ماسٹر بھی شامل تھا۔ ماسٹر کو رفیعہ کے ہاتھوں لگا کر رفیعہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے۔ ان دونوں کی گردنوں کی پٹیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

دو دور پور میں نے اور رفیعہ نے اپنے پاس رکھ لیے تھے جن سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی، بقیہ چار پور اور ہم نے راہداری ہی میں بھیج دیا۔ تھے کیوں کہ ان کا بوجھ اٹھانے پھرنا میری نظر میں اس وقت سے سود تھا۔ میرے خیال میں ابھی خطرہ پوری طرح ٹلا نہیں تھا اس لیے میرا اور رفیعہ کا سمجھنا ضروری تھا۔ جب تک ہم اس عمارت سے نکل کر کسی محفوظ جگہ نہ پہنچ جاتے، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کن حالات سے گزرنا پڑے۔

اب تک مجھے رفیعہ کو کچھ بتانے کا موقع مل سکا تھا کہ پوچھنے کا، لیکن اب ان آٹھوں کے جاندار اور بے جان ہونے کو راہداری کے ایک کمرے میں بند کرنے کے بعد میں کسی فوری خطرے سے محفوظ ہو گئی تھی۔ میں نے رفیعہ سے پہلا سوال رضوان کے بارے میں کیا۔ ”رضوان نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا“ رفیعہ نے جواب دیا۔ ”یا ممکن ہے اس نے کوئی شل کی ہو کیوں کہ آج دپہر کے بعد میں ذریعہ کے ہمراہ شاپنگ کے لیے صدف گئی تھی اور ہم دونوں کافی دیر بعد لوٹے تھے۔ ذریعہ مجھے ساتھ سے جانے پر بے رحم ہو گئی تھی ورنہ میں نہ جانتی۔“

”ہوں“ میں نے گہرا سانس لیا۔ ”میں ہوسکتا ہے۔“ ”مگر باجی! رضوان کو تو آپ کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔ مجھے تو یہی اندازہ تھا“ رفیعہ کے لہجے سے کسی قدر فکر مندی کا اظہار ہوا تھا۔

”وہ بھی میری طرح ہیں قید تھیں مگر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔“

”لیکن... وہ... وہ یہاں آپ کو چھوڑ کر ہٹا۔“ ”حالات ایسے ہی تھے“ میں نے رفیعہ کی بات کاٹ کر کہا۔ ”میں تعین تفصیل سے سب کچھ بتا دوں گی لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں کس طرح پہنچ گئیں؟“ ”ذریعہ نے کسی طرح عمارت کو اس پر آدہ کر لیا تھا کہ وہ اگر آج رات خانہ کوٹ کا لاگٹ کو، سیلی کو پشیش لے کر کہیں جائے گا تو مجھے

اور اسے پہلے ہی پہلی کو پٹریں چھڑا دے گا۔ رضیہ نے جواب دیا۔ میرے بے یے سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ زین سے اس کو گنگے کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا ہوگا۔

میں نے ابھی مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا کہ رضیہ پھر بولی اٹھی۔ "میں نے لاکھ جا کر زین صحن مجھے پہلی کو پٹریں جانے دے کر وہ نہیں مانی۔ میری باتوں نے خود اس کو ذہن میں جھپٹیں پیدا کر دیا تھا کہ خان آف کالاکوٹ درحقیقت کہاں جاتا ہے؟"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں اسی وقت سے یہاں ہو جب خان آف کالاکوٹ آیا تھا؟ میں نے خود دکھائی کہ سے انداز میں کہا۔

"ہاں" رضیہ بولی۔ "میں زین کے ہمراہ پہلی کو پٹر سے اتر کر اس عمارت کے ارد گرد دھیسے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں چھپ گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ جب خان آف کالاکوٹ پہلی کو پٹر میں بیٹھ کر واپس چلا جائے گا تو زین کو وہیں چھوڑ کر عمارت کا رخ کروں گی۔ میرا قیاس تھا کہ خان آف کالاکوٹ نے آپ کو اور رضوان کو اسی عمارت میں رکھا ہوگا؟"

"تمہیں یہ کب معلوم ہوا کہ میں اور رضوان خان آف کالاکوٹ کے ہتھے چڑھ گئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آج صبح ایک جب میں نے رضوان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو مجھے ایک ملازم سے رات کو پیش آنے والے عجیب واقعے کا علم ہوا۔ رضیہ نے جواب دیا۔ "میں اسی وقت خان دلا سے راز نہ ہو گئی تاکہ تفصیلی واقعات جان کر کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔

پھر میں نے ملازماؤں سے گفتگو کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ خان آف کالاکوٹ آپ پر اور رضوان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا کہ شاید آپ کو خان ولا ہی میں رکھا گیا ہے لیکن پھر میرا خیال بدل گیا۔ میرے ذہن میں وہ رہ کر یہی خیال آ کر ہاتھ کر خان آف کالاکوٹ نے جہاں پر دُفیر مناس کو رکھا ہوگا، وہیں وہ آپ کو بھی رکھے گا۔ اس خیال کا ایک سبب یہ تھا

کہ خان آف کالاکوٹ پر دُفیر مناس کو کسی ایسی ہی جگہ رکھ سکتا تھا جو ہر طرح محفوظ اور خفیہ ہو۔ خان ولا ہر حال وہ جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جگہ میرے خیال میں دیہی ہر سکتی تھی جہاں خان آف کالاکوٹ پہلی کو پٹریں بیٹھ کر جاتا تھا۔ اس نتیجے تک...

"ٹھہر و رضیہ! میں نے ہاتھ اٹھا کر رضیہ کی بات کاٹ دی۔ تم نے پر دُفیر مناس کا ذکر کیا کہ ایک اور راہ سمجھا دی ہیں تمہارے

اس خیال سے قطعی متفق ہوں کہ پر دُفیر مناس بھی اسی جگہ کیوں قید ہے۔ اب مزید تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں فوراً زین اور پر دُفیر مناس کو تلاش کرنے کے بعد اس

سے نکل جانا چاہیے۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کلائی پر پرنسپی ہونے لگا کر دیکھا اور بولی "اس وقت گیارہ بجے والے ہیں۔ آج رات کھانا باہر بجے کے بعد خان آف کالاکوٹ یا زین ہاں خود آئے گا یا

ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ یہ بھی طے شدہ نہیں کہ وہ ایک گھنٹہ سے پہلے ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کرے گا۔ ممکن ہے وہ پہلے ہی رابطہ قائم کرے اور ہم

سے کوئی جواب نہ ملے کی صورت میں فوراً ہی کوئی ایسی جگہ چل دے کہ ہم اس کے حال میں دوبارہ چھپ سکیں۔"

رضیہ نے مجھ سے اس بات کی وضاحت نہیں کر سکی تھی کہ مجھے یہ کیسے یقین ہے؟ خان آف کالاکوٹ ایک گھنٹہ یا تو خود وہاں پہنچے گا یا ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ وہ وقت مقرر تفصیلات میں جانے کا نہیں تھا اور اس بات کا اندازہ دُفیر بھی ہو گیا ہوگا۔

میرے ذہن میں بھی اس وقت کئی تشوہالات گردش کر رہے تھے مگر میں نے فی الحال انہیں ذہن سے جھٹک دیا

میں اور رضیہ اس وقت راہداری میں کھڑے ہوئے بائیں طرف تھے۔ پہلے ہم نے دھیں دونوں جانب بٹے ہوئے کھوکھڑے لینا ضروری سمجھا اسی کمرہ میں سے ایک میں ہم نے ان اٹھلے افراد کو بند کیا تھا۔

وہ چھ کمرے تھے، دو راہداری کے دونوں سروں پر تھے اور چار درمیان میں۔ ان میں ایک بڑا سا کمرہ بھی تھا جس میں ہم نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔

"اس کمرے میں غالباً ماسٹر اپنے شاگردوں کو جوڑ کر الگ کی تربیت دیتا ہوگا؟" میں نے اس ہال نامکمرے سے نکلنے لگا۔

رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ البتہ تمام کمرے رہائشی تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اٹھلے افراد ابھی کمرہ میں رہتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کمرے میں ماسٹر کی بڑی سی تصویر بھی دیوار پر آویزاں تھی۔

وہ مزید وقت ضائع کرنا نہ چاہتا تھا اس لیے میں اور رضیہ

راہداری کے سرے پر بنے ہوئے ایک دروازے کی طرف بڑھے۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ عمارت کافی بڑے لہجے پر چھٹی ہوئی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ابھی تک ہم نے زین کو تلاش کر سکا تھے اور نہ پر دُفیر مناس کو! ہمیں اس عمارت میں چکر اٹاتے ہوئے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔ میں نے اس دوران میں دُفیر سے بغیر واقعات بھی معلوم کر لیے تھے۔

رضیہ کے بیان کے مطابق اس نے ایک نتیجے تک پہنچنے کے بعد زین کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ عمارت کو تھوڑی سی "گھاس" ڈال دے۔ زین پر ہشک اس کا بیخیر کر آمادہ رہی تھی اور نتیجہ حسب توقع نکلا تھا۔ عمارت

نے ان دونوں کو پہلے ہی پہلی کو پٹر کے پچھلے حصے میں چھپا دیا تھا جہاں دو پیراشرٹ نہ جانے سے لیے پڑے رہتے تھے حالانکہ وہ ہوائی تہاڑ نہیں پہلی کو پٹر تھا۔ زین اور رضیہ بہ آسانی ان پیراشرٹس کے نیچے چھپ گئی تھیں۔ خان آف کالاکوٹ کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ پہلی کو پٹر میں اس کے گونجے جھینگے کے علاوہ بھی دو دھرم و دھرم دو رکھ رہے ہیں۔

اندازے کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ کم پہلی کو پٹر فضا میں پرواز کرتا رہا تھا۔ پھر جب خان آف کالاکوٹ اس سے اتر کر چلا گیا تھا تو رضیہ اور زین بھی عمارت کو بائی بائی کہہ کر وہاں سے چل دی تھیں۔ وہ گونگا بے چارہ کہنا سننا بھی کیا، وہ ادل آں کر کے رہ گیا تھا جس پر زین نے توجہ دی تھی نہ رضیہ نے۔

جب خان آف کالاکوٹ دوبارہ پہلی کو پٹر میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا تو رضیہ اور زین عمارت کی طرف بڑھی تھیں لیکن ان دونوں ہی کو چھاپ لیا گیا تھا۔ رضیہ نے دانت اس وقت ہنگامہ برپا کرنے سے گریز کیا تھا کیوں کہ ان دونوں کو پکڑ کر عمارت میں ہی لے جایا جا رہا تھا۔ رضیہ کا دیو اور اس سے اسی وقت چھین لیا گیا تھا۔

زین کو زنجیر تھی ماسٹر چونک اٹھا تھا۔ اس سے رضیہ نے اندازہ لگایا تھا کہ کم از کم ماسٹر، زین کو گرفتار نہ چاہتا ہے جب ماسٹر کے حکم پر زین کو اور رضیہ کو اس کے حجرے الگ الگ

لے جانے لگے تو زین غصے سے بے قابو ہو گئی۔ اس نے ماسٹر کو بہت دھمکیاں دیں کہ وہ اپنے والد سے کہہ کر اسے ملازمت سے الگ کر دے گی اور یہ رضیہ اس کی دوست ہے مگر ماسٹر نے ایک بد نہی۔ رضیہ اور زین کو جلا ہونا ہی پڑا۔ رضیہ نے اس وقت بھی ہنگامے سے دانت گریز کیا۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ اس کے مقابلہ کرے کہ افراد ہوں اور پھر اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ رضیہ کو غالباً وہی اسی کمرے میں قید کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے مجھے رکھا تھا۔

رضیہ کے بیان کی روشنی میں میرے بے یے سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ مسخ ہوئے کے باوجود رضیہ کو قتل میں کرنے کے لیے دیواروں کیوں استعمال نہیں کر رہے تھے اور وہ غیر مستحکم کیوں تھی۔ رضیہ نے بھی بتایا تھا کہ خود ماسٹر نے اپنے عڑگوں کو دیواروں کے استعمال کرنے سے گریز کا حکم دیا تھا۔ ماسٹر نے اسی لیے رضیہ کے ہمراہ زیادہ آدمی بھیجے تھے کہ اگر وہ کوئی ہنگامہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی دہی ہو تو اپنے ساتھ آئے والے افراد کی تعداد دیکھ کر ڈر جائے۔ ماسٹر کی یہ بیٹھبی ہی تھی کہ وہ رضیہ سے واقف نہیں تھا۔

"رضیہ! میں نے ایک طرف مڑتے ہوئے رضیہ سے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ماسٹر نے تم دونوں کو... میں کہتے کہتے دک گئی ہیں نے رضیہ سے کہا۔ تم نے کچھ سنا؟"

"ہاں کچھ محسوس تو ہوا تھا جیسے کوئی سسکیاں سی لے رہا ہو۔" رضیہ نے میرے خیال کی تائید کر دی۔ میں رک گئی اور رضیہ نے بھی میری تقلید کی مگر اب وہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"وہ آواز غالباً اس طرف سے آئی تھی۔" میں نے سامنے کی جانب اشارہ کیا مگر ہاتھ رکھی تھی۔

"اس عمارت میں اگر وہی افراد قید ہیں تو پھر وہ سسکیاں

زین ہی کی ہو سکتی ہیں۔" رضیہ بولی۔ "چننے کے خاموش رہو۔" میں نے کہا۔ ممکن ہے وہ آواز پھر سنائی دی جائے اور ہم صبح سمت کا اندازہ لگا سکیں۔ میں رضیہ کے خیال سے متفق تھی مگر اس کا اظہار ضروری نہیں سمجھا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر سسکیاں اُبھریں اور میں چونک اٹھی۔ میرا

اندازہ غلط نہیں تھا۔ سسکیوں کی وہ آواز سامنے ہی سے آہی تھی۔

رضیہ اور میں ایک ساتھ اس طرف لپکے۔ ہمارے قدموں کی کمرچ سکتاؤں کو موجود رکھ رہی تھی۔

دروشنی سے تاریکی میں پہنچنے کے بعد چند لمحوں کے بعد کچھ نظر ہی نہ آیا تھا۔ سسکیاں پھر دکھائی گئیں۔

ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ رضیہ نے ذریں کا نام لے کر اسے پکارا۔

”نادودہ!“ جواب میں فوراً ہی ذریں کی آواز سنائی دی۔ میں ... میں یہاں ہوں!“

”گھبراؤ مت ذریں! میں لگٹی ہوں!“ رضیہ نے جواب میں کہا۔

..میں نے دانستے کچھ بولنے سے گریز کیا تھا۔ لیکن ابھی اس وقت میں یہ سوچ رہی تھی کہ صیغہ ہاؤ کی حیثیت سے تو ذریں میرے لیے انجی ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت میں ریڈاؤ کن کے ایک آپ میں نہیں تھی اسی لیے ذریں مجھے نہیں پہچان سکتی تھی اور فی الحال انہیں بت کی یہ دیوار گرا نا ضروری بھی نہیں تھا۔

وہ ابک چھڑا سا کرہ تھا جس میں ذریں کو بند کیا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک اور چھڑا سا کرہ تھا۔ یہ دونوں کرے مل عمارت سے کافی فاصلے پر تھے جو غالباً زیادہ استعمال میں نہیں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے شاید وہاں بجلی بھی نہیں تھی اسی وجہ سے ابھی تک وہاں تھی بھی کوئی کڑی نہیں لگائی گئی تھی۔ اس کرے کے دروازے کو باہر سے متقل کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی تھی، صرف کڑی لگا دی گئی تھی جسے کھول کر بہانے یہ آسانی ذریں کو کرے سے نکال لیا۔

”... وہ۔۔۔ وہ بے بالوں والا بدعاش کہاں گیا؟ اور۔۔۔ ایڈ اس کے ساتھ۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر یہاں ڈیڈی نے اتنے سامنے آدنی کیوں رکھے ہوئے ہیں؟“ ذریں رضیہ کے ساتھ آگے آگے چلتی ہوئی اس سے پوچھی۔

میں دانستے ان دونوں کے پیچھے چل رہی تھی۔ ذریں نے رضیہ کے ہمراہ کسی اور کی موجودگی پر حیرت کا اظہار تو کیا تھا مگر ابھی تک رضیہ نے اس سے میرا تعارف نہیں کرایا تھا۔ رضیہ نے اس کی بات سن لی اُن کی سنی کڑی تھی اور دوسری بات کرنے کی تھی۔

”کیا تمہیں اس عمارت کے بارے میں کچھ علم تھا؟“

رضیسنے زدیسنے سوال کیا۔
اب ہم سب باری سے نکل کر روشنی میں آچکے تھے۔
نے فطری تجسس کے تحت رضی کی بات کا جواب دینے سے پہلے
میری طرف مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کے عیول جیسے زخاں دل آگیا
کی اب بھی تھی۔ غصے وہی، نازہ کیلے ہوئے کلاؤں پر کھلم
کھنی کی مانند محسوس ہوئی۔
میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ زدی بجے دیکھ کر جڑی قتل
اس چونکنے کا سبب ہیں انہیں طرح سمجھتی تھی۔ میں نے ضرورتاً
کا میک اپ لوں ہی سا کیا تھا۔ زدی کے چونکا اٹھنے کا
سبب یہی ثابت رہی ہوگی۔
”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا زدی!“ رضی نے
کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔
”میں نے بس ایک بار یہ سنا تھا کہ اندرون سندھ“
کی ذاتی شکار گاہ ہے جہاں وہ بھی کھاد جی جاتے ہیں۔ اگر
اتذہ غلط نہیں تو یہ وہی جگہ ہے۔“ زدی نے جواب دیا۔
”مقام کے بارے میں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے؟“ رضی نے
جلدی سے دوسرا سوال کر دیا۔ ”کیا تم نے کبھی یہاں شکار
شکار گاہ تھی کس جگہ؟“
”ایک بار ڈیڑی کسی سے باتیں کر رہے تھے تو میں نے
اتنا سنا تھا کہ شکار گاہ اُتھل سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔“ زدی
نے جواب دیا۔
اب میں بھی تدم بڑھا کر ان دونوں کے قریب پہنچ گئی تھی
رضیسنے زدی سے بڑے کام کی بات معلوم کی تھی۔ اب مجھے
ہو چکا تھا کہ میں کڑی سے کتنی دودھوں۔
اب آپ چلے ہوئے پھر اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں میں نے
سکسپول کی آواز سنی تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے
گیارہ بج رہے تھے۔ اب وقت بہت کم تھا اور ابھی پندرہ میٹر
کو بھی اس عمارت میں تلاش کرنا تھا۔
”نادرہ! ہم اس طرف نہیں گئے!“ اچانک میں نے رضی کو
غالب کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف تین کی فٹ
چند دفتروں کی دوسری جانب تیار کی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں
نے دانستہ رضی کو نادرہ کہہ کر غلط کیا تھا کیونکہ زدی اس
اسکا نام ہے جانتی تھی۔
”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی!“ رضی نے جواب دیا۔ ”پھر“

الطاف چلنا چاہیے“
تو فتح کے مطابق پہلے میری آواز سن کر اور پھر رفیعہ کے منہ سے ”باجی“ سن کر زریں چونک اٹھی تھی۔
”ان کی آواز اور... اور نکمیں... اور... اور ہم...“
زریں ہلکا کر رہ گئی۔
”ہاں زریں! باجی کا چہرہ مگر میری اسناد دیتا دکسن سے بنت تھا جلتا ہے اور آواز بھی!“ رفیعہ نے جلدی سے کہا۔ یہی گستاخا جاتی ہونا تم؟“
”ہاں“ زریں نے اثبات میں سر ہلایا۔
”یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کے پرے اور آوازیں بڑی عمدگی ملتی جاتی ہوتی ہیں۔ تم نے ہم شکلوں کے بہت سے نقشے ہوں گے۔ باجی اور دیتا دکسن ہم شکل تو نہیں“
”نرا میں مشابہت بہت ہے“ رفیعہ نے مطالعہ کو سنبھال لیا۔
”گھر بخاری باجی میاں... میاں کیسے ٹنگیں؟“ زریں نے سوال کیا۔ اس کے لیے میں اب بھی حیرت تھی۔
”یہ ایک لمبی کہانی ہے زریں! انی الحال صرف اتنا سمجھ لو کہ تمھارے والد نے مجھے افواکہ کر لیا تھا اور میاں قید کر دیا تھا!“
اس بار میں نے زریں کو مخاطب کر لیا۔
”آغ... اغوا... میرے ڈیڈی... میرے ڈیڈی نے... وہ... وہ... وہ... ڈیڈی... ایسے... ایسے میں ڈیڈی“
”کتے جوئے زریں کی آواز بج رہی تھی۔
”صرف مجھے بلکہ انھوں نے ایک غریب پروفیسر کو بھی میاں قید کرو رکھا ہے اور ہم اب اسی کوتلاش کر رہے ہیں“ میں نے اسے مزید بتایا۔
”مگر کیوں؟ ڈیڈی... ڈیڈی نے اس پروفیسر کو کس لیے...“
”بر وقت ان باتوں کا نہیں“ میں نے زریں کی بات کاٹ کر کہا۔ یہ تفصیل باتیں میں جو بلندیں ہوتی رہیں گی۔ ابھی ہم غلطی کے محدود میں ہیں“
زریں نے میرے افواکہ دینے والی لپٹی تھی لیکن پروفیسر کے افواکہ کا شب ضرور جاننا چاہتا تھی۔
”وہ بدعاش کہاں گئے؟“ زریں نے پھر دی سوال کیا
میں نے ہنس نہ نظر انداز کر دیا تھا۔

”میں نے ادب باہمی نے ان سب کو باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا ہے۔“ ضیہ نے جواب دیا۔

”تو ان کے رفیقہ کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اس نے کبہ دیا ہو کہ رات کے وقت سورج نظر آ رہا ہے۔“

”ہم باتیں کرتے ہوئے کہیں دُکے نہیں تھے بلکہ اس طرف بڑھ رہے تھے جدھر میں نے اشارہ کیا تھا۔“

”وہ خنوں کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا قطعہ زمین عبور کر کے ہم ایک برآمدے میں پہنچے جہاں میں انیس واٹ کا کالج چل رہا تھا۔“

”وہاں بھی دو کمرے برابر برابر بنے ہوئے تھے اور دونوں ہی کے دروازے متعلق تھے۔ اس کا اندازہ میں نے اور رفیقہ نے دونوں کے ہیڈل پکڑ کر لگایا تھا۔“

”کیا خیال ہے نادرہ؟“ میں نے رفیقہ کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

”ٹھیک ہے باہی! وہ میرا مطلب سمجھ رہی تھی۔“

”پھر دوسرے لمبے دو دھماکے ہوئے اور تین سو سو پڑی۔“ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا کر رہی ہو تم نادرہ؟“

”رفیقہ نے ہادی ہادی دونوں نقل فائر کر کے توڑ دیے تھے۔“

”تین! گھبراؤ امت! ہم جو کچھ کر رہے ہیں ایک مظلوم شخص کی جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔“ میں نے تینوں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی اور اس کا جسمانی لمس ٹھوس کر کے میرے بدن میں ایک ہرتی دھڑکی دوڑ گئی۔ وہ جی ای اتنی حسین! خوف زدہ ہو کر تو وہ اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔“

”پھر باری بازی بہنے دونوں ہی کمرے دیکھے تھے گزروں کی خالی تھے۔ بہنے ان دونوں کمروں کے بلب روشن کر دیے تھے اور میں وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔“

”یہاں تو کوئی نہیں! رفیقہ نے دوسرے کمرے کو بھی خالی کر کے اور دھڑ دھڑ میری نگاہوں کی سیدھ میں دیکھنے لگی۔ میری نگاہ سامنے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کی وہ دیوار ایک رومے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ پردہ چھت سے لے کر زین تک نہا رہا تھا۔“

گئی اور پردہ ایک طرف کھسکے۔ ہی چوہک اٹھی۔ وہاں دیوار
 میں ایک آہنی دروازہ نظر آ رہا تھا۔
 ”رضیہ! دروازے کو اتھڑ لگانا! اس میں برقی کڑو بھی
 ہو سکتی ہے۔ میں نے بدوقت رضیہ کو تنبیہ کی اور وہ ٹھنک کر
 رک گئی۔ اس کا ہاتھ اٹھا کر دھکا دیا۔ پروفیسر مناس یقیناً
 بیس قبیلے سے ہیں پر یقیناً لیجے میں ہوں۔ پھر میں نے رضیہ کو بتایا
 کہ جہاں مجھے قید کیا گیا تھا، وہ قید خانہ بھی ایک آہنی دروازے کے
 پیچھے تھا۔
 ”نہیں! یہاں جہاں میں کھڑی ہوئی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
 مجھے یقین تھا کہ اس آہنی دروازے کو کھولنے اور بند کرنے کا
 طریقہ بھی وہی ہوگا جو میرے قید خانے کو کھولنے اور بند کرنے
 کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ میں وہ آہنی دروازہ کھول کر اندر سے
 باہر آئی تھی لیکن اسے باہر سے کس طرح کھولا جاتا تھا؟ میں اس سے
 نا آشنا تھی۔
 پھر بقیہ وقت ضائع کیے میں نے اور رضیہ نے وہاں کسی
 پوشیدہ جگہ کی تلاش شروع کر دی لیکن ناکام رہے۔ کسی تلاش
 کے دوران میں نہیں نے اس کمرے کے فرش پر غور کیا۔ اس عمارت
 میں اب تک میں نے دیکھ کر اس کے فرش ایک جیسے دیکھے تھے پہلا
 کمرہ وہ تھا جہاں میں خان آف کالاکوٹ سے لی تھی اور دوسرا
 کمرہ یہ تھا۔ ان دونوں کمروں کے فرش چوکور ٹائلوں کے بنے ہوئے
 تھے۔ اس کمرے میں بھی ایک آہنی دروازہ تھا اور اس کمرے میں
 بھی! یہ بات میری نظر میں لے مانی نہیں تھی۔
 وہ دروازہ دھاتی پلیٹ کے ایک مخصوص حصے پر پتھر کا داؤ
 ڈالنے کے بعد دھاتی پلیٹ پر جم کے داؤ سے کھلا تھا۔ اچانک میرے
 ذہن میں خیال بکلی کے گوندے کی طرح پلکا کرکے آہنی دروازے
 کے قریب کسی چوکور ٹائل پر داؤ ڈالنے سے تو یہ آہنی دروازہ نہیں
 کھل جائے گا؟
 دوسرے ہی لمحے میں آہنی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھی
 اور اس کی دوران میں رضیہ کو بھی اپنے خیال سے آگاہ کر دیا جو میرے
 پیچھے پیچھے چلی گئی تھی۔
 اور پھر میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ آہنی دروازے کے دونوں
 پٹ بند کر دیے اور پتھر کے دیوار کی جانب تیزی سے کھسک
 کر غائب ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ رضیہ نے تو اس پر حیرت کا اظہار نہیں
 کیا ہوگا مگر تین ضرور اچھل پڑی تھی۔

آہنی دروازے کے اندر کی جانب دھاتی پلیٹ نظر آ رہی تھی
 میری نگاہ اس پر جم گئی اور پھر میں نے وہ ٹیکر تاش کر لی جہاں
 پتھر رکھا تھا تاکہ دھاتی پلیٹ میں دوڑتی ہوئی برقی کڑو کا
 منقطع ہو جائے۔
 ”تم زنیس کے ساتھ میں رہو! میں نے پٹ کر دیہ
 کہا۔ اس راہداری کے اختتام پر ایک کمرہ بنا ہوگا اور مجھے
 ہے کہ پروفیسر مناس اسی میں قید ہوگا۔ ہاں سنو! کمرے کا دروازہ
 بھی قفل ہوگا اور اسے توڑنے کے لیے مجھے خانہ بھی کرنا پڑے گا۔
 ”تھیک ہے آپ جاؤ! میں رضیہ نے آہنی دروازے پر
 میں نے دوسرے ہی لمحے اس دھاتی پلیٹ کے مخصوص
 اپنے پتھر کا داؤ ڈالا اور پھر ٹکی سی کلک کی آواز موس کی۔ اس
 بعد میں بہت اطمینان سے دھاتی پلیٹ پر چلتی ہوئی راہداری
 پہنچ گئی۔
 راہداری طے کرنے کے بعد حسب توقع مجھے ایک کمرے کا دروازہ
 نظر آیا۔ دروازہ مجھے متعلق سی لگا رہا تھا۔ خانہ کے قفل توڑنے کا
 دیر نہیں کی۔
 ”اگ... کون ہے؟“ وہ دروازہ کھلتے ہی میری سماعت
 ایک کانپتی ہوئی آواز گھونکی۔ پروفیسر مناس یقیناً خانہ کی آواز
 کر رہا تھا۔ ہو گیا تھا کہ میرے ہی جی میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پروفیسر مناس
 کو شاید واقعی حیرت نہیں لی تھی کہ وہ زیادہ باوجود اس روشنی کے
 مدھم مدھم روشنی میں مجھے اس کا صرف بیولا سا نظر آ رہا تھا۔
 ”آپ پروفیسر مناس ہیں نا؟“ میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا
 ”ہاں... ہاں جی۔“ ”نہم کون ہو؟“ ”اچھا! میں... وہ لائبر
 کی آواز۔۔۔“
 ”وہ خانہ میں نے اس کمرے کا قفل توڑنے کے لیے کیا تھا۔“
 میں سوچ بوجھ کی طرف بڑھتی ہوئی ہوں۔
 ”فل توڑنے کے لیے... گھر... مگر کیوں؟ کیا تمنا! خانہ
 خان آف کالاکوٹ سے نہیں ہے؟“
 ”نہیں... میں نے جواب دیا۔ ”آپ مجھے اس کا شکر سمجھ سکتے ہیں
 اور اپنا ہمدرد!“
 ”میں اس دوران میں سوچ بوجھ کو ترک پہنچ چکی تھی۔ دوسرے
 ہی لمحے میں نے ٹپن دیا اور دیکھ کر تیز روشنی میں نہا گیا۔
 ”تھیں... تھیں میں نے اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا۔ ہند
 لیجے پروفیسر مناس کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ میری طرف حیرت

سے دیکھ رہا تھا اور میں بھی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بارش اور
 ڈوبتا تھا تھا۔
 ”میں آپ کے بیٹے سلطان کی دوست ہوں۔ میں نے مزید
 سوال جواب سے بچنے کی خاطر کہا۔
 ”لیکن... لیکن تم... تم کیا کیوں آئی ہو؟“ پروفیسر مناس
 نے عجیب سے لہجے میں کہا۔
 ”آپ کا زاد گھر کرنا کے لیے؟“ میں نے جواب دیا۔
 ”نہیں... مجھے... مجھے آزادی نہیں چاہیے! مجھے بیس قید
 رہنے دو! پروفیسر مناس کی آواز بدلتی ہوئی تھی۔ ”مجھے جیسے بڑوں
 اور فیروزہ خوں کے لیے آزادی ضروری نہیں۔ قلعہ ضروری نہیں!“
 ”پروفیسر! بدوقت کہہ دو! ہم خطرے میں ہیں۔ میں آپ سے نصیحت
 کرتی ہوں کہ آپ فوراً میرے ساتھ چلے جائیں ورنہ ماہ پارہ کی زندگی کو
 بھی کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ میں نے دانستہ جھوٹ بولا۔
 ”ماہ پارہ! وہ... وہ کہاں ہے؟ کیا وہ بھی خان آف کالاکوٹ
 کی قید میں ہے مگر ایسا ہوتا تو... تو...“
 ”یہ باتیں بھیس بھیس ہیں پروفیسر! میں نے گھڑی پر نظر
 ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت کوئے بارہ بجنے والے تھے۔ اس حالت سے
 اٹھنے کے لیے اب میرے پاس صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں جانتی
 تھی کہ پروفیسر مناس کو ہاں سے نکال لے جانے کے بعد خان آف کالاکوٹ
 کی سزا جیسی کروں۔ پروفیسر مناس اور زنیس کی موجودگی میں میں
 اس سے بچتا نہیں جا سکتی تھی۔
 سوتیلی بی بی ہونے کے باوجود پروفیسر مناس، ماہ پارہ سے محبت
 کرتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہو چکا تھا کہ اس کے
 چہرے کا رنگ تیز ہو گیا اور دیکھ کر مجھے پریشانہ میرے ساتھ چلنے پر
 آمادہ ہو گیا۔
 ”میں نے راہداری میں پروفیسر مناس کے ساتھ ساتھ چلے ہوئے
 اسے غائب کیا۔ وہ لیبارٹری بھی یقیناً اس حالت میں ہو گئی جہاں
 آپ خان آف کالاکوٹ کے ایسا پر کام کر رہے تھے!“
 میری بات کی پروفیسر مناس چوہک اٹھا اور بولا۔ ”تو تعین
 سب کچھ معلوم ہے!“
 ”ہاں... میں نے جواب دیا۔ ”اور میں بھی جانتی ہوں کہ آپ کے
 غناصندیکے پروفیسر!“
 ”پروفیسر مناس نے اس بات پر کوئی خیال آرائی نہیں کی۔ وہ سر
 جھکائے چلا رہا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا پروفیسر!“ میں نے اسے
 ٹوکا۔
 ”ہاں وہ لیبارٹری اسی عمارت میں ہوگی!“
 ”ہوگی سے آپ کی کیا مراد ہے؟“
 ”مجھے ہوش و ہاں انھوں پر تھی یا اندھ کمرے جایا جاتا رہا ہے
 اور وہاں سے واپسی میں بھی میں جیسا جیسا برقی کڑو ہے۔“ پروفیسر مناس
 نے بتایا۔ ”لیکن مجھے اتنا اندازہ ضرور ہے کہ وہ لیبارٹری میں زنیس دوز
 ہے۔“
 ”تھیرے پروفیسر!“ میں نے طرے سے پروفیسر مناس کا بازو
 پکڑ لیا۔ ”اس دھاتی پلیٹ پر آپ پاؤں رکھنے والے تھے اس میں برقی
 کڑو دوڑ رہی ہے۔“
 ”پھر؟“ پروفیسر مناس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے
 کہا۔ ”اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھنے تو ہم دروازہ عبور نہیں
 کر سکتے۔“
 ”میں نے پروفیسر مناس کو اس سیکشن کے بارے میں مختصر بتایا
 پھر بولی۔ ”آپ میرے بعد اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھیں گا۔“
 آہنی دروازے کے دوسری جانب رضیہ اور زنیس موجود تھیں
 ”یہ دونوں کون ہیں؟“ پروفیسر آہنی دروازہ کھول کر دیکھنے لگا۔
 ”انہیں بھی آپ میری طرح اپنا ہمدرد سمجھ سکتے ہیں۔ میں نے
 مختصر جواب دیا اور گھڑی دیکھی۔ اب بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ
 باقی تھے۔ میں رضیہ سے مخاطب ہوئی۔ ”اب بارہ بجے حلا س عمارت
 سے نکل چلو! اگر وقت ہوتا تو میں وہ زنیس و لیبارٹری میں ضرور تلاش
 کرتی جس کے بارے میں مجھے پروفیسر سے معلوم ہو چکا تھا۔ پروفیسر کی
 غیر موجودگی کے بعد خان آف کالاکوٹ کے لیے وہ لیبارٹری بے صرف
 رہی ہے۔“
 ”باجی! لیکن ہے کہ اس عمارت کے سیرونی حصے میں کوئی گیرج
 وغیرہ ہو اور وہیں وہاں کوئی کار یا جیپ مل جائے۔“ رضیہ نے کہا۔
 ”میں نے رضیہ کے خیال سے اتفاق کیا۔ پھر بولی۔ ”لیکن ہم اس کی
 تلاش میں ذلت ضائع نہیں کریں گے۔“
 پھر ہم کی تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ وہ عمارت کی انتہائی پوری
 مشعلان کی آنت تھی۔ ہم اس کی جھول جھولتے میں کھڑک رات بھول
 گئے۔ یوں بھی رات کا وقت تھا اور پوری عمارت میں روشنی نہیں تھی۔
 اس کچھ حصے تک ایک پڑے ہوئے تھے۔
 ”ہیں اس مشعلانی عمارت سے نکلنے میں تقریباً دس منٹ لگ

گھسٹا ب دت نہیں رہا تھا کہ ہم کسی گھر کی تلاش میں اندھیرے میں
بھٹکتے پھرتے کیوں کر عمارت کے بار بار بجائی تھی۔
عمارت سے نکلے، لیکن میں نے خود کو ایک جھوٹے سے جنگل میں پایا۔
بکھرے کچھ خائے سے وہاں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے جنہوں نے عمارت
کو چھپا رکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ جنگل عمارت کی چاروں
طرف پھیلا ہوا تھا۔

ہم سب نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کہ ہمیں
تاریکی میں بھٹک نہ جائیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں۔ میرے
ایک ہاتھ میں پروفیسر مناس کا ہاتھ اور دوسرے میں رضیہ کا ہاتھ تھا۔
رضیہ نے نذیر کا ہاتھ تمام ہاتھ لیا تھا۔
ابھی ہم چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ اچانک ہمیں چلتے چلتے چوک
پڑی۔ میری سماعت سے ایک پہلی کو میٹر کی گڑ گڑا ہٹ لگائی تھی۔
وہ گڑ گڑا ہٹ رفتار رفتہ قریب آتی جا رہی تھی۔
ظاہر ہے کہ اس پہلی کو میٹر میں آئے والا خان آف کالا گوٹ کے
رہوا اور کوئلہ ہو سکتا تھا۔ آئین ٹھکنے کی حالت پوری ہو چکی تھی اور وہ
مجھ سے براہ راست جواب لینے آپہنچا تھا۔ اس نے لختیا میرے
محلے کو ہم سمجھتے ہوئے اسے مار پھوڑا نامناسب نہیں سمجھا
ہوگا۔

”باجی! پہلی کو میٹر کی آواز! رضیہ نے میری طرف جھکتے ہوئے
سر کو گھمائی۔
”ہاں! میں بھی سن چکی ہوں“ میں نے جواب دیا۔ اگر اس
وقت میرے ساتھ پروفیسر مناس نہ ہوتے اور نذیر بھی تھا تو
ساتھ ہی بل نہ آئی ہوتی تو آج خان آف کالا گوٹ سے آخری عمر کو
ہی جاتا۔ میں نے والدہ آواز قوی رکھی تھی تاکہ نذیر میری بات
ذمن نہ کرے۔ یہ کہتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی رضیہ اور
بہتر رفتار سے بھی میرا ساتھ دیا تھا۔

میں جانتی تھی کہ خان آف کالا گوٹ کچھ دیر بعد ہی حقیقت
سے آگاہ ہو جائے گا، پھر وہ کسی زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگے
گا اور فوری ہی ہماری تلاش شروع کر دے گا۔ ان حالات میں ہم
اس حالت سے جلد از جلد جتنی بھی دور ہو جاتے بہتر تھا۔
پہلی کو میٹر کی گڑ گڑا ہٹ اب بہت واضح اور قریب محسوس
ہو رہی تھی۔ اس کی آواز سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ
کمان آ رہے گا۔

پھر تھوڑی دیر بعد سناٹا چلیا۔ پہلی کو میٹر غائب! آڑھ تھا۔
پروفیسر مناس اور نذیر دونوں ہی کو شاید صورت حال کی
نوعیت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ دونوں خاموشی سے میرا

اور رفیقہ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اب میں نے اپنی رفتار
سے بھی تیز کر دی تھی۔ اب ہم سب قریب دوڑ رہے تھے۔
”میں... میں بڑا حاشا دیدم... تم لوگوں کا ساتھ دو۔
پاؤں... مجھے... مجھے نہیں چھوڑ جاؤ۔“
وہ آپ ہی کی خاطر تو ہم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا
پھر پھیلا ہم آپ کو یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں! کہیں لے کر
میں مجبور کسی قدر کمی کرتے ہوئے کہا۔

”مگر کیوں؟ ہم تو لوگوں نے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی
میں... میں اس قابل تو نہیں تھا۔ میں ایک بزدل آدمی ہلا کر
خان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے خود کو شہید کر لیتا۔ میں... میں
ملک و قوم کا فخر ادا رہوں۔ میں ہرگز اس مسکوک کا متفق نہیں ہوں
مناس جذباتی ہو گیا۔ ہر چند کہ وہ بارہا درخص نہیں تھا مگر اس
ضمیر زندہ تھا۔

”آپ ملک و قوم کی امانت میں پروفیسر! آپ جیسے بہتر
انڈو کو کچھ کرکھانے کا موقع دیا جائے تو ہمارے ملک کی فضا بھل
سکتی ہے۔ یہ ہماری باطنی سی ہے پروفیسر کہ ہم اپنے ملک کے
ذہن اور باصلاحیت انڈو کو ابھر نے کا موقع نہیں دیتے۔ اس
میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے پروفیسر! آپ جیسے لوگ دنیا دار
نہیں ہوتے۔ آپ لوگ زندگی بھر اپنے کام کی ذمہ داری ادا کرتے
ہیں اور خاموشی سے مر جاتے ہیں۔ پھر صدیوں کے ماتھے پر آپ
لوگوں کا نام دردم جو جاتا ہے۔ میں نے بھی جذبات کا جواب
جذبات سے دیا اور یہ میرے سچے جذبات تھے۔ میں انہی طرح
یہ بات جانتی تھی کہ ہر شخص تشدد نہیں سہہ سکتا اور یہ کوئی
فطری بات نہیں تھی۔

”مجھے... مجھے مزید شرمندہ نہ کرو۔“ پروفیسر مناس
کی آواز گہرا گئی اور وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔
اس کے بعد مجھے پروفیسر مناس سے تیز چلنے کے لیے نہیں
کہنا پڑا تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ قدم
سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔
میں آگاہ نہیں تھی کہ وہ جنگل کتنی دیر تک پھیلا ہوا تھا مگر
بہر حال کہیں نہ کہیں ختم ہو جاتا تھا۔ ہمیں اس جنگل میں چلنے ہوتا
تقریباً چندہ میں منٹ ہو چکے تھے۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ وہاں
خطرناک جنگل جانور نہ ہو لیکن اب تک ہم اس خطرے سے غفلت
ہی رہے تھے۔

زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ اور گزرے ہوں گے کہ میرے

کا ایک کپڑے ہو گئے۔ فضا میں کسی پہلو کو پکڑ کا ہلکا سا شور اٹھ
رہا تھا۔
”نادرہ! وہ ہماری تلاش میں آ رہا ہے۔“ میں نے رضیہ کو
مخاطب کیا۔
”نیکین باجی! وہ اس تاریکی میں ہیں کیسے تلاش کر کے کتبہ!“
رضیہ بولی۔
”کون آ رہا ہے؟“ اچانک مجھے نذیر کی آواز سنانی دی۔
”وہی شخص جس نے مجھے اور پروفیسر کو اغوا کیا تھا!“ میں نے
نذیر کے سوال کا جواب دیا۔
”مگر... مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اور پروفیسر کو میرے
ڈیڑی نے اغوا کر لیا تھا؟“ نذیر بولی۔ اس کے لیے میں پچھن
جیسا بھول رہی تھی۔

”میں نے غلط نہیں کہا تھا نذیر!“ میں نے کہا۔ ”تم پہلی کو میٹر
کا شور سن رہی ہو نا! مجھے یقین ہے کہ اس پہلی کو میٹر میں تمہارے
ڈیڑی کے سرو اور کوئی نہیں ہو سکتا!“
جواب میں نذیر کہیں نہیں بولی۔ میں کچھ گئی کہ وہ الٹا نذیر کو
ہو گی۔ اس کا باپ ہمارا دشمن تھا اور وہ ہمارے ساتھ تھی یہاں
کے لیے بہر حال نہایت آگ دوڑ پوزیشن تھی۔
اس دوران میں پہلی کو میٹر کا شور مزید قریب آ گیا اور پھر کچھ
دیر بعد ہی ایک بڑا سا دشمن دائرہ واقعہ کر کے لگا۔ میں اچھل
پڑی۔

”متم نے دیکھا نادرہ! وہ پہلی کو میٹر سے سرخ لائٹ پھینک
کر ہمیں تلاش کر رہا ہے۔“ میں نے رضیہ سے کہا۔
”ہاں! ہاں باجی! یہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی کہ
وہ ہماری تلاش کے لیے سرخ لائٹ بھی استعمال کر سکتا ہے۔“
رضیہ بولی۔
”نیکین اس کی کوشش راہیگاں ہی جائے گی جنگل کتنا ہے
اور جب تک ہم اس جنگل میں ہیں وہ ہمیں نہیں ڈھونڈ پائے گا۔“
”اس کا مطلب تو یہی ہوا باجی کہ ہم اس جنگل سے نکلنے کا
”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔ جنگل سے نکل کر ہماری زندگی
خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے۔“
”آپ کا خیال درست ہے! وہ ہم پر نازاں بھی کر سکتا ہے۔“
رضیہ نے اس خطرے کو محسوس کر لی جس نے میرے ذہن میں
سرا ہوا تھا۔

پھر کافی دیر سرخ لائٹ کا دھن جاری رہا۔ ایک باؤنٹی کی میٹر
بائیں ہمارے سروں کے اوپر سے گزرا۔ اسی وقت سرخ لائٹ

کا دائرہ ہم سے تقریباً پچاس گز آگے چکر آیا۔ میں چونک اٹھی
سرخ لائٹ نے اسی جھٹے کو روشنی کر دیا تھا۔ وہاں جنگل
حدود ختم ہو رہی تھیں۔ میرے قدم خود بخود رک گئے۔ اب تک
جنگل ہمارے لیے پناہ گاہ کا کام دے رہا تھا۔ ہم اس سے نکل
اپنی موت ہی کو دولت دیتے۔

میرے رکے ہی بغیر افراد ہی رک گئے تھے۔
”خوشی گھٹے درخت کے نیچے بیٹھ جائیں۔“ میں نے کہ
اتنی دیر تاریکی میں سفر کرنے کے بعد میری آنکھیں بڑی حد تک نا
کی عادی ہو چکی تھیں۔ درختوں کے پہلوں سے یہ اندازہ لگ
مشکل نہیں تھا کہ کون سا درخت زیادہ گھنا ہو گا۔ پہلی کو میٹر
اب کوٹ کر کسی اور سمت چلا گیا تھا۔

سب سے پہلے پروفیسر مناس نے میری رائے سے
اتفاق کیا۔ میں اس کو اس سے سو باجی ہو گا کہ
کبھی زندگی میں اتنا طویل اور دشوار گزار سفر بھی کرنا پڑے گا۔
خطرہ تو خیر درپیش تھا ہی جس سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ
جنگل میں رہیں مگر مجھے پروفیسر مناس اور نذیر پر بھی دم آ رہا تھا
اس طرح کچھ دیر وہ بھی سستائے۔

ہم سب ایک گھٹے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اسی وقت
نذیر کی آواز سنانی دی۔ ”نادرہ! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔“
پروفیسر مناس نے بھی اس کی آواز میں آواز ملائی۔ ”اور
مجھے بھی!“

اتنی دیر پیدل چلنے کے بعد تھوڑی بہت پیاس مجھے بھی
لگ رہی تھی لیکن ابھی میں اس سے جا رگنا نہا صلی ہو کر کرنے کے
بدجی پیاس برداشت کر سکتی تھی اور رضیہ کے بارے میں بھی یہی خیال
تھا۔ پروفیسر مناس اور نذیر کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ ان حالات
میں انھیں صرف تھکی دی جا سکتی تھی کیوں کہ پانی ہمارے پاس
نہیں تھا۔

ابھی کہ نذیر اور پروفیسر مناس کو تسلی بھی نہ دے پانی
تھی کہ اچانک فضا بے درپے دھماکوں سے گونج اٹھی۔
دھماکوں کی آواز سن کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ
میں پہلے ہی سمجھ چکی تھی خان آف کالا گوٹ ہماری تلاش میں
ناکام ہونے کے بعد جھنجھلا کر یہی کرے گا۔ دھماکوں کی آواز زیادہ
دور سے نہیں آئی تھی۔

”یہ... یہ دھماکے... شاید وہ... وہ ٹانگ کر رہا
ہے۔“ پروفیسر مناس کی خوف زدہ آواز ابھی یہ آواز نہ گزرا

فی زندگی کے لیے جنگ لڑنا تھی۔ رضیہ کے اور میرے دیوانہ لڑکی
 میں بیک وقت سیدھی ہو گئی تھیں اور ہم نے ایک دوسرے کے
 تھے چھوڑ دیے تھے۔
 لیکن اس سے پہلے کہیں باغیہ پہلی کو پٹر پر فائر کرتے
 چاک نضا پہلے دھماکے سے گونج اٹھی۔ پہلا فائر خان آف کالاکوٹ
 کی طرف سے کیا گیا تھا۔ میں نے اور رضیہ نے اس لیے فائر نہیں
 کیا تھا کہ ابھی پہلی کو پٹر اور دیوانہ لڑکی ریج سے باہر تھا گر چند لمبے
 ہی صورت حال بدل گئی۔ میرے اور رضیہ کے دیوانہ اور سے دو
 شعلے نکلے اور اس کے ساتھ ہی پہلی کو پٹر بلند ہوئے لگا۔
 پھر پہلی کو پٹر بالکل قریب آگیا لیکن وہ اتنی لمبائی پر چکر
 لگا رہا تھا کہ ہمارا فائر لگ کر نا حاصل تھا۔ ہمارے پاس گولیاں بھی
 محدود تھیں اور ہم انھیں ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔
 ”اس کے پاس بھی لپٹا موڑ رہی ہے، اگر بریگ ہوتی تو
 وہ بندی کے باوجود فائر لگ کر تباہی میں لے رضیہ سے کہا۔
 ابھی رضیہ میری بات سے اتفاقاً یا اختلاف نہ کر پائی تھی کہ
 اچانک پہلی کو پٹر تیزی سے نیچے آیا اور اسی کے ساتھ ہم پر
 گولیوں کی ہوجھاری ہوئی۔ گولیاں ہمارے آس پاس سے ہو کر
 گزر گئیں لیکن ہم میں سے کسی کو زخمی یا ہلاک نہ کر سکیں۔ اس
 کا سبب غالباً یہ تھا کہ فائرنگ انتہائی جلدی میں لگی تھی اور
 پہلی کو پٹر پھر تیزی کے ساتھ بلند ہوتا چلا گیا تھا مگر اس دوران
 میں میری جلائی ہوئی ایک گولی اس کے پچھلے حصے میں پیوست
 ہو گئی تھی۔ خان آف کالاکوٹ جان چکا تھا کہ ہم بھی متنبہ ہیں اس
 لیے وہ بچ بچ کر لڑ رہا تھا۔ رضیہ نے بھی پہلی کو پٹر پر فائر کیا تھا
 مگر اس کا فائر بیکار کیا تھا۔ پہلی کو پٹر اس کے فائر کی ریج سے
 باہر ہو چکا تھا۔
 اس میں شک نہیں کہ ہم بھی فی الحال خان آف کالاکوٹ
 کی طرح متنبہ تھے لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا پٹا بھاری تھا۔ وجہ
 چاہتا ہوں کہ پٹر کو نیچے لاکر ہم پر فائر لگ کر سکتا تھا کہ ہمارے پوزیشن
 مختلف تھی۔ ہمیں اس پر فائر لگ کر لے کا موقع صرف اسی وقت
 مل سکتا تھا جب خود ہم اس کے نشانے پر ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ
 کہ ہمارے پاس گنتی کی گولیاں تھیں اور ناظر ہے اس کے پاس
 خاصا میوزین دہا ہو گا ورنہ وہ یوں اسے ضائع نہ کرتا۔
 مجھے تو یقین تھی کہ پہلی کو پٹر پھر نیچے آکر ہم پر فائر لگ کرے
 گا اور پھر چند لمبے بعد ہی میری توقع پوری ہو گئی تھی کہ اسی دوران
 میں ایک اور خطرناک واقعہ پیش آیا۔
 جسے ہی پہلی کو پٹر نے غوطہ کھایا، زئیں اچھل کر اس کی طرف

بھاگی اور پھر وہ پوری قوت سے جھپٹی ڈیڑی... ڈیڑی پہلے
 مجھے گولی مار دیجیے ڈیڑی!“
 اسی لمبے پہلی کو پٹر سے فائر لگ رہی تھی۔ میں نے اور رضیہ
 نے ایک ساتھ ایک جگہ سے جھلانگ لگائی اور اسی دوران میں
 پہلی کو پٹر کی طرف گولیاں چلائیں۔ اگر میں اور رضیہ نے سبھی
 جھلانگ لگانے میں دیر کرتے تو ہمارے جسم گولیوں سے چھل
 ہو جاتے۔ کچھ گولیاں زئیں کے آس پاس سے بھی گزری تھیں۔
 پہلی کو پٹر ایک بار پھر بلند ہوتا چلا گیا تھا۔
 بہو فیض منہاس شاید مرے سے کچھ زیادہ ہی ڈرتا تھا اور
 اسی خوف نے اس کی جان پکا لی تھی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا
 نہیں رہ سکا تھا۔ اگر وہ اٹھتا تو کوئی نہ کوئی گولی اسے
 زور چاٹ جاتی کہ وہ کچھ سے اور رضیہ سے زیادہ دور رہتا۔
 تھا۔ پتا نہیں وہ ہوش میں بھی تھا یا نہیں!
 میں نے اور رضیہ نے زئیں کی طرف جھلانگ لگائی تھی۔
 زئیں جیسے اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ وہ اب بھی نیچے پہلے
 رہی تھی ڈیڑی! میں ذلیل و رسوا ہو کر جیتا نہیں چاہتا تھا۔
 قتل کر دوں گولی مار دوں!“
 ”زئیں! ہوش میں آؤ!“ میں نے اس کا شانہ پکڑ کر کہا
 ”تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ خودکشی ہے اور خودکشی
 حرام ہے۔“
 وہ چنچتے چنچتے خاموش ہو گئی، پھر اس نے غیب سے
 سے میری طرف دیکھا۔ اس کے سوتھے ہوئے ہونٹ فٹے گئے
 کچھ نہ کہہ سکی اور پھر اس کے زخموں پر موقوفی پھیل گئی۔
 اس وقت بھی مجھے بے حد حیران نظر آ رہی تھی۔ میرا ہی ہوا
 تھا کہ اسے سینے سے لگاؤں اور اس کے موتی چوم لوں۔
 زیادہ دیر نہ رہی اس کی طرف متوجہ نہ نہ سکی۔ پہلی کو پٹر کی گولیوں
 پھر قریب آتی جا رہی تھی۔ میں آسمان کی طرف دیکھنے لگی مگر
 بار پہلی کو پٹر تیزی سے نیچے نہیں آ رہا تھا۔ میں اور رضیہ
 پر فائر کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے لیکن وہ ایک نام
 حد تک نیچے آکر رگ گیا اور اپنی جگہ گردش کر نہ لگا
 اچانک ایک تیز آواز سنائی دی جیسے کوئی لاٹا
 پر بول رہا ہو۔ پہلی کو پٹر کے شور کے باوجود وہ آواز واضح
 پر سنائی دے رہی تھی اور وہ آواز خان آف کالاکوٹ
 سے آئی کی نہیں تھی۔
 ”زئیں... زئیں! ان دونوں کو بھول کر ایک
 دائیں سمت بھاگ جاؤ، فوراً! میں تمہیں پہلی کو پٹر سے

لگاؤں گا۔ جلدی کر دیتی! جلدی! خان آف کالاکوٹ بھرا تھا۔
 ”نہیں! نہیں! نہیں!“ زئیں ایک بار پھر بوجھ اٹھی۔
 صاف ظاہر تھا کہ خان آف کالاکوٹ نے زئیں کو دیکھ لیا
 تھا اور اسی لیے اس بار اس نے فائر لگ سے گزیر کیا تھا۔
 اس بات سے خبر پڑی رہا ہو گا کہ اس کا خون اس سے جلاہت
 کر چکا ہے ورنہ ایسی اجتماع نہ کرتا۔
 جب زئیں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تو دوبارہ
 اسے تاکید کی گئی۔ پہلی کو پٹر اتنی لمبائی پر تھا کہ ہم اسے چٹ
 نہیں کر سکتے تھے اس لیے ہم نے گولیاں ضائع نہیں کیں۔
 ”زئیں! اگر تم اپنے والد کے شور سے پر عمل کرنا چاہو تو
 ہم تمہیں ایسا کرنے سے نہیں روکیں گے!“ میں نے زئیں سے
 کہا۔
 ”نہیں! ہرگز نہیں!“ زئیں بوجھ لے لی ہوئی تھی مجھے
 ایسی زندگی نہیں چاہیے!“
 ”زئیں! میرے پاس دو رہن ہے اور میں تمہیں دیکھ
 رہا ہوں!“ معاً خان آف کالاکوٹ کی آواز پھر گونجی۔ مگر بے فکر
 رہو! اگر ان دونوں میں سے کسی نے تمہیں روکا یا ہاتھ پر
 فائر کیا تو میں انھیں بھون ڈالوں گا۔ تم اپنی دوست نادرو کو
 سمجھاؤ کہ وہ اس جالاک عورت کی باتوں میں نہ آئے اور وہ
 بھی چاہے تو تمہارا ساتھ دے کر اپنی زندگی بچا لے مگر اس
 صورت میں اسے اپنا رولود پھینکنا ہو گا۔ میں تم پر پوری طرح
 نظر رکھتے ہوئے ہوں اور چوکتا ہوں۔ تم فوراً میرے شور سے
 پر عمل کرو!“ اس کے بعد خان آف کالاکوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔
 ”اور تم سونو صوبہ بانو! یہ رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب
 معافیت کا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں مرنا ہو گا، ہر قیمت پر مرنا
 ہو گا!“
 جواب میں میرا کنا کچھ فضول تھا کیوں کہ خان آف کالاکوٹ
 ایک میری آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے ایک بار پھر زئیں سے
 کہا کہ وہ اپنے باپ کا حکم مان لے۔ میں بہر حال دانستہ یا نادستہ
 اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ میں اپنی فطرت سے مجبور تھی۔
 اگر مجھے وہ زندگی زئیں کے طیش ملنا تھی تو منظور نہیں تھی۔
 زئیں نے ایک بار پھر اپنے باپ کا حکم ماننے سے انکار کر
 دیا تھا اور اسی کے ساتھ وہ بچ چڑی تھی ڈیڑی! اگر آپ ایک
 میری آواز پہنچ رہی ہے تو سنیں کہ مجھے موت قبول ہے! وقت
 کہ زندگی نہیں۔ میں یہ سننے کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ
 میرا باپ جراثیم پھیلے تھا، قابل تھا! یہ کہہ کر زئیں نے اپنے دونوں

ہاتھ زور زور سے انکار میں ہلا دیے تھے۔ اسے شاید آب
 احساس ہو چکا تھا کہ اس کی آواز خان آف کالاکوٹ تک نہیں
 پہنچ رہی تھی۔ وہ جاہلی تھی کہ اگر اس کی آواز وہاں تک نہ
 پہنچے تو کم از کم ہاتھوں کے اشارے سے اس کا مقصد سمجھ لیا
 جائے۔
 دوسرے ہی لمحے خان آف کالاکوٹ کی آواز پھر سنائی دی۔
 ”زئیں! یہ تم کا کیوں ہلا رہی ہو؟ کیا مقصد ہے اس کا؟ کیا
 تم میرا حکم نا مانیں چاہتیں؟ یہ کہتے ہوئے خان آف کالاکوٹ
 کے لیے میں سختی پہنچی!“ اگر میں نے ٹھیک سمجھا ہے تو ایک بار
 پھر انکار میں ہاتھ ہلاؤ تاکہ میں تمہیں نافرمانی کی سزا دے سکوں!
 زئیں نے دوبارہ انکار میں ہاتھ ہلا دیے اور اسی وقت
 پہلے دوپے کٹی دھماکوں کی آوازیں سن کر میں اچھل پڑی رضیہ کا
 بھی یہی حال ہوا تھا۔ وہ فائر لگ پہلی کو پٹر سے نہیں لگی تھی اور
 یہی بات میرے لیے تشویش کا سبب بنی تھی۔ ہم پر فائر لگ کر
 دا لے جو بھی تھے اتنی درد تھے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔
 فائر لگ دھماکوں یا بند و قوتوں ہی سے کٹی ہوئی دردناک آوازیں
 سے فائر لگ کی صورت میں وہ لوگ بھی نظر مزدور آتے۔ ہر چہ
 کو ناصح کافی ہونے کے سبب ان میں سے ایک گولی بھی ہم تک
 نہیں پہنچ سکی تھی لیکن یہ صورت حال بدل بھی سکتی تھی۔ وہ
 لوگ قریب بھی تو آ سکتے تھے۔
 چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ مخالفت سمت سے بھی فائر لگ
 ہوئی اور پھر چاروں طرف سے فائر لگ شروع ہو گئی۔ اسی
 دوران میں خان آف کالاکوٹ کا قہقہہ بلند ہوا۔
 ”تم نے دیکھا جیو بانو! میرے آؤی چاروں طرف سے تمہیں
 گھیرے ہیں لے بچے ہیں!“ خان آف کالاکوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔
 ”اب اگر میں تمہیں نشانہ نہ بھی بناؤں تو تم نہیں بچ سکتیں۔ ہر چند
 کہ زئیں میرا خون ہے مگر اس کی دگوں میں اس کی مال کا خون بھی
 دوڑ رہا ہے۔ وہ بھی اسی کی طرح احمق اور بےوقوف تھی۔ میرا ایک
 حکم نہ مان کر وہ بے وقوف بھی موت کی نیند سو گئی تھی اور اس کی
 کی جیٹے نے زندہ رہنے کا موقع نہ دیا۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“
 خان آف کالاکوٹ کے الفاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی
 تھی کہ زئیں کی مال کو اسی لے قتل کیا تھا۔ یہ سن کر زئیں خود پر
 قابو نہ پاسکی۔ نہ جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آئی کہ
 ایک ہی جھٹکے میں اس نے رضیہ کا رولود روچھین لیا جو اس کے
 قریب ہی کھڑی تھی۔
 ”قاتل! میری مال کے قاتل!“ زئیں نے یہ کہتے ہوئے

دوبلے ہیل کو پٹر پر ناٹانگ شروع کر دی تھی مگر ریشہ نے
راہی میں سے لیرا اور چھین لیا تھا۔
دو گری ہوئی ہیں، ریشہ نے اسے ڈانٹ دیا، گریل
میں پہنچ سکا، وہ ہندی پر ہے اور اتنا بے وقوف
میں کہ وہی گول کاشٹ بن جائے۔
ڈر ہلے غصے، اپنے سر کے بال نوچ لیے تھے اور
پرہیز پیشہ کر دے۔ گریل تھی۔
تھ سے تھوڑے وقفے کے بعد چارلٹ نے ناٹانگ جاری
کیا اور سو رستہ میں، حال خطرناک تھی۔ ناٹانگ کرنے والے
سکڑ نہیں آئے تھے، اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے
ت بڑے علاقے کو گریل میں لیا تھا اور ظاہر ہے اسے
رے علاقے کو گریل سے لینے کے لیے کافی بڑی تعداد کو جونا
مزدوری تھی۔ اس سے خان آف کالا گولٹ کی طاقت کا اظہار بھی
ہوتا تھا۔ ہانگول میں سے بھرنا نہیں تھا جو کچھ ہو کر بھی خود
لوہستہ کا اظہار کرتے ہیں۔
پریس مناس کا قدم نہ اٹھا اور تھکا ہوا تھا کہ ایک بار
دست پر کرنے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ
اس کی غلط فہمی تھی۔
خان آف کالا گولٹ نے ہم پر ناٹانگ کرنے کا ارادہ
شاید موزے کر دیا تھا۔ وہ اپنے ہیل کو پٹر کو مزید اوپر لے گیا
تھا مگر ہمارے سروں پر نیچر کا راقا غالباً وہیں وقت
کا منظر تھا جب اس آدمی قریب پہنچ جاتا۔
یہ بات اچھی سمجھتے ہوئے، پول طرف سے ہونے لگا
کی جا رہی تھی۔
بہر حال اندازہ نہیں۔ جاسکا تھا، اس نے اپنے آدمیوں کو
دیا ہوگا۔ جہیں زندہ گزارنے کی کوشش کریں۔ اس کا ایک
سبب غیر مناس ہوگا۔ خان آف کالا گولٹ کے
علم میں وقت یہ بات یقیناً نہیں ہوگی کہ وہ بھی ہمارے
ساتھ ہے جب اس نے اپنے آدمیوں کو وہ علاقہ گریل لینے کا
حکم دیا ہوگا۔ اگر اسے یہ باخبر ہوگا کہ ہم پر فیئر منس کو
اڑے گا۔ اسے میرے اور فیئر منس کی زندگی سے کوئی دھمپس
نہیں تھی۔ ہم پر فیئر منس کو وہ لازماً زندہ بچڑا چاہتا ہوگا
تاکہ اس سے کام لے سکے۔
ازام بائوں کو نظر رکھتے ہوئے میں یہ سوچنے میں
حق بہ جانب تھی کہ اس ڈانگ کا مقصد میں ہلاک کرنا بہر حال
نہیں ہے۔ اس نتیجے تک پہنچنے کے بعد جو میری فکر میں نہیں
ہو سکتی تھی۔

موت ہی تھا۔ اس کے آگے تہیار ڈالنے کا تیز سوال ہی نہیں تھا۔
اس دوران میں رضیہ دڑیں کو کسی نہ کسی طرح چپ کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس کی سسکیاں اب بھی نہیں رُکی تھیں۔
"سی وقت پھر چاروں طرف سے نازنگ شروع ہو گئی۔ وہ بی بی بک بیل کی نسبت شدید تھی۔ اس بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اس شدت کی کیا ضرورت تھی! ابھی میری جیتے بگڑے پہنچ سکی تھی کہ نازنگ میں مزید شدت آگئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں محاذ جنگ کے قریب ہوں۔
"یوں لگتا ہے باجی جیسے دو گروہوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہو" رضیہ میرے قریب آکر بولی۔
"ہاں محسوس تو یہی ہو رہا ہے مگر دوسرا گروہ کون سا ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔
"وہ دیکھیں باجی! معارضیہ نے میری توجہ بیل کو پڑھانے میں نہ دل کرائی۔
میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بیل کو پڑھنا ہی سے ایک طرف جا رہا تھا۔
"یہ اچانک ہو کیا؟ رضیہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑلائی۔
"عین ممکن ہے کہ جس جیتے بگڑے ہم پہنچے ہیں خان آف کالا گڑھ نے بھی وہی نتیجہ اخذ کیا ہو" میں نے کہا "وہ خود وہاں پہنچ کر مالیت کا جائزہ لینا چاہتا ہو گا۔ ہماری طرف سے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اس نے اپنی راست میں اس پورے علاقے کو ہمارے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔ ہم بھلا چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کی صورت میں جانچ کہاں سکتے ہیں؟" میں نے چند لمحوں توقف کے بعد پھر کہا "لیکن ہم اتنا تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ اس جگہ سے کدھر ہی اور نکل جائیں۔ حکومت الہ آباد کا جائزہ لے کر پھر ادھر ہی آئے گا۔ ہماری دوبارہ تلاش میں اسے ہر حال کچھ وقت لگے گا اور اس دوران میں ہمیں کچھ کسور کا موقع مل جائے گا۔"
رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ دڑیں کو تو ٹھہر ساتھ چلنے پر آمادہ کر دیا لیکن رضیہ منہاس اٹھ کر چلنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس کی بہت جواب دے گئی تھی اور اب اس کے بڑا دل ہوا نہیں تھا کہ اتنا واسطے وہیں چھوڑ دیا جائے کہ پھر لاؤ کر چلا جائے۔ وہاں چھوڑنے کا سیدھا مطلب یہ ہوتا کہ ہم نے اپنے دشمن سے جزدی شکست قبول کر لی ہے اس لیے میں نے دوسری صورت پر عمل کیا۔

”اوسے اوسے... یہ کیا کر رہی ہو تم؟“ پروفیسر مناس
یہ کہتا ہی نہ گیا اور میں نے اسے اٹھا کر اپنی کمر پر لا دیا۔ پروفیسر مناس
کے جب کا لاکھ میرے لیے قابل برداشت تھا۔ یوں بھی وہ بڑبڑوں کا
دھماچہ تھا۔
”چلو! میں نے رضیہ سے کہا۔
”ذریں مجھے اس طرح حیرت سے دیکھ رہی تھی جیسے میں کسی
دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ رضیہ، ذریں کا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ
ساتھ چلنے لگی۔ فائرنگ کی آوازیں اب تک نہ رہی تھیں اور ان میں
وہی شدت برقرار تھی۔
”تیز چلو!“ میں نے تیز تر قدم اٹھاتے ہوئے رضیہ سے
کہا۔ ”ہم یہاں سے جلدی دور نکل جائیں اچھا ہے تاکہ خان آٹ کالاکوٹ
ہیں فوراً تلاش نہ کر سکے۔“
رضیہ نے اپنی رفتار بڑھادی۔ ذریں اس کے ساتھ تقریباً
گھسٹ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کبھی پہلے ایسے حالات
سے دوچار نہیں ہوئی ہوگی۔
سفر جاری رہا۔ پھر میں اس وقت کھل اٹھی جب میری نگاہ
ایک چھوٹے سے تالاب پر پڑی۔ میں اس کی طرف تقریباً دوڑنے
لگی۔ میں وہ لمحے تھے جب اچانک فائرنگ بند ہوگئی اور اسی کے
ساتھ میری سماعت سے پہلی کو پکڑ کا شور مچا یا۔ میں نے مڑ کر
دیکھا۔ پہلی کو پکڑ ابھی در تھا۔ خان آٹ کالاکوٹ پھر قضا بن
کر ہمارے سرول پر چکراے والا تھا۔ اس دوران میں کم از کم
پچاس تو بھائی ہی جا سکتی تھی۔ پانی دیکھ کر پیاس کی شدت
بڑھ گئی تھی۔ جیسے مطلق میں بھی اب کاٹھنے پڑنے لگے تھے پروفیسر
مناس کو کمر پر لا کر میں تقریباً ڈیڑھ دو میل ریت پر چل پتی وہ
بھی انتہائی تیز رفتاری سے۔ لیکن اس کے باوجود وہاں پانی نظر
نہ آتا تو میں رکے کا فیصلہ نہ کرتی۔ فائرنگ اچانک کیوں رک
گئی؟ اور خان آٹ کالاکوٹ کیوں ٹوٹ آیا؟ تالاب کی طرف
دوڑتے ہوئے یہ دونوں سوال میرے ذہن میں مزید میں ہی لگا
لپے تھے۔
پھر اس سے پہلے کہ ہم تالاب تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے،
پہلی کو پکڑ ہمارے سرول پر چکراے لگا۔ میں نے دوڑتے دوڑتے
ایک دم رک کر پروفیسر مناس کو ریت پر پھینک دیا۔ اسی وقت
پہلی کو پکڑ تیزی سے سینچے آئے لگا۔
”اس ہائرنگ ہماری طرف سے شروع ہوئی۔ میری اور
رضیہ کی چلائی ہوئی دو گولیاں پہلی کو پکڑ کی باڈی میں لگیں۔ خان
آٹ کالاکوٹ نے بھی چلائی فائرنگ کی مگر اسے چند لمحوں کے

دیر ہو گئی تھی۔ پہلی کو پڑاس وقت تک اونچا ہو۔ لگا تھا خان آف کالا گڑھ نے اسے گولی مار رہے تھے۔ کوہست اپنی تربیت دلوائی تھی۔ اس تک مجھے یار فیکر کو آنا موقع نہیں ملا تھا کہ ہم پہلی کو پڑک ٹپکی کو نشانہ بنائے۔ وہ یعنی تیزی سے نیچے آتا تھا، اپنی تیزی سے بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔ میری اور فیکر کی نگاہیں پہلی کو پڑ پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس چوہے پٹی کے سے کھیل سے مجھے الجھن ہوئے لگی تھی۔ اس تک میں نے مصلحت کے پیش نظر بہت محتاط ہو کر فائرنگ کی تھی۔ ایک دیوار خالی ہونے والا خاوا اور اب میں نے وہ دیوار اور اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیا تھا جس سے ایک جی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں اس ہنگامے کے دوران میں چلائی جانے والی گولیاں نہیں گن کی تھی۔ وہ دیوار اور کسی بھی وقت میرا ساتھ چھوڑ سکتا تھا جو میرے اندازے کے مطابق اب خالی ہونے والا تھا۔ فیکر کو بھی میں نے اب دوسرا دیوار اور استعمال کرنے کی تاکید کر دی تھی۔ اگر میں فائرنگ کرنے میں اس قدر احتیاط سے کام نہ لیتی تو شاید اب یہ خان آف کالا گڑھ کی پہلی کو پڑ کو ہٹ کر چلی ہوتی۔ جب میں نے ایک بار پھر پہلی کو پڑ کو غوطہ لگا دیکھا تو سوچا اس پر یا اس پار!

پھر جیسے ہی میں نے پہلی کو پڑ دیوار اور کی درجہ بندی کیا، دیوار اور کی بلندی دانی چلی گئی۔ اوپر سے خان آف کالا گڑھ بھی گولیاں برسا رہا تھا لیکن مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہمارے ساتھ تیزی کی موجودگی نے اسے فائرنگ کرنے میں بہت محتاط کر دیا تھا۔ گولیاں ہمارے قریب آ کر ریت میں گھسن رہی تھیں۔ لاکھ اس کے سینے میں دل کی جگہ پھر تھا مگر وہ بہ حال باپ تھا۔ اس کی ہمت نہیں چور ہی تھی کہ تیزی کی رو اس کے بغیر براہ راست اندھا دھند فائرنگ کر سکتا۔

فضا پے در پے دھماکوں سے گونج رہی تھی۔ اس بار خان آف کالا گڑھ بھی پیسے کی نسبت زبردہ و مرقاہ پڑا تھا۔ بغیر گڑھے فائرنگ کرتے دیکھ کر یہ کہہ کر دیوار اور نے سلسلے سے اگلے دراتھا۔ پہلی کو پڑ ٹالاب سے کچھ فاصلے پر فضا میں رارہا تھا۔

پھر وہ کھو آئی گیا جب رھیہ چن پڑی وہ مارا؟

میری چلائی ہوئی ایک گولی نے پہلی کو پڑ کی ٹپکی میں سوراخ ہی دیا تھا۔

ساتھ ساتھ کہہ کر یہ گولی پہلی کو پڑ کی ٹپکی میں

کے ساتھ زمین کی طرف آنے لگا تھا۔ ایک سیڑھی اسی کی
 لٹکی چھٹ سکتی تھی اور فضا میں اس کے چھتھرے بکھر سکتے تھے۔
 آخر کار نہیں پہلی کو پٹر کوٹ کر لے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔
 پہلی کو پٹر شعلوں میں گھر چکا تھا۔
 پھر اس سے پہلے کہ پہلی کو پٹر کے چھتھرے اڑ جاتے ہیں
 نے کسی کو اس میں سے چھلانگ لگانے دیکھا مگر میں اسے
 پہچان نہ سکی۔ اس کے پٹوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔
 شعلوں میں گھرا ہوا پہلی کو پٹر ہمارے بالکل اوپر سے
 گزرتا ہوا آڑ سے نکل گیا۔ وہ اس قدر نیچا تھا کہ ہم نے
 شعلوں کی تپش بھی محسوس کی۔ وہ کہیں بھی گر کر تباہ ہو سکتا
 تھا، یہ سوچ کر میں نے رفیعہ کو اشارہ کیا تھا اور رفیعہ آڑیں
 سمیت دیت پر گر پڑی تھی۔
 پہلی کو پٹر سے چھلانگ لگانے والا سیدھا تالاب میں
 گرا اور ایک چھپکا ہوا۔ اسی کے چند لمبے بعد ایک زبردست
 دھماکا سنائی دیا اور ہم سے تقریباً سو گز دور پہلی کو پٹر کے
 چھتھرے بکھر گئے مگر ہم اس سے پہلے ہی دیت پر گر پڑے
 تھے اس لیے کہ اس کا کوئی بھی ٹکڑا ادھر آ سکتا تھا۔ پھر یہی ہوا
 بھی تھا۔ پہلی کو پٹر کے چھتھرے ہمارے اوپر سے
 گزرتے تھے مگر یہ قطعی محفوظ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ہمیں اس کی
 طرح ایک بک دیت پر پڑا اور تھا۔ اس نے ہنگامے کے دوران
 میں ایک بار بھی اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
 چلتے ہوئے پہلی کو پٹر سے تالاب میں گرے والا خان آف
 کالاگوٹ کے سروا اور کوئل ہو سکتا تھا اور میرا اندازہ غلط نہیں
 نکلا۔
 میں اور رفیعہ ابھی اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے کسی کو
 تالاب سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس کے قدم بڑی طرح
 ڈنگا رہے تھے اور میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خان آف
 کالاگوٹ ہی تھا۔
 ”خان! اٹھ جاؤ!“ میں چیخ اٹھی ”رک جاؤ ورنہ میں گولی
 مار دوں گی!“
 میری دھمکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بھاگتا ہی رہا۔
 میں نے اس کے پیروں کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا لیکن فائر نہیں
 ہوا۔ میرا دیوالوری خالی ہو چکا تھا۔ میں نے وہ دیوالور دیت ہر
 پھینک کر دوسرے دیوالور سے فائر کیا مگر گولی اس کے نہیں
 لگی۔ میں نے فائر بائیں ہاتھ سے کیا تھا کیوں کہ دائیں ہاتھ میں
 وہ اسلحہ لے کر دو نشانہ لےنے میں وقت ضائع ہوتا۔

اسی وقت رفیعہ کے دیوالور نے شعلہ اٹھ دیا۔ خان آف
 کالاگوٹ کی چیخ سنائی دی اور وہ لہرا کر دیت پر گر پڑا۔ مجھے
 یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ رفیعہ نے بھی اس کے پیروں کو نشانہ
 بنایا تھا۔ رفیعہ میری بہن تھی اور یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میں
 اپنا شکار خود کرنے کی قائل ہوں۔
 تقریباً ساٹھ میٹر شعلہ کے فاصلے پر میرا شکار دیت پر پڑا ہوا
 ٹریپر رہا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر زندقہ میری۔ میرے ہاتھ
 ساتھ رفیعہ اور دزیر بھی ادھر دوڑ پڑی تھیں۔ رفیعہ تو خیر میری
 تیز رفتاری کا ساتھ دے رہی تھی مگر دزیر پیچھے رہ گئی تھی۔
 جس وقت میں دوڑتی ہوئی خان آف کالاگوٹ کے تریپر پہنچا
 ایک دم اچانک پڑی سہ میری توقع کے خلاف اچانک اٹھ کر کھڑا
 ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت دگرگوں تھی۔ اس کے جسم پر بیت لہ
 بائی میں لٹھرا ہوا لباس پتیلوں کی صورت میں جھول رہا تھا۔ چو
 جھکا ہوا تھا۔ ٹونگے کا دایاں حصہ جل گیا تھا جس سے اس کا چہرہ
 مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ جسم کے کچھ حصے قطعی بے لباس تھے۔
 مجھے یہ سمجھے میں در نہیں لگی تھی کہ اسے گولی نہیں لگی۔ میں
 نے عین گولی نکلنے کی کامیاب ادکاری کی تھی ورنہ وہ اپنے پیروں
 پر نہ کھڑا ہو سکتا۔
 اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر مجھے تو ذہنی جھٹکا لگا تھا ”اب
 میں اس سے منبھل چکی تھی۔ میرے اور رفیعہ کے دیوالوروں کی
 نالیں، خان آف کالاگوٹ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 خان آف کالاگوٹ مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے میری
 طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ مگر میں نے خطہ محسوس کیا۔ خان
 آف کالاگوٹ کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف تھے۔ میرے اور خان
 آف کالاگوٹ کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔
 ”خان! اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہنا!“ میں نے
 اسے وارننگ دی ”اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش
 دی تو...“
 میں اپنا چہل پورا نہ کر پائی تھی کہ خان آف کالاگوٹ دھشیا
 انداز میں ہنس پڑا، پھر بولا ”ڈر رہی ہو تم مجھ سے! میرے
 ہاتھ میں موت چاقو ہے! اگر دیوالور ہوتا تو اب تک تم دونوں
 دیت پر پڑی ایبڑیاں دگر دہی ہوئیں!“ یہ کہتے ہی اس نے
 اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔
 مجھے اعتراض ہے کہ خان آف کالاگوٹ بڑے دل میں
 کاٹاک تھا۔ اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے یہ بھی پروا نہیں
 کی تھی کہ میں اسے وارننگ دے چکی ہوں اور اس کی طرف

میں اس وقت رفیعہ کے دیوالور نے شعلہ اٹھ دیا۔ خان آف
 کالاگوٹ کی چیخ سنائی دی اور وہ لہرا کر دیت پر گر پڑا۔ مجھے
 یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ رفیعہ نے بھی اس کے پیروں کو نشانہ
 بنایا تھا۔ رفیعہ میری بہن تھی اور یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میں
 اپنا شکار خود کرنے کی قائل ہوں۔
 تقریباً ساٹھ میٹر شعلہ کے فاصلے پر میرا شکار دیت پر پڑا ہوا
 ٹریپر رہا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر زندقہ میری۔ میرے ہاتھ
 ساتھ رفیعہ اور دزیر بھی ادھر دوڑ پڑی تھیں۔ رفیعہ تو خیر میری
 تیز رفتاری کا ساتھ دے رہی تھی مگر دزیر پیچھے رہ گئی تھی۔
 جس وقت میں دوڑتی ہوئی خان آف کالاگوٹ کے تریپر پہنچا
 ایک دم اچانک پڑی سہ میری توقع کے خلاف اچانک اٹھ کر کھڑا
 ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت دگرگوں تھی۔ اس کے جسم پر بیت لہ
 بائی میں لٹھرا ہوا لباس پتیلوں کی صورت میں جھول رہا تھا۔ چو
 جھکا ہوا تھا۔ ٹونگے کا دایاں حصہ جل گیا تھا جس سے اس کا چہرہ
 مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ جسم کے کچھ حصے قطعی بے لباس تھے۔
 مجھے یہ سمجھے میں در نہیں لگی تھی کہ اسے گولی نہیں لگی۔ میں
 نے عین گولی نکلنے کی کامیاب ادکاری کی تھی ورنہ وہ اپنے پیروں
 پر نہ کھڑا ہو سکتا۔
 اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر مجھے تو ذہنی جھٹکا لگا تھا ”اب
 میں اس سے منبھل چکی تھی۔ میرے اور رفیعہ کے دیوالوروں کی
 نالیں، خان آف کالاگوٹ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 خان آف کالاگوٹ مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے میری
 طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ مگر میں نے خطہ محسوس کیا۔ خان
 آف کالاگوٹ کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف تھے۔ میرے اور خان
 آف کالاگوٹ کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔
 ”خان! اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہنا!“ میں نے
 اسے وارننگ دی ”اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش
 دی تو...“
 میں اپنا چہل پورا نہ کر پائی تھی کہ خان آف کالاگوٹ دھشیا
 انداز میں ہنس پڑا، پھر بولا ”ڈر رہی ہو تم مجھ سے! میرے
 ہاتھ میں موت چاقو ہے! اگر دیوالور ہوتا تو اب تک تم دونوں
 دیت پر پڑی ایبڑیاں دگر دہی ہوئیں!“ یہ کہتے ہی اس نے
 اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔
 مجھے اعتراض ہے کہ خان آف کالاگوٹ بڑے دل میں
 کاٹاک تھا۔ اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے یہ بھی پروا نہیں
 کی تھی کہ میں اسے وارننگ دے چکی ہوں اور اس کی طرف

میرے پاؤں کی ٹھوکر لے اس کی بیٹائی کی کھال میں شگاف ڈال
 دیا تھا۔
 پھر چند لمبے گز رے تھے کہ وہ آہستہ آہستہ اُٹھنے لگا۔ ابھی
 اس میں جان بھی باقی تھی اور بہت سی! میں انتظار کرنے لگی کہ وہ
 اٹھ کر کھڑا ہو جائے تو اس پر حملہ کر دیا مگر اس سے پہلے ہی ایک
 دھماکا ہوا اور خان آف کالاگوٹ کے سینے سے ٹخن کا ٹکڑا اُڑا
 پڑا۔ چند لمبے میں سمجھ میں نہیں باقی تھی کہ اس پر گولی کس نے چلائی!
 رفیعہ سے میں اس حرکت کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ خان آف کالاگوٹ
 سینہ تھامے گئے لگا مگر اسی وقت پے درپے دو گولیاں اور اس
 کے جسم میں اُتر گئیں۔
 اچانک فضا میں ایک بیانی قہقہہ بلند ہوا اور پھر ایک آواز
 اُبھری۔ ”میں نے اپنی ماں کا انتقام لے لیا۔ میں نے اپنی ماں کے قاتل
 کو ہلاک کر دیا!“ اس کے بعد پھر قہقہے سنائی دینے لگے۔
 میں نے مڑ کر دیکھا۔ رفیعہ سے کچھ فاصلے پر آڑیں کھڑی تھی۔
 اس کے ہاتھ میں دیوالور تھا جو خان آف کالاگوٹ سے برد آور سا
 ہوتے وقت میں نے پھینک دیا تھا۔ آڑیں نے نہ جانے کب وہ
 دیوالور ڈھونڈ لیا تھا۔
 پھر میں اس وقت کانپ کر رہ گئی جب آڑیں کو دیوالور کی
 نال اٹھانے دیکھا۔ اب اس نے دیوالور کی نال کا رخ اپنی کینچڑ
 کی طرف کر لیا تھا۔
 اگر رفیعہ شانے کی آتی تھی نہ ہوتی تو آڑیں خود کشی کر چکی ہوتی۔
 رفیعہ نے آڑیں کے دیوالور کی نال کو نشانہ بنایا تھا اور اس ڈاڑی
 سے کہ آڑیں کو معمولی سی خراش بھی نہیں آتی تھی۔ آڑیں کے
 ہاتھ سے دیوالور چھوٹ کر بہت دور گرا تھا اور پھر جیسے وہ
 ہوش میں آگئی تھی۔
 ”ڈیڈ! ڈیڈ!“ وہ چیختی ہوئی اس طرف دوڑی تھی
 جہاں خان آف کالاگوٹ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔
 وہ منظر میں آج بھی نہیں بھلا سکی۔ آڑیں اپنے باپ کی
 خول آلود لاش سے لپٹ لیٹ کر دو رہی تھی۔ یہ درد ناک
 منظر دیکھ کر میری آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے تھے۔
 چند لمبے بعد ہی میں نے رفیعہ کو گھر کر کے پڑتے
 اور دیت پر تقریباً اُٹھتے ہوئے ادھر آتے دیکھا تھا۔ شاید اب
 اسے یقین ہو گیا تھا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔
 اسی وقت فضا میں ہلکا سا زلزلہ محسوس کر کے میں چونک
 اٹھی۔ پھر کچھ دیر ہی میں یہ ارتعاش بلکی بلکی میری گھر کا گھرٹ میں
 تدارک پڑا۔

”باجمی!“ رضیہ نے مجھے مخاطب کیا۔ شاید ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔“

”ہاں میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں مگر اب... اب ادھر کون آسکتا ہے؟ میں نے کہا۔“

”کیا آپ خان آف کالاگوٹ کے ساتھیوں کو بھول گئیں باجمی؟“ رضیہ مدہی سے بولی۔

”لیکن اگر ان لوگوں کے پاس کوئی پہلی کوپٹر ہوتا تو وہ بہت پہلے خان آف کالاگوٹ کی مدد کرنے آچکے ہوتے۔“

میں نے جواب دیا۔

”ممکن ہے خان آف کالاگوٹ نے انہیں ادھر آنے سے منع کیا ہو۔“ رضیہ نے اپنا خیال کاہر کیا۔

اس وقت تک گڑگڑاہٹ میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا اور میں سمجھ چکی تھی کہ وہ کسی ایک پہلی کوپٹر کی آواز نہ رہا تھا۔

وہ ایک نہیں، کئی پہلی کوپٹر ہو سکتے ہیں۔ اگر اتنے دالے واقعی خان آف کالاگوٹ ہی کے ساتھی تھے تو اب ہم اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان سے مقابلہ کر سکتے اس لیے میرا سن پچاؤ کی صورت میں سوچنے میں مصروف ہو گیا۔

پھر کچھ ہی دیر بعد پہلی کوپٹر نظر ہی آنے لگے۔ وہ تعداد میں تین تھے اور بہت اونچی پرواز کر رہے تھے۔ قریب آتے پر انہیں نشانہ بنانا بہت آسان تھا مگر میرے ہاتھ خالی تھے۔ میں انسانی تیزی کے ساتھ اس طرف پیک جھڑپ میں نے ذریعہ کے ہاتھ سے ریلوے جھوٹ گرتے دیکھا تھا میں پہلے ہی محسوس کر چکی تھی کہ قبیر کے ہاتھ میں صرف ایک ریلوے تھا اور اس کے بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس میں کتنی گولیاں باقی تھیں۔ دوسرا ریلوے۔ رضیہ نے خالی ہوجانے کے بعد چپک چپ دیا ہو گا میا خویں نے کیا تھا۔

یقین کے ساتھ تو اس ریلوے کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس میں گولیاں کتنی تھیں یا نہیں جس سے تو اس کرنا چاہتی تھی لیکن کبھی امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں وہ ریلوے ڈھونڈھ لیتی، ایک سرسبز لائن کا دائرہ مجھے سے چند فٹ کے فاصلے پر پیکر لیا۔ میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک پہلی کوپٹر بالکل میرے سر پہنچ چکا تھا اور وہ سرسبز لائن اسی سے پھینکی جا رہی تھی۔ پہلی کوپٹر اس قدر نیچے تھا کہ مجھے واضح طور پر اس کے دروازے میں بیٹھا ہوا شخص نظر آ رہا تھا۔ پہلی کوپٹر میں روشنی تھی اسی لیے میں نے اس شخص کو پہچان لیا تھا اور تھیں ٹری تھی۔ اسی وقت سرسبز لائن کا دائرہ ریلوے

مجھ پر پڑا اور تیز روشنی کے سبب میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔

”رضوان!“ میری سلامت سے رضیہ کی آواز گھمائی۔

وقت سے پہلے تھی مگر ابھی کوپٹر کے شور میں اس کی آواز نہ پہنچ جاتے۔

پہلی کوپٹر کے دروازے میں نظر آنے والا رضوان ہی تھا۔

رضیہ نے اسی لیے اس پہلی کوپٹر پر غور نہیں کیا تھا۔

میں رضیہ اور رضوان دونوں کے درمیان میں بیٹھ گیا۔

یہی رہے تھے۔ ابھی بھی رضوان تمام تفصیلات بتا کر غور کر رہا تھا۔ وہ اس شرار پر مجھے تفصیلات بتانے پر راضی ہوا تھا کہ اور رضیہ کو برازیل جانے کی اجازت دے دوں۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تھا اور رضیہ نے نگاہیں جھکا لی تھیں، گویا وہ یہی مرضی تھی۔ میں نے انہیں برازیل جانے کی اجازت دے دی۔

”اللہ آپ کے ہونے والے بچوں کو جیتا رکھے۔“ رضوان اجازت ملنے ہی کہا تھا۔ آپ بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ ہر لے کر پیرس یا لندن چل جائیں مگر میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ تشریف لے جائیں۔ وہاں دو عدد دلوں کی آپ کے لیے فرش راہ کیے بیٹھے ہوں گی۔ خوب گزرنے کی جگہیں چار۔“

میں کچھ گھٹی گھٹی رضوان سے سن سکتا اور فرنگ کی کیا تھا مگر میں رضیہ کی موجودگی کے سبب اس وقت رضوان کا ٹال گئی۔

”تم بڑی کواں ہی کیے جاؤ گے یا کام کی بات بھی کر رہے ہو۔“ رضوان نے انہیں نکالی تھیں۔

”کام کی بات تو میرا ایک ہی ہوتی ہے جواب اس کے کوٹ میں نہیں۔ خیر چھوڑیے پھر بھی سہی۔“ یہ کہہ کر رضوان پر اٹھ گیا تھا۔

رضوان کو اس قید خانے سے نکال کر خان آف کالاگوٹ کے پاس لے جایا گیا تھا۔ وہ میرا ایک جیب کے ذریعہ کہا کہ کی آنکھوں سے اس وقت پہلی کھولی گئی تھی جب کہ وہ پہلی کوپٹر میں تھیں۔ وہ آدھی رضوان کے دایں بائیں بیٹھے تھے۔ ریلوے کی ٹالیں اس کی پیلوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ خان آف کالاگوٹ رضوان سے خان ولاجی میں ملا تھا۔ اس خان آف کالاگوٹ کے ساتھ اس کا غیر کی ممان باپ بھی تھا۔ خان آف کالاگوٹ کوئی خط پڑھ کر باب کو سنا رہا تھا اور

سے وہ خط نہ دیا تھا۔ رضوان نے اس کے سامنے داخل ہوتے دور دراز سے کبھی شیل سے یہ منظر دیکھا تھا۔ خان کے آدمی اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے تو خان آف کالاگوٹ نے خط لے کر کمرے میں پڑھ کر دیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ غالباً اپنے ممان کے سامنے رضوان کی بات کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے باب سے مدد نہ لی اور کہا تھا کہ وہ خود ابھی کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں آجائے۔

میں نے رضیہ کو بتایا وہیں ہوں گی۔

خان آف کالاگوٹ اپنے ممان کو چھوڑنے کے لیے کدواڑ لے گیا تھا اور اسی دوران میں رضوان کو ہاتھ کی صفائی دکھانے کا کہا تھا۔ وہ پاؤں کھینچنے کے بجائے کھینچا تھا اور اس خط سے اٹھا کر اپنے کمرے میں منتقل کر دیا تھا۔

اس کے بعد رضوان نے خان آف کالاگوٹ کو اس طرح باتوں کا بیان کیا اور میرے بارے میں کچھ ایسے اہم اہم افشانات بیان کیے تھے کہ فحش سے اس خط کا خیال ہی نکل گیا تھا جسے کچھ دیر پہلے اس کے کمرے میں رکھا تھا۔ رضوان نے اسے اپنے بندہ بھلے دام ہونے کا دیا تھا۔

پھر خان آف کالاگوٹ کے حکم پر اس کے آدمی رضوان کو لے کر روانہ ہو گئے تاکہ میرا پارہ کو میں نے جہاں چھوڑ رکھا تھا اسے اُسے نکال لے جائیں۔ رضوان ان دونوں کو منگھو پیر کی کی طرف لے گیا تھا اور پھر یہ آسانی ڈونج دے کر نکل گیا تھا۔

وقت رضوان کے دم دگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں وہ خان آف کالاگوٹ کے خلاف کتنا مضبوط اور اہم ہوں گا کہ چکا تھا۔ رضوان کو اس بات کا احساس اس وقت اس نے وہ خط پڑھا۔

خط خان آف کالاگوٹ کے نام تھا۔ اس خط کو کھنے والا اب میرے ممان پر فائز تھا۔ اس نے کھنا تھا کہ خان آف کالاگوٹ نے اپنا پر تمام نیایاں مکمل ہو چکی ہیں اور اب صرف خان آف کالاگوٹ کے بارے میں معلوم کیا گیا تھا کہ اس کی منزل میں ہے۔ پڑھ کر رضوان شانے میں آگیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت شکست خان آف کالاگوٹ اختیار پر فخر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ رضوان کے لیے یہ کچھ بھی دشوار نہیں رہا تھا کہ خان کا باب کسی بڑی طاقت کا نمائندہ ہے جس سے خان آف کالاگوٹ کو بچنا پڑے۔

اس کے بعد رضوان فوراً ہی حرکت میں آگیا تھا لیکن اور پیک پہنچنے کے لیے اس کا ٹاڈا وقت ضائع ہوا تھا۔ فوراً ہی دارالحکومت سے لڑا بطنہ قائم کیا گیا تھا جہاں سے لڑائی ایکشن کے احکامات ملنے میں خاصی دیر لگتی تھی۔ رات کو تقریباً دو بجے لڑائی حرکت میں آئی تھی اور پھر خان آف کالاگوٹ کے ہر پھانے پر چھاپا مارا گیا تھا۔ خان ولا کو بھی گھیر لیا گیا تھا مگر نہ جانے کس طرف باب کو کھینچ لیا گئی تھی اور وہ وہاں سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ کے ایک بڑے ملازم سے اس کی ٹکا گاہ کا پتہ چلا تھا جو اقل اور گوٹ ہمارے درمیان واقع تھی۔ یہ پتہ چلتے ہی لڑائی پہلی کوپٹر اور مک اس سمت وادہ ہو گئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی لڑائی اس کو پسے ملائے کو پسے گھیرے میں لے لیا تھا اور پھر خان آف کالاگوٹ نے اس طرف کا رخ کیا گیا تھا۔

پھر وہ لوگ لڑائی کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹیک کے تھے جو حلقہ بنائے خان آف کالاگوٹ کے سامنے بڑھ رہے تھے۔ رضوان بھی اپنا اثر ورسن استعمال کر کے لڑائی پریشان میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ بھی ایک لڑائی پہلی کوپٹر میں تھا۔ پھر خان آف کالاگوٹ کی لاش کو لڑائی نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ تھیں اور پھر رضیہ ممان کے سامنے بیٹھ گئے۔

میں سب ایک لڑائی پہلی کوپٹر میں ہی کر چکی تھی۔ رائے میں رضیہ نے میرے ایما پڑ تھیں کہ اپنے اور میرے بارے میں بتاوا تھا۔ اس وقت تھیں اتنی تھکال اور اداں تھی کہ وہ کسی انکشاف پر نہیں جوتی تھی۔ دینا دسنا اور مضبوطی اور ایک ہی شخصیت کے دو روپ تھے۔ اس پر بھی تھیں کسی خاص درجہ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ تھیں کو ہم خان ولا میں چھوڑ کر ڈیفنس آگئے تھے۔ پھر رضیہ ممان اب بھی ہمارے ساتھ تھا کہ اس نے بتاوا تھا، مگر پارہ میری کو بھی لے کے تھانے میں موجود ہے اور اسے وہاں کیوں رکھا گیا تھا۔ کو بھی پہنچتے ہی میں نے اسے مسیہ پارہ سے جان چھڑانے کے لیے رضوان سے کہا تھا کہ وہ فوراً اپنے دوست سلطان کو فون کر کے وہاں بلا لے تاکہ وہ اپنے والد پر رضیہ ممان اور اپنی سوتیلی بہن ماہ پارہ کو وہاں سے لے جائے۔

رضوان کی غیر موجودگی میں میری ملازمت خاص مہ پارہ کے لیے خود روشنی کا بندوبست کرتی رہی تھی اس لیے مہ پارہ کے ہم پر چھاپا ہوا بندہ گوشت جوں کا توں موجود تھا۔

سلطان اپنے والد کے بارے میں خوش خبری سننے سے فوراً میری کو بھی پہنچ گیا تھا اور پھر وہ اپنے والد اور سوتیلی بہن سمیت جا۔

ہی رخصت کر دیا گیا کہیں کہ ہم سہی خندا سے ہورہے تھے۔

میں نے کہی آتے ہوئے راستے میں بہت کوشش کی تھی کہ رضوان مجھے تخصیلات سے آگاہ کرنے کو روک رہا نہیں ہوا تھا۔ آئندہ دروز کے اندر خان آف کالاگوٹ کے بارے میں کئی اور باتیں سنانے آئیں۔ اگر یہ باتیں سامنے نہ آتیں تو میں کبھی نہ سمجھ پاتی کہ سنگیتا کا عجیب شکیل کیوں موت سے دوچار ہوا اور خان آف کالاگوٹ نے اس کہیں کو کیوں رکوا دیا تھا، پھر وہ کیوں میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ کے پروردہ تمام محلے کا قانون کی گرفت میں آپکے تھے۔ انہی کے ذریعے تمام باتیں سامنے آئی تھیں۔ خان آف کالاگوٹ اقتدار پر قابض ہونے کے لیے غیر قانونی اسلحہ بھی جما کر رہا تھا۔ جس میں فیکٹری اسلحہ بھی شامل تھا جو انگلوں کے ذریعے ملک میں لایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود اندر دلی ملک غیر قانونی طور پر جو اسلحہ تیار کیا جاتا تھا، خان آف کالاگوٹ وہ بھی خریدتا تھا۔ یہ تمام اسلحہ ننگرہاکہ کی حالت کے نہیں دروز نڈ خانوں میں ذخیرہ کیا جا رہا تھا۔ بڑی نے تمام فیکٹری اور غیر فیکٹری اسلحہ قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ ایسے ہمارے اسلحہ بھی لایا تھا جس سے ہر دوست نامزد مراد تھے اور حکومت نہیں چاہتی تھی کہ ان ہمارے تعلقات خراب ہوں اس لیے انجارات میں کچھ نہیں آیا۔ پوری سازش کا خاموشی کے ساتھ قلع قمع کر دیا تھا مگر رضوان تو ایک جھیدی تھا وہ ساری خبریں لے آتا تھا۔

سنگیتا کے عجیب شکیل کا تعدادم ایک ایسے ہی ترک سے ہوا تھا جس میں غیر قانونی اسلحہ لایا ہوا تھا۔ یہی سب خاکی خان آف کالاگوٹ اس معاملے کو دانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے نفع میں ایک حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا مگر درمیان میں ان کے نامک آزادی۔ اس نے مجھے اس معاملے میں دلچسپی لینے سے روکنا چاہا اور پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ شکیل کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ حادثے کا شکار ہوا تھا۔ خان آف کالاگوٹ نے مجھے اس معاملے سے جتنا دور رکھنے کی کوشش کی تھی اس میں اور غلط ہوتی چلی گئی۔ خان آف کالاگوٹ کی ایک معمولی سی غلطی اُسے لے ڈوبی۔ اگر وہ مجھے نہ چھوڑتا تو شاید اتنی جلدی اپنے انجام کو نہ پہنچتا۔ شاید اس نے مجھے جس میں غلطی کی تھی، خیر اس پر کیا غصہ اکثر مرد عورت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور اسے خود سے کٹر اور کمزور جان کر موت کی نیند سو جاتے ہیں۔

اگلے ہفتے میں نے رضوان اور حمید کو خبر یاد کیا۔ وہ دونوں بڑیل چلے گئے میرا وہ بھی چند دن مکمل آرام کر کے نیویارک جانے کا تھا۔ مجھے ان دونوں سنگیتا بہت یاد آ رہی تھی۔ میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ

میں نے اس کے عجوب کا انتقام لے لیا ہے۔

کوئی ہفتے بھر بعد میں نے بھی نیویارک کے لیے سیٹ لے لی۔ میں اسی دوران میں ابریز سے بھی ملی۔ اس نے کچھ اس انداز میں نیویارک کے لیے سیٹ آف کرنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے اعلان ہی پڑا۔

جس دن میں روانہ ہونے والی تھی میں نے ابریز کو فون کیا کہ وقت مقررہ پر ایر پورٹ پہنچ گیا۔ جب مسافروں سے جہاز میں کی درخواست کی جا رہی تھی اور میں ابریز کو خدا حافظ کہہ کر روانہ ہونے والی تھی تو اچانک اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے جیت کی طرف دیکھا۔

”دو ذرا بٹھریے“ ابریز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ میں نے چہرے پر بھی ہنسی ہوئی تھی۔

”کیوں کوئی بات کہنا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں“ اس نے جواب دیا۔

”پھر؟“ میں حیرت سے بولی۔

”بس کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہیں بانو!“ اس کی آواز دُور سے آرہی تھی۔ ”میں... میں اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں“

میں چاہتی تو اس کی خواہش کو ٹھکرا سکتی تھی مگر نہ

میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں اسی طرح کھڑی رہی اور ابریز

میں نے جتنا دیر باہر میں بول کر اس کی عزت ختم کر

نہیں کی۔ مجھے کوئی دیکھ جاتا۔ میرے دل میں کبھی اس

کوئی خواہش کسی مرد کے لیے پیدا نہیں ہوتی ہے

کوئی ایسا ہو کہ دیکھے جائے

میں جہاں تک نظر آئے جاؤں

اور اس دن بھی میرے دل میں یہ خواہش پیدا

حالا کہ مجھے یقین ہے میں جب تک نظر آتی رہی ہوں گی

بغیر یک جھپکاٹے دیکھتا رہا ہوگا۔



چھلاوا

ختم شد

